سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

حکیم محمود احمد ظفر

Marfat.com

سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

حکیم محمود احمد ظفر

تخلیقات
6۔بیگم روڈ، لاہور فون 042-37124933/37238014
Email: takhleeqat@yahoo.com
www.takhleeqatbooks.com

Marfat.com

۲۹۷،۹۹۲۱
ظ ف ۲۸۳
۹۷۵۹۰
۲/

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

ناشر : "تخلیقات" لاہور۔

اہتمام : لیاقت علی

تاریخِ اشاعت : 2010ء

کمپوزنگ : المدد کمپوزنگ سنٹر لاہور

پرنٹر : شاہ محمد پرنٹر لاہور۔

ضخامت : 936 صفحات

قیمت : -/850 روپے

Marfat.com

فہرست

سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

- پیش آہنگ ______ 17
- دور جاہلیت ______ 20
- جاہلیت کیا ہے؟ ______ 34
  - ایرانی سلطنت کی حالت ______ 36
  - رومی سلطنت کی حالت ______ 46
  - ہندوستان اور چین کی حالتِ زار ______ 53
- دنیا کا عمومی جائزہ ______ 56
  - جزیرہ نما عرب ______ 58
  - بت پرستی ______ 58
  - بت پرستی کا آغاز کب ہوا؟ ______ 59
  - عربوں کے مشہور بت ______ 61
  - بتوں کے بارے میں عربوں کا عقیدہ ______ 68
  - دین ابراہیمی میں تبدیلی ______ 70
- مکہ المکرّمہ ______ 78
- حسب ونسب ______ 81
  - آپ ؐ کے اجداد ______ 81
  - قصی ______ 83

- قصی کی اولاد ____ 87
- ہاشم بن عبد مناف ____ 90
- خواجہ عبدالمطلب ____ 95
- چاہ زمزم کی دریافت ____ 99
- بنو مطلب کا بنو ہاشم سے تعاون ____ 102
- بیٹے کی نذر ____ 102
- کعبہ پر ابرہہ کی چڑھائی ____ 103
- خواجہ عبدالمطلب کی اولاد ____ 109
- خواجہ عبدالمطلب کی ازواج ____ 110
- حضرت عبداللہ کی شادی ____ 110
- حضرت عبداللہ کا انتقال ____ 112

ولادت باسعادت ____ 114

- نسب نامہ ____ 115
- نام نامی ____ 119
- کنیت ____ 122
- ختنہ ____ 122
- رضاعت ____ 123
- سعدیہ حلیمہ کا بیان ____ 127
- شق صدر ____ 129
- شق صدر کے اسرار ____ 131
- سیدہ آمنہ کا سفر آخرت ____ 131
- خواجہ عبدالمطلب کی سرپرستی ____ 133

زبیر بن عبدالمطلب کی جانشینی ____ 135

- ابوطالب کی کفالت ____ 138

بچپن ____ 146

- مکہ میں قحط ____ 148

Marfat.com

حرب فجار ____ 150
حلف الفضول ____ 152

گلہ بانی اور تجارت ____ 155

تجارت ____ 156
سیدہ خدیجہ سے نکاح ____ 160
بیت اللہ کی تعمیر ____ 164
شرک سے نفرت اور حراء میں قیام ____ 168
وحی کیا ہے؟ ____ 178
وحی کے شرعی معنی ____ 179
حصول علم کے ذرائع ____ 180
وحی کی اقسام ____ 182
مراتب وحی ____ 182
رویائے صادقہ ____ 183
القاء فی قلب ____ 184
تمثل (فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا) ____ 185
صلصلۃ الجرس ____ 186
فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا ____ 189
اللہ تعالیٰ کا آسمانوں سے وحی فرمانا ____ 190
اللہ تعالیٰ کا بلاواسطہ کلام فرمانا ____ 190
اللہ تعالیٰ کا بغیر حجاب کلام فرمانا ____ 191
کتابت کے ذریعہ وحی فرمانا ____ 192
تفہیم غیبی، نبی کی تعریف ____ 192
حافظ ابن تیمیہ کی تعریف ____ 193
مجدد الف ثانی کی تعریف ____ 195
ضرورت نبوت ____ 195
نبی اور رسول میں فرق ____ 198
نبی کے تعارف کے لیے موزوں لفظ ____ 199
نبی اور ریفارمر یا لیڈر ____ 200

Marfat.com

□ وحی کا نزول ______ 204

□ پریشانی ______ 211

- آغوش اسلام میں ______ 213
- اشراف مکہ کی گھبراہٹ ______ 214
- سب سے پہلا مسلمان ______ 217

□ نماز کی فرضیت ______ 224

- دارارقم میں ______ 225
- سیدنا ابوذر غفاریؓ کا قبول اسلام ______ 226

□ دعوتی جدوجہد ______ 229

- ضماد ازدیؓ کا قبول اسلام ______ 230

□ تین سالوں میں ایمان لانے والے حضرات ______ 234

- بنی ہاشم میں سے ______ 234
- بنی مطلب میں سے ______ 234
- بنی عبد شمس میں سے ______ 234
- بنی امیہ میں سے ______ 234
- بنی عدی میں سے ______ 234
- بنی تیم میں سے ______ 235
- بنو اسد بن عبد العزیٰ میں سے ______ 235
- بنو زہرہ میں سے ______ 235
- حلفاء بنی زہرہ میں سے ______ 235
- بنی عبد الدار میں سے ______ 235
- بنی جمح میں سے ______ 235
- بنی سہم میں سے ______ 236
- حلفاء بنی سہم میں سے ______ 236
- بنی مخزوم میں سے ______ 236
- حلفاء بنی مخزوم میں سے ______ 236

Marfat.com

- بنی عامر بن لوی میں سے ____ 236
- بنی فہر بن مالک میں سے ____ 236

- پہاڑی وعظ ____ 238
  - پہاڑی وعظ کا اثر ____ 239
  - قبول اسلام پر اذیتیں ____ 243
  - قریش مکہ کی الجھن ____ 245
- سیدنا حمزہ کا قبول اسلام ____ 252
- عتبہ آستانہ نبوت پر ____ 254
- سیدنا عمر کا قبول اسلام ____ 258
- طفیل بن عمرو دوسیؓ کا قبول اسلام ____ 273
- ہجرۃ حبشہ اولیٰ ____ 279
- ہجرۃ حبشہ ثانیہ ____ 283
  - بنو ہاشم ____ 283
  - بنو امیہ ____ 283
  - بنو اسد بن خزیمہ ____ 284
  - بنو نوفل بن عبد مناف ____ 284
  - بنو اسد بن عبد العزیٰ ____ 284
  - بنو عبد بن قصی ____ 284
  - بنو عبد الدار بن قصی ____ 284
  - بنو زہرہ بن کلاب ____ 284
  - بنو ہذیل ____ 284
  - بنو بہراء ____ 285
  - بنو تمیم بن مرہ ____ 285
  - بنو مخزوم ____ 285
  - بنو جمح ____ 285

Marfat.com

- بنوہم ____ 285
- بنوعدی ____ 286
- بنوعامر ____ 286
- بنوحارث ____ 286
- سیدنا ابوبکرؓ کا ارادۂ ہجرت ____ 287

- حبشہ میں قریش کی سفارت ____ 289
- سیدنا جعفرؓ کی تقریر ____ 291
- مہاجرین حبشہ کی فضیلت ____ 292

- قریش کی ابوطالب سے گفتگو ____ 299
- نبوت پر تشدد ____ 300

- سوشل بائیکاٹ ____ 304
- قریش ابوطالب کے پاس ____ 311

- ابوطالب موت کی آغوش میں ____ 314
- ابوطالب کی وصیت ____ 315
- سیدہ خدیجہ الکبریٰ کا انتقال ____ 317

- قریش کی اذیتوں میں اضافہ ____ 322

- پیغمبر اسلام طائف میں ____ 324
- طائف سے واپسی ____ 332

- مکہ میں داخلہ ____ 334

- دعوتی جدوجہد میں دوبارہ مصروفیت ____ 337

- تجارتی منڈیوں میں فریضہ تبلیغ ____ 341

Marfat.com

- اسراء اور معراج — 347
  - ایک اعتراض کا جواب — 349
  - معراج کی تفصیل — 350
  - بعض نکات — 355
  - قریش کی خندہ زنی — 357
  - معراج میں کیا کچھ دیکھا؟ — 358
  - یہود کی سیادت سے معزولی — 359
- اسلام مدینہ میں — 361
  - سیدہ سودہ سے نکاح — 366
- بیعت عقبہ اولیٰ — 369
- مدینہ میں اسلام کا پھیلاؤ — 371
  - مدینہ میں جمعہ کا انعقاد — 374
- بیعت عقبہ ثانیہ — 375
- بارہ نقیب — 384
  - نقباء کا تعارف — 385
  - معاہدہ کا افشاء — 394
- عمرو بن الجموحؓ کا قبول اسلام — 399
- ہجرت مدینہ کا آغاز — 401
  - ہجرت میں رکاوٹ — 406
  - مہاجرین کا ایثار — 411
- قریش کی پریشانی اور ڈائریکٹ ایکشن — 414
- رسول اللہ کی ہجرت — 420
  - حضور نے ہجرت دن میں کی — 426

Marfat.com

- مدینہ کی راہ پر ___ 434
  - ام معبد کے ہاں قیام ___ 439
  - بریدہ اسلمی نبوت کے حضور میں ___ 441
- مدینہ میں خوشی کی لہر ___ 443
- مدینۃ الرسول ___ 449
  - مسلمان اور مدینہ طیبہ ___ 450
  - عبداللہ بن سلامؓ کا قبول اسلام ___ 454
  - میمون بن یامینؓ کا قبول اسلام ___ 455
  - انصار مدینہ اور مواخات ___ 457
- مسجد نبوی کی تعمیر ___ 464
  - حجرات برائے امہات المومنین ___ 468
  - نماز جنازہ کی جگہ ___ 468
  - اذان کی ابتداء ___ 469
  - مہاجرین کے لیے دعا ___ 470
  - آپ کے گھر والوں کی مدینہ آمد ___ 471
- یہود کے ساتھ معاہدہ ___ 472
  - اسلام سلمان فارسیؓ ___ 479
  - واقعات متفرقہ ___ 480
- سنہ ۲ھ ...... تحویل کعبہ اور غزوات کی ابتدا ___ 483
- اذن جہاد ___ 486
- غزوات وسرایا ___ 491
- غزوہ بدر ___ 502
  - اسباب ووجوہات ___ 503

میدان بدر کی طرف سفر	509
لشکر قریش کی مکہ سے روانگی	513
عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب	515
جہیم بن الصلت کا خواب	521
جاسوسی کا نظام	523
میدان جنگ میں قریشی لشکر میں اختلاف	524
مسلمان لشکر کے لیے دعا	527
مبارزت	531
ابلیس کا میدان سے فرار	540
ابوجہل کا قتل	542
امیہ بن خلف کا قتل	545
عبیدہ بن سعید بن العاص کا قتل	547
تابناک نقوش	548
بعض لوگوں کے قتل کی ممانعت	549
مقتولین کا انجام	551
مدینہ میں فتح کی خوشخبری	554
مکہ میں شکست کی خبر	556
حضورؐ کا مدینہ میں داخلہ	559
ذوالفقار	561
اسیران بدر کا معاملہ	562
مقدار فدیہ	565
ابوالعاصؓ کا قبول اسلام	570
سہیل بن عمرو سے معاملہ	571
قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک	572
فتح بدر پر نجاشی کا اظہار مسرت	573
شہدائے بدر	574
عمیر بن وہب جمحی کا قبول اسلام	578
ایک یہودی عورت کا قتل	580
غزوہ بنی سلیم	581

Marfat.com

- یہود کی عہد شکنی ____ 582
  - غزوہ بنی قینقاع ____ 586
  - غزوہ سویق ____ 591
  - سیدہ رقیہ کی وفات؛ عاشورہ کے روزے کا حکم ____ 593
  - رمضان المبارک کی فرضیت؛ سب سے پہلی نماز عید الفطر ____ 594
  - عید الاضحیٰ اور قربانی؛ نماز میں سلام و کلام کی ممانعت ____ 594
  - سیدہ فاطمہؓ کا نکاح ____ 594
- سنہ ۳ھ ____ 596
  - کعب بن اشرف کا قتل ____ 596
  - سریہ زید بن حارثہؓ ____ 601
- غزوہ احد ____ 604
  - خواتین قریش کی شرکت ____ 606
  - مدینہ میں اطلاع ____ 607
  - اسلامی لشکر کی مدینہ سے روانگی ____ 611
  - منافقین کی لشکر اسلام سے علیحدگی ____ 612
  - اسلامی لشکر کی صف بندی ____ 614
  - قریش کے لشکر کی ترتیب و تنظیم ____ 617
  - آغاز جنگ ____ 619
  - عام جنگ ____ 622
  - سیدنا حمزہؓ کی شہادت ____ 623
  - غسیل الملائکہ ____ 624
  - عمرو بن الجموح کا شوق شہادت ____ 625
  - بہترین یہودی؛ تیر اندازوں کی بہادری ____ 626
  - ایک خوفناک غلطی ____ 628
  - پیغمبر ﷺ دشمنوں کے نرغہ میں ____ 631
  - جستجو ____ 641

Marfat.com

- آخری حملہ ____ 644
- عورتوں کی میدان جنگ میں آمد ____ 645
- گھاٹی میں استراحت ____ 646
- ابوسفیان کی آواز ____ 647
- لشکر قریش کی واپسی، زخمیوں کی خبر گیری ____ 648
- تجہیز و تکفین ____ 650
- تدفین ____ 654
- دعا ____ 655
- مدینہ طیبہ کو واپسی ____ 657
- رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ____ 658
- معافی ____ 659
- ذات اقدس پر حملہ آوروں کا انجام ____ 662
- غزوہ حمراء الاسد ____ 663
- واقعات متفرقہ ____ 668

سنہ ۴ھ ____ 669

- سریہ ابوسلمہؓ، سریہ عبداللہ بن انیس ____ 670
- حادثہ رجیع ____ 671
- بیئر معونہ کی لرزہ خیز داستان ____ 677
- بنو نضیر کی جلاوطنی ____ 681
- غزوہ بدر دوم ____ 692
- واقعات متفرقہ ____ 693

سنہ ۵ھ ____ 694

- غزوہ دومۃ الجندل ____ 694
- غزوہ بنی المصطلق ____ 695
- منافقین کی فتنہ پردازی ____ 697
- منافقین کی اس غزوہ میں شرکت کی وجہ ____ 701
- واقعہ افک کی تخلیق ____ 703

Marfat.com

- غزوہ احزاب ____ 711
  - غزوہ بنو قریظہ ____ 725
  - سیدنا سعد بن معاذ کی شہادت ____ 731
  - واقعات متفرقہ ____ 733
- سنہ ۶ھ ____ 735
  - سریہ محمد بن مسلمہ انصاری ____ 735
  - غزوہ بنو لحیان، غزوہ ذی قرد ____ 737
- معاہدۂ حدیبیہ ____ 739
  - بیعت رضوان ____ 747
  - معاہدۂ حدیبیہ کے اثرات ____ 752
  - معاہدۂ حدیبیہ کے بعد ____ 756
- بادشاہان عالم اور امراء کے نام خط ____ 757
- غزوۂ خیبر ____ 771
  - خیبر کو روانگی ____ 772
  - قلعہ ناعم کی فتح ____ 776
  - قلعہ صعب بن معاذ کی فتح ____ 779
  - قلعہ زبیر کی فتح ____ 780
  - قلعہ ابی کی فتح، قلعہ نزار کی فتح ____ 781
  - وطیح اور سلالم کی فتح ____ 782
  - غنائم کی تقسیم ____ 783
  - سیدہ صفیہ سے شادی، آپ کو زہر دینے کا واقعہ ____ 787
  - یہود کے باقی تین مراکز ____ 788
  - یہود کا انجام ____ 789
  - مدینہ کو واپسی، غزوات ذات الرقاع ____ 790
  - عمرۃ القضاء ____ 793

Marfat.com

- سیدنا خالد بن ولید کا قبول اسلام ____ 797
- معرکہ موتہ ____ 802
- سریہ ذات السلاسل ____ 809

☐ غزوۃ الفتح الاعظم ____ 811

- قرارداد حدیبیہ کی خلاف ورزی ____ 813
- جنگ کے بارہ میں رازداری ____ 817
- مکہ کی راہ میں ____ 819
- مرالظہران میں پڑاؤ ____ 822
- مرالظہران سے روانگی ____ 826
- اسلامی لشکر مکہ میں ____ 828
- مسجد حرام میں داخلہ ____ 831
- قریش کو تشویش ____ 835
- ناقابل معافی جرم ____ 836
- اسلام ابی قحافہ ____ 837
- اسلام صفوان بن امیہ ____ 838
- مستورات سے بیعت ____ 839
- دوسرے دن کا خطبہ ____ 840
- وفود وسرایا ____ 842

☐ غزوۂ حنین ____ 845

- غزوۂ طائف ____ 853
- مال غنیمت کی تقسیم ____ 856
- بنو ہوازن کے وفد کی آمد ____ 858

☐ سنہ ۹ھ ____ 862

- عمال کی روانگی ____ 862
- سریہ علی بن ابی طالب ____ 863
- کعب بن زہیر کا قبول اسلام ____ 864

Marfat.com

- غزوۂ تبوک ___ 867
  - چندہ کی اپیل ___ 871
  - تبوک روانگی ___ 874
  - واپسی ___ 877
  - متخلفین ___ 878
  - ابوبکر امیر الحج کی حیثیت سے ___ 882
  - واقعات متفرقہ ___ 883
- عام الوفود ___ 885
  - وفد ہوازن ___ 886
  - وفد بنو ثقیف ___ 887
  - وفد عبد القیس ___ 890
  - وفد بنو حنیفہ ___ 890
  - وفد اشعریین ___ 891
  - وفد ہمدان ___ 892
  - وفد تجیب ___ 893
  - وفد نجران ___ 894
- حجۃ الوداع ___ 897
  - خطبہ غدیر خم ___ 905
  - جیش اسامہ ___ 907
- رفیق اعلیٰ کی طرف ___ 911
  - واقعہ قرطاس ___ 916
  - سیدنا ابوبکر کی امامت ___ 922
  - بیکراں اضطراب ___ 927
  - تاسیس خلافت ___ 930
  - تدفین ___ 935

Marfat.com

پیش آہنگ

سرکارِ دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ پر بے شمار لوگوں نے خامہ فرسائی کی اور ہر زبان میں کتابیں لکھیں۔ اپنوں نے بھی اور بیگانوں نے بھی۔ مسلمانوں نے بھی اور غیر مسلموں نے بھی۔ بعض غیر مسلموں نے آپ کے کردار پر تنقید بھی کی لیکن انہوں نے تحسین و آفرین کے ڈونگرے بھی برسائے اور اس بات پر آپ کے اعلیٰ کردار نے انہیں مجبور کیا، وگرنہ غیر مسلم تو دل و جان سے آپ کے مخالف تھے۔ آپ کی نبوت پر ایمان نہ لانا ہی ان کی مخالفت کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔

موجودہ زمانہ میں امریکہ میں ایک کتاب چھپی ہے جس کا نام ہے "ایک سو"۔ یہ کتاب ایک عیسائی سائنس دان ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے لکھی ہے۔ اس میں اس نے تاریخ کے ایسے سو آدمیوں کا درجہ کے لحاظ سے تذکرہ کیا ہے جنہوں نے تاریخ کے دھارے کو بدلا اور وقت کی کروٹوں میں اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔ اس کتاب میں اس نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو سب سے پہلے نمبر پر رکھا ہے اور آپ کے کمالات کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

He was the only Man in history who was superemely successful on both the religious and secular levels.

(Dr. Michael H. Hart, The 100, New York, 1978)

"آپ ﷺ تاریخ کی وہ تنہا شخصیت ہیں جو انتہائی حد تک مذہبی اور دنیوی سطح پر کامیاب و کامران رہی"۔

پیغمبر اسلام کی شخصیت ہمہ جہت تھی۔ وہ عیسائیت کے مقدس پہاڑی واعظ کی طرح صرف اخلاقی معلم ہی نہ تھا اور نہ دنیا کے فاتح حکمرانوں کی طرح صرف شہنشاہ اور جہانگیر بلکہ مولانا ابوالکلام کے الفاظ میں:

Marfat.com

"وہ اللہ کا پیغمبر تھا... شریعت کا مقنن تھا... امت کا بانی تھا... ملکوت کا حاکم اور سلطنت کا بانی تھا... وہ اگر پتوں اور چھال سے لپٹی ہوئی مسجد کے منبر پر وحی الٰہی کا ترجمان اور انسانی سعادت و ہدایت کا واعظ تھا تو اسی کے صحن میں یمن کا خراج تقسیم کرنے والا اور فوجوں کو میدان جنگ میں بھیجنے کے لیے سپہ سالار بھی تھا۔ وہ ایک ہی وقت اور ایک ہی زندگی میں گھروں کا نظام معاشرت درست کرتا اور نکاح و طلاق کے قوانین نافذ کرتا اور ساتھ ہی بدر کے کنارے دشمنوں کا حملہ بھی روکتا اور مکہ کی گھاٹیوں میں سے ایک فاتح حکمران کی طرح نمایاں بھی ہوتا تھا۔ غرضیکہ اس کی ایک شخصیت کے اندر مختلف حیثیتیں اور منصب جمع تھے اور اسلام کا نظام دینی یہی تھا کہ یہ ساری قوتیں ایک ہی فرد میں جمع رہیں"۔

قرآن حکیم نے آپ ﷺ کے لیے "سراج منیر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس تشبیہ سے مقصود یہ تھا کہ جس طرح مادی آفتاب کی روشنی اور حرارت میں اعلیٰ و ادنیٰ، دور و نزدیک اور باغ و دشت کی کوئی تمیز نہیں ہوتی اسی طرح اس روحانی آفتاب کی روشنی سے بھی بلا تمیز و مکان ہر شخص فیض یاب ہوتا ہے۔

"وہ کوسعیر سے چلا مگر فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہوا، جس کی کرنوں میں داہنی جانب شریعت الٰہی کی منور کتاب مبین تھی، مگر بائیں جانب قیام عدل و میزان کی شمشیر آبدار بھی چمک رہی تھی۔ جس کا طلوع کائنات میں ظلمت کی شکست اور روشنی کی دائمی فیروزمندی تھا۔ کیونکہ آسمان ہدایت پر شریعت الٰہی کے سینکڑوں ستارے نمودار ہوئے تھے لیکن تاریکی کی آخری شکست کے لیے دنیا کو آفتاب ہی کے طلوع کا انتظار تھا"۔

قرآن حکیم نے آپ کا ایک وصف "خاتم النبیین" بیان کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کے تمام کمالات آپ کی ذات اقدس پر ختم ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے اب آپ کے بعد نہ کسی شریعت کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی نبی کی کوئی حاجت۔ اب قیامت تک کے لیے آپ کی نبوت و رسالت کا دور دورہ ہے۔ اب اگر کوئی پہلا نبی بھی اس دنیا میں آجائے تو وہ آپ کی نبوت و رسالت کے تابع ہو کر آئے گا۔ چنانچہ خود فرمایا:

لو کان موسی حیا ما وسعہ الا اتباعی۔

"اگر موسیٰ علیہ السلام بھی آج زندہ ہوں تو وہ بھی میری ہی اتباع کریں۔" [1]

آپ کی سیرت میں سب کچھ ہے، اس وجہ سے آپ کی ذات گرامی دنیا کے تمام انسانوں کا موضوع رہی۔ مورخین، محققین اور دانشوروں نے آپ پر کتابیں لکھیں، مقالے زیب رقم کیے۔ آپ کی زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر کیا۔ چنانچہ آج آپ کی پوری زندگی پوری انسانیت کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہے جس کو پڑھ کر ہر شخص اپنی زندگی کی راہیں متعین کر سکتا ہے۔ کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ﷺ

Marfat.com

تھے اور تمام کمالات آپ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ اس وجہ سے آپ کی سیرت پر جس قدر کتابیں اور مقالات لکھے گئے ہیں دنیا میں کسی اور انسان کی سیرت پر اتنا کچھ نہیں لکھا گیا۔ چنانچہ مشہور انگریز مستشرق مسٹر ڈی۔ ایس۔ مارگولیس (D. S. Morgoliouth) نے اس سلسلہ میں ایک نہایت پتہ کی بات لکھی ہے کہ

> The biographers of the Prophet Mohammed form a long series which it is impossible to end but in which it would be honourable to find a place.
>
> (D. S. Morgoliouth: Mohammed and the Rise of Islam, London / New York, 1923, P. iii)

"محمد (ﷺ) کے سیرت نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کو ختم کرنا ناممکن و محال ہے، لیکن آپ کے سیرت نگاروں میں جگہ پانا باعث شرف اور موجب عزت ہے"۔

اسی نظریہ کے تحت یہ کتاب لکھی گئی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے سیرت نگاروں میں جگہ پاکر موجب شرف اور باعث نجات ہو، کیونکہ حضور ﷺ کی سیرت اپنے اندر وہ جاذبیت رکھتی ہے کہ ایک قاری کو خود بخود اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین کرام اس کتاب سے استفادہ کرکے بندہ کے لیے دعا فرمائیں گے۔

حکیم محمود احمد ظفر، سیالکوٹ

۲۶ جنوری ۱۹۹۸ء

Marfat.com

دور جاہلیت

دور جاہلیت سے مراد وحشت و حیوانیت کا دور نہیں اور نہ ہی اس سے مراد یہ ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب قوم وحشی تھی، جو تہذیب و تمدن سے نا آشنا اور علم و ہنر سے بے بہرہ تھی۔ نہ ان میں کوئی شرافت تھی اور نہ سنجیدگی۔ نہ ان کا کوئی خاص ادب تھا اور نہ سلیقہ۔ یہ بات بدوی قبائل کے متعلق تو کہی جا سکتی ہے اور ایسے پس ماندہ قبائل کسی ملک اور قوم کی تہذیب کا معیار نہیں مانے جاتے۔ بدوی قبائل کے علاوہ مکہ، طائف اور تیماء دومۃ الجندل جیسے شہروں کے متعلق یہ تصور اور یہ خیال سراسر زیادتی ہے۔

اس زمانہ میں دنیا میں دو سپر پاورز (Super Powers) تھیں۔ ایک ایرانی سلطنت اور دوسری بازنطینی حکومت، جو اپنے مضبوط قلعوں اور اپنی تہذیب کی وجہ سے اس وقت کی دنیا میں ایک خاص مقام رکھتی تھیں، لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ اگرچہ عربوں کے پاس مضبوط قلعے اور سونے چاندی کے انبار نہ تھے لیکن صبر و استقلال، پامردی اور استقامت، جفاکشی اور سخت کوشی اور سب سے بڑھ کر گھوڑوں کی پیٹھ اور تلوار ان کا بہترین سرمایہ تھے۔ ان کی اپنی ایک تہذیب تھی، ایک تمدن تھا، ایک ادب تھا اور ایک ثقافت تھی جس کی وجہ سے تمام دنیا میں وہ اپنا ایک مقام رکھتے تھے۔ صرف انہی کو پوری دنیا میں یہ حق حاصل تھا کہ وہ خالص النسل اور محفوظ النسب ہونے کا دعویٰ کریں۔ ان کی عورتیں باعصمت تھیں۔ ان کے نہ صرف اپنے نسب محفوظ تھے بلکہ انہیں اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب بھی ازبر تھے۔ نظم و نثر اور خطابت و تقریر میں انہیں تمام دنیا میں ایک امتیاز حاصل تھا اور دنیا کی کوئی قوم اس بارہ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ ان کے اونٹ ان کے صحرا کے جہاز تھے اور ریت کے سمندر کے سینہ پر ان کے یہ جہاز رینگتے اور مشرق کی آخری سرحدوں تک ان کو پہنچاتے تھے۔

قول و عہد کی پابندی ان کی گھٹی میں تھی اور بعض دفعہ تو اپنے عہد کی پابندی کے لیے وہ اپنی تمام

Marfat.com

قوت اور اپنے تمام وسائل وقف کر دیتے بلکہ بعض دفعہ جان کی بازی بھی ہار دیتے۔
جود و سخا میں وہ مشہور زمانہ تھے! ایک معمولی عرب جس کا کل اثاثہ اور کل کائنات ایک اونٹنی ہوتی، وہ اپنے مہمان کی خاطر و مدارات کے لیے اس کو ذبح کرنے کے لیے خوشی اور مسرت محسوس کرتا تاکہ وہ دل کھول کر اپنے مہمان کی مہمان داری کر سکے۔ قبیلہ طے کا سردار حاتم جو دنیا میں اپنی سخاوت کی وجہ سے مشہور تھا، عرب ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ کتابوں میں ہے کہ ایک روز وہ بالکل تہی دست اور فاقہ مست تھا۔ رات ہوئی تو اس نے کسی طریقہ سے اپنے بچوں کو بھوکے پیٹ سلا دیا۔ جب بچے سو گئے تو حاتم کے خیمہ میں ایک عورت داخل ہوئی اور فریاد کی کہ وہ خود بھی بھوکی ہے اور اس کے بچے بھی بھوک سے نڈھال ہیں۔ رات کا چاند رینگ کر اپنی آدھی منزلیں طے کر چکا ہے لیکن بھوک کی وجہ سے اس کی اور اس کے بچوں کی آنکھیں نیند سے ناآشنا ہیں۔ اس عورت کا یہ فقرہ سن کر حاتم اٹھا اور اپنے پسندیدہ اور محبوب گھوڑے کو ذبح کر ڈالا اور اس عورت کے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے گوشت کے پارچے، جتنے وہ لے جا سکتی تھی، اس کو دیئے۔ پھر حاتم نے قرب و جوار کے لوگوں میں باقی ماندہ تمام گوشت تقسیم کر ڈالا، لیکن حاتم اور اس کے بچے جیسے بھوکے تھے، ویسے ہی بھوکے رہے اور ایک بوٹی بھی ان کے حصہ میں نہ آئی۔ سخاوت کا یہ جذبہ کہ خود اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر دوسروں کے بچوں کا پیٹ بھرنا صرف عربوں ہی میں تھا۔ ("العقد الفرید"، جلد ۱، ص ۱۰۸)

سید محمود بغدادی نے اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے:

حاتم کی بیوی نے اپنے شوہر کی سخاوت کے بارے میں بتایا کہ ایک مرتبہ شدید قحط پڑا۔ کھانے کے لیے انسانوں کو روٹی اور جانوروں کو چارہ نہیں ملتا تھا۔ ہمارے سب جانور ہلاک ہو گئے۔ ایک رات ہم سب بھوکے سوئے۔ ہمارے بچے بھوکے پیٹ ہونے کی وجہ سے رو رہے تھے۔ حاتم نے اپنے بیٹے عدی کو بہلانا شروع کیا۔ میں نے اپنی بیٹی کو بہلانا شروع کیا تاکہ یہ دونوں سو جائیں۔ حاتم اگرچہ خود بھی بھوکا تھا لیکن اس نے میری دل جوئی شروع کی تاکہ میں بھی سو جاؤں۔ چنانچہ میں نے ظاہر کیا کہ میں سو گئی ہوں حالانکہ میں سوئی نہیں تھی کیونکہ مجھے حاتم کی حالت پر رحم آ رہا تھا۔ حاتم کو میرے سونے کا یقین ہو گیا۔ حاتم خیمہ میں پڑا دور دور تک غور سے دیکھ رہا تھا کہ اچانک اسے ایک سایہ قریب آتا دکھائی دیا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ ایک عورت تھی جو یہ کہہ رہی تھی کہ اے سفانہ کے باپ! میں روتے اور بلکتے بچوں کو چھوڑ کر آئی ہوں، میری کچھ مدد کرو۔ حاتم نے کہا: جاؤ، ان بچوں کو یہاں لے آؤ، میں انہیں پیٹ بھر کر کھلاؤں گا۔ وہ عورت بچوں کو لینے کے لیے چلی گئی۔ میں نے اٹھ کر حاتم سے کہا یہ تو نے کیا کہا، ہمارے تو اپنے بچے بھوک سے بلکتے ہوئے سوئے ہیں۔ لیکن اس نے میری بات سنی ان سنی کر دی، وہ خاموشی سے اٹھا اور اپنے گھوڑے کو جا کر ذبح کیا اس کے گوشت کو بھونا اور اس عورت سے کہا کہ اپنے بچوں کو خوب

Marfat.com

کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ، پھر مجھ سے کہا تم بھی اپنے بچوں کو جگا کر لے آؤ اور انہیں بھی پیٹ بھر کر کھلاؤ۔ حاتم نے پھر کہا، بخدا! یہ نہایت رذالت اور کمینگی ہے کہ تم لوگ کھاؤ اور میرے قبیلے والے بھوکے سوئیں، چنانچہ اس نے قبیلہ کے ہر گھر میں جا کر ان کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ اور کہا جہاں آگ جل رہی ہے، وہاں تشریف لائیں اور میری ضیافت میں شریک ہو کر میری عزت افزائی کریں۔ قبیلے کے سب لوگ آئے اور خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ جب سب لوگ کھا رہے تھے تو حاتم اپنی چادر سے اپنا منہ ڈھانپ کر ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ تمام لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ لیکن حاتم جیسے بھوکا تھا ویسے ہی بھوکا رہا اور اس نے ایک لقمہ بھی اپنے منہ میں نہ ڈالا۔

(بلوغ الارب جلد اص ۷۴، السیرۃ النبویہ جلد اص ۱۱۰)

اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب واقعہ اسی کتاب میں ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک گروہ حاتم کی قبر کے پاس سے گزرا۔ اس کی قبر کے قریب انہوں نے پڑاؤ ڈالا۔ اس گروہ میں سے ایک شخص نے جس کا نام ابو خیبری تھا، اس نے رات کو اٹھ کر حاتم کی قبر پر لاتیں مارنا شروع کر دیں، وہ قبر کو لاتیں مار رہا تھا اور ساتھ ہی یہ کہہ رہا تھا: ہم تیرے مہمان ہیں، ہماری مہمان نوازی کرو۔ کسی شخص نے کہا: تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم ایک مرے ہوئے شخص سے ایسی باتیں کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ اس کے قبیلے بنو طے کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اب بھی اگر کوئی شخص حاتم کی قبر کے پاس جائے اور وہاں رات بسر کرے تو حاتم اس کی مہمان نوازی کرتا ہے۔ آدھی رات کے وقت جب سب لوگ سو گئے تو ابو خیبری گھبرایا ہوا اٹھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ہائے میری سواری، ہائے میری سواری۔ اس نے کہا: میں نے ابھی ابھی حاتم کو خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میری سواری کی کونچیں کاٹ دی ہیں، اور حاتم نے مجھ سے کہا ہے:

"ابو خیبری! تم ایسے آدمی ہو جس نے قبیلہ پر ظلم کیا ہے اور اسے برا بھلا کہا ہے۔ تم اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک ایسے گڑھے پر مہمانی طلب کرنے آئے ہو جس میں مدفون شخص کی کھوپڑی گل گئی ہے۔"

ہم اٹھے اور ابو خیبری کی اونٹنی کے پاس گئے۔ واقعی اس کا ایک پاؤں کٹا ہوا تھا، چنانچہ ہم نے اسے ذبح کیا اور اس کا گوشت سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو کہنے لگے: حاتم نے زندگی اور موت دونوں میں ہماری ضیافت کی، اور اس شخص کو جس کی اونٹنی کو ذبح کیا گیا تھا، اپنے پیچھے بٹھا کر منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ہمیں ایک شتر سوار ملا، جس کے ساتھ ایک خالی اونٹ تھا۔ اس نے ہم سے پوچھا! تم میں ابو خیبری کون ہے؟ اس نے کہا، میں ہوں۔ اس شخص نے کہا: یہ اونٹ لے لو میں حاتم کا بیٹا عدی ہوں۔ میرا باپ مجھے خواب میں ملا ہے اور اس نے مجھے کہا ہے کہ اس نے تمہاری اونٹنی ذبح کر کے تمہاری ضیافت کی ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں تمہاری سواری

Marfat.com

کے لیے اونٹ پہنچادوں، چنانچہ تم یہ اونٹ لے لو۔ وہ اونٹ دے کر واپس چلا گیا۔

(بلوغ الارب جلد ۱ص ۷۵، السیرۃ النبویہ جلد ۱ص ۱۱۴-۱۱۵)

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ حاتم سے کسی شخص نے پوچھا: "کیا عرب میں کوئی آپ سے بھی بڑا سخی ہے؟" (ھل فی العرب اجود منک؟) اس نے کہا! ہاں۔ ہر عرب مجھ سے زیادہ سخی ہے۔ پھر اس نے ایک واقعہ سنایا کہ میں ایک رات کسی یتیم بچے کا مہمان ہوا۔ اس کے پاس سو بکری تھی۔ اس نے ایک بکری ذبح کی اور پکا کر میرے پاس لایا۔ جب اس نے اس بکری کا مغز میرے سامنے رکھا تو میں نے کہا: کیا عمدہ مغز ہے؟ یہ توصیفی کلمات سن کر وہ چلا گیا اور مسلسل میرے پاس مغز لاتا رہا، یہاں تک کہ میں نے کہا کہ بس کافی ہے، چنانچہ وہ رک گیا۔ جب میں صبح کے وقت اٹھا تو دیکھا کہ رات اس نے سو بکری ذبح کر ڈالی اور کوئی باقی نہ بچی۔ کسی نے کہا: یہ تم نے کیا کیا؟ تو اس نے کہا کہ اگر میں ہر شے بھی قربان کردوں تو اس کا شکرادا نہیں کرسکتا۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد ۱ص ۱۱۳-۱۱۴)

حاتم طائی کے علاوہ بھی اور کئی لوگ جود و سخا میں بہت مشہور تھے۔ بلکہ ہر عرب بخل کو ناپسند کرتا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن جدعان سیدنا صدیق اکبرؓ کے والد ابو قحافہ کا چچازاد بھائی تھا۔ اس کے پاس کھانے کا ایک بہت بڑا برتن ہوتا تھا۔ جو ہر وقت کھانے سے بھرا رہتا تھا۔ وہ اتنا بڑا تھا کہ شتر سوار اپنے اونٹ پر بیٹھ کر اس میں سے کھانا کھا سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک بچہ اس میں گر پڑا اور ڈوب گیا۔ خود سرکار دو عالم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن جدعان کے جفنہ اور کڑاہا کے سایہ میں دوپہر کے وقت بیٹھ جاتا تھا۔ جنگ بدر میں جب ابوجہل قتل ہوا تو جنگ کے اختتام پر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ ابوجہل کی لاش کو تلاش کرو۔ فرمایا! اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے گھٹنے پر زخم کا نشان ہے کیونکہ میں اور وہ ابن جدعان کی ایک دعوت میں مزاحم ہوئے تھے۔ میں نے اسے دھکیلا تو وہ گھٹنے کے بل گرا تو اس کا گھٹنا زخمی ہوگیا۔ اس زخم کا داغ اس کے گھٹنے پر موجود ہے۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن جدعان نے دو ہزار بار بردار بھیج کر شام سے گندم، شہد اور گھی منگوایا۔ اور ہر رات کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اعلان کیا جاتا کہ عبداللہ بن جدعان کی دعوت میں چلے آؤ۔ چنانچہ امیہ بن ابی الصلت نے ایک مرتبہ اس کے بارہ میں کہا تھا۔ ان شعروں کا ترجمہ یہ ہے:

"اس کا ایک تیز اور تازہ دم اعلان کرنے والا مکہ میں ہے اور دوسرا کعبہ کی چھت پر سے آواز دیتا ہے اور بلاتا ہے خوض (لبریز پیالہ) کی طرف، جس میں گندم کا آٹا شہد میں مخلوط ہے"۔ (السیرۃ النبویہ جلد ۱ص ۱۱۱)

مہمان نوازی کی ایسی ہی ضیافتوں کے بارہ میں ایک عورت فخریہ طور پر اپنے شوہر کی یہ خصوصیت بیان کرتی ہے:

Marfat.com

"اس کے اونٹ ہر وقت اصطبل ہی میں موجود رہتے ہیں، صرف تھوڑے سے اونٹ چراگاہوں میں چرنے کے لیے بھیج دیئے جاتے ہیں۔ یہ اونٹ جیسے ہی باجے کی آواز سنتے ہیں، تو انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب ذبح ہو جائیں گے"۔ (بخاری، جلد ۲، ص ۷۸۰)

مطلب یہ ہے کہ مہمانوں کی ضیافت اور مہمان داری کے لیے ہر وقت اونٹ اصطبل میں بندھے رہتے ہیں۔ تاکہ جب بھی مہمان کے آنے کی دستک ہوتی ہے اور وہ باجے کی آواز سنتے ہیں تو انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ انہیں ضرور ذبح کر دیا جائے گا اور مہمانوں کی مہمان داری میں ذرا بھی دیر نہیں ہوتی اور اونٹ چراگاہ سے منگوانے نہیں پڑتے بلکہ گھر کے قریب اصطبل ہی سے پکڑ کر انہیں ذبح کر دیا جاتا ہے۔

عربوں کے ہاں یہ تصور مدت سے چلا آ رہا تھا کہ اگر زندہ اونٹ کا کوہان پہلے کاٹ لیا جائے تو یہ بہت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ چنانچہ جوں ہی ان کے ہاں کوئی مہمان آتا وہ فوری طور پر اپنے زندہ اونٹ کا کوہان کاٹ کر مہمانوں کے لیے اس کے پارچے یا کباب بنا لیتے۔ بعد میں پھر اس اونٹ کو ذبح کر کے یا تو مہمان کو کھلا دیا جاتا یا پھر اس کا گوشت فقراء میں تقسیم کر دیا جاتا۔ مختصر یہ کہ کوہان کے یہ پارچے اور کباب عربوں کے ہاں بہت مشہور تھے۔ چنانچہ جنگ بدر میں قریش کے جو بڑے بڑے سردار مارے گئے اور بعد میں انہیں بدر کے کنوئیں میں پھینکا گیا، ایک شاعر نے ان کے مرتبہ میں ان کی اس مہمان داری کی بہت تعریف کی ہے کہ یہ لوگ دعوت کے موقع پر اپنے مہمان کو کوہان کے پارچے اور کباب آبنوس کی کشتیوں میں سجا کر پیش کرتے تھے۔ (بخاری، جلد ۱، ص ۵۵۷)

چنانچہ ابو بکر بن شعوب نے ان کے بارے میں کہا ۔

و ماذا بالقليب قليب بدر من الشيزى تتزين بالسنام
و ماذا بالقليب قليب بدر من القينات و الشرب الكرام

"بدر کے اس کنوئیں میں وہ سردار پڑے ہوئے ہیں جن کے ہاں آبنوس کی کشتیاں نما طشت دعوت کے موقع پر مہمانوں کو پیش کی جاتی تھیں جو اونٹوں کے کوہانوں کے گوشت سے آراستہ ہوتی تھیں"۔

"اس قلیب بدر میں وہ سردار پڑے ہوئے ہیں جن کے ہاں معززین کے اجتماع میں گانے والیاں اپنے فن کا مظاہرہ کرتیں اور شراب کا دور چلتا تھا"۔

اس قسم کے سینکڑوں اشعار جاہلی شاعری میں موجود ہیں جن سے عربوں کے وصف ضیافت و سخاوت پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی طرح کبشہ نامی ایک عورت اپنے خاوند کی تعریف میں کہتی ہے:

زوجی رفیع العماد، طویل النجاد، عظیم الرماد، قریب البیت من الناد۔

(بخاری، جلد ۲، ص ۷۸۰)

Marfat.com

"میرے شوہر کے محل کے ستون بہت بلند وبالا ہیں، وہ بہادر، با وجاہت اور تلوار کا دھنی ہے (مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے اس کے چولہوں کی) راکھ کے ڈھیر لگے رہتے ہیں اور قبیلہ کی پنچایت اس کے گھر کے قریب ہی ہے (تاکہ لوگ اس سے آسانی سے مل سکیں)"

اس قسم کے اور کئی واقعات تاریخ عرب میں مرقوم ہیں، جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں گوشت کے ٹکڑے اور کباب اور کوہان کی چربی دار بوٹیاں کثرت سے مہمانوں کو دی جاتی تھیں۔ چنانچہ دیوان حماسہ میں حجر بن خالد اپنی مہمان نوازی کی صورت بیان کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ:

"موسم سرما میں ہم اپنے مہمان کی خاطر و مدارات اس طرح کرتے ہیں کہ کوہان کے پارچے اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور جب وہ کھاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ڈاڑھیں دودھ دوہ رہی ہیں اور اس بوٹی سے دودھ کی دھاریں پھوٹ رہی ہیں"۔

عربوں کے ہاں سب سے بڑی بیماری بخل تصور کی جاتی تھی۔ چنانچہ مقولہ ہے کہ

ای داءادوءمن البخل۔ (بخاری، جلد ۱، ص ۴۴۲)

"بخل سے زیادہ خراب اور کوئی بیماری نہیں ہے"۔

عربوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ رات کے وقت اونچے اونچے ٹیلوں پر آگ جلا دیا کرتے تھے تاکہ اگر رات کے وقت کسی مسافر کا وہاں سے گزر ہو تو وہ اس آگ کو دیکھ کر یہاں کے لوگوں کے خیموں تک پہنچ سکے اور جب کوئی بھولا بھٹکا مسافر رات کے وقت ان کے ہاں پہنچ جاتا تو وہ اس کی خاطر و مدارت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھتے۔ سید محمود البغدادی نے دو شعر اس سلسلہ میں نقل کیے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

"ایک آقا اپنے غلام سے کہتا ہے: اے واقد! اونچے ٹیلے پر آگ جلا کیونکہ رات نہایت سرد ہے اور ہوائیں بھی ٹھنڈی چل رہی ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی بھٹکا ہوا مسافر تیری آگ کو دیکھ لے۔ اگر تیری اس جلائی ہوئی آگ نے کسی مہمان کو اپنی طرف کھینچ لیا تو تو آزاد ہوگا۔"

(بلوغ الارب جلد ۱ ص ۷۸)

کبھی کبھی یہ لوگ بجائے آگ جلانے کے عود اور دوسری خوشبودار چیزیں جلاتے تاکہ وسیع و عریض صحرا میں ہوا کے جھونکے اس کو دور دور تک پھیلا دیں اور مسافر اس خوشبو کو سونگھ کر ان کے پاس پہنچ جائے اور وہ اس کی ضیافت کر کے لطف اندوز ہوں۔ بعض لوگوں نے اس مقصد کے لیے کتے پال رکھے تھے جو رات کی خاموشی اور سناٹے میں بھونکتے اور دور دراز تک ان کی آوازیں شب کے صحرا نوردوں اور رات کے مسافروں کو ان کے خیموں تک پہنچا دیتیں، اور وہ ان کی مہمانی کر کے اپنی روح کو سکون بخشتے۔ چنانچہ ایک شاعر اپنے بیٹے کو اپنے کتے کے بارے میں وصیت کرتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

Marfat.com

"اے میرے بیٹے! میں تجھے اپنے کتے کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ اس میں بعض خوبیاں ایسی ہیں جن کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ جب رات سیاہ چادر اوڑھ لیتی ہے تو یہ میرے مہمان کو اس وقت میرے پاس لے کر آتا ہے کیونکہ اس وقت آگ جلانے والے سوجایا کرتے ہیں۔"

عرب میں کوئی حکومت نہ تھی، نہ کوئی فوج تھی اور نہ پولیس۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک آزاد مملکت کی حیثیت رکھتا تھا اور وہ اپنی آزادی کا خود محافظ تھا۔ ان کا ہر فرد خود اعتمادی کا پیکر تھا۔ نہ صرف عورتوں میں بلکہ مردوں میں بھی پوری پوری خود اعتمادی تھی۔ ازدواجی تعلقات میں بھی خود اعتمادی کی پوری جھلک ہوتی تھی۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ عربوں میں قول و عہد کی پابندی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ایفائے عہد کے لیے اگر انہیں اپنی جان بھی قربان کرنا پڑ جاتی تو وہ دریغ نہیں کرتے تھے۔ اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ سیدنا عمرؓ جب دولت ایمانی سے مشرف ہوئے تو پورا مکہ برافروختہ ہو کر ان کے مکان پر چڑھ دوڑا اور نعرے لگ رہے تھے کہ "عمرؓ بے دین ہو گیا"۔ سیدنا عمروؓ بن العاص کے والد عاص بن وائل السہمی یہ حالت دیکھ کر سیدنا عمرؓ کے مکان پر پہنچے اور ہجوم کو چیرتے ہوئے سیدنا عمرؓ کے پاس آئے اور ہجوم کے اس دھاوا کی وجہ دریافت کی۔ جب یہ سیدنا عمرؓ سے گفتگو کر کے باہر آئے تو لوگوں سے کہا "عمرؓ میری پناہ میں ہے تم ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے"۔ یہ بات سن کر سارا مجمع چھٹ گیا اور لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ (بخاری، جلد ۲، ص ۵۴۵)

ہمارے اس دعویٰ کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ سفر ہجرت میں جو خریت (ماہر سفریا راہنما) سیدنا صدیق اکبرؓ نے مقرر فرمایا تھا اگرچہ وہ قریش مکہ کا ہم مذہب تھا اور اس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا لیکن اس نے اپنا عہد و پیمان نبھاتے ہوئے پوری رازداری سے کام لیا اور قریش کے ہر قسم کے لالچ سے متاثر ہوئے بغیر پوری دیانت داری کے ساتھ حسب پروگرام اور حسب عہد دونوں کو مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

اس سلسلہ میں امام مرزوقی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے قبیلہ مضر کے لیے قحط سالی کی بددعا فرمائی۔ سات سال تک بارش کا ایک قطرہ نہ برسا۔ خشک سالی نے ہر طرف ویرانی ہی ویرانی پھیلا دی۔ کھانے کو اناج اور پینے کے لیے پانی ختم ہو گیا۔ حالات سے مجبور ہو کر قبیلہ کے سردار حاجب نے اپنی قوم سے کہا کہ میں کسریٰ ایران کے پاس جاتا ہوں، کیونکہ قحط کی تباہ کاریوں اور خشک سالی کی وجہ سے اب یہاں رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ قوم نے اس کی اس تجویز کو پسند کیا۔ چنانچہ وہ کسریٰ کے پاس گیا اور اس سے قحط سالی کے خاتمہ تک اس کے ملک میں رہنے کی اجازت طلب کر لی۔

Marfat.com

کسریٰ نے اس کی درخواست کے جواب میں کہا: تم لوگ قزاقی اور غارت گری کے خوگر اور فتنہ و فساد کو پسند کرنے والے لوگ ہو۔ اگر تم میرے ملک میں سکونت پذیر ہوئے تو تمہاری ان عادات بد کی وجہ سے میری قوم اور ملک کا سکون برباد ہوگا اور میں اپنی قوم کا سکون برباد نہیں ہونے دینا چاہتا۔ سردار قبیلہ حاجب نے کہا: میں اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ جب تک میری قوم تیرے ملک میں رہائش پذیر رہے گی کوئی ایسی نازیبا حرکت نہیں کرے گی جس سے ملک کے امن و سکون میں کوئی ارتعاش پیدا ہو۔ کسریٰ نے کہا: اس بات کا کوئی ضامن ہے؟ حاجب نے کہا: میں اپنی اس بات کی ضمانت کے طور پر اپنی کمان تیرے پاس رکھتا ہوں۔

کسریٰ کے لیے یہ بات بڑی انوکھی تھی۔ اس کی سمجھ میں کمان گروی رکھنے کا مطلب نہ آیا، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد حاجب اپنی کمان لے کر جب دربار میں داخل ہوا تو اہلِ دربار اس کمان کو دیکھ کر ہنس پڑے۔ لیکن کسریٰ نے کہا ہمیں کمان کی ضمانت منظور ہے۔

لکھا ہے کہ جتنا عرصہ حاجب اپنی قوم کے ساتھ ایران کے علاقہ میں رہا۔ قوم کے ہر فرد نے اپنے سردار کے اس عہد کا پاس رکھا اور کوئی ایسی ناشائستہ حرکت نہیں کی جس سے عہد کی شکست و ریخت ہوتی ہو اور ملک کا امن پامال ہوتا ہو۔

کچھ سالوں کے بعد حاجب مر گیا اور قبیلہ مضر کو اللہ تعالیٰ نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمادی اور حضور ﷺ کی دعا سے ان کے علاقہ کی وہ ساری رونقیں واپس آ گئیں۔ تمام علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا۔ کھیت لہلہانے لگے۔ تالاب پانی سے بھر گئے، چنانچہ پورا قبیلہ ایران کے علاقہ کی سکونت چھوڑ کر اپنے علاقہ میں واپس آگیا۔

کچھ عرصہ کے بعد حاجب کا بیٹا عطارد کسریٰ کے پاس اپنے باپ کی رہن شدہ کمان لینے کے لیے گیا۔ کسریٰ نے کہا وہ شخص جس نے یہ کمان گروی رکھی تھی، وہ تو کوئی اور تھا۔ عطارد نے کہا، وہ میرا باپ تھا اور میں اس کا بیٹا ہوں۔ باپ تو فوت ہو گیا، میں اپنے باپ کی کمان لینے آیا ہوں۔ کسریٰ نے وہ کمان اسے واپس کر دی۔ اور معاہدہ کے ایفا کی خوشی میں اس کو خلعت فاخرہ بھی عطا کی۔

قول و عہد کی یہ پابندی صرف افراد تک ہی محدود نہ تھی بلکہ قبائل کے مابین بھی جو معاہدات ہوتے اس کی بھی پوری پوری پابندی کی جاتی۔ اگرچہ جزیرہ نمائے عرب میں کوئی منظم حکومت نہ تھی پھر بھی قبائل کے درمیان باہمی عہد و پیمان کی پابندی نے ایک ایسا نظام قائم کر دیا تھا جو اپنے اندر ایک باضابطہ حکومت کی طاقت رکھتا تھا۔ چنانچہ لوگوں کے جان و مال کی حفاظت اور بیرونی حملہ آوروں کا دفاع، ان سب تحفظات کا ذمہ دار یہ معاہداتی نظام تھا۔

ان لوگوں کو جھوٹ سے خاص نفرت تھی اور ایک جھوٹے آدمی کو وہ بڑا ذلیل اور حقیر سمجھتے تھے۔

Marfat.com

جاہلیت کی تاریخ میں ایسے کئی واقعات ہیں کہ اہلِ عرب نے اپنے مال اور اپنی جان کی قربانی دے کر بھی اپنے عہد کو وفا کیا اور اپنے قول کی لاج رکھی۔ چنانچہ "بلوغ الارب" میں بھی کچھ واقعات نقل کیے گئے ہیں، اسی سلسلہ میں ایک واقعہ سموءل ابن حبان کا ہے:

امراؤ القیس جب قیصر روم کی ملاقات کے لیے گیا تو اس نے اپنی زرہیں امانت کے طور پر سموءل بن حبان کے پاس رکھیں۔ امراؤ القیس مر گیا تو شام کے کسی بادشاہ نے امراؤ القیس کی وہ زرہیں لینے کے لیے سموءل پر چڑھائی کر دی۔ سموءل قلعہ نشین ہو گیا اور اپنے قلعہ کے دروازے نہایت مضبوطی سے بند کر لیے۔ بد قسمتی سے سموءل کا ایک لڑکا قلعہ سے باہر رہ گیا جس کو بادشاہ نے گرفتار کر لیا۔ بادشاہ نے سموءل کو آواز دی اور کہا کہ اگرچہ تو قلعہ نشین ہو گیا ہے لیکن دیکھو تمہارا یہ لڑکا میرے قبضے میں ہے۔ اور تمہیں علم ہے کہ امراؤ القیس میرا چچا زاد بھائی تھا اور میں اس کی میراث کا دوسروں سے زیادہ حق دار ہوں، لہٰذا اگر تو نے اس کی زرہیں میرے حوالہ نہ کیں تو میں تیرے اس بیٹے کو قتل کر دوں گا۔ سموءل اپنے بیٹے کو اس ظالم کے ہاتھ میں دیکھ کر سخت پریشان ہوا اور اس سے غور و فکر کے لیے کچھ مہلت مانگی۔ بعد میں اس نے قلعہ میں اپنے عزیز و اقارب اور خواتین خانہ سے صلاح و مشورہ کیا۔ سب نے یہی مشورہ دیا کہ زرہیں اس کے حوالہ کر کے اپنے بیٹے کی جان بچاؤ۔ جب صبح ہوئی تو سموءل نے قلعہ کی فصیل سے جھانک کر بادشاہ کو آواز دی اور کہا:

"اے بادشاہ! میں کسی قیمت پر تمہیں وہ زرہیں نہیں لوٹاؤں گا۔ تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے، کر لے۔"

بادشاہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا، لیکن سموءل نے وہ زرہیں اسے نہ دیں اور بادشاہ بے نیل مرام واپس چلا گیا۔ بادشاہ کے واپس جانے کے بعد سموءل وہ زرہیں لے کر امراؤ القیس کے اہلِ خانہ کے پاس گیا اور وہ زرہیں اس کے ورثاء کے سپرد کر دیں، چنانچہ اس کے کچھ شعر ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

"میں نے امراؤ القیس الکندی کی زرہیں اس کے وارثان کو پہنچا دیں جن حالات میں دوسری قومیں خیانت کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، میں ان حالات میں بھی اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں۔"

اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب واقعہ نعمان بن منذر والی حیرہ کا ہے۔ یہ نعمان بن منذر، منذر بن ماء السماء کا بیٹا تھا۔ منذر بن ماء السماء کو مزدکی تحریک کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے نوشیرواں عادل کے باپ نے حیرہ کی گورنری سے معزول کر دیا تھا اور بعد میں نوشیرواں نے اپنے عہد حکومت میں اسے بحال کر دیا تھا۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں دو دن خاص مقرر کیے ہوئے تھے۔ ایک کا نام یوم النعیم (خوشی کا دن)

تھا اور دوسرے کا نام یوم البوس (غم کا دن) تھا۔ یوم النعیم کو جس پر اس کی پہلے نظر پڑتی اس کو وہ سو اونٹ انعام میں دیتا۔ اور یوم البوس کو جو شخص اس کو سب سے پہلے نظر آتا اس کو وہ قتل کر دیتا۔ ایک روز نعمان بن منذر جنگل میں شکار کے لیے گیا اور ایک گورخر کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے سارے مصاحبین پیچھے رہ گئے اور بادشاہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں اس کا کوئی آشنا نہیں تھا۔ اتنے میں بادل امنڈ آئے اور زوردار بارش شروع ہو گئی۔ بارش سے بچنے کے لیے وہ کوئی جگہ تلاش کرنے لگا۔ اسے ایک مکان دکھائی دیا جو بنی طے کے ایک شخص حنظلہ نامی کا تھا۔ حنظلہ اپنی بیوی کے ساتھ اس میں رہائش پذیر تھا۔ بادشاہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حنظلہ نے دروازہ کھولا۔ بادشاہ نے اس سے سر چھپانے کی درخواست کی۔ اس نے کہا: اندر تشریف لے آئیں۔ حنظلہ مہمان کو نہیں پہچانتا تھا کہ یہ حیرہ کا بادشاہ ہے۔ اس کے پاس صرف ایک بکری تھی جس کا دودھ وہ دونوں میاں بیوی پیتے تھے۔ اپنی روایتی اور طبعی مہمان نوازی کی وجہ سے حنظلہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ کوئی غیر معمولی مہمان ہے، لہٰذا اس کی مہمان نوازی کس طرح کی جائے۔ بیوی نے کہا کہ میں نے تھوڑا سا آٹا بچا کر رکھا ہوا ہے، میں روٹی پکاتی ہوں، تم پہلے بکری کا دودھ دوہ لو پھر اس کو ذبح کر لو، چنانچہ نعمان کو انہوں نے پہلے دودھ پلایا۔ پھر اس بکری کو ذبح کر کے اس کے گوشت اور روٹی سے اس کی مہمان نوازی کی۔ جب مہمان کھانا کھا چکا تو اس کو نہایت آرام سے رات گزارنے کے لیے کہا۔ صبح نعمان جب وہاں سے روانہ ہوا تو اس نے کہا میں حیرہ کا بادشاہ نعمان ہوں۔ اگر کبھی تمہیں میری ضرورت پڑے تو میرے پاس آنا میں تمہیں اپنی اس خدمت کا صلہ دوں گا۔ حنظلہ نے کہا، بہت اچھا۔ اس بات پر کافی عرصہ گزر گیا۔ لیکن ایک مرتبہ ان کے علاقہ میں قحط پڑ گیا۔ خستہ حالی نے ان دونوں میاں بیوی کو آدبوچا۔ ایک روز اس کی بیوی نے کہا اب تو فاقہ بھی برداشت نہیں ہوتا اور مالی حالت روز بروز خراب ہو رہی ہے۔ حیرہ کے بادشاہ نے تمہیں آنے کو کہا تھا، لہٰذا تم اس کے پاس جاؤ شاید وہ کوئی ہماری مالی امداد کرے۔ حنظلہ بیوی کے کہنے پر حیرہ روانہ ہو گیا۔ لیکن سوء اتفاق سے جب وہ نعمان کے دربار میں داخل ہوا اس روز یوم البوس تھا۔ سب سے پہلے نعمان نے اسی کو دیکھا اور پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے میری اس رات بڑی خدمت کی تھی۔ لیکن اسے بہت دکھ ہوا کہ یہ آج میرے پاس کیوں آیا ہے۔ بادشاہ نعمان اس کو دکھ سے دیکھ رہا تھا۔ حنظلہ یہ سمجھا کہ شاید اس نے مجھے پہچانا نہیں ہے جو اس طرح مجھے دیکھ رہا ہے، چنانچہ اس نے اپنا تعارف کرایا۔ نعمان نے کہا: میں نے تمہیں پہچان لیا ہے لیکن کاش تم آج نہ آتے کسی اور دن آجاتے کیونکہ آج یوم البوس ہے۔ اس نے کہا مجھے تو اس بات کا علم نہیں تھا۔ نعمان نے کہا: لیکن میں مجبور ہوں۔ آج کے دن اگر میرا سگا بیٹا بھی میرے سامنے آجاتا تو میں اس کو بھی قتل کر دیتا۔ لہٰذا اگر کوئی حاجت ہے تو مانگ لو کیونکہ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ حنظلہ نے کہا: تمہارا یہ انعام و اکرام میرے کس کام کا، اگر تو نے مجھے بعد میں قتل کر دیا۔ نعمان نے کہا:

قتل تو تو ضرور ہو گا۔ اس نے کہا اگر واقعی میرے قتل کے بغیر چارہ نہیں تو مجھے مہلت دو تاکہ میں ایک مرتبہ اپنے گھر والوں سے مل آؤں اور انہیں آخری وصیتیں کر آؤں اور ان کے لیے مناسب انتظام کر کے میں واپس آجاؤں گا۔ بادشاہ نے کہا کوئی ضامن دو۔ حنظلہ نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی نگاہ شریک بن عمر پر پڑی۔ اس نے اس سے ضمانت دینے کے لیے کہا لیکن شریک بن عمر نے ضمانت دینے سے انکار کر دیا۔ بنی کلب کا ایک آدمی جس کا نام قراد بن اجدع تھا' وہ کھڑا ہو گیا اور بادشاہ سے کہنے لگا' میں اس کی ضمانت دیتا ہوں۔

نعمان نے حنظلہ کو پانچ سو اونٹنیاں اور بہت سامال و متاع دیا اور ایک سال کی میعاد دی کہ وہ واپس آجائے۔ جب سال گزر گیا اور صرف ایک دن باقی رہ گیا تو نعمان نے قراد بن اجدع سے کہا کہ وہ شخص تو واپس نہیں آیا' لہٰذا میرا خیال ہے کہ کل تجھے قتل کر دیا جائے گا۔ قراد نے کہا: "اگر دن کا پہلا حصہ منہ موڑ چکا ہے تو کل کا دن بھی قریب ہے' زیادہ دور نہیں۔"

دوسرے دن نعمان بن منذر اپنے دستور کے مطابق اپنے ہتھیار سجا کر گھوڑے پر سوار ہو کر اس جگہ آیا جہاں وہ اس روز پہلے نظر آنے والے شخص کو قتل کیا کرتا تھا۔ اس نے جلاد کو قراد بن اجدع کا سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ بادشاہ کے وزیروں نے کہا: جب تک اس دن کا سورج کنج مغرب میں اپنا منہ نہ چھپا لے۔ اخلاقی طور پر آپ اسے قتل نہیں کر سکتے' لہٰذا سورج غروب ہونے کا انتظار کر لیں۔ اگرچہ نعمان نے رات تک کی مہلت دے دی' لیکن اس کا دل چاہتا تھا کہ یہ قتل ہو جائے اور حنظلہ بچ جائے' جس نے اس مشکل رات میں اس کی مہمان نوازی کی تھی۔

سورج رینگ رینگ کر حجلہ مغرب میں اپنا منہ چھپانے کے لیے جا رہا تھا اور رات اپنی زلفوں کی سیاہ چادر سے کائنات کو ڈھانپنے ہی والی تھی۔ جلاد نے قراد کے کپڑے اتار دیے۔ تلوار بے نیام کی گئی۔ بادشاہ کی ایک نگاہ آفتاب کی طرف اور دوسری جلاد کی طرف تھی۔ وہ چاہ رہا تھا کہ جونہی سورج غروب ہو وہ فوری طور پر جلاد کو سر قلم کرنے کا حکم دے دے۔ قراد بن اجدع کو نطع پر کھڑا کر دیا گیا اور جلاد بادشاہ کے اشارہ ابرو کا منتظر تھا کہ اچانک دور سے ایک آدمی آتا ہوا نظر آیا۔ بادشاہ جلاد کو قراد کے قتل کا حکم دینے ہی والا تھا کہ وزراء نے کہا: جب تک معلوم نہ ہو جائے کہ آنے والا شخص کون ہے' اس وقت تک اس کو قتل نہ کیا جائے۔ جب وہ شخص قریب آیا تو سب نے دیکھا کہ وہ حنظلہ تھا۔ بادشاہ نے جب حنظلہ کو دیکھا تو اسے سخت پریشانی ہوئی۔ اس نے غصہ بھری نگاہوں سے اسے دیکھ کر کہا: جب تم ایک بار قتل سے بچ کر چلے گئے تھے تو پھر تم واپس کیوں آئے؟ اس نے کہا: "الوفاء" یعنی اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے۔ بادشاہ نے پوچھا: وفا کا یہ درس تو نے کہاں سے سیکھا؟ اس نے کہا: عیسائیت سے۔ چنانچہ حنظلہ نے عیسائی تعلیمات اس کے سامنے پیش کیں اور اس نے مسیحیت کو قبول کر لیا۔ اس روز سے نعمان بن منذر نے یہ

Marfat.com

قتل کرنے کا طریقہ ختم کر دیا اور قراد اور حنظلہ دونوں کو معاف کر دیا۔۔۔ پھر کہا:

واللہ ما ادری ایکما اوفی واکرم۔

"بخدا! میں نہیں جانتا کہ تم دونوں میں سے زیادہ باوفا اور زیادہ کریم کون ہے۔"

حنظلہ نے کہا: میں وہ شخص ہوں کہ وعدہ پورا کرنا جس کی فطرت میں داخل ہے اور میں ہر احسان کا بدلہ دینے کے لیے اپنی جان کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔

یہ صرف دو واقعات ہم نے نقل کیے وگرنہ تاریخ عرب میں اس طرح کے کئی واقعات منقول ہیں کیونکہ عہد کی پابندی عربوں کا طرۂ امتیاز تھا اور ان کے لیے یہ نہایت دناءت اور رذالت کا کام تھا کہ کوئی شخص وعدہ کر کے اس کو ایفا نہ کرے اور عہد کر کے اس کو توڑ دے۔

اگرچہ جزیرہ نمائے عرب میں ایک بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے، لیکن ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو شہری تہذیب کے نہ صرف حامل بلکہ دیگر ممالک کے مہذب اور متمدن لوگوں کی ہمسری بلکہ برتری کے دعویدار تھے۔

جزیرہ نمائے عرب میں اس زمانہ میں مشہور شہر حسب ذیل تھے:

حجاز: مدینہ، مکہ، طائف اور ینبوع

یمن: صنعاء، عدن، جرش

بحرین: ہجر

نجد: یمامہ، فید

عمان: صحار، دبا

شمالی عرب: دومۃ الجندل، خیبر، وادی القریٰ

ان اور دیگر شہروں کے لوگ نہایت مہذب اور متمدن زندگی بسر کرتے تھے۔ جھونپڑیوں کے بجائے اونچے اونچے مکانوں اور محلات میں رہتے تھے۔ چنانچہ نعمان بن امراء القیس کا بنوایا ہوا محل خورنق اور سدیر اس زمانہ میں ضرب المثل تھے۔

(ملاحظہ ہو "معجم البلدان" جلد ۵، ص ۴۸۴، "طبری" جلد ۲، ص ۶۷)

خورنق کی تعمیر کے بارے میں طبری نے لکھا ہے کہ اس محل کی تعمیر کی یہ وجہ ہوئی کہ یزدجرد کسریٰ کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا۔ اس نے حکماء سے پوچھا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ بتاؤ جو ہر قسم کی بیماریوں سے پاک وصاف ہو۔ انہوں نے اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں اب حیرہ آباد ہے۔ اس نے اپنے بیٹے بہرام گور کو نعمان بن امراؤ القیس کے پاس بھیجا کہ میری رہائش کے لیے اس جگہ ایک محل تعمیر کراؤ۔ اس نے ایک مشہور معمار اور آرکیٹیکٹ (Architect) "سنمار" کو تلاش کیا اور اس کو اس محل کی تعمیر کا کام سپرد

Marfat.com

کیا۔ جب محل تیار ہو گیا تو نعمان اس کے معائنہ کے لیے آیا۔ محل کی مضبوطی، دلکشی اور خوبصورتی کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

سنمار اپنے کام کی تحسین و آفرین کو سن کر کہنے لگا کہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تم لوگ مجھے پورا اجرو معاوضہ دو گے اور میرے کام کی اس قدر تحسین کرو گے تو میں تمہارے لیے ایسا محل تعمیر کرتا جو سورج کے ساتھ گردش کرتا رہتا۔ نعمان نے تعجب سے پوچھا کہ کیا تم اس سے بھی خوبصورت محل بنا سکتے ہو؟ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ سنمار کو محل کے اوپر سے گرا کر مار دیا جائے۔

معمار سنمار تو مر گیا اور نعمان اس میں رہنے لگا۔ نعمان جب تیس سال حکومت کر چکا تو ایک روز وہ خورنق محل کی چھت پر بیٹھا داد عیش دے رہا تھا۔ اس نے بیٹھے بیٹھے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ اسے پھلوں سے لدے ہوئے باغات، لہلہاتے کھیت، کھجوروں کے اونچے اونچے درخت جھومتے نظر آئے۔ وہ اس دل کش اور روح پرور نظارہ سے بڑا خوش ہوا، کیونکہ محل کے ارد گرد کا منظر بہت روح پرور اور روح افزا تھا۔

پھر اسے یک دم خیال آیا کہ کل جب میں نہیں ہوں گا تو ان تمام چیزوں کا مالک کوئی اور ہو گا۔ اس خیال نے اسے دنیا کی بے ثباتی کا پتہ دیا اور وہ سر سے پاؤں تک ہل گیا۔ اس کے قلب و ذہن کے بند دریچے کھل گئے۔ اس نے محل کے پہرہ داروں کو چلے جانے کا حکم دیا۔ جب تمام محافظ اور پہرے دار چلے گئے تو تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ وہ رات کی تاریکی میں ایک کمبل اوڑھ کر ایسا غائب ہوا کہ پھر وہ کسی کو نظر نہ آیا۔ اس طریقہ سے اس نے محل کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔

(ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام حسن ابراہیم جلد ا ص ۳۵ تا ۳۷)

17

ان دونوں محلات کا تذکرہ مختلف شعراء نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ ان دونوں محلات کے علاوہ اور بھی کئی محلات کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔ مکہ کی عورتیں اس بات کی دعویدار تھیں کہ وہ ننگی زمین پر نہیں بلکہ قالینوں پر چلتی ہیں۔ جیسا کہ اس ترانہ میں ہے جو رؤسائے مکہ کی بیگمات نے میدان اُحد میں گایا تھا۔

نحن بنات طارق نمشی علی النمارق

ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں ہم قالینوں پر چلا کرتی ہیں

جو عورتیں فرش زمین پر نہیں چلتیں بلکہ قالینوں پر چلتی ہیں، ان کے گھر بھی نہایت عمدہ ہوں گے اور یقینی بات ہے کہ ان کے گھروں کی آرائش بھی نہایت اچھی ہو گی۔ سیدہ ہند کے والد اور سیدنا ابو سفیانؓ کے سسر عتبہ بن ربیعہ نے جو جنگ بدر میں سب سے پہلے سیدنا حمزہؓ کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور مکہ کے بڑے رؤساء میں شمار ہوتے تھے: ایک شیش محل مکہ میں بنوایا ہوا تھا جس کو "دار القواریر" 18

Marfat.com

کہتے تھے۔("فتوح البلدان"، ص ۶۳)

غرض کہ اس زمانے کی تہذیب میں فرش پر قالین، مخملی گدے، بیٹھنے کے لیے غالیچے، کمر لگانے کے لیے تکیے، آرام کرنے کے لیے مسہریاں، دروازوں اور کمروں کے طاقوں پر پھولدار اور باتصویر پردے اور موتیوں کی لڑیاں (حبائل) موجود تھیں جو آج بھی تہذیب و تمدن کا ایک حصہ شمار ہوتی ہیں۔

مکہ کے لوگوں کا معیار زندگی مدینہ کے لوگوں سے زیادہ اونچا تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ مکہ کے لوگ تاجر پیشہ تھے جبکہ مدینہ کے باشندے کاشتکار اور زمیندار تھے۔ بعض لوگ "دور جاہلیت" کے لفظ سے یہ سمجھتے ہیں کہ شاید عرب کے باشندے افریقہ کے حبشیوں کی طرح لباس و پوشاک سے عاری تھے اور جو لوگ لباس پہنتے تھے وہ نہایت مختصر ہوتا ہوگا، لیکن اس خیال میں سچائی کی کوئی رمق نہیں ہے۔

کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ کے عرب لباس و پوشاک میں آرائش کا پورا پورا خیال رکھتے تھے اور دوسرے ملکوں کی طرح یہاں کے روساء بھی نہایت قیمتی لباس زیب تن کرتے تھے۔ چنانچہ عاص بن وائل سہمی جس نے سیدنا عمرؓ کے ایمان لانے کے بعد انہیں پناہ دی تھی، نہایت قیمتی لباس پہنتے تھے۔ قمیص کی آستینوں میں ریشم کی کفیں ہوتیں، قباء ریشمی ہوتی، یمن کے دھاری دار خاص کپڑے کی چادر اور تہبند ہوتا تھا۔ بعض لوگ ہاتھوں میں دستانے (قفازین) اور پاؤں میں موزے (خفین) اور جرابیں (جوربین) بھی پہنتے تھے۔ عورتوں کے لباس میں بھی نہایت زیبائش کا خیال رکھا جاتا تھا۔

یہ تھا مختصر لفظوں میں جزیرہ نما عرب کی تہذیب و تمدن کا ایک خاکہ جس سے پتہ چلتا ہے کہ شہری تہذیب کے لحاظ سے عرب کے لوگ دوسرے ملکوں کے لوگوں سے کم نہیں تھے بلکہ بعض باتوں میں ان سے بہت آگے اور برتر تھے۔

Marfat.com

جاہلیت کیا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر جاہلیت سے مراد یہ نہیں ہے جو گزشتہ صفحات میں بیان کی گئی ہے تو پھر جاہلیت ہے کیا؟ اور جاہلیت سے کیا مراد ہے؟ جاہلیت سے مراد تاریخ کا وہ غیر الٰہی دورِ حاکمیت ہے جو جبر و استبداد، سرمایہ پرستانہ ذہنیت کی سفاکی، ظالمانہ اور فاسقانہ معاشرت اور ہمہ گیر فساد انسانیت کا ہیجانی دور ہے جس کی مثال اس سے قبل پوری تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔ بادشاہوں کی قبائے زریں، فاقہ کش اور مفلوک الحال عوام کے خونِ ناحق سے اور ان کے تختِ زرنگار ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کی لاشوں پر بچھائے گئے تھے۔ امراء و حکام ملک کے عوام کا جونکوں کی طرح خون چوس رہے تھے۔ چاروں طرف ظلم و معصیت، سفاکی اور استبداد کا ایک طوفان بپا تھا۔ قلب و نظر کی صلاحیتیں مٹ چکی تھیں۔ آج کل کے زمانے کی طرح نیکی اور برائی کا تصور ذہنوں سے مٹ چکا تھا۔ اخلاق و شرافت کے لیے دنیا کے کسی گوشہ میں پناہ گاہ نہ رہی تھی اور چند گنے چنے انسانوں کو چھوڑ کر کسی انسان کے دل میں حق کی طلب و جستجو نہ تھی۔ قوموں کا اجتماعی کردار پستی کی انتہائی حد تک پہنچ گیا تھا اور نسل کشی، قومی عصبیت، تخریب پسندی، قتل و غارت، معاشی منصوبوں کا انحصار، آوارہ گردی، غارت گری اور لوٹ مار کی متنوع اسکیموں پر تھا۔ ظالمانہ معاشرت اور سفاکانہ معیشت اور انسانیت کش قوانین پر مبنی نظام دنیا میں چل رہا تھا۔ وحشت و بہیمیت تمدن کے نام پر دنیا میں رائج تھی۔ انہی چیزوں کو قرآن حکیم نے ایک ہی لفظ ”جاہلیت“ سے تعبیر کیا ہے اور ایک مقام پر عورتوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى۔ (احزاب: ۳۳)

”اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا جاہلیت اولیٰ میں۔“

یہ جاہلیت اولیٰ کی کیفیت اگرچہ کئی صدیوں سے تھی لیکن چھٹی صدی عیسوی تاریخ انسانی کا ایک

Marfat.com

سیاہ ترین اور پست ترین دور تھا۔ انسانیت دن بدن پستی اور نشیب کی طرف جارہی تھی اور پوری دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو اس گرتی ہوئی انسانیت کی دیوار کو سہارا دیتی اور اسے ذلت اور پستی کے گڑھے میں گرنے سے روکتی۔ اس خدا ناآشنا اور خدا فراموش معاشرہ میں ہر انسان مکمل طور پر خود فراموش ہوگیا تھا' اسی وجہ سے تمام انسانی قدروں کی جگہ حیوانی قدروں نے لے لی تھی۔ ایک انسان دیکھنے میں تو انسان نظر آتا تھا لیکن اس کے عادات واطوار اور اس کے اخلاق واحوال میں خوردبین لگا کر دیکھنے سے بھی انسانیت کا کوئی جراثیم نظر نہیں آتا۔

انبیاء اور رسولوں کی دعوت کی آواز عرصہ سے دب چکی تھی۔ ان کی تعلیمات ایک مدت سے یا تو محرف ہو چکی تھیں یا انسانی ذہن انہیں کلیتاً فراموش کر چکے تھے۔ جن چراغوں کو ان حضرات نے اپنے خون دل سے روشن کیا تھا وہ اس جاہلیت کی آندھی میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس طرح ٹمٹما رہے تھے کہ ان کی روشنی سے چند ایسے خداشناس دل روشن تھے جو آبادی کو چھوڑ کر ویرانوں میں اور دیر و کلیسا کو چھوڑ کر صحراؤں کی تنہائیوں میں یا پہاڑوں کی غاروں میں پناہ گزین ہوگئے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو دین کا نام تو لیتے تھے لیکن انہوں نے وقت کے بادشاہوں اور اہلِ دنیا سے سازباز کرلی تھی اور جبر واستبداد' ظالمانہ نظام سلطنت اور ناجائز خواہشات میں ان کے دست راست بن گئے تھے اور ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال کھانے اور ان کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں ان کے شریک و سہیم بن گئے تھے۔

اس زمانہ میں دو سپر پاورز (Super Powers) تھیں۔ ایک رومی سلطنت اور دوسری ایرانی سلطنت' ان میں سے ایک مشرق کی اور دوسری مغرب کی قیادت کی اجارہ داری سنبھالے ہوئے تھی' لیکن یہ دونوں سلطنتیں اجتماعی اور اخلاقی امراض کا آشیانہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کی رعایا اور اعیان حکومت تعیش و تکلفات کے سمندر میں غرق تھے اور دونوں پر سیاسی اور اخلاقی زوال طاری تھا۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ نے اپنی کتاب "حجتہ اللہ البالغہ" میں ان کا ایک سرسری نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں:

> "جب ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام پر حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور انہوں نے دنیوی زندگی ہی کو اپنا مقصد اور مطمح نظر بنالیا اور آخرت کے تصور کو یک قلم فراموش کردیا اور شیطنت نے پورے طور پر ان پر قبضہ کرلیا تو ان کی زندگی کا حاصل صرف اور صرف یہ بن گیا کہ عیش و عشرت کے دن گزاریں' چنانچہ ان میں سے ہر شخص داد عیش دینے لگا۔ ان کی اس طرز زندگی کو دیکھ کر چار دانگ عالم سے علماء اور سائنس دان ان کے گرد جمع ہونے لگے جو ان کے لیے طرح طرح کے سامان تعیش مہیا کرنے کی غرض سے عجیب وغریب دقیقہ سنجیاں اور نقطہ آفرینیاں پیدا کرنے لگے اور نئے نئے اسباب زینت و

تعیش کی ایجاد و اختراع میں مصروف ہو گئے۔ سرمایہ پرست علماء کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا پٹکا یا کلاہ ہوتا اسے بخیلی کا طعنہ دیا جاتا۔

ایسے میں انہوں نے عالیشان اور سربفلک محل، اعلیٰ درجہ کے آبزن، نفیس حمام، نظر افروز پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور، خدمت کے لیے خوبصورت غلام اور حسین باندیاں اور کنیزیں اپنی زندگی کے لوازم بنا لیے اور مقصد حیات یہ سمجھ لیا کہ شام و پگاہ عیش و نشاط کی محفلیں ہوں، جن میں طرح طرح کے کھانے وسیع دسترخوان پر چنے ہوں اور وہ لباس فاخرہ پہنے ان میں بیٹھے ہوں۔

بادشاہوں اور امیروں کی اس عیاشانہ زندگی سے بہت سے خطرناک معاشی اور معاشرتی امراض نے جنم لیا جو معاشرتی زندگی کے ہر شعبہ میں داخل ہو گئے۔ ان امراض سے نہ تو کوئی شہری محفوظ رہا اور نہ کوئی دیہاتی، نہ امیر اور نہ غریب۔ اس ہمہ گیر مصیبت کا سبب یہ تھا کہ یہ سامان تعیش کثیر زر و مال صرف کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ مال کثیر کاشت کاروں اور تاجروں پر نئے ٹیکس لگانے اور پہلے سے لگے ہوئے ٹیکسوں میں متعدبہ اضافہ کیے بغیر حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ پھر دوسری مصیبت یہ کہ گراں بار ٹیکس ادا نہ کرنے یا ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرنے پر ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی۔

اس معاشی اور اقتصادی بدحالی کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ٹیکس ادا کرنے اور اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے سوا لوگ کسی اور بات کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تھے۔ چہ جائیکہ سعادت اخروی اور اپنی نجات کے بارہ میں کچھ سوچ بچار کریں۔ بسا اوقات پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر ہوتی۔"

(حجۃ اللہ البالغہ: باب اقامتہ الارتفاقات واصلاح الرسوم)

ایرانی سلطنت کی حالت

مشرقی دنیا کی قیادت کی اجارہ داری ایران کے ہاتھ میں تھی۔ متمدن دنیا کے انتظام میں اگرچہ ایران روم کا شریک و سہیم نہیں تھا لیکن شومی قسمت سے وہ انسانیت کے دشمن افراد کی سرگرمیوں کی دیرینہ آماجگاہ تھا۔ زمانہ دراز سے اس کی اخلاقی بنیادوں میں دراڑیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایرانیوں کو ان فطری اور مقدس رشتوں سے کراہت و حرمت تھی جن رشتوں سے ازدواجی تعلقات کو متمدن علاقوں کے باشندے ہمیشہ ناجائز اور غیر قانونی سمجھتے رہے ہیں۔ پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ایران پر یزد گرد دوم کی حکومت تھی۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ اس نے اپنی حقیقی بیٹی کو اپنی زوجیت میں رکھا

Marfat.com

اور پھر اسے قتل کر دیا۔ (طبری جلد ا ص ۵۰۹) بہرام چوبین ایران کا مشہور حاکم تھا اور ایران پر اس کی حکومت چھٹی صدی عیسوی میں تھی۔ اس نے اپنی سگی بہن سے اپنا ازدواجی تعلق رکھا۔ (طبری جلد ا ص ۵۰۹) مشہور چینی سیاح ہوئن سیانگ کا بیان ہے کہ ایرانی قانون و معاشرت میں ازدواجی تعلقات کے لیے کسی رشتہ کا بھی استثناء نہ تھا گویا کہ ماں، بہن، بیٹی ان سب سے ازدواجی تعلقات قائم کرنا ایرانی معاشرت کا ایک اصول تھا (ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۳۰) پروفیسر آرتھر کرسٹن کے بیان کے مطابق اس قسم کا ازدواجی رشتہ ایران میں کوئی ناجائز یا حرام فعل تصور نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک کار ثواب سمجھا جاتا تھا۔ گویا ذہن و فکر میں اس قدر انقلاب آچکا تھا کہ حلال و حرام کا تصور ذہنوں سے بالکل ختم ہو گیا تھا۔

محرمات سے نکاح زرتشتیوں کا مذہب تھا لیکن ان کو دیکھ کر عیسائیوں اور دوسرے مذاہب کے پیروکار جو ایرانی سلطنت میں بستے تھے، انہوں نے بھی اس فعل بد کو اپنا لیا، چنانچہ پروفیسر آرتھر لکھتا ہے:

"ایران کے عیسائیوں نے بھی زرتشتیوں کی دیکھا دیکھی محرمات کے ساتھ شادی کرنے کے فعل بد کو اپنا لیا حالانکہ ان کی شریعت میں یہ فعل حرام تھا۔"

(ایران بعہد ساسانیاں ص ۱۷۵)

پھر ساسانیوں میں یہ رواج بھی عام ہو گیا کہ وہ اپنی عورتیں دوسروں کو استعمال کے لیے دے دیتے تھے اور ان سے جو اولاد ہوتی وہ اس شوہر کی سمجھی جاتی تھی جو اپنی عورت دوسرے کو دیتا تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۳۶ تا ۴۳۸)

تیسری صدی عیسوی میں ایک شخص مانی ایران کی سرزمین میں پیدا ہوا، اس نے ملک میں شدید شہوانی رجحانات کے رد عمل کے طور پر ایک تحریک چلائی اور اس نے دنیا کو تجرد کی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دی تاکہ دنیا سے شر و فساد اور جنسیات کے جراثیم یک قلم ختم ہو جائیں، چنانچہ اس نے نکاح کو حرام قرار دیا۔ بہرام نے سنہ ۲۷۶ء میں مانی کو یہ کہتے ہوئے موت کے گھاٹ اتار دیا کہ یہ شخص دنیا کو تباہی کی دعوت دیتا ہے، لہٰذا قبل اس کے کہ یہ دنیا ختم ہو خود اس شخص کو ختم ہو جانا چاہیے۔

پھر سنہ ۴۸۷ء میں مزدک پیدا ہوا۔ اس نے یہ دعوت دی کہ تمام انسان یکساں پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی تفریق نہیں لہٰذا زن، زر اور زمین سب کی مشترک ہے۔ گویا یہ دنیا میں سب سے پہلا (یوٹوپیائی) سوشلسٹ تھا جس نے ان تینوں کو ہر ایک کے لیے مشترک قرار دیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ چونکہ مال اور عورت ہی دو ایسے عنصر ہیں جن کی حفاظت و نگرانی کا انسان اہتمام کرتا ہے لہٰذا ان دونوں میں اشتراک اور مساوات سب سے زیادہ ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ شہرستانی نے لکھا ہے:

"مزدک نے تمام عورتوں کو سب کے لیے حلال قرار دے دیا اور مال و زن کو آگ، پانی اور چارہ کی طرح سب کے لیے مشترک قرار دیا۔" (الملل والنحل ص ۸۶)

Marfat.com

مزدک کی اس دعوت میں بڑی جاذبیت (Attraction) تھی اس وجہ سے نوجوان نسل اور تعیش پسند امراء اور اعیان سلطنت نے اس تحریک کا پرجوش اور بھرپور خیر مقدم کیا اور یہ تحریک چند سالوں میں جنگل کی آگ کی طرح پورے ایران میں پھیل گئی۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ ہوا کہ ایرانی بادشاہ قباد نے اس تحریک کی سرپرستی کی بلکہ اس کی اشاعت میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سالوں میں (آج کل کے یورپ اور امریکہ کی طرح) پورا ملک جنسی انارکی اور شہوانی بحران میں ڈوب گیا۔

علامہ طبری نے لکھا ہے کہ:

"آوارہ مزاج اور اوباش طبع لوگوں نے اس تحریک کی بہت پذیرائی کی اور اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مزدک اور مزدکیوں کے پرجوش ساتھی بن گئے۔ عام شہری اس بلائے ناگہانی کا شکار تھے کیونکہ ان میں سے کسی کی بھی عزت محفوظ نہ تھی۔ اس تحریک نے اس قدر زور پکڑا کہ جو چاہتا اور جس کے گھر میں چاہتا، گھس کر اس کے مال و زن پر قبضہ کر لیتا اور صاحب خانہ منہ دیکھتا رہ جاتا۔ ان مزدکیوں نے قباد کو معزولی کی دھمکی دے کر اس تحریک کا سرپرست بنالیا۔ بادشاہ کی سرپرستی سے اس تحریک میں اور زور و شور پیدا ہو گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ حالت ہو گئی کہ نہ باپ اپنے لڑکوں کو پہچان سکتا تھا اور نہ لڑکا اپنے باپ کو، کسی کا بھی اپنی کسی ملکیت اور عورت پر اختیار اور قبضہ نہ تھا۔" (طبری جلد ا ص ۵۲۰)

یہ تو ایرانی اخلاقیات کا ایک سرسری نقشہ تھا۔ عقیدہ کے لحاظ سے بھی ایران کی حالت روم سے زیادہ بدتر تھی۔ ایرانیوں کی کبھی یہ حالت تھی کہ جوش بت شکنی میں انہوں نے مصریوں کے متبرک بیل ایپس (Apis) کو ذبح کر ڈالا تھا اور اس کے استھان کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی، لیکن انہوں نے بہت جلد ہر مزکی پرستش میں اپنے محکوم ملکوں کے سامی خداؤں کو داخل کر لیا۔ پرانی مجوسی عناصر پرستی از سرنو تازہ ہو گئی اور دارایوش کے ایک قریبی جانشین اردشیر نیمون (Artoxerxces Mnemon) نے زرتشتیوں میں مخنث دیوتا متھرا کی پوجا رائج کر دی۔ یہ کلدانی دیوتا ملتایا انائی ٹیس کا مثنیٰ تھا۔ اس کے ساتھ لنگ پوجا بھی وابستہ تھی۔

ایران کے بادشاہ اس بات کے دعویدار تھے کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے لہٰذا ایران کے باشندے بھی انہیں اسی نظر سے دیکھتے اور ان کے آگے سربسجود ہوتے اور انہیں قانون سے، تنقید سے اور بشریت سے بالاتر تصور کرتے۔ پھر ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ بادشاہت ان کا آسمانی حق ہے۔ (Divine Right of Kings) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو براؤن کی کتاب (Literary History Of Persia Vol.iv) ان سلاطین کا ہر انسان پر پیدائشی حق تھا، لیکن کسی انسان کا ان پر کوئی حق نہ تھا۔ حکومت کے لیے صرف ایک خاص خاندان یعنی کیانی خاندان مخصوص تھا، لہٰذا سمجھا یہ جاتا تھا کہ اسی

Marfat.com

خاندان کے افراد تاج و تخت کے مالک ہوسکتے ہیں۔ اور بادشاہت کا یہ حق ان کا موروثی اور الٰہی ہے، اگر انہیں خاندان میں بادشاہت کے لیے کوئی سن رسیدہ شخص نہ ملتا تو کسی عورت یا بچے ہی کو تاج شاہی پہنا دیتے۔ چنانچہ کسریٰ کی لڑکی بوران اور دوسری بیٹی آزرمی دخت تخت نشین ہوئیں اور شیرویہ کے بعد اس کے ہفت سالہ بچے کو تخت شاہی پر بٹھایا گیا اور خسرو پرویز کے بیٹے فرخ زاد خسرو کو شہنشاہ تسلیم کیا گیا، حالانکہ ان زمانوں میں کئی سپہ سالار اور سردار موجود تھے لیکن زمام حکومت ان کے سپرد صرف اس لیے نہ کی گئی کہ ان کا نسبی تعلق شاہی خاندان سے نہیں تھا، کیونکہ سمجھا یہ جاتا تھا بلکہ پبلک کو سمجھایا یہ جاتا تھا کہ ان کے دل و دماغ دوسرے انسانوں سے بہت مختلف ہیں، اسی وجہ سے فوکاس(Phocas) نے جب سنہ ۶۰۲ء میں رومی بادشاہ ماریس(Maurice) کے خلاف بغاوت کر کے اس کو تخت شاہی ہی سے محروم کر دیا اور خود اس پر قابض ہو گیا تو فوکاس(Phocas) نے ایک سفیر کے ذریعہ ایران کی حکومت کو اپنی تخت نشینی کی اطلاع دی۔ اس وقت ایران کے تخت پر نوشیرواں عادل کا لڑکا خسرو پرویز تھا۔ خسرو پرویز کو سنہ ۹۱-۵۹۰ء میں اندرونی بغاوت کی وجہ سے فرار ہونا پڑا تو مقتول رومی بادشاہ ماریس نے اس کو اپنے علاقہ میں پناہ دی اور تخت شاہی کے دوبارہ حصول میں اس کی بھرپور مدد بھی کی۔ انہی دنوں خسرو پرویز نے ماریس کی لڑکی سے شادی بھی کر لی اور اس رشتہ کی وجہ سے وہ ماریس کو باپ کہتا تھا۔ سنہ ۶۰۳ء میں خسرو پرویز دریائے فرات کو پار کر کے شام کے شہروں میں داخل ہو گیا اور رومی سلطنت میں بڑھتا چلا گیا۔ ایرانی فوجیں انطاکیہ کو فتح کر کے یروشلم پر قابض ہو گئیں۔ خسرو پرویز کی اس کامیابی میں نسطوری اور یعقوبی فرقے کے عیسائیوں اور یہودیوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا کیونکہ وہ رومی سلطنت کے خلاف تھے۔

رومی سلطنت کو بچانے کے لیے اعیان حکومت نے افریقی مقبوضہ کے رومی گورنر کو خاموش پیغام بھیجا۔ اس نے اپنے لڑکے ہرقل(Heraclius) کو اس مہم پر بھیجا۔ ہرقل نہایت رازداری سے آیا اور معمولی لڑائی کے بعد سلطنت پر قابض ہو گیا اور فوکاس کو قتل کر دیا، لیکن ہرقل ایرانی فوجوں کے سیلاب کو نہ روک سکا۔ سنہ ۶۱۶ء تک رومی دارالسلطنت سے باہر عام مشرقی اور جنوبی حصہ کھو چکے تھے اور عراق، شام، فلسطین، مصر اور ایشائے کوچک وغیرہ پر صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی لہرا رہا تھا۔ ایرانی حکومت نے رومی علاقہ پر قبضہ کرنے کے بعد عیسائیت کو نیست و نابود کرنے کے لیے ان پر شدید ترین مظالم شروع کر دیئے۔ ان کے مذہبی شعائر کی توہین کی گئی، قریباً ایک لاکھ عیسائیوں کو بے گناہ قتل کیا گیا، کلیساؤں کو مسمار اور آتش کدوں کو تعمیر کیا گیا اور ان کی مقدس صلیب کی اصل لکڑی جن کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ سیدنا مسیح علیہ السلام نے اس پر جان دی تھی، چھین کر ایرانی دارالسلطنت مدائن پہنچا دی گئی۔

اس وقت ایرانی فاتح خسرو پرویز اپنے آپ کو کیا سمجھتا تھا اس کا اندازہ خسرو پرویز کے اس خط سے

Marfat.com

ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے ہرقل کو لکھا تھا:

"Khusru greatest of gods and master of the whole earth, to Heraclius, His vile and insensate slave. You say that you trust in your god. Why then, has he not delivered Jerusalem out of my hand?"

"سب خداؤں سے بڑے خدا اور تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ اور بے شعور بندے ہرقل کے نام۔ تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے، کیوں نہ تیرے خدا نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچالیا۔"

اس خط کے ایک ایک لفظ سے ایرانی بادشاہ کی رعونت، تکبر اور غرور و جاہ ٹپکتا ہے۔ اسی دوران ایرانی جنرل سین (Sain) نے تجویز کیا کہ ہرقل صلح کا ایک قاصد شہنشاہ ایران کی خدمت میں روانہ کرے اس کو ہرقل اور اس کے مشیروں نے بڑی خوشی سے قبول کیا لیکن شہنشاہ ایران نے کہا:

"مجھ کو یہ قبول نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے۔ رومی حکمران سے اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک وہ اپنے صلیبی خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کی پرستش نہ کرے۔"

(The History of the Decline and Fall of the Roman Empire, Vol.5, P.75 By Edward Gibbon.)

خسرو کے اس خط کو نہ صرف گبن نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے بلکہ ول ڈیوران نے اپنی مشہور کتاب "The Age of Faith, P.147" اور جنرل سرپرسی نے اپنی کتاب "History of Persia" کے صفحہ ۸۲ پر بھی نقل کیا ہے۔

حکومت کی طرف سے عوام الناس کو ممانعت تھی کہ وہ امراء کے طبقہ میں سے کسی کی جائیداد خرید سکیں۔ سوسائٹی میں مختلف طبقات میں ناقابلِ عبور فاصلہ تھا۔ ذات پات کا تصور عام تھا۔ کوئی بڑا کام نچلی ذات کے آدمی کے سپرد نہیں کرتے تھے اور سوسائٹی میں ہر شخص کی ایک معین جگہ تھی اس وجہ سے کوئی شخص ترقی کر کے اوپر نہیں جا سکتا تھا۔ (ملاحظہ ہو ایران بعہد ساسانیاں)

وطن پرستی اور قوم پرستی ایرانیوں کی گھٹی میں تھی۔ وہ ایرانی میت کو نہایت مقدس اور باعظمت سمجھتے تھے گویا "غلام پارسی ایراں پرستد" ان کا عقیدہ تھا۔ اس عقیدے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے گرد و پیش کی قوتوں کو ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ خسرو پرویز نے سرکار دوعالم ﷺ کے نامہ مبارک کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جو کہ توہین و تمسخر کی ایک زندہ مثال ہے۔

جب عقیدے کی یہ حالت ہو تو اس معاشرہ میں ایک جامع دین کیسے راہ پا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے

Marfat.com

ایرانی دین الٰہی سے محروم تھے جو ان کے باطن کی اصلاح کرتا۔ یہ تھے مختصر سے حالات اس سلطنت کے جس کا بادشاہ اپنے آپ کو "سب خداؤں سے بڑا خدا اور تمام روئے زمین کا مالک سمجھتا تھا۔" اگرچہ اس کی سلطنت میں اس زمانہ کے تہذیب و تمدن کی ہر شے موجود تھی، لیکن سلطنت کا پورا نظام جاہلی بنیادوں پر قائم تھا اور اسلام نے اسی کو "جاہلیت" کہا ہے وگرنہ ایرانی سلطنت کے پاس جدید سے جدید اسلحہ اور ہر قسم کا سامان تعیش موجود تھا لیکن وہ انسانی اقدار موجود نہ تھیں جن پر انسانیت کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور جن کے سایہ دار درخت کے نیچے انسان سکھ کا سانس لیتے ہیں۔

ایران کے معاشرتی حالات بھی نہایت خراب تھے۔ ایرانی معاشرہ مختلف طبقات میں منقسم تھا۔ سوسائٹی میں چھوٹے بڑے کا امتیاز اس قدر تھا کہ چھوٹے لوگ معاشرہ میں کوئی اونچا مقام حاصل کر لیں تو یہ بہت بڑی بات تھی۔ وہ اپنا پیشہ تک تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے ذہنوں میں مذہبی طبقہ کی طرف سے یہ بات ڈالی جاتی تھی کہ تمہارے آباء و اجداد نے جو پیشہ اختیار کیا وہ خدا کے حکم کے تحت کیا تھا لہٰذا اب انہیں پیشہ تبدیل کرنے کا حق نہیں ہے۔ ایران کی اعلیٰ سوسائٹی کی عمارت دو ستونوں پر قائم تھی۔ ایک نسب اور دوسرا مال و دولت، چنانچہ عوام اور خواص کے مابین لباس، سواری، مکان، باغ، عورتوں اور نوکروں کے لحاظ سے امتیاز تھا۔ خواص کی سواری کی شان و شوکت، لباس کی چمک دمک، عورتوں کے فیشن اور میک اپ، سر بفلک محلات، کلاہ (ٹوپیاں) اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ ان کی اعلیٰ نسبی کا پتہ دیتے تھے۔ (ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۱۷)

تعدد ازدواج کا عام رواج تھا۔ ایک شخص کے لیے بیویوں کی تعداد کی کوئی حد نہ تھی ہر شخص اپنی آمدنی کے مطابق بیویاں رکھ سکتا تھا البتہ غریب آدمی کو صرف ایک بیوی پر قناعت کرنا پڑتی۔ جن لوگوں کی زیادہ بیویاں ہوتیں، ان میں ایک بڑی بیوی ہوتی جن کو "زن پادشاہی ہا" کہتے۔ دوسری سب بیویاں اس کے ماتحت ہوتیں اور ان کے حقوق بڑی بیوی سے مختلف ہوتے اور یہ سب "خدمت گار بیویاں" کہلاتیں۔ ان کی صرف اولاد نرینہ کو خاندان میں داخلہ کا حق مل سکتا تھا۔

(ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۲۷-۴۲۸)

خود خسرو پرویز کے بارے میں علامہ طبری نے لکھا ہے کہ اس کی تین ہزار بیویاں تھیں۔ ان کے علاوہ ہزار ہا لونڈیاں تھیں جو بادشاہ کی ہر طرح کی خدمت کرتی تھیں اور رقص و سرود کی محفلوں کو زینت بخشتیں۔ تین ہزار خدمت گار، آٹھ ہزار پانچ سو گھوڑے (ابن اثیر نے پچاس ہزار لکھے ہیں) سات سو ساٹھ ہاتھی، بارہ ہزار خچر اور جواہرات اور سونے چاندی کے برتنوں کا کوئی حساب نہیں تھا۔

(طبری جلد ۱، ص ، ابن اثیر جلد ۱ ص ۴۹۲)

کسریٰ کے تاج کے بارے میں مختلف کتابوں میں مرقوم ہے کہ اس کا وزن کئی من تھا۔ یہ تاج

Marfat.com

طلائی تھا۔ یاقوت و زبرجد اور دوسرے قیمتی جواہرات سے آراستہ تھا۔ وزنی ہونے کی وجہ سے بادشاہ اسے سر پر اٹھا نہ سکتا تھا' لہٰذا وہ تخت کے اوپر ایک طلائی زنجیر سے معلق تھا۔ کسریٰ تخت پر پردے میں جلوہ افروز ہو کر اس میں سر داخل کر دیتا بعد میں وہ پردہ ہٹا دیا جاتا تو حاضرین اس کی ہیبت اور دہشت سے سجدہ ریز ہو جاتے۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد ا ص ۴۳)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سنہ ۱۶ھ میں مدائن کی فتوحات کے بعد سیدنا فاروق اعظمؓ نے یہ تاج سراقہ بن مالکؓ کو پہنایا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۶۷)

خسرو کے آذربائیجان کے گورنر کے پاس جو سامان اور پراپرٹی تھی' اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

"ضرورت سے زائد بیس لاکھ دینار' پانچ لاکھ دینار کا سونے چاندی کا سامان' چھ لاکھ دینار کے جواہرات' خراسان' عراق' فارس اور آذربائیجان کا کوئی ضلع اور شہر ایسا نہیں تھا جس میں اس کی جاگیریں' مکانات' سرائیں اور زمینیں نہ ہوں۔ تیس ہزار خچر اور گھوڑے تھے' دو لاکھ بھیڑیں' سترہ سو ترک' یونانی اور حبشی غلام اور چودہ سو لونڈیاں۔"

(ایران بعد ساسانیاں ص ۵۰۳-۵۰۴)

اس ایک گورنر کی جائیداد اور دولت و ثروت سے دوسرے گورنروں کے مال و دولت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ "قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔"

ان معاشرتی حالات سے ایران کے معاشی حالات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جب معاشرے کی ساری دولت اوپر کی سوسائٹی کے لوگوں میں اکٹھی ہو جائے تو عوام الناس' کاشتکار' مزدور اور دستکار قلاش اور مفلس ہو جاتے ہیں۔ پھر وہی حالت ہوتی ہے: ۔

ملیں اس لیے ریشم کے ڈھیر بنتی ہیں
کہ دخترانِ وطن تار تار کو ترسیں

جب دولت چند ہاتھوں میں رک جائے تو معاشرہ کی معاشی صحت روز بروز بگڑتی چلی جاتی ہے اور عوام کا کام صرف یہی رہ جاتا ہے کہ اپنا خون پسینہ بہا کر بڑے لوگوں کی تجوریاں بھرتے رہیں اور ان کی عیش و عشرت کے لیے انہیں سامان بہم پہنچاتے رہیں۔ اس قسم کے نظام میں امیر روز بروز امیر تر ہوتا جاتا ہے اور غریب غریب تر۔ چنانچہ ایرانی معاشرہ میں بھی یہی صورت حال تھی کاشتکار' مزدور' دستکار اور دوسرے لوگوں کے مقدر میں مفلسی' قلاشی اور محرومی کے سوا اور کچھ نہ تھا اور ان کا کام صرف یہ رہ گیا تھا کہ امراء' رؤساء' جاگیرداروں اور مراعات یافتہ فوجی جرنیلوں کے لیے دن رات کام کریں اور جو کچھ حاصل ہو وہ ان کے عیش و آرام کے لیے انہیں مہیا کریں۔ غریب عوام جو کچھ کماتے تھے وہ ٹیکسوں کی

Marfat.com

صورت میں ان سے چھین لیا جاتا تھا۔ ملک میں سات خاندان جن میں شاہی خاندان بھی شامل تھا' ہر قسم کے ٹیکس سے "مستثنیٰ" تھے۔ امراء جن کو "العظماء" کہا جاتا تھا' وہ بھی ہر قسم کے ٹیکس کی ادائیگی سے بری تھے۔ جو لوگ وسیع و عریض جاگیروں کے مالک تھے اور جن کے پاس دولت کے انبار تھے' انہیں ہر قسم کے ٹیکس کی مراعات حاصل تھیں اور ٹیکسوں کا سارا بوجھ نادار اور مفلوک الحال عوام پر ڈال دیا گیا تھا اور وہ شام و پگاہ جانوروں کی طرح کام کر کے حکومت کے خزانہ کو بھرتے تاکہ یہ بڑے بڑے اعیان سلطنت اس خزانہ عامرہ سے داد عیش دے سکیں۔

ان ٹیکسوں سے جمع شدہ رقم سے رفاہ عامہ پر بہت کم خرچ کیا جاتا۔ ملک کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ بادشاہ کے ذاتی خزانہ میں جاتا جو اس کی ذاتی ملکیت ہوتا۔ مال غنیمت کا سارا روپیہ بادشاہ کا ذاتی شمار ہوتا۔ ملک کی جاگیروں کی ساری آمدنی بھی اس کے ذاتی خزانہ میں جاتی۔ عید نوروز اور مہرگان کے موقع پر جبرا قیمتی تحائف لیے جاتے جو سارے کے سارے بادشاہ کے ذاتی خزانے میں جمع ہوتے۔ اس بے پناہ آمدنی سے بادشاہ تکلفات زندگی' تعیشات اور سامان آرائش کی وہ بہتات اپنے گرد جمع کرتے کہ عقل ان کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو The Age of Faith, P.145)

دولت کے اس ارتکاز نے ملک کو اخلاقی طور پر دیوالیہ بنا دیا۔ جس معاشرہ میں بیٹی اور بہن اور دوسرے محرمات سے نکاح نہ صرف جائز بلکہ عین عبادت اور ثواب سمجھا جاتا ہو اور اپنی بیوی دوسرے کو مستعار دینا ایک پسندیدہ فعل تصور کیا جاتا ہو' وہاں پھر دوسرے گناہوں کو کھلی چھٹی مل جاتی ہے' چنانچہ ایران کی اس سوسائٹی میں بھی زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا۔ شراب کھلے بندوں پی جاتی تھی اور ہر قسم کی بے راہ روی اس معاشرہ میں رحمت آسمانی سمجھی جاتی تھی۔

مزدک کی تحریک نے جب مال و زر اور زن کے مشترک ہونے کا اعلان کیا تو اس نے ملک کی اخلاقی حالت کو اور زیادہ تباہ کر دیا اور ملک کا نوجوان طبقہ عورتوں سے تمتع اور لطف اندوزی کے لیے کھلے عام میدان میں آ گیا اور ملک میں عریانی اور بے باکی کا دور دورہ ہو گیا۔ جاگیردار اور امراء کا طبقہ تعیشات زندگی حاصل کر کے غریب عوام کو ان کی غربت کا احساس دلاتا' چنانچہ ملک کے مفلس و نادار عوام ہر رات امراء کی بزم عیش و طرب کا سن کر حسرت کی آہ بھر کر رہ جاتے' ان کے زر و جواہر اور اشرفیوں کے انبار دیکھ کر آنکھوں میں یاس کے آنسو بھر لاتے' ان کے فلک بوس محلات اور شاندار بنگلے اور کوٹھیاں دیکھ کر دل مسوس کر رہ جاتے' چنانچہ جب مزدکی تحریک نے ان کے سامنے جنسی زندگی کی ساری پابندی بالائے طاق رکھ کر زن اور زر کو مشترک کر دیا تو اب ایران کی ہر عورت ہر مرد کی ہوس کا نشانہ بننے لگی اور ملک اخلاقی انارکی اور بے راہ روی کا کلی طور پر شکار ہو گیا۔

ملک کی اخلاقی انارکی اور عوام کی بے عزتی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک روز

Marfat.com

مزدک نے کیقباد سے کہا (جو اس کا پیرو کار ہو چکا تھا) کہ آج تیری بیوی جو نوشیرواں عادل کی ماں تھی، میرے پاس رات بسر کرے گی۔ کیقباد ایران کا کلی حکمران تھا، لیکن مزدک کی صحبت نے اسے اتنا بے غیرت اور دیوث بنا دیا تھا کہ اس نے مزدک کی اس حیاسوز تجویز کو فوری طور پر قبول کر لیا اور اپنی بیوی ایک رات کے لیے مزدک کو دینے پر راضی ہو گیا، لیکن نوشیرواں کو باپ کی اس بے غیرتی کا پتہ چلا تو وہ بے چین ہو گیا مگر وہ کر کچھ نہیں سکتا تھا۔ وہ نہایت نیاز مندی کے ساتھ مزدک کی خدمت میں حاضر ہوا، اپنے ہاتھوں سے اس کے جوتے اتارے، پھر اس کے پاؤں کو بوسے دیئے، پھر نہایت لجاجت سے مزدک کی خدمت میں ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ اہلِ ایران کی مادر ملکہ اور خاتون اول کی آبرو ریزی نہ کرے اور اس مہربانی کے عوض وہ جو کچھ چاہتا ہے، میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ نوشیرواں کی اس لجاجت آمیز عرض داشت کو مزدک نے قبول کر لیا اور اس نے اس کی ماں کو چھوڑ دیا۔ (ابن اثیر جلد ا ص ۴۱۳) (مزدک نے ایران کے لوگوں کی جائیدادیں اور عورتوں کی عصمتیں لوٹنے کا جو مظاہرہ کیا اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو The Age of Faith, P.144)

ابنِ اثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بادشاہ قباد جب مزدک کا پیرو کار ہو گیا تو اس نے اپنی سلطنت کے تمام گورنروں کو بھی اس تحریک میں شمولیت کی دعوت دی۔ حیرہ کے گورنر منذر نے بادشاہ کی دعوت کو ٹھکرا دیا، چنانچہ بادشاہ نے اس کو گورنری سے معزول کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب قباد مر گیا تو نوشیرواں تخت نشیں ہوا۔ نوشیرواں اپنے باپ کے عقیدہ کے سخت خلاف تھا۔ نوشیرواں نے اپنے دربار میں لوگوں کو حاضری کا اذن عام دیا۔ اتفاق سے دو ممتاز شخصیتیں بھی اکٹھی دربار میں حاضر ہو گئیں۔ پہلے مزدک حاضر ہوا، پھر معزول شدہ گورنر حیرہ منذر بن ماء السماء۔ نوشیرواں ان دونوں کو دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑا اور کہا:

> "میری زندگی کی دو آرزوئیں تھیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ دونوں پوری ہو گئیں ہیں۔"
> مزدک نے پوچھا: شہنشاہ! وہ کون سی دو آرزوئیں تھیں؟ نوشیرواں نے جواب دیا۔ میری ایک آرزو تو یہ تھی کہ اس باغیرت شخص المنذر کو اپنے عہدہ پر بحال کر دوں جس نے تیری دعوت کو ٹھکرایا تھا اور دوسری آرزو یہ تھی کہ میں ان زندیقوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں جنہوں نے ملک میں اخلاقی بے راہ روی پھیلا دی ہے اور زن و زر کو سب کی مشترکہ چیز بنا دیا ہے۔"

مزدک کو پتہ تھا کہ ملک میں میرے ماننے والوں کی اکثریت ہے اور بادشاہ اس اشتراکی تحریک کو ختم نہیں کر سکتا، لہٰذا اس نے کہا: کیا تیرے بس میں ہے کہ ان تمام انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دے جو اس تحریک کے رکن ہیں۔ یہ جواب سن کر نوشیرواں ایک دم غصے سے اچھل پڑا اور بے قابو ہو کر کہنے لگا:

Marfat.com

”او زانیہ کے بیٹے! تو ابھی تک یہاں موجود ہے۔ بخدا! تیری جرابوں کی بدبو ابھی تک میری ناک میں موجود ہے۔ جب میں نے اپنی ماں کی عصمت بچانے کے لیے تیرے بدبودار اور متعفن پاؤں کو بوسہ دیا تھا۔“

چنانچہ نوشیرواں نے اسی وقت حکم دیا کہ اس کا سر قلم کردیا جائے اور اس کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا جائے تاکہ لوگ اس کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ اس کے قتل کے بعد کچھ مزدکیوں نے ملک میں شورش برپا کرنے کی کوشش کی، لیکن نوشیرواں کے حکم سے ایک دن میں ایک لاکھ مزدکیوں کو قتل کردیا گیا۔

مزدک اور اس کے پیروکاروں نے لوگوں کی جو جائیدادیں اور مال و دولت چھینی تھیں وہ اصلی مالکوں کو واپس کی گئیں۔ اس طرح سے یہ فتنہ نوشیرواں کی جرأت اور دلیری سے اپنے انجام کو پہنچا اور لوگوں نے آرام کا سانس لیا۔ اس روز اس کو ”نوشیرواں“ کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

(ابن اثیر جلد اص ۴۳۴-۴۳۶)

یہ تھی مختصری داستان اس ملک کی جس کا بادشاہ اپنے کو ”سب خداؤں سے بڑا خدا اور تمام روئے زمین کا مالک“ کہتا تھا اور جس کے بادشاہ خسرو پرویز نے اپنے القابات کو یہاں تک بلند کیا کہ کہا:

”خداؤں میں انسان غیر فانی اور انسانوں میں خدائے لاثانی، اس کے نام کا بول بالا، آفتاب کے ساتھ طلوع کرنے والا ہے، شب کی آنکھوں کا اُجالا۔“

(ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۳۸)

وہ بادشاہ اپنے کو من جانب خدا اور اپنی ذات کو جملہ اختیارات کا سرچشمہ کہتے تھے، چنانچہ ان کو یہاں تک اختیار تھا کہ بادشاہ، اس کی ماں اور بڑی ملکہ کو یہ کلی اختیار تھا کہ جس شخص کے بارہ میں چاہیں بغیر کوئی جرم ثابت کیے تختہ دار پر لٹکا دیں۔ ان کے اس ظالمانہ فعل پر کسی شخص کو صدائے احتجاج بلند کرنے کی قطعاً کوئی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک باپ نے اپنے چار لڑکے میدان جنگ میں بھیجے۔ ان میں سے ایک بھائی نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ان کے پانچویں بھائی کو یہ اجازت دے دی جائے کہ امور زراعت کی نگرانی کرے اور بوڑھے والدین کی خدمت کرے، لیکن ”نازک مزاج شاہان تاب سخن ندارد“ بادشاہ کی طبع نازک پر یہ بات نہایت گراں گزری۔ قصر شاہی سے فوراً حکم صادر ہوا کہ اس پانچویں بھائی کو دو حصوں میں کاٹ دیا جائے اور جس راستہ سے لشکر شاہی نے گزرنا ہے اس کے ایک طرف اس کے اوپر والا حصہ اور دوسری طرف اس کا نیچے والا حصہ لوگوں کی عبرت کے لیے رکھ دیا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور تمام لشکر اس نوجوان کی لاش کے دو ٹکڑوں کے درمیان سے گزر گیا اور کسی کو حرف شکایت و احتجاج زبان پر لانے کی جرأت نہ ہوئی۔

رومی سلطنت کی حالت

دوسری طرف رومی سلطنت تھی جس کو بازنطینی حکومت بھی کہتے ہیں۔ اس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا۔ اس میں بھی خالص آمرانہ (Dictatorship) حکومت تھی۔ جیسا کہ ایران کی ساسانی حکومت کے بارہ میں ایرانیوں کا عقیدہ تھا کہ حکومت ان کا موروثی حق ہے اور اہلِ چین اپنے بادشاہ کو "شہنشاہ فرزند آسماں" کہتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا آسمان نر ہے اور زمین مادہ اور تمام کائنات کو انہیں نے جنم دیا ہے اور شہنشاہ زمین و آسمان کے جوڑے کی سب سے پہلی اولاد ہے۔ اسی وجہ سے بادشاہ کو تمام قوم کا تنہا باپ تصور کیا جاتا تھا۔ اسی طرح سلطنت روما میں رومی وطن اور رومی قومیت کی عظمت بنیادی قانون تھا۔ دوسری اقوام اور دوسرے ممالک اس قومیت کے غلام تھے۔ ان کی اسٹیٹ (State) میں حیثیت ان رگوں اور شرائین کی سی تھی جن کے ذریعہ خون اپنے مرکز کو پہنچتا ہے۔ رومی حکومت کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ ہر قانون اور ہر ایک کے حق کو نظر انداز کر سکے اور جس شخص کی عزت و ناموس کو پامال کرنا چاہے، پامال کر سکے۔ علاوہ ازیں قومی تعصبات اور بے قید سیاست نے انہیں پستی کی انتہائی حد تک پہنچا دیا تھا اور ان کی معاشرت ظالمانہ اور انسانیت کش قوانین پر مبنی تھی۔ سلطنت روما اس وقت دو بازوؤں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ مغربی بازو اور مشرقی بازو۔ مغربی بازو اخلاقی طور پر تنزل و انحطاط کے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکا تھا، چنانچہ ایڈورڈ گبن ہی نے لکھا ہے:

"اگر اس وقت روم کے تمام بیرونی وحشی مخالفین فنا بھی ہو جاتے تو ان کی تباہی سلطنت کے مغربی بازو کو زوال اور تباہی سے نہیں بچا سکتی تھی۔"

ایک اور مقام پر ایڈورڈ گبن نے اپنی کتاب "تاریخ زوال و انحطاط روما" میں لکھا ہے:

"رومن حکومت مخالفین کی نظر میں روز بروز زیادہ کمزور اور خود اپنی رعایا کی نظر میں زیادہ ظالم اور ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ کفایت شعاری جتنی ضروری ہوتی جا رہی تھی اسی قدر اس کی جانب سے بے اعتنائی بڑھتی جا رہی تھی اور جس نسبت سے رعایا کے مصائب روز افزوں تھے اسی نسبت سے ٹیکسوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔"

(The History of Decline and Fall of Roman Empire, Vol. II, P. 124)

اس سیاسی انارکی اور اخلاقی انحطاط اور پستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی کی وحشی اقوام نے سلطنت روما کے مغربی بازو کو کچل کر رکھ دیا اور اپنے سفاکانہ اور وحشیانہ مظالم کی وجہ سے رعایا کو پیس کر رکھ دیا۔ سلطنت روما کے مشرقی بازو کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ چونکہ اس بازو کی سرحدیں سلطنت ایران سے ملتی تھیں اس لیے یہ ہمیشہ ایران کی حکومت سے الجھا رہا اور پے بہ پے جنگوں نے اس کو نچوڑ

Marfat.com

کر رکھ دیا۔ رومیوں اور ایرانیوں کی باہمی جنگوں میں جو چیز سب سے زیادہ افسوسناک تھی وہ ان دونوں کی قومی عصبیت اور مذہبی جنون تھا جو اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ انسانیت اور شرافت کی کوئی قدر ان کی نگاہ میں احترام کی مستحق نہ رہی تھی اور مذہب و اخلاق کی پامالی کا خوفناک سے خوفناک منظر بھی ان کے دلوں کو پسیجنے کے لیے کافی نہ تھا۔ چنانچہ ایرانی بادشاہ خسرو پرویز نے جب فلسطین پر حملہ کیا تو اس نے عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو نذر آتش کر دیا اور نہایت بے دردی سے عیسائی رعایا کو تہ تیغ کیا۔ اسی طرح رومی سلطنت کے حکمران ہرقل نے جب شمال کی طرف سے ایران پر حملہ کیا تو اس نے بھی جوابی کارروائی کے طور پر مجوسیوں کے آتش کدوں کو برباد کیا اور لاکھوں ایرانیوں کا خون بہایا۔ رومیوں کی انہی سفاکانہ اور ظالمانہ پالیسیوں کی وجہ سے مشہور یورپی دانشور رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) نے لکھا ہے:

> "رومی مملکت کی تباہی کا سبب وہاں کی روز افزوں خرابیاں (مثلاً کرپشن، رشوت، جبر و استبداد وغیرہ) نہ تھیں بلکہ اصلی اور بنیادی سبب فساد و شر اور حقائق سے گریز کی عادت تھی جو اس سلطنت کے قیام اور اس کی نشوونما میں پہلے ہی روز سے موجود تھی۔ یہ ایک بہت بڑی خرابی تھی اور یہ سلطنت کے اندر جڑ پکڑ چکی تھی۔ کسی انسانی جماعت کی تعمیر جب کبھی اس طرح کی کمزور اور کج بنیاد پر استوار کی جائے گی تو اس کو گرنے سے کسی دانشور کی ذہانت اور کسی کارکن کی سرگرمی نہیں بچا سکتی۔ چونکہ اس مملکت کی بنیاد ہی خرابیوں اور ظلم و استبداد پر استوار تھی، اس لیے اس کا زوال و انحطاط اور خاتمہ ایک لازمی امر تھا کیونکہ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ رومی مملکت ایک چھوٹے سے طبقہ کے عیش و آرام اور راحت رسانی کا ذریعہ تھی اور جمہور عوام سے ناجائز منفعت اندوزی اور رعایا کا خون چوس کر شاہی قومیت کے پودے کی آبیاری کرتی تھی۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ روم میں تجارت، امانت داری اور عدل و انصاف سے ہو رہی تھی اور یہ بات حکومت کی بنیادی خصوصیات میں سے سمجھی جاتی تھی اور اس سے بھی انکار نہیں کہ حکومت اپنی طاقت، اہلیت اور قابلیت سے نیز اپنے عدالتی نظام میں ممتاز تھی، لیکن یہ تمام خوبیاں اور اچھائیاں حکومت کو تباہی کے گڑھے میں جانے سے نہیں بچا سکتی تھیں اور نہ ہی اساسی اور بنیادی غلطیوں کے انجام بد سے محفوظ رکھ سکتی تھیں۔"

(Robert Briffault: The Making Of Humanity, P.159)

رومی حکومت کا اپنی رعایا کے ساتھ کوئی اچھا برتاؤ نہ تھا۔ ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا۔ رعایا کے وسائل ترقی پر بندش تھی۔ ہر شخص حکومت کے ظلم و ستم کے آہنی شکنجہ کے نیچے کراہ رہا تھا۔ اس سلسلہ میں الفرڈ بٹلر کا بیان رومی حکومت کے رعایا کے ساتھ معاملات پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتا ہے:

Marfat.com

''مصر میں رومی حکومت کا صرف ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ جس طرح ہو سکے رعایا سے مال لوٹ کر حکام کو فائدہ پہنچایا جائے۔ رعایا کی بہتری، خوشحالی اور ان کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کا خیال کبھی ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتا تھا۔ رعایا کے اخلاق کی درستی اور تہذیب کی بہتری اور ان کی مالی حالت کو بہتر کرنے کے لیے انہیں کوئی فکر نہ تھی۔ مصر میں ان کی حکومت ان پردیسیوں کی سی تھی جو صرف اپنی طاقت پر بھروسا کرتے ہیں اور محکوم قوم کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے تک کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔''

(Alfred Butler: Arabs Conquest of Egypt and the Last Thirty Years of the Roman Dominion, P.42)

مختلف کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رومی حکومت کا برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ نہایت سفاکانہ تھا۔ ان کے شہری اور انسانی حقوق غصب تھے۔ اکثر سرکاری ٹیکس ادا کرنے کے لیے وہ اپنی اولاد کو فروخت کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ غلام بنانے اور بیگار لینے کا ان میں عام رواج تھا۔ اسی بیگار سے رومی حکومت نے وہ ادارے اور کارخانے تعمیر کیے جو رومیوں کا کارنامہ سمجھے جاتے ہیں۔ مختصر لفظوں میں یہ کہ رومی رعایا کے لیے ان کی حکومت بدترین نحوست اور سخت ترین عذاب تھی۔

ان دونوں حکومتوں کے اعلیٰ حکام کے سروں پر عیش پرستی اور شہوانی خیالات کا بھوت سوار تھا۔ ان دونوں حکومتوں میں مصنوعی تہذیب اور پر فریب زندگی کا ایک سیلاب امنڈ آیا تھا۔ جس میں ہر شخص گلے تک غرق تھا۔ عیش و عشرت کے سوا ان حکومتوں کے امراء و رؤسا کو اور کوئی فکر نہ تھی۔ تکلفات زندگی اور سامان آرائش اور تعیشات کی ان کے ہاں وہ بہتات تھی جس کی قلم کو تاب نگارش نہیں۔ کسریٰ پرویز کے ہاں بارہ ہزار عورتیں تھیں۔ پچاس ہزار اصیل گھوڑے، محلات اور نقد و جواہر کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کسریٰ کا قصر ابیض (White House) جو نوشیرواں نے بنوایا تھا اس کی تعمیر میں رومی، یونانی اور اس زمانے کے دوسرے متمدن ممالک کے فن تعمیر کی تمام نزاکتیں اور رعنائیاں صرف کردی تھیں۔ وہ پانچ دالانوں پر اور بڑے بڑے گنبدوں پر مشتمل اپنی عظمت و جلال کی تصویر پیش کرتا تھا۔ اس کے سامنے کا حصہ ایک سو پچاس میٹر سے بھی چوڑا اور بلندی چالیس میٹر تھی۔ اس قصر ابیض پر کتنی رقم خرچ ہوئی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ مسلمانوں نے جب کسریٰ کے دارالسلطنت مدائن پر قبضہ کیا ہے تو اگرچہ یزدگرد اپنا بہت سا خزانہ، غلام، کنیزیں اور مختلف سامان تعیش اپنے ساتھ حلوان لے گیا تھا، پھر بھی اس کے شاہی خزانہ سے مسلمانوں کو تیس کھرب دینار ملے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سا قیمتی سامان ملا جس کا اندازہ مورخین نے بیس کھرب دینار سے زیادہ لگایا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ یزدگرد جب اپنے دارالسلطنت سے بھاگا تو وہ اس عجلت اور پریشانی میں اپنے ساتھ جو

کچھ لے گیا اس سے اس کی عیش و عشرت کا پتہ چلتا ہے۔ لکھا ہے:

"یزدگرد اپنے ساتھ ایک ہزار باورچی، ایک ہزار گویے، ایک ہزار چیتوں کے محافظ، ایک ہزار بازدار اور بہت سے دوسرے لوگ لیتا گیا۔ اور یہ تعداد اس کے نزدیک ابھی بہت کم تھی۔" (ایران بعہد ساسانیاں ص ۸۱)

روپیہ اپنے ساتھ وہ کس قدر لے کر گیا، اس کی تفصیل تو نہیں ملی لیکن اس کے ان ہمراہیوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کتنے کھرب روپیہ لے کر گیا ہوگا اور اسی روپے سے وہ اپنے ہی ملک میں کئی سال تک بھاگتا رہا۔ آخر سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت میں ایک چکی والے کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس وقت اس کی جیب میں تین درھم بھی نہ تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "سیدنا عثمانؓ شخصیت اور کردار")

مورخین نے کسریٰ کے اس فرش بہار جس پر بیٹھ کر امرائے ایران موسم خزاں میں شراب پیتے تھے، کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ ساٹھ گز مربع تھا، قریباً ایک ایکڑ زمین کو گھیر لیتا تھا۔ اس کی زمین سونے کی تھی جس میں جا بجا جواہرات اور موتیوں کی گل کاری تھی۔ جس میں پھولدار اور پھل دار درخت قائم تھے۔ درختوں کی لکڑی سونے کی، پتے حریر کے، کلیاں سونے چاندی کی اور پھل جواہرات کے بنائے گئے تھے۔ گرد ہیرے کی جدول تھی۔ درمیان میں روشیں اور نہریں بنائی گئی تھیں۔ اور یہ سب جواہرات کی تھیں۔ موسم خزاں میں تاجداران آل ساسان اس گلشن بے خزاں میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے اور دولت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ نظر آتا جو زمانہ نے کبھی اور کہیں نہ دیکھا تھا"۔

(تاریخ اسلام، مولانا عبدالحلیم شرر ج ا ص ۳۵۴، The Age of Faith, P.149)

طبری نے نقل کیا ہے کہ اہلِ ایران سروں پر جو کلاہ رکھتے تھے وہ کئی کئی لاکھ کی ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے خیال میں اپنا معیار زندگی اتنا زیادہ اونچا کر لیا تھا کہ ایک شخص اپنی ذات اور اپنے لباس کے کسی ایک حصہ پر اتنا روپیہ صرف کرتا جس سے پوری بستی پرورش پا سکتی تھی، چنانچہ ہرمزکی ایک کلاہ کی قیمت ایک لاکھ تھی۔ جس میں مختلف قسم کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ شاہ حیرا کسریٰ کا ایک عزیز تھا اس کی کلاہ کی قیمت پچاس ہزار اور رستم جو کہ کسریٰ کا وزیر دفاع تھا، اس کی کلاہ کی قیمت ایک لاکھ تھی۔

اصل میں بات یہ ہے کہ ان دونوں حکومتوں میں بہیمانہ طبقاتی نزاع، خود غرضانہ گروہ بندی، ملت کش مفاد پرستی، ظالمانہ سیاست، معاشی نامساوات اور جبر و استبداد اپنے پورے عروج پر تھا اور ہر طرف وحشت اور بہیمیت کا دور دورہ تھا:

Marfat.com

مشرق خراب، مغرب ازاں بیشتر خراب
عالم تمام مُردہ و بے ذوق جستجو

یہ دونوں حکومتیں اگرچہ اپنے آپ کو متمدن اور مہذب کہتیں لیکن یہ تمدن اور تہذیب جنگل کے درندوں کی ہے نہ کہ شہروں اور دیہاتوں میں بسنے والے انسانوں کی۔ اسی وجہ سے قرآن نے اس دور کو "جاہلیت" کا دور کہا ہے۔ اور جس دور میں انسان نہ تو اپنے رب کو پہچانے اور نہ ہی دوسرے انسانوں کو اور نہ ہی اپنے آپ کو، تو وہ یقیناً جاہلیت کا دور ہے۔

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ سلطنت رومہ کے معاشی حالات بھی ایران سے مختلف نہ تھے۔ یہاں بھی سلطنت کی آبادی دو طبقوں میں منقسم تھی۔ ایک امراء اور جاگیرداروں کا طبقہ اور دوسرے عوام اور غرباء کا طبقہ۔ اور ان دونوں طبقات میں کشمکش (Tension) تھی۔ امراء و رؤساء اقتصادی طور پر عام طبقہ سے بلند و بالا اور زرعی زمینوں کے وسیع و عریض قطعات کے مالک تھے، لہٰذا ان کے افراد کی اکثریت عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتی تھی۔ ان کو عیش و عشرت کے اسباب مہیا کرنے کے لیے غرباء کو ڈھور ڈنگروں کی طرح دن رات کھیتوں وغیرہ میں کام کرنا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے وہ کئی نسلوں سے غربت و ناداری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ وسائل رزق پر امراء کے طبقہ کا قبضہ تھا۔ اس وجہ سے وہ دن بدن غریب سے غریب تر ہو رہے تھے۔ کوئی اس طبقہ کا پرسان حال نہیں تھا۔

اگرچہ ایران کے مقابلہ میں یہاں علم کی کچھ روشنی تھی۔ کچھ درسگاہیں اور اسکول بھی تھے۔ بعض لوگ کسی فن میں ماہر بھی تھے جیسے ایک خاتون ہیپاٹیا (Hypatia) فن ریاضی میں ماہر تھی۔ علم فلکیات میں پٹولیمی (Potolemy) نے افلاطون اور پلوٹینس کے خطوط پر اپنا ایک مستقل نظام فکر تعمیر کیا۔ اس کے علاوہ یونانیوں اور عیسائی پادریوں کے معاشرہ پر اچھے خاصے اثرات تھے، لیکن ایک سرمایہ دارانہ نظام معاشرت میں لوگوں کو سونے چاندی کے ترازو میں تولا جاتا ہے، علم و فن کی اس معاشرہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

امراء اور خوش حال طبقہ کو زندگی کی ہر قسم کی سہولیات میسر تھیں جب کہ کاشتکار، دستکار اور عام مزدور ان تمام سہولیات سے یک قلم محروم تھے۔ اس وجہ سے امراء اور غرباء کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل تھی۔ البتہ غریبوں کا دل بہلانے کے لیے ملک میں جگہ جگہ سرکس، جنگلی رتھوں کی دوڑ اور جنگی مقابلے ہوتے تھے، جن میں شرطیں بھی لگتی تھیں۔ اس وقتی خوشی میں غریب اپنا دل بہلا لیتا اور ہفتہ بھر کی معاشی دوڑ دھوپ کے رنج و غم کو کچھ وقت کے لیے بھول جاتا۔

معاشرتی نظام کا گہرا تعلق ملک کے معاشی نظام سے ہوتا ہے۔ جب معاشرتی نظام مختلف طبقات میں منقسم ہو تو معاشی نظام میں بھی نشیب و فراز ہوتے ہیں۔ اگرچہ ملک کا معاشی اور اقتصادی نظام مخلوط

قسم کا تھا لیکن بڑی بڑی صنعتیں اور جاگیریں حکومت کے کنٹرول میں تھیں۔ جس کی وجہ سے کاشتکار اور مزدور حکومت اور جاگیرداروں کی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے۔ ملک میں نجی کاروبار کی بھی اجازت تھی لیکن نجی کاروبار کرنے والے بھی مختلف قسم کے ٹیکسوں میں اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ حکومت کے ٹیکس ادا کرنے کے بعد ان کی حالت میں خوشحالی کی کوئی نوید نہیں ہوتی تھی، چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ:

"سلطنت کا مالیاتی نظام انتہائی حد تک کا خراب تھا۔ اگر حکومت عوامی اقتصادیات کے اصولوں سے آشنا ہوتی تو اپنی رعایا کی خوشحالی کو مجروح کیے بغیر اپنی آمدنی میں بہت کچھ اضافہ کر سکتی تھی۔ جو ٹیکس لگائے جاتے تھے ان کی شرح بہت زیادہ تھی، پھر اس کی وصولی کے لیے نہایت جبر و تشدد سے کام لیا جاتا تھا۔ حکومت تاجر پیشہ لوگوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی، اس کا جی چاہتا کہ وہ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ بلکہ سارا مال ہی چھین کر اپنا خزانہ بھر لے۔ زراعت آمدنی کا ایک اہم ذریعہ تھا۔ بازنطینی حکومت کے عہد میں زمین کے مالکوں پر اتنا بوجھ ڈالا جا تا رہا جو نہایت نامناسب تھا۔ زمین کا لگان زرعی پیداوار کے حساب کے مطابق نہیں لیا جاتا تھا بلکہ زمین کی مالیت اور مالک کی حیثیت کے مطابق لیا جاتا تھا......

ٹیکس وصول کرنے کی ذمہ داری مجلس نمائندگان کے ارکان پر عائد تھی۔ ساتویں صدی تک یہی دستور رہا کہ مجلس نمائندگان کے ارکان ٹیکسوں کی وصولی کرتے اور پھر اس کو حکومت کے خزانہ میں جمع کراتے۔ جو لوگ لگان نہیں دیتے تھے ان کے حصے کا لگان اور ٹیکس ان نمائندگان کو اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس نمائندگان کے کئی ارکان بری طرح زیر بار ہو جاتے۔ کاشتکاروں پر اور بھی طرح طرح کی ذمہ داریاں ڈالی گئی تھیں۔ جن میں سب سے زیادہ اہم ذمہ داری یہ تھی کہ حکومت کے ڈاک خانوں کے لیے گھوڑے، بگھیاں اور لڑکے مہیا کرنا تھا۔ چوتھی، پانچویں اور چھٹی صدی میں کاشتکاروں کو زمین کے ساتھ وابستہ کر دیا جاتا تھا۔ اگر پہلا مالک زمین فروخت کر دیتا تو خریدنے والے کو زمین کے ساتھ وہ کاشتکار بھی منتقل کر دیئے جاتے جو پہلے مالک کے وقت زمین میں کھیتی باڑی کرتے تھے۔ (گویا زمین کے ساتھ مزارعے بھی فروخت ہو جاتے)"

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۹ ص ۴۴۲)

ایک اور جگہ پر مقالہ نگار نے لکھا:

"اگر کبھی ناگوار موسموں کے باعث فصلیں تباہ و برباد ہو جاتیں تو اس کے باوجود لگانوں اور زرعی ٹیکسوں میں کمی نہیں کی جاتی تھی اور جو شخص مالی تنگی کی وجہ سے لگان اور زرعی

Marfat.com

ٹیکس ادا نہیں کرتا تھا تو اس کی غیر منقولہ جائیداد بحق سرکار ضبط کرلی جاتی تھی۔ ان مالی مجبوریوں اور مالی مظالم کے باعث کبھی کبھی لوگ بغاوت کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے، چنانچہ اس سلسلہ میں ایک بغاوت ۵۳۲ء میں ہوئی اس میں صرف دارالسلطنت میں تیس ہزار نفوس کام آئے۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ ص ۲۱۱)

یہ تو عوام الناس کی خستہ حالی اور ناداری کی ایک نامکمل سی تصویر ہے، لیکن اس کے برعکس شاہی خاندان اور ملک کی بیوروکریسی (Bureoucracy) اور جاگیرداری اور رؤسا کی عیش کوشی اور لذت آفرینی کی داستانیں پڑھ کر آدمی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان کے عالیشان اور سربفلک محلات، دیوان خانے، شراب نوشی کی مجالس، عیش و عشرت کے سازوسامان کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جبلہ بن الایہم غسانی کے بارہ میں کتابوں میں مرقوم ہے کہ وہ جب شراب نوشی کے لیے مجلس جماتا تو اس کے نیچے فرش پر قسم قسم کے پھول چنبیلی، گلاب وغیرہ بچھا دیئے جاتے اور سونے چاندی کے ظرف میں مشک و عنبر لگائے جاتے اور چاندی کی طشتریوں میں مشک خالص لایا جاتا۔ اگر سرما کا موسم ہوتا تو عود جلایا جاتا اور اگر گرمیوں کا موسم ہوتا تو برف بچھائی جاتی اور اس کے ہم نشینوں کے لیے گرمیوں کا لباس فراہم کیا جاتا جس کو وہ اپنے اوپر ڈال لیتے۔ جاڑوں کے موسم میں سمور، قیمتی کھالیں اور دوسرے گرم لباس حاضر کیے جاتے۔

جب معاشرتی اور معاشی حالات ایسے ہوں تو اخلاقی حالت یقیناً زوال پذیر ہوتی ہے، چنانچہ سلطنت رومہ کی اخلاقی حالت بھی نہایت ابتر (Deteriorated) تھی۔ یورپ کے ایک دانشور نے لکھا ہے:

"اخلاقی، جنسی اور کاروباری لحاظ سے رومی سلطنت کے باشندوں کی حالت قابلِ رشک نہ تھی۔ ایک طرف تو رقص و سرود کی زبانی طور پر مذمت کی جاتی تھی لیکن دوسری طرف قسطنطنیہ اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بے شمار رقص گاہیں اور ڈانسنگ کلب موجود تھے۔ اگرچہ کلیسا نے مخالفت کی اور اعلان کر دیا کہ ایکٹروں کو مسیحی مذہب قبول کرنے کی اجازت نہیں دیں گے لیکن اس کے باوجود بازنطینی اسٹیج پر ایکٹروں کی بھرمار تھی اور ان کے رقص و سرود کو عوام و خواص کی طرف سے بڑی پذیرائی بخشی جاتی تھی۔ قانونی طور پر ان پر یہ قدغن تھی کہ وہ ایک سے زیادہ شادی نہیں کر سکتے، لیکن دوسری طرف ان کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سامان کر دیا گیا تھا۔"

ول ڈیوران نے اس بارے میں مزید یہ لکھا کہ:

"پروکوپئیس (Procopius) اپنی کتاب (Secret History) میں لکھتا ہے: کہ اس زمانہ میں عملی طور پر تمام عورتیں بدکار تھیں۔ ضبط تولید (Birth Control) کے وسائل پر بڑی مستقل مزاجی سے تحقیق جاری رہتی تھی۔ اس زمانہ کے اطباء اور ڈاکٹر اپنی

قرابادینوں میں اس موضوع کا بڑی اہمیت سے ذکر کرتے...... قحبہ خانے عام تھے۔ عصمت فروشی کا دھندا اپنے پورے عروج پر تھا۔ جسٹینین(Justinian)اور اس کی ملکہ نے عصمت فروشی کو ختم کرنا چاہا، انہوں نے ملک میں عصمت فروشی کا دھندا کرنے والے مرد و زن کو قسطنطنیہ سے نکل جانے کا حکم دیا لیکن انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔

(The Age of Faith, P.120)

ہندوستان اور چین کی حالتِ زار

یہ تو ان دو حکومتوں کا تذکرہ تھا جو جزیرہ نما عرب کے ساتھ ملحق تھیں۔ ان دونوں کے علاوہ ہندوستان اور چین کی تہذیب اور تمدن بھی ان سے مختلف نہ تھا۔ ہندوستان میں تو اصنام پرستی زوروں پر تھی۔ ان کے دیوتاؤں کی قربان گاہوں پر گوشت جلایا جاتا۔ پھر بڑی عیاری کے ساتھ یہ عقیدہ لوگوں کے ذہن نشین کرایا گیا کہ قربانی کے آداب سے صرف برہمن آشنا ہیں، لہٰذا قربانی دینے کا اختیار صرف اور صرف برہمنوں کو ہے۔ اس عقیدہ نے برہمنوں کے لیے خوشحالی کے دروازے کھول دیئے۔ ہندو مذہب میں دیوتاؤں کی تعداد بھی لامحدود تھی اور یہ تعداد بڑھتی رہتی تھی۔ بہر حال تین دیوتاؤں کو خاص فوقیت حاصل تھی۔ (۱) وشنو۔ (۲) برہما (۳) شیوا۔

وشنو: یہ نظام شمسی کا دیوتا تھا، یہ جنگ کے خلاف سمجھا جاتا تھا اس وجہ سے اس کے لیے جانوروں کی قربانی کے بجائے پھولوں کے ہار پیش کیے جاتے تھے۔

برہما: وشنو اور شیوا سے کم تر درجے کا دیوتا ہے، اس لیے اس کا بت چھوٹا بنایا جاتا تھا۔

شیوا: یہ دیوتا وشنو دیوتا کے بالکل برعکس تھا۔ اس کی تصویر میں اس کے پانچ چہرے اور چار ہاتھ دکھائے جاتے تھے۔

اہلِ مغرب کے نزدیک تو ہندوازم کو مذہب نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ ہر قسم کے عقیدہ کو اپنانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ (World Civilization, P.88) عورت کا ہندو مذہب میں کوئی مرتبہ نہیں تھا۔ عورت اگر بیوہ ہو جاتی تو اس کو یہ بتایا جاتا کہ اس کا خاوند اس کے کسی گناہ کی وجہ سے مرا ہے۔ اس کو کسی صورت بھی شادی کی اجازت نہیں ہوتی تھی خواہ وہ ابھی عنفوان شباب ہی میں کیوں نہ ہو۔ جب کسی عورت کا خاوند مرتا تو اس عورت کو مجبور کیا جاتا کہ وہ اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ جل کر خاکستر ہو جائے۔ عورتوں کے علاوہ شودر جاتی کے ساتھ بھی نہایت غیر انسانی سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کو آبادی کے باہر جھونپڑوں میں رہنے پر مجبور کیا جاتا۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ان کو حیوانوں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ برہمن اگر وید پڑھ رہا ہوتا اور اس کے پاس سے کوئی شودر گزر جاتا اور اس کے کان میں وید پڑھنے کی آواز

Marfat.com

پڑ جاتی تو اس کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جاتا وہ اس وجہ سے کہ اس کے ناپاک کان میں پاک وید کی آواز کیوں پڑی؟ علاوہ ازیں اگر کسی شودر کا سایہ کنوئیں پر پڑ جاتا تو وہ کنواں ناپاک ہو جاتا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ورلڈ سولائزیشن ص ۹۱)

دیوتاؤں میں بھی مونث مذکر کا معاملہ زیر بحث آتا۔ مونث کو ماتا دیوی کہا جاتا اور اس کی پوجا ہوتی۔ علاوہ ازیں ایک مذکر دیوتا کی بھی پوجا کی جاتی جس کا نام شیوا تھا۔ اس کے آلہ تناسل کی بھی پوجا کی جاتی تھی جس کا نشان عورت اور مرد اپنے گلے میں لٹکائے رکھتے۔

(Encyclopedia of Living Faiths, P.218)

اسی ہندوستان میں بدھ مت نے جنم لیا تھا جو کہ دراصل ہندوستان میں پھیلے ہوئے رسم و رواج کے خلاف ایک صدائے احتجاج تھی جس نے ویدوں کو مسترد کیا اور ہندو مذہب کی طبقاتی تقسیم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ویدوں میں مذکور تمام دیوتاؤں کی خدائی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور ان سب چیزوں سے نجات کا ایک آزادانہ طریقہ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد ۱۴ ص ۲۷۳) بدھ مت کی خوش قسمتی تھی کہ اسے اشوک، کنشک اور ہرش جیسے عالی ہمت مہاراجوں کی سرپرستی حاصل ہو گئی جنہوں نے اس مذہب کی اشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور جلد ہی یہ مذہب پورے ہندوستان میں پھیل گیا، لیکن بد قسمتی سے بدھ مت کے ماننے والے بہت جلد اٹھارہ فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ اگرچہ ان سب فرقوں کی عقیدت کا مرکز گوتم بدھ ہی کی شخصیت تھی لیکن پھر بھی ہر فرقہ نے اپنی اپنی خانقاہیں اور عبادت گاہیں الگ الگ بنا لیں۔

بدھ مت کے اس تشتت و افتراق سے برہمنوں نے بدھ مت کے خلاف ایک قسم کی بغاوت کر دی اور اپنا کھویا ہوا وقار واپس لے لیا اور ملک میں پھر ذات پات کا نظام نافذ کر دیا۔ اور برہمنوں نے پھر شودروں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ چنانچہ مولانا عبدالمجید سالک نے لکھا ہے کہ شودروں کو تنگ کرنے اور ان کی زندگی اجیرن بنانے کے لیے یہ لائحہ عمل بنایا گیا:

"شودر برہمن کا پس خوردہ کھائے۔ شودر مہینہ میں صرف ایک دفعہ حجامت بنوائے، شودر کسی برہمن کو چور کہے تو اس کے جسم کا کوئی عضو کاٹ دینا چاہیے۔ شودر کسی برہمن، کھشتری اور ویش کے ساتھ تلخ کلامی کرے تو اس کی زبان میں سوراخ کر دیا جائے۔ اگر شودر کسی برہمن کا نام لے کر کہے کہ فلاں برہمن نیچ ہے تو اس شودر کے منہ میں بارہ انگلی کی آہنی سیخ آگ میں سرخ کر کے ڈال دی جائے۔ اگر چھوٹی ذات کا آدمی بڑی ذات کے آدمی کے ساتھ ایک آسن پر بیٹھے تو اس کا چوتڑ کاٹ ڈالنا چاہیے۔" اس طرح کہ وہ مرے نہیں، شودر کسی برہمن کے بال یا پاؤں یا داڑھی پکڑ لے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے

Marfat.com

صلاح مشورہ نہ دو۔ دھرم اور بھرت کی تلقین بھی نہ کرو جو شودر کو دھرم کی تلقین کرتا ہے وہ بدترین دوزخ میں جاتا ہے۔" (مسلم ثقافت ص ۳۸-۱۹)

بعض کتابوں میں ہے کہ شودر مندروں میں جا کر پوجا پاٹھ نہیں کر سکتے تھے۔ نہ ان کے کنوؤں سے پانی پی سکتے تھے بلکہ ان کی آبادیاں شہروں سے الگ تھلگ ہوتی تھیں۔ گویا سوسائٹی کا عضو معطل سمجھ کر شودروں کو کاٹ کر الگ کر دیا گیا تھا۔

ان حالات میں ہندو معاشرہ کی اخلاقی حالت بھی نہایت ناگفتہ بہ تھی۔ بڑے بڑے مندروں میں دیو داسیوں کے طائفے ہوتے تھے جو دیوتاؤں کی مورتیوں کے سامنے رقص کیا کرتیں اور گیت گایا کرتیں۔ مندر کے پروہت کو اس بات کا پورا اختیار تھا کہ وہ کسی پجاری کو شاد کام اور اس کا دل خوش کرنے کے لیے کسی دیوداسی کو اس کے پاس رات گزارنے کے لیے بھیج دے۔ مولانا عبدالمجید سالک مرحوم نے سوامی دیانند کے حوالہ سے ہندو سوسائٹی کی اخلاقی حالت کے بارے میں لکھا:

"اب ان خود غرض مذہبی پیشواؤں نے ایسے باطل مذہبوں کی تلقین شروع کی جس سے کوئی بداخلاقی گناہ نہ رہی۔ زناکاری کی نہ صرف عام اجازت دے دی گئی بلکہ ایک خاص موقع "بھیرویں چکر" پر شراب خوری اور زناکاری مذہباً فرض قرار دے دی گئی اور اس موقع پر مرد و عورت سب ایک جگہ جمع ہوتے۔ مرد ایک ایک عورت کو مادر زاد برہنہ کر کے پوجا کرتے اور عورتیں مرد کو ننگا کر کے پوجتیں۔ اس موقع پر شراب پی جاتی اور بدمست ہو کر کوئی کسی عورت کو، کوئی اپنی یا کسی دوسرے کی لڑکی کو، کوئی کسی اور کی یا اپنی ماں، بہن یا بہو وغیرہ کو جو وہاں موجود ہوتی پکڑ لیتا اور جس کے ساتھ چاہتا بدفعلی کر سکتا تھا۔

اس مذہبی تقریب کے علاوہ عام طور پر زناکاری کے لیے ایک خاص فقرہ مقرر کیا گیا تھا جس کو پڑھ کر ہر مرد و عورت "سماگم" (ہم بستری) کرتے تھے اور ایسی بدکاری میں کسی رشتہ کے لحاظ کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔" (مسلم ثقافت ص ۴۱)

Marfat.com

دنیا کا عمومی جائزہ

گزشتہ صفحات میں ہم نے اجمالی طور پر جزیرہ نما عرب کے اردگرد کی حکومتوں کے بارہ میں بتایا کہ سیاسی، اقتصادی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی طور پر وہ انحطاط و تنزل کے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی تھیں، اگرچہ ان میں ایران اور رومہ کی حکومتیں دنیا کی سپر پاورز کہلاتی تھیں، لیکن ان دونوں سلطنتوں کی اخلاقی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں اور وہ زیادہ دیر تک کھڑی نہیں رہ سکتی تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں کے علاوہ اور بھی جتنی حکومتیں تھیں، ان کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔

چنانچہ ایک مغربی سیرت نگار مسٹر بوڈلے (R. V. C. Bodley) نے اپنی مشہور کتاب "پیغامبر" (The Messenger) میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت کی دنیا کا عمومی جائزہ لیتے ہوئے اس وقت کے قابلِ ذکر ممالک اور اقوام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> "قدیم روایات کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کی اس دنیا میں عربوں کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی، حقیقت میں تو کسی کو بھی کوئی اہمیت نہ تھی۔ یہ ایک نزاع کا دور تھا جبکہ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں پہلے ہی تباہ و برباد ہو چکی تھیں یا اپنے شاہی دور کے اختتام پر تھیں۔ یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب بھی یونان کی فصاحت، ایران کی عظمت اور رومہ کی شوکت و جلال سے متحیر تھی اور کوئی ایسی ایک نظریہ یا کوئی ایسا ایک مذہب بھی نہ تھا جو ان میں سے کسی کی جگہ لیتا۔
>
> یہودی تمام دنیا میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ ان کو کوئی مرکزی رہنمائی حاصل نہ تھی۔ حالات کے مطابق یا تو ان کو محض برداشت کیا جاتا یا اذیتیں دی جاتیں۔ کوئی ملک ان کا اپنا ذاتی نہ تھا اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس طرح کہ آج ہے۔

Marfat.com

پوپ گریگری اعظم (Grigory the Great) کے حلقہ اثر سے باہر مسیحی اپنے سہل عقائد کے ہر قسم کے پیچیدہ معانی ایجاد کر رہے تھے، اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مصروف تھے۔

ایران میں تعمیر سلطنت کی صرف ایک کرن رہ گئی تھی۔ خسرو ثانی اپنی سلطنت کی توسیع میں مصروف تھا۔ اس نے روما کو شکست دے کر کیپدوشیا (Coppadocia) مصرو شام پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے سنہ ۶۲۰ھ میں (جب کہ محمد (ﷺ) بحیثیت راہنما ظاہر ہونے والے تھے) بیت المقدس کو تاخت و تاراج کر کے مقدس صلیب کو چرا لیا تھا اور دارائے اوّل کی زبردست عظمت و شوکت کو دوبارہ قائم کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مشرق وسطیٰ کی عظمت کو زندگی کی ایک نئی قسط مل گئی ہے۔ لیکن یہی نہ تھا، بازنطینی رومی اب بھی اپنی گزری ہوئی چستی رکھتے تھے، جب خسرو اپنی فوج کو قسطنطنیہ کی فصیلوں پر لایا تو انہوں نے ایک آخری کوشش کر دکھائی۔

مشرق بعید میں حالات کوئی نمایاں اثرات نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا جو سیاسی اور حربی حیثیت سے ایک دوسرے پر فوقیت کے لیے جدوجہد میں مصروف تھیں۔

چینی ہمیشہ کی طرح آپس میں نبرد آزما تھے۔ خاندان سوئی آیا اور گیا اور اس کی جگہ ٹینگ نے لے لی جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔

اسپین اور انگلستان غیر اہم چھوٹے چھوٹے ملک تھے۔ اسپین وسی گوتھوں (Visi Goths) کے زیر اثر تھا جو کچھ عرصہ پہلے ہی فرانس سے جس پر انہوں نے لوائر (Loire) تک قبضہ کر رکھا تھا، نکالے گئے تھے وہ ان یہودیوں پر مظالم ڈھا رہے تھے جن کو اس مسلم حملہ کے لیے جو ابھی سو برس بعد ہونے والا تھا، آسانیاں پیدا کرنی تھیں۔

جزائر برطانیہ آزاد ریاستوں میں منقسم تھا۔ ڈیڑھ سو سال رومیوں کو روانہ ہوئے ہو چکے تھے جن کی جگہ نارڈک لوگوں کی آمد نے لے لی تھی۔ خود انگلستان سات مختلف بادشاہتوں پر مشتمل تھا۔" (صفحہ ۱۸-۱۹ (باختصار) ترجمہ سید قاسم حسنی)

یہ تو اردگرد کی حکومتوں کا ذکر تھا لیکن خود جزیرہ نما عرب بھی اس سے مختلف نہ تھا، کیونکہ اس میں تو کچھ اور زیادہ خرابیاں تھیں۔ اگرچہ بہت سی خصوصیات بھی تھیں لیکن ان خرابیوں نے ان کی خوبیوں اور خصوصیتوں کو ڈھانپ رکھا تھا اور بیرونی دنیا کو وہ خوبیاں بہت کم نظر آ رہی تھیں۔

Marfat.com

جزیرہ نماعرب

خود جزیرہ نماعرب، جہاں نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے، ہر قسم کی جاہلیت سے اٹا پڑا تھا۔ اگرچہ اس قوم میں ذہانت و فراست، شجاعت و بسالت، جود و سخاوت، حمیت و غیرت، فصاحت و بلاغت اور ایفائے عہد جیسی خصوصیات تھیں، لیکن اس قسم کی گوناگوں خوبیوں کے باوجود ان کی زندگی کے کئی تاریک پہلو بھی تھے۔ سب سے بڑا تاریک پہلو تو یہی تھا کہ نور نبوت سے ان کا رشتہ یک قلم منقطع ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے ان کی یہ ساری خوبیاں خسیس مقاصد اور رذیل کاموں کے لیے وقف ہو کر رہ گئیں۔ حق کے راستہ سے ان کے قدم کچھ اس طرح پھسلے کہ پھر کئی سو سالوں سے وہ قعر مذلت میں گرتے ہی چلے گئے۔ وہ اگرچہ بلا کے ذہین تھے کہ پاؤں دیکھ کر حسب و نسب کو پہچان لیتے تھے لیکن وہ یہ بات نہ جان سکے کہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بت پرستش کے قابل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہاں ہمیں یہ بتانا مقصود نہیں کہ عرب کا جغرافیہ کیا تھا؟ وہاں کتنے قبائل سکونت پذیر تھے؟ آس پاس کے ملکوں کے ساتھ ان کے تعلقات کیسے تھے؟ بلکہ یہ بتانا ہے کہ جاہلیت کے وہ کون سے اندھیرے ان پر چھائے ہوئے تھے جن کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک "سراج منیر" ان میں بھیجا۔ جس کے آنے سے نہ صرف جزیرہ نماعرب روشن ہو گیا بلکہ تمام کائنات ارضی چمک دمک اٹھی، اور اس سے پہلے کے تمام ستاروں کی روشنی ماند پڑ گئی اور پوری دنیا میں فیضان الٰہی کا آفتاب عالم تاب طلوع ہو گیا۔ بہرحال جس معاشرہ میں آپ کا ظہور ہوا اس معاشرہ میں اگرچہ بعض خوبیاں بھی تھیں جن کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کیا ہے لیکن ان میں برائیاں بھی کچھ ایسی تھیں، جنہوں نے ان کی فکری، نظری اور عملی زندگی کے تمام گوشوں کو تاریک کر رکھا تھا۔

۱- بت پرستی

ان کی زندگی کا سب سے زیادہ تاریک گوشہ یہ تھا کہ پوری کی پوری سوسائٹی بت پرستی جیسے گھناؤنے گناہ میں مبتلا ہو چکی تھی۔ ہر قبیلہ اس شرک میں مبتلا تھا اور شرک ہی ایک ایسا گناہ ہے جس کی قرآن حکیم نے سب سے زیادہ مذمت کی ہے۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے مثبت طور پر جس عقیدے پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ توحید ہے اور جس باطل خیال کا پوری شدت کے ساتھ ابطال کیا ہے وہ شرک ہے۔ اور بت پرستی شرک کی سب سے زیادہ گھناؤنی شکل ہے کہ ایک شخص اپنے ہی ہاتھوں سے ایک بت تراش کر پھر اس کی پوجا شروع کر دے اور بت بھی کسی انسان کا۔ جب کہ بقول علامہ اقبال "من ندیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد۔" یعنی جب ایک کتا دوسرے کتے کے سامنے سر نہیں جھکاتا تو انسان کس قدر علم و دانش سے کورا اور عقل و خرد سے خالی ہے جو نہ صرف ایک انسان کے سامنے بلکہ ایک انسان کے بت کے سامنے جس کو خود اپنے ہاتھوں سے تراشتا ہے، اپنا سر

Marfat.com

جھکاتا ہے۔ شہر مکہ اور بیت اللہ کی بنیاد خود اللہ کے خلیل اور حنیف سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے رکھی۔ اس کی تعمیر کا مقصد خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت تھا' چنانچہ آپ کی تعلیمات کے مطابق اس سرزمین میں اسی وحدہ لاشریک کی عبادت ہوتی رہی جس کے حکم کے تحت اس گھر کو بنایا گیا تھا۔ یہاں کے رہنے والوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ ایک ہے اور اس کی ذات وصفات میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ کائنات کی تخلیق' اس کی نشوونما اور اس کی بقا کے لیے اسے کسی وزیر اور مشیر کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمام صفات کمال سے وہ بذات خود متصف ہے اور تمام عیوب' خامیوں اور کمزوریوں سے وہ مبرا اور پاک ہے۔ روز قیامت پر بھی ان کا پورا پورا یقین تھا' لیکن جونہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کی روشنی مدھم ہوئی اور جہالت اور نفس پرستی نے اپنے پنجے گاڑے تو احکام الٰہی کے بجائے وہ اپنی نفسانی خواہشات کے بندے بن گئے اور اصنام پرستی اور باطل عقائد کو پذیرائی حاصل ہو گئی' یہاں تک کہ عمرو بن لحی نے بت پرستی کو رواج دیا' چنانچہ اصحاب السیر نے لکھا ہے کہ:

> "علمائے کرام کی اس بارہ میں بکثرت تصریحات ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر عمرو بن لحی کے زمانہ تک اہل عرب آپ کے عقائد پر ہی ثابت قدم رہے۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے دین ابراہیمی کو تبدیل کیا۔ (فھو اول من غیر دین ابراھیم) اور اہل عرب کے لیے گوناگوں گمراہیاں شروع کیں اور بتوں کی عبادت کا سلسلہ شروع کیا۔"
>
> (سیرۃ الحلبیہ جلد ۱ ص ۱۰)

علامہ ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ میں یہی لکھا ہے کہ عمرو بن لحی سب سے پہلا شخص تھا جس نے دین اسماعیل علیہ السلام کو تبدیل کیا اور بتوں کی پرستش کو رواج دیا۔ (ابن خلدون جلد ۲ ص ۶۵۱)

بت پرستی کا آغاز کب ہوا؟

یہ تو پتہ چل گیا کہ عرب میں بت پرستی کا آغاز عمرو بن لحی نے کیا' لیکن اس کا آغاز کیسے ہوا؟ اس بارے میں ہشام بن محمد بن السائب نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "کتاب الاصنام" میں لکھا ہے کہ اس اصنام پرستی کا آغاز بیت اللہ کی عقیدت کے پاکیزہ جذبہ سے شروع ہوا اور یہ ایک مسلمہ اور متفقہ حقیقت ہے کہ دنیا میں شرک ہمیشہ پاکیزہ جذبہ ہی کے تحت شروع ہوا۔ (آج کل قبروں پر جو شرک ہوتا ہے وہ بھی صاحب قبر کے ساتھ عقیدت کے پاکیزہ جذبہ ہی سے ہوتا ہے۔) جو شخص بھی مکہ سے عارضی یا مستقل طور پر جدا ہوتا وہ حرم سے اپنی عقیدے کے تحت' وہاں کے مقدس پتھروں میں سے ایک آدھ پتھر اپنے ساتھ لے جاتا۔ گھر پہنچ کر وہ اسے ایک خاص مقام پر نصب کر دیتا اور اس کے گرد اسی طرح طواف کرتا جس طرح کہ قیام مکہ کے دوران وہ کعبہ کے گرد طواف کیا کرتا تھا۔ وہ اس پتھر سے حرم کے تعلق کی

Marfat.com

وجہ سے خیر و برکت کا طالب ہوتا اور اس کے ساتھ اسی محبت اور وابستگی کا اظہار کرتا جو ایک نیک انسان اللہ کے مقدس گھر سے کرتا ہے۔ بخاری میں ابو رجاء عطاردی کا قول ہے کہ جب کوئی خوبصورت پتھر نہ ملتا تو مٹی کی ڈھیری بنا کر اس پر بکری کا دودھ دھولیتا اور اس کا طواف کرتا۔ غرض کہ ابراہیم علیہ السلام کا دین چھوڑ کر بت پوجنے لگے اور سابقہ گمراہ قوموں کی طرح ضلالت اور گمراہی کے گہرے غاروں میں گر گئے۔ (السیرۃ النبویہ جلد ا ص ٦٢)

ہشام بن محمد ابن السائب کلبی نے اس بارہ میں مزید لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے عرب میں دین ابراہیم کو تبدیل کیا اور اس میں اصنام پرستی کا آغاز کیا وہ قبیلہ خزاعہ کا سردار عمرو بن لحی بن حارثہ بن عمرو بن عامر الازدی تھا۔ کعبہ کی تولیت پہلے الحارث کے سپرد تھی، مگر جب عمرو بن لحی مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوا تو اس نے حارث کے حق تولیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور اپنی اولاد کی مدد سے حارث اور اس کے خاندان کو قابلِ رشک عہدہ سے محروم کر کے خود اس پر قابض ہو گیا۔
(کتاب الاصنام ص ٨)

اس قبضہ کے بعد عمرو بن لحی پر اچانک بیماری کا حملہ ہو گیا اور اس بیماری نے بڑی سرعت کے ساتھ شدت اختیار کر لی۔ موت و حیات کی اس کش مکش میں کسی حکیم دانا نے اسے بتایا کہ شام میں "البقاء" کے مقام پر گرم پانی کا ایک چشمہ موجود ہے۔ اگر وہ وہاں جا کر اس پانی سے غسل کرے تو بہت جلد صحت یاب ہو جائے گا۔ عمرو بن لحی نے اس مشورہ کو پوری خوش دلی سے قبول کیا اور فوری طور پر "البقاء" کے لیے رخت سفر باندھا۔ اس نے جب اس چشمہ سے جا کر غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے جلد صحت یاب کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی صحت منظور تھی۔

صحت کے بحال ہونے کی وجہ سے خوشی اور مسرت کی لہر اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی۔ اس نے چند روز وہاں قیام کیا تاکہ وہ واپسی کے سفر کی صعوبتوں کو برداشت کر سکے۔ اس قیام کے دوران میں اس نے دیکھا کہ وہاں کے باشندے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور ان کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، اور ان کے حضور سر نیاز خم کرتے ہیں، ان سے دعائیں کرتے ہیں، ان سے اپنے مسائل میں مدد مانگتے ہیں۔ ان کے آگے نذر و نیاز چڑھاتے ہیں۔ عمرو قبل ازیں اس قسم کی حرکات و سکنات سے قطعاً ناآشنا تھا۔ اس کے دل میں فطری طور پر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ ان کے بارہ میں جستجو کرے۔ اسے بتایا گیا کہ یہ بت ان کے معبود ہیں اور وہ اپنی تمام مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے۔ بارش اور دشمن پر فتح حاصل کرنے کے لیے ان کے سامنے سجدہ ریز ہو کر دعائیں مانگتے اور یہ بت ان کی ان تمام معاملات میں دستگیری کرتے ہیں۔ عمرو بن لحی ان کی ان باتوں سے بہت متاثر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ پتھر کے کچھ معبود اسے بھی دے دیے جائیں۔ چنانچہ "البقاء" کے باشندوں نے اس کے اس مطالبہ کو قبول کیا اور چند بت (اور

بعض روایات میں ہے کہ ایک بت ہبل) اس کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر دیئے۔ یہ شخص پتھر کی ان مورتیوں کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ آ گیا اور انہیں خانہ کعبہ کے ارد گرد رکھ دیا۔
(کتاب الاصنام ص ۱۸ السیرۃ النبویہ جلد ۱ ص ۶۸)

عمرو بن لحی بہت سخی آدمی تھا اور لوگوں میں اس کی بہت مقبولیت تھی۔ اور اس مقبولیت کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ:

"عمرو عربوں کے لیے رب بن گیا (صار عمرو للعرب ربا) دین میں جس نئی بات کا وہ آغاز کرتا تھا، لوگ اس کو دین سمجھ کر قبول کر لیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حج کے ایام میں لوگوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا اور انہیں لباس مہیا کرتا تھا اور بسا اوقات وہ موسم حج میں دس دس ہزار اونٹ ذبح کرتا اور دس دس ہزار غریب اور نادار لوگوں کو روزانہ لباس مہیا کرتا تھا۔" (سیرۃ الحلبیہ جلد ۱ ص ۱۱، السیرۃ النبویہ جلد ۱ ص ۹۳)

بعض حضرات کا خیال ہے کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے پہلا شخص جس نے بت پرستی کی اس رسم کو رواج دیا اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کی کھلم کھلا تحریف کی وہ ہذیل بن مدرکہ تھا۔
عمرو بن لحی کی مقبولیت کی وجہ سے یہ بت پرستی بھی معاشرہ میں مقبول ہو گئی اور جنگل کی آگ کی طرح یہ مرض ایسا پھیلا کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر شخص نے بت پرستی کو اپنا لیا۔ ہر قبیلہ نے اپنا اپنا الگ خدا بنا لیا اور ہر گھر میں اپنے اپنے خداؤں کی پوجا ہونی شروع ہو گئی اور مکہ اور پورے عرب میں لوگوں نے اس ابراہیم علیہ السلام کے دین کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کر لی جس ابراہیم علیہ السلام نے پورے معاشرہ کے بتوں کو لات مار کر یہ اعلان کیا تھا "انی وجهت وجهی للذی فطر السماوات والارض حنیفا، وما انا من المشرکین۔" اس دین ابراہیمی کے ماننے والے سارے کے سارے مشرک اور اصنام پرست ہو گئے اور پھر ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے گھر بیت اللہ میں بھی ۳۶۰ بت رکھ دیئے گئے۔

عربوں کے مشہور بت

ویسے تو ہر گھر میں الگ الگ بت تھا۔ سفر کا بت الگ، حضر کا الگ، بیماری کا الگ، صحت کا الگ، لیکن کچھ مشہور بت ایسے بھی تھے، جن کی مختلف قبیلے عبادت کرتے تھے اور بڑے بڑے صنم کدوں میں انہیں سجا کر رکھا گیا تھا۔ دن رات ان پر نذرانے اور چڑھاوے چڑھتے تھے۔ کئی کئی اونٹ ان کے استھانوں پر قربان کیے جاتے اور کئی کئی روز کے میلے ان پر لگتے۔

۱۔ ان بتوں میں سب سے پرانا بت "مناۃ" تھا۔ یہ عربوں کے قومی بتوں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ اس بت

Marfat.com

کی نہ صرف پورے اخلاص اور پورے جذبہ عبودیت سے پرستش کرتے تھے بلکہ عقیدت واحترام کی وجہ سے اپنے بچوں کے نام بھی اس بت کے نام پر اس طرح رکھتے جو اس کے ساتھ ان کی گہری وابستگی کے آئینہ دار ہوتے۔ چنانچہ عربی ادب میں ہمیں اس قسم کے نام ملتے ہیں "عبد مناۃ" "زید مناۃ" وغیرہ۔ یہ بت مکہ اور مدینہ کے درمیان مشلل کے قریب "قدید" کے مقام پر ساحل سمندر پر نصب تھا۔ اس بت کی قریب قریب سارے قبائل میں پوجاپاٹ ہوتی تھی۔ اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے اور اس کی ناراضگی سے بچنے کے لیے یہاں پر عرب قبائل جانوروں کی قربانیاں کیا کرتے تھے، لیکن ازد، اوس و خزرج کے قبائل ان سب پر سبقت لے گئے تھے۔ ابن کلبی نے سیدنا عمار بن یاسرؓ کا، جو اوس اور خزرج کے بارہ میں سب سے زیادہ معلومات رکھتے تھے، ایک قول اپنی تصنیف "کتاب الاصنام" میں نقل کیا ہے جس سے ان قبائل کی مناۃ کے متعلق غیر معمولی وابستگی اور والہانہ عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"جو لوگ حج کے لیے دوسرے حجاج کے ساتھ روانہ ہوتے وہ تمام ان مقامات پر ضرور ٹھہرتے، جن پر عرب عام طور پر قیام کیا کرتے تھے اور وہ ساری رسوم ادا کرتے جو اس وقت رائج تھیں، لیکن وہ اپنے سروں کو منڈانے سے اجتناب کرتے۔ حج سے واپسی پر جب وہ اس مقام پر پہنچتے، جہاں مناۃ کا بت نصب تھا، تو وہاں کچھ دیر کے لیے قیام بھی کرتے اور اپنے سروں کو بھی منڈاتے کیونکہ ان کے نزدیک مناۃ کی زیارت بھی حج کا ایک نہایت ضروری حصہ تھا اور جب تک اس رکن کو پوری طرح ادا نہ کیا جائے اس وقت تک ان کی نظر میں فریضہ حج کی تکمیل نہیں ہوتی تھی"۔

عربوں کے ہاں "مناۃ" کی عرصہ دراز تک تعظیم و تکریم ہوتی رہی یہاں تک کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے سنہ ۸ھ میں سیدنا علیؓ کو بھیج کر اسے مسمار کروادیا۔ اس بت کی مسماری کی مہم میں بہت سامال و دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگا جس میں وہ دو تلواریں بھی تھیں جو شاہ غسان حارث بن ابی شمر نے مناۃ کے استھان پر بطور نذرانہ عقیدت پیش کی تھیں۔ ان میں سے ایک تلوار کا نام "مخذم" تھا اور دوسری کا نام "رسوب"۔ ان تلواروں کا ذکر شاعر نے بھی اپنے ایک شعر میں کیا ہے۔

۲۔ اسی سلسلہ میں عربوں کا دوسرا واجب التعظیم بت "لات" تھا جس نے سرزمین طائف میں کفر و شرک کی ظلمتیں پھیلا رکھی تھیں۔ یہ مربع شکل کی چٹان تھی جس پر ایک مکان تعمیر تھا۔ اس صنم کدہ کے متولی اور سجادہ نشین بنو ثقیف تھے جو طائف کا سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ ان میں عتاب بن مالک کا خاندان سب سے نمایاں تھا۔ لات کا بت بھی منات کی طرح عرب کے سارے قبائل میں معظم و مکرم تھا اور لوگ دور دور سے خیر و برکت کے حصول اور آسمانی وارضی آفات سے بچنے کے لیے یہاں نذرانے پیش کرتے اور اپنی اولاد کے نام بھی اس بت کے نام پر رکھتے، چنانچہ پرانے عربی ادب میں ہمیں "زید اللات" اور

Marfat.com

"تیم اللات" کے نام ملتے ہیں۔ طائف کے میدان میں جو مسجد آج موجود ہے اس کے بائیں مینار کے بالکل ساتھ ہی یہ بت نصب تھا۔

مدت دراز تک لات کا یہ بت عربوں اور خصوصی طور پر اہلِ طائف کی عقیدت و محبت کا محور و مرکز بنا رہا۔ پھر جب سنہ ۹ھ میں بنو ثقیف نے اسلام قبول کیا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے مغیرہ بن شعبہؓ کو اس بت کے صنم کدہ کے انہدام کے لیے بھیجا' چنانچہ انہوں نے اس کو توڑ کر گرا دیا اور پھر نذر آتش کر دیا۔

کتابوں میں ہے کہ جس وقت شرک و بت پرستی کے اس مرکز کو منہدم کیا جا رہا تھا' اس وقت شداد بن عارض الجشمیؓ نے ثقیف والوں کو مخاطب کر کے با آواز بلند چند شعروں میں کہا' جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اے اہلِ طائف) لات کی مدد نہ کرنا کیونکہ لات کو برباد کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کی قسمت میں کامیابی نہ ہو' تمہاری مدد سے کیا ہو گا۔ جو شے آگ میں بھسم ہو کر راکھ ہو گئی اور اپنی کوئی مدافعت نہ کر سکی وہ یقیناً ناکارہ شے ہے۔ جب سرکارِ دو عالم ﷺ تمہاری سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازیں گے اور پھر یہاں سے واپس تشریف لے جائیں گے تو اس وقت ایک شخص بھی لات کا حامی نہ ہو گا۔"

۳۔ اہلِ عرب کے مشہور بتوں میں سے ایک بت کا نام عزیٰ تھا۔ یہ لات و منات کے بعد بنایا گیا تھا۔ یہ وادی نخلہ میں درختوں کے ایک جھنڈ میں تھا۔ جب کوئی مسافر مکہ سے عراق کی طرف جاتا تو درختوں کا یہ جھنڈ اسے دائیں جانب پڑتا۔ عربوں کو اس بت کے ساتھ بھی گہری قلبی عقیدت تھی۔ چنانچہ جاہلی عرب کی تاریخ و ادب میں اس حقیقت کی واضح نشان دہی ہوتی ہے کہ اس بت کے نام پر عربوں نے اپنی اولاد کے نام بہت بعد میں رکھنے شروع کیے تھے' چنانچہ "عبد العزیٰ" جیسا مرکب نام پہلے دور میں کہیں نظر نہیں آتا۔

عزیٰ کی پرستش کی ابتدا ظالم بن اسعد نے کی۔ مکہ سے جو راستہ عراق کی طرف جاتا ہے اس پر بستان سے نو میل کے فاصلہ پر سڑک کے دائیں جانب یہ بت نخلۃ الشامیۃ کے مقام جسے "حراض" بھی کہتے ہیں' نصب تھا۔ اس بت کے ارد گرد ایک نہایت وسیع عمارت تعمیر کی گئی تھی جسے "بس" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس استھان پر اس بت کے حضور میں نذرانے پیش کیے جاتے تھے اور اس کی باقاعدہ پوجا ہوتی تھی۔ لوگوں کو اس بت کا گرویدہ بنانے اور اس سے عقیدت استوار کرنے کے لیے اور غیب سے پراسرار آوازیں سنانے کے لیے عجیب و غریب انتظامات کیے گئے تھے۔ اس بت کا احترام و تکریم روز بروز بڑھتا رہا۔ اسی احترام و عقیدت کی وجہ سے لوگوں نے دوسرے ناموں کو چھوڑ کر اپنی اولاد کے نام اسی بت کے نام پر رکھنے شروع کر دیئے' چنانچہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب سب سے زیادہ مقدس نام "عبد العزیٰ" سمجھا جانے لگا۔ عرب کا کوئی قبیلہ نہ تھا جس کو اس بت کی بندگی پر فخر نہ ہو' لیکن اس معاملہ

Marfat.com

میں جتنی فدائیت اور جانثاری قریش کے ہاں تھی اتنی اور کسی قبیلہ میں نہ تھی، چنانچہ خواجہ عبدالمطلب نے خود اپنے ایک بیٹے ابولہب کا نام عبدالعزیٰ رکھا ہوا تھا۔

قریش نے "حریض" کے قریب پوری وادی جسے سقام کہتے ہیں، عزیٰ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اس وادی کو یہ لوگ بڑی عزت و احترام سے دیکھتے تھے اور اسے خانہ کعبہ ہی کا ایک حصہ خیال کرتے تھے، چنانچہ عربی ادب میں جہاں عزیٰ کا نام آتا ہے وہاں اس وقف کا ذکر بھی ملتا ہے۔ عزیٰ کے صنم کدہ میں ایک قربان گاہ بھی تھی جسے "غبغب" کہا جاتا تھا اور جہاں زائرین ہدیے کے جانور لا کر ذبح کرتے تھے۔

عزیٰ کا بت کدہ عربوں کے ہاں کس قدر واجب التعظیم تھا اس کا ہلکا سا اندازہ قیس بن الحدادیہ الخزاعی کے اس شعر سے لگایا جا سکتا ہے:

تلینا ببیت الله اول حلفه
و الا فانصاب یسرف بغبغب

"ہم سب سے پہلے اللہ کے گھر کی قسمیں کھاتے ہیں، لیکن اگر وہ قسم موثر نہ ہو تو پھر ان مقدس پتھروں کی قسم کھاتے ہیں جو غبغب کے مقام پر نصب ہیں۔"

عزیٰ کے بت کدہ کی تولیت عرصہ دراز تک مجموعی طور پر بنو سلیم کے پاس رہی لیکن اس صنم کدہ کی حفاظت اور دربانی کے فرائض میں بنو شیبان پیش پیش تھے اور اس بات کو اپنے لیے ایک غیر معمولی اعزاز سمجھ کر اسے بڑے خلوص اور عقیدت سے سرانجام دیتے تھے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قریش کو اس بت سے بڑی عقیدت تھی، چنانچہ وہ کعبہ کے گرد طواف کرتے وقت اس بت کی تعریف و توصیف ان الفاظ میں کرتے:

واللات والعزی ومناه الثالثه الاخری، فانهن الغرانیق العلی، وان شفاعتهن لترجی۔

"قسم ہے لات و عزیٰ کی اور دو کے علاوہ تیسرے منات کی۔ یہی حسین و جمیل اور رفیع الشان لڑکیاں ہیں اور انہی سے شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔"

ان تینوں بتوں کو اہلِ عرب خدا کی بیٹیاں تصور کرتے تھے اور ان کا اس بات پر پختہ یقین تھا کہ ان کی شفاعت کے بغیر وہ دین و دنیا میں کامیابی کی شاہراہ پر نہیں چل سکتے۔ قرآن حکیم نے بڑے زوردار الفاظ میں ان کے اس عقیدہ کی سورہ النجم میں تردید کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

(ارے کافرو!) کیا تم نے لات و عزیٰ اور تیسرے منات کے بارہ میں غور نہیں کیا ہے کیا؟ تمہارے لیے تو بیٹے ہوں اور خدا کے لیے بیٹیاں۔ اس اعتبار سے تو یہ بڑی بے ڈھنگی تقسیم

ہے۔ یہ نرے نام ہی نام ہیں جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادو نے ٹھہرالیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو (اس کے لیے) کوئی دلیل نہیں بھیجی۔ یہ لوگ نرے بے بنیاد خیالات اور اپنے نفس کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔"

(النجم: ۱۹-۲۳)

اس بت کی پرستش سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعثت تک جاری رہی۔ اس دیوی کے بارہ میں قریش کے جذبات کتنے نازک تھے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سورہ النجم کی یہ آیات جب نازل ہوئیں تو کفار مکہ کو اس سے سخت رنج ہوا۔ اس رنج و تکلیف کے نتیجہ میں عبد مناف کا پڑپوتا ابو احیحہ سخت بیمار ہو گیا اور یہ بالآخر یہی بیماری اس کی موت کا سبب بنی۔ اسی دوران میں ابولہب اس کی عیادت کے لیے آیا تو اس نے اسے زار و قطار روتے دیکھا۔ ابولہب نے اس سے پوچھا: کیا ہوا؟ کیوں اتنی آہ و فغاں کر رہا ہے؟ کیا موت سے ڈر کر آنسو بہا رہا ہے؟ حالانکہ موت ایک یقینی شے ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں۔ ابولہب کے منہ سے یہ کلمات سن کر ابو احیحہ نے کہا! نہیں، مجھے موت کا قطعاً کوئی خوف نہیں، موت تو بہر صورت آنی ہے۔ میں اس سے بالکل پریشان نہیں ہوں۔ البتہ مجھے ایک غم کھائے جا رہا ہے اور اسی غم کی وجہ سے رو رہا ہوں کہ میرے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد عزیٰ کی پرستش ختم ہو جائے گی۔ ابولہب نے اسے پوری پوری تسلی دی اور کہا: "یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ عزیٰ کی پرستش اور اس کی تعظیم و تکریم صرف تیری وجہ سے نہیں اور نہ ہی تیری زندگی تک محدود ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد لوگ اس بت سے منہ نہ موڑ لیں گے بلکہ تیرے بعد بھی اس کی پرستش اسی طرح رہے گی"۔

ابو احیحہ نے جب ابولہب کے منہ سے یہ تسلی آمیز اور جرأت آمیز الفاظ سنے تو اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور اسے پتہ چل گیا کہ عزیٰ بت سے عربوں اور قریش کو غیر معمولی عقیدت اور محبت ہے اور یہ کہ اس کی پرستش کو میرے مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہونے دیں گے۔ اسی قسم کا واقعہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں بھی ہے جو سیدنا خالد بن ولید سیف اللہؓ کا باپ تھا۔

شاید اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالد بن ولیدؓ کو اس بت کے انہدام کے لیے بھیجا۔ جب وہ اس کو منہدم کر کے واپس آئے تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے پوچھا: خالد! تم نے کوئی شے دیکھی؟ عرض کیا: نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم نے پھر اس کو صحیح طور پر منہدم نہیں کیا۔ اب کی بار سیدنا خالد بن ولیدؓ نے بت کے ارد گرد کے تمام درختوں کو بھی کاٹ دیا اور اس بت کو بھی نیچے تک کھود کر منہدم کر دیا۔ دیکھا کہ ایک عورت نکلی جو نہایت بدشکل، لمبے دانت اور بال بکھرے ہوئے تھے اور خالدؓ کو دیکھ کر کہنے لگی:

"اے عزیٰ! خالد پر اپنی پوری قوت سے حملہ کر۔ اپنی اوڑھنی کو پھینک دے اور اپنی

Marfat.com

آستینوں کو چڑھا لے۔ اگر تو نے آج خالدؓ کو قتل نہ کیا تو وہ تجھے بہت جلد ذلیل و رسوا کر دے گا۔"

سیدنا خالد بن ولیدؓ نے اس کو دیکھ کر اور اس کی یہ بات سن کر فرمایا:

یا عزی! کفرانک لا سبحانک
انی رایت اللہ قد اھانک

"اے عزیٰ! میں تیری پاکی بیان نہیں کرتا بلکہ میں تیرا سراسر انکار کرتا ہوں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل و خوار کر دیا ہے۔"

پھر سیدنا خالد بن ولیدؓ نے اپنی تلوار سے حملہ کر کے اس کے سر کو دو ٹکڑے کر دیا۔ اس کو ہلاک کر کے واپس بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اب تو نے اس کو صحیح معنوں میں مسمار کیا ہے۔ (بلوغ الارب جلد ۲ ص ۲۰۴)

۴۔ یہ تینوں دراصل مونث بت تھے جن کو آج کل کی اصطلاح میں دیویاں کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی قریش کے کچھ بت تھے۔ کچھ بت بیت اللہ کے اندر رکھے ہوئے تھے اور کچھ کو باہر نصب کر دیا گیا تھا۔ ان سب بتوں میں سب سے بڑا بت "ہبل" تھا، یہ عقیق کا بنا ہوا سرخ رنگ کا بت تھا اور اس کی شکل انسان کی تھی۔ اس بت کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش نے اس کی جگہ سونے کا ہاتھ بنا کر جوڑ دیا تھا۔

ہبل کو سب سے پہلے خزیمہ بن مدرکہ نے نصب کیا تھا۔ اس لیے اس کو عام لوگ "ہبل خزیمہ" کہتے تھے۔ اس کے قریب کچھ تیر بوری میں رکھے ہوتے تھے۔ کچھ پر "نعم" یعنی ہاں اور کچھ پر "لا" یعنی نہیں لکھا ہوا تھا۔ اور ان تیروں کے ذریعہ عرب لوگ فال نکالتے تھے۔ ابن الکلبی نے لکھا ہے کہ ہبل کا بت کعبہ کے اندر تھا اور اس کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے۔ ان تیروں کے ذریعہ عرب لوگ فال نکالا کرتے تھے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام از حسن ابراہیم جلد ۱ ص ۶۹-۷۰)

۵۔ ان کے علاوہ بھی کچھ بت ایسے تھے جن کی مختلف عرب قبائل پرستش کرتے تھے۔ جن میں چند ایک حسب ذیل ہیں:

ان میں سے ایک بت "سواع" تھا جس کی قبیلہ ہذیل پرستش کرتا تھا۔ اس بت کو قبیلہ کے لوگوں نے گاؤں ینبع کے نزدیک "برہاط" کے مقام پر نصب کر رکھا تھا۔ اس کی تولیت بنولحیان کے سپرد تھی۔ ابو نعیم نے راشد بن عبداللہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بتوں کے سامنے لوگ چڑھاوے اور نذر و نیاز بھی بہت چڑھایا کرتے تھے، چنانچہ راشد کہتے ہیں کہ میرے قبیلہ کے لوگوں نے مجھے نیاز دے کر "سواع" کے دربار میں بھیجا۔ میں جب اس کے پاس پہنچا تو لومڑ اس کو چاٹ رہے تھے اور اس کے سامنے نذر و نیاز کے جو کھانے پڑے ہوئے تھے، ان کو کھا رہے تھے۔ کھانے کے بعد پھر اس پر

پیشاب کرنے لگے۔ یہ سارا منظر دیکھ کر راشد نے کہا:

ا رب یبول الشعلبان براسه
لقد ذل من بالت علیه الشعالب

جس کے سر پر لومڑ پیشاب کریں کیا وہ رب ہو سکتا ہے؟ جس کے سر پر لومڑ پیشاب کریں وہ ذلیل و رسوا ہے۔ (السیرۃ النبویہ جلد ا ص ۳۷۴)

راشد جب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو پھر اپنے ہاتھوں سے سواع کے بت کو توڑ دیا۔

قبیلہ کلب کے لوگ "ود" کی پرستش کرتے تھے اور اس کے سامنے سرنیاز جھکاتے تھے۔

اسی طرح قبیلہ مذحج اور جرش "یغوث" بت کے پرستار تھے۔ چنانچہ عرب قبائل اپنے اشعار میں بھی ان بتوں کا اکثر تذکرہ کرتے۔ ایک اور بت کا نام نسر تھا۔

ایک بت "یعوق" بھی تھا، قبیلہ خیوان کے لوگ اس بت کی پوجا کرتے۔

یہ پانچ بت یعنی "ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر" جن کا تذکرہ سورہ نوح میں بھی ہے اور یہ پانچوں بت قوم نوح کے بت بھی تھے (ملاحظہ ہو سورہ نوح: ۲۱: ۲۴) یہ عمرو بن لحی کی وجہ سے عرب میں آئے تھے اور اسی کی وجہ سے مقبول تھے، گویا یہ باہر سے درآمد شدہ بت تھے۔

کتابوں میں ایک بت ضمار کا بھی سراغ ملتا ہے، چنانچہ عباس بن مرداسؓ اپنے قبول اسلام کا واقعہ یہی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک بت ضمار کے پاس آیا جس کی ہم صبح و شام پرستش کیا کرتے تھے۔ میں نے اس کو کپڑے سے صاف کیا اور اس کا بوسہ لیا اس کے اندر سے آواز آئی۔

قل للقبائل من سلیم کلها
هلك الضمار و فاز اهل المسجد
هلك الضمار و کان یعبد مره
قبل الصلاه مع النبی محمد
ان الذی ورث النبوه والهدی
بعد ابن مریم من قریش مهتدی

۱۔ سلیم کے سب قبیلوں کو کہہ دو کہ ضمار کا دور ختم ہو گیا ہے اور اہلِ مسجد کامیاب ہو گئے ہیں۔

۲۔ ضمار برباد اور ذلیل و خوار ہو چکا ہے۔ محمد النبی ﷺ کے نماز پڑھنے سے قبل اس کی پوجا ہوا کرتی تھی۔

۳۔ ابن مریم کے بعد نبوت و ہدایت کا وارث ہی ہدایت یافتہ ہے۔

(السیرۃ النبویہ جلد ا ص ۳۵۸)

ان کے علاوہ بھی کئی بت خانہ کعبہ کے اندر اور باہر کفار نے رکھے ہوئے تھے جن کی تعداد کتابوں میں ۳۶۰ آتی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ عرب اللہ کے علاوہ دوسرے معبود بھی مانتے تھے اور ان کی پرستش اور عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ یہ سب مختلف قسم کے تھے۔ درخت، پتھر اور چشمے سب ان میں شامل تھے۔ اس کی تفصیل کلبی نے کتاب الاصنام میں ذکر کی ہے اور قرآن حکیم نے اپنی بعض آیات میں بھی اس پر روشنی ڈالی ہے، لیکن یونان میں جس طرح دیوتاؤں کے اعمال اور ان کی فطرت کی تفصیل ملتی ہے، عرب میں ایسا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ جو کچھ تفصیل ہے وہ عرب کی جاہلی شاعری اور ضرب الامثال میں ملتی ہے۔
(Encyclopedia of Islam, Vol. 1. P. 660)

بتوں کے بارے میں عربوں کا عقیدہ

ان بتوں کے بارے میں عربوں کا کیا عقیدہ تھا؟ قرآن حکیم نے اس کو بیان فرمایا ہے۔ عرب ان بتوں کو وسیلہ مانتے تھے اور کہتے تھے، یہ ہماری سنتے ہیں، ہماری گواہی دیتے ہیں۔ وہ بتوں کی قسمیں بھی کھاتے تھے۔ ان کے سامنے حلف بھی اٹھاتے تھے اور ان کی عبادت بھی کرتے تھے، ان کے سامنے سجدہ ریز بھی ہوتے تھے۔ ان کے ناموں پر جانور ذبح کرتے تھے اور اگر کوئی جانور بوڑھا ہو جاتا تو وہ اس کو بت کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ بت کے نام پر چھوڑے ہوئے بوڑھے اونٹ کو "حام" اور اونٹنی کو "بحیرہ" کہتے تھے۔

ان بت پرستوں کی کوئی مذہبی شریعت یا احکامات نہیں تھے جو فرد کو سوسائٹی سے وابستہ کرتے ہوں۔ یا فرد پر کچھ فرائض یا حقوق عائد کرتے ہوں، بلکہ اکثر بتوں کو اپنی ضروریات کے لیے استعمال کرتے تھے۔ (The Historian's History of the World, Vol. vii, P.292)

ہر کام کے لیے ان کا الگ الگ بت تھا، اور جب رسول اللہ ﷺ نے توحید کی دعوت دی تو انہوں نے نہایت حیرت و استعجاب سے کہا:

اجعل الالهة الها واحدا ان هذا لشئ عجاب

"کیا اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا بنا دیا ہے۔ بے شک یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔"

عربوں کی جہالت کے زیر عنوان امام بخاری نے سیدنا ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ عرب کی جہالت اور نادانی کا اندازہ معلوم کرنا ہو تو سورۃ انعام کی آیت نمبر ۱۴۰ پڑھئے۔ "بے شک خسارے میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت اور نادانی کی وجہ سے قتل کیا اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر اس

رزق کو حرام کرلیا جو اللہ نے انہیں دیا تھا بے شک وہ گمراہ ہوئے اور سیدھی راہ پر نہ آئے۔"

ملعون عمرو بن لحی نے مال مویشی کی مصلحت و شفقت کی خاطر چند بدعات اور شرکیہ رسومات ایجاد کیں جو محض کذب و افتراء کا پلندہ تھیں۔ قوم نے اندھادھند ان کی تقلید اور ملت ابراہیمی جو توحید و وحدانیت خداوندی، رد شرک اور تردید بت پرستی کا مجموعہ تھی، اسے یکسر بدل دیا۔ بغیر دلیل و حجت اور علم و دانش کے سابقہ اقوام کی مشرکانہ راہ و رسم کو پسند کیا اور سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم کی شرکیہ اختراع کو اختیار کیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد ا ص ۶۷)

بت پرستی نے ان کی ایسی مت ماری کہ اساف و نائلہ نے بیت اللہ میں بدکاری کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو پتھر کی صورت میں مسخ کر دیا۔ عوام نے پہلے تو ان مسخ شدہ مجسموں کو بیت اللہ میں عبرت و نصیحت کی خاطر نصب کر دیا۔ عرصہ دراز کے بعد سامان عبرت کی بجائے ان مجسموں کی پرستش شروع ہو گئی۔ (السیرۃ النبویہ جلد ا ص ۶۴)

اگرچہ اہلِ عرب بتوں کی پرستش کرتے تھے لیکن پھر بھی ان کے دل میں بتوں کی زیادہ عزت نہیں ہوتی تھی، بلکہ کبھی کبھی وہ ان کا مذاق بھی اڑاتے تھے۔ اس کا اندازہ اس قصہ سے ہوتا ہے جو "بلوغ الارب" میں نقل کیا گیا ہے کہ مالک اور ملکان کنانہ کے دو بیٹے تھے۔ ساحل جدہ پر ان کا ایک بت تھا جس کا نام "سعد" تھا۔ وہ ایک لمبی چٹان پر واقع تھا۔ بنی ملکان کا ایک شخص اپنے بہت سے اونٹ لے کر وہاں آیا تاکہ اس بت سے برکت حاصل کرے۔ جب اس نے اپنے اونٹوں کو اس چٹان سے قریب کیا تو وہ چٹان ان جانوروں کے خون سے لت پت تھی جو وہاں اس بت کے تقرب کے لیے ذبح کیے گئے تھے۔ اونٹ اس خون کو دیکھ کر کچھ ایسے بدکے کہ اپنی مہار تڑوا کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اپنے اونٹوں کو یوں منتشر ہوتا دیکھ کر وہ غضبناک ہو گیا۔ فوراً زمین سے پتھر اٹھایا اور سعد بت کو دے مارا اور غصے میں کہنے لگا: "اے جھوٹے خدا! تجھ کو اللہ تعالیٰ کبھی برکت نہ دے۔ تو نے میرے اونٹوں کو بھگا دیا اور انہیں تتر بتر کر دیا۔" (لا بارک اللہ فیک الھا انفرت ابلی) پھر اس نے بڑی مشکل سے اپنے اونٹوں کو اکٹھا کیا۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہوا تو وہ دو شعر پڑھ رہا تھا جن کا ترجمہ یہ ہے:

"ہم سعد بت کے پاس آئے تاکہ وہ ہمارے پراگندہ شیرزاہ کو منظم کردے، لیکن ہوا یہ کہ سعد (بت) نے ہماری جمعیت کو تتر بتر کر دیا۔ اب سعد سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

سعد کیا ہے؟ لق و دق صحرا میں ایک چٹان ہے۔ نہ وہ گمراہی کی دعوت دے سکتا ہے اور نہ ہی جادۂ حق پر ہمیں رکھ سکتا ہے اور نہ کوئی نفع و نقصان ہمیں پہنچا سکتا ہے۔"

(بلوغ الارب جلد ۲ ص ۲۰۸)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پروفیسر ہٹی (Hitti) نے اغانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امراء القیس

Marfat.com

اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے روانہ ہوا تو ذوالخلصہ کے مندر میں ٹھہرا تاکہ تیروں سے فال نکلوائے کہ وہ اس انتقام لینے میں کامیاب ہو گا بھی یا نہیں؟ تین دفعہ فال نکالی، تینوں دفعہ یہی نکلا کہ ارادہ چھوڑ دو۔ اس نے ٹوٹے ہوئے تیر دیوتا کے منہ پر دے مارے اور زور سے چلایا "ملعون! اگر تیرا اپنا باپ مارا گیا ہوتا تو پھر تو مجھے انتقام لینے سے ہرگز منع نہ کرتا۔ (الاغانی جلد ۸ ص ۷۰)

عرب میں صرف بت پرستؔ ہی نہیں رہتے تھے بلکہ کچھ اور مذاہب بھی تھے جیسے یہودیت اور عیسائیت وغیرہ، لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جزیرہ نما عرب میں بت پرستوں کی اکثریت تھی۔ یہودیت اور عیسائیت کے علاوہ کچھ لوگ زندیق تھے، فرشتوں اور جنات کی پوجا کرنے والے بھی تھے۔ ستاروں کے پجاری اور آگ کی پرستش کرنے والے لوگ بھی خطہ عرب میں رہائش پذیر تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی عربوں میں موجود تھے جو ان بتوں کی پرستش کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہ۔ یہ زید بن عمرو تو سیدنا عمر بن الخطابؓ کے چچا تھے اور ورقہ بن نوفل سیدہ خدیجہ ام المومنینؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ ان دونوں کے علاوہ پانچ چھ حضرات اور بھی تھے جو ان بتوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

کلبی نے لکھا ہے کہ قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ جنوں کو پوجتی تھی۔ (کتاب الاصنام ص ۳۴)

قبیلہ حمیر آفتاب کی پرستش کرتا تھا، کنانہ چاند کا پرستار تھا۔ بنو تمیم دبران کی، لخم و جذام مشتری کی۔ قبیلہ طے سہیل کی، بنو قیس شعریٰ اور بنو اسد عطارد کی پرستش کرتا تھا۔

(ملاحظہ ہو طبقات الامم ص ۴۳۰)

دین ابراہیمی میں تبدیلی

اتنے بتوں کو پوجنے اور اتنے شرکیہ کام کرنے کے باوجود اہلِ عرب اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر سمجھتے تھے کیونکہ دین ابراہیم کی بہت سی عبادات ظاہری شکل میں ان کے اندر موجود تھیں، اگرچہ انہوں نے ان کی شکل مسخ کر دی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ اگرچہ دین ابراہیمی کے مطابق اپنے مردوں کو غسل دیتے اور ان کی تکفین کر کے نماز جنازہ بھی پڑھتے تھے، لیکن اس کی اصلی روح ان کے ہاں مفقود تھی۔ ان کی نماز جنازہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء نہیں تھی اور نہ میت کے لیے اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت تھی۔ بلکہ وہ میت کی تجہیز و تکفین کر کے جب تدفین کے لیے لے جاتے تو اس میت کا کوئی قریبی رشتہ دار آگے کھڑا ہو جاتا اور اس میت کے محاسن اور کمالات اتنے مبالغہ آمیز طریقے سے بیان کرتا کہ زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا، پھر اس کو دفن کر دیا جاتا۔ اس طریقہ نے نماز جنازہ کی ابراہیمی روح کو ختم کر دیا تھا۔

(بلوغ الارب جلد ۲ ص ۲۸۸)

Marfat.com

اسی طرح وہ حج اور عمرہ بھی کرتے اور تلبیہ بھی کہتے لیکن تلبیہ میں بھی اپنی طرف سے کچھ الفاظ بڑھا کر اس کو شرکیہ بنا دیا اور اس سے عقیدہ توحید مسخ ہو کر رہ گیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تلبیہ سے توحید کی مہک آتی تھی جب کہ ان مدعیان دین ابراہیمی کے تلبیہ سے شرک کے تعفن سے دماغ پھٹنے لگتے تھے۔ وہ کہتے:

لبیک اللھم لبیک، لا شریک لک الا شریکا ھو لک، تملکہ وما ملک۔

"حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے بجز اس شریک کے جس کا تو مالک ہے اور اس کی ہر چیز تیری ملکیت میں ہے۔"

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد ا ص ۶۳)

اگرچہ وہ حج کے جملہ ارکان کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے، لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے ان میں چند خرافات بھی رواج پا چکی تھیں جن کی وجہ سے دین ابراہیمی کی روح ان میں یک قلم ختم ہو چکی تھی، چنانچہ وہ کہتے کہ ہم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ حرم کے باشندے ہیں۔ بیت اللہ کے متولی ہیں، اسی لیے جو اختیارات، حقوق اور امتیازات ہمیں حاصل ہیں وہ دوسرے عربوں کو حاصل نہیں ہیں۔ ہم صرف ان چیزوں کی تعظیم و تکریم بجالائیں گے جو حرم کے اندر ہیں، لیکن جو مواقف و مشاعر حرم سے باہر ہیں، ان کی تعظیم دوسرے عربوں پر تو لازم ہے لیکن ہم پر لازم نہیں ہے، ورنہ ہم میں اور ان میں کیا امتیاز باقی رہے گا؟ چنانچہ اسی وجہ سے اہلِ مکہ نے قیام عرفہ کو ترک کر دیا تھا اور طواف افاضہ کو بھی انہوں نے ترک کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے لیے ایک خاص اصطلاح بنا رکھی تھی کہ "نحن الحمس" ہم الحمس ہیں۔ الحمس کا مطلب اہلِ حرم ہے۔ یعنی ہم حرم کے اندر رہنے والے ہیں۔ اہلِ حرم میں سے ہونے کی وجہ سے انہوں نے اپنے اوپر یہ بھی پابندی لگا دی تھی کہ وہ گھی اور پنیر نہیں کھائیں گے۔ پھر انہوں نے یہ پابندی بھی لگا دی کہ حدود حرم سے باہر رہنے والے لوگ (اہلِ الحل) جب عمرہ یا حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آئیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کھانا کھائیں جو اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ اس طرح ان کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ ان کپڑوں میں خانہ کعبہ کا پہلا طواف کریں جو وہ اپنے گھر سے پہن کر آئے ہیں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کعبہ کا طواف کرتے وقت اہلِ مکہ سے کپڑے مستعار لے کر پہنیں اور اگر ان کے ہاں کپڑے دستیاب نہ ہوں تو وہ برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کریں۔ لیکن اگر کوئی مرد یا عورت انہی کپڑوں میں طواف کر لے جو گھر سے پہن کر آیا تھا تو طواف سے فارغ ہونے کے بعد اس پر لازم ہے کہ وہ ان کپڑوں کو اتار کر پھینک دے۔ ان پھینکے ہوئے کپڑوں کو کوئی اور بھی استعمال نہ کرے۔ وہ لوگ عرفات میں قیام کرتے، وہاں سے طواف افاضہ کرنے کے لیے مکہ

Marfat.com

مکرمہ آتے اور خانہ کعبہ کا مادر زاد برہنہ ہو کر طواف کرتے۔ اسی طرح عورتیں بھی ننگے ہو کر طواف کرتیں۔ اس طرح سے انہوں نے عمرہ اور حج کی عبادات کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔
(السیرۃ النبویہ جلد ا ص ۲۸۴)

اس سے اندازہ فرمائیے کہ جب اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر کا طواف کرتے ہوئے مرد و زن اتنی بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوں تو پھر اور کہاں وہ اپنے قلب و نگاہ کی عفت و عصمت کا مظاہرہ کرتے ہوں گے؟ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی لغو حرکات تھیں جو وہ اپنی عباداتی اور روزمرہ کی زندگی میں کرتے تھے۔

اخلاقی اعتبار سے بھی ان کے اندر بہت سی خرابیاں اور بیماریاں پیدا ہو چکی تھیں۔ اور ان کے اسباب واضح ہیں۔ شراب عام اور کھلے طور پر پی جاتی تھی بلکہ ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ اس بات کا تذکرہ ان کے ادبیات اور شاعری میں بہت جگہ پایا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس کے نام جس کثرت سے ہیں اور ان ناموں میں جن باریک فرقوں اور پہلوؤں کا لحاظ رکھا گیا ہے اس سے بھی اس کی مقبولیت اور عمومیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب المخصص الخمر جلد اا ص ۲۷ تا ۸۲ ابن سیدہ) شراب کی دکانیں بر سر راہ تھیں اور علامت کے طور پر ان پر پھریرا لہراتا۔ (سبع معلقات) جوا جاہلی زندگی میں بڑائی اور خوبی کی بات سمجھی جاتی تھی اور اس میں شرکت نہ کرنا اس معاشرہ میں پست ہمتی اور مردہ دلی کی دلیل سمجھا جاتا تھا۔ (دیوان الحماسہ قصیدہ حجر بن خالد) قتادہ کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص اپنے گھربار کو داؤ پر لگا دیتا تھا۔ پھر جب وہ ہار جاتا تو لٹا ہوا مال حسرت سے دوسروں کے ہاتھ میں دیکھتا تو اس کے دل میں نفرت اور عداوت کے جذبات کی آگ بھڑکتی اور بسا اوقات جنگ کی نوبت آتی جو کئی سالوں تک چلتی۔ (تفسیر طبری زیر آیت "انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوہ"

حجاز کے عرب اور یہودی سودی لین دین اور سود مرکب کا معاملہ کرتے۔ اس سلسلہ میں بڑی بے رحمی اور سخت دلی کے مظاہرے ہوتے۔ (تفسیر طبری جلد ۴ ص ۵۹ تا ۶۹) زنا کو کچھ زیادہ معیوب بات نہ سمجھا جاتا اور اس کے واقعات عربوں کی زندگی میں کمیاب نہ تھے۔ اس کے بہت سے اقسام اور طریقے معاشرہ میں رائج تھے۔ زنان بازاری اور پیشہ ور عورتوں کے اڈے بھی مختلف جگہوں پر موجود تھے اور مختلف شراب خانوں میں بھی اس کا انتظام موجود تھا۔ (العقد الفرید کتاب اخبار زیاد)

جاہلی معاشرہ میں عورت کے ساتھ ظلم و زیادتی اور بدسلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی۔ اس کے حقوق پامال کیے جاتے تھے بلکہ حقوق کچھ تھے ہی نہیں۔ اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے تھے اور اس کو مال میں سے کچھ حصہ نہ دیتے تھے۔ شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر سکے۔ (البقرہ: ۲۳۲) دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل

Marfat.com

ہوتی رہتی تھی۔ (النساء:۱۹) مرد اپنا پورا پورا حق وصول کرتا لیکن عورت کو کوئی حق نہ دیا جاتا۔ کھانے پینے کی بہت سی ایسی اشیاء تھیں جو مردوں کے لیے خاص تھیں اور عورتیں ان اشیاء سے یک قلم محروم تھیں۔ (الانعام:۱۴۰) عورتوں سے نکاح کے عجیب و غریب طریقے تھے۔ بخاری کی روایت کے مطابق قبل از اسلام نکاح کی مندرجہ ذیل چار صورتیں تھیں:

۱۔ نکاح کا ایک طریقہ تو یہی تھا جو آج کل رائج ہے۔

۲۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ اپنی منکوحہ بیوی سے مرد کہتا کہ جب تیرا حیض کا خون بند ہو جائے تو پاکی حاصل کرنے کے بعد تو فلاں مرد کے پاس چلی جا اور اس سے فائدہ حاصل کر یعنی اس غیر مرد سے ہم بستر ہو اور اتنی مدت شوہر اپنی اس عورت سے علیحدہ رہتا جب تک اس کی عورت کو غیر مرد کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا۔ چنانچہ جب غیر مرد کا حمل ظاہر ہو جاتا اب اگر شوہر کی خواہش ہوتی تو وہ اپنی بیوی کے پاس جاتا۔ ایسا جاہلیت میں اس لیے کرتے تھے کہ لڑکا نجیب ہو۔ اس کو "نکاح استبضاع" کہا جاتا تھا گویا "تخم" حاصل کرنے کا یہ ایک طریقہ تھا۔

۳۔ تیسری صورت یہ تھی کہ ایک عورت کے پاس متعدد مرد آتے اور لطف اندوز ہوتے، مگر ان کی تعداد دس سے کم ہوتی۔ عورت کو جب حمل ظاہر ہو جاتا اور بچہ پیدا ہوتا اور پیدا ہوئے کچھ روز گزر جاتے تو یہ عورت ان تمام مردوں کو قاصد کے ذریعہ بلا بھیجتی۔ کوئی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ جب سب اکٹھے ہو جاتے تو یہ عورت کہتی: تم اپنے معاملہ سے واقف ہو کہ میرے پاس وطی کے لیے آیا کرتے تھے۔ میرے بچہ پیدا ہوا ہے۔ اے فلاں شخص! یہ تیرا بچہ ہے، تم اپنی پسند سے اس کا کوئی نام رکھو۔ چنانچہ یہ لڑکا اس کا ہو جاتا تھا جس شخص کا عورت نام لیتی، مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

۴۔ کچھ عورتیں ایسی تھیں جن کے دروازوں پر جھنڈے گڑے رہتے۔ یہ بازاری پیشہ ور عورتیں تھیں۔ جس کا جی چاہتا ان کے پاس چلا جاتا۔ جب ان کے کوئی بچہ پیدا ہوتا تو تمام لطف اندوز ہونے والے جمع ہوتے اور قیافہ شناس بلایا جاتا اور وہ اپنے علم پر جانچ کر اس بچہ کو ان مردوں میں جس کا کہہ دیتا وہ بچہ اسی کا ہو جاتا۔ مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا ان صورتوں کو بیان کرنے کے بعد فرماتی ہیں کہ تمام ناجائز صورتوں کو سرکارِ دوعالم ﷺ نے بند فرما دیا اور موجودہ نکاح قائم رکھا۔ (ھدم نکاح الجاھلیۃ کلہ الا نکاح الناس الیوم) (بخاری جلد ۴، کتاب النکاح ص ۱۶۹)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جاہلیت میں عورتوں کی عصمت و عفت اپنی قدرتی قدر و قیمت سے محروم ہو چکی تھی۔ جہاں اپنی رضامندی سے شوہر ہی اپنی بیویوں کو اجنبی مردوں سے تخم حاصل کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے، اسی سے اندازہ فرمائیے کہ عورت کی عفت و عصمت کے متعلق جاہلی

Marfat.com

احساسات ودناءت ورذالت کی کن حدود کو پھلانگ چکے تھے۔ جاہلیت میں تو مرد یہ سمجھتا تھا کہ عورت مہر کے عوض میرے ہاتھ بک گئی ہے اور یہی وجہ تھی کہ شوہر کے مرنے کے فوراً بعد عورت مال متروکہ بن کر رہ جاتی تھی۔

مختصر یہ کہ صنف نازک مردوں کے ظلم وستم کا شکار بنی ہوئی تھی۔ مرد مرد نہیں بلکہ صنف نازک کے لیے جنگل کا درندہ تھا۔ عورت کا مقصد صرف نسل انسانی کی ترقی اور مرد کی خدمت کرنا رہ گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لڑکیوں کی پیدائش باعث ننگ وعار تھی۔ پیدا ہونے کے ساتھ ہی ان کو زندہ درگور کر دینا لوگوں نے اپنا وطیرہ افتخار و شرافت سمجھ رکھا تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں مختلف سورتوں میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو النحل :۷، زخرف :۲، التکویر :۱۰ وغیرہ)

ہیثم بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ زندہ درگور کرنے کا اصول عرب کے تمام ہی قبائل میں رائج تھا۔ ایک اس پر عمل کرتا، دس چھوڑتے تھے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک رہا جب تک کہ اسلام نہیں آیا۔

اس سلسلہ میں سنن دارمی میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر خدمت اقدس میں عرض کی "یا رسول اللہ! ہم لوگ جاہلیت والے تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے اور اپنی اولاد کو مار دیتے تھے۔ میری ایک لڑکی تھی۔ جب میں اس کو بلاتا تو وہ دوڑ کر میرے سامنے آتی۔ ایک روز وہ میرے بلانے پر خوشی خوشی دوڑی آئی۔ میں آگے بڑھا اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ جب ایک کنوئیں کے پاس پہنچا جو میرے گھر سے کچھ دور نہ تھا اور لڑکی اس کے قریب پہنچی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنوئیں میں پھینک دیا۔ وہ ابا ابا کہہ کر پکارتی رہی اور یہی اس کی زندگی کی آخری آواز تھی"۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اس کے اس پردرد افسانہ کو سن کر آنسو ضبط نہ کر سکے۔

اسی طرح قبیلہ بنی تمیم کے رئیس قیس بن عاصم جب اسلام لائے تو انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اپنے ہاتھوں سے آٹھ لڑکیاں دفن کی ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اے قیس! ہر لڑکی کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرو"۔ عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس اونٹ ہیں؟ فرمایا: "اے قیس! ہر لڑکی کے کفارہ میں ایک اونٹ قربانی کرو"۔ (تفسیر ابن جریر زیر سورہ اذا الشمس کورت) مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس جرم میں مردوں کی شریک تھیں۔ مائیں خود اپنی لڑکیوں کو اپنے ہاتھوں سے اس قربانی کے لیے حوالہ کرتی تھیں۔

لڑکیوں وغیرہ کا یہ قتل بعض لوگ ننگ وعار کی بنا پر کرتے اور بعض مفلسی وناداری کے ڈر سے اولاد کو مار دیتے۔ عرب کے بعض شرفا اور رؤسا ایسے موقعہ پر بچوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچاتے۔ (بلوغ الارب) چنانچہ مشہور شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ نے اس میں بڑا نام پیدا کیا۔ اسلام لانے کے بعد وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے: "یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ۳۶۰ لڑکیوں کو خرید کر

موت کے منہ سے بچایا ہے۔ کیا مجھ کو اس کا ثواب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں آپ کو ضرور ثواب ملے گا کیونکہ خدا نے تم کو مسلمان بنا کر تم پر احسان کیا ہے۔"

(ملاحظہ ہو تفسیر در منثور بحوالہ طبرانی تفسیر سورۃ اذا الشمس کورت کتاب الاغانی)

سیدنا عمر بن الخطابؓ کے چچا زید بن عمرو بن نفیل نے بھی ایسی کئی لڑکیوں کی پرورش فرمائی ہے۔

(بخاری جلد ا ص ۵۴۰)

اگر کوئی شخص کسی بچی کو زندہ رکھنا چاہتا تو وہ اس کو اون یا بالوں کا بنا ہوا جبہ پہناتا اور وہ سارا دن عرب کے تپتے ہوئے ریگزاروں اور چلچلاتی دھوپ میں بکریاں چراتی۔ اس کو اچھے کپڑے پہننے اور آرام دہ زندگی بسر کرنے کی ہرگز اجازت نہ تھی اور جس بچی کو قتل کرنا چاہتا اس کو بڑے ناز و نعم سے پالتا اور جب وہ چھ سات سال کی ہو جاتی تو اس کو جنگل میں کسی اندھے کنوئیں میں جا کر پھینک دیتا اور اس کے اوپر ریگ زار کی ریت ڈال دیتا' یہاں تک کہ وہ مر جاتی۔ یہ اتنی بڑی سفاکی تھی کہ اس کے تصور سے بھی روح انسانی کانپ جاتی ہے۔

یہ ایک نامکمل سی تصویر ہے اس جاہلیت کی جو سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعثت سے قبل تمام دنیا میں اور بالخصوص عرب میں تھی۔ اسی وجہ سے اس عہد کو "جاہلیت" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جاہلیت عمدہ کھانوں' عالیشان محلات' فرنشڈ کمروں' زرق برق لباس کے نہ ہونے کا نام نہیں۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی جاہلیت ہو سکتی ہے اگر انسانوں میں انسانی اقدار کا فقدان ہو۔ انسانیت اخلاق کی بلندی اور رعایت و شرافت کا نام ہے۔ سر بفلک محلات' عمدہ بنگلوں' لمبی لمبی کاروں' مرغن غذاؤں کا نام نہیں ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی ۲۳ سالہ نبوت کی زندگی میں ۸۱ جنگیں لڑیں۔ جن میں ۲۷ میں آپ خود شریک ہوئے۔ ان تمام غزوات میں (یعنی ۸۱ غزوات میں) کل ۱۰۱۸ آدمی ہلاک ہوئے۔ جن میں ۲۵۹ مسلمان اور باقی ۷۵۹ غیر مسلم تھے' لیکن دور حاضر کی دو جنگوں میں جو لوگ مارے گئے ان کی تعداد ۴ کروڑ کے قریب ہے۔ پہلی جنگ صرف چار سال رہی۔ اس میں مندرجہ ذیل ملکوں کے جو آدمی مارے گئے اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ روس	۱۷ لاکھ
۲۔ جرمنی	۱۶ لاکھ
۳۔ فرانس	۱۳ لاکھ ستر ہزار
۴۔ اٹلی	۴ لاکھ ساٹھ ہزار
۵۔ آسٹریا	۸ لاکھ
۶۔ برطانیہ	۷ لاکھ

Marfat.com

۷۔ ترکی	۲لاکھ پچاس ہزار
۸۔ بیلجیم	ایک لاکھ دو ہزار
۹۔ بلغاریہ	الاکھ
۱۰۔ رومانیہ	الاکھ
۱۱۔ سربیا و مانٹی نیگرو	الاکھ
۱۲۔ امریکہ	پچاس ہزار

دوسری جنگ عظیم کے مقتولین کی تعداد کچھ یوں ہے:

۱۔ روس	۲کروڑ دس لاکھ
۲۔ جرمنی	۶۰لاکھ سے سوا کروڑ تک
۳۔ پولینڈ	۹لاکھ
۴۔ چین	۳۰لاکھ
۵۔ جاپان	۲۷لاکھ سے ۶۰لاکھ تک
۶۔ آسٹریا	۷لاکھ
۷۔ رومانیہ	۷لاکھ
۸۔ فن لینڈ	ایک لاکھ تراسی ہزار ایک سو چھیاسٹھ
۹۔ چیکوسلاویکیہ	۶۰ہزار
۱۰۔ زیکوسلاویکیہ	۳۰لاکھ ۵۰ہزار
۱۱۔ امریکہ	۱۰لاکھ ستر ہزار
۱۲۔ برٹش امپائر (برطانیہ)	۱۴لاکھ ۳۰ہزار
۱۳۔ فرانس	۱۰لاکھ
۱۴۔ اٹلی	۱۱لاکھ
۱۵۔ یوگوسلاویہ	۱۶لاکھ ۸۵ہزار
۱۶۔ ہنگری	۶لاکھ
۱۷۔ ہالینڈ	۲لاکھ ۷۵ہزار
۱۸۔ بلجیم	۶۰لاکھ
۱۹۔ فلپائن	۳۰ہزار

Marfat.com

ان اعداد و شمار میں قیدیوں اور زخمیوں کی تعداد شامل نہیں اور نہ ہی ہندوستان اور کالونیوں کے لوگ شامل ہیں جنہوں نے اپنے اپنے ملکوں کی طرف سے جا کر محاذ جنگ پر اپنی جانیں قربان کیں۔

(اخبار کوثر ۹ ستمبر سنہ ۱۹۴۵ء)

اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں دنیا میں ایک غیر خونی انقلاب برپا کر دیا جب کہ موجودہ جاہلیت کے دور میں ۴ کروڑ انسانوں کو قتل کر کے بھی دنیا میں کوئی انقلاب نہ آیا بلکہ ایک بے مقصد جنگ ہوتی رہی جو کہ جاہلیت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔

Marfat.com

مکّہ المکرّمہ

سرکارِ دوعالم ﷺ کی بعثت اس شہر میں ہوئی جو ان کے جدامجد سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام نے بنایا تھا۔ قریباً چار ہزار سال پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بڑے بیٹے سیدنا اسماعیل کو ان کی والدہ ہاجرہ علیہما السلام کے ساتھ اس وادی غیرذی زرع میں بسایا تھا۔ پھر یہاں بیت اللہ کی تعمیر کی اور انہی سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی برکت سے یہاں زمزم کا چشمہ جاری اور برآمد ہوا۔ پھر یہاں قبیلہ جرہم آباد ہوا اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی شادی اسی قبیلہ میں ہوئی۔ تورات کی روایت کے مطابق سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی عمر ۱۳۷ سال ہوئی اور ان کے ہاں بارہ لڑکے پیدا ہوئے۔ شیخ محب الدین الخطیب نے بہت تحقیق و جستجو کے بعد ان کے یہ نام درج کیے ہیں: (۱) نابت (۲) قیدار (۳) یطور (۴) تیما (۵) دومہ (۶) مسمع (۷) قدمہ (۸) اوب ایل (۹) نفیس (۱۰) ہشام (۱۱) لھمیع (۱۲) حداد

پورے عرب کے حجازی قیدار اور نابت کی نسل سے ہیں۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام اپنی قوم کے سردار اور کعبہ کے متولی بھی تھے۔ اس وجہ سے قوم میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

مکہ پہاڑوں کے درمیان ایک پتھریلی زمین پر واقع تھا۔ نہایت چھوٹا سا شہر، زمین پتھریلی، راستے مسدود، وسائل حیات نہایت محدود، اس وجہ سے ان کے صرف ایک بیٹے کے سوا باقی گیارہ صاحبزادے ادھر ادھر مختلف علاقوں میں جا کر رہائش پذیر ہو گئے۔ ("سیرت ابن ہشام" جلد ۱، ص ۲۷) سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے انتقال کے بعد یہی ایک صاحبزادہ نابت ان کا جانشین اور کعبہ کا متولی مقرر ہوا۔ پھر کئی صدیوں تک ان کی اولاد اس خانہ خدا کی متولی رہی اور علاقے کا سیاسی اقتدار بنو جرہم کے ہاتھوں میں رہا۔ بنو جرہم اگرچہ اولاد اسماعیل کے ننھیال تھے اور مکہ کی سیاسی زمام کے بلاشرکت غیرے مالک و مختار تھے، لیکن ایک وقت وہ بھی آیا کہ ان کو اولاد اسماعیل کی اس مرکز توحید کی تولیت بھی گوارا نہ ہوئی۔ چنانچہ

Marfat.com

انہوں نے اولادِ اسماعیل کو مکہ سے نکال دیا اور خانہ کعبہ کی تولیت پر بھی قابض ہو گئے، اور دوسرے لوگوں پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔

قرآن حکیم میں مکہ کا نام بکہ آیا ہے (۹۶:۳) ابن ہشام نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ "اس کا نام بکہ اسی لیے ہوا کہ یہ جابر اور ظالم حکمرانوں کی گردنیں توڑ دیتا ہے جب وہ اس سرزمین پر ظلم کرتے ہیں"۔ ("سیرت ابن ہشام" جلد ۱، ص ۷۳)

چنانچہ بنو جرہم نے جب اولادِ اسماعیل اور اہلِ مکہ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیئے تو اللہ تعالیٰ نے بنو خزاعہ کے مورثِ اعلیٰ کو ان کی سرکوبی کے لیے ان پر مسلط کر دیا۔ چنانچہ عمرو بن لحی جو یمن کا ایک چالاک سردار تھا آگے بڑھا۔ اس نے بنو جرہم کو مکہ سے نکال باہر کیا اور پھر اس کے اخلاف بنو خزاعہ قریباً پانچ سو سال سرزمین مکہ کے حکمران رہے۔ یہی عمرو بن لحی ہے، جس نے بعد میں سرزمین حجاز میں بت پرستی کو رواج دیا اور شام سے ہبل نامی بت لا کر اس کو خانہ کعبہ کے وسط میں نصب کر دیا اور پھر آنے والی نسلوں نے بے شمار بتوں کو اپنا معبود بنا لیا، جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

عمرو بن لحی عرب جاہلیت کا بادشاہ تھا اور خانہ کعبہ کا متولی۔ اس کا تعلق قبیلہ خزاعہ سے تھا۔ خزاعہ میں سے پہلا شخص جو بیت اللہ کا متولی ہوا وہ ربیعہ بن حارث بن عمرو بن عامر تھا۔ اسی ربیعہ کو لحی کہا جاتا تھا۔ ("تاریخ مکہ" الازرقی، جلد ۱، ص ۶۰)

ربیعہ یعنی لحی کے بعد عمرو بن لحی سربراہ بنا۔ اس نے ترقی کر کے خود مختار پادشاہ کا مقام حاصل کر لیا۔ قبیلہ خزاعہ قریباً پانچ سو سال تک بیت اللہ کا متولی رہا۔ ("تاریخ مکہ"، جلد ۱، ص ۵۵) بعض نے تین سو سال لکھا ہے۔ عمرو بن لحی جاہلیت میں بڑا معزز و محترم تھا۔ وہ جو حکم اور جو بدعت جاری کرنا چاہتا لوگ اسے بے چون و چرا تسلیم کر لیتے تھے۔

عمرو بن لحی پہلا شخص ہے جس نے دینِ ابراہیمی کو تبدیل کیا اور متعدد بدعات اور شرکیہ رسوم عرب جاہلیت میں جاری کرائیں اور یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے مکہ مکرمہ میں اور عرب میں بت پرستی شروع کرائی اور تلبیہ جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ایک ہی طریقہ پر جاری تھا، اس میں مشرکانہ الفاظ کا اضافہ کیا۔

حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ یہ ایک بار ملک شام کے سفر پر گیا۔ وہاں ارض بلقاء میں مقام مآب پر قوم عمالیق کو دیکھا جو بتوں کی عبادت کرتی تھی۔ اس نے ان سے پوچھا یہ بت کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ بت ہیں جن کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ جب ان سے بارش طلب کرتے ہیں تو یہ بارش برساتے ہیں اور جب ان سے مدد چاہتے ہیں تو یہ ہماری مدد کرتے ہیں۔ اس نے کہا: کیا ان میں سے ایک بت مجھے نہیں دے دیتے تاکہ میں اس کو عرب کی سرزمین میں لے جاؤں اور وہ اس کی عبادت کریں۔ چنانچہ

Marfat.com

انہوں نے ہبل نامی ایک بت اسے دے دیا۔ وہ اسے اپنے ساتھ مکہ لے آیا اور اسے ایک جگہ نصب کر کے لوگوں کو اس کی عبادت کا حکم دے دیا۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۲، ص ۱۸۸)

پھر کچھ عرصہ کے بعد اس نے تلبیہ ابراہیمی کو بھی بدل دیا اور بیت اللہ کے ارد گرد کئی بت نصب کر دیئے۔ اسی عمرو بن لحی کو بخاری کی روایت کے مطابق سرکارِ دو عالم ﷺ نے دیکھا کہ جہنم میں اپنی آنتوں کو کھینچ رہا ہے۔ (بخاری مع فتح الباری، جلد ۶، ص ۵۴۷، حدیث نمبر ۳۵۲۱، مسلم، جلد ۲، ص ۹۶۲۲، حدیث نمبر ۹۰۴، مسند احمد، جلد ۲، ص ۲۷۵، ص ۳۶۶، جلد ۳، ص ۳۱۸، ص ۳۵۳، ص ۳۷۴، جلد ۵، ص ۱۳۷) جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "روض الانف" جلد ۱، ص ۶۲، "مروج الذہب" جلد ۲، ص ۵۶، "تاریخ مکہ" ازرقی، جلد ۱، ص ۵۵-۹۰، "سیرت ابن ہشام" جلد ۱، ص ۶۸۔

Marfat.com

حسب و نسب

انبیاء علیہم السلام بڑے عالی نسب ہوتے ہیں- خود سرکارِ دو عالم ﷺ بھی تمام قریش میں اعلیٰ نسب کے مالک تھے- چنانچہ ابو سفیانؓ نے بھی حالت کفر میں قیصر روم کے دربار میں یہ اقرار کیا کہ

ھو فینا ذو نسب- "وہ ہم میں بڑے نسب والا ہے"

حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" میں روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے:

ھو فی حسب مالا یفضل علیه احد، قال ھذه آیه

"حسب و نسب میں ان سے بڑھ کر کوئی نہیں- قیصر نے کہا یہ بھی ایک نشانی ہے (کہ وہ اللہ کا رسول ہے) ("فتح الباری"، جلد ۸، ص ۱۶۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں قریباً بیس پشت کے بعد ایک شخص نضر پیدا ہوا- زرقانی نے لکھا ہے کہ ان کا اصل نام تو قیس تھا- نضر اس لیے کہتے تھے کہ وہ بڑے حسین و جمیل تھے، اور نضر "نضارۃ" سے مشتق ہے اس کے معنی رونق اور تر و تازگی کے ہیں-

(زرقانی "شرح المواہب"، جلد ۱، ص ۷۷)

نضر کے والد کا نام کنانہ تھا- ان کے علم و فضل کی وجہ سے دور دراز کے لوگ ان کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے- انہی کنانہ کے بارہ میں ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا:

"اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ کیا"-

("البدایہ والنہایہ"، جلد ۲، ص ۳۵۶)

Marfat.com

اسی نضر بن کنانہ کی اولاد کو "قریش" کہتے ہیں۔ بعض احادیث بھی اس کی موید ہیں اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ قریش ایک بحری جانور کا نام ہے جو اپنی قوت و طاقت کی وجہ سے سب جانوروں پر غالب رہتا ہے۔ وہ جس جانور کو چاہتا ہے کھالیتا ہے لیکن اس کو کوئی نہیں کھا سکتا۔ اسی طرح قریش بھی اپنی شجاعت و بہادری کی وجہ سے سب پر غالب رہتے، اس لیے قریش کے نام سے موسوم ہوئے۔

("زرقانی"، جلد ۱، ص ۷۵، "فتح الباری"، جلد ۶، ص ۳۸۸، "عمدۃ القاری"، جلد ۷، ص ۴۸۶)

قریش کے قریش کہلانے کی علماء نے اور بھی کئی وجوہات لکھی ہیں، جن میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ قریش کا لفظ "تقرش" سے ماخوذ ہے اور تقرش کا مطلب ہے تجارت کرنا اور کاروبار کرنا، چونکہ یہ خاندان تجارت اور کاروبار کرتا تھا اور موسم سرما اور موسم گرما میں اس کے تجارتی قافلے دور دراز کے ملکوں تک جاتے تھے، اس وجہ سے یہ خاندان "قریش" کے نام سے مشہور ہوا۔

(روض الانف جلد ۱ ص ۱۱۶، السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۱ ص ۸۷)

حافظ ابن کثیرؒ نے قریش کی ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ "تقرش" کے معنی ہیں تلاش و جستجو کرنا اور کھوج لگانا۔ ابن کلبی کا بیان ہے کہ نضر بن کنانہ لوگوں سے ان کی ضروریات زندگی کے بارے میں اکثر پوچھتا رہتا تھا اور انہیں معلوم کر کے پھر اپنے مال و دولت سے ان کی ان ضروریات کو پورا کرتا تھا۔ اس لیے لوگ اسے قریش کہنے لگے۔ علاوہ ازیں نضر بن کنانہ کی اولاد بھی حجاج کرام کے پاس ان کی خیریت معلوم کرتی اور ان کی ضروریات کے بارے میں حج کے دوران ان سے پوچھتی اور پھر اپنے مال و دولت سے ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کرتی، لہٰذا وہ قریش کے نام سے مشہور ہوئے۔

(السیرۃ النبویہ جلد ۱ ص ۸۷، طبری جلد ۲ ص ۱۸۷)

امام بیہقیؒ سے مروی ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے ایک مرتبہ سیدنا ابن عباسؓ سے پوچھا کہ قریش کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ قریش ایک عظیم اور قوی جثہ بحری جانور کا نام ہے، وہ ہر چھوٹے بڑے جانور کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ سیدنا معاویہؓ نے جب ان سے کوئی استشہاد اور دلیل پوچھی تو انہوں نے چار شعر سنائے جن میں سے دو یہ ہیں:

وقریش هی التی تسکن البحر
بها سمیت قریش قریشا
تاکل الغث و السمین لا
تترکن لذی جناحین ریشا

یعنی قریش ایک بحری جانور ہے، اس وجہ سے قریش قبیلہ کو قریش کہتے ہیں۔ وہ ہر چھوٹے بڑے جانور کو کھا جاتا ہے اور کسی بازوؤں والے کے پر تک کو نہیں چھوڑتا۔ (السیرۃ النبویہ جلد ۱ ص ۸۸)

Marfat.com

ان وجوہات کے علاوہ اور بھی کئی وجوہات علماء نے بیان کی ہیں۔

قصی

نضر بن کنانہ کی آٹھویں پشت میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام قصی تھا۔ یہ قصی عرفی نام تھا اصل نام زید تھا۔ باپ کا نام کلاب اور ماں کا نام فاطمہ بنت سعد۔ قوم نے قصی کو "مجمع" کا خطاب دیا تھا کیونکہ انہوں نے قریش کے متفرق اور پراگندہ قبائل کو مکہ میں جمع کیا تھا اور اس اتحاد و اتفاق کے ذریعہ ان میں ایک قوت پیدا کی۔ ("زرقانی" جلد ۱، ص ۷۳)

قصی طفولیت ہی میں باپ کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے۔ ماں نے قبیلہ بنو عذرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے دوسرا نکاح کر لیا۔ "طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۷۳ میں ہے کہ بنو عذرہ شام کے قریب سرغ میں آباد تھے۔ قصی نے یہیں پرورش پائی۔ جب ہوش سنبھالا تو وطن اور نسل کی جستجو دل کی گہرائیوں میں اٹھکیلیاں لینے لگی۔ جب وطن و نسل کا پتہ چلا تو یہ مکہ پہنچے۔ بڑے بھائی زہرہ سے ملاقات ہوئی۔ وہ چونکہ بوڑھا ہو چکا تھا اور اس کی بینائی بھی جا چکی تھی، لہٰذا مدت کے بچھڑے ہوئے اس بھائی کو اس نے بہت مشکل سے پہچانا۔ چنانچہ بعض کا بیان ہے کہ زہرہ نے دو نشانیوں سے بھائی کو پہچانا۔ ایک تو اس کی آواز سے اور دوسرے بدن کے بالوں سے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "طبقات ابن سعد"، جلد ۱، ص ۷۳)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ بنو جرہم کو بنو خزاعہ نے ان کے ظلم و ستم کے باعث سرزمین مکہ سے نکال باہر کیا اور خود مکہ پر قابض ہو گئے۔ قصی جب مکہ آئے تو خانہ کعبہ کے متولی حلیل بن حبشیہ نے اپنی لڑکی کا نکاح قصی سے کر دیا۔ ("البدایہ والنہایہ"، جلد ۲، ص ۲۱۰)

حلیل نے مرتے وقت اپنی لڑکی کو بیت اللہ کا متولی اور ایک اور شخص ابو غبشان، جس کا اصل نام سلیم بن عمرو تھا، کو اس کا نائب بنا دیا۔ ابو غبشان شراب کا بہت دلدادہ تھا۔ شراب کی بدمستی میں قصی نے ابو غبشان سے ایک شراب کے مشکیزے کے بدلہ میں خانہ کعبہ کی نیابت اور جملہ اختیارات جو اسے حاصل تھے، خرید لیے۔

بنو خزاعہ کے سرداروں کو یہ بات بالکل نہ بھائی کہ ان کے غیر قبیلے کا ایک شخص کعبہ کا متولی ہو، لہٰذا انہوں نے جبر کے ساتھ اس تولیت نامہ کو منسوخ کرنا چاہا، لیکن قصی نے قریش کے منتشر لوگوں کو جمع کیا، مزید کمک اپنے ننہالی قبیلہ بنو قضاعہ سے لی اور کچھ مدد اپنے حلیف قبائل سے حاصل کی اور اس طرح ایک مضبوط قبائلی محاذ قائم کیا۔ کئی مرتبہ خونریز مقابلے بھی ہوئے آخر معاملہ ثالث کے سپرد ہوا۔ چنانچہ یعمر بن عوف ایک نہایت دانشور اور دانشمند اور زیرک و صاحب الرائے شخص کو فریقین نے ثالث تسلیم کر

Marfat.com

لیااور اس نے حسب ذیل فیصلہ کیا:

"مکہ کے نظم و نسق اور کعبہ کی تولیت کا مستحق قصی ہے۔ بنو خزاعہ چونکہ حملہ آور ہیں لہٰذا یہ مکہ کی سرزمین کو خالی کردیں۔ ان کا یہ اقدام غلط تھا لہٰذا جتنے آدمی ان کے اور ان کے حلیف قبائل کے مارے گئے ہیں، ان کا کوئی معاوضہ نہیں ہے، البتہ قصی اور ان کے حلیفوں کے جتنے لوگ مارے گئے ہیں، ان کی دیت بنو خزاعہ ادا کریں۔"

اس فیصلہ سے ثالث یعمر بن عوف کا لقب "شداخ" پڑ گیا جس کا مطلب ہے "معاوضہ خون کو ساقط کرنے والا"۔

("سیرت ابن ہشام"، جلد ا، ص ۷۸، سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ا، ص ۳۲۴، السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان، ص ۲۳)

قصی نے قریش کے متفرق اور منتشر لوگوں کو ایک مرکز پر جمع کیا تھا اس وجہ سے ان کا لقب "مجمع" پڑ گیا۔ چنانچہ حذافہ بن غانم عدوی نے ایک مرتبہ ابو جہل کو مخاطب کر کے کہا تھا:

ابوکم قصی کان یدعی مجمعا   بہ جمع اللہ القبائل من فہر

("طبقات ابن سعد"، جلد ا، ص ۴۰، سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ا، ص ۳۲۴)

بنو اسماعیل کی اولاد کو قصی کے ذریعہ کئی ہزار سال کے بعد مکہ پر سیاسی اقتدار حاصل ہوا۔ قصی نہایت زیرک اور دانشمند آدمی تھے، اس وجہ سے انہوں نے مختلف قبائل کے ساتھ ایک سیاسی رابطہ قائم رکھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے بنو خزاعہ کے ساتھ اس جنگ میں قصی کو بازنطینی شہنشاہ (قیصر روم) کی حمایت بھی حاصل تھی اور ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ قیصر نے قصی کو کمک بھی پہنچائی۔

("المعارف"، ص ۲۱۵)

قصی نے نہ صرف بیرونی دنیا میں اپنے سیاسی روابط قائم کیے بلکہ اندرون مکہ بھی نہایت پلاننگ سے کام کیا۔ قصی سے پہلے اہل مکہ بیت اللہ کے قریب اپنے مکان نہیں بناتے تھے یا خانہ کعبہ کے قریب رات کو آرام کرنے کو وہ بہت بڑی بے ادبی اور گستاخی تصور کرتے تھے۔ چنانچہ شہر کی آبادی بیت اللہ سے کچھ دور نشیبی حصہ میں تھی۔ اب قدرتی بات ہے کہ جب آبادی بیت اللہ کے نزدیک نہ تھی تو انسانوں کے بجائے درختوں کے ہجوم نے خانہ کعبہ کے احاطہ کو گھیر رکھا تھا۔ سب طرف کیکر کے درخت اور بیریاں تھیں۔ خود انسانوں کی رہائش کا علاقہ تنگ ہو گیا تھا اس کی توسیع کی ضرورت تھی۔ بیت اللہ کے اردگرد درختوں کے ہجوم کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس علاقہ (حرم) میں خودرو درخت کا کاٹنا ممنوع تھا۔

قصی نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی تعمیر نو کا منصوبہ بنایا۔ لوگ اس جنگل کو کاٹنے سے بہت ڈرتے تھے جو خانہ خدا کے اردگرد پیدا ہو گیا تھا کیونکہ ان کے عقیدہ میں اس کو کاٹنا ایک بہت بڑا گناہ تھا۔

چنانچہ قصی نے سب سے پہلے خود کلہاڑا چلایا اور لوگوں کو یہ کہا کہ بے شک درخت کاٹنے ممنوع اور ناجائز ہیں لیکن ان درختوں کے کاٹنے سے ہمارا مقصد آبادی ہے بربادی نہیں، تعمیر ہے تخریب نہیں۔ لوگ قصی کی اس بات سے مطمئن ہو گئے۔ درختوں کو کاٹنے کے بعد اس نے ایک نقشہ کے مطابق شہر کی تعمیر شروع کی۔ خالی اراضی کے پلاٹ بنائے اور قریش کے ہر ایک خاندان کو ایک پلاٹ دے دیا۔ دوسرے لفظوں میں ہر قبیلہ کی الگ الگ کالونی آباد کر دی۔

("سیرت ابن ہشام"، جلد ۱، ص ۷۹، "طبقات ابن سعد"، جلد ۱، ص ۴۱)

قصی نے قریش کے ذہنوں سے اس عقیدے کو بھی ختم کیا کہ بیت اللہ کے قریب مکان نہ بنائے جائیں۔ اس نے قریش کے کچھ خاندان یہاں آباد کیے البتہ انہیں یہ ہدایت کر دی کہ کعبہ کے قریب دوسری منزل تعمیر نہ کی جائے۔ ("تاریخ مکہ"، احمد السباعی، ص ۴۴)

اس سے قبل شہر کی آبادی کعبہ سے کچھ فاصلہ پر تھی اور اس حصے کو "مسفلہ" کہتے تھے اور اس کے بالمقابل بلند حصے کو "معلات" کہتے تھے۔ کعبہ اسی حصہ میں تھا۔ بعض مورخین نے مکہ اور بکہ کے درمیان یہ فرق کیا ہے یہ "بکہ" وہ بلند حصہ ہے جس میں بیت اللہ اور مکہ پورا شہر یا وہ حصہ جس میں شہر آباد ہے۔ ("معجم البلدان" لفظ بکہ) بعض کے نزدیک اس حصہ کو بکہ اس لیے کہتے تھے کہ اس میں زائرین کا ہجوم رہتا تھا۔

قصی نے نہایت اعلیٰ پلاننگ کے ساتھ اس شہر کو آباد کیا۔ بیت اللہ شہر کے درمیان میں آ گیا۔ اس کے گردونواح میں بہت وسیع میدان چھوڑ دیا گیا۔ کالونیوں کے درمیان میں راستے رکھے گئے جو بیت اللہ کے میدان پر آ کر ختم ہوتے تھے۔ ان میں وہ شاہراہ بھی تھی جس کو "طریق ابن شیبہ" کہا جاتا تھا۔ یہ شاہراہ سب سے زیادہ چالو اور وسیع تھی اور یہ پرانی اور نئی آبادی کو بھی آپس میں ملاتی تھی۔ ایک شاہراہ باب صفا سے شروع ہو کر جنوب کی طرف باب اجیاد تک جاتی تھی۔ اسی راستہ پر سقیفہ بنی ساعدہ تھا۔ اسی شاہراہ کے قریب وہ مکان بھی تھا جو بعثت سے قبل سائب بن ابی السائب کی شرکت میں تجارت کرنے کے لیے سرکارِ دوعالم ﷺ نے کرایہ پر لیا تھا۔ قصی نے کعبہ کے سامنے اپنا ایک مکان بنوایا۔ اس کا صدر دروازہ کعبہ کی طرف رکھا گیا۔ اس کو آپ نے قومی کاموں کے لیے عام کر دیا اور اس کا نام "دارالندوہ" رکھا۔ (تاریخ مکہ، احمد السباعی، ص ۱۶)

دارالندوہ ایک وسیع و عریض عمارت تھی جس کا دروازہ حرم میں کھلتا تھا۔ اس میں ہر تقریب پر اہلِ مکہ کے نمائندے جمع ہوتے اور باہمی مشورہ سے مختلف مسائل کا حل تلاش کرتے اور پیش آمدہ سیاسی، معاشرتی، معاشی اور عمرانی مسائل پر گفتگو کرتے۔

اسی دارالندوہ میں مختلف سماجی تقریبات کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔ نکاح اور ختنہ وغیرہ کی تقریبات

Marfat.com

یہیں منائی جاتی تھیں۔ قریش کی جب کوئی لڑکی سن بلوغت کو پہنچتی تو اس کو یہاں لایا جاتا اور قوم کے بزرگ اسے اوڑھنی اوڑھاتے اور اسے پردہ کا حکم دیتے۔

قصی نے اپنی قوم میں جو انقلاب پیدا کیا اس نے پوری قوم کی نظروں میں اس کی عزت و وقار کو بلند کردیا۔ اس کی عظمت قوم کے دلوں کی گہرائیوں میں پہنچ گئی اور لوگ اس سے برکت حاصل کرنے لگے۔ اس کا قول قانون کی حیثیت رکھنے لگا یہاں تک کہ اس کے انتقال کے بعد بھی اس کے قول کی وہی تعظیم کی جاتی تھی جیسا کہ یہ ایک مذہبی حکم ہو۔

("ابن ہشام"، جلد ۱، ص ۷۸، "طبقات ابن سعد"، جلد ۱، ص ۳۹)

قوم کے قلوب میں اپنی اتنی عظمت کے باوجود قصی نے نہ تو تاج شاہی سر پر پہنا اور نہ ہی اپنے کو ڈکٹیٹر کی حیثیت سے قوم کے سامنے پیش کیا بلکہ ہر کام میں وہ مشورہ کرتا اور اسی لیے اس نے "دارالندوہ" (کمیٹی گھر) بنایا۔ مختلف فرائض مختلف قبائل میں تقسیم کیے اور ان کو ان فرائض کا ذمہ دار بنایا۔

مذہبی لحاظ سے قصی سیاست کے تابع تھے۔ اس وقت بت پرستی اگرچہ مکہ میں عام نہ ہوئی تھی لیکن دین ابراہیمی کا علم بردار ہونے کے بجائے بت پرستی کی طرف مائل تھا۔ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے:

"بیت اللہ اگرچہ اس کی تولیت و تحویل میں آگیا مگر بتوں کی پوجا، خانہ کعبہ کے گرد نئی مورتیاں رکھنے، بتوں کے نام پر قربانیاں دینے اور چڑھاوے چڑھانے اور ان تمام بری رسموں میں جو بنو خزاعہ نے جاری کی تھیں، وہ ان کا تابع تھا"۔

("البدایہ والنہایہ"، جلد ۲، ص ۲۰۷)

لیکن اس کے ساتھ قصی بڑا دانا اور حکیم تھا۔ اس کے کلمات حکمت مختلف کتابوں میں ملتے ہیں۔ مرتے وقت اس نے اپنے بیٹوں کو جو وصیت کی تھی وہ بھی حکمت آمیز ہے۔ کہا تھا:

"شراب سے پرہیز کرنا، وہ بدن کو درست رکھتی ہے اور ذہن کو خراب کرتی ہے"۔

"جس نے کسی سفلہ مزاج شخص کا احترام کیا وہ بھی اس کی کمینگی میں حصہ دار ہے"۔

("السیرت النبویہ" زینی دحلان، جلد ۱، ص ۸)

قصی نے نہ صرف مکہ شہر کی تعمیر نو کی بلکہ اہل مکہ کے لیے جدید تنظیمات بھی قائم کیں تاکہ نہایت نظم و ضبط کے ساتھ ان کی زندگی گزرے۔ ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ چوپالیں بنائیں جن میں سلسلہ نسب کے بارہ میں اگر کوئی اعلان ہوتا تو وہ کیا جاتا۔ عقد موالات (قبیلہ میں داخل کرنے کا ایک خاص قاعدہ اور رواج)، خرید و فروخت کے معاملات، تفریحی مجالس اور ڈرامے وغیرہ ہوتے۔ نظم و نسق کے لحاظ سے یہ چوپال (نادی) قبیلہ کی ہیئت حاکمہ کی اجتماعی طاقت ہوتی۔ اس "نادی" کے ساتھ ایک اعلان

Marfat.com

کرنے والا بھی ہوتا۔

پورے شہر کے مرکزی نظام کے لیے ایک "دار الندوہ" قائم کیا۔ اس کے ارکان قبائلی مجالس (نادی) کے شیوخ ہوتے تھے۔ دار الندوہ میں وہی لوگ شریک ہو سکتے تھے جن کی عمر کم از کم چالیس سال ہوتی تھی لیکن قصی کی اولاد اس شرط سے مستثنیٰ تھی۔ بعد میں اس استثناء میں توسیع کی گئی چنانچہ ابو جہل اپنی جودت رائے کی وجہ سے تیس سال کی عمر ہی میں اس کا رکن بن گیا۔ ("کتاب الاشتقاق"، ص ۹۷)
اسی طرح حکیم بن حزامؓ کو پندرہ بیس سال کی عمر میں یہ عزت حاصل ہو گئی۔
("تاریخ دمشق" لابن عساکر، جلد ۴، ص ۴۱۹)

اس دار الندوہ میں مختلف قومی امور کے بارہ میں مشورہ ہوتا تھا۔ تجارت کے قافلے بھی یہیں سے روانہ ہوتے اور واپس آ کر پہلے اسی دار الندوہ میں اترتے۔ تجارتی معاہدے، مدافعتی تدابیر اور بیرونی مہمانوں کا استقبال بھی یہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں قومی ملکیت کی چیزیں بھی یہیں محفوظ کر دی جاتی تھیں۔
("سیرت ابن ہشام" جلد ۱، ص ۷۹، "طبقات ابن سعد"، جلد ۱، ص ۳۹)

خانہ کعبہ کی تولیت سنبھالنے کے بعد تمام مناصب اور شعبے قصی کی ذات میں مرکوز تھے۔ جیسے حجابت، سقایت اور دار الندوہ وغیرہ، لیکن قصی نے ان عہدوں اور مناصب کی مرکزیت کو اپنی ذات سے ختم کر کے انہیں مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ حجابت، سقایت، رفادت، عمارت (بیت اللہ کی تعمیر و مرمت) لواء، اعنہ وغیرہ مناصب مختلف قبائل کے سپرد کر کے ان کو ان کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اس طریقہ سے انہیں اور اپنا گرویدہ بنا لیا۔

قصی کی اولاد

قصی کے چار لڑکے تھے: عبد الدار، عبد مناف، عبد العزیٰ اور عبد القصی اور دو لڑکیاں تھیں تمر اور برہ۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۳۹)

قصی کی اولاد میں اگرچہ اس کا دوسرا لڑکا عبد مناف عقل و خرد اور اصابت رائے میں خاص امتیاز رکھتا تھا لیکن مذہبی اور سیاسی اختیارات قصی کے بعد اس کے بڑے بیٹے عبد الدار اور اس کی اولاد کے ہاتھ میں تھے۔ حالانکہ عبد الدار اور اس کی اولاد کو عبد مناف اور اس کی اولاد کے ساتھ فرزانگی و سیاست وغیرہ میں کوئی نسبت نہ تھی۔ قصی کے انتقال کے بعد اکابر قریش نے انتہائی ضبط و تحمل سے کام لے کر ان حالات کو برداشت کیا۔ اشراف قریش عبد مناف کو پسند کرتے تھے۔ اس وجہ سے تولیت کعبہ عبد الدار کی بجائے عبد مناف اور اس کی اولاد کے ہاتھوں میں دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک زمانہ تک تو یہی حالت رہی لیکن عبد مناف کی رحلت کے بعد عبد الدار کی اولاد سے کعبہ کی تولیت چھین لینے کا قصد کیا، چنانچہ ان دونوں

Marfat.com

خاندانوں میں اس مقصد کے لیے ایک نزاع اور کشیدگی کی صورت حال پیدا ہو گئی۔
اس زمانہ میں قبیلہ قریش کے مندرجہ ذیل بارہ بطون مکہ مکرمہ میں آباد تھے۔

۱۔	سرکارِ دوعالم ﷺ کا خاندان	بنو عبد مناف
۲۔	کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ کا خاندان	بنو عبد الدار
۳۔	سیدنا صدیق اکبرؓ کا خاندان	بنو تیم بن مرہ
۴۔	سیدنا عمر فاروقؓ کا خاندان	بنو عدی بن کعب
۵۔	سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کا خاندان	بنو حرث بن فہر
۶۔	سیدنا خالد بن ولیدؓ کا خاندان	بنو مخزوم بن یقظہ بن مرہ
۷۔	سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کا خاندان	بنو زہرہ بن کلاب
۸۔	سیدنا زبیر بن عوامؓ کا خاندان	بنو اسد بن عبد العزیٰ بن قصی
۹۔	دشمن رسول ابو جہل کا خاندان	بنو عامر بن لوی
۱۰۔		بنو محارب بن فہر
۱۱۔		بنو سہم بن عمرو
۱۲۔		بنو جمح بن عمرو

چنانچہ بنو عبد مناف نے اپنے خیر خواہوں اور ساتھیوں کو اس نزاع کو ختم کرنے کے لیے جمع کیا اور اس مہم کے انتظام و انصرام کے لیے عبد مناف کا بڑا بیٹا عبد شمس جو سیدنا ابو سفیان بن حربؓ کا پردادا تھا اور سرکارِ دوعالم ﷺ کے پردادا ہاشم کا حقیقی بھائی تھا، منتخب کیا گیا۔ بنو تیم، بنو اسد بن عبد العزیٰ، بنو زہرہ بن کلاب اور بنو حرث بن فہر نے عبد شمس کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ بنو سہم، بنو جمح، بنو عدی اور بنو مخزوم نے عبد الدار کی اولاد کا ساتھ دیا اور بنو محارب اور بنو عامر غیر جانب دار رہے۔ اب فریقین اور ان کے حلفاء ایک دوسرے سے نبرد آزما ہونے کے لیے میدان میں نکلے، قریب تھا کہ دونوں طرف سے تلواریں نیام سے نکل پڑیں اور ایک خونریز جنگ کی صورت ہو جائے کہ بعض خیر اندیش اور بہی خواہ اور صلح پسند حضرات نے درمیان میں پڑ کر فریقین کو مصالحت پر آمادہ کر لیا۔ کئی روز کی ردو کد کے بعد فریقین اس بات پر راضی ہو گئے کہ عبد مناف کی اولاد سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام) اور رفادہ (حاجیوں کی مہمان داری کا اہتمام) کی متولی رہے اور عبد الدار کی اولاد کو مجاورت اور لوائے حرب کی خدمات سپرد کر دی جائیں۔ (ابن خلدون، الم جلد الثانی ص ۶۸۹)

غرض اس طرح خانہ کعبہ کی کنجی (کلید برداری) عبد الدار کی اولاد کے پاس رہ گئی۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کے زمانہ میں کلید بردار کعبہ سیدنا عثمان بن طلحہؓ بن عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد الدار، عبد الدار کی

Marfat.com

اولاد میں سے تھے اور آج بھی کلید برداری کا یہ عہدہ اسی خاندان میں ہے۔

عبد مناف اپنی غیر معمولی سخاوت اور سیاسی بصیرت اور معاملہ فہمی کی وجہ سے اپنے والد کے بعد یہ اپنی قوم کے سردار مقرر ہوئے، چنانچہ ایک شاعر نے ایک شعر کہا ہے جس میں اس نے حقیقت کی ترجمانی کی ہے کہ:

"قریش ایک انڈہ کی مانند ہیں۔ اگر اسے پھوڑا جائے تو اس کا جوہر عبد مناف ہیں۔"

علامہ سہیلی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ان کا نام "عبد مناف" کیوں تھا؟ علامہ فرماتے ہیں:

"مناف کا وزن مفعل ہے۔ یہ اناف۔ نیف نافتہ سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے بلند و بالا۔ یہ چونکہ اپنے فضائل و مناقب اور خصائل و مکارم کی وجہ سے اپنی قوم اور معاصرین میں بلند و بالا تھے، اس وجہ سے انہیں عبد مناف کہا جاتا تھا۔"

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۱ ص ۳۲۰)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عبد مناف کا نام مغیرہ تھا۔ یہ نہایت حسین و جمیل تھے۔ اس وجہ سے لوگ انہیں "قمر البطحاء" بھی کہتے تھے جس کا معنی ہے "سنگستان مکہ کا چاند"۔

("زرقانی"، جلد ۱، ص ۷۳، "روض الانف"، جلد ۱، ص ۶)

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ "وہ صاحب شوکت اور شرف و بزرگی میں بلند مقام کے حامل تھے"۔

عبد مناف کے ان چاروں بیٹوں نے تجارت کو اپنا پیشہ بنایا۔ شام کے غسانی بادشاہ سے ہاشم نے، حبش کے بادشاہ سے عبد شمس نے، یمنی امراء یعنی شاہان حمیر سے مطلب نے اور عراق اور فارس کی حکومتوں سے نوفل نے تجارتی مراعات اور سفر میں حفاظت کے پروانے حاصل کیے۔ اسی وجہ سے یہ چاروں بھائی متجرین (تجارت پیشہ) کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ قیصر روم کے ہاں ہاشم کو خاص اعزاز حاصل تھا۔ وہ کاروبار کے سلسلہ میں انقرہ تک جاتے تھے۔

عبد مناف کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے عطا فرمائے: (۱) ہاشم (۲) عبد شمس (۳) مطلب (۴) نوفل

("سیرت ابن ہشام"، جلد ۱، ص ۱۰۶)

۱۔ ہاشم، رسول اللہ ﷺ کے جد امجد تھے۔

۲۔ عبد شمس، بنو امیہ کے جد اعلیٰ تھے اور سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عثمانؓ انہی کی اولاد میں سے تھے۔

۳۔ مطلب نے اپنے بھائی ہاشم کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے اور اپنے یتیم بھتیجے شیبہ کی پرورش کی اور انہی کے نام پر رسول اللہ ﷺ اور سیدنا علیؓ کے دادا "عبد المطلب"

Marfat.com

کہلائے۔امام شافعی انہی کی اولاد میں سے ہیں۔

۴۔ نوفل، عبد مناف کے یہ صاحبزادے بھی بڑے بلند اقبال تھے۔

عبد مناف کے یہ چاروں صاحبزادے بڑے بااقتدار اور بلند اقبال تھے۔ قریش ان کی وجہ سے اندرون ملک اور بیرون ملک دونوں جگہ معزز سمجھے جاتے تھے۔عرب و حجاز کے علاوہ بڑے بڑے سلاطین کے ہاں بھی ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ان کی وجہ سے قریش کا پورا قبیلہ باعزت سمجھا جاتا تھا یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان چاروں بھائیوں کی قبریں مختلف ملکوں میں ہیں۔ہاشم کی قبر غزہ (شام) میں، عبد شمس کی مکہ میں، نوفل کی عراق میں اور مطلب کی یمن میں۔("انسان العیون"، جلد ا، ص ۵)

ہاشم بن عبد مناف

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہاشم کا نام عمرو یا عمر تھا اور ہاشم خطاب تھا۔اس خطاب کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ مکہ میں قحط پڑا۔لوگ غلہ کے دانہ دانہ کو ترسنے لگے۔اس حالت کو دیکھ کر ہاشم شام گئے اور وہاں سے سینکڑوں من "کیک" بوروں میں بھر کر لے آئے اور جن اونٹوں پر وہ لائے تھے ان کو ذبح کر کے ان کا قورمہ بنوایا اور پھر وہ "کیک" اس میں ڈال کر اس کا ثرید بنوایا اور اہل مکہ کو بڑے افراط سے کھلایا۔اس وقت سے ان کا خطاب ہاشم پڑ گیا کیونکہ ہشم کا مطلب ہے چورہ کرنا اور ہاشم اس سے اسم فاعل یعنی روٹی چورہ کر کے کھلانے والا۔ہاشم کو عمرو العلا کہا کرتے تھے۔اہل تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ بنو عبد مناف قریش میں بلکہ سارے عرب میں بلکہ آس پاس کے ممالک عراق، یمن اور شام کے سلاطین کے درباروں میں نہایت شریف و معزز اور بڑے بلند مراتب و اعزازات کے مالک سمجھے جاتے تھے۔خصوصاً ہاشم بن عبد مناف کہ جن کی شرافت و عزت اور سخاوت ضرب المثل تھی اور شعراء اشعار میں ان کی شرافت و سخاوت اور عزت و خوش اخلاقی بطور ضرب المثل ذکر کرتے تھے۔ہاشم میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام کمالات و اخلاق جمع فرمادیئے تھے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں۔اسی وجہ سے ہاشم تمام قریش میں ممتاز سمجھے جاتے تھے اور ان کی عظمت اور شرافت مسلم تھی۔چنانچہ ہاشم کا لقب اہل عرب نے "ابو البطحاء" اور "سید البطحاء" رکھا تھا یعنی کل مکہ اور تہامہ کا سردار و سید۔

اس سلسلہ میں ابو نعیم نے دلائل میں ایک واقعہ لکھا ہے جس کے راوی سعیر بن سوادہ العامری ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ محلہ کی ایک دوشیزہ سے میرا معاشقہ چل رہا تھا۔میں اس کی خاطر ہر موسم میں سفر کے مصائب جھیلتا رہتا تھا اور سال میں تجارت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا چنانچہ میں نے شام سے غلہ اور دیگر سامان تجارت خریدا تاکہ اس کو موسم حج میں جو عرب لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اس میں فروخت کر سکوں۔میں ایک تاریک رات میں مکہ آیا اور رات وہیں گزاری۔صبح جب اٹھا تو میں نے سر

Marfat.com

اٹھا کر جو دیکھا تو فلک بوس خیمے نصب ہیں۔ ان میں طائف کے قالین بچھے ہیں۔ اونٹ ذبح ہو رہے ہیں اور کچھ ذبح کرنے کی خاطر لائے جا رہے ہیں۔ کھانے والے اور باورچیوں کا جائزہ لینے والے کہہ رہے ہیں، جلدی کرو، جلدی کرو۔ ایک شخص ٹیلے پر کھڑا یہ اعلان کر رہا تھا کہ "اے اللہ کے مہمانو! جو کھا چکا ہے وہ پچھلے پہر کھانے کے لیے آئے"۔

اس منظر نے مجھے عجیب تحیر و تذبذب میں ڈال دیا۔ میں یہ تمام صورت حال معلوم کرنے کے لیے رئیس قوم سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ میرے ساتھی نے میری یہ کیفیت بھانپ کر کہا: "رئیس قوم تیرے سامنے ہے۔" میں نے دیکھا کہ وہاں ایک رئیس ہیں۔ ان کے رخسار گلاب کی طرح سرخ ہیں اور ماتھا ستارہ کی طرح شعلہ زن، سر پر سیاہ عمامہ اور اس سے سیاہ اور چمکدار بال باہر جھانک رہے ہیں (اور ایک روایت میں ہے کہ وہ سیاہ کرسی پر براجمان تھا) اور اس کے سامنے سیاہ رنگ کا قالین بچھا ہوا ہے۔ اس کے ہاتھ میں چھڑی ہے اس سے وہ پہلو کو سہارا دیئے ہوئے ہے۔ اس کے ارد گرد مشائخ و اکابر اور مختلف قبائل کے سردار تشریف فرما ہیں۔ مجھے ملک شام سے معلوم ہوا تھا کہ ناخواندہ (امی) نبی کے ظہور کا وقت آن پہنچا ہے۔ جب میں نے اس حسین و جمیل رئیس کو دیکھا تو سب سے پہلا خیال جو آیا وہ یہ تھا کہ یہ وہی نبی ہے، چنانچہ میں نے جرأت کی اور آگے بڑھ کر کہا: "السلام علیک یا رسول اللہ" تو اس نے کہا: نہ، نہ، قطعاً نہیں۔ اس کے ظہور کا وقت ہے، کاش میں وہ ہوں۔ میں خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ اس نے کہا: یہ ابو حنظلہ ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ میں وہاں سے واپس چلا آیا اور میں بے ساختہ کہہ رہا تھا: واللہ! یہ ہے مجد و شرف! شام اور غسان کا جاہ و جلال اس کے سامنے ہیچ ہے۔ یہ تھا کھانے کا اہتمام جو ہاشم بن عبد مناف موسم حج میں حاجیوں کے لیے کرتے تھے۔

(السیرۃ النبویہ جلد ۱ ص ۳۰۸-۳۰۹)

ہاشم کا ایک اور بہت بڑا کارنامہ ہے جو تاریخ عرب میں سنہری حروف سے لکھا ہوا ہے۔ وہ یہ کہ قریش کے ہاں جاہلیت میں ایک رسم "احتفاد" کے نام سے رائج تھی۔ اور وہ رسم یہ تھی کہ جب کوئی خاندان مفلس و نادار ہو جاتا تو وہ شہر سے دور صحرا میں نکل جاتا اور وہاں جا کر اپنے خیمے نصب کر دیتا۔ اور پھر وہیں فاقہ کشی سے دم توڑ دیتا۔ یہ کام وہ اس لیے کرتا تاکہ اس کی عزت نفس مجروح نہ ہو اور وہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر اور گوشہ خمولت میں اپنی جان دے دے۔ گویا عزت نفس انہیں جان سے بھی زیادہ عزیز تھی۔

جب ہاشم جوان ہوئے اور انہیں قوم کی اس خوفناک اور بد رسم کا علم ہوا تو انہوں نے قوم کو اکٹھا کر کے ایک خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا:

"اے قریش کے گروہ! قبیلہ کی عزت افراد کی کثرت تعداد سے ہوتی ہے۔ اہل عرب

میں مال کی فراوانی اور افراد کی کثرت سے تمہیں جو برتری حاصل ہے، احتفاد کی اس رسمِ بد نے تمہارے بہت سے خاندانوں کو موت کے آہنی پنجہ میں دے دیا ہے اور وہ اس دنیا سے گمنامی کی حالت میں چلے گئے ہیں، میری ایک تجویز ہے اگر آپ حضرات اس کو بغور سنیں۔ قوم کے افراد نے کہا کہ آپ فرمایئے ہم سنیں گے کیونکہ آپ کی ہر تجویز نہایت اچھی اور احسن ہوتی ہے۔ جو حکم دیں گے تعمیل ارشاد ہوگی۔ ہاشم نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ تم میں جو لوگ مفلس اور نادار ہیں ان کو میں دولت مند خاندانوں کے ساتھ ملحق کر دوں۔ ہر متمول خاندان کے ساتھ ایک غریب خاندان کو ملا دوں۔ جب تم لوگ اپنے تجارتی کاروانوں کے ساتھ موسم گرما اور موسم سرما میں شام اور یمن کی طرف جاؤ تو تمہارے یہ نادار اور مفلس بھائی تمہارا ہاتھ بٹائیں اور جب اس تجارت میں تمہیں نفع اور فائدہ ہو تو اس نفع میں انہیں بھی شریک کر لو تاکہ وہ تمہارے اس تعاون سے ایک خوشحال اور باعزت زندگی بسر کریں اور انہیں فاقہ کشی کے باعث گم نامی کی زندگی میں مرنے کی نوبت نہ آئے۔ اس طرح احتفاد کی یہ رسم بد ختم ہو جائے گی اور قوم کے افراد موت کے گھاٹ اترنے سے بچ جائیں گے"۔

سب لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا چنانچہ ہاشم کی اس حکمت عملی سے پوری قوم ایک دوسرے کے ساتھ ملحق ہو گئی۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۱ ص ۳۱۷)

ہاشم اور اس کے بھائیوں کو "المجیرون" بھی کہا جاتا ہے جس کا معنی ہے پناہ دینے والے، کیونکہ یہ لوگ اپنی سخاوت اور سیادت کے باعث دوسرے تمام قبائل کے لیے ایک پناہ گاہ تھے۔

ہاشم ایامِ حج سے کچھ قبل بیت اللہ کے سامنے قریش کو اکٹھا کر کے ایک خطبہ دیا کرتے تھے جس کو مختلف مورخین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ وہ تقریر اور خطبہ مندرجہ ذیل اہم باتوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔

۱۔ جوارِ بیت اللہ بڑی سعادت ہے لہٰذا جیران بیت اللہ یعنی اہلِ مکہ پر اس کا شکر واجب ہے۔

۲۔ اہلِ مکہ پر مکارم اخلاق کی پابندی ضروری ہے۔

۳۔ بیت اللہ کا حج کرنے والے حضرات واجب الاحترام ہیں۔

۴۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں لہٰذا ان کی خدمت کرنا اہلِ مکہ کا فرض ہے۔

۵۔ مہمان کو کھلانا اور اس کا اکرام ضروری ہے۔

۶۔ حلال و حرام برابر نہیں ہیں۔ اہلِ جاہلیت حلال و حرام میں فرق نہیں کرتے تھے لیکن ہاشم ظلم اور جبر و استبداد سے حاصل شدہ مال کو حرام سمجھتے تھے اور لوگوں کو اس سے بچنے کی تاکید

کرتے۔

۷۔ وہ اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ "ضیوف اللہ" (اللہ کے مہمانوں) کو صرف حلال کھلایا جائے۔

یہ سب وہ اخلاق ہیں جن کی بعد میں رسول اللہ ﷺ تاکید فرمایا کرتے تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "طبری" جلد۲، ص۱۸۰، "المفصل فی تاریخ العرب" جلد۷، ص۳۰۲، "تاج العروس" جلد۶ ص۴۴، "ذیل الامالی" ص۱۹۹، "کتاب المحبر")

رفادہ اور سقایہ سب سے اہم شعبے تھے، لیکن ان کے لیے مال و دولت کی ضرورت تھی اور اس کے ساتھ محنت و مشقت کی بھی۔ یہ اگرچہ عبد مناف کے چاروں بیٹوں کے سپرد ہوئے تھے لیکن ان میں پیش پیش ہاشم رہے کیونکہ یہ سب بھائیوں میں سب سے زیادہ بلند حوصلہ، صاحب الرائے اور باسلیقہ آدمی تھے۔

قصی نے قریش کے ذہن میں یہ بات پیوست کردی تھی کہ جو لوگ حج کو آتے ہیں، وہ قریش کے مہمان ہیں۔ چنانچہ قریش نے اس کے لیے ایک ٹیکس بھی مقرر کرلیا تھا جس کو ہر امیر و غریب اپنی استطاعت کے مطابق ادا کرتا تھا، لیکن ہاشم کے عطیہ کی حد نہ تھی۔ جو کچھ کمی رہتی وہ اپنی جیب سے ادا کرتے۔

اب تک رفادہ کے سلسلہ میں کھجور دیئے جاتے تھے لیکن ہاشم نے رفادہ کو پرتکلف دعوت کی شکل دے دی جس میں عرب کا سب سے بڑھیا کھانا "ثرید" پیش کیا جاتا تھا۔ ثرید کبھی گوشت کا ہوتا اور کبھی روٹی گھی میں گوندھ کر چوری بنائی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں شربت، ستو، کھجور وغیرہ بھی دعوت میں دیئے جاتے تھے۔ دعوت کا سلسلہ ۷ ذی الحجہ سے شروع ہو کر ۱۴ ذی الحجہ تک رہتا تھا۔ عرفات، مزدلفہ اور منیٰ وغیرہ سب جگہ حاجیوں کی دعوتیں ہوتی تھیں۔ ("طبقات ابن سعد"، جلد۱، ص۴۵)

ہاشم کا ذریعہ آمدنی تجارت تھا۔ بازنطینی حکومت کے شہنشاہ ہرقل سے ان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ہرقل نے ہاشم کو خط لکھا کہ مجھ کو آپ کے جود و سخا کی اطلاع پہنچی ہے، میں اپنی شاہزادی کو جو حسن و جمال میں یگانہ روزگار ہے، آپ کے حبالہ عقد میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ یہاں تشریف لائیں تاکہ میں آپ سے شہزادی کا نکاح کردوں، لیکن ہاشم نے ہرقل کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

("زرقانی"، جلد۱، ص۷۲)

جناب ہاشم نے نہ صرف حاجیوں کے آرام و آسائش کا انتظام کیا بلکہ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ انہوں نے قریش کی ترقی اور ان کی ہر قسم کی سہولتوں کی طرف بھی خاص توجہ کی۔ چنانچہ انہوں نے شام، روم اور غسان کے بادشاہوں سے اپنی قوم کے تجارتی امن و امان کے حصول کے فرامین حاصل

Marfat.com

کیے۔ ہاشم ہی نے سب سے پہلے قریش میں یہ دستور رائج کیا کہ سال میں دو مرتبہ تجارت کے لیے قافلے روانہ ہوا کریں۔ موسم گرما میں شام کی طرف اور موسم سرما میں یمن کی طرف۔ چنانچہ اسی دستور کے مطابق ہر موسم میں قافلہ روانہ ہوتا۔ لق و دق بیابانوں اور خشک ریگستانوں اور بحر و بر کو قطع کرتا ہوا موسم سرما میں یمن اور حبشہ تک جاتا اور موسم گرما میں شام اور غزہ اور انقرہ (انگورہ جو اس وقت قیصر روم کا پایہ تخت تھا) تک پہنچتا۔ ان ملکوں کے بادشاہ ہاشم کا بہت احترام کرتے اور قریش کے ان قافلوں کا اعزاز کرتے تھے۔ ("طبقات ابن سعد"، جلد ۱، ص ۴۳)

اس کے علاوہ عرب رہزنی اور قزاقی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ملک میں حکومت کے فقدان اور سیاسی انتظام نہ ہونے کی وجہ سے کسی شخص پر کوئی قانونی پابندی اور قدغن نہ تھی، جو جرائم کی روک تھام کرتی۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر شخص خود سری اور خود مختاری کے جنون میں مبتلا تھا۔ ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ کوئی قافلہ محفوظ نہ تھا۔ دن دہاڑے لوگوں کو لوٹ لیا جاتا تھا، گویا کہ ہر جانب ایک قسم کی انارکی تھی۔ حج کے مہینوں میں اگرچہ لوٹ مار نہیں ہوتی تھی لیکن دوسرے مہینوں میں امن و امان کی یہ صورت نہ تھی۔ ہاشم نے اس صورت حال کا بغور مطالعہ کیا اور مختلف قبائل میں دورہ کر کے ان سے قیام امن کے معاہدے کیے اور عہد بھی لیے۔ یہی وجہ تھی کہ اگرچہ ملک میں رہزنی اور غارت گری ہوتی تھی لیکن قریش کے قافلے اس دست برد سے محفوظ رہتے۔

ہاشم نے اپنی زندگی کے اکثر اوقات سفر میں گزارے۔ ایک مرتبہ شام جا رہے تھے کہ راستہ میں یثرب (مدینہ) میں قیام ہوا۔ وہاں ایک میلہ میں ایک عورت کو دیکھا جو اپنی دکان پر بیٹھی نہایت سلیقہ اور ہوشیاری سے اسے چلا رہی تھی۔ شکل و صورت میں چودھویں کا چاند، جو دیکھے بس اسی کا ہو کر رہ جائے۔ ہاشم بھی اس کی سلیقہ مندی اور سمجھداری سے بہت متاثر ہوئے۔ کیونکہ شرافت و نجابت اور فہم و فراست اس کے چہرہ سے ٹپک رہی تھی۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ وہ بنو نجار کی خاتون سلمیٰ بنت عمرو بن زید ہے۔ شوہر کا نام احیحہ تھا لیکن اس سے تعلقات ختم ہو چکے ہیں۔ دو لڑکے عمرو اور معبد ہیں جن کے سہارے اپنی زندگی گزار رہی ہے۔ اب اگر کوئی شخص نکاح کا پیغام بھیجتا ہے تو یہ شرط لگاتی ہے کہ طلاق کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوگا یعنی وہ جب چاہے گی جدا ہو جائے گی۔ ہاشم پہلے ہی اس کو دل دے بیٹھے تھے، لہٰذا اپنے نکاح کا پیغام بھیج دیا۔ سلمیٰ نے ہاشم بن عبد مناف کا نام پہلے ہی سن رکھا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ مکہ کا بے تاج بادشاہ ہے اور سارے عرب میں اس کا طوطی بول رہا ہے۔ چنانچہ اس نے یہ پیغام قبول کر لیا اور نکاح ہو گیا۔ نکاح کے بعد ہاشم نے بڑی پر تکلف دعوت کی جس میں تمام قافلہ والوں کے علاوہ بنو خزرج کے لوگ بھی مدعو ہوئے۔ کچھ عرصہ مدینہ میں قیام کر کے ہاشم شام چلے گئے اور سلمیٰ امید سے ہو گئیں۔ ہاشم کا اسی سفر میں غزہ میں انتقال ہو گیا اور وہ وہیں دفن ہوئے؛ لیکن ادھر سلمیٰ کے ہاں

Marfat.com

ایک لڑکا پیدا ہوا۔ پیدا ہوتے وقت سر میں ایک سفید بال تھا اس وجہ سے "شیبۃ الحمد" نام رکھا گیا۔
("طبقات ابن سعد"، جلد ا، ص ۴۶)

خواجہ عبدالمطلب

ہاشم نے اپنے بھائی مطلب کو یہ وصیت کی تھی کہ وہ اس کی اولاد کی نگرانی کرے۔ مطلب نے اپنے بھائی کی وصیت کا پورا پورا خیال رکھا۔ اسی وجہ سے ہاشم اور مطلب کی اولاد میں بھی اتحاد رہا۔ ہاشم کے انتقال کے بعد رفادت اور سقایت کی خدمات ان کے بھائی مطلب کو مل گئیں۔ مطلب بھی نہایت اعلیٰ قابلیت کے حامل تھے۔ لہٰذا ہاشم کی وفات کے بعد وہ ان خدمات کو بخوبی سرانجام دیتے رہے۔ علامہ ابن خلدون اور دیگر مورخین نے ان کے بارہ میں لکھا ہے کہ:

"مطلب نہایت صاحب فضیلت و شرافت بزرگ تھے۔ قریش ان کی سخاوت و سماحت کے باعث انہیں "فضیلت مجسم" کا نام دیتے تھے"۔

("ابن خلدون" جلد ا، ص ، "طبری" جلد ۲، ص ۱۴، "سیرۃ ابن ہشام" جلد ا، ص ۱۳۷)

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ شیبۃ الحمد (عبدالمطلب) ابھی چند برس کے تھے کہ ہاشم کا غزہ کے مقام پر انتقال ہو گیا اور شیبہ یتیم ہو گئے۔ شیبہ اس وقت یثرب (مدینہ منورہ) میں اپنے ننھیال میں تھے، لہٰذا انہوں نے وہیں اپنے ماموں کے زیر کفالت پرورش پائی۔ ماموں نے نہایت شفقت و محبت سے یتیم بھانجے کی پرورش کی اور اسے ایک لمحہ بھی یتیمی کا احساس نہ ہونے دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ بنو حرث بن عبد مناف کا ایک شخص یثرب سے گزرا۔ اس نے وہاں کم سن بچوں کو نشانہ بازی کرتے دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بچہ جب اس کا تیر نشانہ پر لگتا تو وہ فخر و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ یہ نعرہ لگاتا:

انا ابن هاشم انا ابن سید البطحاء۔
"میں ہاشم کا بیٹا ہوں اور سید البطحاء کا فرزند ہوں۔"

جب یہ شخص مکہ واپس آیا تو وہ مطلب کے پاس گیا اور اس سے یہ سارا واقعہ کہہ سنایا اور ساتھ ہی اسے یہ کہا کہ یہ کوئی مناسب بات نہیں کہ ہاشم جیسے شخص کا بیٹا غریب الوطنی کی زندگی گزار دے، لہٰذا اسے اس کے ننھیال سے واپس بلاؤ تاکہ وہ اپنے خاندان میں پل کر جوان ہو۔ مطلب نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ جلد از جلد یثرب جا کر اپنے بھتیجے کو واپس لائے گا۔

جب شیبہ کی عمر سات آٹھ سال کی ہوئی تو ان کے چچا مطلب نے مدینہ آکر شیبہ کو مکہ مکرمہ لے جانا چاہا۔ اولاً ماں اور ماموں راضی نہ ہوئے بلکہ سختی سے انکار کیا لیکن جب مطلب نے ان کو سمجھایا کہ مدینہ

Marfat.com

میں اس بچہ کی زندگی خراب ہوگی؟ مکہ میں اپنے خاندان کی بڑی عزت و تکریم کی جاتی ہے۔ ہاشم کے دوست احباب اور قدردان بھی ابھی موجود ہیں' اس لیے وہاں شیبہ کو ترقی کے بہت موقع ملے گا۔ یہ بات ان کے ذہن میں آگئی اور وہ شیبہ (عبدالمطلب) کو مکہ بھیجنے کے لیے رضامند ہو گئے۔ چنانچہ مطلب اپنے یتیم بھتیجے کو اونٹ پر پیچھے بٹھا کر مکہ مکرمہ لے آئے۔ بعض روایات میں ہے کہ مطلب جس وقت مکہ کے قریب پہنچے تو مطلب کے ایک جاننے والے نے مطلب سے پوچھا کہ تمہارے پیچھے کون بیٹھا ہوا ہے؟ اس وقت شیبہ کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ اس وجہ سے مطلب کو شرم محسوس ہوئی کہ وہ اپنے جاننے والے کو یہ کہے کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جواب میں کہا "عبدالمطلب" یعنی مطلب کا غلام۔ اس روز سے شیبہ کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔ (طبری" جلد ۲ ص ۹)

مطلب نے اپنے مرحوم بھائی ہاشم کی اس نشانی اور امانت کی صحیح طور پر حفاظت کی۔ انہیں قومی فرائض کی انجام دہی کے طریقے سکھائے۔ وہ صحیح معنوں میں عبدالمطلب کو اس کے باپ ہاشم کا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے انہی خطوط پر ان کی تربیت کی۔

مطلب ہاشم کے بڑے بھائی تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد مطلب تجارتی سفر کے سلسلہ میں یمن گئے اور ایسے گئے کہ پھر واپس نہ آئے اور اسی علاقہ میں "ردان" کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا۔ مطلب کی وفات کے بعد بنو ہاشم کی قیادت و سیادت اس کے بھتیجے شیبہ (عبدالمطلب) کے ہاتھ میں منتقل ہو گئی۔

ان چاروں بھائیوں میں سب سے پہلے ہاشم کا انتقال غزہ میں ہوا جو ملک شام میں ہے۔ پھر عبد شمس نے مکہ میں وفات پائی اور اس کی قبر اجیاد میں ہے۔ پھر نوفل اور آخر میں مطلب فوت ہوئے۔ ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ ہاشم کے کئی بیٹے تھے۔ عبدالمطلب بن ہاشم' اور اسد بن ہاشم وغیرہ۔ اسد بن ہاشم کا ایک بیٹا تھا حسنین بن اسد اور ایک بیٹی فاطمہ بنت اسد۔ فاطمہ ابو طالب کی زوجہ تھیں اور سیدنا علیؓ کی والدہ ماجدہ۔ اس رشتہ سے حسنین سیدنا علیؓ کا ماموں تھا۔ حسنین لاولد مرا اس لیے دنیا میں جو بھی ہاشمی ہیں' وہ سب عبدالمطلب بن ہاشم کی اولاد ہیں۔ ہاشم کے اور بیٹے بھی تھے لیکن کسی کی نسل آگے نہیں چلی' سب لاولد مرے۔

ہاشم کے احوال سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے آباء و اجداد کتنے شریف اور مکارم اخلاق سے متصف تھے۔ ہاشم کو بھی یہ مکارم اخلاق اپنے آباء و اجداد سے ورثہ میں ملے تھے۔ چنانچہ ہاشم کے والد عبد مناف اور دادا قصی بھی انہی پاکیزہ اخلاق اور ممتاز کمالات سے متصف تھے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔

خواجہ عبدالمطلب کو اپنے باپ کی وراثت سے جو کچھ اپنے چچا مطلب سے ملا تھا' وہ چند قطعات اراضی تھے' لیکن ہوا یہ کہ ان پر ان کے دوسرے چچا نوفل نے جبراً قبضہ کر لیا اور جب عبدالمطلب نے

Marfat.com

اپنے حق کا مطالبہ کیا تو اس نے وہ قطعات اراضی دینے سے انکار کر دیا۔ خواجہ عبدالمطلب کو اس بات کا نہایت صدمہ ہوا لہٰذا انہوں نے مدد کے لیے اپنے ماموں کو ایک منظوم خط لکھا۔ اس خط سے خواجہ عبدالمطلب کے ادبی ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس خط میں انہوں نے پہلے تو اپنے ان حالات کا ذکر کیا، جب وہ اپنے ماموں کے ہاں مدینہ میں نہایت اچھی اور خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے، پھر مکہ میں آنے اور اپنے چچا مطلب کی زیر کفالت تعلیم و تربیت کا ذکر کیا۔ پھر اپنے ماموں سے اپنے چچا نوفل کے غاصبانہ قبضے کا ذکر کیا۔ پھر اپنے ماموں کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ اپنے بھانجے کو غاصب چچا سے اس کا حق لے کر دیں۔

یہ کل دس شعر ہیں جن کو طبری وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ ان میں سے چند ایک کا ترجمہ یہ ہے:

۱۔ جب میں آپ لوگوں میں تھا یعنی مدینہ طیبہ میں آپ کی زیر کفالت تھا تو مجھے کسی ظالم کے ظلم کا خوف نہ تھا اور میں ہر طرح سے خوشحال، محفوظ اور عزیز تھا۔

۲۔ اب چچا مطلب تو اندھیرے گڑھے میں یعنی قبر میں غائب ہو گئے ہیں اور نوفل کھڑا ہو گیا ہے تاکہ میرے مال پر دست تطاول دراز کرے۔

۳۔ پس تم اٹھ کھڑے ہو اور اپنے بھانجے پر سے ظلم کو دور کرو اور اسے ذلیل نہ ہونے دو اور ویسے بھی تم کسی کا ساتھ چھوڑنے والے نہیں۔

اس خط کا پڑھنا تھا کہ ان کا ماموں اسی (۸۰) بہادروں پر مشتمل ایک جماعت لے کر آیا اور اپنے بھانجے کو اس کا حق دلا کر واپس مدینہ طیبہ چلا گیا۔ ("طبری" جلد ۲، ص ۱۱)

عبدالمطلب صحیح معنوں میں اپنے باپ ہاشم کے جانشین تھے۔ باپ کی ساری خوبیاں اور اوصاف بلکہ ان سے کچھ زیادہ ہی اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائے تھے۔ زائرین بیت اللہ کی خدمت، بے کسوں اور مظلوموں کی امداد اور داد رسی، قومی ہمدردی، فیاضی، جود و سخا، مقبولیت عامہ، شہرت و ناموری اور دادو دہش غرضیکہ کون سی خوبی تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان میں نہ رکھی تھی۔ لوگ ان کی تعریف میں ہر وقت رطب اللسان رہتے اور ان کو "شیبۃ الحمد" کے نام سے پکارتے۔ ابن خلدون نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

> "عبدالمطلب نے حاجیوں کے لیے سقایت و رفادت کی خدمت کو اس حالت سے زیادہ احسن طور پر قائم کیا جو مکہ مکرمہ میں ان سے پیشتر ان کی قوم کرتی تھی اور وہ حمیر خاندان کے ملوک یمن اور ملوک حبشہ میں باریاب بھی تھے"۔ ("ابن خلدون" جلد ۲، ص)

خواجہ عبدالمطلب کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف سیرت ہی اچھی عطا فرمائی تھی بلکہ صورت کی خوبصورتی میں بھی اپنی پوری فیاضی سے کام لیا تھا۔ قد بحر رجز میں، بدن سڈول، چہرہ سے ہیبت و وجاہت ٹپکتی، آنکھوں سے شرافت و نجابت اور رخساروں سے جلالت و عظمت کی شعاعیں ضو افشاں تھیں۔

ایک اجنبی بھی جب دیکھ پاتا تو قدموں پر گرنے کے لیے بے تاب ہو جاتا۔ غرضیکہ سیرت وصورت کے لحاظ سے قریش کے سردار اور مسلمہ بزرگ تھے۔ ہر شخص اپنی مشکلات ومصائب میں ان کو اپنی جائے پناہ سمجھتا اور بلاخوف وخطر مدادا کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ "عبدالمطلب تمام قریش میں سب سے زیادہ حسین وجمیل، سب سے زیادہ قوی اور جسیم، سب سے زیادہ بردبار اور حلیم، سب سے زیادہ سخی اور کریم اور سب سے زیادہ شر اور فتنہ سے دور بھاگنے والے تھے اور قریش کے مسلم سردار تھے"۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۵۱)

شراب، زنا، ظلم، بغاوت، دختر کشی، محرم عورتوں سے نکاح، خانہ کعبہ کا ننگا طواف، ان سب افعال قبیحہ سے وہ لوگوں کو منع فرماتے تھے۔ اپنی اولاد کو اخلاق فاضلہ کی تعلیم دیتے تھے۔ اور خسیس اور پست اخلاق سے روکتے تھے۔ جود وسخا میں شہرہ آفاق تھے۔ آپ کا دسترخوان نہ صرف انسانوں کے لیے وسیع تھا بلکہ جنگل کے وحشی جانور اور ہوا کے پرندے بھی اس سے مستفید ومستفیض ہوتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آپ جنگلی جانوروں اور پرندوں کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں پر ان کی روزی پہنچاتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کا نام "الفیاض" بھی تھا۔ قریش میں آپ صاحبِ اقتدار مانے جاتے تھے اور صاحبان حکم میں شمار ہوتے تھے۔ قریش کے لوگ اپنے نزاعات اور جھگڑے فیصلے کے لیے آپ کے پاس لایا کرتے تھے۔ اور آپ جو فیصلہ فرماتے، لوگ اس پر عمل کرتے اور اسے تسلیم کرتے تھے۔

("زرقانی" جلد ۱، ص ۸۲)

آپ فیصلہ کرتے وقت پورے عدل وانصاف سے فیصلہ کرتے اور اس بات کا کوئی لحاظ نہ فرماتے کہ یہ شخص بڑا ہے یا چھوٹا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی آپ کا قریبی بھی ہوتا تو حق وصداقت اور عدل وانصاف سے کام لیتے ہوئے آپ اس کے خلاف بھی فیصلہ کرنے سے نہ چوکتے۔ حرب بن امیہ رشتہ میں آپ کا بھتیجا تھا اور آپ کا ندیم خاص بھی۔ وہ ہر وقت آپ ہی کی مجلس میں بیٹھا رہتا۔ روز وشب آپ ہی کے پاس اس کی نشست وبرخاست ہوتی۔ باہمی صلاح ومشورہ کی وجہ سے دونوں کی آپس میں بڑی محبت تھی۔ اتفاق سے ایک روز ایک یہودی جو خواجہ عبدالمطلب کا ہمسایہ تھا، اس کی حرب بن امیہ سے راستہ میں کچھ تو تکار ہو گئی۔ یہودی نے حرب کے حق میں کچھ سخت الفاظ استعمال کیے۔ حرب کی نبض غیرت میں کچھ تیزی آئی اور وہ مشتعل ہو گیا۔ اسی اشتعال میں اس نے ایک شخص سے اس یہودی کو مروادیا۔ خواجہ عبدالمطلب کو جب پتہ چلا کہ حرب نے یہودی کو ناحق مروادیا ہے تو آپ نے حرب کی ہم نشینی یک قلم ترک کردی اور حرب سے ایک سو اونٹ بطور دیت اس یہودی کے چچا کے بیٹے کو دلوادیئے۔

طبری نے خواجہ عبدالمطلب کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"مطلب کے انتقال کے بعد رفادت وسقایت کی خدمت اس کے بھتیجے عبدالمطلب کے

Marfat.com

سپرد ہوئی۔ وہ اپنی قوم میں عظمت و بزرگی کی اس بلندی پر فائز ہوئے کہ کوئی دوسرا شخص ان کے برابر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے چاہ زمزم کا اصلی مقام معلوم کر کے اسے از سرنو کھودا اور زمانہ قدیم میں قوم جرہم نے جو سونے کے دو ہرن اس میں دفن کیے تھے' ان کو وہاں سے نکلوایا اور مرج القلعہ کی بنی ہوئی دو تلواریں اور زرہیں بھی وہاں سے نکلوائیں۔ تلواروں سے انہوں نے بیت اللہ کا ڈھانچہ بنوایا اور ہرنوں کے سونے کے پترے بنوا کر بیت اللہ کے دروازے پر چڑھائے۔ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ بیت اللہ کے دروازے پر سونے کے پترے چڑھائے گئے"۔

("طبری" جلد ۲' ص ۱۲' "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱' ص ۱۴۲-۱۴۷)

سیرت حلبیہ میں ابن جوزی سے منقول ہے کہ عبدالمطلب سے جو امور منقول ہیں' ان میں سے اکثر کا قرآن و حدیث میں حکم آیا ہے مثلاً نذر کا پورا کرنا' نکاح محارم کی حرمت' لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت' شراب اور زنا کی حرمت اور بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنے کی ممانعت وغیرہ۔ شراب کو انہوں نے اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا۔ جب رمضان کا مہینہ آتا تو خاص طور پر فقراء اور مساکین کو کھانا کھلاتے۔ غار حراء میں سب سے پہلے خلوت و عزلت خواجہ عبدالمطلب ہی نے اختیار کی تھی۔

("زرقانی" جلد ۱' ص ۷۱)

خواجہ عبدالمطلب نے اپنی زندگی میں چند کام ایسے کیے' جن سے نہ صرف قریش یا عرب کی تاریخ متاثر ہوئی' بلکہ تاریخ اسلام پر بھی اس کے گہرے اثرات پڑے۔

(۱) چاہ زمزم کی برآمدگی (۲) بنو خزاعہ سے معاہدہ (۳) دیت کے اونٹوں کی تعداد میں اضافہ (۴) اصحاب الفیل کے واقعہ میں اہلِ مکہ کی حفاظت وغیرہ۔

چاہ زمزم کی دریافت

مکہ مکرمہ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ سیدہ ہاجرہ اور اپنے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو جب چھوڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیوں سے ایک چشمہ جاری کیا جس کا نام زمزم رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد بنو جرہم جن کا اصلی وطن یمن تھا' وہاں آکر آباد ہو گئے۔ پھر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی شادی بھی اسی قبیلہ میں ہوئی اور ایک سو سینتیس (۱۳۷) سال کی عمر میں آپ کا وہیں انتقال ہو گیا۔ اور بعض روایات کے مطابق اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ حطیم میں مدفون ہوئے۔ مرور زمانہ کے بعد بنو اسماعیل اور بنو جرہم میں منازعت اور مخاصمت پیدا ہو گئی۔ بالآخر بنو جرہم غالب آئے اور مکہ مکرمہ میں ان کی حکومت قائم ہو گئی' لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بنو جرہم نے

Marfat.com

لوگوں پر ظلم وستم ڈھانے شروع کر دیئے، یہاں تک کہ بنواسماعیل کو بھی مکہ سے نکال باہر کیا۔ بنواسماعیل مکہ کے اطراف و جوانب میں آباد ہو گئے۔ بنو جرہم کا ظلم و ستم اور فسق و فجور اور بیت اللہ کی بے حرمتی جب حد سے بڑھ گئی تو ہر طرف سے قبائل عرب مقابلہ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ مجبوراً بنو جرہم کو مکہ سے بھاگنا پڑا۔ لیکن مکہ سے نکلتے وقت وہ خانہ کعبہ کی چیزوں کو زمزم میں دفن کر گئے۔ جو اشیاء انہوں نے زمزم کے کنوئیں (یہ چشمہ اس وقت ایک کنوئیں کی شکل اختیار کر چکا تھا) ڈالیں ان کی تفصیل کتابوں میں اس طرح ہے۔ سونے کے ہرن، سونے کی تختیاں، سات تلواریں، جو بہت عمدہ اور قیمتی تھیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہ اشیاء چاہ زمزم میں ڈال کر انہوں نے کنوئیں کے پاٹ کو اس طرح زمین کے برابر کر دیا کہ وہ بے نشان اور لاپتہ ہو گیا۔

بنو جرہم کے مکہ سے جانے کے بعد اب بنو خزاعہ کا مکہ پر قبضہ تھا۔ بنو خزاعہ کا کوئی خاندانی تعلق زمزم سے نہیں تھا اس لیے اس کی تلاش میں انہوں نے کوئی دلچسپی نہ لی۔ پھر جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کعبہ کے قریب مکان بنانا اور سونا بے ادبی ہے۔ جس کی وجہ سے کعبہ کے گرد و نواح کا علاقہ ویران ہو گیا تھا اور آبادی کے بجائے وہاں کیکر اور بیریوں کے درختوں کے جھنڈ جنگل کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ قصی نے جب کئی سو سال بعد بنو خزاعہ کو شکست دی اور کعبہ کے قرب و جوار کے جنگل کو کٹوایا اور نئے نقشہ پر مکہ کو آباد کیا تو اس وقت زمزم کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ اور اس کئی صدیوں کے عرصہ میں ایسے آدمی بھی باقی نہیں رہے تھے جو اس کا پتہ بتا سکیں۔ البتہ سینہ بہ سینہ خاندانی روایات کے ذریعہ زمزم کا نام زندہ تھا اور اس سے ایک قسم کی عقیدت قائم تھی اور ذہنوں میں جستجو اور تلاش کا ایک جذبہ تھا۔

ہر سال حج کے موقع پر زائرین کے لیے مختلف کنوؤں سے پانی کی فراہمی کے لیے جو پریشانی اور دقت پیش آتی تھی، وہ اس تلاش اور جستجو کے جذبہ میں ایک نئی حرکت پیدا کر دیتی تھی۔

اب وقت آگیا تھا کہ حق تعالیٰ اس کنوئیں کو ظاہر کریں۔ اس وجہ سے خواجہ عبدالمطلب کو رویاء صالحہ کے ذریعہ اس کنوئیں کو کھودنے کا حکم دیا گیا۔ وہ دو تین روز ایک ہی خواب دیکھتے رہے لیکن الفاظ میں فرق تھا۔ پہلے روز انہیں خواب میں کہا گیا احفرہ طیبہ (طیبہ کو کھودو) دوسرے روز کہا گیا احفرہ برہ (برہ کو کھودو) تیسرے روز کہا گیا احفرالمصنونہ (نہایت قیمتی چیز کو کھودو) ان کی سمجھ میں یہ سب کچھ نہیں آرہا تھا۔ آخر چوتھے روز انہیں خواب میں کہا گیا احفر زمزم (زمزم کو کھودو) اب انہوں نے پوچھا کہ زمزم کیا ہے؟ بتایا گیا ”وہ پانی کا ایک کنواں ہے جس کا پانی نہ کبھی ٹوٹتا ہے اور نہ کبھی کم ہوتا ہے۔ بے شمار حجاج کو سیراب کرتا ہے“۔ پھر اس کا پتہ یہ بتایا گیا کہ گوبر اور خون کے بیچ میں جہاں سفید پنجوں والا کوا ٹھونگ مارے، وہاں کھودو۔ (طبقات ابن سعد“ جلد ۱، ص ۴۹)

خواجہ عبدالمطلب نے اس خواب کو سچا یقین کرلیا۔ انہوں نے قریش سے اپنے اس خواب کا ذکر کیا اور اس کنوئیں کو کھودنے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن قریش نے کھودنے کی سخت مخالفت کی۔ خواجہ عبدالمطلب نے ان کی مخالفت کی کوئی پروانہ کی اور اپنے بیٹے حارث کی معیت میں کدال لے کر اس جگہ پہنچ گئے جس کا پتہ خواب میں انہیں بتایا گیا تھا۔ آپ نے خود اس جگہ کو کھودنا شروع کردیا۔ تین روز کی کھدائی کے بعد انہیں کنوئیں کی من نظر آئی۔ عبدالمطلب نے خوشی اور مسرت سے نعرہ مار کا کہا "یہی اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے" پھر تلواریں، سونے کی تختیاں اور سونے کے ہرن بھی نکل آئے۔ جو بنو جرہم نے بھاگتے وقت خانہ کعبہ کے خزانہ سے لے کر اس کنوئیں میں پھینکے تھے۔ خواجہ عبدالمطلب نے ان تمام چیزوں کو نکال کر خانہ کعبہ ہی میں آراستہ کردیا اور بعض روایتوں میں ہے کہ ان کو کعبہ میں استعمال کیا۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۴۹)

آپ نے کنوئیں کی برآمدگی کے بعد اس کے قریب کچھ حوض تیار کروائے جن میں آب زمزم بھر کر زائرین کو پلاتے۔ لیکن چند حاسدوں نے یہ شرارت شروع کی کہ رات میں ان حوضوں کو خراب کر جاتے۔ جب صبح ہوتی تو عبدالمطلب ان کو پھر درست کرتے۔ بالآخر گھبرا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ رات کو انہیں خواب میں بتایا گیا کہ تم یہ دعا مانگو:

اللهم انی لا احلها المغتسل ولكن هى لشارب حل

"اے اللہ! میں اس زمزم سے لوگوں کو غسل کرنے کی اجازت نہیں دیتا، صرف پینے کی اجازت ہے"۔

صبح اٹھتے ہی خواجہ عبدالمطلب نے اس کا اعلان کردیا۔ اس کے بعد جس شخص نے حوض کو خراب کرنے کا ارادہ کیا، وہ ضرور کسی بیماری میں مبتلا ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر حاسدین حوضوں کو خراب کرنے سے باز آگئے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۴۹۔۵۰، "زرقانی" جلد ۱، ص ۹۴، السیرۃ النبویہ، لابن کثیر، جلد ۱، ص ۱۷۲ "البدایہ والنہایہ" جلد ۲، ص ۲۴۴، "خصائص کبریٰ" جلد ۱، ص ۴۳۔۴۴ وغیرہ)

کم و بیش پانچ صدیوں بعد زمزم کا یہ کنواں برآمد ہوا۔ اب سقایہ میں نہایت سہولت اور آسانی ہوگئی۔ اب دوسرے کنوؤں سے پانی لانے کی ضرورت نہ رہی بلکہ عرفات اور منیٰ وغیرہ میں بھی یہی پانی پہنچایا جاتا تھا اور وہاں چمڑے کے بڑے بڑے حوضوں میں اس کا ذخیرہ کیا جاتا۔ اس وقت سے لے کر آج تک یہ کنواں جاری ہے اور زائرین حرم بڑی فراخی کے ساتھ اس کا پانی استعمال کرتے ہیں، بلکہ بڑے بڑے ٹینکروں کے ذریعہ دور دور تک جاتا ہے۔

Marfat.com

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ چاہ زمزم کی دریافت سے قبل مکہ میں گیارہ بارہ کنوئیں تھے لیکن زمزم کی دریافت کے بعد ان سب کنوؤں کا نام و نشان ختم ہو گیا۔ اور لوگوں کی پوری توجہ زمزم کی طرف ہو گئی۔ کیونکہ اس کا پانی ہر لحاظ سے بہتر تھا۔

مسلم میں سیدنا ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "زمزم کا پانی کھانے کے قائم مقام ہے اور ہر بیماری کی دوا ہے"۔ امام احمد نے جابر بن عبد اللہ سے بیان کیا ہے کہ "زمزم کا پانی جس غرض سے پیا جائے، نہایت مفید ہے"۔

ابن ماجہ اور حاکم نے سیدنا ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کسی آدمی کو فرمایا: "جب تو زمزم کا پانی پیئے تو کعبہ رخ ہو۔ اللہ کا نام لے اور تین سانس لے اور خوب پیٹ بھر کر پی اور بعد ازاں "الحمد للہ" کہہ۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا اور منافقین کا امتیازی نشان یہ ہے کہ وہ پیٹ بھر کر آب زم زم نہیں پیتے"۔ (السیرۃ النبویہ، لابن کثیر، جلد ا، ص ۱۷۲)

بنو مطلب کا بنو ہاشم سے تعاون

قصی نے اگرچہ بنو خزاعہ کو شکست دے کر مکہ مکرمہ سے باہر نکال دیا تھا لیکن ان کے اندر انتقام کی آگ ہر وقت شعلہ زن رہتی تھی۔ پھر اگرچہ وہ قریش سے انتقام نہ لے سکے لیکن ان کا درپے انتقام رہنا ایک قدرتی امر تھا۔ خواجہ عبد المطلب نے بغض و انتقام کی اس فضا کو ختم کر دیا۔ انہوں نے دار الندوہ میں ایک اجتماع کیا اور باہمی تعاون اور موانست اور خیر سگالی کا ایک معاہدہ لکھا گیا۔ اور اس کو بیت اللہ میں آویزاں کر دیا گیا۔ ہاشم اور مطلب کے وارثان اس معاہدہ میں شریک ہوئے جبکہ عبد شمس اور نوفل کے اخلاف اس معاہدہ میں شریک نہ ہوئے۔ (صلح حدیبیہ میں بھی یہی صورت رہی۔ بنو خزاعہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے حلیف تھے اور آپ اس وقت آل ہاشم اور آل مطلب کے واحد نمائندہ تھے۔ جبکہ اس وقت بھی عبد شمس اور نوفل کی اولاد فریق مخالف کے ساتھ تھی)

بیٹے کی نذر

زمزم کا کنواں کھودتے وقت عبد المطلب کا کوئی معاون و مددگار نہ تھا سوائے ان کے اکلوتے بیٹے حارث کے۔ اس لیے انہوں نے منت مانی کہ اگر حق تعالیٰ مجھ کو دس بیٹے عطا فرمائیں جو جوان ہو کر میرے دست و بازو بنیں تو میں ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ آرزو پوری فرما دی۔ ایک رات وہ خانہ کعبہ کے سامنے سو رہے تھے تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص یہ کہہ رہا ہے:

Marfat.com

"اے عبدالمطلب! اس نذر کو پورا کیجئے جو آپ نے اس گھر کے مالک کے لیے مانی تھی"۔

خواجہ عبدالمطلب جب بیدار ہوئے تو اپنے بیٹوں کو جمع کر کے اپنی نذر اور خواب بیان کیا۔ تمام بیٹوں نے یک زبان ہو کر عرض کیا:

"آپ اپنی نذر پوری کریں اور اس بارہ میں جو چاہیں کریں"۔

اب عبدالمطلب نے سب بیٹوں کے نام پر قرعہ ڈالا۔ حسن اتفاق سے قرعہ حضرت عبداللہ کے نام پر نکلا جن کو خواجہ عبدالمطلب بہت عزیز اور محبوب رکھتے تھے۔ آپ نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور چھری ہاتھ میں لے کر قربان گاہ کی طرف چلے۔ حضرت عبداللہ کی بہنیں رونے لگیں۔ ان میں سے ایک بہن نے کہا "ابا! آپ دس اونٹوں اور عبداللہ میں قرعہ ڈال کر دیکھئے۔ اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو دس اونٹ کی قربانی کر دیجئے اور عبداللہ کو چھوڑ دیجئے"۔ (اس وقت دس اونٹ ایک آدمی کی دیت اور خون بہا ہوتے تھے) عبدالمطلب بمشکل اس بات پر راضی ہوئے۔ قرعہ جو ڈالا گیا تو وہ حضرت عبداللہ کے نام پر ہی نکلا۔ عبدالمطلب دس دس اونٹ زیادہ کر کے قرعہ ڈالتے جاتے تھے مگر قرعہ عبداللہ ہی کے نام پر نکلتا تھا۔ یہاں تک کہ سو اونٹ پورے کر کے قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا۔ اس وقت عبدالمطلب اور تمام حاضرین نے خوشی و مسرت سے نعرہ لگایا۔ چنانچہ خواجہ عبدالمطلب نے وہ سو اونٹ صفا اور مروہ کے درمیان ذبح کیے۔

("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۵۳، "البدایہ والنہایہ" جلد ۲، ص ۲۴۸)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلے دیت کی مقدار دس اونٹ تھی۔ سب سے پہلے عبدالمطلب نے قریش اور تمام عرب میں اس طریقہ کو جاری کیا کہ ایک آدمی کی دیت سو اونٹ ہے اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی اسی کو برقرار رکھا۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۵۴)

اس واقعہ کے بعد حضرت عبداللہ ذبیح کے لقب سے موسوم ہونے لگے۔ اور اسی وجہ سے سرکارِ دو عالم ﷺ کو لوگ "ابن الذبیحین" یعنی دو ذبیح کے فرزند کہتے تھے۔ ایک ذبیح سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے ذبیح حضرت عبداللہ۔ ("خصائص کبریٰ" جلد ۱، ص ۴۵)

کعبہ پر ابرہہ کی چڑھائی

قصی کا زمانہ چوتھی صدی عیسوی کا وہ ابتدائی نصف ہے جب مسیحیت جدید ترتیب اور جدید نظریات کے ساتھ ظہور پذیر ہوئی۔ تثلیث کو جزو دین بنا دیا گیا تھا اور سینٹ پال کے نظریات نے عیسائیت میں سیدنا مسیح علیہ السلام کے دین کی جگہ لے لی تھی اور قسطنطین اول نے عیسائیت کو قبول کر

Marfat.com

کے حکومت کا مذہب بھی عیسائیت قرار دے دیا تھا۔ اس زمانہ میں عیسائیت کا مرکز رومتہ الکبریٰ بنا۔ بازنطینی شہنشاہیت کے زیر اثر جتنے علاقے تھے، وہ بھی عیسائیت سے متاثر ہوئے۔

قیصر روم نے قصی کی بہت امداد کی۔ پھر ہاشم کے ساتھ یہ مراعات کیں کہ نہ صرف اپنی طرف سے آزادانہ تجارت کا پروانہ دیا بلکہ حبشہ کے بادشاہ سے بھی مراعات دلوائیں۔

ہاشم نے قیصر روم سے جو آزاد تجارت کا پروانہ حاصل کیا تھا، اس کے بارہ میں ابن سعد کے الفاظ یہ ہیں کہ:

"ہاشم ایک شریف انسان تھا۔ یہی ہاشم تھا جس نے قیصر روم سے یہ حلف لیا تھا (یعنی یہ فرمان حاصل کر لیا تھا) کہ اس کی حدود مملکت میں قریش کو مکمل آزادی ہوگی۔ ان کے جان و مال کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ قیصر روم نے یہ فرمان اپنی مملکت کے لیے دیا اور اپنے دوست ملک (حبشہ) کے بادشاہ نجاشی کو بھی لکھ دیا کہ وہ اپنے ملک میں قریش کو آمد و رفت اور کاروبار کی اجازت دیں"۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۴۵)

ان مراعات کا مقصد نہ صرف سیاسی بلکہ مذہبی بھی ہو سکتا ہے کہ عرب میں عیسائیت کو رواج دیا جائے۔ غالباً اسی سلسلہ کی یہ کڑی تھی کہ ابرہہ اشرم نے جو خود عیسائی تھا، اور شاہ نجاشی کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، یمن کے مرکزی شہر صنعاء میں سنگ مرمر اور سنگ رخامہ وغیرہ قیمتی پتھروں سے ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرایا۔ اس کی دیواروں پر سونے کا کام اور جگہ جگہ یاقوت اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے یہ کلیسا خانہ کعبہ سے بہت اعلیٰ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ عرب اس کی سج دھج سے متاثر ہوں گے۔ اس کے ساتھ اس نے عربوں کو ہدایت کی کہ وہ خانہ کعبہ کے بجائے اس کلیسا کو معبد بنائیں اور اس سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اس مرصع کلیسا کا طواف کریں۔ لیکن عربوں نے اس کی اس ہدایت کا جواب نہایت سخت دیا۔ چنانچہ ایک رات بنو کنانہ کا ایک شخص وہاں آیا اور رات کو وہاں قیام کر کے اس کے پاک اور مقدس حصہ کو گندگی سے ملوث کر کے فرار ہو گیا۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۵۵) ایک دوسری روایت کے مطابق اس میں پاخانہ بھر دیا۔

("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۵۵، "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۳۰)

بعض حضرات کا قول ہے کہ عرب کے نوجوانوں نے اس کے قرب و جوار میں آگ جلائی ہوئی تھی کہ ایک چنگاری ہوا سے اڑ کر گرجا میں جا گری اور سارا گرجا جل کر راکھ ہو گیا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوا، ابرہہ کو اس پر بہت غصہ بھی آتا اور صدمہ بھی ہوا کیونکہ اس کی تمام مذہبی توقعات ختم ہو گئیں۔ لہٰذا اس نے قسم کھائی کہ وہ خانہ کعبہ کو منہدم کر دے گا۔ چنانچہ اس نے ہاتھیوں کا ایک لشکر لے کر خانہ کعبہ پر حملہ کر دیا۔ ابرہہ کا مقصد یہ تھا کہ ہاتھی ٹکریں مار مار کر اس کی دیواریں گرا دیں گے۔ لشکر کی تعداد بیس ہزار

Marfat.com

بتائی جاتی ہے۔ ہاتھیوں میں سب سے ممتاز ہاتھی کا نام "محمود" تھا۔ یہ لشکر اس شان و شوکت اور جلال و جبروت کے ساتھ منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ گیا اور طائف کے راستہ میں مکہ مکرمہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک مقام "مغمس" میں پڑاؤ ڈالا۔

پڑاؤ ڈالنے کے ساتھ ہی ابرہہ اشرم (اشرم اسے اس لیے کہتے ہیں کہ ایک جنگ میں اس کی ناک اور کان کٹ گئے تھے) نے فوج کو حکم دیا کہ تمام اصطبل اور طویلے لوٹ لیے جائیں۔ لشکریوں نے جہاں اور اونٹ اپنے قبضہ میں لیے، وہاں خواجہ عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی قبضہ میں لے لیے۔ آپ کو جب اونٹوں کے پکڑے جانے کی اطلاع ملی تو آپ خود ابرہہ کے پاس اپنے اونٹوں کی واگزاری کے لیے تشریف لے گئے۔

خواجہ عبدالمطلب نہایت وقیع، باوقار، بارعب اور پرہیبت بزرگ تھے۔ جب ابرہہ نے انہیں دیکھا تو اس کے دل میں ان کے لیے عظمت کے جذبات پیدا ہوئے اور وہ ہیبت زدہ ہو گیا۔ چنانچہ وہ خواجہ عبدالمطلب کے پاس فرش زمین پر بیٹھ گیا اور آنے کا مدعا پوچھا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ آپ کے لشکری میرے دو سو اونٹ پکڑ کر لے آئے ہیں، وہ آپ مجھے واپس کر دیں۔

ابرہہ نے نہایت تعجب سے پوچھا کہ آپ نے مجھ سے اپنے دو سو اونٹوں کی بابت سوال کیا ہے لیکن اپنے کعبہ کی بابت کچھ نہیں کہا جبکہ میں اس کو گرانے کے لیے آیا ہوں۔ خواجہ عبدالمطلب نے جواب دیا "میں اونٹوں کا مالک ہوں لہٰذا اونٹوں کی بات کرتا ہوں۔ لیکن اس گھر (بیت اللہ) کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا"۔ ابن ہشام کے الفاظ ہیں:

انی انا رب الابل وان للبیت ربا سیمنعه

"میں ان اونٹوں کا مالک ہوں، اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے، وہ خود اس کی حفاظت کرے گا"۔ ("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۵۰)

ابرہہ نے نہایت غرور و نخوت سے کہا کہ وہ اسے مجھ سے نہیں بچا سکتا۔ خواجہ عبدالمطلب نے جواباً فرمایا:

انت وذالک۔ "تو جانے اور وہ"۔

ابرہہ نے وہ اونٹ واپس کر دیئے جن کو لے کر خواجہ عبدالمطلب واپس مکہ آ گئے۔ بعد میں ابرہہ نے حملہ سے پہلے مکہ والوں کو پیغام بھیجا کہ:

"ہم اہلِ مکہ کو تباہ نہیں کرنا چاہتے نہ ان سے جنگ کے خواہاں ہیں۔ ہم صرف کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے آئے ہیں اگر مکہ والے آڑے نہ آئیں تو محفوظ رہیں گے"۔

یہ پیغام حناطہ حمیری لے کر مکہ مکرمہ پہنچا اور مکہ کے قائد اور رئیس خواجہ عبدالمطلب کو پہنچایا۔

Marfat.com

خواجہ عبدالمطلب نے جواب دیا:

"ابرہہ اتنی طاقتور اور مضبوط فوج لے کر آیا ہے کہ اہلِ مکہ تو کیا عرب کے دوسرے قبائل بھی اگر مقابلہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہم خود بھی ابرہہ سے جنگ کے لیے تیار نہیں ہیں۔ البتہ یہ بیت ہمارا نہیں۔ یہ اللہ کا گھر ہے۔ خلیل اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے خلیل کے گھر کو بچانا ہے تو وہ خود بچالے گا۔ اور اگر اس گھر کو بچانا اسے منظور نہیں تو ہم میں یہ طاقت نہیں کہ ہم اس کی حفاظت کر سکیں"۔

("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۳۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ حناطہ حمیری نے خواجہ عبدالمطلب سے پہلے دو اور سرداروں کو پیش کیا تھا۔ ایک بنوبکر کے شیخ عمر بن نفاثہ اور دوسرے بنوہذیل کے سردار خویلد بن نائلہ کو۔ ان دونوں نے یہ پیشکش کی تھی کہ مکہ مکرمہ میں جو کچھ دولت ہے، اس کی ایک تہائی ابرہہ منظور کر لے اور کعبہ کے انہدام سے باز آجائے۔ مگر ابرہہ نے اس پیشکش کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اس روایت کو اگر نظر میں رکھا جائے تو خواجہ عبدالمطلب کی یہ موقع شناسی تھی کہ انہوں نے صرف اپنے اونٹوں کی بات کی۔ کعبہ کے بارہ میں ابرہہ سے کوئی بات نہ کی۔ کعبہ کا معاملہ اس کے رب کے حوالہ رکھا۔

ابرہہ نے اونٹ واپس کر دیئے اور خواجہ عبدالمطلب ان کو لے کر مکہ آ گئے۔ تمام اونٹ قربانی کے لیے وقف کر دیئے اور مکہ والوں کو ہدایت کر دی کہ شہر کو خالی کر کے پہاڑوں پر چلے جائیں۔ پھر تنہا اور ایک دوسری روایت کے مطابق چند ساتھیوں کو لے کر حرم کعبہ میں آئے اور خانہ کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر اور اس کے دروازے کے حلقہ کو پکڑ کر یہ منظوم دعا کی جس کا ترجمہ یہ ہے:

۱۔ اے اللہ! بندہ اپنی جگہ کی حفاظت کرتا ہے پس تو اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

۲۔ اور اہلِ صلیب اور صلیب کے پرستاروں کے مقابلہ میں اپنے اہل کی مدد فرما۔

۳۔ ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر کبھی غالب نہیں آسکتی۔

۴۔ یہ اپنے لشکر اور ہاتھیوں کو چڑھا لائے ہیں تاکہ تیرے عیال یعنی باشندگانِ مکہ کو قید کریں۔

۵۔ انہوں نے اپنے مکر و فریب اور جہالت سے تیرے حرم کی بربادی کا قصد کیا ہے۔ انہوں نے تیری عظمت کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔

عبدالمطلب دعا سے فراغت کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ گئے اور ابرہہ اپنا لشکر لے کر خانہ کعبہ گرانے کے لیے بڑھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ ابرہہ عظیم الشان مسلح فوج اور ہاتھیوں کے ساتھ آگے بڑھا۔ ان میں سب سے بڑا ہیبت ناک اور بڑے ڈیل ڈول کا ہاتھی محمود تھا۔ وہ ہاتھیوں کی کمان کر رہا تھا۔ فیل بان نے اس ہاتھی کو اٹھایا لیکن وہ نہ اٹھا۔ اس نے طبرزین (لوہے کی کھنڈیوں) سے اسے مار

مار کر لہولہان کر دیا لیکن ہاتھی اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے جو اس گھر کا مالک ہے' غیب سے جدہ کے سمندر کی طرف سے عجیب قسم کے پرندے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے۔ ہر ایک کی چونچ میں ایک اور دونوں پنجوں میں دو سجیل (پتھر کے ٹکڑے) تھے۔ جس کو بھی وہ پتھر لگتا' اس کے اعضاء ساقط ہو جاتے۔ یہ حالت دیکھ کر لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ نفیل بن حبیب نے پہاڑ پر سے پکار کر کہا:

این المفر و الالہ طالب
والاشرم المغلوب لیس الغالب

"جب اللہ تعالیٰ خود پیچھے پڑا ہوا ہو تو بھاگنے کی جگہ کہاں مل سکتی ہے۔ اور ابرہہ نکٹا تو اب غالب نہیں بلکہ مغلوب ہے"۔

روایات میں ہے کہ یہ کنکریاں جس پر پڑتیں' اس کا چورا کر دیتی تھیں۔

("ابن سعد" جلد۱' ص۵۶)

ابرہہ اور اس کے ساتھی بھاگے اور طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا ہو کر راستہ ہی میں مر گئے۔ ابرہہ کے جسم پر چیچک کی طرح کے دانے نمودار ہوئے' جس سے اس کا تمام جسم سڑ گیا اور بدن سے پیپ اور لہو بہنے لگا۔ یکے بعد دیگرے اس کا ایک ایک عضو کٹ کر گرتا جاتا تھا۔ بالآخر اس کا سینہ پھٹ گیا اور دل باہر نکل آیا اور اس طرح خائب و خاسر ہو کر مرا۔ جب یہ سب مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک سیلاب بھیجا جو سب کو بہا کر لے گیا۔

("زرقانی" جلد۱' ص ۳۸۳-۳۹۰' "ابن سعد" جلد۱' ص۵۶' "ابن ہشام" جلد۱' ص۳۵)

بعض روایات میں ہے کہ جس روز صبح ابرہہ نے مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے ہاتھیوں اور لشکریوں کو تیار کیا۔ جب اس نے اپنے سب سے بڑے ہاتھی محمود کو مکہ کی طرف متوجہ کیا تو نفیل بن حبیب آیا اور ہاتھی کے پہلو کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور اس کے کان کو پکڑ کر کہا:

"اے محمود! بیٹھ جاؤ یا جدھر سے آئے ہو ادھر لوٹ جاؤ کیونکہ تو اللہ کے مقدس شہر میں ہے۔"

یہ سنتے ہی ہاتھی محمود بیٹھ گیا۔ نفیل بن حبیب وہاں سے نکل کر سیدھا پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ اس کے بعد ابرہہ نے ہر ممکن طریقے سے ہاتھی کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ اٹھا۔ اس کو نیزوں سے مارا۔ ہاتھی لہولہان ہو گیا' لیکن وہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ جب اس کا منہ یمن کی طرف کیا گیا تو وہ فوراً اٹھ کر بھاگنے لگا۔ اب پھر مکہ کی طرف اس کا رخ کیا' لیکن وہ پھر بیٹھ گیا۔

یہ واقعہ حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کا جس طرح عظیم الشان مظاہرہ تھا' اسی طرح قریش پر احسان عظیم بھی تھا۔ چنانچہ سورۂ فیل میں اس احسان عظیم کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اس سورہ میں خطاب اگرچہ سرکارِ

دو عالم ﷺ کو ہے مگر روئے سخن قریش کی طرف ہے۔

اس واقعہ کے نتائج بھی بڑے اہم تھے۔ جیسے یہ واقعہ غیر معمولی تھا اس طرح اس کے اثرات بھی غیر معمولی ہوئے۔ اس واقعہ کے اثرات قیصر روم پر بھی ہوئے کہ عربوں کو اس سے سخت نفرت ہو گئی اور یمن کی وہ طاقتیں جو ابرہہ کی طاقت کے سامنے جھک گئی تھیں، پھر سے ابھریں اور انہوں نے ابرہہ کے باقی ماندہ اثرات کو سرزمین یمن سے یک قلم ختم کر دیا۔

عربوں پر اس واقعہ کا اثر یہ ہوا کہ بیت اللہ سے ان کی عقیدت مندی کی زنجیریں اور مضبوط ہو گئیں اور عربوں کو یقین ہو گیا کہ خانہ کعبہ، بیت اللہ اور قریش یقیناً جار اللہ ہیں اور جار اللہ سے ٹکرانا اللہ کی قدرت سے ٹکرانا ہے۔

یہ آسمانی نشان سرکارِ دو عالم ﷺ کی تشریف آوری کا اشارہ اور غیبی اعلان تھا۔ قریش چونکہ نبی آخر الزمان کا قبیلہ تھے، لہٰذا اس خرقِ عادت طریقہ سے ان کی مدد فرمائی گئی۔ ابرہہ کی لشکر کشی اور اس کی تباہی و بربادی کا یہ واقعہ محرم الحرام میں پیش آیا جبکہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا زمانہ بالکل قریب تھا۔ اس واقعہ کے پچاس یا پچپن روز بعد سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذات قدسی صفات اس دنیا میں تشریف لائی۔ اس واقعہ نے حضور ﷺ کے دعوتی کام کو کٹھن سے کٹھن تر کر دیا کیونکہ جس طرح عرب کی عقیدت قریش سے پختہ ہوئی، قریش کو اپنی حق پرستی کا یقین ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب قریش نے اسلام قبول کر لیا تو دوسری عرب دنیا بھی پھر جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئی۔ کیونکہ ان پر اسلام کی حقانیت واضح ہو گئی۔

ابرہہ کی فوج کشی اور تباہی کے واقعہ کا سارا عرب گواہ تھا اور پوری عرب دنیا میں حادثہ اصحاب فیل کی کبھی تکذیب نہ ہوئی۔ اس زمانہ کے شعراء مثلاً امیہ بن ابی الصلت وغیرہ کے کلام میں بھی اس واقعہ کا تذکرہ موجود ہے۔ یہ عبرت ناک واقعہ عرب میں اس درجہ شہرت پذیر تھا کہ ہجرت نبوی سے پہلے تک تمام واقعات و حادثات اسی تاریخ سے شمار میں آتے تھے۔

خواجہ عبدالمطلب کی اولاد

خواجہ عبدالمطلب نے مختلف شادیاں کیں اور ان میں سے ان کے گیارہ یا بارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں میں سے ایک کا نام عبداللہ تھا جو سرکارِ دو عالم، خلاصہ کائنات، فخر موجودات ﷺ کے والد ماجد تھے۔

عبدالمطلب کے بیٹوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حارث (۲) زبیر (۳) حمزہؓ (۴) عباسؓ (۵) عبد مناف (ابو طالب) (۶) عبدالعزیٰ (ابولہب)

Marfat.com

(۷) ضرار (۸) مقوم جن کو عبدالکعبہ بھی کہتے ہیں لیکن بعض کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں (۹) جحل (۱۰) نوفل۔ بعض کے نزدیک نوفل جحل ہی کا دوسرا نام ہے۔("البدایہ والنہایہ" جلد ۲، ص)علامہ ابن خلدون نے قثم نام کا بھی اضافہ کیا ہے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کے چچاؤں میں سب سے بڑے حارث اور سب سے چھوٹے حضرت عباسؓ تھے۔ آپ کے اعمام میں سیدنا حمزہؓ اور سیدنا عباسؓ کے سوا کسی کو دولت ایمان میسر نہیں ہوئی۔

عبدالمطلب کی بیٹیاں حسب ذیل تھیں:

(۱) **سیدہ صفیہؓ:** ان کا نکاح ام المومنین سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیھا کے بھائی خویلد سے ہوا۔ یہ مشرف باسلام ہوئیں۔ پھر مدینہ طیبہ کو ہجرت بھی فرمائی۔ سیدنا زبیرؓ ان کے صاحبزادے ہیں۔

(۲) **سیدہ اروٰیؓ:** یہ بھی مکہ مکرمہ میں مشرف باسلام ہوئیں اور مدینہ کی طرف ہجرت بھی فرمائی۔

(۳) **سیدہ عاتکہؓ:** جاہلیت کے زمانہ میں ان کا نکاح ابوامیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن المخزوم یعنی سیدہ ام سلمہ ام المومنین سلام اللہ علیھا کے والد سے ہوا تھا۔ جن سے عبداللہ، زہیر اور ایک لڑکی قریبہ پیدا ہوئی۔ عبداللہ اور زہیر دونوں بالآخر اسلام کے حلقہ میں داخل ہوگئے۔ عاتکہؓ مکہ ہی میں دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئیں پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت بھی فرمائی۔

آپ نے غزوۂ بدر کے موقع پر لشکر اسلام کی فتح اور قریش مکہ کی شکست کے بارہ میں ایک خواب بھی دیکھا جو انہوں نے اپنے بھائی سیدنا عباسؓ کو سنایا تھا۔

(۴) **ام الحکیم البیضاء:** یہ سیدنا عثمان بن عفان کی نانی تھیں۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کے والد محترم اور ام حکیم البیضاء توام (جوڑے) پیدا ہوئے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا نکاح کریز بن ربیعہ سے ہوا تھا۔ ان میں سے دو اولادیں ہوئیں۔ ایک سیدنا عثمانؓ کی والدہ اروٰی بن کریز اور دوسرے عامر بن کریز۔ اروٰی بن کریز پہلے سیدنا عثمانؓ کے والد عفان بن ابوالعاص بن امیہ کے حبالہ عقد میں رہیں اور ان کے انتقال کے بعد عقبہ بن ابی معیط کے رشتہ زوجیت میں منسلک ہوئیں۔ اروٰی سے عقبہ کی یہ اولادیں ہوئیں، ولید، عمار، خالد، ام کلثوم، ام حکیم اور ہند۔

(۵) **برہ بنت عبدالمطلب:** برہ جاہلیت میں عبدالاسد بن ہلال کی زوجیت میں تھیں۔ اس سے ابوسلمہ عبدالاسدؓ پیدا ہوئے۔ یہ ابوسلمہؓ غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور یہی ام المومنین ام سلمہؓ کے شوہر اول تھے۔ ان کی شہادت کے بعد سیدہ ام سلمہ سلام اللہ علیھا کو امھات المومنینؓ کے زمرہ میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ عبدالاسد بن ہلال کے بعد برہ کا عقد ابورہم بن عبدالعزیٰ سے ہوا جس

Marfat.com

سے ابو سبرہؓ پیدا ہوئے۔ ابو سبرہؓ سابقون اولون میں سے ہیں۔ غزوہ بدر میں شرکت کی اور حبشہ کی طرف ہجرت بھی فرمائی۔

(۶) امیمہ: امیمہ بنت عبدالمطلب زمانہ جاہلیت میں جحش بن رباب کے حبالہ عقد میں تھیں۔ اس سے آپ کے ہاں عبداللہ بن جحشؓ (بدری) عبیداللہ بن جحش، ابو احمد اور ام المومنین سیدہ زینبؓ پیدا ہوئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے امیمہ کے لیے چالیس وسق کھجوریں خیبر کے محاصل سے مقرر فرمادی تھیں۔

خواجہ عبدالمطلب کی ازواج

سرور کائنات ﷺ کی حقیقی دادی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھیں۔ ان سے خواجہ عبدالمطلب سے یہ اولادیں ہوئیں۔ ابو طالب، عبداللہ، زبیر، عبدا لکعبہ، ام حکیم البیضاء، عاتکہ، برہ، امیمہ۔ عبدالمطلب کی دوسری زوجہ ہالہ بنت وہیب تھیں۔ ان سے یہ اولاد ہوئی، حمزہؓ، مقوم، جحل اور صفیہؓ۔ یہ ہالہ سرور کائنات ﷺ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ بنت وہب کی چچازاد بہن تھیں۔ چنانچہ سیدنا حمزہؓ کے نانا وہیب اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے نانا وہب دونوں حقیقی بھائی تھے۔ خواجہ عبدالمطلب کی تیسری شادی نتیلہ بنت خباب سے ہوئی۔ ان سے سیدنا عباسؓ اور ضرار پیدا ہوئے۔ چوتھی بیوی آپ کی صفیہ بنت جندب تھیں۔ ان سے حارث اور قثم پیدا ہوئے۔ پانچویں رفیقہ حیات آپ کی لبنیٰ بنت ہاجر تھیں۔ ان سے ابولہب پیدا ہوا اور آپ کی چھٹی بیوی کا نام ممتعہ بنت عمرو تھا۔ ان سے نوفل پیدا ہوئے۔

("المعارف" لابن قتیبہ، ص ۵۲)

حضرت عبداللہ کی شادی

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا کہ حضرت عبداللہ کی قربانی کے عوض خواجہ عبدالمطلب نے ایک سو اونٹ ذبح کیے اور اس طریقے سے حضرت عبداللہ ذبح ہونے سے محفوظ رہے اور اس روز سے ایک شخص کی دیت سو اونٹ قرار پائی جس کو شریعت اسلامی نے بھی بحال رکھا۔ البتہ اونٹوں کے میسر نہ ہونے کی صورت میں دس ہزار درہم مقرر فرمائے۔

سرور کائنات ﷺ کی ذات اقدس سارے عالم کے لیے ذریعہ سعادت اور مایہ شرف وافتخار تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے عالمِ ظہور میں لانے کے لیے شریف ترین باپوں اور مصئون ترین ماؤں کو منتخب فرماتا رہا۔ گویا جیسا بے مثل گوہر تابدار اور جوہر بے بہا تھا، ویسے ہی پاکیزہ اور عصمت مآب صدف بھی ان کے حامل رہے۔ سرکارِ دو عالم کا نور مختلف صلبوں اور شکموں میں ودیعت ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ

Marfat.com

عبد مناف پر پہنچ کر ان کے چہرۂ زیبا پر ضیاء گستر ہوا۔ جس کی وجہ سے انہیں "قمرالبطحاء" کا لقب ملا۔ پھر یہی نور ہاشم کے رخ زیبا پر ضیا بار ہوا۔ اسی نور ہی کی برکات تھیں کہ جو کوئی انہیں دیکھتا فوراً تعظیم بجالاتا اور سر تسلیم خم کر لیتا۔ پھر یہ نور عبدالمطلب کی طرف منتقل ہوا اور ان کے رخ انور پر ضیاء پاش ہوا۔ ہر کوئی انہیں دیکھ کر متاثر ہوتا۔ بالآخر یہ نور خواجہ عبدالمطلب سے عبداللہ کو منتقل ہوا۔ عنفوان شباب میں یہ نور ان کے رخ زیبا پر اپنی ضیاباریاں دکھاتا تھا۔ اسی وجہ سے حافظ ابن کثیر نے امام زہری کا قول نقل کیا ہے کہ عبداللہ تمام قریش میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھے۔

حضرت عبداللہ کی عمر جب اٹھارہ، بیس برس کی تھی۔ اٹھتی ہوئی جوانی اس پر تقویٰ و پارسائی کے زیور کی بارش، اس پر حسن و جمال کی رعنائیاں۔ آپ جس گلی اور جس کوچہ سے گزرتے، سینکڑوں دوشیزاؤں کے دل سینوں میں مچلنے لگتے اور صدہا مخدرات کو چھپ چھپ کر ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب ہوتیں، چنانچہ لکھا ہے کہ:

"حضرت عبداللہ کو اپنے زمانہ میں عورتوں کی طرف سے انہی مشکلات اور صبر آزما حالات کا سامنا کرنا پڑا جو سیدنا یوسف علیہ السلام کو اپنے زمانہ میں عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے پیش آئے۔ (مثل مالقی یوسف فی زمنه من امراة العزیز)

(السیرۃ النبویہ زینی دحلان جلد ۱ ص ۴۲)

مواہب اللدنیہ کے شارحین کا ایک نہایت اچھا جملہ یہ لکھا ہوا ہے کہ:

"حضرت عبداللہ پورے قبیلہ قریش میں ایک نور تابندہ تھے اور خوبصورتی میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔ قریش کی عورتیں ان کے دام محبت میں اسیر تھیں اور قریب تھا کہ وہ ان کی محبت میں اپنی عقل و خرد کھو بیٹھیں۔" (وکدن ان تزهل عقولهن۔)

(السیرۃ النبویہ، زینی دحلان جلد ۱ ص ۴۲)

اسی نور محمدی کی دل ربائی کی شان یہ تھی کہ عرب کے بڑے بڑے رؤسا اس بات کے آرزومند تھے کہ اپنی بیٹیاں حضرت عبداللہ کے حبالہ عقد میں دیں۔ چنانچہ چند ہی روز میں گھر گھر عبداللہ کا چرچا ہونے لگا۔ انہی ایام میں خواجہ عبدالمطلب کو یمن کا سفر پیش آیا۔ یمن میں وہ ایک یہودی عالم کے ہاں ٹھہرے۔ اس عالم نے ان کے جسم کو دیکھا۔ ہر ہر عضو کا بغور معائنہ کیا۔ آخر دونوں نتھنے دیکھ کر کہنے لگا مبارک ہو عبدالمطلب ایک میں نبوت ہے اور دوسرے میں حکومت۔ اور میں نبوت کو بنو زہرہ کے پیوند میں ضیاء افگن پاتا ہوں۔ تم وطن جا کر بنو زہرہ سے مصاہرت کا تعلق پیدا کرو۔ ("زرقانی، علی المواہب")

جب خواجہ عبدالمطلب سفر سے واپس مکہ مکرمہ آئے تو آپ کے پاس حضرت عبداللہ کی شادی کے پیغامات آنے شروع ہوئے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا بنو زہرہ میں کوئی نیک سیرت اور مقبول

Marfat.com

صورت لڑکی ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ وہب بن عبد مناف کی لڑکی آمنہ حسن و جمال میں عدیم النظیر اور عفت و پارسائی میں بے مثل ہے۔ خواجہ عبدالمطلب نے اپنی اہلیہ اور حضرت عبداللہ کی والدہ فاطمہ بنت عمرو کو فی الفور وہب بن عبد مناف کے گھر بھیجا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچیں تو اہلِ خانہ نے ان کے لیے آنکھیں بچھادیں اور ان کی تشریف آوری کو اپنے لیے باعث صد افتخار سمجھا۔ عبدالمطلب کی اہلیہ جناب آمنہ کی صباحت و ملاحت کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوئیں۔ وہ بحر کمال کے گوہر بے بہا کو دیکھ کر کہنے لگیں کہ میں اپنے بیٹے عبداللہ کا پیام آپ کی بیٹی آمنہ کے لیے لے کر آئی ہوں۔ یہ پیام سن کر گھر کی عورتیں خوشی سے اچھل پڑیں اور بولیں کہ ہم قریش کے سردار عبدالمطلب کے گھرانے کی لونڈیاں بننے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ سے بات پکی ہوگئی اور حضرت آمنہ سے جناب عبداللہ کا نکاح ہوگیا۔ اس موقع پر علماء سیرت نے لکھا ہے کہ

اسی مجلس میں خواجہ عبدالمطلب خود وہب کے بھائی وہیب بن عبد مناف کی لڑکی ہالہ بنت وہیب کو اپنے رشتہ ازدواج میں لائے جن سے سیدہ صفیہؓ اور سید الشہداء سیدنا حمزہ متولد ہوئے ("زرقانی")

بنو ہاشم کی طرح سیدہ آمنہ کا خاندان بنو زہرہ بھی قریش کا ایک ممتاز خاندان تھا۔ ان کے والد وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ایک نہایت شریف النفس اور بلند اخلاق انسان تھے۔ سیدہ آمنہ کی والدہ برہ بنت عبدالعزیٰ بن قصی بھی قریش کی ایک نہایت معزز خاتون تھیں۔

چنانچہ ان کا نسب نامہ یوں ہے: آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ اور آپ کے والد عبداللہ کا نسب نامہ یوں ہے: عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ کلاب پر مادری اور پدری دونوں سلسلے جمع ہوجاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ کا انتقال

اس دنیا میں انسانی ہستی ایک حباب کی طرح ہے۔ معلوم نہیں کب وہ ختم ہو جائے۔ یہ دنیا دارالقرار نہیں بلکہ تماشا گاہ حوادث ہے۔ اس میں جو آیا اس نے جلد یا بدیر ایک نہ ایک دن جانا ہے۔

یہ دنیا عجب سرا ہے کہ جس میں شام و سحر
کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

حضرت عبداللہ کی شادی کو ابھی چند ہی ماہ گزرے تھے اور سیدہ آمنہ کا جمال ابھی جی بھر کے دیکھا بھی نہ تھا کہ سفر آخرت کا وقت آ پہنچا۔ جناب عبداللہ کی شادی کے چند ماہ بعد غالباً سب سے پہلا گرمائی قافلہ جو مکہ سے شام کو روانہ ہوا، اس میں اپنے والد ماجد کے حکم سے جناب عبداللہ بھی شامل ہوگئے۔ اس وقت ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ آمنہ امید سے تھیں۔ جب یہ قافلہ شام سے واپس آرہا تھا تو جناب

Marfat.com

عبداللہ راستے ہی میں بیمار پڑ گئے۔ جب یہ قافلہ مدینہ طیبہ پہنچا تو حضرت عبداللہ کی طبیعت زیادہ مضمحل ہو گئی اور نقل و حرکت کی طاقت نہ رہی۔ اس لیے آپ اپنے والد کے ننھیال بنو عدی بن النجار میں ٹھہر گئے اور ایک ماہ بیمار رہ کر اس دار فانی سے دار باقی کو انتقال فرما گئے اور دار نابغہ میں مدفون ہوئے۔

قافلہ تو انہیں بیمار چھوڑ کر مکہ آ گیا۔ جب مکہ پہنچا تو خواجہ عبدالمطلب نے اہلِ قافلہ سے اپنے فرزند گرامی کے بارہ میں دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم انہیں آپ کے ننھیال بنو عدی میں بیماری کی حالت میں چھوڑ آئے ہیں۔ عبدالمطلب کو اپنے اس فرزند کی بابت بڑی تشویش ہوئی۔ چنانچہ فوری طور پر اپنے بڑے بیٹے حارث کو ان کو لانے کو بھیجا۔ لیکن حضرت عبداللہ اپنے بھائی حارث کے پہنچنے سے پہلے ہی دار آخرت کو رخصت ہو چکے تھے۔ حارث بے نیل مرام واپس آئے اور اپنے والد خواجہ عبدالمطلب کو اس جانکاہ حادثہ کی اطلاع دی۔ اس خبر نے ہاشمیوں کے گھروں میں صف ماتم بچھا دی۔ ہر دل سوگوار اور ہر آنکھ پرنم تھی لیکن اس خبر سے سیدہ آمنہ کے دل پر جو گزری، اس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ امید کے سب غنچے مرجھا گئے۔ گلستان مراد خزاں کی باد سموم سے تاخت و تاراج ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے شوہر کی دائمی مفارقت میں جو دردناک اشعار کہے، وہ "مواہب اللدنیہ" اور اس کی شرح "زرقانی" میں مرقوم ہیں۔

عام تواریخ میں سیدنا عبداللہ کا مدینہ منورہ میں انتقال فرمانا اور وہیں دار نابغہ میں مدفون ہونا مذکور ہے۔ لیکن اس بارہ میں دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے موضع ابواء میں جو مدینہ سے ۲۳ میل کی مسافت پر ہے، رحلت فرمائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۱۸ سال تھی۔ حافظ علائی اور حافظ ابن حجر اور سیوطی کے نزدیک یہی عمر صحیح ہے۔ (زرقانی) لیکن بعض روایات میں ۲۵ سال عمر منقول ہے۔ ترکہ میں حضرت عبداللہ نے بکریوں کا ایک گلہ، پانچ اونٹ اور ایک باندی ام ایمن چھوڑی۔

("طبقات ابن سعد" جلد ا، ص ۶۱، "زرقانی علی المواہب" جلد ا، ص ۱۰۹)

Marfat.com

ولادت باسعادت

آخر وہ ساعت همایوں آگئی جس کے لیے خلق خدا سینکڑوں ہزاروں سال سے چشم براہ تھی اور وہ ذات اقدس اس دنیا میں تشریف لائی جو دعائے خلیل اور نوید مسیحا تھی۔ جس کی تشریف آوری کا چار دانگ عالم میں غلغلہ بلند تھا۔ جس کی تشریف آوری شرافت وانسانیت کے چمن میں فصل گل کی آمد تھی۔ چنانچہ واقعہ فیل کے پچاس روز بعد اور دوسری روایت کے مطابق پچپن روز بعد چمنستان دہر میں وہ گل لالہ تشریف لائے، جس سے پورا چمنستان مہک اٹھا۔ دوشنبہ کے روز ۱۲ ربیع الاول (حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اگرچہ ۱۲ ربیع الاول ہی کو جمہور کی مشہور روایت قرار دیا ہے (هذا هو المشهور عند الجمهور، "البدایہ والنہایہ" جلد ۲، ص ۲۶۰) لیکن مورخین نے اس کے علاوہ اور تاریخیں بھی ذکر کی ہیں۔ فلکیات کے ماہر علامہ محمود فلکی نے ۹ ربیع الاول صحیح قرار دی ہے۔ بعض بڑے بڑے اکابر جیسے علامہ شبلی نعمانیؒ اور محدث کبیر امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے محمود فلکی ہی کی تحقیق کو صحیح قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے آپ کی تاریخ ولادت ۸ ربیع الاول نقل کی ہے۔ ان کے حساب کے مطابق دوشنبہ کا دن ۸ ربیع الاول کو بنتا ہے۔ پھر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا جبیر بن مطعمؓ سے بھی یہی منقول ہے اور علامہ قطب الدین قسطلانیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ("زرقانی" جلد ۱، ص ۱۳۱) ربیع الاول کی تاریخوں میں اختلاف ہے لیکن علامہ ابن الجوزی نے اس بات پر محدثین و مورخین کا اجماع نقل کیا ہے کہ ولادت باسعادت ماہ ربیع الاول ہی میں ہوئی۔ اگرچہ بعض حضرات نے رجب اور رمضان وغیرہ کے مہینے بھی نقل کیے ہیں لیکن یہ تمام اقوال ضعیف ہیں۔ ("زرقانی، جلد ۱، ص ۱۳۰)

یا رب صل و سلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلهم

۵۷۰ء مطابق ۲۲ اپریل صبح صادق کے وقت افق مکہ پر ہدایت و رحمت کا آفتاب جہاں تاب طلوع

ہوا۔ آپ کی ولادت باسعادت مکہ مکرمہ کے محلہ شعب بنی ہاشم میں اس مقام پر ہوئی جو آج کل مولد النبی ﷺ کے نام سے مشہور ہے۔ تمام اصحاب السیر کا اتفاق ہے کہ آپ ربیع الاول کے مہینہ میں سوموار کے دن اس دنیا میں تشریف لائے۔ لیکن ربیع الاول کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ وفات بھی آپ کی پیر کے روز بوقت چاشت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ اسی وجہ سے پیر کے دن کو اسلام میں ایک خاص فضیلت حاصل ہے کیونکہ اسلام کے بہت سے تاریخی امور اس دن میں واقع ہوئے۔ جیسے آپ کی پیدائش پیر کو ہوئی، اعلان نبوت آپ نے پیر کو فرمایا، مکہ سے ہجرت پیر کو فرمائی، مدینہ منورہ میں داخلہ پیر کے روز ہوا، اور آپ کی وفات پیر کے روز ہوئی (کما قال الحاکم، سیرۃ ابن کثیر، جلد ۱، ص ۱۹۹)

نسب نامہ

آپ کا نسب نامہ یہ ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

اس سلسلہ نسب میں ہر پشت کے جد اعلیٰ پر عرب کے کئی قبائل سرکار دو عالم ﷺ کے ہم نسب ہو جاتے ہیں۔

۱۔ عدنان پر اس کے دوسرے بیٹے عک کی اولاد یمن میں جا کر آباد ہو گئی اور اشعریوں سے ان کے تعلقات استوار ہو گئے۔

۲۔ معد پر بنی قضاعہ اور بنی ایاد۔

۳۔ مضر پر تمام قبائل، قیس، سلیم، مازن، فزارہ، عبس، غطفان، قشیر، ثقیف، بنی سعد بن بکر اور تمام بنی ہوازن وغیرہ۔

۴۔ مدرکہ پر ہذیل۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اسی قبیلہ سے تھے۔

۵۔ خزیمہ پر بنی اسد، قارہ اور تمام بنی الہون بن خزیمہ۔

۶۔ کنانہ پر بنی عبد مناۃ (جس میں بنی بکر اور بنی ضمرہ شامل ہیں) بنی مالک، بنی ملکان، سیدنا ابوذر غفاریؓ کا قبیلہ غفار بنی ملکان میں سے تھا۔

۷۔ فہر پر بنی محارب اور بنی حارث، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ بنو حارث کی ایک شاخ میں سے تھے۔

۸۔ لوی بن غالب پر بنو عامر (اسی خاندان سے سیدہ خدیجہ ام المومنینؓ کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ تھیں۔) اسی خاندان کی دوسری شاخ سے سہیل بن عمرو تھے، جنہوں نے آپؐ سے صلح حدیبیہ کی شرائط

Marfat.com

طے کی تھیں۔اسی خاندان کی ایک شاخ سے سیدہ سودہ بن زمعہ ام المومنینؓ تھیں۔

۹۔ کعب بن لوی پر بنی عدی، بنی جمح اور بنی سہم تھے۔ سیدنا عمرؓ بنو عدی میں سے تھے۔ سیدنا عثمان بن مظعونؓ بنو جمح اور سیدنا عمرو بن العاصؓ بنو سہم میں سے تھے۔

۱۰۔ مرہ بن کعب پر بنو تیم اور بنو مخزوم۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کا تعلق بنو تیم سے تھا۔ سیدنا طلحہؓ بھی اسی خاندان سے تھے۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ اور ان کے شوہر ابو سلمہ بنو مخزوم میں سے تھے۔ سیدنا ارقمؓ بھی اسی خاندان سے تھے۔ اسی خاندان کی ایک شاخ سے سیدنا خالد بن ولیدؓ تھے۔ سیدنا عمرؓ کی والدہ حنتمہ بنت ہشام بھی اسی خاندان سے تھیں۔ اس رشتے سے ابو جہل بن ہشام سیدنا عمرؓ کا ماموں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی حقیقی دادی فاطمہ بنت عمرو بن بھی مخزوم میں سے تھیں۔

۱۱۔ کلاب بن مرہ پر بنو زہرہ۔ سرکار دو عالم ﷺ کی والدہ سیدہ آمنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور سیدنا عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور سیدنا حمزہؓ کی والدہ ہالہ بنت اہیب کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔

۱۲۔ قصی بن کلاب پر بنی عبد العزیٰ، بنی عبد الدار، سیدہ خدیجہ ام المومنین، سیدنا زبیر بن العوامؓ، سیدنا ورقہ بن نوفلؓ، اور سیدنا حکیم بن حزامؓ سب بنو عبد العزیٰ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی خاندان کی ایک شاخ سے سیدنا مصعب بن عمیرؓ کا بھی تعلق تھا۔

۱۳۔ عبد مناف بن قصی پر بنی المطلب، بنی عبد شمس اور بنی نوفل۔ تمام بنو امیہ عبد شمس کی اولاد تھے۔ سیدنا جبیر بن مطعمؓ کا تعلق بنی نوفل سے تھا اور بنو المطلب شروع ہی سے بنو ہاشم کا معاون رہا۔

۱۴۔ ہاشم بن عبد مناف پر تمام بنو ہاشم۔ ہاشم کی ایک بیوی بنو قضاعہ سے تھی، دوسری بیوی بنی مازن سے، تیسری بنو خزاعہ سے، چوتھی بیوی مدینے کی ہند بنت عمرو خزرجیہ تھی اور پانچویں بیوی مدینہ کے ایک اور خزرجی خاندان بنو نجار سے تھی جس کا نام سلمیٰ بنت عمرو تھا۔ یہی خواجہ عبد المطلب اور ان کی ایک بہن رقیہ کی والدہ تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ مدینہ کے ساتھ آپ کی پہلے سے تعلق داری تھی۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مکہ مکرمہ اور اس کے گردونواح میں جس قدر خاندان آباد تھے، ان میں سے ہر خاندان کے ساتھ آپ کی دور و نزدیک کی رشتہ داری تھی، چنانچہ بخاری میں سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کا یہ قول منقول ہے:

لم یکن بطن من قریش الا ولہ فیہ قرابہ۔

"قریش کے ہر خاندان سے آپ کی قرابت داری تھی۔"

روایات میں ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت کچھ حیرت انگیز واقعات رونما ہوئے۔ کچھ واقعات تولد سے قبل اور کچھ تولد کے بعد دیکھنے میں آئے۔ سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ جب آپ اپنی والدہ محترمہ کے بطن میں تھے تو کسی نے خواب میں سیدہ آمنہ سے کہا کہ تم اس امت کے پیغمبر سے حاملہ ہوئی ہو۔

جب یہ بچہ پیدا ہو تو یوں کہنا:

اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد۔

"میں اس مولود کو ہر حاسد کے شر سے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں۔"

("عیون الاثر" جلد ۱، ص ۷۷، الوفاء، ابن جوزی، جلد ۱، ص ۸۸)

اور یہ بھی بتایا کہ اس بچہ کے ساتھ ایک نور نکلے گا جو مشرق و مغرب کو روشن کردے گا۔

("عیون الاثر" جلد ۱، ص ۵۸)

ولادت باسعادت کے وقت آپ کی والدہ محترمہ نے ایک نور دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

("فتح الباری" ج ۶ ص ۴۲۶، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، "مجمع الزوائد"، ج ۸، ص ۲۲۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے۔

("فتح الباری"، جلد ۶ صفحہ ۴۲۶، "ابن سعد" جلد ۱، ص ۶۳)

شام اور بصریٰ کے محلات کے دکھائے جانے کی تخصیص کے بارہ میں علماء نے مختلف وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے لے کر شام تک کا تمام علاقہ آپ کی دنیوی زندگی ہی میں آپ کے زیر نگیں آجائے گا۔ چنانچہ شام آپ ہی کی زندگی میں فتح ہوا۔ اور بصریٰ جو ملک شام کا ایک شہر ہے، وہ خاص طور پر اس لیے دکھلایا گیا کہ علاقہ شام میں سے سب سے پہلے بصریٰ ہی میں نور ہدایت پہنچا اور ممالک شام میں سب سے پہلے بصریٰ ہی فتح ہوا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب سرور کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو اس وقت گھر کی کوئی شئے ایسی نہ تھی جو منور نہ ہوئی ہو۔ آسمان کے ستارے نیچے کی طرف جھکتے اور زمین سے قریب ہوتے دکھائی دیتے تھے۔ یہاں تک کہ مجھے (والدہ عثمان بن ابی العاص) خوف ہوا کہ کہیں مجھ پر نہ گر پڑیں۔

ستاروں کے زمین کی طرف جھک آنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ اب عنقریب زمین سے کفر و شرک کے گھٹاٹوپ اندھیرے کافور ہو جائیں گے اور نور ہدایت اور نور نبوت سے تمام روئے زمین منور اور روشن ہو جائے گی۔

سیدہ آمنہ کا یہ بیان ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو نہایت لطیف اور پاک و صاف تھے۔ جسم اطہر پر کسی قسم کی آلائش اور گندگی نہ تھی۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۶۳)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔

(السیرۃ النبویہ، لابن کثیر، جلد ۱، ص ۲۱۱، "زرقانی"، جلد ۱، ص ۱۲۴، جلد ۵، ص ۲۴۴)

لیکن اکثر محدثین ان روایات کے ضعیف ہونے کے قائل ہیں۔ امام حاکم نے مختون پیدا ہونے کی روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن امام ذہبی نے لکھا ہے کہ "لا اعلم صحۃ ذالک، فکیف صحہ متواترا (مجھے تو ان کی صحت کا ہی علم نہیں، متواتر ہونے کا دعویٰ تو بہت بڑی بات ہے)

امام سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ جب آپ کی ولادت باسعادت پر کائنات کی ہر شئے خوشی اور مسرت کے ترانے گا رہی تھی تو ایک ذات ایسی بھی تھی جو اپنی حرماں نصیبی اور بدبختی پر اشک فشاں تھی اور وہ ابلیس ملعون کی ذات تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

"ابلیس ملعون نے زندگی میں چار مرتبہ چیخ مار کر گریہ و زاری کی ہے۔ پہلی مرتبہ جب اس کو بارگاہ رب العزت سے ملعون قرار دیا گیا، دوسری مرتبہ جب اسے بلندی سے پستی کی طرف دھکیلا گیا، تیسری مرتبہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، چوتھی مرتبہ جب سورت فاتحہ نازل ہوئی"۔

(عیون الاثر، جلد ا، ص ۲۷، "روض الانف" جلد ۲، ص ۱۸۱، السیرۃ النبویہ، لابن کثیر، جلد ا، ص ۲۱۲)

آپ کے دادا خواجہ عبدالمطلب کو عبداللہ اور آمنہ کے نور نظر کی ولادت باسعادت کی خبر دی گئی۔ خبر سنتے ہی عبدالمطلب کی آنکھوں کے سامنے اپنے نور نظر حضرت عبداللہ کی تصویر گھومنے لگی۔ فوراً اٹھے اور سیدہ آمنہ کے گھر جا کر اپنے پوتے کو دیکھ کر نہایت مسرور و محظوظ ہوئے۔

("عیون الاثر" جلد ا ص ۸۷)

اسی وقت آپ کو اٹھا کر حصول برکت کے لیے خانہ کعبہ تشریف لے گئے اور کافی دیر تک بچے کی درازی عمر کے لیے دعائیں مانگتے رہے۔ خدا بزرگ و برتر کا شکر ادا کرنے کے بعد آپ کو واپس آپ کی والدہ محترمہ کے پاس لے آئے۔

امام سہیلی نے "الروض الانف" میں نقل کیا ہے کہ خواجہ عبدالمطلب نے ان اشعار کے ساتھ آپ کے لیے دعا کی۔

الحمد لله الذي اعطاني ... هذا الغلام الطيب الاردان
قد ساد في المهد على الغلمان ... اعيذه بالبيت ذي الاركان
حتى اراه بالغ البنيان ... اعيذه من شر ذي شنان
من حاسد مضطرب العنان

۱۔ "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے مجھے یہ پاکیزہ جسم و جان فرزند عطا فرمایا۔
۲۔ جو جھولے میں بھی بچوں کا سردار ہے، اور میں اسے رب البیت کی پناہ میں دیتا

Marfat.com

ہوں۔

۳۔ جب تک یہ بولے، باتیں کرے، اور اس کی زبان کھلے، دشمنوں کا کوئی شر اسے ضرر نہ پہنچا سکے اور حاسدوں کی آنکھ سے خداوند دو جہاں اسے محفوظ و مصئون رکھے"۔

(السیرة النبویہ، لابن کثیر، جلد ا، ص ۲۱۱ "طبقات ابن سعد" جلد ا، ص)

نام نامی

ولادت باسعادت کے ساتویں روز روایات کے مطابق خواجہ عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا اور اپنے پوتے کی خوشی میں تمام قریش کو دعوت دی اور آپ کا نام محمد ﷺ رکھا۔ قریش کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ نام اس لیے رکھا ہے کہ اللہ آسمان میں اور اللہ کی مخلوق زمین میں اس بچے کی تعریف کے گن گائے۔ ("زرقانی شرح موطا" جلد ۴، صفحہ ۲۷۱ "فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۲۴)

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ نام خواجہ عبدالمطلب کو خواب میں بتایا گیا تھا اور ابن سید الناس نے محمد ابن اسحاق کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپ کی والدہ کو اس نام کے بارہ بتایا گیا تھا۔ ("عیون الاثر" جلد ا، ص ۸۸) بعض علماء نے سیدہ آمنہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ لکھا ہے کہ خداوند قدوس نے آپ کے خصائل حمیدہ اور صفات پسندیدہ کے پیش نظر دلوں میں القاء کر دیا تھا کہ آپ کا نام محمد ﷺ رکھا جائے تاکہ اسم اور مسمّٰی میں صورت اور معنی کے لحاظ سے مطابقت ہو جائے۔

لفظ محمد ﷺ حمد سے مفعل کے وزن پر اسم مفعول ہے۔ محمد کی تعریف یہ ہے کہ اس سے محمود کی ثنا اور تعظیم کا اظہار ہو۔ چونکہ یہ وزن تکثیر کے لیے وضع کیا گیا ہے، اس لیے اگر اس سے اسم فاعل بنایا جائے گا تو اس سے فعل کا صدور پے در پے اور بکثرت ظاہر ہونا ضرور ہے۔ اور اگر اسم مفعول بنایا جائے تو خود اس پر وقوع فعل بتواتر ہونا ضروری ہے۔ پس اسم محمد ﷺ کا مسمّٰی اس امر کا مستحق ہے کہ اس پر حمد کرنے والوں کی حمد بکثرت اور پے در پے واقع ہو۔

مصر کے مشہور عالم استاذ ابو زہرہ نے آپ کے نام کے بارہ میں لکھا:

"تفعیل کا صیغہ کسی فعل کے بار بار واقع ہونے اور لحہ بہ لحہ وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس میں استمرار بھی پایا جاتا ہے یعنی ہر آن وہ نئی شان بان کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ اس تشریح کے مطابق لفظ محمد ﷺ کا مفہوم اور معنی یہ ہوا کہ وہ ستودہ صفات ذات جس کی استمرار کی صورت میں ہر لحہ اور ہر ساعت نوبہ نو تعریف کی جاتی ہو"۔

("خاتم النبیین" جلد ا، ص ۱۱۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ کی والدہ کو بتایا گیا کہ نومولود کا نام "احمد" رکھنا۔ چنانچہ والدہ نے

آپ کا نام احمد ﷺ رکھا۔ بعض روایتوں میں دونوں نام مذکور ہیں۔
(ملاحظہ ہو "عیون الاثر" لابن سید الناس، ج ۱، ص ۸۸، "خصائص کبریٰ" ج ۱، ص ۳۲)
حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اسم "محمد" اللہ تعالیٰ نے خواجہ عبدالمطلب کو الہام کیا تھا کیونکہ آپ عمدہ خصائل و صفات کے پیکر تھے تاکہ اسم اور مسمی، صورت اور معنی کے مطابق ہو جائے۔ جیسا کہ حسان بن ثابتؓ نے فرمایا ہے:

و شق لہ من اسمہ لیجلہ فذوالعرش محمود وھذا محمد

(السیرۃ النبویہ، جلد ۱، ص ۲۱۱)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سرور کائنات ﷺ کے کئی نام تھے۔ ان میں دو نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ زیادہ مشہور ہیں۔ چنانچہ حدیث میں بھی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ﷺ ہوں، میں احمد ہوں ﷺ، میں ماحی ہوں یعنی کفر کا مٹانے والا، میں حاشر ہوں یعنی لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا اور میں عاقب ہوں یعنی تمام انبیاء کے بعد آنے والا۔
("ترمذی" حدیث نمبر ۲۸۴۲، "بخاری" حدیث نمبر ۳۵۳۲، "مسلم" حدیث نمبر ۲۳۵۴، "الشمائل للترمذی" حدیث نمبر ۳۵۹، "ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۰۵، "تھذیب الکمال" جلد ۱، ص ۱۸۶، "تھذیب تاریخ دمشق لابن عساکر، جلد ۱، ص ۲۷۴، "موطا مالک" ص ۶۲۰، "سنن الدارمی" جلد ۲، ص ۳۱۷-۳۱۸، "دلائل النبوۃ" بیہقی، جلد ۱، ص ۹۴، "مستدرک حاکم" جلد ۲، ص ۶۰۴، "شفاء قاضی عیاض" جلد ۱، ص ۴۴۴، "الوفا لابن الجوزی"، جلد ۱، ص ۱۰۳، "تاریخ الخمیس" جلد ۱، ص ۶۰۲، "زرقانی، جلد ۳، ص ۱۱۵-۱۱۶، "المعجم الکبیر" للطبرانی، جلد ۲، ص ۱۲۱، حدیث نمبر ۱۵۲۵)
احمد قرآن حکیم میں صرف ایک جگہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے قول کی حکایت کے طور پر آیا ہے۔
محمد، محمود اور احمد تینوں صفاتی نام ہیں۔ محمد ﷺ وہ ہے جس کی بار بار حمد کی جائے یا وہ جس میں خصائل محمودہ کامل طور پر جمع ہوں۔ اور احمد کے معنی احمد الحامدین یعنی حمد کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔ گویا دوسرے انبیاء حماد ہیں اور آپ احمد ﷺ، یعنی سب سے زیادہ حمد کرنے والے یا صفت حمد میں سب سے اعظم۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز آپ پر مقام محمود میں ایسے دروازے کھولے جائیں گے کہ آپ سے قبل کبھی کسی پر نہ کھلے ہوں گے۔
آپ دنیا میں محمود تھے کیونکہ لوگوں نے آپ کی ذات اقدس سے ہدایت پائی اور آپ کے علم و حکمت سے مستفیض ہوئے۔ اس وجہ سے آپ کی تعریف و توصیف چار دانگ عالم میں کی جاتی ہے۔ جس طرح دنیا میں آپ کی تعریف کی جاتی ہے، اسی طرح جب آپ دار آخرت میں اپنے رب جلیل کی حمد و ثناء کر کے شفاعت فرمائیں گے تو تمام جن و انس آپ کی حمد و ستائش کریں گے۔ مزید برآں آپ سورۃ

الحمد، لوائے حمد اور مقام محمود کے ساتھ مخصوص کیے گئے ہیں اور آپ پر کھانے پینے اور دوسرے کئی مقامات پر حمد کرنا مشروع ہوا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "فتح الباری"، ج ۶، ص ۴۰۳، "الروض الانف" ج ۱، ص ۱۰۶)

سرور کائنات ﷺ کے پورے خاندان میں کبھی کسی نے یہ نام نہیں رکھا تھا۔ اسی وجہ سے تمام قریش نے بڑے تعجب سے خواجہ عبدالمطلب سے پوچھا کہ آپ نے ایسا نام کیوں رکھا جو قبل ازیں آپ کے آباء و اجداد میں سے کسی نے اب تک نہیں رکھا؟ عبدالمطلب نے کہا کہ میں نے یہ نام اس لیے رکھا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ آسمان پر اور اس کی مخلوق زمین پر اس کی تعریف کرے۔

("فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۲۴، "البدایہ والنہایہ" جلد ۲)

اگرچہ آپ کے خاندان میں محمدؐ نام کبھی کسی نے نہیں رکھا تھا لیکن تاریخ کی کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ عرب میں چند لوگوں کے یہ نام سرکارِ دوعالم ﷺ سے پہلے بھی موجود تھے۔ چونکہ عرب میں یہ خبر تواتر کے ساتھ مشہور تھی کہ محمدؐ نام کے ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں اس وجہ سے کئی لوگوں نے حصول نبوت کی اس آرزو اور طمع کی وجہ سے اپنے بیٹوں کے نام محمدؐ رکھے۔ چنانچہ حافظ مغلطائی نے اپنی سیرت میں ایسے چودہ اشخاص کا ذکر کیا ہے، جن کا نام محمد رکھا گیا تھا۔

امام سہیلی نے "الروض الانف" میں لکھا ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی ولادت سے پہلے عرب میں اس نام کے تین شخص تھے۔ ان کے والدین نے ان کے نام محمد اس خیال سے رکھے تھے کہ انہوں نے سن رکھا تھا کہ اس نام کا ایک پیغمبر اس قریبی زمانہ میں سرزمین حجاز میں مبعوث ہونے والا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا بیٹا وہ ہو۔ وہ تین نام یہ ہیں:

(۱) محمد بن سفیان بن مجاشع، فرزدق شاعر کے دادا (۲) محمد بن احیحہ بن الجلاح اور (۳) محمد بن حمران ("الروض الانف" جلد ۱، ص ۱۰۵) لیکن قاضی عیاض نے چھ نام ذکر کیے ہیں: (۱) محمد بن احیحہ ابن الجلاح (۲) محمد بن مسلمہ انصاری (۳) محمد بن براء البکری (۴) محمد بن سفیان بن مجاشع (۵) محمد بن حمران الجعفی ۶) محمد بن خزاعی۔ لیکن احمد نام کا کوئی شخص سرکارِ دوعالم ﷺ سے قبل سرزمین عرب میں کوئی نہیں ہوا۔ (السیرۃ النبویہ، جلد ۱، ص ۲۱۰، عیون الاثر، جلد ۱، ص ۳۱، الشفاء، جلد ۱، ص ۳۱۳)

قاضی عیاض نے ایک اور بات اس بارہ میں یہ نقل فرمائی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ عالم وجود میں آنے اور محمدؐ ہونے سے قبل ہی احمد تھے کیونکہ آپ کا یہ اسم گرامی کتب سابقہ میں مذکور تھا۔ چنانچہ مسیح علیہ السلام نے اسی نام سے آپ کو یاد کیا ہے"۔ ("الشفاء" جلد ۱، ص ۳۱۴)

Marfat.com

کنیت

آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ یہ کنیت آپ کے سب سے بڑے بیٹے قاسم کے نام پر تھی۔ لیکن علماء نے لکھا ہے کہ یہ کنیت صرف آپ کے بیٹے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ آپ نے اپنے ۲۳ سالہ زمانہ رسالت و نبوت میں شب و روز خزائن سعادت وہدایت لوگوں میں تقسیم کیے، گویا آپ "قاسم الخیر" تھے اور حدیث میں بھی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا "انما انا قاسم واللہ یعطی (میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے)("فتح الباری"، جلد ۶، ص ۱۳۴)

آپ کی دوسری کنیت "ابو ابراہیم" ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب آپ کے فرزند سیدنا ابراہیمؑ پیدا ہوئے تو جبرئیل امین آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا:

السلام علیک یا ابا ابراھیم۔

"سلام ہو تم پر اے ابو ابراہیم"۔

("فتح الباری" جلد ۶، ص ۴۰۸، باب کنیتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم "مستدرک حاکم" جلد ۲، ص ۶۰۴، "دلائل النبوۃ" جلد ۱، ص ۱۲۹)

ختنہ

آپ کے ختنہ کے بارہ میں تین اقوال ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ کے دادا خواجہ عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں روز آپ کی ختنہ کرائی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ مختون پیدا ہوئے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ کے ہاں آپ کی ختنہ ہوئی۔ اس قول کو تمام علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔

دوسرے قول کے بارہ میں بھی کچھ روایات کتابوں میں ملتی ہیں۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ان روایات کی صحت محل بحث ہے۔ اس بارہ میں حاکم، ابو نعیم اور ابن عساکر نے ایک مرفوع روایت بھی نقل کی ہے لیکن یہ روایت بھی پایہ صحت سے گری ہوئی ہے بلکہ ابن جوزی نے تو اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے بھی لکھا ہے کہ آپ کے مختون پیدا ہونے کے بارہ میں کوئی روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ لہٰذا روایتاً اور درایتاً یہ صحیح نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ غیر مختون پیدا ہوئے اور سات روز کے بعد آپ کے دادا خواجہ عبدالمطلب نے آپ کی ختنہ کرائی۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبرؒ نے "التمہید" میں سیدنا ابن عباسؓ سے اس بارہ میں روایت نقل کی ہے اور امام شمس الدین الذہبیؒ نے بھی اس روایت کو زیادہ صحیح

Marfat.com

قرار دیا ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ خواجہ عبدالمطلب نے ساتویں روز آپ ؐ کی ختنہ کرائی اور آپ ؐ کے اس دنیا میں آنے کے اعزاز میں ایک ضیافت کا اہتمام کیا اور آپ کا نام محمد ﷺ رکھا۔

("تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام" جلد ۱، ص ۲۷)

آپ کے پیدائشی مختون ہونے والی روایت کو بھی بہت سے علماء نے نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو "ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۰۳، "تہذیب تاریخ دمشق" جلد ۱، ص ۲۸۳، "دلائل النبوۃ بیہقی" جلد ۱، ص ۵۲، "السیرۃ النبویہ" لابن کثیر، جلد ۱، ص ۲۱۰، "الخصائص الکبریٰ" للسیوطی، جلد ۱، ص ۵۰)

رضاعت

ابتداء میں چار روز (اور بعض روایات کے مطابق سات روز) آپ کی والدہ سیدہ آمنہ نے آپ ؐ کو دودھ پلایا۔ اس کے بعد ثویبہ نے جو ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی تھی، آپ کی رضاعت کی ذمہ داری لی۔ آپ کے چچا ابولہب کو جب ثویبہ نے آپ کی ولادت کی خوشخبری سنائی اور بتایا کہ تمہارے مرحوم بھائی عبداللہ کے گھر خدا نے فرزند عطا فرمایا ہے تو اسے اتنی خوشی ہوئی کہ اس نے اسی وقت اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔ اس ثویبہ نے آپ ؐ سے پہلے سیدنا حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ اس وجہ سے سیدنا حمزہؓ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے اور آپ کے بعد ثویبہ نے ابوسلمہؓ بن عبدالاسد کو دودھ پلایا۔ یہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۰۸، "زرقانی" جلد ۱، ص ۱۳۷، "عیون الاثر" جلد ۱، ص ۹۰، "نہایۃ الادب" جلد ۱۶، ص ۸۰، "تاریخ الاسلام ذہبی" جلد ۱، ص ۴۵)

روایات میں ہے کہ ابولہب کے مرنے کے ایک سال بعد سیدنا عباسؓ نے اسے خواب میں دیکھا کہ نہایت بری حالت میں ہے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے تمہارے بعد کوئی راحت نہیں دیکھی مگر صرف اتنی کہ ثویبہ کے آزاد کرنے کی وجہ سے سر انگشت کی مقدار پانی پلا دیا جاتا ہے یعنی جس انگشت کے اشارے سے ثویبہ کو آزاد کیا تھا، بس اسی قدر پانی مل جاتا ہے۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۲، ص ۲۷۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے ابولہب کو خواب میں دیکھا کہ بہت بری حالت میں ہے۔ اور اس نے کہا کہ میں نے تمہارے بعد کوئی راحت نہیں دیکھی مگر ثویبہ کو جو محمد ﷺ کی ولادت کا مژدہ سن کر آزاد کیا تھا، اس کی وجہ سے دوشنبہ (پیر) کو عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

("فتح الباری" جلد ۹، ص ۱۲۴، "البدایہ والنہایہ" جلد ۲، ص ۲۷۳، "جامع الاصول" جلد ۱۱، ص ۴۷۷، "تاریخ الاسلام ذہبی" جلد ۱، ص ۴۵)

عربوں کو اور خصوصی طور پر قریش کو اپنی زبان سے والہانہ محبت تھی۔ وہ شخص قوم کا سردار نہیں مانا جاسکتا تھا جو فصیح نہ ہوتا۔ چنانچہ بچپن ہی سے بچوں کو فصیح و بلیغ عربی کا عادی بنایا جاتا۔ مکہ میں یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی بچہ فصیح عربی کا عادی ہو کیونکہ خانہ کعبہ ہونے کی وجہ سے یہاں مختلف علاقوں سے ہزاروں لوگ اللہ کے اس گھر کی زیارت اور طواف کے لیے آتے تھے۔ یہاں کئی کئی روز قیام کرتے، لوگوں سے بات چیت ہوتی، اس وجہ سے یہاں کی زبان مخلوط عربی تھی جس میں کئی زبانوں کے مختلف الفاظ ملے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے قریش نے کچھ دیہاتی قبائل منتخب کر رکھے تھے، جن کی زبان ٹکسالی فصیح عربی مانی جاتی تھی۔ چنانچہ وہ شیر خوردگی ہی میں اپنے بچوں کو ان قبائل میں پرورش کے لیے بھیج دیتے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ بچپن ہی سے ان کے بچوں کے کانوں میں ٹکسالی عربی کے الفاظ پڑتے اور اس طریقہ سے فصاحت ان کی گھٹی میں پڑ جاتی جس کے اثرات پوری زندگی ان کے اندر رچے بسے رہتے۔ چنانچہ سرکارِ دوعالم ؐ فرمایا کرتے تھے:

انا اعربکم انا قرشی و استرضعت فی بنی سعد بن بکر۔

"میں تم میں سب سے زیادہ شستہ اور صحیح عربی بولنے والا ہوں۔ میں قریشی ہوں اور قبیلہ سعد بن بکر میں میں نے دودھ پیا ہے (جو فصاحت زبان میں ایک اعلیٰ مقام کا حامل ہے)"

("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۱۰۴، "الروض الانف" جلد ۱، ص ۱۰۹)

کچھ اسی قسم کے الفاظ ابن سعد نے "طبقات" جلد ۱، ص ۷۱ میں بھی نقل کیے ہیں۔

دوسرے عرب میں یہ دستور تھا کہ شرفاء اپنے شیر خوار بچوں کو ابتداء ہی سے دیہات میں بھیج دیتے تھے۔ تاکہ وہاں کی صاف و شفاف آب و ہوا میں ان کی نشوونما ہو سکے اور وہ اصلی عربی تمدن سے آشنا ہو کر صحیح معنوں میں عربی تہذیب و تمدن کے پیکر ہوں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

"معد بن عدنان کی ہیئت کو اختیار کرو یعنی عجم کا لباس اور ان کی ہیئت اختیار نہ کرو اور شدائد و مصائب پر صبر کرو اور موٹا پہنو یعنی تنعم اور عیش و عشرت میں نہ پڑو"۔

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ قریش میں خوشحالی اور برتری کے زعم کا ایک تکلف یہ تھا کہ بیگمات اپنے بچوں کو خود دودھ نہ پلاتی تھیں بلکہ دوسری خاندانی عورتوں یا باندیوں سے دودھ پلوایا کرتی تھیں۔ پھر مستقل طور پر بچہ کو کسی دیہاتی اخلاق و خصائل کے لحاظ سے اعلیٰ قبیلہ کی عورت کے سپرد کر دیا جاتا اور بچہ اس خالص عربی ماحول اور خوش خصائل و بلند اخلاق عورت کے دودھ سے صحت مندانہ نشوونما پاتا۔

اسی دستور کے مطابق ہر سال بنی سعد کی بعض عورتیں شیر خوار بچوں کی تلاش میں مکہ مکرمہ آیا کرتی تھیں۔ قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن طائف کے قریب بود و باش رکھتا تھا۔ وہاں کی آب و ہوا نہایت

صحت افزا تھی۔ ہر سال کچھ عورتیں اس قبیلہ کی مکہ مکرمہ میں ایک خاص موسم میں آتیں اور قریش کے شیر خوار بچوں کو لے جاتیں اور دو سال کی مدت رضاعت پوری کر کے واپس پہنچا دیتیں اور رضیع کے والدین سے حسب توفیق انعام و اکرام حاصل کرتیں۔ جس سال سرکارِ دو عالم ﷺ اس عالم ظلمانی میں جلوہ فگن ہوئے' اس سال دس عورتیں مکہ مکرمہ آئیں جن میں ایک حلیمہ بنت ابوذویب بھی تھیں۔

("طبقات ابن سعد" جلد ۱' ص ۶۹)

اس وقت حضور ﷺ ثویبہ کا دودھ پی رہے تھے۔ دودھ پلانے کی اُجرت عرب کی اکثر عورتوں کے نزدیک پسندیدہ نہ تھی۔ لیکن اس سال چونکہ قبیلہ بنو سعد میں خشک سالی کے باعث سخت قحط پڑا ہوا تھا' اس لیے اس مرتبہ بعض ایسی عورتیں بھی رضاعت کے لیے بچے لے جانے پر مائل ہو گئیں جو اس سے قبل اس فعل کو معیوب سمجھتی تھیں۔ حلیمہ سعدیہ بھی انہی میں داخل تھیں۔

حلیمہ بنت ابی ذویب کا اپنا بیان ہے کہ جب میں مکہ مکرمہ اس غرض سے آئی تو اس وقت انتہائی ناداری' قلاشی اور تنگ دستی کی وجہ سے میری چھاتیوں میں دودھ نہیں تھا۔ چنانچہ میرا اپنا بچہ بھی دودھ کے مارے بلکتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے رونے اور بلکنے کی وجہ سے ہم دونوں میاں بیوی ساری رات آنکھوں میں کاٹتے تھے۔ اور ہماری اونٹنی بھی دودھ سے خالی تھی۔ وہ اتنا کم دودھ دیتی تھی کہ بچے کا پیٹ بھی اس سے نہ بھرتا تھا۔ تاہم دوسری عورتوں کی دیکھا دیکھی میں بھی اس امید پر مکہ آئی کہ شاید کچھ گزارے کے لیے مل جائے۔ اس سفر میں میرا شوہر بھی میرے ہمراہ تھا۔ ہماری اونٹنی اس قدر نحیف و نزار تھی کہ مکہ تک بمشکل پہنچ سکی۔ اونٹنی کی سست رفتاری کی وجہ سے میری ہمراہیاں پہلے مکہ میں آ گئیں اور بڑی پھرتی اور چابک دستی سے مکہ میں پھر پھرا کر بچوں کو حاصل کر لیا۔ وہ عورتیں سیدہ آمنہ کے گھر بھی آئیں لیکن یتیم عبداللہ کو کسی نے قبول نہ کیا کیونکہ بیوہ ماں سے کچھ زیادہ انعام کی امید نہیں تھی۔

حلیمہ سعدیہ چونکہ دیر سے مکہ پہنچی تھیں اس وجہ سے اسے امیر گھرانے کا بچہ نہ ملا۔ لہٰذا اپنی ناداری کو دیکھ کر انہوں نے سیدہ آمنہ کا لال دودھ پلانے کے لیے لے لیا۔ حلیمہ کو شغل ہاتھ لگا اور سیدہ آمنہ کی اپنی سہیلیوں میں آنکھ نیچی نہ ہوئی۔ حلیمہؓ بیان کرتی ہیں میں جس وقت سیدہ آمنہ کے پاس پہنچی' اس وقت آپ سو رہے تھے۔ میں نے سیدہ آمنہ کی اجازت سے بچے کو گود میں لینے کے لیے جو دیکھا تو آپ کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئی۔ میں نے آپ کو اٹھانے کے لیے جو ہاتھ لگایا' تو آپ نے تبسم فرماتے ہوئے آنکھیں کھولیں جن سے ایک نور برآمد ہوا جو آسمان تک جا رہا تھا۔ میں نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور آپ کو گود میں لے کر شاداں و فرحاں فرودگاہ پر پہنچی اور یوں سمجھی جیسے مجھے دولت کونین مل گئی۔

Marfat.com

سہیلی نے "الروض الانف" میں لکھا ہے کہ سیدہ حلیمہ سعدیہؓ اپنے قبیلہ میں بلا کی حوصلہ مند اور صاحب کرم اخلاق والی تھیں۔ ان کی بلندی تفوق کا یہ بین ثبوت ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں اپنے رسول ﷺ کی رضاعت کے لیے اسی طرح منتخب فرمایا جس طرح آپ کی ولادت کے لیے شریف ترین اصلاب اور پاکیزہ ترین ارحام کو منتخب فرمایا تھا۔ اور رضاعت بھی نسب ہی کا حکم رکھتا تھا کیونکہ یہ طبائع میں تبدیلی پیدا کرنے کا موجب ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے حوالے سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:

"اپنے بچوں کو احمق عورتوں کا دودھ نہ پلاؤ کیونکہ دودھ پلانے والی کا دودھ اثر انداز ہوتا ہے"۔

اور حلیمہ جو رضاعت کے لیے کوئی بچہ حاصل کرنے کے لیے آئیں تو یہ ان کی اقتصادی مفلوک الحالی اور اضطرار کا نتیجہ تھا۔

قدرت کی یہ عجیب کرشمہ سازی ہے کہ جیسے ہی حلیمہؓ نے یتیم عبداللہ کو اپنی گود میں لیا، اس پر برکتوں اور الٰہی نعمتوں کا مینہ برسنے لگا۔ اور جس کو گود میں لیا وہ تو دنیا میں برکتوں اور نعمتوں کو نچھاور کرنے ہی کے لیے آیا تھا۔ چنانچہ پہلے تو اس نحیف و نزار فاقہ زدہ عورت پر نکھار اور بہار آئی۔ وہ جو پہلے اپنے بچے کا اپنے دودھ سے پیٹ نہ بھر سکتی تھیں' اب دونوں بچوں کو پیٹ بھر کر دودھ پلاتی تھیں۔ چنانچہ سیدہ حلیمہ سعدیہؓ کا بیان ہے کہ جونہی میں آپ ﷺ کو اپنی فرودگاہ میں لائی اور آپ کو گود میں لے کر دودھ پلانے لگی تو میری دونوں چھاتیاں دودھ سے بھری ہوئی تھیں اور اس قدر دودھ تھا کہ آپ نے اور آپ کے رضاعی بھائی نے خوب سیر ہو کر پیا اور آسودہ ہو کر سو گئے۔ علاوہ ازیں آپ کی برکت سے اس رات ہماری اونٹنی نے بھی اس قدر دودھ دیا کہ ہم دونوں میاں بیوی نے خوب پیٹ بھر کر پیا اور بڑے آرام سے رات گزاری۔ صبح کو میرا شوہر کہنے لگا حلیمہ! واللہ میں دیکھتا ہوں کہ تم تو کہیں سے برکت و رحمت کا مجسمہ بچہ لے آئی ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتیں کہ جس وقت سے مولود مسعود آیا ہے ہماری مفلوک الحالی اور ناداری نعمت فرحت اور خوش عیشی میں تبدیل ہوگئی ہے۔ حلیمہ نے کہا واقعی یہ کوئی فرشتہ رحمت اور بھاگوان بچہ ہے۔ (تعلمی واللہ یا حلیمہ لقد اخذت نسمہ مبارکہ)

رات اپنی فرودگاہ پر گزارنے کے بعد صبح عورتوں کے اس قافلے نے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ جب میں اپنی اونٹنی پر سوار ہوئی اور اس بچے کو اپنی گود میں لیا تو اونٹنی اس قدر تیز رو ہوگئی کہ آتی دفعہ تو سب سے پیچھے تھی' اب اتنی برق رفتار ہوگئی کہ سب سے آگے اور سب کی پیش رو ہوگئی۔ اور کسی کے

Marfat.com

تھا، نہ تھمتی۔ ہمراہی عورتوں نے بڑی حیرت سے پوچھا "حلیمہ! یہ وہی سواری ہے" میں نے کہا ہاں۔ وہ بولیں، بخدا اس وقت تو اس کی شان ہی جدا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ اس وقت یہ ایک عام اونٹنی نہ تھی بلکہ سید المرسلین کا مرکب تھی۔ "کہ سلطان جہاں با ماست امروز"۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ اسی طرح ہم بنو سعد میں پہنچے۔ اس وقت بنو سعد کی سرزمین سے زیادہ کسی اور جگہ قحط نہ تھا۔ لیکن اب تو عجیب بلکہ حیرت زا حالت ہو گئی۔ جب شام کو میری بکریاں چراگاہ سے واپس آتیں تو ان کی کوکھیں تنی ہوئی ہوتیں اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے۔ جبکہ دوسروں کی بکریاں بھوکی واپس آتیں کیونکہ بارش نہیں ہوئی تھی اور جنگل سوکھ رہے تھے۔ اور ان کے تھنوں میں ایک قطرہ دودھ کا نہ ہوتا۔ میری بکریوں کی حالت دیکھ کر دوسرے لوگوں نے اپنے چرواہوں سے کہا کہ تم بھی اپنی بکریاں اسی جگہ چرایا کرو جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا لیکن نتیجہ میں کوئی فرق نہ پڑا۔ حلیمہ کی بکریاں پیٹ بھری اور دودھ سے تھن لٹکے ہوئے واپس لوٹتیں جبکہ دوسروں کی بکریاں بھوکی واپس آتیں اور تھن دودھ سے خالی ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ہمیں خیر و برکت دکھلاتا رہا اور ہم اس کی خیر و برکت کا مشاہدہ کرتے رہے۔

("ابن ہشام" جلد ۱، ص ۱۸۴، "تاریخ الاسلام ذہبی" جلد ۱، ص ۴۶)

ایک مرتبہ حلیمہ نے اس خیر و برکت کا قبیلہ کی عورتوں سے بیان بھی کیا کہ اس بچہ کے فیوض و برکات سے ہم اس قدر بہرہ مند ہوئے اور ہو رہے ہیں جن کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ سب سے بڑھ کر یہ خیر و برکت ہمارے شامل حال ہے کہ میں اپنے بیٹے عبداللہ کی رضاعت سے بھی قاصر تھی۔ وہ چھاتیوں میں دودھ نہ ہونے کی وجہ سے روتے روتے بدحال ہو جاتا تھا اور اس نے ہمارے لیے دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر رکھی تھی اور خود اپنی گرسنگی اور بھوک کی وجہ سے ہماری ساری رات آنکھوں میں کٹتی تھی۔ لیکن اب یہ دونوں بھائی خوب سیر شکم ہو کر سوتے ہیں اور میرے چھاتیوں میں اتنا دودھ ہے کہ اگر کوئی تیسرا بچہ بھی ہو تو وہ بھی سیر شکم ہو جائے۔

حلیمہ سعدیہ ؓ کا بیان

روایات میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی نشو و نما ایک دن میں اتنی ہوتی جتنی عام بچوں کی ایک ماہ میں ہوتی ہے اور ایک مہینے میں آپ اتنا بڑھتے جتنا دوسرے بچے ایک سال میں بڑھتے ہیں۔

("نہایۃ الادب" ج ۱۶، ص ۸۳، "عیون الاثر" ج ۱، ص ۳۴، "تاریخ الاسلام ذہبی" ج ۱، ص ۴۷)

سیدہ حلیمہ ؓ فرماتی ہیں کہ آپ کا معمول تھا کہ آپ صرف دائیں پستان سے دودھ پیتے اور جب میں بایاں پستان آگے کرتی تو آپ اپنا منہ ہٹا لیتے۔ (فیابی ان یشرب منہ) مجھے اس پر بڑی حیرت ہوتی، لیکن

Marfat.com

حلیمہ کو کیا پتہ تھا کہ یہ وہ بچہ ہے جو بڑا ہو کر قناعت کا معلم، مساوات کا علمبردار اور عدل وانصاف کا پیکر ہو گا۔ بچوں کی عادت کے بالکل برعکس آپ نے کپڑوں میں کبھی پیشاب اور پاخانہ نہ کیا۔ ہمیشہ مقررہ وقت پر پیشاب اور پاخانہ کرتے اور اگر کبھی برہنہ ہوتے تو رونے لگتے۔ میں جھٹ آپ کو ڈھک دیتی۔ اور اگر میری طرف سے آپ کی ستر پوشی میں کبھی تاخیر ہوتی تو غیب سے کوئی ہاتھ آپ کی برہنگی کو ڈھانپ دیتا۔ جب آپ پیروں پر چلنے لگے تو لڑکوں کو کھیلتے دیکھ کر ان سے دور رہتے۔ (یہ جو بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نزدیک یہ غلط ہے۔ ملاحظہ ہو مدارج النبوت وغیرہ)

جب آپ کچھ اور بڑے ہوئے اور منہ میں نوالہ لینے لگے تو آپ کی یہ خواہش ہوتی کہ جو کچھ مجھے ملے، وہی میرے دودھ شریک بھائی عبداللہ بن حارث کو بھی ملے۔ بچے روتے ہیں کہ جو کچھ مجھے ملا ہے، وہ دوسرے بچے کو کیوں دیا گیا۔ اور آپؐ اس لیے روتے تھے کہ جو چیز مجھے ملی ہے، وہ میرے دوسرے رضاعی بہن بھائیوں کو کیوں نہیں ملی۔ (آپ کا ایک رضاعی بھائی عبداللہ بن حارث اور دو رضاعی بہنیں انیسہ بنت حارث اور خدافہ بنت حارث۔ موخر الذکر شیماء کے لقب سے مشہور تھیں)

آپ کے رضاعی چچا ابو ثروان نے ایک مرتبہ کہا تھا:

"میں نے آپ کا ہر دور دیکھا ہے اور ہر دور میں، میں نے آپ کو سب سے بہتر پایا۔ زمانہ شیر خوردگی میں سب سے بہتر شیر خوار، اور جب آپ کا دودھ چھوٹا تو سب سے بہتر فطیم (عربی زبان میں دودھ پینے والے بچہ کو رضیع یا مرضع کہتے ہیں اور جب وہ دودھ چھوڑ دیتا ہے تو فطیم کہتے ہیں) جوان ہوئے تو سب سے زیادہ صالح اور باکردار نوجوان۔ گویا آپ کے اندر خیر وصلاح کے خصائل کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے"۔ ("خصائص کبریٰ" جلد ۱، ص ۵۹)

جب دو سال کا زمانہ رضاعت پورا ہوا تو سیدہ حلیمہؓ نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔ اور آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آئیں تاکہ سیدہ آمنہ کی امانت ان کے سپرد کر دیں۔ لیکن کچھ تو آپ کے میامن وبرکات کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ گھر والوں کو آپ سے غیر معمولی انس ومحبت پیدا ہو گیا تھا، حلیمہؓ نے بصد عجز ونیاز سیدہ آمنہ سے درخواست کی کہ اس بچہ کو کچھ عرصہ اور میرے پاس رہنے دیں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں مکہ مکرمہ کی آب وہوا آپ کے اس فرزند ارجمند کی صحت پر برا اثر نہ ڈالے۔ کیونکہ ان دنوں مکہ میں وباء پھیلی ہوئی تھی۔ جب یہ بچہ ذرا بڑا ہو جائے گا تو پھر اس کا خدشہ نہ رہے گا۔

سیدہ آمنہ نے حلیمہ کی یہ درخواست مسترد کر دی۔ وہ اپنے نور نظر کو اور زیادہ اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہی تو ان کی زندگی کا واحد سہارا تھا اور اسی کے سہارے وہ اپنی بیوگی کے ایام گزار رہی تھیں لیکن جب حلیمہ نے بہت زیادہ منت وسماجت کی تو ناچار سیدہ نے حلیمہ کی درخواست منظور کرتے

Marfat.com

ہوئے بچہ کو اپنے ہمراہ لے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ حلیمہ کو اپنی اس درخواست کی قبولیت پر کتنی خوشی اور مسرت ہوئی ہوگی، یہ اس کا دل ہی جانتا ہے۔ قلم اس کو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ چنانچہ حلیمہ آپ کو پھر سرزمین بنوسعد میں واپس لے آئیں اور اس طرح سیدہ حلیمہؓ کو دوبارہ آپ کی حضانت و تربیت کا شرف حاصل ہوا۔

شق صدر

حلیمہ محمد ﷺ کو مکہ میں وبا پھوٹنے کی وجہ سے واپس لے آئی۔ خوشی و مسرت سے اس کا دل بلیوں اچھلتا تھا۔ وہ اس دولت کونین کو پاکر نہایت خوش تھی کیونکہ آپ کی وجہ سے اس کے گھر کی سب خوشیاں اور برکتیں پھر لوٹ آئی تھیں۔ چنانچہ آپ بھی اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ ہر روز حلیمہ کی بکریاں چرانے کے لیے تشریف لے جاتے تاکہ صحرا کی پرلطف فضا میں زندگی کے لمحات میں نشاط پیدا ہو، لیکن حلیمہ اس گوہر نایاب کی بڑی نگہداشت رکھتی تھیں۔

ایک روز آپ اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے کے لیے جنگل میں گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ دو شخص آئے جو نہایت حسین و جمیل اور خوش لباس تھے۔ انہوں نے محمد ﷺ کو اٹھایا اور ان کو الگ لے گئے اور آپ کا سینہ چاک کیا۔ یہ منظر دیکھ کر آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ دو سفید لباس پہنے ہوئے آدمی آئے ہیں اور ہمارے قریشی بھائی کو زمین پر لٹا کر اس کا شکم چاک کردیا ہے اور اب اس کو سی رہے ہیں۔ یہ روح فرسا خبر سن کر حلیمہ اور اس کا شوہر حارث سراسیمگی کے عالم میں دوڑے۔ لیکن وہاں جاکر دیکھا کہ آپ خوش و خرم ہیں۔ مسکرا رہے ہیں البتہ چہرے پر کچھ سراسیمگی اور خوف و ہراس کے آثار نمایاں ہیں۔ سیدہ حلیمہ کا بیان ہے کہ میں نے فوراً آپ کو پکڑ کر اپنے سینہ سے چمٹا لیا۔ پھر آپ کے رضاعی باپ حارث نے آپ کو سینہ سے لگالیا۔ اور سر پر ہاتھ رکھ کر کہا بیٹا! کیا ہوا؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس آئے اور مجھ کو لٹا کر میرا شکم چاک کیا اور میرے سینے میں سے کوئی سیاہ چیز نکال کر پھینک دی۔ پھر میرے شکم کو درست کرکے چلے گئے۔ معلوم نہیں انہیں کس چیز کی تلاش تھی۔ مجھے کچھ تکلیف نہیں ہوئی بلکہ ٹھنڈک سی معلوم ہوئی اور اب تک ہو رہی ہے۔

("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۵۶، "البدایہ والنہایہ"، جلد ۲، ص ۲۷۵، "دلائل النبوۃ" بیہقی، جلد ۱، ص ۱۴۵، "مجمع الزوائد" جلد ۸، ص ۲۲۱، "مسند احمد"، جلد ۴، ص ۱۲۱، ۱۴۹، ۲۸۸، "سیرۃ ابن کثیر" جلد ۱، ص ۲۳۱، "تاریخ الاسلام ذہبی" جلد ۱، ص ۴۸)

شق صدر کی روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ جبرئیل امین نے نور کی ایک مہر لی جس

Marfat.com

سے عقل حیران ہوتی تھی۔ اس سے میرے دل پر مہر کی۔ اسی وقت میرا باطن نور سے بھر گیا۔ (یہ نبوت اور حکمت کا نور مبین تھا) پھر میرے دل کو اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا۔ "روضۃ الاحباب" میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس مہر کی ٹھنڈک اور فرحت اب تک اپنے عروق و مفاصل میں پاتا ہوں۔

("مدارج النبوۃ")

غرضیکہ سیدہ حلیمہ اور اسؓ کے خاوند حارث نے آپ کو سینہ سے لگا کر پیار کیا۔ حلیمہ اور اس کے شوہر نے ادھر ادھر دیکھا لیکن انہیں وہاں کچھ نظر نہ آیا اور دوسرے بچوں سے جو کچھ سنا تھا اس پر انہیں یہ گمان ہوا کہ یہ کہیں جنات کا اثر نہ ہو۔ اور یہ دونوں شخص جنھوں نے آپ کا شکم مبارک چاک کیا کہیں جن نہ ہوں۔ وہ اسی سوچ و بچار میں تھے کہ ان کے پڑوسیوں نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ وہ کسی کاہن یا یہودی یا کسی عیسائی عالم کے پاس بچہ کو لے جا کر دکھائیں۔ چنانچہ وہ بچہ ایک یہودی عالم کے پاس لے گئے۔

سیرۃ ابن ہشام اور دیگر کتابوں میں ہے کہ جس یہودی عالم کے پاس وہ اس بچہ کو لے کر گئیں، اس نے اس بچہ کو دیکھ کر شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ تو وہ بچہ ہے جو سرزمین عرب میں ایک انقلاب برپا کرے گا۔ تمام مذاہب کو ختم اور مورتیوں کی پوجا پاٹ بند کر دے گا۔ اے لوگو! اپنا مذہب بچانا چاہتے ہو تو اس بچہ کو ختم کر دو۔ اس یہودی عالم کے ان فقرات نے حلیمہ اور اس کے خاوند کی پریشانی میں اور اضافہ کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے فوراً بچہ کو اٹھایا اور نظروں سے بچا کر گھر لے آئے۔ انہیں اس بچہ کے بارہ میں سخت گھبراہٹ اور پریشانی تھی۔ دونوں میاں بیوی نے طے کیا کہ خیریت کے ساتھ اس بچہ کو اس کی ماں اور دادا کے پاس پہنچا دیں۔

اس طرف یہ طے ہوا دوسری طرف سیدہ آمنہ یہ سمجھے ہوئے تھیں کہ حلیمہ بچہ کو اصرار کر کے اور نہایت شوق سے لے گئی ہوئی ہے لہٰذا جب تک میں تقاضا نہیں کروں گی، وہ اسے واپس نہیں لائے گی۔ لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ سیدہ آمنہ نے ایک روز دیکھا کہ حلیمہ بغیر کسی تقاضا کے خود اس بچہ کو اچانک لے آئی ہے۔ بچہ کو اس طرح اچانک لے آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے وہ سارا واقعہ سنایا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ شاید اس بچہ پر کسی جن کا اثر ہے۔ سیدہ آمنہ نے کہا کہ اس بچہ پر جنات کا اثر نہیں ہو سکتا۔ یہ برکتوں والا بچہ ہے۔ اس کے سر پر رحمت کا سایہ ہے۔ جنات کے اثر سے دل پر دہشت اور دماغ میں وحشت ہوتی ہے لیکن بچہ کے چہرہ پر رونق ہے، دل میں اطمینان اور سکون ہے۔ یہ تمہاری بہت مہربانی ہے کہ بچہ کو لے آئی۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ چنانچہ حلیمہ بچہ کو سیدہ آمنہ کی گود میں ڈال کر واپس چلی گئی۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ آپ پانچ سال کی عمر میں اپنی والدہ محترمہ کے پاس واپس آئے اور دوسروں کا بیان ہے کہ چار سال کی عمر میں واپس آئے۔ لیکن یہ سب واقدی کی روایات ہیں

اور ابو عمر کا بیان ہے کہ جس روز آپ واپس تشریف لائے' اس روز آپ کی پیدائش کو پانچ سال اور دو دن گزر چکے تھے۔ ("عیون الاثر" جلد ا' ص ۹۶' "طبقات ابن سعد" جلد ا' ص ۱۱۲)

شق صدر کے اسرار

بعض حضرات شق صدر سے مراد شرح صدر لیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ شق صدر سے حقیقتاً سینہ چاک کرنا مراد ہے۔ چنانچہ علامہ زرقانی اور دوسرے محدثین نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ امام قرطبی' علامہ طیبی' حافظ تورپشتی' علامہ سیوطی اور دیگر اکابر علماء بھی یہی فرماتے ہیں کہ شق صدر اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ پھر حدیث میں یہ بھی تو آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ آپ کے سینہ مبارک پر سلائی کا نشان اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ ("زرقانی"' جلد ۶' ص ۲۴)

شق صدر کیوں کیا گیا؟ اس کے اسرار تو علماء نے بہت سے لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ آپ کا قلب مبارک چاک کر کے جو سیاہ نقطہ نکالا گیا' وہ درحقیقت معصیت اور گناہ کا مادہ تھا۔ چنانچہ اس گناہ اور معصیت کے مادہ سے آپ کے قلب کو پاک کر دیا گیا اور یہ سیاہ نقطہ نکالنے کے بعد قلب مبارک کو دھویا گیا تاکہ مادۂ معصیت کا کوئی اثر باقی نہ رہے اور برف سے اس لیے دھویا گیا کہ گناہ کا مزاج چونکہ گرم ہوتا ہے اس لیے اس گرمی کو ختم کرنے کے لیے برف کا استعمال کیا گیا۔ گناہوں میں نجاست کے ساتھ حرارت بھی ہے اس لیے تطہیر نجاست کے ساتھ ساتھ تبرید اور تسکین حرارت کی بھی ضرورت ہے۔

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جب کسی شئے کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو اس پر مہر لگا دیتے ہیں تاکہ جو چیز اس مین رکھ دی گئی ہے' وہ نکلنے نہ پائے۔ چنانچہ آپ کے قلب مبارک کو علم و حکمت سے بھر کر دونوں شانوں کے درمیان مہر لگا دی گئی تاکہ اس سے کوئی شئے ضائع نہ ہونے پائے۔

مواہب لدنیہ میں سیدنا جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ مہر نبوت بیضہ کبوتر کی مانند تھی۔ (مسلم) اور اس سے کستوری کی سی خوشبو آتی تھی۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ کا شق صدر دو دفعہ ہوا۔ ایک دفعہ بچپن میں اور دوسری دفعہ معراج میں جانے سے پہلے۔ (تاریخ الاسلام ذہبی' جلد ا' ص ۴۸)

سیدہ آمنہ کا سفر آخرت

حلیمہ سعدیہ سے سرکارِ دو عالم ﷺ کو آئے ایک سال سے زائد عرصہ ہو گیا تو سیدہ آمنہ آپ کو ساتھ لے کر خواجہ عبدالمطلب کے ننھیال بنو عدی بن نجار ملنے کے لیے تشریف لے گئیں۔ روایات میں یہ بات واضح نہیں ہے کہ اس سفر کا مشورہ خواجہ عبدالمطلب نے دیا تھا یا سیدہ آمنہ نے خود ہی اس سفر

Marfat.com

کا ارادہ فرمایا، لیکن غالب گمان یہ ہے کہ خواجہ عبدالمطلب نے خود ہی سیدہ کو بیوگی کا غم غلط کرنے کے لیے بھیجا ہوگا۔ اور دوسرے یہ کہ وہاں وہ اپنے فرزند گرامی کو دوسرے رشتہ داروں سے روشناس کرائیں گی۔ مقصد کچھ بھی ہو یہ مسلمہ امر ہے کہ سیدہ ۱۳سال بعد مدینہ طیبہ جو اس زمانے میں یثرب کہلاتا تھا، تشریف لے گئیں۔

بعض سیرۃ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ اپنے شوہر نامدار کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھیں۔ یہ بات بالکل لغو اور بے اصل ہے۔ سیرت کی تمام کتابوں میں یہی مرقوم ہے کہ وہ بنوعدی بن نجار میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے گئی تھیں۔ اس سفر میں حضرت عبداللہ کی لونڈی برکت بنت ثعلبہ جو ام ایمن کے نام سے مشہور تھیں، بھی سیدہ کے ہمراہ تھیں۔ سواری کے لیے دو اونٹ تھے۔ ایک پر سیدہ سوار تھیں اور دوسرے پر ام ایمن۔

مدینہ پہنچ کر آپ نے دارالنابغہ میں قیام فرمایا۔ ام ایمن کا بیان ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ قیام مدینہ کے دوران یہودی علماء آ آکر آپ کو دیکھا کرتے تھے۔ ایک روز میں نے ایک یہودی کو یہ کہتے سنا کہ یہ بچہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر اس کا دارالہجرت ہے۔ ان باتوں کا پتہ سیدہ آمنہ کو بھی چل گیا۔ سیدہ آمنہ کو حلیمہ سعدیہ کی وہ بات بھی یاد آ گئی کہ ایک یہودی عالم نے اسے کہا تھا کہ اس بچہ کو ختم کر دو ورنہ وہ انقلاب برپا کر دے گا۔ اس وجہ سے سیدہ آمنہ نے یثرب میں اپنا قیام مختصر کر دیا اور ایک مہینہ قیام کے بعد اپنے نور نظر کے ساتھ مکہ مکرمہ کو مراجعت فرمائی۔ سیدہ آمنہ مدینہ سے چلیں تو ان کی طبیعت علیل ہو گئی۔ اب جیسے جیسے قافلہ چل رہا تھا، مرض بڑھ رہا تھا۔ جب مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں پہنچیں تو مرض اور شدید ہو گیا اور اب سفر کی ہمت نہ رہی۔ لہٰذا مکہ کے بجائے آخرت کے لیے رخت سفر باندھ لیا اور لق ودق صحرا میں اپنے نور نظر اور یتیم عبداللہ کو تنہا چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

ام ایمن کنیز سیدہ کو سپرد خاک کر کے اس یتیم کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ آ گئیں اور آپ کے دادا عبدالمطلب کو آپ کی والدہ کے سفر آخرت کا جانکاہ واقعہ سنایا۔ خواجہ عبدالمطلب کو سیدہ آمنہ کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔

سیدہ آمنہ کی غریب الوطنی کی وفات نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے قلب مبارک پر بڑے گہرے اثرات چھوڑے اور ماں کی ممتا کا وہ سایہ بھی آپ سے چھن گیا جو اس دنیا میں آدمی کے لیے سب سے بڑا سایہ عاطفت ہوتا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ شانہ آپ کو بچپن ہی سے صبر واستقلال کا خوگر بنانا چاہتے تھے۔ اس وجہ سے ایک ایک کر کے تمام ظاہری سہارے اور سائے آپ سے اٹھتے چلے گئے۔ اس واقعہ سے پچاس سال بعد جب ہجرت فرما کر آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ کو اپنے بچپن کی تمام باتیں یاد تھیں۔ آپ بتایا کرتے تھے کہ ہم یہاں ٹھہرے تھے۔ یہاں والدہ نے قیام فرمایا تھا۔ یہاں یہودی آ آکر مجھے دیکھتے

Marfat.com

تھے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ بنو عدی بن نجار میں ایک باؤلی تھی، میں اس میں تیراکی کی مشق کیا کرتا تھا۔ سیدہ ام ایمنؓ بھی وہاں کے یہودیوں کی باتیں سنایا کرتی تھیں۔

("طبقات ابن سعد" جلد۱، ص ۷۳، "زرقانی" جلد۱، ۱۶۳، "سیرۃ ابن ہشام" جلد۱، ص ۵۶، "تہذیب تاریخ دمشق" جلد۱، ص ۲۸۳، "نہایۃ الادب" جلد ۱۶، ص ۸۷)

خواجہ عبدالمطلب کی سرپرستی

سیدہ ام ایمنؓ اس غم زدہ اور معصوم محمد ﷺ کو لے کر مکہ معظمہ پہنچی۔ دادا عبدالمطلب نے اس یتیم کو سینہ سے لگایا اور اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھنے لگے۔ عبدالمطلب آپ کو اپنی تمام اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ عبدالمطلب جب مسجد حرام میں تشریف لاتے تو خانہ کعبہ کے سایہ میں ان کے لیے ایک خاص فرش بچھایا جاتا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس فرش پر قدم رکھ سکے۔ حتیٰ کہ عبدالمطلب کی اولاد بھی اس فرش کے اردگرد بیٹھتی، لیکن آپ جب آتے تو بلا تکلف اس گدی پر بیٹھ جاتے۔ آپ کے چچا تائے آپ کو مسند سے ہٹانا چاہتے مگر خواجہ عبدالمطلب منع فرماتے اور کمال شفقت سے یہ فرماتے "میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو، بخدا اس کی خاص شان ہوگی"۔ ("سیرۃ ابن ہشام" جلد۱، ص ۱۰۶) پھر آپ کو بلا کر اپنے قریب بٹھلاتے اور آپ کو دیکھتے اور خوشی سے پھولے نہ سماتے۔ ("عیون الاثر" لابن سید الناس، جلد۱، ص ۹۹، "سیرۃ ابن ہشام" جلد۱، ص ۱۰۶)

کندیر بن سعید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں قبل از اسلام مکہ مکرمہ حج کے لیے گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص طواف کعبہ میں مشغول ہے اور یہ شعر اس کی زبان پر ہے۔

رد الی راکبی محمدا یا رب رده واصطنع عندی یدا

"اے اللہ! میرے سوار محمدؐ کو واپس بھیج دے، اور مجھ پر اپنا خاص احسان فرما"۔

میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ رئیس مکہ عبدالمطلب ہیں۔ انہوں نے اپنے پوتے کو ایک گم شدہ اونٹ کی تلاش میں بھیجا ہے۔ کیونکہ ان کو جس کام کے لیے بھیجتے ہیں، اس میں ضرور کامیابی ہوتی ہے۔ آپ کو گئے ہوئے ذرا دیر ہوگئی ہے، اس لیے پوتے کی جدائی میں بے چین ہو کر یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔ کچھ دیر نہ گزری کہ "محمدؐ" اونٹ کو ساتھ لیے آگئے۔ دیکھتے ہی عبدالمطلب نے دوڑ کر آپ کو گلے لگالیا اور کہا بیٹا! میں تمہاری وجہ سے سخت پریشان تھا۔ اب کبھی تم کو اپنے سے جدا نہ ہونے دوں گا۔ (یابنی احزنت علیک حزنا لا یفارقنی بعده ابدا)

("عیون الاثر" جلد۱، ص ۱۰۰، "مستدرک حاکم" جلد۲، ص ۶۰۳، "البدایہ والنہایہ" جلد۲، "طبقات ابن سعد" جلد۱، ص ۱۱۲، "انساب الاشراف" جلد۱، ص ۸۲، "اسد الغابہ" جلد۴، ص ۲۵۵،

Marfat.com

"مجمع الزوائد" جلد ۲ ص ۲۲۴ "انسان العیون" جلد ۱ ص ۹۸ "الاصابہ" جلد ۳ ص ۳۱۱ "الاستیعاب" جلد ۲ ص ۹۷ "تاریخ الاسلام ذہبی" جلد ۱ ص ۵۱)

خواجہ عبدالمطلب کو اپنے اس پوتے سے محبت اس کے اوصاف جمیلہ کی وجہ سے تھی۔ چنانچہ جب سرکارِ دوعالم ﷺ اپنے دادا کی کفالت میں تھے اور سیدہ ام ایمنؓ آپ کی پرورش اور خبرگیری کرتی تھیں تو ایک مرتبہ خواجہ عبدالمطلب نے فرمایا "برکت! میرے اس بیٹے سے کسی حالت میں بھی غافل نہ رہنا۔ میں نے بیری کے درخت کے نیچے اس کو لڑکوں کے پاس کھڑے دیکھا تھا اور اہلِ کتاب کو یقین ہے کہ میرا یہ بیٹا اس امت کا نبی ہے"۔

("عیون الاثر" ج ۱ ص ۱۰۰ "الوفا لابن الجوزی" ج ۱ ص ۱۲۰ "البدایہ والنہایہ" ج ۲ ص ۲۷۲)

خواجہ عبدالمطلب اب عمر کی آخری منزلوں میں تھے۔ گویا چراغ سحری تھے۔ عمر سو سال سے بھی تجاوز کر چکی تھی۔ (مختلف روایات میں مختلف عمروں کا ذکر ہے۔ کسی میں ایک سو دس سال، ایک اور روایت میں ایک سو بیس سال۔ بعض روایات میں ۸۲ سال) آپ صرف دو سال اپنے اس پوتے کی کفالت کر سکے۔ پھر ان کی وفات ہوگئی۔ سیدہ ام ایمن کہا کرتی تھیں کہ اس روز میں نے دیکھا کہ عبدالمطلب کے جنازہ کے پیچھے "محمد ﷺ" روتے جا رہے تھے، گویا آپ کو بھی اپنے دادا سے اتنی ہی شدید محبت تھی جتنی دادا کو تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو اپنے دادا کی وفات یاد ہے؟ فرمایا خوب یاد ہے، میری عمر اس وقت آٹھ سال تھی۔

("طبقات ابن سعد" جلد ۱ ص ۱۱۸ "تاریخ الاسلام" جلد ۱ ص ۵۴ "ابن ہشام" جلد ۱ ص ۱۹۵ "نہایہ الادب" جلد ۱۶ ص ۸۸)

صحیح روایات کے حساب سے خواجہ عبدالمطلب کے انتقال کے وقت سرکارِ دوعالم ﷺ کی عمر ۸ سال، دو ماہ اور دس دن تھی۔

Marfat.com

زبیر بن عبدالمطلب کی جانشینی

خواجہ عبدالمطلب جب اس دنیا سے انتقال فرما رہے تھے تو انہوں نے اپنی جانشینی کے لیے اپنے بیٹے زبیر بن عبدالمطلب کا تقرر فرمایا۔ زبیر رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد عبداللہ کے سب سے بڑے حقیقی بھائی تھے۔ ویسے خواجہ عبدالمطلب کی اولاد میں آپ کا سب سے بڑا بیٹا حارث تھا جس کے نام پر آپ نے اپنی کنیت ابوالحارث رکھی ہوئی تھی۔ یہ حارث اپنے باپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

خواجہ عبدالمطلب کی اہلیہ فاطمہ بنت عمرو جو بنو مخزوم میں سے تھیں، ان کے بطن سے تین بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں کے نام زبیر، عبد مناف (ابو طالب) اور جناب عبداللہ تھے (بعض نے ایک اور نام عبدالکعبہ بھی ذکر کیا ہے) اور بیٹیوں میں سے عاتکہ، برہ، امیمہ اور ام الحکیم البیضاء پیدا ہوئیں۔ ام الحکیم جناب عبداللہ کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئی تھیں اور یہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کی سگی نانی تھیں۔

بھائیوں میں زبیر سب سے بڑے تھے۔ عبد مناف (ابو طالب) منجھلے اور جناب عبداللہ سب سے چھوٹے تھے۔ چنانچہ بلاذری نے لکھا ہے:

> "زبیر قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ وہ عبداللہ اور ابو طالب سے عمر کے لحاظ سے بڑے تھے"۔ ("انساب الاشراف" جلد ۱، ص ۸۵)

یعقوبی نے بھی زبیر کو قریش کے معزز اور باوجاہت سرداروں میں لکھا ہے۔

("الیعقوبی" جلد ۱، ص ۳۷)

زبیر بڑے صاحب فکر و نظر شخص تھے۔ اعمال انسانی کی جزا و سزا کے لیے معاد اور آخرت کے قائل تھے۔ کسی ظالم شخص کے بری طرح مرنے پر ابن ابی الحدید نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے ہمارے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ وہ قول یہ ہے:

Marfat.com

ان للناس معادیوخذ فیہ للمظلوم من الظالم

"انسانوں کے واسطے ایک لوٹنے کی جگہ ہے یعنی آخرت جہاں ظالم سے مظلوم کا بدلہ اور انتقام لیا جائے گا"۔("ابن ابی الحدید" جلد ۳، ص ۲۶۳)

عرب کے مختلف قبائل کے مابین ایک معاہدہ ہوا جس کا نام "حلف الفضول" تھا اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی تھی اور جس معاہدہ نے "حروب الفجار" کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔اس معاہدہ کے اصلی محرک بھی زبیر بن عبدالمطلب ہی تھے۔چنانچہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ:

"اس معاہدہ کے سلسلہ میں زبیر بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن جدعان کو شرف اور نیک نامی حاصل ہوئی۔ابن جدعان کو تو اس لیے کہ اس کے گھر پر یہ معاہدہ پایہ تکمیل کو پہنچا اور زبیر کو اس لیے کہ انہوں نے اس معاہدہ کی تحریک کی، لوگوں کو اس کی دعوت دی اور ترغیب دلائی اور انہوں نے ہی اس معاہدہ کا نام "حلف الفضول" رکھا"۔

("ابن ابی الحدید" جلد ۳، ص ۴۵۵)

ایسا ہی کتاب "المحبر" ص ۱۶۱، "سیرۃ الحلبیہ" جلد ۱، ص ۱۴۴ اور "البدایہ والنہایہ" جلد ۲، ص ۱۹۲ پر ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے "حلف الفضول" کے بارے میں لکھا ہے:

"لڑائیوں کے متواتر سلسلہ نے سینکڑوں گھرانے برباد کر دیئے تھے اور قتل و سفاکی موروثی اخلاق بن گئے تھے۔یہ دیکھ کر بعض طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی۔جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبدالمطلب نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرکردہ تھے، یہ تجویز پیش کی۔چنانچہ بنوہاشم، زہرہ اور تیم عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس معاہدہ میں شریک تھے۔اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے سواونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لیے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں"۔("سیرۃ النبی" جلد ۱، ص ۱۸۳)

اس معاہدہ کا نام "حلف الفضول" اس لیے رکھا گیا کہ فضول (مال) اس کے مالک کو غاصب سے واپس دلایا جائے گا اور اس سلسلہ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ قبیلہ جرہم کے تین شخصوں نے جن کے نام "فضل" تھے، یعنی فضل بن فضالہ، فضل بن الحرث اور فضل بن وداعہ نے زمانہ سابق میں اسی طرح کا ایک معاہدہ کیا تھا جو ان کے ناموں کی وجہ سے "حلف الفضول" کہلایا۔چنانچہ اس معاہدہ کا نام بھی یہی رکھا

Marfat.com

گیا۔

غرضیکہ زبیر بن عبدالمطلب کے وصی اور جانشین اور بنوہاشم کے سردار تھے۔ نہایت ذی وجاہت انسان تھے۔ مظلوموں اور بے کسوں کی اعانت اور امداد کو وہ اپنا فریضہ زندگی سمجھتے تھے۔ چنانچہ حلف الفضول کا مقصد ہی مظلوموں اور بے کسوں کی خبر گیری اور امداد تھا۔

اس کے ساتھ دوسری بات یہ ذہن میں رہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی ولادت باسعادت پر زبیر بن عبدالمطلب کو غیر معمولی خوشی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ انہیں گودوں لیے پھرتے۔ ہاتھوں پر جھلاتے اور لوری گنگناتے جاتے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

"زبیر بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کو بچپن میں اپنے ہاتھوں پر جھلایا کرتے تھے اور یوں فرماتے کہ "یہ محمدؐ میرے بھائی عبداللہ کی نشانی ہے۔ خوب عیش و آرام سے جئے اور اعلیٰ قدر و منزلت پائے"۔ ("الاصابہ" جلد ۲، ص ۳۰۸)

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب مرفہ حال، سخی، ذی وجاہت اور تمام صفات حسنہ کے مالک تھے۔ چنانچہ مورخ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:

كان الزبير بن عبدالمطلب شجاعا ابيا جميلا بهيا و كان خطيبا شاعرا وسيدا و جوادا۔

"زبیر بن عبدالمطلب ایک بہادر، خوبصورت اور باوجاہت انسان تھے، اور خطیب، شاعر اور بنوہاشم کے سردار اور سخی تھے"۔ ("ابن ابی الحدید" جلد ۳، ص ۴۵۵)

چوتھی چیز اس سلسلہ میں یہ ذہن میں رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ جب اپنے چھ سالہ یتیم بچے کو لے کر اپنے شوہر کے رشتہ داروں کو ملنے کے لیے یثرب گئیں اور واپسی پر اپنے بچے کو اس بیابان میں سیدہ ام ایمن کے پاس چھوڑ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں تو خواجہ عبدالمطلب نے مادر و پدر کی شفقتوں سے محروم پوتے کو اپنے سایہ عاطفت میں رکھا۔ خواجہ عبدالمطلب اس وقت سو سال سے متجاوز تھے اور نہایت نحیف و نزار بلکہ آنکھوں کی بینائی سے بھی محروم۔ اپنے بیٹے ابولہب کا سہارا لے کر چلتے تھے۔ پدر بزرگوار کی ذاتی اور خاندانی حوائج و ضروریات آپ کے بڑے بیٹے زبیر پوری کرتے جو آپ کے نامزد جانشین تھے۔

والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد دو سال تک آپ اپنے شفیق دادا کی آغوش محبت میں رہے۔ لیکن اس عرصہ میں بھی حقیقی معنوں میں آپ کی کفالت زبیر بن عبدالمطلب ہی کرتے تھے۔ اپنے تایا ابا کی شفقت و محبت سے خود سرکارِ دوعالم ﷺ بھی بہت متاثر تھے۔

ابو طالب کی کفالت

خواجہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ عام روایت کے مطابق ابو طالب کی کفالت اور ولایت میں آ گئے۔ تمام کتابوں میں یہی ہے لیکن ایک عام عقل اس بات کو تسلیم کرنے سے اباء کرتی ہے کیونکہ خواجہ عبدالمطلب نے اپنی جانشینی کے لیے اپنے بیٹے کا تقرر فرمایا۔ اور زبیر کے بارہ میں روایت ہے:

"زبیر شاعر اور باعزت شخص تھے اور انہی کو عبدالمطلب نے اپنا وصی اور جانشین مقرر کیا تھا"۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۷۴)

زبیر، ابو طالب اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے والد ماجد تینوں ایک ماں کے بطن سے حقیقی بھائی تھے۔ ان میں زبیر سب سے بڑے تھے جو اپنے زمانہ میں قریش کے معزز سرداروں میں سے تھے۔ چنانچہ بلاذری نے لکھا ہے:

"زبیر قریش کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے۔ وہ عبداللہ اور ابو طالب سے عمر میں بڑے تھے"۔ ("انساب الاشراف" جلد ۱، ص ۸۵)

یہی بات یعقوبی نے بھی لکھی ہے۔

ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ زبیر نہ صرف سردار اور باوجاہت انسان تھے بلکہ سخی بھی تھے اور داد و دہش ان کا وطیرہ تھا۔ چنانچہ لکھا ہے:

"زبیر بن عبدالمطلب ایک بہادر، خوبصورت اور باوجاہت انسان تھے اور خطیب، شاعر اور بنو ہاشم کے سردار اور سخی تھے"۔ ("ابن ابی الحدید" جلد ۳، ص ۴۵۵)

زبیر بن عبدالمطلب کی ان خوبیوں کے باوصف حافظ ابن حجر جیسے لوگوں نے بھی لکھا ہے کہ زبیر کو چھوٹے بھائی عبداللہ کے اکلوتے فرزند "محمد" سے غیر معمولی محبت تھی۔ آپ انہیں گودوں میں لیے پھرتے، ہاتھوں میں جھلاتے اور لوری گنگناتے۔ چنانچہ لکھا ہے:

یقال ان الزبیر بن عبدالمطلب کان یرقص النبی ﷺ وھو صغیر و یقول: محمد بن عبدم، عشت بعیش انعم - فی عز فرع اسنم -

"کہتے ہیں کہ زبیر بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کو بچپن میں اپنے ہاتھوں پر جھلایا کرتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔ "یہ محمد میرے عبداللہ بھائی کی نشانی ہے۔ خوب عیش و آرام سے جئے اور بڑی اعلیٰ قدر و منزلت پائے"۔ ("الاصابہ" جلد ۲، ص ۳۰۸)

بلاذری نے "انساب الاشراف" جلد ۱، ص ۸۵، پر لکھا کہ زبیر آپ کے تمام چچاؤں میں سب سے

زیادہ شفیق اور مہربان تھے۔(کان الطف عمیہ بہ) جب وہ اتنے شفیق و مہربان چچا تھے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کو انہوں نے گودوں میں کھلایا اور عبدالمطلب کے جانشین بھی وہ تھے اور جود و سخا کے حامل، حلف الفضول کے خالق، سرداری بنی ہاشم اور معاشی زندگی میں ابو طالب سے بہتر۔ پھر خواجہ عبدالمطلب نے زبیر جیسے شفیق اور جواد چچا کو چھوڑ کر ابو طالب کو آپ کا کفیل کس وجہ سے بنایا؟ یہ بات سوچنے اور غور و فکر کی ہے؟

خود حضور ﷺ کو بھی اپنے اس چچا زبیر سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ خواجہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد زبیر کی اہلیہ عاتکہ بنت ابی وہب نے اپنے بچوں سے زیادہ محبت اور شفقت سے آپ کی پرورش کی۔ اس عاتکہ کو سرکارِ دوعالم ﷺ "میری ماں" فرمایا کرتے تے۔ یہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی حقیقی دادی فاطمہ بنت عمرو کی حقیقی بھتیجی اور سیدنا علیؓ کے بہنوئی اور امِ ہانی بنت ابی طالب کے شوہر ہبیرہ بن ابی وہب کی حقیقی بہن تھیں۔("کتاب نسب قریش"، ص ۳۴۴)

زبیر بن عبدالمطلب کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ ان میں سے ایک بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔ یہ عبداللہ بن زبیر عہد رسالت میں تیس برس کے جوان تھے۔ یہ جب آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو آپ انہیں اپنے پہلو میں بٹھاتے اور بڑی شفقت و محبت سے فرماتے "یہ میرا بھائی، میری ماں کا بیٹا ہے۔ اس کے باپ نے مجھ سے بڑا نیک سلوک کیا تھا"۔(انہ ابن امی وکان ابوہ بی برا)

("الاصابہ" جلد ۲، ص ۳۰۸)

علامہ ابن سید الناس اور دوسرے کئی ایک مورخین نے بھی اسی قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیرؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے:

> کان النبی ﷺ یقول ابن عمی و حبی و منھم من یروی انہ کان یقول ابن امی وحبی
>
> "نبی اکرم ﷺ عبداللہؓ بن زبیر بن عبدالمطلب کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے چچا کے بیٹے اور میرے محبوب ہیں اور بعض لوگ یہ روایت کرتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ میری ماں کے بیٹے اور میرے محبوب ہیں"۔

("عیون الاثر" لابن سید الناس، جلد ۱، ص ۲۹۲)

رسول اللہ ﷺ کی اپنے تایا ابا سے محبت کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب کے بڑے بیٹے کا نام طاہر تھا اور ان ہی کے نام پر انہوں نے اپنی کنیت ابو طاہر رکھی ہوئی تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے ہم عصر تھے اور عنفوان شباب ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی مناسبت سے اپنے ایک صاحبزادے کا نام "طاہر" رکھا تھا۔("ابن ابی الحدید" جلد ۳، ص ۴۵۶)

Marfat.com

زبیر بن عبدالمطلب کی صاحبزادیوں کی سرکارِ دو عالم ﷺ نے بہت مالی مدد فرمائی۔ آپ کی ایک صاحبزادی صفیہؓ تھیں۔ آپ اُن کو خیبر کی پیداوار سے چالیس وسق دیا کرتے تھے۔

("الاصابہ" جلد ۴، ص ۳۴۸)

اسی طرح دوسری صاحبزادیوں ضباعہؓ، ام الزبیرؓ اور ام الحکمؓ کی بھی آپ مالی اعانت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی یہ چاروں چچیری بہنیں، جن کے ساتھ آپ ایک ہی گھر میں بچپن اور عنفوان شباب تک رہے، دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اور آپ کی صحابیات میں شمار ہوتی تھیں۔ ام الحکمؓ کی شادی اپنے چچیرے بھائی ربیعہؓ بن الحارث بن عبدالمطلب سے ہوئی تھی اس لحاظ سے یہ دونوں میاں بیوی ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کی پھوپھی صفیہؓ نے بھی اپنے بیٹے زبیرؓ بن العوام کا نام اپنے اس شفیق بھائی زبیر بن عبدالمطلب کے نام پر رکھا اور ان کی کنیت بھی ابو طاہر رکھی جو کچھ مدت تک باقی رہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زبیر بن عبدالمطلب اپنی نیک خصلت اور عمدہ صفات کے اعتبار سے اپنے اہلِ خاندان اور قرابت داروں میں کتنے محبوب اور عزیز تھے۔ بلکہ وہ اپنے خاندان میں "زبیر الخیر" اور "ذی کرم" سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ ان کی بہن صفیہؓ بنت عبدالمطلب نے ان کی وفات پر جو مرثیہ کہا، اس کے ایک شعر میں ان کے ان القاب کو ذکر کیا۔

ابکی زبیر الخیر اذ فات ان
کنت علی ذی کرم باکیہ

جب زبیر بن عبدالمطلب اتنی خوبیوں کے حامل تھے اور عبدالمطلب نے انتقال کے وقت انہی کو اپنا جانشین مقرر کیا اور ان کی رحمدلی، انصاف پروری اور لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا زندہ اور تاریخی ثبوت حلف الفضول ہے جو قریشی خاندانوں اور قبیلوں میں مظلوموں کی حمایت اور عدل و انصاف کرنے کے لیے انہی کی تحریک پر عبداللہ بن جدعان کے گھر بیٹھ کر کیا اور کہا تھا کہ ہم مکہ میں کسی پر ظلم نہ ہونے دیں گے۔ پھر اس بات کا کیا جواز ہے اور اس کی کیا وجہ ہے کہ عبدالمطلب نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی کفالت ابو طالب کو سونپی۔ دراصل یہ اندرون خانہ کچھ روایات کا ہیر پھیر ہے اور ہمارے سیرۃ نگار اور مورخین ایک دوسرے کی کتابوں سے روایات نقل کرتے آئے کہ عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت ابو طالب کو سرور کائنات ﷺ کا کفیل اور سرپرست مقرر فرمایا تھا۔

علاوہ ازیں ابو طالب پیدائشی طور پر لنگڑے تھے ("کتاب المعارف" ص ۲۴۹) چنانچہ اسی نقص کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بھی بہتر نہ تھی۔ اپنی اسی معذوری کی وجہ سے وہ دور دراز تجارتی سفروں پر بھی نہیں جا سکتے تھے اور ان کی مالی کمزوری کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا۔ سیرت کی کتابوں میں رسول اللہ

Marfat.com

ﷺ کی معیت میں آپ کے سفر شام کا جو ذکر ملتا ہے، وہ صرف ایک افسانہ ہے وگرنہ تاریخی طور پر اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ تانگوں کے اسی نقص کی وجہ سے وہ عطر فروشی اور بعض اوقات غلہ کی خرید و فروخت کر لیتے۔ لیکن آمدنی اتنی قلیل تھی کہ کثرت عیال کی وجہ سے خاندان کا گزارا بہت مشکل تھا۔ ان مشکل معاشی حالات میں وہ حضور ﷺ کی کیسے کفالت کر سکتے تھے؟ بلکہ ایک لحاظ سے خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کی اولاد کی کفالت کی۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ ایک روز آپ سیدنا عباسؓ کے پاس تشریف لے گئے جو مالی لحاظ سے بہت بہتر تھے بلکہ مکہ مکرمہ کے مالدار اور متمول لوگوں میں شمار ہوتے، اور انہیں ابو طالب کی کثیر العیالی اور تنگ دستی کے بارہ میں بتایا۔ زمانہ بھی ان دنوں قحط اور خشک سالی کا تھا لہٰذا سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ تجویز پیش کی کہ ابو طالب کے بچوں کی کفالت ہم اپنے ذمہ لے لیں۔ سیدنا عباسؓ نے آپ کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ چنانچہ دونوں حضرات ابو طالب کے پاس پہنچے اور انہیں اپنے آنے کا مقصد بتایا اور کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے بچوں کا کچھ بوجھ آپ سے ہلکا کر دیں۔ ابو طالب نے ان کی یہ تجویز سن کر کہا کہ عقیل کو تو تم لوگ میرے پاس چھوڑ دو باقی اولاد کے بارہ میں تم جو چاہو فیصلہ کر لو۔ چنانچہ سیدنا علیؓ کی کفالت رسول اللہ ﷺ نے اپنے ذمہ لی اور سیدنا جعفرؓ کی پرورش سیدنا عباسؓ نے اپنے ذمہ لے لی۔ اس طرح سیدنا علیؓ رسول اللہ ﷺ کی زیر کفالت پرورش پانے لگے۔

("طبری" جلد ۲، ص ۵۷، "زرقانی" جلد ۱، ص ۲۸۰، "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۲۵، "ابن ابی الحدید" جلد ۱، ص ۱۵)

زبیر بن عبد المطلب کے انتقال کے بعد جب ابو طالب بنو ہاشم کے سردار مقرر ہوئے اس وقت بھی وہ معاشی طور پر نہایت تنگ دست تھے۔ چنانچہ خود سیدنا علیؓ کا ایک قول ہے:

ابی ساد فقیرا وما ساد فقیر قبلہ۔

"میرے والد (ابو طالب) جب سردار ہوئے تو فقیر تھے اور ان سے پہلے کوئی فقیر سردار نہیں ہوا"۔ ("تاریخ یعقوبی" جلد ۱، ص ۱۷)

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ عبد المطلب کی وفات کے بعد آپ کے پہلے کفیل تو زبیر ہی تھے لیکن زبیر کے انتقال کے بعد ابو طالب نے آپ کی کفالت کی۔ یہ بات بھی بالکل غلط ہے کیونکہ جب زبیر بن عبد المطلب کا انتقال ہوا اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۲۵ سال کے قریب تھی اور ۲۵ سال کے نوجوان کو کسی کفیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ بلاذری نے لکھا ہے:

وروی بعضھم ان الزبیر کفل النبی ﷺ حتی مات ثم کفلہ ابو طالب بعدہ و ذالک غلط بان الزبیر شھد حلف الفضول والرسول ﷺ یومئذ نیف وعشرون سنہ۔

Marfat.com

"بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ زبیر نے اپنی وفات تک رسول اللہ ﷺ کی کفالت کی تھی پھر ان کے انتقال کے بعد ابو طالب نے آپ کی کفالت کی، لیکن یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ زبیر "حلف الفضول" میں موجود تھے اور رسول اللہ ﷺ کی عمر اس وقت کچھ اوپر بیس سال تھی"۔ ("انساب الاشراف" جلد ۱، ص ۸۵)

ابن ابی الحدید نے ۲۵ سال عمر بتائی ہے اور یہ جو بعض سیرۃ نگاروں نے لکھا ہے کہ ابو طالب سرکارِ دو عالم ﷺ سے بہت محبت کرتے تھے اس وجہ سے ان کو آپ ؐ کا کفیل بنایا گیا۔ جہاں تک تاریخی روایات کا تعلق ہے ابو طالب کی یہ محبت بھی ایک افسانہ ہے۔ آپ کی محبت کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ نزولِ وحی سے قبل رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کو ان کی بیٹی اُم ہانی سے نکاح کا پیغام دیا۔ آپ کے پیغام کے ساتھ ہبیرہ بن ابو وہب المخزومی نے بھی ابو طالب کو پیغام نکاح دیا تھا۔ ابو طالب نے بنو مخزوم کے ہبیرہ بن ابو وہب کو اپنی یہ بیٹی بیاہ دی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو طالب کا اپنے بارہ میں یہ رویہ دیکھ کر فرمایا: "چچا جان! آپ نے ہبیرہ کو تو بیٹی بیاہ دی اور مجھے یوں ہی چھوڑ دیا یعنی میرے پیغام کو رد کر دیا؟" یہ سن کر ابو طالب نے کہا:

یا بن اخی انا قد صاھرنا الیھم والکریم یکافی الکریم۔

"بھتیجے! ان لوگوں کے تو ہم سے رشتے ناطے ہوتے چلے آئے ہیں۔ معزز لوگوں کے ہم کفو معزز اور ذی حیثیت لوگ ہی ہوتے ہیں"۔

("الاصابہ" ج ۴، ص ۵۰۳، "کتاب المحبر" ص ۹۸، "طبقات ابن سعد" ج ، ص ۱۵۲)

اس بات کو قریباً ہر مورخ نے بیان کیا ہے کہ ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کے پیام شادی کو رد کرتے ہوئے بنو مخزوم کے ہبیرہ بن ابو وہب کے ساتھ اپنی بیٹی اُم ہانی کا نکاح کر دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب روایات حقیقت پر مبنی نہیں ہیں جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ابو طالب کو یتیم عبداللہ سے بے پناہ محبت تھی۔ جو چچا اپنی بیٹی ایک یتیم بھتیجے کے نکاح میں نہیں دے سکتا بلکہ الٹا یہ جواب دیتا ہے کہ:

"معزز لوگوں کے میل کے معزز لوگ ہی ہوتے ہیں۔"

روایات میں ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کو اپنے چچا کے اس جواب سے اتنا رنج و صدمہ ہوا کہ آپ نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا۔ (فعاتبہ النبی ﷺ)

("الاصابہ"، جلد ۴، ص ۵۰۳)

ابو طالب نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو چھوڑ کر ہبیرہ بن ابی وہب کے ساتھ اپنی بیٹی کا کیوں نکاح کر دیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنو مخزوم کا قبیلہ اس وقت قریش میں دولت اور ثروت، اثر و رسوخ اور عددی قوت

کے لحاظ سے ایک ممتاز اور مقتدر گھرانا سمجھا جاتا تھا۔ اس گھرانے کے پاس منصب العدل بھی تھا، تمول اور دریادلی، لیاقت وصلاحیت وغیرہ میں یکتا سمجھا جاتا تھا(وھوالوحید)۔("کتاب نسب قریش" ص ۳۰)
اسی خاندان کا ایک فرد ولید بن المغیرہ المخزومی (والد خالد بن ولید سیف اللہ) اپنی سخاوت اور مہمان نوازی میں اس زمانہ میں نہایت شہرت رکھتا تھا۔ اسی ولید کا ایک بھائی ہشام بن المغیرہ بھی اپنی سخاوت اور مہمان نوازی میں اس زمانہ میں نہایت شہرت رکھتا تھا۔ اس کا مہمان خانہ ہروقت کھلا رہتا تھا اور ہر آنے جانے والے کو کھانے پینے کا اذن عام تھا۔ جس سال اس کی وفات ہوئی، قریش اسی سال سے واقعات کا تعین کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:

"بے شک قریش ہشام کی موت سے تاریخ شروع کرتے اور کہتے کہ یہ واقعہ اس سال ہوا جب ہشام فوت ہوا"۔ ("کتاب نسب قریش" ص ۳۰۱، "کتاب المحبر" ص ۱۳۹)

اسی ہشام کا بیٹا ابوجہل تھا جو رسول اللہ ﷺ کا سخت ترین دشمن تھا۔ اس خاندان کے اس دنیوی اقتدار اور اعزاز کی وجہ سے ابوطالب نے اپنی لڑکی کا نکاح سرکارِ دوعالم ﷺ کے بجائے اس خاندان کے شخص ہبیرہ سے کر دیا۔

ابوطالب کا یہ داماد ان بدبخت اور بدطینت لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اپنی پوری زندگی رسول اللہ ﷺ کو ایذا دی۔ یہ شاعر بھی تھا اس وجہ سے اپنے اشعار کے ذریعہ آپ کی ہجو بھی کرتا۔
(ملاحظہ ہو "انساب الاشراف" جلد ۱، ص ۱۵۶)

جنگ بدر میں یہ بدبخت ہبیرہ شوہر اُمِ ہانی کفار کے میمنہ کی اور اس کا بہنوئی زمعہ بن الاسود میسرہ کی کمان کر رہا تھا۔ ("کتاب المغازی" جلد ۱، ص ۵۸) زمعہ کو تو سیدنا حمزہؓ نے قتل کر دیا لیکن بدبخت ہبیرہ بچ نکلا۔

معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کو بھی اپنے باپ کی اس حرکت کا احساس تھا۔ چنانچہ فتح مکہ کے روز اُمِ ہانی کا شوہر بھاگ گیا اور اپنی بیوی اور بچوں کو بے سہارا چھوڑ گیا تو سیدنا علیؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! اُمِ ہانی اب چونکہ اسلام لا چکی ہے لہٰذا اگر قرابت کے ساتھ رشتہ مناکحت بھی ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علیؓ کی یہ تجویز منظور فرما کر پیغام نکاح بھیجا، لیکن اس پیام کے جواب میں سیدہ اُمِ ہانیؓ نے کہا:

"میں زمانہ جاہلیت میں آپ کی ذات سے انس و محبت کرتی تھی تو زمانہ اسلام میں اس کا کیا ہی کہنا، مگر میں اب بال بچوں والی ہوں اور اسے برا جانتی ہوں کہ آپ کی زحمت کا باعث بنوں"۔

("کتاب المحبر" ص ۹۸، "الاصابہ" ج ۴، ص ۵۰۳، "طبقات ابن سعد" ج ۸، ص ۱۵۲)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے اس کا یہ عذر قبول فرماتے ہوئے اس کی تعریف فرمائی۔ سیدہ اُم ہانیؓ نے اپنے کافر شوہر سے علیحدگی کے بعد قریباً چالیس برس بیوگی میں بسر کیے۔ ان کے بڑے بیٹے جعدہ سیدنا علیؓ کے داماد تھے اور آپ کے عہدِ خلافت میں خراسان کے گورنر ہوئے۔

اس واقعہ سے ابو طالب کی یتیم عبد اللہ سے محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تاریخ میں جن واقعات میں ابو طالب کی حمایت کا ذکر ہے کہ انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی حمایت کی اگر آپ ان واقعات کی گہرائی میں جا کر دیکھیں تو ان میں حضور ﷺ کے استقلال کی حمایت ہے اور قریش کے قبیلہ کے سردار ہونے کے ناطے سے حمایت ہے ایک چچا ہونے کی وجہ سے حمایت کا پہلو زیادہ نہیں جھلکتا۔ اس وجہ سے خواجہ عبد المطلب جیسے دانشمند آدمی سے ایسی غیر دانش مندانہ بات کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ابو طالب کو یتیم عبد اللہ کا کفیل بنا کر گئے ہوں۔ ابو طالب چونکہ سیدنا علیؓ کے والد تھے اس لیے نبوت کو ابو طالب کا احسان مند ثابت کرنے کے لیے وہ روایات تراشی گئی ہیں۔ کیونکہ وہ روایات زیادہ محمد ابنِ اسحاق سے مروی ہیں۔ محمد ابنِ اسحاق کے دادا یسار بن خیار نسلی طور پر ایرانی تھے۔ سنہ ۱۲ھ کے معرکہ عین التمر کے قیدیوں کے زمرہ میں آئے اور قیس بن مخرمہ بن عبد المطلب بن مناف کے غلام ہوئے۔ انہی کے پوتے محمد ابنِ اسحاق کی سنہ ۸۵ھ میں ولادت مدینہ میں ہوئی۔ ایرانی خدوخال کے خوبصورت جوان تھے جوانی کی مستی میں عشق بازی کرنے لگے۔ گورنر مدینہ نے کوڑے لگوائے۔ سنہ ۱۵اھ میں یہ مدینہ منورہ سے نقل مکانی کر کے اسکندریہ چلے گئے۔ وہاں سے کوفہ، الجزیرہ، رے اور حیرہ ہوتے ہوئے ابو جعفر المنصور عباسی کے پاس بغداد پہنچے۔ ان کے صاحبزادے المہدی العباسی کے لیے سیرت پر ضخیم کتاب لکھ کر پیش کی۔ ابنِ نمیر کا قول ہے کہ "مجہول لوگوں سے لغو روایات بیان کرتا ہے۔" (انہ یحدث عن المجھولین) امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ ("میزان الاعتدال" جلد ۳، ص ۲۱) یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں: (اشھد ان محمد ابن اسحاق کذاب) ابو طالب کی کفالت کا ماخذ انہی کی کتاب ہے۔ دوسرے اصحاب السیر اور مؤرخین نے انہی کی کتاب سے روایات اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔ پھر اگلے سیرۃ نگار مکھی پر مکھی مارتے چلے آئے۔

بہر حال یہ ابو طالب کی سرپرستی اور کفالت کا ایک تاریخی، روایتی اور منطقی تجزیہ تھا جو گزشتہ صفحات میں مذکور ہے، پھر بھی ابو طالب کا نبوت پر کوئی احسان نہیں بلکہ نبوت کا ابو طالب پر احسان ہے۔

عام روایت کے مطابق خواجہ عبد المطلب کے انتقال کے بعد آپ ابو طالب کی آغوش میں آ گئے اور اپنے چھوٹے بھائی کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے آپ کی تربیت و پرورش کی۔ لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ حضور ﷺ سے عام روایت کے مطابق ابو طالب اتنی محبت اور شفقت ہونے کے باوجود اور اتنی خارق عادت باتیں دیکھنے کے باوجود بھی دولت ایمان اور نعمت اسلام سے محروم رہے اور خارق

عادت باتوں کے ساتھ یہ بات بھی عجیب و غریب تھی اور ابو طالب ہر روز اس کا مشاہدہ کرتے کہ محمدؐ ہر وقت صاف ستھرے رہتے۔ ابو طالب کے بچے صبح کو اٹھتے تو کسی کی آنکھ جھپکی ہوئی، چیپڑے جمے ہوتے، کسی کی ناک گندی ہوتی، لیکن محمد ﷺ کا منہ صاف جیسے کسی نے ابھی دھویا ہو، دانت موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے، چہرہ روشن، آنکھیں سرگیں، ناک پونچھی ہوئی اور ناک کے بانسے پر نور چمکتا ہوا ہوتا۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۲، ص ۲۸۲ "طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۷۶، جلد ۲، ص ۱۱۱)

ابو طالب کا دولت ایمان سے محروم رہنا بھی اس بات کی بین دلیل ہے کہ انہیں سرکار ﷺ سے وہ محبت نہ تھی جس کا اظہار مختلف روایات میں کیا جاتا ہے، وگرنہ وہ آپؐ پر ایمان ضرور لاتے۔

لو کان حبک صادقا لا طعته

ان المحب لمن یحب یطیع

"اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو ضرور اس کی اطاعت کرتا، کیونکہ ایک محبت کرنے والا اپنے محبوب کی تابعداری ضرور کرتا ہے"۔

یہاں یہ بات اجمالی طور پر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جمہور علمائے مفسرین، محدثین و فقہاء، اہلِ سیر اور اہلِ تاریخ نے تصریحاً بیان کیا ہے کہ ابو طالب دولت ایمان اور نعمت اسلام سے محروم رہے۔ اس بحث کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ، جلد ۴، ص ۱۱۵-۱۱۹" اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۲۲-۱۲۶) میں اپنی تفسیر (جلد ۱ ص ۳۹۴-۳۹۵) میں دلائل سے بیان کیا ہے۔ بعض حضرات نے جو ابو طالب کے ایمان کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور جو روایات پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور قاعدہ ہے۔ "القوی لا یوثر فیہ مخالفہ الضعیف۔"

("شرح نخبتہ الفکر" ص ۴۴)

بچپن

بچپن میں آپ کے عادات وخصائل دوسرے عام بچوں سے مختلف تھے۔کیونکہ نگاہ جب انہیں انسانیت کی صلاح و فلاح کے لیے منتخب فرما چکی تھی۔ چنانچہ سیدہ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ ایام شیر خواری میں آپ دوسرے بچوں کے برعکس اپنے کپڑوں میں بول وبراز نہ کرتے تھے بلکہ اس کے لیے آپ کا ایک وقت مقرر تھا۔ اور کبھی آپ کا ستر کھل جاتا تو آپ سے اس وقت تک فریاد و زاری یا کوئی اور اضطراری حرکت صادر ہوتی رہتی جب تک میں اس کو ڈھک نہ دیتی۔ سیدنا ابن عباس کا یہ قول ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ آپ کی نبوت کی سب سے پہلی علامت جو لوگوں کے مشاہدہ میں آئی، وہ یہ تھی کہ آپ بچپن میں بھی برہنگی سے اجتناب فرماتے تھے۔

زمانہ طفولیت اور لڑکپن میں بھی آپ کی زندگی عارفانہ تھی۔ علامہ محمود آلوسی نے "روح المعانی" میں نقل کیا ہے کہ ابو طالب کا بیان ہے کہ اگر کبھی رات کو میری آنکھ کھلتی تو میں آپ کو بستر پر نہ پاتا۔ میرے تلاش کرنے پر وہ آواز دیتے کہ میں یہاں ہوں۔ ہماری عادت تھی کہ کھانے پینے کے وقت کسی کا نام نہ لیتے اور نہ حمد کرتے۔ مگر محمد ﷺ کھانا شروع کرنے سے پہلے "بسم اللہ الاحد" پڑھا کرتے اور جب کھانے سے فارغ ہوتے تو "الحمد للہ" فرماتے۔ اس لڑکپن میں آپ کے یہ عارفانہ جذبات مجھے چاہ حیرت میں غرق کر دیتے۔ میں نے آپ کو لڑکپن میں غلط بیانی یا کسی کی غیبت کرتے یا ہنستے یا لڑکوں کے ساتھ کھیلتے کبھی نہ دیکھا۔

اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عالم طفولیت میں بھی جسمانیات سے بے پروا ہوتے تھے اور شرعیات اور آسمانی دین سے بے خبر ہونے کے باوجود ان پر روحانیت اور توجہ الی اللہ کا غلبہ رہتا تھا۔ کیونکہ اگر یہ نفوس قدسیہ خورد سالی میں اپنے جذبات اور معیشت میں دنیا والوں سے ممتاز نہ ہوتے تو جب وہ بڑی عمر میں دعوئ نبوت کرتے اور بلوغت سے قبل اگر ان کی زندگی پاکیزہ نہ ہوتی تو مخالفین کی

طرف سے وہ مختلف اعتراضات کا ہدف بنتے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی ابتدائی زندگی بھی دوسرے لوگوں سے ممیز اور فائق ہو۔ چنانچہ آپ ؐ کے سینہ میں اللہ جل شانہ نے اپنی محبت کی ایسی آگ روشن کردی جو آپ کو عالم طفولیت میں بھی غافل ہو کر سونے نہ دیتی تھی۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن کی خصوصیات میں ایک خصوصیت آپ کی یہ بھی تھی کہ آپ دوسرے بچوں کی طرح حریص اور طماع نہ تھے۔ آپ بچپن ہی سے قناعت پسند تھے۔ گھر کے دوسرے بچے جب صبح کو بیدار ہوتے تو شکم سیری کی وجہ سے پریشان اور آلودہ چشم نظر آتے تھے، لیکن آپ کم خوری کے باوجود نہایت مسرور، بیدار مغز اور سرگیں چشم دکھائی دیتے تھے۔

دنیائے اخلاق میں شرم و حیا بہت قیمتی چیز ہے اور یہ اس خصلت کا نام ہے جو شرافت و انسانیت کی نظر میں معیوب چیزوں کو روکے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ بچپن ہی سے شرم و حیا کا مجسمہ تھے روایات میں ہے کہ تعمیر کعبہ کے موقع پر جب آپ پتھر اٹھا رہے تھے تو آپ کے چچا سیدنا عباسؓ جو آپ سے صرف دو سال بڑے تھے، انہوں نے دیکھا کہ پتھروں سے ان کے معصوم بھتیجے محمدؐ کے مونڈھے چھلے جا رہے ہیں۔ اس زمانے کے عربوں میں آج کل کے یورپ کی طرح برہنگی کوئی معیوب شئے نہیں تھی۔ وہ تو خانہ کعبہ کا طواف بھی مادر زاد برہنہ ہو کر کرتے تھے۔ اس وجہ سے سیدنا عباسؓ نے اپنے بھتیجے پر ترس کھاتے ہوئے ارادہ کیا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی لنگی کھول کر ان کے مونڈھے پر رکھ دیں تاکہ پتھروں کے اٹھانے سے ان کے مونڈھے نہ چھلیں۔ لیکن اس کنواری عورتوں سے زیادہ باحیا اور شرمیلی فطرت والے بھتیجے کے لیے اتنی سی برہنگی بھی ناقابلِ برداشت تھی۔ "سیرۃ ابن ہشام" میں ہے کہ ابھی لنگی کھلنے نہ پائی تھی کہ حضور ﷺ کی حالت غیر ہونے لگی اور ایک ایسی اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی کہ سیدنا عباسؓ گھبرا گئے اور فوری طور پر لنگی جوں کی توں باندھ دی۔

ایک اور موقع پر بچے کھیل رہے تھے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں بھی وہاں موجود تھا۔ اسی کھیل میں بچے پتھر اٹھا اٹھا کر ایک جگہ لے جانے لگے۔ پتھر اٹھانے کے لیے انہوں نے اپنی لنگیاں کھول لیں اور برہنہ ہوگئے۔ ان کی دیکھا دیکھی حضور ﷺ نے بھی لنگی کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا کہ کسی غیبی شخص نے زور سے ڈانٹ کر کہا "لنگی باندھو" حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً لنگی باندھ لی اور پتھر اپنی گردن پر اٹھانے لگا"۔ ("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۱۸۳، "البدایہ والنہایہ" جلد ۲، ص ۵۴۰)

چنانچہ ابن ہشام کے الفاظ میں کہ "رسول اللہ ﷺ اس حال میں جوان ہوئے کہ آپ اپنی قوم میں انسانیت کے لحاظ سے سب سے افضل، اخلاق کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ، حسب و نسب کے لحاظ سے سب سے مکرم، پڑوسی کے لحاظ سے سب سے بہترین، حلم و بردباری کے لحاظ سے سب سے عظیم اور فاحشات اور بداخلاقی جو انسان کو غلیظ بناتی ہے، اس کے لحاظ سے سب سے دور تھے۔ یہاں تک کہ پوری

Marfat.com

قوم نے آپ کو "امین" کا نام دیا ہوا تھا۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے آپ میں تمام نیک خصائل جمع فرما دی تھیں۔ ("ابن ہشام" جلد ۱، ص ۱۸۳، "خصائص کبریٰ" جلد ۱، ص ۹۱)

اس طرح کی اور بھی کئی خصوصیات آپ کے بچپن میں ملتی ہیں کہ آپ کے سمع و بصر کا دامن ہمیشہ پاک رہا۔ جہاں بتوں کے سامنے سجدہ ریزی عین دین سمجھی جاتی تھی، وہاں اس پاکیزہ مزاج نوجوان نے نہ غیر اللہ کے سامنے کبھی سر جھکایا اور نہ اعتقاداً کوئی مشرکانہ تصور اپنے اندر جذب کیا۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۲، ص ۲۸۸)

مکہ میں قحط

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ کچھ مدت اسی زبوں حالی میں گزر گئی۔ خلاصی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ایک رات رقیقہ بنت ابو صیفی بن ہاشم بن عبد مناف کو خواب میں ہاتف غیبی نے بتایا کہ نبی آخر الزمان قریش میں مبعوث ہوں گے۔ ان کی برکت سے یہ قحط سالی دور ہو کر فراخی نصیب ہوگی اور یہی ان کے ظہور کا وقت ہے۔ پس تم اپنی کسی بزرگ ہستی سے درخواست کرو کہ وہ اپنی اولاد کو لے کر نکلے اور جبل ابو قبیس پر چڑھ کر بارش کے لیے دعا کرے اور قریش کے ہر قبیلہ سے بھی ایک ایک آدمی شریک دعا ہو۔ رقیقہ نے لوگوں سے اپنا خواب بیان کیا۔ چنانچہ قریش نے بالاتفاق عبد المطلب میں وہ صفت پائی جو خواب میں بتائی گئی تھی اور انہیں طلب باران کے لیے دعا کی درخواست کی۔ خواجہ عبد المطلب خورد سال یتیم عبد اللہ کو کندھے پر اٹھا کر جبل ابو قبیس پر گئے اور تمام قبائل قریش میں سے بھی ایک ایک آدمی پہاڑ پر پہنچ گیا۔ عبد المطلب نے آپ کے توسل سے بارش کی دعا کی اور دوسرے تمام حاضرین آمین کہتے رہے۔ اتنے میں باران رحمت نازل ہوئی اور اتنی بارش ہوئی کہ گزشتہ تمام سالوں کی خشکی کی بھی تلافی ہو گئی۔

("عیون الاثر" جلد ۱، ص ۱۰۱، "الروض الانف" جلد ۱، ص)

جس زمانہ میں بنو ہاشم کی سیادت ابو طالب کے پاس تھی، اس زمانہ میں پھر ایک دفعہ قحط پڑا۔ لوگوں نے ابو طالب کو خواجہ عبد المطلب کا جانشین سمجھتے ہوئے ان سے طلب باران کی درخواست کی۔ ابو طالب نے ایک نوجوان کو ساتھ لیا جس کا چہرہ آفتاب تاباں کی طرح درخشاں اور چمک دار تھا۔ اس کے اردگرد اور بھی نوجوان تھے۔ ابو طالب نے اس نوجوان کو پکڑ کر اس کی پیٹھ کعبہ کی دیوار سے ٹیک دی۔ نوجوان نے ان کی انگلی پکڑ رکھی تھی۔ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ اس نوجوان کے اشارہ سے ہر طرف سے بادل امنڈ آئے اور ایسی دھواں دھار بارش ہوئی کہ وادی میں سیلاب آ گیا اور شہر و بیابان سرسبز و شاداب ہو گئے۔ ("مختصر السیرۃ شیخ عبد اللہ" ص ۱۵، "مدارج النبوۃ" جلد ۱)

Marfat.com

اس واقعہ کے قریباً چھتیس سال بعد جب رؤسائے قریش نے سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپ کے صحابہ کو تنگ کرنا شروع کیا تو ابو طالب نے بیاسی اشعار کا ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ بھی تھا:

و ابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامی عصمه للارامل

"وہ گورے چٹے رنگ کے ہیں۔ ان کے رخ تاباں کے وسیلہ سے طلب باران کیا جاتا ہے آپ کی ذاتِ اقدس یتیموں کا ماویٰ اور بیواؤں کا ملجا ہے"۔

("زرقانی"، جلد۱، ص۱۹۰، "انساب الاشراف" جلد۱، ص۵۵۳)

محدث بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں صحیح سند کے ساتھ جس میں کوئی راوی متہم بالوضع نہیں ہے، سیدنا انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر قحط سالی کی شکایت کی اور چند اشعار پڑھے جن میں سے ایک یہ تھا۔

و لیس لنا الا الیک فرارنا
و این فرار الناس الا الی الرسل

سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر بارش کے لیے دعا فرمائی "اے اللہ! ہمیں بہت اچھے اور مبارک باران رحمت سے سیراب فرما، جو سراسر نافع ہو مضرت رساں نہ ہو اور جلد آئے دیر نہ ہو، جس سے جانوروں کو چارہ پانی ملے اور مردہ زمینیں بھی سیراب ہو کر پھر سے زندہ ہو جائیں"۔

راوی کہتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ ابھی ہاتھ اٹھائے ہوئے ہی تھے کہ آسمان سے دھواں دھار بارش شروع ہو گئی اور خوب بارش ہوئی۔ یہاں تک کہ لوگوں نے چیخنا شروع کر دیا کہ اب ہم ڈوبے۔ حضور ﷺ نے پھر دعا فرمائی کہ ہم سے دور دور بارش ہو، ہم پر نہ ہو۔ اس پر مدینہ سے بادل چھٹ گئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا ابو طالب کتنے سمجھدار اور دور رس تھے۔ اگر وہ اس وقت زندہ ہوتے تو بہت ہی خوش ہوتے۔ کوئی ان کے اشعار پڑھ کر سنائے گا۔ سیدنا علیؓ نے عرض کیا حضور! آپ کا اشارہ ان اشعار کی طرف ہے۔

و ابیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامی عصمه للارامل

اور سارے اشعار پڑھ کر سنائے۔ آپ بہت خوش ہوئے۔

(بحوالہ "انوار الباری شرح بخاری"، جلد۱۱، ص،

حربِ فجار

براض بن قیس کنانی نے حرمت والے مہینوں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام اور رجب) کی پاسداری نہ کرتے ہوئے عروۃ الرحال بن عتبہ ہوازنی کو قتل کردیا۔ حرب الفجار کا مبنی نعمان بن منذر والی غسان کی طرف سے ایک قافلہ ہر سال مشک لے کر عکاظ کے بازار میں آتا اور ادھر سے چمڑا، رسی اور یمن کے بنے ہوئے زر بفتی کپڑوں کے تھان خرید کر حیرہ میں لے جاتا۔ براض بن قیس نے نعمان کی طرف خط بھیجا کہ وہ اپنے اس قافلہ کی نگرانی کا قبالہ انہیں لکھ دیں۔ ادھر عروہ بن عتبہ ہوازنی نے امیر غسان سے اس کے قافلہ پر اپنی نمبرداری کی تحریک میں لکھا کہ میں اسے نجد کی راہ سے حجاز میں پہنچا دیا کروں گا۔ نعمان نے براض کی درخواست رد کردی اور عروہ ہوازنی کو چوپاتی تفویض کردی۔ براض نے اس رقابت پر طیش کھا کر عروہ کو اس کی غفلت میں قتل کردیا اور قافلہ کا تمام مال و اسباب اس کے آدمیوں سمیت اپنے قبضہ میں لے لیا۔ براض نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ بشر بن ابو حازم کی زبانی قریش مکہ کو مخبری کردی کہ عروہ کے قبیلہ ہوازن کے لوگ اپنے مقتول کا بدلہ لینے کے لیے قریش پر حملہ کرنے کو ہیں۔ ادھر قریش کو یہ خبر پہنچی ادھر عکاظ میں ہوازن کا ایک دستہ قریش پر پل پڑا۔ لیکن قریش اس کے مقابلے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے وہ چشم زدن میں عکاظ سے نکل کر حدود حرم میں داخل ہوگئے۔ اس وجہ سے ہوازن کا حملہ ناکام رہ گیا لیکن ہوازن واپس لوٹتے ہوئے قریش کو آئندہ سال عکاظ کے موقع پر جنگ کا الٹی میٹم دیتے گئے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ یہ لڑائی سال میں چند روز مگر مسلسل چار برس تک جاری رہی۔ (حیات محمدؐ، محمد حسین ہیکل)

زمانہ جاہلیت میں اہلِ عرب چار مہینوں یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کو حرمت والے مہینے مانتے تھے۔ ان چار مہینوں کا احترام ہر قبیلہ میں ہوتا تھا۔ ان میں سے ایک مہینہ ذی الحجہ تو مناسک حج کے لیے تھا۔ ذی قعدہ حج پر جانے کے لیے اور محرم حج سے واپس لوٹنے کے لیے اور رجب سال کے وسط میں تجارتی مشاغل یا خانگی امن و سکون کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ بنو قیس نے جن کا ایک آدمی عروہ بن عتبہ قتل ہوگیا تھا، حرمت والے مہینوں کے احترام کو بالائے طاق رکھ کر ماہ ذی قعدہ میں لڑائی شروع کردی۔

اس وجہ سے اس جنگ کا نام "حرب فجار" رکھا گیا یعنی عدوان اور عصیان کی جنگ۔

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ "فجار" فا کی زیر کے ساتھ ہے کیونکہ اس جنگ میں انہوں نے حرمت والے مہینوں کی حرمت کو پاش پاش کیا تھا۔

("الروض الانف"، جلد ۱، ص ۲۰۹، "عیون الاثر"، جلد ۱، ص ۱۱۳)

الاستاذ ابو زہرہؒ نے لکھا ہے کہ:

"فجار، فاجر کا مصدر ہے اور باب مفاعلہ کا مصدر فعال اور مفاعلہ کے وزن پر آتا ہے۔ جیسے قاتل کا مصدر قتال اور مقاتلہ اور ناقش کا مصدر نقاش اور مناقشہ۔ فجار کا مطلب ہے دو فریقوں کا فجور کا ارتکاب کرنا"۔ ("خاتم النبیین" جلد ا، ص ۱۴۹)

ابھی جنگ شروع ہوئے تھوڑے ہی روز گزرے تھے کہ عبداللہ بن جدعان کی کوشش و مساعی سے باہم مصالحت ہو گئی اور چند سال تک فضا پر سکون اور پر امن رہی۔ لیکن پھر ایک روز کسی بات پر معاملہ بڑھ گیا اور لڑائی کی نوبت پہنچ گئی۔ اور ماہ شوال میں رزم و پیکار کا سلسلہ از سرنو شروع ہو گیا۔ بنو قیس نے اس مرتبہ بنو کنانہ کے ساتھ ان کے حلیف قریش پر بھی حملہ کر دیا۔ چونکہ خاندانی عزت اور وقار کا مسئلہ آن پڑا تھا اس لیے قریش نے بھی اس لڑائی میں بھرپور حصہ لیا اور ہاشمیوں میں سے ان کے سردار زبیر بن عبدالمطلب اور آپ کے دوسرے چچا حمزہ اور عباس بھی شریک کارزار ہوئے۔ تمام قریش کی عنان قیادت ابوسفیان کے والد حرب بن امیہ کے ہاتھ میں تھی۔ کیونکہ وہ اپنے سن و شرف کی وجہ سے قریش اور کنانہ کے نزدیک بڑا مرتبہ رکھتا تھا اور ویسے جنگوں میں قیادت کا شعبہ بنوامیہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ پہلے پہر کنانہ پر قیس کا پلہ بھاری تھا لیکن دوپہر ہوتے ہوتے قیس پر کنانہ کا پلہ بھاری ہو گیا لیکن بنو قیس کی ایک شاخ جس کو بنو نضر کہتے تھے، کسی طرح میدان رزم سے دست بردار نہ ہوئی۔

بالآخر عتبہ بن ربیعہ (سیدنا معاویہؓ کے نانا) کی وجہ سے اس شرط پر صلح ہو گئی کہ فریقین کے مقتول شمار کیے جائیں۔ جس فریق کے آدمی زیادہ قتل ہوئے ہوں، وہ دوسرے سے بقدر زیادت خون بہا وصول کرے۔ بنو قیس کے ۴۰ آدمی زیادہ مارے گئے تھے اس لیے قریش اور بنو کنانہ نے اپنے چالیس آدمی جن میں سیدہ خدیجہؓ ام المومنین کے خواہرزادہ حکیم بن حزام بھی داخل تھے، بطور دیت بنو قیس کے حوالے کر دیئے۔ لیکن بنو عامر بن صعصعہ نے ان کو اپنے پاس بے بسی کی حالت میں دیکھا تو ان کے دل میں رحم آ گیا۔ چنانچہ انہوں نے خون بہا معاف کر کے ان سب کو رہا کر دیا اور اس طرح اس جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔

("عیون الاثر" جلد ا، ص ۱۱۳، "الروض الانف" جلد ا، ص ۲۰۹، "مسعودی" جلد ۲، ص ۲۷۵، "تاریخ الاسلام" ذہبی جلد ا، ص ۶۱)

اس جنگ کے وقت گو سرکار دو عالم ﷺ نے اعلان نبوت نہیں فرمایا تھا لیکن چونکہ انبیاء علیہم السلام قبل از اعلان نبوت بھی تمام گناہوں، منہیات اور محذورات سے محفوظ و مصئون ہوتے ہیں، اس لیے حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو اس تصادم اور جنگ میں شریک ہونے سے محفوظ رکھا جس کا آغاز ماہ ذی قعدہ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد دوسری آویزش اور تصادم میں بھی گو خاندانی عزت و وقار کی وجہ سے آپ کو اپنے چچاؤں کے ساتھ کھڑا ہونا پڑا لیکن آپ نے کسی شخص پر ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ آپ کا ارشاد ہے کہ میں محض اپنے چچاؤں کو دشمنوں کے تیروں سے بچاتا تھا (خاتم النبیین، جلد ا، ص ۱۵۱) اور بعض روایات

Marfat.com

کے مطابق آپ اپنے چچاؤں کو صرف تیر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ آپ نے اس جنگ میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا اور نہ ہی آپ کو کوئی دلچسپی تھی۔ اس کی وجہ امام سہیلیؒ نے یہ لکھی ہے کہ فریقین سب کے سب کافر تھے اور مومن کو جنگ وجدال اور قتل و قتال کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب مقصد جنگ اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔

(''الروض الانف'' جلد ۱، ص ۱۲۰، ''طبقات ابن سعد'' جلد ۱، ص ۱۲۸)

اس جنگ کے وقت بقول ابن ہشام آپ کی عمر چودہ پندرہ سال تھی، لیکن محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق بیس سال تھی۔ (''عیون الاثر'' جلد ۱، ص ۱۱۳، ''سیرۃ ابن ہشام'' جلد ۱)

ان دونوں صورتوں میں وجہ تطبیق یہ ہے کہ ابتدائے جنگ میں آپ کی عمر ۱۴/ ۱۵ سال تھی اور جنگ کے آخر زمانہ میں آپ کی عمر ۲۰ سال ہو گئی کیونکہ یہ جنگ چار سال تک جاری رہی۔ حروب الفجار کی پوری تفصیل کتاب ''الاغانی'' جلد ۱۹، ص ۷۴ تا ۸۰ میں دی گئی ہے۔

حلف الفضول

حرب الفجار بند تو ہو گئی لیکن جنگ کے بعد جب قریش نے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھا تو انہیں احساس ہوا کہ ان کے خاندان کے بعض افراد میں جاہ و منصب کی ہوس کا مرض ہے۔ قریش میں یہ بدذوقی ہاشم اور عبدالمطلب کے بعد پیدا ہوئی۔ جاہ و منصب کی یہ ہوس کسی قوم کے زوال کا پیش خیمہ ہوتی ہے لہٰذا عمائدین قریش دل گرفتہ ہو کر رہ گئے۔ کیونکہ حرم کعبہ میں برملا ایسی حرکات شنیعہ کا ارتکاب ہوتا تھا کہ نوع انسانی ان کو سن کر کانپ جاتی۔ لوٹ مار کی ہر طرف گرم بازاری تھی۔ بے کس مسافر اور مفلوک الحال لوگ ستائے جاتے تھے، لیکن کوئی کسی کی دادرسی نہ کرتا۔ ایک دفعہ قبیلہ بنو زبید کا ایک آدمی مکہ میں کچھ مال تجارت لایا جس کو سیدنا عمروؓ بن عاص کے والد عاص بن وائل نے خرید لیا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اس نے قیمت وصول کرنے کی ہر ممکن تدبیر کی لیکن کسی میں بھی کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ پھر وہ بنو عبدالدار، بنو مخزوم، بنو سہم، بنو عدی بن کعب اور دوسرے قبائل قریش کے پاس جا جا کر فریادرس ہوا لیکن عاص بن وائل کے اثر و رسوخ نے اس کی فریادرسی کے اثر کو زائل کر دیا اور کسی قبیلہ نے بھی اس کی دادرسی نہ کی۔

آخر یاس و ناامیدی میں ایک آخری حربہ اس نے یہ اختیار کیا کہ ایک روز جب تمام عمائدین قریش خانہ کعبہ میں جمع تھے تو اس مظلوم نے جبل ابو قبیس پر چڑھ کر اپنی مظلومی کے بارہ میں باآواز بلند چند دردناک شعر پڑھے۔ ان اشعار نے بعض عمائدین اور بنی نوع انسان کے ہمدرد طبع لوگوں کے دلوں کو پسیجا۔ اور ان کے وجودوں میں ایک ارتعاش سا پیدا ہوا۔ ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ نے انگڑائی لی

Marfat.com

اور اپنے ماضی کی تباہ حالی پر افسوس و صدمہ ہوا کہ پوری زندگی ظلم و ستم کرتے اور ظلم و ستم کرنے والوں کو دیکھتے گزر گئی۔ لیکن دلوں میں ہمدردی اور غم خواری کا کوئی جذبہ پیدا نہ ہوا۔ آخر مظلوموں اور ستم زدہ لوگوں کی خیر خواہی اور ہمدردی، بداخلاقیوں کے انسداد اور سدھار کی ایک تحریک بعض لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئی۔ اس کے سب سے بڑے محرک سرکارِ دوعالم ﷺ کے چچا محترم زبیر بن عبدالمطلب تھے جو عبدالمطلب کے انتقال کے بعد اس کے جانشین اور وصی تھے۔ وہ اس مظلوم مسافر کی نوحہ و زاری سن کر عالم بے قراری میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ تمہاری یہ فریاد بے کار اور رائیگاں نہیں جائے گی۔

اس سے قبل بھی معاشرہ کی ان خرابیوں اور قتل و غارت گری اور ظلم و ستم اور جبر و استبداد کے انسداد کے لیے ملک و قوم کی بہتری اور خیر خواہی کے لیے فضل بن فضالہ، فضل بن وداعہ اور فضل بن حارث نے ایک معاہدہ مرتب کیا تھا جو انہیں کے نام پر "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ قول ابن قتیبہ کا ہے لیکن امام سہیلی نے لکھا ہے کہ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ معاہدہ فضل بن شراعہ، فضل بن بضاعہ اور فض بن قضاعہ نے مل کر مرتب کیا تھا۔ اس وجہ سے اسے "حلف الفضول" کہتے تھے۔

(السیرۃ النبویہ، لابن کثیر، جلد ا، ص ۲۶۱)

قریش اس معاہدہ کو دراصل اس وجہ سے "حلف الفضول" کہتے تھے کہ انہوں نے ایک افضل کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ (ایضاً)

زبیر بن عبدالمطلب نے تمام عمائدین قریش کو ساتھ لے کر اس معاہدہ کی دوبارہ تجدید کی۔ چنانچہ اپنی اس اندرونی تحریک کے زیر اثر زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے پانچ قبائل کے سربر آوردہ احباب کو عبداللہ بن جدعان کے وسیع مکان میں جمع کیا۔ وہ خاندان حسبِ ذیل تھے:

۱۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کا خاندان	بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب
۲۔ آپ کی والدہ سیدہ آمنہ کا خاندان	بنو زہرہ بن کلاب
۳۔ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کا خاندان	بنو اسد
۴۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا خاندان	بنو تیم بن مرہ

عبداللہ بن جدعان نے ان سب کی اپنے گھر میں ضیافت کی۔ جناب سرور کائنات ﷺ نے بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ اس اجتماع میں شرکت فرمائی اور اس تحریک میں سرگرم حصہ لیا۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال سے متجاوز تھی۔

یہ عبداللہ بن جدعان جس نے زبیر بن عبدالمطلب کا پورا پورا ساتھ دیا اور اپنے وسیع و عریض مکان میں تمام مدعوین کی ضیافت کی، یہ تھا کون؟ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم۔ اس کی کنیت ابو زبیر تھی۔ یہ شخص بڑا بااخلاق تھا۔ قیدیوں کی رہائی،

Marfat.com

غلاموں کو آزادی دلانا اور زیر دستوں کی پشت پناہی اس کا خاص شیوہ تھا لیکن چونکہ ایمان کی دولت سے محروم تھا اس لیے اس کے اعمال نہ تو رضائے الٰہی کو مستلزم تھے اور نہ ہی نجات اخروی کے کفیل۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدہ عائشہؓ نے آپؐ سے پوچھا یا رسول اللہؐ! ابن جدعان مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا، مہمانوں کا اکرام کرتا تھا، ستم رسیدہ لوگوں کی دادرسی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ کیا اس کے یہ اعمال آخرت میں اس کے لیے فائدہ مند ہوں گے؟ جواب میں فرمایا نہیں۔ اس نے ایک دفعہ بھی یہ نہیں کہا تھا کہ اے میرے رب! قیامت کے دن میرے گناہ معاف فرمانا۔ ("رواہ مسلم"، "الروض الانف" جلد ۱، ص ۹۲)

غرض کہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں تمام قبائل کے مابین یہ معاہدہ ہوا۔ اس کو "حلف الفضول" کا نام دیا گیا۔ اس معاہدہ میں چونکہ آپ بھی شریک تھے، آپ اس سے بہت خوش تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے اس معاہدہ کے مقابلہ میں سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں ہرگز پسند نہ کرتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدہ کی طرف بلایا جاؤں تو میں اس میں شرکت کو ضرور قبول کروں گا۔

اس معاہدہ میں سب نے مظلوم کی نصرت و حمایت کا عہد کیا تھا، خواہ مظلوم اپنا ہو یا پردیسی، اس کی اعانت سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۸۲) چنانچہ اس معاہدہ کے بعد حلف اٹھانے والے عاص بن وائل کے پاس پہنچے اور اس سے زبیدی کا مال لے کر اس کو واپس دلایا۔

(السیرۃ النبویہ، جلد ۱، ص ۲۵۹، "الروض الانف" جلد ۱، ص ۹۲)

اس معاہدہ کے بارہ میں زبیر بن عبدالمطلب نے مندرجہ ذیل اشعار کہے۔

ان الفضول تعاقدوا و تحالفوا　　الا یقیم ببطن مکہ ظالم

امر علیہ تعاقدوا و تواثقوا　　فالجار و المعتر فیہم سالم

"یعنی معاہدہ حلف الفضول منعقد کرنے والوں نے حلف اٹھایا کہ مکہ میں کوئی ظالم نہیں ٹھہر سکے گا۔ اس معاہدہ پر سب نے پختہ عہد کیا۔ اس وجہ سے مقامی اور بیرونی سب یکساں محفوظ ہیں" (السیرۃ النبویہ، جلد ۱، ص ۲۶۰)

حلف الفضول کا واقعہ بعثت نبوی سے ۲۰ سال پیشتر اور حرب الفجار سے چار ماہ بعد ماہ ذی قعد میں رونما ہوا۔

Marfat.com

گلہ بانی اور تجارت

جس طرح آپ نے سیدہ حلیمہؓ کے ہاں اپنے رضائی بہن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرائیں، اسی طرح جوان ہونے کے بعد بھی آپ نے بکریاں چرائیں۔ اس بکریاں چرانے کا ذکر بخاری میں بھی ہے۔ سیدنا جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ مقام الظہران میں ہم سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ تھے کہ فاقہ کش صحابہ ایک جنگل میں پہنچ کر پیلو کا پھل توڑ کر کھانے لگے۔ آپ نے فرمایا سیاہ پھل زیادہ لذیذ اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ آپ نے فرمایا یہ میرا اس زمانے کا تجربہ ہے جب میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے؟ فرمایا ہاں، کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

("بخاری" جلد ۲ ص ۸۲۰، "مسلم" حدیث نمبر ۲۰۵۰، "موطا مالک" حدیث نمبر ۱۷۷۰، "مسند احمد" جلد ۳ ص ۳۲۶)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہؓ نے پوچھا کیا آپ نے بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی اہلِ مکہ کی بکریاں چند قراریط پر چرایا کرتا تھا۔ ("بخاری" جلد ۹ ص ۳۰۱، "ابن ماجہ" حدیث نمبر ۲۱۴۹)

مصر کے مشہور عالم اور سیرت نگار استاذ ابو زہرہ نے قراریط کا مفہوم یہ لکھا ہے کہ:

القراریط هی حصه من اللبن کان یتغذی به مع اولاد ابی طالب۔

"قراریط بکریوں کے دودھ کا وہ حصہ ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ اُجرت کے طور پر لیا کرتے تھے اور جو ابی طالب کے اہل و عیال کے ساتھ بطور غذا استعمال فرمایا کرتے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا "میں بھی اپنے گھر والوں کی بکریاں مقام اجیاد میں چرایا کرتا تھا"۔ ("فتح الباری"، جلد ۴، ص ۴۶۴)

Marfat.com

انبیاء علیہم السلام کا بکریاں چرانا دنیا کی گلہ بانی کا مقدمہ اور تمہید ہوتی ہے۔ بکریاں چرانے میں گلہ بان کو ہر طرف نگاہ رکھنی پڑتی ہے کیونکہ کچھ بکریاں اس طرف دوڑتی ہیں اور کچھ دوسری طرف۔ ان کو نظم وضبط میں لانا بہت مشکل اور دشوار ہوتا ہے۔ پھر ان کو بھیڑیوں اور درندوں سے بچانا بھی گلہ بان کے فرائض میں سے ہوتا ہے۔ انبیاء کو چونکہ امت کا گلہ بان بننا ہوتا ہے' اور امت کی صلاح وفلاح کی فکر میں شب و روز سرگرداں رہنا ہوتا ہے۔ امت کے افراد بھیڑ بکریوں کی طرح ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام ان کو ادھر ادھر بھاگنے سے روکتے ہیں۔ ان کو شریعت کے نظم وضبط میں رکھتے ہیں اور ان کو شیطان اور نفس کے بھیڑیوں اور درندوں سے بچاتے ہیں۔ اس لیے بچپن میں ان سے بکریاں چروا کر ایک ٹریننگ دی جاتی ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ نے بچپن میں بارہ سال کی عمر میں گلہ بانی کی اور بعض جوانی کی عمر میں آپ کا بکریاں چرانا بیان کرتے ہیں۔ آپ نے کتنا عرصہ بکریاں چرائیں' کسی روایت میں ہمارے علم کے مطابق اس کی تصریح نہیں ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "ابن سعد" جلد۱' ص ۱۲۵-۱۲۶' "نہایہ الادب" جلد۱۶' ص ۹۳' عیون الاثر" جلد۱' ص ۴۵' "سیرۃ حلبیہ" جلد۱' ص ۱۲۵)

تجارت

نبی کریم ﷺ عمر کی ۲۵ منزلیں طے کر کے عنفوان شباب میں تھے تو گلہ بانی سے آگے بڑھ کر آپ نے میدان تجارت میں قدم رکھا۔ تجارت کے میدان میں آپ کی آمد دولت اکٹھی کرنے کے لیے نہ تھی کیونکہ آپ تو قناعت پسند طبیعت کے حامل تھے۔ گلہ بانی کی اجرت کا اندازہ فرمائیں کہ چند قراریط یعنی قیراط۔ اتنی اجرت کی اس معاشرہ میں کوئی اہمیت نہ تھی۔ لیکن آپ دنیا کے تمام مادی میلانات اور رجحانات سے بے تعلق تھے۔ جب تک زندہ رہے' دوسروں کو لعل و گہر بخشتے رہے لیکن اپنا چولہا کئی کئی مہینوں تک نہ جلتا۔

ہیں دوسروں کے واسطے لعل و زر و گہر
اور اپنا حال یہ ہے کہ ہے چولھا بجھا ہوا

آپ کی طبیعت میں مال و دولت کے ادھیڑ بن کی مناسبت ہی نہ تھی۔ خود ایک موقع پر فرمایا:

نحن قوم لا نا کل حتی نجوع واذا اکلنا لا نشبع۔

"ہمارا تعلق اس طبقہ سے ہے جو اشتہا سے قبل کھانے پر ہاتھ نہیں ڈالتے اور کبھی شکم سیر ہو کر نہیں اٹھتے"۔

Marfat.com

اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ آپ نے خود بھی ساری زندگی سختیوں اور مصیبتوں میں گزاری اور دوسروں کو بھی اسی قسم کی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی۔ بخلاف ان لوگوں کے جو مال و دولت کے پیچھے بھاگتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کر سکیں۔ میدان تجارت میں قدم رکھنے سے آپ کی غرض حصول دولت نہ تھی بلکہ ایک تو کثیر العیال اور قلیل المال ابو طالب کی اعانت و امداد' دوسرے دنیا کو دیانت و امانت' راست بازی اور سچائی کے اصول سکھانے تھے۔ تیسری غرض یہ تھی کہ چونکہ چند سالوں کے بعد آپ کو ایک بہت بڑا مشن سونپا جانا تھا لہٰذا اپنے تعلقات میں وسعت پیدا کرنے اور لوگوں کو آزمانے اور پرکھنے کا تجربہ حاصل ہو۔

نبوت سے قبل بھی آپ کی زندگی ایک نہایت پاکیزہ زندگی تھی۔ لیکن تاریخ کی یہ پرانی عادت بہت ہی تکلیف دہ اور مایوس کن ہے کہ کسی شخص کی زندگی کے واقعات قلم بند کرنے کے لیے وہ اسی وقت قلم اٹھاتی ہے جب وہ شخص ایک تاریخی انسان بن چکا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے اس کے قلم کو جنبش نہیں ہوتی۔ اس نے یتیم مکہ اور نور نظر عبداللہ کے بارہ میں بھی اسی بخل سے کام لیا اور ان تمام واقعات سے اپنے دامن کو سمیٹنے اور قلم کو حیطہ تحریر میں لانے سے روکے رکھا جو محمد رسول اللہ ﷺ کی روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے رہے اور جو قریش کے گردن درازوں کو متاثر کرتے رہے۔ نہ صرف متاثر کرتے رہے بلکہ انہیں ان کا گرویدہ بنا دیا اور وہ آپ کا "الصادق" اور "الامین" کے سوا اور نام لینا بے ادبی سمجھنے لگے۔ یہ دو لفظ یہاں تک زبانوں پر چڑھ گئے کہ انہوں نے ایک قومی لقب کی حیثیت اختیار کر لی۔ چنانچہ ابن سعد نے "طبقات" میں آپ کی ایک نہایت خوبصورت تصویر ان الفاظ میں پیش کی ہے:

"محمد ﷺ نے جب عالم شباب میں قدم رکھا تو آپ انسانیت و مروت کے اعتبار سے اپنی قوم میں سب سے زیادہ ممتاز' اخلاق میں سب سے اعلیٰ' میل جول میں سب سے زیادہ فرحت بخش' ہمسائیگی میں سب سے زیادہ کریم اور خوشگوار' حلم و تحمل کا پیکر مجسم' گفتگو میں صادق اور راست گو' فحش و ایذا میں کوسوں دور بھاگنے والے' بردباری میں بے مثال' تواضع اور منکسر المزاجی میں باکمال' ہر ایک کے ہمدرد اور بہی خواہ' وعدہ کے پکے اور انتہا درجہ کے امانت دار' گویا کہ خداوند قدوس نے ان کی ذات والاصفات میں تمام امور صالحہ اور اخلاق فاضلہ مرتکز کر دیئے تھے۔ اسی بنا پر قوم نے آپ کو "الامین" کے معزز خطاب سے نوازا"۔ ("طبقات ابن سعد" جلد۱' ص۱۲۱)

ابن سعد نے گویا کہ "الامین" کی تعریف کر دی ہے کہ "الامین" اس کو کہتے ہیں جس میں یہ ساری صفات موجود ہوں نہ کہ وہ جو صرف امانت دار ہو۔

تاریخ کے اس بخل کے باوجود چند واقعات ایسے ہیں جو تاریخ کے سکڑے ہوئے دامن پر پڑ گئے

Marfat.com

اور اس نے انہیں اپنے دامن میں سمیٹ کر محفوظ کر لیا تاکہ انسانیت ان کی روشنی میں اپنے راستے کا تعین کر سکے۔

۱۔ عبداللہ بن ابی الحمساء ایک معمولی انسان تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ سے اس کا کوئی سودا ہو رہا تھا۔ دوران گفتگو اسے کوئی کام یاد آگیا۔ وہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے کہنے لگا آپ ٹھہریے میں ابھی آکر بات کرتا ہوں۔ آپ کی زبان سے "اچھا" نکل گیا۔

ابن ابی الحمساء تو وہاں سے جا کر اپنے وعدہ کو بھول گیا لیکن آپ اپنی زبان سے نکلے ہوئے لفظ "اچھا" کو نہ بھولے۔ آپ پورا دن اس کا اسی مقام پر انتظار کرتے رہے۔ پھر اگلا دن بھی گزر گیا۔ تیسرے روز ابن ابی الحمساء کو یاد آیا کہ میں واپسی کا وعدہ کر کے آیا تھا۔ وہ فوراً آپ کے مکان پر پہنچا لیکن گھر والوں سے یہ خبر سن کر اس کو سخت حیرانگی ہوئی کہ آپ تین روز سے گھر ہی نہیں آئے۔ وہ فوراً وعدہ گاہ پر پہنچا۔ دیکھا کہ آپ وہاں اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ آپ اس کو دیکھ کر بالکل غصہ میں نہیں آئے۔ دھیمی آواز میں صرف اتنا کہا "بھلے مانس تو نے مجھے پریشان کر دیا۔ میں برابر تین روز سے تمہارا یہاں انتظار کر رہا ہوں۔ (یافتی القد شققت علی، انا ھھنا منذ ثلاث انتظرک)

("سنن ابی داؤد" باب العدہ من کتاب الادب)

عبداللہ بن سائب ایک صحابی تھے۔ فرماتے ہیں میں زمانہ جاہلیت میں محمد ﷺ کا شریک تجارت تھا۔ میں جب مدینہ طیبہ حاضر ہوا آپ نے فرمایا مجھے پہچانتے ہو؟ میں نے عرض کیا، کیوں نہیں:

کنت شریکی فنعم الشریک لا تداری ولا یماری۔

"آپ تو میرے شریک تجارت تھے۔ نہ کسی بات کو ٹالتے اور نہ کسی بات پر جھگڑا کرتے"۔ ("خصائص کبریٰ" جلد ۱، ص ۹۱)

قیس بن ثابت المخزومی بھی اسی طرح کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں آپ میرے شریک تجارت تھے۔ وکان خیر شریک لا یماری ولا یشاری آپ بہترین شریک تجارت تھے نہ کبھی جھگڑتے اور نہ کسی قسم کا مناقشہ کرتے۔ ("الاصابہ" ترجمہ قیس بن سائب)

کاروباری سلسلہ میں جھگڑا اور مناقشہ نہ کرنا احترام آدمیت کی بہترین مثال ہے۔ تاکہ کوئی شخص معمولی دنیوی فائدے کے لیے انسانی اقدار کے احترام کو ختم نہ کر دے۔

اعلان نبوت سے قبل بھی آپ کی زندگی نہایت پاکیزہ اور معاملات نہایت کھرے اور تعلقات نہایت استوار تھے۔ آپ کی ان صفات کا شہرہ نہ صرف مکہ بالکل بیرون مکہ بھی پھیلا۔ ہر کوئی آپ کی خوبیوں سے اپنی اپنی استعداد اور طلب کے مطابق آشنا اور باخبر ہوا۔ کیونکہ پھول کی مہک صرف چمن ہی تک نہیں رہتی بلکہ چمن کی حدود سے باہر بھی نکلتی ہے اور راستے پر چلتے ہوئے لوگوں کو بھی اپنی موجودگی

Marfat.com

کا پتہ دیتی ہے۔

سیدہ خدیجہ قریش کی ایک نہایت معزز اور مالدار خاتون تھیں۔ باپ کا نام خویلد، شرم وحیا کی بیٹی۔ اسی وجہ سے نہ صرف اسلام میں بلکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ انہیں "طاہرہ" کے نام سے پکارتے تھے۔
("زرقانی"، جلد۱، ص۱۹۹، "فتح الباری" جلد۷، ص۱۰۰)

ہر مالدار اپنے مال میں اضافہ اور بڑھوتری کا خواہش مند ہوتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ برے تاجر حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتے لیکن اچھے لوگ جائز طریق اور حدود شریعت میں رہ کر تجارت کرتے ہیں۔ جب کبھی قریش مکہ تجارت کے لیے قافلہ روانہ کرتے تو سیدہ خدیجہ بھی چند آدمیوں کو اپنا مال مضاربت کے اصول پر دے کر روانہ کرتیں۔ اور اس طریقہ سے اپنی روزی کماتیں۔ سیدہ چونکہ معاملات کی سچی اور اصول تجارت میں دیانت دار تھیں، اس وجہ سے لوگ ان کا مال لے جانے کو ترجیح دیتے تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک روز ابو طالب نے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اس وقت تمہاری قوم کا تجارتی قافلہ شام جانے کو تیار ہے اور خدیجہؓ قریش کے آدمیوں کو اپنا سرمایہ دے کر تجارت کے لیے بھیج رہی ہیں اور لوگ ان کے سرمایہ سے بہت منافع حاصل کر رہے ہیں۔ اگر تم بھی خدیجہ سے شام جانے کی خواہش کا اظہار کرو تو مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری طہارت نفسی اور معاملات کی صداقت و دیانت کی وجہ سے تم کو دوسروں پر ترجیح دے گی۔ گو میں تمہیں شام بھیجنا پسند نہیں کرتا لیکن حالات کی مجبوری ہے اور تجارت کے لیے وہاں جائے بغیر چارۂ کار بھی نہیں۔
("عیون الاثر" لابن سید الناس، جلد۱، ص۱۱۶)

بعض روایات میں ہے کہ آپ کے اوصاف حمیدہ اور دیانت و امانت اور صدق مقال کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی۔ سیدہ خدیجہؓ کا سامان قریش کے کل سامان کے برابر ہوتا تھا۔ وہ مضاربت پر لوگوں کو تجارت کے لیے بیرون مکہ بھیجتی تھیں۔ آپ کی عمر اس وقت ۲۵ سال کی تھی اور آپ کو قوم کی جانب سے "الصادق" اور "الامین" کا لقب مل چکا تھا اور یہی دو صفات ایک تاجر کی تجارت کے فروغ کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتی ہیں۔ آپ کے ان اوصاف کا گھر گھر چرچا ہوا۔ اس بنا پر سیدہ خدیجہ نے خود آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپ میرا مال تجارت شام لے کر جائیں تو آپ کو دوسروں کی نسبت زیادہ منافع دوں گی۔ آپ نے اس پیغام کو قبول فرما لیا اور سیدہ خدیجہ کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی جانب روانہ ہوئے۔ شام جانے سے قبل خدیجہ نے آپ سے یہ کہا کہ میں آپ کی قوم کے دوسرے تاجروں کو نفع کا جو کچھ دیتی ہوں، آپ کو اس سے دگنا دوں گی۔ آپ نے اس کو منظور فرما لیا اور گھر آ کر اپنے چچا سے بھی اس کا ذکر کیا۔ یہ سن کر ابو طالب خوش ہوئے۔ ("عیون الاثر" جلد۱، ص۱۱۶-۱۱۷)

بعض روایات میں ہے کہ سیدہ خدیجہؓ نے اپنے غلام میسرہ کو جب حضور ﷺ کے ساتھ روانہ کیا تو نہایت تاکید سے فرمایا "میسرہ! خبردار ان کی نافرمانی نہ کرنا اور نہ ہی ان کی رائے کی مخالفت کرنا"۔

غرض کہ آپ سیدہ خدیجہ کا مال لے کر غلام میسرہ کی معیت میں ۱۶ ذی الحجہ کو شام روانہ ہو گئے۔ آپ کے چچاؤں نے قافلہ والوں کو سخت تاکید کی کہ محمد ﷺ کی سخت حفاظت کرنا ایسا نہ ہو کہ انہیں کسی دشمن سے کوئی گزند پہنچے۔ راستہ میں آتے جاتے میسرہ برابر دیکھتا رہا کہ جب گرمی کی شدت ہوتی تھی تو جھٹ بادل آ کر آپ پر سایہ فگن ہو جاتا تھا۔ میسرہ یہ سب باتیں دیکھ دیکھ کر حیران ہوا اور اس کے دل میں آپ کی محبت اور عقیدت جاگزیں ہو گئی۔

جب واپسی پر آپ مرالظہران پہنچے جو مکہ اور عسفان کے درمیان ایک وادی ہے تو آپ سب سے آگے آگے تھے۔ یہاں تک کہ ظہر کے وقت آپ مکہ مکرمہ میں پہنچ گئے۔ اس وقت سیدہ خدیجہ چند خواتین کے ساتھ اپنے بالاخانہ میں بیٹھی ہوئی باہر کا نظارہ کر رہی تھیں۔ ان خواتین میں نفیسہ بنت منیہ بھی موجود تھیں۔ سیدہ خدیجہ اور دوسری خواتین نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دو بڑے پرندے سرور عالم ﷺ کے سر پر سایہ کر رہے ہیں۔ یہ نظارہ دیکھ کر وہ انگشت بدنداں رہ گئیں۔ ظاہر ہے کہ وہ فرشتے تھے جو پرندوں کی شکل میں متمثل تھے۔

سیدہ خدیجہؓ سے نکاح

جیسا کہ روایات میں مذکور ہے کہ شام کے سفر میں سیدہ خدیجہ کا غلام میسرہ آپؑ کے ساتھ تھا۔ میسرہ کو ساتھ بھیجنے کا بہانہ یہ تھا کہ وہ آپ کی خدمت کرتا رہے گا لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے طور و اطوار کا گہری نظر سے مطالعہ کرتا رہے۔ سرور کائنات ﷺ جب دوسروں سے بہت زیادہ منافع کما کر واپس مکہ تشریف لائے تو سیدہ خدیجہ بہت خوش ہوئیں، لیکن سب سے زیادہ خوشی آپ کو سرکارِ دوعالم ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کو سن کر ہوئی جو میسرہ نے بیان کیے اور آپ کی دیانت داری اور راست گفتاری کی ایسی تعریف کی کہ سیدہ نے "دامان محمد" سے اپنے آپ کو وابستہ کرنے کا عزم صمیم کر لیا۔

سیدہ خدیجہ مکہ کی رہنے والی خاتون تھیں۔ جو ۴۰ سال کے پیٹے میں تھیں (یہ عام روایت ہے لیکن ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تحقیق ہے کہ سیدہ کی عمر بھی اس وقت سرکارِ دوعالم ﷺ کے برابر تھی۔ اور یہی صحیح ہے) اور بیوہ تھیں۔ اب جس شخص سے وہ شادی کرنے کا ارادہ کر بیٹھی تھیں، وہ حسب و نسب میں تمام مکہ والوں سے اعلیٰ اور افضل تھا۔ صورت و سیرت میں بے مثال، اخلاق و عادات میں باکمال، گویا کہ دنیا جہان کی خوبیاں اللہ تعالیٰ نے اس کی ذات میں جمع کر رکھی تھیں۔ ایسا قیمتی ہیرا انہیں کہاں ملنے والا

Marfat.com

تھا۔ سیدہ ایک تاجرہ تھیں۔ تجارت میں بھی وہ اس نوجوان کی کاروباری صلاحیت، دانش مندی، ہوشیاری اور مستعدی دیکھ چکی تھیں۔ اگرچہ اس نوجوان کے پاس دولت کے ڈھیر نہیں تھے لیکن سیدہ کی نگاہ آپ کی جن خوبیوں کی طرف تھی، ان کے مقابلہ میں دولت و ثروت ایک پرچھائیں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ دولت کے انبار رکھنے والے خود سیدہ کو قبل ازیں دعوت نکاح دے چکے تھے لیکن ان کے دعوت نامے سیدہ نے ٹھکرا دیئے تھے۔ اب سیدہ کی دلچسپیاں آپ کی ذات ستودہ صفات میں خود بخود مرتکز ہو چکی تھیں اور وہ اس کوشش میں تھیں کہ جلد از جلد کوئی اس رشتہ کے لیے سلسلہ جنبانی کرے۔

بعض روایات میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی نیک نفسی، راست بازی، امانت داری، سچائی اور خلق خدا سے ہمدردی سیدہ خدیجہ کے قلب میں عشق و محبت کی آگ سلگا رہی تھی، لیکن وہ مزید تحقیق احوال کے لیے اپنے ضعیف العمر چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس جو دین مسیح کے اس زمانے کے بہت بڑے عالم تھے، گئیں اور آپ کی ذات ستودہ صفات کے تمام اوصاف اور خوارق و کرامات جو میسرہ سے سنیں اور خود دیکھی تھیں، تفصیل سے بیان کیں۔ یہ سب باتیں اور اوصاف سن کر ورقہ نے کہا "اے خدیجہ! اگر یہ بیانات درست ہیں تو محمد ﷺ اس امت کے نبی ہیں۔ یہ سن کر سیدہ خدیجہ طاہرہؓ نے جو نہایت روشن دماغ، ذہین اور معاملہ فہم خاتون تھیں، آپ کے حبالہ عقد میں آنے کا عزم صمیم کر لیا۔

سیدہ خدیجہ اس وقت حسب و نسب، مال و دولت، حسن و جمال اور دوسری تمام نسوانی صفات کاملہ میں ممتاز تھیں اور بڑے بڑے قریشی روساء اور صنادید ان کو اپنے حبالہ عقد میں لانے کے خواہش مند تھے۔ لیکن ذات واجب کی نگاہ میں یہ مقدر تھا کہ وہ سرور کائنات ﷺ کے شرف زوجیت سے سعادت اندوز ہوں۔

اب سیدہ خدیجہ نے نفیسہ بنت منیہ کے ہاتھ آپ کی خدمت میں پیغام نکاح بھیجا۔ نفیسہ نے آپؐ سے مل کر کہا محمدؐ! آپ کو شادی کرنے میں کون سا امر مانع ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس اتنی رقم نہیں کہ شادی کر سکوں۔ نفیسہ نے کہا کہ نکاح کے اخراجات کا میں ذمہ لیتی ہوں۔ اس کے بعد نفیسہ نے کہا: دیکھیں اس وقت مال، جمال، شرف اور کفو ہر خوبی آپ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ یہ سن کر سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم کس کی نسبت یہ کہہ رہی ہو؟ نفیسہ نے کہا "خدیجہ بنت خویلد کی نسبت" آپؐ نے فرمایا "خدیجہ ایک امیر ترین عورت ہے، وہ کس طرح میری زوجیت میں آنے کے لیے رضامند ہوں گی؟" نفیسہ نے کہا کہ اس کا ذمہ میں لیتی ہوں۔ نفیسہ نے سیدہ خدیجہؓ سے جا کر کہا کہ محمد ﷺ راضی ہیں۔ اب سیدہ خدیجہ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو کہلا بھیجا کہ آپ فلاں وقت تشریف لے آئیں۔ آپ نے اپنے چچاؤں کو سیدہ کے اس پیغام کی اطلاع دی۔ ان کی تو خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔

Marfat.com

سیدہ خدیجہ طاہرہؓ نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بلا بھیجا کہ آ کر میرا نکاح کر دیجئے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ روز معین پر اپنے چچا ابو طالب، حمزہ اور دیگر رؤسائے بنو ہاشم اور اشراف قریش کی معیت میں سیدہ کے مکان پر پہنچ گئے اور مجلس نکاح منعقد ہوئی۔ سیدہ کے چچا عمرو بن اسد ولی مقرر ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ نکاح کے وقت سیدہ کے والد خویلد بھی موجود تھے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ وہ اس وقت وفات پا چکے تھے اور اسی وجہ سے سیدہ نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو اپنا ولی مقرر کیا تھا۔

بنو ہاشم میں اس وقت ابو طالب ہی سب سے بڑے تھے اور بنو ہاشم کے رئیس بھی تھے۔ اس وجہ سے آپ نے خطبہ نکاح پڑھا جس کے چند الفاظ یہ ہیں:

اما بعد! فان محمدا ممن لا یوازن به فتی من قریش الا رجح به شرفا و نبلا و فضلا و عقلا، و ان کان فی المال قل فانه ظل زائل و عاریه مسترجعه و له فی خدیجه بنت خویلد رغبه و لها فیه مثل ذالک۔

"اما بعد! محمد ﷺ قریش میں ایک ایسے نوجوان ہیں کہ شرف، رفعت، فضیلت اور عقل میں اگر کسی کا آپ سے موازنہ کیا جائے تو آپ ہی بھاری رہیں گے۔ اگرچہ آپ قلیل المال ہیں، لیکن مال ایک زائل ہونے والا سایہ ہے اور ایک ایسی عاریت ہے جو واپس کی جانے والی ہے۔ یہ خدیجہ بنت خویلد کے ساتھ نکاح کی طرف راغب ہیں اور اسی طرح خدیجہ بھی آپ کی طرف نکاح کے لیے مائل ہے"۔

("الروض الانف"، جلد ۱، ص ۱۲۲، و "مثلہ فی خاتم النبیین"، جلد ۱، ص ۱۶۲)

خطبہ کے اختتام پر سیدہ کے چچا عمرو بن اسد نے کہا کہ اے حاضرین! آپ گواہ رہیں کہ میں نے اپنی بھتیجی خدیجہ بنت خویلد کو چار سو مثقال حق مہر پر محمد بن عبداللہ کی زوجیت میں دیا۔ چنانچہ دونوں طرف سے ایجاب و قبول ہو کر نکاح ہو گیا۔ بعض روایات میں حق مہر کی رقم پانچ سو درہم ہے۔ یہ رقم اسی وقت ادا کر دی گئی۔

سیدہ خدیجہؓ سرکارِ دوعالم ﷺ کی ہم جد تھیں۔ قصی جو سرکارِ دوعالم ﷺ کے پردادا تھے، وہ سیدہ کے بھی پردادا تھے، لیکن سرکارِ دوعالم ﷺ سے لے کر قصی تک چار پشتیں تھیں۔ عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔ جبکہ سیدہ خدیجہ سے قصی تک صرف تین پشتیں تھیں۔ خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔

یہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی پہلی شادی تھی۔ ان کی وفات تک آپ نے پھر کسی اور خاتون سے شادی نہیں کی۔ آپ کا یہ نکاح سفر شام سے واپسی کے دو ماہ اور پچیس روز بعد ہوا۔

Marfat.com

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "زرقانی" جلد۱، ص۱۹۹، "الروض الانف" جلد۱، ص۱۲۲، "ابن ہشام" جلد۱، ص۱۹۰، "فقہ السیرۃ" ص۹۶ "فتح الباری" جلد۷، ص۱۰۵، "عیون الاثر" جلد۱، ص۱۱۷ وغیرہ)

سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ نکاح تک آپ ابو طالب کے ہاں رہتے تھے اور یہ مکان آپ کی اور آپ کے چچا ابو طالب کی ملکیت تھا۔ سیدہ سے نکاح کے بعد آپ خدیجہ طاہرہ کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔ یہ مکان آج بھی "دار خدیجہ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہی وہ برج سعادت ہے جہاں سے خورشید امت کی جہاں تاب شعائیں اس ظلمت کدہ عالم پر ضیاء فگن ہوئیں، اور کئی سال تک وحی الٰہی کا سرچشمہ موج زن رہا۔ اسی وجہ سے بعض علماء کے نزدیک یہ مکہ مکرمہ کا کعبۃ اللہ اور مسجد الحرام کے بعد افضل ترین مقام ہے۔

نکاح کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ کا تجارت اور کاروبار کی طرف توجہ کا کتابوں میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ ہمدردی خلق، خدا ترسی اور خدا پرستی کے اوصاف روز افزوں نظر آتے ہیں۔ نکاح کے بعد سیدہ خانگی اور اہلی زندگی میں صرف رفیقہ حیات نہیں رہیں بلکہ قومی اور ملکی خدمات میں بھی آپ کا داہنا ہاتھ بنی رہیں اور اپنی ساری دولت قومی اور ملی کاموں میں صرف کر دی۔ یہاں تک کہ وفات کے وقت آپ کا گھر ایک ایسا گھر تھا جس کا امتیازی نشان فقر و فاقہ تھا۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ خود فرمایا کرتے تھے:

> "خدیجہ نے میری اس وقت مدد کی جب لوگوں نے مجھے امداد سے محروم رکھا اور اس نے ہر موقع پر میری تصدیق کی اور ہمت بڑھائی جب دوسرے لوگوں نے مجھے جھٹلایا"۔

سیدہ کے بطن سے سرکارِ دو عالم ﷺ کے چھ بچے (چار لڑکیاں اور دو لڑکے) پیدا ہوئے۔ سب سے پہلے لڑکے کا نام قاسم تھا جس کی نسبت سے آپ کی کنیت "ابو القاسم" تھی۔ سیدہ خدیجہؓ کے تفصیلی حالات کے لیے احقر کی کتاب "امہات المومنینؓ" کا مطالعہ فرمائیں۔

اس نکاح سے آپ کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ وہ کبھی اپنی صلبی اولاد کو گود میں لے کر باپ ہونے کے تصور سے لطف اندوز ہوتے اور کبھی اس گود میں کھیلے ہوئے لخت جگر اور نور نظر کو اپنے سامنے موت کے آہنی پنجوں میں گرفتار دیکھ کر آنسو بہاتے۔ آج سے شوہر بننے اور باپ ہونے کے دونوں رخ آپ کے سامنے آگئے اور آپ کی کتاب زندگی کا وہ زریں باب شروع ہوا، جس میں آپ ۲۵ سالہ پُرسکون شباب میں خود کسی بے عنوانی کے قریب ہو کر نکلے نہ اس پُرفتن عہد جوانی کے شعلوں نے آپ کی ذات پر کوئی اثر ڈالا۔ آج سے وہ بے لوث اور عفت مآب جوانی بھی اپنی رفیقہ حیات سیدہ خدیجہ طاہرہ کی نذر کر دی۔ آپ ﷺ کی انہی صفات کی وجہ سے آپ کو متوازن شخصیت

(Balanced Personality) کا حامل کہا گیا ہے کہ آپ ؐ نے مسرت و حزن اور سفر و حضر، غم و الم اور خوشی اور مسرت میں انسانی بلندی کی اعلیٰ ترین مثال پیش کی ہے۔ چنانچہ داؤد بن حصین ؓ کا بیان ہے کہ:

"عرب کے لوگ عام طور پر یہ کہتے سنے جاتے تھے کہ محمد بن عبداللہ اس شان سے جوان ہوئے کہ آپ اپنی قوم میں سب سے زیادہ بااخلاق، پڑوسیوں کی خبر گیری کرنے والے، حلیم وبُردبار، صادق و امین، جھگڑے سے دور رہنے والے، فحش گوئی اور دشنام طرازی سے پرہیز کرنے والے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کی قوم نے آپ کا نام "الامین" رکھا تھا"۔

("خصائص کبریٰ" جلد ۱، ص ۹۱)

بیت اللہ کی تعمیر

سیدہ خدیجہ طاہرہ ؓ سے نکاح کے بعد آپ کی متاہل زندگی مختلف نشیب و فراز سے گزرتی ہوئی دس منزلیں طے کر چکی تھی۔ اس دور میں آپ کی ذات اقدس سے عداوت تو ایک طرف ہر شخص آپ کی ذات پر فریفتہ اور شیفتہ تھا۔ اسی دوران خانہ کعبہ کے انہدام کا خیال قریش مکہ کے دلوں میں پیدا ہوا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ بھی خانہ خدا کی کہنگی کو دیکھ کر کچھ پریشان ہوتے۔ خانہ کعبہ کے ارد گرد دیوار یا اوٹ نہ ہونے کی وجہ سے سامنے کی پہاڑیوں سے سیلاب کا پانی پھسل کر اس کی دیواروں سے ٹکراتا جس سے عمارت دن بدن کھوکھلی ہوتی گئی اور عمارت کی خرابی کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ میں جمع شدہ تحائف کی چوری کا اندیشہ بڑھنا شروع ہو گیا۔ کیونکہ کعبہ کا خزانہ دروازے کے ساتھ ملا ہوا تھا جو کنوئیں کی طرح پختہ گڑھا تھا۔ قیمتی نذرانے اسی میں ڈال دیئے جاتے تھے۔ اس میں سونے کے زیورات کے علاوہ سونے کا ہرن بھی تھا جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۹۳)

کعبہ ایک چار دیواری کی شکل میں تھا جس پر چھت نہیں تھی۔ دیواریں ۹ ہاتھ یعنی ۱۵ فٹ اونچی تھیں۔ اوپر چھت نہ ہونے کی وجہ سے قیمتی اشیاء چوری ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ابولہب نے سونے کا ہرن چرا لیا۔ ("کتاب المعارف" ابن قتیبہ) اسی دوران ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک عورت دھونی سلگا رہی تھی کہ اس کی چلمچی میں سے آگ کا ایک پتنگا کعبہ کے پردہ پر گرا جس سے تمام پردے جل گئے اور دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں۔

ان کمزور اور شکستہ دیواروں پر تازہ حادثہ یہ پیش آیا کہ ایک روز ارد گرد کی پہاڑیوں سے پانی کا ایک ریلا ان سے ٹکرایا جس نے اس کی بنیادیں ہلا دیں۔

("سیرۃ الحلبیہ" جلد ۱، ص ۱۵۲، "بخاری" جلد ۱، ص ۵۴۱)

لہٰذا اب طے یہ پایا کہ اس چار دیواری کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کی جائے لیکن اس منصوبے کی

Marfat.com

تکمیل کے لیے رقم کی ضرورت تھی۔ سامان عمارت اور کوئی انجینئر جو صحیح طریقہ سے اس کی تعمیر کرے، درکار تھا۔

اس سے قبل بھی ایک مرتبہ قریش نے کعبہ کو از سر نو تعمیر اور مسقف کرنا چاہا لیکن پھر دعتہ بینہ سمجھ کر عذاب الٰہی کے خوف سے ہاتھ روک لیا کیونکہ زمانہ جاہلیت میں اس قسم کے اقدام پر آسمان سے نازل شدہ آفتوں کی داستانیں زبان زد خاص و عام تھیں۔ یہ لوگ اسی ادھیڑبن میں تھے کہ اچانک سیلاب کا ریلا آیا اور اس نے خانہ کعبہ میں ایک بہت بڑا شگاف ڈال دیا۔ لہٰذا عمارت کے زمین بوس ہو جانے کے خوف سے انہیں اب کچھ کرنا ہی پڑا۔

عجیب اتفاق یہ ہوا کہ مصر کا ایک جہاز (ایک روایت کے مطابق یہ قیصر روم کا جہاز تھا اور اس پر تعمیر میں کام آنے والے پتھر اور لکڑی اور لوہا لدا ہوا تھا۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۱، ص ۳۰۱) جس میں تعمیر میں کام آنے والے قیمتی پتھر رخام، ساگوان کی لکڑی اور لوہا وغیرہ لدا ہوا تھا طوفانی ہواؤں کے تھپیڑوں سے ٹوٹ کر شعیبہ پہنچ گیا جو جدہ سے پہلے مکہ کی بندرگاہ تھی۔ سیدنا خالد سیف اللہ کے والد ولید بن مغیرہ، رئیس اعظم مکہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور فوری طور پر چند ساتھیوں کو ساتھ لے کر جہاز کے مالک باقوم سے ضرورت کے مطابق تعمیر کا سامان اور جہاز کے تمام تختے خرید لیے۔ باقوم نجاری اور فن تعمیر سے بھی آشنا تھا۔ اس لیے تعمیر کی نگرانی اور پلاننگ کے لیے معاملہ طے کر کے اسے بھی اپنے ہمراہ لے آئے۔ مکہ مکرمہ میں ایک قبطی نجار پہلے سے موجود تھا۔ اسے باقوم کی اعانت کے لیے اس کا شریک کر دیا۔

اب سوال سرمایہ کی فراہمی کا تھا۔ قریش چونکہ خانہ کعبہ کو ایک مقدس عمارت سمجھتے تھے لہٰذا یہ طے پایا کہ اس مقدس عمارت کی تعمیر نو کے لیے مقدس سرمایہ ہی خرچ کیا جائے۔ جن لوگوں سے چندہ لیا جائے ان کو تاکید کی جائے کہ وہ اپنے پاک مال میں سے چندہ دیں اور ڈکیتی، غصب، غبن، چوری اور دیگر حرام ذرائع سے کمائے ہوئے مال کا ایک پیسہ بھی اس میں نہ ہونا چاہیے۔

("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۹۴)

چنانچہ تقدس اور پاکیزگی کی ان شرطوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے پورے مکہ سے چندہ کی فراہمی کی گئی اور لوگوں کو یہ بتایا گیا کہ عمارت بنائے ابراہیمی پر اٹھائی جائے گی اور مسقف ہو گی۔ لیکن جب عمارت کی وسعت اور چندہ کی قلت کا موازنہ کیا گیا تو خانہ کعبہ کے نقشہ میں ترمیم کی گئی۔ چنانچہ مدور و مستطیل عمارت کے بجائے مربع عمارت کا نقشہ پاس کیا گیا۔ ایک جانب تقریباً سات ہاتھ کا حصہ جو گولائی لیے ہوئے تھا وہ کعبہ کی عمارت سے خارج کر دیا گیا۔ جنوبی جانب کا ایک کونہ جو کچھ نکلا ہوا تھا، اس کو سیدھ میں رکھا گیا۔ دیواریں پہلے نو ہاتھ اونچی تھیں، اب ان کی بلندی دگنی یعنی اٹھارہ ہاتھ کر دی گئی۔ یہ تقریباً ۱۵ گز × ۱۵ گز کا مربع احاطہ بن گیا۔ اس پر چھت ڈالنے کے لیے تین تین ستونوں کی دو لائنیں کھڑی کی گئیں یعنی چھ

Marfat.com

ستونوں پر چھت ڈالی گئی۔ دروازے کی چوکھٹ جو پہلے زمین کے ساتھ تھی، اب اس کو زمین سے کافی اونچا رکھا گیا تاکہ لوگ بے دھڑک داخل کعبہ نہ ہو سکیں اور جس کو منتظمین کعبہ روکنا چاہیں، روک سکیں۔ ("بخاری"، ج ۱، ص ۲۱۵، "سیرۃ حلبیہ" ج ۱، ص ۱۵۶، "طبقات ابن سعد" ج ۱، ص ۹۴-۹۵)

جب تعمیر کے یہ تمام مراحل طے ہو گئے تو اب سب سے بڑا مسئلہ اس کی تخریب یعنی بوسیدہ اور شگاف دار دیواروں کا گرانا تھا۔ اگرچہ قریش نے اطراف کعبہ کے چار حصے کر کے گروہ گروہ میں تقسیم کر دیئے تھے لیکن کسی میں یہ جرأت اور ہمت نہیں ہوتی تھی کہ بیت اللہ کی مقدس دیواروں پر کدال چلانے میں پہل کرے، کیونکہ انہیں پیش قدمی کرنے والے کے لیے تعذیب خداوندی کا خوف تھا۔

کئی روز اسی تذبذب میں گزر گئے کہ کدال چلانے اور اس کی بوسیدہ دیواروں کو گرانے میں کون پیش قدمی کرے۔ آخر بے حد تردد اور تامل کے بعد ولید بن مغیرہ نے ہمت کی اور اپنے دیوتا کو پکار کر آگے بڑھا اور کہا کہ ہم یہ تخریب اور انہدام کسی توہین کی غرض سے نہیں کر رہے بلکہ تعظیم اور تعمیر کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ لہٰذا غضب خداوندی اور کسی دیوی دیوتا کی ناراضی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۹۲)

ولید بن مغیرہ نے اپنی کدال سے رکن یمانی کا کچھ حصہ گرا دیا۔ لیکن چاروں طرف کھڑے ہوئے لوگ ولید پر اللہ تعالیٰ کی گرفت کے منتظر تھے۔ مکہ والوں نے ایک رات انتظار کیا کہ شاید ولید پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بلا نازل ہو لیکن جب اگلے روز دیکھا کہ ولید بالکل صحیح و سلامت ہے۔ تو ان کے حوصلے بڑھ گئے اور ہر طبقہ نے اپنا اپنا حصہ گرا کر پتھر کی سلیں ہٹانا شروع کر دیں۔ ان میں سرکارِ دو عالم ﷺ بھی شامل تھے۔ اچانک زمین میں گڑا ہوا سبز رنگ کا اتنا بڑا پتھر نمودار ہوا جس پر کدال لگانے سے وہ اچٹ کر پیچھے کو لوٹتی۔ اس پتھر کا زمین سے نکالنا اور دوسری جگہ رکھنا ناممکن تھا۔ لہٰذا اسے ہی بنیاد قرار دے کر اس پر تعمیر شروع کر دی گئی۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک قریشی شخص نے جب بنیاد ابراہیمی پر کدال ماری تو دفعتاً تمام مکہ میں ایک سخت دھماکہ ہوا جس کی وجہ سے آگے کھودنے سے رک گئے اور انہی بنیادوں پر تعمیر شروع کر دی۔ دیوار اٹھانے کی غرض سے قریب کی ایک پہاڑی سے نیلگوں پتھر کی سلیں (Slabs) تراش تراش کر لائی گئیں۔

غرضیکہ سابق تعمیر کو مکمل طور پر منہدم کر کے بڑے جوش و خروش سے دوبارہ تعمیر شروع کی گئی۔ ہر گروہ اپنے اپنے حصہ کے پتھر تراش کر لاتا اور تعمیر میں لگاتا۔ دیواروں کی تعمیر کے سلسلہ میں تو کسی قبیلہ نے کوئی تنازع کھڑا نہیں کیا لیکن جب دیوار کعبہ میں "حجر اسود" کو نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر ایک قبیلہ کو اپنی شان اور عظمت یاد آ گئی۔ وہ اپنے مفاخر اور کارنامے یاد دلا کر کہنے لگا کہ حجر اسود کے نصب کرنے

Marfat.com

کی تاریخی عظمت حاصل کرنے کا ہمیں ہی حق ہے۔ کوئی دوسرا قبیلہ اس بارہ میں ہم پر سبقت نہیں لے جاسکتا۔ ہر قبیلہ کی یہ آرزو تھی کہ وہی اس سعادت سے بہرہ اندوز ہو اور کوئی ایثار اور رواداری پر راضی نہ تھا۔ یہ اختلاف اور جھگڑا یہاں تک بڑھا کہ بنو عبد الدار اور بنو عدی نے اس کے لیے موت کا حلف اٹھا لیا۔ قریب تھا کہ تلواریں بے نیام ہو جائیں اور کشت و خون کا بازار گرم ہو اور یہ کوئی حیرانی کی بات بھی نہ تھی کیونکہ جہالت اور گم کردہ راہ اقوام ایسا ہی کرتی ہیں اور ان کے ہاں بھی معمولی معمولی باتوں پر موروثی جنگیں چلی آرہی تھیں۔ چار پانچ دن اسی کشمکش میں گزر گئے۔ آخر ایک قریشی رئیس ابوامیہ بن المغیرہ جو سرکارِ دو عالم ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کے شوہر تھے، کی یہ تجویز منظور کرلی گئی کہ جو شخص سب سے پہلے "بابِ بنی شیبہ" (اس کو پہلے باب بنی عبد شمس کہا جاتا تھا اور اب اس دروازے کا نام "بابُ السلام" ہے ("سیرۃ الحلبیہ" جلد ۱، ص ۱۵۶) سے مسجد حرام میں داخل ہو، اس کو ثالث اور حکم تسلیم کرلیا جائے۔ اس بات کو سب قبائل نے منظور کرلیا۔ قریش کے مقتدر اور رئیس افراد بڑی آرزوؤں اور امیدوں کو دل کے نہاں خانہ میں چھپائے ہوئے صبح سویرے مسجد الحرام کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام جو رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو کر عبادت الٰہی کے لیے مسجد الحرام میں آنے کے عادی تھے۔ سب سے پہلے اس دروازہ سے مسجد میں داخل ہوئے۔ یہ قریش کی خوش نصیبی تھی کہ سب سے پہلے مسجد میں وہ داخل ہوا جس کی خوبیوں کے سب معترف تھے۔ چنانچہ جونہی سرداران قبائل کی نظریں آپ کے چہرۂ اقدس پر پڑیں۔ فوراً پکار اٹھے:

هذا محمد الامين رضينا هذا محمد الامين۔

"یہ تو محمد امین ہیں، ہم ان کے ثالث بنانے پر راضی ہیں یہ تو محمد امین ہیں"۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے رؤساء مکہ سے پورا ماجرہ سنا اور پھر تھوڑے سے تامل کے بعد ایسا فیصلہ صادر فرمایا جس سے یہ الجھا ہوا معاملہ ایسا سلجھا کہ کسی کو اعتراض کی جرأت نہ ہوئی اور ہر قبیلہ خوش ہوگیا۔ آپ نے فرمایا ایک چادر لاؤ۔ جب چادر لائی گئی تو آپ نے چادر کو بچھا کر اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس چادر کے درمیان رکھا اس کے بعد فرمایا کہ ہر قبیلہ کے سربر آوردہ افراد اس چادر کا ایک ایک کونہ تھام لیں اور جہاں اس کو نصب کرنا ہے، وہاں تک لے چلیں۔ تمام قبائل کے سربر آوردہ لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی کیونکہ اس میں مساوات اور یکسانیت پائی جارہی تھی۔ جب وہ چادر میں رکھے ہوئے حجر اسود کو اس کے مقام نصب تک لے کر پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اب تمام مجھ کو اس کے مقام پر رکھنے کے لیے اپنا وکیل بنا دیں۔ چونکہ وکیل کا فعل موکل ہی کا فعل متصور ہوتا ہے، لہٰذا سب نے اس کو منظور کرلیا اور آپ نے سب کی طرف سے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود اٹھا کر اس کو خانہ کعبہ کے مقام پر رکھ دیا اور اس طرح ایک پیچیدہ گتھی آپ کے ناخن تدبیر سے بوجوہ احسن سلجھ گئی اور اس

طرح ایک نہایت خوفناک جنگ ٹل گئی اور آپس میں غصہ و نفرت کے بجائے اتحاد و اتفاق اور یک جہتی کے جذبات ابھر آئے جس کی ہماہمی میں خانہ خدا کی باقی ماندہ تعمیر مکمل کی گئی اور تمام لوگ آپ کی ثناء و منقبت میں رطب اللسان ہوئے۔

("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۲۲۱-۲۲۸، "السیر والمغازی" لابن اسحاق، ص ۱۰۳-۱۰۸، "نہایۃ الادب" جلد ۱۶، ص ۹۹-۱۰۳، "طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۴۵-۱۴۶، "عیون الاثر" جلد ۱، ص ۵۱-۵۲، "طبری" جلد ۲، ص ۲۸۶-۲۹۰، "السیرۃ النبویہ" لابن کثیر، جلد ۱، ص ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۱، "اخبار مکہ ازرقی" ص ۱۵۸-۱۶۴، "تاریخ الاسلام" ذہبی جلد ۱، ص ۶۸)

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ قریش کے پاس حلال اور پاکیزہ مال کی کمی ہو گئی، اس لیے انہوں نے خانہ خدا کی عمارت شمال کی طرف سے قریباً چھ ہاتھ کم کر دی اور یہی ٹکڑا حجر اور حطیم کہلاتا ہے۔

اب خانہ کعبہ کی بلندی پندرہ میٹر ہے۔ حجر اسود والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار یعنی جنوبی اور شمالی دیواریں دس دس میٹر ہیں۔ حجر اسود مطاف کی سطح سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر ہے۔ دروازے والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار یعنی مشرقی اور مغربی دیواریں بارہ بارہ میٹر ہیں۔ دروازہ زمین سے دو میٹر بلند ہے۔ دیوار کے چاروں طرف نیچے ایک بڑھے ہوئے کرسی نما ضلع کا گھیرا ہے جس کی اوسط اونچائی ۲۵ سینٹی میٹر اور چوڑائی ۳۰ سینٹی میٹر ہے۔ اسے شاذروان کہتے ہیں۔ یہ بھی دراصل خانہ کعبہ کا حصہ ہے لیکن قریش نے اسے بھی چھوڑ دیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۶۵، "الروض الانف" جلد ۱، ص ۱۳۷، "زرقانی" جلد ۱، ص ۲۰۳-۲۰۶، "طبری" جلد ۲، ص ۳۰۰، "صحیح بخاری" باب فضل مکہ و بنیانہا، جلد ۱، ص ۲۱۵، "تاریخ خضری" جلد ۱، ص ۶۴، "الرحیق المختوم" ص ۷۱)

شرک سے نفرت اور حراء میں قیام

جس زمانہ میں کعبہ کی تعمیر نو ہوئی، اس زمانہ میں قریش میں سیادت و قیادت کا ایک سخت بحران تھا۔ اسی بحران ہی کا نتیجہ تھا کہ حجر اسود کو اس کے مقام پر نصب کرنے کے معمولی سے اختلاف کی وجہ سے ایک فریق نے خون میں انگلیاں تر کر کے اپنی موت کا قبالہ خون رگ جان سے لکھ دیا۔ حالات نے یہاں تک انگڑائی لی ہوئی تھی کہ پوری قوم میں کسی ایک شخص کو حق سیادت حاصل نہ تھا۔ ان کے جد اعلیٰ قصی کی عظمت و شوکت، ہاشم کی وجاہت اور عبدالمطلب کا رعب و دبدبہ ایک ایک کر کے ان سے دامن جھٹک جھٹک کر علیحدہ ہو گئے تھے۔ خواجہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد اہل مکہ کے لیے حوادث و مصائب کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور اگر نواحی ملکوں میں خانہ کعبہ کے تقدس کا سکہ دلوں پر نہ بیٹھا ہوتا تو کوئی نہ

Marfat.com

کوئی حریف مکہ کو اپنے زیر نگیں کر لیتا۔

مکہ کے رہنے والوں کے دلوں میں بھی ایک انقلاب آ چکا تھا۔ جس شہر میں کل تک اہلِ کتاب کے لیے یہ قانون نافذ تھا کہ وہ اپنے مسلک کی تائید و نصرت میں زبان نہ ہلا سکتے تھے، آج اسی شہر میں یہود و نصاریٰ برملا بتوں کی مذمت کر رہے تھے۔ جس سے قریش کے کئی لوگ بتوں کی پرستش سے بغاوت کر گئے تھے اور صرف وہ قدیم مذہب پر رہ گئے تھے جو خانہ کعبہ کے مناصب پر قابض تھے۔ جن کے عقیدے میں ابھی تک بتوں کے تصرفات کا تصور بھی قائم تھا۔ وہ گرہ لگائے بیٹھے تھے کہ اہلِ مکہ کی تجارت کا فروغ بتوں ہی کی مہربانی اور نوازش کا نتیجہ ہے۔

قریش کے قدیم عقیدہ میں تغیر کا ثبوت اس ایک واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ مقام نخلہ پر عزیٰ بت کا ایک میلہ لگتا تھا اور ہر سال وہاں قریش کا ایک بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ ایک سال جب میلے کے لیے اجتماع ہوا اور بڑے بڑے شیوخ اور سربر آوردہ لوگ اس بت کے حضور اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے، انہی لوگوں میں سے قریش کے چار شخص ایک طرف خفیہ طور پر خلوت میں جا بیٹھے۔ ان چار آدمیوں کے نام یہ تھے (i) زید بن عمرو (ii) عثمان بن حویرث (iii) عبیداللہ بن جحش اور (iv) ورقہ بن نوفل

ان چاروں نے باہمی طور پر اپنے عقیدے پر ندامت کا اظہار کیا۔ ان میں سے ایک صاحب کہنے لگے:

> "ہم لوگ گمراہی و ضلالت کے قعرِ مذلت میں گرے ہوئے ہیں۔ جن پتھروں کو ہم پوجتے اور ان کا طواف کرتے ہیں، ان کی اپنی بے بسی یہ ہے کہ نہ وہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھنے پر انہیں قدرت حاصل ہے۔ ہم ان سے نفع و نقصان کی لمبی لمبی امیدیں لگائے ہوئے ہیں حالانکہ وہ کسی قسم کے نفع و نقصان کے مالک و مختار نہیں ہیں اور ہماری ان کے ساتھ وابستگی کا یہ عالم ہے کہ وہ ہماری طرف سے قربانی کے خون میں تیرتے ہیں، لہٰذا آؤ سب مل کر کسی اور دین کی پناہ ڈھونڈیں"۔

زبان پر بات اسی وقت آتی ہے جب دل میں اس کا داعیہ پیدا ہو۔ ان چاروں نے جب آپس میں کسی اور دین کی پناہ لینے کی بات کی تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان بتوں کے لیے ان کے دلوں میں سخت نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ عزیٰ کا میلہ ختم ہو گیا۔ یہ چاروں اور ان کے ساتھ دوسرے ہزاروں لوگ بھی اپنے اپنے گھروں میں واپس آ گئے، لیکن یہ چاروں مختلف ادیان کی پناہ میں آنے کے لیے جدوجہد کرنے لگے۔ چنانچہ ورقہ بن نوفل تو عیسائیت میں داخل ہو گئے اور عبیداللہ بن جحش اوائل اسلام میں کچھ دیر تک متردد رہنے کے بعد مسلمان ہو گئے اور پھر مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے اور وہاں عیسائی مذہب کو

Marfat.com

قبول کرلیا۔ اس سفر میں ان کے ساتھ ان کی بیوی اور رئیس مکہ کی بیٹی ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان بھی ساتھ تھیں۔ تیسرے شخص زید بن عمرو اپنی اہلیہ اور چچا سے ناراض ہو کر گھر سے نکل گئے۔ اس زمانہ کے مروجہ مذاہب (عیسائیت اور یہودیت) میں سے تو انہوں نے کوئی قبول نہ کیا لیکن اپنے قدیم مذہب (بت پرستی) سے بھی ساری زندگی کنارہ کش رہے کیونکہ وہ ہر دین کے بارہ میں متردد ہی رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے دیوار کعبہ کے سایہ میں کھڑے ہو کر یہ دعا کی تھی:

"اے اللہ! اگر مجھے پتہ چل جائے کہ تو فلاں دین سے خوش ہے تو میں اسی دین میں داخل ہو کر تیری عبادت کروں، لیکن مجھے کچھ علم نہیں کہ تو کس دین سے خوش ہے"۔

سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو کو ان کے بڑھاپے میں دیکھا۔ وہ خانہ کعبہ کی دیوار سے پیٹھ لگائے بیٹھے رہتے اور قوم کے لوگوں سے کہتے تھے، اے گروہ قریش! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں زید کی جان ہے، تم میں میرے سوا کوئی بھی آج دین ابراہیمی پر قائم نہیں ہے۔ عامر بن ربیعہ صحابیؓ فرماتے ہیں کہ زید بن عمرو نے ایک مرتبہ مجھے کہا "عامر! میں اپنی قوم کی راہ سے بالکل الگ تھلگ ہوں۔ میں ملت ابراہیمی کا پیرو ہوں"۔ انہی عامر بن ربیعہؓ کا بیان ہے کہ زید بن عمرو مجھ سے کہا کرتے تھے کہ "میں اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک نبی کا منتظر ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں گے۔ اور مجھے امید نہیں کہ میں ان وقت تک زندہ رہوں کہ اس نبی کو دیکھ سکوں۔ البتہ اگر تم اس وقت تک زندہ رہو اور ان کو دیکھو تو ان کی خدمت اقدس میں میرا اسلام عرض کرنا"۔ عامر کہتے ہیں کہ کئی سال کے بعد جب میں دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہوا تو میں نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں زید کا یہ مقولہ اور سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر زید کے لیے رحمت کی دعا کی اور فرمایا میں نے زید کو جنت میں راحت کے ساتھ دامن کشاں دیکھا ہے۔

("ابن ہشام" جلد ۱، ص ۲۵۶، "السیر و المغازی" ص ۱۱۹، "نسب قریش" ص ۳۶۵، "الاغانی" جلد ۳، ص ۱۲۷، "تہذیب تاریخ دمشق" جلد ۶، ص ۳۲ و ۳۴، "مجمع الزوائد" جلد ۹، ص ۴۱۷، "الاصابہ، جلد ۱، ص ۵۷۰، "تاریخ الاسلام ذہبی" جلد ۱، ص ۹۰)

یہ زید سیدنا فاروق اعظمؓ کے چچا اور ان کے بہنوئی سعیدؓ بن زید کے والد تھے۔

(زید بن عمرو بن نفیل کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو، "نسب قریش" ص ۳۶۴، "جمہرۃ نسب قریش" ص ۴۱۶-۴۱۸، "ابن ہشام" جلد ۱، ص ۲۵۵، "السیر و المغازی"، ص ۱۱۶-۱۱۹، "ابن سعد" جلد، ص ۱۶۱-۱۶۲، "طبری" جلد ۲، ص ۲۹۵، "روض الانف" جلد ۱، ص ۲۵۵-۲۵۷، "جمہرۃ انساب العرب لابن حزم" ص ۱۵۰، "تہذیب تاریخ دمشق"، جلد ۶، ص ۳۰-۳۶، "الاغانی"، جلد ۳، ص ۱۲۳-۱۳۱، "تہذیب الاسماء و اللغات للنووی"، جلد ۱، ص ۲۰۴-۲۰۵، "اسد الغابہ" جلد ۲، ص ۲۳۶-۲۳۸،

Marfat.com

"الوافی بالوفیات" جلد ۱۵، ص ۳۸-۳۹، "الاصابہ" جلد ۱، ص ۵۶۹، "تاریخ الاسلام ذہبی" جلد ۱، ص ۸۵-۹۱)

ان میں چوتھے شخص عثمان بن حویرث تھے جو ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کے عزیز اور قرابت دار تھے۔ یہ مکہ مکرمہ کی سکونت چھوڑ کر روم چلے گئے اور وہاں نصرانی ہو گئے۔ قیصر روم نے انہیں اپنے مصاحبین میں داخل کر لیا۔ اب عثمان کو یہ شرارت سوجھی کہ اہلِ مکہ کو قیصر روم کا باجگزار بنا کر خود وہاں کا گورنر بن جائے۔ لیکن اہلِ مکہ اس کے دام فریب میں نہ آئے۔ عثمان نے جب اس معاملہ میں اپنی ناکامی دیکھی تو روم کو خیرباد کہ کر حیرہ (شام) میں امیر غسان کے پاس چلا گیا اور اسے مکہ جانے والے تاجروں کی ناکہ بندی کرنے پر اکسایا۔ قریش کو جب اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے امیر غسان کو تحفے تحائف سے اپنی طرف مائل کر لیا اور عثمان کو وہیں زہر دے کر مار دیا گیا۔

ان چار حضرات کے علاوہ اور بھی کئی لوگ ایسے تھے جو بتوں کی پرستش سے متنفر ہو کر غیراللہ کی عبادت سے مجتنب رہے۔ انہی لوگوں میں سے ایک قیس بن ساعدہ ایادی بھی تھے جو تاریخ اسلامی میں "قس" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ اہلِ جاہلیت میں سب سے پہلے شخص ہیں جو بعثت نبوی پر ایمان لائے۔ انہوں نے مرزبانی کی روایت کے مطابق تین سو اسی سال کی عمر پائی۔ ایک بہت بڑے خطیب، حکیم، عاقل و نبیل اور دانشور تھے۔

حافظ طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے پوچھا کہ تم لوگوں میں کوئی قیس ایادی کو جانتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا! یا رسول اللہ! ہم سب جانتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا! اس کا کیا حال ہے؟ عرض کیا! یا رسول اللہ! وہ تو فوت ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ذی قعدہ میں عکاظ کے میلہ میں سرخ اونٹ پر سوار خطبہ دے رہا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میں عکاظ کے میلے میں قیس ایادی کو سرخ اونٹ پر خطبہ دیتے ہوئے کبھی نہیں بھول سکتا۔ اس نے کہا! "لوگو! اکٹھے ہو جاؤ اور سنو اور یاد رکھو، اور پھر یادداشت سے فائدہ اٹھاؤ۔ اور جب بات کرو تو سچ بولو۔ جو زندہ ہے وہ فوت ہو گا اور جو فوت ہو گیا، وہ دنیا سے چلا گیا۔ ہر آنے والی چیز آ کر رہے گی۔ بارش اور نباتات، زندہ اور مردے، تاریک رات، برج والے آسمان، چمکدار ستارے، بحر بیکراں، روشنی اور تاریکی، دن اور رات، نیکی اور گناہ، بے شک آسمان میں خبر و آگہی ہے، زمین میں سامان عبرت ہے۔ اس میں دانشور حیرت زدہ ہیں۔ زمین ہموار ہے، آسمان بالا ہے، ستارے مخفی ہیں اور سمندر ساکت ہیں، موت قریب ہے، زمانہ فریب ہے، تیر کی دھار کی طرح اور ترازو کے تول کی طرح، پھر قیس نے کہا! "میں دیکھتا ہوں کہ لوگ دنیا سے جاتے ہیں اور پھر واپس نہیں

لوٹے، کیا وہیں انہوں نے اقامت کو پسند کر لیا ہے؟ یا دنیا کے دھندوں سے آزاد ہو گئے؟ اور محو خواب ہو گئے۔" پھر سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کے اشعار کون سناتا ہے؟ سیدنا ابوبکرؓ نے اس کے کچھ اشعار سنائے۔ (السیرۃ النبویہ جلد ا ص ۱۵۲)

انہی حضرات میں سے ایک شخص امیہ بن ابو صلت تھا جو طائف کے قبیلہ ثقیف کا مشہور شاعر تھا۔ ان کے اشعار میں توحید الٰہی، حشر و نشر اور دنیا کی بے ثباتی کے مضامین ملتے ہیں۔ اس کا ایک مشہور شعر یہ ہے۔

لک الحمد و النعماء و الفضل ربنا
فلا شئی اعلی منک حمدا و لا مجدا

"اے ہمارے رب! تیرے ہی لیے تمام حمد و ستائش اور فضیلتیں ہیں اور تیری ہی طرف سے سب نعمتیں ہیں۔ نہ تجھ سے زیادہ کوئی تعریف کا مستحق ہے اور نہ تیری ذات پاک سے بڑھ کر کوئی صاحب عز و شرف ہے"۔

حافظ ابن عساکر نے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ امیہ بن ابی الصلت نے ایک مرتبہ کہا:

الا رسول لنا منا یخبرنا * ما بعد غایتنا من راس مجرانا

"یعنی کیا کوئی رسول نہیں ہے جو ہمیں آگاہ کرے کہ ہماری زندگی کے آغاز سے ماوراء تک کیا ہوگا"۔

امیہ بن ابی الصلت طائف کا رہنے والا تھا۔ یہاں سے وہ بحرین منتقل ہو گیا۔ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت فرما دیا اور بحرین سے آٹھ سال کے قیام کے بعد طائف آیا۔ اہلِ طائف سے پوچھا: محمد بن عبد اللہ کیا کہتا ہے؟ انہوں نے کہا: اس کا خیال ہے کہ وہ نبی ہے جس کا تو منتظر تھا چنانچہ اس نے سرکارِ دوعالم ﷺ سے ملاقات کی اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں۔ وہ دوسرے روز پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپ سے ملا۔ کافی دیر تک گفتگو ہوئی۔ لیکن امیہ پاؤں گھسیٹتا ہوا مجلس سے اٹھ کر چلا آیا۔ امیہ کے پیچھے پیچھے اشراف قریش بھی اٹھ کر چلے آئے۔ اشراف قریش نے پوچھا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا میں شاہد ہوں کہ وہ حق پر ہیں۔ قریش نے پوچھا اس کی پیروی کرو گے؟ اس نے کہا: میں ذرا غور کر لوں۔ پھر وہ شام چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے؟

جنگ بدر کے بعد امیہ بن ابی الصلت شام سے میدان بدر میں آیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ کسی شخص نے پوچھا: کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ حضور ﷺ سے مل کر ایمان لانے کا ارادہ ہے۔ اس نے کہا: معلوم ہے کہ قلیب بدر (بدر کے کنوئیں) میں کون کون سے لوگ مدفون ہیں؟

Marfat.com

اس نے جواب دیا نہیں؟ اس شخص نے کہا کہ اس میں عتبہ، شیبہ، پسران ربیعہ مدفون ہیں۔ اور یہ دونوں امیہ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ جونہی اس نے یہ وحشت اثر خبر سنی تو فوراً اپنی سواری کی دم اور کان کاٹ ڈالے۔ قلیب بدر پر کھڑے ہو کر ایک زوردار مرثیہ کہا۔ پھر مکہ آیا اور طائف میں قیام پذیر ہو گیا اور اسلام کو بالکل نظر انداز کر دیا اور بغیر اسلام لائے مر گیا۔ سچ ہے:

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
چوں خضر از آب حیوان تشنہ می آرد اسکندر را

اس کے اشعار تو توحید خداوندی پر ایمان لائے، لیکن دل پوری زندگی کافر ہی رہا اور دولت ایمان سے بہرہ ور ہونے کا موقع نہ ملا۔

عقائد کے بارہ میں یہ ذہنی انقلاب وقت کا تقاضا تھا کیونکہ بعثت نبوی کا زمانہ بہت قریب آ رہا تھا۔ خدا کو ایک ماننا اور اس کی عبادت کرنا عقل سلیم کا تقاضا ہے لیکن خدا پرستی کے وہ طریقے جن سے انسان کو روحانی ترقی اور خدا تک رسائی حاصل ہو، انسان اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے کسی راہ نما اور معلم کی تلاش کرے گا اور اس کی جستجو میں بے چین اور مضطرب رہے گا۔

انبیاء علیہم السلام اگرچہ نبوت سے قبل نبی اور رسول نہیں ہوتے لیکن ولی اور صدیق ضرور ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے بچپنے اور لڑکپن میں بھی ان کی طبیعتوں میں پاکیزگی اور دل کفر و شرک سے متنفر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ نے کبھی کسی بت کو پوجا ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی نہیں۔ پھر پوچھا گیا کہ کیا کبھی آپ نے شراب پی ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی نہیں۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں ہمیشہ سے ان چیزوں کو کفر سمجھتا تھا۔ اگرچہ مجھ کو کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا۔ ("خصائص کبریٰ" جلد ۱، ص ۸۹)

جب معاشرہ کے عام لوگوں کو کفر و شرک سے نفرت اور معاشرہ کی غلیظ اقدار سے قلبی کدورت ہوتی ہے تو انبیاء اور مرسلین تو خدا کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں۔ انہیں اصابت فکر، دوربینی، حق پسندی، حسن فراست، پختگی فکر اور وسیلہ و مقصد کی درستگی سے حظ وافر عطا ہوتا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ اوائل میں یا تو سیدنا ابراہیم علیہم السلام کی شریعت پر عمل پیرا تھے یا شرائع انبیاء کے احکام میں سے جس حکم کو استحسان اور عقل و فراست سے مرجح خیال فرماتے، اس پر عمل پیرا ہوتے۔ جس طرح موسم سرما کے اخیر میں فضا کا تغیر موسم بہار کی آمد کا اعلان کرتا ہے، اسی طرح جوں جوں آپ کی عمر بڑھتی جاتی تھی، نبوت کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا۔ آپ کے باطن میں غیر معمولی تغیرات پیدا ہو رہے تھے اور طبیعت روز بروز دنیا و مافیہا سے اچاٹ اور بے رغبت ہوتی جا رہی تھی۔ آپؐ اپنی طویل خاموشی سے مسلسل غور و خوض، دائمی تفکیر اور حق کی کرید میں مدد لیتے تھے۔ آپؐ نے اپنی شاداب عقل اور روشن فطرت سے

Marfat.com

زندگی کے صحیفے، لوگوں کے معاملات اور جماعتوں کے احوال کا مطالعہ کیا اور جن خرافات میں یہ سب لت پت تھے، ان سے بیزاری محسوس کی۔ چنانچہ آپؐ نے ان سب سے دامن کش رہتے ہوئے پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی کا سفر طے کیا۔ لوگوں کا جو کام اچھا ہوتا آپ اس میں شرکت فرماتے، ورنہ اپنی تنہائی میں خلل نہ ڈالتے۔

چنانچہ آپؐ نے کبھی آستانوں کا ذبیحہ نہ کھایا، کبھی شراب کو منہ نہ لگایا اور بتوں کے لیے منائے جانے والے میلوں ٹھیلوں میں کبھی شرکت نہ کی۔ حتیٰ کہ لات و عزیٰ کی قسم سننا بھی آپ کو کبھی گوارا نہ تھا۔

آپؐ کے ذہن میں مختلف سوالات پیدا ہوتے۔ یہ سوالات آپ کے حساس قلب میں خلش پیدا کرنے لگے اور ان کی خلش یہاں تک بڑھی کہ آپ کو اس غور و فکر میں لطف آنے لگا۔ گویا یہی غور و خوض، فکر و مراقبہ آپ کی حیات مقدسہ کا جوہر بن گیا۔ اور چونکہ شہری زندگی اس میں حارج تھی تو آپ کو تنہائی پسند آنے لگی۔ رفتہ رفتہ یہ دل بستگی یہاں تک بڑھی کہ آپ شہر سے باہر پہاڑ کی ایک کھوہ میں رہنے لگے۔

حرا پہاڑ پر چار گز لمبا اور پونے دو گز چوڑا غار جہاں سے "مکہ مکرمہ" بھی نظر آتا رہتا ہے، اب بھی یہ غار مکہ شہر سے تین میل دور ہے۔ راستہ اتنا دشوار کہ یہ تین میل تیس میل سے بھی کٹھن محسوس ہوتے ہیں۔ طاقتور اور تنومند نوجوان بھی وہاں پہنچتے پہنچتے تھک جاتے ہیں۔ مگر سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی یہ عادت بنالی تھی کہ پانی اور ستو ساتھ لیتے اور اس غار میں پہنچ جاتے۔ اور پھر جب تک ضرورت کی وہ اشیاء ختم نہ ہو جاتیں، اس وقت تک آپ وہیں یادِ خدا، غور و فکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے۔ اسی کو "تحنث" کا نام دیا گیا۔ کیونکہ اس دور میں یہ رسم تھی کہ متقشف اور مرتاض اشخاص سال بھر میں ایک دفعہ چلہ کشی کے لیے آبادی سے دور کسی کنج تنہائی میں جا بیٹھتے اور اپنی سوچ اور طریقے کے مطابق عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ ان کا مقصد بتوں کا تقرب ہوتا جس سے وہ خود کو ان کے کرم و بخشش کا مستحق سمجھتے۔ اس طریق عبادت کو "تحنث (گوشہ گیری) سے تعبیر کیا جاتا۔

سرورِ کائنات ﷺ نے عبادت کے اس طریقہ کو غور و فکر اور یادِ خداوندی کے لیے بہترین ذریعہ سمجھا اور جس معرفت کے لیے وہ اپنے ابتدائے شعور سے بے قرار تھے۔ اس کے حصول میں اسے مفید سمجھ کر مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر اس غار کو پسند کیا جس کو "حراء" کے نام سے پکارتے۔ ریاضت تنہائی میں اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہ تھی۔ آپ ہر سال رمضان کا پورا مہینہ اس غار میں بسر کرتے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

ثم حبب الیہ الخلا وکان یخلو بغار حراء۔

Marfat.com

"پھر خلوت آپ کو محبوب بنادی گئی اور آپ غار حراء میں جاکر خلوت گزین ہوتے"۔

سیدہ عائشہؓ نے "حبب" کو صیغہ مجہول سے ظاہر کیا' اس سے ہمارے خیال میں یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کیا سبب اور داعیہ تھا جس نے خلوت اور تنہائی کو آپ کے لیے محبوب بنادیا۔ یقیناً وہ کوئی باطنی اور غیبی امر تھا جو صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ دوسروں پر وہ داعیہ مجہول اور نامعلوم ہے۔

سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کی ایک روایت ابن ہشام نے نقل کی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ہر سال میں ایک مہینہ حراء پہاڑ پر تشریف لے جاتے اور اس کے پڑوس میں رہتے (کان رسول اللہ ﷺ یجاور فی حراء من کل سنہ شھرا)

آپ کا پہاڑ پر جانا اور اس کے غار میں خلوت نشین ہونا گویا کہ ایک صالح روح کا واقعات انسانی کا ماحول چھوڑ کر واقعات خداوندی کے ماحول میں جانا تھا' کیونکہ انسانی بستیوں سے نکل کر پہاڑی علاقوں میں چلے جانے سے روح میں ایک خاص قسم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور فکر انسانی میں وسعت کا سبب بنتی ہے۔ عرب کی پہاڑی اور صحرائی زندگی کی خصوصیات کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے ایک مدت تک اپنی زندگی وہاں گزاری ہو۔ صحراؤں کی خشکی وہاں کے درختوں اور فکر انسانی میں وہ پختگی پیدا کر دیتی ہے جو یورپ کی ٹھنڈی فضاؤں میں ناممکنات میں سے ہے۔ عرب کی گھاس اور یورپ کی گھاس میں بہت فرق ہے۔ یورپ میں آپ کو گھاس میں رنگت مل سکتی ہے لیکن خوشبو نہیں۔ عرب کے گرم جنگلوں میں کوئی گھاس ایسی نہیں جس میں خوشبو نہ ہو۔ یہاں تک کہ عرب کے جنگلوں کے ببول بھی خوشبودار ہوتے ہیں اور یورپ کے گلاب میں بھی خوشبو کی رمق نہیں ہوتی۔ اسی طرح عرب کے لامحدود جنگل' خشک پہاڑ اور بے کنار آسمان' ان میں سے کوئی شئے بھی خدا اور فرشتوں کی شناسائی کے لیے مانع نہیں۔

آپ گھر سے مہینہ بھر کے لیے مختصر سا توشہ اپنے ہمراہ لے جاتے اور پھر یہاں دنیا و مافیہا سے بے خبر نہایت یکسوئی کے ساتھ فکر و تامل میں ڈوبے رہتے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ غار حراء میں آپ کی عبادت یہ تھی کہ آپ ذکر الٰہی' مراقبہ اور تذکر و تفکر میں ڈوبے رہتے۔ بس یہی آپ کی عبادت تھی۔ علاوہ ازیں فساق و فجار اور مشرکین اور کفار سے علیحدگی اختیار کرنا یہ خود بھی ایک مستقل عبادت ہے۔ اور جب آپ کا توشہ ختم ہو جاتا تو واپس گھر آکر اور توشہ لے جاتے اور پھر عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔ ("زرقانی"' جلد۱' ص۲۱' ص۲۶۳)

آپ اس فکر و تامل اور تذکر و تفکر میں اس قدر مستغرق رہتے کہ اس حالت میں کھانے پینے حتیٰ کہ اپنی ذات تک کا ہوش آپ کو نہ رہتا۔ آپ کے لیے اہلِ مکہ کے معاشرہ میں دلچسپی نہ ہونے کے

Marfat.com

باعث غار حراء کا تحنث بجائے خود ایک انجمن تھی۔ یہاں تک کہ اپنے پیدا شدہ تصورات کو مختلف انداز سے گردش میں لاکر کئی کئی طریقوں سے انہیں پرکھتے اور ان کے مقابلہ میں معاشرہ کی ان مذہبی اقدار سے جن میں ظن و تخمین کے سوا کوئی اہمیت نظر نہ آتی تھی، خود کو دور لے جاتے۔

بعض روایات میں "تحنث" کے بجائے "تحنف" کا لفظ آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر چلتے تھے اور یہ لفظ بتاتا ہے کہ آپ ملت حنفیہ کے مطابق اپنے کشف اور الہام پر عمل کرتے تھے۔

حراء کے اس خلوت کدہ میں آپ اس حقیقت کے جویا اور متلاشی تھے جو اس سے قبل آپ کو کہیں نہ مل سکی۔ اس حقیقت کے ذرائع میں آپ کی نظر کے سامنے یہ وسیع و عریض عالم تھا۔ اوپر نظر اٹھا کر دیکھتے تو صاف و شفاف نیلگوں آسمان نظر آتا جس میں دن کو آفتاب اپنی کرنوں کے ڈول اس کائنات پر لٹاتا اور رات کو جھلملاتے ہوتے ستارے اور درخشاں ماہتاب مسرفانہ طور پر اپنی ضیاپاشیوں سے نور کی چادر اس صحرائے بے پایاں پر پھیلا دیتا۔ دن میں آفتاب عالمتاب کے شعلہ ہائے سوزاں چاروں طرف لپک رہے ہوتے۔ پھر جب رات اپنے دامن میں دن کو چھپا لیتی تو چاند کی خوشگوار چاندنی سے دل میں سرور اور خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔ تاروں کی جھلملاہٹ رات کی دلہن کے سہاگ کو اور نکھار دے دیتی۔ دریائے نور اور اس کی موجوں کا تلاطم جن کا وجود ایک دوسرے سے اس قدر مربوط ہے کہ ان میں کوئی بھی اپنے ساتھی کے سہارے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ آپ کو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک وحدت وجود ہے جس کے گوناگوں مظاہر باری باری گردش کر رہے ہیں اور سرور کائنات ﷺ ان مظاہر میں ایک ایک کی جبیں پر سے حقیقت کے خدوخال تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ ہی نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

ایک عقل مند شخص کے لیے ضروری ہے کہ اس پر کچھ گھڑیاں گزریں۔

۱۔ ایسی گھڑی جس میں وہ اپنے رب سے سرگوشیاں کرے۔

۲۔ ایسی گھڑی جس میں وہ اپنی ذات کا محاسبہ کرے۔

۳۔ ایسی گھڑی جس میں خدا کی تخلیق میں غور کرے۔

۴۔ اور ایسی گھڑی جس میں وہ اپنے کھانے پینے کی ضرورتوں کے لیے وقت نکالے۔

اس فرمان میں آپؐ نے خدا کے بندے کو متعارف کرایا کہ خدا کا بندہ وہ ہے جس کے روز و شب کے لمحات اس طرح گزریں کہ کبھی اس کی بے قراریاں اس کو خدا سے اتنا قریب کر دیں کہ وہ اپنے رب سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ کبھی اللہ کے حضور کھڑے ہونے کا خوف اس پر اس طرح طاری ہو کہ وہ دنیا ہی میں اپنا حساب کرنے لگے۔ کبھی کائنات خداوندی میں اس کی تخلیقات کو دیکھ کر وہ اس میں اتنا محو ہو

Marfat.com

جائے کہ اس کے اندر اس کو خالق کے جلوے نظر آنے لگیں۔ اس طرح گویا خدا سے ملاقات، اپنے آپ سے ملاقات اور کائنات سے ملاقات میں اس کے لمحات زندگی گزر رہے ہوں۔ اور بدرجہ حاجت و ضرورت وہ کسی وقت کھانے پینے کے لیے بھی اپنے کو فارغ کر لیا کرے۔ اس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ انسان صرف کھانے پینے کے لیے پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کی تخلیق کا اور مقصد ہے۔

یہ الفاظ دور کے کسی انسان کا تعارف نہیں ہیں بلکہ ان میں خود پیغمبر کی اپنی شخصیت بول رہی ہے۔ یہ اس کا اپنا تعارف ہے۔ اور انہی "ساعات" کے حصول کے لیے آپ غار حراء میں تشریف لے جاتے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ اس خلوت خانہ حرا میں بیٹھ کر حقیقت کی تلاش اور جستجو میں طائر روح کو فکر کی اس بلندی پر لے جاتے جہاں سے اس ظلمت کدۂ عالم کا ایک ایک گوشہ نظر سے گزرتا اور اپنی حقیقت کا راز منکشف کرتا۔ آپ اسی خلوت میں معاشرہ کے مذہبی تصورات کا جائزہ لیتے اور لوگوں کی گم گشتہ منزل سے اس حد تک متاثر ہوتے کہ قلم کو تاب نگارش نہیں۔ آپ کو یہ سوچ کر ایک گونہ قلق ہوتا کہ یہ لوگ جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں، انہیں نہ تو نفع و ضرر کی توفیق ہے اور نہ خلق و ایجاد کی صلاحیت اور نہ روزی رسانی میں کوئی درک۔ وہ تو خود بے حس و بے شعور ہیں۔ یہ لات، عزیٰ اور ہبل جو کعبہ کے وسط میں کھڑے ہوئے ہیں اور وہ بت جو کعبہ کے اندر چاروں طرف نظر آتے ہیں ان میں سے کسی ایک نے آج تک ایک مکھی پیدا نہیں کی۔ ان میں سے ایک نے بھی اہلِ مکہ اور اپنے دوسرے پوجنے والوں کی مصیبت میں کوئی مدد نہیں کی۔

غار حراء کے خلوت خانہ میں آپ زندگی کے اسی قسم کے مسائل پر غور فرماتے۔ ان کا مقصود حقیقت تک رسائی اور زندگی کے مسائل کا حل تھا۔ گویا غار حراء کی صبح و شام کے ایک ایک لمحہ میں آپ کی روح و قلب اور وجدان بلکہ جسم کے روئیں روئیں سے انہیں مسائل کی تلاش اور جستجو تھی۔ توشہ ختم ہونے پر جب آپ گھر واپس تشریف لاتے تو وہ تصورات بدستور آپ کے ذہن پر چھائے رہتے۔

مسلسل کئی سال تک حراء میں آمد و رفت اور اس میں خلوت گزینی سے ریاضت و تصورات کا ایک تانتا بندھا رہا حتیٰ کہ اس غار میں آپ پر وہ حقیقت منکشف ہو گئی، جس کے لیے آپ آغازِ شعور سے سرگرداں اور سرگرم عمل تھے اور جس کی ضیا میں دنیا کا جاہ و جلال اور اموال و ثروت حقیر نظر آتے۔ وہ تمام مسائل حل ہو گئے جن کے حل کے لیے آپ عرصہ سے تذکر و تفکر میں مصروف رہے۔

آپ کا توسن عمر زندگی کی چالیس منزلیں طے کرنے کے قریب تھا کہ آپ کو رویائے صادقہ اور صالحہ یعنی سچے اور درست خواب دکھائی دینے لگے۔ اگرچہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا خواب ہمیشہ سچا اور درست ہوتا ہے۔ کبھی بھی غلط اور جھوٹا نہیں ہوتا۔ البتہ دنیا کے لحاظ سے کبھی صالحہ (درست) اور کبھی غیر صالحہ ہوتا ہے لیکن آخرت کے لحاظ سے ہمیشہ صالح ہی ہوتا ہے۔ جیسے مصیبت اور تکلیف ایک

Marfat.com

مومن کے حق میں دنیا کے لحاظ سے مکروہ اور آخرت کے لحاظ سے محبوب اور پسندیدہ ہے۔(ملاحظہ ہو "فتح الباری"، جلد ۱۲، ص ۳۱۱)

علماء نے لکھا ہے کہ غیبی امور کے انکشاف کا اعلیٰ ترین ذریعہ وحی ہے اور ادنیٰ ترین ذریعہ رویائے صادقہ ہیں۔ گویا رویائے صالحہ و صادقہ وحی نبوت کا ایک نمونہ ہے جس سے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا آغاز ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

"اول انبیاء علیہم السلام کو خواب دکھلائے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب سچے خوابوں سے ان کے قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں تب حالت بیداری میں ان پر حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے" ("فتح الباری" جلد ۱، ص ۷)

اسی وجہ سے رویائے صالحہ کو نبوت کا جزو قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے مروی ہے کہ:

"سرکارِ دوعالم ﷺ پر وحی کی ابتداء رویائے صالحہ سے ہوئی۔ جو خواب بھی آپ رات کو دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح پورا ہو کر رہتا"۔("بخاری و مسلم")

گویا یہ رویائے صالحہ آفتاب نبوت کے طلوع ہونے کی تمہید اور دیباچہ تھا اور دنیا والوں کو بتایا یہ جا رہا تھا کہ عنقریب آفتاب نبوت طلوع ہونے والا ہے۔ یہاں تک کہ آفتاب نبوت فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا جس سے ہر شخص نے اپنی اپنی بصیرت اور نور قلبی کے مطابق استفادہ کیا۔

(ملاحظہ ہو "ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۹۴، "طبری"، جلد ۲، ص ۲۹۸، "ابن ہشام" جلد ۱، ص ۲۶۶، "نہایۃ الادب" جلد ۱۶، ص ۱۶۸، "صفتہ الصفوۃ" جلد ۱، ص ۷۸)

وحی کیا ہے؟

رسول اللہ پر نزول وحی کے بارے میں بحث کرنے سے پیشتر ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ وحی کے بارے میں بھی ایک اجمالی بحث کر دی جائے کہ وحی ہوتی کیا ہے؟ اور نبی پر وحی آنے کا کیا مطلب ہے؟

اہلِ لغت نے وحی کی تعریف حسب ذیل کی ہے:

الوحی: الاشارہ والکتابہ والرسالہ والالہام والکلام الخفی وکل ما القیتہ الی غیرک۔

"وحی کے معنی ہیں اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، الہام (دل میں ڈالنا)، پوشیدہ کلام اور جو کچھ تم دوسرے کے دل میں ڈالو۔"

(لسان العرب جلد ۲۰ ص ۲۵۷، تاج العروس جلد ۲۱ ص ۳۸۴، مختار الصحاح ص ۶۰۲ وغیرہ)

ایسا ہی "مجمع البحار الانوار جلد ۳ ص ۴۲۴"، منتہی الارب جلد ۴ ص ۱۲۹۲ور لغت کی دوسری کتابوں میں مرقوم ہے۔

امام ابو اسحاق لغوی نے کہا ہے:

واصل الوحی فی اللغه کلها اعلام فی خفاء۔

"وحی کا اصل مفہوم اس کے تمام معنوں میں چھپا کر اطلاع دینے کے ہیں۔ عربی کے ایک مشہور شاعر کا شعر ہے:

یرمون بالخطب الطوال و تاره وحی الملاحظه خیفه الرقباء

"یعنی کبھی تو یہ لمبی لمبی تقریریں جھاڑتے ہیں اور کبھی رقیبوں کے ڈر سے چپکے چپکے صرف آنکھوں کے اشارے کرتے ہیں۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی وحی کے یہی معنی لکھے ہیں۔ (فتح الباری جلد ا ص ۵)

وحی کی اس ساری بحث کا خلاصہ علامہ راغب اصفہانی نے اپنی کتاب مفردات میں چند لفظوں میں بیان کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

الوحی: الاشاره السریعه فی خیفه۔

اس عبارت سے وحی کی تین باتیں معلوم ہوئیں۔

ا۔ اشارہ: یعنی لمبی اور طویل شے کو مختصر اور اجمالی طور پر بیان کرنا۔ امام راغب نے اس کو رمز سے تشبیہ دی ہے۔ اشارہ اور رمز دونوں سے ایک مضبوط اور وسیع مضمون کو مختصر الفاظ میں بیان کر دیا جاتا ہے۔

۲۔ سرعت: وحی میں دوسری شے سرعت (جلدی) ہے یعنی بہت جلدی سے اس کا نزول ہونا چاہیے۔

۳۔ خفیہ: تیسری شے وحی میں مخفی ہونا ہے، یعنی اشارہ ایسا خفی ہو کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو۔

وحی کے شرعی معنی

یہ تو تھے وحی کے لغوی معنی، لیکن شریعت اسلامیہ میں وحی خاص اس ذریعہ غیبی کا نام ہے جس کے ذریعہ کسب و نظر، غور و فکر، تجربہ و استدلال، اور قیاس و تخمین کے بغیر اللہ تعالیٰ نوع بشری میں خاص افراد کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔ اس کے لغوی معنی اور شرعی معنی میں کوئی خاص فرق نہیں۔ لغت میں وحی کا لفظ خفیہ اشارہ سے بات کرنے کے معنوں میں آتا ہے جب کہ شریعت اسلامیہ میں بھی صرف اس کلام کو وحی کہا گیا ہے جو رسول اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہوتا ہے کیونکہ یہاں بھی متکلم اور اس کا کلام اتنے خفیہ

Marfat.com

ہوتے ہیں کہ اس کی اطلاع سوائے رسول کے اور کسی کو نہیں ہوتی یہاں تک کہ پاس بیٹھنے والے صحابہ کرامؓ بھی اس سے مطلع نہیں ہوتے۔

وحی کا استعمال اس خاص معنی میں اس کثرت سے ہوا ہے کہ وہ اس معنی میں منقول شرعی بن گیا ہے، لہٰذا جب کسی نبی کے بارے میں وحی کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے یہی معنی مراد ہوں گے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک بڑے پتے کی بات ارشاد فرمائی ہے کہ بعض الفاظ جب شریعت کی اصطلاح میں کسی خاص معنی کے لیے مخصوص ہو جائیں تو اب قرآن و حدیث میں اس کے لغوی معنی یا عام معنی مراد لینا صحیح نہیں، مثلاً صلوٰۃ، ایمان اور اسلام وغیرہ الفاظ اصطلاح شریعت میں خاص خاص معنی میں استعمال ہوئے ہیں، لہٰذا قرآن و حدیث میں اس کے وہی معنی مراد ہوں گے جو شریعت کی اصطلاح میں متعین ہو چکے ہیں۔ اسی طرح "وحی" کا لفظ ہے، لغت میں خواہ اس کے کچھ معنی ہوں لیکن جب قرآن اور حدیث میں یہ لفظ استعمال ہوگا تو اس کے وہی معنی لیے جائیں گے جو قرآن و حدیث میں مخصوص اور متعین ہو چکے ہیں۔ ہاں اگر سیاق و سباق میں کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اس وقت کوئی دوسرے معنی لیے جا سکتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شیخ الاسلام کی کتاب "النبوات" وغیرہ)

معلوم ہوا کہ وحی ایک ایسا ذریعہ علم ہے جس میں علم انسان کے عام ذرائع یعنی وجدان، فطرت نوعی، بداہت اولیہ، احساس اور غور و فکر سے معلومات حاصل کیے بغیر، خود علام الغیوب فرشتوں کے ذریعہ سے اپنے خاص بندوں یعنی انبیاء علیہم السلام کو وقتاً فوقتاً اپنے احکام اور ارادوں سے مطلع فرماتا ہے۔ اس ذریعہ کا علم قطعی اور یقینی ہوتا ہے اس کے علاوہ دوسرے ذرائع علم میں وہ قطعیت اور یقین نہیں ہوتا۔ اس ذریعہ علم میں غور و بحث، منطقیانہ فکر و نظر اور ترتیب مقدمات کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ حقائق اس طرح سامنے آتے ہیں جس طرح وجدانیات، فطریات، بدیہیات اور محسوسات سامنے آتے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ یقینی اور قطعی ہوتے ہیں۔

اس علم کے مقابلہ میں علم بالحواس کی کوئی حیثیت ہے اور نہ علم بالتاریخ کی۔ محسوسات و بدیہیات کا علم غلط ہو سکتا ہے لیکن وحی کے علم میں غلطی کا معمولی شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ نبی اپنی آنکھوں سے ان حقائق کو دیکھتا ہے جو اللہ رب العزت کا فرشتہ اس کو بتاتا ہے۔ یہاں تک کہ "مازاغ البصر وما طغی" کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔

حصول علم کے ذرائع

ایک انسان کو علم کن کن ذرائع سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک وہ علم جو بلا واسطہ حاصل ہوتا ہے۔

Marfat.com

۲- دوسرا وہ علم جو کسی واسطہ سے حاصل ہوتا ہے۔

وہ علم جو کسی واسطہ کے بغیر حاصل ہوتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

(ا) وجدان (۲) فطرت (۳) بداہت اولیہ۔

وہ علم جو کسی ذریعہ یا واسطہ سے حاصل ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

(ا) علم بالاحساس (۲) علم بالعقل

علم بالاحساس سے مراد یہ ہے کہ وہ علم جو قوت سامعہ، قوت باصرہ، قوت شامہ، قوت ذائقہ اور قوت لامسہ سے حاصل ہوتا ہو۔ فلاسفہ کی اصطلاح میں ان کو حواس خمسہ کہتے ہیں۔

اگرچہ حصول علم کے یہ پانچ ذرائع ہیں، لیکن ایک لحاظ سے یہ مادی علم کی ایک ہی قسم ہے، کیونکہ یہ پانچوں ذرائع مادی ہیں اور انسان کے اندرون ہی سے متعلق ہیں، لہٰذا ان کی پرواز بھی مادہ یا آج کل کی اصطلاح میں طبیعات (Plysics) تک ہے، ماوراء طبیعات (Meta Physics) تک ان کی رسائی نہیں۔ لیکن مادی علم کے علاوہ ایک اور علم ہے جس کا تعلق غیر مادی دنیا سے ہے۔ اس کا تعلق مادہ سے اتنا بھی نہیں جتنا معقولات و ذہنیات کا ہے۔ ہاں اس کا تعلق صرف اس قدر ہے کہ وہ اوپر سے آکر مادی دل و دماغ پر اپنا عکس ڈالتا ہے۔ مادی علم کی طرح اس غیر مادی علم کے بھی پانچ ذرائع ہیں:

(ا) فراست (۲) حدس (۳) کشف (۴) الہام اور (۵) وحی۔

جس طرح مادی علم کے پانچوں درجات کا تعلق انسان کے جسمانی قویٰ سے ہے، اسی طرح ان غیر مادی درجات کا تعلق انسان کے روحانی قویٰ سے ہے۔

ان سب ذرائع علم پر تو ہم یہاں بحث نہیں کریں گے کیونکہ ان پر بحث ہم نے اپنی کتاب ''اسلام کا تصور نبوت'' میں کردی ہے۔ قارئین کرام اس کتاب میں یہ ساری بحث ملاحظہ فرمالیں۔ یہاں ہم صرف وحی پر بحث کریں گے کیونکہ اس وقت یہی ہمارا موضوع ہے۔

غیر مادی علم کی سب سے آخری قسم ''وحی'' ہے۔ وحی کے معنی اپنے لبوں کو ہلائے بغیر مخفی طور پر اپنے دلی منشا کو دوسرے پر ظاہر کردینا ہیں، لیکن شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کا اپنے خاص بندوں کو مخفی ذریعہ سے اطلاع دینا ہے۔ یہ قسم غیر مادی علم کی آخری قسم ہے اور روحانی ذرائع علم میں کشف اور الہام کے بعد اس کا مقام ہے۔ ان تینوں ذرائع کا علم انبیاء علیہم السلام کے لیے یقینی ہے۔ لیکن غیر انبیاء کے لیے یہ ظنی ہے یعنی درست بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی۔

قرآن حکیم میں ان ذرائع علم کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے:

وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشاء، انہ علی حکیم۔

"اور کسی بشر کو یہ تاب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے بات کرے لیکن وحی (اشارہ) سے، یا پردہ کے پیچھے سے، یا کسی رسول (فرشتہ) کو بھیجے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو وہ (اللہ) چاہے اس کو وحی کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بلند اور حکمت والا ہے۔" (الشوریٰ)

اس آیت میں اشارہ سے بات کرنا "کشف" اور پردے کے پیچھے سے بات کرنا "الہام" اور فرشتہ کی معرفت بات کرنا "وحی" ہے۔

اور آخر میں "علی حکیم" کے الفاظ استعمال فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ اس ذات کی بلندی اور علو مرتبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ کسی ممکن الوجود کو اپنی مکالمت اور مخاطبت سے نہ نوازے، لیکن اس کی صفت چونکہ "حکیم" بھی ہے، لہٰذا اس کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے اپنے خاص بندوں یعنی انبیاء علیہم السلام سے ان تین طریقوں میں سے جس طریقہ سے چاہے مخاطبت و مکالمت فرمائے۔

وحی کی اقسام

نبی کو جو علم وحی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اس علم کو نبی یا تو انہی الفاظ سے لوگوں پر ظاہر کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ نبی کے قلب پر القاء کرتا ہے یا نبی اس علم کو اپنے الفاظ میں لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ یہ علم نبی کے "ملکہ نبوت" یا "فہم نبوت" کا نتیجہ ہوتا ہے۔ قسم اول کو "قرآن" اور قسم ثانی کو "حدیث" کہتے ہیں۔ اصول کی کتابوں میں اول الذکر وحی کو "وحی متلو" اور ثانی الذکر کو "وحی غیر متلو" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں قرآن "وحی حقیقی" اور سنت "وحی غیر حقیقی" ہے۔ پہلا علم اصلی اور دوسرا ضمنی یا پہلا اصولی اور دوسرا فروعی ہے۔

مراتب وحی

وحی کی تعریف اور اقسام کے بعد وحی کی مختلف صورتوں کا جاننا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ انبیاء علیہم السلام پر کن مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ حافظ ابن قیمؒ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں وحی کی درج ذیل صورتیں بیان فرمائی ہیں اور علامہ عینی نے بھی بخاری کی شرح میں ان اقسام پر بحث فرمائی ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۱، ص ۴۰-۴۱)

۱۔ رویائے صادقہ (سچے خواب)

۲۔ القاء فی القلب (دل میں کسی بات کا ڈالنا)

۳۔ تمثل (فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا)

Marfat.com

۴- صلصلۃ الجرس (گھنٹے کی آواز کی طرح آنا)

۵- فرشتہ کا اصلی صورت میں نظر آنا

۶- اللہ تعالیٰ کا آسمانوں سے وحی کرنا

۷- اللہ تعالیٰ کا بلاواسطہ کلام فرمانا

۸- اللہ تعالیٰ کا بغیر حجاب کے کلام فرمانا (زاد المعاد جلد ا ص ۱۸)

۹- کتابت کے ذریعہ وحی فرمانا (الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص ۸۳)

۱۰- تفہیم غیبی (مدارج السالکین جلد ا ص ۲۲)

وحی کے ان مراتب کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ا- رویائے صادقہ

رویائے صادقہ کے معنی ہیں سچا خواب۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو خواب آتے ہیں وہ بھی سچے ہوتے ہیں اور جو کچھ وہ دیکھتے ہیں وہ بھی سپیدہ صبح کی طرح صحیح نکلتا ہے، چنانچہ حدیث میں خواب کو جزو نبوت بتایا گیا ہے۔ سیدنا ابو سعید الخدریؓ روایت کرتے ہیں کہ:

"سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ تینتالیسواں حصہ اور ایک روایت میں نوے واں (۹۰) حصہ ہیں۔"

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابتدائے نبوت میں چونکہ چھ ماہ تک حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو رویاء صالحہ آتی رہیں اور حضور علیہ السلام کا کل زمانہ ۲۳ سال ہے، لہٰذا چھ ماہ تیئس سال کا چھیالیسواں حصہ ہیں، لیکن اس شرح پر کئی اشکال وارد ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ یہ تاویل ہر نبی کے لیے صادق نہیں آ سکتی۔ امام غزالیؒ نے اس اختلاف روایت کو اختلاف مراتب پر محمول کیا ہے اور لکھا ہے کہ بعض کے حق میں رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں جزو ہوتا ہے اور بعض کے حق میں ۴۳ اور بعض کے لیے سترواں (۷۰) یعنی جس شخص کو جس درجہ نبوت کے ساتھ قرب ہے، اسی طرح اس کا رویاء صالحہ بھی اقرب الی الجزیہ ہے۔ گویا کہ اختلاف مدارج کے لحاظ سے رویائے صادقہ کی جزئیت کے مدارج بھی مختلف ہیں۔ "کما لا یخفی من لہ ادنی من الفہم"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی قدس سرہ نے رویائے صالحہ سے وحی کے آغاز کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو قول ثقیل یعنی وحی الٰہی آپ پر نازل ہونے والی تھی، اس کے لیے بطور تمہید و توطیہ پہلی وحی خواب کے ذریعہ نازل فرمائی تاکہ آپ ﷺ ان خوارق عادات چیزوں کے عادی ہو جائیں اور آپ کی طبیعت غیر مادی یا روحانی امور کی طرف مانوس ہو جائے۔ (فتح الباری جلد ا ص ۱۸)

Marfat.com

رویائے صالحہ کو نبوت کا جزو اس لیے فرمایا گیا کہ جس طرح نبی کی خبر بالکل صحیح ہوتی ہے اسی طرح رویائے صالحہ بھی بالکل صحیح ہوتا ہے۔ اس میں کذب اور دروغ بیانی کا کوئی شائبہ تک نہیں ہوتا۔ رات کو جو خواب میں نظر آتا ہے صبح کو وہ بالکل صحیح دیکھ لیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ابتداء وحی کا ذکر فرماتے ہوئے لکھا ہے:

فکان لا یری رویاء الا جاءت مثل فلق الصبح۔

"یعنی حضور علیہ السلام جو رات کو دیکھتے وہ صبح کو سپیدہ صبح کی طرح واضح ہو جاتا۔"

(فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے "فلق الصبح" کی تشبیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس تشبیہ میں ایک خاص راز اور لطافت ہے کہ تمام انبیاء میں سے رسول اللہ ﷺ بمنزلہ آفتاب ہیں (جیسا کہ سورہ احزاب میں آپ کو "سراج منیر" کہا گیا ہے) آپ کی نبوت ساری دنیا میں چمکنے والی ہے اور باقی انبیاء بمنزلہ ستاروں کے ہیں۔ تو جس طرح صبح صادق مبادی طلوع آفتاب سے ہوتی ہے اور یہ خبر دیتی ہے کہ اب آفتاب طلوع ہونے والا ہے ایسے ہی یہ رویائے صالحہ آپ کی وحی کے مبادی تھے اور یہ خبر دے رہے تھے کہ عنقریب آفتاب نبوت چمکنے والا ہے لہٰذا اس کی تشبیہ صبح صادق کے ساتھ بہت لطیف تشبیہ ہے۔

(فضل الباری جلد ۱ ص ۱۶۲-۱۶۳)

اسی وجہ سے حدیث میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے۔

(بخاری جلد ۱ ص ۲۵، ص ۱۱۹)

ترمذی میں بھی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

رویاء الانبیاء وحی۔ (ترمذی، جلد ۲، ص ۲۳۲)

"انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے۔"

یہ مسئلہ کسی گروہ یا فرقہ کا مسئلہ نہیں بلکہ تمام امت کا اجماعی اور اتفاقی مسئلہ ہے۔

۲۔ القاء فی قلب

وحی کی دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ نبی کے قلب میں کوئی بات القاء کرتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جبریل نے میرے قلب میں یہ بات القاء کی کہ کوئی جان جب تک کہ وہ اپنے مقدر کا رزق مکمل نہ کر لے، ہرگز نہیں مر سکتی۔ لہٰذا حق تعالیٰ شانہ سے ڈرتے رہو اور صبر و اعتدال سے رزق کو طلب کرو اور اگر مقدر رزق ملنے میں ذرا دیر ہو جائے تو خدا تعالیٰ کی

Marfat.com

نافرمانی کے ذریعہ اس کو حاصل کرنے پر تیار نہ ہو جایا کرو۔" (ابن کثیر جلد ۴ ص ۱۲۱)

اسی القاء فی القلب کو شریعت میں "الہام" کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ الہام نبی اور غیر نبی دونوں کو ہوتا ہے لیکن ان دونوں کے الہام میں بہت فرق ہے، چنانچہ حافظ تورپشتیؒ فرماتے ہیں:

"الہام انبیاء اور اولیاء میں بہت فرق ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا الہام قطعی اور یقینی ہوتا ہے، لیکن اولیاء کے الہام کو یہ مرتبہ حاصل نہیں۔ نیز انبیاء علیہم السلام چونکہ خود خطاء سے معصوم ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا الہام بھی خطاء سے معصوم ہوتا ہے، لیکن اس کے برعکس اولیاء کرام خطاء سے معصوم نہیں ہوتے اس لیے ان کا الہام بھی یقینی اور قطعی نہیں ہوتا بلکہ ظنی ہوتا ہے اور اس میں ہر وقت غلطی کا امکان رہتا ہے۔" (المعتمد ص ۵۶)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی یہی فرق بیان فرمایا ہے۔ (النبوات ص ۱۶۷)

۳۔ تمثل (فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا)

وحی کی تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ وحی کسی انسانی صورت میں آئے اور نبی سے خطاب کرے۔ جیسا کہ سیدہ مریم سلام اللہ علیہا کے پاس سیدنا جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں آئے تھے یا جیسے احادیث نبویہ میں سیدنا جبریل علیہ السلام کئی مرتبہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم کی مشہور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا جبریل آپ کی خدمت میں آئے اور اسلام، ایمان، احسان، قیامت اور علامات قیامت کے بارہ میں آپ سے کئی سوالات کیے۔ وہ سوال بھی کرتے اور پھر اس کی تصدیق بھی کرتے۔ جب وہ چلے گئے تو آپؐ نے سیدنا عمرؓ سے پوچھا: جانتے ہو کہ یہ کون شخص تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی اس بارہ میں بہتر جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

فانہ جبریل اتاکم یعلمکم دینکم۔

"وہ جبریل تھے اور تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔"

(بخاری جلد ۱ ص ۱۲)

اس بارے میں علامہ علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"سیدنا جبریل ایک ایسے فرشتہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان واسطہ بنتے ہیں اور فرشتے کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ وہ انسانی شکل اختیار کر لیتا ہے اور انسان بھی اس کو جسمانی لحاظ سے دیکھ لیتا ہے۔" (مرقات جلد ۱ ص ۶۴)

ایک اور مقام پر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

"اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جو شکل چاہے، اختیار کر لے چنانچہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں "فتمثل لھا بشرا سویا" یعنی وہ ایک بھلے چنگے آدمی کے روپ میں اس کے پاس ظاہر ہوا۔ اور جبریل علیہ السلام کے انسانی شکل اختیار کرنے میں یہ حکمت ہے تاکہ فرشتہ اور رسول میں موانست پیدا ہو کیونکہ جنسیت میل جول کا سبب ہوتی ہے۔ (مرقاۃ جلد ا ص ۵۰)

ایسا ہی حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد ا ص ۱۷ میں بھی لکھا ہے۔

حدیث میں ہے کہ فرشتہ وحی لے کر جب انسانی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتا تو اکثر حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں جو حسن و جمال کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے، آتا۔ اس صحابیؓ کی شکل میں آنے کی وجہ علامہ عینیؒ نے یہ لکھی ہے کہ:

"ان کے اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ خوبصورت ہونے کی وجہ سے جبریل ان کی شکل میں آتے تھے۔" (عینی شرح بخاری جلد ا ص ۴۰)

چنانچہ بنو قریظہ پر حملہ کے لیے جبریل جب تشریف لائے تو اس وقت بھی وہ دحیہ کلبیؓ کی شکل میں تھے۔ ایک مرتبہ سیدہ ام سلمہؓ کی موجودگی میں تشریف لائے، اور سیدہ ام سلمہؓ اس وقت تک انہیں دحیہ کلبیؓ سمجھتی رہیں جب تک کہ آپؐ نے انہیں بتایا نہیں کہ یہ جبریل ہیں۔

(ملاحظہ بخاری جلد ۲ ص ۷۴۴، طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۴۵۰، حلیۃ الاولیاء جلد ا ص ۱۸۲، مجمع الفوائد جلد ۹ ص ۲۷۷ وغیرہ)

بخاری میں کئی احادیث میں ہے کہ جبریل حضور علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں آئے۔

(ملاحظہ ہو بخاری جلد ا ص ۴۵۷، جلد ا ص ۱۲، ص ۵۹۰-۵۹۱)

۴۔ صلصلۃ الجرس

وحی کی چوتھی صورت صلصلۃ الجرس یعنی گھنٹہ کی گونج اور آواز کی طرح کی آواز کا سنائی دینا ہے، چنانچہ بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے تو آپ نے فرمایا: کبھی تو گھنٹہ کی آواز کی طرح آتی ہے۔ پھر فرمایا: "اور وحی کہ یہ قسم مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے۔ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو فرشتہ نے جو کچھ کہا ہوتا ہے وہ مجھ کو یاد ہو جاتا ہے۔"

(بخاری جلد ا ص ۲، ص ۴۵۷)

وحی کی یہ کیفیت آپ پر اس قدر سخت ہوتی تھی کہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ:

"میں نے آپ کو سخت سردی کے دنوں میں دیکھا کہ وحی آپ سے منقطع ہوتی تھی اور پسینہ کے قطرات آپ کی پیشانی سے ٹپکتے ہوتے تھے۔" (بخاری جلد ا ص ۲، ص ۴۵۷)

پسینہ کے قطرات پیشانی مبارک سے ٹپکنے کی وجہ شیخ ابن عربی نے فتوحات میں اور حکیم الامت

شاہ ولی اللہ نے یہ لکھی ہے کہ جبریل فرشتہ نورانی ہے اور جو پیغام وہ لے کر آئے یعنی قرآن حکیم وہ بھی محض نور ہی نور ہے اور نبی کا باطن بھی نور سے پر ہوتا ہے اور نور کا فطری اثر حدت اور گرمی ہوتا ہے۔ جب یہ تینوں نور جمع ہو گئے تو گرمی پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے اور یہ ایک طبعی امر ہے کہ جب اندر گرمی اور حدت زیادہ ہو جائے تو طبیعت اس کو باہر پھینکتی ہے جس سے اندر کے بخارات پانی کی شکل میں مسامات کے راستے باہر نکلتے ہیں اور یہ بھی طبعی امر ہے کہ جب پسینہ کی صورت میں اندر کی گرمی نکل گئی اور مسامات کھل گئے تو اب جو ہوا بدن کو لگے گی اور مسامات کے راستے اندر گھسے گی تو ضرور سردی محسوس ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ نزول وحی کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا "زملونی، زملونی" یا "دثرونی" یعنی مجھے چادر اڑھاؤ۔"

("فضل الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۵۷، از شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ)

حدیث میں وحی کی اس کیفیت کو جو "صلصلۃ الجرس" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ "صلصلۃ" دراصل اس آواز کو کہتے ہیں جو لوہے کے ایک ٹکڑے کو دوسرے ٹکڑے پر مارنے سے پیدا ہوتی ہے، پھر اس کا اطلاق ہر اس آواز پر کیا جانے لگا جس میں جھنجھلاہٹ ہو جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد ۱ ص ۱۶، جلد ۸ ص ۳۶ پر لکھا ہے۔

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے لکھا ہے کہ وحی کی آواز کو "صلصلۃ الجرس" سے تشبیہ دینے کی یہ وجہ ہے کہ جس طرح گھنٹے کی آواز "صوت محض" کی صورت میں سنائی دیتی ہے اور اس کا کوئی مبداء اور مقطع نہیں ہوتا، اس بنا پر یہ آواز مرکب نہیں بلکہ بسیط ہوتی ہے۔ (فیض الباری جلد ۱ ص ۱۹)

بعض محدثین کرامؒ فرماتے ہیں کہ "صلصلۃ الجرس" سے مراد فرشتوں کے پروں کی آواز ہے کیونکہ دوسری احادیث نبویہ سے پتہ چلتا ہے کہ فرشتوں کے پروں کی آواز سے بھی اسی قسم کی آواز برآمد ہوتی ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری جلد ۲ ص ۷۰۸، ص ۱۱۱۴) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے اسی سلسلہ میں ایک روایت نقل کی ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۳۶)

بہرحال یہ آواز وحی کی ہو یا فرشتوں کے پروں کی اس سے ہمیں بحث نہیں کیونکہ مسئلہ عالم غیب کا ہے اور عالم غیب ہمارے ادراک کی سرحدوں سے بہت بالاتر ہے یہ ادراک میں آئے یا نہ آئے اس پر ایمان لانا شریعت کی طرف سے واجب ہے۔ یہ آواز بعض دفعہ صرف نبی تک محدود نہیں رہتی بلکہ کوئی جلیل القدر صحابی بھی اسے سن لیتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۱۱، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۱)

سیدنا عمر فاروقؓ نے جب اس آواز کو سنا تو انہوں نے "دوی کدوی النحل" شہد کی مکھیوں کی گنگناہٹ سے تشبیہ دی۔ بات ایک ہی ہے لیکن الفاظ مختلف ہیں۔ بعض علماء نے یہاں بڑے پتہ کی بات کہی ہے کہ وحی کی آواز فرشتے سنتے تھے تو "کسلسلة على صفوان" اور جب نبی سنتے تھے تو مثل

"صلصلہ جرس" اور نبیؐ کے قریب والے جب سنتے تھے تو "کدوی النحل" کے الفاظ سے انہیں تعبیر کرتے۔

ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر کو وحی کی اس صورت میں جو آواز سنائی دیتی تھی وہ تو گھنٹے کی آواز کی طرح یا بقول سیدنا فاروق اعظمؓ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے مشابہ ہوتی تھی اس سے پیغمبر کو احکام الٰہی کا پتہ کیسے چلتا؟ اس سوال کا جواب شاید زمانہ ماقبل میں مشکل ہو، لیکن عصر جدید میں ٹیلیگراف کی ایجاد نے اس سوال کے جواب کو آسان بنا دیا ہے، چنانچہ محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

وصلصلہ ھھنا الجرس کنقرات التلغراف لاداء الرسالہ۔

"اور گھنٹہ کی آواز ٹیلیگراف کی ٹک ٹک کی طرح ہے جو پیغام رسانی کے لیے کی جاتی ہے۔" (مشکلات القرآن ص ۱۲۴)

یوں تو وحی کی ہر قسم شدید ہوتی ہے لیکن وحی کی یہ قسم جس کو حدیث میں "صلصلہ الجرس" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، پیغمبر پر سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ (بخاری جلد اص ۲، ص ۴۵۷)

چنانچہ اس کے ثقل سے پیغمبر کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ جب کبھی اونٹنی پر سوار ہوتے اور یہ وحی نازل ہوتی تو اس کے ثقل اور بوجھ سے اونٹنی آواز کرتی اور اپنے دونوں پاؤں اس طرح ادل بدل کرتی تھی اور یہ گمان ہوتا تھا کہ اس کے بازو ٹوٹے جاتے ہیں وہ کبھی بیٹھتی اور کبھی اپنے پاؤں پر سہارا لے کر کھڑی ہو جاتی اور جب تک وحی نازل ہوتی رہتی، اونٹنی کی یہی کیفیت رہتی۔ (خصائص جلد اص ۱۱۹)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وحی کی یہ قسم اتنی شدید اور ثقیل کیوں ہے؟ قرآن حکیم نے بھی اسے "قولا ثقیلا" یعنی وزنی کلام کہا ہے۔ اس سوال کا جواب حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے یہ دیا ہے کہ عادت یہ ہے کہ بات کہنے والے اور بات سننے والے کے مابین مناسبت ہونی چاہیے، لیکن جب قائل اور سامع دو الگ الگ نوع سے تعلق رکھتے ہوں تو پھر دو ہی صورتیں ہیں۔

۱۔ یا تو قائل سامع کے اوصاف سے متصف ہو جائے۔

۲۔ یا سامع قائل کے اوصاف سے متصف ہو جائے۔

یہاں چونکہ دوسری صورت ہوتی ہے یعنی آپ کی ذات قدسی صفات میں تصرف کر کے اسے مادیت سے وراء الوراء کر کے ملاء اعلیٰ سے بہت زیادہ قریب کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت چونکہ آپ کی جہت بشری اور جہت ملکوتی میں تصادم ہوتا ہے اس لیے وحی کی یہ قسم آپؐ پر شدید تر ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ اس شدت اور ثقل کے باعث آپ کی جبین اقدس عرق آلودہ ہو جاتی اور اس تاثر میں اس درجہ شدت

ہوتی کہ آپ کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی اس حالت کا بین طور پر احساس ہو جاتا۔

(فتح الباری جلد ا ص ۱۶، فیض الباری جلد ا ص ۲۰-۲۱)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ بھی سورہ شعراء کی ایک آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"شاید "علی قلبک" کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہو کہ نزول وحی کی جو دو کیفیتیں احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں (یعنی کبھی "صلصلة الجرس" کی طرح آنا اور کبھی فرشتہ کا آدمی کی صورت میں سامنے آکر بات کرنا) ان میں سے قرآن کی وحی اغلباً پہلی کیفیت کے ساتھ آتی تھی کیونکہ دونوں حالتوں میں محققین کے نزدیک فرق یہ تھا کہ پہلی حالت میں پیغمبر کو بشریت سے منقطع ہو کر ملکیت کی طرف جانا پڑتا تھا گویا اس وقت آلات جسدانیہ کو بالکل معطل کر کے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے۔ دل کے کانوں سے وحی کی آواز سنتے تھے، اور دل کی آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے تھے اور دل کی انہی قوتوں سے ان علوم کی تلقی کرتے تھے اور محفوظ رکھتے تھے، بخلاف دوسری حالت کے کہ اس میں فرشتہ کو ملکیت سے نزول کر کے بشریت کی طرف آنا پڑتا تھا۔ اس وقت پیغمبران ہی ظاہری آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے اور ان ہی کانوں کے توسط سے آواز سنتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کی پہلی قسم کی احادیث میں فرمایا کہ "هو اشد علی" (وہ مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے) ۔ کیونکہ اس میں آپ کو بشریت سے ملکیت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا۔ واللہ اعلم۔

(فوائد عثمانی ص ۴۸۶، بجنور)

وحی کی علمی بحث کے لیے ملاحظہ ہو امام رازیؒ کی تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۴۰۷ اور امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی فیض الباری جلد ا ص ۱۴—۲۲۔

۵۔ فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا

وحی کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ فرشتہ اپنی اصلی شکل میں نبی کے پاس آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہے، جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

رای جبریل علیه السلام فی صورته مرتین۔

"آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اپنی شکل میں دو دفعہ دیکھا"۔

(بخاری، جلد ۲، ص ۲۷۰)

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ:

Marfat.com

"آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو اس کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ سدرۃ المنتہٰی پر اور ایک مرتبہ جیاد میں۔ اور اس کے چھ سو پر تھے جس سے سارا اُفق بھرا ہوا تھا"۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۲۵)

ایسا ہی جصاص ؒ نے "احکام القرآن" میں لکھا ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کا آسمانوں سے وحی فرمانا

وحی کا چھٹا طریقہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کسی فرشتہ یا آواز کے توسط کے بغیر براہ راست کسی نبی کے قلب پر وحی نازل فرمائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج میں رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی فرمائی۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں سورہ النجم میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا:

ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبده ما اوحی۔

"پھر اللہ تعالیٰ آپ سے بہت زیادہ قریب ہوئے اور نزولِ اجلال فرمایا، سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی بھیجی جو کچھ بھی بھیجی"۔ (النجم)

چنانچہ اس وحی میں اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس وحی کے بارہ میں ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ جنت میں اس وقت تک کوئی نبی نہیں جائے گا جب تک آپ داخل نہیں ہوں گے اور کوئی امت اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگی جب تک آپ کی امت جنت میں داخل نہیں ہو جائے گی"۔

(ابن کثیر جلد ۴ ص ۲۴۹، تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۵۵)

۷۔ اللہ تعالیٰ کا بلاواسطہ کلام فرمانا

وحی کا ساتواں طریقہ اللہ تعالیٰ کا کسی فرشتہ کے بغیر کلام فرمانا ہے جیسا کہ قرآنِ حکیم میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے:

وکلم اللہ موسی تکلیما۔

"اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام فرمایا"۔ (النساء)

اور جیسا کہ سورۃ اعراف میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہی کے بارے میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ

Marfat.com

السلام وقت معین پر پہنچے اور پروردگارِ عالم نے ان سے کلام فرمایا تو (موسیٰ علیہ السلام نے کلام کے کیف و انبساط میں بارگاہ خداوندی میں عرض کیا) خدایا! (جب تو نے مجھے لذت و کیف سماع سے نوازا ہے تو پھر) مجھے لذتِ مشاہدہ و دیدار سے بھی بہرہ اندوز فرما۔

اس کے متعلق علامہ خازن نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

"یہ آیت دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (خود) موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا...... علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بغیر واسطہ کے کلام فرمایا جیسے کہ فرشتہ کلام کرتا ہے"۔ (تفسیر خازن جلد ۲ ص ۲۳۱)

خداوندِ اقدس کا یہ کلام کچھ موسیٰ علیہ السلام پر ہی منحصر نہیں بلکہ اور انبیاء علیہم السلام سے بھی اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کا بغیر حجاب کلام فرمانا

حافظ ابن قیمؒ نے ان سات طریقوں کا ذکر فرمانے کے بعد ایک اور طریقہ وحی کا یہ بھی فرمایا:

ھی تکلیم اللہ لہ کفاحا من غیر حجاب۔

"یعنی وہ طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی سے بغیر حجاب کے گفتگو فرمائے"۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وحی کا یہ طریقہ تمام امت کے نزدیک مسلمہ طریقہ نہیں ہے بلکہ اس کے قائل صرف وہ لوگ ہیں:

"جو یہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور یہ مسئلہ سلف و خلف کے مابین ایک اختلافی مسئلہ ہے اور جمہور صحابہ کرامؓ بلکہ سارے کے سارے اس مسئلہ میں سیدہ عائشہؓ کے ساتھ ہیں"۔ (زاد المعاد جلد ا ص ۱۸)

سیدہ عائشہؓ کے اس مسلک کے مقابلہ میں سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کا مسلک یہ ہے کہ آپ نے شبِ معراج میں اللہ کو دیکھا تھا۔ (ابن کثیر جلد ۴ ص ۲۵۰)

ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کا مسلک زیادہ صحیح ہے، چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس بارہ میں اپنی تفسیر ص ۶۸۲ پر بڑی مفید اور مفصل بحث کی ہے اور آخر میں فرمایا:

"عائشہ صدیقہؓ اور ابن عباسؓ کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ شاید وہ نفی ایک درجہ میں کرتی ہیں اور یہ اثبات دوسرے درجہ میں کر رہے ہیں اور اسی طرح ابوذرؓ کی روایت "رایت نورا" اور نورانی اراہ میں تطبیق ممکن ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فوائد عثمانی ۶۸۳)

۹۔ کتابت کے ذریعہ وحی فرمانا

وحی کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ لکھی ہوئی کوئی شے آسمان سے نازل فرمادیں اور انبیاء علیہم السلام اس کو پڑھ لیں۔ چنانچہ تورات آسمانوں سے دو تختیوں پر لکھی لکھائی نازل ہوئی جیسا کہ قرآنِ حکیم میں مذکور ہے۔ (الاعراف) ۶

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیرِ مظہری جلد ۳ ص ۴۵۹، احقر کی کتاب "اسلام کا تصورِ نبوت"

۱۰۔ تفہیم غیبی

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو فکر و نظر میں برکت فرمادی جاتی ہے اور اس کی قوتِ نظریہ اور قوتِ فکریہ اس کو صواب اور رشد کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کا نام تفہیم غیبی ہوتا ہے۔ یہ بھی دراصل "القاء فی القلب" اور "روع فی النفث" ہی کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ حافظ ابنِ قیمؒ نے اپنی کتاب "مدارج السالکین" جلد ۱ ص ۲۲ پر اس بارہ میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ بخاری میں بھی سیدنا علیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"آپ نے ہمیں کوئی خاص چیز عطا نہیں فرمائی بلکہ کتاب اللہ عطا فرمائی یا پھر وہ فہم ہے جو (کتاب اللہ کے بارے میں) ہر مسلمان کو دیا گیا ہے"۔

(بخاری جلد ۱ ص ۲۱، جلد ۲ ص ۱۰۲۰، مسلم جلد ۲ ص ۱۶۱)

یہی وہ فہم ہے جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا اور سورۃ الانبیاء میں اس کا ذکر موجود ہے۔

امام رازیؒ نے اس بارہ میں اپنی تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۱۱۸-۱۱۹ پر خاصی بحث کی ہے۔

یہ تھے وحی کے دس مراتب جن کو قرآنِ حکیم اور احادیث کی روشنی میں اجمالی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ (اس پر مفصل بحث ہم نے اپنی کتاب "اسلام کا تصور نبوت" میں بیان کی ہے۔ اہلِ علم حضرات وہاں ملاحظہ فرمالیں) اس سے پتہ چلتا ہے کہ وحیِ نبوت کس کس طریق سے نازل ہوتی ہے، لہٰذا آئندہ صفحات میں سرکارِ دو عالم ﷺ پر نزولِ وحی کے بارے میں جو ہم لکھیں گے، یہ بحث اس کے لیے بڑی مفید ثابت ہوگی۔

نبی کی تعریف

گزشتہ صفحات میں وحی کے بارہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے نبی کی تعریف کا پتہ چل گیا کہ نبی وہ ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی ہو، لیکن دنیا میں اس کا کام کیا ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں خود

Marfat.com

لفظ "نبی" میں اس کے معنی مضمر ہیں۔ علماء لغت نے لکھا ہے کہ نبی کا لفظ مشتق ہے "نباء" سے جس کے معنی ہیں خبر، لیکن لغت عرب میں ہر خبر کو "نباء" نہیں کہتے بلکہ "نباء" اس خبر کو کہتے ہیں جس میں تین چیزیں ہوں۔

۱۔ خبر فائدے کی ہو۔

۲۔ فائدہ بھی معمولی نہیں بلکہ عظیم الشان ہو۔

۳۔ اور اس خبر سے سننے والے کو اطمینانِ قلب اور یقینِ کامل حاصل ہو۔

چنانچہ علامہ راغب نے "نباء" کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

النباء خبر ذو فائدہ عظیمہ یحصل بہ علم او غلبہ ظن۔

"نباء اس خبر کو کہتے ہیں جو بڑے فائدے والی ہو اور اس سے علمِ یقین یا ایسا علم حاصل ہو جس میں یقین غالب ہو"۔

ان معنوں کی رو سے نبی کی تعریف یہ ہوئی کہ نبی وہ انسان ہے، جو حق تعالیٰ کے بندوں کو حق تعالیٰ کی جانب سے نفع اور فائدے کی ایسی عظیم الشان خبریں سنائے جن تک ان کی نارسا عقلیں پہنچنے سے قاصر ہوں۔

ظاہر ہے کہ ایسی باتیں وہی ہوں گی جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور پھر ان خبروں پر اطمینان یا علم اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے کہ خبر دینے والا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل بھی پیش کرے یا اس کی زندگی ہی اس قدر پاکیزہ، اعلیٰ اور اتنی مقدس ہو کہ اس کے متعلق جھوٹ کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکے۔ اس کی بات سنتے ہی لوگوں کو یقین آ جائے، اس سے معلوم ہوا کہ صرف نبی کا لفظ ہی لغت عرب کی رو سے مندرجہ بالا حقائق پر روشنی ڈالتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کی تعریف

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی نبی اور اس کے اشتقاق پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، فرماتے ہیں:

"نبی کا لفظ "نباء" سے مشتق ہے۔ لغت میں "نباء" اگرچہ خبر کو کہتے ہیں لیکن اس کا استعمال صرف غیب کی چیزوں کے بارے میں ہوتا ہے، چنانچہ خود قرآنِ حکیم میں یہ لفظ کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے"۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے قرآنِ حکیم سے اپنے استدلال میں کئی آیات بھی نقل فرمائی ہیں۔ جن کو ہم طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کر رہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ آیات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ان سب آیات میں لفظ "نباء" مختلف صیغوں میں صرف ان خبروں کے بارے میں استعمال ہوا ہے جو اپنے علم و مشاہدہ سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ ان کا تعلق "اخبارِ غیب" سے ہے، لہٰذا قاعدہ کی رو سے "نبی" کو "نبیٔ" ہمزہ کے ساتھ پڑھنا چاہیے، لیکن تخفیف کے لیے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے اب وہ "نبی" لکھا اور پڑھا جانے لگا اور مہموز سے معتل استعمال ہونے لگا۔ اس کے مہموز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی جمع "انبیا" آتی ہے"۔ (النبوات ص ۲۲۲-۲۲۳)

ایک اور مقام پر ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"نبی فعیل کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ لغت عرب میں یہ وزن فاعل اور مفعول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن زیادہ مناسب اور قرینِ قیاس یہی ہے کہ اس کو مفعول کے معنوں میں لیا جائے۔ اس لحاظ سے نبی کے معنی ہوں گے "الذی نباء اللہ" یعنی وہ ذات جس کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبریں دی ہوں۔ اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ دوسروں کو بھی ان خبروں سے مطلع کرے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو وہ دوسروں کو بھی اس سے مطلع کرے گا ورنہ نہیں۔ لیکن جس بات پر نبی کا نبی ہونا موقوف ہے وہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو غیب کی خبریں دی جائیں نہ کہ وہ ان خبروں کو دوسروں تک پہنچائے۔ معلوم ہوا کہ نبی اور غیر نبی میں جس چیز سے امتیاز ہوتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں دینا اور نہ دینا ہے۔

غیب کی خبریں انبیاء علیہم السلام کی طرح کاہن اور جوتشی بھی دیتے ہیں پھر ان کو نبی کیوں نہیں کہا جاتا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ کاہنوں اور جوتشیوں کو خبر دینے والا شیطان ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو خبر دینے والا رحمٰن ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جوتشی اور کاہن اللہ کے نبی کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے"۔ (النبوات ص ۱۶۶، فتاویٰ شیخ الاسلام جلد ۱۸ ص ۶)

اس کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"اسی طرح رسول کا لفظ ہے، "رسول اللہ" صرف اسی کو کہا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہو، لہٰذا جس طرح اللہ کا رسول کسی غیر کا رسول نہیں ہو سکتا اور نہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کا حکم مان سکتا ہے، اسی طرح اللہ کا نبی بھی غیر اللہ کا نبی نہیں بن سکتا اور نہ ہی وہ کسی اور کی دی ہوئی خبروں کو قبول کر سکتا ہے"۔ (النبوات ص ۱۶۶)

مجدد الف ثانیؒ کی تعریف

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے نبی کی تعریف میں مطابقت اور اجمال پیدا کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

"نبوت توجہ الی الحق اور توجہ الی الخلق کی صفت کے کمال کا نام ہے، دوسرے لفظوں میں نبی وہ ذات ہے جو ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف بھی متوجہ رہے اور خلقِ خدا پر بھی نظر رکھے۔ حق کی طرف توجہ کرنے سے خلقِ خدا کی طرف سے اس کی توجہ کم نہ ہو اور خلقِ خدا کا خیال حق کی لگن میں خلل انداز نہ ہو"۔ (مکتوبات جلد ۲ ص ۷)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی نبی کی تعریف پر بڑی نفیس بحث فرمائی ہے۔

(ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ مبحث ۶ باب ۲)

ضرورتِ نبوت

جب نبی کی تعریف سے پتہ چل گیا کہ ہماری روحانی زندگی کی جملہ ضروریات فراہم کرنے والا نبی ہوتا ہے تو اس سے نبوت کی ضرورت کا بھی پتہ چل گیا، کیونکہ جس طرح اس دنیا میں لاتعداد جسمانی امراض ہیں۔ اسی طرح اس دنیا کا قریباً ہر انسان روحانی طور پر مختلف قسم کے امراض میں مبتلا ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ بخار اور امراضِ قلب و جگر کی اس قدر کثرت نہیں جس قدر روحانی علل و امراض، زناکاری، چوری، کینہ و حسد، خیانت و بددیانتی، غیبت، ظلم و تعدی، عجب و کبر وغیرہ کی کثرت ہے تو پھر بھی کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔

پھر جس طرح روحانی امراض کے لیے ڈاکٹر اور طبیب کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور کوئی آدمی اس ضرورت کا انکار نہیں کر سکتا، اسی طرح روحانی امراض کے ازالہ کے لیے بھی ایسے روحانی حکماء کی اشد ضرورت ہے جو مرض کی اچھے طریقہ سے تشخیص کر کے اس کا صحیح علاج تجویز کریں اور روحانی مریض اس نسخہ کو استعمال کر کے شفایاب بھی ہوں۔ چنانچہ جب کوئی روحانی مریض اس روحانی طبیب (نبی) کی تشخیص کے مطابق تجویز کردہ نسخہ آزمائے گا تو اس کے جملہ روحانی امراض کا ازالہ ہو کر وہ روحانی اخلاق اس کے اندر پیدا ہو جائیں گے جن کو انسانی زندگی کی معنویت کہا جاتا ہے، بلکہ آج دنیا میں جہاں کہیں بھی یہ انسانی معنویت اور انسانی اخلاق نظر آتا ہے یہ سب نتیجہ ہے انبیاء علیہم السلام کے علمی نکات، فکری استدلال اور وجدانی کیفیات کا جو انہوں نے اپنی کامل اور اکمل حیاتِ طیبہ میں وقت کی شاہراہ پر چھوڑی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے انہی نقوشِ پا پر چل کر آج مختلف روحانی بیماریوں کے مریض دنیا میں اپنی منزل تلاش کر رہے ہیں۔ اس بارہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کتنی پتے کی بات فرمائی

Marfat.com

ہے:

"آج جہاں بھی عدل و میزان کا وجود ہے وہ کسی یونانی حکیم یا یورپین فلاسفر کی تعلیم و تصنیف اور تقریر و خطبہ کا اثر نہیں ہے بلکہ طبقہ انبیاء ہی کی بے واسطہ یا بالواسطہ تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں کیسے ہی بدترین مبلغ سہی، مگر نیکی، عدل، احسان، ہمدردی، نیکوکاری، حسنِ خلق کی تعلیم، تبلیغ اور دعوت انہی کی زبانوں سے ہو رہی ہے۔ جو رسولوں کے پیرو اور پیغمبروں کے تابع ہیں۔..... جو عقیدہ کے ملحد ہیں ان کی بھی نیکوکاری انہی پیغمبروں کے نادانستہ فیضانِ تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اس بنا پر جو لوگ ذہنی طور پر پیغمبروں کے منکر ہیں، وہ بھی عملی طور پر ان کی تعلیم کے مقر اور معترف ہیں"۔ (سیرۃ النبی جلد ۴ ص ۲۰۶)

ضرورتِ نبوت کو ایک اور انداز سے بھی سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے اور وہ خالق بہت سی صفات کا بھی حامل ہے۔ مادے اور قوت (Matter and Energy) کا یہ کارخانہ ببانگِ دہل کہہ رہا ہے کہ اس کا بنانے والا اور چلانے والا کلی اختیار اور ارادہ کا مالک ہے۔ وہ علیم و خبیر اور سمیع و بصیر ہے۔ وہ حکیم اور دانا ہے۔ وہ رحیم و کریم ہے۔ وہ بے نیاز اور غیر محتاج ہے۔ وہ قائم و دائم ہے وہ واحد و یکتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس خالق و مالک کا رشتہ انسان سے کس نوعیت کا ہے؟ اس کے کچھ مطالبات انسان سے ہیں؟ آیا وہ کوئی ذمہ داری اس پر ڈالتا ہے؟ آیا وہ کسی امر میں اس سے اطاعت و تسلیم چاہتا ہے؟ آیا وہ اسے کوئی ضابطہ و قانون دیتا ہے؟ آیا وہ اس سے کوئی حکم منوانا چاہتا ہے؟ اور کسی شے سے اسے روکتا ہے؟ وہ کسی بات سے خوش یا ناخوش ہوتا ہے؟ اس کی پسند و ناپسند کیا ہے؟

ان سوالات کے جوابات دینے کے لیے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خدا خود زمین پر اتر آیا ہو۔ پھر وہ ایک ایک فرد انسانی کے پیچھے اپنی دعوت لیے دوڑتا پھرے بلکہ انسانی ہدایت کے لیے اس نے انسانوں ہی میں سے راہ نما اٹھائے اور انسانی نظام تہذیب و تمدن کو صالح بنیادوں پر استوار کرانے کے لیے اس نے خود انہی میں سے معمار کھڑے کیے۔ اصل میں آدمی کی فطرت اور اس کی ساخت ایسی نہیں ہے کہ حقیقت مطلقہ کا ادراک براہ راست کر سکے۔ اس کے حواس اطلاق کی فضاؤں میں بالکل جواب دے دیتے ہیں۔ وہ کسی پیغام کو جبھی اخذ کر سکتا ہے کہ وہ تعینات اور تحدیدات کے سانچوں میں ڈھال کر اس کے سامنے لایا جائے۔ اس کی فطرت کے تقاضے اس طرح بھی پورے نہیں ہو سکتے کہ فرشتے اس کے سامنے دعوت کا علم اٹھائیں اور اس کی قیادت کا فرض سرانجام دیں۔ اس کا محدود دماغ اپنی فکر کے چراغ براہ راست انوارِ الٰہی سے کبھی روشن نہیں کر سکا۔ بلکہ وہ ایمان و عقیدے کے دیئے صرف اس شعلہ حقیقت سے جلا سکا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء و علیہم السلام کے انسانی دماغوں ہی کے اندر فروزاں کیا ہے۔ آدمی کو جو کان

Marfat.com

دیئے گئے ہیں وہ اللہ کی آواز کو اسی صورت میں سن سکتے ہیں جبکہ وہ انسانی نطق سے بلند ہوئی ہو۔ اس کے جذبات میں تاثر جبھی پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ اللہ کی پسند و ناپسند کی پہلے انبیاء کے اندر مطلوبہ جذبات کی لہریں اٹھادے۔ وہ اخلاقی نمونہ اگر حاصل کر سکتا ہے اور سیرت کا کوئی چربہ لے سکتا ہے تو نہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے اور نہ اس کے فرشتوں یا کسی فوق الانسانی مخلوق سے بلکہ اپنے ہی جیسے انسانی افراد سے لے سکتا ہے۔ وہ جب کبھی بھی اللہ کے دین کی بنیادوں پر منظم ہوا ہے اور اسلامی انقلاب کا سپاہی جب بھی وہ بنا ہے تو اپنے ابنائے نوع کی زیرِ قیادت بنا ہے۔ انسانی فطرت کی انہی خصوصیات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں بہترین افرادِ انسانی کو اس مقصد کے لیے منتخب کیا ہے کہ ایک طرف ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کے الہام و القاء حاصل کریں اور دوسری طرف وہ عام انسانوں کے لیے الہامی دعوت کے دیانت دار ترجمان اور انسانی پیکر میں اس کے تفصیلی تقاضوں کا عملی مظہر ہوں۔

پس کائنات خدا کے وجود اور اس کی بعض صفات کی گواہی دے دینے کے بعد انسان کو جس مقام پر چھوڑ دیتی ہے، اس مقام سے آگے چلنے کے لیے یعنی خدا کی مرضی، اس کی ہدایت، اس کے قانون اور اس کی پسند و ناپسند کو معلوم کر کے خدا کی ہستی کی محدود سی معرفت کے لیے انفس و آفاق کی آیات مدد دیتی ہیں۔ لیکن اس کی اطاعت کے لیے رسالت و نبوت کا دامن تھامنا ناگزیر ہے۔ فکر کا نہاں خانہ اگر مظاہرِ کائنات کے چراغوں سے کسی قدر روشن ہو بھی جائے تو بھی عمل کی وادیاں اس وقت تک اندھیاری رہتی ہیں جب تک کہ انبیاء علیہم السلام کے جلائے ہوئے چراغوں سے ان کو منور نہ کیا جائے۔ محض خدا کے تصور کے بل پر زندگی اور نظام زندگی کی تعمیر ممکن نہیں بلکہ خدا کے تصور کو سنگِ بنیاد کی حیثیت دے کر جب اس تعمیر کو برپا کرنا ہو تو اس کو سارا مسالہ اور اس کا فنِ تعمیر اور اس کا نقشہ تعمیر صرف اور صرف انبیاء ہی کے ذریعہ مل سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی فکر کے حاملین نے بالاتفاق یہ حقیقت تسلیم کی ہے کہ ایمان بالرسالت کے بغیر ایمان باللہ بے کار ہے۔ دوسرے لفظوں میں محض ایمان باللہ ایک جامد عقیدہ ہے جس سے عملی زندگی کا درخت نمودار نہیں ہو سکتا ہے اور نہ اس پر پھل آسکتا ہے یہ اگر ممکن ہے تو صرف اس طرح کہ تعلیماتِ انبیاء سے اس کی آبیاری کی جائے۔ محض ایمان باللہ سے یوگ پیدا ہو سکتا ہے، تصوف پیدا ہو سکتا ہے، رہبانیت پیدا ہو سکتی ہے لیکن کوئی نظام زندگی، کوئی تہذیب، کوئی تمدن، کوئی معاشرت، کوئی اقتصادیات و سیاسیات اور کوئی معیشت پیدا نہیں ہو سکتی۔ ایمان باللہ سے نظامِ زندگی اس صورت میں رونما ہوتا ہے جبکہ ایمان بالرسالت ساتھ ساتھ موجود ہو۔

اس بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور امام غزالی امام رازیؒ وغیرہ نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

Marfat.com

نبی اور رسول میں فرق

پیشتر اس کے کہ ہم نبوت کے بارے میں کچھ مزید لکھیں، ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ نبی اور رسول کے درمیان فرق کو واضح کر دیا جائے۔ اس سے کئی شکوک حل ہو جائیں گے جو نبی اور رسول کی بحث میں اکثر پیش آتے ہیں۔

دنیائے اسلام کے مشہور محقق علامہ ابن تیمیہؒ نے نبی اور رسول کے درمیان فرق کو اپنی کتاب "النبوات" میں وضاحت سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

"جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف امور غیبیہ سے لوگوں کو اطلاع دیتا ہو، ان کو پند و نصائح کرتا ہو اور حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے اس کو وحی آتی ہو، وہ نبی کہلاتا ہے، لیکن ان اوصاف کے ساتھ ساتھ جو کفار اور نافرمان قوم کی تبلیغ پر بھی مامور کیا جائے، وہ رسول ہوتا ہے"۔ (النبوات ص ۱۷۲ تا ۱۷۴)

کچھ حضرات نے یہ لکھا ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جو شریعت جدیدہ نہ لے کر آئے، بلکہ پہلی شریعت کے تابع ہو اور رسول وہ ہوتا ہے جو شریعت جدیدہ لے کر آئے۔ (المسامرہ ص ۴۳، ص ۸۶) لیکن ان سب تعریفوں پر کئی اشکال وارد ہوتے ہیں کیونکہ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"رسول کے لئے یہ کوئی شرط نہیں کہ وہ شریعت جدیدہ لے کر آئے کیونکہ سیدنا یوسف علیہ السلام رسول تھے۔ (حالانکہ وہ کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے بلکہ) ملت اور شریعت ابراہیمی پر تھے اور سیدنا داؤد اور سیدنا سلیمان علیہما السلام بھی رسول تھے حالانکہ وہ تورات کی شریعت پر تھے۔" (النبوات ص ۱۷۳)

ان سب اشکالات کا جواب دیتے ہوئے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے نبی اور رسول کی ایسی جامع اور مانع تعریف کی ہے جس سے سب اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔ آپ نے لکھا:

"رسول اور نبی کی تعریف میں اقوال متعدد ہیں۔ تتبع آیات مختلفہ سے جو بات احقر کے نزدیک محقق ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان دونوں کے مفہوم میں عموم و خصوص من وجہ ہے۔ رسول وہ ہے جو مخاطبین کو شریعت جدیدہ پہنچاوے، خواہ وہ شریعت اس رسول کے اعتبار سے بھی جدید ہو جیسے تورات وغیرہ یا صرف مرسل الیہم کے اعتبار سے جدید ہو جیسے اسماعیل علیہ السلام کی شریعت کہ وہی شریعت ابراہیمیہ تھی لیکن قوم جرہم کو اس کا علم اسماعیل علیہ السلام سے ہی حاصل ہوا اور خواہ وہ رسول نبی ہو یا نبی نہ ہو جیسے ملائکہ کہ ان پر رسولوں کا اطلاق کیا گیا ہے اور وہ انبیاء نہیں ہیں، یا جیسے انبیاء کے فرستادے اصحاب، جیسے سورہ یٰسین

Marfat.com

میں ہے "اذا جاء ھا المرسلون" اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو، خواہ شریعت جدیدہ کی تبلیغ کرے یا شریعت قدیمہ کی۔ جیسے اکثر انبیاء بنی اسرائیل کہ شریعت موسویہ کی تبلیغ کرتے تھے۔ پس من وجہ وہ عام ہے اور من وجہ یہ عام ہے۔ پس جن آیتوں میں دونوں مجتمع ہیں، ان میں تو کوئی اشکال نہیں کہ عام و خاص کا جمع ہونا صحیح ہے۔ اور جس موقع پر دونوں مجتمع ہیں، ان میں تو کوئی اشکال نہیں کہ عام و خاص کا جمع ہونا صحیح ہے۔ اور جس موقع پر دونوں میں تقابل ہوا ہے جیسے "ما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی" چونکہ عام و خاص مقابل ہوتے نہیں اس لئے وہاں نبی کو عام نہ لیں گے بلکہ خاص کر لیں گے، مبلغ شریعت سابقہ کے ساتھ۔ پس معنی یہ ہوں گے "ما ارسلنا من قبلک من صاحب شرع جدید و صاحب شرع غیر جدید" الخ۔ لیکن چونکہ اب متداول لفظ رسول سے صاحب نبوت ہوتا ہے، اس لیے غیر نبی پر اطلاق اس کا بوجہ الہام کے درست نہیں۔"

(بیان القرآن جلد ۷ ص ۱۱)

نبی کے تعارف کے لیے موزوں لفظ

نبی اور رسول کے تعارف کے لئے سب سے بہتر لفظ نبی اور رسول ہی ہے، اس سے زیادہ بہتر اور کوئی کلمہ نہیں، چنانچہ مولانا سید بدر عالم اس بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"نبی اور رسول کا صحیح مقام سمجھنے کے لیے خود نبی اور رسول کے الفاظ سے زیادہ صحیح لفظ اور کوئی نہیں۔ ان الفاظ سے محبت و عظمت کے وہ تمام تقاضے بھی پورے ہو جاتے ہیں جو ایک کامل سے کامل انسان کے لیے فطرت انسانی میں موجزن ہوتے ہیں اور عبد و معبود کی وہ ساری حدود بھی اس میں محفوظ رہتی ہیں جو کفر و ایمان کے درمیان خط فاصل ہو سکتی ہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ کے سب رسولوں نے اپنا تعارف اسی لفظ رسول کے ذریعہ پیش کیا ہے اور آخر میں قرآن کریم نے سب سے افضل اور سب سے برتر رسول کا تعارف بھی جس لفظ میں پیش کیا ہے وہ بھی لفظ رسول ہے۔"

محمد رسول اللہ۔
محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں۔

وما محمد الا رسول۔
"محمد (ﷺ) پیغمبر ہونے کے سوا الوہیت کا شائبہ تک نہیں رکھتے"۔

معلوم یہ ہوا کہ یہ کلمہ ایسا پُر عظمت ہے کہ نبی الانبیاء کے تعارف کے لیے بھی اس سے زیادہ موزوں

Marfat.com

اور کوئی کلمہ نہیں۔(ترجمان السنہ جلد ا ص ۴۵۷)

نبی اور ریفارمر یا لیڈر

اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ نبی کے لیے لیڈر یا ریفارمر کا لفظ استعمال کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ نبی اور لیڈر یا ریفارمر کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس زمانہ میں بعض مستشرق، متنور اور بعض نام نہاد اسلام پسند لوگ نبی کو ایک لیڈر اور ریفارمر اور دین کو ایک تحریک سمجھتے ہیں۔ نبی کے لیے لیڈر اور ریفارمر کے الفاظ استعمال کرنا ہمارے نزدیک نبی کی بہت بڑی توہین ہے اور اس کو اپنے مقام سے گرا کر عوامی سطح پر لانا ہے اور یہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یا تو اسلام کی روح اور معنویت سے ناآشنا ہوں اور یا پھر ان کے دل بغض رسول سے بھرے ہوئے ہوں۔ نبی اور لیڈر یا ریفارمر کے درمیان جو فرق ہے اس سے بھی پتہ چل جاتا ہے کہ پیغمبر کو لیڈر کہنا اس کی اہانت کرنا ہے۔

(ا) ایک ریفارمر اور لیڈر کی پرورش اور تربیت عام انسانوں کی طرح ہوتی ہے۔ ان ہی کی طرح وہ تعلیم و تربیت حاصل کرتا ہے۔ ان ہی کی طرح اس کی زندگی میں اتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ پھر وہ اپنی سعی و محنت اور متواتر جدوجہد اور اس کے ساتھ اپنی فطری صلاحیت اور دل سوزی کی بناء پر قوم یا ملک میں کوئی سیاسی، اجتماعی، اقتصادی، معاشرتی اور تعلیمی انقلاب برپا کرتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی فراست طبعی، خلوص و دیانت اور ایثار و نیک نیتی کی بناء پر قوم کی نگاہ میں محبوب ہو جاتا ہے، اور قوم اس کو اپنا لیڈر اور ریفارمر تسلیم کر لیتی ہے۔ لیکن انبیاء کی حالت ایسی نہیں ہوتی۔ اول تو ان کی تعلیم و تربیت ہی صفت اجتباء اور اصطفاء کے تحت ہوتی ہے کیونکہ آگے چل کر ان کو ایک بہت بڑی ذمہ داری کو اٹھانا ہوتا ہے جو کہ لیڈر اور ریفارمر کی ذمہ داری سے بہت بھاری ہوتی ہے۔ پھر ان کے ہر قول و فعل کی قدرت خود نگرانی کرتی ہے۔ حتیٰ کہ ان کی غذا، قوت شنوائی، قوت بینائی سب کو صفت عصمت کے تحت معصوم رکھا جاتا ہے۔ پھر وہ لیڈر کی طرح قوم کے کہنے پر نبی نہیں بنتے بلکہ وہ ایک مناسب عمر پر جو کہ اکثر چالیس برس ہوتی ہے، خود اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ رب العزت کی طرف سے نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ہمیں نبی ماننے پر تمہاری دنیوی اور اخروی زندگی کی بہتری اور اصلاح کا دارومدار ہے۔ ہم اس بات پر مامور ہیں کہ تم سے اپنی نبوت و رسالت کا اقرار کروائیں۔ اور تم اس بات پر مامور ہو کہ ہمیں نبی مانو، ہمارے احکام پر عمل کرو اور دنیا و آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ، غرضیکہ نبی اور رسول نہ از خود نبی اور رسول بنتے ہیں اور نہ قوم ان کو نبی اور رسول بناتی ہے بلکہ حق تعالیٰ براہ راست ان کو نبی اور رسول بناتا ہے۔

(۲) لیڈر اور ریفارمر اپنی تحریکوں اور پارٹیوں کو وقتی مصلحتوں اور سیاسی حکمت عملیوں کے تحت

Marfat.com

چلاتے ہیں۔ وہ اپنی ذہانت اور صوابدید سے تحریک کے مختلف گوشوں میں ہوا کا رخ دیکھ کر رد و بدل کرتے رہتے ہیں، نہ ان کے لیے معین حدود و قیود کی پابندیاں ہوتی ہیں اور نہ ہی پیروی کے لیے ان کے سامنے کوئی اسوہ ہوتا ہے۔ وہ خود ہی کوزہ اور خود ہی کوزہ گر ہوتے ہیں۔ اگر عوام کو بھڑکانے کے لیے ضرورت محسوس کریں گے تو اپنی الیکشنی سرگرمیوں کو بھی بدر و حنین کے معرکوں سے تعبیر کریں گے اور اس جہاد سے الگ رہنے والوں کو مرتد اور مردود ٹھرائیں گے۔ اور اگر ہوا کا رخ خلاف دیکھیں گے تو بدر و حنین کے مجاہدین اس طرح بلوں میں جا گھسیں گے جس طرح بلی کو دیکھ کر چوہے بل میں جا گھستے ہیں۔ اگر موسم سازگار پائیں گے تو گلے پھاڑ پھاڑ کر اعلان کریں گے کہ وقت آ گیا ہے کہ کرسیوں والے اپنے اقتدار کی کرسیاں ان کے لیے خالی کر دیں، لیکن اگر شومی قسمت سے اثنائے تقریر ہی میں موسم بدلتا نظر آئے تو وہ زور تقریر کے جھاگ خشک ہونے سے پہلے ہی اپنے مجاہدین کو ہدایت دیں گے کہ اپنی وردیاں پھینک دو، اپنی تلواریں توڑ دو، اپنے بورڈ اتار دو، اپنے اعلانوں کو گھس گھس کر مٹا دو اپنے نعروں اور ناموں پر سیاہیاں پھیر دو اور اپنے گھروں کے دروازے بند کر لو۔

لیکن اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کے لیے خود حق تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود و قیود ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں چلتے ہیں۔ ان کی جدوجہد کو یہ افتاد کبھی نہیں پیش آتی کہ وہ اٹھیں تو آندھی کی طرح اور بیٹھ جائیں بلبلے کی طرح۔ وہ طوفانوں کے زور کے ساتھ بھی چلیں گے تو اس میں بھی نسیم صبح کی خوش ادائی اور رباد بہاری کی عطربیزی اور مشک افشانی ہوگی۔ بجلیاں آئیں گی لیکن وہ بھی ان کو اپنے راستہ سے نہیں روک سکیں گی۔ وہ زمانے کی ہوا کا رخ دیکھ کر نہیں چلیں گے بلکہ زمانے کو اپنے مطابق چلانے کی کوشش کریں گے اور اس کوشش میں وہ اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔

(۳) لیڈروں کا مقصد کامیابی ہوتا ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے اگر برے سے برا طریقہ بھی ان کو اختیار کرنا پڑے تو وہ اس سے بھی نہیں چوکتے لیکن انبیاء علیہم السلام کا مقصد کامیابی نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی رضا ان کا مقصد ہوتا ہے خواہ ساری زندگی کے وعظ و نصیحت کے بعد ایک متنفس بھی ان پر ایمان نہ لائے۔ لیکن لوگوں کو ایمان کے راستے پر لانے کے لیے وہ کبھی بھی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتے جو اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے خلاف ہو یا جسے حق تعالیٰ ناپسند فرماتے ہوں۔ نہ ہی انہوں نے کبھی اس بات کی پروا کی ہے دین کی تبلیغ حالات و مصالح کے مطابق ہے یا نہیں اور لوگ اس کو رد کریں گے یا قبول کریں گے۔ اگر مصلحت کے پرستاروں کی طرف سے کبھی یہ اصرار کیا گیا کہ فلاں بات میں اگر یہ ترمیم و اصلاح کر دی جائے تو وہ پورے دین کو بخوشی قبول کر لیں گے تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی جانب سے اس میں کسی رد و بدل کے مجاز نہیں ہیں، جس کا جی چاہے قبول کرے جس کا جی نہ چاہے رد کرے بلکہ اس دین کو جو ان پر اتارا گیا بغیر کسی کمی بیشی، بغیر کسی دخل و تصرف اور بغیر کسی رد و بدل کے پوری

وضاحت و صراحت کے ساتھ خلقِ خدا کو پہنچا دیتے ہیں اور اس طرح پہنچاتے ہیں کہ نہ اس کے مزاج میں کوئی تغیر پیدا ہونے دیتے ہیں اور نہ اس کے مواد اور ترتیب میں کوئی تبدیلی ہونے دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے دین کے امین ہوتے ہیں نہ کہ موجد اور مصنف، اسی وجہ سے ہر طرح کے حالات میں وہ اپنی ذمہ داری صرف یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں۔

(۴) پھر وہ لیڈروں اور ریفارمروں کی طرح صرف گفتار ہی کے غازی نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے اصولوں، اپنے دعاوی اور اپنے نظریات کے عملی مظہر ہوتے ہیں، ان کے دل و زبان، قول و عمل اور خلوت و جلوت میں مطابقت ہوتی ہے۔ ان کی ایک ایک ادا اس دین کی شہادت دیتی ہے جس کے وہ داعی بن کر آتے ہیں۔ ان کی زندگی کی کتاب اور ان کی دعوت کی کتاب میں ذرا برابر فرق نہیں ہوتا۔ وہ جس شے کو دوسروں سے روکتے ہیں اس سے پوری شدت کے ساتھ خود پرہیز کرتے ہیں، بلکہ اس کی پرچھائیں بھی اپنے پر پڑنے نہیں دیتے۔ جس چیز کا دوسروں کو حکم دیتے ہیں، اس پر خود پوری قوت اور عزیمت کے ساتھ عمل کرتے ہیں بلکہ جس چیز کی وہ دعوت دیتے ہیں اگر دوسروں سے اس پر پاؤ سیر عمل کا مطالبہ کرتے ہیں تو خود اس پر پورا سیر بھر عمل کرتے ہیں۔

(۵) لیڈر اور ریفارمر صرف اپنے اعتماد پر چلتے اور چلاتے ہیں، اس وجہ سے اگرچہ وہ اپنی ذہانت کی دوربین سے بیس سال کی مسافت تک مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھ لیتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی سے محروم ہونے کی وجہ سے جب وہ ٹھوکر کھاتے ہیں تو بسا اوقات اپنی ناک کے نیچے کے پتھر سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور جب گرتے ہیں تو ان کو سنبھلنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ انبیاء کا معاملہ اس سے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ اول تو وہ اپنی ذہانت و فراست کی دوربین سے مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھنے پر کلی اعتماد نہیں کرتے بلکہ حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں چلتے ہیں، لیکن اگر کبھی اپنی کسی اجتہادی لغزش کے سبب گرتے بھی ہیں تو اپنے رب کے دروازے پر ہی گرتے ہیں اور "ربنا ظلمنا انفسنا" کی دعائیں مانگتے ہیں اور ان کا رب ان کو اٹھاتا اور سنبھالتا ہے۔

("دین میں حکمت عملی کا مقام" از امین احسن اصلاحی، ملخصاً)

اس قدر واضح فرق کے بعد یہ کہنا اور کتابوں میں لکھنا کہ دین ایک تحریک اور نبی اس تحریک کا ایک لیڈر ہوتا ہے، عقل و ذہن کی خیرہ مذاقی اور دین و مذہب کی کم نصیبی نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسے آدمی کو اگر چند سر پھرے اور دین و مذہب اور نبوت و رسالت کے مقام سے ناآشنا لوگ "مفکر اسلام" یا "داعی اسلام" کہنے لگیں تو یہ اسلام کے ساتھ استہزاء سے کم نہیں ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ پر نزولِ وحی سے قبل ہم نے یہ چند باتیں وحی اور نبی کے تعارف کے لیے لکھ دی ہیں تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ نبی کون ہوتا ہے؟ اور دوسرے عام لوگوں سے اسے کون سی شے ممتاز

Marfat.com

کرتی ہے۔ نبی اگرچہ ایک انسان ہی ہوتا ہے لیکن جب اس پر وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو اس کی حیثیت بالکل بدل جاتی ہے۔ اب وہ زندگی کی گم گشتہ راہ مخلوق کے لیے روشنی کا ایک مینار بن جاتا ہے اور گم کردہ راہ لوگ اس کو دیکھ کر اپنی زندگی کی راہیں متعین کرتے ہیں۔ کفر و ایمان کے لیے اس کی ذات حدِ فاصل بن جاتی ہے۔ پھر وہ دیکھنے میں تو ایک انسان ہی نظر آتا اور رہوتا بھی انسان ہی ہے لیکن اس کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ "انما انا قاسم" کہ میں اللہ کی رحمتیں اور نعمتیں تقسیم کرنے والا ہوں۔ مجھ سے ہٹ کر کچھ نہیں لیا جا سکتا۔ پھر نہ صرف وہ سید الکونین ﷺ بن جاتا ہے بلکہ اس پر ایمان لانے والے بھی "زمانے بھر کے مولا" بن جاتے ہیں اور بقول شیخ عبدالعزیز دباغؒ، اس کا سینہ ایمان کا پاور ہاؤس بن جاتا ہے اور ہر دل میں ایمان کی کرن اسی کے سینہ کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔

اس کا قول و عمل، اس کی نشست و برخاست، اس کی خورد و نوش اور اس کی زندگی کی ہر حرکت سنت کا درجہ اختیار کر لیتی ہے اور اس کی اطاعت و اتباع کا پوری دنیا کو حکم ہوتا ہے اور جو اس کی اطاعت و اتباع سے اعراض برتے وہ راندۂ بارگاہِ الٰہی ہو جاتا ہے۔ وہ پوری انسانیت کے لیے بہترین نمونہ بن کر آتا ہے اور ہر انسان کے عمل کا رد و قبول اس کی میزان عمل پر تل کر ہوتا ہے۔

Marfat.com

وحی کا نزول

جب آپ کی عمر چالیس سال کو پہنچی اور یہی سنِ کمال ہے اور آپ کے غارِ حراء میں خلوت نشینی کا تیسرا سال آیا تو حق تعالیٰ شانہ نے چاہا کہ انسانیت پر اس کی رحمت کا فیضان ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت سے مشرف فرمایا۔ حافظ ابن حجرؒ نے بیہقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ پہلے چھ ماہ آپ کو سچے اور درست خواب آتے رہے، لہٰذا رویائے صادقہ کے ذریعے نبوت کا آغاز ربیع الاول میں ہوا جو آپ کی ولادت کا مہینہ ہے لیکن حالتِ بیداری میں آپ پر وحی کا نزول رمضان المبارک میں ہوا۔
("فتح الباری" جلد ۱، ص ۲۷)

چنانچہ رمضان المبارک کے مہینہ میں ایک روز حسب معمول جب آپ غارِ حراء میں تشریف فرما تھے، کہ دفعتاً ایک وجود اس غار میں نمودار ہوا اور آپ کو سلام کیا۔ ("زرقانی"، جلد ۱، ص ۲۱۱) یہ رمضان المبارک کی ۲۱ تاریخ کو دوشنبہ کی رات تھی اور ۱۰ اگست ۶۱۰ء تھا۔ قمری حساب سے آپ کی عمر اس وقت چالیس سال چھ ماہ بارہ دن تھی اور شمسی حساب سے ۳۹ سال ۳ ماہ اور ۲۲ دن۔ اس نے کہا "اقراء" پڑھیے۔ آپ چونکہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، اس لیے عذر پیش کر دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اس وجود نے، حضور فرماتے ہیں، کہ مجھے پکڑ کر دبایا اور ایسا دبایا کہ میری مشقت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ (حتی بلغ منی الجهد) اس کے بعد چھوڑ دیا اور کہا "اقراء" (پڑھیے) میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس وجود نے مجھے پھر اسی شدت کے ساتھ دبایا اور پھر چھوڑ دیا اور کہا "اقراء" میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ ما انا بقارئ اس وجود نے پھر تیسری مرتبہ مجھ کو پکڑا اور اسی شدت کے ساتھ دبایا اور یہ کہا پڑھو:

اقراء باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقراء و ربک الاکرم، الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم۔

Marfat.com

"آپ اپنے رب کے نام کی مدد سے پڑھیے، جو تمام کائنات کا خالق ہے۔ خصوصاً انسان کا جس کو اس نے خون کے لوتھڑے (جمے ہوئے خون) سے پیدا کیا۔ آپ پڑھیے، آپ کا رب بہت ہی کریم ہے، جس نے قلم سے علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا"۔ (۹۶:۱-۵)

آپ نے ان پانچ آیات کو پڑھا۔ ذہن میں اتارا، ساتھ ہی جب گرانبار ذمہ داریوں کا احساس اور اپنی درماندگی اور عاجزی کا غیر معمولی شعور ہوا، راہ خدا سے بھٹکی ہوئی مخلوق کو پڑھنے پڑھانے اور سدھارنے کی ذمہ داری اور اس بارہ میں اپنی ناآشنائی اور ناتجربہ کاری اور اس کے ساتھ ہی عاجزی، تو دل دھک دھک کرنے لگا۔ بدن میں کپکپی اور رعشہ کی کیفیت پیدا ہو گئی جیسے سردی سے آدمی کانپتا ہے۔ فوراً وہاں سے اٹھے اور اسی گھبراہٹ اور کپکپاہٹ کی کیفیت میں سیدھے اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے۔ رفیقہ حیات سیدہ خدیجہؓ نے جو یہ کیفیت دیکھی تو پریشان سی ہو گئیں۔ نبوت کے لبوں سے ایک آواز سیدہ کے کانوں میں پڑی "زملونی، زملونی" "مجھے کچھ اوڑھاؤ، مجھے کچھ اوڑھاؤ" سیدہ نے بغیر کچھ کہے اسی وقت چادر اوڑھا دی۔ کچھ دیر بعد گھبراہٹ اور پریشانی دور ہوئی۔ سیدہ نے اس وقت گھبراہٹ کی وجہ اس لیے نہ پوچھی کہ وہ پندرہ سال سے محمد ﷺ کو دیکھ رہی تھیں کہ اس سے قبل انہیں ایسی گھبراہٹ کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے ان کو یقین تھا کہ آپ کو کوئی غیر معمولی واقعہ درپیش ہوا ہے جس سے یہ غیر معمولی گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ لہٰذا پہلے یہ گھبراہٹ اور پریشانی دور ہو پھر حقیقت واقعہ کی ٹوہ لگاؤں گی۔

آپ نیند سے بیدار ہوئے اور طبیعت میں کچھ سکون پیدا ہوا تو سیدہ خدیجہ طاہرہؓ نے بلائیں لیں اور پوچھا کیا بات ہے؟ سرورِ دو عالم ﷺ نے پورا واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ سیدہؓ نہایت سمجھدار خاتون تھیں۔ انہوں نے نہایت غور سے سرکارِ دو عالم ﷺ کی بات سنی پھر وہ آیات بھی سنیں، جو جبرئیلؑ آپ کو بتا کر گیا تھا۔ تو وہ آیات کے مفہوم کو سمجھ گئیں کہ جس غیر معمولی صورت کی توقع تھی، وہ سامنے آ گئی ہے۔ سیدہؓ نے نہایت لطیف پیرایہ اور انداز میں آپ کو اطمینان دلایا اور بتایا کہ آپ ہرگز نہ ڈریں۔ آپ یقیناً یہ بوجھ اٹھا سکیں گے جو آپ پر ڈالا جا رہا ہے۔ کیونکہ اب تک زندگی میں آپ کئی بوجھ اٹھاتے رہے ہیں اور جو بوجھ اٹھاتے رہے ہیں، وہ بھی غیر معمولی ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی گراں بار ذمہ داری آپ پر پڑے گی تو آپ اس کا ضرور تحمل کر سکیں گے۔ سیدہؓ کے جو الفاظ بخاری نے نقل کیے ہیں، وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ فرمایا:

كلا والله لا يخزيك الله ابدا انك لتصل الرحم و تحمل الكل وتكسب المعدوم وتقرئي الضيف و تعين على نوائب الحق۔

"بخدا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ناکام اور نامراد کر دے اور آپ کی مدد نہ کرے کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' تھکے ہارے اور درماندہ انسانوں کو ان کی منزل تک پہنچاتے ہیں اور ایسی خدماتِ جلیلہ سرانجام دیتے ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی۔ ناداروں کی خبرگیری کرتے ہیں۔ بے ٹھکانہ مسافروں کو اپنا مہمان بناتے ہیں اور حق بجانب امور میں معین ومددگار رہتے ہیں"۔ ("بخاری مع فتح الباری" جلد۱ ص۲۲)

یہ روایت تو بخاری اور مسلم کی ہے۔ طبری وغیرہ میں ہے کہ سیدہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ کبھی کسی فاحشہ کے پاس بھی نہیں گئے ماأتیت فاحشۃ قط ("طبری" جلد۲ ص۲۰۶) سیدہؓ کا مطلب یہ تھا کہ جب محاسنِ اخلاق اور پاکیزہ صفات وشمائل کے اس قدر بوجھ آپ نے اٹھائے ہوئے ہیں تو پھر جو بوجھ آپ پر اور پڑے گا' آپ یقیناً اس کو بھی اٹھالیں گے۔ فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں خدیجہ کی جان ہے' مجھے قوی امید ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے"۔

("سیرۃ ابن ہشام" جلد۱' ص۸۱)

بیہقی نے دلائل میں نقل کیا ہے کہ سیدہ خدیجہؓ نے آپ سے تمام واقعہ سن کر فرمایا:

"آپ کو مبارک ہو اور خوشخبری ہو۔ بخدا حق تعالیٰ شانہ آپ کے ساتھ نیکی اور بھلائی کے ماسوا اور کوئی معاملہ نہیں کریں گے۔ جو منصب اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کے پاس آیا ہے' اس کو قبول کیجئے۔ وہ بلاشبہ حق ہے۔ آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ آپ یقیناً اللہ کے برحق رسول ہیں۔ فانک رسول اللہ حقا"۔ ("فتح الباری" جلد۱۲ ص۳۱۵)

آپ پر یہ خوف وہراس' اضطراب اور بے چینی باعثِ حیرت واستعجاب نہیں بلکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ باعثِ صد حیرت تھا۔ چنانچہ علمائے محققین نے اس حدیث کے ان کلمات فخشیت علی نفسی کی کئی توجیہات کی ہیں۔ ہمارے خیال میں سب سے اچھی توجیہ علامہ بدرالدین عینی نے کی ہے۔ فرمایا:

"سرورِ کائنات کو اس بات پر اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس امرِ عظیم کی ذمہ داری کو آپ پوری طرح سرانجام نہ دے سکیں اور وحی ربانی کے اس بار دوش سے سبکدوش نہ ہو سکیں"۔ ("عمدۃ القاری" جلد۱ ص۶۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی یہی توجیہ کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

العجز عن حمل اعباء النبوہ۔

"ایسا نہ ہو کہ اس بارِ گراں کو میں نہ اٹھا سکوں"۔ ("فتح الباری" جلد۱ ص۲۰)

سیدہ خدیجہؓ کی تسکین دہی سے آپ نے راحت وسکون محسوس کیا اور سیدہؓ کی طرف تشکر و امتنان اور اظہار مودۃ کی نظر سے دیکھا۔ مگر حالت یہ تھی کہ آپ کا تمام جسم تکان اور بوجھ سے چور چور

Marfat.com

تھا۔ بہرحال آپ اپنے کو زندگی کی ایسی شاہراہ پر گامزن کرنے کے لیے تیار کرنے لگے جس میں تمام روحانی کمالات اس طرح جمع ہوں کہ جن کا ایک رخ خدا تعالیٰ کی رضاجوئی میں سرگرم ہو اور دوسرا رخ بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں مصروف عمل ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نبوت اور رسالت کی بشارت دی یہاں تک کہ آپ کو اطمینان ہو گیا۔ پھر کہا پڑھو۔ آپ نے فرمایا میں کس طرح پڑھوں۔ جبرئیل نے کہا: اقراء باسم ربک الذی خلق (الخ) آپ نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو قبول کیا اور واپس گھر تشریف لائے۔ راستہ میں جس درخت اور پتھر پر آپ کا گزر ہوتا وہ آپ کو السلام علیک یارسول اللہ کہتا۔ پس اس طرح آپ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ جیسے سوکھے ہونٹوں کو ٹھنڈا پانی مل گیا ہو، گھر واپس تشریف لائے۔ اور یہ یقین کیے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت کی عظیم شے عطا فرمائی ہے۔ ("خصائص کبریٰ" جلد ۱، ص ۹۳ "عیون الاثر" جلد ۱ ص ۱۶۸)

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ نے غارِ حراء میں جو آپ سے کہا کہ پڑھیے تو آپ کا جواب میں یہ فرمانا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس میں اشکال یہ ہو سکتا ہے کہ اگر آپ امی تھے اور پڑھے ہوئے نہ تھے، لیکن زبان سے کسی کلمہ کی قرات کرنا امیت کے منافی نہیں۔ ایک ان پڑھ اور امی شخص بھی کسی کی تعلیم سے قرات اور تلفظ ادا کر سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ فصاحت و بلاغت کا شہنشاہ ہو اور عرب کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء اس کے سامنے دبے پچے ہوں۔ ہاں امی اور غیر پڑھا لکھا آدمی لکھی ہوئی چیز نہیں پڑھ سکتا۔ اس اشکال کا جواب دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ جبرئیلؑ ایک ریشمی صحیفہ لے کر آئے اور اسے آپ کے دست مبارک میں دے کر فرمایا کہ پڑھو اور آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ ("زرقانی" جلد ۱ ص ۲۱۸)

دوسرا جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ جبرئیل کے اقراء کہنے سے کسی تحریر کا پڑھنا نہیں تھا بلکہ محض زبان سے قراۃ اور تلفظ مقصود تھا۔ لیکن وحی کی ہیبت اور دہشت کچھ ایسی طاری ہوئی کہ زبان نہیں اٹھتی تھی کہ کس طرح پڑھوں۔ اس لیے بعض روایات میں آپ کا جو جواب منقول ہے، وہ ہے کیف اقراء۔

("اشعۃ اللمعات" جلد ۴، ص ۵۲۲، "تیسیر القاری"، جلد ۱ ص ۸ وغیرہ)

بعض روایات میں ہے کہ جب آپ چادر اوڑھے گھر میں آرام فرما رہے تھے اس وقت سیدہ خدیجہؓ تنہا اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے گئیں۔ ورقہ اس وقت بہت بڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ یہ توراۃ و انجیل کے بہت بڑے عالم تھے اور سریانی زبان سے عربی میں انجیل کا ترجمہ کرتے تھے۔ انہوں نے ورقہ بن نوفل کو جا کر یہ سارا واقعہ سنایا۔ ورقہ نے یہ سن کر کہا:

"خدیجہ! اگر تو سچ کہتی ہے تو یقیناً ان کے پاس وہی فرشتہ آیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے

پاس آتا تھا"۔("فتح الباری" جلد ا ص ۲۵)

زرقانی میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدہؓ مزید تحقیق حال کے لیے عداس کے پاس بھی گئیں جو عتبہ بن ربیعہ کے غلام اور مذہباً عیسائی تھے اور مکہ میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ نینوا کے رہنے والے تھے اور نہایت نیک کردار بزرگوار تھے۔ انہیں آسمانی کتابوں پر عبور تھا۔ سیدہ خدیجہؓ نے عداس سے فرمایا"عداس! میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ تجھے جبرئیل کی نسبت کچھ علم ہے؟"

"عداس نے کہا"سیدہ! بت پرستوں کی اس سرزمین سے جبرئیل کا کیا سروکار؟"

سیدہ خدیجہؓ نے پھر پوچھا کہ "جبرئیل کی نسبت تم کیا جانتے ہو؟"

عداس نے کہا"وہ انبیاء علیہم السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والا امانت دار فرشتہ ہے۔ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے پاس وہی فرشتہ اللہ کے پیام لایا کرتا تھا"۔

یہ سن کر سیدہ خدیجہؓ مطمئن ہو کر واپس لوٹیں۔("السیرۃ النبویہ" لابن کثیر جلد ا ص ۴۰۸)

سرکارِ دو عالم ﷺ کی طبیعت میں جب سکون پیدا ہوا اور گھبراہٹ اور کپکپاہٹ کی کیفیت جاتی رہی تو سیدہؓ آپ کو اپنے ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور کہا اے میرے چچازاد بھائی' ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنئے۔ ورقہ نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا"اے بھتیجے! بتاؤ کیا دیکھا؟" آپ نے وہ تمام واقعہ بیان کیا۔ ورقہ نے جب آپ کی بات سنی تو سنتے ہی اسے حق کا یقین آ گیا کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں' وہ بالکل درست اور حق ہے اور ورقہ نے اس حق کا اعتراف کیا۔("فتح الباری" جلد ۱۲ ص ۳۱۷)

ورقہ نے آپ کا یہ حال سن کر یہ کہا کہ یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔(خیر کی خبر لانے والے کو ناموس اور شر کی خبر لانے والے کو جاسوس کہتے ہیں)

("عمدۃ القاری" جلد ا' ص ۵۲)

کاش میں تمہارے زمانہ نبوت میں قوی اور توانا ہوتا جبکہ تمہاری قوم تمہیں وطن سے نکالے گی۔ آپ نے نہایت تعجب سے فرمایا کیا وہ مجھ کو نکالیں گے؟ ورقہ نے کہا کہ صرف آپ ہی پر موقوف نہیں بلکہ جو شخص بھی نبی ہو کر اللہ کا کلام اور پیام لایا' قوم نے اس کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں نہایت زور سے آپ کی مدد کروں گا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔

("بخاری" جلد ا)

ایک روایت میں ہے کہ چلتے وقت ورقہ نے آپ کے سر مبارک کو بوسہ دیا۔ چنانچہ آپ سیدہؓ کے ساتھ واپس گھر تشریف لے آئے۔

("بخاری مع فتح الباری" جلد ا ص ۲۳' "مسلم" حدیث نمبر ۱۶۰' "ترمذی" حدیث نمبر ۳۶۳۶' ۳' "ابن ہشام" جلد ا' ص ۲۶۶' "طبقات ابن سعد" جلد ا' ص ۱۹۴' "طبری" جلد ۲' ص ۲۹۸' "صفۃ

Marfat.com

الصفوۃ" جلد۱، ص۸۷-۸۰، "نہایۃ الادب" جلد۱۶، ص۱۶۸، "سیرۃ الحلبیہ" جلد۱، ص۲۳۳، "دلائل النبوۃ" جلد۱ص۳۹۶)

یہ سب سے پہلی وحی تھی جو سرکارِ دوعالم ﷺ پر ۲۱ رمضان المبارک کو حراء کے غار میں بذریعہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئی۔ اس کے بعد کچھ دنوں کے لیے وحی کا سلسلہ رک گیا تاکہ آپ کے دل سے دہشت اور خوف دور ہو جائے اور آئندہ کے لیے وحی کا شوق اور انتظار قلب میں پیدا ہو جائے۔("فتح الباری" جلد۱، ص۲۷)علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ وحی کے رک جانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا نازل ہونا چند روز کے لیے بند ہو گیا نہ یہ کہ جبرئیل کا آنا بند ہو گیا۔ جبرئیل کی آمد و رفت برابر جاری رہی۔

("عمدۃ القاری" جلد۱ص۷۳)

یہ وحی کتنے دنوں تک بند رہی، اس کے متعلق کوئی واضح روایت نہیں ہے۔ ابن سعد نے سیدنا ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس کا مفہوم ہے کہ یہ بندش صرف چند روز کے لیے تھی۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ یہ بندش اڑھائی سال یا تین سال کے لیے تھی، صحیح نہیں ہے۔ بلکہ بعض روایات کو جوڑنے کے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ بندش صرف ۲۰ روز کے لیے تھی۔

(ملاحظہ ہو "فتح الباری" جلد۱ص۳۱۴)

وحی کی اس بندش کے دوران آپ نہایت غمگین رہے۔ جب آپ کے حزن و ملال میں اضافہ ہو جاتا اور آپ صحراء اور پہاڑ کی چوٹیوں پر ایک اضطرابی کیفیت کے ساتھ تشریف لے جاتے تو جبرئیل امین نمودار ہوتے اور فرماتے "اے محمدؐ! آپ اللہ کے رسول برحق ہیں" یہ الفاظ سن کر آپ کے اضطراب میں سکون کی لہر دوڑ جاتی اور نفس کو قرار آجاتا اور واپس گھر تشریف لے آتے۔

("بخاری" جلد۲، ص۱۰۳۴، کتاب التعبیر"

بخاری میں ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں چلا جارہا تھا کہ اچانک مجھے آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا، آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اس سے خوف زدہ ہو کر زمین کی طرف جا جھکا۔ پھر میں گھر آگیا اور گھر والوں سے کہا کہ مجھے چادر اوڑھادو۔ انہوں نے مجھے چادر اوڑھادی۔ اس کے بعد مجھ پر یاایھا المدثر سے والرجز فاھجر تک آیات نازل ہوئیں۔ اب وحی مجھ پر پیا پے نازل ہونے لگی۔("بخاری"، جلد۲، ص۷۳۳، "مسلم" باب بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "مدارج النبوۃ" میں لکھا ہے کہ آپ کی نبوت آپ کی رسالت سے متقدم تھی۔ محدثین کے نزدیک نبوت میں تبلیغ و انذار شرط نہیں ہے جبکہ رسالت میں تبلیغ و انذار شرط ہے۔ اس دور میں نزول وحی انبیاء علیہم السلام کی اپنی تکمیل اور تہذیب نفس کے لیے مقصود ہوتی تھی۔

Marfat.com

چنانچہ سورۂ اقراء آپؐ ہی کی تعلیم و تکمیل کے لیے نازل ہوئی تھی۔ لیکن جب فترت وحی کے دن ختم ہوئے تو تبلیغ وانداز کے لیے سورۂ مدثر کا نزول ہوا جس کو رسالت سے تعبیر کرنا چاہیے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب پہلی وحی کے بعد نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا جس کی وجہ سے سرورِ کائنات ﷺ نہایت غمگین اور ملول ہوئے۔ لہٰذا کئی بار پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس لیے گئے کہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے پھینک دیں۔ جب بھی اس خیال سے حضور پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو جبرئیل سامنے نظر آنے لگتے اور کہتے یا محمد! آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سن کر سرکارِ دو عالم ﷺ کے دل کو قرار آ جاتا اور جبرئیل کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور حضور ﷺ واپس چلے آتے"۔

("بخاری" جلد ۲، ص ۱۰۳۴)

یہ روایت زہری کی مرسلات میں سے ہے اور ان کی مرسلات کے بارہ میں علمائے جرح و تعدیل یحیٰی بن سعید القطان وغیرہ نے بڑی تنقید کی ہے۔ اس لیے قاضی عیاضؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور وجہ یہ بتائی ہے کہ اس بلاغ کی نسبت معمر کی طرف ہو یا زہری کی طرف یہ مرفوع نہیں۔ درمیان میں دو تین واسطوں کا ذکر نہیں۔ معلوم نہیں یہ کس قسم کے لوگ تھے۔ زہری کی مرسلات کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیت نبوتؐ کے تعلقات اور رشتہ داریاں"۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "محمد رسول اللہ" شیخ عرجون جلد ۱ ص ۳۸۷)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ سیدہ خدیجہؓ کا آپ کو ورقہ بن نوفلؓ اور عداسؓ کے پاس لے جا کر آپ کا حال بیان کرنا اس سے کسی شک اور تردد کا ازالہ مقصود نہ تھا بلکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی تسلی و تشفی مقصود تھی تاکہ آپ پر دہشت و خشیت کی جو کیفیت طاری ہے، اس میں سکون و اطمینان پیدا ہو جائے۔ سیدہؓ نے چونکہ قبل ازیں آپ سے کچھ خوارق اور کرامات دیکھی تھیں اور اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل اور دوسرے کئی لوگوں سے نبی آخر الزمان کے بارہ میں بشارات سنی تھیں، اس وجہ سے جب آپؐ نے غار حراء سے واپس آکر اپنی وحی کا نزول سیدہؓ سے بیان کیا تو سیدہؓ کو سنتے ہی آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا، لیکن فرطِ مسرت اور محبت کے جوش میں مزید اطمینان کے لیے آپ کو ورقہ اور دیگر حضرات کے پاس لے گئیں۔ گویا سیدہؓ آپ کی پریشانی سے مضطرب تھیں ورنہ اپنے دل میں نہایت شاداں و فرحاں تھیں۔

Marfat.com

پریشانی

وحی کے دوبارہ آنے سے سرکارِ دو عالم ﷺ کو بہت خوشی اور مسرت ہوئی۔ روح میں سکینت بس گئی، لبوں پر شگفتگی اور مسکراہٹ، دل میں سرور، آنکھوں میں ایک خاص قسم کا نور پیدا ہو گیا۔ یاس و خوف، امید و مسرت میں بدل گئے۔ زبان حمدِ الٰہی اور تقدس خداوندی میں حرکت کرنے لگی۔ بدن کا رواں رواں شکر اور انابت خداوندی میں مصروف ہو گیا۔

اب جو سورۂ المدثر کی پہلی سات آیات نازل ہوئیں جن میں آپ کو نبوت کے ساتھ رسالت بھی عطا کی گئی کیونکہ اس میں قم فانذر کا پیغام کہ "تیار ہو جائیں تاکہ آپ لوگوں کو عذابِ آخرت سے ڈرائیں" مل گیا تھا۔ سیدہ خدیجہؓ نے آپ کی حالت کو دیکھ کر بانداز لطف و محبت پھر سو جانے کی ترغیب دی تاکہ پوری طرح راحت حاصل ہو، لیکن آپ نے اپنی رفیقہ حیات کو جو جواب دیا اس میں ایک نئی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی تھی۔ آپ نے فرمایا:

"خدیجہ! نیند اور راحت و آرام کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اس وقت جبرئیل نے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے مجھے حکم دیا ہے کہ لوگوں کو ڈرانے اور اس کی طرف آنے کی دعوت دوں اور اس کی عبادت کی تلقین کروں۔ (فقد امرنی جبرئیل ان انذر الناس وان ادعوهم الی الله والی عبادته) کیونکہ وہی ذاتِ واحد عبادت کے لائق ہے لیکن خدیجہ! میں یہ کس سے کہوں، میری بات کون سنے گا!"

اب آپ کو یہ پریشانی تھی کہ "میری بات کون سنے گا؟" یہ سن کر سیدہ خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی، اس کے بعد ورقہ بن نوفل کا واقعہ عرض کرتے ہوئے نہایت اشتیاق اور خلوص کے ساتھ آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئیں۔ ایمان لانے میں سیدہؓ کی سبقت اور اولیت طبعی تھی کیونکہ آپ مسلسل پندرہ سال سے اپنے شوہر کے حالات زندگی کا بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کر رہی تھیں۔ ان کے سامنے

Marfat.com

آپ کا صدق مقال اور بلند اخلاق قدم قدم پر آپ کی روحانی بلندی کی غمازی کر رہا تھا۔ سیدہؓ نے آپ سے اپنے پیہم تعلق میں ذاتِ حق کے ساتھ آپ کا دلی شغف دیکھا جبکہ دوسرے لوگ بتوں کی عبادت اور ان کے تقرب کے لیے دیوانے ہو رہے تھے اور انہیں اپنا فریادرس اور حاجت روا سمجھتے تھے۔ دیکھا کہ طلبِ حق میں آپ کا قلب اور روح بت پرستوں کے تصورات سے بے انتہا مختلف ہے۔ غارِ حراء کی خلوت سے پہلے دولت کدہ پر قیام کے دوران سرکارِ دوعالم ﷺ کے مشاغل سیدہؓ کے ذہن میں گھوم رہے تھے۔ پھر غارِ حراء سے واپسی کے بعد بھی آپ کی گھبراہٹ سیدہؓ کے ذہن میں محفوظ تھی۔ اس وجہ سے سیدہؓ بغیر کسی تامل اور فکر کے فوراً آپ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لے آئیں۔

نبوت ملنے کے بعد سرکارِ دوعالم ﷺ خانہ خدا کے طواف کے لیے حرم میں تشریف لے گئے۔ یہاں ورقہ بن نوفل سے پھر آپ کی ملاقات ہوگئی۔ یہ ملاقات اکیلے میں تھی۔ اب سیدہ خدیجہؓ موجود نہ تھیں۔ سرکارِ کائنات ﷺ نے اپنا تمام ماجرا ورقہ کے گوش گزار کیا جسے سن کر ورقہ نے پھر وہی کہا جو اس سے قبل سیدہ خدیجہؓ کی موجودگی میں کہہ چکے تھے۔ ورقہ نے کہا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یقیناً آپ اس امت کے نبی ہیں" (والذی نفسی بیدہ انک نبی ھذہ الامہ) جو ناموس سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا، وہی آپ پر نازل ہوا ہے۔ لیکن آپ دیکھئے گا کہ یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں گے، آپ کو اذیتیں دیں گے یہاں تک کہ آپ کو آپ کی جنم بھومی یعنی مکہ المکرمہ سے نکال دیں گے اور اس کے بعد اہلِ مکہ آپ سے جنگ بھی کریں گے۔ اگر میں ان دنوں تک زندہ رہا تو ہر قدم پر رضائے الٰہی کے لیے آپ کی نصرت اور اعانت کروں گا۔ یہ کہہ کر ورقہ نے فرطِ عقیدت سے آپ کے سر مبارک کو بوسہ دیا"۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۱، ص ۲۳۸)

گھر آکر آپ نے اپنے ذہن میں دعوتِ خداوندی کا نقشہ تیار کیا۔

ورقہ بن نوفل تو زندہ نہ رہے کچھ روز کے بعد ان کی وفات ہوگئی لیکن جو کچھ انہوں نے کہا، وہ حرف بحرف پورا ہوا۔ ابن ہشام میں ہے کہ ورقہ بن نوفل سرکار دوعالم ﷺ کی بعثت کی خوشی سے جامہ میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ اس ضعیفی اور کبرسنی کے باوجود ان کا یہ معمول تھا کہ اپنی لاٹھی کے سہارے مکہ کی گلیوں میں پھرتے اور جہاں کہیں دو یا زیادہ آدمیوں کو کھڑے دیکھتے، وہیں باآواز بلند پکارتے، "لوگو! مخلوق کا نجات دہندہ آگیا ہے۔ اب بت پرستی کا دور ختم ہوا" لیکن ان کی بات پر کوئی توجہ نہ دیتا۔ اگرچہ وہ آپ کی نبوت کا چرچا ہونے سے پیشتر ہی انتقال کر گئے لیکن سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ "ورقہ عالم رویا میں مجھے ایسی حالت دکھا گئے ہیں کہ انہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ اگر وہ

Marfat.com

جنتی نہ ہوتے تو ان کا لباس سفید نہ ہوتا"۔

("البدایہ والنہایہ" ج ۳ ص ۹، "ترمذی" حدیث: ۲۳۹۰، "تاریخ الاسلام" ذہبی، ج ا ص ۱۱۹)
تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "ابن ہشام" جلد ا، ص ۲۰۹-۲۱۰، "نہایہ الادب"، جلد ۱۶، ص ۱۷۰-۱۷۱، "الروض الانف"، جلد ا، ص ۲۷۴، "السیر والمغازی" ص ۱۲۲۔

آغوش اسلام میں

جناب سرور کائنات ﷺ کی نبوت سے قبل چالیس سالہ زندگی اگرچہ ایک مثالی زندگی تھی۔ آپ اعلیٰ اخلاق اور بہترین کردار کے مالک تھے۔ اپنی قوم میں ان کا ایک وقار تھا۔ اسی وقار کی وجہ سے لوگ انہیں "الصادق" اور "الامین" کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ اب چالیس سال کے بعد آپ کو منصب نبوت و رسالت پر فائز کیا گیا تھا لیکن اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار ہونے کے باوجود نبوت و رسالت کے فرائض اور ان فرائض کی ادائیگی کے طریقوں سے آپ ناآشنا تھے۔ بادیہ نشین اور صحرانورد اور پس ماندہ عرب کا ایک امی اب نہ صرف ان غیر متمدن علاقوں کے بسنے والے انسانوں کے لیے بلکہ پورے عالم کے لیے ہادی اور راہنما بنایا گیا تھا۔ اسے منصب رسالت دیا جا رہا تھا لہٰذا ضروری تھا کہ دوسروں کو دعوت دینے سے قبل وہ خود اس دعوت کا عملی نمونہ بن جائے تاکہ مقصد رسالت پورا ہو۔ کیونکہ منصب نبوت و رسالت اس لیے نہیں کہ صرف پیام پہنچا دیا جائے بلکہ ایک بشر کو نبی یا رسول بنانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ دوسرے انسانوں کے سامنے ایک عملی نمونہ بھی پیش کیا جائے تاکہ دوسرے لوگ اسے دیکھ کر اپنی زندگی کی راہیں متعین کریں۔

چنانچہ نبوت کے بعد کم و بیش تین برس ایسے گزرے جن میں اس امی لقب ﷺ کو عام دعوت و تبلیغ کا حکم نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود کچھ سعادت مند وجود ایسے بھی تھے جو خود ہی شمع کے پروانے بن گئے۔ ان میں سب سے پہلے یہ حضرات ہیں سیدہ خدیجہ طاہرہؓ، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا زید بن حارثہؓ اور سیدہ ام ایمن۔ یہ صرف پانچ حضرات ہیں۔ تین مرد اور دو عورتیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان پانچوں کا تعلق نوع انسانی کے ہر طبقہ سے ہے یعنی مرد، عورت، بچے، آزاد اور غلام۔

ان حضرات نے ابھی تبلیغ اور دعوت کا کام باقاعدہ طور پر شروع نہیں کیا تھا کہ کچھ اور افراد جو اپنے کردار اور اخلاق کے لحاظ سے اس پورے معاشرہ کے نہایت قیمتی موتی تھے اور مستقبل میں ان کی کارکردگی نے یہ بات ثابت بھی کر دی، خود متاثر ہو کر آغوش اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا طلحہ بن عبیداللہ، سیدنا زبیر بن العوام، سیدنا عثمان بن مظعون، سیدنا

Marfat.com

سعد بن ابی وقاص، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح، سیدنا ابو سلمہ بن عبدالاسد اور سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ چنانچہ تعلیم و تربیت کے اس بنیادی دور میں ان کی تربیت بھی ہوتی رہی اور یہ لوگ بعد میں اسلام کے درخشندہ ستارے اور نیر تاباں ثابت ہوئے اور "السابقون الاولون" کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۳ ص ۲۹)

قرآنِ حکیم کی وہ سورتیں جو ابتداء اسلام میں نازل ہوئیں، ان میں تربیتِ نبوت کے اصول جن کو عقائد و نظریات کہا جاتا ہے، کی تعلیم دی گئی تاکہ ذہن میں فکر کی پختگی پیدا ہو اور دعوت کے نصاب کے متعلق آشنائی حاصل ہو اور تربیت کا طریقہ یہ بتایا کہ رات کو اٹھو، جاگو اور رات کا کچھ حصہ یادِ خدا میں کھڑے ہو کر گزارو۔ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر اور نہایت اطمینان سے پڑھو۔ شب بیداری سے مشکلات کو برداشت کرنے اور محنت کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ پھر ہر وقت رب کا ذکر جاری رکھو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو جاؤ۔ دنیاداروں سے کنارہ کشی اختیار کرو لیکن خوبصورتی کے ساتھ تاکہ ان کی نفرت دل میں جگہ نہ پائے۔ کیونکہ مریض سے نفرت پیدا ہونے سے اس کا علاج نہیں ہو سکتا لیکن مرض سے نفرت ہو۔ اس زمانہ تربیت میں جو رنگ آپ پر غالب آتا رہا، وہی رنگ ان لوگوں پر بھی چڑھ گیا جو اول اول اسلام لائے تھے۔ اس طریقہ سے ایک ایسی خدا شناس اور خدا پرست جماعت تیار ہو گئی جو سب کو چھوڑ کر اپنا رشتہ خداوند قدوس سے جوڑ چکی تھی۔ جس کے دل میں صرف خدا تعالیٰ کی عظمت اور محبت تھی اور مخلوق کے درد سے اس کے دل لبریز تھے۔ جس کے دل میں صرف اللہ کا خوف تھا اور دوسرے ہر ایک خوف سے ان کے دل خالی تھے۔

اشرافِ مکہ کی گھبراہٹ

مکہ کی حالت اس زمانہ میں ایک چھوٹے سے جمہوریہ کی تھی۔ اگرچہ مکہ میں کسی بادشاہ کی حکومت نہ تھی لیکن مختلف قبائل کے شیوخ اور سربراہوں کی ایک مشترکہ کونسل تھی اور ہر قبیلہ کا رئیس کسی ایک شعبے کا انچارج تھا۔ اس مشترکہ جماعت کے اجلاس کے لیے ایک اسمبلی ہال تھا جس کو "دارالندوہ" کہتے تھے۔ اس میں ان کے اجلاس ہوا کرتے تھے۔ مختلف قبائل کے کچھ لوگ بڑے دولت مند تھے جو بڑے پیمانہ پر سودی کاروبار کرتے تھے، اور مکمل طور پر سرمایہ دارانہ ذہنیت کے مالک تھے۔ دولت کی حرص ان سرداروں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، مثال کے طور پر عاص بن وائل بڑا دولت مند اور قبیلہ کا سردار تھا لیکن سیدنا خباب کے ساتھ اس کا اس بات پر جھگڑا ہو گیا کہ انہوں نے لوہے کی کوئی شے اسے بنا کر دی تھی، وہ اس کی اجرت مانگتے تھے اور وہ اجرت نہیں دیتا تھا۔ اور یہی عاص بن وائل تھا جس نے یمن کے ایک تاجر سے کچھ مال خرید اتھا اور اس کی قیمت ادا نہیں کرتا تھا جس سے سارے مکہ والوں

Marfat.com

کی بدنامی ہوئی اور جس کے لیے "حلف الفضول" کی طرز پر ایک انجمن بنائی گئی جس نے اس قسم کے مظلوموں کی امداد کا عہد کیا تھا۔ اسی طرح آپ کا چچا ابو لہب تھا۔ اس کا سودی لین دین بڑے وسیع پیمانے پر تھا لیکن حرص و طمع کی حالت یہ تھی کہ خانہ کعبہ سے سونے کا ایک ہرن چوری کر کے فروخت کر دیا تھا جو کافی عرصہ سے بیت اللہ کے خزانہ میں چلا آ رہا تھا۔

اس سرمایہ دارانہ ذہنیت کے معاشرہ میں لوگوں کی ذہنیت مندرجہ ذیل چند اوصاف اور اخلاق کی حامل ہوتی ہے:

۱۔ اپنی اس خوش نصیبی پر کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہیں، انہیں بڑا فخر اور گھمنڈ ہوتا ہے اور جو لوگ مال و اولاد میں کم اور محروم ہوتے ہیں، انہیں اس سماج میں نہایت ذلیل اور حقیر سمجھا جاتا ہے اور اس محرومی پر انہیں بد بختی اور شومئی قسمت کے طعنے دیئے جاتے ہیں۔

۲۔ اس سماج کے لوگ نرم مزاجی سے ناآشنا اور بد اخلاقی کے پیکر ہوتے ہیں۔ اچھے اور نیک کام نہ وہ خود کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ اس وجہ سے غریبوں کی امداد میں روڑے اٹکاتے ہیں، نہ خود خرچ کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو خرچ کرنے دیتے ہیں۔

۳۔ اپنے اثر و رسوخ اور اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھانے سے بھی انہیں کوئی عار نہیں ہوتا۔ دوسروں کو نقصان پہنچانا ان کا دن رات کا مشغلہ بن جاتا ہے۔ اس کے لیے وہ چغلیاں کھانے اور شرارت آمیز پراپیگنڈہ کرنے سے بھی اجتناب نہیں کرتے۔

۴۔ دولت کے انبار لگانا اور اپنی تجوریوں کو بھرنا ان کا دن رات کا مشغلہ اور طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے اور دولت اکٹھی کرنے کے اس نشہ میں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ دولت ختم ہونے والی بھی ہے۔ اس نشہ میں وہ کمزوروں پر ظلم و ستم ڈھانے، ناداروں کو اور زیادہ نادار بنانے اور سماج کے کمزور طبقہ کا خون چوسنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ گویا ان میں ایک مقناطیسی قوت آ جاتی ہے جو ناداروں اور قلاشوں کی جیبوں سے دولت کھینچ کھینچ کر اپنی تجوریوں میں بھرتے رہتے ہیں۔ اسی لیے آج کل کی اصطلاح میں انہیں Magnet کہتے ہیں۔

۵۔ دولت کی اس حرص اور طمع میں وہ خشک مزاج بلکہ بد مزاج، اخلاق ناآشنا اور سخت دل ہو جاتے ہیں اور رحم و شفقت کا مادہ ان کے دلوں سے اس طرح غائب ہو جاتا ہے جس طرح غریب کے گھر سے دولت اور گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوتے ہیں۔

۶۔ ایسے لوگ خدا ناآشنا، خدا سے یکسر بے تعلق، خدا پرستی سے بیگانہ، کج بحث اور اپنی زبان زوری اور زبان درازی سے اپنے عیبوں کو چھپاتے ہیں۔

Marfat.com

یہ وہ چند حقائق اور اوصاف ہوتے ہیں جو سرمایہ دارانہ ذہنیت کے معاشرہ میں چھائے ہوتے ہیں اور یہی اوصاف و اخلاق پورے مکہ میں بلکہ پورے عرب میں چھائے ہوئے تھے کیونکہ اسی ذہنیت کے لوگ اس سماج میں بڑے بڑے شعبوں پر متولی اور قابض تھے۔ اس معاشرہ میں نیکی کی بات کرنا ایک برائی اور گالی سمجھا جاتا تھا اور زندگی کے مختلف شعبوں پر قابض لوگوں کے لیے یہ ناقابلِ برداشت غلطی تھی۔

جونہی سرداران قریش اور ان بڑے لوگوں نے جو اپنے اقتدار کو سنبھالا دینے کے لیے ہر خطرہ کے موقع پر خوردبین سے کام لیتے ہیں، دیکھا کہ ایک ایسا شخص جس کا بچپن، لڑکپن اور جوانی بے داغ گزری اور اپنی بلند کرداری اور صدق مقالی کی وجہ سے وہ پورے سماج کی آنکھ کا تارا ہے، وہ اور اس کے چند ساتھی جن میں کچھ مالدار گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں، ایک انقلاب انگیز زندگی کی دعوت دے رہے ہیں، وہ نہ صرف توحید کی دعوت اور بت پرستی اور شرک کی تردید کرتے ہیں بلکہ یہ جماعت اس سرمایہ دارانہ نظام حیات سے بھی نہ صرف متنفر ہے بلکہ معاشرہ میں نفرت کے جذبات کی آبیاری کر رہی ہے۔ تو ان کے اندر ایک شدید ردعمل نے جنم لیا۔ انہوں نے بھانپ لیا کہ اگر یہ جماعت اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی تو ان کے سرمایہ دارانہ نظام زندگی کی ساری عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔ ایک عام آدمی بھی پھر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے گا۔ مظلوم کا ہاتھ ظالم کے گریبان تک جا پہنچے گا۔ ان کی غرور و تمکنت کی زندگی میں عجز اور مسکنت کی اقدار پیدا ہو جائیں گی۔

چنانچہ انہوں نے اس چھوٹی سی جماعت کی مخالفت شروع کر دی لیکن جس طرح دعوت عام نہیں تھی، اس طرح مخالفت بھی عام نہیں تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں پر ہماری مخالفت کا کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ اگرچہ ہم نے ان لوگوں کو دیوانے اور ان کی دعوت کو "اساطیر الاولین" (دقیانوسی باتوں) کا نام دیا ہے لیکن جس کے پاس بھی ان کا دعوتی پروگرام اور انقلابی دعوت جاتی ہے، وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ قریش مکہ نے اسی میں بہتری سمجھی کہ پیشتر اس کے کہ اسلام کے نام لیواؤں کے اثرات متعدی ہوں، ان سے کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ اس کے لیے سرداران قریش کا ایک وفد رئیس اعظم مکہ ولید بن مغیرہ کی زیرِ قیادت سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے باقی تین ارکان یہ تھے:

۱۔ ابوجہل جو مکہ کا سب سے زیادہ چالاک سردار تھا۔
۲۔ اسود بن عبد یغوث مکہ کا بہت بڑا رئیس اور تاجر۔
۳۔ اخنس بن شریق، طائف کا رئیس اعظم۔

اس وفد نے کہا کہ ہم آپ کی ہر بات ماننے کے لیے تیار ہیں۔ آپ کو اپنا سردار بنانے کے لیے تیار ہیں، سارے مکہ کی دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن آپ یہ ہیجان برپا کرنے

Marfat.com

والے نظریات کا پرچار نہ کریں۔ اپنی دعوت کے انداز میں نرمی پیدا کریں۔ ہمارے بتوں کو برا بھلا نہ کریں لیکن وحی الٰہی نے اس قسم کی پیشکشوں کی تردید کردی۔ کیونکہ اس قسم کی پیشکشوں کی اسلام میں کوئی حیثیت نہیں۔

سب سے پہلا مسلمان

یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اعلان نبوت کے بعد ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہؓ سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں۔ سیدہؓ کو اسلام میں مردوں اور عورتوں سب پر سبقت کا شرف حاصل ہے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ اور علامہ سہیلیؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ان سے پہلے اسلام کی سعادت نہ کسی مرد کو نصیب ہوئی اور نہ کسی عورت کو۔

("ابن الاثیر"، جلد ۲، ص ۵۷، "اسد الغابہ" جلد ۵، ص ۴۳۴، "السیر والمغازی" لابن اسحاق، ص ۱۳۹، "ابن ہشام"، جلد ۱، ص ۲۷۷، "نہایۃ الادب"، جلد ۱۶، ص ۱۷۵ و ۱۸۰، "عیون الاثر" جلد ۱، ص ۹۱، "سیر اعلام النبلاء" ذہبی، جلد ۲، ص ۱۱۵، "طبری"، جلد ۲، ص ۳۰۹-۳۱۰، "مجمع الزوائد"، جلد ۹، ص ۲۱۹، "تاریخ اسلام" ذہبی، جلد ۱، ص ۱۲۷)

لیکن مردوں میں سب سے پہلے آپ پر کون ایمان لایا؟ یہ مسئلہ بعض حضرات کے نزدیک اختلافی اور نزاعی ہے۔ بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ سیدنا علیؓ سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے لیکن اکثریت کی رائے یہ ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ سب سے پہلے دولت ایمانی سے بہرہ اندوز ہوئے۔ چنانچہ امام نخعیؒ فرماتے ہیں:

ابوبکر اول من اسلم۔

"ابوبکرؓ سب سے پہلے شخص ہیں جو آپ پر ایمان لائے"۔

("صفۃ الصفوۃ" جلد ۱، ص ۲۳۷، "البدایہ والنہایہ"، جلد ۳، ص ۲۶، "طبری"، جلد ۲، ص ۵۵، "نہایہ الادب"، جلد ۱۶، ص ۱۸۰)

خود سیدنا علیؓ کا اپنا قول ہے:

اول من اسلم من الرجال ابوبکر الصدیق۔

"مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے"۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۲۷، جلد ۷، ص ۲۳۴، "تاریخ الخلفاء" ص ۳۳)

طبری نے بھی لکھا ہے کہ:

Marfat.com

ان اول من اسلم بعد خدیجہ ابوبکر۔
"سیدہ خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے ابوبکرؓ تھے"۔
("تفسیر مجمع البیان" جلد ۳، ص ۳۳)

شاعر رسول سیدنا حسان بن ثابتؓ نے بھی سیدنا ابوبکرؓ کے بارہ میں یہ لکھا ہے کہ وہ سب سے پہلے سرکارِ دوعالم ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ "اسلام لانے میں سب سے پہلا شخص کون تھا؟" آپ نے جواب میں فرمایا "وہی شخص جس کو حسان بن ثابتؓ نے پہلا اسلام لانے والا کہا ہے"۔

اول الناس منهم صدق الرسلا۔
("البدایہ والنہایہ" ج ۳ص ۲۸، "طبری" ج ۲ص ۵۹، "سبیل الھدیٰ والرشاد" ج ۲، ص ۳۰۶)

سیدنا عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب پہلی مرتبہ سرور کائنات ﷺ کو دیکھا تو اس وقت آپ کے ساتھ صرف پانچ غلام، دو عورتیں اور ایک ابوبکرؓ تھے۔ ("بخاری" جلد ۱ ص ۵۱۶)

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے مقدمہ "فتح الباری" میں ان پانچ غلاموں اور دو عورتوں کے نام بتائے ہیں۔ (۱) سیدنا بلال (۲) سیدنا زید بن حارثہ (۳) سیدنا عامر بن فہیرہ (۴) سیدنا ابو فکیہہ (۵) سیدنا یاسر (۶) سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا (۷) سیدہ سمیہ والدہ عمارؓ بن یاسر (رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین)

پھر سیدنا صدیق اکبرؓ کے لیے یہ بات بھی نہایت قابلِ فخر ہے کہ وہ بغیر کسی سوچ و بچار کے آپؐ پر ایمان لائے۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما دعوت احداً الی الاسلام الا کانت عنده کبوه و تردد و نظر الا ابابکر، ما عنکم عنه حین ذکرته ولا تردد فيه۔

"میں نے جس شخص کو بھی اسلام کی دعوت دی اس کو کچھ نہ کچھ جھجک، تردد اور فکر ضرور رہی سوائے ابوبکرؓ کے۔ جونہی میں نے ان کو اسلام کے متعلق بتایا تو انہوں نے کسی تردد اور تامل کے بغیر فوراً اسلام قبول کر لیا"۔
("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۲۷، "عیون الاثر" جلد ۱ ص ۱۸۳)

حافظ ابن کثیرؒ ہی نے نقل کیا ہے کہ ایک دن سیدنا صدیق اکبرؓ سرکارِ دوعالم ﷺ کو ملنے کے ارادہ سے باہر نکلے کیونکہ آپ زمانہ جاہلیت میں بھی رسول اللہ ﷺ کے دوست تھے۔ جب ابوبکرؓ سرکارِ دوعالم ﷺ سے ملے تو عرض کی کہ میں نے آج آپ کو مجلس میں نہیں دیکھا؟ لوگ آپ کے بارہ میں کچھ ایسی باتیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ سے فرمایا "میں اللہ کا رسول ہوں اور تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں"۔ جونہی آپ نے یہ دعوتی جملہ ختم کیا، روایت کے الفاظ پڑھنے کے قابل ہیں:

Marfat.com

فلما فرغ کلامہ اسلم ابوبکر۔

"جب رسول اللہﷺ اپنی بات سے فارغ ہوئے تو فوراً ابوبکرؓ ایمان لے آئے"۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۲۹-۳۰)

یہ مقام انسانیت کا اعلیٰ ترین مقام ہے جو ابوبکر صدیقؓ کو حاصل تھا۔ وہ خالص جوہر ذاتی کی بنیاد پر کسی شے کی قدر و قیمت کو سمجھ سکتے تھے۔ کوئی شخص پیغمبر اسلامﷺ کی اعلیٰ شخصیت سے متاثر ہوا، کوئی معجزات سے، کوئی قرآن کے مافوق ادب سے، کوئی فتح مکہ سے، کوئی اسلام کی مادی برکات سے اور کوئی کسی اور وجہ سے، لیکن ابوبکرؓ اتنی بلند فکری کے مقام پر تھے کہ مجرد حسن و قبح کی بنیاد پر کسی چیز کو قبول یا رد کر سکتے تھے۔

اسی وجہ سے ایک مرتبہ جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ میں کسی بات پر کچھ ان بن ہو گئی ہے اور اس سے ابوبکرؓ کو کچھ ذہنی کوفت ہوئی ہے تو آپؐ نے غصہ کے لب و لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا لیکن تم نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکرؓ نے تصدیق کی اور اپنی جان اور مال کے ساتھ میری غم خواری اور غم گساری کی۔ تو کیا تم پھر بھی میرے ساتھی (ابوبکرؓ) کو میری خاطر نہ چھوڑو گے یعنی اس کو کوئی تکلیف اور کوفت نہ پہنچاؤ"۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ دہرایا۔ ("بخاری" جلد ۱، ص ۵۱۷، "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۲۷)

حافظ ابن کثیرؒ نے بخاری کی یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وھذا کالنص علی انہ اول من اسلم رضی اللہ عنہ۔

اور یہ روایت اس بات پر ایک نص کی طرح ہے کہ ابوبکرؓ سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔

سرکار دوعالمﷺ نے جس زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا، اس وقت ہر شخص کی زبان پر ایک ہی کلمہ تھا:

محمد بن عبداللہ الامین قد تنباء وقد اتبعہ ابوبکر ابی قحافہ۔

"محمد بن عبداللہ الامین نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اس کی اتباع ابوبکر بن ابی قحافہ نے کی ہے"۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۲۹)

ابوبکرؓ کے اسلام لانے کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جونہی وہ رسول اللہﷺ پر ایمان لائے، فوراً اس کو دوسروں تک پہنچانا شروع کر دیا۔ چنانچہ خود اسلام قبول کرنے کے بعد وہ عثمان بن عفانؓ، طلحہ بن عبیداللہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زبیر بن العوامؓ کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ وہ ان حضرات کو لے کر حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (فانطلقوا الی

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ ومعھم ابوبکر) اور یہ سب حضرات ایمان لے آئے۔

دوسرے روز عثمان بن مظعونؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ، ارقم بن ابی ارقمؓ کو دعوت اسلام دی اور یہ سب جلیل القدر صحابی آپ ہی کی وجہ سے دین اسلام میں داخل ہوئے۔ بعض روایات میں ۳۸ کی تعداد ہے جو آپ کی دعوت سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ابوبکرؓ لوگوں کو دعوت اسلام دیتے اور سرکارِ دو عالم ﷺ وہاں تشریف فرما ہوتے (قام ابوبکر فی الناس خطیبا ورسول اللہ ﷺ جالس) (""البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۳۰)

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ سیدنا علیؓ جس وقت آپ پر ایمان لائے اس وقت ان کی عمر پانچ چھ سال تھی۔ (سیدنا علیؓ کے اسلام اور ان کی وفات کے بارہ عمر کے اختلاف کے لیے ملاحظہ ہو ("استیعاب" جلد ۳، ص ۳۰-۳۱، "نہایہ الادب" جلد ۱۶، ص ۱۸۱، "طبری" جلد ۲، ص ۳۰۹-۳۱۰، "عیون الاثر لابن سید الناس" جلد ۱، ص ۹۲) پانچ چھ سال کا بچہ تو شریعت کا مکلف ہی نہیں اور عندالشرع اس کا اسلام معتبر نہیں۔ پھر روایات میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔

کتم علی اسلامہ ولم یظھرہ *

"سیدنا علیؓ نے اپنا اسلام چھپائے رکھا اور ابو طالب کے خوف سے اسے ظاہر نہ کیا"۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۲۴-۲۶)

ایسا ہی "زرقانی" جلد ۱، ص ۲۴۴ میں ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ صرف اکیلے ایمان نہیں لائے بلکہ ان کے ساتھ ان کا پورا خاندان سوائے ان کے والد ابو قحافہ کے (جو فتح مکہ کے روز ایمان لائے تھے) اور ایک بیٹے عبدالرحمٰن کے، باقی سب ایمان لائے۔ چنانچہ ابن ہشام اور دوسرے مورخین نے سابقین بالایمان کی جو فہرست دی ہے، اس میں سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ اور سیدہ عائشہ بنت ابی بکرؓ کا نام بھی دیا ہے۔

("ابن ہشام" جلد ۱، ص ۲۵۲، "مواہب اللدنیہ" جلد ۱، ص ۴۶)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنہ ۱ نبوی میں سیدہ عائشہؓ کی عمر اتنی تھی کہ وہ ایمان لانے کا شعور رکھتی تھیں۔ اس سے ان لوگوں کے اس دعویٰ کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ نکاح کے وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر چھ سال تھی (سیدہ عائشہؓ کی عمرؓ کے بارہ میں ملاحظہ ہو ہماری کتاب "امہات المومنین")

امام ابو حنیفہؒ نے مختلف روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ:

"آزاد مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکرؓ ایمان لائے، عورتوں میں سیدہ خدیجہ طاہرہؓ

Marfat.com

"غلاموں میں سیدنا زید بن حارثہؓ اور بچوں میں سیدنا علیؓ بن ابی طالب ایمان لائے"۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۲۹، "طبری"، جلد ۲، ص ۶۰)

دعوت و تبلیغ کا یہ عمل اندر ہی اندر جاری تھا اور قریش مکہ کی مخالفت بھی اسی طرح اندر ہی اندر ہو رہی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ چند دنوں میں اسلام کا یہ نخل اپنی جڑوں سے اکھڑ کر صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا لیکن اسلام کی دعوت میں وہ کشش تھی کہ جس کے کان میں اس کا کلمہ پڑ جاتا، وہ ایک مرتبہ اس کی قبولیت کے بارہ میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا۔ اس طرح اسلام کا یہ قافلہ روز بروز بڑھتا رہا۔ گویا کہ۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اسلام کی دعوت میں روز بروز تیزی آتی گئی اور نہ صرف مکہ میں آپ کی دعوت کے بارہ میں پرچار ہونے لگا بلکہ دور دور تک مختلف قبائل میں بھی آپ کا پیغام دعوت پہنچنا شروع ہو گیا۔ سیدنا عمرو بن عبسہؓ اور عمرو بن مرہ جہنیؓ جیسے سربراہانِ قبائل بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ اس طرح دعوت اسلامی کی مقبولیت اور اسلامی برادری میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ جن لوگوں نے ابتداء میں دعوت اسلامی پر لبیک کہا، ان میں ہو سکتا تھا کہ کچھ حضرات معاشرہ کے نچلے طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں لیکن عقل و خرد میں سب ہی ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے۔ اس بارہ میں مسٹر ایس۔ پی اسکاٹ کا تبصرہ قابلِ مطالعہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"محمد ﷺ کی ذات میں کھلی صداقت و دیانت ودیعت تھی۔ آپ کی حقانیت اور زہد و اتقاء کی اس سے بڑھ کر اور کیا قابلِ وثوق شہادت ہو سکتی ہے کہ آپ کے سب سے پہلے پیروکار اور حلقہ اسلام میں داخل ہونے والے حضرات صاحبان دانش و خرد تھے۔ انہوں نے نہایت ادب و احترام اور عقیدت و محبت کے ساتھ اسلام کی دعوت کو قبول کیا۔ تاریخ کے اوراق میں جس قدر ادیان و مذاہب کا ذکر ملتا ہے، ان میں جتنے لوگ بھی ابتداء میں دولت ایمان و ایقان سے مشرف ہوئے، وہ جاہل وان پڑھ لوگ تھے۔ جن کا کوئی کیریکٹر ہی نہ تھا اور کسی طرح اس قابل نہ تھے کہ عامتہ الناس اور اس سماج کی اکثریت انہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتی۔ وہ لوگ تبلیغ کرتے تو ایسی زبان میں جو خلاف محاورہ اور صرف و نحو اور گرامر کے قواعد سے عاری ہوتی تھی۔ اس لیے عامتہ الناس ان کا مذاق اڑاتے۔ وہ ایسے سادہ لوح ہوتے تھے کہ اصحاب فلسفہ اور صاحبان عقل و دانش اور غیر مذہب کے مقتدا ان کی سادگی پر ہنسا کرتے تھے۔ ان کی غالب تعداد ملک کے مجرموں، غلاموں، بھکاریوں اور خدمت گاروں پر مشتمل ہوتی تھی لیکن محمد ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے نیک

Marfat.com

کردار، پاکیزہ خصائل، بلند خیال اور اعلیٰ اخلاق صنادید عرب تھے۔ ان نو مسلموں کی پاکیزگی اخلاق اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ ان کے اغراض نہایت پاکیزہ اور معتقدات بے حد مخلصانہ تھے۔ اگر کوئی ایسا شخص جو ہر وقت لوگوں سے میل جول رکھتا ہو، وحی والہام کا دعویٰ کرے تو اس کے گہرے اور گاڑھے دوست اس کو بمشکل اس دعویٰ میں سچا مانتے ہیں۔ کسی مذہبی معلم و مقنن کو اس صورت میں زیادہ کامیابی ہو سکتی ہے جب وہ لوگوں سے دور رہتا ہو نہ اس طرح کہ اپنے معتقدین سے ہر وقت خلا ملا رکھتا ہو اور ان لوگوں کو ہر وقت اس کے اندرونی حالات جانچنے اور پرکھنے کے مواقع حاصل ہوں"۔

(S. P. Scot: The History Of The Moorish Empire In Europe, Vol I. P. 94. London)

اب ذرا ایک نظر ان لوگوں پر ڈالیں جنہوں نے سن ایک اور دو نبوت میں اسلام کی دعوت کو قبول کیا۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے داخل ہونے والی خاتون سیدہ خدیجہ طاہرہؓ ہیں۔ ان کے ساتھ ہی ان کی چاروں صاحبزادیاں سیدہ زینب، سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ سیدہ فاطمہؓ دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہوئیں۔ ان صاحبزادیوں کے بعد دوسری عورت جو دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں، وہ سیدنا فاروق اعظمؓ کی ہمشیرہ سیدہ فاطمہؓ بنت خطاب تھیں۔ پھر سرور کائنات ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور آپ کے متبنیٰ سیدنا زیدؓ بن حارثہ بن شراحیل الکلبی نے اسلام کی دعوت کو قبول کر کے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔ اسی سال میں سیدنا بلال بن رباحؓ اور ان کی والدہ حمامہؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ سیدنا ابوذر غفاریؓ کے بڑے بھائی انیسؓ بن جنادہ مسلمان ہوئے اور پھر چند دنوں بعد سیدنا ابوذر غفاریؓ (ان کا اصلی نام جندبؓ بن جنادہ تھا) مشرف باسلام ہو گئے۔ عامر بن فہیرہؓ جو سیدنا ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اور صہیب رومیؓ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ سیدنا ابو بکرؓ کا پورا گھرانہ سوائے دو آدمیوں کے مسلمان ہوا، جن میں سیدہ اسماءؓ اور سیدنا عائشہؓ بھی تھیں۔ عمار بن یاسرؓ کا پورا گھرانہ نور ایمان سے منور ہوا۔ بنی زہرہ کے حلیف خباب بن ارت تمیمی اسلام لائے۔ اسلام لانے میں ان کا چھٹا نمبر کہا جاتا ہے۔

سنہ نبوت ہی میں سیدنا مصعب بن عمیر القرشیؓ جو بنی عبدالدار کے نور چشم تھے، عیاش بن ربیعہؓ ارقم بن ابی الارقم المخزومیؓ اور عثمان بن مظعونؓ اور ان کے دو بھائی قدامہ بن مظعونؓ اور عبداللہ بن مظعونؓ سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس سے قبل جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، سیدنا عثمان بن عفانؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سیدنا طلحہؓ اور دوسرے کئی ایک حضرات ابو بکرؓ کے ہاتھ پر اسلام لا چکے تھے۔ امین الامت سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ،

Marfat.com

القرشی الفہری بھی اسی سال حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ کے بھائی عامر بن ابی وقاص ؓ بھی اسی سال اسلام لائے۔ خالد بن سعید بن العاص ؓ الاموی، عتبہ بن غزوان ؓ، مقداد بن عمرو الکندی ؓ (مقداد بن اسود) ام ایمن ؓ، ام الفضل زوجہ عباس ؓ (اصل نام لبابہ تھا) سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ کی والدہ ماجدہ ام عبد بنت عبد ود حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اندازہ فرمائیں کہ دو سال کے قلیل عرصہ میں اتنے لوگوں کا اپنے آبائی عقیدہ کو چھوڑ کر اس کے بالکل برعکس عقیدہ کو قبول کرنا شرک کو خیرباد کہہ کر اللہ وحدہ لاشریک کو قلب میں بسانا حضور ﷺ کے معجزہ سے کم نہ تھا۔

(ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ، جلد ۱، ص ۴۵۳)

نماز کی فرضیت

غار حرا کی سب سے پہلی وحی کے بعد جس شے کی سب سے پہلے آپ کو تعلیم دی گئی وہ وضو اور نماز تھی۔ یہ وہ اہم فریضہ ہے جس کے بارہ میں جناب سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ: "بندے اور کفر کے درمیان حد فاصل نماز ہے"۔ (مسلم)

اور آپ نے سیدنا ابوذر غفاریؓ سے فرمایا:

"ابوذر! اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہ کرنا خواہ تم ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاؤ یا آگ میں جلا دیئے جاؤ اور فرض نماز کبھی نہ چھوڑنا کیونکہ جو کوئی نماز کو دانستہ چھوڑتا ہے وہ عہد اسلام سے بری ہو جاتا ہے"۔ (ابن ماجہ)

نماز کی فرضیت پر جبرئیل امین علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ مکہ اعلیٰ میں تھے۔ وہ آپ کو وادی کی ایک سمت میں لے گئے۔ وہاں ایک پتھر پر اپنی ایڑی ماری، اس سے ایک چشمہ جاری ہوا۔ جبرئیل نے اس سے وضو کیا اور آپ دیکھتے رہے۔ بعد ازاں آپ نے بھی اسی طرح وضو کیا۔ پھر جبرئیل نے کھڑے ہو کر آپ کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ جبرئیل امام تھے اور آپ نے ان کی اقتداء کی۔ وضو اور نماز سے فارغ ہو کر آپ گھر تشریف لائے۔ اور سیدہ خدیجہ طاہرہؓ کو بتایا کہ فریضہ نماز ادا کرنے کے لیے پہلے اس طرح وضو کیا جاتا ہے اس کے بعد جس طرح جبرئیل نے آپ کو نماز پڑھائی تھی، اسی طرح آپ نے سیدہؓ کے ساتھ نماز پڑھی اور انہوں نے آپ کی اقتداء کی۔

("سیرۃ ابن ہشام" ج ۱، ص ۲۴۴، "دلائل ابی نعیم" ج ۱، ص ۷۰، "روض الانف" ج ۱، ص ۲۸۳)

امام سہیلیؒ نے اگرچہ اس روایت کو مقطوع بتایا ہے لیکن سیدنا زید بن حارثہؓ سے مرفوع روایت بھی ہے۔ یہ روایت مسند احمد، سنن دار قطنی اور مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ علامہ سہیلیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ وضو فرضیت کے اعتبار سے مکی ہے اور تلاوت کے اعتبار سے مدنی ہے۔ اس لیے کہ آیت وضو کا

Marfat.com

نزول ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا۔

مقاتل بن سلیمان سے منقول ہے کہ ابتدائے اسلام میں اللہ تعالیٰ نے دو رکعتیں صبح کی اور دو رکعتیں شام کی فرض کیں پھر شب معراج میں پانچ نمازیں فرض کیں۔

("عیون الاثر" جلد ۱، ص ۱۷۸)

ملا علی القاریؒ نے لکھا ہے کہ معراج سے قبل صرف دو نمازیں تھیں۔ ایک طلوع آفتاب سے پہلے اور دوسری غروب آفتاب سے پہلے۔ (ملاحظہ ہو "شرح نقایہ")

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کا قبلہ کعبہ نہیں تھا بلکہ بیت المقدس تھا۔ جب نماز ادا کرنی ہوتی تو رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان کھڑے ہوتے اور کعبہ اپنے شانوں کے درمیان رکھتے۔

نماز تزکیہ باطن کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ غیر اسلامی ماحول میں آنکھیں کھولنے اور نشوونما پانے کے باعث ان لوگوں کے باطن اور نظر و فکر میں جو غلاظتیں لگ چکی تھیں، اس نماز نے ان کے تقویٰ و طہارت میں ایک خاص جلا پیدا کی۔ اس لیے نماز کے ساتھ مسلمانوں کو ایک خاص محبت پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن یہی بات قریش مکہ کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ تھی کیونکہ نماز میں ایک جاذبیت ہے جو دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ بھی بعض دفعہ دروں اور گھاٹیوں میں نماز پڑھا کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ بھی قریش مکہ کے ظلم و ستم سے بچنے کے لیے ان سے چھپ کر نماز پڑھتے لیکن پھر بھی جب کافروں کو مسلمانوں کی اس عبادت کا پتہ چلتا تو وہ ان پر سختیاں کرتے۔

ایک مرتبہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ چند صحابہ کے ساتھ مکہ کی ایک گھاٹی میں مصروف نماز تھے۔ اتفاق سے بت پرستوں کی ایک ٹولی وہاں پہنچ گئی۔ یہ لوگ مسلمانوں کو حالت نماز میں دیکھ کر اس طرح غضب آلودہ ہوئے جس طرح بیل سرخ کپڑا دیکھ کر بھڑک اٹھتا ہے۔ یہ ٹولی یکبارگی نمازیوں پر ٹوٹ پڑی اور انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ سیدنا سعدؓ ایک جوشیلے نوجوان تھے اور رگوں میں اسلام کے لیے جان نثاری کا خون موجزن تھا۔ کفار کی اس ظلم رانی کو برداشت نہ کر سکے۔ اتفاق سے اونٹ کی پسلی کی ایک ہڈی ان کے قریب ہی پڑی تھی۔ انہوں نے نماز کو چھوڑ کر اسی ہڈی سے ایک بت پرست کا سر پھوڑ ڈالا۔ یہ دیکھ کر حملہ آور ٹھنڈے ہو گئے۔ مسلمان بھی اپنے اپنے گھروں میں چلے آئے۔ اسلام میں یہ اپنی قسم کا پہلا ہی واقعہ تھا۔ ("ابن ہشام" وغیرہ)

دار ارقم میں

دو سال کی تبلیغ کے دوران جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، اہل اسلام کی چھوٹی سی جماعت بن گئی تو سیدنا ارقمؓ کے مکان میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جمع ہونے کا حکم دیا اور قریباً ہر روز وہاں اجتماع

Marfat.com

ہوا کرتا تھا۔ اس مکان کو اجتماع کے لیے مخصوص کرنے کا سب سے بڑا مقصد کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ارقم بن ابی ارقم بنو مخزوم سے تعلق رکھتے تھے اور بنو مخزوم کا قبیلہ اس زمانہ میں دولت و ثروت کے لحاظ سے تمام قبائل میں بلند مقام رکھتا تھا۔ ابو جہل کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا اور وہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ غریب اور نادار مسلمانوں کو اس کے ہاتھوں سخت اذیت پہنچتی تھی۔ لہٰذا اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے دار ارقم سے زیادہ اور کوئی محفوظ جگہ نہ تھی۔ اور ابو جہل اور دیگر قریشی سردار اس مکان میں داخل افراد پر زیادتی اور سختی نہیں کر سکتے تھے۔ ارقم بن ابی ارقمؓ کا مکان کوہ صفا کے دامن میں تھا۔ سیدہ عمر بن الخطابؓ کے ایمان لانے تک صحابہ کرامؓ وہیں جمع ہوتے اور وہی مسلمانوں کا مرکز تبلیغ تھا۔ جب سیدنا عمرؓ ایمان لائے اس کے بعد پھر مسلمان جہاں چاہتے، وہیں جمع ہو جاتے کیونکہ سیدنا عمرؓ کے ایمان لانے سے کفر کی عمارت میں دراڑیں پڑ گئیں۔

یہ ارقم بن ابی ارقمؓ ساتویں یا دسویں مسلمان ہیں۔ یہ بدر، احد اور دوسرے غزوات میں موجود تھے اور سیدنا معاویہؓ کے عہد خلافت ۵۵ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

(''الاصابہ'' جلد ۱، ص ۲۸، ترجمہ ارقم)

سیدنا ابوذر غفاریؓ کا قبول اسلام

روایات کے مطابق سرکارِ دو عالم ﷺ مخفی طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے اور لوگ بھی مخفی طور پر اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ لیکن پھر بھی قریش مکہ نے ان تمام لوگوں پر زندگی سخت کر دی جو حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ کفار مکہ نے ان پر طرح طرح کے مظالم توڑے اور کوئی سختی کا حربہ ایسا نہ تھا جس کو انہوں نے نہ آزمایا ہو۔ حتیٰ کہ اگر باہر سے کوئی شخص آتا اور کلمہ اسلام پر ایمان لاتا تو وہ اس کو بھی اپنے ظلم و تشدد کا نشانہ بناتے۔ اس سلسلہ میں امام بخاریؒ نے سیدنا ابوذر غفاریؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا ہے جب انہیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعثت کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا تاکہ وہ صحیح صورت حال کا پتہ لے کر آئیں۔

چنانچہ وہ مکہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی دعوت سنی اور واپس جا کر سیدنا ابوذرؓ کو بتایا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے کہ وہ اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں جو شاعری نہیں۔ سیدنا ابوذرؓ کو اپنے بھائی کی باتوں سے تسلی نہ ہوئی۔ انہوں نے فوراً زادِ راہ تیار کیا اور مختصر سا سامان لے کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ چونکہ وہ سرور کائنات ﷺ کو پہچانتے نہ تھے اس لیے قیافہ وغیرہ سے آپ کو تلاش کرتے رہے لیکن ناکام رہے۔ سیدنا علیؓ نے انہیں دیکھ لیا۔ پتہ چلا کہ دو تین راتوں سے وہ حضور ﷺ کی تلاش میں سرگرداں ہیں کیونکہ خود وہ آپ کی صورت سے آشنا نہیں اور

Marfat.com

قریش سے بوجہ ان کی سختی کے پوچھ نہیں سکتے۔ سیدنا علیؓ ان کے پاس سے گزرے اور پوچھا کہ کیا آپ کو ابھی تک اس شخص کا ٹھکانہ نہیں ملا؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ سیدنا علیؓ نے آنے کی غرض و غایت پوچھی۔ سیدنا ابوذرؓ نے کہا کہ اگر وعدہ کرو کہ تم میری رہبری کرو گے تو بتاؤں گا۔ سیدنا علیؓ نے وعدہ کیا۔ سیدنا ابوذرؓ نے آنے کی غرض و غایت بتائی اور بتایا کہ میں تین روز سے ان کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ مختصر یہ کہ سیدنا علیؓ نے آپ کی خدمت اقدس میں پہنچا دیا۔ انہوں نے سرکارِ دوعالم ﷺ سے اسلام کی تعلیمات پوچھیں یہاں تک کہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ابوذرؓ کو اسلام کے اظہار سے منع فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ واپس وطن لوٹ جاؤ۔ سیدنا ابوذرؓ نے قسم کھا کر کہا: "اے اللہ کے رسول! میں اپنے اسلام کو چھپا نہیں سکتا۔ ابھی لوگوں کے سامنے اونچی آواز میں جا کر اعلان کروں گا"۔ چنانچہ اسی وقت مسجد الحرام میں تشریف لائے اور قریش کے مجمع میں سب کو مخاطب کر کے اپنے اسلام کا اظہار فرمایا۔ یہ سن کر قریش نے کہا: "اس بے دین کو لینا"۔ یہ کہنا تھا کہ چاروں طرف سے لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر سیدنا عباسؓ ان کے اوپر گر پڑے اور اہلِ مکہ سے فرمایا "شرم نہیں آتی ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو حالانکہ اس کا قبیلہ تمہاری تجارت کی گزرگاہ میں ہے۔ اس پر سب ہٹ گئے لیکن ؎

عشق را با مصلحت اندیشی مجنوں چہ کار

سیدنا ابوذرؓ برابر کلمہ توحید کو دہراتے رہے۔ اور پھر وہی مسجد الحرام تھی اور وہی صنادید قریش کا مجمع اور وہی ان کی ستم رانی۔

("بخاری"، جلد۱، ص۵۴۵، "مسلم" جلد۱، ص۲۹۵، "مستدرک حاکم" جلد۳، ص۳۸، "البدایہ والنہایہ" جلد۳، ص۳۴، "الاصابہ" جلد۲، ص۶۲)

اس طرح اور لوگ بھی قریش مکہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے رہے لیکن ان میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس نے ظلم و ستم سے تنگ آ کر کلمہ توحید کو چھوڑا ہو۔ اسی وجہ سے آپ دار ارقم میں چھپ کر اللہ رب العزت کی عبادت اور اس کے دین کی تعلیم دیتے تھے۔

اسلام کے ان متوالوں پر ظلم و ستم ڈھانے والے ابولہب جیسے سرمایہ دار، عاص بن وائل جیسے ذخیرہ اندوز جو مزدور کی مزدوری برسوں تک ٹالتے رہتے تھے، ولید بن مغیرہ جیسے مال و دولت کے حریص جو دولت کے انبار موجود ہونے کے باوجود بھی طمع و لالچ کا جہنم اپنے اندر لیے ہوئے تھے، ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط جیسے باغی و طاغی اور عتبہ بن ربیعہ اور مسعود ثقفی جیسے فیوڈل لارڈز اور جاگیردار جن کی زندگی کا نصب العین ہی جاگیرداری اور زر اندوزی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ ان سرمایہ داروں کے کیریکٹر کی

Marfat.com

ایک معمولی سی جھلک قرآن حکیم کی سورہ ھمزہ (نمبر۱۰۴) میں دکھائی گئی ہے۔ اور ان لوگوں کے بارہ میں سیدنا ابوذر غفاریؓ ہی کی ایک روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ خانہ کعبہ کی دیوار کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ فرمارہے تھے:

ھم الاخسرون ورب الکعبہ یوم القیامہ۔

"رب کعبہ کی قسم قیامت کے دن یہی لوگ بہت بڑے خسارہ میں ہوں گے"۔

سیدنا ابوذرؓ فرماتے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی زبان مبارک سے میں نے یہ الفاظ سنے تو چونک گیا۔۔۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں میرے بارہ میں تو کوئی آیت نازل نہیں ہوئی؟ لہٰذا میں نے عرض کیا! "اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ بدنصیب کون ہیں؟" آپ نے فرمایا "جو سب سے زیادہ دولت مند ہیں، صرف وہ مستثنیٰ ہیں جو آگے پیچھے دائیں بائیں سب طرف خرچ کرتے ہیں"۔

("مسلم" جلد۱، ص۳۲۰، "ترمذی" جلد۱، ص۷۸)

Marfat.com

دعوتی جدوجہد

اعلانِ نبوت کے بعد سرکارِ دوعالم ﷺ کی دعوتی جدوجہد کے سلسلہ میں آپ کے ہاں وہی فطری ترتیب نظر آتی ہے جو کسی نئے ماحول میں ایک داعی کو پیش آتی ہے حالات کا یہ سخت تقاضا تھا کہ اس دعوتی کام کو اولاً پوشیدہ طور پر کیا جائے۔ چنانچہ حافظ ابنِ کثیر نے محمد بن اسحاق کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:

"ایک روز سیدنا علی بن ابی طالبؓ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آئے۔ اس وقت آپؐ اور سیدہ خدیجہ طاہرہؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ سیدنا علیؓ نے پوچھا: "اے محمدؐ یہ کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "اللہ کا دین جس کو اس نے اپنے لیے منتخب فرمایا اور اس کی تبلیغ کے لیے اپنے رسول بھیجے"۔ پھر فرمایا میں تجھ کو ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے اور اس کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ تم لات و عزیٰ کو ماننا چھوڑ دو۔ سیدنا علی ابنِ ابی طالبؓ نے کہا یہ ایک ایسی بات ہے جس کو اس سے قبل میں نے کبھی نہیں سنا۔ لہٰذا میں اس بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک اپنے باپ ابوطالب سے بات نہ کرلوں۔ آپ کو یہ پسند نہ آیا کہ اعلان سے پہلے یہ راز کھل جائے۔ آپؐ نے فرمایا اے علیؓ! اگر تم اسلام نہیں لاتے تو اس معاملہ کو پوشیدہ رکھو۔ سیدنا علی ابنِ ابی طالبؓ اس رات آپؐ کے ہاں ہی رکے رہے۔ پھر اللہ نے ان کے دل میں اسلام ڈال دیا۔ (ثم ان اللہ اوقع فی قلب علی الاسلام) اگلے روز صبح وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "اے محمد! کل آپؐ نے مجھ سے کیا فرمایا تھا؟" آپؐ نے فرمایا: "گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور لات اور عزیٰ کو نہ مانو اور جن کو خدا تعالیٰ کا شریک بنایا جاتا ہے، ان سے بیزاری کا اظہار کرو۔ سیدنا علیؓ نے اس بات پر عمل کیا اور اسلام لے آئے۔ اس کے بعد ابوطالب کے ڈر سے آپ کے پاس چھپ چھپ کر

Marfat.com

آتے رہے اور سیدنا علیؓ نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور اس کو ظاہر نہ کیا"۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۲۴)

نہ صرف اس موقع پر بلکہ آپ ؐ نے اپنی پوری زندگی میں شدت سے اس کا اہتمام رکھا کہ کوئی اقدام اس وقت سے قبل نہ کیا جائے جب کہ اس کی طاقت پیدا ہو چکی ہو۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کے ساتھ ۳۸ صحابہ کرامؓ جمع ہو گئے تو سیدنا ابو بکرؓ نے آپ ؐ سے "ظہور" کے لیے اصرار کیا یعنی اب ہم سامنے آجائیں اور کھلم کھلا دین کی دعوت دیں مگر آپ ؐ کا جواب تھا: "یا ابا بکر انا قلیل" (اے ابو بکر! ہم ابھی تھوڑے ہیں) اسی طرح سن ۶ نبوی میں جب سیدنا عمرؓ اسلام لائے تو انہوں نے بھی آپ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! ہم اپنے دین کو کیوں چھپائیں۔ جبکہ ہم حق پر ہیں؟ اس کے برعکس دوسروں کا دین نمایاں رہے حالانکہ وہ سرا سر باطل پر ہیں؟" پیغمبر ﷺ کا جواب انہیں بھی یہی تھا: "یا عمر انا قلیل" (اے عمر! ہم ابھی تھوڑے ہیں) آپ کا یہی انداز مسلسل جاری رہا۔ چنانچہ بیعت عقبہ کے وقت اوس و خزرج کے ابتدائی مسلمان جب یثرب واپس ہوئے تو آغاز میں ان کا طریقہ بھی یہی تھا کہ خفیہ طور پر دعوتی کام کرتے۔ (فرجعوا الی قومھم یدعوھم سرا، طبرانی) لیکن جب ہجرت کے بعد اسلامی طاقت ایک جگہ مرتکز اور منظم ہو گئی اور قریش فوج لے کر اس کے استیصال کے لیے میدان بدر میں آگئے تو ایک طرف تو حکم الٰہی نازل ہوا: اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا کہ اب ان مظلوموں کو ان کے حریفوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کی اجازت دی جاتی ہے) اور دوسری طرف بدر کے میدان میں جب آپ ؐ کے صحابہ کرامؓ نے اسلام دشمن قوت سے مقابلہ شروع کیا تو آپ ؐ نے فرمایا ھذا یوم لہ ما بعدہ گویا اہلِ اسلام کے لیے عملی اقدام کا وقت وہ ہوتا ہے جب وہ اس پوزیشن میں ہو جائیں کہ اپنے اقدام سے اسلام کے لیے نیا مستقبل پیدا کر سکتے ہوں۔ اس سے پہلے عملی اقدام جائز نہیں۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کی زندگی کے ان واقعات سے ان اسلامی جماعتوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو طاقت نہ ہونے کے باوجود الیکشن کے میدان میں کئی سالوں سے کود رہی ہیں اور انجام کار شکست کا منہ دیکھ کر مسلمانوں کے لیے ندامت کا باعث بن رہی ہیں۔ جب جمہوریت میں بندوں کو گنا جاتا ہے تو پہلے ان کو اپنی گنتی میں اضافہ کرنا چاہیے۔ اسی بے وقت اقدام نے پاکستان میں مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے اور اسلامی نظام نافذ نہ ہونے میں اسلام کا نام لینے والی ان جماعتوں کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔

ضماد ازدیؓ کا قبول اسلام

ضماد بن ثعلبہ ازدی زمانہ جاہلیت ہی سے آپ کے دوستوں میں سے تھا۔ یہ جھاڑ پھونک سے لوگوں

Marfat.com

کا علاج کیا کرتا تھا۔ بعثت کے بعد یہ مکہ آیا تو ایک عجیب منظر دیکھا کہ لڑکوں کا ایک ہجوم آپ کے پیچھے ہے۔ کوئی ان میں سے آپ کو ساحر اور جادوگر کہتا ہے۔ تو کوئی دیوانہ اور مجنون۔ یہ دیکھ کر ضماد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آسیب اور جنون کے علاج سے بخوبی واقف و آشنا ہوں، لہٰذا اگر آپ میں آسیب کے کچھ اثرات اور جنون کی کچھ علامات ہیں تو مجھے علاج کی اجازت مرحمت فرمائیے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو میرے ہاتھوں سے شفا عطا فرمائے۔ آپؐ نے ضماد کو جواب میں کچھ نہیں فرمایا بلکہ یہ چند کلمات اس کے سامنے پڑھے:

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له واني اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، واشهد ان محمدا عبده و رسوله۔

"سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ہم سب اسی کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے مغفرت کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کے شر سے، جس کو وہ ہدایت سے نوازے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں وہ اپنی ذات میں یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول برحق ہیں"۔

ضماد نے جونہی آپ کے منہ سے یہ کلمات سنے، جسم پر ایک لرزہ سا طاری ہو گیا اور عرض کیا کہ ان کلمات کو پھر پڑھئے۔ بخدا میں نے بہت سے شعر سنے اور کاہنوں کے بہت سے کلمات منتر سنے لیکن ان جیسا کلام زندگی میں کبھی نہیں سنا۔ یہ کلمات تو فصاحت و بلاغت کی انتہائی گیرائی اور گہرائی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ یہ کہہ کر فوراً کہا "اور میں بھی یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا اور یکتا ہے، اس کا کوئی ذات و صفات میں شریک نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں" پھر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور دولت ایمان سے بہرہ مند ہو کر اپنی قوم کی طرف چلے گئے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۳۶، "مسند احمد" جلد ۱، ص ۳۰۲، "الاصابہ" جلد ۲، ص ۲۱۰، "خصائص کبریٰ" جلد ۱، ص ۱۳۴، "دلائل النبوۃ" جلد ۲، ص ۱۰، "صفۃ الصفوۃ"، جلد ۱، ص ۶۰۴، "دلائل النبوۃ" لابی نعیم، نمبر ۱۸۷، "مسلم" نمبر ۸۶۸، "سیرۃ الحلبیہ" جلد ۱، ص ۳۲۹)

Marfat.com

سرکارِ دوعالم ﷺ کے صرف یہ چند کلمات سن کر ضماد ازدیؓ کا حلقہ اسلام میں داخل ہو جانا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ عرب بادیہ، بالکل سیدھے سادھے اور کم فہم لوگ نہ تھے بلکہ نہایت باشعور اور باتوں کی گیرائی اور گہرائی تک پہنچنے والے لوگ تھے۔ اسی وجہ سے ضمادؓ حضور ﷺ کے صرف چند کلمات سن کر آپ کے دعویٰ کی تہ تک پہنچ گیا۔ اور فوراً اسلام میں داخل ہو گیا۔

یہ صرف ضماد ازدیؓ پر ہی منحصر نہیں، اس زمانہ میں کئی لوگ اس قسم کا شعور رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک قبیلہ کے سات نومسلم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گفتگو کے دوران انہوں نے بتایا کہ ہم نے جاہلیت سے پانچ چیزیں سیکھی ہیں۔ ہم ان پر اس وقت تک قائم رہیں گے، جب تک آپ ہمیں ان سے منع نہ کر دیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ خصلتیں کیا ہیں جو تم نے زمانہ جاہلیت سے پائی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

"خوش حالی میں شکر کرنا، مصیبت میں صبر کرنا، مڈبھیڑ کے وقت سچا ثابت ہونا، تقدیر پر راضی رہنا، کسی کی مصیبت پر خوش نہ ہونا خواہ دشمن پر ہی کیوں نہ ہو"۔

یہ سن کر سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

"یہ لوگ اہلِ علم اور اہلِ ادب ہیں۔ ان کے اندر انبیاء کی شان ہے، کتنی اعلیٰ ہیں ان کی باتیں"۔ ("کنز العمال" جلد ا، ص ۶۹)

لوگوں نے جو آپ کی دعوت کو قبول کیا اس میں دعوت کی ہمہ گیری کو بھی بہت بڑا دخل تھا، کیونکہ دعوت کی ہمہ گیری قلب و ذہن میں خود جگہ بنا لیتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب اشراف قریش نے ابو طالب کی معرفت حضور ﷺ سے پوچھا کہ آخر آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

"میں صرف ایک بات کا مطالبہ کرتا ہوں اگر تم اسے مان لو تو تم سارے عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم تمہارا مطیع و فرمانبردار ہو جائے گا"۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۲: ص ۱۲۳)

توحید کا کلمہ بظاہر صرف ایک اعتقادی کلمہ ہے لیکن اس کے اندر ہر قسم کی انسانی فتوحات کا راز چھپا ہوا ہے۔ یہ انسانی فطرت کی آواز ہے اس لیے وہ انسانی نفسیات کی انتہائی گہرائیوں میں شامل ہو جاتا ہے اور اکثر خود مخالفین کے اندر اپنے حامی پیدا کر لیتا ہے۔ خالد بن ولید فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام لائے۔ لیکن اسلام کی سچائی بہت پہلے سے ان کے قلب میں ان کا پیچھا کیے ہوئے تھی۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے اپنے بارے میں بتایا کہ میرے دل میں بہت پہلے یہ بات پڑ چکی تھی کہ حق قریش کی طرف نہیں بلکہ محمد ﷺ کی طرف ہے اور مجھے آپ ﷺ کے ساتھ مل جانا چاہیے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے ان کی بات نقل کی ہے کہ:

Marfat.com

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تمام جنگوں میں شریک رہا مگر کوئی جنگ ایسی نہیں تھی جس میں میں شریک ہوا ہوں اور یہ خیال لے کر واپس نہ آیا ہوں کہ میں صحیح جگہ نہیں کھڑا ہوں"۔(البدایہ والنہایہ" جلد ۴)

اسی طرح بہت سے لوگوں کے بارہ میں روایات ملتی ہیں کہ ان کے دل میں بہت پہلے سے اسلام کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو چکا تھا حتیٰ کہ وہ اس کا خواب دیکھنے لگے تھے، جیسے خالد بن سعید بن العاص ؓ نے اسلام سے پہلے خواب دیکھا تھا کہ وہ آگ کے بہت بڑے گڑھے کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں۔ انہیں کوئی دھکا دے کر اس میں گرانا چاہتا ہے۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے آپ کو آگ میں گرنے سے بچالیا۔

Marfat.com

تین سالوں میں ایمان لانے والے حضرات

اس تین سالہ خفیہ دعوت کے نتیجہ میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

بنی ہاشم میں سے

(۱) جعفر بن ابی طالبؓ (۲) اسماء بنت عمیسؓ زوجہ جعفرؓ بن ابی طالب (۳) صفیہ بنت عبدالمطلبؓ (سرکار دو عالم ﷺ کی پھوپھی) (۴) اروٰی بنت عبدالمطلبؓ

بنی مطلب میں سے

(۵) عبیدہ بن حارث بن المطلبؓ

بنی عبد شمس میں سے

(۶) ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ۔ (۷) سہلہؓ بنت سہیل بن عمرو (زوجہ ابو حذیفہؓ)

بنی امیہ میں سے

(۸) عثمان بن عفانؓ (۹) اروٰیؓ بنت کریز (والدہ سیدنا عثمانؓ)، (۱۰) خالدؓ بن سعید بن العاص (۱۱) امیمہؓ بنت خلف (۱۲) ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان (۱۳) عبداللہؓ بن جحش (۱۴) ابو احمدؓ بن جحش (۱۵) عبیداللہ بن جحش (یہ سیدہ ام حبیبہؓ کا خاوند تھا۔ ہجرت کر کے حبشہ گیا اور وہاں عیسائی ہو کر مر گیا)

بنی عدی میں سے

(۱۵) سعید بن زید بن عمرو بن نفیل (سیدنا عمرؓ کے بہنوئی) (۱۶) فاطمہؓ بنت خطاب (سیدنا عمرؓ کی بہن)

Marfat.com

(۱۷) زیدؓ بن الخطاب (سیدنا عمرؓ کے بھائی) (۱۸) عامرؓ بن ربیعہ (۱۹) لیلیٰؓ بنت ابی حثمہ (عامرؓ کی اہلیہ) (۲۰) معمرؓ بن عبداللہ بن نضلہ (۲۱) نعیم بن عبداللہ النحامؓ (۲۲) عدیؓ بن نضلہ (۲۳) عروہؓ بن اثاثہ (عمرو بن العاص کے ماں جائے بھائی) (۲۴) مسعودؓ بن سوید بن حارثہ بن نضلہ (۲۵) واقدؓ بن عبداللہ (۲۶) خالدؓ بن بکیر بن عبدیالیل (۲۷) ایاس بن بکیرؓ (۲۸) عامرؓ بن بکیر (۲۹) عاقلؓ بن بکیر

بنی تیم میں سے

(۳۰) ام رومانؓ (سیدنا ابوبکرؓ کی اہلیہ) (۳۱) اسماءؓ بنت ابی بکرؓ (۳۲) عائشہؓ بنت ابی بکرؓ (۳۳) طلحہؓ بن عبیداللہ (۳۴) صعبہ بنت حضرمی (والدہ سیدنا طلحہؓ) (۳۵) حارثؓ بن خالد (۳۶) صہیب بن سنان الرومی (حلیف بنی تیم)

بنو اسد بن عبدالعزیٰ میں سے

(۳۷) زبیرؓ بن العوام (۳۸) خالدؓ بن حزام (حکیمؓ بن حزام کے بھائی) (۳۹) اسودؓ بن نوفل (۴۰) عمروؓ بن امیہ۔

بنو زہرہ میں سے

(۴۱) عبدالرحمنؓ بن عوف (۴۲) شفاؓ بنت عوف (۴۳) سعدؓ بن ابی وقاص (۴۴) عمیرؓ بن ابی وقاص (۴۵) عامرؓ بن ابی وقاص (۴۶) مطلبؓ بن ازھر (۴۷) رملہؓ بنت ابی عوف (اہلیہ مطلبؓ) (۴۸) طلیبؓ بن ازھر (۴۹) عبداللہؓ بن شہاب

حلفاء بنی زہرہ میں سے

(۵۰) عبداللہؓ بن مسعود (۵۱) عتبہؓ بن مسعود (۵۲) مقدادؓ بن عمرو الکندی (۵۳) خبابؓ بن الارت (۵۴) شرحبیلؓ بن حسنہ (۵۵) جابرؓ بن حسنہ (۵۶) جنادہؓ بن حسنہ۔

بنی عبدالدار میں سے

(۵۷) مصعبؓ بن عمیر (۵۸) ابو الرومؓ بن عمیر (۵۹) فراسؓ بن النضر (۶۰) جہمؓ بن قیس۔

بنی جمح میں سے

(۶۱) عثمانؓ بن مظعون (۶۲) قدامہؓ بن مظعون (۶۳) عبداللہؓ بن مظعون (۶۴) سائب بن عثمانؓ

Marfat.com

بن مظعون (۶۵) معمرؓ بن حارث بن معمر (۶۶) حاطبؓ بن حارث (۶۷) فاطمہؓ بنت مجلل (۶۸) خاطبؓ بن حارث (۶۹) فکیہہؓ بنت یسار (۷۰) سفیانؓ بن معمر (۷۱) نبیہؓ بن عثمان

بنی سہم میں سے

(۷۲) عبداللہؓ بن حذافہ (۷۳) خنیس بن حذافہ (ام حبیبہؓ کے پہلے شوہر) (۷۴) ہشامؓ بن عاص بن وائل (۷۵) حارثؓ بن قیس (۷۶) بشیرؓ بن حارث (۷۷) معمرؓ بن خارث (۷۸) قیسؓ بن حذافہ (۷۹) ابو قیسؓ بن حارث (۸۰) عبداللہؓ بن حارث (۸۱) سائبؓ بن حارث (۸۲) حجاجؓ بن حارث (۸۳) بشرؓ بن حارث (۸۴) سعیدؓ بن حارث

حلفاء بنی سہم میں سے

(۸۵) عمیرؓ بن رباب (۸۶) محمیہؓ بن الجزاء

بنی مخزوم میں سے

(۸۷) ابو سلمہ عبداللہؓ بن عبدالاسد (۸۸) ام سلمہؓ (جو بعد میں ام المومنینؓ بنیں) (۸۹) ارقمؓ بن ابی ارقم (۹۰) عیاشؓ بن ابی ربیعہ (ابو جہل کے ماں جائے بھائی) (۹۱) اسماءؓ بنت سلامہ (۹۲) ولید بن ولید بن مغیرہؓ (خالد بن ولید کے بھائی) (۹۳) ہشامؓ بن ابی حذیفہ (۹۴) سلمہؓ بن ہشام (۹۵) ہاشمؓ بن حذیفہ (۹۶) ہبارؓ بن سفیان (۹۷) عبداللہؓ بن سفیان

حلفاء بنی مخزوم میں سے

(۹۸) یاسرؓ (۹۹) عمار بن یاسرؓ (۱۰۰) عبداللہ بن یاسرؓ

بنی عمار بن لوی میں سے

(۱۰۱) ابو سبرہؓ بن ابی رہم (۱۰۲) ام کلثومؓ بنت سہیل بن عمرو (۱۰۳) عبداللہؓ بن سہیل بن عمرو (۱۰۴) حاطبؓ بن عمرو (۱۰۵) سلیطؓ بن عمرو (۱۰۶) سکرانؓ بن عمرو (۱۰۷) یقظہ بنت علقمہ (سلیط بن عمرو کی اہلیہ) (۱۰۸) مالکؓ بن زمعہ (۱۰۹) عبداللہؓ بن ام مکتوم

بنی فہر بن مالک میں سے

(۱۱۰) ابو عبیدہؓ بن الجراح (۱۱۱) سہیلؓ بن بیضاء (۱۱۲) سعدؓ بن قیس (۱۱۳) عمروؓ بن حارث بن زہیر

(۱۱۴) عثمانؓ بن عبد غنم بن زہیر (۱۱۵) حارثؓ بن سعید (۱۱۶) طلیبؓ بن عمیر۔ یہ بنی عبد قصی میں سے تھے اور آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے)

ان حضرات کے علاوہ وہ لوگ بھی تھے جو آغاز ہی میں آپ پر ایمان لے آئے جیسے سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا زیدؓ بن حارثہ، سیدہ خدیجہؓ، سیدہ ام ایمنؓ اور آپ کی تین صاحبزادیاں سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ بھی تھیں۔ سیدہ زینبؓ کی عمر رسول اللہ ﷺ کے منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے وقت ۱۰ سال تھی اور سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کی عمر ۱۰ سال سے کم تھی اور سیدہ فاطمہؓ نبوت کے ایک سال بعد پیدا ہوئیں۔ اس وجہ سے آپ کی تین صاحبزادیوں کا شمار ابتدائی مسلمانوں میں ہوتا ہے۔

ان حضرات کے علاوہ کچھ غلام اور لونڈیاں بھی تھیں جو ان تین سالوں میں آپ پر ایمان لائیں۔ جن کا ذکر ہم نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔

Marfat.com

پہاڑی وعظ

روایات کے مطابق سرکارِ دو عالم ﷺ عرب کے بتکدے میں مخفی طور پر توحید کا پرچار کرتے رہے اور لوگ آہستہ آہستہ اس دعوت کی جاذبیت سے حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ تین سال کی دعوتی تربیت کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ اب علی الاعلان اسلام کی دعوت دیں۔

فاصدع بما تومرو اعرض عن المشرکین۔ و انذر عشیرتک الاقربین۔ واخفض جناحک لمن تبعک من المومنین، وقل انی انا النذیر المبین۔

"آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے، اس کا صاف صاف اعلان کر دیجئے اور مشرکین کی پروانہ کیجئے اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو (کفرو شرک سے) ڈرایئے اور جو ایمان لا کر آپ کا اتباع کرے اس کے ساتھ شفقت اور نرمی کا معاملہ کیجئے اور آپ یہ اعلان کر دیجئے کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں"۔

اس حکم کی تعمیل میں آپ صفا کی پہاڑی پر چڑھے۔ اس زمانہ میں یہ پہاڑی بلند تھی۔ اگرچہ آج بھی اس پہاڑی کا وجود باقی ہے لیکن اب یہ پہاڑی شہر مکہ کی سطح کے برابر ہو گئی ہے۔ حرم کعبہ اس کے دامن میں تھا۔ اس پہاڑی پر چڑھ کر آپ نے نام لے لے کر عرب کے قبائل کو پکارا، اے بنی عدی، اے بنی ہاشم، اے بنی فہر وغیرہ۔

یہ آواز ہر کان میں پہنچی۔ یہ ایک نہایت محترم شخصیت کی آواز تھی کیونکہ قریش کے تمام قبائل اس شخصیت کے گرویدہ تھے۔ اسے "الصادق" اور "الامین" کے معزز القاب سے پکارتے تھے۔ لہٰذا یہ آواز سنتے ہی تمام قبائل کے لوگ چھوٹے اور بڑے، خواص اور عوام جمع ہو گئے۔ جب سب لوگ پہاڑی کے دامن میں جمع ہو گئے تو آپ نے ان سب سے پہلے ایک سوال کیا:

Marfat.com

"اگر میں یہ کہوں کہ یہ وادی جو اس پہاڑ کے عقب میں ہے، یہاں دشمن کی فوج موجود ہے اور وہ عنقریب تم پر حملہ آور ہونے والی ہے تو کیا تم سب لوگ میری اس بات کی تصدیق کرو گے؟"

سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا:

"بے شک، کیونکہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ آپ ہمیشہ سچ ہی بولتے ہیں"۔

جب اپنی راست گوئی کی ان سے تصدیق کروالی تو پھر فرمایا:

"عذاب خداوندی کا لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ قبل اس کے کہ عذاب خداوندی کا یہ لشکر تم پر حملہ کرے، میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں"۔

پھر آپ نے اپنی نبوت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے موضوع پر کچھ ارشاد فرمایا۔ بہت ممکن تھا کہ لوگ کچھ اثر لیتے اور آپ کے مشن کی تصدیق کرتے، لیکن آپ کے اپنے ہی خاندان بنو ہاشم سے ایک قریبی بوڑھا ابولہب (عبد العزیٰ) بھڑکتا ہوا اٹھا اور یہ کہتا ہوا اس اجتماع سے چل دیا:

"محمدؐ تیرے ہاتھ ٹوٹیں، کیا تو نے اس لیے ہمیں یہاں اکٹھا کیا تھا؟"

("بخاری" جلد ۲، ص ۷۰۲، "مسلم کتاب الایمان"، ص ۲۰۸، "طبری" جلد ۲، ص ۳۱۹، "روض الانف" جلد ۲، ص ۱۰۹)

ابولہب آپ کے والد ماجد عبداللہ کا بڑا بھائی تھا۔ عمر رسیدہ اور خاندان کا سرپرست تھا۔ مال و دولت کا مالک بھی تھا۔ لوگوں نے جب اتنے بڑے آدمی کو خفا ہو کر جاتے دیکھا تو دوسرے لوگ بھی اس کو دیکھ کر چل دیئے۔ لیکن آپ کی یہ دعوت بااثر رہی کیونکہ ہر آدمی کے ذہن میں آپ کی دعوت نبوت اور توحید خداوندی کا سوال گھر کر چکا تھا۔ وہ اپنے گھروں میں جا کر بھی اس بات پر غور و فکر کرتے رہے۔ ہمدردانہ انداز میں بھی اور مخالفانہ انداز سے بھی۔ اور یہی ایک داعی حق کی کامیابی ہوتی ہے کہ لوگ اس کی بات کو ذہنوں میں رکھ کر اس پر غور و خوض کریں۔

پہاڑی وعظ کا اثر

آپ کا یہ پہاڑی وعظ ختم ہو گیا۔ لوگ گھروں کو چلے گئے لیکن ہر شخص کے ذہن میں محمد ﷺ کی سابقہ زندگی تھی جو برف کی طرح بالکل صاف اور شفاف تھی۔ خدیجہ طاہرہؓ بھی اسی زندگی کو دیکھ کر آپ پر ایمان لائی تھیں اور ابوبکر صدیقؓ بھی اسی زندگی سے متاثر ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور قرآن حکیم نے بھی آپ کی اسی سابقہ زندگی کو آپ کی صداقت کی دلیل بنایا ہے:

"بے شک میں اس سے قبل تم لوگوں کے درمیان اپنی زندگی بسر کر چکا ہوں کیا تم سمجھ

Marfat.com

بوجھ سے کام نہیں لیتے"۔(۱۰ : ۱۶)

گویا کہ جب آپ نے کسی انسانی اور دنیوی معاملہ میں جھوٹ نہیں بولا اور چالیس سال تم آپ کی صداقت کو دیکھ کر اسے "الصادق" اور "الامین" کہتے رہے ہو تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اکتالیسویں سال میں قدم رکھتے ہی وہ شخص کذاب اور مفتری بن جائے۔

اب سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی دعوت کے لیے ایک اور طریقہ اختیار کیا۔ وہ یہ کہ آپ نے بنو عبدالمطلب کی ایک دعوت کی جس میں کم و بیش چالیس آدمی اکٹھے ہو گئے۔ اس میں آپ کے چچا ابولہب، ابوطالب، حمزہ اور عباس بھی شامل تھے۔ کھانا تھوڑا تھا اور آدمی زیادہ۔ آپؐ نے گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر دندان مبارک سے چیرا اور پھر اسی پیالے میں رکھ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ۔ پھر یہ ہوا کہ اسی ایک پیالہ گوشت سے سب مدعوئین سیر ہو گئے اور کچھ بچ بھی گیا۔ ایک پیالہ دودھ تھا۔ سیدنا علیؓ سے آپؐ نے فرمایا کہ سب لوگوں کو باری باری پلاؤ۔ اسی ایک پیالہ سے سب لوگ سیراب ہو گئے حالانکہ یہ ایک پیالہ صرف ایک آدمی کو سیراب کر سکتا تھا۔

کھانے سے فراغت کے بعد آپ نے کچھ فرمانا چاہا تو آپ کا چچا ابولہب پھر اٹھا اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہنے لگا "لوگو! اٹھو محمدؐ نے آج تمہارے کھانے پر جادو کر دیا ہے۔ ایسا جادو جو اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا۔ ابولہب کی اس بات پر تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور آپ کو کچھ فرمانے کی نوبت نہ آئی۔ دوسرے روز آپ نے پھر اسی طرح دعوت کا اہتمام فرمایا۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ جو شے میں نے تمہارے سامنے پیش کی ہے، کسی شخص نے بھی اس سے بہتر شے اپنی قوم کے سامنے پیش نہیں کی۔ وہ شے یہ ہے کہ میں دنیا و آخرت کی خیر تمہارے لیے لے کر آیا ہوں۔

("فتح الباری"، جلد ۸، ص ۳۸۶، "خصائص کبریٰ"، جلد ۱، ص ۱۲۳، "دلائل النبوۃ" جلد ۱، ص ۴۲۸، "مجمع الزوائد" جلد ۹، ص ۱۱۳)

سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ بات تو کہہ دی لیکن مشرکین میں اس کا ردعمل نہایت سخت ہوا۔ اب آپ نے پہلے سے برعکس اعلانیہ توحید خداوندی کا پرچار اور شرک و کفر کی قباحت بیان کرنا شروع کر دی۔ بتوں کی حقیقت اور ان کی مشرکانہ خرافات کو واشگاف لفظوں میں آپ نے بیان کرنا شروع کر دیا۔

گویا کہ آپ کا یہ اعلان بقول مولانا حالی

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی

حضور ﷺ کے اس اعلانِ توحید نے عرب کی پرسکون فضا کو ہلا کر رکھ دیا۔ کیونکہ ان کی پشتوں کے

Marfat.com

رسم ورواج کا صفایا ہو رہا تھا۔ ان کے معبودان باطلہ کی جڑ کاٹی جا رہی تھی۔ لیکن دوسری طرف جو شخص یہ بات کہہ رہا تھا وہ بھی کوئی معمولی شخص نہ تھا۔ مکہ کا سب سے زیادہ قابلِ اعتبار شخص تھا جس سے وہ اس سے قبل برکت حاصل کیا کرتے تھے۔ اپنے معاملات میں اس کا حکم ماننے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ اس کو صادق اور امین کہتے تھے۔ اس لیے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس معاملہ کو کیسے حل کیا جائے۔ ایک طرف محمد ﷺ تھے اور دوسری طرف ان کے باطل معبود تھے۔ ان کے نزدیک یہ کہنا کہ یہ بت نفع و نقصان پہنچانے اور ان کی حاجت روائی اور مصائب کے ازالہ کی طاقت نہیں رکھتے، ان کے معبودوں کی سخت توہین تھی بلکہ ان کے حق میں یہ ایک گالی کے مترادف بات تھی۔ ہمارے باپ دادا ان بتوں کی پوجا کرتے رہے ہیں اور مدتوں سے کرتے رہے ہیں تو کیا وہ احمق اور گمراہ تھے۔ یہ تو ہمارے بزرگوں کے حق میں بھی گالی ہے۔

اس سے پہلے تو آپ مخفی طور پر یہ باتیں کہتے تھے لیکن اب تو خدائی حکم کے تحت سرکارِ دوعالم ﷺ نے مکہ کے گلی کوچوں، بازاروں اور قریش کی مجلسوں میں علی الاعلان اس بات کا پرچار شروع کر دیا کہ اے لوگو! تمہارے یہ بت تمہیں نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ آپ کی ایک ہی آواز تھی اور ایک ہی سلوگن تھا کہ اے لوگو! قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا، لا الہ الا اللہ کہو تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ یہی بات میلوں ٹھیلوں میں بھی کہی جاتی۔ اب تو ہر ایک کے کان اس بات سے آشنا ہو گئے کہ یہ بت بے کار ہیں۔ ان کی عبادت کرنا فضول ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ نہ یہ حاجت روا ہیں اور نہ مشکل کشا۔ یہ ساری خوبیاں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود ہیں۔

روٴسائے قریش ایک مخمصے میں تھے کہ اس شخص کے مقابلہ میں کیا کریں۔ لوگ پہلے ہی سے اس کی ذات سے متاثر ہیں۔ کہیں لوگوں کے ذہنوں میں اس کے خلاف ایکشن لینے پر کوئی ہیجان پیدا نہ ہو۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ اس کی دعوت دل کو لگتی ہے، اگر لوگوں نے اس کو قبول کر لیا تو پھر ہمارے خلاف انقلاب کی ایک لہر عوام میں اٹھ کھڑی ہوگی۔ کیونکہ ہمارے گھروں میں دولت کے انبار دراصل عوام کا خون چوس کر حاصل کیے گئے ہیں۔ ہمارے عالیشان مکانات غریبوں کی ہڈیوں پر استوار ہیں۔ ہمارا سارا رعب و دبدبہ غلاموں اور نچلا طبقہ کے دم قدم سے ہے۔ لہٰذا اس آواز کو ہر طریقہ سے دبانا ہو گا۔

کئی روز کی سوچ بچار اور غور و خوض کے بعد انہیں ایک راستہ سمجھ میں آیا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید اس طریقہ سے دعوت توحید کی یہ آواز دب جائے۔ وہ راستہ یہ تھا کہ ایک وفد کی شکل میں سرکارِ دوعالم ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس جائیں اور ان سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ آپ کو اس مشن سے روکیں۔ وہ بنو ہاشم کے سردار ہیں۔ محمد ﷺ ان کا یتیم بھتیجا ہے۔ وہ اگر روکیں گے تو وہ ضرور ان کے کہنے سے اس کام سے رک جائے گا۔

چنانچہ اشراف قریش میں سے چند لوگ ابو طالب کے پاس گئے اور کہا "ابو طالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ ہماری اور ہمارے باپ دادا کی عقلوں کو حماقت زدہ کہتا ہے، ہمارے دین کو اباطیل و خرافات کا مجموعہ قرار دیتا ہے اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ اور سیدھے راستہ سے بھٹکے ہوئے بتاتا ہے۔ لہٰذا:

۱۔ یا تو آپ اس کو ان باتوں سے روک دیں۔

۲۔ یا پھر ہمارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جائیں۔

آپ بھی چونکہ ہماری ہی طرح ان کے مخلف دین پر ہیں، ہم ان کے معاملہ میں آپ کے لیے بھی کافی رہیں گے۔

اس وفد کے جواب میں ابو طالب نے انہیں نہایت نرم لہجے میں بات کر کے اور سمجھا بجھا کر واپس کر دیا اور سرکارِ دو عالم ﷺ علی الاعلان دین اسلام کے فروغ اور اس کی اشاعت کے لیے بلا جھجک مصروف رہے۔ ("سیرۃ ابن ہشام"، جلد۱، ص۲۶۵، "تاریخ الاسلام" ذہبی، جلد۱، ص۱۴۸)

ایک اور روایت میں ہے کہ وفد کے اراکین نے ابو طالب سے کہا کہ یا تو آپ اپنے بھتیجے کو اس کام سے روک دیں ورنہ لڑ کر ہم سے ایک نہ ایک فریق ہلاک ہو جائے گا۔ وفد کے اراکین تو یہ کہہ کر چلے گئے لیکن ابو طالب متفکر ہو گئے کیونکہ ابو طالب میں پوری قوم کی مخالفت کی طاقت نہیں تھی، چنانچہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ گھر تشریف لائے تو ابو طالب نے کہا: "بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور یہ کہہ کر گئے ہیں لہٰذا تم مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کھاؤ اور مجھ پر ناقابلِ برداشت بار نہ ڈالو"۔

آپؐ ابو طالب کی اس بات اور اس کے لب و لہجہ سے سمجھ گئے کہ ابو طالب میری حمایت اور نصرت سے کنارہ کش ہونا چاہتے ہیں۔ آپ نے پرنم آنکھوں اور غم زدہ قلب کے ساتھ ابو طالب سے فرمایا:

"چچا! بخدا اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب لا کر رکھ دیں اور یہ کہیں کہ اس دعوت کے کام کو چھوڑ دو تو میں ہرگز اس کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ یا تو دین کو غالب کر دے یا پھر میں ہلاک ہو جاؤں"۔

ابو طالب نے سرکارِ دو عالم ﷺ کا عزم صمیم اور اپنے مشن پر ثابت قدمی دیکھ کر کہا: "جانِ عم! میں تمہیں دشمنوں کے حوالے نہیں کروں گا"۔

("سیرۃ ابن ہشام"، جلد۱، ص ، "البدایہ والنہایہ" جلد۳، ص۴۷)

اسلام روز بروز معاشرہ میں نفوذ کر رہا تھا۔ ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ کسی نہ کسی شخص کا

Marfat.com

مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا۔ یہ بات قریش مکہ کے لیے سوہان روح تھی۔ وہ کسی صورت میں بھی اس صورت حال کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ابو طالب کے پاس وفد کی ناکامی نے انہیں اور بھی مشتعل کر دیا۔ ادھر سرکارِ دو عالم ﷺ کی زبان پر بتوں کی بے چارگی کا بر ملا چرچا تھا جس سے قریش مکہ کے سینوں پر سانپ لوٹ جاتا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگتا۔ اس سے پہلے وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی باتوں کا تمسخر اڑانا اپنا دھرم سمجھتے۔ دار الندوہ میں کعبہ کے پاس بیٹھ کر بتوں کی آرتی لگاتے اور ہر مجلس میں آپ کا استہزاء اڑا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے۔ تنہائی اور خلوت میں سرور کائنات ﷺ کی روش سے لات و عزیٰ اور دوسرے بتوں کی طرفداری کے غم میں انگاروں پر لوٹنے لگتے۔ لیکن اب معاملہ اس سے بہت آگے جا چکا تھا۔ اب انہوں نے نہایت سنجیدگی سے اس نئے دین کے روکنے کے بارہ میں سوچنا شروع کر دیا۔

قبول اسلام پر اذیتیں

قریش مکہ رسول اللہ ﷺ کے اس رویہ سے بپھر گئے۔ ان پر راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ ہر قبیلہ اپنے خویش و اقارب مسلمان کی ایذا رسائی پر تل گیا۔ سب سے پہلے وہ غلاموں اور نچلے طبقہ کے لوگوں کی ایذادہی پر کمربستہ ہو گئے تاکہ انہیں واپس کفر میں لا کر مسلمانوں کی تعداد میں کمی کی جائے۔ سیدنا بلال حبشیؓ جو غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے، ان کی مشق ستم کا نشانہ بنے۔ انہیں چلچلاتی دھوپ میں گرم ریت پر لٹا کر گرم اور وزنی پتھر ان کے سینہ پر رکھ دیا جاتا اور ان سے کہا جاتا کہ یا تو اسلام چھوڑ دیں یا موت قبول کر لیں۔ لیکن بلالؓ نے کسی حالت میں بھی اسلام کو چھوڑنا قبول نہ کیا۔ اور "احد، احد" کے سوا اور کوئی لفظ ان کی زبان سے نہ نکلا۔ جب دھوپ میں تیزی نہ رہتی تو گلے میں رسی بندھوا کر لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا تاکہ مکہ مکرمہ کے اس سرے سے اس سرے تک گھسیٹتے پھریں۔

سیدنا خباب بن الارتؓ کو طرح طرح کی تکالیف دی گئیں۔ ایک روز انہیں دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا گیا اور ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا تاکہ وہ کروٹ نہ بدل سکیں یہاں تک کہ کوئلے ان کے خون اور چربی سے تر ہو کر ٹھنڈے ہو گئے۔

سیدنا عمار بن یاسرؓ کی والدہ سمیہؓ کی اندام نہانی میں ابو جہل نے برچھی ماری اور وہ جام شہادت نوش کر گئیں۔ یہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے اپنی جان راہ خدا میں دی۔ رضی اللہ عنہا۔

ابو فکیہہؓ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ صفوان ان کو تپتی ہوئی ریت پر ڈال دیتا اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا۔ ایک روز اتنا بھاری پتھر رکھا کہ ان کی زبان باہر نکل آئی۔

غلاموں کے علاوہ آزاد مسلمانوں کی ایذادہی میں بھی قریش نے کوتاہی نہ کی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ

Marfat.com

بھی جو بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کے دو قبیلوں کی پناہ میں تھے، وہ بھی ان کی ایذا سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل نے یہ دستور ہی بنالیا تھا کہ گھر کی ساری نجاست جمع کر کے آپ کے راستہ میں پھیلا دیتی۔ لیکن آپ زبان سے کچھ کہے بغیر راستہ سے وہ غلاظت ایک طرف ہٹا کر گزر جاتے۔

ابو جہل (عمرو بن ہشام) آپ کی ایذا دہی میں سب سے آگے تھا۔ آپ کو طرح طرح کی تکالیف پہنچاتا۔ ایک دن اس نے جب کہ آپ سجدے کی حالت میں تھے، اونٹ کی اوجھڑی اٹھوا کر آپ کی پشت مبارک پر رکھ دی۔ آپ یہاں سے اٹھ کر اپنے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔ آپ کی صاحبزادی نے آپ کی پوشاک دھو کر صاف کی۔ اس کے علاوہ قریش کی طرف سے دل آزار فقروں کی آندھی چاروں طرف سے چلتی رہی جو آپ نہایت صبر و استقامت سے برداشت کرتے رہے۔ لیکن قریش کے یہ تمام حربے مسلمانوں کو اپنے دین سے برگشتہ نہ کر سکے بلکہ یہ تمام سزائیں اور ایذا رسائیاں اور بھی ثابت قدمی کا ذریعہ بنتی گئیں۔ ان کے نزدیک ایمان اتنی بڑی نعمت تھی کہ جو لوگ انہیں ایذائیں دیتے صحابہ کرامؓ انہیں بھی حلقہ اسلام میں لانے کی کوشش کرتے۔ ان کی خوشی اس میں تھی کہ ہمارے ایذا رساں بت پرستی کے چنگل سے آزاد ہو کر توحید کے متوالے بن جائیں۔

عجیب بات یہ تھی کہ جن لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے سرکارِ دوعالم ﷺ نے اصلاح و رشد کا یہ بیڑا اٹھایا، انہی کے ہاتھوں سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو نئی نئی تکلیفیں پہنچنے لگیں۔ ان کے شاعر اپنے اشعار میں آپ کی ہجو کرتے۔ قریش نے ایک شخص کو اس پر اکسایا کہ وہ اس مصلحِ اعظم ﷺ کو خانہ کعبہ کے سامنے قتل کر دے۔ آپ کے دولتکدہ پر سنگ باری ہونے لگی۔ لیکن تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے حوصلوں میں کوئی کمی نہ آئی۔

پھر ایک وقت چشمِ آفتاب نے یہ بھی دیکھا کہ اصحابِ محمدؐ کو مصائب اور تکالیف میں ایک قسم کا لطف محسوس ہونے لگا۔ قریش جب ان کو ایذا پہنچاتے تو یہ انہیں توحید کا وعظ شروع کر دیتے جو ان کے سرور و لطف کی ایک علامت تھی۔

ایسا بھی ہوا کہ بعض صحابہ کرامؓ نے کبھی اگر ان ایذاؤں کی شکایت بھی کی تو آپ نے گزشتہ امتوں کے مومنین کے واقعات سنا کر تسلی دی۔ چنانچہ سیدنا خباب بن ارتؓ نے فرمایا کہ ایک روز سرکارِ دوعالم ﷺ خانہ کعبہ کے سایہ میں سر مبارک کے نیچے چادر رکھے ہوئے لیٹے تھے۔ ہم نے آپ سے التماس کی: "اے اللہ کے رسول! آپ دعا فرمائیں کہ خداوند قدوس ہم مسلمانوں کی یہ تکلیفیں دور فرمادے"۔ آپ نے اٹھ کر فرمایا کہ تم سے پہلے بعض اہلِ ایمان کی استقامت کا یہ عالم تھا کہ زمین میں گڑھا کھود کر مومن کو اس میں گاڑ دیا جاتا تھا۔ پھر آرہ لا کر اس کے سر پر رکھا جاتا تھا اور چیر کر اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن یہ تکالیف ان کو دین کی راہ سے نہیں پھیر سکتی تھیں۔ اسی طرح کسی کے لیے

Marfat.com

لوہے کی کنگھی تیار کی جاتی تھی اور گوشت کے نیچے ہڈیوں اور پٹھوں پر چلادی جاتی تھی۔ لیکن یہ عذاب بھی اس کو دین حق سے منحرف نہیں کر سکتا تھا اور خدا بزرگ و برتر کی قسم، حق تعالیٰ شانہ دین اسلام کی تکمیل کرے گا اور اسے ایسا غلبہ عطا فرمائے گا کہ ایک سوار صنعا سے حضرموت تک نہایت امن و سکون کے ساتھ سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی اور کا خوف نہ ہوگا لیکن تم جلدی کرتے ہو"۔

("بخاری")

قریش مکہ کی الجھن

انہی دنوں قریش کے سامنے ایک اور الجھن پیدا ہوگئی یعنی ابھی علانیہ اور کھلم کھلا تبلیغ پر چند ہی مہینے گزرے تھے کہ حج کا موسم آگیا۔ قریش کو پتہ تھا کہ اس موسم میں عرب سے مختلف وفود کی آمد شروع ہوگی۔ لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں کوئی ایسی بات کہیں جس کی وجہ سے اہلِ عرب کے دلوں پر آپ کی دعوت کا مطلق اثر نہ ہو۔ چنانچہ وہ اس بارہ میں مشورہ کے لیے ولید بن مغیرہ کے پاس اکٹھے ہوئے۔ بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے پایا کہ پہلے محمد ﷺ سے الگ گفتگو کرلی جائے۔ سب اشراف قریش نے ولید بن مغیرہ ہی کو گفتگو کے لیے منتخب کیا۔ ولید بن مغیرہ (والد خالد بن ولیدؓ) مکہ کا سب سے بڑا دولت مند تھا۔ ایک رئیس کی سب خوبیاں اس میں موجود تھیں۔ بہترین خطیب، بلند پایہ شاعر، نہایت تجربہ کار اور سرد و گرم چشیدہ تھا۔ عمر رسیدہ اور ایسا سلیقہ مند کہ شاہان ایران، افریقہ اور شام کے درباروں میں جاتا رہتا تھا اور ان درباروں میں اس کی عزت افزائی ہوتی تھی۔

ولید بن مغیرہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، گفتگو کی۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے اپنے مشن کے مقصد کی وضاحت فرمائی اور قرآن حکیم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں۔

قرآن حکیم کی آیات نے ولید کے دل پر اثر کیا۔ ولید آپ ﷺ سے یہ آیات سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ وہ آپ کو دین اسلام کی تبلیغ سے منع کیا کرتا، اب وہ خود گم ہوگیا۔ آپ ﷺ سے وہ کوئی بات نہ کہہ سکا۔ چنانچہ خاموشی سے مجلس نبوی سے اٹھا اور جب واپس پہنچا تو ایک عجیب و غریب حالت میں تھا۔ بعض روایات میں ہے ولید سرکارِ دوعالم ﷺ پر ایمان لے آیا تھا۔ لیکن جب قبول اسلام کے بعد گھر واپس آرہا تھا تو راستہ میں ایک دوست ملا۔ ولید نے اس سے اپنے قبول اسلام کا ذکر کیا۔ وہ کہنے لگا! ولید سخت افسوس کا مقام ہے کہ تو نے اپنے آبائی دین اور بزرگوں کے رسم و رواج کو چھوڑ کر ایک نئے دین کو قبول کرلیا۔ اس نے کہا کہ آخرت کے عذاب کی فکر ہے اس لیے دین حق کو قبول کیا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر عذاب کا اندیشہ ہے تو مجھے کچھ مال دو، میں اس کے عوض تمہارے سارے گناہ اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ ولید نے وعدہ کیا کہ میں تمہیں اس قدر مال دوں گا، لیکن اس کے بعد کچھ تھوڑا سا مال اور دستاویز لکھوا کر شہادتیں کرا

Marfat.com

لیں اور دین اسلام کو چھوڑ کر مطمئن ہو بیٹھا کہ تمام گناہ ختم ہو گئے جس پر سورۂ النجم کی ۳۳ سے ۴۱ تک کی آیات نازل ہوئیں۔ (لباب النقول)

ہجرت نبوی کے چند ماہ بعد ولید مر گیا۔ کہتے ہیں کہ ولید نزع کے وقت بڑی جزع فزع کرتا رہا۔ ابو جہل پاس بیٹھا تھا۔ پوچھا کہ جزع فزع کی کیا وجہ ہے؟ بولا مجھے خوف ہے کہ ابن ابی کبشہ (محمدؐ) کا دین مکہ میں رواج نہ پا جائے۔ ابو جہل نے تسلی دی اور کہا کہ "میں اس بات کا ذمہ لے چکا ہوں کہ یہاں محمد ﷺ کا دین رائج نہ ہونے دوں گا"۔

غرضیکہ لوگوں کو خیال ہوا کہ ولید بہک گیا ہے اور ہمیں چھوڑ کر محمد ﷺ کا ہو گیا ہے۔ لیکن ولید بایں ہمہ عقل و دانش حیران تھا کہ جو کلام سنا ہے، اس کے بارہ میں اور خود محمد ﷺ کے بارہ میں کیا فیصلہ کرے۔ پورے غور و فکر سے کام لیتے ہوئے ولید نے مجلس کے ارکان سے کہا:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کاذب نہیں کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ کاہن ہے۔ اس کا کلام شعر بھی نہیں ہے کیونکہ میں بذات خود شعر و سخن کا ماہر ہوں۔ میں کاہنوں کی تک بندیوں کو بھی جانتا ہوں۔ محمد ﷺ جو کلام پیش کرتا ہے وہ ان سب سے بہت بلند ہے۔ اس کا کوئی جواب نہیں۔ اس کی تاثیر اور جاذبیت کا یہ عالم ہے کہ مجھ جیسا پختہ اور ٹھوس آدمی بھی اس کو سن کر چکرا گیا ہے"۔

یہ سن کر لوگوں نے کہا "تب ہم کہیں گے کہ وہ پاگل اور سر پھرا ہے"۔ ولید نے کہا "نہیں وہ پاگل بھی نہیں۔ میں نے بہت پاگل دیکھے ہیں اور ان کی کیفیت بھی۔ اس کے اندر نہ پاگلوں جیسی دم گھٹنے کی کیفیت اور نہ الٹی سیدھی حرکات ہیں اور نہ ان کے جیسی بہکی بہکی باتیں"۔ لوگوں نے کہا "تب ہم کہیں گے کہ یہ شخص جادوگر ہے"۔ ولید نے کہا "یہ شخص جادوگر بھی نہیں۔ میں نے جادوگر اور ان کا جادو بھی دیکھا ہے"۔

لوگوں نے کہا "تب ہم کیا کہیں؟" ولید نے کہا "بخدا! اس کی بات بہت مٹھاس رکھتی ہے۔ اس کی جڑ پائیدار ہے اور اس کی شاخ پھل دار۔ تم اس کے بارہ میں جو کچھ بھی کہو گے، لوگ اسے باطل سمجھیں گے"۔ ولید نے کہا "میری رائے یہ ہے کہ محمد ﷺ کے شیریں اور شائستہ کلام اور گفتگو کی غیر معمولی تاثیر کا واحد توڑ یہی ہو سکتا ہے کہ تم لوگ پوری قوت سے یہ پراپیگنڈہ کرو کہ:

۱۔ محمد جادوگر ہے۔ اس کا جادو ایسا ہے کہ ہر گھر تشتت و افتراق کا شکار ہو جاتا ہے۔ بھائی بھائی سے جدا ہو جاتا ہے، لہٰذا تم اس کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دو۔

۲۔ وہ اپنے آباء و اجداد کے دین سے پھر گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم سب، تمہارے باپ دادا اور

Marfat.com

تمہارے یہ دیوی دیوتا جہنم کا ایندھن ہیں۔

۳۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ محمد ﷺ کا دماغ پھر گیا ہے۔"۔

ولید کی رائے ان کے نزدیک ایک وزن رکھتی تھی۔ اس وجہ سے ان سب نے اس سے اتفاق کیا اور قریش کی پوری پراپیگنڈہ مشنری پورے شدومد کے ساتھ حرکت میں آگئی اور قبائل کے حج کے لیے روانہ ہونے سے پہلے ہی سرکارِ دوعالم ﷺ کی بے دینی کا چرچا عرب کے گلی کوچوں میں ہونے لگا اور نہ صرف آپ ؐ بلکہ آپ کے خاندان بنوہاشم کے خلاف بھی نفرت کی لہران تمام قبائل میں دوڑ گئی، جو حج کے لیے آنے والے تھے۔

اس کام میں سب سے زیادہ پیش پیش آپ کا چچا ابولہب تھا۔ وہ حج کے دنوں میں لوگوں کے ڈیروں اور عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں آپ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا اور جہاں کہیں بھی آپ دین کی دعوت دیتے، وہاں ابولہب کہتا "اس شخص کی بات ہرگز نہ ماننا۔ یہ جھوٹا اور بددین ہے۔ یہ اپنے خاندانی بزرگوں کو جہنمی کہتا ہے اور دیوتاؤں کی توہین کرتا ہے"۔ ظاہر ہے کہ خاندان کے سب سے بڑے بزرگ کی بات سے زیادہ کس کی بات معتبر ہو سکتی ہے۔

("ابن ہشام" جلد ۱، ص ۲۷۱، "مسند احمد" جلد ۳، ص ۴۹۲، جلد ۴، ص ۳۴۱)

جامع ترمذی میں طارق بن عبداللہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص (ابولہب) صرف آپ کی تکذیب ہی پر اکتفا نہ کرتا بلکہ پتھر بھی آپ کو مارتا تھا جس سے آپ کی ایڑیاں خون آلود ہو جاتی تھیں۔

صرف ابولہب ہی آپ کی مخالفت میں سرگرم نہ تھا بلکہ اس کی بیوی ام جمیل بھی جس کا نام اروی تھا اور وہ ابوسفیان کی بہن تھی، سرکارِ دوعالم ﷺ کی عداوت میں اپنے شوہر سے دو قدم آگے تھی۔ چنانچہ وہ آپ ؐ کے راستہ میں اور دروازے پر رات کو کانٹے ڈال دیا کرتی تھی۔ بدزبانی میں اپنی مثال آپ اور مفسدہ پردازی میں کوئی ثانی نہ رکھتی تھی۔ آپ ؐ کے خلاف بھی بدزبانی، افترا پردازی، دسیسہ کاری اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانا اس کا روز کا معمول تھا۔ قرآن نے اسی لیے اس کو "حمالہ الحطب" (لکڑی اٹھانے والی) کہا ہے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ نے جب کوہ صفا سے ہر قبیلہ کا نام لے لے کر انہیں پکارا اور جب وہ اکٹھے ہوئے تو انہیں اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس پر اور تو کوئی نہ بولا، اس تمام مجمع میں صرف ابولہب تھا، جس نے کہا تھا "محمد ؐ تیرے ہاتھ ٹوٹیں، کیا اس لیے ہمیں جمع کیا ہے؟" اس پر حق تعالیٰ شانہ نے قرآن حکیم میں ابولہب کی پرزور مذمت کی۔ جب ابولہب کی بیوی ام جمیل کو قرآن کی اس مذمت کا علم ہوا تو وہ بہت سٹپٹائی اور سرکارِ دوعالم ﷺ کو تلاش کرنے لگی۔ آپ اس وقت مسجد حرام میں تشریف

فرما تھے۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ یہ آپ کو ڈھونڈتی ہوئی مسجد حرام میں آئی۔ یہ اپنی مٹھی میں پتھر لیے ہوئے تھی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کی نگاہ پکڑ لی۔ وہ آپؐ کے سامنے کھڑی تھی لیکن آپ کو نہ دیکھ سکی۔ وہ صرف سیدنا ابو بکرؓ کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے سیدنا ابو بکرؓ کو دیکھتے ہی پوچھا "ابو بکر! تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ہماری مذمت اور ہجو کرتا ہے۔ مجھے لات و عزیٰ کی قسم! اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اس کے منہ پر پتھر دے ماروں گی۔ دیکھو، میں بھی شاعرہ ہوں"۔ پھر اس نے آپؐ کی مذمت میں یہ شعر پڑھا:

مذمما عصینا وامرہ ابینا ودینہ قلینا

"ہم نے مذمم کی نافرمانی کی۔ (حسد اور غصہ کی آگ کی وجہ سے کافر آپ کو محمدؐ کے بجائے مذمم کہتے تھے جس کا مطلب وہ شخص ہے جس کی مذمت اور برائی کی جائے) اس کے امر کو تسلیم نہ کیا اور اس کے دین کو نفرت اور حقارت سے چھوڑ دیا"۔

یہ شعر پڑھ کر وہ واپس چلی گئی۔ سیدنا ابو بکرؓ نے کہا "یا رسول اللہ! کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ پکڑ لی تھی۔

(سیرت ابن ہشام، جلد ۱، ص ۳۳۵)

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "دیکھو اللہ تعالیٰ نے قریش کی گالیوں اور لعن طعن سے مجھے کیسے محفوظ فرمایا۔ وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور مذمم پر لعن طعن کرتے ہیں اور میرا نام مذمم نہیں بلکہ محمدؐ ہے"۔ ("بخاری" جلد ۴، ص ۱۶۲، "ابن ہشام" جلد ۱، ص ۱۰۴)

ابو بکر بزار کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ جب ام جمیل ابو بکر صدیقؓ کے پاس کھڑی ہوئی تھی تو اس نے یہ بھی کہا "ابو بکر! تمہارے ساتھی نے ہماری ہجو کی ہے"۔ سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا "نہیں، رب کعبہ کی قسم، نہ وہ شعر کہتے ہیں اور نہ ہی وہ اشعار کو زبان پر لاتے ہیں"۔ اس نے کہا "تم سچ کہتے ہو"۔

ابو لہب رسول اللہ ﷺ کا تایا تھا۔ خواجہ عبد المطلب کا بیٹا اور آپ کے والد ماجد عبد اللہ کا بڑا بھائی۔ اس کے ساتھ وہ آپ کا پڑوسی بھی تھا۔ اس کا گھر آپ کے گھر سے متصل تھا۔ چنانچہ اس نے نہ تو قرابت داری کا کوئی خیال کیا اور نہ ہی پڑوسی ہونے کا لحاظ۔ یہ وہ ابو لہب تھا، جس کو جب ثوبیہ لونڈی نے بتایا کہ اس کے بھائی عبد اللہ کے گھر ایک چاند سا بیٹا پیدا ہوا ہے تو اس نے اس لونڈی کو آپ کی پیدائش کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔ آج وہی ابو لہب آپ کی مخالفت میں ابو جہل کی طرح پیش پیش تھا۔ اس کی یہ مخالفت اس حد تک تھی کہ روایت میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے جب دوسرے صاحبزادے عبد اللہ کا انتقال ہوا تو ابو لہب کو اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ اسی وقت دوڑتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور انہیں یہ خوشخبری دی کہ (معاذ اللہ) محمد ﷺ ابتر (نسل بریدہ) ہو گئے ہیں۔

Marfat.com

ابولہب کی طرح دوسرے پڑوسی بھی آپ کو مختلف قسم کی تکلیفیں دیتے۔ ان میں حکم بن ابی العاص، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن الحمر ثقفی، ابن الاصداء ہذلی۔ یہ سب آپ کے پڑوسی تھے۔ ان میں حکم بن ابی العاص تو فتح مکہ کے روز مسلمان ہو گئے لیکن دوسرے تمام لوگ حالت کفر میں مرے۔ حکم بن ابی العاص سیدنا عثمان بن عفان کے چچا اور سیدنا مروان کے والد تھے۔ یہ سارے پڑوسی آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے۔ آپ کے راستہ میں گندگی اور کانٹے پھینکتے۔ آپ کے گھر میں غلاظت اور گندگی پھینکی جاتی۔ آپ اس گندگی کو لکڑی پر لے کر نکلتے اور اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرماتے "اے بنی عبد مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟" پھر اسے راستہ میں ڈال دیتے۔

("سیرۃ ابن ہشام" جلد۱، ص۴۱۶)

ابوجہل اور ابولہب جیسے مفسدہ پرداز اور بدبخت لوگوں کے علاوہ عقبہ بن ابی معیط بھی اپنی شقاوت اور خباثت میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ ایک روز سرکارِ دوعالم ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے کچھ اور ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ کون ہے جو بنی فلاں کے اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد ﷺ سجدہ میں جائیں تو ان پر ڈال دے؟ کسی شخص نے اس کام کے لیے حامی نہ بھری۔ آخر قوم کا بدبخت ترین اور شقی ترین آدمی عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اوجھڑی لا کر انتظار کرنے لگا۔ چنانچہ جب آپ سجدہ میں تشریف لے گئے تو اس بدبخت نے آپ کی پیٹھ پر دونوں کندھوں کے درمیان اس کو ڈال دیا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں یہ سارا ماجرہ دیکھ رہا تھا لیکن میرے حالات بھی اس زمانہ میں ایسے نہ تھے کہ میں آپ کا تحفظ کر سکتا۔ کاش کہ میرے اندر آپ کو بچانے کی استطاعت اور طاقت ہوتی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود ہی کا بیان ہے کہ یہ بدبخت اور نابکار لوگ یہ کام کر کے ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ ادھر یہ بدبخت ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور ادھر شہنشاہ کونین فخر موجودات ﷺ سجدے ہی میں پڑے رہے۔ سر نہیں اٹھایا۔ یہاں تک کہ سیدہ فاطمہ آئیں۔ اور آپ کی پیٹھ سے وہ اوجھڑی اٹھا کر پھینکی۔ تب آپ نے اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھایا۔ پھر تین مرتبہ فرمایا اللھم علیک بقریش (اے اللہ تو قریش کو پکڑ لے) جب آپ نے بددعا کی تو انہیں بہت گراں گزری کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر مکہ میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے نام لے لے کر بددعا کی۔ "اے اللہ ابوجہل کو پکڑ لے اور عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے"۔ ایک ساتویں شخص کا بھی نام لیا لیکن راوی کے ذہن سے وہ نام اتر گیا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں نے

Marfat.com

اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جن لوگوں کے نام رسول اللہ ؐ نے گن گن کر لیے تھے، وہ سب کے سب جنگ بدر میں مارے گئے اور بدر کے کنوئیں میں پھینکے گئے۔ ("بخاری" جلد ا، ص ۵۴۳، ص ۳۷)

اسی طرح امیہ بن خلف بھی سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ نہایت بدتمیزی سے پیش آتا۔ امیہ کا ایک بھائی عقبہ بن ابی معیط کا گہرا دوست تھا۔ اس کے مشتعل اور برانگیختہ کرنے پر عقبہ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے چہرہ انور پر تھوکنے کی گستاخی کی۔

ابو جہل بھی کوئی موقع خالی نہ جانے دیتا، جب وہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی نہ کرتا۔ پھر اپنی برائی پر وہ نادم ہونے کے بجائے فخر کرتا۔ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش کے سرداروں سے ابو جہل نے کہا "محمد ؐ آپ حضرات کے سامنے اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہے" کہا ہاں۔ اس نے کہا "لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے کبھی اس حالت میں اسے دیکھ لیا تو اس کی گردن روند دوں گا اور اس کا چہرہ مٹی پر رگڑ دوں گا"۔ اس کے بعد ایک مرتبہ اس نے رسول کریم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اس زعم میں چلا کہ آپ کی گردن روندے گا اور آپ کا چہرہ مٹی پر رگڑ دے گا۔ لیکن لوگوں نے اچانک کیا دیکھا کہ وہ ایڑیوں کے بل پلٹ رہا ہے اور دونوں ہاتھوں سے بچاؤ اور اپنا تحفظ کر رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا "ابوالحکم! کیا ہوا؟" کہا "میرے اور محمد ﷺ کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے، ہولناکیاں ہیں اور پر ہیں"۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ "اگر وہ میرے نزدیک آتا تو اللہ کے فرشتے اس کا ایک ایک حصہ اچک لیتے"۔ ("مسلم")

ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ ابو جہل جب کسی طاقتور اور معزز آدمی کے اسلام لانے کی خبر سنتا تو اسے برا بھلا کہتا۔ رسوا اور ذلیل کرتا اور مال و جاہ کو خسارے سے دوچار کرنے کی دھمکیاں دیتا۔ اور اگر کوئی کمزور اور نچلے درجے کا آدمی حلقہ اسلام میں داخل ہوتا تو اسے مارتا اور دوسروں کو بھی اسے مارنے کے لیے برانگیختہ کرتا۔ ("ابن ہشام" جلد ا، ص ۳۲۰)

چنانچہ بنو مخزوم کے غلام سیدنا عمار بن یاسرؓ اور ان کے والدین جب دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے تو ابو جہل نے ان پر قیامت توڑ دی۔ انہیں سخت سے سخت سزا دی جاتی۔ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا اور اس خاندان پر ظلم و ستم توڑے جا رہے تھے۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا "آل یاسر صبر سے کام لینا۔ تمہارا ٹھکانہ جنت ہے"۔ عمارؓ کے والد یاسرؓ تو ظلم و ستم کی تاب نہ لا کر انتقال کر گئے اور ان کی والدہ سمیہؓ بھی ایک نیزے سے دم توڑ گئیں۔

اسی طرح کے ظلم و ستم دوسرے لوگوں پر بھی توڑے گئے جنہوں نے دعوت اسلام پر لبیک کہا۔ بعض غلاموں کو سیدنا صدیق اکبرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ جن میں ایک سیدنا بلالؓ بھی تھے۔ سیدنا ابو بکرؓ نے انہیں دو سو درہم (۷۳۵ گرام چاندی) یا دو سو اسی درہم (یعنی ایک کلو سے زائد چاندی) کے بدلہ میں

Marfat.com

خرید کر آزاد کر دیا۔ ("ابن ہشام" جلد ۱، ص ۳۱۷، "تلقیح فہوم" ص ۶۱)

بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبرؓ اس مکان کے آگے سے گزرے جہاں سیدنا بلالؓ پر ظلم و ستم توڑے جا رہے تھے۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر سیدنا صدیق اکبرؓ کا دل بھر آیا اور رنج و اندوہ کے عالم میں سوچنے لگے کہ بلالؓ کو ان مصائب سے کیونکر نجات مل سکتی ہے۔

آپ دوسرے روز علی الصبح امیہ کے گھر تشریف لے گئے اور اسے از راہ نصیحت فرمایا "امیہ! اس جرم نا آشنا غلام کے بارہ میں خدا سے ڈرو اور ظلم ناحق سے باز آجاؤ۔ اس بیچارے نے دین حق قبول کیا ہے، اس کے ساتھ برائی کی بجائے احسان کرو۔ یہ احسان تجھے قیامت کے روز فائدہ دے گا"۔ امیہ نے کہا "قیامت کوئی چیز نہیں اور اگر ہو بھی تو مجھے دنیا میں کس شے کی کمی ہے"۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے اسے دوبارہ اس غلام کے بارہ میں خدا یاد کرایا۔ یہ سن کر امیہ غصہ میں آگیا اور بولا "ابن ابی قحافہ! اگر اس غلام کی تکلیف پر تمہارا دل کڑھتا ہے تو اسے خرید کیوں نہیں لیتے"۔ سیدنا ابوبکرؓ نے کہا "اس غلام کے عوض تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے جواب دیا "اس کو اپنے غلام نسطاس کے عوض لے لو"۔ نسطاس نہایت قابل غلام تھا اور دو ہزار کی جمع بھی رکھتا تھا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ اس مبادلہ پر راضی ہو گئے۔ امیہ، ابوبکرؓ کا یہ جواب سن کر حیرت میں ڈوب گیا۔ اس نے جھٹ پینترا بدلا اور بولا "چالیس اوقیہ چاندی بھی اس کے ساتھ لوں گا" سیدنا صدیق اکبرؓ نے اس کو بھی منظور کر لیا اور سیدنا بلالؓ کو لے کر چلنے لگے تو امیہ بولا "ابوبکرؓ اپنی زیرکی اور ہوشیاری کے باوجود اس سودے میں دھوکہ کھا گیا۔ یہ غلام (بلال) تو ایک دانق (درہم کا چھٹا حصہ) میں بھی مہنگا ہے"۔ امیہ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر سیدنا صدیق اکبرؓ فرمانے لگے "ارے نادان! تو اس غلام کا رتبہ کیا جانے۔ بخدا! تمام یمن کی بادشاہت بھی اس غلام کی قیمت میں ہیچ ہے"۔ اس کے بعد سیدنا بلالؓ کو بارگاہ رسالت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی "یا رسول اللہ! میں اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد کرتا ہوں"۔ یہ سن کر سرکارِ دو عالم ﷺ بہت خوش ہوئے۔

قریش کے اس ظلم و ستم سے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عثمان بن عفان جیسے معزز اور متمول لوگ بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ سیدنا عثمانؓ کا چچا حکم بن العاص انہیں کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیتا اور اس سے ان کا سانس لینا مشکل ہو جاتا۔

سیدنا حمزہؓ کا قبولِ اسلام

ایک دن سرورِ کائنات ﷺ کوہ صفا کے پاس سے گزر رہے تھے۔ اتفاقاً ابو جہل بھی اس طرف آ نکلا۔ جونہی اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ کی شان میں نازیبا الفاظ بکنے شروع کر دیئے۔ لیکن آپ نے ابو جہل کے ان ناشائستہ کلمات کا کوئی جواب نہ دیا اور آگے تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن جدعان کی لونڈی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اسے ابو جہل کی یہ حرکت اچھی معلوم نہ ہوئی۔ اتنے میں سیدنا حمزہؓ شکار سے اپنا تیر کمان لیے ہوئے واپس لوٹے۔ اس لونڈی نے سیدنا حمزہؓ کو دیکھ کر کہا: "ابو عمارہ! کاش تم اس وقت موجود ہوتے جب ابو جہل تمہارے بھتیجے محمد ﷺ کو سخت سست اور ناشائستہ کلمات کہہ رہا تھا"۔

یہ الفاظ سن کر سیدنا حمزہؓ کی ہاشمی غیرت میں جوش آیا۔ بجائے گھر جانے کے وہیں سے ابو جہل کو تلاش کرنے لگے۔ سیدنا حمزہؓ کا یہ معمول تھا کہ شکار سے واپسی پر سیدھے حرم میں حاضر ہوتے۔ چنانچہ اپنے اس معمول کے مطابق حرم میں پہنچے۔ دیکھا کہ ابو جہل قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے اسے دیکھتے ہی اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ سر سے خون بہنے لگا۔ اور کہا کہ تو محمد ﷺ کو گالیاں بکتا ہے۔ سن لے، میں خود اس کے دین پر ہوں۔ بعض حاضرین مجلس نے ابو جہل کی حمایت میں اٹھنا چاہا، لیکن ابو جہل نے سب کو روک دیا اور کہا واقعی میں نے آج اس کے بھتیجے کو بہت سخت سست کہا ہے۔ بعض حاضرین مجلس نے از راہ تعجب کہا "ابو عمارہ! کیا واقعی تم صابی (بے دین) ہو گئے ہو؟" سیدنا حمزہ نے فرمایا "ہاں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ فرماتے ہیں وہ سراسر حق ہے۔ میں ان کے ساتھ ہوں تم سے جو ہو سکتا ہے، کر لو"۔

("نہایہ الادب" ج ۱۶، ص ۲۰۸، "دلائل النبوۃ" ج ۱، ص ۴۵۹، "السیر والمغازی" ص ۱۷۱)

اس مجلس میں سیدنا حمزہؓ یہ بات کہہ تو آئے لیکن جب گھر آئے تو شیطان نے وسوسہ ڈالا "حمزہ! تم تو قریش کے سردار ہو۔ تم نے اس شخص کا کیسے اتباع کیا اور اپنے باپ دادا کا دین کیوں چھوڑ دیا۔ اس سے تو مرجانا بہتر ہے"۔ سیدنا حمزہؓ فرماتے ہیں "میں نے حق تعالیٰ سے دعا مانگی:

"اے اللہ! اگر یہ ہدایت ہے تو اس کی تصدیق میرے دل میں ڈال دے ورنہ اس سے

Marfat.com

نکلنے کی کوئی صورت پیدا فرما"۔("مستدرک حاکم" جلد ۳، ص ۱۹۳)

اس بارہ میں کچھ اور روایات بھی ہیں کہ سیدنا حمزہؓ اسی کشمکش میں تمام رات کروٹیں بدلتے رہے۔ تمام رات اضطراب اور بے چینی میں گزری۔ آخر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ! میرا سینہ حق کیلئے کھول دے۔ بارگاہ رب العزت میں یہ دعا قبول ہوئی اور دعا کے فوراً بعد قلب تمام باطل خیالات سے پاک و صاف ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت گرامی قدر میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ عرض کیا۔ آپ نے اسلام پر ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی۔ "روض الانف" جلد ۱، ص ۱۸۶)

مستدرک حاکم میں ہے کہ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر آپ نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور کچھ شعر بھی پڑھے۔

("مستدرک حاکم" جلد ۱، ص ۱۹۳، "زرقانی" جلد ۱، ص ۲۵۶، "روض الانف" جلد ۱، ص ۱۸۶)

ایسے وقت جب کہ مسلمان ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے، سیدنا حمزہؓ کا حلقہ اسلام میں داخل ہونا بڑا مفید ثابت ہوا۔ سیدنا حمزہؓ ایک جوانمرد، بہادر اور نڈر انسان تھے۔ یہ انہی کا حوصلہ تھا کہ بھری مجلس میں ابو جہل کے سر پر کمان مار کر اسے زخمی کر دیا۔ سیدنا حمزہؓ کے اسلام لانے سے قریش کے دلوں پر ایک رعب طاری ہو گیا اور وہ سمجھ گئے کہ اب مسلمانوں کو ایذا دینا اور ان پر ظلم و ستم ڈھانا کوئی آسان بات نہیں ہے۔

سیدنا حمزہؓ ایک قول کے مطابق سنہ ۲ نبوت میں اسلام لائے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں صرف یہی قول قطعیت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں بھی اسی کو پہلے لیا ہے۔ "المواہب اللدنیہ" میں بھی ذکر اعمام کی بحث میں ان دونوں حضرات کی موافقت کی گئی ہے لیکن سیرت کی اکثر کتابوں کے مطابق مشہور قول یہ ہے کہ آپ سنہ ۶ نبوت میں دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔

علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ سیدنا حمزہ سنہ ۶ نبوت میں دولت ایمان سے مشرف ہوئے اور یہی مشہور قول ہے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا حمزہ سنہ ۲ نبوی میں اسلام لائے۔

("زرقانی" جلد ۱، ص ۱۵۶)

ابتداءً سیدنا حمزہؓ کا ایمان اس حمیت اور جذبہ کے طور پر تھا کہ ان کے بھتیجے کی توہین کی گئی ہے اور سر راہ ان سے دشنام آمیز رویہ اختیار کیا گیا ہے لیکن پھر حق تعالیٰ نے اسلام کے لیے ان کا سینہ کھول دیا اور انہوں نے اسلام کا دامن نہایت مضبوطی سے تھام لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے دین اسلام اور مسلمانوں کو عزت دی۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۳۳، "عیون الاثر" لابن سید الناس جلد ۱، ص ۱۹۵، "روض الانف" جلد ۱، ص ۱۸۶، "زرقانی" جلد ۱، ص ۲۵۶، "طبقات ابن سعد" جلد ۳، ص ۹)

عتبہ آستانہ نبوت پر

قریش کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی تبلیغ کو کیسے روکا جائے، کیونکہ تبلیغ کی رکاوٹ کے لیے ان کے تمام حربے فیل ہو چکے تھے۔ سیدنا حمزہؓ کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے سے ان کی پریشانی میں اور اضافہ ہوا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور باوجود اتنا ظلم و ستم ڈھانے کے بھی کوئی شخص اسلام کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ اب ایک دفعہ پھر ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، اسود بن المطلب اور دوسرے کئی روسائے قریش اس مشکل کے حل کے لیے سر جوڑ کر بیٹھے۔ کئی گھنٹوں کی گفتگو اور سوچ بچار کے بعد انہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو اس بات کے لیے منتخب کیا کہ وہ محمد ﷺ کے ساتھ گفتگو کر کے ان کو کسی نہ کسی طریقہ سے دین حق کے پرچار سے روکے۔ عتبہ بن ربیعہ قریش میں ایک بہت بڑی حیثیت کا مالک تھا۔ اس کا تعلق بنو امیہ سے تھا اور یہ سیدنا ابو سفیانؓ کا سسر تھا۔ سحر، کہانت اور شعر گوئی میں یکتائے روزگار تھا۔

عتبہ آپ کے پاس آیا اور آپ سے کافی دیر گفتگو کی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''آپ واقعی ہم میں حسب و نسب کے لحاظ سے لائق و فائق ہیں، لیکن آپ نے اپنے مشن کے پرچار سے قوم میں تشتت و افتراق پیدا کر دیا ہے۔ آپ ہمارے باپ دادا کو احمق اور نادان بتاتے ہیں، لہٰذا میں اس بارہ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں''۔ آپ نے فرمایا ''ابو الولید کہئے میں سنتا ہوں''۔

عتبہ نے کہا ''بھتیجے! اگر تم مال و دولت کے خواہاں ہو تو ہم سب تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ ہم میں سے کوئی بھی مال میں تمہارا مقابلہ نہ کر سکے گا اور اگر تم کوئی عہدہ یا سرداری چاہتے ہو تو ہم سب تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور اگر حکومت و ریاست کے خواہاں ہو تو ہم تمہیں اپنا حاکم اور بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر تم کسی حسین و جمیل عورت سے شادی کے طلب گار ہو تو جس عورت سے یا جتنی عورتوں سے تم چاہو ہم شادی کر دیتے ہیں اور اگر تمہیں کسی آسیب وغیرہ کی شکایت ہے تو ہم تمہارا علاج

Marfat.com

کرانے کے لیے تیار ہیں"۔

عتبہ یہ باتیں کر کے خاموش ہو گیا۔ آپ نے فرمایا "ابوالولید! کچھ اور کہنا ہے؟" عتبہ نے کہا "نہیں میں نے جو کہنا تھا، وہ کہہ چکا"۔ آپ نے فرمایا "اب جو میں کہتا ہوں، وہ سنو"۔ فرمایا "مجھے تمہارا مال و دولت نہیں چاہیے اور نہ میں تمہاری حکومت اور سرداری کا خواہاں ہوں۔ میں تو اللہ کا رسول ہوں اور تمہاری طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مجھ پر ایک کتاب نازل ہوئی ہے اور مجھے تمہیں ثواب کی بشارت اور عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اگر تم میری دعوت کو قبول کرو تو تمہارے لیے سعادت کونین کا باعث ہوگی۔ اور اگر میری دعوت کو قبول نہ کرو تو میں صبر و تحمل سے کام لوں گا یہاں تک کہ حق تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ پھر یہ آیات تلاوت فرمائیں:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ کلام خدائے رحمٰن و رحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیات صاف اور واضح ہیں۔ ایسا قرآن ہے جو عربی زبان میں اتارا گیا ہے"۔ (الخ) (۴۱:۱-۳۸)

سورہ حم السجدہ کی یہ ۳۸ آیات آپ نے تلاوت فرمائیں۔ ادھر سرور کائنات ﷺ شاداں و فرحاں مصروف تلاوت تھے اور ادھر عتبہ بن ربیعہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے دم بخود اور ہمہ تن گوش ہو کر سنتا جا رہا تھا۔ وہ غور سے سنتا رہا اور حیرت سے اس پیکر روحانیت کو دیکھتا رہا جسے نہ دولت کا لالچ، نہ کسی منصب کی طلب۔ فرمانروائی جیسی نعمت بھی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ عتبہ ندامت میں غرق تھا کہ ایسے قدسی صفات شخص کو آسیب زدہ قرار دیا جائے۔ یہ تو اپنے کلام میں نہایت قیمتی حقائق بیان کر رہا ہے۔ عتبہ خود ایک بہت بڑا شاعر تھا اور شعر کے اسرار و رموز اور نشیب و فراز سے آشنا تھا، لہٰذا وہ سمجھا کہ یہ آیات جو محمد ﷺ تلاوت کر رہے ہیں، فصاحت و بلاغت میں اعجاز کا نمونہ ہیں۔

جب آپ سجدے کی آیت پر پہنچے تو آپ نے سجدہ فرمایا۔ پھر فرمایا "ابوالولید! تمہیں جو کچھ سننا تھا، سن چکے اور میں نے جو کچھ تمہاری باتوں کا جواب دینا تھا، وہ دے چکا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام"۔

عتبہ اٹھا اور سیدھا اپنے ان ساتھیوں کے پاس آیا جنہوں نے اسے اپنا نمائندہ بنا کر محمد ﷺ کے پاس بھیجا تھا۔ اس کے چہرہ کے خدوخال اب پہلے سے مختلف تھے۔ اسے واپس آتا دیکھ کر وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے "بخدا! ابوالولید تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا جو چہرہ لے کر وہ گیا تھا"۔ عتبہ کے قلب پر اس کلام کے اچھے خاصے اثرات تھے۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا "کیا خبر ہے؟" عتبہ نے کہا "میں نے محمد ﷺ سے ایک ایسا کلام سنا ہے جو اس سے قبل میں نے کبھی کسی سے نہیں سنا۔ بخدا! نہ وہ شعر ہے اور نہ جادو، اور نہ وہ کہانت ہے۔ قریش کے لوگو! میری بات مانو، اس معاملہ کو مجھ پر چھوڑ دو۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ محمد ﷺ کو اس کے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ بخدا! میں نے اس کا جو قول سنا ہے، اس سے

Marfat.com

کوئی زبردست واقعہ رونما ہو کر رہے گا۔ پھر اگر اس شخص کو عرب نے مار ڈالا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعہ انجام پا جائے گا۔ اگر یہ شخص عرب پر غالب آ گیا تو اس کی عزت اور بادشاہت تمہاری عزت اور بادشاہت ہوگی اور اس کا وجود تمہارے لیے سعادت کا باعث ہوگا۔ یہ الفاظ سن کر قریشی رؤساء کہنے لگے "ابوالولید! بخدا تم پر بھی محمد ﷺ کی زبان کا جادو چل گیا"۔ عتبہ نے کہا "میری ذاتی رائے تو یہ ہے اب تمہیں جو درست معلوم ہو، وہ کہو"۔

("البدایہ و النہایہ" جلد ۳، ص ۶۳، "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۲۹۳، "زرقانی" جلد ۱، ص ۲۵۷، "عیون الاثر" جلد ۱، ص ۱۹۶)

ایک اور روایت میں ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ نے جب تلاوت شروع کی تو عتبہ ہمہ تن گوش ہو کر سنتا رہا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے:

فان اعرضوا فقل انذرتکم صاعقۃ مثل صاعقۃ عاد وثمود۔

"پس اگر وہ روگردانی کریں تو آپ فرمادیں کہ میں تمہیں ایک ایسی کڑک (عذاب) سے خبردار کر رہا ہوں جو عاد و ثمود کی کڑک جیسی ہوگی"۔ (۴۱:۱۳)

پہلے تو عتبہ بیٹھ کر آپ کے منہ سے یہ قرآنی آیات سن رہا تھا لیکن جب آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو عتبہ تھرا کر کھڑا ہو گیا اور یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ سرکارِ دوعالم ﷺ کے منہ پر رکھ دیا کہ میں آپ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیتا ہوں کہ ایسا نہ کریں۔ اسے یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ کڑک آن نہ پڑے۔ اس کے بعد وہ واپس قریش کے پاس چلا گیا اور انہیں جا کر وہ کچھ کہا جس کا اوپر کی روایت میں ذکر ہے۔

("تفسیر ابن کثیر" جلد ۳)

حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" کی تیسری جلد میں جو روایت نقل کی ہے، اس میں ہے کہ:

"عتبہ اس کے بعد اپنے گھر بیٹھ رہا اور لوگوں کے پاس نہ گیا۔ ابوجہل نے کہا "اے گروہ قریش! خدا کی قسم! میرا خیال ہے کہ عتبہ محمد ﷺ کی طرف مائل ہو گیا ہے اور اسے محمد ﷺ کا کھانا پسند آ گیا ہے اور یقیناً اسے کسی ضرورت اور حاجت کی وجہ سے ایسا کرنا پڑا۔ آؤ ہم عتبہ کے پاس چلیں"۔ چنانچہ وہ گئے۔ ابوجہل نے کہا "عتبہ! خدا کی قسم، ہمیں اس لیے آنا پڑا کہ تم محمد ﷺ کی طرف مائل ہو گئے ہو اور ان کا معاملہ تمہیں پسند آ گیا ہے۔ اگر تمہیں ضرورت ہو تو ہم تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیں جو تمہیں محمد ﷺ کے کھانے سے بے نیاز کر دے"۔ عتبہ یہ سن کر بگڑ گیا اور قسم کھا کر کہا کہ میں محمد ﷺ سے کبھی بات نہ کروں گا"۔

(واقسم باللہ لا یکلم محمدا ابدا) ("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۶۴)

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ولید بن مغیرہ آپ کے پاس آیا۔ آپؐ نے اس

کو بھی قرآن سنایا۔ قرآن کے ادب اور فصاحت و بلاغت نے اسے شدید طور پر متاثر کیا۔ ابو جہل کو پتہ چلا تو وہ فوری طور پر ولید کے یہاں پہنچا اور اس سے کہا "لوگوں کا ارادہ ہے کہ تمہارے لیے مال جمع کریں کیونکہ تم کو محمد ﷺ کے مال کی خواہش ہو گئی ہے"۔ یہ اس کا ایک طنز تھا حالانکہ ولید بن مغیرہ مالی لحاظ سے مکہ کے رؤساء میں شمار ہوتا تھا اور اس کے مقابلہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس اتنا مال کہاں کہ ولید ان کے مال سے متاثر ہوتا۔

ابن ہشام کی روایت کے مطابق سرکارِ دوعالم ﷺ اور عتبہ بن ربیعہ کی یہ گفتگو مسجد حرام کے ایک گوشہ میں ہوئی جہاں حضور ﷺ تن تنہا تشریف فرما تھے اور آپ کی اس گفتگو نے عتبہ کے قلب پر بڑے اچھے اثرات چھوڑے لیکن مقدر میں ایمان نہیں تھا۔ اس وجہ سے دولت ایمان سے محروم رہا اور جنگ بدر میں سیدنا حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔

Marfat.com

سیّدنا عمرؓ کا قبولِ اسلام

مکہ کی فضا ظلم و جور کے سیاہ بادلوں سے ہر روز گھمبیر تر ہو رہی تھی۔ قریش مکہ کی ستم رانیاں مسلمانوں کے صبر و تحمل کا امتحان لے رہی تھیں۔ لیکن سیدنا حمزہؓ کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ نے قریش مکہ پر ایک بجلی کا کام کیا۔ ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ حمزہؓ جیسا بہادر آدمی مسلمانوں کا بہی خواہ اور اسلام کا حامی و ناصر ہو جائے گا۔ سیدنا حمزہؓ کے اسلام نے ان کی پریشانیوں میں اور اضافہ کر دیا اور مسلمانوں کے لیے ہدایت کا راستہ اور روشن ہو گیا۔ سیدنا عمرؓ کا ایمان لانا خرمن کفر پر بجلی ثابت ہوا۔ وہ سنہ ۶ نبوت میں ایمان لائے اور علمائے سیر نے لکھا ہے کہ وہ سیدنا حمزہؓ سے تین روز بعد دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے جس سے کفر کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے مشن اور دعوت کے سامنے اپنے کو بے بس سمجھنے لگے اور ان کے اسلام کی برق تاباں سے قریش مکہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ سنہ ۵ نبوت میں حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔
("زرقانی" جلد ۱، ص ۲۷۲)

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے کا اصلی اور حقیقی سبب تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی دعا ہے۔ آپ نے اول تو یہ دعا فرمائی:

اللھم اعز الاسلام باحب الرجلین الیک بعمر بن الخطاب او بابی جھل بن ھشام۔

"اے اللہ عمر بن الخطاب یا ابو جہل بن ہشام میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے، اس کے ذریعہ سے اسلام کو قوت و نصرت عطا فرما"۔

اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
("ترمذی، مناقب عمر بن الخطاب" جلد ۲، ص ۲۰۹، "دلائل النبوۃ" جلد ۲، ص ۳)

بعد ازاں آپ کو بذریعہ وحی بتایا گیا کہ ابو جہل بن ہشام کے مقدر میں تو اسلام نہیں۔ تب آپ نے خاص طور پر سیدنا عمر بن الخطابؓ کے لیے دعا فرمائی:

اللھم اید الاسلام بعمر بن الخطاب خاصہ۔

"اے اللہ عمر بن الخطابؓ کے ساتھ خصوصی طور پر اسلام کو قوت دے"۔

("زرقانی" جلد ۱، ص ۲۷۳، "سنن ابن ماجہ" جلد ۱، ص ۳۹)

ایک اور روایت جو ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے، اس کے الفاظ ہیں: اللھم اعز الدین بعمر۔ اے اللہ عمر سے دین کو عزت دے۔

("ابن سعد" ج ۳، ص ۲۶۹، "مستدرک حاکم" ج ۳، ص ۸۳، "تاریخ الاسلام" ذہبی، ج ۱، ص ۱۷۲)

سیدنا عمرؓ کے اسلام کا سبب جو دعائے نبوی ہے، اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ ان پر اس دعا کی وجہ سے بالکل اچانک اسلام منکشف ہو گیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی اعلیٰ اخلاقی زندگی، آپ کا شب و روز دعوت و تبلیغ دین میں مشغول رہنا، مخالفتوں کی وجہ سے آپ کا اور آپ کے پیغام کا مستقل چرچا جس کی وجہ سے ہر ایک کے لیے آپ کا وجود ایک سوالیہ نشان بن گیا تھا، ان تمام چیزوں نے بے شمار لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کے بیج ڈال دیئے تھے۔ قبائلی عصبیت اور اسلاف پرستی کی وجہ سے ایک شخص بظاہر عناد اور ضد میں مبتلا ہوتا، مگر اندر ہی اندر اسلام کی خاموش پرورش کو بھی وہ روک نہ سکتا تھا۔ سیدنا عمرؓ کے اسلام کے بارہ میں عام شہرت یہ ہے کہ اچانک ایک واقعہ آپ کے اسلام لانے کا سبب بن گیا۔ حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔ یہ درست ہے کہ آخری مرحلہ میں آپ کے اسلام کا محرک بلاشبہ یہی واقعہ تھا، مگر اس کی ابتدائی تخم ریزی آپ کے دل میں بہت پہلے ہو چکی تھی۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرؓ اپنی سخت خوئی اور تند مزاجی کی وجہ سے تمام مکہ میں مشہور تھے۔ اور مسلمانوں کو طویل عرصہ تک ان کی سختیاں برداشت کرنا پڑیں۔ لیکن جملہ روایات پر مجموعی نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ رفتہ رفتہ اسلام ان کے قلب میں جاگزین ہوا۔ جب وہ مسلمانوں پر تشدد کرتے تو ان کے صبر کو دیکھ کر ان کے قلب پر ایک اثر ہوتا کہ آخر اسلام میں کوئی خوبی تو ہے، تبھی تو یہ لوگ ہمارے ہاتھوں اتنی تکالیف اور سختیاں برداشت کر کے بھی اسلام کی شاہراہ پر برابر گامزن ہیں، لیکن اس کے ساتھ سیدنا عمرؓ باپ دادا کی ایجاد کردہ رسموں کا بڑا احترام کرتے تھے اور وہ کسی صورت میں بھی ان کو چھوڑنے یا ان میں ردوبدل کے لیے تیار نہ تھے۔ دوسرے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات اور بھی ان کے ذہن کو متاثر کرتیں اور بتوں کی پوجا کے بارہ میں جب اسلام کی تعلیمات پر وہ غور کرتے کہ یہ نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ کوئی نفع اور نقصان پہنچا سکتے تو ان کے دل میں ان بتوں سے نفرت کے جذبات بھی پیدا ہوتے۔ گویا کہ ان کے قلب و ذہن میں متضاد قسم کے جذبات باہم دست و گریبان تھے۔ پھر ایک ایسا وقت

آیا کہ مسلمانوں کی غریب الوطنی سے ان کا دل بھر آیا۔ اور یہ دیکھا گیا کہ وہ عمر جو مسلمانوں پر ظلم و تشدد کر کے نہایت خوش ہوتا، مکہ سے مسلمانوں کو ہجرت کرتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں نمی اور دل میں رقت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ محمد بن اسحاق کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ ام عبداللہ بنت ابی حثمہ فرماتی ہیں کہ:

"بخدا! ہم لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے اور میرے شوہر عامرؓ اپنی بعض ضروریات کے لیے گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں عمر بن الخطاب آگئے اور میرے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ وہ ابھی تک اسلام نہ لائے تھے۔ ہم لوگوں کو ان سے بڑی تکلیفیں اور سختیاں پہنچی تھیں۔ (وکنا نلقی منہ اذی لنا وشدہ علینا) انہوں نے مجھے کہا "ام عبداللہ! کوچ ہو رہا ہے"۔ میں نے جواب دیا "ہاں، خدا کی قسم ہم لوگ اللہ کی زمین میں سے کسی اور زمین میں چلے جائیں گے، اس لیے کہ تم لوگ ہمیں ستاتے ہو اور ہمارے اوپر تشدد کرتے ہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کوئی خلاصی کی جگہ پیدا کر دے"۔ ام عبداللہ کہتی ہیں "عمر نے کہا خدا تمہارا ساتھی ہو (صحبکم اللہ)" یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں رقت پیدا ہو گئی جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی (ورایت لہ رقہ لم اکن اراھا) اس کے بعد وہ چلے گئے اور ان کو ہمارے مکہ سے جانے کا بہت ملال تھا"۔ جب میرے خاوند عامر بن ربیعہؓ آئے تو میں نے انہیں یہ واقعہ سنایا۔ وہ فرمانے لگے امید رکھو کہ عمر اسلام میں داخل ہو جائے گا۔"

("السیر و المغازی" ص ۱۸۱، "دلائل النبوۃ" جلد ۲، ص ۹، "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۷۹، "ابن ہشام" جلد، ص ۳۴۳)

اسی قسم کا ایک اور واقعہ "سیرۃ ابن ہشام" میں مروی ہے۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ "ایک رات میں حرم کعبہ میں گیا اور چاہا کہ بیت اللہ کا طواف کروں۔ میں نے وہاں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور نماز میں قرآن حکیم کی تلاوت فرما رہے تھے"۔ (ایک روایت میں ہے کہ سورہ الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے) "فرماتے ہیں کہ میں غلاف کعبہ کے پیچھے چھپ کر آپ کا قرآن سننے لگا۔ جب میں نے آپ سے قرآن سنا تو میرے دل میں رقت پیدا ہوئی (فلما سمعت القرآن رق فی قلبی) پس میں خوب رویا اور میرے قلب میں اسلام داخل ہو گیا (فبکیت ودخلنی الاسلام) میں وہیں غلاف کعبہ کے پیچھے کھڑا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی نماز ختم فرمائی۔ آپ وہاں سے چل دیئے اور میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے میری آہٹ محسوس کی تو مجھے پہچان لیا۔ آپؐ نے یہ سمجھا کہ میں آپ کو اذیت دینے کے لیے آپ کا تعاقب کر رہا ہوں۔ آپ نے

Marfat.com

مجھے ڈانٹا اور فرمایا "خطاب کے بیٹے! کیا ابھی (تمہارے ایمان لانے کا) وقت نہیں آیا۔ میں نے کہا "آ گیا ہے"۔ اس بات پر سرکارِ دوعالم ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر فرمایا "اے عمر! اللہ تمہیں ہدایت دے"۔ پھر آپ نے میرے سینے پر اپنا ہاتھ پھیرا اور میرے لیے ثبات کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد میں تو واپس آ گیا اور رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں داخل ہو گئے"۔

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر، جلد ۲، ص ۴۳۷ "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۳۴۸-۳۴۹)

اسی طرح کی ایک اور روایت علامہ ابن الجوزی نے بھی نقل فرمائی ہے۔

("عمر بن الخطاب، لابن الجوزی" ص ۶)

اس قسم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کے قلب کی زمین پر اسلام کی تخم ریزی ہو چکی تھی لیکن ابھی ان کے اندر جاہلی جذبات اور آباء واجداد کے رسمی دین کی عظمت کے احساس کا چھلکا اتنا مضبوط اور سخت تھا کہ دل کے نہاں خانہ میں انکھیلیاں لینے والی حقیقت کے مغز پر غالب رہا۔ آخر ایک روز لسان نبوت سے یہ دعا نکلی "اے اللہ! خاص عمر بن الخطاب سے اسلام کو قوت دے"۔ ادھر عمرؓ اپنی سخت طبیعت کے باعث پیغمبر اسلام کے قتل کے منصوبہ سے گھر سے نکلے ادھر سرکارِ دوعالم ﷺ کی دعا اجابت کے دروازے کو کھٹکھٹا رہی تھی۔ بلکہ اجابت اس دعا کے استقبال کے لیے آئی۔ خود فرماتے ہیں کہ "میں ابتداء میں پیغمبر اسلام ﷺ کا سخت مخالف تھا اور دین اسلام کی سخت نفرت میرے قلب و ذہن میں موجزن تھی"۔ ایک روز ابوجہل نے جو کہ عمرؓ کا ماموں لگتا تھا، یہ اعلان کیا کہ جو شخص محمد ﷺ کو قتل کرے گا، اس کے لیے ایک سو اونٹ کا کفیل اور ضامن ہوں"۔ عمرؓ کہتے ہیں کہ "یہ بات میں نے کسی شخص سے سنی لیکن کچھ اعتبار نہ آیا۔ میں خود ابوجہل کے پاس گیا اور بالمشافہ اس سے بات کر کے اس بات کی تصدیق کی"۔ ابوجہل نے کہا "میں واقعی ضامن اور کفیل ہوں"۔ دل میں دشمنی اور مخالفت کے جذبات بھی موجزن تھے اور ادھر سے سو اونٹ کا انعام، جو ایک بہت بڑا انعام تھا۔ پھر آباء واجداد کے دین کا تحفظ اور تقلیدی عصبیت، ان سب باتوں کے پیش نظر عمرؓ آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے گھر سے روانہ ہوا۔ اور یہ جرأت صرف اور صرف عمرؓ ہی میں تھی۔ مکے کا اور کوئی نوجوان اکیلے یہ جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ خود کہتے ہیں "خیال تھا کہ آپ کا (معاذ اللہ) قصہ تمام کر کے اس خلفشار کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دوں جس نے قریش کی زندگی تلخ کر دی ہے اور معاشرتی زندگی میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا ہے"۔

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ "میں اس ارادہ بد سے تلوار لے کر نکلا۔ راستہ میں ایک بچھڑا نظر پڑا جس کو لوگ ذبح کرنا چاہتے تھے۔ میں بھی دیکھنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ یکایک میں نے یہ آواز سنی۔ معلوم ہوتا تھا کہ بچھڑے کے پیٹ میں سے کوئی پکارنے والا یہ کہہ رہا ہے:

یا آل ذریح، امر نجیح، رجل یصیح، بلسان فصیح یدعو الی

Marfat.com

شهادہ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ۔

"اے آل ذریح! ایک کامیابی کی بات ہے، ایک شخص نہایت فصیح زبان کے ساتھ یہ کہہ رہا ہے اور اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں"۔

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ "یہ آواز سنتے ہی معاً میرے قلب کی گہرائیوں میں یہ خیال مچلنے لگا کہ یہ آواز مجھی کو دی جا رہی ہے اور میں ہی اس آواز کا اصلی مخاطب ہوں"۔

("زرقانی" جلد ۱، ص ۲۷۶، "فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۳۸)

بچھڑے میں سے آواز سنائی دینے کا واقعہ "صحیح بخاری" باب اسلام عمرؓ میں بھی مذکور ہے۔

کوئی نرم دل شخص ہوتا تو اسی آواز کو سن کر اپنے ارادۂ بد سے باز آ جاتا لیکن یہاں تو سیدنا عمرؓ جیسا سخت دل انسان تھا۔ جس کے دل کی سختی میں کمزور اور مظلوم مسلمانوں کی آہ و بکا اور چیخ و پکار بھی نرمی پیدا نہ کرتی تھی۔ بعض روایات کے مفہوم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عمرؓ اپنے مسلمان دوستوں کی ہجرت (حبشہ) پر بھی دل گرفتہ تھے۔ لہٰذا ان کے عزم صمیم میں کوئی فرق اس بچھڑے کی آواز سے نہ آیا۔ اپنے اس ارادۂ بد کی تکمیل کے لیے آگے بڑھے۔ ابھی چند قدم آگے بڑھے تھے کہ نعیم بن عبداللہ النحامؓ (یہ نعیم بن عبداللہ النحام مسلمان ہو چکے تھے، لیکن اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا۔ النحام، نحم سے مشتق ہے۔ نحم کے معنی ہیں آہٹ یا کھنکار کی آواز۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا سمعت نحمتہ فی الجنہ میں نے جنت میں اس کی کھنکار سنی۔ اسی خوشخبری کی وجہ سے ان کا لقب النحام ہو گیا۔ "سیرۃ حلبیہ، جلد ۱، ص ۳۴۹) مل گئے۔ نعیم نے دیکھا کہ عمرؓ کے تیور چڑھے ہوئے ہیں۔ پوچھا "ابن الخطاب کیا ارادہ ہے؟" عمرؓ نے جواب دیا "اس فتنہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنے جا رہا ہوں جو محمدؐ نے برپا کر دیا ہے"۔ نعیمؓ نے کہا "محمد ﷺ کو قتل کر کے بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کس طرح بچ سکو گے؟" عمرؓ نے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی صابی (بے دین) ہو گیا ہے اور اپنے باپ دادے کا دین چھوڑ بیٹھا ہے"۔ نعیم بن عبداللہ نے کہا "ابن الخطاب! محمد ﷺ کو ختم کرنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن فاطمہ بنت خطابؓ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ دونوں صابی ہو چکے ہیں اور باپ دادا کے دین کو خیرباد کہہ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔

عمرؓ ان اشتعال انگیز اور طعن آمیز فقروں کو کب برداشت کر سکتے تھے۔ ان فقروں کو سنتے ہی غصے سے بپھر گئے اور محمد ﷺ کی تلاش چھوڑ کر بہن کے گھر پہنچ گئے۔ سیدنا خباب بن الارتؓ جو ان کی بہن اور بہنوئی کو قرآن حکیم کی تعلیم دے رہے تھے، عمرؓ کی آہٹ سنتے ہی چھپ گئے۔ عمرؓ گھر میں داخل ہوئے مگر تلاوت قرآن کی کچھ بھنک عمرؓ کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ عمرؓ جیسے ہی مکان میں داخل ہوئے، پوچھا تم

Marfat.com

کیا پڑھ رہے تھے؟ بہن اور بہنوئی نے بات کو چھپانا چاہا لہٰذا کچھ خاموش رہے۔ عمرؓ نے اسی تیزی میں کہا "میں نے سنا ہے کہ تم دونوں صابی (بے دین) ہو گئے ہو؟" بہنوئی نے کہا "عمر! اگر تمہارا دین حق نہ ہو بلکہ اس کے سوا کوئی دوسرا دین حق ہو تو بتلاؤ کیا کرنا چاہیے؟" بہنوئی کے اس جواب نے عمرؓ کے غصہ کو اور تیز کر دیا اور وہ ان پر پل پڑے۔ بہن شوہر کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو عمرؓ نے ان کو اس قدر مارا کہ چہرہ خون سے تربتر ہو گیا۔ اب بہن کو بھی جوش آ گیا۔ بولیں: "اے خطاب کے بیٹے! تجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے، کر لے۔ ہم تو محمد ﷺ کے دین کو قبول کر چکے ہیں۔ اے اللہ کے دشمن! تو ہمیں محض اس لیے مارتا ہے کہ ہم اللہ کو ایک مانتے ہیں۔ خوب جان لے، ہم اسلام کے حلقہ میں داخل ہو چکے ہیں اگرچہ تیری ناک خاک آلود ہو"۔

بہن کا یہ جوش سے بھرا ہوا جواب سن کر عمرؓ کچھ پسیجے اور غصے میں کچھ ٹھنڈک پیدا ہوئی اور شرم آگین لہجے میں کہا "مجھے دکھاؤ تم کیا پڑھ رہے تھے؟" بہن نے کہا "تم ناپاک ہو اور قرآن حکیم کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں، جاؤ وضو کر کے آؤ"۔

اب عمرؓ کا غصہ بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا اور اصل حقیقت معلوم کرنے کا شوق اتنا بڑھ چکا تھا کہ بہن کے اس سخت اور توہین آمیز کلام کو نہایت صبر سے برداشت کیا۔ فوراً اٹھے اور وضو یا غسل کیا (اختلاف الروایات فی ذالک) اور صحیفہ مطہرہ کو ہاتھ میں لیا۔ اس میں لکھا تھا بسم اللہ الرحمن الرحیم سیدنا عمرؓ اللہ جل شانہ کے یہ نام دیکھ کر لرزہ براندام ہو گئے اور صحیفہ مبارکہ کو وہیں رکھ دیا۔ جب اوسان بجا ہوئے تو اسے پھر اٹھایا۔ بسم اللہ کے بعد سورۂ طٰہٰ لکھی تھی۔ قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ ان کے قلب میں نقش ہو رہا تھا۔ فصاحت زبان، محاسن کلام، ندرت بیان، بلندی معانی، جامعیت مطالب، حسن انشاء، شگفتگی الفاظ اور تعلیمات ہدایت کی پاکیزگی پر سر دھنتے رہے۔ آخر جب اس آیت پر پہنچے:

انني انا الله لا اله الا انا فاعبدني واقم الصلواة لذكري۔

"میں ہی معبود برحق ہوں میرے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں پس میری ہی عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو"۔

تو صداقت اسلام کا جذبہ کامل اپنی پوری طاقت کے ساتھ قلب صافی میں محشر انگیز ہوا اور انوار رشد و ہدایت نے رہبری فرما کر چشم بصیرت کھول دی۔ آنکھیں پرنم ہو گئیں اور زبان سے بے اختیار نکلا "کیسا ہی پاکیزہ کلام ہے حقیقت میں جس معبود کی یہ تعریف ہے اور جس کا یہ کلام ہے وہی قابلِ پرستش و ستائش ہے"۔ ما احسن الکلام و اکرم اس کے بعد بے اختیار بول اٹھے "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله۔

سیدنا خباب بن الارتؓ مکان میں چھپے یہ سب ماجرا دیکھ اور سن رہے تھے۔ جب انہوں نے سیدنا

Marfat.com

عمرؓ کی زبان سے کلمۂ شہادت سنا تو فوراً باہر نکل آئے اور سب حضرات نے خوشی سے نعرۂ تکبیر کہا اور جوش مسرت میں ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ خبابؓ نے کہا "عمر! بشارت ہو رسول اللہ ﷺ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوئی"۔ عمرؓ نے سیدنا خبابؓ سے کہا "مجھے اسی وقت سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں لے چلو"۔

سرکارِ دوعالم ﷺ اس وقت دارارقم میں تشریف فرما تھے۔ سیدنا خباب بن الارتؓ سیدنا عمرؓ کو ساتھ لے کر دارارقم کی طرف روانہ ہوئے جہاں سرکارِ دوعالم ﷺ اور دیگر صحابہ کرامؓ جن میں سیدنا حمزہؓ بھی موجود تھے، جو صرف تین روز قبل ایمان لائے تھے، تشریف فرما تھے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ دستک دی اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ یہ معلوم کر کے کہ عمرؓ اندر آنا چاہتے ہیں۔ کوئی شخص دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا کیونکہ عمرؓ انتہا درجہ مغلوب الغضب اور اسلام کی دشمنی میں بڑے غالی تھے۔ مکان میں موجود سب لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ عمرؓ خون خرابہ کرنے آئے ہیں۔ اصل حقیقت حال کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ اس لیے سب خوفزدہ تھے۔ سیدنا حمزہؓ نے فرمایا "دروازہ کھول دو اور آنے دو۔ اور سن لو اگر عمرؓ اطاعت حق اور قبول اسلام کے ارادہ سے آیا ہے تو اہلاً وسہلاً اور اگر کسی ایذارسانی کے ارادہ سے آیا ہے تو اسی کی تلوار ہو گی اور اسی کا سر"۔

سیدنا عمرؓ کا اپنا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے دروازہ کھول دیا گیا اور دو شخصوں نے میرے دونوں بازو پکڑے اور حضور ﷺ کے سامنے لا کر مجھے کھڑا کر دیا۔ آپؐ نے ان دونوں شخصوں سے فرمایا اس کے ہاتھ چھوڑ دو۔ آپؐ نے پھر میرا کرتا پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا "اے خطاب کے بیٹے! اسلام لا اور پھر یہ دعا فرمائی:

اللھم اھدہ۔

"اے اللہ! اس کو ہدایت دے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"اے اللہ! یہ عمر بن الخطاب حاضر ہے۔ اے اللہ! اس سے اپنے دین کو عزت دے"۔

پھر عمرؓ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

"عمرؓ کیا تو اس وقت تک باز نہ آئے گا جب تک حق تعالیٰ تجھ پر کوئی رسوا کن عذاب نازل نہ فرمائے"۔

نبوت کی پُر رعب آواز نے سیدنا عمرؓ جیسے شجاع اور جری شخص کو لرزہ براندام کر دیا۔ لہٰذا نہایت عاجزی اور فروتنی سے عرض کیا "حضورؐ ایمان لانے کی غرض سے حاضر خدمت ہوا ہوں اور پڑھا:

اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد انک رسول اللہ۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرط مسرت سے بلند آواز سے تکبیر کہی جس کے بعد دارارقم میں موجود تمام حضرات نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فضا مسرت و شادمانی کے نغموں سے معمور ہو گئی اور اس طرح عمرؓ زمرہ موحدین میں داخل ہو گئے۔

(''سیرۃ ابن ہشام'' ج۱ص ۳۴۵-۳۴۶،''عیون الاثر'' ج۱ص۲۱۶-۲۱۷،''زرقانی'' ج۱ص۲۷۶)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمرؓ کے مسلمان ہونے کی خوشی میں مسلمانوں نے جو صدائے تکبیر بلند کی، اس کی آواز مکہ کی گلیوں اور شاہراہوں پر سنی گئی (فکبر المسلمون تکبیرہ سمعت بطرق مکہ) (''عیون الاثر'' جلد۱، ص۲۱۷)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے بھی سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے کا یہی قصہ اپنی کتاب سیرۃ النبی میں نقل کیا ہے اور شبلی جیسے محقق نے اس کو اپنی کتاب ''الفاروق'' میں بھی نقل کیا ہے۔ لیکن شبلیؒ نے اس واقعہ کی اسناد اور درایت کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اردو میں کتابیں لکھنے والے دوسرے مورخین اور سیرت نگاروں نے بھی اس واقعہ کو بڑے شدومد سے لکھا کہ سیدنا عمرؓ گھر سے سرکارِ دوعالم ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے نکلے اور پھر بہن کو مار کر لہولہان کیا اور بالآخر مسلمان ہو گئے۔ علامہ شبلیؒ نے اس واقعہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ اس واقعہ کو انساب الاشراف بلاذری، طبقات ابن سعد، اسد الغابہ، ابن عساکر اور کامل ابن اثیر میں نقل کیا گیا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس واقعہ پر کوئی بحث کریں، علامہ شبلیؒ کے جانشین علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس واقعہ کے بارہ میں جو وضاحت فرمائی ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ سید صاحبؒ فرماتے ہیں:

''دار قطنی نے اس روایت کو مختصر لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں۔ (باب طہارۃ للقرآن) ذہبی نے مستدرک حاکم، ص۵۱۹، جلد۴، کے استدراک میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی اور منقطع ہے اور میزان الاعتدال میں قاسم بن عثمان کے حال میں، جو اس روایت کا ایک راوی ہے، لکھا ہے: اس نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا ایک قصہ بیان کیا ہے ''وھی منکرہ جدا'' وہ نہایت منکر ہے۔ کنز العمال (فضائل عمر بن الخطاب) میں بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان، اسحاق بن ابراھیم الحنینی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں۔ اور یہ سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں''۔ (سیرت النبیؐ'' جلد۳، ص۳۳۵)

اس قصہ میں سورۂ حدید کی تلاوت کا ذکر ہے۔ لیکن ایک دوسری روایت میں سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیات کا ذکر ہے اور بقیہ کہانی وہی ہے۔ یہ روایات طبقات ابن سعد، مسند ابی یعلیٰ، سنن دار قطنی، مستدرک حاکم، بیہقی، طبرانی، بزار اور ابو نعیم وغیرہ میں موجود ہیں۔ ان سب روایات میں جو راوی ہیں،

Marfat.com

ان کے بارہ میں علمائے جرح و تعدیل نے جو جرح کی ہے، وہ حسب ذیل ہے:

۱۔ **قاسم بن عثمان:** اس نے سیدنا انس بن مالک ؓ سے اس قصہ کو روایت کیا ہے۔ امام بخاری اس قاسم بن عثمان کے بارہ میں فرماتے ہیں "یہ ایسی روایت بیان کرتا ہے جس کا کوئی شاہد نہیں ہوتا" امام ذہبی فرماتے ہیں کہ "یہ قصہ نہایت ردی اور منقطع ہے" (تلخیص مستدرک) میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ "اس نے سیدنا عمرؓ کے اسلام کا قصہ نقل کیا ہے جو انتہائی منکر ہے"۔ (میزان الاعتدال، جلد ۳، ص ۳۷۵) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ "اس نے سیدنا عمرؓ کے اسلام کا قصہ نقل کیا ہے جو انتہائی منکر ہے"۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ "یہ قوی نہیں ہے"۔ (لسان المیزان، جلد ۴، ص ۴۶۳)

ایسا ہی دوسرے دو راویوں اسحاق بن ابراہیم اور اسامہ بن زید بن اسلم کے بارہ میں ہے۔

(ملاحظہ ہو میزان الاعتدال، جلد ۱، ص ۱۷۹۔ ص ۱۷۴)

گویا کہ اس واقعہ کے سارے راوی ناقابلِ اعتماد اور غیر ثقہ ہیں۔

درایت کے لحاظ سے بھی یہ قصہ بالکل غلط ہے اور صرف سیدنا عمرؓ کو خونی، ظالم اور یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ بھی رکھتے تھے، ثابت کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس کے غلط ہونے کے شواہد حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس روایت کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرؓ اپنی بہن فاطمہؓ اور اپنے بہنوئی سیدنا سعید بن زیدؓ کے اسلام لانے سے ناآشنا تھے اور آپ کو نعیم بن عبداللہؓ کی زبانی پتہ چلا کہ وہ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ حالانکہ یہ بات روایات صحیحہ کے خلاف ہے۔ چنانچہ بخاری میں سیدنا سعید بن زیدؓ کی اپنی زبان سے یہ بات منقول ہے "اللہ کی قسم، میں نے اپنے کو اس حال میں دیکھا کہ عمر اپنے اسلام لانے سے قبل مجھے باندھ کر ڈال دیا کرتے تھے" (بخاری، جلد ۱، ص ۵۴۵)

اس روایت سے غیر مبہم طور پر پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے بہنوئی کو اس کے اسلام لانے کے بعد باندھ کر زمین پر ڈال دیا کرتے تھے تاکہ وہ کہیں اور نہ جا سکیں اور کسی دوسرے قریشی تک اپنے ایمانی جراثیم منتقل نہ کر سکیں۔ اس لیے وہ انہیں باندھ کر گھر میں بٹھائے رکھتے۔

۲۔ اس وقت میں رسول اللہ ﷺ نے خود بھی تاکید فرمائی ہوئی تھی کہ اہلِ ایمان اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھیں۔ چنانچہ جب سیدنا ابوذر غفاریؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو آپ نے ان کو بھی تاکید فرمائی تھی کہ اپنے ایمان کو کسی پر ظاہر نہ کرنا اور نبی اکرم ﷺ خود بھی چھپ کر دار ارقم میں رب واحد کی عبادت کرتے۔ جب حالات یہ تھے تو سیدنا نعیم بن عبداللہؓ، سیدہ فاطمہؓ اور سیدنا سعید بن زیدؓ کے ایمان لانے کے راز کو کس طرح فاش کر سکتے تھے؟ یہ تو انہوں نے ان دونوں سے (معاذ اللہ) اپنی کسی دشمنی کا

Marfat.com

بدلہ لیا ہوگا۔ یہ بات خلاف عقل ہے کہ انہوں نے ان دونوں کے ایمان لانے کے راز کو یوں افشا کیا ہو۔

۳۔ اس واقعہ میں سورۃ الحدید کی ابتدائی آیات کی تلاوت کا ذکر ہے۔ یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی جبکہ سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ ۶ نبوی کا ہے۔ گویا کہ یہ آیات ۱۵ سال بعد نازل ہوئیں لیکن کذاب راویوں نے ۱۵ سال قبل سیدنا عمرؓ کے منہ سے ان کی تلاوت کرادی۔

۴۔ سیدنا سعید بن زیدؓ کے والد زید، سیدنا عمرؓ کے حقیقی چچا تھے۔ وہ بعثت نبوی سے قبل ہی بت پرستی کے سخت مخالف تھے اور توحید کے پرچارک تھے۔ زید کو ان کے اس نعرۂ توحید پر قریش مکہ نے تکالیف بھی دیں۔ انہی زید کے فرزند ارجمند سیدنا سعیدؓ اعلان نبوت کے چند روز بعد ہی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ اتنی جلدی مشرف باسلام ہونے میں ان کی گھریلو زندگی کے بھی اثرات تھے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ سیدنا عمرؓ کو اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کا علم نہ تھا۔ بعید از عقل اور واقعات کے صریحاً خلاف ہے۔

ان شواہد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ دشمنان عمرؓ نے انہیں سفاک، ظالم اور رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنانے والا ظاہر کرنے کے لیے گھڑا ہے وگرنہ حقیقت ایسی نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں اپنے اسلام لانے کا اصل واقعہ جس کو سیدنا عمرؓ نے اپنی زبان سے بیان کیا ہے اور بخاری اور مسند احمد جیسی معتبر کتابوں کی روایات میں بتایا گیا ہے، وہی صحیح اور درست ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "خلفاء راشدینؓ"۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن الخطاب جب دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے تو جبرئیل امین علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی "اے محمدؐ! تمام آسمان والے عمرؓ کے اسلام لانے سے خوش ہوئے ہیں"۔ (لقد استبشر اهل السماء باسلام عمرؓ)

("عیون الاثر" جلد ۱، ص ۱۲۲، "طبقات ابن سعد" جلد ۳، ص ۱۹۲، "زرقانی" جلد ۱، ص ۲۷۷، "ابن ماجہ" "فضل عمر بن الخطابؓ"، "مستدرک حاکم" جلد ۳، ص ۲۴، "قال البوصیری فی الزوائد"، اسنادہ ضعیف، لاتفاقھم علی ضعف عبداللہ بن خراش الا ابن حبان ذکرہ فی الثقات" "صفتہ الصفوۃ"، جلد ۱، ص ۲۷۴، "نہایتہ الادب" جلد ۱۶، ص ۲۵۶)

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں اسلام لا چکا تو میں نے ارادہ کیا کہ قریش میں جو شخص سرکار دوعالم ﷺ کی دشمنی میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہے، میں سب سے پہلے اسی کے سامنے اپنے قبول اسلام کا اظہار اور اعلان کروں گا۔ خیال آیا کہ ابوجہل سے بڑھ کر حضور ﷺ کا اور کوئی دشمن نہیں۔ چنانچہ میں سب سے پہلے ابوجہل کے مکان پر پہنچا۔ دروازہ بند تھا۔ میں نے دستک دی۔ ابوجہل کو میرے بارہ یہ اطلاع مل چکی تھی کہ میں تلوار حمائل کر کے حضور ﷺ کے قتل کے ارادہ سے دار ارقم کی طرف گیا

Marfat.com

ہوں اور وہ ہمہ تن انتظار تھا کہ جلد از جلد خبر ملنے والی ہے کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جب اس کو معلوم ہوا کہ عمرؓ دروازہ پر کھڑے ہیں تو اس نے نہایت عجلت سے دروازہ کھولا۔ سیدنا عمرؓ نے ابو جہل کو دیکھتے ہی کہا "ماموں! میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں بتادوں کہ میں نے محمد ﷺ کے دین حق کو قبول کر لیا ہے۔ میں خدا اور اس کے رسول برحق پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ایمان لے آیا ہوں اور ان کی تصدیق کی ہے"۔ یہ الفاظ سننے تھے کہ ابو جہل پر ایک بجلی سی گری اور اس نے غضبناک حالت میں جھٹ کواڑ بند کر لیے اور کہا "جا تو اور تیرا اسلام دونوں غارت ہوں"۔ ("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۳۵۰)

ابو جہل نے بددعا تو اپنے بھانجے عمرؓ کو دی تھی لیکن چند ہی سالوں کے بعد لوگوں نے دیکھ لیا کہ وہ خود اور اس کے تمام عناد پیشہ ساتھی کس طرح جنگ بدر میں غارت ہوئے اور نہایت خائب و خاسر ہو کر بدر کے کنوئیں میں پھینکے گئے اور خدائے قیوم نے اسلام کو عزت و سربلندی عطا فرمائی۔ سیدنا عمرؓ کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ ابو جہل کی حقیقی چچازاد بہن تھی۔ ابو جہل کا نام عمرو بن ہشام بن مغیرہ تھا۔ قبول اسلام کے وقت سیدنا عمرؓ کی عمر ۲۶ سال تھی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ جب اسلام لائے تو خیال آیا کہ اپنے اسلام کی ایسے شخص کو اطلاع دوں جو بات کے مشہور کرنے میں بہت زیادہ ماہر ہو تاکہ سب لوگوں کو میرے مسلمان ہونے کی جلد اطلاع ہو جائے۔ چنانچہ میں جمیل بن معمر کے پاس گیا جو اس بات میں پورے مکہ میں مشہور تھا۔ اور کہا "جمیل! تجھے معلوم ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور محمد ﷺ کے دین میں داخل ہو گیا ہوں"۔ جمیل یہ سنتے ہی اسی حالت میں اپنی چادر کھینچتا مسجد حرام کی طرف بھاگتا ہوا گیا جہاں تمام سرداران قریش اور ہر قبیلہ کے رؤساء جمع تھے اور جاتے ہی باآواز بلند بولا "لوگو! سن لو عمر صابی (بے دین) ہو گیا ہے۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی جمیل کے پیچھے پیچھے گیا اور وہاں جا کر کہا "لوگو! جمیل غلط کہتا ہے۔ میں صابی نہیں ہوا، میں تو اسلام لایا ہوں اور یہ گواہی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں"۔ یہ سننا تھا کہ لوگ عمرؓ پر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا۔

اب حالت یہ تھی کہ لوگ سیدنا عمرؓ کو مار رہے تھے اور عمرؓ لوگوں کو مار رہے تھے۔ یہاں تک کہ سورج سر پر آگیا اور سیدنا عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا "جو کچھ بن پڑے کر لو۔ بخدا! اگر ہم لوگ تین سو کی تعداد میں ہوتے تو مکہ میں یا تم رہتے یا ہم رہتے"

("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۳۴۸۔۳۴۹، "تاریخ عمر بن الخطاب، ص ۸)

علامہ ابن الجوزی نے سیدنا عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا تو لوگ اس کے پیچھے پڑ جاتے اور اسے زد و کوب کرتے۔ چنانچہ جب میں مسلمان ہوا تو اپنے ماموں عاصی بن ہاشم کے پاس گیا اور اسے اپنے مسلمان ہونے کے بارہ میں بتایا۔ یہ خبر سنتے ہی وہ گھر کے

Marfat.com

اندر گھس گیا۔ پھر قریش کے ایک بڑے آدمی کے پاس گیا (شاید ابو جہل کی طرف اشارہ ہے) اور اسے اپنے مسلمان ہونے کے بارہ میں بتایا۔ وہ بھی یہ خبر سن کر گھر کے اندر گھس گیا۔

("تاریخ عمر بن الخطاب" ص ۸)

سیدنا عمرؓ جس روز مسلمان ہوئے اگرچہ آپ بڑے جری اور بہادر تھے اور مکہ کا ہر شخص ان سے دبتا تھا لیکن چونکہ معاملہ عقیدہ اور دین کا تھا اس وجہ سے سارا مکہ برافروختہ ہو گیا۔ ایک بہت بڑا ہجوم ان پر چڑھ دوڑا۔ آپ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ جن کی عمر اس وقت چھ سال کے قریب تھی، فرماتے ہیں کہ میں مکان کی چھت پر کھڑا دیکھ رہا تھا۔ پورا میدان برافروختہ ہجوم سے پٹا ہوا تھا۔ سب طرف یہی شور تھا "صبا عمر" "عمرؓ دین سے پھر گیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "ہجوم نے گھر پر ہلہ بول دیا ہوا تھا اور جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں اور سیدنا عمرؓ خوف کے مارے گھر کے اندر تھے۔ اسی دوران ایک شخص آیا۔ وہ بڑی شان و شوکت کا آدمی تھا یعنی ازار اور چادر جو "حبرہ" کہلاتی تھی، زیب تن تھی۔ قمیص میں ریشمی کپڑے کی کفیں لگی ہوئی تھیں، وہ ہجوم کو چیرتا ہوا مکان کے اندر عمرؓ کے پاس پہنچا اور ان سے دریافت کیا "کیا بات ہے؟ یہ ہجوم کیسا ہے؟"

"آپ کی قوم کے آدمی کہہ رہے ہیں کہ عمرؓ کو مار ڈالیں گے، اس جرم میں کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں"۔ سیدنا عمرؓ نے جواب دیا۔ اس رئیس نے جواب دیا "ہرگز ایسا ممکن نہیں"۔ اس شخص کی بات سن کر مجھے اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد وہ شخص وہاں سے نکلا اور ہجوم سے کہنے لگا "اگر ایک شخص کا رجحان طبع کسی دوسری طرف ہو گیا تو تمہارا اس میں کیا ہے؟" اور کہا "جب بنی عدی بن کعب (سیدنا عمرؓ کا قبیلہ) کو معلوم ہو گا کہ تم ان سے برسرِ پرخاش ہو تو کیا وہ خاموش بیٹھے رہیں گے؟" اس کے بعد اس نے کہا کہ "اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔ عمرؓ میری پناہ میں ہے تم اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے"۔ سیدنا عبداللہؓ فرماتے ہیں "جیسے ہی اس شخص کی زبان سے امن اور پناہ کے الفاظ نکلے، تمام ہجوم کائی کی طرح چھٹ گیا"۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۴۵ باب اسلام عمرؓ، سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۴۹، عیون الاثر ج ۱، ص ۲۲۰)

روایت کے آخر میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا اس وقت بچپن تھا۔ وہ عاص بن وائل السہمی کو نہیں پہچانتے تھے۔ ہجرت کے بعد جب بڑے ہوئے تو ایک مرتبہ اپنے والد محترم سے پوچھا "ابا! وہ شخص کون تھا جس نے ہجوم کو منتشر کیا تھا؟" سیدنا عمرؓ نے جواب دیا: "وہ عاص بن وائل تھا جو بنو سہم کا سردار تھا"۔

("دلائل النبوۃ" جلد ۲، ص ۹، "ابن ہشام" جلد ۱، ص ۳۴۹، "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۸۲، "فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۳۵)

Marfat.com

یہ عاص بن وائل السہمی سیدنا عمرو بن العاصؓ کا والد تھا ("قسطلانی"، جلد ۴، ص ۲۹) اس کو عاصی بن وائل بھی کہتے ہیں۔ یہ شخص مسلمان نہیں ہوا۔ یہ شخص دہریہ اور زندیق قسم کا آدمی تھا۔ عرب میں چار آدمی ایسے تھے جو خدا کو بھی نہیں مانتے تھے، دہریہ اور زندیق تھے۔ وہ چار یہ تھے: عاص بن وائل، عقبہ بن ابی معیط، ابی بن خلف اور ولید بن مغیرہ (والد سیدنا خالدؓ بن ولید سیف اللہ) ("عمدۃ القاری" جلد ۵، ص ۴۴۴) یہ عاص بن وائل ایک طرف تو اسلام کا سخت ترین دشمن اور دوسری جانب سیدنا عمرؓ کو پناہ دے رہا ہے۔

ایک اور روایت جس کو ابو نعیم نے "حلیہ" میں اور بیہقی نے "دلائل" میں اسلم سے روایت کیا ہے، یہ ہے کہ ہجوم کو منتشر کرنے والا ابو جہل تھا۔ جب سیدنا عمرؓ تن تنہا دشمنوں کے نرغے میں تھے اور لوگ ان کو جان سے مار دینے کے درپے تھے، تو ابو جہل کو اس کی اطلاع ہوئی۔ وہ فوراً آیا اور لوگوں سے کہا کہ میں نے اپنے بھانجے کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ یہ سن کر ہجوم منتشر ہو گیا۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں چونکہ مجھے یہ بات قطعاً گوارا نہ تھی کہ کافر مسلمانوں کو بدستور زدوکوب کرتے رہیں اور میں کھڑا دیکھا کروں۔ اس خیال سے میں اپنے ماموں (ابو جہل) کے پاس گیا اور برملا کہہ دیا کہ میں تمہاری پناہ میں نہیں رہنا چاہتا"۔ ("تاریخ الخلفاء" للسیوطی)

لیکن علامہ ابن الجوزی نے سیدنا عمرؓ کا جو بیان اپنی کتاب "سیرۃ عمر بن الخطابؓ" میں درج کیا ہے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ہجوم کو منتشر کرنے والا نہ تو عاص بن وائل تھا اور نہ ابو جہل۔ بلکہ سیدنا عمرؓ کا حقیقی ماموں عاصی بن ہاشم تھا اور قرین قیاس بھی یہی ہے۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب وہ (جمیل بن معمر) باآواز بلند پکارنے لگا کہ خطاب کا بیٹا صابی ہو گیا تو لوگ مجھ پر پل پڑے۔ وہ مجھے مارتے تھے اور میں انہیں مارتا تھا۔ میرے ماموں نے آ کر کہا "لوگو! میں نے اپنے بھانجے کو پناہ دی ہے۔ اب کوئی شخص اس کو ہاتھ نہ لگائے"۔ چنانچہ تمام لوگ مجھ سے الگ ہو گئے۔

اس کے بعد میرے لیے یہ بات ناگواری کا باعث تھی کہ کوئی دوسرا مسلمان پٹتا نظر آئے لیکن دشمنان دین کی ظلم رانی مجھے برابر اس المناک منظر کے دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ بات حمیت دینی کے سخت خلاف ہے کہ دوسرے مسلمان تو برابر پٹ رہے ہوں لیکن میری طرف کوئی انگلی بھی نہ اٹھائے۔ آخر ایک روز علی الصبح تمام لوگ حسب معمول حجر میں بیٹھے ہوئے تھے تو میں اپنے ماموں کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ "میں تمہیں تمہاری حمایت اور پناہ واپس دیتا ہوں"۔ اس نے کہا "ایسا ہرگز نہ کرو" میں نے برابر انکار کیا۔ ماموں نے پوچھا "تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟" میں نے کہا "میری یہ خواہش ہے کہ میں پیٹوں اور پیٹا جاؤں یہاں تک کہ حق تعالیٰ شانہ اسلام کو غلبہ عطا فرمائیں"۔ ("سیرۃ عمر بن الخطاب" ص ۱۱)

ابنِ اسحاق کی ایک روایت میں ہے کہ "بخدا! ایسا لگتا تھا کیونکہ وہ لوگ (یعنی وہ ہجوم جو سیدنا عمرؓ پر ٹوٹا ہوا تھا) ایک کپڑا تھے جسے اس کے اوپر سے جھٹک کر پھینک دیا گیا"۔ ("ابنِ ہشام" جلد ۱، ص ۳۴۹)

مختصر یہ کہ سیدنا عمرؓ کا اسلام خرمن کفر پر برق سوزاں بن کر گرا۔ سیدنا حمزہؓ اور سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے نے کفر کی صفوں میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا کر دی۔ ان کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ ادھر مسلمانوں کی کیفیت ان سے بالکل مختلف تھی۔ اب قریش مکہ کی چیرہ دستی کے بعد سیدنا عمرؓ کا دریائے خشم بت پرستوں کے خلاف ہر وقت موجزن رہنے لگا۔ ایک روز انہوں نے نہایت دلسوزی کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ حق پر نہیں ہیں؟" سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا "کیوں نہیں؟ ہم یقیناً حق پر ہیں"۔ سیدنا عمرؓ نے عرض کی "پھر یہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ مشرکین تو علی الاعلان بت پرستی کریں لیکن ہم خدائے ذوالجلال کے پرستار اور توحید کے علم بردار چھپ کر اپنے خدا کی عبادت کریں"۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک روز سیدنا عمر بن الخطابؓ سے پوچھا کہ کس وجہ سے آپ کا لقب فاروق پڑا؟" آپ نے جواب دیا "مجھ سے تین روز پہلے سیدنا حمزہؓ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ پھر جب میں مسلمان ہوا تو میں نے بارگاہِ رسالت پناہ میں عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں، خواہ زندہ رہیں یا مریں؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا "کیوں نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم لوگ حق پر ہو۔ خواہ زندہ رہو یا اس دنیا سے انتقال کر جاؤ"۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں "تب میں نے کہا "اے اللہ کے رسول! پھر یہ چھپنا کیسا؟ اس ذات برحق کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، ہم ضرور باہر نکلیں گے"۔ چنانچہ ہم دو صفوں میں آپؐ کو ساتھ لے کر باہر آئے۔ ایک صف میں سیدنا حمزہؓ تھے اور دوسری صف میں میں تھا۔ ہمارے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا۔ (له كديد لكديد الطحين) حتیٰ کہ ہم مسجد الحرام میں داخل ہو گئے۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ "قریش نے مجھے اور سیدنا حمزہؓ کو دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی جو اب تک نہ لگی تھی" (فاصابتهم كابة لم يصبهم مثلها) اسی روز سرکارِ دو عالم ﷺ نے میرا لقب فاروق رکھ دیا"۔ (فسمانى رسول الله ﷺ الفاروق يومئذ)

("سیرۃ عمر بن الخطاب" لابن الجوزی، ص ۶-۷، "صفۃ الصفوۃ" جلد ۱، ص ۲۷۲، "دلائل النبوۃ" لابی نعیم، جلد ۱، ص ۷۹-۸۰، "عیون التواریخ" جلد ۱، ص ۷۵، "تاریخ الاسلام" ذہبی، جلد ۱، ص ۱۸۰)

اسی قسم کی روایت "شرح مواہب اللدنیہ" جلد ۱، ص ۲۷۷ میں بھی ہے۔

اہلِ اسلام کا دارِ ارقم سے نکل کر مسجد الحرام میں آنا سیدنا عمرؓ کا ایک بہترین کارنامہ تھا۔ اس سے ایک تو اسلام اور اہلِ اسلام کو تقویت ملی، دوسرے رؤسائے قریش کو اپنے جبر واستبداد کا ایوان سرنگوں ہوتا دکھائی دیا اور وہ سیدنا عمرؓ اور سیدنا حمزہؓ کو مسلمانوں کے حلقہ میں دیکھ کر سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے۔ اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے "سیدنا عمرؓ کا اسلام گویا فتح اسلام تھی اور ان کی ہجرت نصرت تھی اور ان کی خلافت رحمت تھی۔ ان کے مسلمان ہونے سے پہلے ہماری مجال نہ تھی کہ ہم مسجد حرام میں خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کریں لیکن عمرؓ کے مسلمان ہونے کے بعد ہم وہاں بلاخوف وخطر نماز پڑھنے لگے"۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۷۹)

"بخاری" میں انہی ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ جب سے سیدنا عمرؓ نے اسلام قبول کیا تب سے ہم برابر طاقتور اور باعزت رہے"۔

("بخاری" ج ۱، ص ۵۴۵، "ابن سعد" ج ۳، ص ۲۶۹، "سیرۃ عمر" لابن الجوزی، ص ۱۸)

سیدنا صہیب رومیؓ فرماتے ہیں کہ "سیدنا عمرؓ جب مسلمان ہوئے تو اسلام پردے سے باہر آیا۔ اس کی اعلانیہ دعوت دی گئی اور حالت یہ ہوگئی کہ ہم حلقے بنا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے، بیت اللہ کا طواف کیا اور جس نے ہم پر سختی کی اور ہم سے چیرہ دستی سے پیش آیا، اس سے انتقام لیا اور اس کے بعض مظالم کا جواب بھی دیا" (وردد نا علیہ بعض ما یاتی بہ)

("سیرۃ عمر بن الخطاب" لابن الجوزی" ص ۱۳، "تاریخ الخلفاء" للسیوطی)

سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ "جب سیدنا عمرؓ دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے تو اسلام بمنزلہ ایک اقبال مند آدمی کے ہو گیا کہ ہر قدم پر ترقی کرتا تھا"۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱)

Marfat.com

طفیل بن عمرو دوسیؓ کا قبولِ اسلام

طفیل بن عمرو الدوسیؓ قبلہ دوس کے رئیس تھے۔ یہ قبیلہ یمن کے ایک گوشہ میں آباد تھا اور بڑا طاقتور تھا۔ ایک قلعہ بھی اس کے پاس تھا۔ طفیلؓ شعر و سخن میں نہایت بلند حیثیت کے حامل تھے۔ بڑے زیرک، دانشور اور فہیم تھے۔ وہ قبیلہ کو اپنی قوت بیانی اور طلاقتِ لسانی سے جدھر چاہتے تھے، مائل کر لیتے تھے۔ قریش سے ان کے حلیفانہ تعلقات تھے۔

قریش کا یہ معمول تھا کہ جب وہ کسی نووارد کو مکہ میں دیکھتے تو اس کو سرکارِ دو عالم ﷺ کی طرف سے اس قدر متنفر کرنے کی کوشش کرتے کہ اگر وہ خاص آپ ہی کی ملاقات کے خیال سے مکہ مکرمہ آیا ہوتا تب بھی وہ آپؐ سے ملاقات کے بارہ میں اپنا ارادہ فسخ کر دیتا۔ قریش نے سنا کہ طفیل بن عمروؓ مکہ مکرمہ آئے ہیں تو وہ اس خیال سے بہت پریشان ہوئے کہ اگر انہوں نے محمد ﷺ سے ملاقات کی اور وہ ان کے گرویدہ ہو گئے تو ان کا سارا قبیلہ حلقہ اسلام میں داخل ہو جائے گا۔

سیدنا طفیلؓ کا بیان ہے کہ جونہی میں نے مکہ شہر کی سرزمین میں قدم رکھا، قریش کے آدمی مجھ سے آ کر ملنے لگے اور ہر شخص مجھے یہی کہتا "طفیل! تم ہمارے شہر میں نووارد اور مہمان ہو، اس لیے ہم تمہیں از راہ ہمدردی اور خیر خواہی خبردار کرتے ہیں کہ یہاں محمد ﷺ نام کا ایک شخص ہے، جس نے ہماری جمعیت اور وحدت قومی کو پراگندہ کر دیا ہے۔ اس کا کلام جادو بھرا ہے۔ وہ اپنی طلاقتِ لسانی اور سحر آمیز قوت بیانی سے باپ بیٹے، بھائی بھائی اور میاں بیوی کے مابین جدائی کی خلیج پیدا کر دیتا ہے۔ اس نے ہمارا قومی شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ تم نووارد ہونے کی وجہ سے یہاں کے حالات سے بالکل بے خبر اور ناآشنا ہو۔ اس لیے ہمیں تمہاری طرف سے یہ خطرہ ہے کہ کہیں تم اس کے دام میں نہ پھنس جاؤ۔ پس یہ ہمارا دوستانہ اور خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ مکہ کے قیام کے دوران اس سے دور رہو اور اس کی بات کی طرف ہرگز کان نہ دھرو۔

Marfat.com

سیدنا طفیلؓ فرماتے ہیں کہ "ان لوگوں نے مجھے آپ کی طرف سے اس قدر وحشت زدہ کر دیا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ بالفرض سر راہے ملاقات ہو بھی جائے تو آپ کی کوئی بات نہ سن سکوں۔ لیکن یہ ساری باتیں بیکار ثابت ہوئیں۔ کیونکہ دوسرے ہی دن میں نے آپ کو مسجد حرام میں کعبہ کے نزدیک نماز پڑھتے دیکھا۔ مجھے یہ طریق عبادت بہت پسند آیا۔ میں آپ کے قریب جاکر کھڑا ہو گیا۔ میں اگرچہ چاہتا تھا کہ آپ کا کلام نہ سنوں، لیکن آپ نماز میں جو آیات پڑھ رہے تھے، وہ میرے کان تک پہنچ گئیں۔ جب میں نے وہ آیات سنیں تو اس کلام میں بڑی دلآویزی اور جاذبیت معلوم ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا "میں ایک شاعر، دانشور اور مبصر ہوں۔ نیک و بد میں بخوبی تمیز کر سکتا ہوں۔ اچھے اور برے کو جان سکتا ہوں۔ میں یہ کلام ضرور سنوں گا"۔

جب آپ نماز سے فارغ ہو کر مسجد الحرام سے واپس ہوئے تو میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ جب آپ اپنے دولت کدہ پر پہنچے تو میں بھی پہنچ گیا۔ میں نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ "آپ کی قوم نے مجھے آپ کے کلام سے اس قدر خوفزدہ کیا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی یہاں تک کہ لوگ مجھے "ذوالقطنتین" کہنے لگے۔ لیکن مشیت ایزدی نے انکار کیا کہ میں آپ کا کلام نہ سنوں۔ چنانچہ آج آپ کا کلام کان میں پڑا تو بہت اچھا معلوم ہوا۔ لہٰذا آپ اپنا دین مجھ پر پیش کریں۔ اگر آپ کی باتوں میں حق و صداقت کی روح نظر آئی تو ضرور قبول کروں گا"۔ آپ نے دین کے بنیادی اصول میرے سامنے بیان کیے جو قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں پیوست ہو گئے۔ پھر آپ نے قرآن حکیم کی تلاوت فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ سورۂ اخلاص اور معوذتین کی تلاوت فرمائی۔ میں خود عربی زبان کا شاعر تھا۔ محاسن کلام کو بخوبی سمجھتا تھا۔ بخدا! میں نے قرآن حکیم سے بہتر کبھی کوئی کلام نہیں سنا اور آپ کے ارشادات گرامی کے مقابلہ میں کوئی حکیمانہ تقریر نہیں سنی تھی۔ اور اسلام سے زیادہ معتدل اور متوسط دین اور کوئی نہیں پایا۔ چنانچہ میں بادۂ اسلام کے ایک ہی جام سے سرشار ہو گیا اور اسی وقت حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کی زندگی میں یہ بات کامل طور پر نظر آتی ہے کہ دعوت میں آپ کا طریقہ یہ نہ تھا کہ کچھ مقرر الفاظ کو ہر ایک کے سامنے دہرا دیا کریں بلکہ مخاطب کی رعایت کرتے ہوئے اس کے سامنے اپنی بات رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں دوسری بات یہ ہے کہ دعوت کے کلمات جب داعی کی زبان سے نکلتے ہیں تو اس میں ایک اور چیز شامل ہو جاتی ہے اور وہ ہے داعی کی اپنی ذات۔ یہ اضافہ دعوت کو ایک زندہ عمل بنا دیتا ہے جو باعتبار حقیقت ایک ہونے کے باوجود اتنی مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے جس کی کوئی لگی بندھی فہرست نہیں بنائی جا سکتی۔ داعی کے سینے میں خوف خدا سے لرزتا ہوا دل، مدعو کے ایمان کے لیے بچوں کی سی معصوم اور بے قرار تمنا، یہ جذبہ کہ اگر میں خدا کے بندوں کو خدا کے قریب کر سکوں تو

Marfat.com

خدا مجھ سے خوش ہو جائے گا' یہ چیزیں نہ صرف کلمات دعوت میں کیفیت کا اضافہ کرتی ہیں' بلکہ اس کو باعتبار ظاہر انتہائی متنوع بھی بنا دیتی ہیں۔ کیونکہ مدعو کو متاثر کرنے کا پرشوق جذبہ اس کو مجبور کرتا رہتا ہے کہ ہر ایک کے ذہن کی مکمل رعایت کرتے ہوئے اس کے سامنے اپنی بات رکھے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور میں ایک بار آپؐ نے ابو سفیان اور ان کی بیوی ہند کو ابن عساکر کی روایت کے مطابق ان الفاظ میں دعوت دی:

"اے ابو سفیان اور اے ہند! خدا کی قسم تم کو ضرور مرنا ہے۔ اس کے بعد تم دوبارہ اٹھائے جاؤ گے پھر جو بھلا ہو گا' وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو برا ہو گا' وہ جہنم میں پھینکا جائے گا اور میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' حق کے ساتھ کہہ رہا ہوں"۔ (وانا اقول لکم بحق)

مکہ کے ایک رئیس اور بزرگ سے آپ کی گفتگو اس طرح ہوئی:

"اے حصین! تم کتنے معبودوں کی پرستش کرتے ہو؟" اس نے کہا "سات کی زمین میں اور ایک جو آسمان پر ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "جب مصیبت آئے تو کس کو پکارتے ہو؟" اس نے کہا "آسمان والے کو"۔ آپؐ نے پھر پوچھا "جب مال پر تباہی آئے تو کس کو پکارتے ہو؟" اس نے کہا "آسمان والے کو"۔ آپؐ نے فرمایا "وہ اللہ تو تنہا تمہاری فریاد رسی کرتا ہے اور تم اس کے ساتھ دوسروں کو کیوں شریک کرتے ہو؟"

اسی طرح "مسند احمد" میں ابو امامہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک قبیلہ کا آدمی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ "اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کیا چیز دے کر بھیجا ہے؟" آپؐ نے جواب میں فرمایا:

"یہ کہ صلہ رحمی کی جائے۔ قتل ناحق سے بچا جائے' راستوں میں امن رکھا جائے' بتوں کو توڑا جائے' صرف ایک خدا کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے"۔

آپ کے لیے ایک مستقل اور اہم ترین ذریعہ تبلیغ خود قرآن تھا۔ یہی قرآن آپ نے عتبہ بن ربیعہ کو سنایا اور یہی ولید بن مغیرہ کو اور یہی قرآن آپ نے طفیل بن عمرو دوسیؓ کو سنایا۔ اور جب بھی کوئی شخص آپ کو ملتا تو آپؐ اسے قرآن کا کوئی نہ کوئی حصہ پڑھ کر سناتے۔ روایات میں اکثر اس قسم کے الفاظ ملتے ہیں ثم ذکر الاسلام وتلا علیھم القرآن' فعرض علیھم الاسلام وقراء علیھم القرآن

قرآن کی کشش اور جاذبیت عربوں کے لیے اتنی حیرت انگیز تھی کہ اسلام کے بعض کٹر مخالفین بھی راتوں کو چھپ کر آپؐ کے مکان کے پاس آتے اور دیوار سے لگ کر آپ کا قرآن سنتے جو آپ رات کی

تنہائیوں میں پڑھتے۔ قرآن کا آسمانی ادب عربوں کو بے پناہ طور پر متاثر کرتا تھا۔ چنانچہ ولید بن مغیرہ نے قرآن ہی سے متاثر ہو کر اپنے ساتھیوں سے یہ کہا تھا کہ "یہ تو اتنا بلند کلام ہے کہ دوسرے تمام کلام اس کے آگے پست ہو جاتے ہیں" تبلیغ اسلام کے لیے قرآن سنانا اس زمانہ میں ایک عام طریقہ تبلیغ بن گیا تھا۔ چنانچہ سیدنا مصعب بن عمیرؓ جب مبلغ کی حیثیت سے مدینہ طیبہ بھیجے گئے تو ان کا طریقہ بھی یہی تھا کہ لوگوں سے باتیں کرتے اور قرآن سناتے۔ قرآن سنانے کی وجہ سے ان کا نام مقری پڑ گیا۔ (وکان یدعی المقری) ("حلیتہ الاولیا" جلد ا، ص ۱۳۷)

یثرب کا سب سے پہلا شخص جس کو آپؐ نے اسلام کی دعوت دی، غالباً سوید بن صامت خزرجی ہے۔ اس سے آپؐ نے اسلام کا ذکر کیا تو اس نے کہا شاید آپ کے پاس وہی ہے جو میرے پاس ہے۔ آپؐ نے پوچھا "تمہارے پاس کیا ہے؟" اس نے کہا "حکمت لقمان" آپ نے فرمایا "بیان کرو"۔ اس نے کچھ اشعار سنائے۔ آپ نے فرمایا "میرے پاس قرآن ہے۔ جو اس سے بھی افضل ہے"۔ اس کے بعد آپؐ نے اسے قرآن سنایا۔ وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔ یثرب واپس جا کر اس نے جب اپنے قبیلہ کے سامنے اسلام کا پیغام رکھا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ ("طبری" جلد ۲، ص ۲۳۲)

نبوت کے دسویں سال یثرب کے دو شخص سعد بن زرارہ اور ذکوان بن قیس مکہ آئے اور عتبہ بن ربیعہ کے ہاں ٹھہرے۔ پیغمبر اسلام کا تذکرہ سنا تو آپ سے ملنے کے لیے آئے۔ آپ نے ان دونوں کو قرآن سنایا اور اسلام کی دعوت دی۔ دونوں حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر وہ اپنے میزبان عتبہ کے پاس جانے کے بجائے سیدھا یثرب چلے گئے۔ یہ ان پہلے لوگوں میں سے ہیں، جنہوں نے اہل یثرب تک اولاً اسلام پہنچایا۔

سیدنا طفیل کا بیان ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی "یارسول اللہ! میں اپنی قوم کا سردار ہوں۔ چاہتا ہوں کہ واپسی کے بعد اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں۔ آپ حق تعالیٰ کے حضور دعا فرمائیے کہ وہ مجھے کوئی نشانی عطا فرما دے جو اس بارہ میں میری معین و مددگار ہو۔ آپؐ نے اس کے لیے دعا فرمائی اللھم اجعل لہ آیہ اے اللہ! اس کے لیے کوئی نشانی پیدا فرما۔

فرماتے ہیں میں سرکارِ دوعالم ﷺ سے رخصت ہو کر واپس اپنے وطن پہنچا تو میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہو گیا۔ میں نے حق تعالیٰ شانہ سے دعا کی کہ "اے اللہ! اس نور کو بجائے چہرہ کے کسی اور جگہ منتقل فرما دے۔ میری قوم کے لوگ کہیں اس کو مثلہ (شکل او رہیئت بدل جانا) نہ سمجھ لیں۔ اور یہ خیال نہ کریں کہ باپ دادا کا دین چھوڑنے کی وجہ سے اس کی شکل وصورت بدل گئی ہے"۔ حق تعالیٰ شانہ نے میری وہ دعا قبول فرمائی اور وہ نور اسی وقت میرے کوڑے کی طرف منتقل ہو گیا اور وہ کوڑا ایک قندیل کی مانند ہو گیا۔

Marfat.com

میں رات کو گھر پہنچا۔ میرے والد ایک سن رسیدہ بزرگ تھے۔ وہ میری آمد کی خبر سن کر علی الصبح میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں عرض کیا کہ میں آپ کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بتلا دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ آئندہ سے میرا اور آپ کا تعلق منقطع ہے۔ والد نے کہا "بیٹا! کیوں کیا ہوا؟" میں نے عرض کیا کہ "میں محمد رسول اللہ ﷺ کا طوق غلامی گردن میں ڈال کر ان کے دین حق میں داخل ہو گیا ہوں اور آپ کفر و شرک کی نجاست اور گندگی میں آلودہ اور غلطاں ہیں"۔ حق تعالیٰ شانہ نے والد محترم کی قسمت میں دولت ایمانی لکھی ہوئی تھی۔ اس لیے کوئی تلخ جواب دینے کی بجائے فرمایا "بیٹا! وہ دین جو تم نے اختیار کیا ہے، اگر وہ واقعی حق و صداقت پر مبنی ہے تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہوں"۔ میں نے کہا "آپ فوری طور پر غسل کر کے پاک کپڑے پہنئے"۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور میری طرح وہ بھی حلقہ ایمان میں داخل ہو گئے۔

میری اہلیہ کو میری آمد کی خبر ہوئی۔ وہ بھی آئیں۔ میں نے اسے بھی کہا کہ آئندہ کے لیے میرے اور تمہارے تعلقات بالکل منقطع ہو چکے ہیں۔ بیوی نے وجہ دریافت کی۔ میں نے اس کو بھی وہی جواب دیا کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کا پاکیزہ دین اختیار کیا ہے جو تمہارے غلیظ دین سے بالکل مختلف ہے۔ وہ بھی حلقہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ میں نے اسے کہا کہ اگر تجھے یہ اندیشہ ہے کہ بتوں کو چھوڑنے سے کہیں بچوں کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ لیکن ایک بات ذہن میں رکھو کہ بتوں میں کوئی قدرت نہیں۔ وہ ایسے بے حس ہیں کہ انہیں اپنی ہستی تک کا کوئی علم نہیں۔ بیوی کے ساتھ میری والدہ نے بھی حلقہ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔

بعد ازاں میں نے اپنے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے اسلام قبول کرنے میں تامل کیا۔ (حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس وقت صرف ابو ہریرہؓ ایمان لائے۔ ("الاصابہ" جلد ۲، ص ۲۲۶) قبیلہ کا یہ انکاری رویہ دیکھ کر مجھے بہت فکر ہوئی۔ میں دوبارہ عازم مکہ ہوا اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ! میرے تمام گھر والے دولت ایمان سے مشرف ہو چکے ہیں لیکن قبیلہ نے ایمان کی دولت کو قبول نہیں کیا۔ لہٰذا ان کے لیے بد دعا فرمائیے۔ حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی اللھم اھد دوسا وائت بھم اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت فرما اور مسلمان بنا کر یہاں بھیج۔ پھر آپؐ نے فرمایا: "جاؤ انہیں نرمی سے اسلام کی طرف بلاؤ"۔ میں نے واپس آ کر انہیں نرمی اور آشتی کے ساتھ اسلام کی دعوت دی۔ آپؐ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ اسی اثناء میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس کے بعد جب آپ ۷ھ میں غزوہ خیبر کے لیے تشریف لے گئے تو اس وقت میں اپنے قبیلہ کے ستر یا اسی گھرانوں کو ساتھ لے کر مدینۃ الرسول بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ یہ سب لوگ میرے ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔ سرکارِ دو عالم

Marfat.com

ﷺ نے ہم پر بڑی نوازشات فرمائیں۔

فتح مکہ کے بعد میں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ عمرو بن حممہ کے بت ذوا لکفین کے جلانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ آپ ؑ نے اجازت مرحمت فرمادی اور سیدنا طفیل بن عمروؓ نے جاکر اس بت کو نذر آتش کردیا۔ آپ بت جلاتے جاتے اور یہ پڑھتے جاتے:

یا ذوا الکفین لست من عبادکا

میلادنا اکبر من میلادکا

انی حشوت النار فی فوادکا

"اے ذوا لکفین! میں تیری عبادت کرنے والوں میں سے نہیں ہوں کیونکہ میری پیدائش تیری پیدائش سے مقدم ہے، میں نے تیرے اندر خوب آگ بھری ہے"۔

اس بت کے جلنے سے قبیلہ دوس کے باقی ماندہ لوگ بھی حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

طفیلؓ پھر مدینہ طیبہ آگئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا۔ پھر یہ اور ان کے بیٹے عمرو بن طفیلؓ جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور سیدنا عمرؓ کے زمانہ خلافت میں شہید ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق جنگ یمامہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "البدایہ و النہایہ" جلد ۳، ص ۹۸-۱۰۱، "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۲، ص ۳۸۲ تا ۳۸۵، "عیون الاثر" جلد ۱، ص ۲۳۹، "طبقات ابن سعد" جلد ۴، ص ۱۷۵، "دلائل ابی نعیم" جلد ۱، ص ۷۸)

بعض روایات میں ہے کہ اندھیری رات میں ان کا یہ کوڑا روشن ہوجاتا۔ اس وجہ سے وہ "طفیل ذی النور" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

("الاصابہ" ج ۲، ص ۲۲۵، ترجمہ طفیل، "الاستیعاب" ج ۲، ص ۲۳۱، "خصائص کبریٰ" ج ۱، ص ۱۳۶)

Marfat.com

ہجرۃ حبشہ اولیٰ

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے والوں پر جور و ستم اور ظلم و تشدد کا جو سلسلہ سنہ ۴ نبوی میں شروع ہوا تھا ابتداء میں تو وہ معمولی تھا' لیکن مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان پر جور و ستم میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ نبوت کے پانچویں سال کے وسط میں یہ سلسلہ اپنے پورے شباب پر آگیا۔ چنانچہ مسلمانوں کا مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ وہ جہاں کہیں کسی مسلمان کو پاتے' درندوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتے' اور اس وقت تک درگزر نہ کرتے جب تک وہ جرم ناآشنا ان کی نظر میں قبولِ اسلام کے جرم کی قرار واقعی سزا نہ پالیتا۔ اس سلسلہ میں سیدنا بلالؓ' سیدنا عمار بن یاسرؓ' سیدنا صہیب بن سنانؓ جو صہیب رومی کے نام سے مشہور تھے' خباب بن الارتؓ سیدنا ابو فکیہہ جہنیؓ' سیدہ زنیرہؓ وغیرہ کی مثالیں موجود تھیں۔

اس زمانہ میں عرب میں معاہدہ ایک حصار ہوتا تھا جو جان و مال کا محافظ ہوتا تھا۔ ان معاہدات کے ذریعہ طاقت کا توازن بھی قائم رہتا تھا۔ سیدنا ابو بکرؓ' سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور ان کے علاوہ اور کئی صحابہ کرامؓ نے خود اپنے طور پر مختلف قبائل کے ساتھ معاہدات کیے ہوئے تھے۔ ابتداء میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے خود کسی قبیلہ سے معاہدہ نہیں کیا ہوا تھا لیکن ان کی حفاظت کی ذمہ داری ابو طالب نے لے رکھی تھی۔ ابو طالب چونکہ اس وقت بنو ہاشم کے سربراہ تھے' اس لیے ایک سربراہ ہونے کی حیثیت سے انہوں نے کئی دوسرے قبائل سے معاہدات کیے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے جس طرح ابو طالب آپ کی پناہ کے ذمہ دار تھے' اسی طرح وہ قبائل بھی جن سے ابو طالب کے معاہدات تھے' آپؐ کی حفاظت کے ذمہ دار تھے لیکن دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کی اکثریت وہ تھی' جن کے کسی سے خود معاہدے نہیں تھے کیونکہ وہ اپنے قبائل کے سربراہ نہیں تھے۔ یہ سربراہوں کے تابع تھے۔ سربراہوں اور شیوخ کے معاہدات کے باعث اگرچہ غیر قبائل کے لوگ ان کو اپنے ظلم و

Marfat.com

ستم کانشانہ نہیں بناسکتے تھے لیکن خود قبیلہ کے لوگوں کی مخالفت ان کے لیے سخت اذیت کاباعث تھی۔

یہ لوگ مسلمان تو ہو گئے تھے، لیکن انہیں وہ مقاصد حاصل نہ تھے جن کے لیے انہوں نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا تھا۔ نہ یہ عبادت کر سکتے تھے اور نہ کھلے بندوں تلاوت قرآن کر سکتے تھے۔ بلکہ اپنے اسلام تک کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ اپنے اسلام کو انہوں نے پردۂ خفا میں رکھا ہوا تھا۔ اور اگر کسی کو پتہ چل جاتا کہ انہوں نے دعوت اسلام کو قبول کیا ہوا ہے تو ان پر مشق ستم جاری ہو جاتی۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد جن میں سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ جیسے متمول اور سربر آوردہ لوگ بھی تھے، اور غلام اور لونڈیاں اور دوسرے نچلے طبقے کے لوگ بھی تھے، طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں برداشت کر رہے تھے۔ اگرچہ خود سرکارِ دوعالم ﷺ بھی قریش مکہ کے جور و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے لیکن آپ کو اپنی اذیتوں کا احساس تو نہ تھا البتہ ساتھیوں اور صحابہ کی تکالیف آپ کو بے چین کیے ہوئے تھیں۔ اور آپ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ان کی مخلصی کی دعائیں فرماتے۔ ان کو صبر و برداشت کی تلقین فرماتے اور وہ مظلوم و مقہور لوگ دولت ایمان کی حفاظت کے لیے یہ سب کچھ کئی سالوں سے سہہ رہے تھے۔ تاہم سرکارِ دوعالم ﷺ جبر اور صبر کی آویزش کو ایسے مراحل میں داخل ہوتے دیکھ رہے تھے جہاں انسانی صبر کا پیمانہ چھلک سکتا ہے۔ لیکن جب کافروں کا جور و ستم حد سے بڑھ گیا تو ایک دن لسان نبوت سے ان مظلوم مسلمانوں نے یہ الفاظ سنے:

"تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کرے گا۔ ان مظلوموں نے پوچھا کہاں جائیں؟ آپؐ نے حبشہ کے ملک کی طرف اشارہ فرمایا"۔

("زرقانی" جلد ۱، ص ۲۷۰، "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۳۲۲، "عیون الاثر" جلد ۱، ص ۲۰۹)

سرکارِ دوعالم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ھی ارض صدق وہ راستی کی سرزمین ہے۔ وہاں کا حکمران ایسا ہے جس کی قلمرو میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ حبشہ بھی شام کی طرح قریش کی تجارت گاہ تھا۔ جب قریش تجارت کی غرض سے وہاں جاتے تو اس جگہ خوراک اور امن و طمانیت پاتے اور تجارت میں خوب فائدہ حاصل کرتے۔

ممکن ہے کہ اس ہجرت سے ایک فائدہ یہ بھی ہو کہ حبشہ کے باشندے صحابہ کرامؓ کے پاکیزہ عادات و اخلاق سے متاثر ہوں اور اسلام کے نیر تاباں کی شعائیں وہاں بھی دین حق کی روشنی پھیلائیں۔ چنانچہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا حکم پاتے ہی بارہ مردوں اور چار عورتوں کا ایک مختصر سا کارواں فی الفور ماہ رجب سنہ ۵ نبوی کو ہجرت کے لیے آمادۂ سفر ہو گیا۔ راہ خدا میں غریب الوطن ہونے والی مقدس جماعت مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل تھی:

Marfat.com

مرد	مستورات
۱۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ	۱۔ سیدہ طاہرہ رقیہ سلام اللہ علیہا بنت رسول اللہ ﷺ زوجہ محترمہ سیدنا عثمان بن عفانؓ
۲۔ سیدنا عثمان بن مظعونؓ	
۳۔ سیدنا زبیر بن العوامؓ	
۴۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ	
۵۔ سیدنا مصعب بن عمیرؓ	
۶۔ سیدنا معاویہؓ کے ماموں سیدنا ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ	۲۔ ابو حذیفہؓ کی اہلیہ سیدہ سہلہ بنت سہیلؓ
۷۔ سیدنا ابو سلمہ بن عبدالاسدؓ المخزومی	۳۔ ابو سلمہؓ کی اہلیہ ام سلمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ (یہ بعد میں امت المومنین ام سلمہؓ ہوئیں)
۸۔ سیدنا سہیل بن بیضاءؓ	
۹۔ سیدنا عامر بن ربیعہؓ عنتری	۴۔ سیدہ لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ زوجہ عامر بن ربیعہؓ
۱۰۔ سیدنا ابو سبرہ بن ابی رہم عامریؓ	۵۔ ام کلثوم بنت سہیل بن عمرؓ زوجہ ابو سبرہؓ
۱۱۔ سیدنا حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود	
۱۲۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ	("عیون الاثر" جلد۱)

ابن اسحاق نے ابو سبرہ بن ابی رہمؓ کے ساتھ ان کی اہلیہ ام کلثوم بنت سہیل کا نام بھی لکھا ہے۔ محمد ابن اسحاق نے حاطب بن عمرو اور ام کلثومؓ کا نام ذکر نہیں کیا۔ یہ دو نام "عیون الاثر" میں حافظ ابن سید الناس نے ذکر کیے ہیں۔ ("عیون الاثر" جلد۱، ص۲۰۹) اور حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ پہلی ہجرت حبشہ میں شریک نہ تھے بلکہ دوسری میں تھے۔

("فتح الباری" جلد۷، ص۱۴۳)

یہ گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں رات کی تاریکی میں پیدل اور سوار چھپتے چھپاتے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے سیدنا عثمان بن عفانؓ اپنی اہلیہ سیدہ طاہرہ رقیہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ مکہ سے نکلے اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوط علیہ السلام کے بعد سیدنا عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ اللہ کے راستہ میں ہجرت کی۔

اس کو حسن اتفاق کہئے کہ جب یہ مہاجرین یکے بعد دیگرے شعیبہ کی بندرگاہ پر پہنچے تو اس وقت دو

Marfat.com

تجارتی جہاز حبشہ کی بندرگاہ پر جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ چونکہ جہاز مال سے لدے ہوئے تھے اس وجہ سے جہاز والوں نے بہت سستے کرایہ یعنی پانچ درہم میں ان تمام لوگوں کو سوار کرلیا۔ ان نفوس قدسیہ کی روانگی کے بعد ایک عورت مکہ مکرمہ گئی جس نے یہ بیان کیا کہ میں نے عثمان بن عفانؓ کو شعیبیہ کی بندرگاہ کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ اس کی بیوی رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ تھی۔ جب قریش کو ان لوگوں کی حبشہ کی جانب ہجرت کا علم ہوا تو وہ بہت سٹپٹائے۔ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر بندرگاہ کی طرف آدمی دوڑائے لیکن ان کے بندرگاہ پہنچنے سے قبل جہاز انہیں اپنے دامن عافیت میں لے کر سمندر پار حبشہ روانہ ہو چکے تھے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مکہ کی بندرگاہ اگرچہ جدہ ہے لیکن عہد نبوی میں جدہ ایک معمولی سی بستی تھی جسے بندرگاہ کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ اس وجہ سے تمام جہاز شعیبیہ میں لنگرانداز ہوتے اور وہیں سے دوسرے ملکوں کو جاتے۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ نے اپنے عہد خلافت میں جدہ کو بندرگاہ بنایا تھا۔ اگرچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضرات جدہ کے ساحل سے سوار ہوئے تھے۔ ("فتح الباری" جلد۷، ص۱۸۰) لیکن جدہ سے مراد ان کی شعیبیہ ہے۔

یہ حضرات وہاں نہایت امن وامان سے اپنی زندگی کے ایام بسر کرنے لگے اور مکہ کے جور وستم کے زخم مندمل ہونے لگے۔ ابھی انہیں وہاں تین ماہ ہی گزرے تھے کہ ماہ شوال میں انہیں یہ خبر ملی کہ تمام اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے انہیں نہایت مسرت ہوئی۔ چنانچہ وہ فوری طور پر حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ جب یہ حضرات مکہ کے قریب پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ اس خبر کی حقیقت ایک افواہ سے زیادہ نہ تھی۔ اب ان کے لیے نہایت مشکل پیدا ہو گئی۔ یعنی نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن، نہ وہ واپس جا سکتے تھے اور نہ مکہ میں داخل ہو سکتے تھے۔ لہٰذا اب کوئی چھپ کر اور کوئی کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "البدایہ والنہایہ" جلد۳، ص۶۶-۶۷، "عیون الاثر" جلد۱، ص۲۰۹، "سیرۃ ابن ہشام" جلد۱، ص۳۲۲-۳۲۳)

Marfat.com

ہجرۃ حبشہ ثانیہ

حبشہ سے صحابہ کرامؓ کی واپسی کے بعد قریش کی ظلم آرائیاں اور ستم رانیاں حد برداشت سے بڑھ گئی تھیں۔ مسلمان جو تین ماہ وہاں رہے، نہایت سکھ اور امن سے رہے۔ لہٰذا شیفتگانِ حق و صداقت کی درخواست پر سرکارِ دوعالم ﷺ نے مسلمانوں کو دوبارہ حبشہ جانے کی اجازت مرحمت فرمادی لیکن اب کی بار ہجرت کرنا پہلے کی طرح آسان نہ تھا۔ یہ اپنے دامن میں زیادہ مشکلات لیے ہوئے تھی۔ کیونکہ اب کی بار قریش مکہ پہلے ہی سے چوکنا تھے لیکن جیسے بھی ہو سکا، ۸۲ یا ۸۳ مردوں اور اٹھارہ عورتوں نے نہایت مستعدی کے ساتھ ہجرت فرمائی اور حق تعالیٰ شانہ نے نہایت کرم سے ان کے سفر کو آسان بنادیا اور وہ قریش کی پکڑ میں آنے سے قبل شاہ حبش اصحمہ کے پاس پہنچ گئے۔ اب کی بار کس کس قبیلہ سے کتنے لوگ حبشہ ہجرت کر کے گئے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

بنوہاشم

(۱) سیدنا جعفر بن ابی طالب (۲) ان کی اہلیہ سیدہ اسماء بنت عمیسؓ چنانچہ عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب حبشہ ہی میں پیدا ہوئے۔

بنوامیہ

(۱) سیدنا عثمان بن عفانؓ (۲) ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا بنت رسول اللہ ﷺ (۳) سیدنا عمرو بن سعید بن ابی العاص بن امیہ (۴) ان کی اہلیہ فاطمہ بنت صفوان (۵) خالد بن سعید بن ابی العاص بن امیہ (۶) ان کی اہلیہ امینہ بنت خلف بن اسعد الخزاعی۔ ان کے ہاں حبشہ میں ایک لڑکا سعید بن خالد اور ایک لڑکی امتہ بنت خالد پیدا ہوئیں۔ اسی امتہ سے بعد میں سیدنا زبیر بن العوامؓ نے نکاح کیا جس سے عمرو بن زبیرؓ اور خالد بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ (۷) ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہؓ یہ سیدنا

Marfat.com

امیر معاویہؓ کے حقیقی ماموں تھے۔

بنو اسد بن خزیمہ

(۱) سیدنا عبداللہ بن جحشؓ (۲) ان کا بھائی عبیداللہ بن جحش (۳) اس کی بیوی ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیانؓ (۴) قیس بن عبداللہؓ، (۵) قیس کی اہلیہ برکتہ بنت یسار (۶) معیقیب بن ابی فاطمہؓ

بنو نوفل بن عبد مناف

عتبہ بن غزوانؓ یہ عہد فاروقی میں بصرہ کے حاکم بھی رہے۔

بنو اسد بن عبد العزیٰ

(۱) سیدنا زبیر بن العوامؓ (۲) اسودؓ بن نوفل بن خویلد بن اسد (۳) یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب (۴) عمر بن امیہ بن حرث بن اسد

بنو عبد بن قصی

سیدنا طلیب بن عمیرؓ

بنو عبد الدار بن قصی

(۱) سیدنا مصعبؓ بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار (۲) ان کے بھائی ابو الروم بن عمیرؓ (۳) صویبطؓ بن سعد بن حرملہ (۴) جہم بن قیسؓ (۵) جہم کی اہلیہ ام حرملہؓ بنت عبد الاسود، ان کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی (۶) عمرو بن جہم (۷) خزیمہ بنت جہم (۸) فراسؓ بن نضر بن حرث۔

بنو زہرہ بن کلاب

(۱) سیدنا عبد الرحمٰن بن عوفؓ (۲) عامر بن ابی وقاصؓ (۳) ابو وقاص مالکؓ بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ (۴) مطلب بن ازہر بن عبد مناف (۵) ان کی اہلیہ رملہؓ بنت ابی عوف۔ حبشہ میں ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ بن مطلب تھا۔

بنو ہذیل

(۱) سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ (۲) عتبہ بن مسعودؓ (یہ عبداللہ بن مسعودؓ کے بھائی ہیں)

Marfat.com

بنو بہراء

سیدنا مقداد بن عمروؓ

بنو تمیم بن مرہ

(۱) سیدنا حارث بن خالد بن صخرؓ (۲) ان کی اہلیہ سیدہ ریطہؓ بنت حرث حبشہ میں ان کے ہاں یہ اولادیں ہوئیں: موسیٰ بن حرث، عائشہ بنت حرث، زینب بنت حرث، فاطمہ بنت حرث۔ (۳) عمرو بن عمانؓ

بنو مخزوم

بنو مخزوم، ابو جہل کا خاندان تھا۔ اگرچہ یہ شقی ازلی دولت ایمان سے بہرہ ور نہ ہو سکا لیکن اس کے خاندان کے کئی حضرات دولت ایمان سے مشرف ہوئے اور ہجرت حبشہ میں شرکت کی۔

(۱) ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ (اصل نام عبداللہ تھا) (۲) ابو سلمہؓ بنت ابی امیہ بن مغیرہ۔ حبشہ کے قیام کے دوران ان کے ہاں ایک لڑکی زینب بنت ابی سلمہؓ پیدا ہوئی۔ (۳) عثمانؓ بن عثمان بن شرید۔ یہ شماس کے نام سے معروف تھے۔ چونکہ غیر معمولی حسین و جمیل تھے، اس وجہ سے شماس کے لقب سے مشہور ہوئے۔ (۴) ہبار بن سفیانؓ (۵) عبداللہ بن سفیانؓ (۶) ہشام بن ابی حذیفہؓ (۷) سلمہ بن ہشامؓ (یہ ابو جہل کے حقیقی بھائی تھے) (۸) عیاش بن ابی ربیعہ (۹) معتب بن عوفؓ

بنو جمح

(۱) عثمان بن مظعونؓ (۲) ان کے فرزند سائب بن عثمانؓ (۳) قدامہ بن مظعونؓ (۴) عبداللہ بن مظعونؓ (۵) حاطب بن عمرو بن معمرؓ (۶) ان کی اہلیہ سیدہ فاطمہ بنت مجلل (۷) محمد بن حاطبؓ (۸) حرث بن حاطبؓ (۹) خطاب بن حرثؓ (۱۰) ان کی اہلیہ فکیہہ بنت یسارؓ (۱۱) سفیان بن معمرؓ (۱۲) جابر بن سفیانؓ (۱۳) جنادہ بن سفیانؓ (۱۴) سفیان بن معمرؓ کی اہلیہ حسنہؓ (۱۵) شرحبیل بن حسنہ (۱۶) عثمان بن ربیعہؓ

بنو سہم

(۱) خنیس بن حذافہؓ (۲) عبداللہ بن حرثؓ (۳) ہشام بن عاصؓ (۴) قیس بن حذافہؓ (۵) ابو قیس بن حرثؓ (۶) عبداللہ بن حذافہ بن قیسؓ (۷) حرث بن حرث بن قیسؓ (۸) معمر

بن حرث بن قیسؓ (۹) بشر بن حرثؓ (۱۰) سعید بن عمروؓ (۱۱) سعید بن حرث بن قیسؓ (۱۲) سائب بن حرث بن قیسؓ (۱۳) عمیر بن ربابؓ (۱۴) محمیہ بن جزءؓ

بنوعدی

(۱) معمر بن عبداللہ بن نضلہؓ (۲) عروہ بن عبدالعزیٰؓ (۳) عدی بن نضلہ بن عبدالعزیٰ (۴) نعمان بن عدیؓ (۵) عامر بن ربیعہؓ (۶) ان کی اہلیہ لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ

بنوعامر

(۱) سیدنا ابوسبرہ بن ابی رہمؓ (۲) ان کی اہلیہ ام کلثوم سہیل بن عمرو بن عبد شمس (۳) عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عبد شمسؓ (۴) سلیط بن عمرو بن عبد شمسؓ (۵) سکران بن عمرو بن عبد شمسؓ یہ مکہ کے غیر مسلم رئیس سہیل بن عمرو کے بھائی تھے۔ (۶) ان کی اہلیہ سودہؓ بنت زمعہ بن قیس جو بعد میں ام المومنین ہوئیں۔ (۷) عبداللہ بن مخرمہؓ (۸) مالک بن ربیعہ بن قیسؓ (۹) ان کی اہلیہ عمرہ بنت سعدیٰ (۱۰) ابوحاطب بن عمروؓ (۱۱) سعد بن خولہؓ

بنوحارث

(۱) ابوعبیدہ بن الجراحؓ (اصل نام عامر بن عبداللہؓ) (۲) سہیل بن بیضاء (۳) ان کی والدہ وعدہ (۴) عمرو بن ابی سرح بن ربیعہؓ (۵) عیاض بن زہیرؓ (۶) عمرو بن حرث بن زہیرؓ (۷) عمرو بن عبد غنم بن زہیرؓ (۸) سعد بن عبد قیسؓ (۹) حرث بن عبد قیسؓ

ان مہاجرین میں سیدنا عثمان بن عفانؓ داماد رسولؐ ان نفوس قدسیہ میں شامل ہیں، جنہوں نے دو مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی اور دونوں دفعہ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا بنت رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ جب یہ دوسری مرتبہ حبشہ جانے کے لیے تیار ہوئے تو سیدنا عثمانؓ نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ! ہم نے قبل ازیں بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی اور اب پھر جا رہے ہیں، لیکن آپ اس مرتبہ بھی ہمارے ساتھ موجود نہیں ہیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا "تم لوگ جس طرح مہاجرین الی اللہ ہو اسی طرح تم نے میری طرف بھی ہجرت کی ہے"۔ یہ سن کر سیدنا عثمان نے عرض کی "پھر یہ ہمیں کافی ہے"۔

("سیرۃ ابن ہشام" جلد ا "طبقات ابن سعد" جلد ا ص ۲۰۷)

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ یمن کے رہنے والے تھے۔ ابتدائے بعثت میں وہ مکہ مکرمہ حاضر خدمت ہو کر دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ پھر یمن واپس چلے گئے۔ جب یمن میں پتہ چلا کہ کچھ حضرات ہجرت

Marfat.com

کر کے حبشہ چلے گئے ہیں تو یہ بھی یمن سے ہجرت فرما کر حبشہ چلے گئے اور وہیں مقیم رہے۔ پھر ۷ھ میں سیدنا جعفر طیارؓ کے ساتھ مدینہ طیبہ آ گئے۔ ("زاد المعاد" جلد ۲، ص ۴۵، "فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۴۳)

سیدنا ابو بکرؓ کا ارادۂ ہجرت

یہ حضرات تو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ ان کے ساتھ تو نہ گئے، لیکن دوسرے جانثاران اسلام کی طرح وہ بھی قریش مکہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ صدیق اکبرؓ چونکہ داعی حق ﷺ کے دست راست اور سب سے زیادہ معاون اور مشیر و وزیر تھے، اس وجہ سے قریش مکہ کی نظر التفات بھی ان کی طرف سب سے زیادہ تھی۔ آپ کا خاندان بڑا معزز اور طاقتور تھا۔ خود ان کی اپنی ذات بھی لوگوں کے نزدیک بڑی معزز تھی اور ان کے اعوان و انصار کی بھی کمی نہ تھی۔ تاہم دشمنان اسلام کی پیہم جفاکاریوں اور یورشوں سے تنگ آ کر ایک روز آپ نے بھی حبشہ جانے کے قصد سے مکہ مکرمہ کو الوداع کہہ دیا۔

جب آپ برک الغماد کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے یمن کی جانب چار منزل پر ہے، تو قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ (اصل نام سیعہ بن رفیع تھا اور بعض روایات کے مطابق وہ اس وقت احابیش کا سردار تھا جو ایک مجموعہ قبائل تھا) سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے پوچھا "ابو بکرؓ کہاں کا ارادہ ہے؟" فرمایا "میری قوم مجھ کو مکہ میں رہنے نہیں دیتی، مکہ کی سرزمین اپنی فراخی کے باوجود مجھ پر تنگ کر دی گئی ہے۔ لہٰذا چاہتا ہوں کہ کہیں اور جا کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہوں"۔ ابن الدغنہ نے کہا "یہ نہیں ہو سکتا کہ تم جیسا معزز، نیک کردار، مہمان نواز، صلہ رحم، بے کسوں، بیواؤں اور یتیموں کی کفالت اور دستگیری کرنے والا اور مصیبت زدوں کے کام آنے والا، شہر بدر ہو جائے۔ تم واپس چلو اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو۔ میں تمہیں اپنی حمایت اور جوار میں لیتا ہوں"۔

سیدنا صدیق اکبرؓ پر اپنے محبوب و مقتدا خاتم النبیین ﷺ کی مفارقت کا ایک ایک لمحہ ہزار ہزار سال کا تھا۔ ابن الدغنہ کی مراجعت کی درخواست پر دل میں خوش ہوئے اور اس کے ساتھ واپس چلے آئے۔ ابن الدغنہ مکہ مکرمہ پہنچ کر تمام سرداران قریش سے فرداً فرداً ملا اور نہایت افسوس سے ان سے کہا کہ "تم لوگ ایک معزز رئیس کو جلاوطن اور شہر بدر کرتے ہو، جو انتہا درجہ مہمان نواز، غریب پرور، بے کسوں کا ملجاء و ماوئی اور مصیبت زدوں کے کام آنے والا ہے"۔

عمائدین قریش نے ابن الدغنہ سے کہا کہ "ہم تمہارے اقرار اور عہد کا احترام کریں گے لیکن شرط یہ ہے کہ ابو بکرؓ اپنی عبادت اور قرآن حکیم کی تلاوت اپنے گھر میں چپکے سے کرے۔ وہ جب آواز سے قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری عورتیں اور بچے بلکہ مرد بھی اس سے متاثر ہونے لگتے ہیں"۔ ابن الدغنہ

نے کہا "میں اس بارہ میں ابوبکرؓ کو سمجھا دوں گا"۔ چنانچہ اس نے ابوبکرؓ کو استدعا کی کہ تم اپنی عبادت اور تلاوت قرآن آہستہ آواز سے کیا کرو۔

سیدنا ابوبکرؓ نے ابن الدغنہ کے کہنے پر کچھ روز تو آہستہ آواز سے قرآن حکیم پڑھنے کا التزام کیا لیکن بعد میں گھر کے پاس ایک مسجد تیار کروالی اور اس میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت الٰہی کرنے لگے۔ دل میں رقت اور نرمی بہت زیادہ تھی۔ نماز اور تلاوت میں اتنا روتے کہ ہچکیاں بندھ جاتیں۔ ابوبکرؓ کی تلاوت اور عبادت دیکھ اور سن کر مکہ کی عورتیں، غلام اور لونڈیاں جمع ہو جاتے اور ابوبکرؓ کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتے۔ قریش کو چند دنوں کے بعد پتہ چل گیا کہ ابوبکرؓ کی عبادت، تلاوت اور گریہ و بکاء قریش کی عورتوں اور بچوں کو اسلام کی طرف راغب کر رہے ہیں۔ تو انہوں نے ابن الدغنہ سے اس کی شکایت کی۔ وہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے پاس آیا اور قریش کی شکایت ذکر کر کے کہا "اب ان حالات میں، میں آپ کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتا"۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے فرمایا "مجھے تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں۔ میں خود تمہاری جوار سے دست بردار ہوتا ہوں۔ میرے لیے حق تعالیٰ شانہ کی صیانت و حفاظت کافی ہے۔ اور وہ بہترین حافظ و کارساز ہے"۔

علامہ عینی نے "عمدۃ القاری" میں لکھا ہے کہ "اسلام میں سب سے پہلی مسجد جو تعمیر ہوئی، وہ یہی مسجد تھی جو ابوبکرؓ نے مکہ معظمہ میں تعمیر کرائی"۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "بخاری" جلد ۱، ص ۳۰۷، "فتح الباری"، جلد ۷، ص ۱۸۱، "زرقانی" جلد ۱، ص ۲۸۸، "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۹۵، "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۳۷۲-۳۷۴)

Marfat.com

حبشہ میں قریش کی سفارت

مسلمان مہاجرین حبشہ جاکر نہایت امن و امان کی زندگی بسر کرنے لگے اور وہ قریش مکہ کے دست تطاول اور تعدی سے بچ کر حبشہ میں امن و عافیت اور اطمینان و سکون سے اپنی زندگی کے دن گزارنے اور ارکان اسلام بجالانے لگے اور شاہ حبشہ اصحمہ جس کا لقب نجاشی تھا' ان سے مربیانہ اور مشفقانہ سلوک کرنے لگا۔ جب یہ خبر قریش مکہ کو پہنچی تو وہ زخمی سانپ کی طرح سخت پیچ و تاب کھانے لگے۔ وہ کسی صورت میں بھی ان مہاجرین کو امن و عافیت میں دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ انہوں نے باہمی مشورہ سے ایک سفارت تیار کی جس کے اراکین عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ المخزومی تھے۔ قریش کے مختلف رؤساء سے ہدایا فراہم کیے گئے۔ شہنشاہ نجاشی اور اس کی سلطنت کے عمائدین کے لیے الگ الگ تحائف اور ہدایا مہیا کیے گئے۔ نجاشی کے لیے مکہ کا نفیس ترین چمڑا' ایک عربی گھوڑا اور دیباج کا جبہ اپنے ساتھ لے گئے۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۳' ص ۷۰)

سفارت بھیجنے والوں کو خاص طور پر ہدایت کی گئی کہ بادشاہ کی ملاقات سے پہلے تمام مقربین اور مصاحبین کو تحائف اور ہدیے دے کر ان کو اپنا ہم خیال بنالیا جائے تاکہ وہ پھر تمہاری حمایت کریں۔ چنانچہ یہ سفارت حبشہ پہنچی۔ یہ دونوں حضرات حبشہ پہنچ کر حسب ہدایت سب سے پہلے مسیحی علمائے دربار سے ملے جو بطریق کہلاتے تھے۔ اور ان سب کو فرداً فرداً تحائف اور ہدایا پیش کیے اور کوئی بطریق ایسا نہ تھا جس کو بادشاہ کے سامنے عرض داشت (Memorandom) پیش کرنے سے پہلے کوئی نہ کوئی ہدیہ اور تحفہ نہ پہنچادیا ہو۔ ان سب بطریقوں اور عمائدین سلطنت کو تحفے اور نذرانے پیش کرنے کے بعد ہر ایک سے کہا گیا کہ مکہ میں ایک شخص نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین ایجاد کرلیا ہے اور بہت سے آدمیوں کو متاثر کرکے اپنے ساتھ ملالیا ہے۔ ان میں سے چند گم کردگان راہ مکہ سے بھاگ کر آپ کے ہاں پناہ گزین ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنا دین چھوڑ کر تمہارا دین بھی اختیار نہیں کیا یعنی عیسائی بھی

Marfat.com

نہیں ہوئے بلکہ ایک نیادین اختیار کرلیا ہے جس سے آپ اور ہم دونوں میں سے کوئی بھی واقف و آشنا نہیں ہے۔ ہماری قوم کے سربر آوردہ لوگوں نے ہم کو آپ کے بادشاہ کے پاس ان کی واپسی کے لیے بھیجا ہے۔ کل ہم ان کی نسبت دربار شاہی میں ایک عرضداشت پیش کریں گے' اس لیے آپ حضرات سے التماس ہے کہ آپ ہماری تائید فرمائیں اور بادشاہ کو مشورہ دیں کہ وہ ان مفرورین کو بغیر کسی مکالمہ اور گفتگو کے ہمارے سپرد کردے۔[6]

تمام بطارقہ نے اس بارہ میں دربار شاہی میں ان کی تائید کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد تمام اعیان سلطنت کو بھی انواع و اقسام کے تحائف سے ممنون کر کے اپنا موید اور ہم نوابنانے کی پوری کوشش کی گئی۔ قریش کے سفیروں کے لیے یہ بات نہایت شاق تھی کہ شاہ حبشہ صحابہ کرامؓ کو بلا کر ان سے کچھ دریافت کرے یا ان سے کوئی گفتگو اور مکالمہ کرے، کیونکہ اسلامی تعلیمات کی جاذبیت کا انہیں پورا پورا اعتراف تھا۔ اس لیے ان کی اصل کوشش یہ تھی کہ دربار شاہی میں سارا قضیہ زیر بحث نہ آنے پائے اور مہاجرین کو سرے سے بات کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔

اسی مقصد کے لیے تحائف اور ہدایا کی صورت میں رشوت اور سازباز کے طریقے اختیار کیے گئے۔ جب درباریوں اور پادریوں کو یہ رشوت دے چکے تو اب نجاشی کے سامنے تحائف لے کر پیش ہوئے۔ پھر اپنا مدعا بیان کیا کہ اشراف مکہ نے ہمیں آپ کی خدمت میں اس لیے بھیجا ہے کہ آپ ہمارے ان آدمیوں کو جنھوں نے اپنے دین کو ترک کر کے ایک نیا دین اختیار کرلیا ہے' ہمارے ساتھ واپس کردیں۔ درباریوں اور پادریوں نے بھی اس بات کی بھرپور تائید کی۔ لیکن نجاشی نے ان کی اس درخواست کو ٹھکرا دیا۔ اس نے کہا یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں ان مہمانوں کو جنھوں نے اتنی دور سے آکر میری سلطنت میں پناہ لی ہے' بغیر کسی تحقیق اور دریافت احوال کے تمہارے حوالے کردوں۔

نجاشی ایک انصاف پسند اور عدل پرور بادشاہ تھا۔ ان لوگوں کی بات میں اسے کوئی وزن نظر نہ آیا۔ وہ اس قضیئے کو گہرائی سے کھنگالنا اور اس کے تمام پہلوؤں کو سننا ضروری سمجھتا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ جب بادشاہ کا قاصد صحابہ کرامؓ کے پاس پہنچا اور بادشاہ کا یہ پیغام پہنچایا' اس وقت صحابہؓ میں سے کسی نے یہ کہا کہ دربار میں پہنچ کر کیا کہو گے؟ (مطلب یہ تھا کہ بادشاہ تو عیسائی ہے اور ہم لوگ بہت سے عقائد میں اس سے اختلاف رکھتے ہیں) لیکن فیصلہ یہی ہوا کہ ہم دربار میں وہی کہیں گے جو سرکار دو عالم ﷺ نے ہمیں سکھایا ہے۔ اس میں سرمو کمی بیشی نہیں کریں گے۔

دوسرے روز جب دونوں فریق دربار شاہی میں حاضر ہوئے تو مسلمانوں نے صرف سلام پر اکتفا کیا اور مقررہ آداب کے مطابق نجاشی کو سجدہ کرنے سے اجتناب کیا لیکن قریش کے دونوں نمائندے بادشاہ کو دیکھتے ہی سربسجود ہو گئے۔ اعیان حکومت اور درباریوں پر مسلمانوں کا یہ طرز عمل بہت گراں گزرا۔

چنانچہ اسی وقت مصاحبین نے مسلمانوں سے یہ سوال کر دیا کہ تم نے بادشاہ سلامت کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟

ایک روایت میں ہے کہ بادشاہ نے خود بھی یہ سوال کیا۔ مہاجرین نے اپنی طرف سے سیدنا جعفر طیارؓ کو جو بڑے خوش بیان مقرر تھے، اور اس وقت ان کی عمر ۲۶ سال کے قریب تھی، اپنا نمائندہ (Spokes-man) مقرر کیا۔ سیدنا جعفرؓ نے یہ سوال سن کر بڑی جرات سے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا ہے۔ اس نے ہم کو یہی حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کرو۔ ہم خود اس رسول کو بھی اسی طرح سیدھے سادے طریق سے سلام کرتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو اسی طرح سلام کرتے ہیں اور سرکارِ دوعالم ﷺ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ اہل جنت بھی اسی طرح ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔

نجاشی نے صحابہؓ سے پوچھا کہ عیسائیت اور بت پرستی کے سوا وہ کون سا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے؟ یہ سوال اس نے سفارت مکہ کے اس دعویٰ کی وضاحت کے لیے پوچھا جس میں اس نے کہا تھا کہ یہ مہاجرین ہمارے بھگوڑے مجرم ہیں اور انہوں نے ایک نیا دین گھڑ کر ایک تخریبی طوفان کھڑا کر دیا ہے۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۷۳)

سیدنا جعفرؓ کی تقریر

اب سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ مسلمانوں کے ترجمان کی حیثیت سے دربار میں کھڑے ہو گئے اور نجاشی سے اجازت طلب کر کے پہلے سفارت مکہ سے تین سوال کیے "کیا ہم کسی کے غلام ہیں جو آقا سے بھاگ آئے ہیں؟" عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا "نہیں یہ لوگ کسی کے غلام نہیں بلکہ آزاد شرفاء ہیں"۔ (بل احرار کرام) سیدنا جعفر نے پوچھا "بتاؤ، کیا ہم کسی کو ناحق قتل کر کے آئے ہیں؟" "اگر ایسا ہے تو آپ بے شک ہمیں مقتول کے اولیاء کے حوالہ کر دیں" سفیر مکہ عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا "نہیں، آپ لوگوں نے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا" (لا قطرہ من دم) تیسرا سوال سیدنا جعفرؓ نے یہ کیا "کیا ہم کسی کا مال لے کر بھاگے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہم اس کی ادائیگی کے لیے تیار ہیں" عمرو بن العاص نے جواب دیا (ولا قیراط) یعنی آپ کے ذمہ کسی کا ایک حبہ بھی نہیں۔ ان تین سوالوں سے اہل اسلام کی اخلاقی پوزیشن پوری طرح واضح ہو گئی۔ چنانچہ نجاشی نے سفارت مکہ سے پوچھا "پھر کس چیز کا مطالبہ ہے؟" عمرو بن العاص نے نجاشی کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ "ہم اور یہ لوگ ایک ہی دین پر قائم تھے۔ ہم تو اسی دین پر قائم رہے، البتہ ان لوگوں نے اس دین کو بالکل چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا"۔ اب اس دین کے بارہ میں نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا کہ جو دین تم لوگوں نے اختیار کیا ہے، وہ کیا

Marfat.com

ہے؟اس کا جواب سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ نے جو دیا، اجمالی طور پر یہ ہے:

"اے بادشاہ! ہم لوگ دنیا کی جاہل ترین قوم تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے اور مردار کھاتے تھے۔ فواحش و عصیان میں ہر وقت غرق تھے۔ ہم نے محارم کو حلال کر رکھا تھا۔ حرام کاری کوئی معیوب شئے نہ تھی۔ حقوق انسانیت کا ذرہ برابر پاس نہ تھا۔ قطع رحمی، ہمسایوں کی حق تلفی، خونریزی ہمارا عام شیوہ اور دستور تھا۔ زبردست، زیردست کو کھا جاتا تھا۔ ملک کے اندر کوئی آئین، کوئی اصول، کوئی قاعدہ، کوئی قانون اور کوئی دستور نہ تھا اور دنیا کی کوئی برائی ایسی نہ تھی، جس کے ہم خوگر نہ تھے۔ ایسی حالت میں رحمت خداوندی ہم پر جلوہ فگن ہوئی اور اس نے ہم میں سے ایک ایسی برگزیدہ ہستی کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا، جس کا حسب و نسب، فضل و شرف، صدق و امانت، عفاف و دیانت، تقویٰ و طہارت، دوست اور دشمن سب کے نزدیک مسلم ہے۔ اس رسول اور پیغمبر نے ہم کو توحید الٰہی اور معرفت ربانی کا سبق دیا اور شرک سے بچنے کی دعوت دی۔ پتھروں اور بتوں کی پوجا سے جو ہمارے باپ دادا سے چلی آ رہی تھی، ہمیں روک دیا اور ہدایت فرمائی کہ ہمیشہ راست بازی سے کام لیں۔ غیبت اور عیب جوئی سے بچیں، ایفائے عہد کریں۔ اس نے ہمیں اکل حلال، امانت کی ادائیگی، صلہ رحمی اور ہمسایہ کے حقوق کی ادائیگی کا پابند فرمایا۔ گناہوں سے بچنے کی تلقین فرمائی، خونریزی اور دختر کشی سے باز رہنے اور فواحش و منکرات کے ترک کرنے کا حکم دیا۔ یتیم کا مال کھانے اور عفت مآب خواتین پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ بے کسوں، بے سہارا لوگوں، یتیموں اور بیواؤں کی امداد اور ہمسایوں کو راحت و آرام پہنچانے کا حکم دیا۔ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت ہم پر فرض قرار دی۔ ہم لوگ اس یگانہ روزگار ہستی پر قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے ایمان لائے اور اس کی ہدایات کی تصدیق و تائید کی۔ ہم کفر و شرک کو یک قلم ترک کر کے بدعملیوں اور بدکرداریوں سے دست بردار ہو گئے اور پاکیزگی، طہارت اور لطافت کو اپنا شعار بنایا۔ جس شئے کو اس یگانہ دہر ہستی نے حلال بتایا، ہم نے اسے حلال سمجھا اور جس کو حرام بتایا، اس سے اجتناب کیا"۔

سیدنا جعفر طیارؓ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"صرف اور صرف اس وجہ سے ہماری قوم نے ہم کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، ستایا اور دھمکایا تاکہ ہم گزشتہ فواحش و منکرات میں پھر مبتلا ہو جائیں۔ ان بے حیائیوں کو پھر اختیار کر لیں۔ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت چھوڑ کر از سر نو پتھر کی مورتیوں کو پوجنا شروع کر دیں۔ ہم مکارم اخلاق کو ترک کر کے گزشتہ برائیوں میں پھر مبتلا ہو جائیں۔ ان

Marfat.com

لوگوں سے ہم نے ڈھیروں دکھ اٹھائے۔ آخر جب ان کے ظلم کا اور ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور جب ہم ان کے مظالم سے تنگ آ گئے اور اپنے دین پر چلنا اور ایک خدا کی عبادت کرنا ہمارے لیے دشوار ہو گیا اور مکہ کی سرزمین باوجود اپنی وسعت کے ہم پر تنگ کر دی گئی تو ہم بصد مجبوری وطن کی پیاری سرزمین کو چھوڑ کر آپ کی عملداری میں چلے آئے۔ اس امید پر کہ آپ ظلم نہ کریں گے اور آپ کی ہمسائیگی کو ہم نے سب پر ترجیح دی"۔

جب سیدنا جعفرؓ نے دین اسلام کی یہ باتیں اور اپنے پر کیے گئے مظالم کی یہ داستان نجاشی کو بھرے دربار میں سنائی اور مسلمانوں نے دیکھا اور نجاشی کے تیور بتا رہے تھے کہ سیدنا جعفرؓ کی یہ باتیں اس کے دل کے بند دروازے پر دستک دے رہی ہیں۔ اتنے میں انہوں نے نجاشی کے منہ سے یہ سنا کہ "تمہارے اس رسول پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کلام بھی اترا ہو گا؟ سیدنا جعفرؓ نے فرمایا "ہاں برابر نازل ہو رہا ہے"۔ نجاشی نے کہا "اچھا اس میں سے کچھ پڑھ کر سناؤ"۔

سیدنا جعفرؓ نے سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھا۔ پورا دربار شاہی عمائدین اور پادریوں سے بھرا پڑا تھا۔ قرآن حکیم کے الفاظ کی جاذبیت اور بادشاہ اور دربار میں موجود تمام حاضرین کی ہمہ تن توجہ نے ان کے دلوں میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔ ابھی چند آیات ہی آپ نے پڑھی تھیں کہ خود نجاشی اور تمام درباریوں کی آنکھوں میں آنسوؤں کے چشمے ابلنے لگے۔ بادشاہ کی تو روتے روتے ڈاڑھی تر ہو گئی۔ پادری بھی اتنا روئے کہ ان کے مصاحف تر ہو گئے۔ سیدنا جعفرؓ نے جب تلاوت ختم کی تو بادشاہ کہنے لگا "بخدا! یہ کلام جو تم نے پڑھ کر سنایا اور وہ کلام جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے، دونوں ایک ہی شمع فیض کے پرتو ہیں"۔

اب بادشاہ نے حکم دیا کہ "قریش کے ان سفیروں کے تمام ہدیے اور تحائف واپس کر دیے جائیں اور ان سے کہہ دیں کہ یہاں سے چلے جائیں۔ میں ان مظلوموں کو کسی صورت تمہارے حوالے نہیں کروں گا"۔

("تاریخ الاسلام" ذہبی، جلد ۴، ص ۱۸۴-۱۹۱، "مسند احمد" جلد ۱، ص ۲۰۱، "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۳۳۴-۳۳۸، "مجمع الزوائد" جلد ۶، ص ۲۷، "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۷۰-۷۲)

قریش کے یہ دونوں سفیر عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ جب بادشاہ کے دربار سے بے نیل مرام باہر نکلے تو عمرو ابن العاص نے جو اس وقت اسلام کی مخالفت میں اہل شرک کی نمائندگی کر رہے تھے، یہ کہا کہ کل بادشاہ کے سامنے ایسی بات کہوں گا، جس سے وہ ان لوگوں کو نیست و نابود کر دے گا۔ عبد اللہ بن ابی ربیعہ نے کہا کہ ایسا ہرگز نہ کرنا۔ آخر ان لوگوں سے ہماری قرابتیں اور رشتہ داریاں ہیں۔ گو یہ دینی طور پر ہمارے مخالفین ہیں، مگر عمرو بن العاص نے اس کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

Marfat.com

دوسرے روز عمرو بن العاص نے دوبارہ دربار شاہی میں باریابی حاصل کر کے گزارش کی "جہاں پناہ! ان لوگوں سے ذرا یہ بھی تو دریافت فرمایا جائے کہ "عیسیٰ ابن مریمؑ کے بارہ میں ان کا کیا عقیدہ ہے؟ کیونکہ یہ ان کے بارہ میں بہت ہی سخت بات کہتے ہیں۔ یہ ان کا درجہ گھٹاتے ہیں اور ان کی شان میں بے ادبی سے کام لیتے ہیں۔ آپ ان کو بلا کر میری اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں۔

نجاشی نے یہ بات سن کر صحابہ کرامؓ کو پھر دربار میں بلایا۔ دوبارہ بلانے پر صحابہ کرامؓ کو قدرے گھبراہٹ اور تشویش ہوئی۔ کسی صحابی نے ان میں سے کہا کہ بادشاہ سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں کیا کہو گے؟ اس پر سب صحابہ کرامؓ نے پھر متفقہ طور پر کہا کہ بخدا! ہم وہی کہیں گے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے فرمایا ہے۔ اس میں ذرہ برابر کمی بیشی نہ کریں گے۔

یہ آزمائش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی۔ صحابہ کرامؓ کو تردد تھا کہ شاید نجاشی سیدنا مسیح علیہ السلام کے بارہ میں ہمارے عقیدہ سے بدک جائے اور ہمیں کچھ نقصان پہنچائے۔ لیکن بات سچی ہو اور کہنے والا خلوص نیت کے ساتھ کہے تو وہ دل کی گہرائیوں میں اتر کر اثر کرتی ہے۔ گویا "بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے"۔

یہ سب حضرات دربار میں پہنچے۔ بادشاہ نے ان دونوں سفیروں کی موجودگی میں مسلمانوں سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ "تم لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں کیا کہتے ہو اور تمہارا ان کے بارہ میں دینی عقیدہ کیا ہے؟" اب پھر سیدنا جعفر طیارؓ دربار شاہی میں اٹھے اور فرمایا:

> "اے بادشاہ! ہمارے پیغمبر ﷺ نے بتایا ہے کہ مسیح علیہ السلام خدا کے پیغمبر اور کلمۃ اللہ اور اس کے برگزیدہ بندے ہیں"۔

یہ سننا تھا کہ بادشاہ نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور بولا "تم نے عیسیٰ علیہ السلام کی جو تعریف کی ہے، واللہ! حضرت مسیح علیہ السلام تنکا بھر بھی اس سے زیادہ نہیں"۔ اس پر دربار میں حاضر پادری چین بجبین ہوئے، لیکن بادشاہ کے سامنے بے بس تھے۔ اس نے پادریوں سے صاف کہہ دیا کہ "تم کتنا ہی ناک بھوں چڑھاؤ، لیکن حقیقت یہی ہے جو مسلمانوں نے بیان کی ہے" اور مسلمانوں سے کہا کہ "تم میرے ہاں بالکل امن و سکون سے رہو۔ میں ایک سونے کا پہاڑ لے کر بھی تم کو ستانا اور تنگ کرنا پسند نہیں کرتا اور حکم دیا کہ ان قریشی سفیروں کے تمام ہدیے اور تحائف واپس کر دیئے جائیں۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ بخدا! خدا نے میرا ملک اور میری سلطنت بغیر رشوت کے مجھ کو دلائی لہٰذا میں تم سے رشوت لے کر ان لوگوں کو کسی صورت تمہارے حوالے نہیں کروں گا"۔

دربار ختم ہوا تو مسلمان خوشی اور مسرت کے ساتھ اور قریشی سفیر نہایت ندامت و ذلت کے ساتھ نجاشی کے دربار سے باہر نکلے۔

Marfat.com

بعض روایات میں ہے کہ نجاشی کے سامنے جب سیدنا جعفر طیارؓ نے سیدنا مسیح علیہ السلام کے بارہ میں اپنا عقیدہ بیان کیا تو نجاشی نے نہایت خوشی اور مسرت سے کہا "مرحبا! تم کو بھی اور اس کو بھی جس کے پاس سے تم آئے ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور بے شک وہی پیغمبر ہیں جن کی سیدنا مسیح علیہ السلام نے خوشخبری اور بشارت دی ہے اور اگر مجھے سلطنت کے امور کی الجھن نہ ہوتی تو ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کے جوتوں کو بوسہ دیتا"۔ (ولولا ما انا فیہ من الملک لاتیتہ حتی اقبل نعلیہ) اور مسلمانوں کو کہہ دیا کہ "جب تک چاہو میری مملکت کی سرزمین میں رہو اور کھانے اور کپڑوں وغیرہ کا بھی ان کے لیے حکم دیا"۔ ("مجمع الزوائد" جلد۶ ص۳۱)

سیدہ ام سلمہؓ جو اس وقت حبشہ میں موجود تھیں، فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ دونوں قریشی سفیر اپنے ہدیے اور تحائف لے کر اور بہت بے آبرو ہو کر واپس چلے گئے اور ہم نجاشی کے پاس ایک اچھے ملک میں ایک اچھے پڑوسی کے زیر سایہ اپنی زندگی کے دن گزارنے لگے"۔

("ابن ہشام" جلد۱، ص۳۳۸)

بعض سیرۃ نگاروں کا بیان ہے کہ نجاشی کے دربار میں سیدنا عمرو بن العاصؓ کی حاضری جنگ بدر کے بعد ہوئی تھی۔ ممکن ہے کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ مسلمانوں کی واپسی کے لیے نجاشی کے دربار میں دو مرتبہ گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مکہ والوں کی جو سفارت حبشہ سے ناکام اور نامراد واپس آئی، اس کے قائد عمرو بن العاصؓ تھے۔ ان کے ساتھی کے نام میں اختلاف ہے۔ زیادہ مشہور تو عبداللہ بن ابی ربیعہ المخزومی ہیں جو سرکارِ دو عالم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ لیکن بعض سیرت نگاروں نے سیدنا خالد بن ولید سیف اللہؓ کے بھائی عمارہ بن ولید کا نام لیا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عمرو ابن العاص اور عمارہ بن ولید کے مابین عداوت کی ایک خلیج حائل کر دی۔ اور ان کے مشن کے ناکام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ انہوں نے ایک طرف تو عمارہ بن ولید کو یہ کہا کہ تو ایک حسین و جمیل شخص ہے۔ تم نجاشی کی بیوی کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ اس بارہ میں اپنے خاوند سے ہماری سفارش کرے۔ چنانچہ عمارہ بن ولید نجاشی کی بیوی کے پاس چلا گیا۔ دوسری طرف عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ میرا ساتھی شادی شدہ ہے لیکن پھر بھی وہ تیری بیوی کا خواہش مند ہے۔ نجاشی نے ایک آدمی تحقیق حال کے لیے اپنی بیوی کے پاس بھیجا۔ اس نے دیکھا کہ عمارہ بن ولید اس کی بیوی کے پاس موجود ہے۔ نجاشی کو اس بات سے سخت غصہ آیا۔ اور ان دونوں کو خائب و خاسر کر کے واپس بھیج دیا۔

("تاریخ الاسلام" ذہبی، جلد۱، ص۱۹۰، "دلائل النبوۃ" بیہقی، جلد۲، ص۶۲-۶۵، "دلائل ابی نعیم، جلد۱، ص۸۰-۸۱)

Marfat.com

سیدنا عمرو بن العاصؓ کو حبشہ کی اپنی سفارت کی ناکامی کی اتنی ندامت ہوئی کہ واپس آ کر وہ خانہ نشین ہو گئے اور گھر سے باہر نکلنے کا نام نہ لیتے تھے۔ سرداران اور اشراف قریش نے آدمی بھیج کر جب ان سے باہر نہ نکلنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ "شاہ حبشہ اصحمہ" کا گمان ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔ (گویا ان کے دل میں بھی آپ کی نبوت کا بیج جڑ پکڑ گیا تھا)

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۶)

سیدنا عمرو ابن العاصؓ اور سیدنا خالد بن ولیدؓ صفر ۸ھ میں دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ سیدنا عمرو ابن العاصؓ فرماتے ہیں کہ "میں مدینہ جاتے ہوئے جب ھدہ پہنچا تو راستہ میں میری دو آدمیوں سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک خالد بن ولیدؓ تھے۔ سیدنا عمرو ابن العاصؓ نے خالدؓ سے پوچھا "کہاں جا رہے ہیں؟" خالد بن ولیدؓ نے جواب دیا محمد ﷺ کے پاس جا رہا ہوں"۔

دخل الناس فی الاسلام فلم یبق احد بہ طعم۔

"لوگ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں اور کوئی صاحب ذوق شخص (داخل اسلام ہونے سے) باقی نہیں رہا"۔ ("بیہقی")

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں تمام کارنامے انہیں لوگوں نے انجام دیئے ہیں جن کے اندر یہ مزاج ہو کہ وہ "ذوق" کے تحت رد و قبول کا فیصلہ کرتے ہوں۔ باقی وہ لوگ جو فائدوں اور مصلحتوں کی روشنی میں چلتے ہیں، وہ ہمیشہ اپنی دولت کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ ان پر نہ تو زندگی کے بڑے بڑے حقائق منکشف ہوتے ہیں اور نہ ان سے کسی بڑے کام کی توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ ساری زندگی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں۔

ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ قریش کی سفارت کی ناکام واپسی کے تھوڑے دنوں بعد سلطنت حبشہ پر دشمن نے چڑھائی کر دی۔ بادشاہ مسلمانوں کا محسن تھا اور مسلمان ایک احسان شناس قوم تھے۔ اس وجہ سے صحابہ کرامؓ اس خبر کو سن کر نہایت مغموم ہوئے اور شاہ حبشہ کی فتح و نصرت کے لیے دعائیں مانگنے لگے۔ مدینہ طیبہ میں ہر صحابی نجاشی کی فتح و نصرت کے لیے سجدہ ریز تھا۔ سیدنا زبیر بن العوامؓ اصل حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر حبشہ گئے اور وہاں جنگ کی صحیح صورت حال معلوم کر کے واپس مدینہ پہنچے۔ یہاں تمام صحابہ کرامؓ نہایت تضرع و ابتہال کے ساتھ مصروف دعا تھے۔ ان کی دعائیں بارگاہ الوہیت میں قبول ہوئیں اور سیدنا زبیرؓ نے واپس آ کر بتایا کہ نجاشی مظفر و منصور اور ان کا دشمن خائب و خاسر ہوا ہے۔

("دلائل النبوۃ" بیہقی، جلد ۲، ص ۷۲، "ابن ہشام" جلد ۱، ص ۸۷، "دلائل النبوۃ" لابی نعیم، جلد ۱، ص ۸۱)

Marfat.com

جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرماکرمدینہ منورہ تشریف لائے تواس کی خبر حبشہ میں مقیم مسلمانوں کو بھی ہوئی۔اب مہاجرین حبشہ کے دل میں مدینہ منورہ پہنچنے کا میلان ایک قدرتی امر تھالیکن ان کی ناداری اور تہی دستی اس طویل بحری سفر کی راہ میں حائل تھی۔یہ خبر سن کر ۳۳ مردوں اور آٹھ عورتوں کے ایک قافلہ نے مکہ مکرمہ کے راستہ مدینہ منورہ جانے کے لیے رخت سفر باندھ لیا۔یہ حضرات بخیروعافیت مکہ مکرمہ پہنچ گئے لیکن جب یہاں سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے توان میں سے سات آدمیوں کو مکہ میں روک لیاگیااور باقی مدینہ الرسول پہنچ گئے۔ان میں چوبیس حضرات غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے اور باقی ماندہ حضرات سنہ ۷ ھ میں غزوۂ خیبر کی موقع پر سیدنا جعفر طیارؓ کی معیت میں مدینہ الرسول پہنچے۔

("فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۸۲، "عیون الاثر" جلد ۱، ص)

سیدنا عثمان ذوالنورینؓ بھی مہاجرین حبشہ میں سے تھے۔یہ بھی پہلے حبشہ سے مکہ مکرمہ آئے اور پھر یہاں سے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ طاہرہ رقیہ سلام اللہ علیہا بنت رسول ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کی راہ لی۔وہاں پہنچ کر سیدنا حسان بن ثابتؓ کے بھائی اوس بن ثابتؓ کے ہاں قیام فرمایا۔

مورخین نے سیدنا عثمانؓ کو ذوہجرتین (یعنی دو ہجرتوں والا) لکھا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دو ہجرتوں والے کیسے ہوئے؟انہوں نے تو بلاشک وشبہ تین ہجرتوں کا شرف حاصل کیا ہے۔دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور ایک دفعہ مدینہ طیبہ کی طرف۔

مہاجرین حبشہ کی فضیلت

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ قریش کے گوناگوں مظالم سے تنگ آکر سو سے زیادہ صحابہ کرامؓ نے اپنی ناداری، بے کسی اور تہی دستی کے باوجود اپنے وطن مالوف کو جو گوناگوں برکات کا ملجاء و ماویٰ تھا،خیرباد کہا تو بارگاہِ الوہیت سے سورہ النحل کی ۴۱ آیت ان کے لیے یہ مژدہ جانفزا لائی:

"اور جن (مسلمانوں) پر دشمنان دین کی طرف سے ظلم ہوئے اور انہوں نے مظلومی کی حالت میں اپنے اللہ کی خاطر وطن عزیز کو خیرباد کہا، ہم ان کو بالیقین دنیا میں اچھے ٹھکانے سے بٹھائیں گے اور آخرت کا اجر (جو ان کو ملنے والا ہے، وہ اس سے) کہیں بڑھ کر ہے"۔

گو اس آیت کے الفاظ عام ہیں لیکن اس بشارت خداوندی کے اولین مصداق حبشہ کے مہاجرین ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اپنے وطن عزیز کو خیرباد کہہ کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ان مہاجرین کی بڑی تعداد تقریباً تیرہ سال تک وہاں اقامت پذیر رہی۔لیکن نجاشی کے حسن سلوک کی وجہ سے انہیں اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی مفارقت اور جدائی کے سوا وہاں اور کسی بھی پریشانی

Marfat.com

اور تکلیف کا سامنا نہ ہوا۔

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد ایک روز سیدنا جعفر طیارؓ کی اہلیہ سیدہ اسماء بنت عمیسؓ، ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمرؓ سے ملنے گئیں۔ اتنے میں سیدنا عمرؓ بھی وہاں تشریف لے آئے۔ انہوں نے اپنی بیٹی سے پوچھا "یہ بی بی کون ہے؟" سیدہ حفصہؓ نے جواب دیا "یہ اسماء بنت عمیسؓ ہیں؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہاں وہی حبشہ والی، سمندر والی ہیں؟" سیدہ اسماءؓ نے جواب دیا "ہاں وہی"۔ سیدنا عمرؓ ازراہ مزاح فرمانے لگے "ہم کو تم پر فضیلت ہے کہ ہم نے مدینۃ الرسول کی طرف تم سے پہلے ہجرت کی تھی"۔ یہ سن کر سیدہ اسماء بنت عمیسؓ کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگیں "جی ہاں آپ سچ فرماتے ہیں لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگ سرکارِ دوعالم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ بھوکوں کو کھانا کھلاتے اور جاہلوں کو علم کے زیور سے آراستہ کرتے لیکن ہم لوگ صرف خدا اور اس کے برگزیدہ رسول ﷺ کی رضاجوئی کے لیے سال ہا سال غریب الوطنی کی خاک چھانتے رہے۔ سخت سے سخت مصائب کا سامنا کیا اور ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا۔ تاہم ہر مصیبت اور تکلیف کا مقابلہ صبر واستقلال سے کیا"۔ دونوں میں یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ جناب سرور کائنات ﷺ تشریف لے آئے۔ سیدہ اسماءؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ! عمرؓ یوں کہتے ہیں"۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا "انہوں نے (سیدنا عمرؓ اور ان کے ساتھیوںؓ نے) ایک ہجرت کی اور تم اہل سفینہ نے دو ہجرتیں کیں۔ اس اعتبار سے تم کو زیادہ فضیلت حاصل ہے"۔ جب اس گفتگو کا چرچا ہوا تو مہاجرین حبشہ جوق در جوق سیدنا جعفرؓ کے گھر آتے اور سیدہ اسماءؓ سے سرکارِ دوعالم ﷺ کا یہ ارشاد بار بار سنتے اور خوش ہوتے۔ سیدہ اسماءؓ فرماتی ہیں کہ "مہاجرین حبشہ کے لیے دنیا میں آپؐ کے ان الفاظ سے زیادہ حوصلہ افزاء اور مسرت انگیز اور کوئی چیز نہ تھی"۔ ("بخاری")

Marfat.com

قریش کی ابو طالب سے گفتگو

حبشہ سے قریش کی سفارت کے ناکام واپس آنے کے بعد عمرو بن العاصؓ تو خانہ نشین ہو گئے لیکن دوسرے مشرکین مکہ کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ اپنے جذبہ عداوت کو اپنے دائرہ اختیار ہی میں آسودہ کر سکتے ہیں۔ وہ اندر ہی اندر زخمی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے۔ اب انہوں نے ایک اور خوفناک بات سوچنی شروع کر دی۔ انہیں اس بات کا پوری طرح احساس ہو گیا تھا کہ اس مصیبت سے نمٹنے کے لیے اب ان کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو رسول اللہ ﷺ کو دعوت و تبلیغ سے بزور طاقت روک دیں یا پھر (معاذ اللہ) آپ کے وجود ہی کو ختم کر دیں لیکن یہ دوسری بات ان کے لیے حد درجہ مشکل تھی۔ کیونکہ ابو طالب آپ کے کسٹوڈین اور محافظ تھے۔ چنانچہ ایک بار انہوں نے پھر سوچا کہ ابو طالب کے پاس جا کر انہیں محمد ﷺ کے بارہ میں آگاہ کریں اور ان کے ذریعہ سے ان کی دعوت و تبلیغ کو روکنے کی کوشش کریں۔ اس تجویز پر سب نے صاد کیا اور سرداران قریش کا ایک وفد ابو طالب کے پاس گیا۔ اس دفعہ ان کے ساتھ ولید بن مغیرہ کا لڑکا عمارہ تھا۔ ان کی سمجھ میں آ گیا کہ ابو طالب اپنے بھتیجے محمد ﷺ کو کسی صورت چھوڑ نہیں سکتے بلکہ اس بارہ میں وہ تمام قریش کی عداوت بھی مول لینے کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے اب کی دفعہ ابو طالب سے کہا:

”ابو طالب! یہ قریش کا سب سے خوبصورت اور بانکا جوان ہے۔ آپ اسے لے لیں اور اس کی دیت اور نصرت کے آپ حق دار ہوں گے۔ آپ اسے اپنا لڑکا بنا لیں اور اس کے بدلے میں آپ اپنے بھتیجے محمد ﷺ کو ہمارے حوالے کر دیں جس نے آپ کے باپ دادا کے دین کی مخالفت کی ہے۔ اور آپ کی قوم کا شیرازہ منتشر کر کے رکھ دیا ہے اور ان کی عقلوں کو حماقت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ہم اسے قتل کر دیں گے“۔

یہ سن کر ابو طالب نے کہا:

"بخدا! یہ کتنا برا سودا ہے جو تم مجھ سے کر رہے ہو۔ تم اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے پالوں پوسوں اور میرا بیٹا قتل کرنے کے لیے مجھ سے طلب کرتے ہو۔ بخدا! یہ نہیں ہو سکتا"۔

ابو طالب کے منہ سے یہ الفاظ سن کر مطعم بن عدی بولا:

"بخدا! ابو طالب! تم سے تمہاری قوم نے انصاف کی بات ہے اور جو صورت تمہیں ناگوار ہے، اس سے بچنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ان کی کوئی بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو"۔

ابو طالب نے جواب دیا:

"مطعم! تم لوگوں نے مجھ سے انصاف کی بات نہیں کی بلکہ تم بھی میرا ساتھ چھوڑ کر میرے مخالف لوگوں کی مدد کرنے پر تلے بیٹھے ہو۔ لہٰذا جو تم کرنا چاہتے ہو کر لو، مجھے تمہاری کوئی پروا نہیں"۔ ("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۲۶۶)

نبوت پر تشدد

ابو طالب سے اس گفتگو کی ناکامی کے بعد قریش کا جذبہ جور و ستم اور بھی بڑھ گیا اور محمد ﷺ پر جبر و تشدد اور بھی سخت تر ہو گیا۔ ان کے ذہنوں میں اسلام کے اس داعی ﷺ کو ختم کرنے کی بہت سی تجویزیں ابھریں لیکن کوئی تجویز بھی سرے نہ چڑھ سکی۔ محمد ابن اسحاق کی ایک طویل روایت سے بھی اس بارہ میں روشنی پڑتی ہے کہ وہ کس کس طریقہ سے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کو ختم کرنے کے درپے ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی خود حفاظت فرمائی۔ چنانچہ ایک دن ابو جہل نے قریشی سرداروں سے مخاطب ہو کر کہا:

"قریشی ساتھیو! تمہیں بخوبی علم ہے کہ محمد ﷺ کس طرح ہمارے دین میں مین میخ نکالتے ہیں۔ ہمارے باپ دادا کی بدگوئی اور ہماری عقلوں کی تخفیف اور ہمارے معبودوں کی تذلیل کرتے ہیں۔ لہٰذا میں نے یہ تجویز اپنے ذہن میں تیار کی ہے کہ ایک بہت بھاری پتھر لے کر رکھوں گا اور جب محمد ﷺ سجدہ کرے تو اسی پتھر سے اس کا سر کچل دوں۔ اب اس کے بعد چاہے تم لوگ مجھے بے یار و مددگار چھوڑ دو یا میری حفاظت کرو۔ اور بنو عبد مناف بھی اس کے بعد جو چاہیں میرے خلاف کریں۔ لیکن میں محمد ﷺ کو مارنے کا یہ کام کر گزروں گا"۔

تمام قریش نے اس پر ابو جہل کو یقین دلایا کہ "ہم اس معاملہ میں تمہیں ہرگز بے یار و مددگار نہیں

Marfat.com

چھوڑ سکتے۔ تم جو کرنا چاہتے ہو، کر گزرو"۔

ساری رات ابو جہل اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے بارہ میں سوچتا رہا۔ صبح ہوئی تو وہ ایک بھاری بھرکم پتھر لے کر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ حسب معمول نماز کے لیے تشریف لائے اور مسجد الحرام میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ قریش بھی اس تجویز پر عمل دیکھنے کے لیے اپنی اپنی مجلسوں میں آچکے تھے اور اس بات کے منتظر تھے کہ کب ابو جہل اس بھاری پتھر سے محمد ﷺ کا سر کچلتا ہے۔ چنانچہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ سجدہ میں گئے تو ابو جہل نے پتھر اٹھایا اور مارنے کے لیے آپ کی جانب بڑھا۔ لیکن یہ دیکھ کر تمام لوگ حیران رہ گئے کہ بجائے آپ کو پتھر مارنے کے وہ شکست خوردہ حالت میں واپس بھاگا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ جیسے اس نے کوئی بڑی خطرناک چیز دیکھی ہو اور وہ اس قدر مرعوب تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پتھر کے ساتھ چپک کر رہ گئے اور بصد مشکل ہاتھ سے پتھر پھینک سکا۔ یہ حالت دیکھ کر قریش کے کچھ لوگ بھاگ کر اس کے پاس آئے اور پوچھا "ابو الحکم! کیا معاملہ ہے؟ تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟" ابو جہل نے گھبرائی ہوئی آواز میں جواب دیا "رات جو تجویز میں نے آپ کو دی تھی، اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جب میں پتھر اٹھا کر محمد ﷺ کے قریب پہنچا اور آپ پر پتھر پھینکنے لگا تو ایک اونٹ آڑے آگیا۔ لات و عزیٰ کی قسم! میں نے اس قسم کا اونٹ اپنی پوری زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ اس کی کھوپڑی ایسی تھی اور گردن اور دانت میں نے کبھی ایسے دیکھے ہی نہیں۔ وہ میری طرف حملہ آور ہوا جیسے مجھے کھا جانا چاہتا ہو۔ اس لیے میں بھاگ آیا ہوں"۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ مجھے بتایا گیا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ اگر ابو جہل قریب آتا تو اسے پکڑ لیتے"۔

(ذلک جبرئیل علیہ السلام۔ لو دنا لاخذہ)

("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۲۹۸-۲۹۹)

یہ تو صرف ایک ابو جہل کا واقعہ ہے۔ ابو جہل کی طرح کئی اور قریشی سرداروں کے دماغوں میں بھی آپ کو قتل اور ختم کرنے کا خیال پک رہا تھا۔ چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ مشرکین قریش حطیم میں جمع تھے۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ مشرکین نے سرکارِ دو عالم ﷺ کا ذکر کیا اور کہنے لگے کہ "اس شخص کے بارہ میں جیسا صبر ہم نے کیا، اس کی مثال نہیں ملتی"۔ یہ گفتگو جاری تھی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ حرم میں تشریف لے آئے۔ آپ نے پہلے تو حجر اسود کو بوسہ دیا پھر طواف کرتے ہوئے مشرکین کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے آپ پر آوازے کسے اور طعنہ زنی کی جس کا اثر آپ کے روئے اقدس پر دیکھا گیا۔ اس کے بعد جب دوبارہ آپ کا گزر حطیم کے پاس سے ہوا تو مشرکین نے پھر پہلے کی طرح آپ پر آوازے کسے۔ میں نے اس کے اثرات بھی آپ کے چہرے پر دیکھے۔ اس

کے بعد آپ تیسری بار وہاں سے گزرے تو مشرکین نے پھر آپ پر لعن طعن کی۔ اب کی بار آپ ٹھہر گئے اور فرمایا:

"قریش کے لوگو سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں تمہارے پاس تمہارے قتل اور ذبح کا حکم لے کر آیا ہوں"۔

آپ کے منہ سے یہ الفاظ سننا تھے کہ ان کے اوسان خطا ہو گئے اور ایک سکتہ کی کیفیت ان کے جسموں پر طاری ہو گئی جیسے کاٹو تو لہو نہیں۔ یہاں تک کہ جو آپ پر سب سے زیادہ سخت تھا، وہ بھی بہتر سے بہتر لفظ جو پا سکتا تھا، اس کے ذریعہ آپ سے عفو و رحمت کا طلب گار ہوا اور کہنے لگا:

"ابو القاسم! واپس جائیے۔ بخدا آپ کبھی بھی جاہل اور نادان نہ تھے"۔

دوسرے روز قریش پھر حجر میں جمع ہو کر آپ کا ذکر کر رہے تھے کہ آپ پھر تشریف لائے۔ دیکھتے ہی سب یکبارگی آپ پر پل پڑے اور آپ کو گھیر لیا۔ پھر میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے گلے کے پاس سے آپ کی چادر پکڑ لی اور اس کو مروڑا دینے لگا۔ سیدنا ابو بکرؓ آپ کو بچانے میں لگ گئے۔ وہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے (اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ) "کیا تم لوگ ایک ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے" اس کے بعد وہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ "یہ سب سے سخت ترین ایذا رسانی تھی، جو میں نے قریش کو کرتے ہوئے دیکھی"۔ ("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۲۸۹-۲۹۰)

اور بخاری میں یہ مشہور روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ حطیم میں مصروف نماز تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آ گیا۔ اس نے آتے ہی اپنی چادر آپ کے گلے میں ڈال کر نہایت سختی سے اس کو مروڑا جس سے آپ کا گلا گھونٹا گیا۔ اتنے میں سیدنا صدیق اکبرؓ آ پہنچے۔ انہوں نے اس بے ایمان کو اس کے دونوں کندھوں سے پکڑ کر دھکا دیا اور اسے سرکارِ دو عالم ﷺ سے پرے ہٹاتے ہوئے فرمایا:

اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔

"کیا تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے"۔

("بخاری" جلد ۱، ص ۵۴۴)

اس طرح کے اور کئی واقعات سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قریش مکہ آپ کی دعوت سے نہایت پریشان تھے اور انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب کیا کیا جائے؟ اب ان کے ذہنوں میں سرکارِ دو عالم ﷺ کو قتل کر کے اس دعوت کو ختم کرنے کا منصوبہ موجزن تھا، لیکن اس میں بھی انہیں کسی صورت کامیابی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ابو طالب کے اندیشے برقرار تھے۔ انہیں مشرکین کی طرف سے اپنے بھتیجے کے بارہ میں برابر خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ قریش کی دھمکیاں بھی ان کے ذہن میں

Marfat.com

تھیں۔ پھر ان کے بھتیجے کو عمارہ بن ولید بن مغیرہ کے عوض حاصل کر کے قتل کرنے کے لیے سودے بازی کی کوشش بھی تھی۔ ابو جہل اور عقبہ بن ابی معیط کی قتل کی کوششیں بھی تھیں۔ خطاب کا بیٹا عمر تلوار لے کر ان کے قتل کے لیے نکلا تھا۔ ابو طالب کو ان واقعات سے اگرچہ سنگین خطرے کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ ان سب خطرات کے تصور سے ان کا دل کانپ اٹھتا تھا۔ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ مشرکین ان کے بھتیجے کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ اگرچہ حمزہؓ اور عمرؓ حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں لیکن ان حالات میں اگر کوئی مشرک اچانک آپ پر ٹوٹ پڑا تو حمزہؓ یا عمرؓ شاید آپ کا تحفظ نہ کر سکیں۔

ابو طالب کے یہ خدشات صحیح بھی تھے اور یقینی بھی۔ کیونکہ مشرکین مکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے قتل کا اعلانیہ فیصلہ کر چکے تھے۔ اور ان کے اسی فیصلہ کی طرف حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

"اگر انہوں نے ایک بات کا تہیہ کر رکھا ہے تو ہم بھی تہیہ کیے ہوئے ہیں"۔(۴۳:۷۹)

ابو طالب معاشی طور پر نہایت تہی دست اور قلاش تھے۔ لیکن آخر بنو ہاشم کے سردار تھے۔ ان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ اکیلے اپنے بھتیجے کا تحفظ کر سکیں۔ بہت سوچ بچار کے بعد انہوں نے اپنے جد اعلیٰ عبد مناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مطلب کے خاندانوں کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے یہ معاملہ رکھا اور ان سے درخواست کی کہ اب تک اپنے بھتیجے محمد ﷺ کی حفاظت و حمایت کا جو کام وہ تنہا انجام دیتے رہے تھے، اب اسے سب مل کر انجام دیں۔ ابو طالب نے انہیں اس قضیہ کی اہمیت گوش گزار کی۔ ان کی بات ان دونوں خاندانوں کے ذہنوں میں اتر گئی اور عربی حمیت کے پیش نظر ان دونوں خاندانوں کے سارے مسلم اور کافر افراد نے اس کو قبول کیا۔ صرف ابو طالب کا بھائی ابو لہب ایک ایسا شخص تھا جس نے اس تجویز سے اختلاف کیا اور سارے خاندانوں سے الگ ہو کر مشرکین مکہ سے جا ملا۔ اور اپنے خاندان والوں کا ساتھ نہ دیا۔("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۲۶۹)

سرکارِ دو عالم ﷺ کے بارہ میں ابو لہب کی قساوت قلبی کا یہ حال تھا ۔

پسیجا دل نہ اس کا بھی کبھی تیری طرح قاتل
کیا خنجر سے ہم نے شکوۂ درد گلو برسوں

Marfat.com

سوشل بائیکاٹ

حبشہ سے قریش کی سفارت کی ناکامی، سیدنا حمزہؓ اور سیدنا عمر بن الخطابؓ کا حلقہ اسلام میں داخل ہونا اور پھر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سارے ہی مسلم اور کافر افراد کا ایک ہو کر محمد ﷺ کی حفاظت و صیانت کے عہد و پیمان نے قریش مکہ کو چکرا دیا۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ محمد ﷺ کی اس دعوت کو کیسے روکا جائے اور وہ یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ اگر انہوں نے ابو طالب کے بھتیجے محمد ﷺ کے قتل کا اقدام کیا تو مکہ کی وادی مشرکین کے خون سے لالہ زار بن جائے گی۔ لہٰذا اب انہوں نے اپنی اسٹریجی میں تبدیلی کی اور اب اقدام قتل کے بجائے ظلم کی ایک اور راہ تجویز کی جو پہلی تمام ظالمانہ کارروائیوں سے زیادہ سنگین اور سخت تھی۔

وہ ظالمانہ کارروائی یہ تھی کہ قریش نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ تیار کیا کہ "جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب محمد ﷺ کو قتل کے لیے ان کے حوالے نہ کردیں گے، ان دونوں خاندانوں سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر دیئے جائیں۔ نہ کوئی شخص ان سے میل جول اور بات چیت کرے گا، نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچے گا۔ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ جانے دے گا۔ ان سے کسی قسم کی رواداری نہ برتے گا اور نہ ان کے ساتھ رشتہ بیاہ کرے گا"۔

بعض سیرت نگاروں کے نزدیک یہ معاہدہ نضر بن حارث نے تحریر کیا تھا اور بعض روایات میں بغیض بن عامر بن ہاشم نے اس کو لکھا تھا لیکن مشہور روایت میں منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم کا نام ہے کہ اس نے اس معاہدہ کو لکھا تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کے بارہ بددعا فرمائی اور اس کا وہ ہاتھ شل ہو گیا جس سے اس نے اس معاہدہ کو تحریر کیا تھا۔

("زاد المعاد" جلد ۲، ص ۴۶، "طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۲۰۹)

اس معاہدہ پر تمام قبائل قریش کے قریب قریب تمام سربر آوردہ حضرات نے دستخط کیے اور رجب

Marfat.com

یہ مرتب ہو گیا تو اس کو خانہ کعبہ کی چھت سے آویزاں کر دیا گیا۔ اس معاہدہ کے بعد بنو ہاشم اور بنو مطلب کا مکمل بائیکاٹ شروع ہو گیا اور ابو لہب کے سوا بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سارے افراد خواہ مسلمان تھے یا کافر، سمٹ کر شعب بن ہاشم میں محبوس ہو گئے (عام تواریخ اور سیرۃ کی کتابوں میں اس کا نام شعب ابی طالب لکھا ہوا ہے، لیکن یہ نام غلط ہے۔ دراصل یہ ایک پہاڑ کا درہ تھا، جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا اور اس کا اصل نام "شعب بنی ہاشم" تھا۔ (ملاحظہ ہو "سیرۃ النبی" جلد ۱، ص ۲۴۵ تعلیقہ) "ناسخ التواریخ" جلد ۲، ص ۳۴۱، "العقد الفرید" جلد ۳، ص ۹۶ اور "تاریخ یعقوبی") یہ واقعہ محرم سنہ ۷ نبوی میں پیش آیا۔ ("فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۴۷)

اس درہ میں مسلسل تین سال یہ دونوں خاندان محبوس رہے۔ یہ تین سال نہایت سنگین تھے۔ دشمنان اسلام نے ہاشم اور مطلب کی اولاد سے میل ملاقات، سلام و پیام یک قلم موقوف کر دیا۔ دکانداروں نے ان کے ہاتھ سودا سلف فروخت نہ کرنے کی قسم کھالی۔ ہر قسم کا تعاون اٹھ گیا۔ قریش ان تمام اشیاء خوردنی کو، جن کی نسبت انہیں ادنیٰ احتمال ہوتا تھا کہ ہاشمیوں یا مطلبیوں کے ہاتھ پڑ جائیں گی، ہر قیمت پر فی الفور خرید لیتے تھے۔ جب ان کے کانوں میں بھنک پڑ جاتی کہ کہیں سے سوداگر غلہ لا رہے ہیں تو شہر سے دور نکل کر راستہ میں انہیں جا ملتے اور تمام اناج جس قیمت پر بھی مل سکتا، خرید لیتے۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سب لوگ جب اس گھاٹی اور درہ میں چلے گئے تو ان کے سکونتی مکانات مقفل ہو گئے۔ درہ میں بھی کوئی شے میسر نہ تھی کیونکہ قریش نے درہ کو ہر طرف سے محصور کر لیا تھا اور کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچنے نہ دیتے تھے۔ جب ہاشمیوں کے ننھے منے بچے بھوک سے بلبلاتے اور ان کی آواز باہر دور دور تک سنائی دینے لگی تو سیاہ دل اور سنگ دل قریش سن سن کر خوش ہوتے لیکن جو ان میں رحمدل تھے، ان کو ناگوار گزرتا اور صاف کہتے کہ کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ منصور بن عکرمہ پر کیا آفت نازل ہوئی ہے۔

کوئی کوشش ایسی نہ تھی جو ہاشمیوں کو بھوکے مارنے کے لیے قریش مکہ عمل میں نہ لائے۔ ان سنگ دل لوگوں نے گھاٹی کے باہر ایسا پہرہ لگا رکھا تھا کہ رات کے وقت بھی کوئی شے گھاٹی میں نہ پہنچ سکتی تھی۔ طلح نام کا ایک خاردار درخت عرب کے ریگستان میں ہوتا ہے۔ بنو ہاشم اس کے پتے کھا کھا کر دن کاٹتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ ایک فاقہ کش ہاشمی کو رات کے وقت سوکھا ہوا چمڑہ کہیں سے ہاتھ آ گیا۔ اس نے اسی کو غنیمت سمجھا۔ اس کو اچھی طرح دھو کر آگ پر بھونا، پھر کوٹ کر پانی میں گھولا اور ستو کی طرح پی گیا۔

بنو ہاشم اور بنو مطلب نے تین سال اس طرح اس گھاٹی میں گزارے کہ ان کو علانیہ کوئی شے دستیاب نہ ہوتی تھی اور اگر کسی شے پر انہیں دسترس حاصل ہو جاتی تو وہ وہی ہوتی جو سیدنا ابو بکرؓ یا دوسرے جان نثاروں کی طرف سے کسی طرح چوری چھپے پہنچا دی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے نے جو ابھی تک حلقہ اسلام میں

Marfat.com

داخل نہ ہوئے تھے، کسی قدر گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ اپنی پھوپھی کے پاس گھاٹی میں بھجوائے۔ ابو جہل کو پتہ چل گیا۔ وہ دشمن اسلام جھٹ سوار ہو کر پہنچا اور غلام کا راستہ روک کر کہنے لگا "میں تمہیں ہاشمیوں کے پاس گیہوں نہ لے جانے دوں گا اور سارے مکہ میں تجھے ذلیل کروں گا"۔ اتفاق سے ابوالبختری بن ہشام بن حارث نامی ایک غیر مسلم رئیس وہاں آگیا اور ابو جہل سے پوچھنے لگا کیا قصہ ہے؟ ابو جہل نے کہا "یہ حکیم بن حزامؓ کا غلام محمد ﷺ کے لیے گیہوں لے جا رہا ہے اور میں اسے روک رہا ہوں۔

ابوالبختری نے کہا "ابوالحکم! حکیم بن حزام کی پھوپھی کا کچھ گیہوں اس کے پاس امانتاً رکھا ہوا تھا۔ وہ اس نے منگوایا ہو گا۔ جانے دو اس میں کوئی حرج نہیں"۔ ابو جہل نے کہا "میں یہ گیہوں کسی صورت میں نہ جانے دوں گا"۔ ابوالبختری نے کہا "ایک شخص اپنی فاقہ کش پھوپھی کی امانت واپس کرنا چاہتا ہے مگر تیری شقاوت اور سنگ دلی اس کی بھی اجازت نہیں دیتی"۔ ابو جہل کو یہ سن کر غصہ آگیا۔ چنانچہ ابوالبختری اور ابو جہل میں تلخ کلامی ہو گئی اور پھر نوبت ہاتھاپائی تک پہنچ گئی۔ ابوالبختری نے ابو جہل کے اونٹ کی گردن پکڑ کر زور سے مروڑی اور جھٹکا دے کر اونٹ کو بٹھالیا۔ پھر ابو جہل کو گردن سے پکڑ کر نیچے کی طرف کھینچا۔ پھر اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ابو جہل کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ لیکن ابوالبختری نے اسے پھر بھی نہ چھوڑا۔ خوب ٹھوکریں اور ٹھڈے مارے اور بری طرح ذلیل کیا۔ مار کھانے سے زیادہ ابو جہل کو تکلیف اس سے پہنچی کہ سیدنا حمزہؓ شعب بنو ہاشم سے اس ساری کارروائی کو دیکھ رہے تھے۔

باوجود اس بات کے کہ بائیکاٹ کے اس دور میں فاقہ کشی اور مشکلات نے نہایت خوفناک صورت پیدا کر رکھی تھی۔ لیکن سرکارِ دوعالم ﷺ اپنے فریضہ دعوت و تبلیغ سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہوئے اور آپ برابر اس مشق کو جاری رکھے رہے جس کے لیے آپ کی بعثت ہوئی تھی۔ آپ شب و روز اپنی قوم کو دعوت اسلام دیتے رہے۔ وحی الٰہی بھی نازل ہوتی رہی، اور اوامر و نواہی کا سلسلہ بھی جاری رہا اور مخالفین دین کے لیے سخت وعیدیں بھی نازل ہوتی رہیں۔

بنو ہاشم اور بنو مطلب کی یہ محصوری صرف اور صرف اس وجہ سے تھی کہ وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کو قتل کرنے کے لیے قریش مکہ کے حوالہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اب گھاٹی میں جا کر بھی ابو طالب سرکارِ دوعالم ﷺ کی حفاظت میں بڑے مستعد اور چوکس تھے۔ انہیں قریش سے برابر خطرہ لگا رہتا تھا۔ اس لیے جب رات کو لوگ اپنے اپنے بستروں پر سونے کے لیے چلے جاتے تو وہ سرکارِ دوعالم ﷺ سے کہتے کہ "جانِ عم! تم اپنے بستر پر سو رہو۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی شخص آپ کو قتل کرنے کی نیت رکھتا ہو تو وہ دیکھ لے کہ آپ کہاں آرام فرما رہے ہیں۔ پھر جب سب لوگ سو جاتے تو ابو طالب آپ کی

Marfat.com

جگہ تبدیل کر دیتے یعنی کسی اور کو آپ کے بستر پر سلا دیتے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کے بستر پر سلا دیتے۔

بعض روایات میں ہے کہ محصوری کے باوجود سرکارِ دو عالم ﷺ اور دوسرے مسلمان حج کے دنوں میں شعب بنی ہاشم سے باہر نکلتے اور حج کے لیے آنے والے لوگوں کو دینِ اسلام کی دعوت دیتے اور جس مقصد کے لیے قریش مکہ نے ان اللہ والوں کو گھاٹی میں محصور کیا تھا، وہ پھر بھی پورا نہ ہوا اور اسلام کی تبلیغ برابر جاری رہی۔

آپ کی زندگی کے شب و روز اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ لوگوں کو دین کی دعوت دینے میں آپ ؑ بچوں کی طرح حریص تھے۔ طبری نے سیدنا ابن عباس ؓ سے نقل کیا ہے کہ "ایک روز مکہ کے اشراف اور سربر آوردہ لوگ غروب آفتاب کے بعد بیت اللہ کے پاس جمع ہوئے اور آپ ؐ کو بات چیت کے لیے بلایا۔ ان کا یہ پیغام سن کر سرکارِ دو عالم ﷺ نہایت تیزی سے آئے۔ آپ کو خیال ہوا کہ ان لوگوں کا شاید قبول حق کی طرف کچھ میلان ہو گیا ہے اور آپ قریش کی ہدایت کے لیے بے حد حریص تھے۔(کان علیھم حریصا یحب رشدھم) اور ان کی ہلاکت آپ پر بہت گراں گزرتی تھی۔

مگر بلانے والوں نے آپ کو بات ماننے کے لیے نہیں بلکہ صرف بحث و مباحثہ کے لیے بلایا تھا۔ چنانچہ ایک طویل گفتگو کے بعد آپ ؑ غمگین واپس لوٹے۔ سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ:

"نبی اکرم ﷺ نہایت حزن اور افسوس کے ساتھ اپنے گھر واپس آئے کیونکہ قوم سے جس شے کی امید لگا کر آپ ؑ گئے تھے، اس کو نہ پایا۔ وہ لوگ اس سے بہت دور تھے"۔

("تہذیب سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۶۸)

اسی طرح ابو طالب کے مرض الموت میں جب لوگ ان کے پاس اکٹھے ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان اپنی موت سے پہلے کچھ طے کر دیجئے۔ ابو طالب نے آپ ؐ کو بلایا اور پوچھا کہ قوم سے آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا "وہ یہ کہہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور جن بتوں کی وہ پوجا کرتے ہیں، ان کو چھوڑ دیں"۔ مگر قوم یہ بات ماننے کے لیے تیار نہ ہوئی کیونکہ ان کی صدیوں پرانی رسم و روایات پر پانی پھر جاتا تھا۔ اس کے بعد جب لوگ چلے گئے تو محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ابو طالب نے کہا "بھتیجے! خدا کی قسم، میرا خیال ہے کہ تم نے قوم سے کسی مشکل شے کا مطالبہ نہیں کیا"۔ (واللہ یا ابن اخی ما رایتک سالتھم شططا) ابو طالب کی زبان سے یہ جملہ سن کر آپ کی جو کیفیت ہوئی اس کو راوی نے ان الفاظ کا جامہ پہنایا ہے کہ:

"یہ سن کر سرکارِ دو عالم ﷺ کو ابو طالب کے بارے میں امید پیدا ہو گئی۔ اور آپ ؑ ان سے فرمانے لگے "اے چچا! پھر آپ ہی اس کلمہ کو کہہ دیجئے تاکہ قیامت کے روز میرے

Marfat.com

لیے آپ کی سفارش کرنا حلال اور جائز ہو جائے"۔

غرضیکہ یہ سنگین حالات ان دونوں قبائل پر پورے تین سال گزرے۔ اس کے بعد محرم ۱۰ نبوی میں صحیفہ کو چاک کیے جانے کا واقعہ رونما ہوا۔ یہ واقعہ یوں ہوا کہ قبیلہ بنو عامر بن لوئی کے ایک شخص ہاشم بن عمرو کو خیال آیا کہ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہم تو کھائیں اور پئیں اور ہمارے خویش و اقارب دانہ دانہ کے لیے ترسیں اور راتوں کو بھوکے پیٹ سوئیں۔ یہ ہشام بن عمرو شروع ہی سے محصورین کے لیے ہمدردی کے جذبات رکھتا تھا۔ چنانچہ ان تین سالوں میں بھی شعب بنی ہاشم کے اندر غلہ بھیج کر بنو ہاشم کی مدد کیا کرتا تھا۔ روایت میں ہے کہ جب رات ہوتی تو یہ غلہ کا ایک اونٹ شعب بنی ہاشم میں لے جا کر چھوڑ دیتا۔

ایک روز ہشام بن عمرو یہی خیال لے کر زہیر بن امیہ المخزومی کے پاس گیا جو عبد المطلب کا نواسہ تھا اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب کا بیٹا اور ابو طالب کا بھانجا تھا۔ ہشام نے اس سے کہا "زہیر! کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم تو مزے سے کھاؤ پیو اور تمہارے ماموں ایک ایک دانہ کو ترسیں۔ خدا کی قسم! اگر ابو جہل کے ماموں اور ننھیال کے لوگ اس حال میں ہوتے تو ابو جہل ہرگز ہرگز ایسے معاہدہ کی پروا نہ کرتا۔ زہیر نے کہا "افسوس کہ میں اکیلا اس بارہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ ہاں اگر میرے ساتھ کوئی اور آدمی ہوتا تو میں اس صحیفہ کو پھاڑنے یقیناً اٹھ پڑتا۔ اس نے کہا "ایک آدمی اور موجود ہے"۔ اس نے پوچھا "کون ہے؟" کہا "میں ہوں" زہیر نے کہا "ٹھیک لیکن اب تیسرا آدمی تلاش کرو"۔

ہشام بن عمرو وہاں سے اٹھا اور سیدھا مطعم بن عدی کے ہاں گیا اور اس سے بنو ہاشم اور بنو مطلب کی اولاد کے ساتھ اس کے قریبی نسبی تعلق کا ذکر کیا اور اسے اس بات پر ملامت کی کہ اس نے اس ظالمانہ معاہدہ پر دستخط کرتے ہوئے قریش کی ہم نوائی کیوں کی؟ کیونکہ مطعم بھی عبد مناف ہی کی نسل سے تھا۔ مطعم نے بھی وہی جواب دیا جو زہیر نے دیا تھا کہ میں اکیلا اس بارہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ ہشام نے کہا "ایک آدمی اور موجود ہے"۔ مطعم نے اس کا نام پوچھا۔ اس نے کہا "زہیر بن ابی امیہ"۔ مطعم نے کہا "اچھا اب چوتھا آدمی تلاش کرو"۔ ہشام اب ابو البختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس سے بھی یہی کہا۔ اس نے کہا "تمہاری اس بات کی کوئی اور بھی تائید کرنے والا ہے؟" ہشام نے کہا "ہاں" "کون؟" اس نے کہا: "زہیر بن امیہ، مطعم بن عدی اور میں" اس نے کہا "بہت خوب، اب پانچواں آدمی تلاش کرو"۔ اب ہشام زمعہ بن اسود بن مطلب کے پاس گیا اور اس سے بھی گفتگو کرتے ہوئے بنو ہاشم کی قرابت اور اس کے حقوق یاد دلائے۔ اس نے بھی یہی جواب دیا کہ اس کام کے لیے اور بھی کوئی ہم نوا ہے؟ ہشام نے کہا "ہاں" اور اپنے سب ہمنوا لوگوں کے نام بتائے۔ اس کے بعد ان پانچوں نے حجون کے پاس جمع ہو کر یہ عہد و پیمان کیا کہ اس ظالمانہ معاہدہ کو فوراً ختم کیا جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اس بات

Marfat.com

کا ذکر کیسے اٹھایا جائے؟ زہیر نے کہا کہ ابتداء میں کروں گا اور اس بارے میں میں ہی سب سے پہلے زبان کھولوں گا۔

صبح ہوئی تو سب لوگ اپنی اپنی مجلسوں میں اکٹھے ہوئے۔ زہیر بھی مسجد الحرام میں آ گیا۔ اس نے پہلے بیت اللہ کے سات چکر لگائے۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا "اے اہلِ مکہ! بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم تو کھائیں پئیں اور کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم تباہ و برباد ہوں، فاقوں مریں، نہ ان کے ہاتھ کچھ بیچا جائے، نہ ان سے کچھ خریدا جائے۔ خدا کی قسم! جب تک بائیکاٹ کا یہ عہد نامہ تار تار نہ کر دیا جائے، میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا۔ لہٰذا فوری طور پر اس ظالمانہ اور قرابت شکن صحیفہ کو چاک کر دیا جائے۔"

ابو جہل جو مسجد الحرام کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا تھا، اٹھ کر بولا "تم غلط کہتے ہو۔ خدا کی قسم! یہ عہد نامہ کبھی نہیں پھاڑا جا سکتا۔"

یہ سن کر زمعہ بن الاسود فوری طور پر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا "ابو الحکم! تم غلط کہتے ہو۔ جب یہ صحیفہ لکھا گیا تھا ہم اس وقت بھی اس سے خوش نہ تھے۔ لہٰذا یہ ضرور پھاڑا جائے گا۔" زمعہ کی اس بات پر ابو البختری نے گرہ لگائی کہ زمعہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے، ہم تو پہلے ہی اس سے راضی نہ تھے۔ لہٰذا ہم اس کو ہرگز ماننے کے لیے تیار نہیں۔ اس کو فوری طور پر چاک کیا جائے۔" اس کے بعد مطعم بن عدی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا "یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ اور جو اس کے خلاف کہتا ہے، وہ غلط کہتا ہے۔" پھر ہشام بن عمرو نے اس کی تائید کی اور کہا کہ "اس صحیفہ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، اس سے ہم اللہ کے حضور میں برأت کرتے ہیں۔" ابو جہل مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور کہا کہ یہ تو رات کا طے کیا ہوا معاملہ ہے۔ اس کا مشورہ یہاں کے بجائے کہیں اور کیا گیا ہے۔

اس دوران ابو طالب بھی حرم میں موجود تھے۔ ان کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس عہد نامہ کے بارہ میں یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کیڑوں نے اس صحیفہ میں سے سوائے اللہ کے نام کے ظلم و ستم اور قرابت شکنی کے تمام الفاظ کو چاٹ لیا ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے چچا کو یہ بات بتائی۔ وہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر قریش سے یہ کہنے آئے تھے کہ اس کے بھتیجے نے اسے یہ خبر دی ہے اور میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ اس کی کوئی بات آج تک غلط ثابت ہوئی۔ بس اسی پر فیصلہ ہے۔ اگر وہ جھوٹا ثابت ہوا تو ہم اس کے اور تمہارے درمیان سے ہٹ جائیں گے۔ اور تمہارا جو جی چاہے کرنا، قتل کرنا یا زندہ چھوڑنا۔ لیکن اگر وہ سچا ثابت ہوا تو تمہیں ہمارے بائیکاٹ اور ظلم و ستم سے باز آنا ہو گا۔ اس پر قریش نے کہا "ابو طالب! آپ نے انصاف کی بات کی"۔

جب ابو جہل اور باقی لوگوں کی نوک جھونک ختم ہوئی تو مطعم بن عدی صحیفہ چاک کرنے کے لیے اٹھا۔ دیکھا کہ واقعی کیڑوں نے باسمک اللھم کے سوا باقی تمام الفاظ کو چاٹ لیا ہوا تھا اور جہاں جہاں

Marfat.com

اللہ کا نام تھا، صرف وہی جگہیں بچی تھیں۔اب ندامت اور شرمندگی سے سب کی گردنیں جھک گئیں۔ اس کے بعد اس ظالمانہ عہد نامہ کو چاک کیا گیا۔یہ محرم ۱۰ نبوی میں ہوا اور ابو طالب اور بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام افراد اس گھاٹی سے باہر آئے۔مشرکین نے آپ کی نبوت کی ایک عظیم نشانی دیکھی جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

"اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا پھرتا جادو ہے"۔

لیکن جن کے مقدر میں ایمان کا نور نہیں تھا انہوں نے اس سے رخ پھیر لیا اور کفر کی راہ میں چند قدم اور آگے بڑھ گئے۔جیسے ابو جہل وغیرہ۔

شعب بنی ہاشم سے باہر نکل کر ابو طالب حرم پہنچے اور بیت اللہ کے غلاف کو پکڑ کر ابو طالب اور ان کے رفقاء نے یہ دعا مانگی:

"اے اللہ! جن لوگوں نے ہم پر ظلم و ستم کیا اور ہمارے ساتھ قرابت شکنی اور قطع رحمی کی اور ہماری آبروؤں کو حلال سمجھا ان سے ہمارا بدلہ اور انتقام لے"۔

"خصائص کبریٰ" میں ہے کہ ابو طالب نے ایک قصیدہ بھی پڑھا جس کا ایک شعر یہ تھا:

الم یاتکم ان الصحیفہ مزقت
وان کل ما لم یرضہ اللہ یفسد

"کیا تو نہیں جانتا کہ وہ عہد نامہ چاک ہو گیا اور جس شے سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا، وہ برباد ہو جاتی ہے"۔("خصائص کبریٰ" جلد ۱، ص ۱۵۱)

اس طرح تین سال کی مسلسل مصیبت اور ظلم و ستم کا خاتمہ ہوا یعنی ہجرت سے تین سال قبل سنہ ۱۰ نبوی میں بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب بنو ہاشم سے باہر نکلے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۲۵۰-۲۵۱، "زاد المعاد" لابن القیم، جلد ۱، ص ۴۶، "تاریخ طبری" جلد ۲، ص ۲۲۹، "طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۳۹-۱۴۱، "فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۴۷)

عام سیرۃ نگاروں نے تو اس صحیفہ کے چاک ہونے پر ہی اس معاملہ کو ختم کر دیا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ اس کے بعد آپ کے مکہ آنے کی کیا صورت ہوئی؟ سر ولیم میور اور مولانا شبلی مرحوم نے ابن سعد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مطعم بن عدی، زمعہ بن الاسود، ابو البختری اور زہیر بن امیہ (سیدہ ام سلمہؓ کے بھائی) اور عدی بن قیس سب حضرات ہتھیار باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور انہیں شعب بنی ہاشم سے نکال لائے۔("سیرۃ النبی" جلد ۱، ص ۱۸۰)

سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ:

Marfat.com

"قریش اس موقعہ پر ابو طالب کے اچانک آجانے پر انگشت بدنداں رہ گئے اور پانچ ممتاز آدمی ان کے درمیان سے کود پڑے اور اپنے آپ کو اس معاہدہ کے خلاف ظاہر کرتے ہوئے ہتھیار بند ہو گئے اور ابو طالب کے درے کی طرف چل پڑے اور ان کے پاس جاکر ان لوگوں کو جو وہاں محصور تھے، کہنے لگے کہ سب اپنے اپنے گھروں کو امن وامان سے چلے چلو۔ پس وہ وہاں سے سنہ ۱۰ نبوی میں نکلے۔ قریش اس کام کی جرأت سے حیران و ششدر رہ گئے اور انہوں نے اس بارہ میں کوئی مزاحمت نہ کی۔ انہیں پتہ چل گیا کہ اب ان میں ایسی زبردست جماعت پیدا ہو گئی ہے جو مسلمانوں پر تشدد کی صورت میں ہتھیاروں سے مقابلہ کرے گی"۔ ("Life Of Muhammad" Vol. 2. P. 190)

قریش ابو طالب کے پاس

سرکارِ دو عالم ﷺ نے شعب بنی ہاشم سے باہر نکلنے کے بعد پھر دین کی دعوت کا کام شروع کر دیا۔ دوسری طرف مشرکین نے اگرچہ بائیکاٹ کا عہد نامہ پھاڑ دیا تھا لیکن انہوں نے بھی مسلمانوں پر اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے اپنا دباؤ برابر جاری رکھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس دعوت کے کام کو کیسے روکیں۔ مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ اس دعوت کو روکنے کے لیے سنگین سے سنگین حربہ اختیار کر چکے تھے لیکن اسلام کی دعوت میں دن بدن تیزی پیدا ہو رہی تھی۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب نے تین سال کے بائیکاٹ میں اپنی پوری جاں سپاری کے ساتھ محمد ﷺ کی حمایت اور حفاظت کی تھی۔ اس بات نے بھی قریش مکہ کی کمر ہمت توڑ کر رکھ دی لیکن اب ابو طالب رئیس بنو ہاشم بھی اپنی زندگی کی اسی منزلیں طے کر چکے تھے۔ پے در پے سنگین آلام و حوادث، قریش کے سب قبائل کے مقابلہ میں آنحضور ﷺ کا دفاع اور تحفظ شعب بنی ہاشم میں تین سال کی محصوری اور بائیکاٹ نے انہیں بھی توڑ کر رکھ دیا تھا۔ زمانے کی کروٹوں نے ان کے اعضاء کو مضمحل اور حواس کو کمزور کر دیا تھا۔ اب وہ ایک چراغ سحری معلوم ہوتے تھے۔ لیکن قریش مکہ محمد ﷺ کے رات دن کے دعوتی کام سے سخت پریشان تھے۔ کیونکہ آپ کا دین قریباً ہر قبیلہ میں پھیل چکا تھا بلکہ جو قبائل آپ کی دعوت کے زیادہ خلاف تھے، ان کے افراد کی زیادہ تعداد حلقہ اسلام میں داخل ہو گئی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ پھر قریش مکہ سر جوڑ کر بیٹھے اور آپ کو اپنے دعوتی مشن سے روکنے کے لیے کچھ سوچنے لگے۔

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ انہوں نے آپس میں کہا کہ ہماری ہزار کوششوں اور رکاوٹوں کے باوجود حمزہؓ اور عمر بن الخطابؓ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ قریش کے ہر قبیلہ میں اسلام کی دعوت پھیل چکی ہے۔ اس لیے اب پھر ایک دفعہ ابو طالب کے پاس چلیں اور ان سے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو

Marfat.com

کسی بات کا پابند کریں اور ہم سے بھی اس کے متعلق عہد لے لیں۔ کیونکہ ہمیں اب یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے اور حالات کا مد و جزر بھی یہ بتا رہا ہے کہ عنقریب لوگ ہمارے قابو میں نہ رہیں گے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر بوڑھے ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور محمد ﷺ کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو عرب ہمیں طعنہ دیں گے کہ ابو طالب کی زندگی میں تو انہوں نے اس کے بھتیجے کو چھوڑے رکھا اور جب اس کا انتقال ہو گیا تو وہ اس کے بھتیجے پر چڑھ دوڑے۔ لہٰذا ابو طالب کی زندگی ہی میں اس کو مل کر محمد ﷺ پر کچھ پابندی عائد کی جائے تاکہ دعوتی کام مزید بڑھنے نہ پائے۔ اس مقصد کے لیے سرداران قریش کا ایک وفد ترتیب دیا گیا اور ابو طالب کی بیماری کو دیکھ کر اسے جلد از جلد آپ (ابو طالب) کے پاس بھیجا گیا۔

بہر حال قریش کا یہ تجویز کردہ وفد ابو طالب کے پاس گیا اور ان سے گفت و شنید کی گئی۔ وفد کے ارکان میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف، ابو جہل بن ہشام، ابو سفیان بن حرب جیسے معزز ترین افراد تھے، جن کی تعداد ۲۵ تھی۔ انہوں نے ابو طالب سے کہا:

"ابو طالب! ہمارے نزدیک آپ کا جو مرتبہ اور مقام ہے اس سے آپ بخوبی آشنا ہیں۔ اور اب آپ جن حالات سے گزر رہے ہیں وہ بھی آپ کے سامنے عیاں ہیں۔ آپ کی صحت اور جسمانی حالت کو دیکھ کر ہمیں اندیشہ ہے کہ آپ چند دنوں کے مہمان ہیں۔ لیکن آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے مابین جو معاملہ چل رہا ہے، وہ طویل ہوتا جا رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ انہیں بلائیں اور ان کے بارہ میں ہم سے کچھ عہد و پیمان لیں اور ہمارے بارہ میں ان سے عہد و پیمان لیں۔ یعنی وہ ہمیں پابند کریں اور ہم انہیں پابند کرتے ہیں۔ وہ ہم کو ہمارے دین پر چھوڑ دیں اور ہم ان کو ان کے دین پر چھوڑ دیتے ہیں"۔

ابو طالب بھی اس باہمی کشمکش سے دل گرفتہ تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے آپؐ کو بلوایا۔ آپؐ تشریف لائے تو کہا:

"جان عم! یہ تمہاری قوم کے معزز ترین لوگ ہیں اور تمہاری ہی خاطر جمع ہو کر آئے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں کچھ عہد و پیمان دیں اور تم بھی انہیں کچھ عہد و پیمان دے دو"۔

اس کے بعد ابو طالب نے ان کی باتیں وضاحت کے ساتھ سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے پیش کیں اور انہیں مثبت جواب دینے کے لیے کہا۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا:

"آپ لوگ صرف ایک بات مان لیں۔ اس کی بدولت آپ عرب کے بادشاہ بن جائیں گے اور عجم آپ کے زیر نگیں آ جائے گا"۔

یہ بات اپنے اندر بہت وزن اور جاذبیت رکھتی تھی۔ اس وجہ سے وہ قدرے سوچ میں پڑ گئے۔ وہ حیران تھے کہ وہ کون سی بات ہے جس کے ماننے پر وہ عرب و عجم کے مالک بن جائیں گے۔ اور اشراف

Marfat.com

قریش تو خاموش رہے لیکن ابو جہل بولا "بتاؤ وہ بات کیا ہے؟ تمہارے باپ کی قسم! ایسی دس باتیں بھی اگر تم پیش کرو تو ہم تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں" آپ ؐ نے فرمایا "آپ لوگ لاالہ الااللہ کہیں اور اللہ کے سوا جن جن کو پوجتے ہو' ان کو چھوڑ دیں"۔

یہ بات سنی تھی کہ وہ سٹپٹا اٹھے اور انہوں نے ہاتھ پیٹ پیٹ کر اور تالیاں بجا بجا کر کہا "محمد ﷺ تم یہ چاہتے ہو کہ ہم سارے خداؤں کو چھوڑ کر اس کی جگہ صرف ایک کو خدا بنالیں؟ واقعی تمہارا معاملہ بڑا عجیب ہے"۔ پھر آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے "خدا کی قسم! یہ شخص تمہاری کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں' لہٰذا چلو اور اپنے باپ دادا کے دین پر ڈٹ جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور اس کے مابین فیصلہ فرمادے"۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ اس واقعہ کے بعد انہی لوگوں کے بارہ میں قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں:

"ص۔ قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی۔ بلکہ جنہوں نے کفر کیا اور ضد میں ہیں ہم نے کتنی ہی قومیں ان سے پہلے ہلاک کر دیں اور وہ چیخے چلائے (لیکن اس وقت) جبکہ بچنے کا وقت نہ تھا انہیں تعجب ہے کہ ان کے پاس خود انہی میں سے ایک ڈرانے والا آیا۔ کافر کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے' بڑا جھوٹا ہے کیا اس نے سارے معبودوں کی جگہ صرف ایک ہی معبود بناڈالا' بے شک یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اور ان کے بڑے (سردار و اشراف) یہ کہتے ہوئے نکلے کہ چلو اور اپنے معبودوں (کی پرستش) پر ڈٹے رہو۔ بے شک یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ ہم نے یہ بات کسی اور ملت میں نہیں سنی' یہ محض گھڑنتو ہے"۔ (۳۸ : ۱-۷)

("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱' ص ۴۱۷-۴۱۹)

Marfat.com

ابو طالب موت کی آغوش میں

شعب بنی ہاشم سے واپس آنے کے بعد ابو طالب کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی اور انہیں زندگی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ شعب بنی ہاشم کی محصوری نے ان کی صحت کو اور بھی بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ پھر عمر کا تقاضا بھی تھا۔ وہ اپنے بڑھاپا کی انتہائی منزلوں میں تھے۔ عمر اسی (۸۰) سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ چنانچہ شعب سے نکلنے کے چند ماہ بعد رمضان یا شوال سنہ ۱۰ نبوی میں ابو طالب نے انتقال کیا۔ ایک روایت رجب سنہ ۱۰ نبوی کی بھی ہے۔

"مسند احمد" "بخاری" اور "مسلم" میں ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو سرکارِ دو عالم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ابو جہل، عبداللہ بن امیہ اور دیگر اشراف قریش بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ آپؐ نے ابو طالب کے سرہانے بیٹھ کر کہا "چچا جان! آپ ایک دفعہ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے تاکہ خدا کے سامنے آپ کی شفاعت کے لیے مجھے ایک حجت اور دلیل مل جائے۔ ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ اور دیگر اشراف نے کہا "ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے رخ پھیر لوگے؟" پھر یہ دونوں برابر ابو طالب سے یہی کہتے رہے اور سرکارِ دو عالم ﷺ آپ پر کلمہ توحید پیش کرتے رہے۔ بالآخر ابو طالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا اور آخری بات جو انہوں نے کہی تھی علی ملہ عبدالمطلب عبدالمطلب کی ملت پر ہوں۔ ابو طالب تو یہ کہہ کر وفات پا گئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں جب تک روک نہ دیا جاؤں، ابو طالب کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا"۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

> "نبی اور اہلِ ایمان کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ جہنمی ہیں"۔ (۹ : ۱۱۳)

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی:

''آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے''۔
(۵۶ : ۲۸)

ابو طالب کی وصیت

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ جب ابو طالب کے انتقال کا وقت قریب آیا تو آپ نے قریش کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنے پاس بلا کر وصیت کی:

''اے گروہ قریش! تم خدا کی مخلوق میں ممتاز اور عرب کا دل ہو۔ میں تمہیں اس عمارت (بیت اللہ) کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی ہے اور معاش کا قوام بھی اور ثبات بھی۔ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا اور ان سے قطع نہ کرنا کیونکہ صلہ رحمی سے عمر میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور اسباب رزق میں بھی فراخی اور کشائش ہوتی ہے اور بغاوت اور عقوق بھی ترک کرنا کیونکہ انہی دونوں چیزوں کی وجہ سے تم سے پہلی قومیں تباہ و برباد ہوئیں داعی کی دعوت قبول کرو اور سائل کو کچھ عطا کیا کرو۔ کیونکہ اس میں زندگی اور موت ہر دو میں شرف و بزرگی ہے۔ راست گوئی اور ادائے امانت داری کو لازم پکڑو کیونکہ اس میں خواص میں محبت اور عوام میں عزت حاصل ہوتی ہے۔ میں تم کو محمد ﷺ سے نیکی کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ قریش میں امین ہیں اور عرب میں صدیق ہیں اور وہ ان سب صفات کے جامع ہیں جن کی بابت میں نے تم کو وصیت کی ہے اور وہ ایسے امر کے ساتھ آئے ہیں جسے دلوں نے قبول کر لیا اور (بعض) زبانوں نے مخالفت کی وجہ سے انکار کر دیا اور خدا کی قسم! میں دیکھتا ہوں کہ عرب کے درویشوں نے اور دیہاتیوں نے اور ضعیف لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کر لیا ہے اور آپ کے کلمہ کی تصدیق کر لی ہے اور آپ کے امر کی تعظیم کی ہے۔

پس رؤسائے قریش اور ان کے سردار پیچھے رہ گئے اور ان کے گھر اجڑ گئے اور ان کے ضعیف طاقتور ہو گئے اور عظیم القدر لوگ آپ کے سامنے حاجت مند ہو گئے اور جو آپ سے دور تھے وہ آپ کے نزدیک بلند بخت ہو گئے۔ عرب نے آپ کے لیے اپنی دوستی مخصوص کر دی اور اپنے دلوں کو آپ کے لیے صاف کر دیا اور آپ کو اپنا قائد اور راہنما تسلیم کر لیا۔ پس اے قریش! اپنے بھائی کو پکڑ لو اور اس کے دوست ہو جاؤ اور اس کی لڑائی میں اس کے حامی بن جاؤ۔ خدا کی قسم! تم میں سے کوئی بھی آپ کے راستہ پر نہیں چلے گا مگر وہ بھلائی پائے گا۔ اور کوئی بھی آپ کا طریق اختیار نہیں کرے گا مگر وہ سعادت پا جائے گا۔ ضرور آپ کی مدافعت کرنا''۔ اس کے بعد ابو طالب

Marfat.com

فوت ہو گئے۔("الروض الانف" جلد ا، ص۲۵۹)

سر ولیم میور نے بھی لکھا ہے کہ:

"قبیلہ کے بزرگ (ابو طالب) نے جب دیکھا کہ زندگی کے ایام ختم ہونے کو ہیں تو انہوں نے بھائیوں یعنی بنو عبد المطلب کو اپنے بستر کے گرد بلایا اور اپنے بھتیجے محمد ﷺ کو ان کی حفاظت کے لیے ان کے سپرد کیا اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر امن و امان کی حالت میں فوت ہو گیا۔ محمد ﷺ اپنے چچا کے لیے بہت روئے"۔

("لائف آف محمد" جلد ۲، ص۱۹۵)

حالات و واقعات کی کروٹیں بتاتی ہیں کہ ابو طالب نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی حمایت و حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھا۔ وہ سرکارِ دو عالم کے لیے بڑے بڑے سرداران قریش کے حملوں سے اسلامی دعوت کے بچاؤ کے لیے ایک مضبوط قلعہ تھے۔ اگرچہ وہ جسمانی طور پر معذور اور معاشی طور پر نہایت کمزور تھے لیکن اپنے بھائی عبد اللہ کی نشانی محمد ﷺ کو ساری زندگی سینے سے لگائے رکھا۔ یہ یک طرفہ ٹریفک نہیں تھا کہ صرف ابو طالب ہی نے اپنے اس بھتیجے کی حمایت و حفاظت میں ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کیں بلکہ بھتیجے نے بھی ہر آڑے وقت میں چچا کی ہر ممکن امداد کی۔ مالی امداد بھی اور معاشرتی بھی لیکن افسوس کا مقام ہے کہ چچا نے محمد بن عبد اللہ ﷺ کے لیے تو سب کچھ کیا۔ مختلف قبائل کی دشمنیاں مول لیں، شعب بنی ہاشم میں تین سال محصور رہے۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے حلقہ اطاعت میں داخل نہ ہو سکے اور آخر وقت میں بھی اپنے باپ دادا کی ملت پر قائم رہے۔ اس لیے مکمل کامیابی نہ پا سکے۔ چنانچہ سیدنا عباس بن عبد المطلبؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا "آپ اپنے چچا کے کیا کام آئے؟ جبکہ وہ آپ کے حامی تھے اور آپ کے لیے دوسروں پر بگڑتے تھے اور ان سے لڑائی مول لیتے تھے"۔ آپ نے فرمایا "وہ ٹخنوں تک آگ میں ہیں۔ اگر میں شفاعت نہ کرتا تو جہنم کے سب سے گہرے کھڈ میں ہوتے"۔("بخاری" جلد ا، ص۵۴۸، باب قصہ ابی طالب)

اسی طرح کی ایک اور روایت سیدنا ابو سعید الخدریؓ سے ہے کہ ایک بار سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس آپ کے چچا کا تذکرہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا "ممکن ہے قیامت کے دن انہیں میری شفاعت فائدہ پہنچا دے اور انہیں جہنم کی ایک کم گہری جگہ میں رکھ دیا جائے کہ آگ صرف ان کے دونوں ٹخنوں تک پہنچ سکے"۔("بخاری" جلد ا، ص۵۴۸ باب قصہ ابی طالب)

امام سہیلی فرماتے ہیں کہ "ابو طالب سر سے پیر تک رسول اللہ ﷺ کی حمایت و نصرت میں غرق تھے۔ صرف قدم بجائے اسلام کے ملت عبد المطلب پر تھے۔ اس لیے عذاب قدموں پر مسلط ہوا"۔

("روض الانف" جلد ا، ص۲۵۸)

Marfat.com

ایک روایت سیدنا عباسؓ کی طرف منسوب ہے کہ مرتے وقت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ سیدنا عباسؓ نے کان لگا کر سنا تو سرکارِ دو عالم ﷺ سے کہا آپ نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابو طالب نے وہی کلمہ کہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "میں نے نہیں سنا"۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر سیدنا عباسؓ نے ابو طالب کو کلمۂ شہادت پڑھتے سنا تھا تو پھر اس سوال کے کیا معنی؟ اور اگر بالفرض یہ روایت صحیح بھی ہو تو آیات قرآنیہ اور بخاری و مسلم اور دیگر کتب صحاح کی مشہور اور جید روایات کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ وہ روایت ضعیف اور منقطع بھی ہو۔ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" جلد ۴، ص ۱۱۵ ذکر ابی طالب میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔ علاوہ ازیں "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۲۲-۱۲۶ "مواہب اللدنیہ" جلد ۱، ص ۲۹۱ وغیرہ کا مطالعہ بھی نہایت ضروری ہے۔ سیدنا عباسؓ کی اس روایت پر ذہبی نے بھی "تاریخ الاسلام" جلد ۱، ص ۲۳۶ میں بحث کی ہے اور اس کو ضعیف اور ناقابلِ قبول قرار دیا ہے۔

سیدہ خدیجہ الکبریٰ کا انتقال

ابو طالب کی رحلت کے دو ماہ بعد یا صرف تین دن (علی اختلاف الاقوال) سیدہ خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا بھی انتقال فرما گئیں۔ ان کی وفات رمضان المبارک ۱۰ نبوی میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ایک روایت کے مطابق ۶۵ سال تھی۔ ("تلقیح الفہوم لابن الجوزی"، ص ۷)

سیدہ قریباً ایک چوتھائی صدی آپ کی رفاقت میں رہیں۔ یہ آپؐ کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے ایک گراں قدر نعمت تھیں۔ ہر آڑے وقت میں انہوں نے آپ کا ساتھ دیا اور جب بھی آپ کو کوئی سختی پیش آتی تو یہ تڑپ اٹھتیں۔ دعوت و تبلیغ کی سختیوں میں آپ کی شریک کار رہیں اور انہوں نے اپنی جان و مال سے آپ کی غمگساری اور خیر خواہی کی۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ:

> "جس وقت لوگوں نے میرا انکار کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا تو انہوں نے میری تصدیق کی۔ جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا انہوں نے مجھے اپنے مال میں شریک کیا اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی اور دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی"۔
>
> ("مسند احمد" جلد ۶، ص ۱۱۸، "اسد الغابہ" جلد ۵، ص ۴۳۸)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ سیدہ خدیجہؓ سے شادی کرنے کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۸ سال اس دنیا میں تشریف فرما رہے جن میں سے ۲۴، ۲۵ سال کی طویل مدت سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا بلا شرکت غیرے آپ کی رفیقہ حیات رہیں۔ یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت عمر کا دو ثلث ہے۔ اس طویل عرصہ میں سیدہ خدیجہؓ کا دل اس تکدر و تیرگی سے کبھی آشنا نہ ہوا جو سوکنوں کی موجودگی

Marfat.com

میں فطری غیرت کے باعث عورتوں کو لاحق ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس میں کوئی دوسری ام المومنین آپ کی شریک نہیں۔ (''اسد الغابہ'' جلد ۵، ص ۴۳۵)

سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا سرکارِ دوعالم ﷺ کی رضاجوئی کی سخت حریص تھیں۔ وہ ہر ممکن طریق سے آپ کو راضی رکھنے میں کوشاں رہتی تھیں اور ان سے ۲۵ سال کی مدت رفاقت میں کبھی کوئی ایسا فعل صادر نہیں ہوا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج گرامی کو غضب آلود کرتا۔ اس کے برعکس تمام دوسری ازواج مطہرات سلام اللہ علیہن سے بعض ایسی فروگزاشتیں سرزد ہوئیں جو آپ کی طبع عالی کو ناگوار تھیں۔

سیدہ خدیجہؓ کے فضائل بے شمار ہیں۔ جن کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب امہات المومنینؓ۔ لیکن ایک اور فضیلت یہاں بیان کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کی معرفت انہیں سلام بھیجا۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا ''اے اللہ کے رسول! یہ خدیجہؓ تشریف لا رہی ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں سالن یا کوئی مشروب ہے۔ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیں اور جنت میں موتی کے ایک محل کی خوشخبری دیں جس میں نہ شور وشغب ہوگا اور نہ تکان اور درماندگی''۔ (''بخاری''، جلد ۱، ص ۵۳۹)

حافظ ابن کثیر نے اپنی سیرت میں امام سہیلی کا قول نقل فرمایا ہے کہ ان کو جنت میں ''قصب'' یعنی خول دار موتی کے محل کی بشارت اس لیے سنائی کہ وہ ایمان کی طرف گوئے سبقت لے گئیں اور شور وشغب سے پاک مکان کی اس لیے خوشخبری سنائی کہ انہوں نے کبھی سرکارِ دوعالم ﷺ کے سامنے بلند آواز سے گفتگو نہ کی تھی اور نہ کبھی آپ سے شور وغل اور ایذا رسانی سے پیش آئیں۔

ہشام بن عروہ سے ایک متفق علیہ روایت ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے فرمایا: میں نے آپ کی ازواج مطہرات پر کبھی غیرت اور رشک کا اظہار نہیں کیا جس قدر سیدہ خدیجہؓ سے کیا، حالانکہ وہ میری شادی سے قبل اس دنیا سے انتقال کر چکی تھیں کیونکہ آپ ان کو بکثرت یاد فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اسے جنت میں خول دار موتی کے محل کی خوشخبری دینے کو بھی کہا۔ آپؐ جب بھی بکری ذبح کرتے تو خدیجہؓ کی سہیلیوں میں بقدر کفایت گوشت کا تحفہ ارسال فرماتے۔

ایک روایت میں ہے کہ بعض اوقات میں (سیدہ عائشہؓ) کہتی کہ دنیا میں خدیجہؓ کے سوا اور کوئی عورت ہی نہ تھی، تو آپ ارشاد فرماتے کہ وہ تو ان ان خوبیوں کی مالکہ تھی اور اس سے میری اولاد بھی تھی۔

امام بخاریؒ نے سیدہ عائشہؓ ہی سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ سیدہ خدیجہؓ کی

ہمشیرہ ہالہ نے سرکارِ دوعالم ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ کو (ان کی آواز سے) سیدنا خدیجہؓ کا اجازت مانگنا یاد آیا، تو گھبرا کر فرمایا: "اللھم ھالہ" اے اللہ! کیا یہ ہالہ ہے؟ مجھے رشک آیا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ قریش کی اس بوڑھی عورت کو یاد کرتے ہیں جس کے منہ کے دانت گر کر صرف سرخ سرخ مسوڑھے باقی رہ گئے تھے؟ نہ منہ میں دانت، نہ پیٹ میں آنت۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں آپ کو اس سے اچھی عورت عطا فرمائی۔

(السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ ص ۱۳۳-۱۳۴)

حافظ ابن کثیرؒ نے اس موقع پر ایک سوال اٹھایا ہے کہ آیا سیدہ عائشہؓ افضل ہیں یا سیدہ خدیجہؓ؟ کیونکہ گزشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سیدہ عائشہؓ نے سیدہ خدیجہؓ کے بارے میں کچھ کلمات کہے تو رسول اللہ ﷺ نے نہ تو اس کا برا منایا اور نہ اس کی تردید کی، جیسا کہ امام بخاری کے سیاق و سباق سے واضح ہے، لیکن امام احمدؒ نے سیدہ عائشہؓ سے اس بارہ میں جو روایت نقل کی اس میں جو الفاظ ہیں اس میں رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا اظہار بھی ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہؓ کا تذکرہ فرمایا اور سیدہ کی بڑی تعریف فرمائی تو مجھے غیرت آئی۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو قریش کی بوڑھی اور سرخ مسوڑھوں والی فوت شدہ عورت کے بجائے عمدہ عورت عطا فرمادی ہے، پھر بھی آپ اس کی یاد میں محو رہتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ کے چہرے کی ایسی تبدیلی میں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ماسوائے وحی نازل ہونے کے وقت یا ابر باراں کے وقت تا آنکہ معلوم ہو جائے کہ وہ رحمت و برکت ہے یا عذاب و رحمت۔

مسند احمد ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب سیدہ خدیجہؓ کا تذکرہ آتا تو رسول اللہ ﷺ اس کے حسن سلوک کی خوب تعریف فرماتے۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے یہ حسن سلوک کا ذکر سنتے ایک روز غیرت آ گئی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ایک بوڑھی اور سرخ مسوڑھوں والی عورت کا کس قدر تذکرہ کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے بجائے ایک بہترین عورت عطا فرمادی ہے۔ آپؐ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: اس سے بہتر عورت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا نہیں کی۔ جب لوگوں نے میری نبوت کا انکار کیا تو اس نے بصدق دل اقرار کرلیا۔ جب لوگوں نے میری تردید اور تکذیب کی تو اس نے دل کھول کر میری تصدیق و تائید کی۔ جب لوگوں نے میرا مالی تعاون کرنے سے ہاتھ کھینچا تو اس نے مجھ پر اپنا تمام مال و دولت نچھاور کر دیا۔ جب دیگر بیویوں سے اللہ نے مجھے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد سے نوازا۔

اس حدیث سے بعض علماء نے سیدہ عائشہؓ پر سیدہ خدیجہؓ کی برتری اور فضیلت کا استدلال کیا ہے

Marfat.com

لیکن دوسرے علماء نے اس کی سند پر جرح کی ہے اور یہ تاویل کی ہے کہ سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا راحت و آرام کے لحاظ سے بہتر تھیں جب کہ سیدہ عائشہؓ نے اپنی جوانی اور عمدہ معاشرت کی پوری زندگی آپ کے ساتھ بسر کی۔

روایات میں رسول اللہ ﷺ کی دونوں ازواج مطہرات کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہیں۔ جیسے سیدہ خدیجہؓ کے بارہ میں یہ فضیلت بھی کوئی چھوٹی فضیلت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سیدہؓ کو سلام بھیجا اور انہیں جنت میں ایک عالیشان مکان کی بشارت دی۔ پھر جنت میں ایک ایسے مکان کی بشارت دی جس میں کوئی شور و شغب نہ ہوگا اور نہ وہاں تھکان محسوس ہوگی۔ یہ فضیلت آپ کی کوئی کم فضیلت نہیں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدہؓ کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔

یہ بھی سیدہؓ کی ایک بہت بڑی فضیلت ہے کہ جب سیدہؓ کا انتقال ہوا تو آپ کو اپنی اس رفیقہ حیات کی جدائی کا بہت زیادہ صدمہ ہوا جس کو آپ ساری زندگی نہ بھلا سکے۔ حجون کے مقام پر آپ کی تدفین کا انتظام کیا گیا۔ سیدہؓ کو قبر میں اتارنے کے لیے سید دو عالم ﷺ خود بنفس نفیس قبر میں داخل ہوئے اور اپنے ہاتھوں سے سیدہؓ کو دفن کیا۔ حکیم ابن حزامؓ جو سیدہؓ کے بھتیجے تھے وہ بھی اس تدفین میں آپ کے ساتھ تھے۔

دوسری طرف سیدہ عائشہؓ کے فضائل بھی روایات میں بہت سے ہیں جیسا کہ بخاری جلد۱ ص ۵۳۲ میں ہے کہ سیدہ عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کی ہوتی ہے۔ ثرید عربوں کی سب سے زیادہ مرغوب غذا ہے۔ علاوہ ازیں سیدہ عائشہؓ کو جبرئیل علیہ السلام نے سلام کہا (بخاری جلد۱ ص ۵۳۲) علم میں وہ مقام تھا کہ تمام صحابہؓ اپنی علمی مشکلات میں سیدہ عائشہؓ کی طرف رجوع فرماتے۔ علاوہ ازیں امام زہریؒ کے مطابق تمام امہات المومنینؓ اور دوسری تمام عورتوں کے علم کو اگر اکٹھا کر لیا جائے تو سیدہ عائشہؓ کا علم پھر بھی ان سب سے زیادہ تھا۔

(الاصابہ جلد ۴ ص ۳۴۹، تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۴۳۵)

سیدہ عائشہؓ کی کتاب زندگی کا یہ باب بھی نہایت اہم ہے کہ وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عورتوں سے زیادہ محبوب تھیں اور مردوں میں ان کے والد سیدنا صدیق اکبرؓ سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۴۳۵)

مختصر یہ کہ فضائل و مناقب کا دونوں طرف انبار ہے لیکن یہ موازنہ کرنا کہ ان میں کون افضل تھا، یہ ایک نہایت مشکل مسئلہ ہے، چنانچہ یہ متنازع مسئلہ شروع ہی سے علماء اسلام میں موضوع بحث رہا ہے، اور علماء اہلِ سنت اس بارہ میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے معذور رہیں۔ سیدہ عائشہؓ ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں۔ علم و

آگہی اور دین کے ہر گوشہ کے بارہ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ کوئی عورت علم و عقل اور فصاحت و بلاغت میں ان کی ہم پلہ نہیں۔ پھر نبوت کو آپ سے ایسا تعلق ہے کہ فرمایا:

خذوا شطر دینکم من الحمیراء۔

"نصف دین تم عائشہؓ سے اخذ کرو۔"

دوسری طرف امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے سیدنا علیؓ سے روایت کیا کہ آپؐ نے فرمایا: مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد اپنے عہد کی بہترین عورتیں تھیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آدمی تو باکمال بہت ہیں مگر خواتین میں باکمال صرف تین ہیں۔ مریم بنت عمرانؓ، آسیہؓ زوجہ فرعون اور خدیجہ بنت خویلدؓ لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا کہ عائشہؓ کی عورتوں پر برتری اور فضیلت ایسی ہے جیسی ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔ (ابن مردویہ نے سند صحیح اس کو روایت کیا ہے) (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "امہات المومنینؓ")

اسی وجہ سے محقق علماء جیسے حافظ ابن کثیر وغیرہ نے یہ کہا ہے:

"صحیح بات یہ ہے کہ دونوں کے اتنے فضائل و مناقب اور شمائل و محاسن ہیں کہ دیکھنے والا حیران اور پڑھنے والا دنگ رہ جاتا ہے، چنانچہ اس بحث کا بہترین حل یہ ہے کہ اس معاملہ میں توقف سے کام لیا جائے اور اس بات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے کیونکہ وہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں افضل کون ہے۔ لہٰذا بہترین مسلک یہی ہے کہ یہ کہہ دیا جائے کہ "واللہ اعلم (فالطریق الاقوم والمسلک الاسلم ان یقول واللہ اعلم)

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد ۲ ص ۱۳۶-۱۳۷)

ابو طالب شیخ قبیلہ تھے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جان فدا و جان نثار زوجہ محترمہ۔ ان دونوں نے ہر آڑے وقت میں آپ کے لیے پناہ کا کام دیا۔ ان دونوں کی وفات سے آپ کی پناہ کی یہ دونوں دیواریں منہدم ہو گئیں۔ ان دونوں کی وفات نے آپ کے قلب میں غم و الم کے جذبات موجزن کر دیئے۔ اب دشمنوں کے لیے راستہ صاف ہو گیا اور آپ کی قوم کی طرف سے مصائب کا ایک طومار بندھ گیا اور وہ کھل کر آپ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے لگے۔ چنانچہ سیرت کی کتابوں میں اس سال کا نام "عام الحزن" یعنی غم کا سال ہے۔

قریش کی اذیتوں میں اضافہ

ابو طالب اور سیدہ خدیجہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد قریش کی لالی کھل کر سامنے آ گئی اور انہوں نے دیکھا کہ اب آپ کی ظاہری پناہ کی دیواریں منہدم ہو گئی ہیں لہٰذا انہوں نے بھی بے پناہ اذیتیں شروع کر دیں۔ عقبہ بن ابی معیط اور آپ کا چچا ابو لہب جو دونوں آپ کے پڑوسی تھی، بے خوف و خطر آپ کے در پے آزار ہو گئے۔ اور اب انہوں نے وہ وہ تکالیف آپ کو پہنچانی شروع کر دیں جو وہ ابو طالب کی زندگی میں نہیں پہنچا سکتے تھے۔ چنانچہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ:

"قریش ابو طالب کی وفات کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ کو ایذا پہنچانے میں اس حد تک پہنچ گئے کہ ابو طالب کی زندگی میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ کوئی بد بخت آپ کے سر مبارک پر مٹی ڈال دیتا اور کوئی آپ پر نماز میں بکری کی اوجھ ڈال دیتا"۔ ("ابن اثیر" جلد ۲، ص ۳۴)

اسی طرح حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

"یہ تکالیف اور اس قسم کی دیگر ایذائیں ابو طالب کی وفات کے بعد ہونے لگیں"۔
("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۳۵)

ابن کثیر ہی نے لکھا ہے کہ ابو لہب اور عقبہ بن ابی معیط جو بد ترین موذی دشمن تھے اور دونوں پڑوسی تھے ("ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۳۴) یہ ایذا پہنچانے میں مختلف قسم کے طریقے اختیار کرتے۔ کبھی راستہ میں کانٹے بچھوا دیتے تھے، کبھی دروازہ میں غلاظت کا بھرا ہوا ٹوکرا ڈلوا دیتے تھے، ان کے چھوٹے ان سے بھی دو قدم آگے تھے۔ وہ کاشانہ نبوی میں گھس کر برتنوں کو خراب کرتے، پکتی ہوئی ہنڈیا کو اوندھی کر دیتے یا اس میں پلیدی ڈال دیتے تھے۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۲۲)

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب ابو طالب انتقال کر گئے تو قریش نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو ایسی اذیتیں پہنچائیں کہ ابو طالب کی زندگی میں کبھی اس کی آرزو اور جرأت نہ کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ قریش کے

Marfat.com

ایک پاجی نے سامنے آکر آپؐ کے سر پر مٹی ڈال دی۔ آپ اسی حالت میں گھر تشریف لائے۔ مٹی آپ کے سر پر پڑی ہوئی تھی۔ آپ کی ایک صاحبزادی نے اٹھ کر مٹی دھوئی۔ وہ دھوتے ہوئے روتی جارہی تھی اور آپ اسے تسلی دیتے ہوئے فرماتے جارہے تھے "بیٹی! دلگیر نہ ہو اللہ تمہارے باپ کا محافظ ہے"۔ (لا تبکی یا بنیہ فان اللہ مانع اباک) اسی دوران آپ یہ بھی فرماتے جارہے تھے کہ "قریش نے میرے ساتھ کوئی ایسی بدسلوکی نہ کی جو مجھے ناگوار گزری ہو یہاں تک کہ ابوطالب کا انتقال ہوگیا"۔ ("سیرۃ ابن ہشام" جلد۱، ص۴۱۶، "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۲۲)

سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں "محمد ﷺ کی نازک حالت" کے عنوان کے تحت لکھا ہے:

"اب پیغمبر عرب کی حالت بہت نازک تھی۔ آپؐ یا تو مکہ میں غلبہ حاصل کریں یا اپنے دعاوی رسالت و نبوت کو ترک کردیں یا پھر اسی جدوجہد میں ہلاک ہوجائیں۔ یا تو اسلام بت پرستی کو تباہ کردے یا بت پرستی اسلام کو نیست و نابود کردے۔ آپ کے پیروکار اگرچہ جاں نثاری کے جذبہ کے تحت آپ کے ساتھ تھے اور ان میں سے چند ایک شہر میں بااثر بھی تھے لیکن پھر بھی ایک کثیر لشکر کے مقابلہ میں مٹھی بھر تھے"۔ ("لائف آف محمد" جلد ۲، ص ۱۹۷)

ایسے مایوس کن حالات میں ایک ظاہر بین نگاہ یہی کچھ دیکھ سکتی ہے اور اسباب پرست اذہان یہی کچھ سوچ سکتے ہیں، لیکن اہلِ بصیرت اور اہلِ عقیدت کے نزدیک سفر طائف اور اس کے بعد کے واقعات میں آپ کی صداقت اور خدا تعالیٰ کے وعدوں پر یقین واثق کا ثبوت ہے کیونکہ استقامت کا امتحان ایسے ہی حالات میں ہوتا ہے کہ جب ظاہری اسباب کلی طور پر منقطع ہوجائیں تو خدا کے وعدوں کے خلاف دل میں ذرہ برابر ہلچل نہ ہو اور ایمان میں معمولی سا بھی تزلزل نہ آئے۔ ایسے ہی حالات کے بارہ میں حق تعالیٰ شانہ کی یہ آیات ہیں:

"بے شک یہ لوگ (اسلام کے مٹانے کے لیے بہت تدبیریں جو ان سے ہوسکتی تھیں) کر چکے ہیں اور ان کی ہر تدبیر خدا کے علم میں ہے (سوائے پیغمبر!) اگرچہ ان کی تدبیریں ایسی محکم ہوں کہ ان سے پہاڑوں کا ٹل جانا متصور ہوسکتا ہے، تو آپ پھر بھی ہرگز وہم و گمان نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے جو اپنے پیغمبروں سے وہ کرے، خلاف کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ زبردست (اور) منتقم ہے"۔ ("ابراہیم" ۴۶-۴۷)

ایسے حوصلہ شکن اور عزم صمیم کو پامال کرنے والے حالات و حوادث کے وقت سرکارِ دوعالم ﷺ کی استقامت آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔

Marfat.com

پیغمبرِ اسلام طائف میں

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ نبی کا بھروسہ اور اعتماد خدا پر ہوتا ہے اور ابتداء میں جب یہ حکم ہوا تھا کہ "اپنے قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دو" تو ساتھ ہی حق تعالیٰ شانہ نے یہ ہدایت بھی فرمائی تھی:

"بھروسہ کرو خدا قادر و رحیم پر جو تم کو دیکھتا رہتا ہے، جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں کے ساتھ تمہاری نشست و برخاست کو وہ دیکھتا رہتا ہے"۔

(الشعراء: ۲۱۷-۲۱۸)

لیکن چونکہ نبی کی کتاب زندگی کا ہر ورق امت کے لیے مشعل راہ ہوتا ہے، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرنے کے باوجود ظاہری ذرائع اور اسباب سے اپنا دامن نہیں جھٹکتا۔ کیونکہ اگر اسباب کے سلسلہ کو یک قلم چھوڑ دیا جائے تو اس عالم اسباب کا تمام نظام ہی منتشر اور درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے جب ابو طالب کی رحلت کے بعد قریش کو موقع مل گیا کہ جو کچھ وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ اب تک نہ کر سکتے تھے، اس کو کر گزریں۔ تو آپ کو بھی ایسے ذریعہ کی تلاش ہوئی جو عرب کے قانون کے بموجب آپ کے لیے پناہ بن سکے۔ لیکن مٹھی بھر مسلمانوں یا آل ہاشم کے علاوہ بچہ بچہ آپ کا جانی دشمن تھا اور اگر کوئی ہمدرد بھی تھا تو کس کی ہمت تھی کہ قریش کے مقابلہ میں آپ کی ڈھال بن سکے۔ للہذا آپ نے اس مقصد کے لیے مکہ کے باہر نظر دوڑائی۔

چنانچہ شوال سنہ ۱۰ نبوی میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے طائف جانے کا عزم فرمایا۔ طائف مکہ مکرمہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر مشرق کی طرف واقع ہے۔ پہاڑی علاقہ ہے جو نہایت سرسبز و شاداب ہے۔ قدرتی چشمے جاری ہیں اور کئی قسم کے میوہ جات اور پھلوں کے باغات بکثرت موجود ہیں۔ سر ولیم میور نے

Marfat.com

یورپ کے متعدد سیاحوں کے اقوال طائف اور اس کے عام میووں اور پھلوں پھولوں خصوصاً انگوروں اور گلاب کے پھولوں کی تعریف میں نقل کیے ہیں۔ آپ نے یہ ساٹھ میل کی مسافت آتے جاتے پیدل طے فرمائی تھی۔ آپ ؐ کے ساتھ آپ کے آزاد کردہ غلام اور متبنی سیدنا زید بن حارثہؓ تھے۔ راستہ نہایت دشوار گزار تھا۔ راستہ میں جس جس قبیلے سے آپ کا گزر ہوتا، آپ ؐ اسے اسلام کی دعوت دیتے۔ آپ پہلے قبیلہ بنو بکر میں تشریف لے گئے لیکن انہوں نے آپ کو اپنے ہاں نہ ٹھہرنے دیا۔ پھر قبیلہ قحطان میں قدم رنجہ فرمایا لیکن وہ بھی شرارت و بداندیشی سے پیش آئے۔ وہاں سے آپ نے طائف کے شہر کا قصد فرمایا۔ جو قبیلہ ثقیف کی مرز و بوم تھا۔ گو مکہ مکرمہ کی طرح طائف بھی آپ کے لیے بھڑوں کا چھتہ بنا ہوا تھا تاہم آپ تن بہ تقدیر یہاں تشریف لائے۔

آپ نے دس روز طائف میں قیام فرمایا ("ابن سعد" جلد ا، ص ۱۴۲) یہاں کے سردار بنو ثقیف کے تین بھائی عبدیالیل، مسعود اور حبیب تھے۔ ان کے والد کا نام عمرو بن عمیر ثقفی تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی نگاہ ان پر پڑی کہ اگر وہ پناہ میں لے لیں تو فریضہ دعوت و تبلیغ کی ادائیگی میں آسانی ہو۔ آپ نے عوام و خواص سبھی کو اسلام کی دعوت دی۔ رؤسا اور معززین کے مکانوں پر پہنچ کر ان سے گفتگو کی۔ ان تینوں بھائیوں سے بھی ملاقات کی اور اپنا مقصد واضح کیا۔ لیکن کسی ایک نے بھی انسانیت سے جواب نہ دیا۔ ایک نے کہا کہ "وہ کعبہ کا پردہ پھاڑے"۔ اگر اللہ نے تمہیں رسول بنایا ہو۔ دوسرے نے کہا "اللہ کو آپ کے سوا کوئی اور نہیں ملتا تھا جس کو رسول بنا کر بھیجتا" تیسرے نے کہا "میں تم سے ہرگز بات نہ کروں گا۔ اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو تمہاری بات رد کرنا اور رسول سے بحث کرنا میرے لیے انتہائی خطرناک ہے اور اگر تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو تو یہ بات میری شان کے خلاف ہے کہ میں ایک جھوٹے سے بات کروں"۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۳۵) ان لوگوں کے یہ بھونڈے جوابات سن کر اور روکھے تیور دیکھ کر آپ نے انہیں فرمایا کہ "اتنی مہربانی کرو کہ میرے آنے کی خبر کسی کو نہ دو"۔ آپ کو خیال ہوا کہ مکہ والوں کو میرے آنے کی اور ان کے جوابوں کی اطلاع ہو گی تو وہ اپنی حرکتوں میں اور دلیر ہو جائیں گے۔

ان بدنصیب لوگوں نے آپ کی اس فرمائش کی تعمیل اس طرح کی کہ اوباشوں اور آوارہ گردوں کو شہ دے دی۔ چنانچہ آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو یہ اوباش اور آوارہ گرد گالیاں دیتے، تالیاں پیٹتے اور شور مچاتے آپ کے پیچھے لگ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اتنی بھیڑ جمع ہو گئی کہ آپ کے رستہ کے دونوں جانب وہ لوگ کھڑے ہو گئے۔ پھر گالیوں اور بدزبانیوں کے ساتھ پتھر بھی چلنے لگے۔ سنگ باری نہایت تیز تھی۔ اس سنگ باری سے آپ کی پنڈلیوں پر گہرے زخم آئے۔ گھٹنے چور ہو گئے۔ بدن مبارک لہولہان ہو گیا اور آپ کے دونوں نعلین مبارک خون میں تربتر ہو گئے۔ ادھر سیدنا زید بن حارثہؓ اپنے آقا اور

سرور کائنات ﷺ کی ڈھال بن کر چلتے ہوئے پتھروں کو روک رہے تھے۔ وہ کبھی آگے کبھی پیچھے بچانے کی کوشش کر رہے تھے مگر تنہا وہ کیا کر سکتے تھے۔ پتھروں سے ان کا سر بھی پھٹ گیا۔

("طبقات ابن سعد" جلد ا، ص ۱۴۲)

آخر کار کسی طرح آبادی سے باہر نکلے تو آپؐ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ سیدنا زید بن حارثہؓ نے آپؐ کو اٹھایا۔ قریب ہی کچھ پانی تھا۔ آپؐ کو وہاں لے گئے تاکہ زخموں سے خون کو دھوئیں۔ نعلین مبارک اتارنے چاہے تو خون سے اس طرح جم گئے تھے کہ اتارنا مشکل ہو گیا۔ طبیعت سنبھلی تو قریب کے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلہ پر تھا اور یہ سیدنا معاویہؓ کے نانا عتبہ بن ربیعہ اور ان کے بڑے بھائی شیبہ بن ربیعہ کی ملکیت تھا۔ عتبہ اور شیبہ اس وقت اپنے اس باغ میں موجود تھے۔ جب آپؐ نے یہاں پناہ لی تو بھیڑ واپس چلی گئی۔ آپ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے۔ قدرے اطمینان ہوا تو وضو کیا۔ قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور اپنے معبود حقیقی، مالک ارض و سما کی بارگاہ میں مشغول دعا ہو گئے۔

اس وقت جو دعا آپؐ نے فرمائی وہ "دعائے مستضعفین" کے نام سے مشہور ہے۔ اس دعا کے ایک ایک جملہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ طائف میں اس بدسلوکی سے دوچار ہونے کے بعد اور کسی ایک بھی شخص کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ کس قدر دل فگار تھے۔ اور آپ کے احساسات اور جذبات پر حزن و ملال اور رنج و غم کے کیسے گھنے اور دبیز بادل چھائے ہوئے تھے۔ اہلِ طائف کی وحشیانہ حرکتوں سے مجروح اور زخمی محمد ﷺ انگور کے چھدرے سایہ میں نڈھال بیٹھے ہیں۔ دل فگار اور درد سے لبریز۔ زخموں میں ٹیس اور چبھن، مگر پیشانی بارگاہ الوہیت میں سجدہ ریز اور زبان مبارک مصروف دعا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش میں نغمہ ریز۔ بارگاہ الوہیت میں عرض پرداز ہوئے:

"اے اللہ! میں اپنے عجز و بے بسی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی بے قدری اور بے بضاعتی کا تجھ ہی سے شکوہ کرتا ہوں۔ اے سارے مہربانوں میں سب سے زیادہ مہربان ذات، اے کمزوروں اور ناتوانوں کے مربی! تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ یا کسی بیگانے کے سپرد کرے گا جو میرے ساتھ نفرت اور تندی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر تو مجھ سے ناخوش نہیں ہے تو مجھے ان مصائب کی کوئی پروا نہیں۔ تیری عافیت اور بخشش میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میری سمائی تیری عافیت کی گود ہی میں ہے۔ تیرے چہرے کا وہ نور جس سے اندھیریاں روشنی بن جاتی ہیں، جس کے ادنیٰ جلوے سے دنیا اور آخرت کے بگڑے ہوئے کام سنور جاتے ہیں، میں اسی نور کی پناہ لیتا ہوں۔ میں پناہ مانگتا ہوں اس چیز سے کہ مجھ پر تیرا غضب اور

عتاب نازل ہو۔ تجھ ہی کو منانا ہے اور اس وقت تک منانا ہے جب تک تو راضی نہ ہو جائے۔ اے اللہ! مجھ میں نہ طاقت ہے اور نہ زور۔ جو کچھ طاقت ہے وہ تیرا ہی صدقہ ہے۔ جو کچھ قوت ہے، وہ تیری ہی عطاء ہے۔ میری کوئی تدبیر کارگر نہیں۔ کارساز تو ہی ہے بگڑی کو بنانے والا تو ہی ہے"۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اس دعا کے ایک ایک لفظ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دعا کس مجروح اور دردمند دل سے نکلی ہے۔ اللہ کا رسول کس عاجزی، فروتنی اور انکساری کے ساتھ اپنے رب قدیر کو پکارتا اور اس کی نصرت و بخشش کا طالب و ملتجی ہے۔ اس نے کس طرح اپنے آپ کو اپنے رب کریم کی مرضی کے سپرد کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی دعا کسی مامور من اللہ، جس کا معاملہ براہ راست رب ارض و سماء کی جناب سے قائم ہو اور اسی کے رحم و کرم کو اپنی امیدوں کا آخری سہارا یقین کرتا ہو، کے سوا کسی اور شخص کی زبان سے نہیں نکل سکتی۔ اوباشوں اور غنڈوں کا یہ سلوک ایک ابتلا تھا جس میں اللہ کے تمام برگزیدہ رسول مبتلا کیے جاتے رہے ہیں۔ اس کے بعد فتح و نصرت آپ کے قدم چومے گی اور وہی لوگ جو اس بدسلوکی اور گستاخی کے مجرم ہیں، کچھ عرصہ کے بعد نہایت شرم و ندامت کے ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوں گے اور آپ کے جان نثاروں کی صف میں کھڑے نظر آئیں گے۔

ادھر یہ دردمندانہ دعا ہو رہی تھی، ادھر باغ کے مالکان عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ، جو مکہ کے مشہور رئیس تھے اور اس وقت باغ میں تھے، انہیں غیرت آئی کہ ان کے شہر کے ایک شخص کے ساتھ طائف والوں نے یہ بدسلوکی کی، لیکن یہ ہمت پھر بھی نہ ہوئی کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے پاس آ کر بات کرتے۔ انگوروں کے چند خوشے پلیٹ میں رکھ کر غلام کو دیئے کہ وہ ان مظلوم مہمانوں کے پاس لے جائے جو انگور کے چھدرے سایہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ غلام کا نام عداس تھا۔ مذہباً عیسائی تھا۔ اس نے اپنے مالکان کے حکم کی فوری طور پر تعمیل کی۔

عتبہ بذاتِ خود ایک شریف اور حلیم آدمی تھا۔ حافظ ابن کثیر نے عتبہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ: "عتبہ ایک حلیم اور شریف سردار تھا"۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۶۳)

اسی طرح اس خاص واقعہ کے ذکر میں مولانا شبلی فرماتے ہیں:

"یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا جو باوجود کفر کے نہایت شریف الطبع اور نیک طینت تھا"۔

("سیرۃ النبی" جلد ۱، ص ۱۸۳)

ایک اور جگہ پر مولانا شبلی نعمانی فرماتے ہیں:

"عتبہ بن ربیعہ (سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کے نانا) نہایت شریف الطبع اور صاحب ریاست تھا"۔ ("سیرۃ النبی" جلد ۱، ص ۱۵۶)

Marfat.com

علامہ ابن اثیر جزری نے بھی اسی قسم کے الفاظ عتبہ کے بارہ میں لکھے ہیں۔
(ملاحظہ ہو "ابن اثیر" جلد ۲، ص ۱۸)

عداس انگور کے خوشوں سے بھری ہوئی پلیٹ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ جب آپ نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو زبان پر آیا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

آپ کے منہ سے یہ کلمات سن کر عداس چونکا اور بولا "یہ جملہ تو اس شہر کے لوگ نہیں بولتے"۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے پوچھا "تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟" اس نے جواب دیا "میں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا رہنے والا ہوں"۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا "اچھا تو تم مردِ صالح یونس بن متی کے شہر کے رہنے والے ہو؟" عداس نے پھر پوچھا "آپ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟" سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا "وہ میرے بھائی تھے۔ میرے اور ان کے درمیان نبوت کا رشتہ ہے۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی اللہ کا نبی ہوں"۔ عداس یہ سن کر تڑپ اٹھا اور فوراً جھک کر آپؐ کے سر اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔

عتبہ اور شیبہ دور سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ آپس میں کہنے لگے "لو! اب اس شخص نے ہمارے غلام کو بھی بگاڑ دیا"۔ عداس جب واپس آیا تو دونوں بھائیوں نے عداس سے پوچھا "یہ کیا معاملہ تھا؟" عداس نے جواب دیا "آقا! روئے زمین پر اس وقت اس شخص سے بہتر کوئی اور شخص نہیں ہے۔ یہ اللہ کا نبی ہے۔ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا اور کوئی نہیں بتا سکتا"۔
("دلائل النبوۃ" بیہقی، جلد ۱، ص ۳۸۹، "دلائل النبوۃ" لابی نعیم، جلد ۱، ص ۱۰۳، "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" ص ۶۵)

ان دونوں نے غلام عداس کو ڈانٹا اور کہا کہ "کہیں یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے منحرف نہ کر دے۔ کیونکہ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے"۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۳۶)

علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ جب عتبہ اور شیبہ نے جنگ بدر میں جانا چاہا تو عداس کو بھی اپنے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ عداس نے کہا "میرے آقا! آپ اس شخص کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جا رہے ہیں جسے میں نے طائف میں آپ کے باغ میں دیکھا تھا۔ خدا کی قسم! اس کے سامنے تو پہاڑ بھی کھڑے نہ ہو سکیں گے"۔ انہوں نے کہا "افسوس! اس نے تجھے اپنی زبان سے جادو کر دیا"۔
("روض الانف" جلد ۱، ص ۲۶۲)

ایک اور روایت میں جو حکیم بن حزامؓ سے مروی ہے، لکھا ہے کہ جب عتبہ اور شیبہ قریش مکہ کے ساتھ جنگ بدر کے لیے جا رہے تھے تو عداس نے عتبہ اور شیبہ کے پیر پکڑ لیے اور کہا "اللہ کی قسم! وہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ لوگ اپنے مقتل کی طرف کھنچے چلے جا رہے ہیں"۔ عداس رو رہے تھے کہ عاص بن

شیبہ وہاں سے گزرا- اس نے عداس سے رونے کا سبب پوچھا- عداس نے کہا "ان دونوں سرداروں کی وجہ سے رو رہا ہوں- یہ اس وقت اللہ کے رسول کے مقابلہ میں جا رہے ہیں"- عاص بن شیبہ نے کہا "واقعی وہ اللہ کے رسول ہیں؟" عداسؓ نے کہا "ہاں! خدا کی قسم! بلاشبہ تمام دنیا کی طرف وہ اللہ کے رسول ہو کر آئے ہیں"- ("الاصابہ" جلد ۲، ص ۴۶۷)

قدرے توقف کے بعد سرکارِ دوعالم ﷺ باغ سے نکلے تو مکہ مکرمہ کی راہ پر چل پڑے- دل غمگین تھا بلکہ پاش پاش تھا- طبیعت نڈھال اور حسرت ویاس کے دھوئیں سے دم گھٹ رہا تھا- سر جھکائے ہوئے تشریف لے جا رہے تھے- کچھ دھیان پلٹا تو دیکھا کہ ایک پہاڑی سامنے ہے جس کو قرن الثعالب یا قرن المنازل کہتے ہیں- آپ یہاں ٹھٹکے- اوپر نظر اٹھی تو دیکھا کہ ایک بادل آپ پر سایہ فگن ہے- بادل پر نظر ڈالی تو دیکھا جبرئیل امین جلوہ افروز ہیں اور فرما رہے ہیں:

"اللہ نے سن لیا، دیکھ لیا تم نے جو کچھ کہا اور جو لوگوں نے جواب دیا- جس طرح تم کو واپس کیا اور جو سلوک تمہارے ساتھ کیا وہ بھی بخوبی دیکھ لیا- اب یہ پہاڑ کے فرشتے (ملک الجبال) موجود ہیں- اللہ نے ان کو بھیجا ہے- آپؐ حکم کریں یہ تعمیل کریں گے"-

اس کے بعد پہاڑوں کا فرشتہ سامنے آیا- سلام عرض کی پھر کہا:

"اے محمدؐ تمہاری قوم کی تمام باتیں تمہارے خدا نے سنیں، دیکھیں- اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے- آپ جو چاہیں حکم دیں میں تعمیل کروں گا- آپؐ حکم دیں مکہ کے دونوں طرف جو پہاڑ ہیں، ان کو ملا کر ان تمام گستاخوں اور بے ادب لوگوں کو پیس ڈالوں"-

یہ ایک آزمائش تھی- پیغمبر کے سوا کوئی اور ہوتا تو فوراً اس فرشتے کی معرفت اپنا انتقام لے لیتا- لیکن یہاں تو صبر و ضبط اور تحمل و استقلال کا ایک امتحان تھا- وہ بھی ایک آزمائش تھی جب اہلِ طائف چاروں طرف سے پتھر برسا رہے تھے- لیکن یہ دوسری آزمائش پہلی سے بڑی آزمائش تھی- یہ وسعت ظرف، فراخ حوصلگی اور دعویٰ رحم و کرم کا امتحان تھا اور اس امتحان میں صرف ایک نبی ہی ثابت قدم رہ سکتا ہے-

فرشتے کی بات سن کر خوشی کے بجائے آپؐ کا قلب مبارک بے تاب ہو گیا- خدا کی مخلوق نبی کی کھیتی ہوتی ہے- کیا یہ کھیتی برباد کر دی جائے؟ کیا یہ امت دعوت نیست و نابود کر دی جائے؟ آپؐ نے اپنی شان کے مطابق جواب دیا:

"اگر یہ بدنصیب لوگ راہ راست اور صراط مستقیم پر نہ آئیں تو ان کی نسل سے میں ہرگز ناامید نہیں ہوں- مجھے پوری امید ہے کہ ان کی نسل میں وہ لوگ ہوں گے جو خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو

Marfat.com

شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ (ارجو ان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ ولا یشرک بہ شیئا)"۔

("بخاری" جلد۱، ص۴۵۸، "مسلم" جلد۲، ص۱۰۹)

آپ کے اس جواب میں آپ کی یگانہ روزگار شخصیت اور ناقابلِ ادراک گہرائی اور گیرائی رکھنے والے "خلق عظیم" کے جلوے دیکھے جا سکتے ہیں۔ بہرحال اس آسمانی اور غیبی مخلوق کی مدد کی وجہ سے آپ کا دل اطمینان سے بھر گیا اور حزن وملال اور غم والم کے بادل چھٹ گئے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کی جانب مزید پیش قدمی فرمائی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "طبری" جلد۲، ص۲۳۰ "البدایہ والنہایہ" جلد۳، ص۱۳۵، "سیرۃ ابن ہشام" جلد۱، ص۴۱۹، "عیون الاثر" جلد۱، ص۲۳۱-۲۳۴ "دلائل ابی نعیم" جلد۱، ص۱۰۳، "فتح الباری" جلد۶، ص۲۲۵)

عام نگاہ میں آپ کا یہ سفر طائف رائیگاں سمجھا جاتا ہے کیونکہ اتنی صعوبتیں اٹھانے کے بعد (اور صعوبتیں بھی دو قسم کی، پہاڑی سلسلہ کے دشوار گزار راستوں کا تکلیف دہ سفر اور پھر طائف کے اوباشوں کی سنگ باری سے آپ کا مجروح و مضروب ہونا) بھی بے نتیجہ رہا، لیکن اگر غور اور بصیرت سے دیکھا جائے تو ہم آپ کے اس سفر کو بھی پیغام الٰہی کے پہنچانے اور حصولِ اجر کی نظر سے بے ثمر اور رائیگاں نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ حصولِ مقصد کے لحاظ سے بھی آپ کا یہ سفر بے نتیجہ نہیں رہا۔

۱- اس میں اول تو عداس ؓ کا واقعہ جو گزشتہ صفحات میں ہم نے بیان کیا، اللہ تعالیٰ نے اسے دولت ایمان سے بہرہ مند فرمایا، اور ایک داعی کے لیے اس کی تبلیغ و دعوت کے پہلے مرحلہ میں ایک شخص کا مسلمان ہو جانا، ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ کیونکہ اس سے دعوت کی سرزمین میں تخم ریزی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" جلد۲، ص۴۶۶ میں عداس کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ:

"آپ نے جب فرمایا کہ میں اللہ کا نبی ہوں تو عداس ؓ نے آپ کی پیشانی اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا اور یہ کہا (اشھد انک عبد اللہ ورسولہ) "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں"۔

۲- اس سلسلہ میں دوسرا واقعہ طائف میں اسلام کی تخم ریزی کا یہ ہے جس کو حافظ ابن کثیرؒ نے "مسند احمد" سے سیدنا خالد بن ابی جبل سے روایت کیا ہے کہ میں نے سرکارِ دوعالم ﷺ کو ثقیف کے اونچے منظر پر عصا یا قوس (کمان) کے سہارے کھڑا دیکھا جبکہ آپ ان کے پاس طلب معاونت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ میں نے آپ کو "سورہ "الطارق" پڑھتے سنا۔ یہاں تک کہ آپ ؐ نے وہ سورہ ختم کی۔ میں نے اس کو زمانہ جاہلیت میں جبکہ میں مشرک تھا، یاد کر لیا۔ پھر جب میں مسلمان ہوا تو ثقیف نے

Marfat.com

مجھے اس کی قرات کے لیے بلایا اور کہا کہ تم نے اس شخص سے کیا سنا؟ میں نے وہ سورہ ان کو پڑھ کر سنائی۔ بعض قریش جوان لوگوں کی مجلس میں موجود تھے، کہنے لگے "ہم اپنے صاحب کو خوب جانتے ہیں۔ اگر ہم جانتے کہ اس کا دعویٰ حق اور سچا ہے تو ہم ضرور اس کی تابعداری کرتے"۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۳۶-۱۳۷)

یہ خالد ابن ابی جبل العدوانی بیعت رضوان میں شامل تھے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں یہ روایت تفصیل سے ذکر کی ہے۔

۳۔ اس سلسلہ میں تیسرا واقعہ عروہ بن مسعود ثقفی کا مسلمان ہونا ہے۔ عروہؓ وہ شخص ہیں، جن کی بابت ابو جہل کے چچا ولید بن مغیرہ نے کہا تھا کہ اللہ اگر کسی پر اپنا کلام نازل کرتا تو مجھ پر کرتا یا پھر عروہ بن مسعودؓ رئیس طائف پر نازل کرتا۔ یہ عروہ بن مسعودؓ فتح مکہ کے بعد حصار طائف سے واپسی کے وقت سرکارِ دو عالم ﷺ کے پیچھے پیچھے چلا آیا اور آپؐ کے مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل آپ کو آملا اور مسلمان ہو گیا۔

جب عروہ بن مسعودؓ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے سرور کائنات ﷺ سے قوم میں واپس جانے کی اجازت مانگی۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے خطرہ ہے کہ وہ تم کو قتل کر دیں گے"۔ عروہؓ نے عرض کی "میں ان کو ان کی آنکھوں سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔ میری بات کوئی بھی رد نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ مجھے نیند سے بھی کوئی نہیں جگاتا"۔ یہ سن کر سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں واپس جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ جب وہ اپنی قوم بنو ثقیف میں پہنچے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب نافرمان ثابت ہوئے اور انہوں نے ان کی دعوت اسلام کو رد کر دیا اور جوش کفر میں برا بھلا کہنے لگے۔ اس پر سیدنا عروہؓ کو بھی دینی جوش آ گیا۔ اسی جوش میں وہ صبح کی نماز کی اذان اپنے چوبارہ پر چڑھ کر دینے لگے۔ بنی ثقیف میں سے کسی پاجی نے ایسا تیر مارا کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو جب ان کی شہادت کا پتہ چلا تو فرمایا کہ عروہؓ کی مثال اصحاب یٰسین کی ہے۔ اس نے بھی اپنی قوم کو خدا کی توحید کی طرف بلایا تھا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ ("الاصابہ" جلد ۴، ص ۱۳۸)

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سفر طائف میں آپ نے جو دعوت دی تھی، وہ بے اثر نہیں رہی بلکہ آخر کار پھل لائی اور وہ لوگ اور ان کی اولادیں دولت ایمان سے مشرف ہوئیں۔

سر ولیم میور نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف کے اس سفر کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے:

"محمد ﷺ کا زور اعتقاد اور اعتقاد علی النفس تھا کہ تمام ناکامیوں کے باوجود وہ تنہا ایک ایسے شہر میں گئے اور فریضہ دعوت و تبلیغ ادا کیا، جہاں آپ کا کوئی ہم نوا نہ تھا بلکہ سارے

Marfat.com

مخالف ہی تھے"۔(" لائف آف محمد" جلد ۲، ص ۱۸۳، حاشیہ نمبر۲)

سرولیم میور نے عیسائی اور متعصب دشمن اسلام ہونے کے باوجود آپ کے سفر طائف کے واقعہ پر نہایت دردناک اور الم انگیز الفاظ میں تبصرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"طائف کے لوگوں کو مشتعل کیا گیا کہ وہ اپنے ناگوار مہمان ﷺ کو جلدی سے شہر سے نکال دیں۔ انہوں نے بازاروں میں آپ پر تالیاں بجائیں اور ہو ٹنگ کی۔ پھر آپ پر سنگ باری کی اور بالآخر آپ کے پیچھے بے رحم اور سنگدل اوباشوں اور لفنگوں کا ہجوم لگا کر آپ کو شہر سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ آپ کی دونوں ٹانگوں کے زخموں سے لہو بہتا تھا۔ زید بن حارثہؓ کو جو رفیق سفر تھا، آپ کے لیے سپر بننے پر سر پر سخت اور گہرا زخم لگا۔ وہ ہجوم آپؐ کے تعاقب سے نہ ہٹا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کو پہاڑی کے دامن تک جو شہر کا احاطہ کرتی ہے، دو تین میل تک ریتلے میدانوں کے پار نہ کر دیا۔ جہاں پر آپ نے تھک کر اور نڈھال ہو کر ایک باغ میں پناہ لی اور انگور کے ایک درخت کے نیچے آرام کیا"۔

(" لائف آف محمد" جلد ۲، ص ۲۰۰)

ولیم میور آپ کے صبر واستقامت اور حوصلہ واستقلال سے حیرت زدہ ہو کر آپ کو ان الفاظ میں خراج پیش کرتا ہے

"ایک تنہا شخص جس کو اس کی قوم کے اپنے ہی لوگوں نے نہایت حقارت و نفرت سے مسترد کر دیا خدا کے نام سے نہایت جرات اور دلیری سے آگے بڑھتا ہے اور جس طرح یونس بن متی نینوی میں گئے، اسی طرح وہ بھی ایک بت پرست شہر (طائف) کو توبہ اور اسلامی مشن کی معاونت کی دعوت دیتا ہے۔ یہ بات اس کے پختہ یقین پر کہ میری دعوت حقیقتاً الٰہی دعوت ہے، نہایت زبردست روشنی ڈالتی ہے"۔(" لائف آف محمد" جلد ۲، ص ۲۰۷)

طائف سے واپسی

طائف میں دس روز قیام کے بعد آپ واپس مکہ تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں وادی نخلہ میں قیام فرمایا۔ یہاں دو جگہیں قیام کے لائق ہیں۔ ایک السیل الکبیر اور دوسری زیمہ۔ کیونکہ دونوں جگہ پانی اور شادابی موجود ہے، لیکن کسی ایک روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے ان میں سے کس جگہ قیام فرمایا تھا۔ وادی نخلہ میں آپؐ نے چند روز قیام فرمایا۔ ایک رات آپ نماز میں مشغول تھے کہ نصیبین کے سات جن اس طرف سے گزرے اور کھڑے ہو کر آپؐ کا قرآن سنا اور چلے گئے۔ آپ کو ان کی آمد کا علم نہیں ہوا، یہاں تک کہ قرآنی آیات نازل ہوئیں:

"(اے پیغمبر!) آپ اس وقت کو یاد کریں جب ہم نے جنات کی ایک جماعت آپ کی طرف بھیجی تاکہ وہ آپ کا قرآن سنیں۔ پس جب وہ حاضر ہوئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو (یعنی اس کلام کو سنو) پس جب قرآن پڑھا جا چکا (یعنی آپ کی نماز ختم ہوئی) تو یہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے تاکہ ان کو آگاہ کریں۔ انہوں نے جا کر یہ بتایا کہ ہم نے ایک عجیب و غریب کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل ہوئی۔ جو اپنی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق اور سیدھے راستے کی راہنمائی کرتی ہے۔ اے ہمارے لوگو! اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اور جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرے گا' وہ روئے زمین میں چھوٹ کر کہیں نہیں نکل سکتا اور نہ اس کا کوئی حامی ہو گا۔ ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں"۔ ("احقاف")

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳' ص ۱۴۷)

ان آیات میں لفظ اذ سے آپ کے سفر طائف کے واقعہ کی طرف اشارہ کر کے آپ کو یہ بتایا کہ اہلِ طائف انسان تھے اور آپ کی جنس سے تھے۔ آپ ارادتاً ان کو دعوت دینے کے لیے گئے۔ ان کی قریش مکہ کے ساتھ عزیز داری اور رشتہ داری بھی تھی لیکن ان تمام تعلقات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انہوں نے آپ سے انسانیت سے گرا ہوا اور شرافت کا منہ چڑانے والا سلوک کیا۔ نہ صرف طعن و تشنیع اور گالیوں کی بوچھاڑ آپ پر کی بلکہ پتھر برسا کر آپ کو زخمی اور لہولہان کر دیا۔ آپ کا یہ سفر طائف آپ کو مقام صبر و استقامت کے مدارج پورے کرانے کے لیے تھا جیسا کہ اس صورت کے آخر میں فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل سے عیاں ہے۔ ساتھ ہی یہ تسلی بھی دی کہ پھر بھی آپ کے اس سفر کو ہم نے رائیگاں اور بے نتیجہ نہیں رکھا بلکہ اپنے حکم تکوینی سے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف سے گزار دیا جو اگرچہ آپ کی جنس سے نہیں تھے اور آپ نے انہیں تبلیغ کا قصد بھی نہیں کیا تھا' لیکن پھر بھی ہمارے حکم سے آپ کی قرات سننے کے لیے ٹھہر گئے اور آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کی نیابت میں اپنی قوم کو دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے لگے۔ یہ ہماری شان کریمی ہے کہ جسے جس وقت ہم ہدایت کے قابل سمجھتے ہیں' اسے اس نعمت سے متمتع کر دیتے ہیں خواہ وہ خاکی ہو یا ناری۔

اس نصرت اور بشارتوں سے حزن و ملال اور غم والم کے وہ سارے بادل چھٹ گئے جو طائف سے نکلتے وقت تالیاں اور گالیاں سننے اور پتھر کھانے کی وجہ سے آپ کے قلب مبارک پر چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ اب آپ نے مکہ واپس جانے کا عزم صمیم فرما لیا تاکہ وہاں پورے استقلال اور گرم جوشی کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے کام میں اپنے کو دن رات کھپایا جائے۔

Marfat.com

مکّہ میں داخلہ

آپؐ نے مکہ واپس جانے کا عزم صمیم تو فرمالیا لیکن مکہ واپس جانا اب خود ایک مسئلہ تھا۔ ابو طالب کی رحلت کے بعد اب وہاں کوئی آپ کو پناہ دینے والا نہیں تھا۔ ابن سعد اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابو طالب کے انتقال کے بعد آپ کے بد نصیب چچا ابو لہب نے اگرچہ آپ کی عارضی طور پر حمایت کی، لیکن جلد ہی اس نے دست پناہ ہٹا لیا۔ امام ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ ابو لہب آغاز ہی سے آپ کو خشم آلود تیوروں سے دیکھتا تھا لیکن ابو طالب کے انتقال کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ پر جب مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تو آپ کی بے کسی اور بے بسی کو دیکھ کر ابو لہب کا دل بھی تڑپ اٹھا۔ وہ بڑے درد دل کے ساتھ آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا "محمدؐ جو کچھ تمہاری مرضی میں آئے کرو اور جس طرح ابو طالب کی زندگی میں اپنی دینی دعوت دیتے تھے، اب بھی اسی طرح اس دعوت کو دیئے جاؤ۔ مجھے لات و عزیٰ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں کوئی شخص تیری طرف نظر بھی اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا"۔ اس کے بعد حارث بن قیس بن عدی نے آپ کو گالیاں دیں تو ابو لہب اس کے گھر گیا اور اس کی خوب گوشمالی کر کے واپس آیا۔ اس کے بعد ایک مجمع میں جا کر با آواز بلند کہنے لگا "اے قریش کی جماعت! عتبہ کا باپ (عتبہ ابو لہب کے بیٹے کا نام تھا) صابی ہو گیا ہے؟" یہ آواز قریش پر بجلی بن کر گری۔ چنانچہ عمائدین قریش فوراً اس کے مکان پر گئے۔ ابو لہب نے کہا "میں نے عبد المطلب کی ملت سے مفارقت نہیں کی، لیکن یہ بات مجھے قطعاً گوارا نہیں کہ میرے بھتیجے پر ظلم اور زیادتی ہو"۔ روسائے قریش نے از راہ نفاق ابو لہب کی اس پالیسی کو سراہا اور کہا کہ یہ قدم اٹھا کر تم نے واقعی صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا ہے لیکن چند دنوں کے بعد ہی قریش کے سر برآوردہ لوگوں نے ابو لہب کو ایسا ورغلایا کہ پھر سرکارِ دو عالم ﷺ کا مخالف ہو گیا۔ چنانچہ وہ دوبارہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ تیور بدلے ہوئے تھے اور ہر دم بزیدہ کی طرف پیچ و تاب کھا رہا تھا اور کہا کہ جب تک میری جان میں جان ہے، میری عداوت اور کینہ توزی سایہ کی طرح

Marfat.com

تمہارے ساتھ لگی رہے گی۔ اس کے بعد آپؐ طائف کے سفر پر تشریف لے گئے۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص)

اب جب آپ طائف سے واپس مکہ مکرمہ جا رہے تھے تو سرزمین مکہ میں کوئی آپ کو پناہ دینے والا نہیں تھا۔ چنانچہ آپ کے غلام زید بن حارثہؓ نے عرض کی کہ "آپ مکہ کیسے جائیں گے؟" آپؐ نے فرمایا "زید! تم جو حالت دیکھ رہے ہو اللہ تعالیٰ اس میں کشادگی اور نجات کی کوئی راہ ضرور نکالے گا اور یقیناً اپنے دین کی مدد اور اپنے نبی کو غالب فرمائے گا"۔

آپؐ زید بن حارثہؓ کے ساتھ نخلہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ کے نزدیک پہنچ کر کوہ حرا کے دامن میں ٹھہر گئے۔ پھر بنو خزاعہ کے ایک آدمی اریقط کے ذریعہ اخنس بن شریق کو یہ پیغام بھجوایا کہ "کیا میں تمہاری پناہ میں مکہ آسکتا ہوں؟" اخنس نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ "میں قریش کا حلیف ہوں اس وجہ سے میں آپ کو پناہ نہیں دے سکتا"۔ اس کے بعد آپ نے سہیل بن عمرو کے پاس یہی پیغام بھجوایا لیکن اس نے بھی پناہ دینے سے معذرت کر دی اور کہا کہ "بنو عامر کی دی ہوئی پناہ بنو کعب پر لاگو نہیں ہوتی"۔ پھر آپؐ نے اس کے لیے پیغام بھجوایا جس کے لیے یہ شرف مقدر تھا اور وہ مکہ کا رئیس مطعم بن عدی تھا۔ مطعم بن عدی نے پیغام لانے والے شخص اریقط سے کہا "وہ شوق سے مکہ آئیں اور آزادی سے اپنا پیغام لوگوں کو سنائیں" مطعم کو معلوم تھا کہ محمد ﷺ کی حمایت کرنا تمام قریش کی مخالفت کو دعوت دینا ہے۔ اس لیے اس نے ہتھیار پہن کر اپنے بیٹوں اور قوم کے لوگوں کو بلایا اور کہا کہ "تم لوگ ہتھیار لگا کر حرم میں پہنچ جاؤ اور خانہ کعبہ کے گوشوں میں جمع ہو جاؤ کیونکہ میں نے محمد ﷺ کو پناہ دے دی ہے"۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو جب مطعم بن عدی کا پیغام مکہ میں بے خوف و خطر داخل ہونے کے لیے پہنچا تو آپ زید بن حارثہؓ کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔

ایک روایت میں ہے کہ مطعم بن عدی نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو بلا کر حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم کے دروازہ پر کھڑے رہیں۔ میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی ہے اور خود بھی اونٹ پر سوار ہو کر حرم کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے کہا "اے گروہ قریش! میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی ہے کوئی ان سے تعرض نہ کرے"۔

سرکارِ دو عالم ﷺ مطعم بن عدی کے بیٹوں اور بھتیجوں کے ہمراہ حرم میں داخل ہوئے۔ حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف کیا اور دوگانہ ادا فرمایا۔ آپؐ کے طواف کے دوران وہ سب اپنی تلواروں کی باڑوں پر ٹیک لگا کر مطاف میں بیٹھے رہے اور سرکارِ دو عالم ﷺ نہایت امن و امان سے طواف کرتے رہے۔ اس حالت میں ابو سفیان بن حرب بھی آگیا (طبری نے ابو جہل کا نام لیا ہے) اور مطعم سے کہنے لگا "پیرو کار ہو کر آئے ہو یا امان کے ذمہ دار ہو کر؟" مطعم نے کہا "امان کا ذمہ دار ہو کر" ابو سفیان نے کہا "ٹھیک ہے جسے

Marfat.com

آپ نے امان دی ہم بھی اُسے امان دیتے ہیں۔ ہم آپ کی امان کی بے حرمتی نہیں کریں گے"۔اس کے بعد ابوسفیانؓ اپنی مجلس میں چلا گیا"۔("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۳۷)

طواف کے بعد آپ مکان تشریف لے گئے۔

("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۴۲، "عیون الاثر" جلد ۱، "زاد المعاد" جلد ۲، ص ۴۷، "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۴۱۹-۴۲۲، "طبری" جلد ۲، ص ۲۳۱، "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۳۷)

مطعم بن عدی آپ کا عزیز اور رشتہ دار تھا۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ ہاشم، مطلب، عبد شمس اور نوفل۔ مطعم نوفل کی اولاد میں سے تھا اور سرکارِ دوعالم ﷺ ہاشم کی اولاد میں سے تھے۔ بنو مطلب ہاشمیوں کی طرح حالت کفر میں بھی سرکارِ دوعالم ﷺ کے حامی و ناصر رہے اور آپ کی رفاقت کا حق ادا کیا لیکن عبد شمس اور نوفل کی اولاد آپ کی حمایت سے علیحدہ رہی۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ ؐ نے ایک دفعہ مدینہ منورہ میں ذوی القربیٰ کا حصہ تقسیم فرمایا تو ہاشمیوں کی طرح بنو مطلب کو بھی دیا۔ چنانچہ سیدنا عثمان بن عفانؓ اور سیدنا جبیر بن مطعم بن عدی نے جو علی الترتیب عبد شمس اور نوفل کی اولاد تھے، حاضر خدمت ہو کر عرض کیا "اے اللہ کے رسول! بنو ہاشم کی وجہ ترجیح سے تو مجال انکار نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں پیدا فرمایا ہے۔ لیکن جب بنو مطلب اور ہم دونوں آپ ؐ سے ایک سی قرابت رکھتے ہیں تو پھر مطلب کی اولاد کو ہم پر کیوں ترجیح دی گئی ہے؟" آپ ؐ نے فرمایا "اس کی وجہ یہ ہے کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہمیشہ آپس میں متحد و متفق رہے ہیں"۔("بخاری" جلد ۱، ص)

مطعم بن عدی کا یہ ذمہ اور عہد کچھ زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوا کیونکہ آپ قریش کے مطابق اپنی دعوتی سرگرمیوں سے باز نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ چند ہی روز بعد قریش کا طوفان معاندت از سر نو پوری شدت سے امنڈ آیا اور آپ پر اور آپ کے صحابہ کرامؓ پر عرصہ حیات بدستور تنگ کر دیا گیا۔ لیکن آپ ؐ اس سے مطلق ہراساں نہ ہوئے اور مختلف قبائل میں جا کر دعوت اسلام میں سرگرم رہے۔

مطعم بن عدی کے اس احسان کی بنا پر بدر کے روز اسیران بدر کی بابت آپ ؐ نے ارشاد فرمایا:

"اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور پھر مجھ سے ان گندوں کے بارے میں کوئی بات کرتا تو میں اس کی رعایت سے ان سب کو چھوڑ دیتا"۔

("عیون الاثر" جلد ۱، ص ۲۳۴، "بخاری" جلد ۲، ص ۵۷۳)

Marfat.com

دعوتی جدوجہد میں دوبارہ مصروفیت

سرکارِ دو عالم ﷺ کی طائف سے مکہ تشریف آوری کے بعد آپ ؐ نے پھر سے دعوت کا سلسلہ شروع کردیا۔ ذی قعدہ سنہ ۱۰ نبوی میں آپ مطعم بن عدی کی پناہ میں مکہ تشریف لائے اور ایک دن بھی ضائع کیے بغیر آپ اپنے دعوتی کام میں مصروف ہوگئے۔ آپ افراد اور قبائل دونوں سے ملتے اور دونوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے۔ چونکہ حج کا موسم بھی قریب تھا اس لیے فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے دور ونزدیک سے لوگ قافلوں کی شکل میں اور انفرادی طور پر مکہ میں آتے۔ یہ ایک سنہری موقع تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک ایک قبیلہ کے پاس جاکر انہیں اسلام کی دعوت دی اور انہیں بتوں کی پرستش سے روکا۔ مختلف روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جن قبائل کو آپ نے دعوت دی ان میں ان قبائل کے نام کتابوں میں ملتے ہیں۔

بنو عامر بن صعصعہ، محارب بن خصفہ، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، بنو البکاء، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ۔ لیکن ان قبائل میں سے کسی نے بھی دعوت اسلام کو قبول نہ کیا۔ ("مختصر السیرۃ الشیخ عبد اللہ" ص ۱۴۹)

ان سب قبائل پر آپ ؐ نے ایک سال میں دعوت اسلام پیش نہیں کی بلکہ جب آپ کو علی الاعلان تبلیغ کا حکم ہوا اس کے بعد آپ ہر قبیلہ تک اپنا پیغام پہنچاتے رہے لیکن طائف سے واپسی پر آپ کے دعوتی کام میں کچھ تیزی آئی اور آپ نے مختلف قبائل کے پاس جاکر اسلام کو متعارف کرایا۔

عرب کے قبائل میں ایک قبیلہ بنو کلب تھا۔ اس قبیلہ کی ایک شاخ بنو عبد اللہ تھی۔ آپ بنو عبد اللہ کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں دین اسلام کی دعوت دی اور اپنی نبوت کو ان پر پیش کیا۔ باتوں باتوں میں آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ "اے بنو عبد اللہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے جد اعلیٰ کا نام بہت اچھا رکھا تھا"، لیکن افسوس کہ اس قبیلہ نے آپ کی دعوت کا نفی میں جواب دیا۔

Marfat.com

بنو حنیفہ کے ڈیرے پر بھی آپؐ تشریف لے گئے۔ انہیں بھی آپ نے اللہ کے دین کی دعوت دی۔ اپنی نبوت کے بارہ میں انہیں بتایا، لیکن ان جیسا برا جواب اہلِ عرب میں سے کسی نے بھی نہ دیا۔

بنو عامر بن صعصعہ بھی عرب کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ انہیں بھی آپ نے اللہ کے دین کی دعوت دی۔ جواب میں ان کے ایک شخص بحیرہ بن فراس نے کہا "خدا کی قسم! اگر میں قریش کے اس جوان کو لے لوں تو اس کے ذریعہ میں پورے جزیرہ عرب کو کھا جاؤں گا"۔ پھر اس نے پوچھا "اچھا یہ بتائیے، اگر ہم آپؐ سے آپ کے اس دین کی نصرت کے لیے بیعت کرلیں پھر اگر اللہ تعالیٰ آپ کو مخالفین پر غلبہ عطا فرمائے تو آپ کے بعد معاملات کی زمام کار ہمارے ہاتھ میں ہوگی؟" آپؐ نے فرمایا "زمام کار تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ جہاں چاہے گا، رکھے گا"۔ اس پر اس نے کہا "خوب! آپ کی حفاظت کے لیے تو ہم اہلِ عرب کے سامنے سینہ سپر رہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو زمام کار اور کسی کے ہاتھ میں ہو۔ ہمیں آپ کے ایسے دین کی ضرورت نہیں" مختصر یہ کہ انہوں نے بھی اسلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد جب بنو عامر قبیلہ اپنے علاقہ میں واپس گیا تو انہوں نے اپنے ایک بوڑھے آدمی کو جو بڑھاپے کے باعث حج میں شریک نہ ہو سکا تھا، یہ سارا قصہ سنایا اور اسے بتایا کہ ہمارے پاس خاندان قریش کے قبیلہ بنو عبدالمطلب کا ایک نوجوان آیا تھا، جس کا خیال تھا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اس کی حفاظت کریں، اس کا ساتھ دیں اور اسے اپنے علاقہ میں لے آئیں۔ یہ سننا تھا کہ اس بوڑھے نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور بولا "اے بنو عامر! کیا اب اس بات کی تلافی کی کوئی سبیل ہے؟ اور کیا اس از دست رفتہ کو تلاش کیا جا سکتا ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں فلاں کی جان ہے، کسی اسماعیلی نے کبھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا۔ وہ یقیناً سچا ہے۔ آخر تمہاری عقل کہاں چلی گئی تھی؟"

("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۴۲۴-۴۲۵)

بنو بکر بن وائل: سرکارِ دو عالمؐ بنو بکر بن وائل کے پاس بھی تشریف لے گئے اور ان سے گفتگو کے دوران دریافت فرمایا کہ تمہاری جنگی طاقت کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ "ہم ایران کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ اس کے مقابلے میں کسی کی حفاظت کر سکتے ہیں"۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا "ایک وقت آئے گا جب تم لوگ ان کی منزلوں میں اترو گے۔ ان کی عورتوں سے نکاح کرو گے۔ ان کے بچوں کو غلام بناؤ گے"۔ یہ فرمانے کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ واپس تشریف لے گئے۔ ابولہب وہاں پہنچ گیا۔ اس نے لوگوں کو کہا "یہ شخص ہم لوگوں میں بڑی شان رکھتا تھا، لیکن اب اس کا دماغ چل گیا ہے"۔ انہوں نے جواب دیا کہ "جب اس نے ایرانیوں کا ذکر کیا تو ہم نے بھی یہی سمجھا تھا"۔

Marfat.com

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کوئی عرب یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ کبھی ایران جیسی سپرپاور پر عربوں کو ایسی فتح نصیب ہوگی۔ ایسی بات ان لوگوں کے نزدیک صرف ایک دیوانہ ہی کر سکتا تھا۔ لیکن اس گفتگو کے ۱۵-۱۶ برس بعد انہی لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ باتیں دیوانگی نہیں تھیں۔

بنی شیبان بن ثعلبہ: سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ "ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کے ساتھ منیٰ میں قبائل کے دورہ پر گئے۔ پھرتے پھرتے ہم ایک بڑی باوقار مجلس میں پہنچے۔ ابو بکرؓ نے پوچھا "تم کون لوگ ہو؟" انہوں نے کہا "ہم بنو شیبان بن ثعلبہ" سے تعلق رکھتے ہیں"۔ سیدنا ابو بکرؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عرض کیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان، اس سے زیادہ معزز لوگ اور کہیں نہ ملیں گے"۔ اس مجلس میں مثنیٰ بن حارثہ، مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ اور نعمان بن شریک موجود تھے۔ ان میں مفروق سیدنا ابو بکرؓ کے قریب بیٹھا تھا۔ اس نے کہا "شاید آپ لوگ قریش میں سے ہیں؟" سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا "غالباً آپ لوگوں نے سن لیا ہوگا کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے ایک رسول مبعوث ہوئے ہیں، وہ یہی ہیں"۔ مفروق نے کہا "ہاں ہم تک یہ بات پہنچ چکی ہے"۔ پھر وہ حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ نے فرمایا "میں تمہیں اسلام کی توحید اور اپنی نبوت کی دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ مجھے اپنے ہاں پناہ دو اور میری مدد کرو تاکہ میں وہ فریضہ ادا کر سکوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کیا ہے۔ کیونکہ قریش نے اللہ کے کام کو روکنے کے لیے ایکا کر لیا ہے"۔ مفروق نے عرض کیا "اے قریشی بھائی! آپ اور کس شئے کی دعوت دیتے ہیں؟" رسول اللہ ﷺ نے سورہ الانعام کی ۱۵۱-۱۵۳ آیات تلاوت فرمائیں۔ مفروق نے کہا "اے قریشی بھائی! آپ اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ خدا کی قسم! یہ اہلِ زمین کا کلام نہیں ہے"۔

مفروق نے مزید کہا "وہ قوم بڑی ہی بے عقل ہے جس نے آپ کو جھٹلایا کیونکہ آپ بہترین اخلاقی خوبیوں اور اعمال کی بھلائیوں کی طرف دعوت دیتے ہیں"۔ اس کے بعد مفروق نے ہانی بن قبیصہ کے بارہ میں کہا "یہ ہمارے مذہبی راہنما ہیں"۔ ہانی نے کہا "اے قریشی بھائی! آپ کی بات میں نے سنی اور اس کی تصدیق کی، لیکن ہمارا ایک ہی مجلس میں اپنا پرانا دین چھوڑ کر آپ کی پیروی کرنا جلد بازی ہوگا۔ ہم اس بارہ میں اپنی قوم سے مشورہ کریں گے۔ لہٰذا ہم بھی واپس جاتے ہیں اور آپ بھی واپس جائیں"۔ یہ کہہ کر ہانی نے مثنیٰ بن حارثہ کا حضور ﷺ سے تعارف کرایا اور کہا "یہ ہمارے جنگی سردار ہیں"۔ مثنیٰ نے کہا "میں تصدیق کرتا ہوں کہ آپ کی بات درست ہے لیکن ہمیں قوم سے مشورہ کرنے کا موقع دیں۔ کیونکہ ہم ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں ہمیں دو رکاوٹوں سے سابقہ ہے۔ ایک یمامہ ہے اور دوسری سماوہ (عراق کا وہ حصہ جو جزیرۃ العرب سے متصل ہے)"۔ آپ ﷺ نے کہا "یہ دو رکاوٹیں کیسی ہیں؟" مثنیٰ نے

Marfat.com

جواب دیا "ایک تو پہاڑ اور زمین عرب ہے اور دوسرا ایران کا علاقہ اور کسریٰ کی نہریں۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ عرب کے مقابلے میں ہم آپ کی حمایت کریں تو یہ ہم کر سکتے ہیں لیکن ایران کے مقابلہ میں ہم آپ کی مدد کریں، یہ ہمارے بس کی بات نہیں"۔ آپ نے فرمایا "تم لوگ ذرا صبر کرو تو اللہ تعالیٰ فارس والوں کا ملک و مال تمہیں عطا کر دے گا۔ اور ان کی بیٹیوں کو تمہارے تصرف میں دے دے گا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرو گے؟" نعمان بن شریک نے کہا "اے قریشی بھائی! یہ بات آپ کی ہم نے مانی" اس کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ اٹھے اور ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر روانہ ہو گئے۔

بنی عبس: بنی عبس مسجد خیف کے پاس جمرۃ الاولیٰ کے قریب ٹھہرا ہوا تھا۔ آپؐ سیدنا زید بن حارثہؓ کی معیت میں ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ نے انہیں اسلام اور اپنی نبوت کی دعوت دی لیکن اس قبیلہ نے اسے قبول نہ کیا۔ ان میں سے ایک شخص میسرہ بن مسروق العبسی نے کہا "خدا کی قسم! اس شخص کا کام غالب ہو کر رہے گا۔ اگر ہم اس کی تصدیق کریں تو یہ مناسب رائے ہوگی" مگر قبیلہ کے دوسرے لوگوں نے کہا "ہمیں اس جھنجھٹ میں نہ ڈالو۔ جس کا بوجھ برداشت کرنا ہمارے بس میں نہیں"۔ آپ کو میسرہ سے کچھ امید تھی، اس لیے اب اس سے بات کی۔ میسرہ نے جواب دیا "آپ کا کلام کتنا اچھا اور روشن ہے مگر میری قوم میری مخالفت کر رہی ہے"۔

حجۃ الوداع کے موقع پر میسرہ آپ سے ملے تو آپ نے اسے پہچان لیا۔ میسرہ نے عرض کیا "یارسول اللہ! جب پہلی مرتبہ آپ ہمارے پڑاؤ پر آئے تھے اس وقت سے میں برابر آپ کی پیروی کا حریص رہا، مگر جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اب میں اتنی تاخیر کے بعد مسلمان ہو رہا ہوں"۔

اس طرح تمام قبائل عرب اس نعمت سے محروم رہ گئے جو اپنے پاؤں چل کر ان کے پاس آئی تھی اور اہلِ یثرب وہ خوش نصیب لوگ تھے جو خود اپنے پاؤں چل کر اس کے پاس گئے اور اسے پالیا۔

Marfat.com

تجارتی منڈیوں میں فریضہ تبلیغ

آپ نے نہ صرف قبائل اور وفود پر اسلام اور اپنی نبوت کو پیش کیا بلکہ افراد اور اشخاص کو بھی اسلام اور توحید کی دعوت دی۔ ان میں بعض نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور بعض نے انکار بھی کیا۔ جب آپ عکاظ[1] مجنہ اور ذوالمجاز کے میلوں میں قدم رنجہ فرماتے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت

---

[1] عکاظ ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں ایک بڑا بازار اور میلہ لگتا تھا۔ اسے عرب "سوق عکاظ" کہتے تھے۔ جزیرہ عرب میں اس قسم کے کئی بازار لگتے تھے جن میں مختلف قبائل تجارت اور کئی دیگر مقاصد کے لیے شرکت کرتے تھے۔ یہ بازار عربوں کی تجارت اور شان و شوکت کے مظہر ہوتے تھے۔ ان میں "سوق عکاظ" سب سے بڑا تھا۔ عکاظ میں جلسے منعقد ہوتے تھے جن میں ہر قبیلہ والے اپنے شعراء پیش کرتے تھے۔ پھر ان اشعار پر تحسین یا تنقید کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ سبع معلقات مشہور قصائد اسی عکاظ میں عظیم فصاحت و سلاست و بلاغت کی وجہ سے بازار کے خاص حصہ میں لٹکائے گئے تھے۔ اسی طرح خطباء اور فصحاء عرب اپنے خطبوں میں اپنے قبائل کی تعریف کرتے ہوئے اپنی فصاحت و بلاغت پر اتراتے تھے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "دائرۃ المعارف"، فرید وجدی، جلد ۶، ص ۵۳۵، "الاغانی" جلد ۹، ص ۱۵۶، "تاج العروس" جلد ۵، ص ۲۵۴، "لسان العرب" جلد ۹، ص ۴۴۷، "ابن خلدون" جلد ۱، ص ۶۴۲۔

سوق عکاظ عرفات کے قریب تھا ("کتاب المحبر" ص ۲۶۷) بعض مورخین کی رائے میں عکاظ ایک نخلستان کا نام ہے جو طائف سے ایک رات اور مکہ مکرمہ سے تین رات کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسی مقام پر میلہ لگتا تھا۔ ("کتاب المفصل فی تاریخ العرب" جلد ۷، ص ۳۷۸)

سوق عکاظ کا انعقاد ہر سال ۱۵ ذی قعدہ سے آخر ذی قعدہ تک ہوتا تھا۔ ("المحبر" ص ۲۶۷) اور بعض کے نزدیک یکم ذی قعدہ سے ۲۰ ذی قعدہ تک جاری رہتا تھا۔ ("اخبار مکہ" ازرقی، جلد ۱، ص ۱۲۱) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "العقد الفرید" جلد ۳، ص ۳۷۷، "ابن الاثیر" جلد ۱، ص ۳۵۸، "الاغانی" جلد ۹، ص ۱۷۶، جلد ۱۰، ص ۹، "مراصد الاطلاع" جلد ۲، ص ۹۵۳، الیعقوبی" جلد ۱، ص ۲۳۶، "صبح الاعشیٰ" جلد ۱، ص ۴۱۰، "بلوغ الادب" جلد ۱، ص ۲۷۰، "معجم البلدان" جلد ۴، ص ۱۴۲۔

سیدنا زید بن حارثہ کو اسی "سوق عکاظ" میں سیدہ خدیجہؓ کے لیے خرید ا گیا تھا ("المعارف" ص ۶۳) سوق عکاظ میں وعظ و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ وغیرہ مقاصد کے لیے بڑے بڑے معزز اور بزرگ بھی تشریف لے جاتے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

دیتے تو آپ کا بدنصیب چچا ابولہب عام طور پر ساتھ جاتا اور جب آپ انہیں اسلام کی دعوت دیتے تو یہ کمبخت برابر سے یہ کہتا رہتا کہ یہ شخص صابی ہے۔ دین سے پھر گیا ہے یا معاذ اللہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔

"مسند احمد" میں ربیعہ بن عبادؓ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں آغاز شباب میں اپنے والد کے ہمراہ منیٰ گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ مختلف قبائل عرب میں کھڑے ہو کر وعظ فرما رہے تھے اور اسلام کی طرف لوگوں کو بلا رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا "اے بنی فلاں! میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس بھیجا گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اسی ذات برحق کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ کرو۔ غیر اللہ کی عبادت کرنا اور اس سے مدد مانگنا چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا نہیں"۔ اس کے بعد اپنی رسالت پر ایمان لانے کے لیے فرمایا "اور میری طرف سے مزاحمت کرو تاکہ میں فارغ القلب ہو کر خلق خدا کے سامنے خدا تعالیٰ کی تعلیمات پیش کر سکوں جن کے لیے میں مبعوث ہوا ہوں"۔

جب آپ اتنا ارشاد فرما چکے تو ایک شخص خوش رو، لمبی زلفوں والا، جس نے عدنی حلہ زیب تن کر رکھا تھا، پکار اٹھا "اے بنی فلاں! یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا ہے۔ اپنے باپ دادا کے دین سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ تم سے لات و عزیٰ کی پرستش چھڑانا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ تم اپنا دین چھوڑ کر اس کی دعوت کو جو سراسر ضلالت اور گمراہی ہے، قبول کرو۔ اس لیے اس کی کوئی بات نہ سنو"۔ سیدنا ربیعہؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ یہ مخالفت کرنے والا شخص کون ہے؟" انہوں نے بتایا کہ "یہ ان کا چچا ابولہب بن عبدالمطلب ہے"۔ امام احمد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "جب تک آپؐ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تھے۔ مشہور موحد اور جاہلی واعظ قس بن ساعدہ بھی اسی بازار میں تشریف لے جاتے تھے اور لوگوں کو توحید و آخرت کی دعوت دیتے تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ بھی سوق عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز وغیرہ میں دعوت اسلام کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۴۱ "البکری" جلد ۵، ص ۲۵۹)

یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں لکھا ہے کہ:

"سہیلی سے مروی ہے کہ عرب جب عکاظ کی منڈی میں جمع ہوتے تو وہاں ایک دوسرے پر اپنی بڑائی اور فخر و مباہات کا اظہار کرتے۔ اسی لیے جب کوئی شخص کسی کے ساتھ اپنی بڑائی کا مظاہرہ کرتا تاکہ دوسرے کو مغلوب کر دے تو عرب کہتے ہیں عکظ الرجل صاحبہ اسی وجہ سے اس بازار کا نام عکاظ رکھا گیا"۔ ("معجم البلدان" جلد ۴، ص ۱۴۲)

اور "سوق عکاظ" نخلہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ ذوالمجاز عرفہ کے پیچھے اور مجنہ مرالظہران میں۔ ("معجم البلدان" جلد ۴، ص ۱۴۲)

اس بازار کے سرپرست و نگران اعلیٰ بنو تمیم تھے اور اس میلہ کے جھگڑوں کا فیصلہ بنو تمیم کا رئیس اعلیٰ کرتا تھا۔ اس کی یہ عدالت بڑی محترم اور بارعب تھی۔

Marfat.com

تقریر فرماتے رہے، ابولہب آپؐ پر خاک پھینکتا اور پتھر ڈھیلے مارتا رہا"۔

ابوجہل نے بھی مخالفت اور مزاحمت کا وہی رنگ اختیار کر رکھا تھا جو ابولہب کا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں سرکارِ دوعالم ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے۔ چنانچہ ایک صحابی کا بیان ہے کہ "ایک مرتبہ سید موجودات ﷺ ذوالمجاز کے میلے میں گئے۔ میں ابھی تک شرف ایمان سے مشرف نہیں ہوا تھا۔ آپ نے ایک مجمع میں کھڑے ہو کر تقریر شروع کی جس میں لوگوں سے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذات قابلِ پرستش نہیں۔ اسی کی عبادت کرو اور بتوں کی پرستش سے باز آجاؤ"۔ جب تک آپؐ وعظ فرماتے رہے، ابوجہل خاک اٹھا اٹھا کر آپ پر پھینکتا رہا اور یہ کہتا رہا کہ "اس شخص کے چکمے میں نہ آنا۔ یہ تو تمہیں تمہارے معبودوں لات و عزیٰ کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے"۔

ان ساری مزاحمتوں اور مخالفتوں کے باوجود آپ نے نہ صرف وفود اور قبائل میں اسلام کی توحید اور اپنی نبوت کی دعوت دی بلکہ مختلف افراد کو اللہ کے دین کی دعوت دی اور کئی سعید لوگوں نے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس دعوت کو قبول کیا۔ جن میں کئی حضرات کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کیا ہے جیسے سیدنا ابوذر غفاریؓ، سیدنا ضماد ازدیؓ، سیدنا طفیل بن عمرو الدوسیؓ وغیرہ۔ مزید چند ایک حضرات کا یہاں ذکر فائدے سے خالی نہیں ہے۔

۱۔ رکانہ: رکانہ عرب کا ایک مشہور پہلوان تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کا ہم جد اور عزیز تھا۔ حافظ ابن کثیر نے ان کا نسب نامہ یوں نقل کیا ہے رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد مناف۔ یہ بہت شہ زور پہلوان تھا اور سرکارِ دوعالم ﷺ کی مخالفت میں بہت سخت تھا۔ اس نے شہر میں بہت خون خرابہ کیا تھا اور کسی کو اس سے آنکھیں چار کرنے کی جرات نہ تھی۔ کیونکہ ہر شخص اس کی طاقت سے ڈرتا تھا۔ اس کے پاس بکریوں کا بہت بڑا ریوڑ تھا جس کو وہ وادی اضم میں چرایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم ﷺ اس وادی میں تشریف لے گئے تو وہاں اس سے مڈھ بھیڑ ہوگئی۔ سرکارِ دوعالم ﷺ اس وقت تنہا تھے۔ یہ آپ سے کہنے لگا "محمد (ﷺ) تم لوگوں کو لات و عزیٰ کی عبادت سے ہٹا کر ایک خدا کی عبادت پر لگانا چاہتے ہو۔ اگر مجھ میں اور تم میں رشتہ داری کے تعلقات حائل نہ ہوتے تو میں نے آج تک تمہارا قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ تاہم غنیمت ہے کہ آج تم میرے ہتھے چڑھ گئے ہو"۔ آپ نے فرمایا "تو کیا چاہتا ہے؟" اس نے کہا "تم اپنے ایک خدا کو پکارو تاکہ تمہاری مدد کرے اور بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں آپس میں مقابلہ کریں۔ تم اپنے خدا سے مدد مانگو اور میں لات و عزیٰ کو پکارتا ہوں۔ اگر تم نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں دس بکریاں تم کو انعام دوں گا اور تمہیں اختیار ہوگا کہ دس بہترین بکریاں انتخاب کر لو"۔

آپ نے اس کی اس فرمائش کو منظور فرمالیا اور رکانہ کے مقابلہ میں جسے کشتی کے فن میں پورا کمال

Marfat.com

حاصل تھا' خدائے عزیز و مقتدر سے مدد مانگی۔ اس کے برعکس رکانہ نے لات و عزیٰ کو پکار کر کہا کہ "آج محمد (ﷺ) کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔ چنانچہ جب مقابلہ ہوا تو آپؐ نے اس کو پکڑتے ہی پچھاڑ دیا اور فوراً اس کے سینہ پر سوار ہو گئے۔ رکانہ کہنے لگا "آپ میرے سینہ سے اتر جائیے کیونکہ آپ نے اپنی قوت بازو سے مجھ کو نہیں پچھاڑا بلکہ آپ کے خدا نے مجھے مغلوب کیا ہے اور لات و عزیٰ نے میری مدد نہیں کی"۔

اس کے بعد رکانہ کہنے لگا "آپ پھر سے میرے ساتھ مقابلہ کریں۔ اگر اس دفعہ بھی آپ نے مجھے پچھاڑ دیا تو آپ کو اختیار ہو گا کہ میری بکریوں میں سے مزید دس بکریاں چھانٹ کر لے لیں"۔ چنانچہ دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئے اور جس طرح پہلی مرتبہ دونوں نے اپنے اپنے معبودوں سے مدد چاہی۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے اس دفعہ بھی اس کو پچھاڑ دیا اور اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے"۔

رکانہ نے کہا "واقعی آپ کا خدا آپ کی مدد کرتا ہے ورنہ کبھی ممکن نہ تھا کہ تجھ جیسا فن کشتی سے ناآشنا شخص مجھے اس آسانی سے پچھاڑ لیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج سے پہلے کبھی کسی نے میری پیٹھ نہیں لگائی تھی"۔ اس کے بعد رکانہ بولا کہ "آپ از سرِ نو مجھ سے کشتی لڑیں تاکہ میں پھر ایک مرتبہ اپنے دل کا ارمان نکال لوں۔ اگر آپ اس مرتبہ بھی مجھ پر غالبؐ آ گئے تو آپ کو اختیار ہو گا کہ دس مزید بکریاں میرے ریوڑ میں سے انتخاب کر لیں"۔ آپ نے اس کو تیسری مرتبہ بھی پچھاڑ دیا۔

رکانہ پریشان تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کیسے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے پھر کہا کہ "اس مرتبہ بھی آپ نے طاقت و قوت سے مجھے نہیں پچھاڑا بلکہ آپ کے خدا نے آپ کی مدد کی ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ آپ میرے ریوڑ سے اعلیٰ قسم کی تیس بکریاں چھانٹ لیں"۔

آپؐ نے فرمایا "رکانہ! مجھے تمہاری بکریوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس بات کا اقرار کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی بھی قابلِ عبادت نہیں اور میں اس کا رسول ہوں۔ اگر تم اس کا اقرار کر لو تو تم جہنم کی آگ سے بچ سکتے ہو ورنہ کوئی نہیں جو تمہیں عذاب خداوندی سے بچا سکے"۔ رکانہ نے کہا کہ "میں اس وقت تمہارے حلقہ اطاعت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک مجھے کوئی مزید کرشمہ قدرت نہ دکھاؤ"۔ آپؐ نے فرمایا "اگر میں اپنے پروردگار سے درخواست کر کے کوئی انسانی قدرت سے خارج کرشمہ دکھا دوں تو کیا تم میری بات مان لو گے؟" اس نے کہا "بے شک"۔ آپ نے فرمایا "بدعہدی تو نہیں کرو گے؟" وہ بولا "بالکل نہیں"۔

پاس ہی کیکر کا ایک بہت بڑا پیڑ تھا جس کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "خدا کے حکم سے میرے پاس آ جا"۔ وہ درخت فوری طور پر آپؐ کے اور رکانہ کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔ رکانہ نے کہا "محمد! واقعی آپؐ نے مجھے بڑا کمال دکھایا۔ اب اس کو حکم دیجئے

Marfat.com

کہ پھر اپنی جگہ پر چلا جائے"۔ آپ ؑ نے فرمایا "رکانہ! اگر یہ درخت واپس اپنی جگہ پر چلا گیا تو میری تصدیق کرو گے؟" رکانہ نے کہا "اب مجھے آپ کی بات مان لینے میں کوئی تامل نہ ہوگا" آپ ؑ نے فرمایا "کہیں بدعہدی کا مرتکب نہ ہونا"۔

آپ نے درخت کو واپس جانے کا حکم دیا اور وہ واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔ لیکن رکانہ نے اپنا عہد پورا نہ کیا۔ اس بارہ میں ایک روایت تو یہ ہے کہ رکانہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوگیا اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ کشتی کے بعد ہی مسلمان ہوگیا تھا۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۰۴، "الاصابہ" جلد ۲، ص ۱۶۵، ترجمہ رکانہ)

۲۔ ایاس بن معاذ: یہ یثرب کے رہنے والے تھے۔ یہ مکہ میں ایک وفد کے ساتھ آئے تھے۔ اس وقت یثرب میں اوس اور خزرج دونوں قبیلوں میں عداوت و منافرت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ خزرج تعداد میں اوس سے زیادہ تھے اس لیے اوس کو ان سے ہر وقت خطرہ لاحق رہتا تھا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفد کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے درمیان بیٹھ کر یوں خطاب فرمایا:

> "آپ لوگ جس مقصد کے لیے تشریف لائے ہیں کیا میں تم کو اس سے زیادہ بہتر بات نہ بتاؤں؟ ان سب نے کہا وہ کیا بات ہے؟" آپ ؑ نے فرمایا "میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے تاکہ میں اللہ کے بندوں کو اس کی عبادت کرنے کی تعلیم دوں اور یہ بتاؤں کہ وہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ اللہ نے مجھ پر ایک کتاب بھی اتاری ہے" پھر آپ نے قرآن کی تلاوت فرمائی"۔

ایاس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں آپ کی یہ دعوت اتر گئی اور قرآن حکیم کی تلاوت نے اور بھی ایمان میں پختگی پیدا کردی۔ وہ بولے "اے قوم! خدا کی قسم، یہ چیز اس سے کہیں بہتر ہے جس کے لیے آپ لوگ یہاں آئے ہیں"۔ لیکن وفد کے ایک رکن انس بن رافع نے مٹی کی ایک مشت اٹھا کر ایاس کے منہ پر دے ماری اور کہا "یہ بات چھوڑو۔ میری عمر کی قسم، ہم یہاں اس کے علاوہ اور مقصد کے لیے آئے ہیں" ایاس خاموش ہوگئے اور سرکارِ دوعالم ﷺ بھی اٹھ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ وفد قریش کے ساتھ حلف و تعاون کا معاہدہ کرنے میں ناکام رہا اور کامیابی حاصل کیے بغیر یثرب واپس چلا گیا۔

"سیرۃ ابن ہشام" میں ہے کہ مدینہ واپس جانے کے تھوڑے ہی دنوں بعد ایاس بن معاذ کا انتقال ہوگیا۔ وہ اپنی وفات کے وقت تہلیل و تکبیر اور تحمید و تسبیح کر رہے تھے، اس لیے لوگوں کو یقین ہے کہ ان کی وفات دینِ اسلام پر ہوئی۔ ("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۴۲۷-۴۲۸)

Marfat.com

۴- **سوید بن صامت:** یہ بھی آپ کی دعوت سے شرف اسلام سے مشرف ہوئے۔ یہ شاعر تھے اور یثرب کے لوگ ان کی ذہنی پختگی، شعر گوئی اور شرف ونسب کی وجہ سے انہیں "کامل" کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ یہ بڑی گہری سمجھ کے حامل تھے۔ روایت میں ہے کہ یہ حج یا عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ آئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ انہیں ملے اور اسلام کی دعوت دی۔ کہنے لگے "آپ کے پاس جو کچھ ہے، وہ ویسا ہی ہے جیسا میرے پاس ہے"۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے پوچھا "تمہارے پاس کیا ہے؟" عرض کی "حکمت لقمان" آپ نے فرمایا "پیش کرو"۔ انہوں نے پیش کیا۔ آپؐ نے تحسین فرمائی لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا کہ "جو کچھ میرے پاس ہے، وہ اس سے کہیں اچھا ہے۔ اور وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔ وہ ہدایت اور نور ہے"۔ اس کے بعد آپؐ نے قرآن کی تلاوت فرمائی اور پھر اسلام کی دعوت دی۔ سوید کہنے لگے "یہ تو بہت ہی اچھا کلام ہے"۔ قرآن دل کے بند دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ ابھی مدینہ آئے چند روز ہی ہوئے تھے کہ جنگ بعاث چھڑ گئی اور اسی میں قتل کر دیئے گئے۔ انہوں نے سنہ ۱۱ نبوی کے آغاز میں اسلام کی دعوت کو قبول کیا تھا۔

("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۴۲۵-۴۲۷، "الاصابہ" جلد ۱، ص ۹۱، "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۴۸، "طبری" جلد ۲، ص ۲۳۳، "مجمع الزوائد" جلد ۶، ص ۲۶۰)

اس ضمن میں اور بھی کئی افراد تھے جو آپ کی دعوت سے اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

Marfat.com

اسراء اور معراج

طائف سے واپسی پر ایک طرف تو سرکارِ دوعالم ﷺ کے دعوتی مشن میں تیزی آگئی اور دوسری طرف قریشِ مکہ بھی بے خوف و خطر ظلم و ستم کرنے لگے۔ کیونکہ ابو طالب اور سیدہ خدیجہؓ جیسی پناہ کی دیواریں منہدم ہو گئی تھیں۔ آپؐ کا سفرِ طائف بھی بظاہر نگاہ میں ناکام ہی رہا۔ چنانچہ آپؐ کی دعوت و تبلیغ ابھی کامیابی اور ظلم و ستم کے درمیانی مرحلے سے گزر رہی تھی اور افق کی دور دراز پہنائیوں اور وسعتوں میں کامیابی اور کامرانی کے دھندلے ستاروں کی جھلک دکھائی پڑنا شروع ہو چکی تھی کہ اسراء اور معراج کا واقعہ پیش آیا جس میں حق تعالیٰ شانہ نے اپنی نشانیاں دکھا کر اپنی حکمرانی کے اندرونی نظام کا مشاہدہ کرایا اور ان پر فطرت کے وہ راز اور کائنات کے وہ اسرار ظاہر فرمائے جو آج تک کسی پر ظاہر نہیں کیے گئے ہیں۔ اس سے ایک مقصد آپ کی ڈھارس بندھانا بھی تھا کیونکہ ظاہری سہاروں کے فقدان اور طائف کے ظلم و ستم اور ابولہب و ابوجہل کے جور و تعدی نے آپ کے قلب پر حزن و ملال کی پرچھائیاں طاری کر دی تھیں۔ ان پرچھائیوں کو ختم کرنے اور اپنی قدرت کے مشاہدات کروانے کے لیے آپ کو معراج کرائی گئی۔

بعض کے نزدیک اسراء اور معراج دو مختلف چیزیں ہیں۔ اسراء کے معنی ہیں رات کے وقت سیر کرنا۔ چونکہ یہ واقعہ رات کے وقت ہوا، اور چونکہ سرکارِ دوعالم ﷺ بیت المقدس کی سرزمین سے زمین کی وسعتوں اور بلندیوں سے ورے آسمانوں کی پہنائیوں کی طرف اٹھائے گئے اس لیے اسے معراج کہا گیا۔ اس لحاظ سے اس سیر کے دو حصے ہیں۔ ایک مکہ سے بیت المقدس تک۔ دوسرا بیت المقدس سے آسمانوں کی وسعتوں اور پہنائیوں تک۔ پہلی زمینی سیر کو اسراء اور دوسری آسمانی سیر کو معراج کہتے ہیں۔ اس کو دوسرے لفظوں میں اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رات کے کچھ حصے میں مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک اور مسجد الاقصیٰ سے ساتویں آسمان یا

اس سے آگے جہاں تک اللہ نے چاہا' اسی جسم اور روح کے ساتھ بحالت بیداری سیر کرائی جس کو "اسراء اور معراج" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔("زرقانی" جلد ۶ ص ۳۳)

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ یہ کس سال ہوئی؟ اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں۔ اور ہمارے نزدیک اختلاف کی ایک وجہ یہ ہے کہ ملک عرب کی آبادی چونکہ صحرائی (بدوی) تھی اور نوشت و خواند کا دستور ان میں کمیاب تھا۔ تاریخ اور سن کا کوئی منضبط حساب نہیں تھا اور نہ ہی کوئی خاص سن مروج تھا۔ اگر کوئی اہم واقعہ ہوتا تو اس کی اہمیت اور شہرت تک اس سے تاریخوں اور سالوں کا شمار کر لیتے۔ پھر کوئی دوسرا واقعہ رونما ہوتا تو اس کو مبداء حساب بنا لیتے۔ جیسے عام الفیل اور حرب الفجار وغیرہ۔ ایسے حالات میں سنوں کا اختلاف کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لیے معراج کی تاریخ اور سن میں روایات کا اختلاف ہے لیکن اس قسم کے اختلاف سے وقوع واقعہ سے انکار کرنا درست نہیں۔ اسلام میں تاریخ اور سن کی باقاعدہ ابتداء سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوئی جب اسلامی سلطنت کی پہنائیوں میں اضافہ ہوا اور انضباط دفاتر کی ضرورت محسوس کی گئی۔

معراج کب ہوئی؟ اس بارہ میں علماء کے دس اقوال ہیں۔ جن کو حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۵۴' پر نقل کیا ہے اور حافظ ابن القیم نے بھی "زاد المعاد" جلد ۲، ص ۴۹ پر اس بارہ میں بحث کی ہے۔ لیکن یہ ایک مسلمہ امر ہے اور سب حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت شب معراج میں ہوئی۔ سیدہ خدیجہؓ کا انتقال سنہ ۱۰ نبوی میں رمضان المبارک کے مہینہ میں ہوا اور ان کے انتقال تک نماز پنجگانہ فرض نہیں ہوئی تھی لہٰذا معراج رمضان سنہ ۱۰ نبوی کے بعد ہوئی ہو گی' اس سے پہلے نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ سیدہ خدیجہؓ شعب بنی ہاشم میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ موجود تھیں اور وہاں سے نکلنے کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ لہٰذا یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ معراج سنہ ۱۱ نبوی میں سفر طائف کے بعد ہوئی۔ کس مہینہ میں ہوئی؟ یہ بھی مختلف فیہ ہے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ ۲۷ رجب کو ہوئی۔ (ملاحظہ ہو "رحمتہ للعالمین" جلد ۱)

اس سلسلہ میں دوسرا سوال یہ ہے کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی اور منامی؟ قرآن و سنت کی تصریحات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معراج جسمانی تھی اور اسی روح اور جسم کے ساتھ سرکارِ دو عالم ﷺ کو عالم ملکوت کی سیر کرائی گئی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور دوسرے مفسرین نے اپنی اپنی کتابوں میں آیت اسراء کی تفسیر میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ معراج جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوئی تھی۔ حافظ ابن قیمؒ نے بھی اپنی مشہور کتاب "زاد المعاد" میں لکھا کہ:

"یہی صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معراج کی سیر اس جسم مبارک کے ساتھ مسجد حرام سے بیت المقدس تک براق کی سواری پر کرائی گئی اور جبرئیل امین آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ پس

Marfat.com

آپ وہاں اترے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ امام ہو کر نماز پڑھائی اور براق کو مسجد کے دروازے کے کنڈے سے باندھا...... پھر آپ کو اسی رات معراج کرائی گئی..... پھر آپ اللہ جل جلالہ کی جناب میں حاضر ہوئے حتیٰ کہ دو کمانوں کے گوشوں یا اس سے بھی کم کا فرق رہ گیا.....''۔(''زاد المعاد'' جلد ۱ ص ۳۰۰)

قرآن حکیم نے آیت اسراء میں ''من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ کتب نحو میں تصریح ہے کہ ''من'' ابتداء کے لیے آتا ہے اور ''الی'' انتہائے غایت کے لیے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس سیر کی ابتداء اور انتہاء ذکر فرمادی تو منکرین معراج کا یہ قول باطل ہو گیا کہ معراج ایک کشف تھا۔ اور صاف ظاہر ہے کہ یہ سیر بصورت ''انتقال من مکان الی مکان آخر'' تھی۔ کیونکہ حالت کشفیہ کے ذکر میں ابتداء اور انتہاء سے بحث نہیں ہوتی بلکہ صرف شے مکشوف کا ذکر ضروری ہوتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انتقال مکانی بالجسد تھا نہ کہ کشف۔

پھر صحیح مسلم میں ہے کہ جب کفار مکہ نے معراج کے بارہ میں آپؐ کی تکذیب کی تو انہوں نے بیت المقدس کی بعض علامات کی نسبت آپ سے سوال کیا۔ اس وقت سرکارِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ ''مجھے ایسا کرب و اضطراب اور غم ہوا کہ اس سے قبل کبھی ایسا شدید غم اور قلق نہ ہوا تھا (فکربت کربۃ ماکربت مثلہ قط) پس اگر آپ کا دعویٰ کشفی یا روحانی معراج کا ہوتا تو اس گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہ تھی۔ آپ کہہ سکتے تھے کہ میرا دعویٰ سیر جسمانی کا تو نہیں کہ علامات کا بتانا ضروری ہو بلکہ سیر کشفی کا ہے۔

فلاسفہ نے معراج جسدی کے عقلاً محال ہونے پر جو اعتراضات کیے ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان کے جوابات اپنی کتاب (''الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح'' جلد ۴، ص ۱۶۶-۱۶۸) پر دیئے ہیں۔ اہل علم وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے ''فتوحات مکیہ'' میں سرور عالم ﷺ کے جسمانی معراج کے اثبات میں من جملہ دوسرے دلائل کے ایک لطیف دلیل یہ بھی لکھی ہے کہ ''اگر معراج نبوی محض روحانی اور کشفی ہوتی تو آپؐ کو پیاس نہ لگتی کیونکہ مجرد روحوں پر بھوک پیاس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ حالانکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو شب معراج میں دو مرتبہ پیاس لگی اور آپؐ نے دونوں مرتبہ دودھ نوش فرمایا۔

ایک اعتراض کا جواب

محمد ابن اسحاق کی ایک روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا معراج جسمانی کی قائل نہ تھیں۔ اس روایت کے معانی یہ ہیں:

''ابن اسحاق نے کہا کہ سیدنا ابو بکرؓ کے خاندان کے ایک فرد نے مجھ سے ذکر کیا کہ سیدہ

Marfat.com

عائشہؓ فرماتی تھیں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا جسم مبارک گم نہیں پایا گیا بلکہ آپ کی روح کو سیر کرائی گئی تھی"۔("بخاری")

امام زرقانی نے لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ اس کی ایک وجہ تو محمد ابن اسحاق ہے کیونکہ وہ اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

(ملاحظہ ہو "ضعفاء صغیر" ص ۵۲، "میزان الاعتدال" جلد ۳، ص ۲۱)

امام مالکؒ نے تو اسے دجالوں میں سے ایک دجال قرار دیا ہے۔ ("میزان الاعتدال" جلد ۳، ص ۲۱، "تہذیب التہذیب" جلد ۹، ص ۴۱) امام احمد کے نزدیک بھی وہ حجت نہیں۔

("تہذیب التہذیب" جلد ۹، ص ۴۴)

دوسرے محمد ابن اسحاق نے بھی راوی کا نام نہیں لیا بلکہ کہا "ابوبکر کے خاندان کا ایک فرد" اور اس راوی نے سیدہ عائشہؓ کا نام لے لیا۔

تیسرے درمیان سے تین راوی غائب ہیں۔

چوتھے اس وقت سیدہ عائشہؓ سرکارِ دوعالم ﷺ کے حبالہ عقد میں نہ تھیں لہٰذا وہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ حضور ﷺ کا جسم گم نہیں ہوا۔

اس کے برعکس سیدہ عائشہؓ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ آپ کی معراج جسمانی تھی۔ چنانچہ قاضی عیاض مالکی نے لکھا ہے:

الذی یدل علیه صحیح قولها انه بجسده۔

یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ سیدہ عائشہؓ کا صحیح قول یہ ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی معراج جسم مبارک کے ساتھ تھی۔

معراج کی تفصیل

معراج کے اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ (بعض روایات میں ہے کہ آپ اُم ہانی ہمشیرہ سیدنا علیؓ کے گھر میں آرام فرمارہے تھے۔ یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اُم ہانی کا شوہر ہبیرہ بن ابی وہب المخزومی، ابوجہل کا قریبی رشتہ دار تھا اور اسلام اور رسول اللہ ﷺ کا سخت دشمن تھا۔ اس نے آپ کی ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ آخر سنہ ۸ھ میں فتح مکہ کے روز مکہ سے بھاگ کر عیسائی علاقہ نجران چلا گیا اور وہیں کفر کی حالت میں مرگیا۔ آپ اس کے گھر میں کیسے رات گزار سکتے تھے اور وہ بھی آپ کو کیسے رات گزارنے کی اجازت دے سکتا تھا؟) نیم خوابی کی حالت تھی۔ یکایک مکان کی چھت پھٹی اور جبرئیل امین نازل ہوئے۔

Marfat.com

آپ کے ہمراہ اور بھی فرشتے تھے۔ آپ کو جگایا گیا اور جبرئیل آپ کو مسجد الحرام میں لے گئے۔ وہاں جا کر آپ حطیم میں لیٹ گئے۔ جبرئیل امین اور میکائیل نے آکر آپ کو جگایا اور آپ کو زمزم کے کنواں پر لے گئے۔ وہاں آپ کو لٹا کر آپ کے سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب مبارک کو نکال کر زمزم کے پانی سے دھویا اور ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا ایک سونے کا طشت لایا گیا۔ اس ایمان و حکمت کو آپ کے قلب مبارک میں بھر کر سینہ مبارک ٹھیک کر دیا گیا اور دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت لگائی گئی جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی ظاہری اور حسی علامت ہے (یہ شق صدر کرنے کی حکمت شاید یہ تھی کہ آپ نے ایک دوسرے عالم میں جانا تھا اور حق تعالیٰ شانہ کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھنا تھا' لہٰذا ممکن ہے کہ ان کی رویت کی استعداد پیدا کرنے کے لیے شق صدر کیا گیا ہو۔ یہ گویا کہ اس عالم میں جانے کا ایک ویزا تھا)

بعد ازاں براق لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے ذرا بڑا سفید رنگ کا تھا اور رفتار میں بجلی کی سی تیزی رکھتا تھا۔ اس کا ایک قدم حد نگاہ پر پڑتا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس پر سوار ہوئے تو وہ شوخی کرنے لگا۔ جبرئیل نے بتایا کہ آج تمہاری پشت پر سرور کائنات فخر موجودات ﷺ سوار ہیں تو وہ عرق ندامت سے پانی پانی ہو گیا۔ وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر روانہ ہوا۔ آپ اس شان سے روانہ ہوئے کہ جبرئیل و میکائیل آپ کے ہمرکاب تھے۔ اس سے آپ کی علو مرتبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ جبرئیل نے آپ ﷺ کو براق پر سوار کرایا اور خود آپ کے ردیف (پیچھے بیٹھنے والے) بنے۔ ("زرقانی و خصائص کبریٰ")

راستہ میں مختلف مقامات پر آپ کا گزر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ راستہ میں ایک ایسی زمین پر میرا گزر ہوا جس میں کھجور کے درخت کثرت سے تھے۔ جبرئیل نے وہاں مجھے نماز پڑھنے کے لیے کہا۔ میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ یثرب یعنی مدینہ طیبہ ہے جہاں پر آپ ہجرت کریں گے۔ یہاں سے چل کر ایک اور جگہ پہنچے۔ جبرئیل نے وہاں بھی اتر کر نماز پڑھنے کے لیے کہا۔ جبرئیل نے کہا یہ وادی سینا ہے اور شجرہ موسیٰ کے قریب آپ نے نماز پڑھی ہے۔ پھر ایک زمین پر گزر ہوا وہاں بھی جبرئیل نے نماز پڑھنے کے لیے کہا۔ میں نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبرئیل نے کہا آپ نے مدین (شعیب علیہ السلام کا مسکن) میں نماز پڑھی ہے۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو ایک اور زمین پر اتر کر نماز پڑھنے کے لیے کہا گیا۔ میں نے وہاں بھی اتر کر نماز پڑھی۔ جبرئیل نے کہا یہ بیت اللحم (عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا مقام) ہے۔

("زرقانی" جلد ۶' ص ۳۹' "فتح الباری" جلد ۱' ص ۱۵۳' "خصائص کبریٰ" جلد ۱' ص ۱۵۸ عن شداد بن اوس)

Marfat.com

حضور ﷺ اس شان سے بیت المقدس پہنچے۔ براق سے اترے اور حضورؐ نے براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ ایک اور روایت ہے کہ جبرئیل امین نے ایک پتھر میں انگلی سے سوراخ کر کے اس براق کو باندھ دیا۔ بعد ازاں آپ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ تحیتہ المسجد ادا فرمائی۔ ("زرقانی" جلد ۶، ص ۴۵)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جبرئیل امین اور سرکارِ دو عالم ﷺ دونوں نے دو دو رکعت نماز پڑھی۔ ("خصائص کبریٰ" جلد ۱، ص ۱۶۷)

آپؐ کے تشریف لانے سے قبل تمام انبیاء علیہم السلام پہلے ہی سے مسجد میں آپ کے انتظار میں موجود تھے جن میں سیدنا ابراھیم، سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے۔

("زرقانی" جلد ۶، ص ۴۴)

کچھ دیر نہ گزری کہ بہت سے حضرات مسجد اقصیٰ میں جمع ہو گئے۔ پھر ایک موذن نے اذان دی پھر اقامت کہی۔ ہم صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ہر ایک اسی انتظار میں تھا کہ کون امامت کرے گا۔ جبرئیل نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا۔ میں نے سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبرئیل نے کہا "آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کن لوگوں کو نماز پڑھائی؟" میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جبرئیل نے کہا کہ "جتنے انبیاء مبعوث ہوئے، سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے"۔

("زرقانی" جلد ۶، ص ۴۴، "خصائص کبریٰ" جلد ۱، ص ۱۵۴)

زرقانی ہی کی ایک روایت ہے کہ آپ کے تشریف لانے پر ملائکہ بھی آسمان سے نازل ہوئے اور حضور ﷺ نے حضرات انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ دونوں کی امامت کرائی۔ ("زرقانی" جلد ۶، ص ۵۰)

جب آپ فارغ ہو کر مسجد سے باہر تشریف لائے تو آپ کے سامنے تین پیالے پیش کیے گئے۔ ایک پیالہ پانی کا اور ایک شراب کا اور ایک دودھ کا۔ آپ نے دودھ کا پیالہ اختیار کیا۔ جبرئیل نے کہا "آپ نے دین فطرت کو اختیار کیا ہے۔ اگر آپ شراب کا پیالہ لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اور اگر پانی کا پیالہ لیتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی"۔ بعض روایات میں ہے کہ شہد کا پیالہ بھی پیش کیا گیا۔ بعض روایات میں دو پیالوں کا ذکر ہے۔

امام قرطبیؒ نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب تم کوئی کھانا کھاؤ تو یہ کہو:

اللھم بارک لنا فیه واطعمنا خیرا منه۔

"اے اللہ! اس میں میرے لیے برکت عطا فرما اور اس سے بھی بہتر مرحمت فرما"۔

اور آپؐ نے فرمایا کہ جب دودھ پیو تو یہ کہو:

Marfat.com

اللھم بارک لنا فیہ وزدنا منہ۔

"اے اللہ! اس میں میرے لیے برکت عطا فرما اور اس میں زیادتی بھی عطا فرما"۔

اس میں بہتر کا سوال اس لیے نہیں کیا کہ انسانی غذا میں دودھ سے بہتر کوئی دوسری غذا نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان اور حیوان کی پہلی غذا دودھ ہی بنائی جو ماں کی چھاتیوں سے اسے ملتی ہے۔

(تفسیر قرطبی، زرقانی ج ٦ ص ٧٢، بخاری ج ٦ ص ٢٤٠، ج ۵ ص ٢٢۴، مسلم نمبر ١٦٨)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین پیالے سدرۃ المنتہیٰ کے بعد پیش کیے گئے۔ حافظ ابن کثیرؒ اور علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ عجب نہیں کہ یہ پیالے دو مرتبہ پیش کیے گئے ہوں۔

("زرقانی" جلد ٦، ص ۴٨)

یہاں سے فراغت کے بعد آپ نے جبرئیل اور دوسرے ملائکہ کی معیت میں آسمانوں کی طرف عروج فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ براق پر سوار ہو کر آسمانوں پر گئے اور بعض میں ہے کہ مسجد اقصیٰ سے نکلنے کے بعد جنت سے زمرد اور زبرجد کی ایک سیڑھی کے ذریعہ آسمان پر لے جایا گیا اور سیڑھی کے دائیں بائیں ملائکہ آپ کے جلو میں تھے اور بعض علماء کا قول ہے کہ حضور ﷺ براق پر سوار ہو کر اس سیڑھی پر سے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ٣، صفحہ ١١٠، ١١١، زرقانی جلد ٦، ص ۵۵)

آسمانوں پر مختلف انبیاء علیہم السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ پہلے آسمان پر سیدنا آدم علیہ السلام کو، دوسرے آسمان پر سیدنا یحییٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام کو دیکھا۔ تیسرے آسمان پر سیدنا یوسف علیہ السلام سے، چوتھے آسمان پر سیدنا ادریس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پر سیدنا ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر ساتویں آسمان پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور دیکھا کہ وہ بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے ہیں (بیت معمور فرشتوں کا کعبہ ہے) روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے۔ آپ کے سلام کے جواب میں سیدنا ابراہیمؑ نے فرمایا مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح۔

بعد ازاں آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف بلند کیا گیا جو ساتویں آسمان پر ایک بیری کا درخت ہے۔ زمین سے جو چیز اوپر جاتی ہے، وہ سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر رک جاتی ہے اور پھر اوپر اٹھائی جاتی ہے اور ملاء اعلیٰ سے جو چیز اترتی ہے، وہ سدرۃ المنتہیٰ پر آکر ٹھہر جاتی ہے پھر نیچے اترتی ہے اس لیے اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ ("زرقانی" جلد ٦، ص ١٨)

اس مقام پر سرکار دو عالم ﷺ نے جبرئیل امین کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔

سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنت ہے۔ اس وجہ سے حضور ﷺ بیت معمور میں نماز پڑھنے کے بعد

Marfat.com

سدرۃ المنتھیٰ کی طرف بلند کیے گئے۔ اس کے بعد آپؐ کو جنت اور جہنم کا مشاہدہ کروایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ "جنت کے گنبد موتیوں کے تھے اور مٹی اس کی مشک کی تھی"۔ (جنت اور جہنم کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب "نقش آخرت") ("فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۶۹)

اس کے بعد پھر آپؐ کا عروج ہوا اور ایسے بلند مقام پر پہنچے کہ جہاں آپ "صریف الاقلام" سنتے تھے۔ (لکھنے کے وقت قلم میں جو آواز آتی ہے اس کو صریف الاقلام کہتے ہیں) یہاں سے چل کر حجابات طے کرتے ہوئے آپ بارگاہ قدس میں پہنچے۔ یہ بھی روایات میں ہے کہ آپ کی سواری کے لیے ایک رفرف (یعنی ایک سبز مخملی مسند) آئی اس پر سوار ہوئے اور بارگاہ دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی میں پہنچے یہاں آپ حریم قرب میں پہنچے تو بارگاہِ بے نیاز میں سجدۂ نیاز بجالائے۔

("فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۶۹)

یہاں آپؐ دیدار خداوندی اور بلاواسطہ کلام خداوندی سے مشرف ہوئے اور آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض فرمائی گئیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ اس وقت آپ کو تین عطئے بارگاہِ خداوندی سے عطا ہوئے:

(۱) پانچ نمازیں (۲) سورۂ بقرہ کی آخری آیات (۳) تیسرا عطیہ یہ عطا ہوا کہ جو شخص آپ کی امت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانے، اللہ تعالیٰ اس کے کبائر سے درگزر فرمائے گا اور کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہ ڈالے گا۔

اسی طرح آسمانوں سے واپسی ہوئی اور بیت المقدس میں اترے اور پھر وہاں سے براق پر سوار ہو کر صبح سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچے۔ صبح کے بعد آپؐ نے قریش کے سامنے یہ سارا واقعہ بیان فرمایا۔ قریش یہ سن کر حیران و ششدر رہ گئے۔ بعض نے تالیاں بجائیں۔ بعض نے آپؐ کا مذاق اڑایا اور بعض نے مختلف قسم کے سوالات کیے آپؐ نے ان کے معقول جوابات دیئے۔

آپؐ نے آتے جاتے ہوئے اہل مکہ کا ایک قافلہ بھی دیکھا اور انہیں ان کا ایک اونٹ بھی بتایا جو بدک کر بھاگ گیا تھا۔ آپؐ نے ان کا پانی بھی پیا جو ایک ڈھکے ہوئے برتن میں رکھا تھا۔ اس وقت قافلہ سو رہا تھا۔ پھر آپ نے اسی طرح برتن ڈھک دیا اور یہ بات معراج کی صبح آپ کے دعویٰ کی صداقت کی ایک دلیل ثابت ہوئی۔ تیسرے روز جب وہ قافلہ مکہ میں داخل ہوا تو اس نے تصدیق کی۔ ولید بن مغیرہ نے کہا یہ جادو ہے۔ لوگوں نے کہا ولید سچ کہتا ہے۔

("زرقانی" جلد ۶، ص ۱۲۶؛ "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۳۹۷-۴۰۲، ۴۰۶؛ "زاد المعاد" جلد ۱، ص ۴۸، "بخاری" جلد ۲، ص ۶۸۴، "مسلم" جلد ۱، ص ۹۶، "عیون الاثر" جلد ۱، ص ۲۴۱-۲۴۴)

روایات میں ہے کہ شب معراج میں آپؐ اللہ کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس

Marfat.com

سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت حق تعالیٰ شانہ نے اپنے بندے پر وحی کی جو کچھ کہ وحی فرمائی (فاوحی الی عبدہ ما اوحی) اور پچاس نمازیں فرض کیں۔ اس کے بعد آپ واپس ہوئے یہاں تک کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے پوچھا کہ "اللہ جل جلالہ نے آپ کو کس چیز کا حکم دیا؟" فرمایا "پچاس نمازوں کا"۔ انہوں نے کہا "آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ اپنے پروردگار کے پاس واپس جائیے اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کیجئے"۔ آپ نے جبرئیل کی طرف دیکھا گویا ان سے مشورہ لے رہے ہیں۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ "ہاں اگر آپ چاہیں"۔ بعد ازاں جبرئیل آپ کو قادر مطلق کی بارگاہ میں لے گئے۔ حق تعالیٰ شانہ نے تخفیف کی درخواست پر دس نمازیں کم کر دیں۔ واپسی پر پھر موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تو انہیں دس کی تخفیف کے بارہ میں بتایا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا "آپ پھر اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے"۔ اس طرح سے چار پانچ دفعہ کی آمد و رفت سے صرف پانچ نمازیں رہ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اب کی دفعہ بھی تخفیف کے لیے واپس جانے کو کہا لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا "اب مجھے اپنے رب سے شرم محسوس ہو رہی ہے۔ میں اسی پر سر تسلیم خم کرتا ہوں"۔ پھر جب آپ مزید کچھ دور تشریف لے گئے تو ندا آئی کہ "میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی"۔

("زاد المعاد" جلد ۲، ص ۴۷-۴۸، "بخاری" جلد ۱، ص ۹۱-۹۳، "مسلم" حدیث نمبر ۱۶۳)

Marfat.com

بعض نکات

۱۔ روایت میں ہے کہ آپ اپنے گھر میں سوئے ہوئے تھے کہ مکان کی چھت کھلی اور جبرئیل اترے۔ حضرت تھانویؒ کے نزدیک چھت کھولنے میں یہ حکمت تھی کہ آپ کو شروع ہی سے معلوم ہو جائے کہ میرے ساتھ کوئی خارق عادت معاملہ ہونے والا ہے۔ ("نشر الطیب") اور حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک چھت کھلنے سے اس مقصد کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کو بلندی کی جانب عروج بخشا جانے والا ہے۔

("فتح الباری")

۲۔ مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ رات کی تخصیص میں یہ حکمت تھی کہ عادتاً وہ وقت خلوت کا ہوتا ہے۔ اس میں بلانا زیادہ اختصاص کی دلیل ہے۔ ("نشر الطیب") شیخ الاسلام ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ "حدیث معراج میں رات کے سفر کی دن کے سفر پر فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اسراء رات کو ہوا" اسی وجہ سے آپ کی اکثر عبادتیں رات کو ہوتی تھیں اور آپ سفر بھی زیادہ تر رات ہی میں کرتے تھے" اور آپ نے فرمایا:

"اول رات میں سفر کو لازم کر لو کیونکہ رات کے سفر میں زمین لپیٹی جاتی ہے"۔

("فتح الباری" جلد ۷، ص)

۳۔ ابو حمزہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کی قدرت تھی کہ شق کیے بغیر آپ کے قلب مبارک کو ایمان و حکمت سے بھر دے لیکن چاک کرنے میں یہ حکمت تھی کہ آپ کی قوت یقین میں اضافہ ہوا۔ ("فتح الباری")

۴۔ ایمان و حکمت سے آپ کا باطن معمور کیا گیا۔ جواہر غیبیہ کی قسم سے کوئی ایسی چیز تھی جو ایمان و حکمت میں ترقی و اضافہ کا ذریعہ تھی۔ اس کی مثال یوں سمجھیے جیسے لوگ دنیا میں اعضائے رئیسہ کی تقویت کے لیے یاقوتیاں اور جوارشیں کھاتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا سینہ اور قلب مبارک آئینہ سے بھی بڑھ کر مصفیٰ اور مجلی ہو جائے۔

اس شق صدر اور پھر قلب مبارک میں ایمان و حکمت کے بھرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ آپ نے عالم دنیا سے عالم بالا میں جانا تھا اور وہاں کے مشاہدات ملاحظہ فرمانے تھے اس وجہ سے وہ ایمان اور حکمت قلب مبارک میں بھر دیا گیا تاکہ وہاں کے انوار و تجلیات کو با آسانی دیکھا جا سکے۔

۵۔ امام سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ زمزم سرکارِ دو عالم ﷺ کے جد اعلیٰ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے لیے جبرئیل ہی کے عمل سے وجود میں آیا تھا لہٰذا جبرئیل نے مناسب خیال کیا کہ خداوند قدوس کی بارگاہ میں حاضر ہونے اور اس سے مناجات کرتے وقت زمزم ہی کے پانی سے آپؐ کے قلب مبارک کو مزکی کیا جائے۔ ("فتح الباری")

آپؐ کے قلب مبارک کو آب زمزم سے دھونے کی دوسری وجہ ترجیح امام بلقینیؒ نے یہ بتائی ہے کہ وہ آب کوثر سے بھی زیادہ افضل ہے، اس لیے ضروری تھا کہ آپ کا قلب مبارک افضل ترین پانی سے دھویا جاتا۔

ایک اور وجہ حافظ زین الدین العراقی نے یہ بتائی ہے کہ آب زمزم بالخاصہ دل کو تقویت دیتا ہے اور قلب سے خوف و وحشت کے اثرات کو دور کرتا ہے۔ اسی وجہ سے شب معراج میں آب زمزم استعمال کیا گیا تاکہ عالم ملکوت اور اس کے جلوؤں کو دیکھنے سے دل مضبوط رہے۔

۶۔ شیخ الاسلام ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ قلب مبارک کو دھونے کے لیے طشت اس لیے مخصوص کیا گیا کہ یہ عرفاً سب سے زیادہ مشہور آلہ غسل ہے اور سونے کا طشت اختیار اس بنا پر کیا گیا کہ سونا سب سے اعلیٰ اور اصفی ہے اور سونے کے خواص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تقویت قلب کے لیے مفید ہوتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ وہ اثقل الجواہر ہے جسے ثقل وحی سے بھی مناسبت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سونے کا برتن جنتی ظروف میں سے ہے۔ ("فتح الباری")

۷۔ سواری بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب بادشاہ کسی اہم شخصیت کو طلب کرتا ہے تو اس کے لیے سواری مہیا کرنے اور سواری بھیجنے کا بھی حکم دیتا ہے۔ لہٰذا سواری بھیجنے میں آپ کی زیادہ

Marfat.com

سرفرازی تھی۔ آپ خود صعود فرماتے تو پیادہ کی حیثیت رکھتے اور سوار پیدل چلنے والے سے زیادہ معزز سمجھا جاتا ہے۔

۸۔ براق کو باندھنا اس عادت کے حکم کے تحت تھا جو اللہ تعالیٰ نے چارپایوں میں جاری کر رکھی ہیں۔ اگر آپ اس کو نہ باندھتے تو پھر بھی وہ کھڑا ہی رہتا اور کہیں بھاگ کر نہ جاتا لیکن ایک عام عادت ایسا کرنے سے مانع تھی۔ امام نووی نے ربط براق کے بارہ میں فرمایا ہے کہ جب اعتماد ذات خداوندی پر ہو تو اسباب و ذرائع سے مستفید ہونا اور احتیاط کا رشتہ ہاتھ میں رکھنا توکل کے منافی نہیں۔

۹۔ دودھ کا پیالہ پینے کے بارہ میں علماء نے کہا ہے کہ دودھ کو آپ نے اپنی فطرت صالحہ سے پسند کیا کیونکہ جس طرح دین روحانی غذا کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح دودھ سے جسمانی غذا حاصل ہوتی ہے اور گو غذائیں اور بھی بہت ہیں لیکن دودھ کو اوروں پر ترجیح ہے کہ یہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے اور جسم اور جوہر دماغ کا مقوی ہے۔

۱۰۔ جن انبیاء و رسل نے شب معراج میں آپ کا خیر مقدم کیا ان میں نوح علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے حالانکہ وہ سب سے پہلے رسول تھے۔ اِس کی وجہ بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ شب معراج رحمت و برکت اور خوشی کی رات تھی۔ اس لیے مصلحت خداوندی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ وہ جلیل القدر نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر مقدم میں شرکت نہ فرمائے جس نے اپنی قوم کے لیے بارگاہ الٰہی سے عذاب وہلاکت کی درخواست کی تھی۔

("ماخوذاز "سیرۃ المصطفیٰ" مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ و دیگر کتب)

قریش کی خندہ زنی

جب صبح واقعہ معراج کا چرچا ہوا تو قریش کو از سر نو مذاق کا ایک مشغلہ ہاتھ آ گیا۔ خصوصی طور پر ابوجہل کی حالت اس روز ناگفتہ بہ تھی۔ دوسرے بت پرستوں نے تو واقعہ کو محض خندہ زنی کا سامان بنایا تھا۔ لیکن ابوجہل کے سینہ پر غصے اور حسد کے سانپ لوٹ رہے تھے۔ بعض مشرک سیدنا صدیق اکبرؓ کے پاس گئے اور کہا "کیوں صاحب، اپنے دوست کی بھی کچھ خبر ہے؟" انہوں نے پوچھا "کیا؟" بولے "وہ کہہ رہے ہیں کہ مجھ کو رات ہی رات میں بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر لے جایا گیا اور پھر واپس بھی آ گیا اور رات ابھی باقی تھی"۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا "اگر وہ ایسا کہتے ہیں تو ٹھیک ہے"۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم اس بات میں ان کی تصدیق کرتے ہو؟ فرمایا "ہاں میں اس سے بھی کہیں بعید امر میں ان کی تصدیق کرتا رہتا ہوں یعنی آسمانی خبروں کے متعلق جو صبح و شام ان کے پاس آتی رہتی ہیں، حالانکہ صبح و شام کا وقت رات کی مقدار سے بھی کم ہوتا ہے"۔ جب سرکارِ دوعالم ﷺ کو سیدنا ابوبکرؓ کے اس جواب

Marfat.com

کا علم ہوا تو آپ نے ان کو "صدیق" کا قابل فخر خطاب دیا۔ ("ابن ہشام" جلد ۱، ص ۳۹۹)

دوسری روایت میں ہے کہ دشمنان دین کی ایک جماعت ابوبکرؓ کے پاس آئی اور کہا کہ "ابوبکر تم نے سنا ہے کہ تمہارے دوست نے ایک اور دلچسپ دعویٰ کیا ہے کہ "مجھے آسمانوں پر بلایا گیا۔ اب تک تو صرف نبوت کا دعویٰ تھا یہ بیان اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے"۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا "بڑھ کر نہیں بلکہ گھٹ کر ہے۔ جب میں اس کی تصدیق کر چکا ہوں کہ آسمان کے فرشتے آپ کے پاس آتے ہیں تو اگر یہ بھی کبھی آسمان والوں کے پاس پہنچا دیئے گئے تو اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟"

معراج میں کیا کچھ دیکھا؟

جنت جو مادی شئے ہے، آخرت میں مومنین کا دار الجزاء ہے، یہی وہ مقام ہے جو عالم دنیا کے فنا ہونے کے بعد اس عالم کے نیکو کار اور قابل مغفرت لوگوں کا مسکن بنے گا۔ جنت وسعت میں تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے۔ اس کی جسمانیت اتنی لطیف ہے کہ اس کو ظاہری نگاہ نہیں دیکھ سکتی، کشفی نظر سے دکھائی دیتی ہے۔ اس لطیف مقام پر داخل ہونے والے وہ لوگ ہوں گے جو اپنے قلب و دماغ میں پہاڑوں کی بلندیاں، سمندروں کی وسعتیں اور گہرائیاں لیے ہوئے ہوں گے۔ جو ہواؤں کی مانند لوگوں سے ٹکرائے بغیر ان کے درمیان سے گزر جانے والے ہوں گے، جو ستاروں اور سیاروں کی طرح خاموش سفر کرنا جانتے ہوں گے۔ جو سورج کی طرح غیروں اور اپنوں پر یکساں چمکنے والے ہوں گے۔ جو پھول کی طرح شہرت اور عزت سے بے نیاز ہو کر کھلنا جانتے ہوں گے۔ جو دریا کی مانند حسد اور نفرت سے خالی ہو کر زمین کے سینہ پر بہ رہے ہوں گے۔ جو درختوں کی طرح ساری کائنات کو اپنا غذائی دستر خوان بنا چکے ہوں گے۔ جو زمین پر پڑے ہوئے سایہ کی طرح کبر و غرور سے خالی ہو کر اپنے آپ کو اللہ کے آگے ڈال دینے والے ہوں گے۔ جو موجودہ دنیا میں ان صلاحیتوں کا ثبوت دیں گے، وہی آنے والی جنتی دنیا کے مالک ہوں گے۔

آپ کو جنت دکھانے کا ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے عینی مشاہدات کے مقابلہ میں آپ پر دنیا کی خست و بے حقیقتی بخوبی منکشف ہو جائے۔

آپؐ نے جہنم کو بھی دیکھا۔ اس میں اللہ کا غضب اور عذاب ہے۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا بھی ڈال دیا جائے تو ان کو بھی کھا لے۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں دوزخ کو دیکھ چکا تو اس کو بند کر دیا گیا۔ (بیہقی عن ابی سعید) الفاظ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنی جگہ پر رہے اور دوزخ اپنی جگہ پر۔ درمیان سے حجاب اٹھا کر آپ کو دکھلا دیا گیا۔

آپ کو دوزخ شاید اس لیے دکھایا گیا کہ جب فردائے قیامت کو دوسرے تمام انبیاء نفسی نفسی پکار

Marfat.com

رہے ہوں گے تو آپؑ امتی امتی پکاریں گے۔ اس فرق کا باعث یہ ہو گا کہ دوسرے انبیاء نے دوزخ کو پہلے نہیں دیکھا ہو گا۔ اس کی اچانک نمود پر حواس باختہ ہو کر نفسی نفسی پکارنے لگیں گے اور آپ کو پہلے سے اس کا پورا پورا مشاہدہ ہو گا۔ لہٰذا آپؑ پر اضطراب اور بدحواسی کا اثر نہ ہو گا اور آپ پوری دل جمعی کے ساتھ بارگاہ الوہیت میں امت کے لیے شفاعت خواہ ہوں گے۔

آپ نے داروغہ جہنم مالک کو بھی دیکھا۔ اس کو دوزخ کی زہرہ گدازی کے باعث مذاق دل لگی تو کجا تبسم تک کی بھی نوبت نہیں آئی۔ آپؑ نے فرمایا کہ اس کے چہرے پر خوشی و بشاشت کے کوئی اثرات نہ تھے۔ پوچھنے پر جبرئیل نے کہا کہ یہ جب سے پیدا ہوئے ہیں، کبھی نہیں ہنسے۔ اگر وہ کسی اور کو دیکھ کر ہنسے ہوتے تو آپ کی ملاقات کے وقت بھی ضرور ہنستے اور اظہار مسرت کرتے۔

آپ نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جو یتیموں کا مال ظالمانہ طور پر کھاتے ہیں۔ ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے اور وہ اپنے منہ میں پتھر کے ٹکڑوں جیسے انگارے ٹھونس رہے تھے جو دوسری جانب ان کے پاخانے کے راستہ سے نکل رہے تھے۔

آپ نے زناکاروں کو بھی دیکھا۔ ان کے سامنے تازہ اور فربہ گوشت تھا اور اس کے پہلو بہ پہلو سڑا ہوا چھیچھڑا بھی تھا۔ یہ لوگ تازہ اور فربہ گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا چھیچھڑا کھا رہے تھے۔

آپ نے ان عورتوں کو بھی دیکھا جو اپنے شوہروں پر دوسروں کی اولاد داخل کر دیتی ہیں (یعنی دوسروں سے زنا کے ذریعہ حاملہ ہوتی ہیں اور شوہر کو بتاتی ہیں کہ یہ ان کا بیٹا ہے) آپؑ نے انہیں دیکھا کہ ان کے سینوں میں بڑے بڑے ٹیڑھے کانٹے چبھا کر انہیں آسمان و زمین کے درمیان لٹکا دیا گیا تھا۔

آپ نے سود خوروں کو بھی دیکھا۔ ان کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے کہ وہ اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہیں ہل سکتے اور جب آل فرعون کو آگ پر پیش کرنے کے لیے لے جایا جاتا تو ان کے پاس سے گزرتے وقت انہیں روندتے ہوئے جاتے تھے۔

یہود کی سیادت سے معزولی

قرآن حکیم میں سورۂ اسراء میں آپ کے اسراء کا واقعہ بیان کرنے کے بعد کلام کا رخ یہود کے جرائم اور ان کی سیاہ کاریوں کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ اسراء کا ذکر تو صرف ایک آیت میں کیا۔ یہود کی سیاہ کاریوں کے بیان کے بعد انہیں آگاہ کیا کہ یہ قرآن سیدھی اور مستقیم راہ کی ہدایت دیتا ہے۔ ان آیات کا باہمی ربط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اسلوب کے ذریعہ یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ اب یہود کو نوع انسانی کی قیادت و سیادت سے معزول کیا جانے والا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس قدر گھناؤنے جرائم کیے ہیں کہ ان کے ارتکاب کے بعد انہیں اس منصب پر باقی نہیں رکھا جا سکتا۔ لہٰذا اب یہ منصب اسماعیلی نسل کو سونپا جا رہا

Marfat.com

ہے اور اس نسل کی سب سے زیادہ مستحق شخصیت سرکارِ دو عالم ﷺ کی ہے۔ لہٰذا اب یہ منصب رسول اللہ ﷺ کو سونپا جا رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بتایا گیا کہ اب روحانی قیادت ایک امت سے دوسری امت کو سونپ دی جائے گی۔ گویا ایک ایسی امت سے جس کی زندگی کے شب و روز ظلم و بدکاری اور غدر و خیانت کے جرائم اور سیاہ کاریوں سے بھرے ہوئے ہیں، یہ قیادت چھین کر ایک ایسی امت کے سپرد کی جا رہی ہے جس سے بھلائیوں اور ہر قسم کی نیکیوں کے چشمے پھوٹیں گے اور جس کا پیغمبر ہر لحاظ سے کامل بلکہ اکمل ہے۔ یہ قیادت منتقل کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اس امت کا رسول مکے کے پہاڑوں کے درمیان ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے۔ اب اس حقیقت کو اس طرح واضح کیا جا رہا ہے کہ ہم اس امت کو ایسے تمدنی قواعد اور ضوابط بتا رہے ہیں، جن پر آئندہ اسلامی معاشرے کی عمارت استوار ہو گی۔ گویا اب وہ ایک ایسی سرزمین میں اپنا ٹھکانہ بنا چکے ہیں جہاں ہر پہلو سے ان کے معاملات ان کے اپنے ہاتھ میں ہیں اور انہوں نے ایک ایسی وحدت متماسکہ بنالی ہے جس پر سماج کی چکی گھوما کرتی ہے۔ اگلی آیات میں اس طرف اشارہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ عنقریب ایسی جائے پناہ اور امن گاہ پالیں گے جو صدق پر مبنی ہوگی اور جہاں آپ کے دین کو استقرار نصیب ہو گا۔

Marfat.com

اسلام مدینہ میں

قوم سبا کا ایک شخص عمرو بن عامر تھا۔ اس کے ایک بیٹے جفنہ کی اولاد شام میں آباد ہوئی اور غسان کے نام سے شہرت پائی۔ دوسرے بیٹے حارثہ نے تہامہ میں سکونت اختیار کی جو حجاز کے پہاڑوں اور بحر احمر کے ساحل کے درمیان طویل میدانی علاقہ ہے۔ تیسرے بیٹے ثعلبہ کی اولاد میں ایک شخص حارثہ تھا جس کے دو بیٹے ایک ہی بیوی قیلہ کے بطن سے تھے۔ ان میں ایک کا نام اوس تھا اور دوسرے کا خزرج۔ اس کی اولاد یثرب میں جا کر آباد ہوئی جہاں پہلے سے یہودی قبضہ جمائے ہوئے تھے۔ ایک مدت تک یہودیوں نے اوس اور خزرج کی اولاد کو اصل شہر اور اس کی سرسبز و شاداب زمینوں میں گھسنے نہ دیا اور یہ لوگ اطراف کی بنجر زمینوں میں عسرت اور تنگی کے ساتھ اپنی زندگی کے دن گزارتے رہے۔ آخر کار انہوں نے اپنے ہم نسب غسانیوں سے مدد حاصل کی، جنہوں نے فوج لے کر یہودیوں کو زبردستی شہر سے نکال کر اوس اور خزرج کو اس پر قبضہ دلوایا۔ یہودیوں کے قبیلے بنو قریظہ اور بنو نضیر اطراف شہر میں بسنے پر مجبور ہوئے اور ایک قبیلے بنی قینقاع نے خزرج کی پناہ لے کر شہر کے ایک محلے میں سکونت اختیار کی۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر نے جب دیکھا کہ ان کا حریف قبیلہ بنو قینقاع خزرج کا حلیف بن گیا ہے تو انہوں نے قبیلہ اوس سے معاہدہ کر کے اس کو اپنا حلیف بنا لیا۔

یہ دونوں قبیلے (اوس اور خزرج) ہم نسب ہونے کے علاوہ اور باہم رشتہ داری اور عزیز داری ہونے کے باوجود جاہلیت کی وجہ سے خود بھی لڑتے رہے اور یہودی قبائل اپنے حلیف قبیلوں کو ایک دوسرے سے لڑاتے بھی رہے۔ کیونکہ ان کی آپس میں جنگ ہی میں وہ اپنی خیر دیکھتے تھے اور ان کے اتفاق و اتحاد کو اپنے لیے موت کا پیام سمجھتے تھے۔ اس طرح پونے دو صدیوں میں ان کے درمیان چھوٹی موٹی لڑائیوں کے علاوہ گیارہ خونریز معرکے برپا ہوئے، جن میں آخری معرکہ ''یوم بعاث'' ہجرت سے صرف پانچ سال پہلے ۶۱۸ء میں پیش آیا۔ اور دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سردار اس میں مارے گئے۔ لیکن

اس کے باوجود اہل مدینہ پر یہودیوں کا مذہبی اثر اتنا زیادہ تھا کہ جس عورت کے بچے پیدا ہو کر مرجاتے' وہ منت مانتی تھی کہ اب جو بچہ پیدا ہوگا' اسے یہودی بناؤں گی۔

ابن سعد کے بیان کے مطابق جنگ بعاث ہجرت سے ۶ سال قبل ہوئی تھی۔ بعاث ایک مقام یا مزرعے کا نام ہے جو بنو قریظہ کے قریب اور مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ اس جنگ میں ایک طرف قبیلہ اوس تھا جس کا سردار سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا باپ حضیر تھا اور بنو قریظہ اور بنو نضیر اس کے شریک جنگ تھے۔ دوسری طرف بنو خزرج تھا۔ اس کا رئیس عمرو بن نعمان تھا اور بنو قینقاع اس کے حلیف تھے۔ اوس کو لڑائی میں فتح حاصل ہوئی' مگر دونوں فریقوں کا اتنا زیادہ نقصان ہوا کہ ان کے دانشور یہ محسوس کرنے لگے کہ اگر ہم اسی طرح ایک دوسرے کے دشمن رہے تو ہم لڑتے لڑتے ختم ہو جائیں گے۔

یہودیوں کے ساتھ ان روابط اور تعلقات کی وجہ سے ان کے کان نبوت' وحی اور شریعت وغیرہ کے الفاظ اور ان کے معانی سے کلی طور پر آشنا تھے لیکن دوسرے اہل عرب نہ ان الفاظ سے واقف تھے اور نہ ان کے معانی سے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہودی ایک نبی کی آمد کے شدت اور بے چینی سے منتظر ہیں کیونکہ اس کے آنے کی پیش گوئیاں ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ وہ نہایت الحاح وزاری سے دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی سے وہ پیغمبر آئے اور غیر یہودی قوموں کا غلبہ ختم ہو اور ہمارے عروج و ترقی کا دور شروع ہو۔ یہودیوں کی ان باتوں سے اوس و خزرج کے لوگوں میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ جب وہ نبی آخر الزمان ﷺ تشریف لائے تو یہودیوں سے پہلے یہ اس پر ایمان لائیں۔ اس کے علاوہ وہ تباہ کن خانہ جنگی سے بھی بہت تنگ آ چکے تھے اور ایسی قیادت کے طلبگار تھے' جو ان میں وحدت و اخوت پیدا کرے۔ اس مصیبت کے علاج و درمان کے لیے اہل مدینہ یہاں تک تیار ہو گئے تھے کہ قبیلہ خزرج کے رئیس عبداللہ ابن ابی کو اپنا رئیس بنالیں تاکہ ان کے ہاں سے تشتت و افتراق کی فضا ختم ہو کر وحدت و اخوت کا ماحول پیدا ہو جائے۔

نبی ﷺ کے زمانہ میں خزرج کے سردار سیدنا سعد بن عبادہؓ تھے اور اوس کے سردار سیدنا سعد بن معاذؓ تھے۔ خزرج بن حارثہ کے پانچ بیٹے تھے۔ جشم' عوف' حارث' عمرو اور کعب۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول عوف بن الخزرج کی اولاد میں سے تھا' اور بنو النجار عمرو بن الخزرج کی اولاد میں سے۔ سیدنا سعد بن عبادہؓ کا جد اعلیٰ کعب بن الخزرج تھے۔ اوس بن حارثہ کا ایک بیٹا تھا مالک بن اوس۔ پھر مالک سے آگے قبیلہ اوس میں متعدد قبائل پیدا ہوئے۔ اوس کے لوگ اسی وجہ سے تعداد میں خزرج سے کم تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے بیعت ثانیہ میں جو بارہ نقیب مقرر فرمائے تھے' ان میں نو خزرج کے تھے اور تین اوس کے۔ سیدنا ابو ایوب انصاریؓ' میزبان رسول' خطیب النبیؐ سیدنا ثابت بن قیس اور

Marfat.com

تمام انصار میں سب سے پہلے ایمان لانے والے سیدنا رافع بن عجلانؓ یہ سب حضرات خزرجی تھے۔

("المفصل" جلد ۴، ص ۱۳۸)

قبیلہ خزرج کے لیے یہ شرف و عزت کافی ہے کہ ان کی برکت سے اسلام مدینہ منورہ میں آیا۔ کیونکہ مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے قبیلہ خزرج ہی کے لوگوں کی سرکارِ دوعالم ﷺ سے ملاقات ہوئی اور اسلام قبول کیا اور مدینہ منورہ میں مہاجرین کو پناہ دینے کا عہد کیا۔ پھر انہی کی محنت سے قبیلہ اوس بھی اسلام میں داخل ہوا۔

اوس اور خزرج کے مابین جس طرح اسلام سے قبل سلسلہ تفاخر جاری تھا اسی طرح اسلام لانے کے بعد بھی امور دین میں مسابقت کا سلسلہ جاری رہا۔ امور دینیہ، اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور تقرب میں مسابقت کمال ایمان کی علامت اور دلیل ہے۔ چنانچہ طبری نے لکھا ہے کہ "اوس قبیلہ کے لوگ کہا کرتے تھے کہ ہم میں چار آدمی نہایت عظمت و فضیلت کے حامل ہیں۔

۱۔ سعد بن معاذؓ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ کا عرش ہلا۔

۲۔ اور وہ شخص جس کی شہادت دو آدمیوں کے برابر تھی یعنی خزیمہ بن ثابتؓ

۳۔ اور وہ شخص جس کو ملائکہ نے غسل دیا یعنی حنظلہ بن ابی عامرؓ

۴۔ اور ابوالافلح عاصم بن ابی ثابت۔

اس کے مقابلہ میں خزرج یہ کہتے کہ جن چار آدمیوں نے قرآن حکیم کو جمع کیا، وہ ہم میں سے تھے۔

("الاتقان" جلد ۱، ص ۷۱)

وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں قرآن کو جمع کیا، وہ تھے ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور ابوزیدؓ (قیس بن السکن) یہ سب حضرات انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔

اوس اور خزرج کے مابین مسابقت کا یہ جذبہ صحیح احادیث میں بھی مذکور ہے۔ اسلام کے عظیم دشمن ابورافع یہودی کا قتل بھی اسی مقابلہ اور مسابقت کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ کعب بن الاشرف یہودی مسلمانوں کا سخت مخالف تھا اور ہر وقت شرانگیزی میں مصروف رہتا تھا۔ یہ مدینہ منورہ کا باسی اور یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر میں شمار ہوتا تھا۔ کیونکہ اس کی ماں بنی نضیر میں سے تھی۔ لیکن اصل میں وہ قبیلہ طی کا فرد تھا۔ جنگ بدر کے بعد سیدہ ام الفضل زوجہ سیدنا عباسؓ وغیرہ مسلمان عورتوں کے نام وہ اشعار میں ذکر کرتا تھا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کے حکم سے قبیلہ اوس میں سے محمد بن مسلمہؓ، ابونائلہ، عباد بن بشر، حارث بن اوس بن معاذ اور ابوعبش بن جبر نے ایک رات جا کر اسے قتل کر دیا۔ یہ ۳ھ کا واقعہ ہے۔

("طبری" جلد ۳، ص ۴)

کعب بن الاشرف کے قتل کے بعد قبیلہ خزرج نے چاہا کہ ہم بھی اوس کے مقابلہ میں کسی بڑے دشمن اسلام کو قتل کریں تاکہ ہمیں بھی بارگاہ رسالت میں اس قسم کا شرف حاصل ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے ابو رافع یہودی کے قتل کا ارادہ کیا۔ ابو رافع بڑا شیطان صفت انسان تھا۔ نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھتا تھا۔ مدینہ منورہ سے بہت دور ارض حجاز میں یعنی خیبر میں اپنے ایک مضبوط قلعہ میں رہتا تھا۔ حضور ﷺ کی اجازت اور حکم سے اس کے قتل کے لیے انصار خزرج کی ایک جماعت جمادی الآخرۃ ۳ھ میں عبداللہ بن عتیک یا عبداللہ بن عقبہ کی سرکردگی میں روانہ ہوئی اور کئی روز کے سفر کے بعد وہاں پہنچ کر ایک عجیب حیلہ سے اسے قتل کر دیا۔

("طبری" جلد ۳، ص ۷، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "تاریخ العرب قبل الاسلام" جلد ۴ ص ۱۳۵، "ابن ہشام" جلد ۱ ص ۱۴)

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ سنہ ۱۱ نبوی (جولائی ۶۲۰ء) کے حج کے زمانہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے دستور اور معمول کے مطابق سیدنا ابو بکرؓ کی معیت میں قبائل عرب سے ملاقات کے لیے اور انہیں دین کی دعوت دینے کے لیے منیٰ کی طرف نکلے اور پھرتے پھراتے قبیلہ خزرج کے ایک گروہ کے پاس پہنچے۔ اسی رات آپ بنو ذہل اور بنو شیبان بن ثعلبہ کے ڈیروں پر بھی گئے اور اسلام کے بارہ میں ان سے بات چیت بھی کی لیکن انہوں نے کوئی امید افزا جواب نہ دیا۔ اس موقع پر سیدنا صدیق اکبرؓ کا بنو ذہل کے ایک آدمی سے سلسلہ نسب کے بارہ میں ایک مکالمہ بھی ہوا جو بڑا دلچسپ تھا کیونکہ یہ دونوں حضرات ماہر انساب تھے۔ ان سے امید افزا جواب نہ پا کر آپ منیٰ کی گھاٹی کی طرف سے گزرے تو خزرج کے اس گروہ سے آپ کی ملاقات ہو گئی۔

آپ ؑ نے ان سے پوچھا "تم کون ہو؟" انہوں نے کہا "ہم خزرج[1] کے چند افراد ہیں"۔ آپ نے انہیں دین اسلام کی دعوت دی اور انہیں قرآن سنایا۔ آپ کی دعوت اور قرآن کی تلاوت نے ان کے دلوں پر گہرا اثر کیا اور انہوں نے آپس میں کہا "دیکھو بھئی! یہ وہی نبی ہے جس کی آمد کے ڈراوے یہودی ہمیں دیا کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم سے سبقت لے جائیں"۔ چنانچہ نہایت اطمینان سے انہوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی۔ آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور اسلام کو قبول کر لیا۔ اس طرح اسلامی دعوت کو چند کار آمد بیج دستیاب ہو گئے جو دیکھتے ہی دیکھتے سرو قامت درختوں میں تبدیل ہو گئے اور ان کی

---

[1] علامہ سہیلی نے "الروض الانف" میں لکھا ہے کہ اوس اور خزرج کے نام سے مدینہ میں دو قبیلے آباد تھے۔ لغت میں اوس کا معنی عطیہ ہے اور خزرج ٹھنڈی ہوا کو کہتے ہیں۔ جاہلیت میں ان کا کوئی نام اور مقام نہیں تھا۔ جب یہ اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے تو پھر بارگاہ رسالت میں انہیں انصار کے معزز لقب سے نوازا گیا۔ ("روض الانف" جلد ۲، ص ۱۸۲-۱۸۳) امام محمد بن یوسف الصالحی نے ان کے شجرۂ نسب پر تفصیلی بحث کی ہے۔
(ملاحظہ ہو "سبل الھدیٰ" جلد ۳، ص ۲۵۲-۲۵۳)

Marfat.com

پُر فضا اور گھنی چھاؤں میں بیٹھ کر مسلمانوں نے برسوں جور و ستم کی تپش سے راحت پائی۔

ان افراد نے قبولِ اسلام کے بعد عرض کیا کہ ہم نے اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ اس سے زیادہ کسی اور قوم میں باہمی عداوت نہیں پائی جاتی۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے ان کو جمع کر دے۔ ہم واپس جاتے ہیں اور آپ کے دین کی جس کو ہم نے قبول کیا ہے، انہیں بھی دعوت دیتے ہیں۔ اگر اللہ نے ان کو آپ ؐ پر جمع کر دیا تو کوئی شخص آپ سے زیادہ طاقتور نہ ہو گا۔ اب ہم آئندہ سال حج کے موقع پر آپ ؐ سے ملیں گے۔

محمد ابن اسحاق اور زہری کا بیان ہے کہ یہ چھ آدمی تھے۔ جن کے نام یہ ہیں:

(۱) ابو امامہ اسعد بن زرارہ ؓ (بنو مالک بن النجار) یہ جاہلیت میں بھی توحید کے قائل تھے۔

(۲) عوف ابنِ حارث بن رفاعہ ؓ (بنو مالک بن النجار) ان کی ماں کا نام عفراء تھا اس لیے ابنِ عفراء بھی کہلاتے تھے۔

(۳) رافع بن مالک ؓ (بنو زریق) جاہلیت کے زمانہ میں یہ "کامل" کہلاتے تھے۔

(۴) قطبہ بن عامر بن حدیدہ (بنو سلمہ)

(۵) عقبہ بن عامر بن نابی ؓ (بنو حرام بن کعب)

(۶) جابر بن عبداللہ بن رباب ؓ (بنو عبید بن عدی)

حافظ ابنِ عبد البر ؒ نے لکھا ہے بعض حضرات نے جابر بن عبداللہ ؓ کے بجائے عبادہ بن صامت ؓ کا نام لکھا ہے۔ یہ سب لوگ یثرب کے عقلاء الرجال تھے اور نہایت سعادت مند روحیں تھیں جنہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی دعوت سے متاثر ہو کر فوری طور پر اسلام قبول کر لیا جبکہ دوسرے قبائل کے لوگوں نے آپ کی دعوت کا کوئی مثبت جواب نہ دیا۔

یہ لوگ آپ سے اگلے سال ملنے کا وعدہ کر کے مدینہ واپس چلے گئے اور وہاں انہوں نے اسلام کا چرچا شروع کر دیا۔ یہ جس مجلس میں بیٹھتے، وہیں آپ کا ذکر کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند مہینوں میں کوئی گھر اور کوئی مجلس آپ کے ذکر سے خالی نہ رہی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "سیرۃ ابنِ ہشام" جلد ۱، ص ۴۲۸-۴۳۰، "عیون الاثر" جلد ۱، "زرقانی" جلد ۱، ص ۳۱۰، "البدایہ و النہایہ" جلد ۳، ص ۱۴۸، "فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۷۱، "زاد المعاد" جلد ۲، ص ۵۰)

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ سیدنا اسعد بن زرارہ ؓ اور ذکوان بن عبد القیس مدینہ طیبہ کے عمائدین میں سے تھے۔ یہ دونوں عتبہ بن ربیعہ رئیس مکہ کے پاس مدد حاصل کرنے کے لیے پہنچے۔ عتبہ نے مدد سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم خود ایک عجیب پریشانی میں مبتلا ہیں کیونکہ ہمارے ہاں ایک شخص پیدا

ہو گیا ہے۔ یہ ہمارے دیوی دیوتاؤں کی تردید کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اس نے ہمارے مذہبی اور معاشرتی نظاموں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کی اس پریشانی نے ہماری راتوں کی نیند اور دن کا سکون چھین رکھا ہے۔ لہٰذا ہم آپ کی مدد سے اپنے کو معذور سمجھتے ہیں۔

عتبہ کی ان باتوں نے ان دونوں کے لیے تجسس پیدا کر دیا کہ اس ہستی سے ضرور ملاقات کی جائے جس نے ان کو پریشان کر دیا ہے۔ اگرچہ حضور کو ملنے پر پکٹنگ لگی ہوئی تھی لیکن یہ حضرات آپ سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ ؐ نے انہیں قرآن سنایا، دین اسلام کی دعوت دی، توحید خداوندی سے آشنا کیا، دیوی دیوتاؤں کی حقیقت واضح کی۔ دل صاف تھا اور طبیعت میں کوئی تعصب نہیں تھا اس وجہ سے جلد ہی اسلام دل کی گہرائیوں میں اتر گیا اور فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اسعدؓ نے مدینہ طیبہ پہنچنے پر اس کا تذکرہ اپنے دوست ابوالہیثم بن التیہان سے کیا اور بتایا کہ میں حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا ہوں۔ وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ دو بزرگ اور تھے۔ ایک رافع بن مالک ازرقی اور دوسرے معاذ بن عفراء۔ یہ حج یا عمرہ کے لیے مکہ آئے۔ اتفاقاً حضور ﷺ سے ملاقات ہو گئی اور تبادلہ خیالات کا موقع مل گیا۔ یہ دونوں بھی آپ ؐ کی دعوت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۴۶)

سیدہ سودہ سے نکاح

سیدہ خدیجہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے انتقال کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ کی گھریلو زندگی پریشان کن حالات سے دوچار ہو گئی۔ آپ ؐ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ فاطمہؓ سلام اللہ علیہن۔ اول الذکر دو صاحبزادیوں کی شادی خود سیدہ خدیجہؓ اپنی زندگی میں علی الترتیب سیدنا ابو العاصؓ اور سیدنا عثمانؓ سے کر چکی تھیں۔ یہ دونوں حضرات اموی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اب گھر میں صرف دو صاحبزادیاں سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ فاطمہؓ تھیں جن کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہ تھا۔ آپ ؐ جب مختلف قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو یہ بے سہارا رہ جاتیں۔ اس وجہ سے یہ مسئلہ آپ کے لیے پریشان کن تھا۔ بنی عامر بن لوئی سے ایک خاتون سیدہ سودہ بنت زمعہؓ تھیں۔ ان کا نکاح سہیل بن عمرو کے بھائی سکران بن عمروؓ سے ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی قدیم الاسلام تھے اور حبشہ کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے تھے۔ سکران کا انتقال حبشہ ہی میں ہو گیا تھا۔ (محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق مکہ میں ان کا انتقال ہوا)

ایک روایت میں ہے کہ جب سیدہ خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا عثمان بن مظعونؓ کی اہلیہ سیدہ خولہ بنت حکیمؓ (بعض مورخین نے ان کا نام خویلہ لکھا ہے) آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور

Marfat.com

عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ شادی فرمائیں گے؟" آپ نے فرمایا "کس سے؟" عرض کیا "آپ کنواری چاہیں تو وہ بھی موجود ہے، بیوہ چاہیں تو وہ بھی حاضر ہے"۔ حضور ﷺ نے پوچھا "کنواری کون اور بیوہ کون؟" وہ بولیں "کنواری تو عائشہؓ ہے اور بیوہ سودہ بنت زمعہؓ ہے۔ آپؐ نے فرمایا "دونوں جگہ جا کر بات کرو"۔

چنانچہ پہلے وہ سیدنا ابو بکرؓ کے ہاں گئیں اور ان کی اہلیہ ام رومانؓ سے کہا کہ "مجھے رسول اللہ ﷺ نے عائشہؓ کے لیے پیغام دے کر بھیجا ہے"۔ ام رومانؓ نے کہا "میں کچھ نہیں کہہ سکتی ابو بکرؓ کو آ جانے دو"۔ وہ تشریف لائے تو ام رومانؓ نے ان سے کہا کہ "اللہ نے کیسی خیر و برکت سے آپ کو نوازا ہے"۔ انہوں نے پوچھا "وہ کیا؟" انہوں نے کہا کہ "سرکارِ دو عالم ﷺ نے میرے پاس عائشہؓ کے لیے پیغام بھیجا ہے"۔ انہوں نے کہا وہ تو ان کی بھتیجی ہے، کیا وہ ان کے لیے جائز ہے؟" خولہؓ یہ سن کر حضور ﷺ کے پاس گئیں اور یہ بات آپؐ کے گوش گزار کی۔ حضورؐ نے فرمایا "ابو بکرؓ سے کہو کہ تم میرے دینی بھائی ہو، تمہاری بیٹی میرے لیے جائز ہے"۔ خولہؓ نے یہی جواب سیدنا ابو بکرؓ کو پہنچا دیا۔ انہوں نے کہا "ذرا انتظار کرو"۔

یہ کہہ کر سیدنا ابو بکرؓ چلے گئے۔ ام رومانؓ نے خولہؓ سے کہا مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے کے لیے عائشہؓ کو مانگا تھا۔ ابو بکرؓ نے وعدہ کر لیا تھا اور خدا کی قسم! ابو بکرؓ نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ ادھر سیدنا ابو بکرؓ مطعم کے پاس گئے۔ اس کے پاس اس کی بیوی بیٹھی ہوئی تھی۔ ابو بکرؓ نے عائشہؓ کے لیے نکاح کی بات کی۔ لڑکے کی ماں نے کہا "ابو بکرؓ ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم اپنے لڑکے کی شادی تمہارے ہاں کر دیں تو تم اسے دین سے پھیر دو گے"۔ سیدنا ابو بکرؓ نے مطعم سے پوچھا "تمہارا بھی یہی خیال ہے؟" اس نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ سن کر ابو بکرؓ وہاں سے چلے آئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مخمصے سے نکال دیا جس میں وہ مطعم سے وعدہ کر کے پھنس گئے تھے۔ انہوں نے خولہؓ سے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

وہاں سے نکل کر خولہ سیدہ سودہؓ کے ہاں گئیں اور کہا "کیسی خیر و برکت ہے جس سے اللہ نے تمہیں نوازا ہے"۔ انہوں نے پوچھا "وہ کیا؟" خولہؓ نے کہا "سرکارِ دو عالم ﷺ نے نکاح کا پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے"۔ انہوں نے کہا "میرے باپ سے اس کا ذکر کرو"۔ خولہؓ اس کے پاس گئیں اور اپنا تعارف کرایا۔ پھر کہا کہ "مجھے محمد بن عبد اللہ ﷺ نے سودہؓ کے لیے پیغام دے کر بھیجا ہے"۔ انہوں نے کہا "جوڑ تو بہت اچھا ہے لیکن تمہاری سہیلی کیا کہتی ہے؟" خولہؓ نے کہا "وہ اس رشتہ پر راضی ہے"۔ اس نے سیدہ سودہؓ کو بلا کر ان کی مرضی پوچھی۔ جب انہوں نے رضامندی کا اظہار فرما دیا تو اس نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو اپنے ہاں بلا کر آپؐ سے سودہؓ کا نکاح کر دیا۔ سیدہ سودہؓ کا بھائی عبد اللہ بن زمعہ حج کے لیے گیا ہوا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے اس نکاح کا سن کر سر پر خاک ڈالنی شروع کر دی۔ بعد

میں عبداللہ بن زمعہ جب خود مسلمان ہو گئے تو فرمایا کرتے تھے کہ "میں اس وقت کتنا بے وقوف تھا کہ اپنی بہن کے اتنے اچھے رشتے پر میں نے سر پر خاک ڈالی"۔

محمد ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جب ان کو حضور ﷺ کا نکاح کا پیغام پہنچا تو انہوں نے جواب دیا کہ "میرے معاملہ میں حضور ؐ کو ہر فیصلے کا اختیار ہے"۔ آپ ؐ نے کہلا بھیجا کہ "کسی کو اپنی طرف سے ولی مقرر کر دو کہ وہ میرے ساتھ تمہارا نکاح کر دے"۔ انہوں نے حاطب ؓ بن عمرو بن عبد شمس کو جو سہیل بن عمرو کے بھائی اور قدیم الاسلام تھے، اس کام کے لیے مقرر کیا اور انہوں نے حضور ﷺ سے آپ کا نکاح کر دیا۔

اکثر روایات میں یہ ہے کہ سیدہ سودہ ؓ پہلی خاتون ہیں جو سیدہ خدیجہ طاہرہ ؓ کی وفات کے بعد آپ کے حبالہ عقد میں داخل ہوئیں اور ان کا نکاح سیدہ عائشہ ؓ سے پہلے ہوا۔

سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بارہ میں ہے کہ ان کی وفات شعب بنو ہاشم سے نکلنے کے چند روز بعد ہوئی۔ رمضان یا شوال (علی اختلاف الروایات) سنہ ۱۰ نبوی میں ابو طالب کا انتقال ہوا۔ پھر تین یا پانچ روز بعد سیدہ خدیجہ ؓ نے انتقال فرمایا۔ ("زرقانی" جلد ۱، ص ۲۹۱-۲۹۶)

اور سیدہ سودہ ؓ کا نکاح سیدہ خدیجہ ؓ کی وفات کے بعد ہوا۔ لہٰذا شوال سنہ ۱۰ نبوی میں ان دونوں (سیدہ سودہ ؓ اور سیدہ عائشہ ؓ) کا نکاح ہوا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدہ خولہ ؓ نے جب آستان نبوت سے قدم باہر رکھا تو اتفاق سے اسی وقت سیدہ سودہ ؓ کاشانہ نبوت پر حاضر ہو گئیں۔ نبی ﷺ نے ان سے خولہ ؓ کی گفتگو کا ذکر کر کے اپنے پیغام نکاح کا ذکر کیا۔ سیدہ سودہ ؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! آپ ؐ مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس سے بڑھ کر میری اور کوئی سعادت نہیں ہو سکتی کہ آپ مجھے شرف زوجیت بخشیں لیکن ایک تو میری عمر ڈھل چکی ہے اور دوسرے میرے پانچ چھ بچے ہیں۔ مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ وہ رات دن آپ کے پاس رویا کریں اور آپ کا مزاج گرامی منغص ہوا کرے"۔

حضور ﷺ نے فرمایا "ان دو وجوہات کے سوا معذرت کا کوئی اور پہلو تو نہیں؟" انہوں نے کہا "نہیں"۔ سودہ ؓ کے دل میں اولاد کی محبت و شفقت کا جذبہ دیکھ کر فرمایا "اونٹوں کی پیٹھ پر سوار ہونے والی خواتین میں بہترین خواتین قریش کی صالح عورتیں ہیں جو اپنی کم سن اولاد پر نہایت مہربان اور اپنے شوہر کے حقوق کو بھی بوجہ احسن ملحوظ رکھتی ہیں"۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "البدایہ والنہایہ" ج ۳، ص ۱۳۰-۱۳۳، "ابن ہشام" ج ۱، ص)

Marfat.com

بیعت عقبہ اولیٰ

عقبہ کے مقام پر اسلام قبول کر کے یہ چھ سعادت مند حضرات مدینہ واپس پہنچے تو انہوں نے ہر محلہ اور مجلس میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا تذکرہ کرنا شروع کر دیا۔ پھر حسب وعدہ اگلے سال سنہ ۱۲ نبوی میں حج کے موقع پر ۱۲ آدمی عقبہ کے مقام پر آپ سے ملے جہاں گزشتہ سال خزرج کے لوگوں کی ملاقات ہو گئی تھی۔ ان ۱۲ آدمیوں میں سے پانچ تو وہی تھے جو گزشتہ سال مسلمان ہوئے تھے جابر بن عبداللہ بن رباب اس سال نہیں آئے باقی سات آدمیوں میں پانچ خزرج اور دو قبیلہ اوس کے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ معاذ الحارث بن رفاعہؓ (بنی النجار) عفراء کے صاحبزادے۔

۲۔ ذکوان بن عبد قیسؓ (بنی زریق) ابن سعد اور ابن ہشام کا بیان ہے کہ یہ مدینہ سے واپس مکہ آکر سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ ہی رہے اور آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت فرمائی۔ اس لحاظ سے یہ مہاجر بھی ہیں اور انصار بھی۔

۳۔ سیدنا عبادہ بن الصامتؓ (بنی عوف بن الخزرج)

۴۔ سیدنا یزید بن ثعلبہؓ (بنی عوف بن الخزرج)

۵۔ سیدنا عباس بن عبادہ بن نضلہ (بنی سالم بن عوف) ابن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ بھی سیدنا ذکوانؓ کی طرح حضور ﷺ کے ساتھ مکہ میں آکر رہے اور آپ کے ساتھ ہی ہجرت بھی کی۔

۶۔ ابوالہیثم بن التیہانؓ (بنی عبد الاشہل) یہ زمانہ جاہلیت میں بھی توحید کے قائل تھے۔

۷۔ سیدنا عدیم بن الساعدہؓ (بنی عمرو بن عوف)

ان حضرات سے سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس مقام عقبہ پر بیعت لی جو حسب ذیل ہے:

''ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے، اور نہ چوری کریں گے، زنانہ

کریں گے اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گے (یعنی کسی پر جھوٹا الزام نہ لگائیں گے) اور یہ کہ نیکی کے کسی کام میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گے۔ اور آپ کا فرمان سنیں گے اور مانیں گے خواہ وہ حکم ہمیں گوارا ہو یا ناگوار اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے۔ ہم حکومت کے معاملہ میں اہل حکومت سے نزاع نہ کریں گے۔ ہم ہر حال میں اور جہاں کہیں بھی ہوں گے، حق بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے"۔

یہ بیعت لینے کے بعد آپ نے فرمایا کہ "اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے لیے جنت ہے اور اگر کسی نے ممنوع کاموں میں کسی کا ارتکاب کیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ چاہے عذاب اور سزا دے اور چاہے معاف فرمادے"۔

Marfat.com

مدینہ میں اسلام کا پھیلاؤ

جب یہ بارہ افراد مدینہ واپس جانے لگے (زرقانی نے لکھا ہے کہ "ذکوانؓ بن عبد قیس بیعت کے بعد مکہ ہی میں رہ پڑے۔ بعد میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے" ("زرقانی" جلد ۱، ص ۳۱۳) تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا مصعب بن عمیرؓ اور سیدنا عبداللہ بن ام مکتومؓ کو تعلیم قرآن کے لیے ان کے ساتھ بھیجا تاکہ انہیں اسلام اور اس کی تعلیمات سے روشناس کرائیں۔ چنانچہ مدینہ منورہ جا کر سیدنا مصعب بن عمیرؓ سیدنا اسعد بن زرارہؓ کے ہاں ٹھہر گئے اور انصار کے لوگوں کو ساتھ لے کر بڑی تیزی سے اسلام پھیلانا شروع کیا۔ بنی عبدالاشہل میں سے عباد بن بشر بن وقشؓ اور ان کے حلفاء میں سے محمد بن سلمہؓ نے سیدنا مصعبؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد بنی عبدالاشہل کے سردار سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ ایک ہی دن ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ان کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ حتیٰ کہ بنی عبدالاشہل کے محلّہ میں ایک بھی غیر مسلم نہ رہا۔

سیدنا سعد بن معاذؓ اور سیدنا اسید بن حضیرؓ کے مسلمان ہونے کا بہت دلچسپ قصہ ہے۔ ایک دن سیدنا اسعد بن زرارہؓ سیدنا مصعب بن عمیرؓ کے ہمراہ قبیلہ بنی ظفر کے ایک باغ میں گئے۔ وہاں وہ حضرات جمع ہو گئے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ اس اجتماع کی اطلاع جب سعد بن معاذ اور اسید بن حضیرؓ کو ملی تو سعدؓ نے اسید بن حضیرؓ سے کہا "ذرا ان دونوں آدمیوں کے پاس جاؤ جو ہماری بستیوں میں آ کر ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ انہیں ہمارے علاقے میں آنے سے بالکل روک دو۔ اگر اسعد بن زرارہؓ کا معاملہ نہ ہوتا تو میں خود جاتا۔ لیکن تمہیں پتہ ہے کہ وہ میرا خالہ زاد بھائی ہے اور میں اس کے منہ لگنا نہیں چاہتا۔ اسیدؓ یہ سن کر اپنا حربہ لیے ہوئے وہاں پہنچے۔ اسعدؓ نے انہیں آتے دیکھ کر مصعب بن عمیرؓ سے کہا "یہ اپنی قوم کا سردار آ رہا ہے۔ اس کو نہایت اچھے طریقے سے اللہ تعالیٰ کی بات پہنچانے کا حق ادا کر دو"۔ سیدنا مصعبؓ نے کہا "اگر یہ آ کر بیٹھ گئے تو پھر میں بات کروں گا"۔ سیدنا اسیدؓ ان کے سامنے آ کر بڑے درشت انداز میں کھڑے ہو گئے اور کہا "تم یہاں کس لیے آئے ہو؟ تم ہمارے کمزور لوگوں کو بے

Marfat.com

وقوف بناتے ہو۔اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو ادھر کا پھر رخ نہ کرنا"۔سیدنا مصعبؓ نے فرمایا"آپ ذرا چند لمحے بیٹھ کر ہماری بات کو سنیں اگر پسند آئے تو قبول کر لیجئے ورنہ رد کر دیں"۔اسیدؓ نے کہا"بات تو آپ کی درست ہے" اور اپنا نیزہ زمین میں گاڑ کر ان کے پاس آ بیٹھے۔سیدنا مصعبؓ نے ان کو اسلام کی تعلیمات بتائیں اور قرآن حکیم کے کچھ حصے پڑھ کر سنائے۔

سیدنا اسعدؓ اور سیدنا مصعبؓ دونوں کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! اسیدؓ کے چہرے کی بشاشت اور ان کے انداز کلام کی نرمی دیکھ کر ہم سمجھ گئے کہ اسلام ان کی اتھاہ گہرائیوں میں براجمان ہو رہا ہے۔جب انہوں نے اپنی بات ختم کی تو اسید بن حضیرؓ نے کہا:

ما احسن هذا الكلام واجمله۔

"یہ کیا عمدہ اور حسین کلام ہے"۔

انہوں نے پوچھا"تم لوگ جب اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا کہ "غسل کرتے ہیں، اپنے کپڑے پاک کرتے ہیں، پھر حق کی شہادت دیتے ہیں اور اس کے بعد نماز پڑھتے ہیں"۔یہ سن کر وہ اسی وقت اٹھے، پاک صاف ہو کر آئے، کلمہ شہادت پڑھا اور دو رکعت نماز ادا کی۔پھر فرمانے لگے"میرے پیچھے ایک آدمی ہے، وہ اگر تمہاری پیروی اختیار کرے تو اس کی قوم میں سے ایک آدمی بھی اس کے خلاف نہ چلے گا۔میں جا کر ابھی اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں"۔یہ کہہ کر اسیدؓ اپنا نیزہ لے کر سیدنا سعد بن معاذؓ کی طرف چلے، جن کے پاس ان کے قبائل کے لوگ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔سعدؓ نے ان کو آتے دیکھ کر کہا"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ وہ چہرہ نہیں ہے جسے لیے ہوئے اسیدؓ گئے تھے" (احلف بالله لقد جاءكم اسيد بغير الوجه الذى ذهب به من عندكم)("ابن ہشام" جلد ۱، ص ۴۳۵-۴۳۶؛ "عیون الاثر" جلد ۱، ص ۲۶۸-۲۶۹)

سیدنا اسیدؓ جب مجلس کے سامنے کھڑے ہوئے تو سعدؓ نے پوچھا"کیا کر آئے؟" انہوں نے کہا"میں نے دونوں آدمیوں سے بات کی، مجھے ان میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی۔میں نے انہیں روکا تو انہوں نے جواب دیا جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہم وہی کریں گے"۔پھر سیدنا زرارہؓ نے کہا"میں نے سنا ہے کہ بنی حارثہ اسعد بن زرارہؓ کو قتل کرنے کے لیے نکلے ہیں۔اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ اسعدؓ تمہارا خلیرا بھائی ہے اور وہ تمہاری تذلیل کرنا چاہتے ہیں۔یہ سننا تھا کہ سعدؓ نہایت غصے میں فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنا نیزہ لے کر تیزی سے چلے تاکہ بنی حارثہ کا حملہ ہونے سے پہلے اپنے بھائی تک جا پہنچیں۔جاتے ہوئے انہوں نے اسیدؓ سے کہا"بخدا، میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے بھیجنے کا کوئی فائدہ نہ ہوا"۔سیدنا اسعدؓ نے ان کو دور سے آتے دیکھ کر سیدنا مصعبؓ سے کہا"یہ ایسا سردار ہے، جس کے پیچھے اس کی ساری قوم ہے۔یہ مسلمان ہو گیا تو قوم کا ہر آدمی اسلام قبول کر لے گا"۔وہاں پہنچ کر جب سعدؓ نے دیکھا کہ اسعدؓ اور مصعبؓ

Marfat.com

دونوں اطمینان سے بیٹھے ہیں تو سمجھ گئے کہ اسید کا مقصد دراصل مجھے ان کی بات سنوانا تھا۔ وہ نہایت غضبناک انداز میں آکر کھڑے ہوئے اور اسعد بن زرارہؓ سے کہا "ابوامامہ! اللہ کی قسم! اگر میرے اور تمہارے درمیان قرابت کا رشتہ نہ ہوتا تو یہ شخص (مصعبؓ) مجھ سے نہ بچ سکتا تھا۔ کیا تو ہمارے گھر میں ہم پر اس چیز کو مسلط کرنا چاہتا ہے جو ہمیں پسند نہیں ہے؟" سیدنا مصعبؓ نے کہا "کیا آپ بیٹھ کر ہماری بات نہ سنیں گے؟ اگر وہ پسند آئے تو قبول فرمالیں نہ پسند فرمائیں تو رد کردیں"۔ سعدؓ نے کہا یہ تو درست بات ہے۔ پھر وہ اپنا نیزہ زمین میں گاڑ کر بیٹھ گئے۔ سیدنا مصعبؓ نے ان کے سامنے اسلام اور اس کی تعلیمات کو پیش کیا اور قرآن حکیم پڑھ کر سنایا۔ سیدنا اسعدؓ اور سیدنا مصعبؓ کا بیان ہے کہ ہم ان کے بولنے سے پہلے ہی ان کے چہرے کی تروتازگی اور بشاشت سے سمجھ گئے کہ اسلام ان کے دل پر دستک دے رہا ہے اور اس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں پہنچ گیا ہے۔ سعدؓ نے ساری بات سننے کے بعد کہا کہ "اس دین میں داخل ہونے کے لیے تم لوگ کیا کرتے ہو؟" انہوں نے وہی بات کہی جو سیدنا اسیدؓ سے کہی تھی۔ خلاصہ یہ کہ وہ بھی حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے اور اپنا نیزہ لیے ہوئے اپنے قبیلہ میں چلے گئے۔

سیدنا سعدؓ جب لوگوں کے سامنے پہنچے تو قبیلہ کے لوگوں نے ان کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگالیا کہ ان کے دل کی دنیا میں انقلاب آچکا ہے۔ انہوں نے آتے ہی پوچھا "اے بنی عبدالاشہل! تم میرے متعلق کیا کہتے ہو؟" پورے قبیلہ نے جواب دیا "آپ ہمارے سردار ہیں، ہم میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے، سب سے زیادہ صائب الرائے ہیں"۔ سیدنا سعدؓ نے یہ جواب سن کر کہا "تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لے آؤ"۔ چنانچہ شام ہونے سے پہلے پہلے قبیلہ کے سب مرد اور عورتیں مسلمان ہو گئے۔ صرف ایک شخص الاصیرم عمرو بن ثابت رہ گئے لیکن وہ بھی عین غزوہ احد کے موقع پر حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے اور ایک سجدے کی نوبت آنے سے قبل ہی شہید ہو گئے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا "وہ جنتی ہیں۔ بنی عبدالاشہل میں ایک بھی منافق نہیں تھا۔

اسلام نے سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ کے دلوں کی دنیا ایسی تبدیل کی کہ بتوں کی پوجا کرنے والے ان دونوں حضرات کو لوگوں نے دیکھا کہ بنی عبدالاشہل کے بت توڑتے پھرتے تھے۔

("سیرۃ ابن ہشام" جلد۱، ص۴۳۶، "عیون الاثر" جلد۱، ص۲۶۹، "البدایہ والنہایہ" جلد۳، ص۱۵۲، "زادالمعاد" جلد۲، ص۵۱)

سیدنا مصعب بن عمیرؓ سیدنا اسعد بن زرارہؓ ہی کے گھر میں مقیم رہے اور وہیں سے اسلام کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ انصار کے ہر گھر میں چند مرد اور عورتیں مسلمان ہو گئیں۔ صرف بنی امیہ بن زید اور خطمہ اور روائل کے مکانات باقی رہ گئے۔ مشہور شاعر قیس بن اسلت انہی کا آدمی تھا اور یہ لوگ اسی کی

Marfat.com

بات مانتے تھے۔اس شاعر نے انہیں جنگ احزاب تک قبول اسلام سے روکے رکھا۔

مدینہ میں جمعہ کا انعقاد

سیدنا اسعد بن زرارہؓ جب سنہ ۱۲ نبوی میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر کے واپس مدینہ طیبہ گئے تو اسی سال انہوں نے مدینہ میں جمعہ قائم کیا۔ ہوا یہ کہ انہوں نے دیکھا یہود اور نصاریٰ ہفتے میں ایک روز اکٹھے ہو کر اپنے طریقہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ ہفتہ میں ایک روز اکٹھے ہو کر اللہ کا ذکر کریں اور نماز پڑھیں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ یہود ہفتہ کو، نصاریٰ اتوار کو بڑا دن سمجھتے ہیں۔ ہم یوم عروبہ (جمعہ کا دن) کو جو ہفتہ سے پہلا دن ہے، اپنا یوم عبادت مقرر کریں۔ کیونکہ انسان جمعہ کے روز پیدا ہوا اس لیے نعمت پیدائش کا شکریہ ادا کرنے کے لیے جمعہ ہی عبادات و اجتماع کے لیے موزوں ترین دن ہے۔ روایت میں ہے کہ جمعہ کے دن اجتماع کی تجویز سیدنا اسعد بن زرارہؓ کی تھی۔ اس تجویز کے مطابق تمام انصار مدینہ سیدنا اسعدؓ کے مکان پر جمع ہوئے۔ سیدنا اسعدؓ نے انہیں دو رکعت نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔ جو حضرات اس اجتماع میں شریک ہوئے، سیدنا اسعدؓ نے ان کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کی اور ان کی ضیافت کی۔

امام محمد ابن سیرین کے علاوہ دوسرے بزرگوںؒ نے بھی روایت کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں سیدنا اسعد بن زرارہؓ ہی قیام جمعہ کے بانی تھے۔ ان حضرات نے محض اپنے اجتہاد سے جمعہ قائم کیا اور دوسرے اس دن کا نام جمعہ تجویز کیا کیونکہ جاہلیت میں اس دن کو "یوم عروبہ" کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں کی تصویب فرمائی اور سورۂ جمعہ کی آیت نمبر ۹ نازل ہوئی۔

اس کے کچھ ہی روز بعد سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک والانامہ کے ذریعہ سیدنا مصعب بن عمیرؓ کو قیام جمعہ کا حکم فرمایا اور لکھا کہ جمعہ کے روز نصف النہار کے بعد سب مل کر بارگاہ رب العزت میں دو رکعت پڑھ کر تقرب حاصل کیا کرو۔ امام دار قطنی نے سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت سے پہلے ہی جمعہ پڑھنے کے لیے مامور ہو چکے تھے، لیکن مکہ معظمہ میں آپ کو غلبہ کفر کی وجہ سے جمعہ کے اجتماع پر قدرت حاصل نہ تھی۔ پس آپ نے سیدنا مصعبؓ کو لکھ بھیجا کہ جب جمعہ کے روز سورج ڈھل جائے تو دوگانہ نماز سے حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ ("زرقانی" جلد ۱، ص ۳۱۵)

سب سے پہلا جمعہ سیدنا اسعد بن زرارہؓ نے بنی بیاضہ میں پڑھایا جس میں چالیس آدمی شریک ہوئے۔ سیدنا کعبؓ کے صاحبزادے سیدنا عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ میرے والد کعب بن مالکؓ جب جمعہ کی اذان سنتے تو سیدنا اسعد بن زرارہؓ کے لیے دعائے مغفرت فرماتے۔ میں نے ایک دفعہ پوچھا تو فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے اسعد بن زرارہؓ ہی نے ہمیں جمعہ پڑھایا تھا۔ ("الاصابہ" جلد ۱، ص ۳۴)

Marfat.com

بیعت عقبہ ثانیہ

آئندہ سال سنہ ۱۳ نبوی میں موسم حج آنے سے پہلے سیدنا مصعب بن عمیرؓ مدینہ منورہ میں اسلام کی دعوت کی کامیابی کی خوشخبریاں لے کر سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت اقدس میں مکہ حاضر ہوئے اور آپ کو قبائل یثرب کے حالات، ان کی جنگی اور دفاعی صلاحیتوں اور خیر کی لیاقتوں کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔

("زادالمعاد" جلد ۲، ص ۵۱)

جابر بن عبداللہ انصاریؓ کا بیان ہے وہ مکہ میں آپ کی دعوت اور لوگوں کے انکار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "آخرکار اللہ تعالیٰ نے ہمیں یثرب سے آپ کی خدمت میں بھیج دیا اور ہم نے آپ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کی اور حال یہ ہو گیا کہ ایک آدمی گھر سے نکلتا، ایمان لاتا، قرآن پڑھتا اور پلٹ کر جب گھر جاتا تو اس کے گھر والے بھی مسلمان ہو جاتے اور اس طرح انصار کے محلوں میں سے کوئی ایسا محلہ نہ رہا جس میں مسلمانوں کا ایک گروہ نہ پایا جاتا ہو۔ اور علی الاعلان اپنے اسلام کا اظہار نہ کرتا ہو۔

اگلے سال ذی الحجہ سنہ ۱۳ نبوی (جون ۶۲۲ء) میں سیدنا کعب بن مالکؓ کی روایت کے مطابق کہ "ہم اپنی قوم کے مشرکین کے ساتھ حج کے لیے نکلے (حاکم اور بن سعد کی روایت کے مطابق اس سال اوس اور خزرج کے ۵۰۰ آدمی حج کے لیے نکلے تھے) ایک روایت کے مطابق یثرب ہی میں اور دوسری روایت کے مطابق مکہ کے راستہ میں آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ آخر ہم کب تک رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں چھوڑے رکھیں گے کہ آپ مکہ مکرمہ کے پہاڑوں میں جگہ جگہ پھرتے، ٹھوکریں کھاتے اور خوفزدہ کیے جاتے رہیں۔ ان میں ایک روایت کے مطابق تہتر مسلمان تھے۔ طبری نے ۷۳ کے بجائے ستر تعداد بتائی ہے۔ ان میں عقبہ اولیٰ والے افراد کے علاوہ سیدنا سعد بن ربیعؓ، سیدنا منذر بن عمروؓ، سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ، سیدنا براء بن معرورؓ، سیدنا سعد بن عبادہؓ، سیدنا کعب بن مالکؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ جیسے اکابر واعیان شامل تھے۔

یہ بات مدینہ طیبہ کے ان لوگوں نے کہی جنہوں نے دکھائی دینے والے خداؤں کے ہجوم میں دکھائی نہ دینے والے خدا کو پایا اور اس کو اپنا سب کچھ بنالیا۔ عظمت کے میناروں کے درمیان انہوں نے خدائے برتر کے پیغمبر کو پہچانا اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ ایک اجنبی دین (غریب دین) اپنی ساری بے سروسامانی کے باوجود ان کی نظر میں اتنا محبوب ہوگیا کہ اس کی خاطر کوئی بھی قربانی کرنا ان کے لیے مشکل نہ رہا۔ غرضیکہ انہوں نے ایک ایسی سچائی کو پالیا جو ابھی مجرد روپ میں تھی۔ جس کی پشت پر تاریخ کی تصدیقات ابھی جمع نہیں ہوئی تھیں۔ جس سچائی کے لیے اپنا سب کچھ دے دینا تھا لیکن دنیا میں اس کے بدلے کچھ بھی پانا نہ تھا۔ کیونکہ پیغمبروں اور رسولوں کو ہر دور میں ایک ہی سب سے بڑی رکاوٹ پیش آئی ہے۔ وہ یہ کہ ان کی مخاطب قوموں کے پاس جو دین ہوتا تھا اس کے ساتھ مادی رونقیں اور در و دیوار کی عظمتیں شامل ہوتی تھیں۔ دوسری طرف وقت کا نبی اور رسول دلیل مجرد کی سطح پر کھڑا ہوتا تھا۔ یہ لوگ جو عقبہ ثانیہ کی بیعت کے لیے آرہے تھے، انہوں نے اپنے خلوص اور پیغمبر کی نگاہ حقیقت شناس سے اپنے آپ کو اس مقام پر فائز کر لیا تھا اور اپنے اندر یہ انوکھی صفت پیدا کر لی تھی کہ وہ حق کو دلیل مجرد کی سطح پر پاسکیں اور اپنے آپ کو ایک ایسے حق کے حوالے کر دیں جس نے ابھی ظواہر کا روپ اختیار نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کے اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے حق کے لیے اپنا سب کچھ سونپ دیا جس سے بظاہر دنیا میں کچھ بھی ملنے والا نہیں تھا۔

سیدنا جابرؓ کی روایت بھی اس سلسلہ میں کچھ اسی قسم کی ہے کہ "جب مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پہنچ گیا تو ہم نے مشورہ کیا کہ "آخر کب تک ہم اللہ کے رسول کو اس حال میں چھوڑے رکھیں کہ آپ مکہ کے پہاڑوں میں پریشان اور ڈرے سہمے پھرتے رہیں"۔ اللہ کے رسول کا بے یار و مددگار ہونا ظاہر بینوں کے لیے اس بات کا ثبوت تھا کہ آپ اللہ کے رسول نہیں۔ اگر اللہ کے رسول ہوتے تو آپ کی یہ حالت کیوں ہوتی۔ لیکن مدینہ کے ان لوگوں نے آپ کے معاملہ کو حقیقت کی نظر سے دیکھا۔ انہوں نے یہ راز پالیا کہ آپ کا معاملہ ایک خدائی معاملہ ہے اور آپ کی نصرت اور مدد کر کے وہ خدا کی رحمتوں اور برکتوں کے مستحق بن سکتے ہیں۔

سیدنا کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں جب ہم لوگ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آرہے تھے تو راستہ میں ہمارے سردار براء بن معرورؓ نے فرمایا کہ میری ایک رائے ہے کہ میں کعبہ کی طرف پیٹھ کر کے نماز نہ پڑھوں بلکہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھوں۔ ہم نے انہیں کہا کہ ہمیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں یہ پتہ چلا ہے کہ آپ شام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ہم آپ ﷺ کی سنت کے خلاف عمل نہ کریں گے لیکن وہ کعبہ ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور ہم انہیں برابر اس بات پر ملامت کرتے رہے۔

Marfat.com

جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے مجھے فرمایا "بھتیجے! چلو، سرکارِ دو عالم ﷺ سے ملاقات کریں اور ان سے اس بارہ میں پوچھیں کیونکہ تم لوگوں کے مجھ سے اس بارہ میں اختلاف کی وجہ سے میرے دل میں کچھ کھٹکا سا پیدا ہو گیا ہے"۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی دیکھا نہ تھا۔ اس لیے آپ کو پہچانتے نہیں تھے۔ چنانچہ ہم نے اہلِ مکہ میں سے ایک شخص سے رابطہ کیا۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ تم ان کے چچا عباس بن عبد المطلب ؓ کو جانتے ہو؟" وہ ہمارے یہاں تجارت کے سلسلہ میں آتے جاتے رہتے تھے۔ اس لیے ہم نے اثبات میں جواب دیا۔ اس نے کہا "آپ لوگ حرم میں جائیں، وہ عباس ؓ کے پاس بیٹھے نظر آئیں گے"۔ جب ہم حرم میں پہنچے تو ہم نے آپ کو سلام کیا۔ آپ ؐ نے سیدنا عباس ؓ سے پوچھا "آپ ان دونوں کو جانتے ہیں؟" انہوں نے کہا "ہاں یہ براء بن معرور ؓ ہیں اور یہ کعب بن مالک ؓ ہیں"۔ کعب ؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ کا یہ قول ابھی تک یاد ہے کہ آپ ؐ نے میرا نام سن کر فرمایا "شاعر؟" سیدنا عباس ؓ نے کہا "ہاں"۔ پھر براء بن معرور ؓ نے اپنا مسئلہ آپ سے پوچھا اور آپ کی ہدایت کے مطابق انہوں نے اسی قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی جس کی طرف آپ ؐ نماز پڑھتے تھے۔

اس کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہمیں ہدایت فرمائی کہ ہم ایام تشریق (حج کے بعد منیٰ میں ٹھہرنے کے دن کے بیچ والے روز رات کے وقت عقبہ میں ملیں۔ جب وہ رات آئی تو تہائی رات گزرنے کے بعد آپ ؐ سے خفیہ طور پر ملنے کے لیے چلے۔ خفیہ طور پر اس لیے گئے کہ ہم اپنی قوم کے مشرکین سے یہ بات چھپانا چاہتے تھے لیکن ہمارے ساتھ ہمارے اشراف واعیان میں سے عبد اللہ بن عمرو بن حرام کو جو ابھی تک اپنے دین پر قائم تھے، ہم نے ان کو اپنے ساتھ لیا اور کہا کہ آپ ہمارے سرداروں میں سے ہیں لیکن ہم نہیں چاہتے کہ آپ جہنم کا ایندھن بنیں۔ پھر ہم نے ان پر اسلام پیش کیا جس کو انہوں نے اسی وقت قبول کر لیا اور ہمارے ساتھ عقبہ میں شریک ہوئے۔ اس وقت ۷۳ مرد تھے اور ہمارے ساتھ دو عورتیں تھیں۔ ان ۷۳ مردوں میں ۱۱ اوس اور ۶۲ خزرج میں سے تھے اور دو عورتیں تھیں۔ ایک نسیبہ بنت کعب ؓ جو اپنے شوہر زید بن عاصم ؓ اور اپنے لڑکوں حبیب ؓ اور عبید اللہ ؓ کے ساتھ آئی تھیں اور دوسری اسماء بنت عمرو ؓ تھیں۔

طبری میں ہے کہ براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے کہا "اے اللہ کے رسول! جب میں اس سفر کے لیے گھر سے نکلا تو اس سے قبل میں نے خواب دیکھا تھا کہ میں کعبہ معلّی کی طرف پیٹھ نہیں کرتا اس لیے میں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی شروع کی لیکن میرے ساتھیوں نے میرے اس اقدام میں میری مخالفت کی۔ اس بارہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ ؐ نے جواب دیا کہ ابھی تو میں اپنے قبلہ سابق پر قائم ہوں۔ اس لیے بہتر تھا کہ تم ابھی صبر کرتے اور قبلہ بدلنے میں جلدی نہ کرتے۔ اس ارشاد کے بعد براء رضی اللہ عنہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ (اس سے یہ ثابت ہوا کہ خواب اگرچہ سچا ہو تاہم اسے

Marfat.com

دلیل شرعی کی حیثیت حاصل نہیں)

سیدنا عدیم بن ساعدہؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ آپؐ سے ہمارے وفد کی ملاقات کب اور کہاں ہو؟ سیدنا عباسؓ نے فرمایا "تمہارے ساتھ تمہاری قوم کے وہ لوگ بھی ہیں جو تمہارے مخالف ہیں (یعنی مشرک ہیں) اس لیے اپنا معاملہ مخفی رکھو یہاں تک کہ حاجی منتشر ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ملاقات کے لیے وہ رات تجویز کی جس کی صبح کو حاجی منیٰ سے روانہ ہو جاتے ہیں اور مقام عقبہ کا نشیبی حصہ مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ کسی سوتے کو جگانا نہیں اور کسی غائب کا انتظار نہ کرنا۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۲۲۱)

تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ جب یہ لوگ رات کی تاریکی میں لوگوں کی آنکھوں سے چھپتے چھپاتے دو دو چار چار کر کے طے شدہ مقام پر پہنچے تو سرکارِ دو عالم ﷺ کو سیدنا عباس بن عبد المطلبؓ کے ہمراہ وہاں موجود پایا۔ سیدنا عباسؓ نے ابھی تک اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا (جبکہ ان کے گھر میں اسلام داخل ہو چکا تھا اور ان کی زوجہ محترمہ ام الفضلؓ اور گھر کے دوسرے افراد اسلام قبول کر چکے تھے) لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ ان پر اعتماد کرتے تھے۔ وہ اس لیے اس نازک موقع پر آئے تھے تاکہ حضورؐ کے مدینہ جانے سے پہلے ہر لحاظ سے بات پختہ کر لیں۔ چنانچہ سب سے پہلے بات انہوں نے شروع کی۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس کو بولنا ہے، مختصر بولے اور بات کو طول نہ دے کیونکہ مشرکین کے جاسوس تمہاری کھوج میں ہیں"۔

اب سیدنا عباسؓ نے گفتگو کی ابتدا کرتے ہوئے فرمایا:

"خزرج کے لوگو! (اوس اور خزرج کے اکٹھے لوگوں کو خزرج کہا جاتا تھا) محمد ﷺ ہمارے ہاں جو حیثیت رکھتے ہیں، وہ تم سب حضرات کو معلوم ہے۔ جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا، ان کے مقابلہ میں ہم (بنی ہاشم بنی مطلبؓ) نے ان کی حمایت و حفاظت کی ہے۔ اس لیے وہ اپنی قوم میں مضبوط حیثیت اور اپنے شہر میں محفوظ مقام رکھتے ہیں، لیکن وہ تمہارے ہاں جانے کے سوا اور کسی بات پر راضی نہیں ہیں۔ اب اگر تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ تم اس عہد و پیمان کو پورا کرو گے جس کے ساتھ تم انہیں مدعو کر رہے ہو اور ان کے مخالفین کے مقابلے میں ان کی حفاظت کرو گے تو جو ذمہ داری تم اپنے اوپر اٹھا رہے ہو، اسے اٹھا لو۔ لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم انہیں اپنے پاس لے جانے کے بعد ان کا ساتھ چھوڑ کر کنارہ کش ہو جاؤ گے تو پھر ابھی سے انہیں چھوڑ دو کیونکہ وہ اپنی قوم میں مضبوط حیثیت اور محفوظ مقام رکھتے ہیں"۔

سیدنا کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے سیدنا عباسؓ سے کہا "آپ کی بات ہم نے سن لی، اب

Marfat.com

یارسول اللہ! آپ ارشاد فرمائیں اور جو عہد و پیمان ہم سے اپنے لیے اور اپنے اللہ کے لیے لینا چاہیں' لے لیں"۔

سیدنا کعب بن مالکؓ کے جواب سے عیاں ہوتا ہے کہ اس ذمہ داری کو اٹھانے کا ان میں ایک عزم محکم اور ولولہ پایا جاتا تھا اور ان میں آپؐ کی حفاظت کے اس بار کو اٹھانے کا جوش اور اخلاص دونوں موجود تھے۔ کتنے خوش نصیب تھے وہ لوگ جو نبوت کی حفاظت کی گراں بار ذمہ داری اٹھا رہے تھے کیونکہ ان نازک حالات میں حضور ﷺ کو اپنے ہاں لے جانا گویا پورے جزیرہ عرب سے دشمنی مول لینے کے مترادف تھا۔ سیدنا کعب بن مالکؓ کا یہ جواب سن کر حضور ﷺ کتنے خوش ہوئے ہوں گے اس کا آج کے حالات میں کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے اب سردار دو عالم ﷺ خود اٹھے قرآن حکیم کی تلاوت فرمائی' اللہ کی طرف دعوت دی۔ اسلام کی رغبت دلائی اور اس کے بعد فرمایا:

"میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حمایت و حفاظت کرو گے جس طرح خود اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہو"۔

سیدنا جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! ہم کس بات پر آپ سے بیعت کریں؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ "اس بات پر کہ تم اچھے اور برے ہر حال میں حکم سنو گے اور مانو گے۔

۲۔ خوش حالی اور بد حالی دونوں میں مال خرچ کرو گے۔

۳۔ نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔

۴۔ اللہ کے معاملہ میں حق بات کہو گے اور اس بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ہرگز خوف نہیں کھاؤ گے۔

۵۔ جب میں تمہارے پاس آؤں تو تم ہر اس شے سے میری حفاظت کرو گے جس سے اپنی جانوں اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہو"۔ ("مسند احمد" جلد ۵ ص ۳۲۵)

ڈاکٹر حمید اللہ نے ابن قدامہ کے حوالے سے مندرجہ ذیل روایت اس بارہ میں نقل کی ہے کہ آپؐ نے ان بیعت کرنے والوں کو فرمایا:

"اس بات پر میری بیعت کرو کہ تم ہر حالت میں میرا ہر حکم سنو گے اور اس کی تعمیل کرو گے اور تنگی و خوشی اور خوشحالی اور بد حالی' دونوں میں اپنا مال خرچ کرو گے۔ لوگوں کو نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے اور اللہ کی رضا کے لیے حق بات کہو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہیں لاؤ گے۔ نیز جب میں تمہارے پاس آؤں تو تم میری مدد کرو گے' اور حملہ آور دشمن سے جس طرح تم اپنی جانوں اور اپنے اہل و عیال کی

Marfat.com

حفاظت کرتے ہو اسی طرح میری بھی حفاظت کرو گے۔ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرمائے گا"۔ (الوثائق السیاسیہ للعہد النبوی، ص ۴۸)

اگر تم ان سب باتوں پر کاربند رہو گے تو اس کے بدلے میں تمہارے لیے جنت ہے۔

سیدنا کعب بن مالکؓ والی روایت میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے اس فرمان کو سن کر سیدنا براء بن معرورؓ نے حضور ﷺ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا:

"اے اللہ کے رسول! اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم آپ کی ہر اس چیز سے حفاظت کریں گے جس سے ہم خود اپنی جان اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسول! ہم سے بیعت لیجیے، ہم جنگ آزما لوگ ہیں، ہم نے اپنے باپ دادا سے اس کو وراثت میں پایا ہے"۔

سیدنا براءؓ آپ سے یہ بات کر ہی رہے تھے کہ ابو الہیثم بن التیہانؓ نے درمیان سے بات کاٹ کر کہا "یا رسول اللہ! ہمارے اور دوسرے لوگوں (یعنی یہود) کے درمیان حلیفانہ تعلقات ہیں، جن کو اب ہم منقطع کرنے والے ہیں، اس کے بعد کہیں ایسا تو نہ ہو گا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرما دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم اور قبیلہ میں واپس تشریف لے جائیں؟" سرکارِ دو عالم ﷺ نے مسکرا کر جواب دیا "بالکل نہیں بلکہ اب خون کے ساتھ خون اور قبر کے ساتھ قبر ہے (یعنی میرا مرنا اور جینا اب تمہارے ساتھ ہے) میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو جس سے تمہاری لڑائی اس سے میری لڑائی اور جس سے تمہاری صلح اس سے میری صلح (احارب من حاربتم واسالم من سالمتم)

سیدنا جابر بن عبد اللہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے جب فرمایا کہ "اس کے بدلے میں تمہارے لیے جنت ہے، اس پر ہم اٹھ کر آپ کی طرف بڑھے اور آپ کا ہاتھ جماعت کے سب سے کم سن اسعد بن زرارہؓ نے اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا:

"اے اہلِ یثرب ٹھہرو، ہم اپنے اونٹ دوڑاتے ہوئے ان کے پاس اس کے سوا کسی اور وجہ سے نہیں آئے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور آج ان کو نکال کر اپنے ساتھ لے جانا تمام جزیرۂ عرب کی دشمنی مول لینا ہے۔ اس کے نتیجے میں تمہارے نونہال قتل ہوں گے اور تلواریں تمہارا خون چاٹیں گی، لہٰذا اگر تم ان سب چیزوں کو برداشت کرنے کی طاقت اور قوت اپنے اندر پاتے ہو تو ان کا ہاتھ تھام لو اور تمہارا اجر اللہ کے ذمہ ہے، لیکن اگر تمہیں اپنی جانوں کا خوف ہے تو پھر ابھی سے اس معاملہ کو خیرباد کہہ دو اور صاف صاف معذوری کا اظہار کر دو کیونکہ اس وقت معذوری کا اظہار کر دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ قابلِ قبول ہو گا"۔

سیدنا اسعد بن زرارہؓ کے جرأت مندانہ کلمات سن کر سب لوگوں نے کہا "اسعدؓ ہمارے راستہ سے ہٹ جاؤ۔ خدا کی قسم! ہم اس بیعت کو کسی صورت نہیں چھوڑیں گے اور نہ اس سے ہاتھ کھینچیں گے"۔اس کے بعد موجود سب حضرات نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ سیدنا جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ "ہم لوگ ایک ایک کر کے اٹھے اور آپؐ نے ہم سے بیعت لی اور اس کے بدلہ میں جنت کی بشارت دی۔ دو عورتوں نے صرف زبانی بیعت کی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت سے ہاتھ نہیں ملایا"۔("مسلم" جلد ۲، ص ۱۳۱)

سیدنا عباسؓ کا بیان ہے کہ سب سے پہلے بیعت اسعد بن زرارہؓ نے کی (یہی سیدنا اسعد بن زرارہؓ سیدنا مصعب بن عمیرؓ کے ساتھ مل کر مدینہ طیبہ میں اسلام کے سب سے بڑے مبلغ تھے۔ ان کا ذکر پچھلے صفحات میں آ چکا ہے) پھر براء بن معرورؓ نے پھر سیدنا اسید بن حضیرؓ نے۔("زرقانی" جلد ۱، ص ۳۱۷)

اس سلسلہ میں طبری اور ابن ہشام نے محمد ابن اسحاق سے ایک روایت نقل کی ہے کہ بیعت کے موقع پر عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاریؓ نے کہا:

"اے گروہ خزرج! کچھ جانتے بھی ہو کہ اس ہستی سے تم کس بات پر بیعت کر رہے ہو؟" سیدنا عباس بن عبادہؓ نے اپنی بات پر زور دینے اور اس بیعت کو پختہ کرنے کی غرض سے) کہا "تم گورے اور کالے سب سے لڑنے کے لیے بیعت کر رہے ہو یعنی یہ بیعت کر کے تم دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو۔ اب اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ جب تمہارے مال تباہی کے دہانے پر اور تمہارے اعیان و اشراف ہلاکت کے بھنور میں پھنس جائیں تو تم انہیں دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو بہتر یہ ہے کہ آج ہی سے انہیں چھوڑ دو کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا و آخرت کی رسوائی ہو گی۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ جس عہد و پیمان کے ساتھ تم اس ہستی کو اپنے ہاں دعوت دے رہے ہو، اسے اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اعیان و اشراف کی ہلاکت کے باوجود نباہ سکو گے تو پھر بے شک ان کا ہاتھ تھام لو، کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا و آخرت کی بھلائی ہے"۔

تمام حاضرین نے بالاتفاق اور یک زبان ہو کر کہا کہ "ہم انہیں لے کر اپنے اموال کو تباہی و بربادی اور اپنے اعیان و اشراف کو ہلاکت کے بھنور میں ڈالنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہیں۔ خدا کی قسم ہم اس بیعت کو چھوڑنے کے لیے کسی صورت تیار نہیں"۔ اس کے بعد لوگوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! اگر ہم اپنے اس عہد و پیمان کو پورا کر دکھائیں تو ہمارے لیے کیا ہے؟" آپ نے فرمایا "جنت" اس بارہ میں ابن سعد نے معاذ بن رفاعہ بن رافعؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ سے جنہوں نے چند

Marfat.com

گھنٹے پہلے اسلام قبول کیا تھا، اسی طرح کی ایک بڑی زبردست تقریر نقل کی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۴۴۳-۴۴۶، "عیون الاثر" جلد ۱، ص ۱۷۲-۱۸۲، "فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۰۴، "زرقانی" جلد ۱، ص ۳۱۷، "البدایہ و النہایہ" جلد ۳، ص ۱۵۸-۱۶۵، "مختصر السیرۃ" ص ۱۵۵، "طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۲۲۱-۲۲۳، "مسند احمد" جلد ۳، ص ۲۰۱، سنن کبریٰ بیہقی، جلد ۹، ص ۹، مستدرک حاکم، جلد ۲، ص ۶۲۴)

ایسے مشکل حالات میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا اپنے آپ کو ایک متنازعہ صداقت کے حوالے کرنا، اپنا سب کچھ اس طرح ایک غیر قائم شدہ حق کو سونپ دینا اتنا انوکھا واقعہ ہے کہ وہ اجتماعی سطح پر تاریخ میں صرف ایک ہی بار پیش آیا ہے۔ نہ اس سے کبھی پہلے آیا اور نہ اس کے بعد۔

یہ انصار مدینہ کی فداکاری اور جاں نثاری تھی کہ مدینہ کا ہر قبیلہ اس بات پر فخر کرتا تھا کہ آپ ؐ کے ہاتھ پر پہلے میرے قبیلے کے آدمی نے بیعت کی۔ ان میں اللہ کی راہ میں مسابقت کا جذبہ اس قدر پختہ اور زبردست تھا کہ ان میں یہ بحث چل پڑی کہ ہم میں سے کس کو سب سے پہلے آپ ؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا شرف حاصل ہوا۔ بنو النجار کا دعویٰ تھا کہ اولین بیعت کرنے والے ہمارے آدمی اسعد بن زرارہؓ تھے۔ بنو عبدالاشہل کا دعویٰ تھا کہ یہ شرف ہمارے آدمی ابوالہیثم بن التیہانؓ کو حاصل ہوا اور وہ کعب بن مالکؓ تھے۔ طبقات ابن سعدؒ میں ہے کہ اہلِ مدینہ کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں اس بات پر تفاخر ہوا کہ بیعت میں سبقت کرنے والا اوسی تھا یا خزرجی۔ یہاں تک کہ معاملہ سیدنا عباس بن عبدالمطلبؓ کے پاس فیصلہ کے لیے گیا کیونکہ ان سے زیادہ اس واقعہ سے اور کوئی واقف نہ تھا۔ وہ اس بیعت میں خاص طور پر آپ ؐ کے ساتھ اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال کر گئے تھے۔ چنانچہ اوس اور خزرج کے لوگ ان کے پاس اس معاملہ کی تحقیق کے لیے گئے۔ انہوں نے فرمایا "سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے والے پہلے شخص اسعد بن زرارہؓ تھے، پھر براء بن معرورؓ اور پھر اسید بن حضیرؓ۔

یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ نبوت کے گیارہویں سال حج کے موقع پر یثرب کے قبیلہ خزرج کے چھ آدمی مکہ آئے۔ انہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور واپس جا کر اپنی بستی میں اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ اگلے سال بارہ آدمیوں نے آکر بیعت کی جو بیعت عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے۔ پھر اگلے سال اس تعداد میں خاصا اضافہ ہوا اور یثرب کے ۷۵ لوگ مکہ آئے اور آپ کی بیعت کی۔

دو سال میں اتنے لوگوں کا دائرہ اسلام میں داخل ہونا ایک نہایت حیرت انگیز بات ہے جبکہ مکہ میں ۱۳ سال کے طویل عرصہ میں چند لوگ مسلمان ہوئے۔ مدینہ میں اسلام کے تیزی سے پھیلنے کی وجہ یہ ہوئی کہ پہلے ہی مرحلہ میں وہاں کے ممتاز لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (اسلم اشرافھم) چونکہ یہ قبائلی

دور تھا اور قبائل میں یہ رواج تھا کہ سردار قبیلہ کا جو مذہب ہوتا تھا وہی پورے قبیلے کا مذہب ہوتا تھا۔ اس لیے مدینہ میں بہت تیزی سے اسلام پھیلنے لگا حتیٰ کہ کوئی گھر نہ بچا جس میں اسلام داخل نہ ہو گیا۔ اسی طرح جب مدینہ کی آبادی میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گئی تو فطری طور پر وہی بستی میں سب سے زیادہ بااثر ہو گئے۔

Marfat.com

بارہ نقیب

جب سب حضرات بیعت کر چکے اور اس بیعت کا صاف مطلب یہ تھا کہ ایک چھوٹا سا قصبہ اپنے آپ کو پورے ملک کی تلواروں اور معاشی، معاشرتی اور تمدنی بائیکاٹ کے مقابلہ میں پیش کر رہا ہے تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب فرمائے تھے۔ اسی طرح میں بھی جبرئیل کے اشارہ سے تم میں سے بارہ نقیب مانگتا ہوں جو اپنے اپنے قبیلہ کے ذمہ دار ہوں۔ اس ارشاد نبوی کی تعمیل میں سب نے بارہ آدمی تجویز کیے۔ ۹ خزرج میں سے اور تین اوس میں سے، جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسعد بن زرارہؓ (ان کو حضور ﷺ نے نقیب النقباء مقرر فرمایا)

۲۔ سعد بن الربیعؓ (یہ زمانہ جاہلیت میں اہلِ مدینہ کے پڑھے لکھے لوگوں میں سے تھے)

۳۔ عبداللہ بن رواحہ (یہ بھی پڑھے لکھے لوگوں میں سے تھے)

۴۔ براء بن معرورؓ (یہ سب سے زیادہ سن رسیدہ تھے۔ حضور ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے ایک ماہ قبل وفات پا چکے تھے۔ حضورؐ نے ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی)

۵۔ رافعؓ بن مالکؓ (زمانہ جاہلیت میں ''کامل'' کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے)

۶۔ عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ (یہ بیعت عقبہ ثانیہ کی رات ہی ایمان لائے تھے)

۷۔ عبادہ بن الصامتؓ

۸۔ منذر بن عمروؓ (یہ بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے)

۹۔ سعد بن عبادہؓ (یہ بھی زمانہ جاہلیت میں ''کامل'' کے لقب سے مشہور تھے)

قبیلہ اوس میں سے تین نقیب حسب ذیل تھے:

۱۰۔ اسید بن حضیرؓ

Marfat.com

۱۱۔ سعد بن خیثمہؓ

۱۲۔ رفاعہ بن عبد المنذرؓ (بعض لوگوں نے ان کی جگہ ابو الہیثم بن التیہان کا نام لکھا ہے)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "ابن ہشام" جلد ۲، ص ۱۸۴، "تاریخ الاسلام" ذہبی، جلد ۱، ص ۲۹۱، "طبری" جلد ۲، ص ۳۵۳-۳۵۶؛ "طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۲۲۰، "دلائل النبوۃ" جلد ۲، ص ۱۶۹-۱۷۳، "نہایۃ الادب" جلد ۶، ص ۳۱۰-۳۱۱، "الدرر فی اختصار المغازی والسیر لابن عبد البر" جلد ۹، ص ۱۵۹، "عیون الاثر" جلد ۱، ص ۱۵۶، "مسند احمد" جلد ۵، ص ۳۲۳)

نقباء کا تعارف

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے یہ لوگ اپنی قوم کے عقلاء الرجال تھے۔ دل میں درد اور نیتوں میں اخلاص رکھتے تھے۔ اس کے بعد کے دور میں انہوں نے اسلام کی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ لہٰذا ذیل میں ان کا مختصر سا تعارف فائدہ سے خالی نہیں ہو گا۔

۱۔ **سیدنا اسعد بن زرارہؓ** ان کی کنیت ابو امامہ تھی اور قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔ اور نجار خاندان سے وابستگی تھی۔ یہ اپنی فطرت سلیمہ کے باعث بعثت نبوی سے قبل ہی توحید خداوندی کے قائل تھے۔

("ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۴۶)

ابن اثیر کے بیان کے مطابق یہ بیعت عقبہ سے قبل ہی مکہ میں عتبہ ابن ربیعہ کے پاس مدد کے لیے آئے۔ لیکن عتبہ نے رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں جو کچھ بیان کیا، اس پر ان کے ساتھی ذکوان نے کہا "دونک بھذا دینک" یعنی جس شے کی تمہیں تلاش تھی وہ موجود ہے اب اس کو اختیار کرو۔ چنانچہ سیدنا اسعدؓ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور دولت ایمان کے شرف سے مشرف ہوئے۔

("اسد الغابہ" جلد ۱، ص ۷۱)

جو جذبہ سرزمین مکہ سے ساتھ لے کر آئے تھے، وہ مدینہ میں ظاہر فرمایا اور دعوت اسلامی کے پرجوش داعی بن گئے۔ آتے ہی ابو الہیثم سے ملے اور ان کو مسلمان کیا۔ ("ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۴۶) اس وجہ سے یہ انصار میں سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں بھی سب سے پہلے آپ ہی بیعت کرنے والے ہیں۔ ان بارہ نقیبوں میں عمر کے لحاظ سے سب سے چھوٹے یہی تھے۔ مدینہ میں نماز جمعہ کا اہتمام بھی سب سے پہلے انہوں نے ہی کیا۔ ("اسد الغابہ" جلد ۱، ص ۷۱)

اسی زمانہ میں انصار نے ایک معلم قرآن کے لیے بارگاہ نبوت میں استدعا کی۔ آپ نے مصعب بن عمیرؓ کو داعی اسلام بنا کر مدینہ بھیجا۔ سیدنا اسعدؓ نے انہیں اپنے گھر میں مہمان رکھا۔ ("ابن سعد" جلد ۳، ص ۸۳) ہجرت نبوی کے وقت اگرچہ سرکارِ دو عالم ﷺ سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں اترے لیکن

Marfat.com

آپ کی اونٹنی سیدنا اسعد بن زرارہؓ کی مہمان تھی۔ ("ابن سعد" جلد ۱، ص ۸۳)

ابھی مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی کہ پیغام اجل آ گیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ دست مبارک سے سر کو دا غا لیکن روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضورؐ کو ان کی وفات سے سخت صدمہ ہوا۔ جنازہ کی نماز آپؐ نے پڑھائی اور مدینہ میں آپ کی یہ سب سے پہلی نماز جنازہ تھی اور جنت البقیع میں بھی یہ سب سے پہلے مدفون ہیں۔

اسعد بنو نجار کے نقیب تھے۔ ان کے انتقال کے بعد اس خاندان کے چند افراد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ان کی جگہ کسی اور کو نقیب مقرر فرما دیں۔ فرمایا "تم لوگ میرے ماموں ہو اس لیے میں خود تمہارا نقیب ہوں" بنو النجار اس پر ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے۔

("اسد الغابہ" جلد ۱، ص ۷۲)

۲۔ سیدنا سعد بن ربیعؓ: آپ کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ عقبہ اولیٰ میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور عقبہ ثانیہ میں بھی شرکت کی اور اپنے قبیلہ کے نقیب مقرر ہوئے۔ ہجرت کے بعد سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے رشتہ اخوت قائم ہوا اور اپنے مہاجر بھائی کے لیے وہ جوش و خروش دکھایا کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اپنی کل جائیداد کا آدھا مہاجرین میں تقسیم کر دیا۔ اس کے علاوہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی بھی سیدنا عبدالرحمٰنؓ کو پیش کر دی۔ لیکن انہوں نے نہ تو مال قبول کیا اور نہ ہی بیوی بلکہ کہا کہ "مجھے بازار کا راستہ دکھا دو"۔

("اسد الغابہ" جلد ۲، ص ۲۷۷، "الاصابہ" جلد ۳، ص ۷۷)

غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔ لڑائی ختم ہوئی تو آپؐ نے سیدنا سعد بن ربیعؓ کی خبر لانے کے لیے فرمایا۔ ابی بن کعبؓ نے کہا میں جاتا ہوں۔ انہوں نے حضورؐ کا نام لے کر میدان میں آواز دی تو ایک نحیف سی آواز آئی کہ میں مردوں میں ہوں۔ جسم پر بارہ زخم تھے۔ ان کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ حضورؐ کو میرا اسلام عرض کرنا اور انصار مدینہ سے کہنا کہ اگر خدانخواستہ حضور ﷺ شہید ہو گئے اور تم میں سے ایک شخص بھی زندہ رہا تو اللہ تعالیٰ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے کیونکہ تم نے لیلۃ العقبہ میں آپؐ پر فدا ہونے کی قسم کھائی تھی۔ ابی بن کعبؓ ابھی وہیں کھڑے تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ جب حضورؐ کو ان کا یہ پیغام پہنچا تو فرمایا "اللہ سعد پر رحم فرمائے زندگی اور موت دونوں میں اللہ اور رسول کی خیر خواہی پیش نظر رہی"۔ ("اسد الغابہ" جلد ۲، ص ۲۷۸، "الاصابہ" جلد ۳، ص ۷۷)

سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں ان کی صاحبزادی سیدہ ام سعیدؓ سیدنا ابو بکرؓ کی خدمت اقدس میں آئیں تو ابو بکرؓ نے اپنی چادر بچھا کر انہیں بٹھایا۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ فرمایا "یہ اس

شخص کی بیٹی ہے جو مجھ سے اور تم سے بہتر ہے"۔ انہوں نے پوچھا "وہ کیوں؟" فرمایا کہ "وہ حضور ﷺ کے سامنے راہ خدا میں قربان ہوئے اور میں بھی زندہ ہوں اور تم بھی زندہ ہو"۔

("الاصابہ" جلد ۳، ص ۷۷)

۳۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ: کنیت ابو محمد تھی اور شاعر رسول کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ وہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں بڑی منزلت کے حامل تھے۔ لیلتہ العقبہ میں مشرف باسلام ہوئے اور بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے۔ غزوہ بدر کی فتح کی خبر اہلِ مدینہ کے لیے یہی لائے تھے۔ حدیبیہ اور بیعت الرضوان میں بھی موجود تھے۔ خیبر کی فتح کے بعد حضور ﷺ نے انہیں پھلوں کا اندازہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔

عمرۃ القضاء میں یہ حضور ﷺ کے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے ۔

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ اليوم نضر بكم على تنزيلہ

"کافرو! ان کے راستہ سے ہٹ جاؤ۔ آج ہم تلوار کے زور سے اپنے آقا کو یہاں اتاریں گے"۔

ضربا یزیل الهام عن مقیلہ و یذهل الخلیل عن خلیلہ

"ہماری تلوار کی ضرب ایسی ہوگی جو کھوپڑیوں کو گردنوں سے اڑا دے گی اور دوست کو دوست سے جدا کر دے گی"

جب وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے تو سیدنا عمرؓ نے کہا کہ خدا کے حرم اور اللہ کے رسول کے روبرو یہ اشعار پڑھتے ہو۔ یہ سن کر سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا "عمر! میں سن رہا ہوں اللہ کی قسم! ان کا کلام کافروں پر تیرو نشتر سے زیادہ کام کرتا ہے"۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم یہ کہو:

لا الہ الا اللہ وحدہ، نصر عبدہ و اعز جندہ و ھزم الاحزاب وحدہ

سیدنا عبداللہ بن رواحہ نے تمام صحابہ کرامؓ کے ساتھ آواز ملا کر اس کو پڑھا جس سے مکہ کے تمام پہاڑ گونج اٹھے۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۸۸)

سنہ ۸ھ میں غزوہ موتہ میں شریک ہوئے۔ اس میں سیدنا جعفر طیارؓ کی شہادت کے بعد امیر لشکر بنے اور رجز پڑھتے ہوئے میدان میں لڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔

آپ سرکارِ دو عالم ﷺ کے کاتب اور شاعر تھے۔ چنانچہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ:

"دربار نبوی کے شعراء حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ تھے۔ کعب ابن مالکؓ کافروں کو لڑائی سے ڈراتے تھے۔ حسان بن ثابتؓ حسب و نسب پر چوٹ

Marfat.com

کرتے تھے اور عبداللہ بن رواحہؓ ان کو کفر کی عار دلایا کرتے تھے"۔

("اسد الغابہ" جلد ۴، ص ۲۴۸)

جہاد کا نہایت شوق تھا۔ بدر سے موتہ تک ایک بھی غزوہ ترک نہ ہوا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ:

"عبداللہ بن رواحہؓ غزوے میں سب سے پہلے جاتے اور سب سے آخر میں واپس ہوتے"۔ ("الاصابہ" جلد ۴، ص ۶۶)

محبت رسولؐ میں سرشار تھے اور اسی وجہ سے آپ کی نعت میں شعر کہا کرتے تھے۔

۴۔ **سیدنا رافع بن مالکؓ:** ابو مالک اور ابو رفاعہ کنیت تھی۔ قبیلہ خزرج کے ۶ آدمی جو عمرہ کی غرض سے مکہ گئے تھے اور حضورؐ کی تبلیغ سے مشرف باسلام ہوئے۔ ان میں پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کر کے جو مدینہ واپس لوٹے تو اسلام کی دعوت میں جٹ گئے اور پھر "کوئی گھر نہ تھا جہاں رسول اللہ ﷺ کا ذکر خیر نہ ہوتا ہو۔" ("اسد الغابہ" جلد ۴، ص ۱۵۷)

صرف دو غزوات میں شرکت کی (محمد ابن اسحاق نے ان کو اصحاب بدر میں شمار نہیں کیا) غزوہ بدر کے بعد شوال ۳ھ میں غزوہ احد ہوا۔ سیدنا رافع نے اس میں شرکت کی اور شہادت پائی۔

۵۔ **سیدنا براء بن معرورؓ:** یہ بھی بیعت عقبہ کے شرکاء میں سے تھے۔ پھر مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ یہ سب سے پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ حضور ﷺ ابھی ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تھے کہ ان کی وفات ہو گئی مگر وفات کے وقت وصیت کر دی کہ ترکہ کا ایک ثلث سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے صاحب خیر ہیں جنہوں نے تہائی ترکہ کی وصیت کی۔

۶۔ **سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ:** کنیت ابو جابر تھی اور خزرج کی شاخ بنی سلمہ سے تعلق تھا۔ اور قبیلہ سلمہ میں نہایت ممتاز شخص تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے روز اسلام میں داخل ہوئے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا فخر حاصل کیا۔ آپؐ نے انہیں بنو سلمہ کا نقیب مقرر فرمایا۔ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ غزوہ بدر میں شرکت سے محروم رہے۔ پھر احد میں شہادت پائی۔ بخاری میں ہے کہ غزوہ احد کا وقت آیا تو رات اپنے بیٹے جابرؓ کو بلایا اور فرمایا بیٹا! میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس غزوہ احد میں سب سے پہلے میں شہید ہوں گا۔ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے زیادہ تم محبوب ہو۔ تم کو میں اپنے گھر میں چھوڑتا ہوں۔ اپنی بہنوں سے اچھا برتاؤ کرنا اور میرے پر جو قرض ہے، اس کو ادا کر دینا"۔ ("بخاری" جلد ۱، ص ۱۸۰)

Marfat.com

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور معرکہ احد میں سب سے پہلے وہی شہید ہوئے۔ لاش کا مثلہ کیا گیا۔ جب دفن کرنے کو لے چلے تو بہن نے جس کا نام فاطمہ تھا، رونا شروع کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم روؤ یا نہ روؤ۔ جب تک جنازہ رکھا گیا، فرشتے پروں سے سایہ کیے ہوئے تھے۔ ("بخاری" جلد ۱، ص ۱۲۶، "مسلم" جلد ۲، ص ۳۴۷) چھ ماہ کے بعد سیدنا جابرؓ نے اس قبر سے نکال کر دوسری قبر میں دفن کیا۔ کان کے سوا تمام جسم سالم تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ابھی دفن ہوئے ہیں۔ ("بخاری" جلد ۱، ص ۸۰)

سیدنا جابرؓ تو شہید ہو گئے۔ ایک یہودی کا قرض تھا۔ خیال تھا کہ باغ کے پھل سے قرض ادا نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا یہودی کچھ اب وصول کر لے اور کچھ بعد میں، مگر یہودی راضی نہ ہوا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے سفارش فرمائی پھر بھی وہ راضی نہ ہوا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ باغ میں تشریف لے گئے۔ توڑی ہوئی کھجوروں کے ڈھیر پڑے تھے۔ انہیں ایک نظر سے دیکھا پھر حکم دیا کہ تمام قرض ادا کر دو۔ حضور ﷺ کی برکت تھی کہ تمام قرض ادا ہو گیا اور کھجوروں کے ڈھیر بھی اسی طرح رہے۔

۷۔ **سیدنا عبادہ بن الصامتؓ:** کنیت ابو الولید تھی اور قبیلہ خزرج کے خاندان بنو سالم سے تعلق تھا۔ اہلِ مدینہ تین سال تک مدینہ سے مکہ آئے تھے۔ وہ ان سب وفدوں میں شامل تھے۔ عنفوان شباب ہی میں آپ کے ہاتھ پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ دوسری بیعت عقبہ میں حضورؐ نے بنو قوافل کا نقیب مقرر فرمایا۔

ابتداء ہی سے زندگی ولولہ انگیز تھی۔ کئی لوگوں کو مسلمان کیا۔ آپؐ نے ابو مرثد غنوی کو ان کا بھائی مقرر فرمایا۔ غزوہ بدر میں شرکت فرمائی۔ بیعت الرضوان میں بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔

سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی خلافتوں میں نہایت اعلیٰ مناصب پر رہے۔ تادم مرگ شام میں سکونت پذیر رہے۔ ۳۴ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

۸۔ **سیدنا سعد بن عبادہؓ:** کنیت ابو ثابت و ابو قیس تھی اور لقب "سید الخزرج" قبیلہ خزرج کے ساعدہ خاندان سے تعلق تھا۔ جاہلیت میں "کامل" کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ لکھنے پڑھنے میں اس غیر تعلیم یافتہ معاشرہ میں، بڑے ماہر تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول کیا۔ جس وقت سرکارِ دوعالم ﷺ رات کی تاریکی اور سناٹے میں مکہ سے باہر انصار سے بیعت لے رہے تھے، جبل ابو قبیس پر کوئی شخص چیخ چیخ کر یہ کہہ رہا تھا "دیکھنا سعد مسلمان ہوئے تو محمد ﷺ بالکل نڈر ہو جائے گا"۔ جنگ بدر میں شرکت نہ فرما سکے لیکن حضور ﷺ نے مال غنیمت میں حصہ لگایا اور اصحاب بدر میں شامل تصور کیا۔

("فتح الباری" جلد ۷، ص ۲۲۴)

کئی غزوات میں شرکت فرمائی۔ غزوہ خندق میں انصار کا علم انہی کے ہاتھ میں تھا۔ غزوہ خیبر میں

بھی تین جھنڈوں میں ایک جھنڈا ان کے پاس تھا۔ ایسے ہی فتح مکہ کے روز بھی حضور ﷺ کا جھنڈا ان کے پاس تھا۔

انصار میں دو شخص تمام قوم کے سردار تسلیم کیے جاتے تھے۔ ایک سعد بن عبادہؓ اور دوسرے سعد بن معاذؓ۔ سعد بن معاذؓ عہد نبوت میں داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ جو انصار کا دارالندوہ تھا' ان کی ذاتی ملکیت تھا۔ حضور ﷺ نے ان کے گھر کو "بیت جود" فرمایا۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔

سیدنا ابو بکرؓ کی خلافت کی بیعت نہیں کی مگر مخالفت بھی نہیں کی بلکہ وطن چھوڑ کر شام تشریف لے گئے۔ (ایک روایت میں ہے کہ بیعت کرلی تھی) ۱۵ھ میں وفات پائی۔ کسی نے مار کر غسل خانہ میں ڈال دیا تھا۔ گھر کے لوگوں نے دیکھا تو بالکل جان نہ تھی۔ تمام جسم نیلا پڑ گیا تھا۔ قاتل کی بہت تلاش کی لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ کو کسی جن نے قتل کیا ہے۔

۹۔ **سیدنا منذر بن عمرو بن خنیسؓ:** قبیلہ خزرج کے خاندان ساعدہ سے تعلق تھا۔ عقبہ ثانیہ میں بیعت فرمائی اور اپنے قبیلہ کے نقیب مقرر ہوئے۔ احد کے چار ماہ بعد صفر کے مہینہ میں انصار کے ستر قراء جو اشاعت اسلام کے لیے نجد جا رہے تھے' ان کے سردار اور امیر تھے۔ بئر معونہ پہنچے تھے کہ رعل و ذکوان کے سواروں نے گھیر لیا اور سب کو قتل کر دیا۔ منذرؓ باقی رہ گئے۔ ان سے کہا گیا' درخواست کرو تو تم کو امان دی جائے لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا اور لڑ کر شہید ہو گئے۔ جاہلیت میں عربی لکھتے تھے۔ ("اسد الغابہ" جلد ۴' ص ۴۱۸) اس وجہ سے مبلغین کے امیر بنائے گئے۔

۱۰۔ **سیدنا اسید بن حضیرؓ:** اوپر جن حضرات کے حالات بیان کیے گئے ہیں' وہ سب قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ ان نقیبوں میں تین حضرات قبیلہ اوس کے تھے جن میں ایک سیدنا اسید بن حضیر تھے۔ یہ قبیلہ اوس کے خاندان اشہل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد حضیر قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ اوس اور خزرج کے درمیان لڑائی "جنگ بعاث" میں سپہ سالاری کا علم انہی کے ہاتھ میں تھا۔

بیعت عقبہ کے بعد جب سیدنا مصعب بن عمیرؓ دعوت اسلام کے لیے مدینہ طیبہ تشریف لائے' اس وقت تک سیدنا اسیدؓ مسلمان نہ ہوئے تھے۔ سعد بن معاذؓ اور اسعد بن زرارہؓ ان کی اور سیدنا مصعبؓ کی کوششوں کی وجہ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور عقبہ ثانیہ کی بیعت میں شریک ہوئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں عبدالاشہل کا نقیب مقرر فرمایا۔

غزوات میں بدر کی شرکت میں اختلاف ہے۔ احد میں شریک ہوئے اور زخمی ہوئے۔ غزوہ احزاب میں دو سو آدمی لے کر خندق کی حفاظت کی۔ غزوہ حدیبیہ سے ایک سال قبل ابو سفیان نے حضور

Marfat.com

ﷺ کے قتل کرنے کو ایک آدمی بھیجا تھا۔ اس نے چھوٹا سا خنجر کمر میں رکھا تھا اور رسول اللہ ﷺ کو پوچھتا ہوا عبدالاشہل کی مسجد میں پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی صورت دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ دھوکا دینے آیا ہے۔ وہ قتل کے ارادہ سے آپ کی طرف بڑھا۔ سیدنا اسیدؓ نے لنگی پکڑ کر کھینچا جس سے خنجر گر پڑا۔ انہوں نے نہایت مضبوطی سے اس کا گریبان پکڑ لیا اور بھاگنے نہ دیا۔

فتح مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ان کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ حضور ﷺ ان کے اور سیدنا ابو بکرؓ کے درمیان تھے۔ ("مسلم" جلد ۲، ص ۹۶)

سرکارِ دو عالم ﷺ کے انتقال کے بعد بیعت سقیفہ بنی ساعدہ میں نہایت نمایاں حصہ لیا اور اپنے قبیلہ اوس کو ابو بکرؓ کی بیعت کے لیے کہا۔ ("طبری" جلد ۲، ص ۱۸۴۳)

۲۱ھ میں سیدنا فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں انتقال فرمایا اور چار ہزار درہم قرض چھوڑا۔ سیدنا عمرؓ کو اس کے ادا کرنے کی وصیت کی جو انہوں نے ۴ برس میں ان کے باغ کے پھلوں کو فروخت کر کے ادا کر دیا۔ فرماتے تھے میں اپنے بھائی کے بچوں کو محتاج نہیں دیکھنا چاہتا۔ وارثان میں شاید ایک ہی لڑکا تھا جس کا نام یحییٰ تھا۔ ("بخاری" جلد ۲، ص ۵۰۷)

جتنا عرصہ زندہ رہے، اسلام میں بڑی عظیم الشان خدمات سرانجام دیں۔ انہی خدمات کی وجہ سے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا "نعم الرجل اسید بن حضیر" اور سیدہ عائشہ صدیقہ فرمایا کرتی تھیں کہ اسیدؓ صحابہ کرامؓ کے بہترین اور برگزیدہ لوگوں میں داخل تھے۔

۱۱۔ سیدنا سعد بن خیثمہؓ: ابو خیثمہ کنیت اور خیر لقب تھا۔ والد کا نام خیثمہ تھا جو صحابی تھے اور غزوہ احد میں شہادت کے منصب سے سرفراز ہوئے۔ اوس کے قبیلہ سے تعلق تھا۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں بنی عمرو بن عوف کے نقیب مقرر ہوئے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو اولاً آپ نے قبیلہ عمرو بن عوف کے ہاں قبا میں سیدنا کلثوم بن الہدمؓ کے گھر میں قیام فرمایا۔ اس دوران لوگوں سے ملاقات کے لیے سیدنا سعد بن خیثمہؓ کا مکان تجویز فرمایا۔

غزوہ بدر میں شرکت کا ارادہ کیا تو عجیب واقعہ پیش آیا۔ باپ خیثمہؓ نے فرمایا کہ ہم میں سے ایک آدمی کو گھر میں رہنا چاہیے۔ اس وجہ سے تم گھر میں رہو اور میں جہاد پر جاتا ہوں۔ بیٹے نے جواب دیا "اباجان! اگر جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو آپ کو ترجیح دیتا" لہٰذا میں خود جاؤں گا اور امید ہے اللہ تعالیٰ شہادت عطا فرمائے گا"۔ باپ خود جانے پر مصر تھا۔ آخر بات قرعہ پر ختم ہوئی۔ قرعہ بیٹے (سیدنا سعدؓ) کے نام نکلا۔ باپ نے بیٹے سے اپیل کی کہ اپنا حق مجھے دے دیں لیکن جس دماغ میں شہادت کا خیال

Marfat.com

موجزن ہو، وہ اپنا حق کیسے دے سکتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر میں گئے اور طعیمہ بن عدی ایک مشرک کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔ باپ جنگ احد میں گئے اور شہید ہو گئے۔

۱۲۔ سیدنا رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ: کنیت ابولبابہ تھی اور اپنی کنیت ہی سے مشہور تھے۔ قبیلہ اوس سے تعلق تھا۔ غزوہ بدر میں شرکت کی اور خاص امتیاز حاصل کیا۔ ہر اونٹ پر تین تین آدمی سوار تھے۔ شہنشاہ کون و مکان ﷺ کا مرکب ہمایوں بھی وہی تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اسی پر تھے۔ مدینہ سے ۲ دن کی مسافت پر روماء ایک مقام ہے، وہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے اپنا نائب مقرر فرما کر واپس مدینہ بھیج دیا اور مال غنیمت میں سے مجاہدین کے برابر حصہ مرحمت فرمایا۔

اسی طرح غزوہ قینقاع اور غزوۂ سویق میں بھی آپ نے انہی کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا۔ غزوہ بنی قریظہ میں یہودیوں نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ کے لیے بلایا کیونکہ بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ یہ پہنچے تو یہودیوں کے بچے اور عورتیں روتے ہوئے باہر نکل آئے۔ یہ عجیب دردناک منظر تھا۔ اس کو دیکھ کر دل بھر آیا۔ انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ تمہیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان لینا چاہیے اور نہ ماننے کی صورت میں گلے کی طرف اشارہ کیا کہ سب غداروں کو قتل کیا جائے گا۔ پھر احساس ہوا کہ راز فاش کر دیا گیا ہے تو پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ وہاں سے اٹھ کر مسجد نبوی آئے اور موٹی اور وزن دار زنجیر سے اپنے کو ایک ستون سے باندھ دیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہ کرے گا اسی طرح بندھا رہوں گا۔

نماز کے وقت ان کی صاحبزادی آ کر کھول دیتی تھیں۔ چھ روز تک اور بعض روایات کے مطابق چودہ پندرہ روز تک اسی طرح بندھے رہے۔ اس عرصہ میں کھانا پینا بالکل ترک تھا۔ کانوں سے بہرے ہو گئے۔ آنکھیں بھی معرض خطر میں پڑ گئیں اور کمزوری اور ناطاقتی کی وجہ سے زمین پر گر گئے۔ اب رحمت الٰہی کے نزول کا وقت آیا۔

سرکارِ دوعالم ﷺ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تھے۔ طلوع فجر سے قبل آیت توبہ اتری تو فرط مسرت سے مسکرا اٹھے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے استفسار پر فرمایا کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہو گئی۔ آپ ﷺ کا اتنا فرمانا تھا کہ مدینہ کے گلی کوچوں میں یہ خبر توبہ مشہور ہو گئی۔ لوگ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو کھولنے کے لیے مسجد میں دوڑے آئے۔ انہوں نے کہا کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک رسول اللہ ﷺ خود نہ کھولیں گے میں نہیں کھلوں گا۔ چنانچہ جب آپ نماز فجر کے لیے تشریف لائے تو خود اپنے دست مبارک سے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو کھولا۔ (تفصیل آگے آ رہی ہے) ("مسند احمد" جلد ۳، ص ۴۵۳)

سنہ ۸ھ میں غزوہ فتح میں بنو عمرو بن عوف کا علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ غزوہ تبوک میں بھی شامل

Marfat.com

ہوئے۔ غزوات نبوی کے بعد عرصہ تک زندہ رہے اور سیدنا علیؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

یہ تو ان نقباء کے مختصر حالات زندگی تھے جنہیں سرکارِ دوعالم ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ میں مختلف قبائل کا نقیب مقرر فرمایا۔ لیکن بیعت عقبہ اولیٰ میں ایک صحابی سیدنا مصعب بن عمیرؓ کو اہل مدینہ کی استدعا پر تعلیم قرآن کے لیے مدینہ طیبہ بھیجا تھا جنہوں نے وہاں گھر گھر میں اسلام اور قرآن کی تعلیمات پہنچائیں۔ لہٰذا ان کے بھی اجمالی حالات بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

سیدنا مصعب بن عمیرؓ

کنیت ابو محمد تھی۔ والد کا نام عمیر اور والدہ کا خناس بنت مالک تھا۔

سیدنا مصعبؓ ایک نہایت حسین و جمیل اور خوبصورت نوجوان تھے۔ خوش رو ہونے کے ساتھ ساتھ خوش لباس اور خوش پوشاک بھی تھے۔ اچھی سے اچھی خوشبو جو اس زمانے میں میسر آسکتی تھی، استعمال فرماتے تھے۔ خود سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مکہ میں مصعبؓ سے زیادہ کوئی حسین و جمیل، خوش لباس اور پروردہ نعمت نہیں ہے"۔ ("ابن سعد" جلد ۳، ص ۸۲)

سلسلہ نسب میں عبد مناف کے بھائی عبد الدار کی اولاد میں سے ہیں۔ علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں لکھا ہے کہ "مصعب ہاشم بن عبد مناف کے پوتے تھے۔ اس سے وہم ہو سکتا ہے کہ یہ ہاشم بن عبد مناف وہی ہیں جو سرکارِ دوعالم ﷺ کے اجداد میں سے ہیں۔ چنانچہ اس وہم کو دور کرنے کے لیے ہم دونوں نسب نامے لکھتے ہیں:

محمد رسول اللہ ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب۔

مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی بن کلاب۔

جس زمانہ میں سرکارِ دوعالم ﷺ دار ارقم میں مقیم تھے، یہ اس زمانہ میں حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ لیکن مکہ کی سرزمین چونکہ اسلام کے نام لیواؤں پر تنگ ہو رہی تھی، اس وجہ سے انہوں نے عرصہ تک اپنے اسلام کو مخفی رکھا لیکن ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کے خاندان والوں کو خبر کردی۔ چنانچہ خاندان والوں نے قید تنہائی کا فیصلہ سنایا۔ ("اسد الغابہ" تذکرہ مصعبؓ)

یہ ایک عرصہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ پھر حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور پھر واپس مکہ تشریف لائے۔

بعد میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی نگاہ جوہر شناس نے انہیں مدینہ منورہ تعلیم قرآن کے لیے بھیجا۔ مدینہ میں یہ سیدنا اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر فروکش ہوئے اور گھر گھر جاکر دعوت اسلام کی خدمت سرانجام دی۔ سیدنا سعد بن معاذؓ اور سیدنا اسید بن حضیرؓ کو انہوں نے ہی مسلمان کیا جس کی تفصیل گزشتہ

Marfat.com

صفحات میں گزر چکی ہے۔ پھر واپس مکہ تشریف لے گئے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے سے ۱۲ روز قبل ہجرت کر کے مستقل طور پر مدینہ منورہ کے ہو رہے۔ ("ابن سعد" جلد ۳، ص ۸۴)

غزوہ بدر میں جماعت مہاجرین کا سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ غزوہ احد میں بھی علمبرداری کا منصب انہی کے پاس تھا۔ لیکن جنگ کی بھگدڑ میں یکہ و تنہا مشرکین کے نرغہ میں پھنس گئے اور کچھ عرصہ لڑنے کے بعد شہید ہو گئے۔

لڑائی کے خاتمہ پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے لاش کے قریب کھڑے ہو کر لاش کو مخاطب کر کے فرمایا:

"میں نے تمہیں مکہ میں دیکھا تھا جہاں تمہارے جیسا حسین و جمیل اور خوش لباس کوئی نہ تھا لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے۔ بے شک اللہ کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو گے"۔

اس کے بعد غازیان دین کو حکم ہوا کہ کشتگان راہ خدا کی آخری زیارت کر کے سلام بھیجیں۔ پھر فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ روز قیامت تک جو کوئی ان پر سلام بھیجے گا وہ اس کا جواب دیں گے"۔

وہ شخص جو مکہ کی سرزمین میں اس قدر خوش پوشاک تھا آج اس شہید اسلام کو کفن تک نصیب نہ تھا۔ لاش پر صرف ایک چادر تھی کہ جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ بالآخر چادر سے منہ چھپایا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈالی گئی۔

("بخاری" جلد ۲، ص ۵۷۸، غزوہ احد)

سیدنا مصعبؓ کی بیوی کا نام حمنہ بنت جحش تھا جو رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ محترمہ زینب بنت جحش کی بہن تھی۔

معاہدہ کا افشاء

بیعت عقبہ ثانیہ میں جن ۷۳ مردوں اور دو عورتوں نے شرکت کی ان کا وہ اجلاس پہاڑ کی گھاٹی میں ریت کے فرش اور چاند کی چاندنی کے سائبان میں ہوا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اس میں مہمان خصوصی تھے۔ یہ اجلاس بہت خفیہ رکھا گیا تھا۔ جانے والے بھی ایک ایک کر کے گئے تھے اور واپسی پر بھی نہایت خاموشی اور بحر سکوت میں ڈوبے ہوئے آئے۔ لیکن ۷۵ آدمیوں کی نقل و حرکت کہاں چھپنے والی تھی۔

لوگوں نے بھانپ لیا۔ صبح طلوع ہوتے ہی قریش مکہ کے کانوں میں اس بیعت کی بھنک پڑ گئی۔ ان کی ایک ٹولی گھبرائی ہوئی اور قدرے سٹپٹائی ہوئی خزرج کے خیموں میں آ کر کہنے لگی "ہم لوگ آپ کے ساتھ جنگ کرنے کے خواہاں تو نہیں، لیکن آپ لوگوں نے محمد ﷺ کے ساتھ ہمارے خلاف جنگ کا معاہدہ کیوں کر لیا؟" یثرب سے قبیلہ خزرج کے جو مشرکین آئے تھے، انہیں علم ہی نہ تھا۔ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ان کا روئے سخن صرف اپنے یاران طریقت (مشرکین مدینہ) سے ہے تو یہ خاموش کھڑے رہے۔ قریش کچھ اس طرح واپس لوٹے کہ نفس معاملہ کے اثبات و نفی، کسی پر انہیں یقین نہ تھا۔ لیکن وہ تفتیش احوال سے غافل نہ رہے۔ ادھر اہلِ یثرب نے موقعہ غنیمت سمجھا۔ قبل اس کے کہ قریش کو حقیقت معلوم ہو جائے، وہ اپنی اپنی سواریوں میں بیٹھے اور وطن کی راہ لی۔

بعض روایات میں ہے کہ قریش کو جب اس بیعت کی بھنک پڑی تو وہ علی الصبح اہلِ یثرب کے خیموں میں پہنچے اور کہا:

"ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ لوگ کوئی ایسا معاہدہ کر چکے ہیں کہ اس صابی (محمد ﷺ) کو اپنے ساتھ یثرب لے جائیں گے اور ہمارے مقابلہ پر محاذ قائم کریں گے۔ ہم آپ لوگوں کو خبردار کیے دیتے ہیں کہ محمد ﷺ کو لے جانا ہمارے لیے چیلنج ہو گا۔ طاقت آزمائی ہو تو ایسا کر لو"۔

عبداللہ بن ابی وغیرہ روساء مدینہ سے قریش کے دیرینہ تعلقات تھے۔ لہٰذا انہیں سے تحقیقات کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ان میں سے کوئی بھی اس بیعت میں شریک نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ان کے علم میں تھا۔ اس لیے انہوں نے قسمیں کھا کھا کر انکار کیا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا "میری قوم اگر ایسا کرتی تو وہ یقیناً مجھ سے مشورہ کرتی وگرنہ کم از کم خبر ضرور دیتی۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ میری اطلاع کے بغیر کوئی ایسا عمل ہو جائے"۔

یہ انکار کرنے والے اپنے قول میں سچے تھے لیکن بیعت کرنے والے مسلمانوں کو فکر تھی کہ اگر ان سے پوچھا گیا تو کیا جواب دیں گے۔ وہ خاموشی سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے کہ دفعتاً کعب بن مالک کی نظر ایک قریشی رئیس زادے حارث بن ہشام المخزومی کی نئی جوتیوں پر پڑی جو قیمتی اور خوبصورت تھیں۔ انہیں مذاق کرنے اور لوگوں کی توجہ دوسری طرف ہٹانے کا موقع مل گیا۔

انہوں نے عبداللہ بن ابی بن سلول کو مخاطب کر کے کہا "دیکھئے جوتیاں ایسی ہونی چاہئیں۔ آپ رئیس مدینہ اور قوم کے سردار ہیں۔ آپ بھی اس قسم کی جوتیاں پہنا کیجئے"۔ اس مزاحیہ فقرہ کو حارث بن ہشام نے طنز سمجھا۔ اس نے دونوں جوتیاں نکال کر کعب بن مالکؓ کی طرف پھینک دیں کہ لو تم پہنو۔

عبداللہ بن ابی نے دیکھا کہ حارث کو کعب کے اس فقرہ سے ناگواری ہوئی ہے تو اس نے کعب ابن مالکؓ کو ڈانٹا کہ تم نے خواہ مخواہ حارث کو ناراض کر دیا۔ اس کی جوتیاں واپس کر دو۔ کعب بن مالکؓ نے کہا وہ یہ دے چکے ہیں اب میں یہ ہرگز واپس نہیں کروں گا اور دل میں سوچا کہ جلد ہی وہ وقت آئے گا کہ میں ان تکلفات کو اور ان لوگوں کو ختم کر دوں گا۔ بہر حال یہ اصل بات طنز اور مذاق میں ایسی رل گئی کہ سب کی جان بچ گئی اور مسلمانوں سے کسی نے کچھ نہ پوچھا۔

غرض بیعت کرنے والے حضرات ایک ایک کر کے اپنے خیموں سے کھسکے اور مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد قریش کو واقعہ کی تصدیق ہو گئی لہٰذا وہ مسلمانوں کے تعاقب میں دوڑ پڑے۔ باقی سب آدمی تو نکل گئے دو آدمی کسی طرح پیچھے رہ گئے۔ ان کو قریش نے راستہ میں پکڑ لیا۔ ان میں ایک قبیلہ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہؓ اور دوسرے بھی اسی قبیلہ کے ایک شخص منذر بن عمروؓ تھے۔ سیدنا منذرؓ بھی کسی طرح نکل آئے لیکن سیدنا سعد بن عبادہؓ نہ نکل سکے۔ قریش نے اونٹ کے کجاوے میں سے چمڑے کا تسمہ نکال کر ان کی مشکیں کس لیں۔ ان کو بالوں سے کھینچ کر مکہ لے آئے۔ وہاں لوگوں نے نہ صرف انہیں ذلیل کیا بلکہ بہت تکلیفیں بھی پہنچائیں۔

سیدنا سعد بن عبادہؓ کا اپنا بیان ہے کہ ایک شخص نہایت سنجیدہ، شریف صورت اور نیک خصلت معلوم ہوتا تھا۔ (یہ سہیل بن عمرو تھا) اسے دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ یہ مجھ پر کچھ رحم کرے گا اور مجھے ان سے خلاصی دلائے گا مگر جونہی وہ میرے پاس پہنچا تو اس نے رحم کرنے کے بجائے ایک زناٹے دار طمانچہ میرے منہ پر مارا۔ تب میں نے سوچا کہ ان انسان نما درندوں میں کم از کم مسلمانوں کے حق میں شرافت کا نام تک باقی نہیں رہا۔ پھر ایک اور شخص میرے پاس آیا (یہ ابوالبختری تھا) اس نے مجھ سے پوچھا کیا مکے میں تمہارا کوئی حلیف ہے؟ میں نے جواب دیا کہ بہت سے حلیف ہیں۔ جبیر بن مطعم سے میرے تجارتی تعلقات بھی ہیں۔ حارث بن حرب بن امیہ سے بھی میرے گہرے تعلقات ہیں۔ میں بہت ممنون ہوں گا اگر ان میں سے کسی کو خبر کر دیں۔ یہ شخص (ابوالبختری) ان دونوں کو تلاش کرتا ہوا نکلا اور حرم کعبہ میں ان کو پا لیا۔

اس نے کہا "خزرج کا ایک شخص ابطح (مکہ اور منیٰ کے درمیان محصب کی وادی) میں پیٹا جا رہا ہے۔ اور وہ تم دونوں کا نام پکار رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ تمہارے اور اس کے درمیان جوار کا تعلق ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ ہے کون؟ اس نے کہا "سعد بن عبادہ" یہ سن کر دونوں بول اٹھے کہ خدا کی قسم! وہ سچ کہتا ہے۔ ہمارے تاجروں کو وہ اپنے ہاں پناہ دیتا رہا ہے اور اس نے کسی کو ان پر ظلم نہیں کرنے دیا۔ پھر وہ آئے اور ان دونوں نے سیدنا سعدؓ کو ان ظالموں اور درندوں سے چھڑایا۔

(سیرۃ ابن ہشام ج ا ص ۴۴۸۔۴۵۰، ابن سعد ج ا ص ۱۵۰، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۶۴)

Marfat.com

انصار کو جب سیدنا سعد بن عبادہؓ کے اغواء ہونے کا علم ہوا تو وہ پلٹ کر ان کی تلاش میں چل پڑے لیکن راستے ہی میں وہ انہیں آتے ہوئے مل گئے۔

سیدنا سعد بن عبادہؓ نے راہ حق میں جو تکلیف اٹھائی اس کا اجر تو انہیں اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے لیکن اشقیائے قریش پر افسوس ہے کہ انہوں نے ایک جرم نا آشنا غریب الوطن کو تنہا پا کر اس سے ایسا غیر انسانی سلوک کیا۔ ان کا حریف مقابل سرکارِ دو عالم ﷺ کے بجائے کوئی دوسرا شخص ہوتا تو وہ فتح مکہ کے روز اس کے ہاتھوں سے اپنی سالہا سال کی پیہم سفاکیوں اور جفا کاریوں کا مزہ چکھ لیتے۔ دنیوی حملہ آور حصول فتح کے بعد مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا اور فراعنہ قریش کو دار پر کھینچ کر ان کے ایک ایک بچہ تک کو صفحہ ہستی سے نابود کر دیتا لیکن خوش بختی سے قریش کا مد مقابل خدا کا سچا رسول تھا جس نے فتح مکہ کے روز ان پر قابو پا کر عفو عام کا اعلان کر دیا۔ اذھبوا انتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم

جب سے رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اور قریش ان کی مخالفت کرتے رہے اس وقت سے لے کر آج تک ان کے دلوں میں کبھی ایسا ہول اور خوف پیدا نہ ہوا تھا حتیٰ کہ اہلِ یثرب کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس بیعت سے بھی جس میں انہوں نے حضور ﷺ کی حمایت میں دشمنوں سے قتال تک کا وعدہ لے لیا، انہیں خطرہ محسوس نہ ہوا۔ آج جب قریش نے آنے والے حالات کا دور بین نگاہوں سے جائزہ لیا تو ان کے کلیجوں میں ناسور پڑ گیا۔ انہیں محسوس ہوا کہ وہ گزشتہ ۱۳ برسوں سے لگاتار رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے خلاف نبرد آزما رہے ہیں جس میں اپنی ناکامی اور رسول اللہ ﷺ کی استقامت اور کامیابی دونوں پہلو دیکھتے آ رہے تھے۔ انہیں ثابت ہو گیا کہ مسلمان تبلیغ رسالت میں اس توجہ اور شغف سے منہمک ہیں کہ اس راہ کے گوناگوں مصائب کے باوجود انہیں یاس و تھکن محسوس نہیں ہوئی۔ ہم نے انہیں کیسے کیسے مصائب کا نشانہ بنائے رکھا۔ ان کے ساتھیوں پر دنیا تنگ کر دی۔ ان کو گرم ریت پر لٹایا۔ انہیں متواتر تین سال تک شعب بنی ہاشم میں نظر بند کیے رکھا۔ ہمارے ترکش کے سب تیر ایک ایک کر کے ختم ہو گئے لیکن ان کے ثبات و استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔

لیکن آج ہوا کا رخ بدل گیا۔ رات کے معاہدے نے اہلِ یثرب کے ساتھ مستقبل میں ہمارے لیے مستقل خطرات اور ہمارے حریف کے لیے یقینی کامیابی و کامرانی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے دلوں کی اتھاہ گہرائیوں میں یہ وسوسے بھی جنم لینے لگے کہ ممکن ہے کہ وہ اپنے دشمنوں (قریش مکہ) سے انتقام لینے کے لیے ان پر حملہ کر دیں۔ یہ نہ سہی لیکن یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ وہ اپنے دین کی توسیع اور ہمارے بتوں کی مذمت دونوں کام دل کھول کر کر سکیں گے۔ کیا ہو گا جب ہمارے دشمن اہلِ یثرب کی امداد حاصل کر کے اپنی مذہبی رسوم آزادی کے ساتھ ادا کرنے لگیں گے اور دوسروں کو بھی اسی آزادی کے ساتھ اپنے دین کی دعوت دینا شروع کر دیں گے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ

Marfat.com

جزیرہ عرب میں ہمارے ان دشمنوں کو کہاں تک کامیابی ہو اور اوس و خزرج ان کی نصرت و یاوری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔ پھر جبکہ قریش اپنے حریف کی اس دعوت کو ابتداء میں نہیں روک سکے تو اب جبکہ اس کا پھیلاؤ اس حد تک ہونے کو ہے، ہماری تدبیریں کیسے کارگر ہو سکیں گی؟

ادھر قریش مضطرب و پریشان ہیں کہ محمد ﷺ کی جمعیت اور دعوت کس طرح ختم کی جائے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ امور ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعوت کے لیے یثرب کی راہ میں پوری کامیابی و کامرانی کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اب دین کی سربلندی ہو کر رہے گی لیکن ساتھ ہی قریش کے ساتھ ہمارا وہ رن پڑے گا، جس کے سامنے ان کی سابقہ چیرہ دستی گرد ہو جائے گی۔ جو دونوں کی موت و حیات کا آخری معرکہ ہو گا مگر اس میں وہ گروہ غالب آئے گا جس کا دامن صداقت اور دیانت سے مالامال ہو گا۔ مجھے مستقبل کی فکر سے غافل نہیں رہنا چاہیے اور خدا کی امداد کا بھروسہ نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قریش کی تدبیروں کو پہلے سے زیادہ ناکام کر دکھائے گا۔ قدم آگے بڑھانا ہی چاہیے مگر نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ۔ دوسروں کے ساتھ رفق و مہربانی کا دامن پھیلائے ہوئے اور حکمت و دانشمندی کو پکڑے ہوئے۔ یہ موقع تمام گزشتہ حالات سے زیادہ اہم اور نازک ہے۔

Marfat.com

عمرو بن الجموحؓ کا قبول اسلام

یہ ۷۳ مرد اور دو عورتیں جو منیٰ کی گھاٹی میں سرکارِ دوعالم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر کے واپس مدینہ لوٹے تو انہوں نے نہایت تیزی سے اسلام پھیلانا شروع کر دیا۔ نبوت کے ہاتھ پر بیعت اور ان کے دلوں کے خلوص نے ان میں زبردست دینی جوش پیدا کر دیا اور اسی جوش اور ولولے کے ساتھ وہ بت شکنی میں مصروف ہو گئے۔ بغیر کسی خوف و خطر کے انہوں نے مدینہ طیبہ کے مشرکین کے اکثر بت توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیئے۔ ابن سعد نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ابو عبس بن جبیر اور ابو بردہ بن نیاز بنی حارثہ کے بت، عمارہ بن حزم، اسعد بن زرارہؓ، عوف بن عفراءؓ، سلیط بن قیسؓ اور ابو حرمہ بنی نجار کے بت، زیاد بن لبیدؓ، فروہ بن عمرو بن بیاضہ کے بت سعد بن عبادہؓ، منذر بن عمروؓ اور ابو دجانہؓ بنی ساعدہ کے بت معاذ بن جبلؓ، ثعلبہ بن غنمہؓ اور عبداللہ بن انیسؓ بنی سلمہ کے بت توڑتے پھرتے تھے۔ ان باتوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس وقت مسلمان مشرکین مدینہ پر ایسے چھا گئے تھے کہ ان کی اس بت شکنی کی کوئی مزاحمت نہ کر سکتا تھا نہ کسی نے کی۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ وہ ہے جس کو ابن ہشام اور دوسرے کئی ایک سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے کہ بنی سلمہ کے سردار عمرو بن الجموح جو ضعیف العمر تھے، ان کے صاحبزادے معاذ بن عمروؓ ان حضرات میں شامل تھے جنہوں نے بیعت عقبہ میں شرکت کی تھی۔ لیکن عمرو بن الجموح اپنے شرک اور بت پرستی پر برابر قائم تھے۔ انہوں نے اپنے گھر میں لکڑی کا ایک بت بڑی عقیدت اور عزت کے ساتھ رکھا ہوا تھا جس کا نام منات تھا۔ اس طرح کے بتکدے آج کل کے ہندوؤں کی طرح مدینہ کے مشرکین اور بت پرست اپنے گھروں میں رکھا کرتے تھے۔ اسلام کے شرف سے مشرف ہونے کے بعد ان کے بیٹے معاذ بن عمروؓ اور معاذ بن جبلؓ اور قبیلہ بنو سلمہ کے بعض دوسرے نو مسلموں کا یہ معمول ہو گیا کہ رات کو وہ اس کے صنم خانے میں گھس جاتے اور اس بت کو اٹھا کر نجاست کے کسی گڑھے میں

Marfat.com

اس طرح ڈال دیتے کہ سر نیچے اور پاؤں آسمان کی طرف ہوتے تھے۔ جب صبح کے وقت عمرو اپنے اس بت کو پوجا کے لیے غائب پاتے تو کہنے لگتے معلوم نہیں رات کو ہمارے معبود پر کس جفاکار نے دست درازی کی ہے۔ پھر اس کی تلاش میں نکلتے۔ گڑھے میں جب وہ اوندھے منہ گرا ہوا ملتا تو اسے لا کر دھوتے۔ پاک صاف کر کے خوشبو لگا کر اس جگہ پر رکھ دیتے اور کہتے مجھے اس بت کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کس نے تیرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو میں اسے اچھی طرح ذلیل و خوار کروں۔

یہ کھیل کئی دن تک چلتا رہا۔ آخر جب یہ سلسلہ منقطع ہوتا دکھائی نہ دیا تو ایک دن تلوار لا کر اس کے سر کے اوپر لٹکا دی اور کہنے لگے مجھے نہیں معلوم تیرے ساتھ یہ حرکت کون کر رہا ہے۔ اب اگر تیرے اندر کوئی قدرت اور قابلیت ہے تو آئندہ اس تلوار سے اپنی حفاظت اور دفاع کرنا۔

جب رات ہوئی تو ان نوجوانوں نے وہ تلوار تو اس کی گردن سے اتار کر الگ رکھ دی۔ ایک مرا ہوا کتا اس کے ساتھ باندھا اور اسے لے جا کر بنی سلمہ کے ایک کنوئیں میں پھینک دیا جس کے اندر اہلِ مدینہ گندگیاں اور غلاظتیں پھینکا کرتے تھے۔ صبح جب انہوں نے پھر اپنے اس بت کو غائب پایا تو حسب معمول اس کو ڈھونڈنے نکلے اور مرے ہوئے کتے کے ساتھ لوگوں کی گندگیوں میں اس کو اوندھا پایا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب وہ صبح اس کی تلاش میں نکلے تو راستہ میں ایک مسلمان سے ملاقات ہو گئی۔ اس کے سامنے عمرو اپنا دکھڑا رونے لگے۔ مسلمان نے ملامت کی اور سمجھایا کہ تم نے بت پرستی کر کے اپنے آپ کو کیوں ذلیل کر رکھا ہے اور اسلام کے محاسن اور خوبیاں بیان کر کے قبول اسلام کی دعوت دی۔ عمرو بن الجموح کی آنکھیں کھل گئیں اور دل کے قفل اتر گئے اور اسی روز حلقہ اسلام میں خلوص قلب سے داخل ہو گئے اور اپنے مسلمان ہونے کی خوشی میں ایک نظم کہی جس کا ایک شعر یہ تھا:

واللہ لو کنت الھا لم تکن   انت و کلب وسط بئر فی قرن

"خدا کی قسم اگر (اے بُت) تُو خدا ہوتا تو کتے کے ساتھ رسی میں بندھ کر کنوئیں میں نہ لٹکتا"۔ (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۵۹، ابن ہشام ج ۱ ص ۴۵۲۔ ۴۵۳)

Marfat.com

ہجرت مدینہ کا آغاز

ذی الحجہ ۱۳ نبوی میں بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی۔ قریش کو اس سے بہت گھبراہٹ اور پریشانی لاحق ہوئی۔ قریش مکہ کی زیادتیوں نے مسلمانوں کے لیے عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ وہ فتنہ کفر سے بچنے اور اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کے لیے کسی پناہ کی تلاش میں تھے۔ ہجرت حبشہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ سیدنا ابو سلمہؓ، سیدنا عامر بن ربیعہؓ اور سیدنا عبداللہ بن جحش بن رأب وغیرھم کو جب پتہ چلا کہ یثرب میں انہیں امن مل سکتا ہے تو وہ بیعت عقبہ سے ایک سال قبل ہی یثرب چلے آئے تھے۔

("سیرۃ ابن ہشام"، جلد ۱، ص ۴۶۸، "فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۸۰)

ابتداء میں جب مدینہ کے چند افراد کو رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ حضور ﷺ ان کے ساتھ یثرب چلیں لیکن مدینہ کی فضا اس وقت خانہ جنگی کی وجہ سے مکدر تھی، لہٰذا آپؐ نے اس وقت ان کی اس استدعا کو ٹال دیا، لیکن آپ واقعی ایک جائے پناہ کی تلاش میں تھے جس کو وہ اپنے عظیم مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے اپنا مرکز بنانا چاہتے تھے اور جو ضرورت کے وقت ان کے لیے ایک مضبوط محاذ بھی ثابت ہو سکے۔ لیکن یہ طے نہیں ہو سکا تھا کہ یہ مرکز کس مقام کو بنایا جائے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھے تین مقامات بتائے گئے ہیں کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لو: مدینہ، بحرین اور قنسرین"۔ ("فتح الباری" ج ۷، ص ۱۸۱)

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد قریش کے جور و ستم میں تیزی آگئی۔ اب مکہ مکرمہ میں دعوت حق کی مظلومی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور لبیک کی جگہ ہر طرف سے تلوار کی جھنکار سنائی دیتی تھی۔ اب حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ مظلوم و مقہور مسلمانوں کے لیے کوئی جائے پناہ تجویز کی جائے۔ گو حبشہ میں ہجرت کرنے والے صحابہ کرامؓ بھی کئی سالوں سے غریب الوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ تاہم وہاں انہیں ستانے والا کوئی نہ تھا لیکن جو مسلمان مکہ میں تھے، ان پر چاروں طرف سے مشرکین کی یورش اور دشمنان دین کا نرغہ اور غلبہ تھے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کو ہر وقت ان کی جان کے لالے پڑے رہتے تھے۔ اس وجہ سے آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے بھی آپؐ سے ترک وطن کی اجازت طلب کی اور آپ نے رضامندی بھی

Marfat.com

ظاہر فرمادی لیکن سوال یہ تھا کہ دار الہجرت کون سا مقام ہو؟

کسی سیرۃ نگار نے یہ عقدہ حل نہیں کیا کہ حبشہ کی پہلی دو ہجرتوں کے بعد حبش کو مزید مہاجرین کی روانگی کیوں مستحسن نہ خیال کی گئی۔ مولف کے خیال میں اس کی متعدد وجوہ تھیں جن میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ دوسرے مقامات کے مسلمانوں کی طرف سے دعوتیں آئی ہوئی تھیں اور ان کی خواہش کی تعمیل تبلیغی نقطہ نظر سے حبشہ جانے سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ یثرب کے نومسلموں نے آپ سے اپنے صحابہؓ سمیت یثرب آنے کی دعوت دی تھی۔ اسی طرح دوس نام کا ایک طاقتور قبیلہ یمن کے ایک کنارے پر آباد تھا، جس کے پاس ایک مضبوط قلعہ بھی تھا۔ اس قلعہ کے سردار طفیل بن عمرو دوسیؓ نے بھی اس مقصد کے لیے اپنا قلعہ پیش کیا تھا اور آپ سے التجا کی تھی کہ اپنے صحابہ کرامؓ سمیت ہمارے ہاں قدم رنجہ فرمائیں اور اس کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنا کر اطمینان سے دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھیں، لیکن آپ نے وہاں جانا منظور نہ فرمایا۔ اسی طرح قبیلہ ہمدان کے سردار نے بھی آپ کی حفاظت و صیانت پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن آپ فرمانِ خداوندی کے بغیر از خود کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے بلکہ ہر حل طلب مسئلہ میں حکم الٰہی کا انتظار فرماتے تھے۔ اس وجہ سے جب متلاشیانِ امن نے دار الہجرت کے متعلق استفسار کیا تو باوجودیکہ مسلمانانِ یثرب کی طرف سے خاص طور پر مظلوم صحابہ کے لیے مدینہ آنے کی دعوت آچکی تھی۔ آپ نے چند روز تک کوئی جواب نہ دیا، لیکن بالآخر جس بات کا انتظار تھا، آپ کو عالم رویا میں اس کا مشاہدہ کروا دیا گیا۔ آپؐ نے خواب دیکھا کہ مکہ معظمہ سے آپ خدام اور جان نثاروں سمیت کسی ایسے مقام کو ہجرت کر رہے ہیں جہاں کھجور کے باغات ہیں۔ اس سے آپؐ نے خیال فرمایا کہ اہلِ ایمان کا نیا دار الہجرۃ یمامہ یا ہجر ہو گا۔ (''بخاری''، جلد ۱، ص ۵۵۱) لیکن جس طرح اہلِ یثرب نے اسلام کا استقبال کیا، اس نے طے کر دیا کہ یہ مرکز وہ ارض پاک ہے، جس کو یثرب کہا جاتا ہے۔ آخر وحی الٰہی نے صراحتاً بتایا کہ وہ پر فضا مقام یثرب کا مبارک خطہ ہے تو آپ نے فرمایا ''مجھے بتایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان کا دار الہجرت یثرب ہو گا۔ پس جو کوئی جانا چاہے، وہاں کا قصد کرے۔ اس کے بعد نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی اجازت دے دی بلکہ ایک اصول طے ہو گیا کہ جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ مدینہ منورہ کو اپنی قیام گاہ بنائے۔ (ملاحظہ ہو انفال: ۷۲-۷۵) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اب ہجرۃ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

ان اللہ قد جعل لکم اخوانا و دارا تامنون بہا۔

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھائی بھی بنا دیئے (جو ہماری نصرۃ کریں) اور وطن (مرکز) بھی بنا دیا ہے جس میں تم امن پاؤ''۔

(''البدایہ والنہایہ'' جلد ۳، ص ۱۶۹، ''الروض الانف'' جلد ۱، ص ۲۸۴، ''لائف آف محمد ﷺ'' ولیم

Marfat.com

میور، جلد ۲، ص ۲۴۲)

اب اذن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی شاہراہ کھل گئی اور جان نثاران اسلام یکہ و تنہا اور اپنے خاندانوں کے ساتھ قریش مکہ سے چھپ چھپا کر اور رات کی تاریکی میں مدینہ جانے شروع ہو گئے۔ لیکن مشرکین مکہ نے بھی ان کی روانگی میں رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کر دیں کیونکہ مسلمانوں کا ایک مرکز پر جمع ہو جانا ان کے لیے خطرات کا پیش خیمہ تھا۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے والے سب سے پہلے مہاجر رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی ابو سلمہ بن عبدالاسد المخزومی تھے، جنہوں نے محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق بیعت عقبہ کبریٰ سے ایک سال پہلے ہجرت کی تھی۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی اور بچہ بھی تھا۔ (زاد المعاد، جلد ۳، ص ۴۹) جب انہوں نے مکہ سے روانہ ہونا چاہا، اونٹ پر کجاوہ بھی کس دیا اور بیوی اور بچہ کو اس پر سوار بھی کر دیا تو ان کے سسرال والوں کو اطلاع ہوئی۔ وہ آئے اور ابو سلمہؓ سے کہا کہ تم کو اپنے نفس کا اختیار ہے، لیکن ہماری بیٹی ام سلمہ کو تم نہیں لے جا سکتے۔ یہ ہمارے گھر کی لڑکی ہے اور ہم آپ کو ہرگز اجازت نہیں دیں گے کہ آپ اسے شہر شہر گھماتے پھریں۔ یہ کہہ کر انہوں نے سیدہ اُم سلمہؓ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔ اس پر ابو سلمہؓ کے گھر والوں کو تاؤ آگیا اور انہوں نے کہا کہ جب تم لوگوں نے اپنی بیٹی کو ہمارے آدمی سے چھین لیا تو ہم اپنا بیٹا اس عورت کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔ چنانچہ دونوں فریقوں نے اس بچے کو اپنی اپنی طرف کھینچا جس سے اس کا ہاتھ اکھڑ گیا اور ابو سلمہؓ کے گھر والے اس کو اپنے ہاں لے گئے۔ اب ماں، باپ اور بچہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور ابو سلمہؓ تن تنہا مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔ سیدہ ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب صبح ہوئی تو میں ابطح میں جا کر بیٹھ جاتی اور شام تک وہاں روتی رہتی۔ اسی حالت میں ایک سال گزر گیا۔ آخر میرے چچازاد بھائیوں میں سے ایک شخص کو مجھ پر رحم آگیا اور بنی المغیرہ سے یہ کہا "تم اس بیچاری کو جانے کیوں نہیں دیتے؟ اسے اس کے بیٹے اور اس کے خاوند سے خواہ مخواہ کیوں جدا کر رکھا ہے؟" اس پر ام سلمہؓ کے گھر والوں نے اسے اپنے خاوند کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔ ام سلمہؓ نے اپنے بیٹے کو اس کے ددھیال سے واپس لیا اور اللہ کا نام لے کر مدینہ طیبہ کی طرف ایک اونٹ پر سوار ہو کر چل پڑیں۔ پانچ سو کلو میٹر کا طویل سفر اور تن تنہا۔

جب تنعیم کے مقام پر پہنچیں تو عثمان بن طلحہ (جو ابھی تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے) مل گئے۔ سیدہ ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے مجھ سے پوچھا "کہاں کا قصد ہے؟" میں نے کہا "اپنے شوہر ابو سلمہؓ کے پاس جا رہی ہوں"۔ پوچھا "کوئی ساتھ ہے؟" میں نے کہا "خدا کی قسم کوئی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ اور میرے اس بچہ کے"۔ یہ سن کر عثمان کے دل میں رحم آگیا اور اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے آگے ہو لیے۔ جب رات گزارنے کی منزل آتی تو وہ اونٹ بٹھلا کر خود دور ہٹ جاتے۔ جب میں اونٹ سے اتر

Marfat.com

جاتی تو اونٹ کو دور لے جاتے اور ایک درخت سے باندھ کر اس درخت کے سایہ میں لیٹ جاتے اور جب روانگی کا وقت آتا تو اونٹ میرے قریب لا کر کھڑا کر دیتے اور خود پیچھے ہٹ جاتے اور یہ کہتے سوار ہو جاؤ۔ جب میں سوار ہو جاتی تو مہار پکڑ کر چلتے۔ جب کسی منزل پر اترتے تو ایسا ہی کرتے۔ یہاں تک کہ جب قبا کے مکانات دور سے نظر آنے لگے تو یہ کہا "اسی بستی میں تمہارے شوہر مقیم ہیں۔ اللہ کی برکت کے ساتھ اس بستی میں داخل ہو جاؤ"۔ اس طرح سے وہ میرے شوہر کے پاس پہنچا کر واپس مکہ آ گئے۔

سیدہ ام سلمہؓ فرماتی ہیں: "خدا کی قسم میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف آدمی کسی کو نہیں پایا"۔

(ابن ہشام ج ا ص ۴۶۹-۴۷۰، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۶۹، زرقانی ج ا ص ۳۱۹)

پھر عامر بن ربیعہؓ اپنی اہلیہ لیلیٰ بنت حثمہؓ کے ہمراہ مدینہ تشریف لائے۔ اس کے بعد سیدنا سعد ابن ابی وقاصؓ اور سیدنا عمار بن یاسرؓ اور پھر سیدنا بلال بن رباحؓ مکہ مکرمہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔

("فتح الباری" جلد ۷، ص ۲۰۸)

ابو سلمہؓ کے بعد محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق سب سے پہلے عامر بن ربیعہؓ اپنی اہلیہ لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ کے ساتھ نکلے۔ پھر سیدنا عمار بن یاسرؓ اور سیدنا بلالؓ اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے ہجرت کی پھر سیدنا عثمان بن عفانؓ اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ پھر مہاجرت کا ایک سلسلہ چل پڑا اور لوگ پے در پے اس نئے دار الہجرت کی طرف جانے لگے، حتیٰ کہ پورے پورے کنبے اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ ابن ہشام نے تین خاندانوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، جن کے سب ہجرت کر گئے اور ان کے گھر خالی پڑے رہ گئے۔ ایک بنی مظعون، دوسرے بنی البکر اور تیسرے بنی جحش بن رأب۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ بنی جحش کے ساتھ اسد بن خزیمہ کے بھی مرد، عورت اور بچے سب ہجرت کر گئے۔ ان دونوں خاندانوں کے تیس افراد نے ہجرت کی جن میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی سیدنا عبد اللہ بن جحشؓ اور ابو احمد بن جحشؓ (جن کا نام عبد تھا) اور ان کی بہنیں سیدہ زینب بنت جحشؓ (جو بعد میں ام المومنین بنیں) اور حمنہ بنت جحشؓ (سیدنا مصعب بن عمیرؓ کی زوجہ) اور ام حبیب بنت جحشؓ (سیدنا عبد الرحمن بن عوف کی اہلیہ) شامل تھیں۔ ان کے جانے کے بعد عتبہ بن ربیعہ، عباس بن عبد المطلب اور ابو جہل کا ادھر سے گزر ہوا۔ عتبہ بن ربیعہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر نہایت دکھ کے ساتھ کہا "آج بنی جحش کا گھر بے آباد اور اجاڑ پڑا رہ گیا" پھر یہ شعر پڑھا۔

كل دار ان طالت سلامتها   يوما ستدركها النكباء والحوب

"ہر مکان خواہ وہ کتنے ہی عرصہ تک آباد اور عشرت کدہ بنا رہے، لیکن ایک نہ ایک دن وہ غم کدہ اور ماتم کدہ بن جاتا ہے"۔

Marfat.com

اس پر ابو جہل بولا "روتے کیا ہو؟ یہ سب ہمارے اس بھائی (عباسؓ) کے بھتیجے کا کیا دھرا ہے۔ اس نے ہماری جماعت میں تشتت و افتراق کا بیج بویا ہے۔ ہمارے آپس کے روابط منقطع کر دیئے اور ہماری وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے"۔ اس کے بعد ابو سفیانؓ کی باری آئی اور اس نے بنی جحش کے گھر پر قبضہ کر کے اسے فروخت کر ڈالا۔ بہانہ یہ تھا کہ اس کی بیٹی فرعہ (یا فارعہ) ابو احمد بن جحش کی بیوی تھی۔ گویا داماد کے سارے خاندان کی وراثت اس کے جیتے جی خسر کو پہنچ گئی۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے ابو سفیان کی اس زیادتی کا شکوہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے حضور کیا تو آپؐ نے فرمایا "کیا تم اپنے اس گھر کے بدلے جنت میں ایک گھر ملنے پر راضی نہیں ہو؟" فتح مکہ کے بعد جب ابو احمدؓ نے حضور ﷺ سے استدعا کی کہ ہمارا گھر ہمیں واپس دلایا جائے تو آپ خاموش رہے۔ صحابہ کرامؓ نے ان سے کہا "رسول اللہ ﷺ یہ پسند نہیں فرماتے کہ مہاجرین کا جو مال خدا کی راہ میں جا چکا ہے، اسے واپس لینے کی کوشش کریں"۔ خود حضور ﷺ کا اپنا مکان جو مکے میں تھا، اس پر عقیل بن ابی طالبؓ نے جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، ہجرت کے بعد قبضہ کر لیا تھا اور آپؐ نے فتح مکہ کے بعد وہ ان سے واپس نہ لیا۔ (ابو داؤد، "کتاب الحج")

سیدنا صہیب بن سنانؓ نے جب ہجرت کا قصد فرمایا تو قریش مکہ نے ان سے کہا "تم یہاں نادار اور قلاش آئے تھے لیکن یہاں آ کر تم مالدار اور متمول ہو گئے۔ اب تم چاہتے ہو کہ اپنی جان کے ساتھ اپنا مال بھی یہاں سے لے جاؤ؟ بخدا ایسا ہرگز نہیں ہو گا"۔ سیدنا صہیبؓ نے کہا "اچھا یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنا مال تمہارے حوالے کر دوں تو کیا پھر تم مجھے جانے دو گے؟" انہوں نے کہا "ہاں" سیدنا صہیبؓ نے اپنا سارا مال ان کے حوالے کر دیا اور ہاتھ جھاڑ کر مدینہ منورہ کی راہ لی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو پتہ چلا تو فرمایا "صہیب نے نفع کا سودا کیا، صہیب نے نفع کا سودا کیا"۔ ("ابن ہشام" جلد ۱، ص ۴۶۹)

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" میں لکھا ہے کہ جب سیدنا صہیبؓ مکہ سے روانہ ہوئے تو قریش ان کے تعاقب میں نکلے تاکہ انہیں قتل کر کے ان کا سارا مال لے لیں۔ انہوں نے ان لوگوں کو آتے دیکھ کر کہا "تم سب جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے زیادہ اچھا تیر انداز ہوں۔ خدا کی قسم! تم میں سے کوئی مجھ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ جس جس کی موت آئی ہے، وہ مر نہ جائے"۔ پیچھا کرنے والوں نے کہا "اپنا مال چھوڑ دو اور چلے جاؤ"۔ سیدنا صہیبؓ نے کہا "مال تو میں مکہ ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔ فلاں جگہ جاؤ اور اسے نکال لو" چنانچہ وہ سارے واپس چلے گئے اور ان کی بتائی ہوئی جگہ سے جا کر مال لے لیا۔ بلاذری نے بھی اس طرح کی ایک روایت نقل کی ہے۔

بیہقی اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ سیدنا صہیبؓ نے فرمایا "جب میں قبا گیا تو آپؐ نے مجھے دیکھ کر فرمایا "اس سودے میں تو تم نے بڑا نفع کمایا" میں نے عرض کیا "اس معاملے کی کسی کو خبر نہ تھی۔ آپ کو جبریل کے سوا اس کی خبر دینے والا اور کون ہو سکتا ہے؟"

Marfat.com

"مستدرک حاکم" میں ہے کہ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله۔

"اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتے ہیں"۔("مستدرک حاکم" جلد ۲' ص ۲۰۷)

ہجرت میں رکاوٹ

دوسرے مہاجرین تو سرزمین مکہ سے چھپ چھپ کر نکلے اور اکثر رات کی تاریکی میں مدینہ گئے لیکن سیدنا عمرؓ کی شان کچھ عجیب تھی۔ وہ اعلانیہ گئے اور دن کے اجالے میں گئے۔ اکیلے بھی نہیں گئے بلکہ بیس سواروں کے ساتھ گئے۔("بخاری" جلد ا' ص ۵۵۸) ان کے ساتھ ان کے بھائی زید بن الخطابؓ، ان کے بہنوئی سعید بن زید بن عمروؓ ان کے داماد' خنیس بن حذافہؓ اور دوسرے بہت سے ساتھی تھے۔ محمد ابن اسحاق کی صحیح سند کے ساتھ سیدنا عمرؓ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے عیاش بن ربیعہؓ اور ہشامؓ بن عاص بن وائل سے یہ طے کیا تھا کہ تناضب کے مقام پر (مکے سے دس میل دور) اکٹھے ہوں گے اور پھر وہیں سے مدینہ طیبہ کو ہجرت کی جائے گی۔ اور جو بھی وقت مقررہ پر نہ پہنچا' سمجھا جائے گا کہ وہ پکڑا گیا اور باقی لوگ اس کا انتظار کیے بغیر مدینہ کی راہ لیں گے۔ ہشام تو مکہ میں پکڑ لیے گئے اور عیاشؓ ہمارے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ ہمارے پیچھے پیچھے ابو جہل بن ہشام اور حارث بن ہشام (جو عیاش بن ابی ربیعہ کے چچازاد بھائی تھے اور ماں جائے بھائی بھی تھے کیونکہ ابو جہل اور حارث دونوں سگے بھائی تھے ان کے باپ ہشام بن مغیرہ کی وفات کے بعد ان کی ماں نے ابی ربیعہ بن مغیرہ سے نکاح کر لیا جو ہشام کا بھائی تھا۔ عیاشؓ اسی ابو ربیعہ سے پیدا ہوا) ایک روایت میں ہے کہ عیاشؓ ابھی قباہی میں تھے کہ ابو جہل اور اس کا بھائی حارث پہنچ گئے۔ ان دونوں نے عیاشؓ سے کہا کہ تمہاری ماں نے نذر مانی ہے کہ جب تک تمہیں دیکھ نہ لے نہ سر میں کنگھی کرے گی اور نہ دھوپ سے سائے میں جائے گی"۔ یہ سب کچھ انہوں نے اتنی مکاری اور عیاری سے کہا کہ عیاش کو اپنی ماں پر ترس آ گیا۔

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عیاشؓ کو بہت سمجھایا کہ یہ دونوں تمہیں دھوکہ سے پھانس لینا چاہتے ہیں۔ ان کے فریب میں نہ آؤ۔ یہ تم کو صرف تمہارے دین سے فتنے میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہ دین کے دشمن ہونے کے ناطے تمہارے بھی دشمن ہیں۔ تمہاری ماں کو جب جوئیں ستائیں گی تو آپ ہی کنگھی کر لے گی اور مکہ کی کڑی دھوپ جب لگے گی تو آپ ہی سائے میں چلی جائے گی۔ مگر عیاشؓ پر ماں کی محبت غالب آ گئی۔ پھر مقدر میں ابھی تکلیف کے دن تھے۔ اس لیے نہ مانے اور کہا کہ اپنی ماں کی قسم پوری کرنے کے لیے ان دونوں کے ساتھ جاؤں گا اور وہاں سے اپنا مال لے کر واپس آ جاؤں گا۔ میں

(سیدنا عمرؓ) نے کہا کہ میں اپنا آدھا مال تمہیں دیتا ہوں تم ان کے ساتھ نہ جاؤ مگر وہ نہ مانے۔ میں نے انہیں بہت سمجھایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر میں نے کہا "اگر تمہیں جانا ہی ہے تو میری اونٹنی لے جاؤ کیونکہ یہ بڑی تیز رفتار ہے۔ اس کی پیٹھ نہ چھوڑنا۔ جب ان دونوں کی نیت خراب ہو تو فوراً اس پر بھاگ آنا۔

یہ بات انہوں نے مان لی اور اونٹنی پر سوار ہو کر ان دونوں کے ساتھ نکل پڑے۔ راستہ میں ایک جگہ ابوجہل نے ان سے کہا "بھیا! میرا اونٹ کچھ ٹھیک نہیں چل رہا۔ تم مجھے اپنی اونٹنی پر پیچھے نہ بٹھا لو گے؟" عیاشؓ نے کہا کیوں نہیں۔ عیاشؓ نے اپنی اونٹنی بٹھا دی۔ پھر دونوں زمین پر اترے تا کہ ابوجہل اپنے اونٹ سے عیاشؓ کی اونٹنی پر بیٹھ سکے۔ حارث بھی اپنا اونٹ بٹھا کر نیچے اتر آیا۔ ابوجہل اور حارث دونوں مکار تھے اور انہوں نے عیاش کو پھانسنے کے لیے آنکھوں ہی آنکھوں میں منصوبہ بنایا تھا اور اب اس کی تکمیل ہو رہی تھی۔ دونوں نے مل کر عیاشؓ کو رسیوں سے باندھ لیا۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عیاشؓ کے خاندان والوں نے بتایا کہ ابوجہل اور حارث عیاشؓ کو لے کر اس حال میں دن دہاڑے مکہ پہنچے کہ وہ رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے اور دونوں بھائی اعلان کرتے جاتے کہ "اے اہلِ مکہ! اپنے اپنے نالائق لونڈوں کو اسی طرح سیدھا کرو جس طرح ہم نے اپنے اس بے وقوف بھائی کے ساتھ کیا ہے"۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ نے مکہ سے چلتے وقت تلوار، نیزہ اور تیر کمان لے کر بیت اللہ کا رخ کیا۔ اس وقت تمام روسائے قریش صحن حرم میں موجود تھے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے آ کر نہایت اطمینان سے دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد با آواز بلند فرمایا کہ ان لوگوں کی حالت پر افسوس ہے جنہوں نے پتھروں کے ٹکڑوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ پھر فرمایا "اے گروہ قریش! تم لوگوں کو بخوبی معلوم ہے کہ میں مکہ سے جا رہا ہوں۔ جس کسی کو اپنا بیٹا یتیم اور بیوی کو رانڈ کرانا منظور ہو، وہ میرے پیچھے آئے اور جانے سے روک لے۔ یہ الفاظ سن کر کسی کی مجال نہ ہوئی کہ کچھ مزاحمت کرتا یا کسی بات کا جواب دیتا۔ سیدنا عمرؓ دوسرے روز علی الصبح مع اہل و عیال روانہ ہو گئے۔

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ ہشام بن عاصؓ اور عیاشؓ بن ابی ربیعہ قریش مکہ کی قید میں پڑے رہے۔ جب سرکارِ دو عالم ﷺ ہجرت فرما چکے تو آپ ان دونوں کے لیے بڑے پریشان تھے۔ آپؐ نے ایک روز فرمایا "کون ان دونوں کو میرے پاس لانے کے لیے تیار ہے؟" سیدنا خالد بن ولید کے بھائی ولید بن ولید بن مغیرہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں یہ خدمت انجام دینے کے لیے تیار ہوں۔ پھر ولیدؓ خفیہ طور پر مکہ مکرمہ گئے۔ پہلے تو چھپ کر اس ٹوہ میں لگے رہے کہ دونوں قیدیوں کا پتہ چلائیں۔ ایک روز اس عورت کے پیچھے جا کر ان کا ٹھکانہ معلوم کر لیا جو ان کے لیے کھانا لے کر جا رہی تھی۔ یہ دونوں ایک بے چھت مکان میں قید تھے۔ رات کے وقت سیدنا ولیدؓ دیوار پھلانگ کر ان دونوں کے پاس گئے۔ دونوں کی [illegible] اور اپنے اونٹ پر بٹھا کر مدینہ منورہ لے آئے۔ ("ابن ہشام" جلد ا، ص ۴۷۴-۴۷۶)

Marfat.com

صحابہ کرامؓ کو کس کس طریقہ سے روکا گیا' اس کی ایک اور مثال سیدنا عبداللہؓ بن سہیل بن عمرو کی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن سہیلؓ حبشہ کے مہاجرین میں سے تھے۔ حبشہ میں انہیں پتہ چلا کہ بارگاہ رسالت سے مدینہ طیبہ ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ یہ خبر سن کر حبشہ سے مکہ مکرمہ آئے تاکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ نئے دار الہجرت چلے جائیں۔ ان کے والد سہیل بن عمرو کفر میں بڑے سخت تھے۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے سیدنا سعد بن عبادہؓ کو منہ پر گھونسے مارے تھے جب قریش مکہ انہیں مدینہ کے راستہ سے پکڑ کر مکہ لائے تھے۔ انہی سہیل بن عمرو نے انہیں زبردستی روک کر قید کر لیا۔ انہوں نے بہانہ کر کے باپ کو اطمینان دلا دیا کہ وہ باپ دادا کے دین کی طرف پلٹ آئے ہیں۔ اسی اعتماد پر وہ جنگ بدر میں انہیں ساتھ لے گیا۔ مگر جب دونوں طرف سے فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو سیدنا عبداللہؓ بن سہیل بن عمرو دشمن کی صفوں سے نکل کر اسلامی لشکر سے جا ملے۔ اس کے قریباً چھ سال بعد ان کے والد سہیل بن عمرو فتح مکہ کے موقع پر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو وہ کہا کرتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے عبداللہ کے ایمان میں میرے لیے بہت بڑی خیر رکھ دی ہے"۔

مسلمان مصائب اور اذیتوں کے پہاڑ عبور کرتے ہوئے آگے پیچھے پے در پے مکہ سے نکلتے اور راستہ کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے مدینہ پہنچتے رہے۔ چنانچہ بیعت عقبہ ثانیہ کے صرف دو ماہ اور چند دن بعد رسول اللہ ﷺ سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا علیؓ اور چند عورتوں اور مردوں کے سوا کوئی بھی مسلمان مکہ میں باقی نہ رہا۔ یہ دونوں حضرات بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق رکے ہوئے تھے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا "مجھے تمہارا مقام ہجرت دکھلایا گیا ہے۔ یہ لاوے کی دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ایک نخلستانی علاقہ ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ عام مہاجرین حبشہ بھی مدینہ ہی آ گئے۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے بھی سفر مدینہ کی تیاری شروع کر دی، لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان سے فرمایا "ذرا رکے رہو کیونکہ امید ہے کہ مجھے بھی اجازت دے دی جائے گی۔ سیدنا ابو بکرؓ نے کہا "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا آپ کو اس کی توقع ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا "ہاں ضرور"۔ اس کے بعد ابو بکرؓ رکے رہے تاکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی معیت میں سفر کریں۔ ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں۔ انہیں بھی چار ماہ تک ببول کے پتوں کا خوب چارہ کھلایا۔ ("بخاری" جلد ۱، ص ۵۵۳)

سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا علیؓ کے سوا کچھ ایسے مسلمان بھی تھے، جن کو مشرکین مکہ نے زبردستی روک رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنا ساز و سامان تیار کر کے روانگی کے لیے حکم خداوندی کا انتظار فرما رہے تھے۔ آپؐ کے ارشاد پر سیدنا صدیق اکبرؓ بھی رخت سفر باندھے ہوئے تھے۔

("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۴۶۸، "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۶۹)

Marfat.com

سیدنا عباس بن عبد المطلبؓ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد کئی سال تک مکہ میں مقیم رہے۔ نہ تو وہ اعلانیہ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور نہ ہی ہجرت کی۔ آپ کی ہجرت میں تاخیر بھی مصلحت پر مبنی تھی۔ مصلحت یہ تھی کہ وہ قریش کی نقل و حرکت اور ان کے خفیہ رازوں سے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کرتے رہتے تھے۔ علاوہ ازیں جو ضعفائے اسلام مکہ کے کفرزار میں پیچھے رہ گئے تھے، سیدنا عباسؓ تنہا ان کے محافظ و ملجاء تھے۔ (اسد الغابہ)

سیدنا مقداد ابن اسود بعض دشواریوں اور مجبوریوں کی وجہ سے مکہ نہ چھوڑ سکے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی ہجرت کے کچھ عرصہ بعد جب کفر و اسلام میں باہم تصادم شروع ہوا تو یہ اور سیدنا عتبہ بن غزوانؓ مکہ کے ایک متجسس دستہ فوج کے ساتھ ہو لیے جو ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کی زیر قیادت مدینہ کو جا رہا تھا۔ راستہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے جس کے امیر عبیدہ بن حارث تھے، مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ یہ دونوں موقع پا کر مسلمانوں کے دستہ میں شامل ہو گئے اور پھر ان کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

اسی طرح نعیم بن عبد اللہ النحام سیدنا فاروق اعظمؓ کے قبیلہ بنو عدی کے چشم و چراغ تھے۔ یہ وہ صحابی رسول ہیں جن کی وجہ سے سیدنا فاروق اعظمؓ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ جب مسلمان جوق در جوق مدینہ رسول کے دار الامان میں پناہ گزین ہونے لگے تو انہوں نے بھی دوسرے جان نثاران رسول کے ساتھ ہجرت کا ارادہ فرمایا۔ مگر وہ بنو عدی کی بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور خبر گیری کے باعث اس قدر محبوب تھے کہ انہیں اپنے محسن کی مفارقت کسی طرح گوارا نہ ہوئی۔

سیدنا مسطح بن اثاثہؓ بھی جو سیدنا صدیق اکبرؓ کے خالہ زاد بھائی تھے، ابتداء میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے۔ تاہم وہ غزوہ بدر سے پہلے اس سعادت سے بہرہ اندوزہ ہو گئے۔ اسی طرح سیدنا مرثد بن ابی مرثدؓ بھی ابتداء میں مکہ سے مدینہ ہجرت نہ کر سکے تھے لیکن غزوہ بدر سے پہلے وہ ہجرت کی دولت عظمیٰ سے بہرہ مند ہو گئے۔

ہجرت کا یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں میں فی الفور اتنی قوت نہ پیدا ہوئی تھی کہ اسلام ان مسلمانوں کو جو مدینہ الرسول کے علاوہ اطراف و اکناف ملک میں بود و باش رکھتے تھے، پوری طرح حفاظت کر سکتا۔ اور یہ حفاظت اس وقت تک ممکن بھی نہ تھی جب تک مخالف قوتیں پارہ پارہ نہ ہو جائیں اور مخالفین کے سب سے بڑے مرکز و مستقر مکہ مکرمہ پر اہلِ اسلام کا عمل و دخل نہ ہو جائے۔ اس لیے ہجرۃ کا سلسلہ اس وقت تک برابر جاری رہا جب تک بیت اللہ پر توحید کا علم نصب نہ ہو گیا۔ آخر بخاری کی روایت کے مطابق فتح مکہ کے روز سرکارِ دو عالم ﷺ نے اعلان فرمایا:

لا ھجرہ بعد الفتح الا جھاد و نیہ۔

"فتح مکہ کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے"۔

Marfat.com

وجہ یہ تھی کہ اب مسلمانوں کو کسی خاص جائے امن کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی کیونکہ فتح مکہ کے بعد قریباً پورا جزیرہ عرب مسلمانوں کے لیے امن و عافیت کا گہوارہ بن گیا تھا۔ لہٰذا ہجرت کا اختتام ہو گیا۔

سیرۃ نگاروں میں سے سوائے ابنِ ہشام کے شاید کسی اور نے ان مہاجرین و مہاجرات کی فہرست نقل نہیں کی جنھوں نے ہجرت نبوی سے قبل مکہ کے ستم کدہ سے مدینہ کے بیت الامن کی راہ لی۔ ابنِ ہشام نے ساٹھ سے زائد نفوس مقدسہ کی فہرست دی ہے لیکن اس میں بعض جلیل القدر مہاجرین صحابہ کے اسمائے گرامی دکھائی نہیں دیتے۔ بہرحال مختلف کتابوں کا تتبع کرنے سے قریباً ۱۰۵ صحابہ کرامؓ کے نام ملتے ہیں لیکن طوالت کی وجہ سے ان کے نام نہیں دیئے جا رہے۔

مسلمانوں کی مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف اس ہجرت نے قریش کے غم آگین تصورات میں ایک تلاطم پیدا کر دیا۔ وہ اپنے خلاف ہزاروں خطرات محسوس کرتے رہتے۔ کبھی یہ کہ مسلمان مدینہ میں رہ کر ترقی اور عروج کی منزلیں طے کر جائیں گے اور دولت و ثروت سے مالا مال ہو کر عزت کی زندگی بسر کرنے لگیں گے۔ کبھی انہیں یہ خیال ستاتا کہ اب مکہ کے یہ مہاجر مدینہ کے مسلمانوں کی معیت اور ان کی ہم نوائی سے بہت بڑی قوت حاصل کر لیں گے اور جب محمد ﷺ بھی مدینہ پہنچ جائیں گے تو آپ کے حسن تدبر اور استقلال سے ایک روز ایسا آئے گا کہ وہ یثرب کی طرف سے مکہ پر حملہ کر دیں گے۔ کبھی ان کا رجحان اس طرف ہو جاتا کہ ایک دن اہلِ مکہ اور شام کی درمیانی شاہراہ ضرور کاٹ دیں گے۔ اس وقت ہماری تجارت کا کیا حشر ہو گا؟ اس وقت ہم بھوک سے اس طرح نڈھال ہوں گے جس طرح ہماری قرارداد مقاطعہ سے مجبور ہو کر محمد ﷺ اور ان کے قبیلہ والے بنو ہاشم اور بنو مطلب ہوئے تھے۔ انہیں یہ خیال بھی گزرتا کہ اگر ہم نے محمد ﷺ کو مکہ سے نکلنے نہ دیا تو اہلِ یثرب اپنے رسول کی حمایت میں ضرور ہمارے خلاف صف آرا ہوں گے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ مدینہ کے انصار نے اس دعوت پر ہی اکتفا نہ کیا جو بیعت عقبہ کے سلسلہ میں دے چکے تھے بلکہ بیعت کے بعد جب وہ مدینہ طیبہ واپس آ گئے تو یہاں سے چند حضرات مکہ تشریف لے گئے اور حضرات مہاجرین کے ساتھ واپس مدینہ آئے۔ ان کو مہاجر انصاری کہا جاتا ہے۔ ان حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں سیدنا ذکوان بن عبد قیسؓ، سیدہ عقبہ بن وہب بن کلدہؓ، سیدنا عباس بن عبادہ بن فضلہؓ، سیدنا زیاد بن لبیدؓ وغیرہم۔ (''ابنِ سعد'' جلد۱، ص ۱۵۲)

سرکارِ دو عالم ﷺ کی عظیم قیادت کے تحت ایسے فداکار لوگوں کا جنھوں نے اپنے ایمان کی خاطر اپنا مال و اسباب، رشتہ و برادری، قوم و وطن سب کچھ قربان کر دیا تھا، ایک مضبوط گروہ کی شکل میں قریش مکہ کے لیے موت کا پیام تھا۔ پھر مدینے کا محل وقوع ایسا تھا کہ وہاں مسلمانوں کی اس

طاقت کے اکٹھا ہونے سے قریش کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ یمن سے شام کی طرف جو تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے کنارے جاتی تھی، اور جس کے محفوظ رہنے پر قریش کی معاشی زندگی کا انحصار تھا، وہ مسلمانوں کی زد میں آ جائے گی اور اس شہ رگ پر ہاتھ ڈال کر مسلمان قریش کی اقتصادی زندگی بالکل مفلوج کر دیں گے۔ صرف اہلِ مکہ کی وہ تجارت جو اس شاہراہ کے ذریعے مکے سے شام و روم اور مصر تک چل رہی تھی، اڑھائی لاکھ اشرفی سالانہ تک پہنچتی تھی۔ طائف اور دوسرے مقامات کی تجارت اس کے علاوہ تھی۔ اسی وجہ سے مکہ سے مسلمانوں کو مدینہ جانے سے روکنے کے لیے تمام ممکن تدبیریں کیں، لیکن وہ اس میں بالکل ناکام رہے۔

مہاجرین کا ایثار

مالی نقصانات، بدنی اذیتیں اور گوناگوں مصائب و آلام برداشت کرنے آسان ہیں، لیکن یہ کام ایک انسان کے لیے نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی اس مختصر زندگی میں ہمیشہ کے لیے اپنے اہل و عیال کو چھوڑ دے۔ خویش و اقارب سے رشتہ توڑ دے، مال و منال سے دست بردار اور دست کش ہو جائے اور وہ اپنی زندگی کی تمام دلچسپیوں پر بے کسی، بے بسی اور غریب الوطنی کو ترجیح دے۔ حضرات مہاجرینؓ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ انہوں نے اپنے دنیوی سود و بہبود سے بے نیاز اور خالی الذہن ہو کر صرف خدا اور اس کے رسول ﷺ کی رضا جوئی کی خاطر اپنے وطن، اپنے اہل و عیال، مال و منال اور اپنی جائیداد و املاک بلکہ ہر شے کو ٹھکرا دیا۔ یہ اتنا بڑا ایثار اور جذبہ فدویت ہے جس کی نظیر دنیا کے دوسرے مذاہب و ادیان پیش کرنے سے یک قلم قاصر ہیں۔

ان مہاجرین میں کئی اوصاف تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارہ میں قرآن حکیم میں یہ فرمایا ہے کہ ان کے دلوں کے تقویٰ و طہارت کا اللہ تعالیٰ امتحان لے چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کا بڑا وصف یہ ہے کہ اس مقدس جماعت میں بلا استثناء ہر ایک کا دامن ایمان، نفاق کے داغ سے پاک تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے علماء امت کا قول ہے کہ مہاجرین میں کوئی بھی (معاذ اللہ) منافق نہیں تھا۔ نفاق صرف انصار کے قبائل میں ظاہر ہوا۔ جب مدینہ منورہ میں اسلام کو غلبہ اور عروج نصیب ہوا اور وہاں کے دونوں مقتدر قبیلوں اوس اور خزرج کے مشرف باسلام ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو ایک ایسی محفوظ جائے پناہ مل گئی، جس کے ذریعہ سے وہ اپنی حفاظت کر سکیں تو مضافات مدینہ کے اعراب اور بعض اہلِ مدینہ بظاہر حلقہ ایمان میں داخل ہو گئے۔ یہی لوگ منافق کہلاتے ہیں۔ اسی وجہ سے نفاق کا ذکر مدنی سورتوں میں ہے، مکی سورتوں میں نہیں کیونکہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں جن حضرات کو ایمان کی دولت جاوید سے حصہ ملا تھا، وہ خالصتاً اللہ کے لیے

Marfat.com

مشرف باسلام ہوئے تھے۔ انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اپنے اہل و عیال اور مال و دولت بلکہ جان عزیز سے بھی زیادہ محبوب تھے۔ ان میں منافق ہو بھی کیسے سکتے تھے؟ جبکہ وہ سخت جان جو دس بارہ سال تک مکہ میں ہر طرح کی مصیبتیں جھیل کر اور امتحان و آزمائش کی بھٹی میں تپ کر کندن ہو چکے تھے، وہ مکہ سے نکل نکل کر یثرب پہنچے اور اس طرح ایک محاذ مضبوط ہوا۔ لہٰذا ان کی صفوں میں نفاق کسی صورت نہیں گھس سکتا تھا۔

وہ لوگ جو مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے گئے، انؑ سے اللہ تعالیٰ نے مختلف وعدے کیے۔ ان کے فضائل اس وقت کے لوگوں اور آئندہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے بیان فرمائے۔ چنانچہ سورۂ نحل میں ان لوگوں کے بارہ میں فرمایا:

"جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے اپنا وطن (مکہ مکرمہ) چھوڑ دیا، ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھی جگہ (امن و راحت) عطا کریں گے۔ اور آخرت کا ثواب تو یقیناً اس سے بڑھ کر ہے۔ کاش وہ اس (کی تفصیل) کو جانتے"۔

(النحل : ۴۱)

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دنیا میں اچھی جگہ دینے کے وعدہ میں ہر قسم کی خیر و برکت کو شامل کیا گیا تھا۔ مہاجرین مدینہ پہنچنے کے بعد ہر لحاظ سے آسودگی اور مرفہ الحالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور عزت و شوکت ہر ایک کے شامل حال رہی۔ جو بھی کسی نے کاروبار کیا، اسی میں فروغ اور ترقی نصیب ہوئی۔ مہاجرین میں سے خلفائے راشدین کو تو بالخصوص وہ عروج اور بلند اقبالی نصیب ہوئی کہ درویشانہ زندگی بسر کرنے کے باوجود چار دانگ عالم میں ان کے اوج اور عظمت کا ڈنکا بجنے لگا۔ پھر ان حضرات کو دنیوی کامیابی اور کامرانی سے جو حصہ وافر ملا، اس سے کہیں بڑھ کر وہ حسب وعدہ خداوندی دار آخرت میں بڑے بڑے مدارج پر فائز ہوں گے۔

سورۂ حشر میں ان لوگوں کے بارہ میں فرمایا:

"فئے کا مال (منجملہ اور حق داروں کے) محتاج مہاجرین کا (حق) ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیئے گئے اور وہ خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں لگے ہیں اور خدا اور اس کے رسول (یعنی دین حق) کی مدد پر مستعد ہیں یہی تو سچے (مسلمان) ہیں اور (فئے میں) ان کا (بھی حق) ہے کہ مہاجرین نے ابھی ہجرت نہیں کی تھی اور وہ اس سے پہلے دار ہجرت میں رہتے اور ایمان میں داخل ہو چکے ہیں۔ جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور مہاجروں کو جو کچھ دیا جائے، یہ اس پر اپنے دل میں کوئی طلب نہیں پاتے خواہ اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو (مہاجر بھائیوں کو) اپنے اوپر ترجیح دیتے

ہیں اور جو کوئی اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے اور جو لوگ ان کے بعد آئے، وہ دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے ان (مہاجرین و انصار) بھائیوں کے گناہ معاف فرما جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ایسا کر کہ جو لوگ ایمان لاچکے ہیں، ان کی طرف سے ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت رکھنے والا مہربان ہے"۔

(الحشر: ۸-۱۰)

آٹھویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مہاجرین جو ظلماً اپنے گھروں سے نکالے گئے، سچے مسلمان اور صادق لوگ ہیں۔ نویں آیت میں فرمایا کہ انصار مہاجرین سے محبت کرتے اور ان کی خدمت کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انصار کی جو فضیلت ہے، وہ مہاجرین کے خدمت گزار ہونے کی وجہ سے ہے۔ دسویں آیت میں ارشاد فرمایا کہ مہاجرین و انصار کے بعد جو مسلمان قیامت تک پیدا ہوں گے ان پر لازم ہے کہ وہ مہاجرین و انصار کے لیے دعاگو ہیں۔ ان تینوں آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرات مہاجرین ہی خلاصہ امت ہیں، باقی سب ان کے طفیلی ہیں۔

ان تینوں آیات سے امت کے تین طبقے ثابت ہوئے۔ پہلا درجہ مہاجرین کا، یہ درجہ ختم ہوچکا، یہ کسی کو نہیں مل سکتا۔ دوسرا درجہ انصار کا، وہ بھی ختم ہوچکا اور اب کسی کو نہیں مل سکتا۔ تیسرا درجہ ان مسلمانوں کا ہے جو ان دونوں کے بعد ہوں اور دونوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہیں۔ یہ درجہ باقی ہے اور انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ اس درجہ میں داخل رہ کر مہاجرین و انصار کے لیے دعائے مغفرت و ترقی کرتا رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی خدمات کا جن الفاظ میں اعتراف کیا ہے، وہ نہایت قابلِ غور ہیں۔ الفاظ یہ ہیں:

فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی۔

"پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے رستے میں انہیں اذیت دی گئی"۔ (آل عمران: ۱۹۵)

گویا حق تعالیٰ اعتراف فرما رہے ہیں کہ مہاجرین کا اور تو کوئی قصور نہیں تھا بلکہ وہ صرف اور صرف میری راہ میں ستائے گئے اور جو اذیتیں بھی انہوں نے اٹھائیں، خواہ وہ کوئی جسمانی اذیت ہو یا غریب الوطنی کی اذیت، وہ سب میری وجہ سے تھی۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک کسی محب نے اپنے محبوب کو یہ سرفرازی نہیں بخشی کہ محبوب کی اذیتوں کا ان الفاظ میں اعتراف کرے۔

قریش کی پریشانی اور ڈائریکٹ ایکشن

قریش نے جب دیکھا کہ تمام صحابہ کرامؓ آہستہ آہستہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے ہیں اور انہیں روکنے کے لیے ہماری تمام تدابیر الٹی ہو گئی ہیں اور یہ بھی پتہ چلا کہ اب ان کا عظیم قائد بھی، جس کو ہم نے تیرہ سال مختلف مصائب اور اذیتوں کا نشانہ بنایا ہے، چند روز میں جانے والا ہے تو انہیں بڑی فکر لاحق ہوئی۔ غم والم کے لاوے پھوٹ پڑے۔ اب ان کے سامنے ان کی دینی فکر اور اقتصادی اجتماعیت شدید خطرے میں تھی۔ انہیں یہ بھی احساس تھا کہ محمد ﷺ میں راہ نمائی اور قیادت کا کمال کس قدر انتہائی درجہ میں موجود ہے۔ پھر صحابہ کرامؓ کی عزیمت اور استقامت کا بھی انہیں پتہ تھا کیونکہ تیرہ سال انہوں نے انہیں جور و تشدد اور جبر و استبداد کی چکی میں پیسا تھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اوس و خزرج میں جن کے پاس یہ لوگ اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو لاد پھاند کر جا رہے ہیں، کس قدر قوت و قدرت اور جنگی صلاحیت موجود ہے اور ان دونوں قبائل کے عقلاء میں صلح اور صفائی کے کیسے جذبات ہیں اور وہ کئی سال تک خانہ جنگی کی تلخیاں چکھنے کے بعد اب باہمی رنج و عداوت کو ختم کرنے پر کس قدر آمادہ ہیں۔ ان سارے خطرات کو ذہن میں رکھتے ہوئے انہوں نے ان کا ایک کامیاب ترین علاج سوچنا شروع کیا لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ اس کا علاج کیا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے جتنے علاج بھی انہوں نے کیے، ان میں کوئی بھی کارگر نہ ہوا۔

اب وہ بیعت عقبہ ثانیہ کے قریباً اڑھائی ماہ بعد ۲۶ صفر المظفر ۱۴ نبوی میں (۱۲ ستمبر ۶۲۲ء) جمعرات کو مکہ کے بڑے ہال "دار الندوہ" میں سر جوڑ کر بیٹھے جو کہ تاریخ کا سب سے خطرناک اجتماع تھا۔ یہ "دار الندوہ" مکہ میں ایک مکان تھا جس کو قصی بن کلاب نے خاص مشوروں کے لیے تعمیر کیا تھا اور لوگ اس میں مل بیٹھ کر اپنے قبائل کی تعمیر و ترقی کے مشورے کیا کرتے تھے۔ قصی کے انتقال کے بعد یہ دار الندوہ بنی عبد الدار کے قبضہ میں آیا اور ان سے حکیم بن حزامؓ نے خریدا۔ حکیم بن حزامؓ نے سیدنا

Marfat.com

معاویہؓ کے عہد خلافت میں اس کو ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ بعض لوگوں نے ملامت کی کہ باپ دادا کی نشانی کو تم نے اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔ سیدنا حکیم بن حزامؓ نے بڑا پیارا اور نفیس جواب دیا کہ "خدا کی قسم! سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے باقی سب بزرگیاں ختم ہو گئیں۔ میں نے یہ مکان جاہلیت میں شراب کی ایک مشک کے بدلہ میں خریدا تھا اور اب ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا۔ اور میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ ایک لاکھ درہم سارے کے سارے اللہ کے رستے میں صدقہ کرتا ہوں۔ اب بتلاؤ کیا نقصان ہوا؟" ("زرقانی" جلد ا ص ۳۲۱)

یہ اجتماع نہایت اہم تھا کیونکہ اس میں فریقین میں سے ہر ایک کے مستقبل کا فیصلہ تھا۔ اس وجہ سے اس میں قریش کے قریباً تمام قبائل کے نمائندوں نے شرکت کی اور وہ یہ سوچنے کے لیے بیٹھے کہ کس طرح اب اسلامی دعوت کے قائد کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے اپنی بت پرستی اور اقتصادی زندگی کا تحفظ اور دفاع کیا جائے کیونکہ اگر آج ہم محمد ﷺ کو ختم نہ کر سکے تو وہ وقت جلد آنے والا ہے جب وہ اور ان کی جمعیت نہ صرف ہمیں بلکہ ہمارے دیوی دیوتاؤں کو بھی ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ خوفناک اجتماع میں جن شخصیات نے شرکت کی، ان میں نمایاں چہرے حسب ذیل تھے:

۱۔ ابو جہل عمرو بن ہشام (بنو مخزوم)

۲۔ شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، ابو سفیان بن حرب (بنی عبد شمس بن عبد مناف)

۳۔ جبیر بن مطعم، طعیمہ بن عدی، حارث بن عامر (بنی نوفل بن عبد مناف)

۴۔ نضر بن حارث (بنی عبد الدار)

۵۔ ابو البختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام (بن اسد بن عبد العزیٰ)

۶۔ نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج (بنی سہم)

۷۔ امیہ بن خلف (بنی جمح)

ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

"وہ سب دار الندوہ میں جمع ہوئے اور اہلِ الرائے لوگوں میں سے کوئی شخص پیچھے نہ رہا تاکہ رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں مشورہ کیا جا سکے"۔

("طبقات ابن سعد" جلد ا ص ۲۲۷، "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۷۵)

جب یہ نمائندگان دار الندوہ پہنچے تو ابلیس لعین بھی ایک بوڑھے شیخ کی صورت میں دروازے پر آن کھڑا ہوا۔ لوگوں نے اس اجنبی صورت کو دیکھ کر دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ ابلیس نے کہا "میں نجد کا ایک شیخ ہوں۔ تمہارے اس اجتماع کا سن کر آیا ہوں۔ آپ لوگوں کی باتیں اور تجاویز سننا چاہتا ہوں اور اگر ممکن ہوا تو اپنی خیر خواہانہ تجاویز اور مشورے سے بھی محروم نہ رکھوں گا"۔ حاضرین نے اسے

Marfat.com

اندر آنے کی اجازت دے دی۔

آج کل کی اصطلاح میں یہ ایک کانفرنس تھی جس میں مختلف لوگوں نے مختلف تجاویز دین اسلام کو مٹانے اور ہادی اسلام کو ختم کرنے کے لیے پیش کیں اور پھر ان کے اثرات کا تجزیہ کیا گیا۔ سب سے پہلے ابوالاسود نے کانفرنس کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اس شخص (محمد ﷺ) کو اپنے درمیان سے نکال دیں اور اپنے اس مقدس شہر میں سے جلاوطن کر دیں۔ پھر ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کہاں رہتا ہے۔ ہمیں ہر طرح کا اطمینان اور چین نصیب ہو جائے گا اور جو لوگ باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر اس کے دین اسلام کو قبول کر چکے ہیں، وہ جب اپنے کو بے سہارا اور اس کے بغیر پائیں گے تو وہ اس کا دین چھوڑ کر دوبارہ ہم سے آملیں گے اور ہم میں بھی پھر پہلے جیسی وحدت و یگانگت پیدا ہو جائے گی۔

شیخ نجدی جو ایک مبصر کی حیثیت سے وہاں موجود تھا فوراً بول اٹھا کہ آپ کی یہ تجویز ناقص اور غیر مناسب ہے۔ کیونکہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ محمد ﷺ کتنے خوش اخلاق اور شیریں کلام ہیں۔ جس سے ایک دفعہ بات کر لیتے ہیں، ان کی شخصیت کی جاذبیت کی وجہ سے وہ فوری طور پر ان کا گرویدہ بن جاتا ہے۔ اگر ان کو مکہ سے جلاوطن کر دیا گیا تو وہ اپنے حسن اخلاق اور شیریں بیانی اور جاذب شخصیت کی وجہ سے عرب کے قبائل کو اپنا مطیع کر کے انہیں تم پر چڑھا لائیں گے پھر تمہیں تمہارے شہر کے اندر اپنے گھوڑوں کے سموں سے ایسا پامال کریں گے کہ تمہارا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ تجویز کوئی ایسی ہو جو ہر لحاظ سے کامیاب ہو۔

ابوالبختری نے جو بنی اسد بن عبدالعزیٰ کے قبیلہ کی نمائندگی کر رہا تھا کہا کہ میری تجویز یہ ہے کہ محمد ﷺ کو لوہے کی بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر دیا جائے اور دروازہ بند کر کے دروازہ پر پہرے بٹھا دیئے جائیں۔ پھر اس کے اس انجام کا انتظار کیا جائے جو زہیر اور نابغہ وغیرہ کا ہو چکا ہے کہ قید ہی میں ان کا دم نکل گیا تھا۔ شیخ نجدی نے اس تجویز کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کو بھی ناقابلِ عمل اور ناقص قرار دیا۔ اس نے کہا "یہ رائے بھی مناسب اور درست نہیں ہے۔ بخدا! اگر آپ لوگوں نے اسے قید و بند میں ڈال دیا تو اس کی خبر بند دروازے سے باہر نکل کر اس کے ساتھیوں اور اصحاب تک ضرور پہنچ جائے گی۔ پھر بعید نہیں کہ وہ اطراف و اکناف سے جمع ہو کر تم پر ہلہ بول دیں اور آپ کو تمہارے قبضہ سے چھڑا لے جائیں۔ پھر اپنی تعداد بڑھا کر تم پر غلبہ حاصل کر لیں۔ لہٰذا یہ رائے بھی مناسب نہیں کوئی اور تجویز سوچو۔

جب یہ دونوں تجاویز رد ہو گئیں تو ابوجہل نے ایک تیسری تجویز پیش کی۔ اس نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا "اے عمائدین قریش! میری اس بارہ میں ایک رائے ہے۔ تم اس پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرو۔ میرے خیال میں تم لوگ اب تک اس پر نہیں پہنچے۔ میری رائے میں اس سے بہتر کوئی تدبیر

Marfat.com

ممکن العمل نہیں"۔ لوگوں نے نہایت متجسسانہ لہجے میں پوچھا "ابوالحکم! وہ کیا ہے؟" ابوجہل نے کہا "وہ یہ ہے کہ ہم تمام قبائل قریش میں سے ایک ایک توانا اور جوان آدمی منتخب کریں۔ پھر ہر ایک کو ایک تیز دھار تلوار دیں اور جب رات کو محمد ﷺ محو خواب ہوں تو ان کے مکان کا محاصرہ کر لیں۔ اور جب صبح اندھیرے منہ وہ نماز صبح کے لیے گھر سے نکلیں تو یہ سب نوجوان اور مضبوط و توانا آدمی ان پر یکبارگی اس طرح اپنی تلواروں سے ٹوٹ پڑیں اور اس پر اس طرح حملہ کریں جیسے ایک ہی آدمی نے تلوار ماری ہو۔ اس طریقہ سے ہمیں اس شخص سے ہمیشہ کے لیے نجات اور راحت مل جائے گی۔ اور اس طرح سے قتل کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس شخص کا خون تمام قبائل میں بکھر جائے گا اور بنو ہاشم تمام قبائل سے انتقام نہ لے سکیں گے اور لامحالہ دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم سب مل کر نہایت آسانی سے دیت ادا کر دیں گے۔ یہ ایک بے ضرر صورت ہے۔ جس کی بدولت ہمیں تمام خرخشوں سے نجات مل سکتی ہے"۔

یہ تجویز سن کر شیخ نجدی (ابلیس لعین) نے کہا "یہ تجویز نہایت معقول اور قابل عمل ہے اور اس کے نتائج بھی نہایت مفید ہوں گے۔ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی محفوظ رہے گی۔ جب اس نے اس تجویز کی تحسین کی تو تمام حاضرین نے بھی تحسین کی ڈونگرے برسانے شروع کر دیئے۔ اور اتفاق رائے سے تمام مجلس نے اس مجرمانہ تجویز کو قرارداد کی شکل دے کر پاس کر لیا اور ہر رکن مجلس اس عزم صمیم کے ساتھ واپس گھر آیا کہ اس قرارداد کو کس طرح عملی شکل دے کر دنیا کو اس ابر رحمت سے یک قلم محروم کر دیا جائے جو کائنات ارضی کی تشنگی سعادت کو سیراب کرنے کی لیے مکہ کے افق سے نمودار ہوا تھا۔ اسی مجلس میں قتل کے لیے آدمی بھی نامزد کر دیئے گئے۔ قتل کا وقت بھی متعین کر دیا گیا اور اس ساری کارروائی کو اس قدر مخفی رکھا گیا کہ کسی کو کانوں کان اس کی خبر نہ ہونے پائی۔ اس کارروائی کا سورۃ انفال میں یوں اشارہ فرمایا گیا:

"(اے پیغمبر وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب کہ کافر تمہارے خلاف (اپنے ایوان میں) تدابیر سوچ رہے تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے"۔ (الانفال: ۳۰)

ادھر قریش کے دارالندوہ (پارلیمنٹ) میں سرکار دو عالم ﷺ کے خلاف یہ قرارداد ابلیس لعین کی موجودگی میں پاس ہو رہی تھی، ادھر حق تعالیٰ شانہ کی قدرت خندہ زن تھی کہ آج از راہ حماقت جس ذات گرامی کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا ہے، عنقریب اس کو نہ صرف پوری کائنات میں بلکہ آسمان پر بھی وہ عظمت اور سربلندی نصیب ہو گی بلکہ معراج میں ہو چکی ہے کہ نہ صرف عرب بلکہ پوری دنیا رہتی دنیا

Marfat.com

تک اس پر فخر کرے گی۔ اور دنیا کی کوئی سعید روح ایسی نہ ہوگی، جو قیامت تک اس کے احسانات کے بار دوش سے سبکدوش ہو سکے۔ اور اس کے قلاش اور مفلوک الحال ساتھی (صحابہ کرامؓ) جو عالم بے بسی اور حالت بے کسی میں وطن سے غریب الوطن ہوئے ہیں، وہ عرب و عجم کے مالک ہو کر اپنی قوم کو آسمان عظمت و جاہ کا نیر تاباں بنادیں گے۔ آج اس کے قتل کی قرارداد پاس کرنے والوں میں سے اکثر تو اس کی تیغ براں کا لقمہ بنیں گے اور جو لوگ بچ رہیں گے، وہ اس کی کفش برداری پر صد ناز و افتخار کریں گے۔

اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ قتل کی اس قرارداد کے پاس کرنے والوں میں بنو ہاشم کا رئیس اور آپ کا بد نصیب چچا ابولہب بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام جو شعب بنی ہاشم میں اپنی پھوپھی اور حضور ﷺ کے لیے غلہ لے جایا کرتے تھے، اور جبیر بن مطعم جو رسول اللہ ﷺ کو اپنی حمایت میں لے کر آستان مبارک تک چھوڑ گئے تھے اور ابھی حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اور ابو سفیان بن حرب جو اپنے سارے خاندان سمیت چند سالوں کے بعد وابستگان نبوت کے زمرہ میں شامل ہونے والے تھے اور زمعہ بن الاسود جو معاہدہ قریش کو پھاڑنے میں پیش پیش تھا، بھی شریک تھے۔

جب عمائدین قریش مکہ کے دار الندوہ میں کاشانہ نبوت کا محاصرہ کر کے ان کو (معاذ اللہ) قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے اور پھر اس بارہ میں قرارداد بھی پاس کی تو سیدہ رقیقہ بنت صیفیؓ نے جو خواجہ عبد المطلب کی بھتیجی تھیں، فوراً آپ کو اس بارہ میں اطلاع دی (ابن سعد) لیکن اس سے بھی پہلے روح الامین جبریل علیہ السلام نے آپ کو قریش کی اس قرارداد کے متعلق مطلع کر دیا اور یہ حکم خداوندی بھی پہنچا دیا کہ آپ کے لیے ہجرت کا وقت اور رفیق ہجرت (سفر کا ساتھی) بھی متعین فرما دیا ہے۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جبریل امین سے پوچھا کہ میرا رفیق سفر کون ہوگا؟ جبریل نے کہا: ابوبکرؓ۔
("مستدرک حاکم" جلد ۳، ص ۵، "زرقانی" جلد ۱، ص ۲۲۶)

سفر چونکہ پانچ سو کلومیٹر کا تھا، جس کے لیے ایک ایسے خادم اور ساتھی کی ضرورت تھی، جو جان نثار ہونے کے ساتھ ساتھ ہمدم اور ہمراز بھی ہو۔ آپؐ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا اخلاص رکھتا ہو۔ شجاعت و جانثاری کے ساتھ نہایت عقیل، دانشور اور مدبر بھی ہو۔ اس لیے سیدنا ابوبکرؓ کو رفیق سفر کے لیے نامزد کیا گیا۔ اور یہ بھی بتایا گیا کہ یہ رات آپ اپنے اس بستر پر نہ گزاریں جس پر پہلے گزارا کرتے تھے۔ یہ ابن ہشام وغیرہ کی روایت ہے۔ ("ابن ہشام جلد ۱، ص ۴۸۲"، "زاد المعاد" جلد ۲، ص ۵۲)

سیرۃ کی عام کتابوں میں ہے کہ قریش کے اکابر مجرمین نے دار الندوہ میں پاس کی گئی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں لیکن یہ تیاریاں نہایت مخفی تھیں تاکہ نبوت کے کانوں تک اس قرارداد کا متن نہ پہنچ سکے۔ لیکن وہاں تو علیم و خبیر خدا نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ بہرحال اس مقصد کے

Marfat.com

لیے قریش مکہ نے گیارہ سرداروں کو منتخب کیا اور انہیں تاکید کی گئی کہ وہ آج رات ہی اس قرارداد کو عملی جامہ پہنائیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے ان کے نام حسب ذیل دیئے ہیں جنہوں نے آپؐ کے مکان کا محاصرہ کیا:

(۱) ابو جہل بن ہشام (۲) حکم بن العاص (۳) عقبہ بن ابی معیط (۴) نضر بن حارث
(۵) امیہ بن خلف (۶) زمعہ بن الاسود (۷) طعیمہ بن عدی (۸) ابولہب بن عبدالمطلب
(۹) ابی بن خلف (۱۰) نبیہ بن الحجاج (۱۱) منبہ بن الحجاج

("زادالمعاد" جلد ۲، ص ۵۲، "طبقات ابن سعد" جلد ۲، ص ۱۵۴)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت

ربیع الاوّل کی یکم تاریخ، سن عیسوی کے حساب سے ستمبر کی ۱۲ تاریخ، پیر کا دن، رات کو سرکارِ دو عالم ﷺ گھر میں اپنے نوجوان چچازاد بھائی سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے ساتھ موجود ہیں۔ گھر کا ماحول تاریک ہے، لیکن اس تاریکی میں وہ دونوں حضرات (سیدنا علیؓ اور سرکارِ دو عالم ﷺ) آپس میں آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ گھر کے اندر کی کیفیت تو یہ تھی لیکن آج کی رات باہر کا ماحول نہایت خوفناک اور ہیبت ناک تھا۔ آج اس گھر کو قریش کے اکابر مجرمین نے گھیرا ہوا ہے۔ اس گھر کو، جس کے رہنے والے کو کبھی وہ ''الصادق الامین'' کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ جس کو اپنے جھگڑوں اور تنازعات میں نہایت خوشی سے ثالث اور حکم مانتے تھے، جس کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ آج اس پاک ہستی کو قتل کرنے اور صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے اس کے گھر کو گھیرا ہوا ہے اور باہر گھات لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں کہ کب وہ باہر نکلے اور کب اس پر یکبارگی حملہ کر کے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ لیکن ''وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے'' بلکہ

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آنکہ تف زند ریشش بسوزد

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رات ذرا بھیگ گئی اور اس نے تاریکی اور ظلمت کی چادر اوڑھ لی تو یہ لوگ (جن کے نام اوپر دیئے گئے ہیں) گھات لگا کر کاشانہ نبوت کے دروازے پر بیٹھ گئے۔ ابو جہل دوسرے لوگوں سے ہنس ہنس کر یہ کہہ رہا تھا کہ محمد ﷺ کا یہ گمان ہے کہ اگر تم ان کا اتباع کرو تو تم عرب و عجم کے بادشاہ ہو گے اور مرنے کے بعد تم کو جنت ملے گی اور اگر اس پر ایمان نہ لاؤ گے تو دنیا میں ان کے پیروؤں کے ہاتھوں سے قتل کیے جاؤ گے۔ اور مرنے کے بعد جہنم کی آگ میں جلو گے۔ یہ کلمات استہزاء کے طور پر وہ کہہ رہا تھا کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ چند گھنٹوں کے بعد وہ اس ہستی کو ختم کر دیں گے جس نے

Marfat.com

تمام دنیا کو یہ پیغام دیا تھا۔

قرارداد کے متن میں یہ تھا کہ رات کو محمد ﷺ کے گھر کو گھیر لیا جائے اور صبح کے وقت جب اندھیرے منہ سرکارِ دو عالم ﷺ نماز کے لیے باہر نکلیں تو ان پر تمام قبائل کے یہ لوگ یکبارگی حملہ کر دیں اور انہیں (معاذ اللہ) موت کے گھاٹ اتار دیں۔ یہ لوگ آنکھوں میں رات گزار رہے تھے کہ کب وہ باہر نکلیں اور کب ان پر حملہ کریں۔ لیکن جسے اللہ بچانا چاہے، اسے کوئی نہیں مار سکتا۔

اس نازک ترین لمحے میں سیدنا علیؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

"میرے بستر پر میری یہ حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو تم کو کوئی بھی گزند نہیں پہنچائے گا"۔ (ابن ہشام ج ۱ ص ۴۸۳، طبری ج ۲ ص ۹۹، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۷۶)

رات کافی بھیگ چکی تھی بلکہ آخری پہر شروع ہو چکا تھا۔ پورے مکہ پر ہو کا عالم طاری تھا۔ سارے گھروں میں بلکہ پوری فضا میں سناٹا تھا۔ کاشانہ نبوت کو گھیرنے والے کافر غالباً کھڑے کھڑے تھک گئے تھے۔ اس لیے اب وہ حضور ﷺ کے دروازہ کے ساتھ قطار لگا کر بیٹھ گئے تاکہ وہ وہاں سے کسی صورت گزر نہ سکیں۔ لیکن "نور خدا تھا کفر کی حرکت پہ خندہ زن" آپ بغیر کسی خوف و ہراس کے نہایت اطمینان کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ مشرکین کی صف کو چیرا اور سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے ان کے پاس پہنچے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ زبان مبارک پر تھی:

وجعلنا من بین ایدیهم سدا ومن خلفهم سدا فاغشیناهم فهم لا یبصرون۔

"ہم نے ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار کھڑی کر دی۔ پھر اوپر سے ڈھانک دیا سو وہ نہیں دیکھ رہے ہیں"۔ ("یٰسین: ۹)

اب نہیں کہا جا سکتا کہ ان کو نیند آ گئی یا ان کی آنکھوں کے سامنے دیوار کھڑی کر دی گئی یا ان کی آنکھوں میں مٹی پڑ گئی۔ لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ ان کے سامنے اللہ رب العزت نے واقعی کوئی دیوار کھڑی کر دی جس کو آپ محسوس فرما رہے تھے پھر اطمینان کی بھی انتہا ہو گئی کہ آپ یونہی نہیں گزر جاتے بلکہ اپنے دست مبارک میں مٹی لیتے ہیں اور ہر ایک سر پر مٹی ڈالتے ہوئے تشریف لے جاتے ہیں۔ یہ ایک پیغمبر کا اپنے رب پر یقین کا ایک نمونہ ہے۔

سہیلیؒ نے "الروض الانف" میں بعض علمائے سیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے رات کے ایک حصے میں دیوار پھاند کر اندر جانے کی کوشش کی لیکن اندر سے کسی عورت کی آواز آئی جسے سن کر وہ دبک گئے اور انہوں نے آپس میں کہا:

"بخدا یہ سارے عرب میں ہمارے لیے سخت بدنامی کی بات ہو گی کہ ہم دیواریں پھاند کر

رات کو اپنے ہی ایک رشتہ دار کے گھر میں گھسے اور ہم نے اپنے قبیلے کی بیٹیوں کی عزت و آبرو کا بھی خیال نہ کیا"۔

یہی وجہ تھی کہ وہ رات بھر باہر بیٹھے رہے اور اس انتظار میں رہے کہ صبح سویرے جب آپؐ اٹھیں تو یکبارگی آپ پر ٹوٹ پڑیں۔

لیکن ہمیں اس روایت سے اختلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے اور یہ بات قریباً سیر کی ہر کتاب میں مذکور بھی ہے کہ قرارداد پاس کرتے وقت ہی یہ کہا گیا تھا کہ گھر میں گھس کر حملہ نہیں کرنا بلکہ جب آپؐ باہر نکلیں تو پھر آپ پر حملہ آور ہونا ہے اور یکبارگی حملہ کرنا ہے تاکہ کسی ایک قبیلہ پر الزام نہ آئے۔ قرارداد کا یہ متن اس لیے پاس کیا گیا کہ مکہ کے ان کافروں کے ہاں کبھی کسی کے گھر میں گھس کر اس پر حملہ کرنا نہایت معیوب سمجھا جاتا تھا خواہ وہ شخص کتنا ہی مخالف کیوں نہ ہو۔

یہاں سے آپ سیدھے سیدنا ابو بکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ جو وہاں آپ کے لیے سراپا انتظار تھے۔ ادھر محاصرین آپؐ کے کاشانہ نبوت سے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے تھے، لیکن انہیں جلد ہی اپنی نامرادی اور ناکامی کا علم ہو گیا جب ایک غیر متعلقہ شخص نے انہیں آکر چونکا دینے والی خبر سنائی۔ اس نے ان لوگوں کو آپؐ کے دروازے پر کھڑے دیکھ کر پوچھا "آپ لوگ کس کا یہاں انتظار کر رہے ہیں؟" انہوں نے کہا "محمد ﷺ کا" اس نے کہا "خدا کی قسم! محمد ﷺ تو آپ لوگوں کے پاس سے چلے گئے اور تمہاری غفلت کی انتہاء ہے کہ خاک تمہارے سروں پر پڑی ہے اور تمہیں اس کی کوئی خبر نہیں"۔ وہ گھبرا کر اٹھے۔ سروں پر ہاتھ پھیرے تو وہ واقعی خاک آلود تھے۔ وہ سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اٹھ پڑے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ شخص صحیح کہتا ہے۔ دروازہ دیکھا تو وہ بھی کھلا ہوا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابو جہل کاشانہ نبوت کے محاصرین سے استہزاء کے طور پر ہنس ہنس کر وہ کلمات کہہ رہا تھا جو ہم نے اوپر نقل کیے ہیں تو سرکارِ دو عالم ﷺ گھر سے ایک مشت خاک لیے ہوئے برآمد ہوئے اور فرمایا:

"ہاں میں یہی کہتا ہوں اور تو بھی ایک انہی میں سے ہے کہ دنیا میں میرے ساتھیوں کے ہاتھ سے قتل ہو گا اور مرنے کے بعد جہنم میں جلے گا"۔ ("عیون الاثر" جلد ۱، ص ۲۹۱)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف ان کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے بلکہ ان کے کان بھی بہرے ہو گئے اور وہ حضور ﷺ کے یہ الفاظ بھی نہ سن سکے۔

اس معاشرہ میں کسی کے مکان میں بلا اجازت گھسنا بڑا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے وہ ساری رات مکان کے باہر کھڑے رہے اور اندر گھسنے کی جرأت نہ کی لیکن اس غیر متعلقہ شخص نے انہیں تذبذب میں ڈال دیا کیونکہ وہ دروازہ کے بالکل باہر قطار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا

Marfat.com

تھا کہ وہ ان کے پاس سے کیسے گزر گئے۔ انہوں نے اب ضابطہ اخلاق سے دامن جھاڑ کر پہلے تو کواڑ کے سوراخ سے اندر جھانکا۔ دیکھا کہ حضور ﷺ کے بستر پر کوئی لیٹا ہوا ہے اور اس پر جو چادر ہے، وہ وہی ہے جو حضور ﷺ لے کر لیٹا کرتے ہیں۔ چنانچہ غصہ اور جوش میں وہ اندر گھس گئے۔ چادر کھینچی تو دیکھا کہ ایک سن رسیدہ کی جگہ ایک کمسن لڑکا علی بن ابی طالبؓ اس بستر پر دراز خراٹے لے رہا ہے۔ انہیں دیکھ کر کہنے لگے "واللہ! اس شخص نے ہم سے بالکل صحیح کہا"۔ اب حواس باختہ دشمنوں نے انہیں جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ پوچھا "محمد ﷺ کہاں ہے؟" سیدنا علیؓ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا "مجھے کیا خبر؟" (لاعلم لی بہ) بہت کچھ پوچھا، ڈرایا اور دھمکایا لیکن سیدنا علیؓ کچھ نہ بتا سکے۔

طبری اور ابن ہشام نے لکھا ہے کہ قریش مکہ نے سیدنا علیؓ سے پوچھا "تمہارے صاحب کہاں ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "مجھے کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں تشریف لے گئے۔ میں ان پر کوئی نگران نہیں ہوں۔ تم لوگوں نے انہیں نکالا اور وہ نکل گئے"۔ اس پر یہ سفاک دشمن جھلا گئے اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کی۔ مارا پیٹا اور مسجد حرام لے جا کر کچھ دیر بند کر دیا۔ تھوڑی دیر حبس بے جا میں رکھنے کے بعد چھوڑ دیا۔

ہو سکتا ہے کہ سیدنا علیؓ کو چھوڑ دینے کا اصل سبب یہ ہو کہ سرکارِ دو عالمؐ نے ان کو اہلِ مکہ کی امانتیں واپس کرنے کے لیے پیچھے چھوڑا تھا۔ لہٰذا اپنا مال واپس ملنے کی وجہ سے انہیں چھوڑا، اور شرم و ندامت نے بھی جھنجھوڑا ہو گا کہ جس شخص کو وہ جان سے مارنے کے لیے آئے تھے، وہ اتنا بلند اخلاق ہے کہ قتل گاہ سے جاتے وقت بھی اسے اپنے دشمنوں کی امانتیں ادا کرنے کی فکر رہی۔ یہ اس دنیا میں اپنی واحد مثال ہے۔

سیدنا علیؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق آپ کی عطاء کردہ امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کر کے تین روز بعد عازم مدینہ ہو گیا۔ فرماتے ہیں:

> "میں تین دن مکہ میں رہا۔ میں لوگوں کے سامنے آتا جاتا۔ میں ایک روز بھی لوگوں سے غائب نہیں رہا۔ پھر تین روز کے بعد مکہ سے نکلا اور اس راستہ پر چلتا گیا جس راستے پر رسول اللہ ﷺ گئے تھے۔ یہاں تک کہ میں قبا میں عمرو بن عوف کے محلہ میں پہنچا۔ میں کلثوم بن الہدم کے مکان پر گیا جہاں سرور کائنات ﷺ قیام فرما تھے"۔

("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۲۳۵، "طبری" جلد ۲، ص ۱۰۶)

مشرکین یہاں سے دوڑ کر سیدنا ابو بکرؓ کے مکان پر گئے۔ وہاں ایک لڑکی (سیدہ اسماءؓ) ملی۔ پوچھا تمہارے ابا کہاں ہیں؟ لڑکی نے جواب دیا "مجھے خبر نہیں"۔ ظالم ابو جہل شقی نے اپنی ناکامی کے باعث نہایت غصہ سے سیدہ اسماءؓ کے منہ پر اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ سیدہ کے کان کی بالی گر گئی۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۷۶، "سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ۴۸۰-۴۸۳، "عیون الاثر"

جلد۱، ص۲۹۱-۲۹۲، ''طبقات ابن سعد'' جلد۱، ص۱۵۳، ''خصائص کبریٰ'' جلد۱، ص۱۸۵، ''زرقانی'' جلد۱، ص۲۷۴، وغیرہم)

جب ان بدبختوں کو پورا یقین ہوگیا کہ حضور ﷺ ہاتھ سے نکل گئے تو آپ کی تلاش میں دوڑے۔ مکہ کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ چھان مارا لیکن آپ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اور وہ خائب و خاسر ہو کر اپنا سر کھجانے لگے۔

واقعات کی یہ ساری تفصیل ان روایات کی روشنی میں ہے جو تاریخ و سیر کی عام کتابوں میں مرقوم ہیں۔ لیکن بخاری جو کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب سمجھی جاتی ہے، اس کی رو سے سیدنا علیؑ کا بستر رسول پر سونا اور رسول اللہ ﷺ کا رات کو مکہ سے نکلنا ایک افسانہ نظر آتا ہے۔

بخاری میں سیدہ عائشہ صدیقہ ام المومنین سلام اللہ علیہا سے جو روایت مروی ہے، اس میں صاف مذکورہ ہے کہ ہجرت کا سفر رات کو نہیں بلکہ دوپہر کو شروع ہوا۔ ویسے حالات اور عقل کا تقاضا یہی ہے کہ وہ سفر رات کے بجائے دوپہر کو ہوتا۔ ہجرت نبوی ستمبر کے مہینہ میں ہوئی جو کہ عرب میں سخت گرمی کا مہینہ ہوتا ہے۔ گرمیوں کے مہینوں میں عرب لوگ دوپہر کو سفر نہیں کرتے کیونکہ اس وقت سخت گرمی ہوتی ہے۔ لو چلتی ہے جو کہ بدن کو جھلسا کر رکھ دیتی ہے۔ اس وجہ سے دوپہر کو راستے سنسان ہوتے ہیں اور رات کے وقت جب گرمی کی شدت اور حدت کم ہو جاتی ہے، عرب لوگ سفر کرتے ہیں اور راستوں پر مسافروں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی ہے۔ آپ نے چونکہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر سفر کرنا تھا، لہٰذا دوپہر کے وقت سفر کرنا آپ کے لیے زیادہ فائدہ مند تھا نہ کہ رات کے وقت سفر کرنا۔ اور بخاری کی یہ روایت کہ ہجرت کا سفر آپؐ نے دوپہر کے وقت کیا، عین قرین قیاس بھی ہے اور سند کے لحاظ سے بھی زیادہ ثقہ ہے۔ چنانچہ سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے، جس کو زہری نے عروہ بن زبیرؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ:

> ''ایک روز ہم سب گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عین دوپہر کا وقت تھا۔ اس وقت سرکارِ دو عالم ﷺ ہمارے گھر میں تشریف لائے۔ گھر کے کسی شخص نے حضور ﷺ کو آتے دیکھ کر کہا کہ سرور کائنات ﷺ سر ڈھانپے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ (یہ سر ڈھانپنا یا تو گرمی کی وجہ سے تھا یا لوگوں کی شناخت سے بچنے کے لیے تھا) آپ اس سے پہلے اس وقت کبھی تشریف نہ لائے تھے۔ سیدنا ابوبکرؓ نے کہا ''میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، آپ ضرور کسی اہم کام کے لیے تشریف لائے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت پا کر آپؐ اندر تشریف لائے۔ آپؐ نے سیدنا ابوبکرؓ سے فرمایا ''یہاں اس وقت جتنے لوگ ہیں انہیں یہاں سے ہٹا دو (کیونکہ ایک اہم بات کرنی ہے)'' سیدنا ابوبکرؓ نے عرض کیا

Marfat.com

"یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ تو آپ ہی کے گھر والے ہیں"۔ اس پر سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "مجھے یہاں سے باہر جانے (ہجرت) کا حکم دیا گیا ہے"۔ سیدنا ابوبکرؓ نے کہا "یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیجئے"۔ آپ نے فرمایا "ٹھیک ہے"۔ سیدنا ابوبکرؓ نے کہا "یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ لے لیں"۔ آپؐ نے فرمایا "مفت نہیں قیمتاً لوں گا"۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے لیے جلدی جلدی سامان سفر اور زادِ راہ تیار کیا۔ کچھ کھانا چمڑے کے ایک تھیلے میں رکھ دیا۔ سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنا ازار بند کاٹا اور اس سے تھیلے کا منہ باندھا۔ اس وجہ سے ان کا نام "ذات النطاقین" پڑ گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ اپنی اپنی سواریوں پر چل پڑے اور غار ثور میں تین دن تک چھپے رہے۔ ("بخاری" جلد ۱، ص ۵۵۳)

بخاری کی اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

۱۔ سفر ہجرت رات کو نہیں بلکہ دن کے وقت شروع ہوا۔ لہٰذا جن روایات میں رات کے سفر کا ذکر ہے، وہ بخاری کی اس حدیث کے مقابلہ میں کمزور ہیں۔

۲۔ ہجرت کا جونہی آپ کو حکم ہوا، آپ اسی وقت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لائے۔ ابوبکرؓ کو حکم سنایا۔ ابوبکرؓ نے رفاقت کی درخواست کی جو آپؐ نے منظور فرمائی۔

۳۔ اسی وقت ابوبکرؓ کے گھر ہی پر زادِ راہ سیدہ عائشہؓ اور سیدہ اسماءؓ دونوں بہنوں نے تیار کیا اور سیدہ اسماء نے اپنے ازار بند سے اس تھیلے کے منہ کو باندھا جس میں کھانا تھا۔

۴۔ ابوبکرؓ کے گھر ہی سے اسی وقت (دوپہر کے وقت) سیدنا ابوبکرؓ اور رسول اللہ ﷺ ہجرت کے لیے روانہ ہو گئے۔ اور جبل ثور کے ایک غار میں تین دن تک چھپے رہے۔

یہ جو تاریخ و سیر کی کتابوں میں محمد ابن اسحاق وغیرہ کے حوالے سے روایات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علیؓ کو اپنے بستر پر سلایا اور فرمایا کہ یہ سبز چادر اوڑھ کر سو جاؤ، تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ اور آپ نے رات کے وقت ہجرت فرمائی، بخاری کی اس روایت کے مقابلہ میں ان روایات کی ایک افسانے سے زیادہ حیثیت نہیں۔ اور ان روایات کے خدوخال سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنائی گئی ہیں۔ بہرحال ہمارے اہلِ قلم اور اصحاب سیر کو اس بارہ میں غور و فکر کرنا چاہیے اور ہجرت رسولؐ کے بارہ میں صحیح روایت جو بخاری نے نقل کی ہے، اس کو سامنے لانا چاہیے۔ اس بارہ میں اردو کے مورخین نے بھی بڑی زیادتی کی ہے اور بخاری کی روایت چھوڑ کر دوسری روایات نقل کر دی ہیں۔

۵۔ یہ ہے عشقِ رسول کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کو اہل و عیال اور مال و جائیداد وغیرہ کی

Marfat.com

کوئی فکر نہیں۔ دل مضطر کی تڑپ صرف اور صرف یہ ہے "آپ کی رفاقت یا رسول اللہ!
میرے ماں باپ آپ پر قربان" (الصحابہ، بابی انت یا رسول اللہ)

٦۔ کچھ آنسو صدمہ اور غم سے ہوتے ہیں اور کچھ خوشی اور مسرت ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو بکرؓ کو ہجرت کی بشارت اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں جو ملی تو فرط مسرت سے سیدنا ابو بکرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا کہ خوشی میں بھی آنسو آ جاتے ہیں۔ (سیرۃ ابن ہشام" جلد ١، ص ٢٩١)

٧۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے پہلے ہی دو اونٹنیاں پال رکھی تھیں۔ بعض روایات میں ہے کہ صدیق اکبرؓ نے چار ماہ پہلے سے یہ اونٹنیاں خرید رکھی تھیں اور اس خیال سے کہ نہ معلوم کس وقت حکم ہو جائے، اس لیے ان اونٹنیوں کو چرواہے کے سپرد نہیں کیا تھا بلکہ گھر پر کھڑا کر کے چارہ کھلاتے رہے تھے۔

٨۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مفت میں اونٹنی لینا منظور نہ کیا بلکہ قیمت ادا کرنا ضروری سمجھا۔ حافظ ابن حجر نے واقدی کی روایت نقل کی ہے کہ ان دونوں اونٹنیوں کی قیمت آٹھ سو درہم تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جو اونٹنی لینی منظور فرمائی، وہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے قبیلہ بنی قشیر سے خریدی تھی۔ اس کا نام قصواء رکھا گیا۔ یہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی سواری میں آخر تک رہی۔ اور حضور ﷺ کی وفات کے بعد بہت کم زندہ رہی۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں اس کی زندگی کا خاتمہ ہوا۔

("فتح الباری" جلد ٧، ص ١٨٧)

٩۔ سیدہ اسماءؓ نے جو اپنا ازار بند کاٹ کر زادِ راہ کے تھیلا کو باندھا تو اس کا وہ ایثار اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا مقبول ہوا کہ آپ کا خطاب "ذات النطاقین" ہو گیا۔

("بخاری" جلد ٢، ص ٨١١) (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "عیون الاثر" جلد ١، ص ١٨١، "البدایہ و النہایہ" جلد ٣، ص ١٨٤، "زاد المعاد" جلد ٢، ص ١٣٦، "تاریخ الاسلام ذہبی" جلد ١، ص ١٩، "تاریخ الخمیس" جلد ١، ص ٣٢٢، وغیرہ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت دن میں کی

جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ دوپہر کے وقت سیدنا صدیق اکبرؓ کے گھر میں پہنچے وہیں زادِ راہ تیار کیا گیا۔ اور پھر وہیں سے وہ سفر ہجرت کے لیے روانہ ہو گئے۔ دونوں حضرات (رسول اللہ ﷺ اور سیدنا صدیق اکبرؓ) مکان کی عقبی کھڑکی سے نکلے۔ (ابن ہشام، جلد ١، ص ٢٩١، "البدایہ والنہایہ" جلد ٣، ص ١٧٨) سیدنا صدیق اکبرؓ کے گھر میں جو زر نقد تھا، وہ انہوں نے ساتھ لے

Marfat.com

لیا۔اس کی صحیح تعداد معلوم نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے:

"جب سیدنا صدیق اکبرؓ ایمان لائے تو اس وقت ان کے پاس مال تجارت کے علاوہ چالیس ہزار درہم نقد تھے۔اس پونجی کے علاوہ منافع تجارت سے آمدن کا اور بھی وسیع سلسلہ جاری تھا لیکن انہوں نے قبول اسلام کے بعد اتنا زیادہ مال اللہ کے راستہ میں خرچ کیا کہ جس روز رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں ارض طیبہ میں پہنچے، اس وقت ان کے پاس صرف پانچ ہزار درہم رہ گئے تھے۔

مدینہ منورہ میں ان کا کاروبار تجارت بڑا وسیع تھا لیکن انفاق فی سبیل اللہ کی یہ حالت تھی کہ "جس روز ان کا انتقال ہوا" اس وقت ایک درہم بھی ان کے پاس نہیں تھا" (الاصابہ)

مسند احمد اور سیرۃ ابن ہشام میں محمد ابن اسحاق کی روایت سے سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ کا بیان ہے کہ ہمارے والد (ابو بکرؓ) گھر سے چلتے چلتے اپنا سارا مال جو پانچ چھ ہزار درہم تھا، اپنے ساتھ لے گئے۔بعد میں ہمارے دادا ابو قحافہ نے جو نابینا تھے اور اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، ہم سے کہا "میرا خیال ہے کہ وہ اپنی جان کے ساتھ اپنا مال بھی لے گیا ہے"۔میں نے کہا "نہیں دادا ابا! انہوں نے خیر کثیر ہمارے لیے چھوڑی ہے"۔پھر جس طاق میں ابا اپنا مال رکھتے تھے، اس کے اندر میں نے کچھ پتھر رکھ کر اوپر کپڑا ڈال دیا اور دادا ابا کو لے جا کر ان سے کہا آپ اپنا ہاتھ لگا کر دیکھ لیں۔انہوں نے ہاتھ سے اس کو ٹٹولا اور کہا "خیر جب تمہارے پاس سرمایہ کافی ہے تو ابو بکرؓ کے جانے کا چنداں غم نہیں"۔سیدہ اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میں نے یہ کارروائی محض دادا ابا کے اطمینان کے لیے کی تھی ورنہ والد بزرگوار تو سب کچھ سرکارِ دو عالم ﷺ کی ضروریات کے لیے ساتھ لے گئے تھے۔(مستدرک، ابن جریر، ابن ہشام)

اسلام کا دعوتی عمل بظاہر اقتصادیات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا لیکن بالواسطہ طور پر وہ زبردست اقتصادی عمل ہے۔کیونکہ دعوت کے نتیجہ میں جب ایک شخص اسلام کو اختیار کرتا ہے تو اس کے تمام ذرائع بھی خود بخود اسلام کو حاصل ہو جاتے ہیں۔مکہ کے ابتدائی زمانہ میں سیدہ خدیجہ طاہرہؓ کی تمام دولت اسلام کے کام آتی رہی۔اس کے بعد سیدنا ابو بکر صدیقؓ ایمان لائے جنہوں نے تجارت سے چالیس ہزار درہم کمائے تھے۔ان کا تمام سرمایہ اسلام کا اقتصادی سرمایہ بنا۔ہجرت کے موقع پر وہ چھ ہزار درہم لے کر گھر سے روانہ ہوئے تھے جس سے سفر کے تمام اخراجات پورے کیے گئے۔غزوۂ تبوک میں سیدنا عثمان بن عفانؓ نے دس ہزار دینار دیئے جس سے لشکر کی ضروریات کا ایک تہائی حصہ ادا کیا گیا۔سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے صرف ایک موقع پر پانچ سو گھوڑے جہاد کے لیے دیئے۔اسی طرح جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے، ان کی جان کے ساتھ ان کا مال بھی اسلام کے خزانے کا ایک جزو بن جاتا تھا۔

Marfat.com

اسلام کا نظریہ توحید واحد نظریہ ہے جس میں سماجی تقسیم اور طبقاتی امتیاز کے لیے گنجائش نہیں۔ اس لیے جب اس نظریہ کی بنیاد پر کوئی تحریک اٹھتی ہے تو وہ عوام کو حیرت انگیز طور پر متاثر کرتی ہے کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ توحید کے زیر سایہ وہ مساوات اور انسانی عظمت کا حقیقی مقام پاسکتے ہیں۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ ایران کے سپہ سالار رستم کے دربار میں گئے تو درباریوں پر ان کی تقریر کا ردعمل طبری کی ایک روایت کے مطابق یہ تھا:

"معاشرہ کے چھوٹے لوگوں نے کہا "خدا کی قسم! اس عربی نے سچی بات کہی"۔ سرداروں نے کہا "خدا کی قسم اس نے ایسی بات پھینکی ہے کہ ہمارے سب غلام اس کی طرف چلے جائیں گے۔ خدا ہمارے پہلوں کو غارت کرے وہ کس قدر احمق اور نادان تھے کہ انہوں نے اس قوم کے معاملہ کو ہلکا سمجھا"۔ ("طبری" جلد ۳، ص ۳۶)

اہلِ سیر نے لکھا ہے ۲۷ صفر سن ۱۴ نبوی (۱۳ ستمبر ۶۲۲ء) کی دوپہر کو سرکارِ دوجہاں ﷺ سیدنا ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں سے ان کے مکان کے پچھواڑے کی ایک کھڑکی سے نکل کر کوہ ثور کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ مکرمہ سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے اور جس کی چوٹی پر یہ غار ہے جو سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں "غار ثور" کے نام سے مشہور ہے۔ جب آپ گھر سے روانہ ہوئے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ دعا تھی:

اللھم اخرجتنی من احب البلاد الی فاسکنی فی احب البلاد الیک۔

"اے اللہ! آپ نے مجھے اس شہر سے نکالا جو مجھے تمام شہروں میں سب سے زیادہ محبوب تھا اب میری سکونت اس شہر میں فرمائیو جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو"۔

"البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۲۰۵)

"سیرۃ ابن ہشام" جلد ۱، ص ، اور "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۷۸ پر ایک اور بھی لمبی سی دعا ہے جس کو طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کیا جارہا۔

مسند احمد اور ترمذی میں ہے کہ مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت حضور ﷺ حزورہ کے مقام پر کھڑے ہوئے اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے بڑے دردناک لہجہ میں فرمایا:

واللہ انک لخیر ارض اللہ واحب ارض الی اللہ ولو لا انی اخرجت منک ما خرجت۔

"اے مکہ! خدا کی قسم تو اللہ تعالیٰ کی سب سے بہتر زمین ہے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے۔ اگر میں یہاں سے نہ نکالا جاتا تو نہ نکلتا"۔

Marfat.com

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اس وقت مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تُو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے اور مجھے بہت محبوب ہے۔ اگر مجھے میری قوم نہ نکالتی تو میں دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا"۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۷، زرقانی ج ۱، ص ۲۲۸)

اس کے بعد آپ جبل ثور کی طرف ابو بکرؓ کی معیت میں روانہ ہوئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جبل ثور کی طرف کیوں گئے؟ کیونکہ آپؑ نے تو مدینہ منورہ جانا تھا اور جبل ثور مدینہ کی راہ میں نہیں ہے۔ جبل ثور تو مکہ کے جنوب میں یمن کے راستہ پر ہے جبکہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ کے شمال میں شام کے راستہ پر واقع ہے۔ اس میں یہ اسٹریٹجی (Strategy) ہے کہ کفار مکہ کو معلوم تھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی منزل مقصود مدینہ طیبہ ہے، اس لیے لامحالہ تعاقب کرنے کے لیے ان کا ذہن سب سے پہلے شمالی پہاڑوں اور شمالی راستوں کی طرف جا سکتا ہے۔ جنوب، مشرق اور مغرب کی طرف ان کی تلاش اور جستجو کا رخ صرف اسی صورت میں پھرتا جبکہ وہ شمالی راستوں میں آپ کو تلاش کرنے سے عاجز ہو چکے ہوتے۔ اس طرح یہ امید تھی کہ غار ثور تک پہنچتے پہنچتے کافی وقت صرف ہو جائے گا اور اتنے عرصہ میں ہمیں کوئی جائے پناہ مل جائے گی۔

آپؑ ابو بکرؓ کی معیت میں جبل ثور کے دامن میں پہنچے۔ یہ نہایت بلند، پر پیچ اور نہایت مشکل چڑھائی والا پہاڑ ہے۔ یہاں پتھر بھی بکثرت ہیں جن سے حضور ﷺ کے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ آپ نشان قدم مٹانے کے لیے پنجوں کے بل چل رہے تھے اس لیے آپؑ کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ بہر حال وجہ جو کچھ بھی ہو، سیدنا ابو بکرؓ نے پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر آپ کو اٹھا لیا اور بار نبوت کو اٹھاتے ہوئے اس غار کے منہ پر پہنچ گئے، جو تاریخ میں "غار ثور" کے نام سے مشہور ہے۔

بیہقی نے امام محمد بن سیرین کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ بعض لوگوں نے سیدنا عمرؓ کی مجلس میں کچھ اس طرح کی باتیں کیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ان کو سیدنا ابو بکرؓ پر فضیلت دے رہے ہیں۔ ان کی اس بات پر سیدنا عمرؓ نے فرمایا "خدا کی قسم! ابو بکرؓ کی ایک رات آل عمرؓ سے افضل ہے اور ان کا ایک دن آل عمرؓ سے افضل ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ جس رات حضور ﷺ غار ثور میں تشریف لے گئے اور ابو بکرؓ آپ کے ساتھ تھے، تو حال یہ تھا کہ کبھی ابو بکرؓ آپ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلنے لگتے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے پیچھا کرنے والوں کا خیال آتا ہے تو پیچھے چلنے لگتا ہوں۔ اور جب یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں آگے کوئی خطرہ در پیش نہ ہو تو آگے آ جاتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تمہارا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اپنی جان کا کوئی خطرہ نہیں" عرض کیا "یہ تو قربان ہونے ہی کے لیے ہے"۔

("فتح الباری، جلد ۲، ص ۱۸۹" "السیرۃ النبویہ" جلد ۲، ص ۲۳۷)

Marfat.com

غار ثور تک کا راستہ طے ہوا۔ غار کے پاس پہنچ کر ابو بکرؓ نے عرض کی کہ ذرا توقف فرمائیں۔ پہلے میں داخل ہو کر دیکھ لیتا ہوں۔ اگر کوئی چیز اس میں ہوئی جو آپ کو گزند پہنچائے تو آپ کے بجائے مجھے وہ گزند پہنچائے۔ چنانچہ ابو بکرؓ غار کے اندر گئے۔ اس کو صاف کیا۔ ایک جانب چند سوراخ تھے، جنہیں اپنی چادر پھاڑ کر بند کیا لیکن دو سوراخ باقی بچ گئے۔ ان پر آپ نے دونوں پاؤں رکھ دیئے۔ پھر حضور ﷺ کو اندر تشریف لانے کے لیے کہا۔ آپ اندر تشریف لائے اور ابو بکرؓ کی آغوش میں سر رکھ کر سو گئے۔ ادھر سیدنا ابو بکرؓ کے پاؤں کو کسی چیز نے ڈس لیا مگر آپ اس ڈر سے ہلے تک نہیں کہ کہیں حضور ﷺ کی نیند میں خلل نہ آئے لیکن درد کی تکلیف کی وجہ سے کچھ گرم گرم آنسو بے اختیار آپؓ کے چہرے پر ٹپک پڑے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ آپؐ نے فرمایا "ابو بکر کیا ہوا؟" عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے کسی شئے نے ڈس لیا ہے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے اپنا لعاب دہن وہاں لگایا اور فوراً درد جاتا رہا۔ (روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ زہر پھر سیدنا ابو بکرؓ کے انتقال کے وقت آپ کے جسم میں پھوٹ پڑا اور یہی آپ کی موت کا سبب بنا۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ، مناقب ابی بکر)

سیدنا ابو بکرؓ کا یہ ایثار تھا کہ سفر ہجرت کے لیے گھر کی ساری پونجی بھی ساتھ لے لی اور اپنے اہل و عیال کو خدا کے نام پر چھوڑ دیا اور قدم قدم پر جان نچھاور کرنے کے لیے بھی تیار ہیں تاکہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ آپ کے گھر والے اور بیٹے بیٹیاں بھی پروانہ وار اس سفر کے لیے کوششوں میں مصروف ہیں۔ گویا آپ ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ (وہ دوسروں کو اپنے پر مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود انہیں شدید ضرورت اور سخت حاجت لاحق ہوتی ہے) کی ایک زندہ مثال تھے۔

ان دونوں حضرات نے تین راتیں یعنی جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی راتیں یہاں گزاریں۔ ("فتح الباری" جلد ۷، ص ۳۳۶) ادھر یہ دونوں حضرات غار میں چھپے ہوئے تھے، ادھر تین آدمیوں کے سپرد تین کام لگائے گئے تھے۔

۱۔ سیدنا ابو بکرؓ کے صاحبزادے عبد اللہ، نوجوان تھے مگر نہایت ہوشیار اور بہت تیز، بات کی تہ تک پہنچنے والے۔ ان کے ذمہ یہ تھا کہ وہ مخالفین کے اقدامات پر نظر رکھیں اور ان کی اطلاع دیں۔ چنانچہ وہ رات تو یہیں گزارتے تھے اور صبح کی تاریکی میں ہی ان دونوں حضرات کے پاس سے چلے جاتے اور مکہ مکرمہ میں قریش کے ساتھ یوں صبح کرتے گویا انہوں نے یہیں رات گزاری ہے۔ وہ قریش سے جو بات بھی ان دونوں حضرات کے خلاف سنتے، اس کو اچھی طرح یاد رکھتے اور رات کے گہرے اندھیرے میں لوگوں کی نظروں سے چھپتے چھپاتے غار میں جاتے اور اس کی اطلاع دیتے۔

۲۔ سیدنا ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہؓ جن کو سیدنا ابو بکرؓ نے سیدنا بلالؓ کے ساتھ ہجرت کی اجازت نہیں دی تھی اور روک لیا تھا، ان کے ذمہ یہ کام تھا کہ تازہ دودھ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت

Marfat.com

اقدس میں پیش کرتے رہیں۔ جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا تو وہ بکریوں کا ایک ریوڑ لے کر غار کے منہ تک لے جاتے۔ دودھ دوہتے، گرم کرتے اور سرور کائنات ﷺ اور اپنے آقاؓ کی خدمت میں پیش کرتے۔ اس طرح یہ دونوں آسودہ ہو کر دودھ پی لیتے۔ پھر صبح اندھیرے منہ بکریاں ہانک کر مکہ پہنچ جاتے۔ تینوں رات انہوں نے یہی کیا۔ (بخاری، جلد ۱، ص ۵۵۳-۵۵۴)

سیدنا عامر بن فہیرہؓ سیدنا عبداللہ بن ابی بکرؓ کے مکہ جانے کے بعد انہی کے قدموں کے نشانات پر بکریاں ہانکتے تھے تاکہ وہ مٹ جائیں۔ ("ابن ہشام" جلد ۱، ص ۴۸۶)

۳۔ تیسری ذمہ داری سیدنا ابوبکرؓ نے ایک اور شخص پر لگائی جس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا۔ وہ ذمہ داری راہ نمائی کی تھی۔ اس زمانہ میں سیدھی سادی سڑکیں نہ تھیں۔ کچے راستوں اور خصوصی طور پر پہاڑی راستوں سے واقف ہونا بھی ایک خاص فن تھا۔ اس فن کے ماہر کو "خریت" کہا کرتے تھے۔ دور دراز کے سفروں میں خریت (راہ نما) کا ہونا ضروری ہوتا تھا۔ اس شخص کی ایک معقول اجرت ہوتی تھی۔ سیدنا ابوبکرؓ نے قبیلہ بنی ویل کے ایک شخص کو جس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا، اس خدمت کے لیے مامور کیا تھا۔ اس شخص کو کیا اجرت ملی کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں۔ لیکن یہ شخص اگرچہ مسلمان نہیں تھا بلکہ مشرک تھا، عاص بن وائل السہمی کے خاندان کا حلیف تھا لیکن ابوبکرؓ کو اس پر پورا پورا یقین اور اطمینان تھا، یہاں تک کہ دونوں اونٹنیاں اسی کے حوالے کر دی تھیں اور بتا دیا تھا کہ تین رات گزرنے کے بعد وہ چوتھے روز صبح سویرے غار ثور کے منہ پر پہنچ جائے۔ یہ خریت وعدہ کے مطابق ٹھیک وقت اور ٹھیک جگہ پر پہنچ گیا اور یہ حضرات دو اونٹنیوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔

دوسری طرف قریش کا عجیب حال تھا۔ جب انہیں پتہ چلا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے تو ان پر ایک جنون کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ وہ ایک زخمی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے سیدنا علیؓ پر اپنا غصہ اتارا۔ ان کو گھر سے بیت اللہ تک گھسیٹ کر لائے۔ یہاں حبس بے جا میں رکھا لیکن ان سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ پھر وہ ابوبکرؓ کے مکان پر گئے کیونکہ ان کے خیال میں بھی محمد ﷺ اگر اپنے مکان پر نہیں تو وہ ابوبکرؓ کے مکان پر ضرور ہوں گے۔ خیال ان کا درست تھا۔ اور حضورؐ اور جا بھی کہاں سکتے تھے؟ لیکن ابوبکرؓ کے مکان پر حضورؐ دوپہر کو آئے اور آ کر ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر غار ثور میں چلے گئے۔ یہ لوگ دوسرے روز آئے۔ ابوبکرؓ کے مکان کا دروازہ بند تھا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھلا اور سیدنا ابوبکرؓ کی بڑی بیٹی سیدہ اسماء برآمد ہوئیں۔ ان سے پوچھا گیا "تمہارے ابا کہاں ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "معلوم نہیں۔" یہ سننا تھا کہ ابوجہل لعین نے ان کے گال پر اس زور سے تھپڑ مارا کہ ان کے کان کی بالی گر گئی۔

("ابن ہشام" جلد ۱، ص ۴۸۷)

Marfat.com

پہلے محمد ﷺ کو ڈھونڈ رہے تھے، وہ تو ملے نہ - اب ابو بکرؓ بھی گم ہیں - ان کا بھی پتہ نہیں چل رہا۔ حضورؐ کے گم ہونے سے ابو بکرؓ کا گم ہونا ضروری تھا - کیونکہ محمد ﷺ اور ابو بکرؓ لازم و ملزوم ہیں - جہاں آپؐ وہاں ابو بکرؓ، اس مسئلہ کے حل کے لیے انہوں نے ہنگامی اجلاس بلایا تاکہ ان دونوں کو فوری طور پر پکڑنے کے لیے تمام ممکنہ وسائل کو بروئے کار لایا جائے - اس ہنگامی اجلاس میں پھر تمام عمائدین قریش جمع ہوئے - فیصلہ یہ ہوا کہ مکہ سے نکلنے والے تمام راستوں پر خواہ وہ کہیں بھی جاتے ہوں، نہایت سخت پہرہ بٹھا دیا جائے - دوسرا فیصلہ یہ ہوا کہ جو کوئی بھی ان دونوں کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو زندہ یا مردہ حاضر کرے، اس کو سو اونٹوں کا گرانقدر انعام دیا جائے گا - ("بخاری" جلد ۱، ص ۵۵۴)

یہ انعام کوئی معمولی انعام نہ تھا، ایک بہت بڑا انعام تھا - اس نے لوگوں کی طمع کے سمندر میں ایک ہلچل پیدا کر دی - چنانچہ مکہ والوں کی بہت سی ٹولیاں انعام کے شوق میں دوڑ پڑیں - سوار، پیدل اور ایسے لوگ بھی جو پاؤں کے نشانات سے جانے والوں کا کھوج لگاتے ہیں - گویا ہر فرد حرکت میں آ گیا اور انعام کے حصول کے لیے قسمت آزمائی کے لیے آپؐ کو اور ابو بکرؓ کو تلاش کرنے لگا - اور یہ تلاش پہاڑوں، وادیوں، میدانوں، نشیب و فراز اور غاروں میں ہونے لگی لیکن ان کی یہ سب کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔

تلاش کرنے والوں کی ایک ٹولی غار کے منہ تک پہنچ گئی تو وہاں سے کبوتر اڑے - ٹولی وہیں رک گئی اور آگے نہیں بڑھی کہ اگر یہاں ہوتے تو کبوتروں کا یہاں کیا کام تھا - غار کے منہ پر جھاڑ تھا - کچھ لوگ جھاڑ کے قریب پہنچے، دیکھا کہ جھاڑ پر مکڑی نے جالا تنا ہوا ہے - وہ جالا دیکھ کر واپس ہو گئے۔

("ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۵۴)

بعض روایات میں ہے کہ قریش مکہ دو کھوجیوں کو لائے تاکہ وہ قدموں کے نشانات سے معلوم کریں کہ آپ کدھر گئے - یہ کھوجی کھوج لگاتے ہوئے غار ثور کے منہ تک پہنچ گئے - مگر وہاں انہوں نے دیکھا کہ غار کے منہ پر مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے - ان میں سے ایک کھوجی کرز بن علقمہ الخزاعی نے کہا کہ یہاں سے آگے کوئی پتہ نہیں چلتا - قریش کے جو لوگ کھوجیوں کے ساتھ آئے تھے، ان میں سے ایک نے کہا "غار میں چل کر بھی دیکھ لیا جائے لیکن امیہ بن خلف نے کہا "یہاں کیا پاؤ گے؟ اس غار پر تو مکڑی کا جالا محمد ﷺ کی پیدائش سے بھی پہلے کا تنا ہوا معلوم ہوتا ہے - یہ سن کر سب واپس چلے گئے۔

یہی موقع تھا جب سیدنا ابو بکرؓ نے دشمنوں کو عین غار کے منہ پر کھڑا دیکھ کر حضور ﷺ سے عرض کیا "یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے پاؤں کے نیچے دیکھے تو ہمیں دیکھ لے گا، سرکارِ دو عالم ﷺ نے پورے اطمینان سے جواب دیا "ابو بکر! خاموش رہو، ہم دو ہیں، جن کا تیسرا اللہ ہے"۔

("بخاری" جلد ۱، ص ۵۵)

Marfat.com

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ما ظنک یا ابابکر باثنین اللہ ثالثھما۔

("بخاری" جلد ۱، ص ۵۱۶-۵۵۸)

اس روایت کو مسلم، ترمذی اور مسند امام احمد بن حنبل نے بھی نقل کیا ہے۔

("دلائل النبوۃ" لابی نعیم، جلد ۲، ص ۱۱۲، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۷۴، "طبقات ابن سعد" جلد ۱، "عیون الاثر" جلد ۱، "زرقانی" جلد ۱، ص ۳۳۱، "البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۸۹، "روض الانف" جلد ۲، ص ۴)

سیدنا ابوبکرؓ کا اضطراب اور گھبراہٹ اپنی جان کے خوف سے نہ تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی جان کے خوف کی وجہ سے تھی۔ کیونکہ جب آپ نے ان کھوجیوں کو دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں آپ کا غم فزوں تر ہو گیا اور آپ نے کہا کہ اگر میں مارا گیا تو میں محض ایک آدمی ہوں لیکن اگر آپ قتل کردیئے گئے تو پوری امت ہی تباہ ہو جائے گی اور اسی موقع پر یہ ارشاد نبوی تھا "ابوبکر! غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن حکیم کی سورۂ توبہ کی آیت بھی شہادت دیتی ہے۔

Marfat.com

مدینہ کی راہ پر

تین روز کی تلاش و جستجو اور بے نتیجہ دوڑ دھوپ کے بعد قریش کی تلاش کی تگ و دو رک گئی اور جستجو کی آگ بجھ گئی اور ان کی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ نے مدینہ کے لیے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو ایک شخص عبداللہ بن اریقط کو جو صحرائی اور پہاڑی راستوں سے بخوبی واقف تھا اور اس فن کا ماہر تھا، اجرت پر رکھ لیا تھا تاکہ وہ سفر میں ان کے راستوں کی راہنمائی کرے۔ یہ شخص ابھی بت پرست ہی تھا۔ لیکن اپنے پیشہ میں نہایت دیانت دار تھا۔ اسی وجہ سے قریش کے ۱۰۰ اونٹ کے انعام کے باوجود اس نے قریش کو کچھ نہیں بتایا۔ یہ اس زمانے کے کافروں کا کریکٹر تھا جس سے آج کل کے مسلمان عاری ہیں۔ اس شخص کے قابلِ اطمینان ہونے کی وجہ سے سیدنا ابوبکرؓ نے اپنی دو اونٹنیاں اس کے حوالے کر دی تھیں اور فرمایا تھا کہ تین راتیں گزر جانے کے بعد یہ دونوں سواریاں لے کر غار پر پہنچ جائے۔ چنانچہ جب دوشنبہ کی رات آئی جو ربیع الاول کی یکم اور ستمبر کی ۱۶ تاریخ ۶۲۲ عیسوی تھی تو عبداللہ بن اریقط دونوں سواریاں لے کر آ گیا۔

اس کے بعد یہ قافلہ اس طرح روانہ ہوا کہ ایک اونٹنی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے خدمت کے لیے عامر بن فہیرہؓ کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ آگے آگے عبداللہ بن اریقط راستہ بتانے کے لیے پیدل چل رہا تھا۔ اس طرح اس عظیم الشان سفر ہجرت کی ابتداء ہوئی جس نے دنیا کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔

("زرقانی" جلد ۱، ص ۳۴۰، "فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۸۶، "ابن ہشام" جلد ۱)

عبداللہ بن اریقط اس مختصر سے قافلے کو لے کر چلا۔ اس نے عام راستے سے ہٹ کر مدینہ طیبہ جانے کے لیے دوسرا راستہ اختیار کیا تاکہ قریش مکہ سے بچ کر نکلا جا سکے۔ اس نے قافلہ کو سب سے پہلے یمن کے رخ پر چلایا اور جنوب کی سمت دور تک لے گیا۔ پھر مغرب کی طرف مڑا اور ساحل سمندر کا رخ

Marfat.com

کیا۔ پھر ایک ایسے راستے پر پہنچ کر جس سے عام لوگ آشنا نہ تھے، شمال کی طرف مڑ گیا۔ یہ راستہ ساحل بحر احمر (Red Sea) کے قریب ہی تھا اور اس راستہ پر شاذ و نادر ہی کوئی مسافر چلتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ پہلی دفعہ اس راستہ سے تشریف لے جا رہے تھے لیکن سیدنا صدیق اکبرؓ کاروباری اور تجارتی سلسلے میں اکثر شام جاتے رہتے تھے۔ قبائل کے شیوخ سے ان کے تعلقات تھے۔ لوگ ان کو دیکھ کر پہچان لیتے اور ایک باوجاہت شریف صورت ساتھی کو ساتھ دیکھ کر پوچھتے کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ ابو بکرؓ کا جواب یہ ہوتا:

هذا الرجل يهديني السبيل۔

"یہ ایک صاحب ہیں جو مجھے راستہ دکھاتے ہیں۔"

("بخاری" جلد ۱، ص ۵۵۶، "طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۵۹)

بخاری اور مسلم میں سیدنا ابو بکرؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ دوسرے دن دوپہر تک چلتے رہے۔ جب دھوپ تیز ہو گئی تو میں نے نظر دوڑائی کہ کہیں سایہ کی جگہ ہے یا نہیں۔ ایک لمبی چٹان دکھائی دی جس کے سائے پر دھوپ نہیں آئی تھی یعنی اس کے نیچے کچھ سایہ تھا۔ میں نے اس کو غنیمت سمجھا اور ہم وہیں اتر پڑے۔ میں آپ کو اس سایہ کے نیچے لے گیا۔ میرے پاس ایک چمڑے کا بستر (فروہ) تھا۔ میں نے اس کو سایہ میں بچھا دیا اور اپنے آقا اور دو جہاں کے آقا کو اس پر لٹا دیا۔ آپ سو گئے اور میں گرد و پیش کی دیکھ بھال کے لیے نکلا۔ اچانک دیکھا کہ ایک چرواہا اپنا ریوڑ لیے چٹان کی جانب چلا آ رہا ہے۔ وہ بھی اس چٹان کے سایہ میں آرام کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا جوان! یہ بکریاں تمہاری ہیں؟ تمہارا مالک کون ہے؟ اس نے مکہ یا مدینہ کے کسی شخص کا نام لیا جس کو میں جانتا تھا۔ میں نے پوچھا تمہاری کوئی بکری دودھ دیتی ہے؟ اور کیا تم دودھ دے سکتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ چنانچہ وہ ایک بکری پکڑ کر لے آیا۔ میں نے کہا پہلے تم بکری کے تھنوں کو پونچھ کر صاف کرو، پھر اپنے ہاتھ صاف کرو۔ پھر دودھ دوہو۔ اس نے میری ہدایات پر عمل کر کے تھوڑا سا دودھ دوہا اور مجھے دیا۔

میں سرکار دو عالم ﷺ کے پاس آیا۔ آپ سوئے ہوئے تھے لہٰذا میں نے آپ کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میں نے حضور ﷺ کے لیے ایک چھاگل میں پینے اور وضو کے لیے پانی رکھ چھوڑا تھا اور گرد و غبار سے بچانے کے لیے اس کے منہ پر کپڑا باندھ رکھا تھا۔ آپؐ جب بیدار ہوئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دودھ میں اتنا پانی ڈالا کہ نیچے تک تمام دودھ ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر میں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! اس کو نوش فرمالیں۔ آپؐ نے نوش فرمایا یہاں تک کہ میں خوش ہو گیا"۔ پھر آپؐ نے فرمایا "کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں ہوا؟" میں نے عرض کیا "کیوں نہیں۔ اس کے بعد ہم پھر سفر کے لیے روانہ ہو گئے"۔ ("بخاری" جلد ۱، ص ۳۳۰، ۵۱۰، ۵۵۶)

Marfat.com

قریش کے انعام کے اعلان کے مطابق ہر شخص آپ کی تلاش اور جستجو میں تھا کیونکہ ان کا انعام اتنا بڑا تھا کہ شاید مکہ مکرمہ کی تاریخ میں کبھی اتنے بڑے انعام کا اعلان نہ کیا گیا تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق انعام کا اعلان یہ تھا کہ جو شخص محمد ﷺ یا ابو بکرؓ کو قتل کر دے یا گرفتار کر کے لائے تو ہر ایک کے معاوضہ میں علیحدہ علیحدہ سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ ("مستدرک" جلد ۴۳، ص ۶)

انعام حاصل کرنے کی تگ و دو کرنے والوں میں ایک شخص سراقہ بن مالک بن جعشم بھی تھا۔ سراقہ بنی مدلج کا رئیس تھا اور رقدید کے قریب اس کا علاقہ واقع تھا۔ سراقہ کا اپنا بیان ہے کہ ایک روز میں اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آکر مجھ سے کہا کہ ابھی میں نے سواحل پر کچھ آدمی جاتے ہوئے دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ محمدؐ اور اس کے ساتھی ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ واقعی وہی ہیں مگر میں نے اس سے کہا کہ وہ نہیں بلکہ تم نے فلاں فلاں کو دیکھا ہے جو ابھی ہمارے سامنے سے گزرے ہیں۔ پھر میں اس مجلس میں تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا اور اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ وہ میرا گھوڑا نکالے اور ٹیلے کے پیچھے روک کر میرا انتظار کرے۔ ادھر میں نے اپنا نیزہ لیا اور گھر کے پچھواڑے سے باہر نکلا۔ لاٹھی کا ایک سرا زمین پر گھسیٹ رہا تھا اور دوسرا سرا نیچے کر رکھا تھا۔ اس طرح میں اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا۔ (اس سے مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو میرے جانے کا علم نہ ہونے پائے۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ قبیلہ کے دوسرے لوگ انعام میں شریک ہو جائیں گے۔ (کمافی ابن ابی شیبہ) میں گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ حسب معمول مجھے لے کر دوڑ رہا ہے۔ میں ان کے قریب پہنچا تھا کہ یکایک اپنے گھوڑے سے گر پڑا۔ میں نے فال کے تیر اپنے ترکش سے نکال کر فال دیکھی تو وہ میری خواہش کے خلاف نکلی لیکن میں اس تیر کی پروا کیے بغیر پھر ان کے پیچھے چل پڑا۔ گھوڑے کو تیز دوڑایا اور ان کے اتنے قریب پہنچ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی تلاوت کی آواز میرے کانوں میں آنے لگی۔ آپؐ تو تلاوت قرآن حکیم میں مشغول تھے اور کسی اور طرف قطعاً کوئی دھیان نہیں دے رہے تھے۔ البتہ ابو بکرؓ دائیں بائیں سب طرف دیکھتے ہوئے چل رہے تھے۔

میں جب ان کے اتنے قریب پہنچ گیا تو یک لخت میرے گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور میں نیچے زمین پر آ رہا۔ (خود ابو بکرؓ کا بیان ہے جس کو براء بن عازبؓ نے روایت کیا ہے کہ ہم اس وقت سخت زمین سے گزر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ہمارا پیچھا کرنے والا بہت قریب آگیا ہے۔ آپؐ نے اس کے لیے بد دعا کی اور وہ زمین میں پیٹ تک دھنس گیا) سراقہ کا بیان ہے کہ میں اٹھا، میں نے گھوڑے کو اٹھایا، اس کو ڈانٹا۔ اس کے پاؤں زمین سے بڑی مشکل سے نکلے۔ ساتھ ساتھ اس کے پاؤں کی جگہ سے دھوئیں کی طرح غبار نکلا جو آسمان کی طرف چڑھ رہا تھا۔ اب میں نے پھر فال نکالی۔ اس دفعہ بھی فال میری خواہش کے خلاف ہی نکلی تو میں نے ہمت ہار دی۔ فال کی مخالفت نہیں کی

اور میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ رسول اللہ ﷺ ضرور کامیاب ہوں گے۔ میں نے وہیں سے انہیں پکارا تو وہ لوگ ٹھہر گئے اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچا۔ میں نے آپؐ سے کہا کہ آپ کی قوم نے آپ کے بدلے میں سو اونٹ کا انعام رکھا ہے۔ اور ساتھ ہی میں نے لوگوں کے عزائم سے آپؐ کو آگاہ کیا۔ میں نے آپؐ کی خدمت میں کچھ ناشتہ اور کچھ سامان پیش کرنا چاہا لیکن میری پیشکش ان حضرات نے منظور نہیں فرمائی۔ نہ انہوں نے میرا کوئی سامان لیا اور نہ مجھ سے کوئی سوال کیا۔ میں نے یہ بھی عرض کیا کہ میرے اونٹ آپ کو راستہ میں ملیں گے۔ ان کے ساتھ چرواہے بھی ہیں۔ میں اپنا تیر دے دیتا ہوں۔ یہ ان کو دکھا دیں اور جتنے دودھ کی ضرورت ہو آپ ان سے لے لیں۔ لیکن ان حضرات نے میری کوئی پیشکش منظور نہیں فرمائی۔ ("فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۹۲، رواہ ابن ابی شیبہ)

آپؐ نے صرف ایک فرمائش کی کہ کسی کو ہماری اطلاع نہ دینا۔ میں نے وعدہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ میرے لیے امن کا پروانہ تحریر فرمادیں۔

رسول اللہ ﷺ نے عامر بن فہیرہؓ کو حکم فرمایا اور انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر پروانہ امن لکھ کر سراقہ کو دے دیا۔ پھر یہ حضرات مدینہ منورہ کی طرف آگے بڑھ گئے۔ سراقہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ راستہ میں جو شخص بھی ملتا، سراقہ اسے کہتا واپس چلے جاؤ میں نے اطمینان کر لیا ہے کہ وہ ادھر نہیں ہیں اور تم لوگ جانتے ہو کہ میں کیسی نظر رکھتا ہوں اور سراغ رسانی میں کتنا ماہر ہوں۔

("بخاری" جلد ۴، ص ۴۵۶-۴۵۷، "مسند احمد" جلد ۴، ص ۱۷۵-۱۷۶، "دلائل النبوۃ" لابی نعیم، جلد ۲، ص ۱۱۴)

حافظ ابن عبدالبرؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سراقہؓ بن مالک کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا "وہ بھی وقت کیا ہو گا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے"۔

اس ارشاد کے چند ہی سال بعد جب سیدنا فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں کسریٰ کے کنگن اور اس کا کمر پٹہ اور اس کا تاج لایا گیا تو انہوں نے سراقہؓ کو بلایا اور یہ چیزیں ان کو پہنا کر کہا ہاتھ اٹھاؤ اور کہا "تعریف ہے اس خدا کی جس نے یہ چیزیں اس کسریٰ بن ہرمز سے چھین لیں، جو کہتا تھا کہ میں لوگوں کا رب ہوں اور انہیں بنی مدلج کے ایک دیہاتی سراقہ بن مالک کو پہنا دیں"۔

("زرقانی" ج ۱، ص ۳۴۸، "الاصابہ" ترجمہ سراقہ بن مالک، "الاستیعاب" ج ۲، ص ۱۲۰)

سیدنا فاروق اعظمؓ نے جب سراقہ کو وہ کسریٰ کے کنگن پہنائے تو اس بارہ میں علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ:

"اگرچہ سراقہؓ ایک بدو تھا جسے پیشاب کرنے کا سلیقہ بھی نہ آتا تھا لیکن حق تعالیٰ شانہ اسلام کی برکت سے اسلام قبول کرنے والوں کو (دنیا میں بھی) عزتیں عطا فرماتا ہے اور سرکارِ

Marfat.com

دو عالم ﷺ پر اور آپ کی امت پر اپنی نعمتوں اور افضال کی بارش برساتا ہے"۔

(روض الانف جلد ۲ ص ۲۳۳)

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ سراقہ بن مالک نے کہا کہ امان کی جو تحریر میں نے اس وقت لی تھی، اسے میں نے اپنے پاس محفوظ رکھا اور کئی سال بعد جب سرکارِ دو عالم ﷺ حنین اور طائف کے معرکوں سے پلٹ کر جعرانہ آئے تو میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور وہ تحریر پیش کر کے عرض کیا "میں سراقہ بن مالک ہوں اور یہ آپ کی دی ہوئی تحریر ہے"۔ آپ نے فرمایا "آج وفائے عہد اور ادائے حق کا دن ہے۔ قریب آجاؤ"۔ میں حضور ﷺ کے قریب گیا اور اسلام لے آیا۔ میں نے پوچھا "یا رسول اللہ! میں اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے اپنا حوض بھرتا ہوں۔ کئی گم شدہ اونٹ پانی پینے کے لیے وہاں آ جاتے ہیں۔ اگر میں ان اونٹوں کو اپنے اس حوض میں سے پانی پینے دوں تو کیا مجھے اس کا کچھ اجر بارگاہ خداوندی سے ملے گا؟" سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "ہر جانور جو تر جگر رکھتا ہو، اس کو پانی پلانا باعثِ اجر ہے"۔ (سبل الہدیٰ، جلد ۳، ص ۲۵۳)

سیدنا انس فرماتے تھے کہ سراقہ بن مالک کی مختصر روئیداد یہ ہے کہ وہ صبح کے وقت حملہ آور تھا اور شام کے وقت محافظ۔ ("بخاری" جلد ۱، ص ۵۵۶)

روایت میں ہے کہ کسی طرح ابو جہل کو پتہ چل گیا کہ سراقہؓ بن مالک نے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کے بجائے دانستہ چھوڑ دیا اور ان کو موقع دے دیا کہ اپنا سفر جاری رکھیں۔ اتفاق سے سراقہؓ چند دنوں کے بعد مکہ مکرمہ گئے اور ابو جہل سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے شکوہ و شکایت کے دفتر کھول دیئے۔ سراقہ نے جو ابھی تک بت پرستی کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے تھے، ان شکایتوں کا یہ جواب دیا۔ جواب تو اشعار میں ہے، ہم اس کا ترجمہ نقل کر رہے ہیں:

۱۔ "اے ابو الحکم! (ابو جہل) لات کی قسم، کاش تم میرے گھوڑے کا واقعہ دیکھتے کہ کس قدر اس کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئی تھیں۔

۲۔ تو تم تعجب کرتے اور تمہیں اس بات میں کوئی شک نہ رہتا کہ محمد ﷺ نبی اور دلیل ہدایت ہیں۔ پھر کون ہے جو ان کی حالت کو مخفی کر سکے۔

۳۔ تمہاری قوم پر لازم ہے کہ ان سے تعرض کرنا چھوڑ دے کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کی ترقی اور عروج کی علامتیں عنقریب آشکار عالم ہونے لگیں گی"۔

(روض الانف ج ۲ ص ۶، فتح الباری ج ۷ ص ۱۷۹، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۸۶)

Marfat.com

اُمِ معبد کے ہاں قیام

قدید ہی کے علاقہ سے گزرتے ہوئے یہ مقدس قافلہ بنو خزاعہ کی ایک عورت ام معبد کی قیام گاہ پر پہنچا۔ بعض سیرت نگاروں نے اس کو سراقہ بن مالک کے واقعہ سے پہلے بیان کیا ہے اور بعض نے بعد میں۔ سیدنا ابو بکرؓ کے غار سے روانگی کے بعد پیش آنے والے واقعات میں پہلے سراقہ بن مالکؓ کے واقعہ کو لکھا ہے اس وجہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بعد کا واقعہ ہے۔ شاید اسی وجہ سے حافظ ابن قیم نے بھی اس کو بعد میں لکھا ہے۔

جب یہ حضرات قدید کے علاقہ سے گزر رہے تھے تو یہ ام معبد (عاتکہ بنت خالد) کی قیام گاہ کے پاس سے گزرے۔ یہ عورت بنو خزاعہ کی شاخ بنی کعب سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ ایک نمایاں اور توانا، لیکن پختہ عمر کی باعفت خاتون تھیں۔ یہ ان لوگوں کی میزبانی کرتی رہتیں جو وہاں سے گزرتے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپ کے ساتھی جب وہاں سے گزرے، یہ اس وقت اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان حضرات نے پوچھا کہ کھانے کو کچھ پاس ہے؟ کہنے لگیں قحط کا زمانہ ہے، سارا علاقہ بری طرح متاثر ہے۔ بخدا ہمارے پاس کچھ ہوتا تو آپ لوگوں کی میزبانی میں بخل سے کام نہ لیتی۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ کی نظر ایک بکری پر پڑی جو خیمے کے ایک کونے میں بندھی ہوئی تھی۔ آپؐ نے پوچھا معبد کی ماں! یہ کیسی بکری ہے؟ بولیں اسے کمزوری اور نقاہت نے ریوڑ سے پیچھے چھوڑ رکھا ہے۔ آپ نے پھر پوچھا "یہ کچھ دودھ دے سکتی ہے؟" عرض کیا یہ اس سے زیادہ نڈھال ہے کہ دودھ دے سکے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم مجھے اس کا دودھ دوہنے کی اجازت دیتی ہو؟ بولیں میرے ماں باپ آپ پر قربان، اگر آپ کو اس میں کچھ دودھ دکھائی دے رہا ہے تو ضرور دوہ لیں۔ آپؐ نے اس کو پکڑا۔ اس کے پاؤں باندھے۔ اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔ اللہ کا نام لیا اور دعا کی کہ اے اللہ! اس عورت کی بکریوں میں برکت دے۔ بکری نے پاؤں پھیلا دیئے۔ تھنوں میں بھرپور دودھ اتر آیا۔ بکری جگالی کرنے لگی اور دودھ کی دھار اس کے تھنوں سے بہہ نکلی۔ حضور ﷺ نے ام معبد کا ایک بڑا سا برتن لیا جو ایک جماعت کو آسودہ کر سکتا تھا۔ آپ دوہتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ برتن لبالب بھر گیا اور اوپر جھاگ آ گئی۔ آپ نے سب سے پہلے ام معبد کو دودھ پلایا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا، وہ سب سیر ہو گئے۔ سب سے آخر میں آپ نے خود پیا اور فرمایا ساقی القوم آخرھم (لوگوں کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے) پھر آپ نے اسی برتن میں دوبارہ اتنا دودھ دوہا کہ برتن بھر گیا۔ آپ اس دودھ سے بھرے برتن کو ام معبد کے پاس چھوڑ کر اور یہ فرما کر آگے روانہ ہو گئے کہ یہ دودھ معبد کے ابا کو دے دینا۔

یہ قافلہ تو روانہ ہو گیا۔ ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ام معبد کا شوہر ابو معبد اپنی کمزور اور دبلی

بکریاں لیے ہوئے واپس آیا۔ دودھ کا بھرا ہوا برتن دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا؟ وہ بولی! خدا کی قسم! ایک مبارک آدمی کا گزر یہاں سے ہوا تھا۔ اس نے یہ کچھ کیا پھر اس نے اپنے شوہر کو یہ سارا واقعہ سنایا۔ اس نے کہا "معبد کی ماں! ذرا اس کا حلیہ تو بیان کر؟" اس نے کہا "میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جس کا حسن وجمال نمایاں تھا، چہرہ روشن تھا، اخلاق پاکیزہ تھے، بدن نہ بھاری تھا اور نہ نحیف۔ خوبصورت اور خوش اندام تھا۔ آنکھوں میں گہری سیاہی تھی۔ پلکیں لمبی، آنکھوں کے کوئے سیاہی مائل تھے۔ بھنویں نہ ایک دوسرے سے بالکل الگ تھیں نہ بالکل ملی ہوئیں بلکہ درمیان میں ہلکے ہلکے بال تھے اور بھنووں کے کنارے باریک تھے۔ بال نہایت سیاہ تھے۔ گردن صراحی دار تھی، داڑھی گھنی تھی۔ خاموشی میں اس کا وقار نمایاں ہوتا اور گفتگو میں اس کی آواز گردوپیش پر چھا جاتی۔ گفتگو ایسی تھی گویا زبان سے موتیوں کی لڑی سلسلہ وار نکلتی چلی آرہی ہو۔ کلام شیریں اور واضح تھا۔ نہ کم گو اور نہ باتونی۔ دور سے آواز سب سے زیادہ بلند مگر خوش آہنگ محسوس ہوتی اور قریب سے بہت شیریں اور لطیف۔ میانہ قد نہ ایسا دراز کہ بدنما نظر آئے اور نہ اتنا پست کہ کوئی نگاہ اس سے بلند تر کی طرف متوجہ ہو۔ وہ اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ خوش منظر تھا اور سب سے زیادہ بہتر قدر و منزلت رکھتا تھا۔ اس کے ساتھی اسے گھیرے رکھتے تھے۔ اس کی بات بڑی توجہ سے سنتے اور اس کے حکم پر دوڑ پڑتے تھے۔ وہ مخدوم تھا، نہ ترش رو تھا اور نہ درشت کلام"۔

ابو معبد یہ سب کچھ بڑے غور اور توجہ سے سنتا رہا۔ جب ام معبد نے حضور ﷺ کے یہ اوصاف بیان کیے تو وہ بول اٹھا "خدا کی قسم! یہ تو وہی صاحب قریش تھے، جن کا ذکر ہم سنتے رہے ہیں۔ اگر میں ان سے ملتا تو ان کا ساتھ دینے کی درخواست کرتا۔ اور اگر اب موقعہ ملا تو ضرور اس کی کوشش کروں گا"۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ام معبد اور ابو معبد دونوں مشرف باسلام ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۸۹)

ام معبدؓ، ابو معبدؓ (ام معبد کے شوہر) حبیش بن خالدؓ (ام معبد کے بھائی) ابو سلیط بدری، ہشام بن حبیش بن خالد۔ اول الذکر چاروں حضرات کا صحابی ہونا مسلم ہے۔ ہشام کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن حبان اور امام بخاری نے اس کو بھی صحابہ میں شمار کیا ہے۔ ("الاصابہ" جلد ۳، ص ۶۰۳)

ام معبد کی حدیث کے لیے ملاحظہ ہو "طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۲۳۰، جلد ۸، ص ۲۸۸-۲۸۹، "انساب الاشراف بلاذری" جلد ۱، ص ۲۶۲، ۳۹۱، "ابن ہشام" جلد ۲، ص ۲۲۵، "دلائل النبوۃ" لابی نعیم، ص ۱۱۷-۱۱۹، "مستدرک حاکم" جلد ۳، ص ۹-۱۱، "دلائل النبوۃ" بیہقی، جلد ۱، ص ۲۲۸، "استیعاب"، جلد ۴، ص ۴۹۵-۴۹۸، "ابن اثیر" جلد ۲، ص ۱۰۶، "طبری" جلد ۲، ص ۳۸۰، "روض الانف" جلد ۲، ص ۲۳۴-۲۳۵، "اسد الغابہ" جلد ۵، ص ۴۹۷، "تہذیب تاریخ دمشق" لابن عساکر،

Marfat.com

جلد۱، ص۳۲۶-۳۲۷، "تہذیب الکمال" للمزی، جلد۱، ص۲۲۱-۲۲۳، "نہایۃ الادب" للنویری" جلد۱۶، ص۲۳۶-۲۳۷، "الشمائل" لابن کثیر" ص۴۴-۴۹، "السیرۃ النبویہ" لابن کثیر، جلد۲، ص۲۵۷-۲۶۳، "عیون الاثر" جلد۱، ص۱۸۹، "الاصابہ" جلد۴، ص۴۹۷، "خصائص کبریٰ" للسیوطی، جلد۱، ص۱۸۸، "تاریخ الخمیس" للدیار بکری، جلد۱، ص۳۷۵، "مجمع الزوائد" جلد۶، ص۵۵-۵۸، جلد۸، ص۲۷۸-۲۷۹

بریدہ اسلمی نبوت کے حضور میں

مکہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کو بریدہ اسلمی بھی ستر سواروں کے ساتھ ملے۔ یہ بھی انعام کے لالچ میں حضور ﷺ اور سیدنا ابو بکرؓ کی تلاش میں نکلے تھے۔ جب حضور ﷺ سے سامنا ہوا تو آپؐ نے پوچھا "تم کون ہو؟" انہوں نے جواب دیا "میں بریدہ ہوں"۔ نبی ﷺ نے ابو بکرؓ کی طرف التفات فرماتے ہوئے بطور تفاول فرمایا "اے ابو بکر! ہمارا کام ٹھنڈا اور درست ہوا"۔

آپ نے پھر فرمایا: "کس قبیلہ سے ہو؟" جواب دیا "قبیلہ اسلم سے ہوں"۔ حضورؐ نے پھر ابو بکرؓ سے فرمایا: "ہم سلامت رہے"۔ پھر فرمایا "قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے ہو؟" بریدہ نے کہا "بنی سہم سے"۔ "آپؐ نے فرمایا "تیرا حصہ نکل آیا یعنی تجھ کو اسلام سے حصہ ملے گا"۔ بریدہ نے پوچھا "آپ کون ہیں؟" فرمایا "محمد بن عبداللہ، اللہ کا رسول ہوں"۔ یہ بات چیت ہوئی تو بریدہ نقد دل ہار بیٹھے۔ اور قوم کے ستر آدمیوں کے ساتھ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بریدہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! مدینہ میں داخل ہوتے وقت آپ کے سامنے ایک جھنڈا ہونا چاہیے"۔ آپؐ نے اپنا عمامہ اتارا اور نیزہ سے باندھ کر بریدہؓ کو عطا فرمایا۔ چنانچہ جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو سیدنا بریدہؓ جھنڈا لیے ہوئے آپ کے سامنے تھے۔ ("زرقانی" جلد۱، ص۳۴۹، "الاستیعاب" جلد۱، ص۱۷۴)

بعض روایات میں ہے کہ مقام غمیم پر بریدہ بن حصیب کو آپؐ نے اسلام کی دعوت دی اور وہ اور ان کے ۸۰ گھروں کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح رکوبہ گھاٹی پر آپ کی ملاقات دو آدمیوں سے ہوئی۔ آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور وہ ایمان لائے۔ آپؐ نے ان کا نام پوچھا۔ انہوں نے کہا "ہم قبیلہ اسلم کے لوگ ہیں۔ ہمارا پیشہ ڈاکہ زنی ہے اس لیے ہم کو "مہانان" (دو ذلیل آدمی) کہا جاتا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "نہیں تم دو باعزت آدمی ہو" (بل انتما المکرمان) ("مسند احمد" عن ابن سعد)

یہ عجیب کرشمہ ہے کہ سیدہ اسماءؓ نے اپنا ازار بند چاک کر کے اس میں ناشتہ دان اور مشکیزہ باندھا تھا۔ راستہ میں آپ کو ان کے شوہر سیدنا زبیر بن العوامؓ ملے جو آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ انہوں نے آپ کو سفید پارچہ جات پیش کیے۔ یہ لوگ ایک تجارت پیشہ گروہ کے ساتھ ملک شام سے

Marfat.com

واپس آرہے تھے۔ ایک جوڑا انہوں نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو بھی پیش کیا۔ ("بخاری" جلد ۱ ص ۵۵۴)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس قافلہ میں سیدنا طلحہؓ بھی تھے اور سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ بھی۔ سیدنا طلحہؓ نے بھی ان دونوں حضرات کی خدمت میں کپڑوں کے جوڑے پیش کیے۔ یہ سب حضرات شام سے واپس آرہے تھے۔ ("فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۹۴)

Marfat.com

مدینہ میں خوشی کی لہر

اگرچہ اس زمانہ میں ڈاک کا سلسلہ نہیں تھا مگر آنے جانے والے لوگوں سے اہلِ مدینہ کو پتہ چل گیا تھا کہ سرور کون و مکان ﷺ اور ان کا محبوب آقا مکہ مکرمہ سے نکل چکا ہے۔ اب ایک ایک گھڑی گنی جا رہی تھی، ایک ایک دن کا حساب کیا جا رہا تھا۔ سیدنا عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ لوگ روزانہ طلوع آفتاب سے بہت پہلے پو پھٹنے کے وقت اٹھتے اور مدینہ منورہ سے "حرہ" کے مقام پر آجاتے اور آفتاب رسالت کے طلوع ہونے کا انتظار کرنے لگتے۔ اسی انتظار میں دوپہر ہو جاتی۔ جب آفتاب کی تمازت تیز ہو جاتی اور مسافروں کی آمد کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو مرجھائے دلوں کو بے تاب سینوں میں دبائے ہوئے واپس ہو جاتے۔ ایک روز حسب معمول طویل انتظار کے بعد نہایت افسردگی اور پژمردگی کے ساتھ جب وہ واپس جا رہے تھے تو ایک یہودی اپنے کسی ٹیلے پر کچھ دیکھنے کے لیے چڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ رسول ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفید کپڑوں میں ملبوس، جن سے چاندنی چھلک رہی تھی، تشریف لا رہے ہیں۔ اس نے بے خود ہو کر بلند آواز سے کہا:

یا بنی قیلہ، ھذا جدکم۔

"اے بنی قیلہ! تمہارا مبارک بخت اور خوش نصیبی کا سامان آپہنچا"۔

(زرقانی ج ا ص ۳۵۰، فتح الباری ج ۷ ص ۱۸۹، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۹۶)

اس ایک آواز نے نہ صرف مردوں کو بلکہ عورتوں اور بچوں تک کو وارفتہ مسرت بنا دیا۔ اہلِ قبا کی خوش بختی تھی کہ یہ آواز ان کے کانوں میں پڑی۔ وہ بے تابی سے دوڑے اور پھر حرہ پہنچ کر رسول اکرم ﷺ کے زیر پا اپنی آنکھیں بچھائیں۔ نظر اشتیاق کو فرش راہ کیا۔

مدینہ منورہ سے ۵ کلو میٹر دور ایک آبادی ہے جس کا نام "قباء" ہے۔ یہاں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے۔ سب سے زیادہ عمرو بن عوف کا خاندان ممتاز تھا۔ یہ خاندان قبیلہ اوس کا بطن تھا ("فتح الباری"

Marfat.com

جلد ۷، ص ۱۹۴) یہودی کی یہ آواز سننے والے خوش نصیب اسی قبیلہ کے لوگ تھے ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۵۰) عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے مہمانوں کا استقبال ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر کیا کرتے تھے۔ اس بے تابی میں بھی انہوں نے اپنی اس آن اور اس شان کو نہیں چھوڑا۔ چنانچہ وہ پہلے ہتھیاروں کی طرف لپکے، پھر استقبال کو دوڑے۔ ("بخاری" جلد ۱، ص ۵۵۲)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ آواز سننے کے ساتھ ہی بنی عمرو بن عوف کے لوگوں میں شور بلند ہوا اور تکبیر سنی گئی۔ مسلمان آپ کی آمد کی خوشی میں نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے استقبال کے لیے نکل پڑے۔ آپ کے گرد و پیش پروانوں کی طرح اکٹھے ہو گئے۔ اس وقت آپ پر سکینت چھائی ہوئی تھی اور یہ وحی نازل ہو رہی تھی:

"بے شک اللہ تعالیٰ آپ کا مولیٰ ہے اور جبریل (علیہ السلام) اور صالح مومنین بھی اور اس کے بعد فرشتے آپ کے مددگار ہیں"۔ (۶۶:۴) ("زاد المعاد" جلد ۲، ص ۵۴)

حرہ میں لوگوں سے ملنے کے بعد آپ داہنی طرف مڑے اور پھر پورے اجتماع کے ساتھ بنی عمرو بن عوف میں رونق افروز ہوئے۔ یہ ۸ ربیع الاول ۱۴ نبوی مطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کی تاریخ اور دو شنبہ کا دن تھا۔ ("زرقانی" جلد ۱، ص ۳۵۱، "وفاء الوفاء" جلد ۱، ص ۱۷۶) اب لوگوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ وہ آپ کو آکر سلام عرض کرتے اور بیٹھ جاتے۔ رسول اللہ ﷺ خاموش بیٹھے تھے اور رفیق سفر سیدنا ابو بکرؓ آنے والوں کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ جن لوگوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو نہ دیکھا ہوا تھا وہ سیدھے ابو بکرؓ ہی کو سلام کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد رسول اللہ ﷺ پر دھوپ آگئی۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے سر مبارک پر اپنی چادر سے سایہ کر دیا۔ تب لوگوں کو پتہ چلا کہ خادم کون ہے اور مخدوم کون۔

("بخاری" جلد ۱، ص ۵۵۵، "ابن ہشام" جلد ۱)

کلثوم بن ہدم قبیلہ عمرو بن عوف کا رئیس تھا۔ آپ نے اس کے ہاں قیام فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کا قیام سعد بن خیثمہ کے ہاں تھا لیکن پہلی روایت زیادہ قوی اور صحیح ہے۔

(زاد المعاد، جلد ۲، ص ۵۴)

سیدنا سعد بن خیثمہ کا مکان بھی خالی تھا۔ ان کے متعلقین نہیں تھے۔ مکہ مکرمہ سے جو صحابہ اس طرح کے آتے تھے، وہ بھی انہی کے مکان میں ٹھہرتے تھے۔ اس وجہ سے اس مکان کو "بیت الغراب" (یعنی ایسے لوگوں کا گھر جن کے متعلقین نہ ہوں) کہا جانے لگا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی نشست بھی اسی مکان میں تھی۔ آپ تلقین و تذکیر بھی اسی مکان میں فرمایا کرتے تھے۔ سیدنا ابو بکرؓ نے "سخ" میں قیام فرمایا۔

("ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۵۰)

سیدنا علی بن ابی طالبؓ حضور ﷺ کے آنے کے بعد تین روز مکہ میں ٹھہرے اور لوگوں کی جو

Marfat.com

امانتیں حضورؐ نے آپ کو دی تھیں، انہیں ادا کر کے پیدل ہی چل کر قبا میں حضورؐ سے آملے اور آپ نے بھی کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام فرمایا۔ ("زاد المعاد" جلد ۲، ص ۵۴، "ابن ہشام" جلد ۱، ص ۴۹۳)

سرکارِ دو عالم ﷺ نے صرف چار روز قبا میں قیام فرمایا۔ یعنی پیر، منگل، بدھ اور جمعرات۔ اسی دوران مسجد قبا کی بنیاد رکھی، جس کا پہلا پتھر حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ آپؐ کے بعد ابو بکرؓ نے اور اس کے بعد عمرؓ نے ایک ایک پتھر رکھا۔ پھر دوسرے صحابہ کرامؓ نے پتھر رکھنا شروع کیے اور تعمیر کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اسی مسجد کے بارے میں قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ "یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد اول روز ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی"۔ ("روض الانف" جلد ۲، ص ۱۱)

(اول یوم کے معنی یہی کیے گئے ہیں کہ وجود میں آنے یا تعمیر کے پہلے دن سے، لیکن بعض حضرات نے "یوم" کے معنی "دور" کے بھی کیے ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے خلق الارض فی یومین (المفردات) یعنی ہجرت کے بعد جو دور شروع ہوا اس کے آغاز میں۔ اسی وجہ سے امام سہیلی کے مطابق سن ہجری کا پہلا دن اسی کو مانا گیا ہے۔ ("وفاء الوفا" جلد ۱، ص ۱۰۰) یعنی سن ہجری کا آغاز اسی دن سے صحابہؓ نے کیا۔

حدیث میں اس مسجد کے بارہ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے چلے اور مسجد قبا میں جا کر دو رکعت ادا کرے، اس کے لیے ایک عمرہ کا ثواب ہے۔ (ابن ماجہ)

بخاری اور مسلم میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی ہر ہفتہ کو مسجد قبا میں زیارت کو کبھی سوار اور کبھی پیادہ تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔

پانچویں روز جمعہ کو آپ حکم الٰہی کے مطابق سوار ہوئے۔ ابو بکرؓ آپؐ کے ردیف تھے۔ آپ نے بنو النجار کو جو آپ کے ماموؤں کا قبیلہ تھا، اطلاع بھیج دی تھی۔ چنانچہ وہ تلواریں حمائل کیے حاضر خدمت تھے۔ آپؐ نے ان کی معیت میں مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ جس اونٹنی پر آپ سوار تھے، اس کا نام "قصواء" تھا اور یہ وہی ناقہ تھی، جس پر آپ نے سفر ہجرت طے فرمایا تھا اور جو سیدنا ابو بکرؓ نے آپ کو دی تھی۔

جب بنو سالم کی آبادی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت آ گیا۔ آپؐ نے بطن وادی میں اس مقام پر جمعہ پڑھا جہاں اب مسجد ہے۔ جمعہ میں قریباً ایک سو آدمی تھے۔

("بخاری" جلد ۱، ص ۵۵۵، "زاد المعاد" جلد ۲، ص ۵۵، "ابن ہشام" جلد ۱، ص ۴۹۴، "ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۶۰)

راستہ میں زیارت کرنے والے مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایک ہجوم تھا جو ابھی حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ وہ بھی دیدار کے لیے بے تاب تھے۔ لڑکے اور بچے جوش مسرت سے نعرہ لگا

Marfat.com

رہے تھے۔

اللہ اکبر جاء محمد　　　　اللہ اکبر جاء محمد

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۱۹۷)

اہلِ یثرب کے لیے یہ دن سب سے زیادہ خوشی اور مسرت کا دن تھا۔ کیونکہ آج آسمان نبوت کا نیر تاباں سرزمین یثرب پر اتر رہا تھا۔ اس لیے آج ہر طرف سے یہی صدا تھی:

جاء نبی اللہ　　:　　جاء نبی اللہ

(اللہ کے نبی آ گئے　　　　اللہ کے نبی آ گئے)

یہ نہایت تابناک دن تھا۔ گلی کوچے تقدیس و تحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے۔

نماز جمعہ کے بعد آپ ناقہ قصواء پر سوار ہوئے تو قبیلہ والوں نے مہار تھام لی اور اصرار کیا کہ یہیں قیام فرمائیں۔ اس کے بعد انصار کا جو قبیلہ بھی آتا رہا، یہی اصرار کرتا رہا کہ غریب خانہ کو دولت خانہ بنائیے۔ مکان حاضر ہے، جان حاضر ہے، مال حاضر ہے لیکن اس شفقت آفرین اور رحمتہ للعالمین پیغمبر ﷺ نے کسی کی دل شکنی گوارا نہ کی۔ آپؐ نے ناقہ کی مہار چھوڑ دی اور اصرار کرنے والوں سے فرمایا کہ وہ مہار چھوڑ دیں۔ یہ ناقہ مامور ہے۔ جہاں بیٹھ جائے گی، وہیں قیام ہو گا۔

("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۶۰؛ "فتح الباری" جلد ۷، ص ۱۹۶)

اشرق البدر علینا　　من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا　　ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا　　جئت بالامر المطاع

ان تین شعروں کا ترجمہ کسی نے یہ کیا ہے۔

۱۔ ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب　　چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا
۲۔ کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے　　شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا
۳۔ ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی　　بھیجنے والا ہے تیرا کبریا

ناقہ چلتی رہی یہاں تک کہ بنو نجار کا قبیلہ آ گیا۔ یہاں ناقہ جب اس جگہ پہنچی جہاں آج مسجد نبوی ہے تو ناقہ بیٹھ گئی۔ آپؐ نے فرمایا:

ھذا انشاء اللہ المنزل۔

"یہیں انشاء اللہ منزل ہو گی"۔ ("بخاری" جلد ۱، ص ۵۵۵)

ابھی آپ ناقہ سے نیچے نہیں اترے تھے کہ وہ پھر کھڑی ہو گئی۔ کچھ چلی، پھر واپس اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی اور اپنی گردن زمین پر پھیلا دی۔ یہ بنو نجار کا محلہ تھا جو آپ کی ننھیال تھے۔ آپ ان کے ہاں قیام فرما

Marfat.com

کران کی عزت افزائی کرنا چاہتے تھے۔ بنو نجار کو جب یہ سعادت میسر آئی تو ان کے بچے بچے کے دل کی کلی کھل گئی۔ بچیوں نے اسی وقت یہ شعر موزوں کر لیا ۔

نحن جوار من بنی نجار یا حبذا محمد من جار

ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ محمد ﷺ ہمارے پڑوسی بنے

سرکارِ دو عالم ﷺ نے از راہ شفقت فرمایا "تمہیں مجھ سے محبت ہے؟" سب نے کہا "ہاں یا رسول اللہ!" ارشاد فرمایا "خدا کی قسم مجھے بھی تم سے محبت ہے"۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۳، ص ۲۰۰)

اب قیام کا مسئلہ تھا۔ آپ نے فرمایا "ہمارے رشتہ داروں میں کس کا مکان سب سے زیادہ قریب ہے؟" یہ خوش نصیبی تھی سیدنا خالد بن زیدؓ (ابو ایوب انصاریؓ) کی۔ فوراً بول اٹھے "یا رسول اللہ! یہ میرا مکان ہے اور یہ میرا دروازہ ہے"۔

قیام کا مسئلہ طے ہو گیا تو ارشاد فرمایا "جایئے اور ہمارے قیلولہ کا انتظام کیجئے"۔ سیدنا ابو ایوبؓ نے اندر جا کر قیلولے کا انتظام کیا۔ پھر حضور کو لے گئے اور آرام کرایا۔

("فتح الباری" جلد ۷، ص ۲۰۱، "زاد المعاد" جلد ۲، ص ۵۵)

سیدنا اسعد بن زرارہؓ جو بیعت عقبہ اولیٰ میں شریک تھے، انہوں نے دیکھا کہ آپ کا قیام تو سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں طے ہو گیا ہے تو فوراً ناقہ کی مہار پکڑی اور اپنے یہاں لے گئے کہ یہ بھی جذبہ شوق کو تسکین دینے والی ایک سعادت ہے۔

سیدنا زید بن ثابتؓ ہمیشہ اس بات کا ذکر کر کے خوش ہوا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جیسے ہی سیدنا ابو ایوبؓ کے گھر تشریف لے گئے، تو سب سے پہلا ہدیہ میری والدہ کا تھا۔ میری والدہ نے روٹیوں پر گھی لگا کر دودھ میں چور اکیا اور ایک بڑے برتن میں ڈال کر میرے ہاتھ بھیجا۔ میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میری والدہ نے یہ ہدیہ بھیجا ہے۔

آپؐ نے دعا فرمائی بارک اللہ فیک (اللہ تمہیں برکت عطا فرمائے) پھر سب حاضرین کو بلا کر سب کے ساتھ تناول فرمایا۔ ابھی میں دروازے سے باہر نکلا نہیں تھا کہ سیدنا سعد بن عبادہؓ کے ہاں سے ثرید آ گیا۔ آپؐ نے اس کو بھی قبول فرما لیا۔ اگرچہ آپ مہمان سیدنا ابو ایوبؓ کے تھے لیکن روزانہ تین چار انصار کے ہاں سے کھانے کا ہدیہ آتا رہتا تھا۔ ("ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۹۱)

خصوصاً سیدنا سعد بن عبادہؓ اور سیدنا اسعد بن زرارہؓ کے ہاں سے تو روزانہ طشت بھر کر کھانا آتا تھا۔ ("وفاء الوفا" جلد ۱، ص ۱۹۰) دستر خوان پر چار پانچ کھانے والے تو ہر وقت ہوتے تھے اور بعض اوقات پندرہ سولہ بھی ہو جاتے تھے۔ ("ابن سعد" جلد ۱، ص ۱۹۱)

Marfat.com

سیدنا ابو ایوبؓ خود بھی کھانا پکواتے۔ دستر خوان پر اگرچہ شریک طعام نہیں ہوتے تھے مگر جو کھانا حضور ﷺ کے سامنے سے آتا تھا' اس کو کھاتے اور خاص اس جگہ سے کھاتے' جہاں سرورِ کون و مکان ﷺ کی انگلیوں کے نشان معلوم ہوتے تھے۔ ("نووی" جلد ۱' ص ۱۸۳)

سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کے مکان کی دو منزلیں تھیں۔ آپ نے نیچے کی منزل حضور ﷺ کے لیے خالی کردی اور خود اوپر والی منزل میں چلے گئے۔ ایک روز اتفاق سے اوپر والی منزل میں پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا۔ ابو ایوبؓ کو خطرہ ہوا کہ پانی نیچے ٹپکے گا اور حضور ﷺ کو تکلیف ہوگی۔ گھر میں ایک لحاف تھا۔ فوراً اس کو پانی پر ڈال دیا کہ پانی جذب ہو جائے اور نیچے نہ ٹپکے۔ ("وفاالوفاء" جلد ۱' ص ۱۸۸)

ایک روز خیال آیا کہ سرور کون و مکان ﷺ نیچے ہیں اور ہم اوپر۔ کیسی بے ادبی ہے۔ فوراً ایک کنارے پر سمٹ گئے اور اسی طرح رات گزار دی۔ صبح ہوئی تو حضور ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اوپر قیام فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "آنے جانے والوں کی اسی میں آسانی ہے"۔ ابو ایوبؓ نے دست بستہ عرض کیا لا اعلو سقفه انت تحتها (میں تو اس چھت پر چڑھ نہیں سکتا جس کے نیچے آپ ہوں)

سرکارِ دو جہاں ﷺ نے درخواست منظور فرمالی اور اوپر والی منزل میں منتقل ہو گئے۔

("مسلم" جلد ۲' ص ۱۸۳)

سیدنا ابو ایوبؓ کے مکان میں آپ کا سات ماہ قیام رہا۔ جب مسجد اور حجرے تیار ہو گئے' اس وقت آپ وہاں تشریف لے گئے۔

چند روز بعد آپؐ نے سیدنا زید بن حارثہؓ اور سیدنا ابو رافعؓ کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا کہ ان کے متعلقین کو لے آئیں۔ چنانچہ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ سودہ ام المومنینؓ اور آپ کی دونوں صاحبزادیاں سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ فاطمہؓ اور سیدنا اسامہ بن زیدؓ اور سیدہ ام ایمنؓ بھی مدینہ آ گئیں۔ سیدہ زینبؓ بنت رسول ﷺ کو ان کے شوہر ابو العاصؓ نے نہ آنے دیا کیونکہ وہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ سیدنا ابو بکرؓ نے اپنے صاحبزادے سیدنا عبداللہ کو بھی سیدنا زیدؓ کے ساتھ بھیجا تھا۔ وہ بھی آل ابی بکرؓ کو اپنے ساتھ لے آئے۔ سیدہ عائشہ بھی ان کے ساتھ آئیں۔ ان سب کو حارثہ بن نعمانؓ کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱' ص ۱۶۱)

یہاں آپ کی مکی زندگی اور اسلامی دعوت کا ایک دور ختم ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد آپ کی زندگی کا ایک دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس کو "مدنی دورِ زندگی" کہتے ہیں۔

Marfat.com

مدینہ رسول

مدینہ طیبہ جس میں آپ نے ہجرت فرمائی، اسے یثرب کہا جاتا تھا۔ یثرب کہنے کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ اس شہر کو یثرب نامی عمالقی نے بسایا تھا اور اسی نام سے اس کا نام یثرب رکھا گیا۔ (المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی جلد ا ص ۸۹)۔ اس شہر کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو معجم البلدان لیاقوت الحموی جلد ۵ ص ۸۴) شہر کی تعمیر کا زمانہ ۱۶۰۰ ق م اور ۲۲۰۰ ق م کے درمیان ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مطابق پہلے یہاں عمالق آباد تھے لیکن عہد اسلام میں یہاں یہود اور اوس و خزرج کے قبائل آباد تھے۔ (ارض القرآن جلد ا ص ۹۹)

سرکارِ دو عالم ﷺ نے مدینہ کو یثرب کے نام سے موسوم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی کراہت کی توجیہہ مختلف انداز سے کی گئی ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (وفاء الوفاء جلد ا ص ۸) ہمارے خیال میں اس کے لفظی اور لغوی معنی اچھے نہیں ہیں کیونکہ ثرب اس چربی کو کہتے ہیں جو اوجھڑی اور انتڑیوں پر ہوتی ہے اور تثریب گناہ اور برائی پر دلالت کرتا ہے۔ (ابن درید جلد ا ص ۲۰۱) اس کی جمع ثراب، اثراب اور اثارب آتی ہے۔ (القاموس لمجد الدین فیروز آبادی جلد ا ص ۴۰)

قرآن حکیم میں یثرب کا نام صرف ایک جگہ (الاحزاب: ۱۳) آیا ہے اور وہ منافقین کے ایک قول کے حوالے سے۔ اور مدینہ کا نام بطور خاص یثرب کے لیے کم و بیش چار مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ (التوبہ: ۱۰۱، ۱۲۰، الاحزاب: ۶۰، المنافقون: ۸) یثرب کی وجہ تسمیہ اور مشتقاق کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مکہ والمدینہ فی الجاہلیہ وعہد الرسول احمد ابراہیم ص ۲۹۱-۲۹۲۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام بدل کر طیبہ اور طابہ رکھا، یاقوت الحموی نے اس کے ۲۹ نام گنائے ہیں۔ (معجم البلدان جلد ۵ ص ۸۳) جب کہ السمہودی نے ترتیب وار چورانوے نام مرتب کیے ہیں (وفاء الوفاء جلد ا ص ۷ تا ۱۹) اس فہرست میں تہتروان نام "المدینہ" ہے اور چوہتروان "مدینہ الرسول" (ص

Marfat.com

۱۶) لیکن سب سے زیادہ مشہور اب "مدینہ" ہی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو لسان العرب جلد ۷ اص ۲۸۹، وفاء الوفاء ۷ تا ۱۹ اوغیرہ)

مسلمان اور مدینہ طیبہ

مدینہ کا پرانا نام یثرب تھا، اب آپ کے تشریف لانے کی وجہ سے "مدینۃ النبی" کے نام سے مشہور ہوگیا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ اس شہر میں آباد ہوگئے اور اب ایک آزاد فضا میں سانس لینے لگے۔ یہاں مکہ کی گھٹن نہیں تھی جس میں ہر وقت جان کا خطرہ رہتا تھا۔ یہاں مکہ کے وہ چودھری نہیں تھے جو مسلمانوں کو اپنا کمین سمجھ کر ہر وقت ان کے درپے آزار رہتے تھے۔ یہاں مسلمانوں نے چند ہی دنوں میں محسوس کرلیا کہ اب زندگی کے دن پھرنے والے ہیں۔ اب کفر کا غلبہ ختم ہونے والا ہے۔ اب چند ہی دنوں میں اسلام کا بول بالا ہونے والا ہے، لیکن اب بھی ان کے لیے منزل کی کٹھنائیاں موجود تھیں۔ اب یہ مشکلات اور مصائب پہلے سے بہت مختلف تھے۔

مکہ میں صرف مشرکین ہی سے آپ کا سابقہ تھا۔ جن کو معاشرہ میں غلبہ حاصل تھا۔ مسلمان ان کے سامنے کچھ دبے ہوئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ان سے لڑنے کی اجازت نہ تھی اور خود پیغمبر بھی انہیں صبر و استقامت کی بھٹی میں کندن بنانا چاہتا تھا۔ لیکن مدینہ طیبہ میں انہیں دو قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا۔

۱۔ مدینہ طیبہ کے قدیم قبائل سے تعلق رکھنے والے مشرکین

۲۔ یہود

یہ مشرکین اور یہود تو ان کے مخالف تھے لیکن مدینہ میں ان لوگوں کی بھی اچھی خاصی تعداد موجود تھی جو پیغمبر اسلام ﷺ پر ایمان لاکر "مومنین" کی جماعت میں داخل ہوچکے تھے۔ اب سرکارِ دوعالم ﷺ کا سب سے پہلا کام ایک اسلامی مثالی معاشرہ تشکیل دینا تھا تاکہ اس معاشرہ میں اسلام کے دعوتی کام کو نہایت زور و شور سے شروع کیا جائے کیونکہ نبوت کا اصل کام دنیا میں دعوت دینا ہوتا ہے۔ مکہ میں یہ کام نہیں ہوسکتا تھا۔ اب مدینہ میں مسلمانوں کی زمام کار چونکہ ان کے اپنے ہاتھ میں تھی اور کسی دوسرے کا اس میں کوئی دخل نہ تھا، لہٰذا اب وہ نہایت اچھے طریقے سے اپنا اسلامی معاشرہ تشکیل دے کر معاشیات و اقتصادیات اور تہذیب و عمرانیات اور حکومت و سیاست کے مسائل حل کرسکتے تھے اور دنیا میں اس کی مثال پیش کرسکتے تھے کیونکہ نبی نہ صرف دنیا میں نماز و روزہ اور دیگر عبادات پیش کرتا ہے بلکہ پوری دنیوی زندگی کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے تاکہ لوگ اسلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر دنیا و آخرت دونوں کے مسائل حل کرسکیں۔

Marfat.com

دعوت کا یہ مسئلہ کوئی ہنگامی مسئلہ نہ تھا بلکہ یہ مستقل اور دائمی مسئلہ تھا' لیکن کچھ مسائل ہنگامی تھے جن کا حل فوری طور پر درکار تھا۔ چنانچہ آپ نے سب سے پہلے ان مسائل کو حل کیا۔

مدینہ منورہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو اپنے سینوں میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف کینہ وعداوت کے دہکتے ہوئے الاؤ رکھتے تھے' لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر انہیں اس عداوت کے اظہار کی جرأت نہ تھی بلکہ مسلمانوں کی طاقت کو دیکھ کر وہ ظاہری طور پر خلوص ومحبت کے اظہار پر مجبور تھے۔ ان لوگوں کی زمام کار عبداللہ بن ابی بن سلول کے ہاتھ میں تھی۔ اس شخص کی عداوت کی وجہ مؤرخین اور اصحاب سیر نے یہ لکھی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے سے قبل مدینہ کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج جو ہر وقت آپس میں برسرپیکار رہتے تھے' عبداللہ بن ابی ابن سلول کے مطیع تھے۔ عبداللہ بن ابی انہیں ہمیشہ آپس میں لڑائے رکھتا تھا۔ کیونکہ ان کی اس لڑائی میں اس کی چودھراہٹ چلتی تھی۔ اس بارے میں اس کی یہ سیاست اس قدر کامیاب رہی تھی کہ دونوں قبیلے اس کو اپنا بادشاہ بنانے پر رضامند ہو گئے تھے اور اس کی تاجپوشی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں بلکہ اس کے لیے ایک تاج بھی تیار کر لیا گیا تھا۔ جس میں موتی' رنگین سیپ اور کوڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ لیکن اچانک اوس اور خزرج دونوں قبیلے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مسلمان ہو گئے۔ اب ان کی ذہنی فکر بدل گئی۔ ان کا نقطہ نگاہ بدل گیا۔ ان کی محبت کا مرکز ومحور تبدیل ہو گیا۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد عبداللہ بن ابی کی بادشاہت اور اس کی تاجپوشی کے سارے خواب بکھر گئے۔ سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ ساری تیاریاں منتشر ہو گئیں۔ اس کی ساری سیاست ختم ہو گئی۔ لہٰذا وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا سخت دشمن ہو گیا۔ لیکن مدینہ طیبہ میں حضور ﷺ کی عام موافقت کی فضا کو دیکھ کر وہ آپ کی اعلانیہ مخالفت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے ظاہری طور پر وہ اسلام تو لے آیا' لیکن اندرونی طور پر عداوت کا لاوا اس کے دل میں پکنے لگا اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے مار آستین بن گیا۔ اس نے اندر ہی اندر اپنے ہم خیال لوگوں کی ایک جماعت اپنے گرد جمع کر لی اور ہر نازک موقع پر اس نے مسلمانوں میں پھوٹ اور انتشار کی آبیاری کرنی شروع کر دی۔ یہ جماعت "منافقین" کے نام سے مشہور ہوئی۔ عبداللہ بن ابی چونکہ اس جماعت کا سردار تھا لہٰذا اسے "رئیس المنافقین" کہا گیا۔

مدینہ طیبہ میں یہود کی بھی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ یہ لوگ رومی ظلم سے بھاگ کر مدینہ میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ اصل میں یہ عبرانی تھے لیکن مدت سے حجاز میں رہنے کی وجہ سے عربی تہذیب و تمدن میں رنگ چکے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے قبائل اور خود ان کے نام بھی عربی تھے۔ عربوں سے ان کی رشتہ داریاں بھی تھیں لیکن پھر بھی نسلی عصبیت ان میں بدستور قائم تھی اور یہ اپنا تشخص علیحدہ قائم

رکھے ہوئے تھے۔ یہ اپنے آپ کو انبیاء کی اولاد تصور کرتے ہوئے عربوں کو نہایت حقیر سمجھتے تھے۔ جیسے ہندوستان کے برہمن اپنے مقابلہ میں اچھوتوں کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہلِ کتاب سمجھتے ہوئے عربوں سے علم و فضل میں بھی اعلیٰ سمجھتے تھے، لیکن نہ علم ان کے پاس تھا اور نہ دین کا کوئی سرمایہ ان کے ہاں تھا بلکہ یہ نہایت دنیادار تھے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا صرف مال تھا۔ سودی کاروبار ان کا پیشہ اور ہر جائز و ناجائز طریقہ سے دولت کمانا ان کا مذہب تھا۔ وہ عربوں سے اپنے اموال تجارت میں دو تین گنا منافع لیتے۔ سود در سود پر ان کو روپیہ قرض دیتے۔ عربوں میں اپنی مدح سرائی پر دولت لٹانا اور حصول شہرت کے لیے اپنا مال دونوں ہاتھوں سے خرچ کرنا ایک معاشرتی اصول بن چکا تھا' لہٰذا وہ اپنی پراپرٹی رہن رکھ کر یہودیوں سے بھاری سود پر قرض لے لیتے اور جب قرض ادا نہ کرسکتے تو یہودی ان کے باغات، مکانات اور دوسری گروی رکھی گئی جائیداد کے مالک بن جاتے۔ تجارت ساری ان کے ہاتھ میں تھی کیونکہ پورے حجاز کی دولت ان کے ہاتھوں سے گزر کر جاتی تھی' لہٰذا تجارت پر ان کی ایک قسم کی اجارہ داری تھی اور وہ کسی عربی کو آگے آنے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ مدینہ کے تمام باشندے ہر لحاظ سے ان کے رحم و کرم پر تھے۔

یہ لوگ سازشوں' دسیسہ کاریوں اور تشتت و انتشار کی آگ بھڑکانے میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ نہایت خفیہ طریق سے یہ مختلف قبائل میں عداوت و نفرت کا بیج بوتے اور اس طرح ان کو بھڑکا کر جنگ و فساد پھیلا دیتے۔ وہ لوگ آپس میں لڑتے رہتے اور ان کی اس باہمی لڑائی سے یہ فائدہ اٹھاتے۔ جب کبھی ان کی یہ آگ ٹھنڈی ہونے کی صورت اختیار کرتی تو یہ پھر خفیہ ہاتھوں سے اس پر تیل چھڑک دیتے۔ اس سے ان کو معاشی اور اقتصادی فوائد بھی حاصل ہوتے اور تمدنی اور معاشرتی فائدے بھی پہنچتے۔ کیونکہ جب لڑائی میں کوئی قبیلہ سرمایہ کی کمی کی یا اسلحہ کی کمی کی وجہ سے اپنے مدمقابل قبیلہ سے صلح کا ہاتھ بڑھانے کی کوشش کرتا تو یہ اسے مال اور اسلحہ سپلائی کرکے پھر اس کے مقابلہ میں اس کو کھڑا کر دیتے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہجرت فرمانے کے وقت مدینہ میں یہودیوں کے تین مشہور قبیلے آباد تھے۔

۱۔ بنو نضیر: یہ قبیلہ اوس کا حلیف تھا اور اس کی آبادی مدینہ کے اطراف میں تھی۔
۲۔ بنو قریظہ: یہ قبیلہ اوس کا حلیف تھا۔ اس کی آبادی بھی مدینہ کے اطراف میں تھی۔
۳۔ بنو قینقاع: یہ قبیلہ خزرج کا حلیف تھا اور اس کی آبادی مدینہ کے اندرون میں تھی۔

ان تینوں قبائل نے اوس اور خزرج کے درمیان مدت سے جنگ کی آگ بھڑکائی ہوئی تھی جس سے یہ دونوں قبیلے قریباً مکمل طور پر تباہ ہو چکے تھے۔ جب کبھی یہ آپس میں صلح پر آمادہ ہوتے تو یہ پھر اپنی مخفی اور پوشیدہ کارروائیوں سے ان کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکا دیتے۔ کبھی کبھی یہ خود بھی اپنے حلیفوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاتے تاکہ اوس اور خزرج کے مابین امن و سکون کی کوئی صورت

Marfat.com

قائم نہ ہو سکے کیونکہ ان کی لڑائی بھڑائی ہی میں ان کی بہتری تھی۔

سرکارِ دو عالم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو یہود بھی آپ کے سخت مخالف ہو گئے۔ ان کی مخالفت کی اصحاب سیر نے تین وجوہات لکھی ہیں:

۱۔ یہود بنی اسرائیل میں سے تھے اور زیادہ تر انبیاء بھی بنی اسرائیل ہی سے آئے اور رسول اللہ ﷺ کا تعلق بنی اسماعیل سے تھا۔ اس وجہ سے ان کی نسلی عصبیت کو جوان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی، بلکہ ان کی ذہنیت اور نفسیات کا جزو لاینفک تھی، آپ کی مخالفت میں ہی سکون ملتا تھا۔ وہ یہ تصور ہی نہیں کر سکتے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ بنی اسماعیل میں سے آئے۔

۲۔ مخالفت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اگرچہ یہودیت بھی الہامی مذہب ہے اور اس کی تعلیمات بھی وہی ہیں جو اسلام کی ہیں کیونکہ دونوں کا منبع (Source) ایک ہے لیکن مرور ایام سے ان یہود کی معاشرت بالکل دنیادارانہ ہو چکی تھی۔ مال کی محبت ان میں ہر شے سے زیادہ تھی۔ وہ اپنے رویہ میں کوئی ایسی تبدیلی لانے کے لیے تیار نہ تھے جس سے وہ اس سودی دولت سے محروم ہو جائیں۔ وہ ہر اس دینی اور اخلاقی قدر کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے جو ان کی معیشت کو جائز اصولوں پر چلائے۔ اسلامی تعلیمات چونکہ اسلام میں ہمدردی، غم خواری اور خیر خواہی اور امانت و ایمانداری کے جذبات پیدا کرنا چاہتی تھیں، اس وجہ سے بھی وہ اسلام اور داعی اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔

۳۔ تیسری اور اہم وجہ یہ تھی کہ اہلِ مدینہ نے جب اسلام کی پاکیزہ دعوت کو قبول کر لیا اور ان کے دلوں سے بغض و عداوت کے غلیظ جذبات ختم ہو کر باہمی اخوت کے خیر خواہانہ جذبات پیدا ہو گئے تو انہوں نے سمجھا کہ اب یہ شکار ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ان لوگوں کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے سے اب نہ تو ہم ان کو لڑا سکیں گے اور نہ ہی ان سے وہ سودی دولت کما سکیں گے جو پہلے دونوں ہاتھوں سے کماتے تھے بلکہ اب یہ ہمارے آہنی پنجوں سے آزاد ہو جائیں گے۔ اور اس بات کا بھی پورا پورا امکان ہے کہ خواب غفلت میں خفتہ قبائل محمد رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بیدار ہو کر ہم سے وہ اموال چھین نہ لیں جو ناجائز اور سودی طریقوں سے ہم نے ان سے بٹورے ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام مدینہ میں اپنی پوزیشن مستحکم بنا گیا ہے اور اکثر اہلِ مدینہ اس کے دائرہ میں داخل ہو چکے ہیں تو انہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں سے سخت عداوت ہو گئی اور وہ ہر ممکن اور غیر ممکن طریقے سے آپ کی ذات اقدس اور آپ کے ساتھیوں کو تباہ حال کرنے پر تل گئے اور اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ اگرچہ وہ اچھی طرح سمجھتے اور جانتے تھے کہ آپ وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کے بارے میں تورات میں پیشگوئیاں موجود ہیں لیکن دنیا کی محبت اور حق سے عداوت کے جذبہ نے انہیں راہ حق پر چلنے سے روکے رکھا۔ اہلِ مدینہ اس پیغمبر کے بارہ میں

Marfat.com

انہی سے سن کر آپ ؐ پر ایمان لائے تھے، لیکن یہ خود ایمان کی دولت سے محروم رہے۔ ان میں سے صرف چند ایک حضرات اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے اور دوسرے تمام لوگ محروم القسمت رہے۔

روایات میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود کے کئی علماء آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ سے مختلف قسم کے کئی سوالات کیے کیونکہ انہیں علم تھا کہ وہ نبی جس کی بشارت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دی ہے وہ عنقریب سرزمین بطحاء میں مبعوث ہونے والا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے کئی ایک علماء نے اس بارہ میں روایات نقل کی ہیں۔
(ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۱۳، ۲۱۴، ۳۱۴ وغیرہ)

عبداللہ بن سلامؓ کا قبول اسلام

سیدنا عبداللہ بن سلامؓ یہود کے ایک بہت بڑے عالم تھے۔ ان کا اصل نام حصین تھا۔ اسلام لانے کے بعد سرور کائنات ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ چنانچہ یہ عبداللہ بن سلامؓ کے نام سے مشہور ہوئے۔ (الاصابہ جلد ۲ ص ۳۲) انہوں نے جب رسول اللہ ﷺ کے وارد مدینہ ہونے کی خبر سنی تو خود فرماتے ہیں کہ خبر سنتے ہی میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ؐ کے چہرہ انور کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ "یہ چہرہ جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں۔"

فرماتے ہیں کہ پہلا کلام جو میں نے آپ کی زبان سے سنا، وہ یہ تھا:

"اے لوگو! آدمیوں کو کھانا کھلایا کرو، اور آپس میں سلام کو پھیلاؤ، اور صلہ رحمی کرو، اور رات میں نماز پڑھو جب کہ لوگ خدا سے غافل سو رہے ہوں، تو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی)

سیدنا عبداللہ بن سلامؓ کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بارہ میں امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن سلامؓ یہود کے ایک بہت بڑے عالم تھے اور انہیں علم تھا کہ حجاز میں ایک نبی آخری الزماں مبعوث ہونے والا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور آپ بنو النجار میں مقیم تھے کہ عبداللہ بن سلامؓ وہاں آپ ؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ چند سوالات کیے جنہیں صرف ایک نبی ہی جان سکتا ہے۔ جب آپ کے منہ سے ان سوالات کے جوابات سنے تو فوراً مسلمان ہو گئے۔ (بخاری جلد ا ص ۴۵۹، ۵۵۶)

اسلام لانے کے بعد خود فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا:
"یا رسول اللہ! یہود ایک بہتان تراش قوم ہے۔ اگر انہیں اس سے قبل کہ آپ کچھ دریافت فرمائیں، میرے مسلمان ہونے کا پتہ چل گیا تو وہ ضرور مجھ پر بہتان تراشیں گے"۔ چنانچہ آپ ؐ نے یہود کو بلا بھیجا۔

Marfat.com

جب وہ آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے عبداللہ بن سلامؓ کو ایک کمرہ میں چھپا کر یہود سے پوچھا: "اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہوں اور حق لے کر اس دنیا میں آیا ہوں، لہٰذا تم حلقہ اسلام میں داخل ہو جاؤ"۔ یہود نے کہا: "ہم نہیں جانتے۔" رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ ان سے یہی سوال پوچھا اور ہر بار یہود کا یہی جواب تھا کہ "ہم نہیں جانتے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں"۔ اس کے بعد آپؐ نے ان سے عبداللہ بن سلامؓ کے بارہ میں پوچھا کہ وہ کیسا آدمی ہے؟ یہود نے کہا: "وہ ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے اور ہمارا سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہے اور ہم میں سے سب سے اچھا اور سب سے اچھے آدمی کا بیٹا ہے۔ اور ہم میں سے سب سے افضل ہے اور سب سے افضل آدمی کا بیٹا ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "اچھا یہ بتاؤ کہ اگر عبداللہ بن سلام مجھ پر ایمان لے آئے تو پھر تم میرے نبی برحق ہونے کو تسلیم کر لو گے؟" یہود نے کہا کہ "عبداللہ بن سلام کبھی ایمان لا ہی نہیں سکتے۔" آپؐ نے اب فرمایا "اے ابن سلام! باہر نکل آؤ۔" یہ سن کر عبداللہ بن سلام باہر نکل آئے اور کہا "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ"۔ اور یہود سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور حق لے کر آئے ہیں۔" یہ سنتے ہی یہود نے کہا: "شرنا وابن شرنا" "تو سب سے برا اور سب سے برے آدمی کا بیٹا ہے، اور جھوٹا اور کذاب ہے۔"

(بخاری ج ا ص ۴۵۹، ۵۵۶، ۵۶۱، روض الانف ج ۲ ص ۲۵، عیون الاثر ابن سید الناس ج ا ص ۲۳۱)

میمون بن یامینؓ کا قبول اسلام

میمون بن یامین بھی یہود کے رؤساء میں سے تھے۔ یہ بھی سیدنا عبداللہ بن سلامؓ کی طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہلی ملاقات ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ یہود ان کے پہلے تو عبداللہ بن سلامؓ کی طرح بہت مداح تھے لیکن جب آپؐ نے یہود ہی کے کہنے پر ان کو حاکم بنایا اور انہوں نے کلمہ شہادت پڑھ کر سرکارِ دو عالم ﷺ کی نبوت کی گواہی دی تو یہود ان کو اسی طرح برا کہنے لگے جس طرح سیدنا عبداللہ بن سلامؓ کو "شرنا وابن شرنا" کہہ دیا تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۷ ص ۲۱۳)

کئی محروم القسمت ایسے بھی تھے جو آپؐ کے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود بھی دولت ایمان سے محروم رہے۔ چنانچہ ام المومنین سیدہ صفیہ سلام اللہ علیہا جو حیی بن اخطب یہودی کی صاحبزادی تھیں، فرماتی ہیں کہ میں اپنے والد اور چچا ابو یاسر بن اخطب کی نگاہ میں اپنے والد کی سب سے

Marfat.com

لاڈلی اور چہیتی اولاد تھی۔ میں اپنے والد اور چچا سے جب کبھی ان کی کسی بھی اولاد کے ساتھ ملتی تو وہ صرف مجھے ہی اٹھاتے اور اپنی اولاد میں سے کسی کو نہ اٹھاتے۔ گویا کہ یہ چہیتے پن کا ایک مظاہرہ تھا۔ جب سرکار دو عالم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور قباء میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں نزول فرما ہوئے تو میرے والد حیی بن اخطب اور چچا ابو یاسر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ کی باتیں سنیں۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ سوال و جواب بھی کیے ہوں۔ جب وہ غروب آفتاب کے وقت گھر آئے تو ان کے چہروں سے تھکاوٹ ٹپک رہی تھی۔ تھکے ہارے گرتے پڑتے گھر پہنچے۔ میں نے اپنے معمول کے مطابق دوڑ کر ان کا استقبال کیا' لیکن انہوں نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی میری کوئی پروا کی۔ مجھے یہ سب کچھ عجیب سا لگا کیونکہ اس سے قبل انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔ میں نے ان کے چہروں کی طرف دیکھا تو وہ نہایت غمناک تھے۔ میں نے اپنے چچا کے منہ سے یہ الفاظ سنے' وہ میرے والد سے کہہ رہے تھے: "کیا یہ وہی ہے؟" والد نے جواب دیا: "بخدا! یہ وہی ہے۔" چچا ابو یاسر نے پھر پوچھا: "آپ نے اسے ٹھیک پہچانا۔" ابا نے جواب دیا: "بالکل ٹھیک پہچانا۔ واقعی یہ وہی نبی ہے۔" چچا نے پھر پوچھا: "تو اب پھر کیا ارادہ ہے؟" میرے والد نے جواب دیا: "ارادہ کیا ہے' جب تک بدن میں جان ہے' آپ کی عداوت اور مخالفت کرتا رہوں گا۔" (سیرۃ ابن ہشام جلد ا' ص ۵۱۸-۵۱۹)

حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ علماء یہود میں سب سے پہلے حیی ابن اخطب کا بھائی ابو یاسر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کی باتیں سنیں جب شام کو وہ واپس گیا تو اپنی قوم سے کہا:۔

اطیعوا فان ھذا النبی الذی کنا ننتظر۔

"میری بات مانو اور اس نبی پر ایمان لے آؤ کیونکہ یہ وہی نبی ہے' جس کا ہم مدتوں سے انتظار کر رہے تھے"۔

لیکن اس کے بھائی حیی بن اخطب نے اس کے منہ سے جب یہ بات سنی تو اس نے اس کی سخت مخالفت کی۔ اس پر شیطان غالب آیا اور حق کی قبولیت سے اسے روکا۔ حیی بن اخطب چونکہ قوم کا سردار اور رئیس تھا لہٰذا قوم نے اس کی بات مانی اور ابو یاسر کی بات نہ مانی۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۱۳)

سیدنا ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی عالم سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں اس وقت حاضر ہوا جب آپؐ سورہ یوسف کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اس نے آتے ہی آپؐ سے پوچھا "اے محمد ﷺ یہ سورت آپؐ کو کس نے سکھائی؟" آپؐ نے جواب دیا: "اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سکھائی۔" آپؐ کے منہ سے یہ جواب سن کر اس کو بہت تعجب ہوا اور وہ فوراً واپس یہود کی طرف گیا اور کہا: "محمدؐ جو قرآن پڑھتے ہیں وہ ایسی ہی کتاب معلوم ہوتی ہے جیسی موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی" اور یہود کی

Marfat.com

ایک جماعت کو ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہوا۔ ان لوگوں نے آپ کی صورت اور صفات دیکھ کر فوراً پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہے۔ جس کی بعثت کی تورات میں خبر دی گئی ہے۔ پھر آپ ؐ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت کو بھی دیکھا۔ آپ ؐ جو سورہ یوسف پڑھ رہے تھے اس کو نہایت غور سے سنا۔ پھر وہ سب ایمان لے آئے۔ (خصائص کبریٰ بیہقی جلد ا ص ۱۹۳، فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۴)

اس قسم کی کئی روایات کتابوں میں مرقوم ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہود میں سے کچھ لوگ آپ پر ایمان لائے حالانکہ وہ سب مدتوں سے اس نبی کے منتظر تھے، لیکن اکثریت ایمان کی دولت سے محروم رہی۔ مکہ میں چونکہ کوئی یہودی نہ رہتا تھا۔ اس وجہ سے مدینہ میں یہ آپ کا پہلا تجربہ تھا جو آپ ؐ کو آتے ہی حاصل ہوا۔

انصار مدینہ اور مواخات

منافقین اور یہود کے علاوہ مدینہ منورہ میں ایک تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا تھا اور آپ ؐ کو مدینہ آنے کی دعوت دی تھی۔ انہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں آپ ؐ سے جو وعدہ کیا تھا اس کو آخر عمر تک نبھایا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کا پسینہ بہنے سے قبل وہاں اپنا خون بہایا۔ دنیا میں اخلاص و ایثار اور جانثاری کی مثالیں قائم کیں اور قرآن حکیم کو ان کی تعریف میں یہ کہنا پڑا:

یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ۔ (۵۹ : ۹)

وہ اپنی جانوں پر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر خود فاقہ ہی کیوں نہ ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک فاقہ زدہ شخص سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ میں سخت بھوکا ہوں۔ آپ ؐ نے تمام ازواج مطہرات کے ہاں سے دریافت کرایا کہ کسی کے ہاں کچھ کھانے کو ہے؟ ہر ایک کے ہاں سے جواب آیا کہ کچھ نہیں۔ پیغمبر ﷺ کے اپنے گھر کی حالت یہ ہے کہ کھانے کو کچھ نہیں گویا:

ہیں دوسروں کے واسطے لعل و زر و گہر
اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولہا بجھا ہوا

آپ ؐ نے حاضرین سے فرمایا: کیا کوئی صاحب اس شخص کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں؟ سیدنا ابو طلحہ انصاری بھی اس مجلس میں موجود تھے، فوراً اٹھ کر عرض کی: "یا رسول اللہ ؐ! اس خدمت کے لیے میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ اس شخص کو اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ گھر گئے تو بیوی نے پوچھا! یہ کون ہے؟ کہا رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہے، ادب و احترام سے اس کی مدارات کرو۔

سیدنا ابو طلحہ انصاری کی اہلیہ نے کہا: "کھانا تو صرف بچوں کے لیے ہے"۔ سیدنا ابو طلحہ نے کہا:

Marfat.com

"جو کچھ بھی ہے اسے جلدی سے تیار کرو۔ چراغ روشن کرلو(اس زمانہ میں چراغ عموماً نہیں جلایا جاتا تھا۔ صرف مہمان کے اعزاز کے لیے چراغ جلاتے تھے) بچوں کو بہلا پھسلا کر سلادو۔" نیک بخت بیوی نے ایسا ہی کیا۔ کھانا تیار کیا۔ چراغ روشن کیا اور کھانا مہمان کے سامنے رکھا۔ جب مہمان کھانا کھانے بیٹھا تو نیک دل خاتون اٹھیں اور چراغ کی لو تیز کرنے کے بہانے (بیوی اور میاں دونوں نے سوچے سمجھے منصوبہ کے مطابق) چراغ کو بجھا دیا۔ اندھیرے میں ہی کھانا شروع کیا۔ میاں اور بیوی صرف ہاتھ اور منہ ہلاتے رہے۔ خود کچھ نہ کھایا اور سارا کھانا مہمان کو کھلا دیا۔(بخاری جلد ا ص ۵۶) یہ تھا ان لوگوں کا ایثار۔ انہوں نے ایثار کی انتہا کردی، اللہ کے رسول نے ان کی قدردانی میں انتہا کردی۔ فرمایا: "اگر ہجرت نہ ہوتی میں انصار میں سے ہوتا" اور ایک اور موقع پر انصار ہی کو مخاطب کر کے فرمایا: "کیا تم لوگ اس بات پر راضی نہیں ہو کہ دوسرے لوگ تو بھیڑ بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر جاؤ۔" (بخاری)

یہ تھے وہ اخلاص و ایثار کے پیکر انصار جو مدینہ طیبہ کے اصل باشندے تھے اور ان کا تعلق اوس اور خزرج دو قبیلوں سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں تشریف لاتے ہی ان کے ساتھ ان مہاجرین کا بھائی چارہ قائم کردیا جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تھے۔ یہ بھائی چارہ اور مواخات سیدنا انس بن مالکؓ کے مکان میں ہوئی۔(عیون الاثر جلد ا ص ۳۲۲) اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ کل نوے آدمی تھے۔ ان میں آدھے مہاجر اور آدھے انصار تھے۔ بھائی چارے کی بنیاد امام سہیلیؒ کے قول کے مطابق یہ تھی کہ مہاجرین کے دلوں سے غربت اور اجنبیت کی وحشت کو دور کیا جائے۔ ایک دوسرے کے دلوں میں غم خواری کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ بعض حضرات نے اس بھائی چارے کا مقصد یہ بھی لکھا ہے کہ جاہلیت کی تمام عصبیتیں تحلیل ہو جائیں۔ نسل و رنگ اور وطن کے تمام امتیازات ختم ہو جائیں۔ غیرت و حمیت جو کچھ ہو وہ صرف اور صرف اسلام کے لیے ہو۔ غم گساری اور موانست کے جذبات معاشرہ میں پیدا ہوں۔ انصار نے اس بھائی چارے کو اس طریق سے نبھایا کہ چشم فلک نے آج تک کبھی ایسی اخوت کا مظاہرہ نہیں دیکھا تھا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ اور علامہ ابن سید الناسؒ نے لکھا ہے کہ مواخات دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں جس میں مہاجرین میں باہمی رشتہ مواخات قائم فرمایا اور دوسری ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین مواخات قائم کی۔ جس میں ایک انصاری کو ایک مہاجر کا بھائی قرار دیا گیا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں مہاجرین کے مابین جو بھائی چارہ قائم کیا گیا، ان میں سے چند حضرات کے نام علامہ ابن سید الناسؒ نے حسب ذیل لکھے ہیں:

۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ	سیدنا عمر فاروقؓ
سیدنا حمزہؓ	سیدنا زید بن حارثہؓ

۳۔ سیدنا عثمان ذوالنورینؓ	سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ
۴۔ سیدنا زبیر بن العوامؓ	سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ
۵۔ سیدنا عبیدہ بن الحارثؓ	سیدنا بلال بن رباحؓ
۶۔ سیدنا مصعب بن عمیرؓ	سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ
۷۔ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ	سیدنا سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ
۸۔ سیدنا سعید بن زیدؓ	سیدنا طلحہ بن عبیداللہؓ
۹۔ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ	سیدنا علی بن ابی طالبؓ

(عیون الاثر جلد ۱ ص ۳۲۱، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۱۱-۲۱۱)

دوسری مواخات بعض روایات کے مطابق ہجرت کے پانچ ماہ بعد اور بعض روایات کے مطابق مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اور بعض اقوال کے مطابق جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی (عیون الاثر جلد ۱ ص ۳۲۲) سیدنا انس بن مالکؓ کے مکان پر ہوئی۔ اس میں آپؐ نے ۴۵ مہاجرین کو ۴۵ انصار کا بھائی بنایا۔ ان میں سے بعض حضرات کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ	سیدنا خارجہ بن زیدؓ
۲۔ سیدنا عمر بن الخطابؓ	سیدنا عتبان بن مالکؓ
۳۔ سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ	سیدنا سعد بن معاذؓ
۴۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ	سیدنا سعد بن ربیعؓ
۵۔ سیدنا زبیر بن العوامؓ	سیدنا سلامہ بن سلام
۶۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ	سیدنا اوس بن ثابتؓ
۷۔ سیدنا طلحہ بن عبیداللہؓ	سیدنا کعب بن مالکؓ
۸۔ سیدنا سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ	سیدنا ابی بن کعبؓ
۹۔ سیدنا مصعب بن عمیرؓ	سیدنا ابوایوب خالد بن زید انصاریؓ
۱۰۔ سیدنا ابوحذیفہ بن عتبہؓ	سیدنا عباد بن بشرؓ
۱۱۔ سیدنا عمار بن یاسرؓ	سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ
۱۲۔ سیدنا ابوذر غفاریؓ	سیدنا منذر بن عمروؓ
۱۳۔ سیدنا سلمان الفارسیؓ	سیدنا ابوالدرداء عویمر بن ثعلبہؓ
۱۴۔ سیدنا بلال بن رباحؓ	سیدنا ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰنؓ

Marfat.com

۱۵- سیدنا حاطب بن ابی بلتعہؓ	سیدنا عویم بن ساعدہؓ
۱۶- سیدنا ابو مرثدؓ	سیدنا عبادہ بن الصامتؓ
۱۷- سیدنا عبداللہ بن جحشؓ	سیدنا عاصم بن ثابتؓ
۱۸- سیدنا عتبہ بن غزوانؓ	سیدنا ابو دجانہؓ
۱۹- سیدنا ابو سلمہ بن عبدالاسدؓ	سیدنا سعد بن خثمہؓ
۲۰- سیدنا عثمان بن مظعونؓ	سیدنا ابوالہیثم بن تیہانؓ
۲۱- سیدنا عبیدہ بن الحارثؓ	سیدنا عمیر بن الحمامؓ
۲۲- سیدنا طفیل بن الحارثؓ	سیدنا سفیان بن نسر خزرجیؓ
۲۳- سیدنا صفوان بن بیضاءؓ	سیدنا رافع بن معلیٰؓ
۲۴- سیدنا مقدادؓ	سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ
۲۵- سیدنا ذوالشمالینؓ	سیدنا زید بن الحارثؓ
۲۶- سیدنا ارقمؓ	سیدنا طلحہ بن زیدؓ
۲۷- سیدنا زید بن الخطابؓ	سیدنا معن بن عدیؓ
۲۸- سیدنا عمرو بن سراقہؓ	سیدنا سعد بن زیدؓ
۲۹- سیدنا عاقل بن بکیرؓ	سیدنا مبشر بن عبدالمنذرؓ
۳۰- سیدنا خنیس بن حذافہؓ	سیدنا منذر بن محمدؓ
۳۱- سیدنا سبرہ بن ابی رہمؓ	سیدنا عبادہ بن الخشخاشؓ
۳۲- سیدنا مسطح بن اثاثہؓ	سیدنا زید بن المزینؓ
۳۳- سیدنا عکاشہ بن محصنؓ	سیدنا مجذر بن دمارؓ
۳۴- سیدنا عامر بن فہیرہؓ	سیدنا حارث بن صمہؓ
۳۵- سیدنا مہجع مولیٰ سیدنا عمرؓ	سیدنا سراقہ بن عمرو بن عطیہؓ

(السیرۃ النبویہ، لابن ہشام، جلد۱، ص ۵۰۴، ۵۰۵ عیون الاثر جلد۱، ص ۳۲۴، تاریخ الخمیس جلد۱ ص ۳۵۲، الدرر فی المغازی والسیر لابن عبدالبر ص۹۱-۹۲، فتح الباری جلد۷ ص۲۱۰)

انصار نے مہاجرین کے ساتھ اس بھائی چارہ کا صحیح معنوں میں حق ادا کیا۔ چشم فلک نے کبھی ایسا بھائی نہ پہلے کبھی دیکھا اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی دیکھے گی۔ انہوں نے اپنے مکانات، اپنی زمینیں، اپنے باغات غرض کہ جائیداد میں سے ہر شے مہاجرین میں تقسیم کر دی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس انصاری کی دو بیویاں تھیں، اس نے اپنے مہاجر بھائی سے یہ کہہ دیا کہ جس بیوی کو تم پسند کرو میں اس کو طلاق

دے کر تمہارے نکاح میں دے دیتا ہوں۔ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ کوئی انصاری درہم و دینار کا اپنے مہاجر بھائی سے زیادہ اپنے آپ کو مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ (زرقانی جلد ا ص ۳۴۷)

مواخات کا یہ رشتہ اس قدر مستحکم اور مضبوط تصور کیا جاتا تھا کہ نسبی قرابت داروں کے بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذین اووا ونصروا اولئک بعضھم اولیاء بعض۔

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کے رستہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی، یہ لوگ ایک دوسرے کے (وراثت میں) زیادہ حقدار ہیں۔

وراثت کا یہ حکم جنگ بدر تک قائم رہا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور مہاجرین و انصار میں باہمی توارث ختم ہو گیا۔ لیکن بھائی چارے کا بندھن اس قدر پختہ رہا کہ آج تک یاد کیا جاتا ہے۔ اب صرف مواسات اور غمگساری رہ گئی ہے۔

(زرقانی جلد ا ص ۳۴۷، فتح الباری، جلد ۷ ص ۲۱۰ عیون الاثر جلد ا ص ۳۲۲)

انصار نے صرف زبانی طور پر اس بھائی چارے کو قائم نہ رکھا بلکہ اپنے عمل سے اس کی مثال قائم کی، چنانچہ بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے مابین بھائی چارہ کروایا تو سیدنا سعد بن ربیع نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ آپ میرا آدھا مال لے لیں اور میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے آپ کو جو زیادہ پسند ہو، میں اس کو طلاق دے دوں گا اور عدت گزرنے کے بعد آپ اس سے شادی کر لیں۔

یہ سن کر سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میرے بھائی! اللہ تعالیٰ آپ کے اہل اور مال میں برکت عطا فرمائے، آپ مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دیں"۔ انہوں نے انہیں بنو قینقاع کا بازار بتا دیا۔ وہ جب واپس آئے تو ان کے پاس کچھ فاضل پنیر اور گھی تھا۔ اس کے بعد وہ روزانہ مارکیٹ جاتے رہے۔ پھر ایک روز آئے تو ان پر زردی کا اثر تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے شادی کی ہے۔ آپ نے پوچھا! مہر کتنا دیا ہے؟ بولے ایک نواۃ (گٹھلی) کے ہم وزن سونا۔

(بخاری جلد ا ص ۵۵۳، عیون الاثر جلد ا ص ۳۲۶)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جب مہاجرین اور انصار میں یہ مواخات قائم فرمائی تو انصار نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ آپ ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان کھجور کے باغ تقسیم فرما دیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔ انصار نے کہا: تب آپ لوگ یعنی مہاجرین ہمارا کام

Marfat.com

کردیا کریں تو ہم پھل میں آپ لوگوں کو شریک رکھیں گے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔

(بخاری جلد ۱ص ۳۱۲)

ایسے غمگسار، غم خوار، ہمدرد اور ایثار و خلوص کے پتلے تو حقیقی اور سگے بھائی بھی نہیں ہوتے جیسے انصار مہاجرین کے لیے تھے۔ انصار کی اس بے مثال غم گساری، ہمدردی اور ایثار کو دیکھ کر ایک دن مہاجرین نے سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ "اے اللہ کے رسول! جس قوم میں ہم آئے ہیں، ہم نے ان سے زیادہ کسی قوم کو غم گسار، ہمدرد اور ایثار پیشہ نہیں دیکھا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں سارا اجر و ثواب وہی حاصل نہ کرلیں اور ہم اس اجر و ثواب سے محروم اور خالی رہ جائیں"۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا: "نہیں، جب تک تم ان کے لیے دعا کرتے رہو۔ (لا، ما اثنیتم علیھم دعوتم لھم)

(عیون الاثر جلد ۱ص ۳۲۲، مسند احمد جلد ۳ص ۲۰۰، ۲۰۴، البدایہ والنہایہ جلد ۳ص ۲۲۸)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کا احسان درہم و دینار کے احسان سے کم نہیں۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے۔ ایک مخلصانہ دعا تمام خزائن عالم سے بڑھ کر ہے۔

اندازہ فرمائیں کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے قریباً پچاس کے قریب مہاجرین مدینہ آچکے ہیں اور باقی آرہے ہیں۔ جو آئے ہیں ان میں ابوبکر صدیقؓ اور عثمان غنیؓ جیسے صاحب جائیداد اور تاجر حضرات بھی تھے، لیکن قرآن نے ان سب کے لیے "فقراء" کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔ (القرآن ۵۹:۸) کیونکہ ان کے سب مال و متاع پر دوسروں کا قبضہ ہو چکا تھا اور وہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے۔ اور وہ بھی چھپتے چھپاتے۔ ان کے بدن کے کپڑے بھی سالم اور صحیح نہیں تھے۔ ان لوگوں کا دنیا میں کوئی بھی ہمدرد اور غم گسار نہیں تھا۔ صرف وہ لوگ ان کے ہمدرد تھے جنہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں شمولیت کی تھی اور سرکارِ دوعالم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ آنے کی دعوت دی تھی اور یہ بھی کتنے تھے؟ صرف ۷۵ نفوس جن میں دو عورتیں بھی شامل تھیں۔ پھر یہ لوگ بھی کوئی مالدار نہیں تھے۔ یہ کاشتکار تھے، لیکن کسی کے پاس اپنی زمین نہیں تھی بلکہ دوسروں کی زمینوں پر بٹائی پر کاشت کرتے تھے۔ جن کی اپنی زمینیں تھیں وہ بھی زیادہ تر گروی تھیں یا پھر ان کا اقتصادی ڈھانچہ بگڑا ہوا تھا۔ ایک تو یہود نے سود در سود کے ذریعہ ان کے جسموں کا خون نچوڑا ہوا تھا۔ دوسرے اوس اور خزرج کی ایک سو بیس سال کی باہمی جنگ نے ان کو معاشی اور اقتصادی طور پر کنگال کردیا ہوا تھا۔ اس کے برعکس مہاجرین زیادہ تر تجارت پیشہ لوگ تھے اور شہری بود و باش کے عادی تھے، لہٰذا ان دونوں میں معاشرت کا بہت فرق تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان جو بھائی چارہ قائم کیا اس نے یہ سب فرق مٹادیئے اور دونوں فریق نہایت ایثار اور موانست سے مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں مصروف ہوگئے۔ مزاجوں کی موافقت کے

Marfat.com

ساتھ جب مہاجرین سے خلوص، للہیت اور اعلیٰ اخلاق کا بھی ظہور ہوا تو انصار کے اخلاص نے عقیدت کی شان اختیار کر لی چنانچہ ایک انصاری خاتون ام العلاءؓ تھیں جن کے خاندان کے حصہ میں سیدنا عثمان بن مظعون آئے تھے وہ ان کی اتنی معتقد ہو گئیں کہ ان کی وفات ہوئی تو ام العلاءؓ نے بڑے یقین اور وثوق سے کہا: "شہادتی علیک لقد اکرمک اللہ" یعنی میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً آپ کو بخش دیا ہے اور آپ کی بڑی تکریم کی ہے۔ (بخاری جلد ا ص ۱۶۶) سیدنا عثمانؓ کے اعلیٰ اخلاق نے ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلوائے۔ و گرنہ اسلام نے اس طرح کسی کے بارہ میں قسم کھانے کو پسند نہیں کیا۔

مسجد نبوی کی تعمیر

انبیاء علیہم السلام کا نصب العین اقامت دین ہوتا ہے اور ان کا پہلا کام اقامت صلوٰۃ یعنی ایسا ماحول پیدا کرنا اور ایسی جماعت تیار کرنا ہوتا ہے جس کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز اور جس کے دل کا اطمینان اور چین ذکر اللہ ہو۔

نماز اگرچہ معراج میں فرض ہو چکی تھی۔ جب نماز فرض ہوئی تو اگلے ہی روز جبرائیل امین نے حاضر ہو کر پانچوں وقت کی نمازوں کی تعلیم بھی دے دی۔ دو روز تک پانچوں وقت کی نمازیں پڑھا کر ارکان نماز اور اوقات نماز بھی سمجھا دیئے۔ جماعت اور نماز باجماعت کا طریقہ بھی بتا دیا، لیکن مکہ معظمہ کا ماحول کچھ ایسا تھا کہ آپ کو تسلسل کے ساتھ باجماعت نماز کا موقع نہ مل سکا۔ مدینہ طیبہ کے لوگ جب دعوت اسلام سے متاثر ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تو مدینہ کے آزاد ماحول میں باجماعت نماز کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پھر جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ مدینہ کے ان حضرات نے اپنے اجتہاد سے ایک روز عمومی جماعت کے لیے مقرر کر لیا تھا اور یہ جمعہ کا دن تھا۔ رسول اللہ ابھی مکہ ہی میں تھے کہ جمعہ کی فرضیت کا حکم نازل ہو گیا جس نے مدینہ طیبہ کے صحابہ کرامؓ کے اس عمومی جماعت کے اجتہاد کی تصدیق کر دی۔

ان تمام باتوں کے باوجود کوئی مسجد نماز باجماعت اور جمعہ کے لیے تعمیر نہ ہوئی تھی۔ اسلام کی تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اب تک بجز ایک مسجد کے جو سیدنا صدیق اکبرؓ نے مکہ مکرمہ میں اپنے مکان کے سامنے والے میدان میں بنائی تھی، کوئی اور مسجد نہ تھی۔ (بخاری جلد ا ص ۵۵۲) کوئی مکان یا کسی میدان کا کوئی حصہ نماز کے لیے مقرر کر لیا جاتا تھا اور لوگ وہاں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ عام دستور یہ تھا کہ بکریوں کے باڑوں میں کسی حصہ کو نماز کے لیے مخصوص کر لیا جاتا تھا، یا پھر جہاں نماز کا وقت آتا وہیں نماز ادا کر لی جاتی تھی۔

قباء کے عارضی قیام میں اگرچہ آپ ؐ نے مسجد کی بنیاد ڈال دی تھی اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے میزبان کلثوم بن ہدم ؓ کے میدان میں ایک مسجد تعمیر کی جس کی تعمیر کا پہلا پتھر آپ ؐ نے خود اپنے ہاتھوں سے رکھا۔ پھر ابو بکر ؓ عمر ؓ وغیرہ نے باری باری اپنے پتھر رکھے۔ یہ حضرات خود ہی مزدور تھے اور خود ہی معمار۔ وفاء الوفاء کی ایک روایت کے مطابق اس وقت اس مسجد کی تعمیر کی تکمیل نہ ہوئی تھی بلکہ قیام مدینہ کے زمانہ میں آپ صحابہ کرام ؓ کے ساتھ قباء تشریف لائے اور مسجد کی تعمیر کی تکمیل فرمائی۔ بہر حال تعمیر کی تکمیل جب بھی ہوئی، صحابہ کرام ؓ نے خود کی۔ خود بھاری بھاری پتھر اٹھائے۔ بلکہ سرکارِ دو عالم ﷺ خود بھی اس کی تعمیر میں شامل تھے۔ روایات میں ہے کہ بھاری پتھر اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا۔ کوئی صحابی آگے بڑھ کر پتھر لے لیتا تو آپ دوسرا اٹھا لیتے تھے۔ (وفاء الوفاء جلد ا ص ۱۸۰)

مسجد کی تعمیر اسلامی معاشرہ میں ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے جہاں اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے وہاں آداب معاشرت کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے مسجد کے تذکرہ کے ساتھ اہلِ مسجد کی تحسین بھی فرمائی ہے کہ:

فیہ رجال یحبون ان یتطھروا

یعنی اس میں وہ لوگ ہیں جو پاکیزگی اور پاک و صاف رہنے کو محبت کرتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں مسجد کو ایک اہم مقام حاصل ہے، اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے ساتھ ہی مسجد نبوی کی تعمیر کا منصوبہ بنایا۔

قباء سے مدینہ تشریف آوری پر جس جگہ آپ کی ناقہ بیٹھی تھی، وہ جگہ آپ نے مسجد نبوی کے لیے منتخب فرمائی۔ یہ جگہ دو یتیم بچوں کا مربد تھا۔ یعنی وہ یہاں کھجوریں خشک کیا کرتے تھے۔ یہ جگہ ایک میدان کے کنارہ پر تھی۔ بعض روایات کے مطابق بنو نجار کے حضرات یہاں نماز پڑھا کرتے تھے۔ (سیدنا سعد بن زرارہ ؓ نے یہاں ایک دیوار بیت المقدس کے رخ پر بنادی تھی۔ یہیں جمعہ کی نماز بھی پڑھا کرتے تھے) باقی حصہ میں کھجور کے درخت، کچھ پرانی قبریں اور کچھ مکانوں کے کھنڈر تھے۔ ایک طرف نشیبی جگہ تھی جہاں پانی بھر جاتا تھا۔ یہ طول و عرض میں سو گز سے کچھ زائد تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مشرکین کی قبریں اکھڑوادیں۔ ویرانہ برباد کروادیا۔ درختوں کو کٹوا کر قبلہ کی جانب لگوادیا۔ اس وقت قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا۔

سید الانبیاء ﷺ نے اس جگہ کی بابت دریافت فرمایا کہ کس کی ملکیت ہے؟ بتایا گیا کہ یہ رافع بن ابی عمرو کے بیٹوں، سہل اور سہیل کی ملکیت ہے۔ رافع کا انتقال ہو چکا ہے۔ آپ نے ان دونوں یتیموں کو بلایا تاکہ ان سے یہ قطعہ اراضی خرید کر مسجد بنائی جائے۔ ان دونوں کے چچا سے اس زمین کی بات چیت ہوئی، جس کی تربیت اور کفالت میں یہ دونوں بچے تھے۔ ان کو جب علم ہوا کہ سرکارِ مدینہ ﷺ مسجد کی

Marfat.com

تعمیر کے لیے یہ جگہ خرید رہے ہیں تو ان دونوں نے بلا قیمت یہ جگہ آپ کی نذر کرنے کی پیش کش کی، لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا اور قیمت دے کر وہ جگہ خرید فرمائی۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام زہری سے روایت نقل کی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا ابو بکرؓ کو حکم دیا کہ اس جگہ کی قیمت ادا کر دیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابو بکرؓ نے اس جگہ کی قیمت جو کہ دس دینار تھی، ادا کی۔ (فتح الباری جلد ۷، ص ۱۹۳)

جب مسجد نبوی کی یہ جگہ خریدی گئی اس وقت زمین کا بھاؤ سستا تھا لیکن جب سیدنا عثمانؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسجد نبوی میں توسیع فرمائی تو اس کے لیے جو زمین خریدی گئی تھی، اس کی قیمت سیدنا عثمانؓ نے دس ہزار اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۲۵ ہزار ادا کی (ملاحظہ ہو وفاء الوفاء جلد ا ص ۲۳۱) کیونکہ اس زمانہ میں مدینہ طیبہ میں افراط زر کی وجہ سے زمینوں کی قیمتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔

مختصر یہ کہ زمین ہموار کی گئی۔ قبروں میں سے ہڈیاں نکلیں، ان کو دوسری جگہ دبا دیا گیا۔ بنیاد کھودی گئی جو کہ قریباً تین ہاتھ گہری تھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کچی اینٹیں بنانے کا حکم فرمایا۔ تعمیر شروع ہوئی تو اب بھی صحابہ کرامؓ ہی معمار تھے اور وہ ہی اللہ کے گھر کے مزدور بھی تھے۔ وہی معمار تھا جو مسجد قبا کے وقت بھی گارا اور اینٹیں لاتا بھی تھا اور لگاتا بھی تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور ایک عجیب و غریب پر تقدس جذبہ کے ساتھ یہ رجز پڑھتے ۔

هذا الحمال لا حمال خيبر   هذا ابر ربنا و اطهر

یہ خیبر کی کھجوروں جیسا بوجھ نہیں، بلکہ اے ہمارے رب تو جانتا ہے کہ یہ اس سے بہت پاکیزہ اور نیکی والا بوجھ ہے۔

کبھی یہ پڑھتے اور سرکارِ دو عالم ﷺ بھی اس کو صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر پڑھتے:۔

اللهم لا عيش الا عيش الاخره   فاغفر الانصار والمهاجره

اے اللہ! زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔ پس تو مہاجرین اور انصار پر اپنا رحم فرما۔

کبھی یہ ترمیم فرما لیتے ۔

اللهم ان الاجر اجر الاخره   فارحم الانصار و المهاجره

اے اللہ! دراصل اجر تو آخرۃ کا اجر ہے۔ اور تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما اور کبھی اس میں یہ ترمیم کرتے ۔

اللهم لاخير الاخير الاخره   فانصر الانصار والمهاجره

اے اللہ خیر اور بھلائی تو صرف آخرت کی ہے۔ پس تو انصار اور مہاجرین کی مدد فرما۔

آپ ﷺ کے اس فرمانے سے صحابہ کرامؓ میں ایک عجیب قسم کا جوش اور جذبہ پیدا ہوتا اور وہ پھر یک

Marfat.com

زبان ہو کر پڑھتے ۔

لئن قعدنا والنبی یعمل لذالک منا العمل المضلل

اگر ہم بیٹھے رہیں اور نبی ﷺ کام کریں تو ہمارا یہ کام گمراہی کا کام ہو گا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۵۵، ص ۵۶۰، فتح الباری جلد ۷ ص ۱۹۳، طبقات جلد ۲)

ویسے تو تمام صحابہ کرامؓ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے، لیکن سیدنا عثمان بن مظعونؓ ایک نہایت لطیف طبیعت کے انسان تھے۔ مزاج میں نظافت و لطافت تھی۔ جب اینٹیں اٹھا کر لاتے تو انہیں کپڑوں سے دور رکھتے اور جب کبھی ان پر کوئی گرد و غبار پڑ تا تو اس کو فوراً جھاڑ دیتے۔ سیدنا علیؓ کبھی کبھی ان سے اس بارہ میں مذاق فرماتے۔

کسی صحابی کو آپ نے گارا بنانے کے لیے فرمایا۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۳۶۶ وغیرہ)

چنانچہ اس سادگی کے ساتھ سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے اس مسجد کو تعمیر کیا کہ دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں اور ستون کھجور کے تنوں کے۔ کھجور ہی کی شاخوں اور پتوں کی چھت تھی۔ جب بارش ہوتی تو پانی اوپر سے ٹپکتا، چنانچہ بعد میں چھت پر لپائی کرادی گئی۔

اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا۔ لہٰذا اس جانب کی دیوار ستر ہاتھ لمبی بنائی گئی۔ دوسری جانب کی دیوار ساٹھ ہاتھ تھی۔ یعنی جنوب اور شمال کی دیواریں ستر ستر ہاتھ تھیں اور مشرق و مغرب ساٹھ ساٹھ ہاتھ (وفاء الوفاء جلد ۱ ص ۲۳۸) اور ایک ہاتھ دو بالشت کا ہوتا ہے۔ (وفاء الوفاء جلد ۱ ص ۲۴۲) (بعد میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے غزوہ خیبر کے بعد مسجد میں توسیع فرمائی اور چاروں طرف کی دیواروں کو سو سو ہاتھ کر دیا۔ گویا اب یہ مسجد بجائے مستطیل کے مربع ہو گئی۔) بنیادیں پتھروں سے بھری گئیں۔ تین ہاتھ کی اونچائی تک دیواریں اسی پتھر سے بنائی گئیں۔ ان کے اوپر کچی اینٹوں سے دیواریں بنائی گئیں۔ (طبقات جلد ۲ ص ۲) البتہ دروازوں کے بازو پتھروں کے رہے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۶۱) مسجد کے تین دروازے رکھے گئے۔ ایک دروازہ قبلہ کی دیوار کی طرف رکھا گیا۔ دوسرا دروازہ مغرب کی جانب جسے اب "باب الرحمۃ" کہتے ہیں۔ اور تیسرا دروازہ وہ تھا جس سے آپ آتے جاتے تھے اور جسے آج کل "باب جبرئیل" کہا جاتا ہے۔

مسجد کا فرش بالکل خام تھا۔ چھت میں چونکہ نیچے بلیاں رکھ کر ان کے اوپر کھجور کی شاخیں جن پر پتے ہوتے ہیں، بچھادیں گئی تھیں اور ان کے اوپر ہلکی ہلکی مٹی پھیلادی گئی۔ اس لیے جب بھی بارش ہوتی تو چھت ٹپکتی تھی اور کیچڑ ہو جاتا، اس لیے کچھ دنوں کے بعد فرش پر کنکریاں بچھادی گئیں اور چھت پر لپائی کروادی گئی۔ (وفاء الوفاء جلد ۱ ص ۳۴۷) بعد میں سیدنا عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں تمام مسجد کا فرش کنکریوں کا کرادیا۔ (وفاء الوفاء جلد ۱ ص ۳۴۷) چھت کی اونچائی سات ہاتھ یعنی ساڑھے دس فٹ تھی۔

Marfat.com

جانب شمال کی دیوار جو پہلے قبلہ کی دیوار تھی تو اس سے متصل ایک مسقف چبوترہ بنایا گیا جو "صفہ" کہلاتا تھا۔ اس میں وہ صحابہ رہتے تھے جن کے کوئی گھربار نہیں تھے اور وہ روحانی تربیت اور دینی تعلیم کے لیے یہاں رہا کرتے تھے۔ (وفاء الوفاء جلد ۱ص ۲۶۲، طبقات ابن سعد جلد ۲ص ۱۳، بخاری جلد ۱ص ۶۳) ان حضرات کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ (فتح الباری جلد ۱۱ص ۲۱۵)

حجرات برائے امہات المومنین

ہجرت فرمانے کے ساتھ ہی آپ سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کے گھر پر رہائش پذیر رہے لیکن جب آپ نے مسجد نبوی تعمیر کروائی تو مسجد کی تعمیر سے فراغت کے بعد آپؐ نے مسجد سے متصل ہی ازواج مطہرات کے لیے حجرات کی بنیاد رکھی۔ اس وقت تک چونکہ سیدہ سودہ بنت زمعہؓ اور سیدہ عائشہ بنت ابی بکرؓ حبالۂ عقد میں آ چکی تھیں، اس لیے سردست صرف دو حجرے تیار کروائے۔ بعد میں جب اور ازواج مطہرات آتی رہیں تو اور حجرے تعمیر ہوتے رہے۔ (وفاء الوفاء جلد ۱ص ۳۲۵)

مسجد سے متصل سیدنا حارثہ بن نعمانؓ کے مکانات تھے۔ ہر نو تعمیر حجرے کے لیے وہی اپنا مکان پیش کرتے، یہاں تک کہ تمام مکانات آپؐ کی نذر کر دیئے۔ (وفاء الوفاء جلد ۱ص ۳۲۷) اکثر حجرے کھجور کی چھت اور کچی اینٹوں کے تھے۔ صرف سیدہ عائشہؓ کے حجرے کو ایک کواڑ تھا، باقی تمام حجروں کے دروازوں پر کمبل یا ٹاٹ کے پردے تھے جو طول میں تین ہاتھ اور عرض میں ایک ہاتھ سے کچھ زائد تھے۔ حجروں کی چھت کوئی اونچی نہ تھی۔ رات کو چونکہ گھروں میں چراغ جلانے کا رواج نہ تھا لہٰذا رات کو وہ صرف نور نبوت کی روشنی سے منور رہتے۔ حجرے کیا تھے؟ زہد و قناعت کی تصویر اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ تھا۔

۸۷ھ میں ولید بن عبد الملک اموی نے مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلہ میں ان حجرات کو مسجد میں شامل کر لیا۔ سیدنا سہیل بن حنیفؓ فرمایا کرتے تھے: "کاش ان حجروں کو اسی طرح چھوڑ دیا جاتا تاکہ لوگ دیکھتے کہ جس نبی کے ہاتھ پر من جانب اللہ تمام خزانوں کی کنجیاں رکھ دی گئی تھیں، وہ خود کیسے حجروں میں اپنی زندگی بسر کیا کرتا تھا۔" (زرقانی ج ۱ص ۳۷، وفاء الوفاء ج ۱ص ۳۲۷، طبقات ابن سعد ج ۲ص ۱۸۱)

نماز جنازہ کی جگہ

مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی آپؐ نے نماز جنازہ کے لیے بھی جگہ تیار کرائی۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنی جائز نہیں ورنہ آپؐ مسجد کی تعمیر کے ساتھ نماز جنازہ کے لیے جگہ تیار نہ کرواتے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے کہ کسی خاص عذر کے بغیر مسجد میں نماز جنازہ

Marfat.com

مکروہ ہے۔

سیدنا ابو سعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ جب سرکارِ دوعالم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ہم میں سے جس شخص کی نزعی کیفیت ہوتی اس کے بارہ میں ہم آپ کو اطلاع دیتے۔ آپؐ تشریف لاتے اور اس کے لیے دعا اور استغفار فرماتے۔ وہ شخص جب وفات پا جاتا تو تجہیز و تکفین تک آپؐ وہیں رہتے۔ اس طرح آپ کو بسا اوقات بہت دیر ہو جاتی۔ ہمیں اس کا بہت احساس تھا۔ اس وجہ سے ہم نے یہ التزام کیا کہ مرنے کے بعد آپ کو اطلاع دیتے۔ آپؐ تشریف لاتے، اس مرنے والے کی نماز جنازہ پڑھاتے اور اس کے لیے دعا و استغفار فرماتے۔ بعض دفعہ دفن میں شرکت فرماتے اور بعض دفعہ صرف نماز جنازہ پڑھا کر ہی واپس تشریف لے آتے۔

بعد ازاں ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ آپ کو اس سے بھی زحمت ہوتی ہے، لہٰذا ہم جنازہ لے کر خود آپؐ کے گھر پر تشریف لے آتے۔ آپؐ وہیں اپنے گھر کے قریب نماز جنازہ پڑھا دیتے۔ اس وجہ سے اس جگہ کا نام ''موضع الجنائز'' پڑ گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ا ص ۱۴ قسم ثانی)

اس بارہ میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی بھی ایک روایت ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں متعدد ابواب میں نقل فرمایا ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کے لیے مسجد نبوی کے پاس ایک جگہ مخصوص تھی۔ آپؐ کا معمول یہ تھا کہ آپؐ مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھایا کرتے تھے۔ بعض دفعہ کسی عذر کی وجہ سے آپؐ مسجد میں نماز جنازہ پڑھاتے۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۱۶۰)

اذان کی ابتداء

دوسرے تمام مذاہب میں عبادت ایک انفرادی عمل ہے لیکن اسلام میں اس انفرادی عمل کو اجتماعی عمل بنایا گیا۔ چنانچہ اسلام میں تمام عبادات کا اصلی مرکز وحدتِ اجتماع ہے۔ اسلام میں نہایت تاکید کے ساتھ حکم ہے کہ سب مل کر نماز ایک ساتھ پڑھیں۔ چنانچہ اس جماعت کے لیے ایک مرکز ''مسجد'' کے نام سے قائم کیا گیا۔ جس میں روزانہ پانچ وقت خدا پرستوں کا اجتماع ہونا چاہیے اور ہفتہ میں ایک مرتبہ اس سے زیادہ وسیع پیمانہ پر اجتماع ہو۔

اس سے قبل نماز باجماعت کے لیے کوئی خاص انتظام نہ تھا کیونکہ لوگوں کو گھروں سے بلانے کے لیے کوئی طریقہ نہیں تھا تاکہ لوگ اپنے کاروبار کو چھوڑ کر مسجد میں آئیں۔ چنانچہ نماز باجماعت کے لیے لوگوں کو گھروں سے بلانے کے لیے یہ سوال سامنے آیا کہ انہیں کیسے بلایا جائے؟ حضرات صحابہ کرامؓ نے اس کے لیے مختلف تجاویز پیش کیں، لیکن نگاہ نبوت میں وہ سب طریقے صحیح نہیں تھے۔ کیونکہ ان میں سے کچھ غیر مذاہب سے مشابہ تھے۔ جن کو اسلام بالکل پسند نہیں کرتا اور کچھ میں یادِ خدا اور عبادت کی

Marfat.com

معنویت نہ تھی۔ سیدنا عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ نماز کے وقت بلند آواز سے پکار دیا جایا کرے "الصلوۃ جامعہ" چنانچہ اس وقت یہ تجویز منظور کر لی گئی اور سیدنا بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ نماز کے وقت "الصلوۃ جامعہ" پکار دیا کریں۔ (بخاری جلد ۱ ص ۸۵، فتح الباری جلد ۲ ص ۲۴) لیکن یہ فیصلہ نہ تو آخری تھا اور نہ ہی قطعی۔ آخر سیدنا عبداللہ بن زید بن عبد ربہؓ کے خواب کی وجہ سے اذان کا طریقہ اختیار کیا گیا اور سیدنا بلالؓ سے بلند آواز سے اذان دینے کے لیے کہا گیا اور عبداللہ بن زیدؓ سے آپ ؐ نے فرمایا کہ وہ بتاتے رہیں۔ جس کی تفصیل صحاح کی کتابوں میں موجود ہے۔

سیدنا عمرؓ نے جب اذان کی آواز سنی تو فوراً دوڑتے ہوئے آئے اور بارگاہ نبوت میں عرض کی: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے بھی خواب میں یہی کلمات سنے ہیں۔ آپ ؐ نے فرمایا:

الحمد للہ فذالک اثبت

الحمد اللہ اس سے اور زیادہ ثبوت مل گیا۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۲۶)

فتح الباری، زرقانی، روض الانف میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ عیون الاثر جلد ۱ ص ۲۲۸ میں بھی یہی ہے۔

مہاجرین کے لیے دعا

مہاجرین مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے۔ ان کا ترک وطن کرنا خالص دینی نقطہ نگاہ سے تھا۔ اس سے ان کی کوئی اور غرض وابستہ نہ تھی۔ لیکن جس شہر سے وہ آئے تھے وہاں کی آب و ہوا نہایت گرم خشک تھی کیونکہ نیچے ریت اور اوپر گرم پہاڑ۔ رطوبت کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ پہاڑ بھی نہایت خشک اور زمین بھی غیر شاداب، جس کو قرآن نے "غیر ذی زرع" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، لیکن اس کے برعکس مدینہ طیبہ کی آب و ہوا مکہ کی آب و ہوا کے بالکل خلاف تھی۔ وہاں سرسبز و شاداب باغات تھے، کھیت اور سبزہ ہر طرف جھانک رہا تھا۔ یثرب کے تین میدان تھے۔ العقیق، بطحان اور قناۃ۔ بطحان ایک گندے پانی کی جھیل تھی جہاں سڑا ہوا اور متعفن پانی ہمیشہ بہتا رہتا تھا جس کی وجہ سے پورے یثرب کی آب و ہوا مرطوب رہتی تھی۔

چنانچہ جب مہاجرین گرم خشک علاقے سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی مرطوب آب و ہوا میں آئے تو انہیں مختلف قسم کے بخاروں نے آگھیرا۔ یہاں کا بخار "حمیٰ یثرب" پہلے ہی پورے عرب میں مشہور تھا۔ چنانچہ مدینہ پہنچ کر کئی صحابہ کرامؓ بخار میں مبتلا ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کو نہایت تیز بخار ہو گیا۔ سیدنا بلالؓ اگرچہ حبش کے گرم علاقہ کے رہنے والے تھے لیکن ان کی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ مکہ

Marfat.com

کی وادیوں اور گلیوں میں گزرا تھا۔ چنانچہ وہ بھی بخار میں مبتلا ہو گئے۔ بعض دفعہ بخار کی تیزی کی وجہ سے سیدنا بلالؓ لوگوں کے لیے بددعا کرتے تھے جن کے ظلم و ستم نے انہیں مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا۔

صحابہ کرامؓ کی اس حالت کو دیکھ کر ایک روز سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہاتھ بارگاہِ الوہیت میں دعا کے لیے اٹھے اور آپؐ نے یوں دعا فرمائی!

"اے اللہ! ہمیں مدینہ بھی ایسا ہی محبوب بنا دے جیسا مکہ محبوب تھا یا مکہ سے بھی زیادہ ہمیں مدینہ کی محبت عطا فرما دے۔

اے اللہ! مدینہ کے صاع اور مد میں ہمارے لیے برکت عطا فرما۔

اے اللہ! ہمارے لیے اس کی آب و ہوا کو خوشگوار اور صحت بخش بنا دے اور اس بخار کو یہاں سے منتقل کر کے جحفہ پہنچا دے۔"

نبوت کے دعا کے لیے اٹھے ہوئے ہاتھ حق تعالیٰ شانہ نے خالی واپس نہیں لوٹائے۔ (ابنِ ہشام جلد ۲ ص ۵۸۹) آپ کی دعا قبول ہوئی اور مدینہ طیبہ کی آب و ہوا نہایت خوشگوار اور صحت مند ہو گئی اور آج تک ویسی ہی ہے۔ اس کی ہر شے میں برکت پیدا ہو گئی۔ ہجرت سے قبل اس شہر کو یثرب کہا جاتا تھا لیکن اب اس کو "مدینہ النبی ﷺ" کہا جانے لگا۔ بلکہ اربابِ ذوق نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس شہر کے سو سے زائد نام رکھے۔ ان میں چورانوے نام وفاء الوفاء میں علامہ سمہودی نے نقل فرمائے ہیں۔ (ملاحظہ ہو وفاء الوفاء جلد ۱ ص ۷ تا ۱۹)

امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں صحابہ کرامؓ کے مدینہ میں بیمار ہونے کے واقعہ کو نقل کیا ہے اور پھر حضور ﷺ کی دعا بھی نقل کی ہے۔ یہ روایت باب فضائل المدینہ، کتاب المرضیٰ اور کتاب الدعوات وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ ابنِ ہشام نے بھی اپنی کتاب "السیرۃ النبویہ جلد ۱ ص ۵۹۰" پر ان روایات کو نقل کیا ہے۔

آپؐ کے گھر والوں کی مدینہ آمد

آپؐ کو مدینہ طیبہ آئے ہوئے ابھی چند ہی روز ہوئے تھے کہ آپؐ کی زوجہ محترمہ ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہؓ اور آپ کی دونوں صاحبزادیاں سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ اور سیدنا اسامہ بن زیدؓ اور ام ایمنؓ بھی آ گئیں۔ ان سب کو سیدنا عبداللہ بن ابی بکرؓ آل ابی بکر کے ساتھ جن میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ بھی تھیں، لے کر آئے تھے۔ البتہ نبی اکرم ﷺ کی ایک صاحبزادی سیدہ زینبؓ سیدنا ابی العاصؓ کے پاس رہ گئیں، انہوں نے انہیں آنے نہ دیا کیونکہ ابو العاصؓ اس وقت تک حلقہ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے۔ وہ سنہ ۲ھ میں جنگ بدر کے بعد تشریف لا سکیں۔ (زاد المعاد لابن القیم جلد ۲ ص ۵۵)

یہود کے ساتھ معاہدہ

مدینہ طیبہ پہنچنے پر جو فوری اہم کام آپؐ نے کیے ان میں ایک یہود کے ساتھ معاہدہ بھی تھا۔ مدینہ اور اس کے مضافات بلکہ اگر یہ کہا جائے تو درست ہو گا کہ پورے جزیرہ نما عرب میں چونکہ قبائلی سسٹم تھا، کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی، اس وجہ سے وہاں معاہدات کا نظام ہی مختلف قبائل کو جوڑتا تھا۔ اسی وجہ سے ہر قبیلہ کے کچھ حلیف اور معاہد قبائل ہوتے تھے۔ جنگ کی صورت میں ہر حلیف اور معاہد قبیلہ اپنے قبیلہ کا ساتھ دیتا تھا۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ مدینہ طیبہ میں دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ ان کے بھی دوسرے قبائل کے ساتھ معاہدات تھے۔ جیسے بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ ان معاہدات میں نہ صرف دفاع کی ذمہ داری ہوتی تھی بلکہ ان میں ایک شق یہ بھی ہوتی تھی کہ اگر حلیف قبیلہ کا کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اس کی تلافی کی صورت کیا ہو گی؟ چنانچہ بعض صورتوں میں قصاص ہوتا تھا اور بعض میں دیت جو کہ سو اونٹ مقرر تھے، دی جاتی تھی۔ بعض صورتوں میں "خون بہا" قاتل یا اس کے اہلِ خانہ سے وصول نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس قاتل کی سوسائٹی سے وصول کیا جاتا تھا جس کو "عاقلہ" کہتے تھے۔ بہر حال اس کے لیے معاہدہ میں کچھ شرائط اور حدود مقرر ہوتی تھیں۔

مہاجرین جو قریش سے تعلق رکھتے تھے، مدینہ والوں کے لیے یہ ایک انوکھا عنصر تھے۔ یہ حضرات انہیں خود دعوت دے کر مدینہ لائے تھے۔ ان میں آپؐ نے جو بھائی چارہ قائم کیا تھا، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان میں دوری ختم ہو کر یکسوئی ہو جائے اور وہ ایک طاقتور گروپ بن جائیں۔

انصار کے قبائل اوس اور خزرج کے جو لوگ مسلمان ہوئے ان کے پورے کنبے یا قبیلے دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ کچھ لوگ اب بھی شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے اور خدائے وحدہ لاشریک کے بجائے بتوں کی پوجا کرتے تھے یا ابھی تک سابق مذہب پر قائم تھے۔ اس لیے خطرہ تھا کہ

Marfat.com

کہیں ان قبائل کے مسلمان اور غیر مسلم آپس میں متصادم نہ ہو جائیں۔ اس تصادم سے اسلام جیسے دعوتی دین کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔

مدینہ میں ایک گروپ مشرکین کا بھی تھا جو قریش مکہ کا ہم مشرب تھا' کیونکہ "الکفر ملۃ واحدہ" قریش مکہ ان لوگوں کو نہایت آسانی کے ساتھ اپنا آلۂ کار بنا کر مسلمانوں کے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔ دوسرے مدینہ کے قرب و جوار میں یہود کے تین طاقتور قبیلے تھے جو مدینہ کی پوری معیشت پر چھائے ہوئے تھے۔ ان کے بھی قریش مکہ کے ساتھ گہرے روابط تھے۔ مہاجرین سے ان کا ابھی تک کوئی رابطہ نہ تھا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ اس علاقہ کے تمام باشندوں اور باسیوں میں خیر سگالی اور امداد باہمی کے جذبات پیدا کرنا چاہتے تھے۔ جس کے لیے پہلی کڑی کے طور پر آپؐ نے مہاجرین و انصار میں مواخات قائم کی۔ اب اس کی دوسری کڑی یہ تھی کہ آپؐ مشرکین اور مدینہ کے یہود کے مابین تعاون و ہمدردی کی روح قائم فرمانا چاہتے تھے۔

چنانچہ آپؐ نے ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد (تاریخ الخمیس جلد ا ص ۳۹۸) مہاجرین و انصار اور ان تمام قبائل میں جو مشرکین اور یہود سے تعلق رکھتے تھے' بقائے باہمی اور خیر خواہی کے لیے ایک معاہدہ مرتب فرمایا۔ یہ گویا ایک وفاق کا دستور اساسی تھا' جس سے مشرکین مکہ اور دوسرے تمام سازشی عناصر کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں جو انہوں نے مہاجرین کے مدینہ پہنچنے پر شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ قریش مکہ نے مشرکین مدینہ کو خط لکھا کہ "مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دو یا ان سے جنگ کرو۔" ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کر کے تمہارے نوجوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کی عزت و آبرو پامال کر دیں گے۔"

اس عہد نامہ کا ایک فریق حضرات قریش ہیں جو مسلمان ہونے کی وجہ سے ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آئے۔ جس کو معاہدہ میں "المومنین والمسلمین من قریش" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسرا فریق اہلِ یثرب ہیں۔ کسی مذہبی فرقہ کی وجہ سے نہیں بلکہ یثرب کے باسی ہونے کی حیثیت سے آپؐ نے ان سے یہ معاہدہ کیا۔ اس میں انصار مدینہ بھی شامل ہیں اور وہ لوگ بھی اس میں داخل ہیں جو مسلمان تو نہیں لیکن یثرب میں رہتے ہیں۔ ان میں مشرکین مدینہ بھی ہیں اور منافقین بھی جن کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا۔

قبائل یہود (بنو قریظہ' بنو قینقاع اور بنو نضیر) اہلِ یثرب نہیں ہیں کیونکہ یہ یثرب سے باہر مضافات یثرب میں رہتے تھے لیکن اہلِ یثرب یعنی اوس و خزرج سے ان کے معاہدات تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان معاہدات کو مضبوط فرمایا۔ چنانچہ ان لوگوں کو انہی معاہدات کے ذریعہ اس معاہدہ میں شامل فرمایا۔

Marfat.com

اس عہد نامہ میں آپ ؐ نے اپنے آپ کو کوئی فریق نہیں بنایا بلکہ اپنے آپ کو ایک سرپرست کی حیثیت دی جس سے آپ ؐ کو ایک مرکزی شخصیت تسلیم کیا گیا اور یہ طے پایا کہ باہمی نزاعات اور جھگڑوں میں آپ ؐ کی ذات اقدس کو مرجع تسلیم کیا جائے گا اور اس بارہ میں آپ ؐ کا فیصلہ آخری ہو گا۔ سرپرستانہ حیثیت کے علاوہ اور کوئی اختیار آپ ؐ نے اپنے لیے منظور نہیں کرایا۔ دنیا کی تاریخ میں اس عہد نامہ کو یہ اہمیت دی گئی ہے کہ اسے "دنیا میں بنیادی حقوق کی سب سے پہلی بنیادی دستاویز" کہا گیا ہے۔ اس عہد نامہ میں کل ۱۴۱ دفعات ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔ پورا عہد نامہ السیرة النبویہ لابن ہشام جلد ۲ ص ۱۵۰ پر دیا گیا ہے۔ اس عہد نامہ کی حیثیت ابن ہشام نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ (ہم صرف ترجمہ نقل کر رہے ہیں جو سید محمد میاں رحمتہ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ ترجمہ چونکہ نہایت اچھا کیا گیا ہے لہٰذا ہم انہی کے حوالے سے یہاں نقل کر رہے ہیں۔ ظفر)

"محمد ابن اسحاق نے بیان فرمایا:

رسول اللہ ؐ نے ایک کتاب (تحریر) لکھی مہاجرین اور انصار کے درمیان، اس تحریر میں یہود سے بھی مصالحت کی صورت اختیار کی۔ ان سے معاہدہ کیا اور ان کو اپنے دین پر قائم رکھا اور جو جائیدادیں ان کی تھیں ان پر قائم رکھا۔ کچھ شرطیں ان پر لگائیں اور کچھ شرطیں ان کے لیے تسلیم کیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ یہ تحریر ہے محمد اللہ کے نبی کی طرف سے جو اللہ کے رسول ہیں، قریش کے مومنین و مسلمین اور اہل یثرب کے درمیان اور جو ان کے تابع ہیں، اور ان سے الحاق کیے ہوئے ہیں، اور کوشش و جدوجہد میں ان کے ساتھ ہیں۔

۲۔ یہ کہ یہ سب (اپنے ماسوا) تمام انسانوں کے مقابلہ میں ایک امت ہوں گے۔

۳۔ قریش کے وہ افراد جو ہجرت کر کے آئے ہیں وہ اپنے حال پر بدستور رہیں گے۔ (ان کی آزادی اور ان کے حقوق بدستور رہیں گے) قصاص و خون بہا اور دیت کے متعلق جو ان کا دستور ہے اور جو ان کے معاہدات ہیں وہ بھی بدستور رہیں گے۔ ان کا کوئی شخص قید ہو گا تو اس کا فدیہ وہ خود ادا کریں گے۔ (کوئی حلیف اس کا ذمہ دار نہیں ہو گا) یہ تمام باتیں اس طرح ہوں گی کہ مسلمانوں کے ساتھ بھی عام دستور کے مطابق بھلائی اور انصاف کا معاملہ کیا جائے گا۔

۴۔ بنو عوف کی آزادی اور اس کے حقوق بدستور رہیں گے۔ قصاص، خون بہا اور دیت کے متعلق جو ان کا دستور ہے اور جو ان کے معاہدات ہیں وہ بدستور رہیں گے۔ ان کا کوئی شخص قید ہو گا تو اس کا فدیہ

Marfat.com

وہ خود ادا کریں گے۔ یہ تمام باتیں اس طرح ہوں گی کہ مسلمانوں کے ساتھ عام دستور کے مطابق بھلائی اور انصاف کا معاملہ کیا جائے گا۔

۵۔ یہ کہ مسلمان ایسے شخص کو جو قرض میں دبا ہوا اور کثیر العیال ہو، اس بات سے نہیں چھوڑیں گے (محروم نہیں کریں گے) کہ اس کو اچھی طرح عطیہ دیں، فدیہ یا دیت کے سلسلہ میں۔

۶۔ اور یہ کہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ کسی مسلمان کو نظر انداز کرکے اس کے حلیف سے معاہدہ کرے۔ (جو مسلمان پہلے سے حلیف ہے اس کو بھی اس معاہدہ اور عہد و پیان میں شریک رکھنا ہوگا)۔

۷۔ اور یہ کہ اہلِ تقویٰ مومنین سب کی طاقت متحد رہے گی اس شخص کے مقابلہ میں جو ان سے بغاوت کرے۔ (ان پر ظلم و زیادتی کرے) یا ظالمانہ طریقہ پر ان سے وصول کرنا چاہے یا مسلمانوں میں گناہ، ظلم یا فساد پھیلانا چاہے، ایسے شخص کے مقابلہ میں ان کی طاقت متحد رہے گی خواہ (وہ ظالم) کسی کا اپنا لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔

۸۔ اور یہ کہ کوئی مومن کسی مومن کو کسی کافر کی حمایت میں قتل نہیں کرے گا نہ کسی کافر کی کسی مومن کے مقابلہ میں مدد کی جائے گی۔

۹۔ یہ کہ اللہ کی ذمہ داری (پناہ) ایک ہے (یعنی اللہ کے نام پر جو ذمہ داری لی جائے گی اس کا احترام تمام مسلمانوں پر لازم ہوگا)، پناہ دے سکتا ہے مسلمانوں کی ذمہ داری پر سب سے معمولی درجہ کا مسلمان بھی۔

۱۰۔ اور یہ کہ ہر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا ولی ہوگا۔ (معاہدہ صلح و جنگ میں شریک ہوگا) یہ ولایت غیر مسلم کو حاصل نہیں ہوگی۔

۱۱۔ اور یہ کہ جو یہودی ہمارے ساتھ ہوں گے ان کی مدد کی جائے گی۔ ان کے ساتھ ہمدردی کی جائے گی۔ وہ مظلوم نہیں ہوں گے، نہ ان کے ساتھ انتقامی کارروائی کی جائے گی۔

۱۲۔ اور یہ کہ مسلمانوں کی صلح ایک ہے۔ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے بغیر قتال فی سبیل اللہ (راہ خدا میں جنگ) کے سلسلہ میں صلح نہیں کر سکتا، مگر اس صورت میں کہ مساوات ہو اور آپس میں پوری طرح انصاف ہو (جب کہ معمولی مسلمان کے عہد و پیان کو بھی یہ اہمیت ہے کہ وہ سب مسلمانوں کا عہد و پیان مانا جاتا ہے تو مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ صلح یا عہد و پیان ایسی صورت سے کرے جس میں حقوق کی مساوات اور سراسر عدل و انصاف ہو۔ اگر اس میں کوتاہی کی ہے تو صرف اپنے حق میں نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے حق میں کوتاہی ہو۔ (واللہ اعلم)

۱۳۔ اور یہ کہ مجاہدین (غازیوں) کی جو جماعت ہمارے ساتھ (ہمارے نظام کے تحت) غزوہ کرے گی

Marfat.com

اس کا غزوہ نمبروار ہوگا۔ ایک ہی جماعت (فوج) مسلسل نہیں جائے گی بلکہ اگر ایک مرتبہ جاچکی ہے تو اب دوسری جماعت جائے گی۔ اس کے بعد اپنے نمبر پر یہ جاسکے گی۔

۱۴۔ اور یہ کہ مسلمان ایک دوسرے کے برابر ہوگا۔ اس (امتحان) کی بنا پر جو پیش آیا ہوگا ان کے خونوں کو اللہ کی راہ میں یعنی جانی قربانی معیار ہے۔ فرق مراتب اسی معیار پر ہوگا۔ جن کی قربانیاں مساوی ہیں ان کا درجہ بھی مساوی ہوگا۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ قبائل میں جو فرق مراتب پہلے تھا اب وہ قابلِ تسلیم نہیں ہوگا جب تک قربانیاں بھی اس درجہ کی نہ ہوں۔

۱۵۔ اور یہ کہ مومن متقی بہت بہتر طور و طریق اور نہایت مضبوط اصول پر قائم رہیں گے۔ (اہلِ ایمان اور اہلِ تقویٰ کا فرض ہوگا کہ ان کے اطوار بہتر اور ان کے اصول و اخلاق مضبوط ہوں)

۱۶۔ اور یہ کہ کوئی مشرک قریش کے کسی مال کی ذمہ داری نہیں لے گا۔ نہ کسی قریشی کی جان کی ضمانت کرے گا۔ (پناہ دے گا) نہ کسی قریشی کی حمایت میں کسی مسلمان کے آڑے آئے گا۔

۱۷۔ جو شخص کسی بے قصور مسلمان کو قتل کردے گا جس کا بینہ (باقاعدہ) شہادت موجود ہو تو اس کے قصاص میں ماخوذ ہوگا۔ (جان کے بدلہ جان دینا ہوگا) البتہ اگر مقتول کے وارث خون بہا پر راضی ہو جائیں تو خون بہا دینا ہوگا۔ اور تمام مسلمانوں کو جماعتی حیثیت میں اس اصول کو نافذ کرنا ہوگا۔ جب تک اس پر عمل نہ ہو جائے کسی اور کام میں مشغول ہو جانا مسلمانوں کے لیے درست نہ ہوگا۔

۱۸۔ اور یہ کہ جائز نہیں ہوگا کسی صاحب ایمان کے لیے جو اس دستاویز کے مضمون کا اقرار کرے اور جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے یہ کہ کسی فتنہ پرداز کی مدد کرے یا کسی فتنہ اٹھانے والے کو پناہ دے (اپنے یہاں ٹھہرائے) اور جو اس کی مدد کرے گا اور اس کو پناہ دے گا (ٹھہرنے کا موقع دے گا) اس پر اللہ کی لعنت، خدا کا غضب، قیامت کے روز نہ اس کی توبہ قبول ہو اور نہ فدیہ (یعنی کفارہ، دوسرے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ نہ اس کی نفل عبادت قبول اور نہ فرض)

۱۹۔ اور یہ کہ جب بھی اس عہد نامہ کی کسی بات میں اختلاف کرو تو مرجع، اللہ ہوگا اور محمد (ﷺ) (اس کا فیصلہ ذات اقدس محمد ﷺ کے حوالہ ہوگا جو اس عہد نامہ کے بانی اور معاہدہ کرنے والوں کے سرپرست ہیں اور آپؐ سے ہی فیصلہ کی اپیل ہوگی۔)

۲۰۔ جب تک کسی جنگ کا سلسلہ رہے تو مصارف جنگ مسلمانوں کے ساتھ یہود کو بھی برداشت کرنے ہوں گے۔

۲۱۔ اور یہ کہ بنی عوف کے یہودی اور مسلمان ایک امت ہوں گے۔ یہود کے لیے ان کا دین ہوگا اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین۔ (اپنے اپنے مذہبوں میں آزاد رہتے ہوئے تیسرے کے مقابلہ میں ایک متحدہ طاقت ہوں گے) اور جو ان کے موالی ہیں (آزاد کردہ غلام یا ان کے حلیف اور وہ خود) ان سب کے

لیے یہی ہے (کہ وہ اپنے دین پر) مگر وہ شخص جو ظلم کرے کیونکہ ایسا شخص خود اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ بیت (متعلقین) ہی کو برباد کرے گا۔ (اس بربادی کی ذمہ داری خود ان پر ہوگی)

۲۲۔ یہود بنی نجار کے لیے بھی وہی شرطیں اور وہی حقوق ہیں جو یہود بنی عوف کے بیان کیے گئے۔

۲۳۔ اس کے بعد یہود بنی الحارث، یہود بنی ساعدہ، یہود بنی جشم، یہود بنی الاوس، یہود بنی ثعلبہ کا نام لیا گیا ہے اور ہر ایک کے متعلق یہ الفاظ دہرائے گئے ہیں۔ "مثل ما لیھود بنی عوف" ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کے حقوق ہیں۔

آخر میں یہ ہے:

مگر وہ شخص جو ظلم کرے یا کوئی جرم کرے کیونکہ ایسا شخص خود اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ بیت (متعلقین) کو برباد کردے گا۔ اس بربادی کی ذمہ داری خود اس پر ہوگی۔

۲۴۔ اس کے بعد چند تشریحی اور توضیحی دفعات ہیں۔ جو مختلف یہودی قبائل کے بارہ میں ہیں۔

۲۵۔ اور یہ کہ نہیں بندش لگانے کا کوئی زخم کے قصاص (زخم کے بدلے زخم) پر۔

۲۶۔ جو کسی کو بے خبری میں دھوکہ سے مار دے اس کی ذمہ داری خود اس پر ہے اور اس کے اہلِ بیت پر مگر وہ شخص جس نے ظلم کیا ہو اور ہم اللہ کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتے ہیں کہ خوبی اور پوری ذمہ داری کے ساتھ ان شرائط پر عمل کریں گے۔

۲۷۔ اور یہ کہ یہود اپنے مصارف کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے مصارف کے۔ (جو اس عہد نامے کی شرطوں کو پورا کرتے ہیں، کرنے پڑیں گے۔)

۲۸۔ اور یہ کہ جو فریق اس معاہدہ میں شریک ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، ان کے مقابلہ میں جو ان معاہدہ کرنے والوں سے جنگ کریں گے۔

۲۹۔ اور یہ کہ اس معاہدہ کے تمام فریق آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے۔ ایک دوسرے کو اچھی باتوں کی ہدایت کریں گے، نیک کردار رہیں گے، جرم اور گناہ نہیں کریں گے۔

اور یہ کہ کوئی شخص اپنے حلیف کے ساتھ مجرمانہ فعل نہیں کرے گا اور یہ کہ مظلوم مستحق مدد ہوگا۔

۳۰۔ اور یہ کہ جب کوئی جنگ ہوگی تو مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی خرچہ جنگ برداشت کریں گے۔

۳۱۔ اور یہ کہ پورا علاقہ جو حدود یثرب میں ہے، ان سب کے لیے واجب الاحترام (محفوظ علاقہ) ہوگا۔ جو اس عہد نامہ میں شریک ہیں۔

۳۲۔ اور یہ کہ پڑوسی کو خود اپنی جان کے برابر سمجھا جائے گا، نہ اس کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ اس کے ساتھ کوئی مجرمانہ فعل کیا جائے گا۔

Marfat.com

۳۳- اور یہ کہ نہیں حفاظت اور پناہ میں لیا جائے گا کسی خاتون کو مگر اس کے اہل (ذمہ دار) کی اجازت سے۔

۳۴- اور یہ کہ اس عہد نامہ کے فریقوں کے درمیان جو کوئی نئی بات پیش آئے یا کوئی نزاع ہو جس سے فساد کا خطرہ ہو تو اس میں اللہ اور محمد (ﷺ) کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور یہ کہ ہم سب اللہ کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتے ہیں کہ جو کچھ اس عہد نامہ میں ہے اس کی پوری پابندی کریں گے اور اس کو نیکی اور بھلائی کے ساتھ پورا کریں گے۔

۳۵- اور یہ کہ نہ قریش کو پناہ دی جائے گی نہ اس کو جو قریش کی مدد کرے۔

۳۶- اور یہ کہ اس عہد نامہ کے تمام شریک ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور اس کے مقابلہ میں جو یثرب پر چڑھ آئے (حملہ کرے)۔

۳۷- اور یہ کہ اس عہد نامہ کے جملہ فریق جب (مسلمانوں کی طرف سے) ان کو کسی کے ساتھ صلح کرنے کی دعوت دی جائے گی وہ صلح کریں گے اور صلح پر عمل کریں گے اور یہ کہ جب مسلمانوں کو اس جیسی صلح کی دعوت دی جائے تو وہ بھی صلح کریں گے۔ مسلمانوں پر یہ ان کا حق ہو گا مگر یہ کہ کسی دین کے بارہ میں جنگ ہو رہی ہو (مذہبی جنگ ہو)۔

۳۸- اور یہ کہ ہر فریق پر اس حصہ کی ذمہ داری ہے جو اس کی جانب میں ہے۔

۳۹- اور یہ کہ قبیلہ اوس کے یہود ان کے موالی (حلیف یا آزاد کردہ غلام) ان کو وہی حقوق ہوں گے جو اس عہد نامہ کے تمام فریقوں کو ہوں گے، پوری نیک کرداری اور مخلصانہ بھلائی کے ساتھ نیک کرداری ہی ہمارا اصل اصول ہو گا۔ مجرمانہ فعل (سے کوئی تعلق نہیں ہو گا) ہر ایک عمل کرنے والا اپنے عمل کا ذمہ دار ہو گا۔ (اس کے فعل کو کسی دوسرے پر نہیں ڈالا جا سکے گا) اور اللہ تعالیٰ کو ہم حاضر و ناظر جان کر یہ عہد کرتے ہیں کہ جو کچھ اس دستاویز میں لکھا گیا ہے اس پر پوری سچائی سے اور نیک کرداری کے ساتھ عمل کریں گے۔

۴۰- اور یہ کہ یہ تحریر کسی ظالم اور مجرم کے لیے آڑ نہیں بنے گی۔ جو مدینہ سے باہر ہو وہ بھی امن میں اور جو اندر رہے وہ بھی امن میں رہے گا، مگر یہ کہ وہ ظلم کرے یا مجرمانہ حرکت کرے۔۔۔ اللہ تعالیٰ اس کے محافظ ہیں اور محمد رسول اللہ (ﷺ) اس کے محافظ ہیں، جو نیک کردار رہ کر پوری پابندی کے ساتھ اس پر عمل کرے۔"

یہ تھے وہ نکات اور دفعات جو سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہود کے ساتھ اپنے معاہدہ میں ذکر کیں۔

اس معاہدہ سے سیاسی اور تمدنی زندگی کو ارتقاء کا ایک نہایت بلند مرتبہ حاصل ہوا کہ آج قریباً چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی تمام دنیا اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ اس عہد نامہ کی رو سے شرکاء

معاہدہ میں سے ہر گروہ کو اپنے اپنے عقیدہ میں آزادی کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔ مال و جان کے تحفظ کی ضمانت ملی اور ارتکاب جرائم پر مواخذہ نے اپنا دباؤ ڈالا اور شہر مدینہ اپنے باسیوں کے لیے امن کا گہوارہ بن گیا۔

اسلامِ سلمان فارسیؓ

سیدنا سلمانؓ فارس کے شہر رام ہرمز کے مضافات میں سے قصبہ حیّ کے رہنے والے تھے۔ آپ کا تعلق شاہان فارس کے خاندان سے تھا۔ نام ان کا سلمان تھا کنیت ابو عبداللہ تھی اور اپنے آپ کو ابن الاسلام کہتے تھے۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص ۵۶) اپنی نیک طبیعت کی وجہ سے سلمان الخیر کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کی عمر بہت زیادہ ہوئی ہے۔ چنانچہ ان کی عمر کے بارہ میں بہت سے اقوال ہیں۔ بعض ساڑھے تین سو سال کہتے ہیں اور اڑھائی سو سال پر تو سب کا اتفاق ہے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ بہت عجیب ہے۔ خود یہ واقعہ انہوں نے بیان کیا کہ وہ کیسے فارس سے نکلے، کتنی تکالیف برداشت کیں، دس مرتبہ سے زیادہ فروخت ہوئے، آخر کار بنو قریظہ کے ایک یہودی کے ہاتھ آئے اور اس کے درختوں کی دیکھ بھال کی ڈیوٹی ان کے سپرد ہوئی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ جب ہجرت فرما کر قبا میں بنی عمرو بن عوف کے یہاں قیام پذیر تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت ایک کھجور کے درخت پر چڑھ کر کام کر رہا تھا اور میرا آقا درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ ایک یہودی آیا جو میرے آقا کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے آکر کہا۔ خدا بنی قیلہ یعنی انصار کو ہلاک کرے کہ قبا میں ایک شخص کے گرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ نبی ہے۔ یہ سننا تھا کہ مجھے ایسی کپکپی آئی کہ میں اوپر سے نیچے اپنے آقا پر گرنے والا تھا۔ گویا آپؐ کی آمد نے مجھ پر ایک وجد کی کیفیت طاری کر دی۔ وہ دونوں یہودی میری یہ کیفیت دیکھ کر تعجب کرنے لگے۔ بہر حال میں درخت سے نیچے اترا اور اس یہودی سے کہا کہ مجھے بھی یہ خبر سناؤ۔ اس جملہ سے میرے آقا کو غصہ آ گیا اور اس نے مجھے ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔

اس وقت تو میں نے چپ سادھ لی لیکن رات کے وقت میں اپنا سب کچھ لے کر قبا میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپؐ سے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے پاس کچھ نہیں ہے لہٰذا میں اپنی یہ ساری پونجی آپ کے رفقاء کے لیے صدقہ کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ آپؐ نے خود تو صدقہ لینے سے انکار فرمایا لیکن صحابہ کرامؓ کو اجازت مرحمت فرمادی کہ تم لے لو۔

سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ بخدا یہ ان تین علامتوں میں سے ایک ہے۔ میں واپس چلا گیا اور پھر کچھ جمع کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب آپ قبا سے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو میں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ پیش کروں۔

Marfat.com

صدقہ آپ ؑ قبول نہیں فرماتے لہٰذا ہدیہ لے کر حاضر خدمت ہوا ہوں۔ آپ ؑ نے وہ ہدیہ قبول فرمالیا۔ خود بھی اس میں سے کھایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھلایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری علامت ہے۔ میں پھر واپس آگیا اور دو چار روز کے بعد پھر آپ ؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ؑ اس وقت ایک جنازہ کے لیے بقیع میں تھے اور کچھ صحابہ بھی آپ ؑ کے ہمراہ تھے۔ میں نے سلام عرض کیا اور آپ ؑ کے پیچھے آکر بیٹھ گیا تاکہ مہر نبوت کو دیکھ سکوں۔ آپ ؑ میرے پیچھے بیٹھنے کی وجہ سمجھ گئے۔ لہٰذا پشت مبارک سے اپنی چادر کو اٹھا دیا۔ میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اٹھ کر مہر نبوت کو بوسہ دیا آپ ؑ نے ارشاد فرمایا: سامنے آؤ، میں سامنے آیا اور اسی وقت آپ ﷺ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوگیا۔ آپ ؑ میرے اسلام لانے سے بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد میں اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوگیا۔ اسی وجہ سے غزوہ بدر اور احد میں شریک نہ ہوسکا۔ ایک روز آپ ؑ نے ارشاد فرمایا: سلمان! اپنے آقا سے کتابت کرو (یعنی اس سے کہو کہ اس قدر رقم لے کر مجھے آزاد کردے) چنانچہ سلمان نے اپنے آقا سے کتابت کی بات کی۔ اس نے کہا کہ تم چالیس اوقیہ سونا ادا کرو اور تین سو درخت کھجور کے لگادو اور جب وہ درخت بار آور ہوجائیں تو تم آزاد ہو۔ سلمان ؓ نے آپ ؑ کے کہنے پر آقا کی اس شرط کو قبول کرلیا۔ آپ ؑ نے صحابہ کرام ؓ کو ترغیب دی کہ سلمان ؓ کی کھجور کے پودوں سے مدد کرو۔ چنانچہ مختلف صحابہ نے مل کر تین سو پودے جمع کردیئے۔ اب آپ ؑ نے مجھے فرمایا: سلمان! ان کے لیے گڑھے تیار کرو۔ جب میں نے گڑھے تیار کرلیے تو آپ ؑ نے اپنے دست مبارک سے ان تمام پودوں کو لگایا اور برکت کی دعا فرمائی۔ ایک سال گزرنے نہ پایا تھا کہ سب درختوں کو پھل لگ گیا۔ درختوں کی شرط تو پوری ہوگئی۔ اب معاملہ صرف سونے کا رہ گیا۔ ایک روز ایک شخص آپ ؑ کے پاس ایک بیضہ کی مقدار سونا لے کر آیا۔ آپ ؑ نے پوچھا وہ مسکین مکاتب (یعنی سلمان) کہاں ہے؟ میں حاضر خدمت ہوا تو آپ ؑ نے مجھے وہ سونا دے کر فرمایا اس کو لے جاؤ۔ اللہ تمہارا قرض ادا فرمادے گا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو بہت تھوڑا سونا ہے۔ اس سے قرض کہاں ادا ہوگا۔ آپ ؑ نے فرمایا جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اسی سے تمہارا قرضہ ادا کردے گا۔ چنانچہ میں نے اس کو تولا تو وہ پورا چالیس اوقیہ تھا۔ چنانچہ میرا کل قرض ادا ہوگیا اور میں غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہوگیا اور غزوہ خندق اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں آپ کے ہم رکاب رہا۔

(ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۱ ص ۲۱۴-۲۲۱، طبقات جلد ۴ ص ۵۳-۵۷)

واقعات متفرقہ

سنہ ۵ھ میں ان واقعات کے علاوہ جن کا گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کچھ اور واقعات بھی رونما ہوئے۔ ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

۱۔ مسجد نبوی کی تعمیر سے آپؐ فارغ ہوئے ہی تھے کہ بنو النجار کے نقیب سیدنا اسعد بن زرارہؓ انتقال فرما گئے۔ یہ اسعد بن زرارہؓ ان چھ حضرات میں سے ایک تھے جنہوں نے سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں آکر آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اور ابن سعد کی روایت کے مطابق ان چھ حضرات میں سے بھی سب سے پہلے انہوں نے ہی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا اور یہ فخر بھی انہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے ہی مدینہ میں آکر اپنے اجتہاد سے جمعہ کی نماز قائم کی تھی۔ ان کے انتقال سے آپؐ کو نہایت صدمہ ہوا۔ چنانچہ منافقین اور یہود نے طعنہ دینا شروع کیا کہ "محمد (ﷺ) اگر نبی ہوتے تو انہیں یہ صدمہ کیوں اٹھانا پڑتا۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ "میں اپنے لیے اور اپنے ساتھیوں کے لیے خدا کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔"

ان کے انتقال کے بعد بنو نجار آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ "ان کی بجائے کسی اور کو ان کا نقیب مقرر کیا جائے۔" جواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: "تم میرے ماموں ہو۔ میں تم میں سے ہوں۔ لہٰذا اب میں تمہارا نقیب ہوں۔" یہ بنو نجار کے لیے ایک بہت بڑا فخر تھا۔

۲۔ قبا سے مدینہ آنے کے بعد کلثومؓ بن ہدم بھی اپنے اللہ سے جا ملے۔ یہ قبا میں رسول اللہؐ کے میزبان تھے۔ انہی کے مکان پر آپؐ فروکش ہوئے تھے اور انہی کی ملکیت میں ایک میدان تھا جس میں کھجور سکھائے جاتے تھے۔ اسی میدان میں مسجد قبا کی تعمیر کی گئی۔ ان کی وفات سے بھی آپؐ کو بہت صدمہ ہوا۔

۳۔ عجیب اتفاق ہے کہ جس سال اسلام کے یہ دو نامور حضرات اس عالم فانی سے عالم باقی کو انتقال فرما گئے۔ اسی سال دو بڑے اساطین کفر نے بھی انتقال کیا۔ ان میں سے ایک ولید بن مغیرہ تھا جو سیدنا خالد سیف اللہؓ کا باپ تھا اور دوسرا عاص بن وائل السہمی تھا جس کے بیٹے سیدنا عمرو بن العاصؓ (فاتح مصر) تھے۔

۴۔ اسی سال سیدنا عبد اللہ بن زبیرؓ کی ولادت ہوئی۔ ان کے والد سیدنا زبیرؓ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ یہ مہاجرین کے پہلے بچے ہیں جو ہجرت کے بعد پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ سیدہ اسماء بنت ابی بکرؓ سیدہ عائشہ کی بہن تھیں اور تاریخ اسلام میں "ذات النطاقین" کے نام سے مشہور ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی ہجرت کے موقع پر ان کی بڑی خدمات ہیں۔

اب تک مہاجرین میں سے کسی کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی اس لیے یہ مشہور ہو گیا تھا کہ یہودیوں نے مہاجرین پر جادو کر دیا ہے۔ چنانچہ جب عبد اللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے تو مہاجرین کو بہت خوشی اور مسرت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں تحنیک دی۔

۵۔ اسی سال مدینہ پہنچنے کے آٹھ ماہ بعد ماہ شوال میں آپؐ نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے عروسی فرمائی

Marfat.com

جن سے ہجرت سے قبل سیدہ خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ نے نکاح فرمایا تھا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ ہجرت سے اٹھارہ ماہ بعد سنہ ۲ھ میں آپؐ نے سیدہ عائشہؓ سے خلوت فرمائی۔

(سیرۃ مغلطائی ص ۳۸، البدایہ والنہایہ جلد ۳)

۶۔ اسی سال جمادی الاولیٰ میں سیدنا نعمان بن بشیر انصاری خزرجی کی ولادت ہوئی۔ یہ سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ کے بھانجے ہیں اور یہ سب سے پہلے انصاری بچے ہیں جن کی ولادت واقعہ ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوئی۔ یہ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ سے چھ ماہ بڑے تھے کیونکہ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ شوال میں پیدا ہوئے تھے۔

۷۔ اسی سال سرکارِ دوعالم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری کے ایک یا دو ماہ بعد رکعات نماز میں اضافہ ہوا۔ اور ظہر، عصر اور عشاء دو کے بجائے چار رکعات کردی گئیں۔ قبل ازیں شب معراج میں مغرب کی نماز کے علاوہ تمام نمازوں کی دو رکعتیں مقرر ہوئی تھیں۔ البتہ مغرب کی شروع ہی سے تین رکعت تھیں۔ بعد ازاں سنہ ۴ھ میں نماز سفر میں رکعتوں میں تخفیف کردی گئی۔

۸۔ اسی سال سیدنا عثمانؓ نے بئر رومہ کو خرید کر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر جنت کے ایک چشمہ کے بدلے میں فروخت کیا اور مسلمانوں کے نام وقف کردیا اور فرمایا کہ جس کا جی چاہے اس سے پانی بھرے۔ کیونکہ مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو مدینہ کے تمام کنوئیں کھارے تھے صرف ایک کنوئیں کا پانی میٹھا تھا جس کو بئر رومہ کہتے تھے۔ یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا جو قیمت لے کر پانی دیتا تھا۔ چنانچہ غریب مسلمانوں کو پانی لینے میں دشواری ہوتی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اس شخص کے لیے جنت ہے جو اس کو خرید کر مسلمانوں کے نام وقف کردے۔ چنانچہ سیدنا عثمان بن عفانؓ نے اس کو خرید کر مسلمانوں کے نام وقف کردیا۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۷۲)

Marfat.com

سنہ ۲ھ

تحویل کعبہ اور غزواتِ کی ابتدا

سنہ ۲ھ میں امت مسلمہ میں ایک بہت بڑا انقلاب رونما ہوا کہ دنیا کی اس سب سے افضل امت کو سب سے افضل قبلہ عطا کیا گیا۔ عبادت کے لیے ایک قبلہ ضروری ہوتا ہے جس کی طرف رخ کر کے کوئی امت جہاں کہیں بھی ہو، اپنی عبادت کی تکمیل کر سکے۔ یہ درست ہے کہ نیکی اور بھلائی مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں نہیں بلکہ عبادت، نیاز مندی اور فروتنی کا تعلق قلب اور اندرونی احساس سے ہے، لیکن پھر بھی وحدت قومی اور افراد میں یک جہتی اسی سے پیدا ہوتی ہے کہ پوری قوم کی عبادت ایک ہی طرح اور ایک ہی رخ پر ہو۔

مشرکین مکہ اگرچہ بتوں کی پرستش کرتے تھے اور عبادت کے وقت انہی کے سامنے سر جھکاتے تھے لیکن ان کے تحت الشعور میں ان کا قبلہ کعبہ تھا جس کی تجدید ان کے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے کی تھی۔ آپؐ جب مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرما کر تشریف لائے تو یہاں کے مشرکین کا قبلہ تو کعبہ ہی تھا لیکن اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ جب حرم کعبہ میں نماز پڑھتے تو کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر رخ شمال کی طرف کرتے تھے یعنی بیت اللہ بھی آپؐ کے سامنے رہتا تھا اور وہ قبلہ بھی سامنے ہوتا جو بنی اسرائیل کا قبلہ تھا اور ڈھائی ہزار سال سے انبیاء علیہم السلام کا قبلہ چلا آ رہا تھا۔ لیکن جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں آپ کے لیے اجتماع قبلتین ناممکن ہو گیا۔ کیونکہ یہاں سے کعبہ جنوب میں تھا اور بیت المقدس شمال میں۔ چنانچہ آپؐ نے بیت المقدس ہی کو قبلہ اختیار کیا اور مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت بھی اسی دیوار کو قبلہ قرار دیا جو بیت المقدس کی طرف تھی۔

قبلہ کی تبدیلی صرف ایک رخ کی تبدیلی نہیں بلکہ ایک مرکز کی تبدیلی ہے جیسے جھنڈا ایک نشان قومیت بن جاتا ہے۔ حالانکہ جھنڈا قوم خود بناتی ہے، لیکن وہی جھنڈا پوری قوم کا نشان عظمت بن جاتا ہے اور اس کی سربلندی اور سرنگونی قوم کی قسمت کا فیصلہ سمجھا جانے لگتا ہے۔ پھر قبلہ قوم اور ملت کا ایک امتیازی شعار ہوتا ہے جس کے بغیر اس قوم کی مستقل ہستی قائم نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے آپ اب دعوت وارشاد کی مرکزیت کی تبدیلی کے ساتھ ہی قبلہ کی تبدیلی کے خواہش مند تھے کیونکہ اب جب خلافت الٰہیہ بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل میں تبدیل ہوئی تو بنی اسرائیل والا قبلہ بھی تبدیل ہونا چاہیے۔ اگرچہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ مشرق و مغرب اسی کا ہے، اور ہر جانب، ہر سمت اور ہر جگہ اس کا جلوہ یکساں ہے، لیکن پھر بھی آپ بار بار اوپر کی سمت نظر اٹھاتے کہ شاید قبلہ کی تبدیلی کا حکم آجائے۔ چنانچہ آپ کا اشتیاق جو اضطراب کی صورت اختیار کر چکا تھا ایک روز ختم ہو گیا جب ہجرت سے سوا سال بعد بذریعہ وحی یہ فرمان خداوندی نازل ہوا۔

"ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمہارا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے۔ پس یقین کرو کہ عنقریب ہم رخ ایک ایسے قبلہ کی طرف پھیر دینے والے ہیں جس کی خواہش تمہارے دل میں انگڑایاں لے رہی ہے۔ اور اب (وہ وقت آگیا ہے جب تمہاری خواہش اور تمنا پوری ہو) تو چاہیے کہ تم اپنے رخ مسجد الحرام کی طرف پھیر لو۔ اور جہاں کہیں بھی تم ہو (نماز کے وقت) اپنے رخ اسی طرف پھیر لو"۔ (۱۴۴:۲)

یہ کوئی معمولی حکم نہ تھا۔ یہ ایک انقلاب انگیز حکم تھا۔ قبلہ کی اس تبدیلی کا مطلب یہ تھا کہ کئی ہزار سالہ خلافت الٰہیہ کا منصب بنو اسرائیل سے چھین کر بنو اسماعیل کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ اب بنو اسرائیل کو منصب امامت سے معزول کر کے وہ منصب اب بنو اسماعیل کے سپرد کیا جا رہا ہے کیونکہ "لا ینال عھدی الظالمین" کے مطابق وہ اب ظالم تھے اور ظالموں کے سپرد یہ منصب امامت نہیں کیا جا سکتا۔ اب اس کو امت مسلمہ کا قبلہ بنایا گیا جو "مثابۃ للناس وامنا" تھا۔ جہاں مقام ابراہیم تھا اور جس کو خود خدا تعالیٰ نے "اپنا گھر" فرمایا تھا۔

تحویل قبلہ نے یہودیوں کو سخت برہم کیا کیونکہ اسلام نے ان کے مذہبی اعزاز کو مجروح کیا تھا۔ وہ پہلے نہایت فخر سے کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام بھی انہی کے قبلہ کی طرف رخ کرتا ہے، لیکن جب اسلام کا قبلہ بدل گیا تو ان کی برہمی کا پیالہ بالکل لبریز ہو گیا۔ اور یہ مشہور کر دیا گیا کہ محمد (ﷺ) چونکہ ہر بات میں ہماری مخالفت کرتے ہیں، اسی مخالفت کی وجہ سے انہوں نے قبلہ بھی بدل ڈالا ہے۔ اس سے کچھ لوگوں کے دلوں میں شبہات جنم لینے لگے کہ آخر قبلہ کو کیوں بدلا گیا اور اس کی تبدیلی کی کیا ضرورت اور مصلحت تھی؟ قرآن کریم نے اس کا جواب دوسرے پارے کے شروع میں دیا ہے کہ قبلہ خود کوئی مقصود

Marfat.com

بالذات شے نہیں کیونکہ پورب و پچھم سب اللہ ہی کے ہیں۔ وہ ہر جگہ اور ہر سمت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک مخصوص شعار ہے جس نے مسلمانوں کو ایک دوسرے اہلِ کتاب سے الگ کر دیا ہے۔ اس سے کئی لوگوں کے نفاق کا پردہ چاک ہوا ہے۔ دوسرا ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ پیغمبر کا پیرو کار کون ہے اور پیچھے پھر جانے والا کون ہے کیونکہ خاص قبلہ کی طرف رخ کرنا اصلی ثواب نہیں بلکہ ایمان اور نیک اعمال اصلی ثواب کا باعث ہیں۔ (ابن ہشام جلد ص ۲۵۷، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۳۵۲، ابن سعد جلد ۲ ص ۳، عیون الاثر جلد ۱ ص ۲۳۰) تحویل قبلہ کا یہ حکم شعبان سنہ ۲ھ میں نازل ہوا۔

تحویل قبلہ کے بعد جب مسجد نبوی کا رخ بیت اللہ کی طرف ہو گیا تو قبلہ اول کی شمالی دیوار اور اس کے متصل جو جگہ تھی، وہ ان لوگوں کے لیے چھوڑ دی گئی جن کا کوئی گھر بار نہیں تھا۔ ان حضرات کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہی ہے اور ان کو اصحاب صفہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا کوئی گھر بار نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ توکل کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے رہتے۔ ان میں سے بعض کے جسم پر چادر تک نہ ہوتی۔ ایک کمبل سے اپنے جسم کو ڈھانکے رکھتے۔ اس کی تفصیل بخاری اور دیگر کتابوں میں موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری جلد ۱ ص ۶۳، حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۳۴۱)

یہ حضرات کئی کئی روز تک بھوکے بھی رہے اور کبھی پیٹ بھر کر کھانا بھی مل جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر باغ والے کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے باغ کا ایک ایک خوشہ لا کر مساکین کے لیے مسجد میں لٹکائے۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۴۳۱)

ایک مرتبہ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا کہ "ہر دس خوشوں میں سے ایک خوشہ لا کر مسجد کے مساکین کے لیے رکھا جانا ضروری ہے۔" (طحاوی جلد ۲ ص ۳۱۳)

سیدنا ابو ہریرہؓ بھی اصحاب صفہ میں سے تھے۔ ان کے بارہ میں عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ابو ہریرہؓ کے ساتھ رہا۔ ایک دن انہوں نے فرمایا: "کاش کہ تو ہمارا وہ زمانہ بھی دیکھتا جب کئی کئی روز تک ہمیں اتنا کھانا بھی میسر نہ آتا تھا جس سے ہم اپنی کمر ہی سیدھی کر لیں، چنانچہ ہم مجبور ہو کر اپنے پیٹ پر پتھر باندھتے تاکہ کمر سیدھی ہو۔ (فتح الباری جلد ۱۱ ص ۲۴۲)

Marfat.com

اذنِ جہاد

اسلام سلامتی کا دین ہے لڑائی جھگڑے کا دین نہیں ہے۔ مغرب کے دانشوروں نے اسلام کے بارہ میں یہ مشہور کر دیا کہ اسلام قتل و خونریزی اور لڑائی جھگڑے کا دین ہے۔ یہ زبردستی اور تلوار کی نوک پر لوگوں کو اسلام میں داخل کرتا ہے۔ یہ اسلام کے خلاف مغرب کا ایک غلط پراپیگنڈہ ہے۔ اسلام تو وہ دین ہے جس کے بارہ میں صاف لکھا ہے:

لا اکراہ فی الدین۔ دین کے بارہ میں کوئی جبر نہیں۔

بلکہ وہ دین کے بارہ میں جبر و اکراہ کے رجحان کو بھی ناپسند کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین (یونس)

کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔

بلکہ اپنے رسول ﷺ سے یہ کہا کہ

"اے پیغمبر! کہہ دیجئے: اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے حق تمہارے پاس آ گیا ہے۔ پس جو ہدایت کی راہ اختیار کرے گا تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے کرے گا۔ اور جو بھٹکے گا تو اس کی گمراہی اس کے آگے آئے گی۔ میں تم پر نگران و مختار نہیں ہوں"۔ (یونس)

مولانا ابوالکلام آزاد نے ان آیات کے مضامین کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اے پیغمبر اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب ہی ایمان لے آتے اور دنیا میں اعتقادوں کا اختلاف باقی نہ رہتا۔ لیکن تو دیکھ رہا ہے کہ اللہ نے ایسا نہیں چاہا۔ اس کی مشیت یہی ہوئی کہ طرح طرح کی طبیعتیں اور طرح طرح کی استعدادیں ظہور میں آئیں اور جس طرح ان کی ظاہری صورتیں مختلف، ان کے مزاج مختلف، ان کی طبیعتیں اور جذبات مختلف ہیں جو خالق ذوالجلال کی حکمت بالغہ کی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں۔ اسی

Marfat.com

طرح ان کے خیالات اور عقائد اور اعمال میں بھی اختلاف باقی رہے۔ یہ رنگ برنگی رخ گیتی کی زینت اور کمال ربوبیت کی دلیل ہے۔ پس اگر لوگ نہیں مانتے اور ایمان نہیں لاتے تو کیا آپ ان پر جبر کریں گے' اور ایک ایسے فعل کے خواہاں ہوں گے جو مشیت الٰہی کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (ترجمان القرآن)

اب دین کیسے یہ حکم دے سکتا ہے کہ لوگوں کے خلاف اس لیے اعلان جنگ کر دو کہ وہ مشرک اور کافر ہیں؟ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی نظر میں کچھ اور اسباب اور وجوہات ہوں گی جن کی بنا پر جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں فلسفہ جہاد پر جب روشنی ڈالی گئی تو اختلاف عقائد کو نہ وجہ جہاد بنایا گیا' نہ مقصد جہاد قرار دیا گیا۔ بلکہ جہاد کا مقصد تحفظ قرار دیا گیا اور بتایا یہ گیا کہ اگر جہاد نہ ہوتا تو کلیسے' گرجے' خانقاہیں اور مسجدیں سبھی برباد ہو گئی ہوتیں جو اپنے زمانہ میں ہدایت وارشاد کے مرکز رہے ہیں۔

اسلام میں جہاد کا وہ تصور نہیں ہے جو مشرکین بیان کرتے ہیں' یعنی قتل و خونریزی۔ بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی میں ۲۳ سال میں ۸۱ غزوات و سرایا پیش آئے۔ ان میں صرف ۲۷ میں آپ شریک ہوئے اور باقاعدہ جنگ صرف چند ہی غزوات میں پیش آئی۔ ان تمام لڑائیوں میں مسلمان صرف ۲۵۹ شہید اور غیر مسلم ۷۵۹ قتل ہوئے گویا کل ۱۰۱۸ آدمی قتل ہوئے۔ اتنے آدمیوں کے قتل سے آپ نے تاریخ کا وہ انقلاب عظیم برپا کیا جس نے تاریخ انسانی کے دھارے کو موڑ دیا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اسلام قتل و غارت گری کا دین ہے' حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔

سنہ ۲ھ میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا گیا۔ کس وجہ سے یہ حکم دیا گیا اور اس کے کیا اسباب تھے؟ مورخین اور اصحاب سیر نے ان کو یوں بیان کیا ہے:

۱۔ مکہ مکرمہ میں مسلمان کفار کے ہاتھوں گوناگوں مصائب میں مبتلا تھے۔ جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اب ہم ہجرت کر کے اس سرزمین سے نکل آئے ہیں اس وجہ سے اب ہماری وہ تمام تکالیف دور ہو جائیں گی' لیکن ایسا نہ ہوا۔ بلکہ مدینہ میں وہ مصائب متعدد ہو گئے۔ مکہ کے مصائب گو سخت تھے لیکن منفرد اور تنہا تھے' لیکن مدینہ میں آ کر وہ اجتماعی ہو گئے۔ کیونکہ مدینہ رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ ہونے کی وجہ سے قریش کے غیظ و غضب کا نشانہ بن گیا۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے تو مشرکین مکہ نے عبداللہ بن ابی کو جو آپ کے مدینہ میں تشریف آوری سے قبل رئیس الانصار شمار کیا جاتا تھا اور اوس و خزرج کے دونوں قبیلے اسے اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے' ایک دھمکی آمیز خط لکھا۔ جس میں دوٹوک لفظوں میں یہ لکھا:

"آپ لوگوں نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے' اس لیے ہم اللہ کی قسم کھاتے

Marfat.com

ہیں کہ یا تو تم لوگ اس کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو' یا پھر ہم لوگ بھاری جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر یورش کر دیں گے اور تمہارے مردوں کو قتل کر کے تمہاری عورتوں کی حرمت کو پامال کر ڈالیں گے"۔ (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۶۷' باب خبر النضیر)

عبد اللہ بن ابی کے دل میں پہلے ہی سرکارِ دو عالم (ﷺ) اور آپؐ کے ساتھیوں کے بارے میں کینہ و بغض بھرا ہوا تھا کیونکہ اس کے کوزہ ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ آپؐ ہی کی وجہ سے اس کی بادشاہت چھینی گئی ہے۔ چنانچہ اس خط کے موصول ہوتے ہی عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں سے قتال یا ان کو مدینہ منورہ سے نکالنے کے بارہ میں سوچنا شروع کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپؐ خود عبد اللہ بن ابی کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو معاملہ کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا۔ اور بتایا کہ کیا تم خود اپنے بیٹے اور بھائیوں سے بر سرپیکار ہونا چاہتے ہو؟ یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی اور وہ منتشر ہو گئے۔

اس وقت تو عبد اللہ بن ابی اپنے ارادہ سے باز آ گیا کیونکہ اس کے ساتھی اس کا ساتھ دینے سے ڈھیلے پڑ گئے تھے' لیکن آپؐ کے خلاف اس کے دل میں کینہ کا لاوا پکتا رہا۔ اس نے قریش مکہ سے اپنے روابط قائم رکھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع بھی اس نے اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور آپؐ کی مدینہ منورہ میں موقع بموقع تحقیر بھی کرتا رہا۔ (مسلم جلد ۲ ص ۹۳)

اسی زمانہ میں ایک اور واقعہ رونما ہو گیا کہ قبیلہ اوس کے رئیس سیدنا سعد بن معاذؓ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ گئے۔ امیہ بن خلف سے ان کا بڑا پرانا یارانہ تھا' اس لیے اس کے مہمان ہوئے۔ ایک دن امیہ انہیں دوپہر کے وقت ساتھ لے کر کعبہ کے طواف کے لیے گیا کہ راستہ میں ابو جہل سے مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ ابو جہل نے سعدؓ کو مخاطب کر کے کہا: "تم تو بڑے اطمینان و سکون سے طواف کر رہے ہو جب کہ تم لوگوں نے صابیوں (بے دینوں یعنی مسلمانوں) کو پناہ دے رکھی ہے۔ خدا کی قسم اگر تم ابو صفوان (امیہ بن خلف) کے ساتھ نہ ہوتے تو تم بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے"۔ سیدنا سعدؓ کو بھی ابو جہل کی بات سے غصہ آ گیا۔ وہ بھی بلند آواز سے بولے: "اگر تم لوگوں نے ہمیں حج سے روکا تو ہم تم لوگوں کو ایسی چیز سے روک دیں گے جو تم پر اس سے بھی زیادہ گراں ہو گی"۔ (یعنی شام کی تجارت کا راستہ)

("بخاری" جلد ۲ ص ۵۶۳)

قریش کو جب مسلمانوں کے خلاف اپنی دال گلتی نظر نہ آئی تو انہوں نے جزیرہ نما عرب کے تمام قبائل میں آپؐ کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے ان کو آپؐ کا مخالف بنا دیا۔ چنانچہ ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آپؐ کے پاس نہیں پہنچ سکتے تھے۔

قریش نے اپنی مخالفت میں اور تیزی پیدا کرنے کے لیے عبد اللہ بن ابی کو جس کے قریش کے

Marfat.com

ساتھ بڑے گہرے روابط تھے، ایک خط لکھا کہ ہم اس کی تیاریاں کر رہے ہیں کہ مدینہ پر یورش کر کے اسلام اور اس کے ماننے والوں کا استیصال کر دیں۔ چنانچہ حالات اتنے مخدوش ہو گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ راتوں کو جاگا کرتے تھے اور صحابہ کرامؓ صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ مدینہ آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "کاش آج رات میرے ساتھیوں میں سے کوئی صالح آدمی میرے ہاں پہرہ دیتا۔" آپ کا یہ کہنا تھا کہ ہمیں اسلحہ کی جھنکار سنائی دی۔ آپؐ نے پوچھا کون ہے؟ جواب آیا: "سعد بن ابی وقاصؓ" فرمایا: "کیسے آئے؟" جواب دیا: "یا رسول اللہ ﷺ میرے دل میں آپؐ کے بارہ میں کچھ خطرہ کا اندیشہ تھا لہٰذا پہرہ دینے کے لیے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا"۔ آپؐ نے اسے بہت دعا دی۔ تب آپؐ نے آرام فرمایا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۴۰۴، مسلم جلد ۲ ص ۲۸۰)

اسی طرح ایک اور خطرہ کے موقع پر سیدنا ابو ایوب انصاریؓ رات بھر آپؐ کی چوکیداری کرتے رہے۔ آپؐ نے ان کے حق میں ان الفاظ میں دعا کی۔ "ابو ایوبؓ! خدا تمہاری اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تم نے اس کے نبی کی نگرانی کی۔"

سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ یہ سرور کائنات ﷺ ہی کی دعا کا اثر ہے کہ نصاریٰ ان کی قبر کی ہر طرح سے حفاظت کر رہے ہیں۔ (امام سہیلی کی اس تحریر کے وقت قسطنطنیہ پر نصاریٰ کا قبضہ تھا بعد میں ۸۵۷ھ مطابق ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتحؒ نے اس شہر کو فتح کرکے اسلامی عملداری میں داخل کیا۔ سلطان محمد فاتحؒ بوسنیا کے رہنے والے تھے۔ (روض الانف جلد ۲ ص ۲۴۶)

ان پر خطر حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت دی اور ان کی بے بسی کو ان الفاظ میں بیان کیا:

الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ۔

(سورہ حج)

یہ وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔ ان کا کوئی جرم نہ تھا اگر تھا تو صرف یہ کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔

پھر اسی سورت میں کہا:

"جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور جو اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ نیز مسجد حرام سے (لوگوں کو روکتے) جسے ہم نے بلا امتیاز تمام انسانوں کے لیے (عبادت گاہ) ٹھہرایا ہے، خواہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے ہوں (تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم نے انہیں اور) ہر شخص کو جو اس میں از راہ ظلم حق سے منحرف ہونا چاہے گا دردناک

Marfat.com

عذاب کا مزہ چکھادیں گے۔

اس دردناک عذاب کا مزہ چکھانے کے لیے اور وہ بھی مظلوموں کے ہاتھوں سے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی ان الفاظ میں اجازت دی:

اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیر۔

جن لوگوں کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی اجازت دی جاتی ہے، کیونکہ ان پر سراسر ظلم کیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

امام زرقانی نے لکھا ہے کہ جہاد کی یہ اجازت ۱۲ صفر سنہ ۲ھ کو دی گئی۔

(زرقانی جلد ۱ ص ۴۴۰)

Marfat.com

غزوات و سرایا

غزوات، غزوہ کی جمع ہے۔اصحاب سیر کی اصطلاح میں غزوہ اس مہم کو کہتے ہیں جس میں نبی اکرم ﷺ نے خود شرکت فرمائی اور سرایا، سریہ کی جمع ہے جس میں آپؐ خود شریک نہیں ہوئے۔
(زرقانی جلد ۱ ص ۳۸۷)

جنگ کی اجازت بارگاہِ ایزدی سے ملنے کے بعد سرکارِ دوعالم ﷺ نے اپنی فوجی مہمات کا آغاز فرما دیا۔ آپؐ نے فوجی دستوں کو ترتیب دیا اور انہیں مدینہ طیبہ کے راستوں پر کڑی نظر رکھنے کی ہدایات فرمائیں اور قریش کے اموال کا خصوصی طور پر پتہ لگانے کے لیے کہا کیونکہ وہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے اور ان سے ہر وقت مدینہ کے مسلمانوں کو خطرہ تھا۔

دوسرا مقصد ان فوجی دستوں کے بھیجنے کا یہ تھا کہ مدینہ کے گردونواح میں جو قبائل آباد ہیں ان سے معاہدات کیے جائیں۔اس سے یہ فائدہ بھی تھا کہ آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں کی عسکری طاقت کا احساس دلایا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ قریش کے مقابلہ میں مسلمان بھی اب کمزور نہیں ہیں۔

ان سرایا کے مختصر حالات درج ذیل ہیں۔

سریہ حمزہؓ

ہجرت کے سات ماہ بعد یعنی رمضان المبارک سنہ ۱ھ میں یا ربیع الاول سنہ ۲ھ میں (علیٰ اختلاف الاقوال) سیدنا حمزہؓ کی زیر قیادت ۳۰ مہاجرین کو سیف البحر (ساحل سمندر) کی طرف روانہ فرمایا (اس وجہ سے اسے سریہ سیف البحر بھی کہتے ہیں) تاکہ قریش کا قافلہ جو شام کی طرف سے آرہا تھا اس کا پتہ لگایا جا سکے۔اس قافلہ میں تین سو آدمی تھے جس میں ابوجہل بھی تھا۔ہجرت کے بعد یہ سب سے پہلا سریہ ہے۔
اس لشکر میں سب مہاجرین ہی تھے، انصار کا کوئی فرد اس میں نہیں تھا۔ مسلمان جب ساحل سمندر کے

Marfat.com

پاس پہنچے تو قافلہ آتا دکھائی دیا۔ چنانچہ جب دونوں جماعتوں کا آمنا سامنا ہوا تو اگرچہ قریش کے قافلہ کے افراد کی تعداد زیادہ تھی لیکن مسلمان پھر بھی ان کے مقابلہ کے لیے صف آراء ہو گئے۔ قبیلہ جہینہ کے سردار مجدی بن عمرو جہنی نے جو فریقین کا حلیف تھا اپنی کوششوں سے جنگ نہ ہونے دی اور ابو جہل قافلہ لے کر مکہ چلا گیا اور سیدنا حمزہؓ مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ سیدنا حمزہؓ کا یہ جھنڈا سب سے پہلا جھنڈا تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے باندھا تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا اور اس کے علم بردار سیدنا ابو مرثد کنانہ بن حصین غنویؓ تھے۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۳۹۰، السیرۃ لابن ہشام جلد ۲ ص ۵۹۰، البدایہ جلد ۲ ص ۲۴۴، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳، عیون الاثر جلد ۱ ص ۲۲۴، تاریخ الخمیس جلد ۱ ص ۳۵۶-۳۵۷)

سریہ عبیدہ بن حارثؓ

شوال سنہ ۱ھ میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے مہاجرین کے ساٹھ یا اسی (علیٰ اختلاف الروایات) افراد کا دستہ دے کر سیدنا عبیدہ بن الحارثؓ کو رابغ کی طرف بھیجا۔ اس دستہ میں بھی کوئی انصاری نہ تھا۔

رابغ میں ابو سفیان سے سامنا ہوا جس کے ساتھ دو سو آدمی تھے، لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی۔ صرف سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک تیر چلایا۔ یہ اسلام میں پہلا تیر تھا جو چلایا گیا۔ اس سریہ میں قریش کے دو آدمی جو پہلے ہی سے مسلمان تھے لیکن قریش کے پنجہ میں ہونے کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے تھے، مسلمانوں کے ساتھ آ ملے۔ ان میں سے ایک مقداد بن عمروؓ اور دوسرے عتبہ بن غزوانؓ تھے۔

سیدنا عبیدہؓ کا علم بھی سفید تھا اور علم بردار سیدنا مسطح بن اثاثہؓ تھے۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۳۹۱، سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۹۰) اس سریہ کو سریہ رابغ بھی کہتے ہیں۔

سریہ سعد بن ابی وقاص

ماہ ذی قعدہ سنہ ۱ھ میں بیس مہاجرین کی جمعیت پر سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو امیر مقرر کر کے خرار کی طرف بھیجا گیا۔ خرار جحفہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے، اس دستہ کو بھی آپؐ نے قریش کے ایک قافلے کا پتہ لگانے کے لیے روانہ فرمایا تھا اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی فرمائی تھی کہ خرار سے آگے نہ بڑھیں۔ یہ سارے لوگ پیدل روانہ ہوئے۔ یہ حضرات رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے۔ جب پانچویں روز خرار پہنچے تو پتہ چلا کہ قریش کا قافلہ ایک روز پہلے جا چکا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ واپس مدینہ منورہ آ گئے۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۸۳، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳)

واقدی اور ابن سعد کے نزدیک یہ تینوں سریے سنہ ۱ھ میں روانہ ہوئے لیکن محمد ابن اسحاق کہتے

ہیں کہ یہ تینوں سنہ ۲ھ غزوہ ابواء کے بعد روانہ کیے گئے۔(ابن اثیر جلد ۲ ص ۴۳)ابن ہشام نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔(ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۹۱)

غزوہ ابواء

اسلام کی تاریخ میں یہ سب سے پہلا غزوہ ہے جس میں سرکارِ دوعالم ﷺ ساٹھ مہاجرین کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ آپ ؐ نے سیدنا سعد بن عبادہ ؓ انصاری کو مدینہ میں اپنا قائم مقام فرمایا۔اس مہم کا مقصد بھی قریش کے قافلہ کو راہ میں روکنا تھا۔اس دستہ میں بھی کوئی انصاری نہ تھا۔بعض روایات میں ہے کہ اس غزوہ کا مقصد قریش اور بنو ضمرہ پر حملہ کرنا تھا۔ آپ ؐ ابواء کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ؐ ودان تک پہنچے لیکن جب آپ ؐ ابواء پہنچے تو قریش کا قافلہ نکل چکا تھا۔بنی ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو سے آپ ؐ کا ایک حلیفانہ معاہدہ ہوا جس کی عبارت حسب ذیل تھی:

"یہ بنو ضمرہ کے لیے محمد رسول اللہ (ﷺ) کی تحریر ہے۔یہ لوگ اپنے مال اور جان کے بارہ میں بالکل مامون رہیں گے اور جو ان پر حملہ کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی، مگر یہ کہ یہ خود اللہ کے دین کے خلاف جنگ کریں۔یہ معاہدہ اس وقت تک کے لیے ہے جب تک سمندر ان کو تر کرے (یعنی ہمیشہ کے لیے ہے) اور جب رسول اللہ ﷺ ان کو اپنی مدد کے لیے بلائیں گے تو انہیں آنا ہوگا۔"

اس غزوہ کو "غزوہ ودان" بھی کہتے ہیں جو ابواء کے قریب چھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے اور مدینہ سے ۲۹ میل۔اس سفر میں بھی قتال کی نوبت نہیں آئی۔اس مہم کے پرچم کا رنگ بھی سفید تھا اور سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب اس کے علم بردار تھے۔

(عیون الاثر جلد ۱ ص ۲۵۴، ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۹۰، زرقانی جلد ۱ ص ۷۵، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۴۱، زادالمعاد جلد ۲ ص ۲۱۲)

غزوہ بواط

بواط جہینہ کے سلسلہ کا ایک پہاڑ ہے۔یہ مکہ سے شام جانے والی شاہراہ کے متصل اور مدینہ طیبہ سے قریباً ۴۸ میل کے فاصلے پر ہے۔اس مہم میں بھی سرکارِ دوعالم ﷺ بنفس نفیس شامل ہوئے اور ربیع الاول سنہ ۲ھ یا ربیع الثانی میں دو سو مہاجرین کے ساتھ قریش کے ایک قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے بواط کی طرف روانہ ہوئے۔قریش کے اس قافلہ میں ایک سو آدمی اور اڑھائی ہزار اونٹ تھے۔امیہ بن خلف بھی اس قافلہ میں موجود تھا۔بواط پہنچ کر پتہ چلا کہ قافلہ یہاں سے جا چکا ہے۔اس لیے کوئی معاملہ پیش نہ

Marfat.com

آیا۔ لہٰذا آپؐ بلا جنگ کیے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

اپنی غیر موجودگی میں آپؐ نے سیدنا سائب بن مظعون کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا۔ بعض روایات میں سیدنا سعد بن معاذؓ کا ذکر ہے۔ اس غزوہ کا پرچم بھی سفید تھا اور علم بردار سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ (عیون الاثر ج ۱ ص ۳۵۷، ابن ہشام ج ۱ ص ۵۹۸، ابن سعد ج ۲ ص ۷، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۴۶)

غزوہ ذی العشیرہ

یہ غزوہ جمادی الاولیٰ سنہ ۲ھ میں پیش آیا۔ اس میں بھی آپؐ نے بذات خود شرکت فرمائی اور آپؐ کے ساتھ ڈیڑھ سو یا دو سو مہاجرین تھے، لیکن آپؐ نے کسی کو مجبور نہیں فرمایا۔ آپؐ کو پتہ چلا کہ قریش کا ایک قافلہ بہت سا سامان تجارت لے کر شام جا رہا ہے۔ آپؐ اس کی طلب میں ڈیڑھ سو مہاجرین کا ایک دستہ لے کر نکلے۔ ذوالعشیرہ ینبوع کے اطراف میں ایک مقام کا نام ہے۔ اس کو عسیر اور عشیر (عین کی پیش کے ساتھ) دونوں طرح سے بولتے ہیں۔ بعض نے اس کو "ذات العشیرہ" پڑھا ہے۔ (عین کی پیش اور شین کی زیر کے ساتھ) (نووی جلد ۱۲ ص ۱۹۵)

آپؐ کو پتہ چلا کہ قافلہ مکہ سے نکل چکا ہے۔ آپؐ کے پاس صرف تیس اونٹ تھے۔ جن پر مسلمان باری باری سوار ہوتے تھے۔ آپؐ جب عشیرہ پہنچے تو پتہ چلا کہ قافلہ کئی روز پہلے ہی جا چکا تھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ یہ وہی قافلہ ہے جسے شام سے واپسی پر نبی اکرمؐ نے پکڑنا چاہا تھا۔ قافلہ تو اس دفعہ بھی بچ نکلا لیکن اس کے نتیجہ میں جنگ بدر کا واقعہ پیش آ گیا۔ آپؐ نے جمادی الاولیٰ اور جمادی الآخرۃ کے کچھ روز وہیں قیام فرمایا اور بنو مدلج اور بنو ضمرہ سے عدم جنگ کا معاہدہ کر کے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ مدینہ سے اپنی غیر حاضری کے ایام میں سیدنا ابو سلمہ بن عبد الاسد المخزومی کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اس مرتبہ بھی اسلامی دستہ کا پرچم سفید رنگ کا تھا اور علم بردار سیدنا حمزہ بن عبد المطلب الہاشمیؓ تھے۔ (روض الانف جلد ۲ ص ۵۸، عیون الاثر جلد ۱ ص ۳۵۷)

غزوات میں سب سے پہلا غزوہ کون سا پیش آیا، اس بارہ میں مختلف روایات ہیں۔ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ سب سے پہلا غزوہ ابواء ہے پھر بواط اور پھر عشیرہ۔ صحیح بخاری میں بھی یہی ترتیب ہے اور ابن سید الناس نے بھی عیون الاثر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

غزوہ عشیرہ سے واپسی پر آپؐ نے قریباً دس روز مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا تھا کہ ایک روز کرز بن جابر فہری نے مدینہ طیبہ کی چراگاہ پر شب خون مارا اور لوگوں کے اونٹ اور بکریاں جو وہاں چر رہی تھیں، ان کو لے بھاگا۔ آپ اس خبر کو سنتے ہی اس کے تعاقب میں سفوان تک گئے جو بدر کے قریب ایک مقام ہے، لیکن کرز بن جابر وہاں سے نکل چکا تھا۔ لہٰذا آپ واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

اس غزوہ کو غزوہ بدر اولیٰ کا نام دیا گیا ہے اور اسے غزوہ سفوان بھی کہتے ہیں اس غزوہ میں جاتے وقت مدینہ سے اپنی غیر حاضری کے ایام میں آپ نے سیدنا زید بن حارثہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔
(ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۱، عیون الاثر جلد ۱، ص ۲۲۷)

سریہ نخلہ

ماہ رجب سنہ ۲ھ میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے بارہ مجاہدین کا ایک دستہ اپنے پھوپھی زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن جحشؓ کی زیر قیادت مقام نخلہ کی طرف روانہ کیا۔ نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے۔ یہ مکہ سے ایک رات دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں جنات نے آپ کا قرآن سنا تھا۔ (جس کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں سفر طائف سے واپسی میں کر دیا ہے) زرقانی جلد ۱ ص ۳۹۷)۔ یہ دستہ بارہ مہاجرین پر مشتمل تھا۔ سیدنا عبداللہ بن جحشؓ بھی ان میں سے ایک تھے۔ باقی گیارہ کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ سیدنا ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہؓ
۲۔ سیدنا عکاشہ بن محصنؓ
۳۔ سیدنا عتبہ بن غزوانؓ
۴۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ
۵۔ سیدنا عامر بن ربیعہؓ
۶۔ سیدنا واقد بن عبداللہؓ
۷۔ سیدنا خالد بن بکیرؓ
۸۔ سیدنا سہیل بن بیضاءؓ
۹۔ سیدنا عامر بن ایاسؓ
۱۰۔ سیدنا مقداد بن عمروؓ
۱۱۔ سیدنا صفوان بن بیضاءؓ

"زرقانی" میں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجنے کا ارادہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میں تم پر ایک ایسے شخص کو امیر بناؤں گا جو تم میں سب سے زیادہ بھوک اور پیاس کو برداشت کرنے والا ہوگا۔ لہٰذا بعد ازاں آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحشؓ کو امیر بنایا اور اسلام میں وہ پہلے امیر تھے۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۳۹۷)

اس سریہ میں ہر دو آدمیوں کے پاس ایک اونٹ تھا۔ جس پر دونوں باری باری سوار ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے امیر سریہ سیدنا عبداللہ بن جحشؓ کو ایک بند تحریر دی اور ہدایت فرمائی کہ بسم اللہ کہو اور روانہ ہو جاؤ۔ جب دو دن سفر کر چکو تب اس تحریر کو کھول کر پڑھنا اور اپنے ساتھیوں کو بھی سنا دینا۔ پھر اس تحریر میں جو ہدایت دی گئی ہے اس پر عمل کرنا اور جو ساتھی آگے نہ جانا چاہے اس پر جبر نہ کرنا۔

دو روز سفر کر چکنے کے بعد سیدنا عبداللہؓ نے اس تحریر کو کھولا تو اس میں لکھا تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: اللہ تعالیٰ کی برکت آپ کو نصیب ہو۔ آپ اور آپ کے جو ساتھی آپ کے ساتھ چلیں ان کو ساتھ لے کر روانہ ہوں یہاں تک کہ آپ بطن نخلہ پہنچ کر

Marfat.com

قیام کریں۔ وہاں قریش کے ایک قافلہ کو جو غلہ لے جارہا ہوگا اس کی تاک رکھیں۔ امید ہے کہ اس کی کوئی خبر لے کر آپ ہمارے پاس آئیں گے۔"

سیدنا عبداللہ بن جحشؓ نے تحریر پڑھتے ہی کہا "سمعا وطاعتا" (جو حکم ہے اس کی پوری پوری تعمیل ہوگی) پھر یہ تحریر انہوں نے اپنے ساتھیوں کو سنائی اور فرمایا کہ جو شخص شہادت کا طلب گار ہے وہ میرے ساتھ چلے، میں کسی پر اس بارہ میں جبر نہ کروں گا۔ لیکن ان بارہ حضرات میں سے کوئی ایک بھی واپس ہونے کو تیار نہ ہوا۔ اب سیدنا عبداللہؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھے، لیکن جب حجاز کے بالائی علاقے میں فرع کے اوپر ایک میدان کے قریب اس جگہ پہنچے جس کو "نجران" کہا جاتا تھا وہاں اتفاق سے ایک اونٹ گم ہوگیا۔ یہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور سیدنا عتبہ بن غزوان کا اونٹ تھا۔ یہ دونوں حضرات اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے۔ باقی حضرات نے سفر جاری رکھا اور "بطن نخلہ" پہنچ گئے اور حسب ہدایت یہاں قیام کر کے قریش کے قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ ان حضرات کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ قریش کا ایک قافلہ جو کشمش، کچی کھالیں اور دیگر سامان تجارت لیے ہوئے تھا سامنے آگیا۔ عمرو بن حضرمی، حکیم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی اور نوفل بن عبداللہ مخزومی اس قافلہ کے ممتاز شرکاء میں سے تھے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ نے جو سربمہر تحریر عنایت فرمائی تھی اس میں صرف خبر لانے اور حالات معلوم کرنے کی ہدایت تھی، حملہ کے بارہ میں کوئی ہدایت نہ تھی لیکن جس اہتمام سے اس دستہ کو بھیجا گیا اور جس اہمیت اور رازداری کے ساتھ دستہ کے امیر سیدنا عبداللہ بن جحشؓ کو یہ تحریر دی گئی تھی، اس سے بہت کچھ سمجھا جاسکتا تھا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کی تیراندازی کا واقعہ اس سے قبل ذکر ہوچکا تھا اور بارگاہ رسالت سے ان کے تیر چلانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا تھا اور اگرچہ ابھی تک حکم قتال نہیں ہوا تھا لیکن اذن قتال کی آیت نازل ہوچکی تھی۔ دستہ کے امیر سیدنا عبداللہؓ نے ان سب باتوں سے یہی سمجھا کہ موقع ملے تو ان کو "اقدام" کی اجازت ہے۔ باہمی مشورہ بھی ہوا کہ کیا کیا جائے؟ کیونکہ آج حرام مہینے رجب کا آخری دن ہے۔ اگر ہم لڑائی کرتے ہیں تو اس حرام مہینے کی بے حرمتی ہوتی ہے اور اگر رات بھر رک جاتے ہیں تو یہ لوگ حدود حرم میں داخل ہوجائیں گے۔ اس کے بعد سب کی یہی رائے ہوئی کہ حملہ کردینا چاہیے۔ چنانچہ مسلمانوں کے دستہ سے ایک مجاہد "واقد بن عبداللہ سہمیؓ" نے تیر مارا۔ وہ تیر عمرو بن حضرمی کو لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اس ایک آدمی کے مرنے سے پورے قافلہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مجاہدین فوراً آگے بڑھے اور انہوں نے کافروں کو گرفتار کرنا شروع کردیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے اور باقی تمام لوگ بھاگ گئے۔ یہ دستہ قریش کے قافلہ کا تمام سامان اور ان دونوں قیدیوں کو لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ اسلام کی پندرہ سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ

مسلمانوں کے ہاتھ سے ایک غیر مسلم کا قتل ہوا، بلکہ یہ بھی پہلا موقع تھا کہ اس طرح گرفتار شدہ قیدی اور ضبط شدہ سامان آیا ہو۔ یہ سب کچھ سن دیکھ کر لسان نبوت سے یہ نکلا۔

ما امرتکم بقتال۔

میں نے تو تمہیں لڑنے کے لیے نہیں کہا تھا۔

عمرو بن حضرمی کے قتل کے کیا نتائج ہوں گے یہ مسئلہ ابھی غور طلب تھا، لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے فی الحال سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس ضبط شدہ مال کا کیا کیا جائے؟ اور قیدیوں کو کیا حکم دیا جائے؟ اسی روایت کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن جحشؓ نے جب یہ ضبط کردہ مال بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو آپ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں فرمایا حتی کہ کچھ عرصہ بعد جب جنگ بدر کی غنیمت کے متعلق احکام نازل ہوئے تب آپؐ نے اس مال کو بھی انہی احکام کے مطابق تقسیم فرمایا۔

فدیہ ادا کر کے قیدیوں کو چھڑانے کا طریقہ عرب میں بہت پہلے سے رائج تھا۔ اسی رواج کے مطابق قریش نے فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو رہا کرانا چاہا، لیکن چونکہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور سیدنا عتبہ بن غزوانؓ جو اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے تھے، ابھی تک واپس نہیں آئے تھے اور شدید خطرہ تھا کہ شاید قریش نے گرفتار نہ کر لیے ہوں، اس لیے سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کی واپسی سے پہلے ان قیدیوں کے بارہ میں گفتگو مناسب نہ سمجھی۔ جب یہ دونوں حضرات بخیریت واپس آ گئے تب سرکارِ دو عالم ﷺ نے فدیہ لے کر ان دونوں کو رہا فرما دیا۔ تین اوقیہ یعنی چار سو اسی درہم ہر ایک اسیر کا فدیہ لیا۔ عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ تو رہا ہو کر چلا گیا اور حالت کفر ہی میں مر گیا، مگر حکیم بن کیسان تو کچھ ایسے گرفتار ہوئے کہ رہائی پسند ہی نہ کی۔ پہلے سیاسی اسیر تھے۔ پھر کاکل رسالت کے خود ساختہ اسیر ہو کر مدینہ طیبہ میں ہی سکونت اختیار کر لی۔ گویا کہ

- نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر   خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

دولت ایمان سے مشرف ہوئے اور زمرہ صحابہ میں داخل ہو کر تبلیغ و تعلیم کے لیے باہر بھیجے جانے لگے اور ایک روز بیر معونہ کے واقعہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

ادھر اس حادثے سے مشرکین کو اس پروپیگنڈہ کا موقع مل گیا کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال کر دیا۔ بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں، لیکن مسلمانوں کے دستہ نے یہ سب کچھ کوئی جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔ اتفاق سے ایسا ہو گیا کیونکہ یہ جمادی الآخرۃ کی آخری تاریخ تھی۔ اگلے روز رجب کا مہینہ شروع ہونے والا تھا۔ جو عرب کے دستور کے مطابق ایسا مہینہ تھا جس میں جنگ و جدال حرام سمجھا جاتا تھا۔ ان حضرات نے امن پسندانہ دستور کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ خود امیر دستہ سیدنا عبداللہ بن جحشؓ نے دربار رسالت میں یہ عرض کیا تھا! (معالم التنزیل، جلد ۲، ص ۹۳)

Marfat.com

ہم ابن حضرمی کو قتل کر چکے، پھر جب شام ہوئی تو ہم نے رجب کا چاند دیکھا۔ اب نہیں معلوم کہ ہم نے اس کو رجب میں قتل کیا یا جمادی الآخرۃ میں۔

(معالم التنزیل، جلد ۲، ص ۹۳)

سیدنا عبد اللہؓ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی دانست کے مطابق ماہ رجب کا پورا احترام کیا تھا۔ انہیں یہی معلوم تھا کہ یہ جمادی الآخرۃ کا مہینہ ہے۔ ابھی رجب کا چاند نہیں ہوا، لیکن قریش کو پروپیگنڈے کا اچھا موقع مل گیا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو جو طعنہ دیا وہ یہ تھا:

"بے دین لوگو! تم نے شہر حرام کی توہین کی۔ اس مقدس مہینہ میں تم نے جنگ کی۔"

اب سیدنا عبد اللہ اور ان کے ساتھیوں کے نازک احساسات کے لیے بہت سخت آزمائش کا وقت تھا۔ ایک صحابی کے لیے اس سے زیادہ صدمہ اور ندامت کی کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کے عمل سے طبع مبارک غبار آلود ہو۔ سیدنا عبد اللہؓ اور ان کے ساتھیوں کا یہ جرأت مندانہ اقدام ان کے آقائے نامدار ﷺ کی پسندیدگی بھی نہیں حاصل کر سکا تھا۔ لہٰذا ان لوگوں کو کس قدر تشویش، ندامت اور روحانی کوفت ہوئی ہوگی، اس کا اندازہ لگانا نہایت مشکل ہے۔ چنانچہ جندب بن عبد اللہؓ جو اس واقعہ کے راوی ہیں، ان کے الفاظ پڑھنے کے قابل ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"اصحاب سریہ کو اس بات کا سخت احساس ہوا۔ وہ سمجھنے لگے کہ ہم برباد ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ مسلمانوں نے بھی ان کے اس فعل پر انہیں ملامت کی۔"

(تفسیر ابن جریر جلد ۲ ص ۱۹۵)

ان کی یہ شرمساری اور ندامت رنگ لائی اور تمام مسلمانوں کے لیے مشکل کشا بن گئی۔ چنانچہ اس معاملہ کے بارہ میں کچھ آیات نازل ہوئیں جن میں ہمیشہ کے لیے ماہ حرام کے احکام بیان فرما دیئے گئے۔ قریش اشہر حرام کی حرمت کا واسطہ دے کر پروپیگنڈہ کر رہے تھے۔ وحی الٰہی نے شہر حرام کی حرمت کو ایک حد تک تسلیم کرتے ہوئے یہ راہنمائی فرمائی کہ لکیر کا فقیر بنے رہنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ فتنہ ختم ہو۔ اگر فتنہ کو ختم کرنے کے لیے اشہر حرام کی حرمت کو بھی قربان کرنا پڑے تو یہ قربانی درست اور صحیح ہوگی۔ وحی الٰہی نے یہ بھی واضح کیا کہ پہل عبد اللہؓ نے نہیں کی بلکہ پہل ان کی طرف سے ہو چکی ہے جن کی یہ کوششیں کئی سالوں سے چلی آ رہی ہیں اور آئندہ بھی یہ کوششیں رہیں گی کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کر دیں۔ وحی الٰہی کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:

آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ جو حرمت کا مہینہ سمجھا جاتا ہے اس میں لڑائی کرنا کیسا ہے؟ آپ کہہ دیجئے، اس میں لڑائی کرنا بہت بری بات ہے۔ (مگر یہ بھی سمجھ لو) اللہ کے راستہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام کی راہ بند کر دینا (یعنی وہاں نہ جانے دینا) نیز حرم (مکہ)

Marfat.com

کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برائی ہے۔اور فتنہ (اہلِ مکہ جس کے علم بردار ہیں) قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔(واقعہ یہ ہے کہ یہ سوال محض پروپیگنڈہ ہے ورنہ اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کو تمہارا اسلام برداشت نہیں۔چنانچہ یہ لوگ تم سے برابر لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر بن پڑے تو تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کردیں۔اور (دیکھو) تم میں سے جو شخص اپنے دین سے برگشتہ ہو جائے گا اور اسی حالت برگشتگی میں دنیا سے چلا جائے گا تو (یاد رکھو) اس کا شمار ان لوگوں میں ہو گا جن کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کا گروہ دوزخی گروہ ہے۔ ہمیشہ عذاب میں رہنے والا۔(البقرہ : ۲۱۷)

اس آیت نے شہر حرام کی پوزیشن تو واضح فرمادی لیکن ان مجاہدین سرفروش کے بارے میں، جو دین حق کی حمایت اور رہادی برحق کی اطاعت اور اللہ کی رضا کی دولت حاصل کرنے کے شوق میں جان کی بازی لگا چکے تھے اور یہی لگن اور ولولہ تھا جس نے ان کو ایک سربند تحریر لیے ہوئے بلا سرو سامان اپنے گھروں سے نکالا اور قریباً تین سو میل کی مسافت پر پہنچایا۔وہاں انہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کیا، وحی الٰہی کا فیصلہ کیا ہے؟ کیا انہیں حق ہے کہ وہ رضاالٰہی کے متوقع اور رحمت خداوندی کے امیدوار رہیں۔بعد کی آیت نے اس کی وضاحت کردی اور انہیں رحمتِ خداوندی کی بشارت دے دی۔فرمایا!

ان الذین آمنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ اللہ، واللہ غفور رحیم۔(البقرہ : ۲۱۸)

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے وطن سے بے وطن ہونے کے مصائب برداشت کیے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو بلاشبہ یہی لوگ ہیں جو (بجا طور پر) اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمتوں سے نوازنے والا ہے۔"

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۰۱-۶۰۵، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۴۸، عیون الاثر جلد ۱ ص ۳۶۹، زرقانی جلد ۱ ص ۳۹۷، روض الانف جلد ۲ ص ۶۰، زاد المعاد جلد ۲ ص ۸۳-۸۵)

یہ تھے غزوۂ بدر سے پہلے کے سرایا اور غزوات۔ان سب غزوات و سرایا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں صرف ایک شخص ابن حضرمی مارا گیا۔اس کے علاوہ کوئی قتل و غارت گری نہیں ہوئی۔کسی کا مال نہیں لوٹا گیا، لیکن جب کرز بن جابر فہری مسلمانوں کے اونٹ اور ریوڑ ہانک کر لے گیا تو پھر پیغمبر اسلام

ﷺ نے ان کی اقتصادی ناکہ بندی شروع کی۔

قریش مکہ کے پیغامات جو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے نام آئے تھے، خطرہ تھا کہ وہ کہیں حقیقت کا روپ نہ دھار لیں اور وہ مسلمانوں کے لیے خطرے کا باعث نہ بن جائیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مختلف صحابہ کو مختلف علاقوں میں بھیج کر اپنی قوت کا ان سے اعتراف کروایا۔ اور آخر میں جب سیدنا عبداللہ بن جحشؓ اور ان کے ساتھیوں نے نخلہ میں قریش کے قافلہ پر حملہ کیا تو پھر قریش کو بھی مسلمانوں کی عسکری قوت کا اعتراف ہو گیا۔

ابو جہل اور سیدنا سعد بن معاذؓ کے درمیان مکہ میں جو تلخ کلامی ہوئی اور ابو جہل نے سیدنا سعدؓ کو جو دھمکی دی کہ:

"اگر تم امیر کی پناہ میں نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے تھے۔ تم لوگوں نے بے دینوں (مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔"

اس کا جواب سیدنا سعدؓ نے بھی اتنی ہی ترشی سے دیا کہ:

"اگر تم حرم کے دروازے ہم پر بند کرتے ہو تو ہم تمہاری شام کی تجارت بند کر دیں گے۔"

ابو جہل کی اس دھمکی نے مسلمانوں کو چوکنا کر دیا۔ اب نبی ﷺ نے قریش مکہ کو یہ بتانے کے لیے کہ اگر تم لوگ ہمارا مکہ میں داخلہ بند کر دو گے تو ہم بھی اس پوزیشن میں ہیں کہ تمہارے شام جانے والے قافلوں کا راستہ روک سکیں۔ چنانچہ قریش مکہ کو اپنی عسکری قوت کا احساس دلانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن جحشؓ کو قریش کے قافلہ کی خبر رکھنے کے لیے نخلہ بھیجا اور انہوں نے قافلہ پر حملہ کر کے ان کا سامان بھی ضبط کر لیا۔ دو آدمی قیدی بھی بنا لیے اور ایک آدمی کو جان سے بھی مار دیا۔ اس سے مکہ کی قیادت کو یہ احساس ہو گیا کہ مسلمان ہمارے تجارتی قافلوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے قابل ہیں اور اگر وہ چاہیں تو تین سو میل کا راستہ طے کر کے ان کے علاقہ کے اندر آ کر بھی ان کا مال ضبط کر سکتے ہیں، انہیں قید کر سکتے ہیں، ان کے آدمی مار بھی سکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح و سالم واپس بھی جا سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کی سمجھ میں آ گیا کہ اب مسلمانوں کے ہاتھوں ہماری شامی تجارت متاثر ہو سکتی ہے۔ بلکہ اب ہم مستقل ان کے خطرے کی زد میں ہیں لیکن مکہ کی قیادت بیدار مغز نہ تھی۔ ان کے ہوش ان کے جوش کے تابع تھے۔ انہوں نے اب بھی مسلمانوں کی قوت کا احساس نہ کیا۔ وہ اب بھی مسلمانوں کو اسی طرح بے دست و پا سمجھتے تھے جس طرح وہ مکہ میں بے دست و پا تھے۔ ان کو چاہیے تھا کہ اب وہ بنو ضمرہ اور جہینہ جیسے قبائل کی طرح مسلمانوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھاتے، لیکن انہوں نے غیظ و غضب اور عداوت و کینہ کے جوش میں مسلمانوں سے بر سرپیکار رہنا ہی پسند کیا۔ ان کی قیادت نے ہوش کے ناخن نہ لیے اور روز بروز ان کے جوش اور طیش میں اضافہ ہوا اور یہی طیش اور جوش انہیں میدان

بدر میں لے آیا۔

دوسری طرف رحمت الٰہی کب تک مسلمانوں کی بے بسی اور بے کسی کا تماشا دیکھتی۔ سیدنا عبداللہ بن جحشؓ کو اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے قتل و غارت گری کے لیے نہ بھیجا تھا، لیکن ان کے ہاتھوں عمرو بن حضرمی کے قتل اور حکیم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کی گرفتاری کی توثیق اللہ تعالیٰ نے فرما دی اور پہلے تو مسلمانوں کے لیے اذن قتال تھا لیکن اب حکم قتال بھی بارگاہ رب العزت سے مل گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین، واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم، والفتنہ اشد من القتل، ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ، فان قاتلوکم فاقتلوھم، کذالک جزاء الکافرین، فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم، وقاتلوھم حتی لاتکون فتنہ ویکون الدین للہ، فان انتھو فلا عدوان الا علی الظالمین۔ (البقرہ ۱۹۱ تا ۱۹۳)

"یعنی اور (بے تکلف) لڑو تم خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑیں اور (حدود شریعت سے) تجاوز نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ اور (اگر وہ خود حد سے تجاوز کریں اور عہد شکنی کریں اور تم سے لڑیں تو پھر) تم ان کو مارو جہاں کہیں بھی پاؤ۔ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے، یعنی مکہ سے (یعنی تم کو اتنا ستایا کہ تم نکلنے پر مجبور ہو گئے) ایسے لوگوں کو جہاں بھی پاؤ مارو (اور یہ خیال نہ کرو کہ ماہ حرام اور سرزمین حرم میں کیسے قتل و قتال کریں۔ اس لیے کہ کفر و شرک کا) فتنہ (اور اعداء اللہ کا غلبہ اور ان کی شوکت کا فتنہ سرزمین حرم میں) قتل و قتال اور اخراج کے فتنہ سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ اور (اس کا خاص طور پر خیال رکھو کہ) مسجد حرام کے قریب ان سے نہ لڑو تاوقتیکہ وہ اس جگہ خود تم سے نہ لڑیں۔ پھر اگر وہ لڑیں تو ان کو مارو کیونکہ منکرین کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آویں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ان (کافروں) سے لڑو اس وقت تک کہ فساد باقی نہ رہے اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے اور اگر وہ لوگ (کفر و شرک سے) باز آ جائیں۔ تو زیادتی نہیں مگر ظالموں پر۔"

جنگ کا یہ حکم حالات کا تقاضا تھا کیونکہ اب پورا کفر پورے اسلام کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اب حالات کا تقاضا تھا کہ دونوں فریقوں کے درمیان کوئی فیصلہ کن معرکہ ہو تاکہ حق پوری طرح سامنے کھل کر آ جائے۔

Marfat.com

غزوۂ بدر

یہ غزوہ اسلام کے غزوات میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا غزوہ ہے جس میں پورا کفر پورے اسلام کے سامنے آیا اور اسی غزوہ نے اسلام کی عزت و شہرت چار دانگ عالم میں پھیلادی اور شرک کی اتنی ذلت و رسوائی ہوئی کہ پھر وہ کھل کر مسلمانوں کے سامنے نہ آسکا۔ اگرچہ اس غزوہ کے بعد بھی کفر کئی مرتبہ اسلام کے سامنے آیا لیکن اتنی بے باکی کے ساتھ نہ آیا بلکہ مسلمانوں کا رعب کافروں کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہوتا۔ اسی لیے قرآن میں اس کو "یوم الفرقان" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا یعنی اس میں حق اور باطل میں فرق اور امتیاز ہو گیا۔ لوگ کفر کی حقیقت کو بھی سمجھ گئے اور اسلام کی حقیقت سے بھی آشنائی حاصل ہو گئی اور حق و باطل اور ہدایت و منزلت کا فرق دنیا پر واضح ہو گیا۔

کتاب اللہ کا مطمح نظر سب سے پہلے مومن کا قلب ہوتا ہے۔ مومن ہوس اقتدار میں جنگ نہیں کرتا بلکہ اس کے جنگ کرنے کا مقصد رضائے الٰہی اور اللہ کے دین کی سربلندی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر کے ذکر سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی قلبی کیفیت پر روشنی ڈالی کہ "یہ کوئی جنگجو انقلابی یا پیشہ ور فوجی نہیں تھے۔ نہ ان کو اقتدار کی ہوس تھی اور نہ نمائش کا شوق تھا کہ فوجی مظاہرہ سے ان کو خوشی ہوتی اور وہ کشت و خون کو پسند کرتے۔ یہ نہایت امن پسند اور صلح جو صاحب ایمان تھے اور وہ ان خصوصیات سے مکمل طور پر مزین تھے جو پہلی آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ وہ خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ جب اللہ کا ذکر ان کے سامنے کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔

۲۔ جب اللہ تعالیٰ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کی ایمانی قوت میں وہ اضافہ کر دیتی ہیں۔

۳۔ وہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ اور توکل کرتے ہیں۔

۴۔ نماز قائم کرتے ہیں۔

Marfat.com

۵۔ اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے (حسب ہدایت خداوندی) خرچ کرتے رہتے ہیں۔

اسی امن پسندی اور صلح جوئی کا یہ اثر تھا کہ ایک گروہ کے لیے یہ سفر ایسا ناگوار تھا جیسے کسی کو زبردستی موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہو اور وہ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔

ایک طرف مسلمانوں کا یہ خلوص، للہیت اور سادگی تھی اور دوسری طرف قریش کی حالت ان کے بالکل برعکس تھی جس کو قرآن حکیم نے بڑے عجیب انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ تم ان کی طرح نہ ہو جانا۔ قریش کی حالت یہ تھی کہ یہ اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے اور لوگوں کی نگاہوں میں نمائش کرتے ہوئے اس حال میں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک رہے تھے اور شیطان ان کے عمل کو ان کی نگاہوں میں خوشنما کر کے دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ آج ان لوگوں میں کوئی نہیں جو تم پر غالب آسکے اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں۔ (وانی جار لکم) (الانفال)

اسباب و وجوہات

اس جنگ کے محرکات اور اسباب کئی تھے لیکن سب سے بڑا سبب ہمارے خیال میں ابو جہل کی وہ دھمکی تھی جو اس نے سیدنا سعد بن معاذؓ کو اس وقت دی جب وہ طواف کعبہ کے لیے امیہ بن خلف کے ساتھ جا رہے تھے اور اس نے کہا تھا کہ "اگر تم امیہ کی پناہ میں نہ ہوتے تو یہاں سے زندہ نہ جا سکتے تھے کیونکہ تم لوگوں نے بے دینوں (مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے۔" اس دھمکی نے انصار مدینہ اور دوسرے مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ جب تک قریش کے کسی سردار کی پناہ میں نہ ہوں اس وقت تک حرم کعبہ میں داخل نہیں ہو سکتے ورنہ وہ زندہ واپس نہیں جا سکیں گے۔

قریباً انہی ایام میں کہ جب عبداللہ بن جحشؓ کے دستہ کا واقعہ پیش آیا اور ایک مہاجر صحابی سیدنا واقد بن عبداللہ سہمیؓ کے تیر سے عمرو بن حضرمی مارا گیا، تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تھا، اس سے حتمی طور پر مسلمانوں کا قبلہ کعبہ کو قرار دیا گیا تھا۔ اس تحویل کعبہ کے حکم نے مسلمانوں کا رشتہ خانہ کعبہ کے ساتھ اور بھی مضبوط اور پختہ کر دیا تھا۔

اس متمدن اور مہذب دنیا کے اندر بھی کسی مطالبہ کو تسلیم کرانے کا پر امن طریقہ اقتصادی ناکہ بندی ہے۔ مدینہ طیبہ کی بیدار مغز قیادت نے یہ طریقہ استعمال کیا۔ چنانچہ مختلف سرایا اور غزوات میں قریش کے تجارتی قافلوں کے تعاقب میں جو دستے روانہ ہوئے ان کا منشا اور مقصد صرف یہ تھا کہ قریش کو مجبور کر دیا جائے کہ مسلمانوں کا مکہ میں داخلہ بے خطر ہو سکے، لیکن قریش مکہ کو مسلمانوں کی یہ بیدار مغزی اور جسارت کب برداشت ہو سکتی تھی۔

Marfat.com

مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ گئے تو قریش نے اہلِ مدینہ کو یہ حکم دیا تھا کہ محمد (ﷺ) سے جنگ کرو یا پھر انہیں اپنے ہاں سے نکال دو وگرنہ تمہارے نوجوانوں کو قتل اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنالیا جائے گا۔ اہلِ مدینہ نے قریش کا یہ حکم بالکل تسلیم نہ کیا اب قریش کے لیے یہ وقار کا سوال پیدا ہو گیا تھا کیونکہ اب اگر وہ مدینہ پہنچ کر ان کے جوانوں کو قتل اور عورتوں کو لونڈیاں نہ بنائیں تو ان کے وقار کی پوری عمارت دھڑام سے زمین پر آ گرتی تھی اور سرزمین عرب میں ان کی تسلیم شدہ عظمت و قیادت خطرہ میں پڑ جاتی تھی، لیکن اب مسلمانوں کی پوزیشن وہ نہیں تھی جو زعیم قریش ابو جہل سمجھتا تھا کیونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی جو سیاسی تدابیر اختیار کی تھیں اور بقائے باہمی کے اصول پر معاہدات کا جال پھیلا کر ظاہر بینوں کے لیے مادی اسباب میں بھی ایک طاقت بنالی تھی اس نے قریش کو باور کرا دیا کہ مسلمان اتنا تر لقمہ نہیں ہیں کہ ان کو آسانی کے ساتھ نگلا جاسکے، بلکہ اب انہیں مکمل تیاری کر کے مدینہ کا رخ کرنا چاہیے۔

جنگ کی تیاری کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی اور اتنا سرمایہ ان کے پاس اگرچہ تھا لیکن کفر کے بخل کی وجہ سے وہ اتنا سرمایہ لگانا نہیں چاہتے تھے۔ چندہ اکٹھا کرنا انہوں نے مناسب نہ سمجھا۔ لہٰذا منصوبہ یہ بنایا گیا کہ چندہ کے بجائے تجارت کے ذریعہ سرمایہ فراہم کیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ شام بھیجا جائے۔ اس تجارتی قافلہ میں مکہ کا ہر شخص خواہ وہ عورت ہو یا مرد، سرمایہ لگائے اور اس سے جو منافع حاصل ہو اس کو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں صرف کیا جائے۔ چنانچہ تجارت کے نام پر قریش کے ایک ایک فرد نے اس قافلہ میں اپنا مال لگایا۔ عورتیں جو تجارت میں بہت کم حصہ لیتی ہیں، انہوں نے بھی اس میں اپنی رقم لگائی۔ صرف ایک شخص ایسا تھا جو اس سے الگ رہا۔ اس کا نام حویطب بن عبدالعزیٰ تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۵۶) دوسرا جذبہ یہ تھا کہ جس کسی کے پاس تھوڑی سے تھوڑی رقم بھی تھی اس نے بھی وہ اس تجارتی قافلہ میں لگادی۔ چنانچہ ابو سفیان جو اس قافلہ کے سردار تھے، انہوں نے خود بیان کیا ہے کہ:

ما من قرشی ولا قرشیہ لہ نش وصاعدا الا بعث بہ معنا۔

قریش کے کسی مرد یا عورت کے پاس ایک نش یا نش کے قریب بھی تھا تو اس نے ہمیں دے دیا تھا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷)

نش نصف اوقیہ یا بیس درہم کا ہوتا ہے جس کا وزن قریباً پونے چار تولے چاندی ہوتا تھا۔ اس طرح مجموعی رقم جو اکٹھی ہوئی تاریخ کے رپورٹر اس کی مالیت پچاس ہزار دینار بیان کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اٹھارہ ہزار سات سو پچاس تولہ سونا اس قافلے کا سرمایہ تھا جو آج کل کے حساب سے ساڑھے نو کروڑ کا بنتا ہے۔

Marfat.com

قریباً ہر ایک قبیلہ کا نمائندہ اس میں شریک ہوا۔ اس طرح صرف سربراہوں کی تعداد چالیس (معالم التنزیل بغوی) اور ایک روایت کے مطابق ستر تھی۔ (در منثور جلد ۳ ص ۱۶۴)

ابو سفیان کو رئیس قافلہ مقرر کیا گیا کیونکہ اسے تجارتی قافلوں کا زیادہ تجربہ تھا۔ اتنے سرمایہ کا سازو سامان لے کر یہ قافلہ مکہ سے شام کی طرف روانہ ہوا۔

دوسری طرف یہ منصوبہ بنایا گیا کہ جب تک باقاعدہ جنگ کی تیاری ہو، اس وقت تک مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی جائے اور مدینہ میں ان کو امن و اطمینان کا موقع نہ دیا جائے۔ کرز بن جابر فہری نے مدینہ طیبہ کی چراگاہ پر جو شبخون مارا تھا یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔

اتنا بڑا قافلہ جس میں پچاس ہزار دینار کا سازو سامان بار کیا ہو اور ایک ہزار اونٹ اور قریش کے چالیس سے ستر اکابر کے ہاتھ میں اس کی زمام کار ہو تو اس کا مکہ سے نکل کر شام جانا کوئی سربستہ راز نہیں ہو سکتا۔ اس کی خبریں مدینہ طیبہ پہنچ رہی تھیں اور قدرتی بات ہے کہ یہ خبریں اہلِ مدینہ کے دلوں میں خوف و ہراس کی لہریں پھیلا رہی تھیں۔ لہٰذا نبوی بصیرت نے قریش کے اس منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے غزوہ عشیرہ میں ڈیڑھ سو یا دو سو مہاجرین کی معیت میں خود اس کا تعاقب کیا، لیکن آپ ؑ کے عشیرہ پہنچنے سے پہلے وہ قافلہ وہاں سے جا چکا تھا۔ اس طرح وہ آپ ؑ کی گرفت سے بچ نکلا تھا۔ رمضان المبارک میں یہی قافلہ بے شمار مال سے لدا پھندا واپس مکہ آ رہا تھا۔ آپ ؑ کو اس کی واپسی کی اطلاع ملی تو آپ ؑ نے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ ؓ اور سیدنا سعید بن زید ؓ کو اس کے حالات کا پتہ لگانے کے لیے شمال کی جانب روانہ کیا۔ یہ دونوں صحابی مقام حوراء تک گئے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کا یہ اقدام ہر لحاظ سے مناسب تھا۔ یہ اقدام لوٹ مار میں شمار نہیں ہوتا بلکہ یہ اقتصادی ناکہ بندی ہے۔ کیونکہ اپنے آپ کو دشمن کے شر سے بچانا نہایت ضروری ہے۔ قریش کے عزائم اچھے نہیں تھے۔ انہوں نے تمام اہلِ مدینہ کو الٹی میٹم دے دیا تھا کہ اگر تم لوگوں نے محمد (ﷺ) کو مدینہ سے نہ نکالا تو تمہارے نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ قریش اگر مدینہ پر حملہ کرتے تو صرف مسلمان ہی ان کے ظلم و ستم کا نشانہ نہ بنتے بلکہ مدینہ کے تمام باشندے اور باسی بھی ان کے حملہ کا نشانہ ہوتے۔ ایک باحوصلہ، بہادر اور بیدار مغز قائد کے لیے یہ نہایت ضروری ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنے آدمیوں کا بلکہ اپنے حلیف اور معاہد شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کا انتظام کرے۔ جنگی تدابیر، لڑائی کے پینترے اور اسٹرٹیجی (Strategy) اور مقابلہ کی چالیں وہ قابلِ قدر خوبیاں ہیں جو ایک بہادر جرنیل کے کمالات میں شمار ہوتی ہیں۔ سیدنا سعد بن معاذ انصاری ؓ رئیس اوس مکہ مکرمہ میں ابو جہل کو جو چیلنج دے کر آئے تھے کہ "ہم تمہاری تجارت کا راستہ بند کر دیں گے۔" اس کو کامیاب کرنے کا سب سے اہم اور سب سے زیادہ نازک وقت یہی تھا۔ چنانچہ آپ ؑ نے بروقت، برمحل اور بجا طور پر یہ قصد فرمایا کہ

Marfat.com

اس قافلہ کا راستہ روکا جائے۔

تجارتی قافلہ کی واپسی شام سے کب ہوگی اور وہ کس راستہ سے واپس جائے گا؟ اس کا علم کسی کو نہیں تھا۔ جانے کا راستہ تو معلوم تھا لیکن اس بات کا قوی امکان تھا کہ واپسی کا راستہ تبدیل ہو جائے اور مدینہ طیبہ سے قریب سے گزرنے کے بجائے اس شاہراہ سے گزرے جو ساحل سمندر کو چھوتی ہوئی ینبع کے قریب سے بدر کی جانب مڑتی ہے۔ بدر ایک جنکشن تھا جہاں مدینہ کو بھی راستہ جاتا تھا اور مکہ مکرمہ کو بھی۔ لہٰذا سرکارِ دو عالم ﷺ نے دونوں طرف آدمی روانہ فرمادیئے۔ بسبس بن عمرو جہنی کو بدر کی جانب اس راستہ پر بھیجا اور عدی بن ابی الرغباء کو اس راستہ پر بھیجا جو مکہ کو جاتا تھا اور سیدنا طلحہ بن عبید اللہ اور سیدنا سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ کو شام کی جانب روانہ کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۶۲)

یہ دونوں حضرات شمال کی طرف روانہ ہوئے، لیکن انہیں قافلہ کے بارہ میں کچھ پتہ نہ چلا۔ وہ پھر اس راستہ کی طرف مڑ گئے جو ساحل سمندر کو چھوتا ہوا گزرتا ہے۔ (تفسیر مظہری جلد ۴ ص ۱۱) ابن سعد نے طبقات میں روایت نقل کی ہے کہ جب یہ دونوں حضرات تجبار پہنچے جو حوراء کے علاقہ میں ہے تو قافلہ کی آمد آمد تھی۔ کشد جہنی اس علاقہ کا رئیس تھا۔ قبیلہ جہینہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا حلیف تھا۔ یہ دونوں حضرات کشد جہنی کے ہاں مقیم ہوگئے۔ یہ دونوں حضرات ابن سعد کی روایت کے مطابق دس روز تک حوراء (عمرو بن شیبہ کی روایت میں حوراء کے بجائے خرار ہے۔ یہ دونوں مقام قریب قریب تھے) حوراء ینبع سے قریباً پچاس میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور ینبع مدینہ سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر تھا۔

دس روز گزر گئے لیکن یہ حضرات مدینہ واپس نہ پہنچے۔ البتہ بسبس بن عمرو جہنی جن کو مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے راستہ پر بھیجا گیا تھا، وہ واپس تشریف لے آئے۔ سیدنا انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ سیدنا بسبسؓ جب واپس پہنچے تو انہوں نے تنہائی میں سرکارِ دو عالم ﷺ سے ملاقات کی اور اس وقت آپؐ کے اور میرے سوا گھر میں کوئی نہ تھا۔ (ما فی البیت احد غیری وغیر النبی ﷺ)

(البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۷۷)

تنہائی کی اس بات چیت میں کیا باتیں ہوئیں، تاریخ کے اوراق اس کے بارہ میں خاموش ہیں۔ البتہ اس کے فوراً بعد ہی سرکارِ دو عالم ﷺ نے روانگی کا اعلان فرمادیا اور اعلان کچھ اس طرح سے فرمایا کہ "جن کی سواریاں یہاں موجود ہیں وہ ہمارے ساتھ چلیں۔" گویا جانے میں نہایت جلدی کا اظہار فرمایا۔

انصار مدینہ کے پاس سواری کے اونٹ تو تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ ان کو لے کر اتنی جلدی مدینہ طیبہ سے نکلے کہ وہ اپنی چراگاہوں سے جو کہ مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں آٹھ میل تک پھیلی ہوئی تھیں، اپنے اونٹ نہ لا سکے۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض بھی کیا کہ وہ اپنے اونٹ اپنی چراگاہوں سے لے آئیں لیکن انہیں اجازت نہ ملی۔ (ملاحظہ ہو بخاری جلد ۱ ص ۸۷، عمدۃ القاری للعینی، مسند احمد وغیرہم)

Marfat.com

مدینہ سے اس طرح دفعتاً روانگی کچھ صحابہ کرامؓ کو ناگوار بھی گزری کیونکہ وہ فراست نبوی کو نہ سمجھ سکے تھے اور دوسرے قریش کے قافلہ کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کا جو نقشہ ان کے ذہنوں میں تھا یا ان سے جو بیان کیا گیا تھا وہ اس سے بھی خائف تھے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المومنین لکارھون۔

"جیسے تیرے رب نے تجھے باہر نکالا تیرے گھر سے صحیح وجہ سے حالانکہ اہلِ ایمان کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا۔"

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ سیدنا انسؓ نے تخلیہ کی وہ بات بیان نہیں فرمائی، ہو سکتا ہے انہوں نے یہ بات سنی ہی نہ ہو، لیکن آپؐ کے بعد کے اقدامات نے اس تنہائی کی گفتگو کی نشاندہی فرمادی۔ چنانچہ آپؐ نے شام کی طرف کوچ نہ فرمایا بلکہ اس جانب کوچ فرمایا جہاں سے اب قافلے کے گزرنے کا امکان تھا۔ یہ بدر کے قریب کا راستہ تھا جو ساحل سمندر کو چھوتا ہوا اس راستہ سے جا ملتا تھا جس کو ابو سفیان نے اب اختیار کیا تھا۔ جہاں سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ اور سعید بن زیدؓ پہنچے ہوئے تھے اور ابھی تک واپس نہ آئے تھے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ صحابہ کرامؓ کو لے کر باہر تو نکلے لیکن صحابہ کو معلوم نہیں تھا کہ کہاں جانا ہے۔ منزل متعین نہیں تھی۔ نتیجہ سفر کا اندازہ نہیں تھا لیکن مدینہ سے اتنی جلدی نکلنے کی وجہ سے یہ معلوم تھا کہ سفر نہایت اہم ہے۔ تبھی تو اتنی جلدی رخت سفر باندھا ہے اور ہمیں اپنی سواریاں لینے کے لیے بھی وقت نہیں دیا گیا۔

آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ مدینہ سے باہر جب کبھی سفر پر جاتے تو مدینہ سے باہر نکل کر کسی جگہ قیام فرماتے وہاں ضروری انتظامات کا جائزہ لیتے۔ رفقاء سفر کو شمار کرتے اور ان کی ضروریات کا بھی جائزہ لیتے۔ اس دفعہ جو آپؐ رفقائے سفر کو لے کر نکلے تو مدینہ طیبہ سے ایک میل باہر "بئر ابی عتبہ" پر قیام فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ اونٹوں کو پانی پلایا جائے۔ پکھالوں میں پانی بھر لیا جائے اور ایک صحابی سیدنا قیس بن صعصعہؓ کو حکم فرمایا کہ وہ کنوئیں پر کھڑے ہو جائیں اور رفقائے سفر اور ان کی سواریوں کو شمار کریں۔

انہوں نے رفقائے سفر کو جو شمار کیا تو ان کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ جن میں ۷۴ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ ان تین سو تیرہ کے پاس کل ستر اونٹ تھے اور کل دو گھوڑے تھے۔ ایک سیدنا مقدادؓ کے پاس اور دوسرا سیدنا زبیر بن العوامؓ کے پاس۔ ابن سعد نے ایک اور گھوڑے کا بھی ذکر کیا ہے جو سیدنا مرثد بن ابی مرثد غنویؓ کے پاس تھا۔ تمام اصحاب کا یہ خیال ہے کہ بہت سے آدمی پیچھے رہ گئے تھے، اس لیے کہ انہیں یہ خیال نہیں تھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو جنگ پیش آئے گی اور خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی انہیں

Marfat.com

جانے کے لیے کوئی زور نہ دیا تھا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ جس کے پاس سواری موجود ہو وہ ہمارے ساتھ چلے۔ مورخین اور ارباب سیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سفر میں کئی مواقع پر حضرات انصار نے افسوس کا اظہار کیا اور بعد میں بھی افسوس کا اظہار کرتے رہے کہ اگر اس وقت جنگ کا خیال ہوتا تو انصار کی بہت بڑی تعداد آپ ؐ کی ہم رکابی کے شرف سے محروم نہ رہ جاتی۔

۱۲ رمضان المبارک سنہ ۲ھ میں شنبہ (اتوار) کے روز آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور جمعہ کے روز غزوہ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ یعنی چار پانچ روز میں آپ ؐ نے قریباً ۸۰ میل کی مسافت طے کی جو عموماً اس سے زیادہ دنوں میں طے کی جاتی تھی۔ یہ تیز رفتاری صرف اس لیے اختیار کی گئی تا کہ اس تجارتی قافلہ کا مال ضبط کیا جا سکے جو بعد میں مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ میں کام آنا تھا۔ آپ ؐ کا اس طرح بے سرو سامانی کی حالت میں نکلنا اس بات کی صاف غمازی کرتا ہے کہ آپ ؐ جنگ کے لیے نہیں نکلے تھے بلکہ قافلہ کے تعاقب اور جستجو میں اتنی تیز رفتاری سے آئے تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ کچھ نوخیز بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو لیے تھے۔ چنانچہ مدینہ کے باہر "بئر ابی عتبہ" پر جب آپ ؐ نے رفقاء سفر کا جائزہ لیا تو ان نوخیز اور نو عمر بچوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ مدینہ طیبہ واپس چلے جائیں۔ ان نوخیز مجاہدین کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ
۲۔ سیدنا اسامہ بن زیدؓ
۳۔ سیدنا رافع بن خدیجؓ
۴۔ سیدنا براء بن عازبؓ
۵۔ سیدنا اسید بن حضیرؓ
۶۔ سیدنا زید بن ارقمؓ
۷۔ سیدنا عمیر بن ابی وقاصؓ وغیرہم

جب ان سب کو واپس جانے کا حکم ہوا تو سیدنا عمیر بن ابی وقاصؓ نے یہ حکم سنتے ہی رونا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو روتے دیکھ کر مجاہدین میں شامل فرما لیا۔ چنانچہ جنگ بدر میں انہوں نے صرف سولہ سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمایا اور اسلامی شہداء میں ایک امتیاز حاصل کیا۔

آپ ؐ کا یہ دستور تھا کہ جب بھی کوئی دستہ بھیجا جاتا خواہ آپ ؐ خود اس میں موجود ہوتے یا نہ ہوتے، آپ ؐ اس کو پرچم ضرور دے کر بھیجتے۔ اس موقع پر بھی آپ ؐ نے اس سنت کو قائم رکھا۔ دو سیاہ جھنڈے آپ ؐ کے سامنے رہتے تھے۔ ایک علم بردار سیدنا علی بن ابی طالبؓ ہوتے تھے۔ آپ کے پاس جو جھنڈا تھا اس کا نام "عقاب" تھا۔ دوسرے علم بردار انصاری ہوتے تھے۔ ایک علم سیدنا مصعب بن عمیرؓ کو عطا ہوا تھا اس کا رنگ سفید تھا۔ اور ایک جھنڈا مستقل طور پر حضرات انصار کے لیے تجویز تھا۔ سیدنا سعد بن معاذ انصاریؓ اس کے علم بردار تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۱۶۰)

میدان بدر کی طرف سفر

اونٹ صرف ستر تھے اور گھوڑے دو یا تین اور دستہ کے آدمی تین سو تیرہ (بعض روایات میں ۳۱۴ اور ۳۱۵ بھی آیا ہے) اس لیے سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجاہدین کے گروپ بنا دیئے اور ہر گروپ کو ایک ایک اونٹ دے دیا گیا۔ سیدنا علیؓ رسول اللہ ﷺ کے گروپ میں تھے۔ اس گروپ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ سوار ہو جائیں اور ہم خدام آپ کے ساتھ چلیں گے۔ لیکن عدل مجسم نے ان کی اس درخواست کو قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"نہ آپ لوگوں میں مجھ سے زیادہ چلنے کی طاقت ہے اور نہ میں تم سے زیادہ ثواب سے بے نیاز ہوں۔"

گویا بتایا کہ جتنی تمہیں ثواب و اجر کی ضرورت ہے اتنی مجھے بھی ہے۔ لہٰذا میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ اپنی باری پر سوار ہوں گا۔ اپنی کوئی امتیازی شان میں تمہارے ساتھ برتنا نہیں چاہتا۔

سفر کرتے ہوئے اپنے رفقاء پر نظر پڑی اور ان کی خستہ حالی کو دیکھا تو دعا فرمائی:

اللھم انھم حفاہ فاحملھم، وعراہ فاکسھم، وجیاع فاشبعھم۔

(ابن سعد)

"اے اللہ! یہ برہنہ پا ہیں ان کو سواری عطا فرما، یہ ننگے بدن ہیں ان کو لباس عطا فرما، یہ تہی شکم ہیں ان کو سیر فرما۔"

مدینہ کا انتظام اور امامت سیدنا عبداللہ بن ام مکتومؓ کے سپرد کی، لیکن مقام روحاء سے سیدنا ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ کو مدینہ طیبہ کا منتظم اور حاکم بنا کر واپس بھیج دیا اور عاصم بن عدی کو مدینہ کی بالائی آبادی عالیہ پر نگران مقرر فرمایا۔

آپ کی صاحبزادی سیدہ رقیہؓ جو سیدنا عثمانؓ کے نکاح میں تھیں، ان دنوں سخت بیمار تھیں۔ اس لیے سیدنا عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں رہنے کے لیے فرمایا۔ سیدنا اسامہ بن زیدؓ کو ان کی مدد کے لیے مامور فرمایا۔ سیدنا بسبس بن عمروؓ، سیدنا عدی بن ابی الرغباء، جن کو پہلے قافلہ کا پتہ چلانے کے لیے شام کی شاہراہ پر بھیجا گیا تھا، یہاں سے دوبارہ ان کو قریش کے قافلہ کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا گیا۔

یہ دونوں حضرات بدر پہنچ کر ایک ٹیلہ کے قریب ٹھہر گئے۔ پھر بدر کے چشمہ پر جہنی گئے۔ مجدی بن عمرو جہنی یہاں کا رئیس تھا، وہ بھی چشمہ پر موجود تھا۔ وہاں دو لونڈیاں بھی پانی بھرنے آئی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے دوسری سے قرض کی رقم لینی تھی۔ چنانچہ وہ دوسری عورت کو پکڑے ہوئے اپنے قرض کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مقروض لونڈی نے اس کو یہ کہہ کر یقین دلا دیا کہ کل پرسوں قریش کا ایک

Marfat.com

تجارتی قافلہ آنے والا ہے، میں اس میں محنت مزدوری کر کے کچھ رقم جمع کرلوں گی اور تمہارا قرضہ ادا کر دوں گی۔ مجدی بن عمرو نے اس شرط پر ان کا جھگڑا طے کرا دیا۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۱۷)

رسول اللہ ﷺ کے ان دونوں صحابہ نے ان عورتوں کی باتوں کو سن لیا اور وہ تمام معلومات ان سے اخذ کرلیں جو انہیں درکار تھیں۔ ان دونوں بزرگوں نے بھی اپنے اونٹوں کو پانی پلایا اور سیدھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور پوری رپورٹ پیش خدمت کی۔ ان کی رپورٹ سے یہ معلوم ہو گیا کہ ابوسفیان کا قافلہ ابھی بدر سے نہیں گزرا۔

ادھر یہ معاملہ ہو رہا تھا ادھر یہ خبریں آنا شروع ہو گئیں کہ قریش مکہ سے ایک لشکر جرار لے کر آ رہے ہیں۔ اس خبر نے ایک نازک صورت حال پیدا کر دی کیونکہ آپ ﷺ کے تمام ساتھی تو قریباً بالکل غیر مسلح تھے۔ وہ تو صرف قریش کے قافلہ کو مرعوب کرنے کے لیے آئے تھے۔ نہ ان کے پاس گھوڑے تھے اور نہ تلواریں اور نہ نیزے جو میدان جنگ میں کام آتے ہیں۔ اس لیے سرکارِ دوعالم ﷺ کو سخت تشویش لاحق ہوئی، لیکن اس سے قبل کہ آپ ؐ اپنی کسی رائے کا ان کے سامنے اظہار فرمائیں آپ ؐ نے مناسب سمجھا کہ رفقاء سفر سے اس بارہ میں کوئی عندیہ معلوم کیا جائے۔

زرقانی کی روایت ہے کہ جب آپ ؐ روحاء سے چل کر صفراء پہنچے تو بسبس ؓ اور عدی ؓ نے آ کر آپ کو قریش کے لشکر کی مکہ سے روانگی کی اطلاع دی۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۴۱۱) اس وقت آپ ؐ نے انصار اور مہاجرین کو مشورہ کے لیے جمع فرمایا۔

حافظ ابن کثیر نے بھی اس بارہ میں سیدنا ابوایوب انصاری ؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ہماری اس جماعت نے سفر شروع کیا تو ایک یا دو روز بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا:

"ہماری روانگی کا علم اہلِ مکہ کو ہو گیا ہے اگر وہ جنگ کے لیے آ جائیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

صحابہ کرام ؓ اس وقت جنگ کے لیے تیار نہیں تھے، اس لیے کچھ حضرات نے یہی عذر پیش کیا کہ ہمارے سامنے تو صرف قافلہ کا معاملہ تھا ہم جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے۔ (مالنا طاقة لقتال العدو ولکنا اردنا العیر) لیکن یہ صرف چند حضرات کی بات تھی۔ اکثریت کے دلوں میں ایک اور جذبہ بھی موجزن تھا اور ان کے قلوب میں ایک اور ولولہ بھی انگڑائیاں لے رہا تھا جس کا اظہار سیدنا مقداد بن الاسود ؓ کی زبان حق ترجمان سے ہوا جو اس وقت وہاں پہنچ گئے تھے۔

سیدنا صدیق اکبر ؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم آپ ؐ کے ہر حکم کی اطاعت کے لیے دل و جان سے حاضر ہیں۔ اس کے بعد سیدنا فاروق اعظم ؓ نے اٹھ کر اظہار جاں نثاری کیا۔ بخاری کی روایت ہے کہ سیدنا مقداد بن الاسود ؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس بات کا حکم فرمایا ہے، آپ اُس کو پورا کیجئے

Marfat.com

ہم دل و جان سے آپ ؐ کے ساتھ ہیں۔ ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں، بلکہ ان کے برعکس یہ کہیں گے کہ آپ ؐ اور آپ ؐ کا پروردگار جہاد و قتال کرو ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد و قتال کریں گے۔ ہم تو آپ ؐ کی داہنی جانب بھی لڑیں گے اور بائیں جانب بھی اور آپ ؐ کے آگے بھی اور پیچھے بھی۔"

(زرقانی جلد ۱ ص ۴۱۲، بخاری جلد ۱ ص ۵۶۴، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۲۳، عیون الاثر جلد ۱ ص ۳۸۵، ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۰۳، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۶۲)

اس روایت کے راوی سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ ایک طرف تو یہ فرماتے ہیں کہ سیدنا مقدادؓ کے ان الفاظ سے سرکارِ دو عالم ﷺ کا چہرہ انور خوشی اور مسرت سے چمک اٹھا، دوسری جانب اپنے جذبہ کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"میں نے سیدنا مقدادؓ کی ایک ایسی ہمت مردانہ کا مشاہدہ کیا کہ اگر مجھے یہ نصیب ہوتی تو یہ ایسی خوش نصیبی ہوتی جو مجھے ہر ایک دولت سے زیادہ محبوب ہوتی۔"

(بخاری جلد ۱ ص ۵۶۴)

یہ صرف سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ ہی کی دلی خواہش اور تمنا نہیں ہوئی بلکہ انصار کی جماعت کے ایک ترجمان سیدنا ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں:

"ہماری انصار کی جماعت کی یہ تمنا ہوئی کہ سیدنا مقداد بن الاسودؓ نے اپنے جذبات کا جن الفاظ میں اظہار فرمایا ہے، کاش وہ ہمارا بیان ہوتا تو اس سے بہت محبوب تھا کہ ہمیں کوئی بہت بڑی دولت مل جاتی۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۶۲)

ابن ہشام میں محمد ابن اسحاق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا مقدادؓ نے یہ تقریر مقام صفراء میں فرمائی لیکن بخاری اور نسائی کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا مقداد نے بدر کے دن یہ تقریر کی تھی۔ (فتح الباری جلد ۷، ص ۲۲۳) ان دونوں روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ممکن ہے کہ انہوں نے دونوں مقامات پر یہ تقریر کی ہو۔

مسند احمد میں سب صحابہ کرامؓ سے یہی جواب منقول ہے جو سیدنا مقدادؓ نے دیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی طرف سے یہ جواب ملنے کے باوجود آپ ؐ نے تیسری بار پھر یہی ارشاد فرمایا:

اشیروا علی ایھا الناس۔

اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔

انصار کے رئیس سیدنا سعد بن معاذؓ سمجھ گئے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا اس سوال کے دہرانے کا کیا

Marfat.com

مقصد ہے، لہٰذا انہوں نے فوراً عرض کیا یا رسول اللہ! شاید آپ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ بار بار آپ انصار کی طرف دیکھتے۔ چنانچہ سیدنا سعد بن معاذ اٹھے اور انصار کی طرف سے بارگاہِ رسالت میں یوں عرض کی:

"یا رسول اللہ! ہم آپ کی ذات اقدس پر ایمان لائے اور آپ کے تمام دعاوی کی تصدیق کی اور اس بات کی گواہی دی کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہی حق ہے اور اطاعت اور جاں نثاری کے بارہ میں ہم آپ کو پختہ عہد دے چکے ہیں۔"

"یا رسول اللہ! آپ مدینہ سے کسی اور ارادہ سے نکلے تھے، لیکن یہاں آکر اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا فرما دی۔ اب آپ کی جو مرضی ہے وہ کیجئے اور جس سے چاہیں تعلقات استوار کریں اور جس سے چاہیں تعلقات منقطع فرمائیں۔ جس سے چاہیں صلح کا ہاتھ بڑھائیں اور جس سے چاہیں دوستی کا ہاتھ کھینچ لیں، ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے اموال میں سے جس قدر چاہیں لیں اور جس قدر چاہیں ہمیں عطا فرمائیں (گویا ہمارے اموال اصل میں آپ کی ملکیت ہیں) اور مال کا جو حصہ آپ لیں گے وہ اس حصہ سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوگا جو آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے اور آپ ہم کو جو حکم دیں گے ہم بسروچشم اس کی تعمیل کریں گے۔ اگر آپ ہم کو برک الغماد جانے کا حکم دیں گے تو ہم ضرور آپ کے ساتھ جائیں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تو ہم اسی وقت بے خوف و خطر کود جائیں گے اور ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کو ناپسند نہیں سمجھتے۔ اگر جنگ ہوئی تو ہم بڑے صبر اور حوصلہ سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ہم کس طرح جم کر لڑتے ہیں اور دعویٰ شجاعت کی تصدیق کس طرح اپنے عمل سے پیش کرتے ہیں۔ ہمیں پوری امید ہے کہ ہمارے کارنامے آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوں گے۔ آپ خدا کا نام لیجئے اور آگے قدم بڑھائیے۔"

(زرقانی جلد ۱ ص ۴۱۳، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۶۴، عیون الاثر جلد ۱ ص ۳۸۶، السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۱ ص ۲۴۸)

مسلم کی روایت میں سیدنا سعد بن معاذ کی بجائے سیدنا سعد بن عبادہ کا نام ہے۔ راوی کو سعد کے نام سے وہم ہو گیا۔ سیدنا سعد بن عبادہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ حافظ ابن کثیر اور دیگر اصحاب سیر نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔

(ملاحظہ ہو زرقانی ج ۱ ص ۴۱۴، سیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۱۶۷، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۱۹)

Marfat.com

مہاجرین وانصار کے نمائندوں کے بیانات سے جبین نبوت نور مسرت سے چمک اٹھی اور ارشاد فرمایا:

"مجھے بشارت دی گئی ہے کہ دو جماعتوں میں سے ایک پر کامیابی یقینی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جماعت یہی ہے۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ قریش کے بڑے بڑے سردار جو چڑھ کر آ رہے ہیں، یہیں ڈھیر ہوں گے اور مجھے ان کے پچھاڑے جانے کی جگہیں دکھلا دی گئی ہیں کہ فلاں شخص فلاں جگہ اور فلاں شخص فلاں جگہ پچھاڑا جائے گا۔"

(زرقانی ج ۱ص ۴۱۴، عیون الاثر ج ۱ص ۳۸۶، البدایہ والنہایہ ج ۳ص ۲۶۴)

لشکر قریش کی مکہ سے روانگی

ابوسفیان ایک ہوشیار اور بیدار مغز تاجر تھے اور وہ صرف تاجر ہی نہیں تھے بلکہ ایک حوصلہ مند جرنیل اور صاحب ہوش وحواس لیڈر بھی تھے۔ اسی وجہ سے اہلِ مکہ نے انہیں اس قافلہ کا رئیس بنایا تھا حالانکہ عمرو ابن عاص جیسے ہوشیار اور صاحب فراست لوگ بھی اس قافلہ میں شامل تھے۔ ابوسفیان کو بخوبی علم تھا کہ قریش نے مسلمانوں سے جنگ کا جو منصوبہ اور پلان بنایا ہے، یہ تجارتی قافلہ بھی اس کا ایک حصہ ہے اور چونکہ تمام اہلِ مکہ کا سرمایہ اس میں لگا ہوا ہے اس وجہ سے سب کی ہمدردیاں بھی ان کے ساتھ ہیں، اور وہ ان کے جذبات سے بخوبی کھیل سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دو کام کیے۔

ایک تو اس قافلہ کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کے لیے مناسب تدابیر کیں۔ دوسرے اہلِ مکہ کو بھی ہوشیار کر دیا کہ وہ بھی قافلہ کے سرمایہ کو تاخت و تاراج ہونے سے بچائیں۔

اس کے لیے انہوں نے ایک وقت میں یہ دو کام کیے۔ قافلہ کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کے لیے انہوں نے یہ تدبیر کی کہ مدینہ کا راستہ چھوڑ کر انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جو ساحل سمندر کو چھو کر گزرتا ہوا ینبع کے قریب سے گزرتا تھا۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے دو صحابی سیدنا طلحہ بن عبیداللہؓ اور سیدنا سعید بن زیدؓ قافلہ کی جستجو میں جب حوراء کے علاقہ میں "کشد" کے پاس پہنچے تو قافلہ یہاں سے گزر رہا تھا۔ وہ یہاں سے بدر کی طرف مڑا جہاں مشہور فرودگاہ تھی، اور یہاں سے ہر طرف کو شاہراہیں جاتی تھیں۔ ایک شاہراہ مکہ مکرمہ کی طرف جاتی تھی۔ ابوسفیان کا اصل راستہ بدر سے یہی شاہراہ تھی اور قریش کی فوج بھی مکہ سے بدر اسی شاہراہ سے آئی تھی، لیکن ابوسفیان نہایت بیدار مغزی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے پہلے قافلہ کے بغیر خود تنہا بدر پہنچا تاکہ وہاں کے رئیس شیخ مجدی سے حالات معلوم کرے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے دو مخبر سیدنا بسبس بن عمروؓ اور سیدنا عدی بن ابی الرغباءؓ قافلہ کا پتہ لگانے کے لیے بدر کے

Marfat.com

چشمہ پر پہنچے جہاں دولونڈیاں آپس میں جھگڑ رہی تھیں اور شیخ مجدی بن عمروان کے پاس کھڑا ان کا جھگڑا چکا رہا تھا۔ ان دونوں حضرات نے ان دونوں لونڈیوں کی گفتگو سے حالات کو بھانپ لیا۔ انہوں نے شیخ مجدی سے کوئی گفتگو نہ کی بلکہ اپنے اونٹ کو پانی پلا کر اور مشکیزہ میں پانی بھر کر واپس چلے آئے تھے۔ ابو سفیان جب تنہا بدر پہنچا اور شیخ مجدی بن عمرو سے دریافت کیا کہ کیا مدینہ کے لوگ ادھر آئے تھے؟ آپ کو ان کے بارہ میں کچھ علم ہے؟ شیخ مجدی نے جواب دیا: "مدینہ کا کوئی آدمی اس طرف نہیں آیا۔ جو لوگ اس طرف سے گزرے ہیں ان کو میں بخوبی پہچانتا ہوں۔ البتہ دو شخص ایسے آئے تھے جن کو میں نہیں پہچان سکا۔ انہوں نے یہاں بات چیت تو کوئی نہیں کی، بلکہ یہاں پہنچ کر ٹیلہ کے قریب اونٹ بٹھایا، پھر اس طرف آئے۔ پانی بھرا اور واپس چلے گئے۔ میں نہیں بتا سکتا کہ وہ کون تھے؟"

ابو سفیان کو ان دونوں حضرات کے بارہ میں شبہ ہوا۔ وہ فوراً وہاں گیا جہاں انہوں نے اونٹ بٹھایا تھا۔ وہاں کچھ مینگنیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک مینگنی کو اٹھا کر توڑا تو اس میں سے ایک گٹھلی نکلی۔ اس نے گٹھلی دیکھی تو گھبرا کر بولا:

هذا والله علائف يثرب۔

اللہ کی قسم یہ تو یثرب کے راتب کی مینگنی ہے۔

پھر فوراً واپس قافلہ میں پہنچا۔ رفقاء قافلہ کو بتایا اور اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ کو ہولیا۔ جب آگے چل کر پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ قافلہ مسلمانوں کی دست برد سے کلی طور پر محفوظ ہو گیا ہے تو ابو جہل کو پیغام بھیجا کہ قافلہ چونکہ محفوظ ہو گیا ہے، لہٰذا آپ لوگ بھی جنگ کا ارادہ ترک کر کے واپس ہو جائیں۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ جب میدان بدر میں فریقین کا مقابلہ ہوا تو ابو سفیان کا قافلہ نشیبی حصہ میں سمندر کے کنارے کنارے مکہ جا رہا تھا۔

ایک طرف تو ابو سفیان نے قافلہ کو اس تدبیر سے محفوظ کر لیا۔ دوسری طرف اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر ایک شخص ضمضم بن عمرو غفاری کو سونے کے بیس مثقال دیے جن کا وزن آج کل کے حساب سے ساڑھے سات تولہ ہوتا ہے، اور اس کو پٹی پڑھائی کہ وہ فوراً مکہ پہنچ کر اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دے۔ اپنے تمام کپڑے پھاڑ کر برہنہ ہو جائے۔ اونٹ پر الٹا بیٹھ کر (یعنی منہ دم کی طرف کر کے) پورے شہر مکہ میں شور مچاتا ہوا گھوم جائے اور یہ آواز لگا دے کہ محمد (ﷺ) نے ابو سفیان کے تجارتی قافلے پر حملہ کر دیا ہے۔ ضمضم خود بھی بہت ہوشیار اور چالاک آدمی تھا لہٰذا اس نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے ابو سفیان کی اس تدبیر پر عمل کیا۔ یہ طریقہ عرب میں اس زمانہ میں لوگوں کو ہوشیار کرنے کا ہوتا تھا۔

ضمضم مکہ آیا اور اس نے وہی کچھ کیا جو ابو سفیان نے اس سے کہا تھا۔ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگوں کے جذبات میں اشتعال پیدا ہوا۔ ایسا اشتعال جس کو اب کوئی روک نہیں سکتا تھا کیونکہ

Marfat.com

قافلہ پر حملہ سے پورا ملک متاثر ہوتا تھا، اس لیے جذبات کی ایک گھٹا اٹھی اور گہرے بادل کی طرح پورے ملک پر چھا گئی۔ ضمضم بن عمرو غفاری نے تو وادی مکہ میں اونٹ پر کھڑے ہو کر آواز لگائی کہ اے جماعت قریش! تمہارا قافلہ...... تمہارا مال جو ابو سفیان کے ہمراہ ہے اس پر محمد ﷺ اور اس کے ساتھی حملہ کرنے والے ہیں لہٰذا...... مدد...... مدد...... مدد...... اس آواز نے پورے ملک کو چونکا دیا۔ مرد و زن پریشان حال گھروں سے نکل آئے۔ وہ یہ سن کر حواس باختہ ہو گئے کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی قریش کے اس قافلہ پر دھاوا بول دیں گے۔ لوگوں میں عجیب قسم کے جذبات امنڈ آئے۔ کئی لوگوں کی زبانوں سے یہ جملہ بھی سنا گیا کہ محمد (ﷺ) اور اس کے رفقاء یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قافلہ بھی ابن حضرمی کے قافلے جیسا ہے؟ لات و عزیٰ کی قسم انہیں پتہ چل جائے گا کہ ہمارا معاملہ کچھ اور ہے۔

اب تو دار الندوہ کے اجتماع کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ وہاں جمع ہو کر سوچا جائے کہ کیا کیا جائے۔ اب تو ہر شخص دار الندوہ بنا ہوا تھا۔ اب ابو جہل ان کا لیڈر تھا اور تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ ابو جہل اور ابو لہب سے زیادہ اسلام کا اور کوئی دشمن نہیں تھا۔ اب پورے مکہ کی زمام کار ابو جہل کے ہاتھ میں تھی۔ اس کو لوگوں کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کا ایک موقع ہاتھ آ گیا۔ اس نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔ چنانچہ دو تین دن کے اندر قریش کی ایک اچھی خاصی تعداد اسلحہ سے لیس ہو کر روانگی کے لیے تیار ہو گئی۔

عاتکہ بنت عبد المطلب کا خواب

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یہ خوشخبری دے دی کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ قریش کے بڑے بڑے سردار فلاں فلاں جگہ ڈھیر ہوں گے۔ انہی دنوں میں رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب جو سیدنا عباسؓ کی بہن تھیں، کو ایک خواب آیا۔ ان دونوں بہن بھائی کے دلوں میں ایمان کی لہریں تو تھیں اور بھتیجا ہونے کے ناطے سرکارِ دو عالمؐ سے محبت بھی کرتے تھے، لیکن ابھی باقاعدہ طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کیا تھا۔

اصحاب سیرت نے لکھا ہے کہ جس روز ابو سفیان کا قاصد ضمضم غفاری مکہ مکرمہ کے قافلہ کے بارے میں اطلاع دینے کے لیے پہنچا، اس سے تین روز پہلے عاتکہ بنت عبد المطلب نے ایک نہایت بھیانک خواب دیکھا۔ خواب ایسا تھا جس کو وہ ہر ایک سے بیان نہیں کر سکتی تھیں۔ دماغ کا بوجھ اور دل کی گھبراہٹ کو ہلکا کرنے کے لیے انہوں نے اپنے بھائی سیدنا عباسؓ سے اپنا وہ خواب بیان کیا، لیکن ساتھ یہ بھی تاکید کر دی کہ یہ خواب کسی سے نہ کہیں، کیونکہ لوگ پہلے ہی مخالف ہیں، ہو سکتا ہے وہ اور زیادہ مخالف ہو جائیں یا پھر مذاق اڑائیں۔

Marfat.com

انہوں نے بھائی کو خواب بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک شترسوار آیا ہے اور رابطح کے میدان میں اونٹ کو بٹھا کر اور زور زور سے چیخ کر کہنے لگا۔

اے آل غدر! اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دن کے اندر اندر چلے آؤ۔

پھر میں نے دیکھا کہ لوگ اس آواز دینے والے کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر وہ اپنا اونٹ لیے ہوئے مسجد حرام گیا۔ مجمع بھی اس کے ساتھ ساتھ گیا۔ مسجد حرام میں پہنچ کر خانہ کعبہ کی پشت پر اس نے اونٹ کو کھڑا کر دیا اور یہاں بھی اسی طرح اس نے بلند آواز سے یہی آواز دی۔ پھر وہ جبل ابو قبیس کی چوٹی پر چڑھا اور وہاں سے بھی اس نے یہی آواز لگائی۔ پھر اس نے پہاڑ کی چوٹی سے پتھر کی ایک چٹان پھینکی۔ جب وہ چٹان پہاڑ کے دامن میں پہنچی تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں اس کا کوئی ٹکڑا جا کر نہ گرا ہو۔ عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی عباسؓ سے بیان کرنے کے بعد کہا: "بھائی! خدا کی قسم! مجھے اندیشہ ہے کہ تیری قوم پر کوئی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ سیدنا عباسؓ نے بہن سے کہا کہ میں تو اس خواب کا کسی سے تذکرہ نہیں کروں گا، مگر عاتکہ تم بھی کسی اور سے یہ خواب بیان نہ کرنا۔ عباسؓ جب گھر سے باہر نکلے تو انہوں نے اپنے دوست ولید بن عتبہ سے یہ خواب بیان کر دیا اور انہیں تاکید کہ اس خواب کو کسی سے بیان نہ کہنا لیکن انہوں نے بھی اپنے باپ عتبہ بن ربیعہ سے اس خواب کو بیان کر دیا۔ اسی طرح ایک دو روز میں یہ بات تمام مکہ میں پھیل گئی۔ دو تین روز کے بعد سیدنا عباسؓ مسجد حرام میں گئے تو دیکھا کہ ابو جہل چند لوگوں کے ساتھ وہاں بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے سیدنا عباس کو دیکھتے ہی کہا: "ابو الفضل! تمہاری نبیہ کیا کہہ رہی ہے؟ سیدنا عباسؓ نے کہا: کون نبیہ؟ کہا عاتکہ۔ میں نے انجان بن کر پوچھا "عاتکہ کیا کہہ رہی ہے؟" اس نے اس بات کا تو کچھ جواب نہ دیا، کہنے لگا! "اے بنی عبد المطلب! تمہارے مردوں نے تو نبوت کا دعویٰ کیا ہی تھا اب تمہاری عورتیں بھی نبی بننے لگیں اور دیکھو، خواب میں تین دن کی مدت بتائی گئی ہے اگر تین دن کے اندر کوئی واقعہ پیش نہ آیا تو ہم ایک تحریر کے ذریعہ یہ اعلان کر دیں گے کہ تمہارا گھرانا سارے عرب میں سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔ (انکم اکذب اھل بیت فی العرب)

سیدنا عباسؓ فرماتے ہیں اس وقت تو میں نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ کہتا رہا کہ عاتکہ نے ایسا کوئی خواب نہیں دیکھا اور دل میں یہی کہتا رہا کہ کاش عاتکہ نے یہ خواب نہ دیکھا ہوتا لیکن جب گھر پہنچا تو خاندان عبد المطلب کی عورتوں نے مجھے گھیر لیا اور غصہ سے ہر عورت مجھے یہی کہتی کہ تمہاری غیرت کہاں جاتی رہی؟ یہ خبیث ابو جہل مردوں پر تو زبان درازی کرتا ہی رہتا تھا اب اس نے تمہاری عورتوں پر بھی زبان درازی شروع کر دی اور ہمیں افسوس ہے کہ تم چپ چاپ اس کی یہ باتیں سنتے رہے اور اس کو کوئی جواب نہ دیا۔

سیدنا عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابو جہل کی باتوں سے مجھے غصہ بھی آیا اور کچھ ندامت بھی ہوئی۔ اب میں نے یہ طے کرلیا کہ ابو جہل نے اگر پھر ایسی کوئی بات کی تو میں اس کو منہ توڑ جواب دوں گا۔ میں نے خاندان کی عورتوں کو بھی اطمینان دلایا اور ان کے غصہ کو ٹھنڈا کیا۔ اگلے روز میں (خواب کے دیکھنے کے تیسرے روز) حرم کعبہ میں گیا۔ دل میں یہ ٹھانی ہوئی تھی کہ اگر آج ابو جہل نے بات کی تو اس کو ایسا جواب دوں گا کہ اسے پھر ایسی بات کرنے کی ہمت نہ ہوگی۔ میں جیسے ہی میں حرم میں داخل ہوا تو ابو جہل مجھے نظر پڑا۔ میں اس کی طرف چلا اور دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر آج اس نے خود اس بات کو نہ چھیڑا تو میں خود اس سے بات کروں گا اور اگر آج بھی اس نے کل والے الفاظ دہرائے تو اس کو ایسا جواب دوں گا کہ اس کی ساری تیزی ختم ہو جائے گی۔ ابو جہل نہایت تیز طرار آدمی تھا۔ زبان بھی تیز تھی اور نظر بھی تیز تھی، لیکن اس روز معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ ابو جہل میری طرف دیکھنے کے بجائے نہایت تیزی کے ساتھ مسجد حرام کے دروازے کی طرف دوڑتا ہوا گیا۔ وہاں ابو سفیان کا فرستادہ ضمضم بن عمرو غفاری زور زور سے چلا رہا تھا! "اے گروہ قریش اپنے کارواں کی خبر لو اور جلد از جلد ابو سفیان کے قافلہ کی مدد کو پہنچو۔" اس کی آواز میرے کانوں میں تو نہ پڑی لیکن ابو جہل نے سن لی تھی۔ اس لیے وہ میری طرف آنے کی بجائے دروازہ کی طرف دوڑ گیا تھا۔ کیونکہ ضمضم غفاری وادی میں کھڑا چیخ رہا تھا:

یا معشر قریش اللطیم اللطیم، اموالکم مع ابی سفیان، قد عرض لها محمد فی اصحابه، لا اری ان تدرکوها الغوث، الغوث۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۵۷-۲۵۸)

اب قریش کے ہر شخص کو اپنی فکر لگ گئی تھی اور عاتکہ کے خواب کا معاملہ دوسری حیثیت اختیار کر گیا۔ اب ہر ایک کے ذہن میں قافلہ کو بچانا تھا۔ اس لیے ہر شخص جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ضمضم غفاری جب مکہ آیا تو قریش کو عاتکہ کے خواب سے ڈر پیدا ہو گیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۵۸)

ہر چھوٹا بڑا اب تیاری میں مصروف تھا اور مکہ سے نکل کر ابو سفیان کے قافلہ کی حفاظت کی فکر میں تھا۔ قریش نے جب تیاری شروع کی تو انہیں خیال آیا بنو بکر سے ہمارا کئی سالوں سے جھگڑا چل رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم قافلے کو بچانے کے لیے مکہ سے باہر نکلیں اور بنو بکر ہمارے پیچھے حملہ کر دیں۔ وہ اسی سوچ میں تھے کہ ایک شخص سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی شکل میں ان کے پاس آیا۔ لوگ اسے سراقہ ہی سمجھتے رہے۔ اس نے انہیں اطمینان دلایا کہ میں اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ تمہاری غیر موجودگی میں بنو کنانہ تم پر حملہ نہیں کرے گا۔ مفسرین کا خیال ہے کہ وہ ابلیس لعین تھا اور وہ قریش کو مسلمانوں سے ضرور بھڑانا چاہتا تھا۔

Marfat.com

مکہ میں ہر شخص کے دل میں اس قافلے کے تحفظ کے لیے ایک ولولہ تھا۔ اس لیے یا تو خود وہ جنگ میں جا رہا تھا یا اپنی جگہ کسی اور کو بھیج رہا تھا۔ تمام سرداران قریش جنگ میں جانے کے لیے تیار ہو گئے لیکن ابولہب اس میں شریک نہ ہوا اور ایک شخص عاصی ابن ہشام کو اپنے بدل میں بھیج دیا۔ عاصی بن ہشام دیوالیہ ہو گیا تھا پھر بھی لوگوں کے چار ہزار درہم اس کے ذمہ باقی تھے۔ قرض خواہ ہر روز اس سے تقاضا کرتے تھے وہ ان تقاضوں سے سخت پریشان تھا۔ ابولہب نے اسے کہا کہ تمہارا قرض میں ادا کر دیتا ہوں تم میری جگہ پر جنگ میں چلے جاؤ۔ عاصی پہلے ہی تقاضا کرنے والوں سے پریشان تھا اس لیے ابولہب کی جگہ جنگ میں چلا گیا۔ یہ عاصی بن ہشام ابوجہل کا بھائی تھا۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ عاصی بن ہشام ابولہب ہی کا چار ہزار درہم کا مقروض تھا۔ (ابن سعد جلد ۲ ص ۷)

اسی طرح امیہ بن خلف نے بھی جنگ پر جانے سے انکار کیا لیکن پھر ابوجہل کے اصرار پر چلا گیا۔ بعض نے عقبہ بن معیط کے طعنہ پر اس کا جنگ میں جانا لکھا ہے۔ امیہ بن خلف کا واقعہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں لکھا ہے کہ ہجرت نبوی کے بعد سیدنا سعد بن معاذؓ مکہ عمرہ کے لیے گئے۔ امیہ بن خلف ان کا پرانا دوست تھا اس لیے اسی کے ہاں قیام کیا۔ حرم میں طواف کے دوران ان کی ابوجہل سے درشت کلامی ہو گئی۔ ابوجہل نے ان کو دھمکی دی۔ سیدنا سعدؓ نے دھمکی کا جواب دھمکی میں دیا۔ امیہ بن خلف نے سعدؓ سے کہا کہ تم ابوالحکم (ابوجہل) پر اپنی آواز بلند نہ کرو کیونکہ یہ اس وادی کا سردار ہے۔ سیدنا سعدؓ نے نہایت ترشروئی سے کہا: "امیہ بس رہنے دو، خدا کی قسم میں نے سرکارِ دوعالم ﷺ سے سنا ہے کہ "تو آپؐ کے اصحاب کے ہاتھ سے قتل ہوگا"۔ امیہ نے پوچھا "کیا میں مکہ میں مارا جاؤں گا؟" سیدنا سعد بن معاذؓ نے جواب دیا "یہ مجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں اور کس جگہ مارا جائے گا"۔ یہ سن کر امیہ بہت ڈر گیا اور کہا "خدا کی قسم محمد ﷺ کبھی غلط نہیں کہتے" اور قریب تھا کہ خوف و ہراس کی وجہ سے امیہ کا پاخانہ خطا ہو جائے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۲۰)

امیہ نے اس خوف و ہراس کی وجہ سے اس بات کا پکا ارادہ کر لیا کہ کبھی مکہ سے باہر نہیں نکلے گا۔ چنانچہ جب ابوجہل نے لوگوں کو بدر کی طرف چلنے کو کہا تو امیہ نے انکار کر دیا۔ ابوجہل اس کے پاس آیا اور چلنے کے لیے سخت اصرار کیا اور کہا کہ آپ سردار ہیں اگر آپ لوگ نہیں جائیں گے تو آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی نہیں نکلیں گے۔ جب امیہ کسی صورت نہ مانا تو آخر میں ابوجہل نے یہ کہا: "ابوصفوان! تیرے لیے نہایت عمدہ اور تیز گھوڑا خرید دوں گا تاکہ جہاں خطرہ محسوس کرو فوراً واپس آ جاؤ"۔ امیہ اس خیال سے جانے کے لیے تیار ہو گیا کہ تھوڑی دور جانے کے بعد واپس آ جاؤں گا۔ چنانچہ گھر میں آ کر اپنی بیوی سے سفر کا سامان تیار کرنے کے لیے کہا۔ بیوی نے کہا "تمہیں اپنے یثربی بھائی کا قول یاد نہیں رہا؟" امیہ نے بیوی سے کہا کہ "میرا ارادہ تھوڑی دور جا کر واپس آ جانے کا ہے"۔ چنانچہ اسی

Marfat.com

ارادہ سے وہ گیا لیکن اس نے بدر میں قتل ہونا تھا اس لیے قضاو قدر نے واپس نہ آنے دیا اور میدانِ بدر میں لے جا کر صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں قتل کرایا۔

بعض مورخین نے کہا ہے کہ امیہ کا ارادہ جنگ میں جانے کا بالکل نہیں تھا لیکن عقبہ ابن معیط نے اس کو ایسا طعنہ دیا کہ اپنی عزت کی خاطر اسے میدانِ جنگ میں جانا پڑا۔

امیہ ایک بھاری بدن کا سن رسیدہ شخص تھا۔ یہ حرم کعبہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ عقبہ دھونی دینے کی انگیٹھی اور لوبان (بخور) لے کر اس کے پاس پہنچا کہ اگر تم اس قومی جنگ میں شرکت نہیں کرتے ہو تو عورتوں کی طرح کپڑوں میں خوشبو بسائے رہو۔ اس بات سے امیہ کی رگ حمیت پھڑکی۔ وہ گھر پہنچا اور بیوی سے کہا کہ "میں جا رہا ہوں"۔ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد دلا کر روکا، لیکن امیہ نے کہا اس وقت تو مجھے جانا ہی ہے البتہ راستہ سے واپس آنے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔ (بخاری جلد ا ص ۵۶۳)

مختصر یہ کہ تین دن میں تیاری مکمل ہوئی اور جنگجو بہادروں پر مشتمل فوج اس شان سے مکہ سے روانہ ہوئی کہ ہر طرف جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ سو شہ سوار آراستہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ رؤسا قریش نہایت شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ آگے تھے۔ قریش کے ۹ معزز آدمی اس کی رسد کے ذمہ دار تھے۔ ایک دن نو اور ایک دن دس اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔ جیسے ہی مکہ سے نکلے تو ابو جہل نے دعوت کی اور دس اونٹ ذبح کرائے۔ ابو جہل نے پہلی منزل مرالظہران کے مقام پر دعوت کی۔ جب اونٹ ذبح کیے جا رہے تھے تو ایک اونٹ زخمی حالت میں ہاتھ سے نکل کر خیموں کی طرف بھاگا اس کے سینہ سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔ اس خون کے چھینٹے تمام خیموں میں پہنچے۔ کوئی ایک خیمہ بھی اس خون سے نہ بچا۔ یہ گویا عاتکہ اور جہیم بن الصلت کے خوابوں کی تعبیر کا ایک حصہ تھا۔ "سیرۃ حلبیہ" میں ہے کہ بنو عدی نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر جنگ میں شرکت نہیں کی اور راستہ ہی سے واپس آ گئے۔ بنو عدی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ تھا۔

یہ قافلہ عسفان پہنچا تو امیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کر کے دعوت کی۔ تیسرے دن قدید پر سہیل بن عمرو نے دس اونٹ ذبح کرائے۔ تیسرے روز ہیں شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کرائے۔ پھر جب جحفہ پہنچے تو شیبہ کے چھوٹے بھائی عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کروائے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بھی ایک قیام پر دس اونٹ ذبح کرا دیئے تھے۔ جب یہ لشکر چشمہ بدر کے قریب پہنچا تو ابو البختری نے دس اونٹ ذبح کرائے۔ (عیون الاثر جلد ا ص ۳۸۸)

مختصر یہ کہ یہ مشتعل لشکر قرآن کے بقول "بطرو رياء" یعنی اکڑ اور ٹھاٹ کے ساتھ، اتراتے ہوئے اور اپنی شان و شوکت دکھاتے ہوئے مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوا۔ گویا پورا کفر پورے اسلام

Marfat.com

کے مقابلہ میں جا رہا تھا۔ جوشِ انتقام سے چور اور جذبہ غضب و حمیت سے مخمور، نہایت تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ جب وادی عسفان اور قدید کی وادیوں کو طے کر کے جحفہ پہنچے تو ابو سفیان کا نیا پیغام آن پہنچا کہ قافلہ کو بچا لیا گیا ہے۔ اب اسے کوئی خطرہ نہیں لہٰذا اب آپ لوگ واپس چلے جائیں۔

قریش کی فوج کے امن پسند سرداروں نے اس پیغام کو قبول کیا۔ چنانچہ بنو زہرہ اور بنو عدی کے شیوخ نے ابو جہل سے نہایت اصرار کے ساتھ کہا کہ اب ہمیں واپس جانا چاہیے۔ کیونکہ مال و اسباب اور آدمی محفوظ ہو گئے ہیں، لہٰذا اب آگے جانے کا کوئی فائدہ نہیں، لیکن ابو جہل نے جس کے رگ و پے میں سرکارِ مدینہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی مخالفت بھری ہوئی تھی ان لوگوں کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس وقت جذبات کے اشتعال سے فائدہ اٹھایا جائے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر کے عرب پر قریش کی دھاک بٹھا دی جائے۔ چنانچہ اس نے سفر پر اصرار کیا اور اس کی مصلحت اور فائدہ یہ بیان کیا۔

"عرب کے کانوں تک ہماری شان و شوکت، رعب و داب، ہمارے سفر، ہمارے اتحاد اور ہماری یک جہتی کی جب خبریں پہنچیں گی تو اس سے وہ بہت متاثر ہوں گے اور ہم سے ہمیشہ مرعوب اور ہیبت زدہ رہیں گے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۶۲)

اور پروگرام یہ تجویز کیا کہ

"بدر جائیں گے، وہاں تین دن قیام کریں گے۔ اونٹ ذبح کریں گے، لوگوں کو کھانا کھلائیں گے ایک جشن ہو گا، شرابیں پئیں گے، رنڈیاں ہمارے لیے گانے گائیں گی۔"

(عیون الاثر جلد ۱ ص ۳۸۹)

ابو جہل کی اس مصلحت اور اس پروگرام کے ساتھ بنو زہرہ اور بنو عدی کے لوگوں نے اتفاق نہ کیا۔ اخنس بن شریق نے واپس جانے کے لیے لوگوں کو کہا لیکن ابو جہل کے ہم نوا لوگ واپس جانے کے لیے راضی نہ ہوئے۔ چنانچہ وہ بنو زہرہ کے لوگوں کو ساتھ لے کر چلا گیا، کیونکہ وہ بنو زہرہ کا حلیف اور اس لشکر میں ان کا سردار تھا۔ بنو زہرہ کے آدمیوں کی تعداد تین سو تھی۔ بنو زہرہ کے واپس جانے کی وجہ سے بنو ہاشم نے بھی واپس جانا چاہا لیکن ابو جہل کے اصرار نے انہیں روک لیا۔

بنو زہرہ کے علاوہ بنو عدی کے لوگ بھی واپس چلے گئے۔ اب قریش کے اس لشکر کی تعداد ایک ہزار رہ گئی۔ مختصر یہ کہ قریش کے لشکر نے اپنا سفر جاری رکھا اور بدر کے قریب پہنچ کر ایک ٹیلہ کے پیچھے پڑاؤ ڈالا۔ یہ ٹیلہ وادی بدر کی حدود پر جنوبی دہانے کے پاس واقع تھا۔

اخنس بن شریق بنو زہرہ کے سرداروں میں سے تھے۔ انہیں جب ابو سفیان کا پیغام پہنچا کہ قافلہ

بحفاظت ہے تو انہوں نے ابو جہل سے تنہائی میں گفتگو کی کہ محمد (ﷺ) کے پیچھے تم کیوں پڑے ہو؟ کیا وہ جھوٹے ہیں؟ ابو جہل نے جواب دیا۔ قطعاً نہیں۔ وہ تو زبان اور ہاتھ کے اتنے سچے اور صادق ہیں کہ ہم نے ان کا لقب ''الصادق الامین'' تجویز کیا تھا۔ لیکن بات یہ ہے کہ حرم کعبہ کے خاص منصب سقایہ' رفادہ اور مشورہ خاندان عبدالمطلب کے پاس پہلے سے تھے۔ اب منصب نبوت بھی اسی خاندان کے حصہ میں آ گیا تو ہم کہاں جائیں اور ہمیں کیا ملا۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۱۷۱)

اس سے شاید اخنس سمجھ گئے کہ یہ جنگ کسی حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ حسد اور بغض کی بنیاد پر ہے' لہٰذا ہمیں اس میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ بعد میں جنگ کے نتائج دیکھ کر انہیں نہایت خوشی اور مسرت ہوئی کہ ہمارا فیصلہ بروقت اور صحیح تھا۔

جہیم بن الصلت کا خواب

قریش کا لشکر جب جحفہ پہنچا تو بنو عبد مناف کے ایک شخص جہیم بن الصلت (جو بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے) نے ایک خواب دیکھا۔ وہ کچھ جاگ رہے تھے' کچھ سو رہے تھے۔ اس حالت میں وہ چونک کر اٹھے اور گھبرا کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے' وہ سوار کہاں گیا؟ ساتھیوں نے کہا یہاں تو کوئی سوار نہیں۔ کہنے لگے میں تو ابھی ایک سوار کو دیکھ رہا تھا جو گھوڑے پر سوار تھا اور ایک اونٹ اس کے ہمراہ تھا وہ آ کر کھڑا ہوا اور کہہ رہا تھا عتبہ بن ربیعہ قتل ہوا۔ شیبہ بن ربیعہ قتل ہوا۔ ابو الحکم بن ہشام قتل ہوا' امیہ بن خلف قتل ہوا اور فلاں اور فلاں قتل ہوا اس کے بعد اس شخص نے اونٹ کو ایک برچھا مارا اور اس کو لشکر میں چھوڑ دیا۔ وہ زخمی اونٹ جس سے خون کے چھینٹے اڑ رہے تھے لشکر میں بھاگتا پھر رہا تھا اور لشکر میں کوئی خیمہ ایسا نہ رہا جس پر اس کے خون کے چھینٹے نہ پڑے ہوں۔

ابو جہل کو جب اس خواب کی اطلاع ہوئی تو وہ نہایت برہم ہوا اور اس نے جہیم بن الصلت کا یہ کہہ کر مذاق اڑایا کہ بنی مطلب میں ایک اور نبی پیدا ہو گیا۔ کل کو جب مقابلہ ہو گا تب اس کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ میں ہم میں سے کون کون قتل ہو گا۔

(البدایہ والنہایہ ص ۲۶۵' عیون الاثر جلد ا ص ۳۸۹' ابن ہشام جلد ا ص ۶۱۸)

بہرحال قریش کے لشکر نے بدر کی وادی میں ایک نشیبی کنارہ پر پڑاؤ ڈال دیا۔ ممکن ہے کہ وہ وہاں ابو جہل کے پروگرام کے مطابق جشن مناتے لیکن انہیں پتہ چلا کہ اسلامی لشکر پہنچ گیا ہے لہٰذا اب انہوں نے جشن منانے کے بجائے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ جو کہ بعد میں ان کی م ے کی تیاری ثابت ہوئی۔

دوسری طرف سرکارِ دوعالم ﷺ بھی اپنے صحابہؓ کے ساتھ بدر میں پہنچ گئے' لیکن قریش مکہ نے

Marfat.com

بدر میں پہلے پہنچ کر پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیا اور بہترین جگہوں کو اپنے لیے منتخب کر لیا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو نہ تو پانی کی کوئی جگہ ملی اور نہ ہی قیام کے لیے مناسب جگہ ملی۔ وہ جگہ ملی جہاں ریت ہی ریت تھی جس میں چلنے سے پاؤں دھنس جاتے تھے۔ قرآن حکیم نے اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

اذ انتم بالعدوہ الدنیا و ھم بالعدوہ القصوی والرکب اسفل منکم۔

"(یہ وہ دن تھا) جب تم قریب کے ناکے پر تھے اور وہ (دشمن) دور کے ناکے پر تھا اور قافلہ تم سے نچلے حصے میں تھا۔ (یعنی قافلہ سمندر کے کنارے کنارے جا رہا تھا)

قریش نے مکہ سے آ کر ایک جانب پڑاؤ ڈالا تھا۔ اس کو قرآن نے دور کا ناکہ (العدوۃ القصویٰ) کہا ہے۔ اور دوسری جانب سرکارِ دو عالم ﷺ کا پڑاؤ تھا۔ مدینہ سے جاتے ہوئے یہ پہلے پڑتا تھا اس وجہ سے اس کو قریب کا ناکہ (العدوۃ الدنیا) کہا گیا۔ سیدنا خباب بن منذرؓ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ جگہ جو آپؐ نے پڑاؤ کے لیے منتخب فرمائی ہے یہ وحی ربانی کی ہدایت کے تحت ہے یا اتفاقی طور پر۔ ارشاد فرمایا: یہ اتفاقی طور پر ہے۔ وحی کے تحت نہیں ہے۔ عرض کی کہ میں یہاں کے چشموں اور کنوؤں سے بخوبی واقف ہوں۔ قریش کے پڑاؤ کے قریب ایک چشمہ ہے۔ اگر آپؐ چاہیں تو ہم آگے بڑھ کر اس پر قبضہ کر لیں۔ وہاں ایک میٹھے پانی کا کنواں بھی ہے۔ اس کا پانی اتنا گہرا ہے کہ کبھی ٹوٹتا نہیں۔ ہم اس کے قریب حوض بنا کر اس میں پانی بھر لیں گے۔ تاکہ ہمیں پانی کی سہولت رہے اور آس پاس کے کنوئیں بند کر دیں گے۔ اگرچہ یہ بات آپؐ کے مزاج کے خلاف تھی لیکن مصلحت وقت کے تحت آپؐ نے سیدنا خباب بن منذرؓ کی یہ تجویز منظور فرمالی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۹)

چشموں پر قبضہ کر لینے سے پینے کے لیے پانی کی فراہمی کا مسئلہ تو حل ہو گیا، لیکن پھر بھی پانی اتنا وافر نہ تھا کہ مجاہدین اسلام غسل وغیرہ کر سکیں۔ بدر کا میدان نہایت ریتلا تھا۔ دشمن تو گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار تھے۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی اکثریت پیدل تھی۔ چلتے وقت ان کے پاؤں ریت میں دھنستے تھے۔ ان کے پاؤں جم نہیں رہے تھے۔ پھر اسلحہ اور تعداد دونوں کی کمی تھی۔ ممکن تھا کہ ہمتوں میں پستی نمودار ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ اب حق کو مستحکم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ فضل الٰہی نمودار ہوا۔ وہ اس طرح کہ بادل امنڈ آئے۔ زور کی بارش ہوئی۔ موسم نہایت خوشگوار ہو گیا۔ ریت جم گئی۔ زمین سخت ہو گئی۔ پیروں کے دھنسنے کا خطرہ جاتا رہا، بارش کا پانی چھوٹے چھوٹے حوضوں میں اکٹھا کر لیا گیا۔ صحابہ کرامؓ نے غسل کیا۔ سفر کی تھکاوٹ اور تکان دور ہوئی۔ ہر صحابی تازہ دم اور چاق و چوبند ہو گیا۔ اسی شگفتگی کے عالم میں ایسی نیند آئی کہ رات بھر آنکھ نہ کھلی۔ اس نیند نے بھی ساری تکان دور کر دی جس کا تذکرہ قرآن مجید نے سورۃ انفال میں یوں کیا ہے:

Marfat.com

"جب اللہ تعالیٰ نے چھا جانے والی غنودگی تم پر طاری کر دی تھی کہ اس کی طرف سے یہ تمہارے لیے بے خوفی اور تسکین کا سامان تھا اور اس نے تم پر آسمان سے پانی برسا دیا تاکہ تم کو پاک و صاف ہونے کا موقع فراہم کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کر دے تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط اور تمہارے قدموں کو جما دے۔"

اللہ تعالیٰ کے دست غیب نے جو سامان ان کی کامیابی کے لیے مہیا کیے، اللہ تعالیٰ کی وحی نے ان کو اس آیت میں بیان فرمادیا۔ یہ اگرچہ دیکھنے میں معمولی سامان تھے لیکن ان کے اثرات جنگ پر بہت گہرے پڑے اور انہی نے جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔

یہ پانی مسلمانوں نے اگرچہ اپنی ضرورت کے لیے جمع کیا ہوا تھا لیکن نبی اکرم ﷺ نے اپنے دشمنوں کو بھی پینے کی اجازت دی۔ قریش چونکہ نشیبی علاقہ میں تھے اس لیے ان پر بارش کا اثر الٹا ہوا۔ بارش ہونے کی وجہ سے وہاں کیچڑ اور دلدل ہو گیا اور چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔

جاسوسی کا نظام

میدانِ جنگ میں دشمن کی معلومات حاصل کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے تاکہ پھر اسی کے مطابق جنگ کا اقدام کیا جا سکے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ میدانِ بدر میں پہنچتے ہی اپنے رفیقِ غار سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر خود دشمن کے بارے میں معلومات کی فراہمی کے لیے نکل پڑے۔ آپ ﷺ ابھی دور ہی سے قریش کے کیمپ کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک بوڑھا عرب آپ کو مل گیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس سے قریش کے لشکر اور محمد ﷺ اور ان کے رفقاء کے بارہ میں دریافت فرمایا۔ (دونوں لشکروں کے بارہ میں پوچھنے کا مقصد یہ تھا تاکہ آپ کی شخصیت کا اس بوڑھے کو پتہ نہ چلے) بوڑھے نے جواب دیا کہ جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ تمہارا کس قوم سے تعلق ہے، میں آپ کے سوال کا ہرگز جواب نہیں دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم ہمیں ہمارے سوال کا جواب بتا دو گے ہم بھی تمہیں بتا دیں گے کہ ہمارا کس سے تعلق ہے۔

اس نے کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ محمد ﷺ اور ان کے رفقاء فلاں روز مدینہ سے نکلے ہیں۔ اگر میری یہ بات درست ہے تو آج وہ فلاں جگہ ہوں گے اور ٹھیک اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں اس وقت مدینہ کا لشکر تھا۔ وہ بوڑھا پھر بولا کہ مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ قریش کا لشکر فلاں روز نکلا ہے۔ اگر مجھے خبر دینے والے نے صحیح خبر دی ہے تو وہ آج فلاں جگہ ہوں گے اور اس نے ٹھیک اسی جگہ کا نام لیا جہاں اس وقت قریش کا لشکر تھا۔ جب بوڑھا اپنی بات ختم کر چکا تو اس نے سیدنا ابوبکرؓ اور سرکارِ دو عالم ﷺ سے پوچھا: "اچھا بتاؤ تم دونوں کس سے ہو؟" سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا "ہم لوگ پانی سے ہیں۔" اور یہ کہہ کر آپ ﷺ

Marfat.com

واپس چل پڑے۔ بڑھا کہتا رہا؟ "پانی سے ہیں، کیا عراق کے پانی سے ہیں؟"

شام ہوئی تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا علیؓ، سیدنا زبیر بن العوامؓ اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور چند صحابہؓ کو قریش کی خبر کے لیے روانہ فرمایا تاکہ پتہ چل سکے کہ ان کی تعداد کتنی ہے اور کون کون شریک لشکر ہیں۔ اتفاقاً انہیں دو غلام ہاتھ لگ گئے۔ ان کو لا کر ان سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ سرکارِ دو عالمؐ اس وقت نماز پڑھنے میں مشغول تھے۔ ان دونوں غلاموں نے کہا کہ ہم قریش کے لشکر کے لیے پانی لانے نکلے ہیں۔ ہمیں لشکر کے بارہ میں کوئی زیادہ معلومات نہیں۔ صحابہ کرام ؓ کو ان لوگوں کی بات کا کچھ یقین نہ آیا اور ان کے ساتھ معمولی سی مار پیٹ بھی کی تاکہ شاید اس خوف سے ابو سفیان کا کچھ حال بتائیں۔ مار پڑنے پر انہوں نے کہا کہ ہم ابو سفیان کے آدمی ہیں۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ نے ان کو مارنا چھوڑ دیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ جب ان غلاموں نے سچ کہا تو تم نے ان کو مارا اور جب جھوٹ کہا تو انہیں مارنا چھوڑ دیا۔ بخدا! یہ قریش کے آدمی ہیں یعنی ابو سفیان کے ساتھیوں میں سے نہیں ہیں۔ آپؐ نے ان سے پوچھا قریش کہاں ہیں؟ ان غلاموں نے جواب دیا! "بخدا! اس ٹیلہ کے پیچھے ہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "ان کی تعداد کتنی ہے؟" انہوں نے کہا: "بہت ہیں، مگر ان کی تعداد معلوم نہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "روزانہ کھانے کے لیے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟" انہوں نے کہا: ایک روز نو اور ایک روز دس۔" آپؐ نے فوراً فرمایا: "ہزار اور نو سو کے درمیان ہیں۔"

بعد میں آپؐ نے مزید یہ پوچھا کہ سرداران قریش میں سے کون کون ان کے ساتھ ہیں؟" انہوں نے کہا: "عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو البختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، زمعہ بن اسود، ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدود۔ ان سب سرداران قریش کے نام سن کر سرکارِ دو عالمؐ صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"مکہ نے آج اپنے جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔"

(عیون الاثر ج ا ص ۳۸۷-۳۸۸، سیرۃ ابن ہشام ج ا ص ۶۱۵-۶۱۷، انساب الاشراف ج ا ص ۱۳۵)

اس طرح سے آپؐ کو قریش کا حال معلوم ہو گیا۔

میدانِ جنگ میں قریشی لشکر میں اختلاف

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ قریشی لشکر وادی کے دہانہ کے باہر تھا۔ رات اس لشکر نے وہیں گزاری۔ صبح اپنے تمام دستوں کے ساتھ ٹیلے سے اتر کر بدر میں آئے۔ ان دستوں میں سے ایک دستہ رسول اللہ ﷺ کے حوض کی طرف بڑھا۔ صحابہ کرامؓ نے روکنا چاہا۔ آپؐ نے فرمایا، انہیں چھوڑ دو۔ لیکن ان میں

Marfat.com

سے جس جس نے بھی اس حوض سے پانی پیا وہ اس جنگ میں مارا گیا۔ صرف حکیم بن حزام باقی بچا جو بعد میں مسلمان ہونے کے بعد جب بھی کبھی پختہ قسم کھاتے تو کہتے:

لا والذی نجانی من یوم بدر۔ (عیون الاثر جلد ا ص ۳۹۱)

"اس ذات کی قسم جس نے مجھے بدر کے دن سے نجات دی۔"

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے تو قریش نے عمیر بن وہب جمحی کو مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا۔ عمیر اس معاملہ میں بڑا سمجھ دار آدمی سمجھا جاتا تھا۔ اس نے گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے کیمپوں کا چکر لگایا اور ان کی تعداد کا اندازہ لگالیا۔ پھر دور تک وادی میں گھوڑا دوڑاتا ہوا نکل گیا۔ اس نے واپس آکر قریش کو رپورٹ دی کہ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد کم و بیش تین سو ہے۔ یہ بھی خطرہ نہیں کہ انہیں کہیں سے کوئی کمک پہنچے۔ ان کے پاس سامان بھی پورا نہیں۔ صرف تلواریں ہیں۔ لیکن اے گروہ قریش! کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصائب کے لشکر ان کے ساتھ ہیں۔ (البلایا تحمل المنایا) یثرب کی اونٹنیاں موت کے انبار لادے ہوئے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کی ساری حفاظت خود ان کی تلواریں ہیں۔ ان کی صورتوں سے وحشت برستی ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں صرف قربان ہونے کے لیے آئے ہیں۔ اہل و عیال میں واپس جانے کا تصور بھی ان کو نہیں ہے۔ خدا کی قسم، ان کا کوئی آدمی تمہارے آدمی کو مارے بغیر نہیں مرے گا۔ غور کرو اگر تمہارے خاص خاص آدمیوں کو مار کر ہی وہ مرے تو پھر تمہاری زندگی کیا ہوگی؟ تمہارے کتنے عزیز ختم ہو چکے ہوں گے۔ اس لیے ذرا اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔

عمیر بن وہب جمحی کے اس تجزیہ نے سرداران قریش کے مابین ایک معارضہ کھڑا کر دیا۔ چنانچہ سنجیدہ مزاج لوگوں کا مطالبہ تھا کہ اب جنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارا قافلہ بحفاظت مکہ پہنچ گیا ہے۔ ہم مکہ سے صرف اس کی حفاظت کے لیے نکلے تھے، لہٰذا اب بغیر جنگ کیے واپس چلے جانا چاہیے۔ اس بات میں حکیم بن حزام سب سے آگے تھے کہ جنگ نہ ہو۔ کیونکہ اب جنگ کا کوئی بہانہ نہیں۔ ہم نے پہلے بھی راستہ میں یہ کہا تھا کہ قافلہ کی حفاظت کا ہمارا مقصد پورا ہو گیا ہے، لہٰذا ہمیں اب واپس چلے جانا چاہیے لیکن ابوالحکم (ابوجہل) نے یہ کہا تھا کہ ہم بدر میں پہنچ کر جشن کریں۔ اب جشن کا کوئی امکان نہیں رہا۔ اب جنگ کا بہانہ اگر ہے تو وہ صرف حضرمی کا خون ہے۔ عرب کے دستور کے مطابق ہم اس کا خون بہا دلوا دیتے ہیں اور جنگ کا قصہ ختم کیا جائے۔ حکیم بن حزام نے اس معاملہ کے بارہ میں اور لوگوں کو بھی اپنے اعتماد میں لے لیا۔ سب نے اس کی تائید کی۔ پھر وہ عتبہ بن ربیعہ کے پاس گیا اور کہا: "ابوالولید! آپ قریش کے بڑے واجب الاطاعت رئیس ہیں۔ پھر آپ کیوں نہ ایک ایسا اچھا کام کر جائیں کہ تمام مکہ آپ کو یاد کرے۔" عتبہ نے پوچھا: "حکیم! وہ کون سا کام ہے؟" حکیم بن حزام نے

جواب دیا: کہ "آپ لوگوں کو واپس مکہ لے جائیں اور اپنے حلیف عمرو بن حضرمی، جو سریہ نخلہ میں مارا گیا ہے، اس کی دیت اپنے ذمہ لے لیں"۔ عتبہ نے کہا، مجھے منظور ہے۔ میں اس کی دیت کا ذمہ دار ہوں اور اس کا جو مال ضائع ہوا ہے اس کا بھی ذمہ دار ہوں۔

عتبہ قریش کا سب سے بڑا سردار، بڑا رئیس اور سب سے زیادہ جہاں دیدہ سردار تھا۔ عمر میں بھی وہ قریباً سب سے زیادہ تھا۔ اس وقت فوج کا سپہ سالار بھی وہی تھا۔ طبیعت کے لحاظ سے بھی امن پسند اور سنجیدہ تھا۔ چنانچہ اس کی سنجیدگی پر لسان نبوت کی یہ گواہی کافی ہے کہ جب عتبہ اپنے سرخ اونٹ پر میدان بدر کے چکر لگا رہا تھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی نگاہ اس پر پڑی تو آپ نے فرمایا: "لشکر قریش میں کوئی بھلا آدمی ہے تو یہی سرخ اونٹ والا ہے۔ اگر اس کے مشورہ پر وہ عمل کریں تو انہیں سعادت میسر آجائے"۔ (ان یطیعوہ یرشدوا) (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۶۸)

عتبہ عمرو بن حضرمی کا حلیف تھا۔ عرب کے دستور کے مطابق اگر کوئی حلیف اپنے پاس سے یا قاتل سے وصول کر کے خون بہا ادا کر دیتا تھا تو قصاص کا معاملہ ختم ہو جاتا تھا۔

عتبہ نے حکیم بن حزام سے کہا کہ تم ابوجہل کے پاس جاؤ اور اس سے یہ بات کرو کیونکہ مجھے معاملات کو بگاڑنے اور لوگوں کے جذبات کو بھڑکانے میں اس سے زیادہ کسی اور سے کوئی خطرہ اور خوف نہیں۔ اس کے بعد عتبہ نے کہا:

> "عزیزو! مجھے بالکل اس بات کا یقین نہیں کہ تم محمدؐ اور ان کے رفقاء کو نیست و نابود کر دو گے۔ صرف یہی کر سکو گے کہ کچھ لوگوں کو ان میں سے مار ڈالو۔ لیکن یہ بھی تو سوچو کہ وہ مرنے والے کون ہوں گے؟ اگر وہ تمہارے ہی بھائی بند ہوں گے اور یقیناً وہی ہوں گے تو یاد رکھو کہ ان کے رشتہ داروں کا سلوک تمہارے ساتھ کیا ہو گا جن کے بھائی یا بیٹے کو تم مارو گے۔ ان کے عزیز رشتہ دار جو تمہارے اپنے ہی ہوں گے تم سے ہمیشہ نفرت کیا کریں گے۔ جب بھی ان کے ساتھ تمہاری ملاقات ہوا کرے گی تو یہ احساس ان کے ذہن میں تازہ ہو جایا کرے گا کہ یہ میرے فلاں عزیز کا قاتل ہے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ جنگ کا ارادہ ملتوی کر کے واپس چلے چلو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سارے عرب سے کنارہ کش ہو رہو۔ اگر عرب نے انہیں مار لیا تو وہی چیز ہو گی جسے تم چاہتے ہو اور اگر دوسری صورت پیش آئی تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں اس حالت میں پائیں گے کہ تم نے جو سلوک ان سے کرنا چاہا تھا، اسے کیا نہ تھا۔"

تمام حاضرین نے عتبہ کی اس بات سے اتفاق کیا۔ اب حکیم بن حزام ابوجہل کے پاس پہنچے۔ ابوجہل اس وقت ترکش سے تیر نکال کر درست کر رہا تھا۔ حکیم بن حزام نے کہا: "ابوالحکم! مجھے عتبہ نے

تمہارے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے"۔ ابو جہل عتبہ کا پیغام سن کر آگ بگولا ہو گیا اور نہایت طنزیہ انداز میں کہا: "خدا کی قسم! محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر ابو الولید (عتبہ) کی ہمت ختم ہو گئی ہے۔ بخدا ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔ عتبہ کے پیٹ میں اس لیے مروڑ اٹھ رہا ہے کہ اس کا بیٹا (سیدنا ابو حذیفہؓ) مسلمان ہو چکا ہے۔ اس کو خطرہ ہے کہ کہیں وہ نہ مارا جائے"۔ پھر اس نے عمرو بن حضرمی کے بھائی عامر بن حضرمی کو بلایا اور کہا کہ تمہارے بھائی کا حلیف عتبہ تمہارے بھائی کے خون کا معاملہ ختم کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر تم اپنے بھائی کا قصاص لینا چاہتے ہو تو اٹھو اور اپنا مطالبہ لوگوں کے سامنے پیش کرو۔ چنانچہ عامر نے عربوں کے دستور کے مطابق اپنی سرین سے کپڑا اٹھا کر زور زور سے کہا "ہائے عمرو، ہائے عمرو۔" عامر بن حضرمی کی اس آواز نے ساکن سمندر میں پھر طوفان پیدا کر دیا اور لشکر کے جذبات گرم ہو گئے اور ارادہ جنگ پختہ ہو گیا اور ہوش پر جوش غالب آ گیا۔ حکیم بن حزام نے جو کچھ بات چیت جنگ نہ کرنے کے بارے میں کی تھی، سب اکارت ہو گئی۔

عتبہ کو جب ابو جہل کے جواب کے بارہ میں پتہ چلا تو اس نے ابو جہل کو گالی دے کر کہا کہ کل جنگ ہوئی تو ابو جہل دیکھ لے گا کہ جنگ سے کون جی چراتا ہے اور پیٹ میں مروڑ کس کے اٹھ رہا ہے؟ اور اس کے بعد اس نے بھی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ (عیون الاثر جلد ۱ ص ۳۹۱، ابن اثیر جلد ۱ ص ۱۵۶)

مسلمان لشکر کے لیے دعا

دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کفر اور اسلام ایک دوسرے کے آمنے سامنے خیمہ زن تھے۔ صبح کیا کچھ ہونے والا تھا یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ کون کون خاک و خون میں لیٹے گا، اس کا بھی کسی کو علم نہیں تھا۔ قریش کا لشکر رنگ رلیوں میں مصروف تھا کیونکہ اسے اپنی تعداد کے بل بوتے پر یہ یقین تھا کہ فتح ان کی ہو گی۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھی سکون کی نیند سو رہے تھے۔ مگر ایک ذات تھی جس کی آنکھیں نیند سے ناآشنا تھیں، وہ قائد لشکر کی ذات ستودہ صفات تھی۔ سردار دو جہاں، شہنشاہ کونین ﷺ ایک درخت کے نیچے رات بھر یاد خدا میں مصروف رہے۔ دل پر سوز، چشم پرنم، زبان پر ذکر اللہ، پوری رات اسی طرح گزار دی۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے نہایت پر سوز تقریر فرمائی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۶۷)

اصحاب سیرت نے لکھا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب قریش کے لشکر کو پورے ساز و سامان کے ساتھ میدان کارزار میں دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسول اللہؐ یوں دعا گو ہوئے:-

اللھم ھذہ قریش قد اقبلت بخیلاء ھا و فخرھا تجادلک و تکذب رسولک۔ اللھم فنصرک الذی وعدلنی، اللھم احنھم الغداہ۔ (ابن ہشام ج ا

ص ۱۲۱، ۶ فتح الباری ج ۷ ص ۳۲۵)

"اے اللہ! یہ قریش ہیں جو اپنے پورے غرور اور تکبر کے ساتھ آئے ہیں۔ یہ تیری مخالفت کرتے ہوئے اور تیرے بھیجے ہوئے رسول کی تکذیب کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔ اے اللہ! اپنی فتح و نصرت نازل فرما جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ! آج انہیں ہلاک کر دے۔"

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ سرکارِ دوعالمؐ نے ہمیں رات ہی میں تیار کر دیا تھا کہ کون لوگ کہاں رہیں گے۔ آپؐ نے تین پارٹیوں کے علم تین حضرات کو دے دیئے۔ مہاجرین کا علم سیدنا مصعب بن عمیرؓ کو، اوس کا علم سیدنا سعد بن معاذؓ کو اور قبیلہ خزرج کا علم سیدنا خباب بن منذرؓ کو دیا۔

روایات میں ہے کہ سیدنا سعد بن معاذؓ کی رائے سے آپؐ کے قیام کے لیے ٹیلہ پر ایک چھپر بنایا گیا۔ کیونکہ انہوں نے بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کیا تھا کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم آپؐ کے لیے ایک چھپر نہ بنا دیں جس پر آپ تشریف رکھیں اور سواریاں آپؐ کے قریب تیار رکھیں۔ پھر ہم دشمن سے جا کر لڑیں۔ اگر اللہ نے ہماری تمنا اور خواہش کے مطابق ہمیں دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تو بہت اچھا، لیکن اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئی تو آپؐ سوار ہو کر ہماری قوم کے دوسرے لوگوں سے جا ملیں۔ اے اللہ کے نبیؐ! ہم ان سے زیادہ آپؐ کے محب نہیں۔ اگر ان لوگوں کو کسی وجہ سے بھی یہ گمان ہوتا کہ آپؐ کو جنگ کا سامنا ہو گا تو وہ بھی ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ شاید حق تعالیٰ شانہ ان کے ذریعہ آپؐ کی حفاظت فرماتا اور وہ نہایت اخلاص کے ساتھ آپؐ کے ساتھ مل کر جہاد کرتے۔

یہ کلمات سیدنا سعد بن معاذؓ کے منہ سے رسول اللہ ﷺ سن کر بہت خوش ہوئے۔ سیدنا سعدؓ کی بڑی تعریف فرمائی اور ان کے حق میں بہت دعا کی۔ اس کے بعد آپؐ کے لیے وہ عریش بنایا گیا۔ یہ ایک بلند ٹیلہ پر بنایا تھا جس پر سے تمام میدان کارزار نظر آتا تھا۔ یہ عریش کھجور کی شاخوں کا تھا۔

سیدنا سعد بن معاذؓ کا یہ مخلصانہ جذبہ قابلِ قدر تھا۔ آپؐ نے بھی اس جذبہ کی قدر کی، لیکن یہ آپؐ کی افتادِ طبع کے خلاف تھا۔ چنانچہ جب بدر میں گھمسان کا رن پڑا تو سرورِ کائنات ﷺ "عریش" میں نہیں بلکہ میدانِ کارزار میں تھے۔

صحابہ کرامؓ نے سرورِ کائنات ﷺ کے لیے جو عریش (چبوترہ) تیار کیا تھا اس کی حفاظت اس دستہ نے اپنے ذمہ لی جس کے علم بردار سیدنا سعد بن معاذؓ تھے۔ جنگ کے موقع پر آپس کی پہچان کے لیے کچھ الفاظ مقرر فرمائے جن کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "شعار" کہا جاتا تھا۔ چنانچہ مہاجرین کا شعار "یا بنی عبدالرحمٰن" مقرر فرمایا۔ بنو خزرج کا شعار "یا بنی عبداللہ" اور قبیلہ اوس کا "یا بنی عبداللہ" اور عام صحابہ کرامؓ کا احد احد اور گھوڑے کا شعار "خلیل اللہ" مقرر فرمایا۔ (البدایہ جلد ۳ ص ۲۷۴)

Marfat.com

رمضان کا مہینہ تھا یعنی جمعہ ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۲ھ تھا اس لیے افطار کا حکم دے دیا۔

نماز صبح کے بعد آپؐ نے جہاد کے موضوع پر تقریر فرمائی، لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ پھر صف بندی کا حکم دیا۔ صفوں کی نگرانی خود فرمائی۔ دست مبارک میں ایک تیر تھا۔ اس تیر کے اشارہ سے صفوں کو درست فرمارہے تھے کہ عجیب معاملہ پیش آگیا۔ ایک صحابی سواد بن غزیہؓ صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے۔ سرکارِ دوعالمؐ نے پیٹ پر تیر کا دباؤ ڈالتے ہوئے فرمایا: سواد! صف برابر کرو۔ میدان کارزار میں ایسا ہو ہی جاتا ہے، لیکن اس صحابی نے کچھ عجیب بات کہہ دی۔ عرض کی: "یارسول اللہؐ! آپؐ معدن عدل وانصاف ہیں۔ آپؐ نے اس سے مجھے دبایا ہے۔ یہ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ میں اس زیادتی کا بدلہ لوں گا"۔ اب ذرا چشم تصور سے دیکھیے۔ کیسا عجیب منظر ہوگا کہ سامنے دشمن کی فوج کھڑی ہے جو آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو ختم کرنے کے درپے ہے اور ایک مجاہد اپنے قائد اور کمانڈر سے بدلہ کا مطالبہ کررہا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو اسی وقت کورٹ مارشل کردیتا۔ لیکن عدل وانصاف کے مجسم نے فوراً بدلہ کے لیے اپنے آپ کو پیش کردیا۔ سوادؓ نے عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ میرا پیٹ ننگا تھا۔ آپ بھی قمیض ہٹایئے تب انتقام صحیح ہوگا"۔ آپؐ نے اسی وقت اپنا کرتہ ہٹادیا۔ سیدنا سوادؓ نے شکم مبارک پر لب رکھ دیئے اور آپؐ کے شکم مبارک کے بوسے لینے لگے۔ آپؐ نے فرمایا "سواد! اس حرکت پر تمہیں کس بات نے آمادہ کیا؟" عرض کی: "اے اللہ کے رسول! ہم یہاں آپؐ پر قربان ہونے کے لیے حاضر ہیں، میری تمنا ہوئی کہ اس آخری وقت میں اس حقیر جسم کی جلد آپؐ کی طاہر اور مطہر جلد سے چھو جائے"۔ (لہٰذا معاف فرمائیں، بعض دفعہ محبت گستاخ ہوجاتی ہے) سرکارِ دوعالمؐ نے سیدنا سوادؓ کے لیے بڑی دعائیں فرمائیں۔

سب صفیں درست ہوچکیں تو آپؐ نے لشکر کو ہدایت فرمائی کہ جب تک آخری احکام موصول نہ ہوجائیں جنگ شروع نہ کی جائے۔ پھر ارشاد فرمایا۔ کہ جب دشمن جمگھٹا کرکے تمہارے قریب آجائیں تو اس وقت ان پر تیر چلانا اور اپنے تیر فضول تیراندازی کرکے ضائع نہ کرنا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۶۸) اور جب تک وہ تم پر چھا نہ جائیں تلوار نہ کھینچنا۔ (ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۳)

میدان جنگ میں قریش مکہ کے لشکر اور اسلامی لشکر کی نسبت ایک اور تین کی تھی۔ پھر ان کے پاس اسلحہ جنگ بھی قریش کے مقابلہ میں بہت کم تھا۔ ایسی حالت میں ایک دو آدمی کا اضافہ بھی بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے اور آدمی اس اضافہ کو ہر قیمت پر قبول کرتا ہے۔ لیکن ایسے موقع پر بھی آپؐ نے اسلامی اصولوں کو قائم رکھا۔ چنانچہ میدان جنگ میں ایک نامی گرامی بہادر حاضر ہوا اور کہا کہ میں مسلمانوں کی خدمت کروں گا۔ صحابہ کرامؓ کو اس کی یہ پیش کش سن کر بہت خوشی ہوئی، لیکن سرور کائناتؐ نے اس سے پوچھا کیا تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

ہمیں کسی مشرک کی مدد کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ وہ واپس چلا گیا۔ یہ گفتگو "حرۃ الوبرہ" کے مقام پر ہوئی تھی۔ پھر وہ دوبارہ دوسرے مقام "الشجرۃ" پر آیا اور یہی بات بارگاہ رسالت میں عرض کی۔ آپ کا جواب پھر وہی تھا۔ تیسری مرتبہ وہ "بیدار" کے مقام پر حاضر خدمت ہوا اور پھر وہی بات خدمت نبویؐ میں عرض کی۔ حضور ﷺ نے پھر وہی سوال کیا کہ کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس مرتبہ خوش بختی نے اس کی راہنمائی کی اور اس کے منہ سے نکلا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو مانتا ہوں۔ تب ارشاد ہوا کہ ہاں تم ساتھ چل سکتے ہو۔ اس کا نام حبیب بن لیاف تھا۔
(مسلم جلد ۲ ص ۱۱۸، سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۱۶۵)

اسی طرح آپؐ کے دو صحابی سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ اور ان کے والد ابو الحسینؓ کہیں سے آرہے تھے کہ راستہ میں قریش نے روک لیا کہ تم دونوں محمدؐ کی مدد کو جارہے ہو۔ انہوں نے جان چھڑانے کے لیے کہا کہ نہیں، ہم ان کی مدد کو نہیں جارہے، ہم مدینہ جارہے ہیں۔ انہوں نے ان دونوں سے آپؐ کی مدد نہ کرنے کا وعدہ لیا اور ان دونوں نے وعدہ بھی کر لیا کہ ہم جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔ یہ دونوں حضرات میدان بدر میں آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ سارا واقعہ آپؐ کی خدمت میں عرض کیا اور ساتھ ہی جنگ میں شرکت کی درخواست کی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہمیں صرف خدا کی مدد درکار ہے"۔ (مسلم جلد ۲)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ اگرچہ مسلمانوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تھا لیکن سرکارِ دوعالم ﷺ کی طرف سے دشمنوں کو پانی پینے کی پوری اجازت تھی۔ اس بارہ میں قریش نے پہلا حربہ یہ اختیار کیا کہ پانی کو برباد کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے حوضوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ سیدنا عمر ابن الخطابؓ کے آزاد کردہ غلام مہجعؓ کے آکر تیر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہ اس جنگ کے سب سے پہلے شہید ہیں۔ (ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۲۷) لیکن ابن سعد کی روایت یہ ہے کہ مہجع کو مقتول ابن حضرمی کے بھائی عامر نے مقابلہ میں شہید کیا تھا۔ پھر حارثہ بن سراقہؓ جو حوض سے پانی پینے جارہے تھے، ان کو ایک تیر آکر لگا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ (ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۲۷)

پھر ابو جہل کے خاندان کا ایک شخص اسود بن عبد الاسد المخزومی جو کہ ایک نہایت بد طینت اور بد خلق انسان تھا، یہ کہتے ہوئے میدان میں آیا "میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ ان کے حوض کا پانی پی کر رہوں گا یا پھر اس حوض کو منہدم کر دوں گا یا پھر اس کے لیے اپنی جان دے دوں گا"۔ جب یہ میدان میں نکلا تو مسلمانوں کی طرف سے سیدنا حمزہؓ نکلے پھر ان دونوں میں حوض سے پرے ہی مڈبھیڑ ہو گئی۔ سیدنا حمزہؓ نے اس شقی پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کا پاؤں نصف پنڈلی سے کٹ گیا اور وہ پیٹھ کے بل گر گیا۔ اس کے پاؤں سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا جس کا رخ اس کے ساتھیوں کی طرف تھا۔ اس کے باوجود وہ گھٹنوں کے

Marfat.com

بل گھسٹ کر حوض کی طرف بڑھا اور وہ اس میں داخل ہوا ہی چاہتا تھا کہ اتنے میں سیدنا حمزہؓ نے تلوار کی دوسری ضرب ایسی لگائی کہ وہ حوض کے باہر ہی ڈھیر ہو گیا۔ (ابن ہشام جلد ا ص ۶۲۴)

میدان بدر میں بنو غفار کے ایک رئیس خفاف بن ایماء بن رمضہ نے اپنے بیٹے کے ہاتھ ابو جہل کو کچھ اونٹ بھیجے اور یہ پیغام بھی بھجوایا کہ اگر مزید مدد کی ضرورت ہو تو اسلحہ اور آدمی دونوں مہیا کر سکتے ہیں۔ ابو جہل نے اس رئیس کا شکریہ ادا کیا اور مزید کمک کے بارہ میں جواب دیا کہ "اگر معاملہ صرف آدمیوں سے مقابلہ کا ہے تو ہماری طاقت مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ ہمیں کسی مدد کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن اگر معاملہ خدا سے مقابلہ کا ہے جیسا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں تو خدا کے مقابلہ میں ہماری ہر قسم کی طاقت بے کار ہے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اندر سے ابو جہل بھی یہ سمجھ رہا تھا کہ اگر خدا سے مقابلہ ہوا تو پھر ہم جتنی مرضی طاقت لے آئیں وہ سب بے کار ہوگی اور ہم مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے نہیں بچ سکتے۔

مبارزت

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ میدان بدر میں عتبہ بن ربیعہ نے جب عمرو بن حضرمی کے خون بہا کا ذمہ لیا اور لوگوں سے بغیر لڑائی کے واپس جانے کے لیے کہا تو ابو جہل نے اسے طعنہ دیا، اس پر عتبہ نے کہا کہ کل کو اگر جنگ ہوئی تو ابو جہل دیکھ لے گا کہ لڑائی سے کون جی چراتا ہے اور پیٹ میں مروڑ کس کے اٹھ رہا ہے۔ پھر جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ سر پر رکھنے کے لیے خود منگوایا، لیکن سر بڑا تھا خود چھوٹا تھا تو سر پر چادر ہی باندھ لی۔ محمد ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اسود بن عبدالاسد المخزومی جب قتل ہوا تو عتبہ بن ربیعہ میدان میں آ گیا۔ عتبہ بڑی آن بان کا شخص تھا۔ مکہ کا رئیس، بنو امیہ کا چشم و چراغ، ابو سفیان کا سسر، وہ ابو جہل کے کل کے طعنہ سے نہایت برہم تھا، اسی لیے وہ سج دھج کر سب سے پہلے میدان میں اس شان سے آیا کہ ایک طرف اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ تھا اور دوسری طرف اس کا بیٹا ولید۔ عرب کے دستور کے مطابق اس نے دعوت مبارزت دی۔ اس کی اس دعوت پر تین انصاری مقابلہ کے لیے نکلے۔ عوف بن حارثؓ، معوذ بن حارثؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ۔

عتبہ نے ان کے بارہ میں پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم انصار میں سے ہیں۔ (رھط من الانصار) یہ سن کر عتبہ نے کہا کہ ہم کو ان لوگوں سے کوئی مطلب نہیں ہم تو اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں جو ہمارے برابر اور جوڑ کے ہوں۔ پھر اس نے اونچی آواز سے کہا:

یا محمد! اخرج الینا اکفاء نا من قومنا۔

اے محمد ﷺ ہماری قوم میں سے ہمارے برابر کے لوگ لڑنے کے لیے بھیجو۔

Marfat.com

عتبہ کی بات سن کر سرکارِ دو عالمؐ نے انصار کو واپس بلالیا اور مہاجرین میں سے سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ، سیدنا علی بن ابی طالبؓ اور سیدنا عبیدہ بن الحارثؓ نگاہ نبوت کا اشارہ پاتے ہی میدان کارزار میں نکل آئے۔ تینوں کا تعلق بنو ہاشم سے تھا۔ طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے کہ سرکارِ دو عالمؐ نے فرمایا تھا:

"اے بنو ہاشم! اٹھو، اس حق کے ساتھ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو دے کر بھیجا ہے۔ یہ لوگ باطل کو لے کر اللہ کے نور کو بجھانے کے لیے آئے ہیں۔"

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۰)

بعض روایات میں ہے کہ ان تینوں حضرات نے اپنے اوپر چادریں اوڑھی ہوئی تھیں، اسی وجہ سے عتبہ انہیں پہچان نہ سکا۔ پوچھا "تم کون ہو؟"

ان مجاہدین میں سے ایک نے اپنا نام خود بتایا۔ عتبہ نے کہا: نعم اکفاء کرام بالکل درست، تم ہمارے برابر کے ہو اور محترم ہو۔

عتبہ سیدنا حمزہؓ کے مقابلہ میں، ولید سیدنا علیؓ کے مقابلہ میں اور شیبہ سیدنا عبیدہؓ کے مقابل ہوئے۔

بعض روایات میں ہے شیبہ سیدنا حمزہؓ کے مقابلہ میں اور عتبہ سیدنا عبیدہؓ کے مقابلہ میں نکلے اور سیدنا علیؓ ولید کے مقابلہ میں نکلے۔

سیدنا حمزہؓ اور سیدنا علیؓ نے تو چشم زدن میں اپنے اپنے مقابل عتبہ اور ولید کو قتل کر ڈالا۔ لیکن سیدنا عبیدہ بن الحارثؓ نے اپنے مقابل شیبہ کو زخمی کیا لیکن خود بھی زخمی ہو گئے۔ سیدنا حمزہؓ اور سیدنا علیؓ اپنے اپنے مقابل سے فارغ ہو کر سیدنا عبیدہ کی مدد کو پہنچے اور ران کے مقابل شیبہ کو قتل کر دیا اور عبیدہؓ کو اٹھا کر سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ سیدنا عبیدہؓ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھے۔ "سیرۃ حلبیہ" کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے دس سال عمر میں بڑے تھے۔ (جلد ۲ ص ۱۷۸) یہ حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے تھے یعنی نبی اکرمؐ کے سیدنا علیؓ کی طرح چچازاد بھائی۔

سیدنا عبیدہؓ کی پنڈلی سے خون جاری تھا۔ سرکارِ دو عالمؐ نے ان کا سر اپنے زانو مبارک پر رکھ لیا۔ شہید عشق نے پوچھا: "یا رسول اللہ! کیا میں شہید ہوں؟" حضور ﷺ نے فرمایا: "بے شک"۔ اس پر سیدنا عبیدہؓ نے کہا: "اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے تو انہیں ماننا پڑتا کہ ان کے اس شعر کا مستحق سب سے زیادہ میں ہوں"۔

ونسلم حتی نصرع حوله
و نزهل عن ابنائنا والحلائل

یعنی ہم محمد ﷺ کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کر سکتے ہیں کہ ہم سب ان سے پہلے قتل

کر دیئے جائیں اور اپنے بیٹوں اور عورتوں سے بے خبر ہو جائیں۔

(زرقانی جلد ۱ص ۴۱۷' البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۷۴)

اس کے بعد بڑے مزے سے راہ حق میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ تو شہید ہے۔" (اشھد انک شھید) حضور ﷺ کے قدموں میں جان دینے والا یہ اسلام کا پہلا شہید ہے۔

بچہ ناز رفتہ باشد زیں جہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

روایات میں ہے کہ عتبہ اور شیبہ جنگ سے جی چراتے تھے۔ اس کی وجہ ایک تو عاتکہ بنت عبدالمطلب اور جہیم بن الصلت کے خواب تھے۔ لیکن ان دونوں سے زیادہ بڑی وجہ یہ تھی کہ مکہ سے چلتے وقت ان کے غلام سیدنا عداس ؓ نے جو سرکار دو عالم ؐ کے طائف سے واپسی پر آپ ؐ کے دست مبارک پر ایمان لے آئے ہوئے تھے' ان دونوں بھائیوں (عتبہ اور شیبہ) سے کہا:

"میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں' اللہ کی قسم! محمد ﷺ بلا شبہ اللہ کے رسول ہیں اور تم دونوں بھائی اپنی قتل گاہ کی طرف ہانکے جا رہے ہو۔"

شیبہ کے بیٹے عاص نے جب عداس ؓ کو روتے دیکھا تو ان کے رونے کا سبب پوچھا۔ عداس ؓ نے جواب دیا "بیٹا! میں اپنے ان آقاؤں کی وجہ سے روتا ہوں کہ یہ دونوں اللہ کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جا رہے ہیں"۔ عاص نے پوچھا: کیا واقعی وہ اللہ کے رسول ہیں۔ عداس ؓ نے فرمایا: ہاں' خدا کی قسم' وہ اللہ کے رسول ہیں جو تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔" (الاصابہ ترجمہ عداس)

عداس ؓ کی یہ بات عتبہ اور شیبہ کے دلوں میں اتر چکی تھی' اس لیے وہ جنگ سے جی چراتے تھے۔ صرف ابوجہل کے طعن و طنز کی وجہ سے کہ عتبہ بزدل ہے' یہ دونوں بھائی پہلے میدان میں آئے تاکہ بزدلی اور نامردی کا طعنہ دور کریں۔

اس جنگ کا آغاز ہی مشرکین کے لیے نہایت برا ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں ان کے تین سورما موت کے گھاٹ اتر گئے اور عتبہ جیسا رئیس مکہ اور بہادر شخص اپنے بھائی اور بیٹے کے ساتھ خاک و خون میں تڑپ رہا تھا۔ یہ قریش کے لیے ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔ اس سے سارے لشکر کے پاؤں اکھڑ سکتے تھے۔ ویسے بھی عتبہ تمام لشکر کا سپہ سالار تھا اور سپہ سالار کا قتل ہو جانا پورے لشکر کی شکست ہوتی ہے' لیکن ابوجہل موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے فوراً میدان میں کود پڑا اور اپنے لشکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا: "یہ لوگ (عتبہ اور اس کا بھائی اور بیٹا) جلد بازی میں اپنی جانیں کھو بیٹھے ہیں۔ تم لوگ گھبراؤ نہیں بلکہ آگے بڑھو۔ مسلمانوں کی کیا حقیقت ہے؟ تم ان سے تین گنا زیادہ ہو۔ یہ تمہارے مقابلہ میں مٹھی بھر ہیں۔ ان کو موت

Marfat.com

کے گھاٹ اتار دو۔ انہیں زندہ پکڑو اور پہاڑوں میں دھکیل دو جہاں یہ زندگی بھر بھوکے پیاسے رہیں اور سسک سسک کر اپنی جانیں دیں۔ میں لات و عزیٰ کی قسم دیتا ہوں، انہیں بتا دو کہ لات و عزیٰ کو چھوڑ کر وہ کس طرح ذلیل و خوار ہوئے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۸۳)

کبھی جوش میں آ کر کہتا! "لات و عزیٰ کی قسم، میں انہیں ابھی ان کی کرتوتوں کا مزا چکھاتا ہوں۔"

کبھی یہ رجز پڑھتا جس کا ترجمہ یہ ہے!

"دہشت انگیز جنگوں کو میری یہ بات ناگوار نہیں ہے کہ میں پختہ کار اور تجربہ کار نوجوان ہوں۔ میری ماں نے مجھے اس قسم کے معرکوں کے لیے جنا ہے۔"

(سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۶۳۴)

کبھی لشکر کے مذہب پرستوں کو متاثر کرنے کے لیے کہتا:

اللھم اولانا بالحق فانصرہ۔

"اے اللہ! ہم میں سے جو حق سے زیادہ قریب ہے اس کی مدد فرما۔"

ابو جہل یہ ساری باتیں بوکھلاہٹ میں کہہ رہا تھا کیونکہ آغاز جنگ ہی میں عتبہ جیسے آدمی کا قتل ہو جانا، قریش کے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان تھا۔ وہ لشکر کو بھاگنے سے بچانا چاہتا تھا اس لیے اس قسم کی باتیں کر رہا تھا۔ چنانچہ اس کی یہ تدبیر کامیاب رہی اور قریش کے پاؤں جم گئے اور وہ میدان میں ڈٹے رہے۔ ان کے حوصلے پست نہ ہوئے۔ مسلمانوں کے حوصلے اگرچہ پہلی جیت کی کامیابیوں میں بلند ہوئے لیکن انہیں اپنی تعداد اور بے سرو سامانی کا خیال تھا۔ صرف نصرت الٰہی پر بھروسہ تھا۔ دونوں طرف عجیب و غریب جذبات تھے۔ ایک طرف اپنی تعداد اور اسلحہ پر بھروسہ تھا اور دوسری طرف ذات الٰہی پر۔ چنانچہ مسلمانوں نے جب ابو جہل کی اس جوش دلانے والی تقریر سے کفر کو بپھرتا ہوا دیکھا تو وہ اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں کرنے لگے۔ مسلمانوں کی اسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان الفاظ میں بیان فرمایا:

اذ تستغیثون ربکم۔ (۸ : ۹)

"یعنی (وہ وقت یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے۔"

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

"صحابہ کرامؓ اپنے اپنے انداز میں بارگاہ رب العزت میں گڑگڑا رہے تھے جو زمین و آسمان کا رب ہے اور جو دعاؤں کو سنتا اور مصائب کو دور کرتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۷۲)

ادھر اللہ کا رسول بھی عریش پر سجدہ ریز تھا۔ عتبہ اور شیبہ اور ولید کے قتل کے بعد میدان کارزار گرم ہو گیا۔ اپنے ان سرداروں کے قتل ہونے کے بعد ابو جہل کی تقریر سے قریش میں ایک جوش پیدا

Marfat.com

ہو گیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ عریش سے نیچے اترے اور صحابہ کرامؓ میں صف بندی کی اور پھر سیدنا صدیق اکبرؓ کے ساتھ عریش پر واپس تشریف لے گئے اور سیدنا سعد بن معاذؓ عریش کے باہر اس کی حفاظت کے لیے تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا میں مشغول ہو گئے کہ

"اے اللہ! میں تیرے عہد اور وعدہ کی درخواست کرتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو تیری پرستش نہ ہو"۔ حضور ﷺ نہایت تضرع اور ابتہال سے دعا فرماتے تھے۔ لشکر اسلام کی فتح و نصرت کے لیے دعائیں فرماتے۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن میں میدان جنگ سے آپ ﷺ کی طرف آیا۔ دیکھا کہ آپ ﷺ سجدے میں ہیں اور "یاحی یاقیوم" کا ورد زبان مبارک پر جاری ہے۔ میں واپس چلا گیا اور پھر جنگ میں مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر بعد پھر آیا تو آپ ﷺ کو اسی حال میں دیکھا پھر تیسری دفعہ آیا تب بھی ویسا ہی پایا کہ آپ ﷺ سائلانہ انداز میں دامن پھیلا پھیلا کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ چوتھی مرتبہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمادی۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۴۱۹، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۱۵)

سیدنا عمر بن الخطابؓ کا بیان ہے کہ میدان بدر میں جب زور کا رن پڑا تو آپ ﷺ عریش پر تشریف لے گئے اور قبلہ رو ہو کر بارگاہِ الٰہی میں یوں گویا ہوئے:

اللھم انجز لی ما وعدتنی، اللھم ان تھلک ھذہ العصابہ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض۔

"اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کو پورا فرما۔ اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ ہو گی۔

آپ ﷺ دیر تک ہاتھ اور دامن پھیلاتے ہوئے یہی دعا کرتے رہے۔ آپ ﷺ اتنی محویت سے یہ دعا فرماتے تھے کہ چادر دوش مبارک سے گر پڑتی تھی۔

سیدنا صدیق اکبرؓ ردا مبارک دوش نبوی پر ڈالتے ہوئے آپ ﷺ کی کمر سے چمٹ گئے اور عرض کی:

"اے اللہ کے رسول! بس کافی ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ کے حضور بہت الحاح و زاری کی"۔ پیغمبر اسلام نہایت بے تابی اور اضطراب سے دامن پھیلا کر اور پر نم آنکھوں کے ساتھ دست بدعا تھے۔ اللہ کی عظمت اور اس کا جلال آپ ﷺ کی نظروں میں تھا۔ آپ ﷺ کی اس حالت کو دیکھ کر سیدنا صدیق اکبرؓ کو یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ کی دعا قبول ہو گئی ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ نے عرض کی کہ "یارسول اللہ! بس اللہ تعالیٰ سے آپ کا یہ سوال کافی ہے۔ وہ آپ ﷺ سے کیے گئے اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا"۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا:

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اہلِ ایمان کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دلوں میں (تمہارا)

Marfat.com

رعب ڈال دوں گا۔" (۱۲:۸)

پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ وحی بھیجی:

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکہ مردفین۔ وما جعلہ اللہ الا بشری ولتطمئن بہ قلوبکم' وما النصر الا من عند اللہ' ان اللہ عزیز حکیم۔ (۸ : ۹)

"اس وقت کو یاد کرو جب تم اللہ سے فریاد کر رہے تھے۔ پس اللہ نے تمہاری دعا قبول کر لی کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا جو پے در پے آنے والے ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو تمہاری بشارت بنایا تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ مدد درحقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے' بے شک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے"۔

(زرقانی جلد ۱ ص ۴۲۱' فتح الباری جلد ۷ ص ۲۷۵)

ایک روایت میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ پر کچھ غنودگی طاری ہوئی۔ پھر آپؐ نے سر اٹھایا اور فرمایا: "ابوبکر! خوش ہو جاؤ۔ یہ جبریل امین گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہیں۔" ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "ابوبکرؓ! خوش ہو جاؤ۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی نصرت آ گئی۔ یہ جبریل امین ہیں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اور گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہیں"۔

اب سید الانبیاء ﷺ کی ہمت بے پناہ تھی کیونکہ آپ کو یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کا رابطہ اپنے رب سے نہایت مضبوط ہے۔ پھر آپؐ عریش سے باہر تشریف لائے اس حالت میں کہ زرہ جسم مبارک پر ڈھلک رہی تھی (اس زرہ کا نام ذات الفضول تھا اور تلوار جو آپؐ حمائل کیے ہوئے تھے اس کا نام عضب تھا۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۱۶۵) اور آپؐ کی زبان پر وہی آیت مبارکہ تھی جو چند سال قبل مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی جب کہ جنگ کا تصور تھا اور نہ دشمن کی ہزیمت کا خیال:

سیھزم الجمع ویولون الدبر۔

"عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر بھاگے گی۔"

(زرقانی جلد ۱ ص ۴۱۹' فتح الباری جلد ۷ ص ۲۴۲' البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۷۸)

یہ آیت پڑھتے ہوئے آپؐ دشمنوں میں گھس گئے۔ آپؐ کے ساتھ آپؐ کے جان نثار بھی دشمن پر ٹوٹ پڑے اور گھمسان کا رن پڑا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد آپؐ نے کنکریلی مٹی لی اور قریش کے لشکر کی طرف رخ کر کے فرمایا: چہرے بگڑ جائیں (شاھت الوجوہ) اور اس کے ساتھ مٹی ان کی طرف پھینک دی۔ لشکر قریش میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں' نتھنوں اور منہ میں اس مٹی میں سے کچھ نہ گیا ہو۔ اس کے

Marfat.com

بعد آپ ؐ نے جوابی حملے کا حکم فرمایا اور صحابہ کرام ؓ کو فرمایا: "شدوا" (ان پر چڑھ دوڑو) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، ان میں جو آدمی بھی ڈٹ کر، ثواب سمجھ کر، آگے بڑھ کر اور پیچھے نہ ہٹ کر لڑے گا اور مارا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا۔ (لایقاتلهم الیوم رجل فیقتل صابرا محتسبا مقبلا غیر مدبر الا ادخله الله الجنه)

رحمت عالم ﷺ نے پوری زندگی اپنی تلوار کو کسی کے خون سے رنگین نہیں کیا۔ آپ ؐ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کا غضب سب سے زیادہ اس شخص پر ہوتا ہے جو کسی نبی کے ہاتھ سے مارا جائے۔ اس وجہ سے آپ ؐ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو بدبخت بنانا پسند نہیں فرمایا، لیکن صحابہ کرام ؓ نے ہمیشہ یہ بھی دیکھا کہ جنگ میں خاص گھمسان کے وقت آپ ؐ دشمن کے نرغہ میں چٹان کی طرح جمے ہوئے اپنے صحابہ کرام ؓ کی پناہ گاہ بنے رہتے تھے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۸۳، البدایہ والنہایہ جلد ۳ صل ۲۷۹) اس غزوہ میں بھی سیدنا علی ؓ کی شہادت کے مطابق: آپ ؐ دشمن سے بہت زیادہ قریب ہم سب کی پناہ بنے ہوئے تھے۔ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ آپ ؐ کے برابر تھے۔ دشمن نرغہ کرتا تو ہم آپ کی پناہ لیتے تھے"۔

(مسند احمد، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۷۹)

اس جوابی حملہ کے بعد صحابہ کرام ؓ نے ایک عجیب بات دیکھی جس کی ان کو ہمیشہ حیرت رہی۔ وہ یہ کہ وہی دشمن جس کو اپنی تعداد اور اسلحہ پر ناز تھا۔ وہ دفعتاً اپنی ہمت ہار چکا تھا۔ اس کی قوت ختم ہو چکی تھی، اس کی وہ گردنیں جو نخوت و غرور سے اکڑی ہوئی تھیں، مولی گاجر کی طرح کٹ کٹ کر گر رہی تھیں۔ وہ پیل تن جو کئی کئی لوگوں کے قابو میں نہیں آتے تھے ان کی مشکیں ایک نحیف و کمزور صحابی کس رہا تھا۔ یہ سب اس نصرت الٰہی کے کرشمے تھے جو فرشتوں کے نزول کی صورت میں آئی تھی۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم۔

"تم نے انہیں جنگ میں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔"

وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى۔

"(اے پیغمبر!) تم نے جب میدان جنگ میں مٹھی بھر خاک پھینکی تو حقیقت یہ ہے کہ وہ تم نے نہیں پھینکی تھی بلکہ خدا نے پھینکی تھی۔"

جب زور کا رن پڑا ہوا تھا تو آپ ؐ نے لوگوں کو قتال پر ابھارتے ہوئے یہ فرمایا:

"لوگو اس جنت کی طرف بڑھو جس کی پہنائیاں آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہیں"۔ آپ ؐ کی اس بات کو سن کر سیدنا عمیر بن حمام ؓ نے کہا: "بہت خوب، بہت خوب"۔ سرکارِ دوعالم ؐ نے پوچھا کہ "بہت خوب، بہت خوب کیوں کہہ رہے ہو"۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! سوائے اس کے اور کوئی

Marfat.com

بات نہیں کہ مجھے توقع ہے کہ میں بھی انہی اہلِ جنت میں سے ہوں گا۔"

آپ ؐ نے فرمایا تم بھی انہی جنت والوں میں سے ہو۔ اس کے بعد وہ اپنے توشہ دان سے کچھ کھجوریں نکال کر کھانے لگے۔ پھر کہنے لگے اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا کہ اپنی یہ کھجوریں کھالوں تو یہ تو لمبی زندگی ہو جائے گی۔ چنانچہ ان کے پاس جو کھجوریں تھیں، انہیں پھینک دیا۔ پھر دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (مسلم جلد ۲ ص ۱۳۹)

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ سیدنا عمیرؓ نے توشہ دان سے کچھ کھجوریں نکالیں کہ پیٹ میں ان کا سہارا لے کر دشمن پر حملہ کروں گا لیکن پھر دفعتاً خیال آیا کہ انہیں کھانے میں تو دیر لگ جائے گی، اس لیے جنت میں داخل ہونے میں دیر کیوں کی جائے۔ چنانچہ کھجوریں پھینکیں اور تلوار سنبھال کر دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے۔ کئی دشمنوں کو قتل کر کے داخل جنت ہو گئے۔ جب عمیرؓ نے کھجوریں پھینک کر تلوار سنبھالی تو لوگوں نے ان کی زبان سے یہ رجز سنا:

رکضا الی اللہ بغیر زاد الا التقی و عمل المعاد

والصبر فی اللہ علی الجہاد وکل زاد عرضہ النفاد

غیر التقیٰ والبر و الرشاد

یعنی بغیر کسی زادراہ کے اللہ کی طرف دوڑ رہا ہوں۔

ہاں مگر توشہ ہے تقویٰ اور وہ کام جو آخرت کے لیے کیے ہیں

اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے صبر و استقلال

اور جو بھی توشہ اور زادراہ ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے

باقی رہ جانے والا توشہ تقویٰ، نیکی اور رہدایت ہے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۱۸۵)

اب ملائکہ کا نزول ہو رہا تھا اور نصرت خداوندی آ رہی تھی۔ دشمن کے حوصلے پست ہو رہے تھے اور صحابہ کرامؓ کی ہمتیں بلند ہو رہی تھیں۔ کوئی صحابی کسی دشمن پر تلوار اٹھاتا تو اس کے تلوار مارنے سے پہلے دشمن کا سر کٹ جاتا۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے اور روایت کرنے والے عکرمہؓ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس دن دشمن کا سر کٹ کر گرتا لیکن یہ پتہ نہ چلتا کہ اسے کس نے مارا ہے اور دشمن کا ہاتھ کٹ کر گرتا اور یہ پتہ نہ چلتا کہ کس نے کاٹا ہے۔

(عیون الاثر جلد ۱ ص ۳۹۶، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۵-۲۶)

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک اس مشرک کے اوپر کوڑا پڑنے کی آواز آئی۔ اور ایک شہ سوار کی آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا "خیزوم! آگے بڑھ"۔ مسلمان نے مشرک کو اپنے آگے دیکھا کہ وہ چت گرا۔ مسلمان نے اسے دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ کا

Marfat.com

نشان تھا۔ چہرہ پھٹا ہوا تھا جیسے وہ کوڑے سے مارا گیا ہو۔ اس انصاری نے بارگاہ رسالت پناہ میں آکر یہ واقعہ بیان فرمایا تو حضور ﷺ نے فرمایا: "تم سچ کہتے ہو یہ تیسرے آسمان کی مدد تھی۔"

(مسلم جلد ۲ ص ۹۳)

امام زرقانی نے لکھا ہے کہ حیزوم حضرت جبریل کے گھوڑے کا نام ہے۔ (زرقانی جلد ا ص ۴۲۶)

اب آسمان سے فرشتوں کا نزول ہو رہا تھا۔ اول ایک ہزار، پھر تین ہزار اور پھر پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے آسمان سے نازل ہوئے۔ فرشتوں کے نزول سے جہاں مشرکین کے سر قلم ہوئے وہاں مسلمانوں کو بھی روحانی طور پر تقویت پہنچی اور اب وہ بڑھ بڑھ کر قریش کے لشکر پر حملہ کر رہے تھے۔ چنانچہ ایک مجاہد مہاجر سیدنا معبد بن وہبؓ نے دونوں ہاتھوں میں تلواریں پکڑ رکھی تھیں۔ یہ ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہؓ کے بہنوئی تھے۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ سیدنا ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے مقتولین میں سے کچھ مقتول ایسے بھی تھے جن کی گردنوں اور بدن کے جوڑوں پر ایسے نشان تھے جیسے آگ سے جل گئے ہوں اور جن لوگوں کو مسلمان مجاہدین نے قتل کیا تھا ان میں یہ بات نہیں تھی۔ یہ فرشتوں اور مجاہدین کے مقتولین میں امتیازی نشان تھا۔ (خصائص جلد ا ص ۲۰۱)

سیدنا ابو بردہؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے اختتام کے بعد تین آدمیوں کے سر میں نے رسول اللہؐ کے سامنے لاکر رکھے اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول، ان دو کو تو میں نے قتل کیا ہے اور اس تیسرے کو ایک لمبے قد والے سفید رنگ کے آدمی نے قتل کیا تھا"۔ آپؐ نے فرمایا: "وہ فرشتہ تھا"۔

(خصائص کبریٰ، جلد ا، ص ۲۰۱)

فرشتوں کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ:

فاضربوا فوق الاعناق، واضربوا منھم کل بنان۔

"ان کی گردنوں کو مارو اور ہاتھ پاؤں کی ایک ایک پور پر مارو"۔ (انفال)

اسی وجہ سے سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فرشتوں نے بھی قتال میں حصہ لیا۔ بدر کے علاوہ دوسرے غزوات میں فرشتے عدد اور مدد کرتے رہے۔ ان کی آمد سے مجاہدین اسلام کے حوصلے بلند ہوئے اور ان کی ہمتیں بڑھیں۔

(خصائص کبریٰ بیہقی جلد ا ص ۲۰۱، عیون الاثر جلد ا ص ۲۰۱)

سیدنا عباس بن عبدالمطلب بھی اس جنگ میں قریش کی طرف سے شریک تھے۔ یہ نہایت بھاری بھرکم شخص تھے۔ دراز قد اور جسم گٹھا ہوا۔ ایک لاغر اور خستہ و پستہ اندام انصاری ابو الیسر کعب بن عمرؓ نے انہیں پکڑ کر ان کی مشکیں کس دیں۔ کوئی شخص باور نہیں کر سکتا تھا کہ ابو الیسر جیسا نحیف و نزار شخص

Marfat.com

انہیں گرفتار کر سکتا ہے۔ خود حضرت عباسؓ کے بیٹے عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ ابوالیسرؓ کو عباسؓ مٹھی میں بند کر سکتے تھے۔ (خصائص جلد ا ص ۲۰۴) سرکارِ دو عالم ﷺ نے ابوالیسرؓ سے پوچھا کہ تم نے عباس کو کیسے گرفتار کیا۔ عرض کیا: "یا رسول اللہ! ایک شخص نے میری مدد کی۔ وہ ایک اجنبی شخص تھا۔ نہ میں نے اسے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں وہ کبھی نظر آیا"۔ آپؐ نے فرمایا "وہ فرشتہ تھا"۔ خود سیدنا عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ "غزوہ بدر میں مجھے جس شخص نے گرفتار کیا وہ ایک کشادہ پیشانی والا حسین و جمیل انسان تھا جو ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا۔ اب میں اسے لوگوں میں نہیں دیکھ رہا ہوں"۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۷۸)

اس غزوہ میں مسلمانوں کا ایثار بھی حیرت انگیز تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں اپنے عزیز و اقارب اور جگر کے ٹکڑوں کی بھی پروانہ کی۔ اور چشم فلک نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تلواریں ان کے مقابلہ کے لیے اٹھ رہی ہیں۔

عتبہ بن ربیعہ میدان میں آیا تو اس کے بیٹے ابو حذیفہؓ اس کے مقابلہ میں نکلنے لگے لیکن سرکارِ دو عالمؐ نے منع فرمادیا۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۱۹۹)

سیدنا صدیق اکبرؓ کے لخت جگر "عبدالرحمن" نے میدان میں نکل کر مبارزت کی آواز دی تو سیدنا صدیق اکبرؓ بیٹے کے مقابلہ میں میدان میں نکلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے روک لیا اور فرمایا کہ میرے پاس سے نہ ہٹیں۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کی تلوار ان کے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی۔ ماموں کا نام عاص بن ہشام تھا۔ (البدایہ جلد ۳ ص ۲۹۰)

سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے والد نے بیٹے پر حملہ کیا۔ بیٹے نے مدافعت کی تو بیٹے کی تلوار سے باپ قتل ہو گیا۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۱۸۸)

اس قسم کے کئی واقعات اس جنگ میں پیش آئے لیکن مسلمانوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کو ہر ایک پر ترجیح دی۔ کچھ اس وجہ سے بھی اس دن کو "یوم الفرقان" کہا جاتا ہے۔

ابلیس کا میدان سے فرار

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ابلیس لعین بھی اس غزوہ میں سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں آیا ہوا تھا لیکن جب اس نے فرشتوں کا نزول دیکھا تو الٹے پاؤں بھاگنے لگا مگر حارث بن ہشام نے اسے پکڑ لیا کیونکہ وہ اسے واقعی سراقہ سمجھ رہا تھا۔ لیکن ابلیس نے حارث کے سینے پر ایسی دو ہتڑ ماری کہ وہ گر گیا اور ابلیس بھاگ نکلا۔ اس کو بھاگتا دیکھ کر مشرکین نے کہا کہ سراقہ تم کہاں بھاگے جا رہے ہو، تم تو

ہمارے مددگاروں میں سے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ "میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی سخت سزا والا ہے"۔ اور اس کے بعد بھاگ کر وہ سمندر میں جا رہا۔

ملائکہ کے سامنے شیطانی طاقتیں ہرگز نہیں ٹھہر سکتیں چنانچہ جب ملائکہ کا نزول ہوا تو شیطان کا کیا حشر ہوا؟ قرآن حکیم نے اس کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

"جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو شیطان الٹے پاؤں واپس ہوا اور کہنے لگا۔ مجھے تم سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔"

اور شیطانی فطرت ہی ایسی ہے کہ پہلے وہ انسان کو برائی پر آمادہ کرتا ہے پھر مدد کرنے کے وقت اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے چنانچہ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے کہ "شیطان ایسا کرتا ہے کہ وہ انسان کو کہتا ہے کفر کر، پس جب وہ کفر میں مبتلا ہوتا ہے تو پھر یہ کہتا ہے کہ میں تم لوگوں سے بری الذمہ ہوں کیونکہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔"

علماء اسلام نے لکھا ہے کہ چونکہ اس جنگ میں ابلیس بھی اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مشرکین کی مدد کے لیے آیا ہوا تھا اور اس نے اپنے ہم جنسوں اور ہم نواؤں کو اطمینان دلایا تھا۔

لاغالب لکم الیوم وانی جار لکم۔ (الانفال)

"ان لوگوں میں سے کوئی بھی آج تم پر غالب نہ آسکے گا اور میں تمہارا مددگار اور پشت پناہ ہوں۔"

اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی امداد کے لیے جبریل، میکائیل اور اسرافیل کی قیادت میں آسمان سے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا۔ ابلیس کے آدمی بنی مَدلج کے مردوں کی شکلوں میں تھے اور اللہ نے فرشتوں کو بھی انسانوں کی شکل میں بھیجا۔

(زرقانی جلد ۱ ص ۴۲۳، روض الانف جلد ۲ ص ۸۸، خصائص جلد ۱ ص ۲۰۴)

ابو اسید ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ بدر میں فرشتے زرد رنگ کے عماموں میں اترے تھے اور ان کے عماموں کے شملے مونڈھوں کے درمیان تھے۔ سیدنا زبیرؓ بھی غزوہ بدر کے روز زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ (عیون الاثر جلد ۱ ص ۴۰۱، ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۳۳۔۶۳۴)

فرشتوں کا نزول اس جنگ میں نہ صرف مسلمانوں نے دیکھا تھا بلکہ کافروں کو بھی اس کا احساس ہو گیا تھا۔ چنانچہ غزوہ بدر سے شکست کھا کر جب قریش کے آدمی واپس مکہ پہنچے تو کچھ لوگوں نے ابولہب سے روئیداد جنگ بیان کرتے ہوئے کہا کہ "ہم نے دیکھا کہ بہت سے گورے چٹے آدمی جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے، زمین سے لے کر آسمان تک فضا میں چھائے ہوئے تھے۔"

اس کے برعکس جب مسلمانوں کے فاتح اور کامیاب لشکر کو مدینہ کے لوگ مبارک باد دے رہے

تھے تو سیدنا سلمہ بن سلامہؓ نے فرمایا۔ مبارک باد کی کیا بات ہے۔ واللہ جو ہمارے مقابلہ پر تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بوڑھی عورتیں ہیں یا پابستہ اونٹنیاں۔ یہ سب فرشتوں کے نزول کی برکت تھی۔

ابو جہل کا قتل

جب مسلمان مشرکین کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے اور مشرکین بوڑھی عورتوں کی طرح ان کے سامنے کٹ رہے تھے اور ان کی صفوں میں ایک اضطرابی کیفیت تھی۔ مشرکین بھاگنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور مسلمانوں کا جارحانہ حملہ ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا اور فرشتوں کے نزول کی وجہ سے شیطان جو سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں ان کی مدد کے لیے اپنے آدمی لے کر آیا ہوا تھا بھاگ گیا تو مشرکین مکہ سخت پریشانی کے عالم میں گرفتار تھے، اور ان کی صفوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ابو جہل نے جب اپنی صفوں کی یہ اضطرابی کیفیت دیکھی تو چاہا کہ اس سیلاب کے سامنے ڈٹ جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے لشکر کے اس اضطراب کو دور کرنے کے لیے للکارا اور نہایت اکڑ اور تکبر کے ساتھ انہیں ترغیب دی کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر ڈٹ کر اسلامی لشکر کا مقابلہ کریں۔ اس نے لشکر کو مخاطب ہو کر کہا کہ "تمہیں سراقہ بن مالک مدلجی کے بھاگنے سے پست ہمت نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس نے اسلامی لشکر کے ساتھ پہلے ہی سازباز کر رکھی تھی۔ لات و عزیٰ کی قسم! ہم واپس نہ ہوں گے جب تک یہاں کے ان مسلمانوں کو رسیوں میں جکڑ نہ لیں۔ مسلمانوں کو قتل کرنے کے بجائے انہیں پکڑو اور گرفتار کرو تاکہ ہم انہیں پھر مزہ چکھا سکیں"۔ لیکن قریشی لشکر کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ اب ابو جہل کی للکار کی مسلمانوں کے حملہ کی تندی کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی۔ قریش کے لشکر کی صفوں میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئی تھیں۔ آخر میں ابو جہل نے اپنے گرد تلواروں کی باڑھ اور نیزوں کا جنگل قائم کر لیا لیکن اسلامی لشکر کی آنکھوں نے اس باڑھ کو بھی بکھیر کر رکھ دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے دیکھا کہ وہ ایک گھوڑے پر چکر کاٹ رہا ہے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ میں نے میدان جنگ میں جو نظر ڈالی تو دو نوجوان میرے دائیں بائیں تھے۔ یہ دونوں ناتجربہ کار اور نوخیز تھے۔ یہ دونوں انصاری تھے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ لوگ مجھ کو دو لڑکوں کے درمیان دیکھ کر نہ آگھیریں۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں ان کو بچاؤں گا یا اپنی حفاظت کروں گا۔

میں یہی سوچ رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے چپکے سے پوچھا: "چچا! ابو جہل کون سا ہے؟" میں نے کہا: "بھتیجے! تم ابو جہل کا پوچھ کر کیا کرو گے؟" اس لڑکے نے جواب دیا! "میں نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ اگر ابو جہل کو دیکھ پاؤں تو اس کو قتل کر دوں یا خود مارا جاؤں۔ اس لیے کہ مجھے پتہ ہے کہ وہ ہمارے

Marfat.com

پیغمبر کا سخت دشمن ہے اور ان کی شان میں سب وشتم کرتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اسے دیکھ پاؤں تو میرا سایہ اس کے سایہ سے اس وقت تک الگ نہیں ہو گا جب تک ہم میں سے ایک نہ مارا جائے"۔ دوسرے لڑکے نے بھی یہی سوال کیا۔ اس نے بھی میرے سوال کے جواب میں وہی کچھ کہا تھا۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ابوجہل سامنے آ گیا۔ میں نے ان دونوں کو اشارہ کیا اور کہا کہ جس کی تمہیں تلاش ہے وہ یہ ہے۔ میرا اشارہ کرنا تھا کہ وہ دونوں نوجوان شاہین کی طرح اس پر جھپٹے اور اس کو گھیر لیا۔ ان نوجوانوں کا نام معاذ اور معوذ تھا۔ ان کی والدہ کا نام عفراءؓ اور باپ کا نام حارث تھا۔ مگر یہ دونوں ماں کے نام سے مشہور تھے۔ ان کو ابن عفراءؓ کہا جاتا تھا۔ یہ عفراءؓ بھی بڑی خوش قسمت عورت تھیں۔ یہ خود بھی صحابیہ تھیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ عفراءؓ کی ایک خاص خصوصیت تھی جو کسی اور صحابیہ میں نہیں ملتی۔ وہ یہ کہ عفراءؓ نے پہلا نکاح حارث سے کیا۔ حارث سے تین بیٹے ہوئے۔ عوف، معوذ اور معاذ۔ حارث کے بعد انہوں نے بکیر بن یالیل سے نکاح کیا۔ ان سے چار لڑکے پیدا ہوئے۔ ایاس، عاقل، خالد اور عامر۔ ان دونوں شوہروں سے یہ ساتوں بیٹے غزوہ بدر میں شریک تھے۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۴۱۶)

معاذؓ نے ابوجہل پر تلوار سے ایسا وار کیا کہ وہ بری طرح زخمی ہو گیا۔ لیکن ابوجہل بھی کوئی پست ہمت نہ تھا۔ ایک بہادر سردار تھا۔ اس نے پلٹ کر حملہ کیا اور معوذ کو شہید کر دیا۔ لیکن معاذ نے بڑھ کر ابوجہل کا کام تمام کر دیا۔

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے آگے بڑھ کر معاذؓ کے مونڈھے پر اس زور سے تلوار ماری کہ اس کا بازو مونڈھے سے کٹ گیا۔ صرف ایک تسمہ باقی رہ گیا۔ معاذؓ عکرمہ پر جھپٹے تو عکرمہ وہاں سے نکل گیا۔ معاذ میدان سے پھر بھی نہ ہٹے۔ لٹکے ہوئے بازو کو پیچھے ڈال لیا اور دشمنوں سے لڑنا شروع کر دیا۔ اور شام تک اسی حالت میں لڑتے رہے۔ جب ہاتھ کے لٹکنے سے تکلیف زیادہ ہو گئی تو ہاتھ پاؤں کے نیچے دبا کر تسمہ الگ کر دیا۔ اب یہ سخت جان انصاری مجاہد ہلکا تھا اور ایک ہی ہاتھ سے لڑتا رہا۔ معاذؓ سیدنا عثمانؓ کی خلافت تک زندہ رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ معوذ ابوجہل کے قتل سے فارغ ہو کر لڑائی میں مشغول رہا اور پھر جام شہادت نوش کیا۔ (فتح الباری، جلد ۷ ص ۲۳)

بخاری کی روایت میں معوذؓ اور معاذؓ ہی کو ابوجہل کا قاتل بتایا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو بخاری ج ۱ ص ۴۴۴، بخاری ج ۲ باب غزوہ بدر، البدایہ والنہایہ ج ۳)

لیکن بخاری کی کتاب الجہاد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معاذ و معوذ کے ساتھ معاذ بن عمرو بن الجموح بھی ابوجہل کے قتل میں شریک تھے، بلکہ معاذ بن عمرو بن الجموح ہی نے قتل میں زیادہ حصہ لیا تھا۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۳۰، زرقانی جلد ۱ ص ۴۲۸، ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۸)

ابن ہشام نے اپنی سیرۃ میں لکھا ہے کہ جس وقت بدر کے قیدی مدینہ پہنچے تو سیدہ سودہ بنت زمعہؓ ام المومنین اس وقت عفراء کے یہاں ان کے دونوں بیٹیوں معوذ اور عوف کی تعزیت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۹۳، مصر) اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے عفراءؓ کا بیٹا عوف بھی ابوجہل کے قتل میں شریک تھا۔

جب جنگ کا بادل چھٹا تو سرکارِ دوعالمؐ نے ابوجہل کے بارہ میں پوچھا کہ اسے کیا ہوا۔ سیدنا انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "ہے کوئی جو ابوجہل کی خبر لائے؟" سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے لاشوں میں جاکر تلاش کیا تو دیکھا کہ مردود بری طرح زخمی پڑا ہے۔ لیکن زندگی کی کچھ رمق ابھی اس میں باقی ہے۔ فرماتے ہیں میں نے اس کی داڑھی پکڑ کر کہا: "ذلیل اور رسوا کیا تجھے اللہ نے اے دشمن خدا" ابوجہل نے اسی ترنگ میں جواب دیا: "کیا اس مرد بہادر (ابوجہل) سے بھی کوئی بڑا ہے جس کو تم نے قتل کیا ہو؟ پھر بولا! "مجھے کسانوں نے مار ڈالا اس کا بہت افسوس ہے، کاش میرا قاتل کوئی اور ہوتا۔"

مکی زندگی میں ابوجہل سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کو بہت برا بھلا کہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے آپ کو لات بھی ماری تھی۔ وہ ساری باتیں سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی آنکھوں کے سامنے ایک فلم کی طرح پھرنے لگیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اس کی وہ اکڑفوں بھی پھرنے لگی اور یہ بے بسی بھی وہ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے ابوجہل کی گردن پر پاؤں رکھا تو ابوجہل نے چونک کر کہا: "او ذلیل بکری چرانے والے، دیکھ کہاں پاؤں رکھ رہا ہے۔" (ابن ہشام جلد ۱) سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سر کاٹنا چاہا لیکن ان کی تلوار بہت خراب تھی اور ابوجہل کی تلوار نہایت تیز اور عمدہ تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ خود ابوجہل نے اشارہ کیا تھا کہ اس کند تلوار سے نہیں بلکہ میری تیز اور عمدہ تلوار سے میرا سر کاٹو۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۸۸) بہرحال انہوں نے ابوجہل کی تلوار ہی سے اس کا سر کاٹا۔

ابوجہل کا سر کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں لاکر رکھ دیا اور عرض کیا: "یہ سر اللہ کے دشمن ابوجہل کا ہے۔" سرکارِ دوعالمؐ نے فرمایا: "کیا یہ ابوجہل ہی کا سر ہے؟" سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے عرض کی: "ہاں قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ ابوجہل ہی کا سر ہے۔" یہ سن کر آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا:

الحمد الله الذی اعز الاسلام واهله۔

"سب تعریفیں اس ذات کی ہیں جس نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت بخشی۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ یہ میرا اور میری امت کا فرعون تھا۔ جس کا شر اور فتنہ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے شر اور فتنہ سے بڑھ کر تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے فرعون نے تو مرتے وقت ایمان کا کلمہ پڑھا لیکن اس امت کے فرعون نے مرتے وقت بھی کفر اور تکبر

Marfat.com

کے کلمات ہی اپنی زبان سے نکالے۔

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ جب ابو جہل کا سر کاٹ رہے تھے تو ابو جہل نے انہیں یہ پیغام دیا کہ جب تم محمد ﷺ کی طرف واپس ہو تو انہیں میرا یہ پیغام دینا کہ میرے دل میں پہلے کی نسبت آج تمہاری عداوت اور بغض و کینہ کہیں زیادہ ہے۔

آپؐ نے ابو جہل کی تلوار جس سے اس کا سر کاٹا گیا تھا سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کو مرحمت فرمادی۔ (السیر الکبیر سرخسی جلد ۲ ص ۷)

روایات میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے ابو جہل کے بارہ میں پوچھا تو معاذ بن عفراءؓ اور معاذ بن عمرو بن الجموحؓ جو ایک ہی نام کے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ تھا کہ ابو جہل کو میں نے قتل کیا ہے۔ آپؐ نے دونوں کی تلواریں منگوا کر دیکھیں۔ ان پر ابھی خون جما ہوا تھا۔ پھر دونوں کی دل جوئی کے لیے فرمایا: "تم دونوں نے ہی اسے قتل کیا ہے۔" لیکن آپ نے سلب (یعنی چھینا ہوا مال) کے لیے معاذ بن عمرو بن الجموحؓ کو نامزد فرمایا کیونکہ کاری زخم انہی کی تلوار کا تھا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۴۴۴)

اس لڑائی میں سیدہ عفراءؓ نے اپنے دو لختِ جگر قربان کیے ایک معوذ اور دوسرا عوف۔ بیہقی کی روایت ہے کہ سرکارِ دو عالمؐ ان دونوں کے جنازوں میں تشریف لے گئے اور فرمایا:

رحم اللہ بنی عفراء فھما شرکاء فی قتل فرعون ھذہ الامہ۔

اللہ تعالیٰ عفراءؓ کے بیٹوں پر رحم فرمائے کہ یہ دونوں اس امت کے فرعون کے قتل میں شریک تھے۔

سیدہ عفراءؓ کے اخلاص کی یہ برکت تھی کہ اس جنگ میں بھی زبانوں پر یہی تھا اور بعد میں بھی سیرۃ کی کتابوں میں یہی لکھا گیا کہ ابو جہل کو عفراء کے دو بیٹوں نے قتل کیا حالانکہ حقیقت میں جان لیوا اور کاری زخم اسے سیدنا معاذ بن عمرو ابن الجموحؓ کی تلوار سے لگا اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے مالِ غنیمت کے قاعدہ کے مطابق "سلب" بھی انہی کو عطا فرمایا اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مردود کا سر کاٹا۔

امیہ بن خلف کا قتل

امیہ بن خلف قریش کا ایک رئیس تھا اور رسول اللہ ﷺ کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا۔ یہ وہی امیہ بن خلف ہے جو سیدنا بلالؓ پر مشقِ ستم کیا کرتا تھا۔ سیدنا سعد بن معاذؓ کا جو واقعہ ہم نے گزشتہ صفحات میں نقل کیا ہے کہ امیہ ان کا زمانہ جاہلیت کا دوست تھا۔ لیکن جب وہ ہجرت نبوی کے بعد ایک دفعہ مکہ عمرہ کے لیے آئے اور امیہ بن خلف کے ہاں مقیم ہوئے تو کعبہ میں ان کی ابو جہل کے ساتھ

Marfat.com

درشت کلامی ہو گئی۔ (یہ واقعہ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے) اس واقعہ کے وقت سیدنا سعد بن معاذؓ کی زبانی معلوم ہو گیا تھا کہ سرکارِ دو عالمؐ نے اس کے قتل کے بارہ میں پیشگوئی فرمائی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد جنگ بدر کا واقعہ پیش آ گیا۔ اس پیشگوئی کے پیش نظر امیہ بن خلف جنگ سے جان چراتا تھا۔ ابو جہل کے اصرار پر وہ جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔ جب وہ گھر گیا تاکہ اپنی بیوی ام صفوان سے کہے کہ میرے سفر کا سامان تیار کر دے تو اس کی بیوی نے اسے کہا کہ تمہیں اپنے یثربی بھائی (سیدنا سعد بن معاذؓ) کا قول یاد نہیں رہا۔ امیہ نے کہا: مجھے اس کا قول اچھی طرح یاد ہے۔ میں صرف تھوڑی دور جاؤں گا پھر موقع پا کر راستہ ہی سے واپس آ جاؤں گا لیکن کارپردازانِ قضاوقدر اس کو کشاں کشاں بدر لے آئے۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۲۱، جامع الاصول جلد ۹ ص ۱۴۶-۱۴۷)

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس کے پرانے دوست تھے جب وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت ان کا امیہ بن خلف سے ایک کاروباری معاہدہ ہوا تھا۔ وہ یہ کہ مدینہ طیبہ میں وہ امیہ کے مال کی حفاظت کریں گے جبکہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا جو مال مکہ میں رہ گیا ہے اس کی حفاظت کا ذمہ دار امیہ بن خلف ہو گا۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جب امیہ کو میدان بدر میں دیکھا تو ان کی خواہش یہ تھی کہ امیہ قتل نہ ہو بلکہ گرفتار ہو جائے۔ شاید اس بہانہ اسے ہدایت کا راستہ مل جائے۔ چنانچہ جب مسلمان جنگ میں مصروف تھے اور کافر گاجر مولی کی طرح کٹ رہے تھے اور قریش کے بڑے بڑے سردار قتل کیے جا چکے تھے تو سیدنا عبدالرحمٰنؓ نظر بچا کر امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کو ایک پہاڑی پر لے گئے۔ اتفاق سے سیدنا بلالؓ نے ان کو دیکھ لیا۔ انہوں نے فوراً انصار کو بتایا۔ وہ اس کے پیچھے دوڑے۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے امیہ کے بیٹے کو ان انصاری مجاہدین کے آگے کر دیا۔ انصار نے اسے قتل کر دیا۔ لیکن ان انصاری مجاہدین اور سیدنا بلالؓ کا اصل ہدف تو امیہ تھا۔ لہٰذا اس کو چھوڑ دینا ان کو گوارا نہ تھا۔ امیہ بھاری بھرکم آدمی تھا۔ دوڑنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ وہ بیٹھ گیا اور سیدنا عبدالرحمٰنؓ اس کو بچانے کے لیے اس کے اوپر لیٹ گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰنؓ خود فرماتے ہیں کہ میں نے امیہ سے کہا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا اور میں اس کے اوپر اوندھا پڑ گیا تاکہ اس کی جان بچ جائے۔ مگر انصار نے اسی حالت میں پاؤں کے نیچے سے تلواریں چلا کر اس کو قتل کر دیا۔ اس کو بچانے میں سیدنا عبدالرحمٰنؓ کے پاؤں پر ایک زخم بھی آیا جس کا نشان مدتوں باقی رہا۔

یہ واقعہ بیان کر کے سیدنا عبدالرحمٰنؓ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ بلالؓ پر رحم فرمائے، میری زرہیں بھی گئیں اور میرے قیدی بھی گئے۔ کیونکہ امیہ کو بچانے سے پہلے سیدنا عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھ میں کچھ زرہیں تھیں جو انہوں نے کافروں سے چھینی تھیں۔ ان کو وہ زمین پر رکھ کر امیہ کو بچانے میں مصروف

ہو گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ جنگ بدر کے دن امیہ بن خلف اپنے لڑکے علی کا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر کہا: "عبدالرحمٰن! کیا تمہیں میری ضرورت ہے؟ میں تمہاری ان زرہوں سے بہت بہتر ہوں۔ آج جیسا ہیبت ناک منظر تو میں نے پوری زندگی نہیں دیکھا۔ کیا تمہیں دودھ کی حاجت نہیں؟" مطلب یہ تھا کہ جو مجھے قید کرے گا میں اسے فدیہ میں خوب دودھ دینے والی اونٹنیاں دوں گا۔ یہ سن کر سیدنا عبدالرحمٰن نے زرہیں پھینک دیں اور دونوں باپ بیٹے کو گرفتار کر کے آگے بڑھے۔

امیہ نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم لوگوں میں وہ کون آدمی ہے جس نے سینے پر شترمرغ کا پر سجا رکھا ہے؟ سیدنا عبدالرحمٰن نے کہا: "وہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں۔ امیہ نے کہا یہی شخص ہے جس نے ہمارے اندر تباہی مچا رکھی ہے۔

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں امیہ اور اس کے بیٹے کو لے جا رہا تھا کہ اچانک بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ کو میرے ساتھ دیکھ لیا۔ بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ کے وہ سارے ظلم و ستم یاد آ گئے جو وہ مکہ میں ان پر ڈھایا کرتا تھا۔ چنانچہ امیہ کو دیکھ کر انہوں نے کہا "یہ کافروں کا سرغنہ ہے' اب یا تو یہ بچے گا یا میں بچوں گا۔" میں نے کہا: بلال رضی اللہ عنہ! یہ دونوں میرے قیدی ہیں۔" لیکن بلال رضی اللہ عنہ نے انصار کو آواز دی اور انہوں نے ہمیں کنگن کی طرح گھیرے میں لے لیا۔ میں ان دونوں کا بچاؤ کر رہا تھا کہ ایک شخص نے امیہ کے بیٹے کو تلوار کی ایک ضرب لگائی جس سے وہ زمین پر گر گیا۔ اتنے میں امیہ نے اس زور سے چیخ ماری کہ میں نے ویسی چیخ کبھی نہ سنی تھی۔ میں نے کہا: "بھاگ جاؤ' لیکن آج بھاگنے کی گنجائش نہیں۔ بخدا! میں آج تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اس کے بعد لوگوں نے اپنی تلواروں سے ان دونوں کا کام تمام کر دیا"۔

(بخاری ج ۱ ص ۳۰۸' کتاب الوکالہ' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۸۶' ابن ہشام ج ۱' زاد المعاد ج ۲ ص ۸۹)

عبیدہ بن سعید بن العاص کا قتل

غزوہ بدر میں جہاں اور بڑے اساطین کفر مارے گئے وہاں عبیدہ بن سعید بن العاص بھی بری طرح مارا گیا۔ یہ بڑی ہمت کر کے اور سر سے لے کر پاؤں تک لوہے میں غرق ہو کر میدان میں آیا۔ اس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے میدان میں نکل کر مسلمانوں کو پکارا اور کہا "میں ہوں ابو ذات الکرش۔" اس کی للکار سن کر سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور برچھی سے پہلا وار اس طرح تاک کر اس کی آنکھ میں کیا کہ برچھی اس کی آنکھ میں گڑ گئی اور وہ مردود فوراً ٹھنڈا ہو گیا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر بڑی مشکل سے برچھی اس کی آنکھ سے نکالی لیکن برچھی کے دونوں سرے ٹیڑھے

Marfat.com

ہو گئے۔

"ابو ذات الکرش" کے قتل سے فارغ ہو کر سیدنا زبیرؓ ہجوم میں گھس گئے اور مشرکین کے لشکر کے ساتھ اتنا لڑے کہ تلوار میں دندانے پڑ گئے اور خود بھی زخموں سے چور ہو گئے۔ لیکن دو زخم بدن پر ایسے لگے جو تاریخی نشان بن گئے۔ ایسا ہی ایک زخم سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں جنگ یرموک میں آیا تھا۔

سیدنا زبیرؓ کی یہ دندانے دار تلوار ایک یادگار بن گئی۔ "ابو ذات الکرش" کو جس برچھی سے آپؓ نے مارا تھا وہ جنگ کے اختتام پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے آپ سے مانگ لی۔ یہ برچھی چاروں خلفاء میں منتقل ہوتی رہی۔ سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد یہ برچھی ان کے صاحبزادوں کے پاس تھی۔ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے یہ برچھی باپ کی نشانی کے طور پر ان سے لے لی۔ جب عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت ہوئی اس وقت یہ برچھی ان کے پاس تھی۔ وہ تلوار جس کو غزوہ بدر میں دندانے پڑ گئے تھے وہ بھی سیدنا عبداللہؓ کی شہادت کے وقت ان کے پاس تھی۔ ان کا وہ سامان جو حملہ آور فوج نے ضبط کیا تھا یہ تلوار اس سامان میں تھی۔ امیر المومنین عبدالملک بن مروانؒ نے سیدنا عبداللہؓ کے بھائی عروہ بن زبیرؒ سے کہا: "تم وہ تلوار پہچان لو گے؟" انہوں نے کہا: "ضرور۔" عبدالملک نے پوچھا کہ اس کی کیا شناخت ہے؟ عروہ نے کہا "وہ دندانے جو غزوہ بدر میں پڑ گئے تھے وہ اس کی شناخت ہے۔" عبدالملک کو اس جواب نے بہت متاثر کیا چنانچہ فوراً انہوں نے نابغہ ذبیانی کے شعر کا وہ مصرع پڑھا: "بھن فلول من قراع الکتائب۔" پھر یہ تلوار انہوں نے سیدنا عروہؒ کو دے دی۔ سیدنا عروہؒ فرماتے ہیں کہ اس تاریخی تلوار کی قیمت تین ہزار تک لگائی گئی لیکن ہم نے وہ تلوار نہ دی۔ پھر بعد میں ہمارے خاندان کے ایک شخص نے اس تلوار کو فروخت کر دیا۔ جس کا مجھے بہت افسوس ہوا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۶۶-۵۷۰)

تابناک نقوش

اس غزوہ میں مجاہدین اسلام نے بڑے تابناک نقوش تاریخ کے صفحات پر چھوڑے۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سیدہ عفراءؓ کے صاحبزادے عوف بن حارثؓ نے عین لڑائی کے وقت سرور کائنات ﷺ سے سوال کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی کس بات سے خوش ہو کر مسکراتا ہے؟" آپؐ نے جواب میں فرمایا: "اس بات سے کہ بندہ خالی جسم بغیر حفاظتی ہتھیار پہنے اپنا ہاتھ دشمن کے اندر ڈبو دے۔" سرکارِ دو عالمؐ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر سیدنا عوفؓ نے اپنے بدن سے زرہ اتار پھینکی اور تلوار لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ یہ وہی عوف بن حارثؓ ہیں جن کو ابو جہل نے

Marfat.com

شہید کیا تھا۔

۲۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد سیدنا مصعب بن عمیر عبدری اپنے بھائی ابو عزیز بن عمیرؓ کے پاس سے گزرے۔ ابو عزیز نے مشرکین کا ساتھ دیا تھا اور مسلمانوں کے خلاف یہ جنگ لڑی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک انصاری صحابی اس کے ہاتھ باندھ رہا ہے۔ سیدنا مصعب بن عمیرؓ نے اس انصاری کو آواز دی کہ اس شخص کے ہاتھ مضبوطی سے باندھنا کیونکہ اس کی ماں بڑی مالدار ہے۔ وہ تمہیں بہت بھاری فدیہ دے گی۔ یہ سن کر ابو عزیز نے اپنے بھائی مصعبؓ سے کہا: "کیا میرے بارہ میں تمہارے یہی خیالات ہیں؟" سیدنا مصعبؓ نے فرمایا "بالکل یہی خیالات ہیں۔ تمہاری بجائے یہ انصاری میرا بھائی ہے۔"

۳۔ اس جنگ میں عکاشہ بن محصن اسدیؓ بھی شریک تھے۔ یہ نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ ایک دفعہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔ سیدنا عکاشہؓ آپ کی یہ بات سن کر فوراً کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں سے کردے۔" آپؐ نے ارشاد فرمایا: "تو انہی میں سے ہے۔" اس پر انصار کا ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اس نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یہی درخواست کی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "عکاشہ تم پر سبقت لے گیا۔" (بخاری مع فتح الباری، جلد ۱۱، ص ۴۰۵)

۴۔ ان عکاشہ بن محصن اسدیؓ کی عین معرکہ جنگ میں تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے انہیں ایک لکڑی کا پھٹا دے دیا۔ اور فرمایا: "عکاشہ! اسی سے جنگ کرو۔" سیدنا عکاشہؓ نے اسے سرکارِ دو عالم ﷺ سے لے کر جو ہلایا تو وہ ایک لمبی، مضبوط اور چمکتی ہوئی تلوار میں تبدیل ہو گیا۔ پھر وہ اسی سے دشمنوں کو قتل کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمادی۔ اس تلوار کا نام عون (مدد) رکھا گیا۔ (ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۳۷)

یہ تلوار مستقل طور پر سیدنا عکاشہؓ کے پاس رہی اور وہ اسے اپنی تمام لڑائیوں میں استعمال کرتے رہے۔ چنانچہ وہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت مدعی نبوت طلحہ اسدی کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس وقت بھی یہ تلوار ان کے پاس تھی۔

بعض لوگوں کے قتل کی ممانعت

نبی کریمؐ نے عین معرکہ جنگ میں صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا کہ مجھے پتہ ہے کہ بنو ہاشم وغیرہ کے کچھ لوگ بادل نخواستہ جنگ میں آئے ہیں۔ ان کو زبردستی لایا گیا ہے۔ لہٰذا بنو ہاشم کا اگر کوئی شخص کسی شخص کی تلوار کی زد میں آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے۔ چنانچہ عباس بن عبدالمطلبؓ اور ابو البختری بن ہشام

Marfat.com

کا خاص نام لے کر فرمایا کہ ان دونوں کو ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ اگر قابو میں آ جائیں تو انہیں اسیر کر لیا جائے۔ اس پر عتبہ رئیس مکہ کے صاحبزادے سیدنا ابو حذیفہؓ کی زبان سے یہ نکل گیا کہ "کیا ہم اپنے باپ، بیٹوں، بھائیوں اور قبیلہ کے لوگوں کو قتل کریں گے اور عباس کو چھوڑ دیں گے۔ اللہ کی قسم، اگر میری ان سے مڈ بھیڑ ہو گئی تو میں تو انہیں تلوار کی لگام پہنا دوں گا۔"

ابو حذیفہؓ کی یہ بات سرکارِ دو عالمؐ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ آپ ﷺ نے سیدنا فاروق اعظمؓ سے فرمایا کیا رسول اللہ (ﷺ) کے چچا کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی؟ سیدنا عمرؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں؟" لیکن آپؐ نے منع فرمایا۔ بعد میں سیدنا ابو حذیفہؓ کہا کرتے تھے۔ اس روز میں نے جو بات کہہ دی تھی اس کی وجہ سے مجھے برابر خوف لگا رہتا ہے۔ صرف یہی صورت ہے کہ میری شہادت اس کا کفارہ بن جائے۔ چنانچہ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔

سیدنا عباسؓ کو گرفتار کر لیا گیا اور کسی شخص نے انہیں گزند پہنچانے کی کوشش نہ کی۔ سیدنا عباسؓ نے اگرچہ ابھی تک اپنے اسلام کا اعلان نہیں فرمایا تھا لیکن ابو طالب کی وفات کے بعد مکہ میں انہی کی ذات آپؐ کی پشت پناہ بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ بیعت عقبہ ثانیہ کے وقت جب انصار مدینہ نے آپؐ کو مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی تو سیدنا عباسؓ نے جو اس رات کی تاریکی میں آپؐ کے ساتھ تھے، انصار سے یہی فرمایا تھا:

"اے اہلِ مدینہ! اگر تم آخری دم تک محمد ﷺ کا ساتھ دے سکو تو انہیں لے جاؤ، ورنہ محمدؐ اپنے شہر میں اور اپنے خاندان میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ہم ان کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہے اور رہیں گے۔"

سیدنا عباسؓ کی انہی خدمات کے اعتراف کے طور پر آپؐ نے انہیں قتل نہ کرنے کا اعلان فرمایا تھا۔

دوسرا شخص جس کا نام لے کر آپؐ نے فرمایا تھا کہ اس کو قتل نہ کیا جائے۔ وہ ابو البختری تھا۔ یہ شخص مکہ کے ان سرداروں میں سے تھا جو کبھی کبھی مسلمانوں کی ایذا رسانی میں آڑ بن جاتا تھا۔ اس نے کبھی آپؐ کو مکی زندگی میں تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ چنانچہ جب آپؐ خاندان بنو ہاشم کے ساتھ تین سال تک شعب بنی ہاشم میں محصور رہے اور مختلف مصائب و تکالیف سے دوچار رہے تو اس معاہدہ کو ختم کرنے کی جن لوگوں نے کوششیں کیں ان میں بھی مطعم بن عدی کے بعد ابو البختری کا نام نمایاں ہے۔ مختصر یہ کہ وہ معاہدہ انہی لوگوں کی وجہ سے ختم ہوا۔ لیکن ابو البختری قتل کر دیا گیا۔

ہوا یہ کہ جنگ میں ابو البختری کی سیدنا مجذر بن زیاد انصاریؓ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس کے ساتھ ان کا ایک ساتھی بھی تھا۔ سیدنا مجذرؓ نے اسے بتا دیا کہ ہمارے آقا و مولا سرکارِ دو عالم ﷺ کا یہ حکم ہے کہ

Marfat.com

تمہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ گرفتار کرلیا جائے۔ ابوالبختری نے کہا کہ میرے ساتھ جنادہ بن ملیحہ بھی ہے جو مکہ سے میرے ساتھ ہی اونٹ پر آیا ہے، لہٰذا اس کو بھی قتل نہ کیا جائے۔ سیدنا مجذرؓ نے کہا: "بخدا! ہم آپ کے ساتھی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ بارگاہ رسالت سے صرف، آپ کو ہی چھوڑنے کی ہدایت ملی ہے"۔ یہ بات یقینی ہے کہ اگر معاملہ بارگاہ نبوت میں جاتا تو آپؐ ابوالبختری کے ساتھ اس کے ساتھی کو بھی چھوڑ دیتے لیکن ہوا یہ کہ ابوالبختری نے جیسے ہی سیدنا مجذرؓ کا جواب سنا اس کا مزاج بگڑ گیا۔ وہ غصہ میں آگیا اور بولا: "یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مکہ کی عورتیں یہ طعنہ دیں کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کی خاطر اپنے ساتھی جنادہ کو چھوڑ دیا"۔ یہ کہہ کر اس نے یہ رجز پڑھا اور سیدنا مجذرؓ کے مقابلہ پر آگیا۔ رجز یہ تھا۔

لن یسلم ابن حرہ زمیلہ
حتی یموت او یری سبیلہ

ایک شریف زادہ اپنے ساتھی کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا یہاں تک کہ اپنی جان دے دے یا اپنا راستہ دیکھ لے۔

اب سیدنا مجذرؓ کے لیے سوائے مقابلہ کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے ابوالبختری اور جنادہ دونوں کو قتل کر دیا۔ جب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو نادم تھے۔ قسم کھا کر کہا، اے اللہ کے رسول! میں نے انہیں گرفتار کرنے کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے حملہ کر دیا تو میں انہیں قتل کرنے پر مجبور ہو گیا۔ (ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۲۹، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۸۵)

مقتولین کا انجام

جب جنگ کے بادل چھٹے اور یہ معرکہ مسلمانوں کی فتح مبین اور کافروں کی شکست فاش پر منتج ہوا تو مقتولین کو گنا گیا۔ مسلمانوں کے چودہ آدمی شہید ہوئے۔ جن میں چھ مہاجرین کے اور آٹھ انصار کے تھے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے جو عموماً ان کے سردار اور سربرآوردہ لوگ تھے۔ یہ ان کے لیے ایک بڑا بھاری نقصان تھا۔ جنگ میں اس بہت بڑی کامیابی کے بعد آپؐ نے تین روز تک وہیں قیام فرمایا۔ اسی عرصہ میں آپؐ نے شہداء کے دفن کا کام بھی سرانجام دیا جو بہت ضروری تھا۔

قریش مکہ تو اپنی لاشیں بھی چھوڑ کر بھاگ گئے لہٰذا ان کے مقتولین کی لاشوں کو بھی دفن کرنا تھا۔ ویسے بھی امام بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ:

"رسول اللہؐ کا غزوات کے بارے میں یہ دستور تھا کہ کسی بھی انسان کی نعش پر آپؐ کا گزر

Marfat.com

ہوتا تو آپؐ اس کے دفن کرنے کا حکم فرماتے۔ اور یہ ہرگز نہ پوچھتے کہ یہ مومن تھا یا کافر۔"

(سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۱۹۹)

آپؐ کا یہ بھی طریقہ تھا کہ اگر ہر ایک کے لیے قبر کھودنا دشوار ہوتا تو ایک ایک قبر میں کئی کئی دفن کر دیئے جاتے تھے۔ آپؐ نے پہلے مسلمان شہداء کو دفن کیا کیونکہ ان کی تعداد صرف چودہ تھی۔ مشرکین کی تعداد ستر تھی، اس وجہ سے ان کے لیے علیحدہ علیحدہ قبریں کھودنا بہت مشکل تھا۔ لہٰذا کئی کئی مشرکین کو ایک ایک جگہ دفن کیا گیا۔ وہاں قبیلہ بنی نار کے کسی شخص نے ایک کنواں کھودا ہوا تھا جو اب بالکل خراب پڑا تھا۔ یہ نہایت گندہ اور خبیث کنواں تھا۔ آپؐ نے ۲۴ سرداران قریش کی لاشیں اسی کنواں میں پھنکوائیں جن میں ابو جہل کی لاش بھی تھی۔ گرمی کے دن تھے۔ اس وجہ سے لاشوں کے رنگ بھی بدل چکے تھے۔ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی ہوئی تھی۔ مجاہدین نے اس کی زرہ اتارنی چاہی تو اس کی لاش ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ لہٰذا اس کی لاش کے لیے وہیں جگہ کھود کر دبا دیا گیا۔

(بخاری جلد ۲ ص ۵۶۵، ۵۶۶، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۴۰، سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۱۹۹، زرقانی جلد ا ص ۴۳۲، ابن ہشام جلد ا ص ۶۳۸)

جب عتبہ بن ربیعہ کی لاش کو پھینکنے کے لیے اٹھا رہے تھے تو سرور کائناتؐ نے اس کے بیٹے ابو حذیفہؓ کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار دیکھے۔ آپؐ نے پوچھا: "ابو حذیفہ! کیا باپ کو اس حالت میں دیکھ کر تمہیں یہ غم اور ملال ہوا ہے؟" عرض کی: "یا رسول اللہ! مجھے اپنے باپ کے قتل سے ذرہ برابر بھی صدمہ اور ملال نہیں ہوا۔ صدمہ اس بات کا ہوا ہے کہ میرا باپ بڑا دانشور، فکر و دانش کا مجسمہ، حلیم و بردبار اور اصابت رائے رکھنے والا شخص تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کی یہ فہم و فراست اور دانشوری اسے اسلام کی طرف راہنمائی کرے گی اور وہ ایک روز مسلمان ہو جائے گا اور اس کا یہ فضل و کمال اور فکر و دانش جو اب کفر کے لیے صرف ہو رہی ہے، کسی روز اسلام اور مسلمانوں کے کام آئے گی، لیکن کفر پر اس کی موت نے میری امید کو ختم کر دیا"۔ آپؐ نے ابو حذیفہؓ کے ان احساسات کی تحسین فرمائی اور ان کے لیے دعائے خیر کی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۹۴، سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۶۴۰-۶۴۱)

قرآن حکیم میں ہے:

الم تر الی الذین بدلوا نعمت اللہ کفرا واحلوا قومھم دار البوار۔ (ابراہیم)

"کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا کفران کر کے اسے بدل ڈالا اور اپنے گروہ اور قوم کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا۔"

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ رؤساء قریش اس آیت کا مصداق ہیں۔

(بخاری جلد ۲ ص ۵۶۵، ابن ہشام جلد ا ص ۶۴۰-۶۴۱)

Marfat.com

اس غزوہ میں اگرچہ فتح مبین ہو چکی تھی اور صنادید کفر مارے جا چکے تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ ان کی لاشوں کو مختلف گڑھوں میں پھینکوا چکے تھے، لیکن رحمت عالم ﷺ کے جذبات شفقت و رحمت پر کیا گزر رہی ہو گی، اس کا اندازہ ہر شخص نہیں کر سکتا۔ یہ سارے لوگ آپ ؐ کی امت دعوت تھے۔ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ ؐ ہر وقت کڑھتے تھے کہ یہ جہنم کی طرف جا رہے ہیں۔ ابو جہل کتنا بڑا دشمن اسلام تھا، لیکن آپ ؐ اس کے لیے بھی کئی بار دست بدعا ہوئے اور کار پردازان قضا و قدر نے ایک بار نہیں بلکہ بار بار یہ الفاظ زبان رسالت سے سنے کہ "اے اللہ! عمرو بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ سے اسلام کو عزت اور تقویت عطا فرما۔" (ترمذی) آج وہی ابو جہل جب کنویں میں پھنکوایا جا رہا تھا تو آپ ؐ کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی۔ اس بات کا اندازہ وہ جج ہی کر سکتا ہے جس نے اپنے بیٹے کے خلاف سزائے موت کا فیصلہ صادر کیا ہو۔

آپ ؐ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب کبھی آپ ؐ کسی قوم یا قبیلہ پر غلبہ حاصل کرتے تو تین دن وہاں قیام فرماتے۔ ان تین دنوں میں آپ ؐ کے ساتھیوں کو کچھ آرام بھی مل جاتا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کا انتظام بھی ہو جاتا، فوج میں نظم و نسق کی کچھ صورتیں بھی قائم ہو جاتیں اور شہداء کے دفن کا بھی انتظام ہو جاتا۔ اسی عادت کے مطابق سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ جب تیسرا روز ہوا تو آپ ؐ نے سواری پر زین کسنے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ ؐ کے فرمان کے مطابق سواریاں تیار کی گئیں۔ سفر کے لیے قدم اٹھنے ہی والے تھے کہ صحابہ کرامؓ نے دیکھا کہ آپ ؐ کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔ وہ سمجھے کہ آپ ؐ شاید کسی ضرورت سے جا رہے ہیں۔ اسی لیے کچھ صحابہ کرامؓ بھی آپ ؐ کے پیچھے ہو لیے۔ دیکھا کہ آپ ؐ اس کنویں کے کنارے پر جا کر کھڑے ہو گئے جہاں صنادید قریش اور اساطین کفر کے لاشوں کو پھینکا گیا تھا۔ آپ ؐ نے ان کا نام لے لے کر انہیں پکارا کہ اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے ابو جہل.....

"کیا تمہارے لیے یہ بات اچھی نہ تھی کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے۔ ہم سے ہمارے رب نے جس شے کا وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچ اور حق پایا۔ کیا تم نے بھی دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ سچ ہے۔" (بخاری جلد ۲ ص ۵۶۶)

یہ تو بخاری کی روایت ہے لیکن محمد ابن اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"اے گڑھے والو! تم اپنے نبی کے قبیلہ اور خاندان کے بہت برے لوگ ثابت ہوئے۔ تم نے میری تکذیب کی جبکہ دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے وطن سے نکالا۔ جبکہ دوسروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے مجھ سے قتال کیا جبکہ دوسروں نے میری مدد کی۔ ایک امین کو تم نے خائن کہا اور ایک صادق کو کاذب کا نام دیا۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی بری جزا دے گا۔"

Marfat.com

یہ سن کر سیدنا عمرؓ نے عرض کی: "یارسول اللہ ؐ آپ ایسے جسموں سے کیا باتیں کر رہے ہیں ---- جن میں روح ہی نہیں"۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔ مگر یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔ (بخاری جلد ۲، مسلم جلد ۲ ص ۳۸۷، زرقانی جلد ا ص ۴۳۳، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۹۲، مسند احمد جلد ۳ ص ۱۰۴، ص ۱۴۵)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مردے قبر میں سنتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں علمائے اسلام نے اپنی کتابوں میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب الروح لابن القیم ص ۵۵)

حافظ ابن تیمیہ جو کہ ان معاملات میں بہت سخت واقع ہوئے ہیں، وہ بھی لکھتے ہیں:

سماع المیت للاصوات من السلام والقراہ حق۔

"مردے کا سلام اور قرأت کی آوازوں کو سننا حق ہے۔

(اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۸۱)

امام شوکانی نے "نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۹۴" پر بھی سماع موتی کی تائید کی ہے۔ بہر حال اس موقع پر اس مسئلہ کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعین کا یہی مذہب ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۳۲ کی مراجعت بھی مفید ہو گی اور اس کے لیے احقر کی کتاب "نقش ممات" کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔)

ان ستر مقتولین کے علاوہ ستر آدمی قریش مکہ کے مسلمانوں نے گرفتار بھی کیے جن میں عباس بن عبدالمطلب، ابو العاص (سیدہ زینب بنت رسول اللہ ؐ کے شوہر) سیدنا علیؓ کے بھائی عقیل بن ابی طالب قابلِ ذکر ہیں۔

مدینہ میں فتح کی خوشخبری

سرکارِ دو عالم ﷺ نے اہلِ مدینہ کو فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے دو قاصد روانہ فرمائے۔ ایک سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ کو اور دوسرے سیدنا زید بن حارثہؓ کو۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ کو عوالی مدینہ یعنی بالائی بستیوں میں گشت کر کے اطلاع دینے کی ہدایت فرمائی اور سیدنا زید بن حارثہؓ کو اہلِ سافلہ یعنی نشیبی بستیوں میں اطلاع کے لیے بھیجا۔ سیدنا زید بن حارثہؓ کو حضور ﷺ نے اپنی اونٹنی قصواء پر روانہ کیا۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ مدینہ طیبہ میں منافقین کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان کا ایک کام جھوٹی افواہیں پھیلانا بھی تھا۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں ایک جھوٹی خبر پہلے سے ہی پھیلا رکھی تھی کہ سرکارِ دو عالم ؐ میدان بدر میں قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اس خبر سے مسلمان نہایت شکستہ خاطر تھے۔ اسی

دوران رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا جو سیدنا عثمان بن عفانؓ کے حبالۂ عقد میں تھیں، انتقال فرماگئیں۔ اس سے مسلمانوں کا حزن و غم دوگنا ہوگیا جبکہ آپؐ نے سیدنا عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ طیبہ میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ لیکن سیدہ رقیہؓ بیماری سے جانبر نہ ہوسکیں اور انتقال فرماگئیں۔

سیدہ زید بن حارثہؓ جب آپؐ کی اونٹنی قصواء پر سوار فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو ایک منافق نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ اونچی آواز سے کہنے لگا کہ مسلمانوں دیکھو محمد ﷺ کی اونٹنی پر زید بن حارثہؓ چلے آرہے ہیں۔ اس لیے ہماری یہ بات یقینی تھی کہ آپؐ (نصیب دشمناں) شہید ہوگئے ہیں۔ اس بات نے مسلمانوں کو اور بھی پریشان کردیا۔

سیدنا اسامہ بن زیدؓ نے یہ بات سنی تو وہ بھی اور لوگوں کی طرح پریشان حال ہوگئے لیکن جب وہ عیدگاہ کے میدان میں پہنچے تو اپنے والد سیدنا زیدؓ کو وہاں کھڑے پایا۔

روایات میں ہے کہ سیدنا زید بن حارثہؓ مدینہ طیبہ میں اس وقت پہنچے جس وقت سیدنا عثمان بن عفانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کو لوگ مٹی دے رہے تھے۔ اسامہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے سیدنا زیدؓ کو گھیر لیا اور ان سے جنگ کی تفصیلات پوچھ رہے تھے اور وہ انہیں بتا رہے تھے کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، زمعہ بن اسود، امیہ بن خلف اور ابوالبختری وغیرہ مارے گئے ہیں اور سہیل بن عمرو وغیرہ گرفتار ہوگئے۔ سیدنا اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اپنے والد کی زبان سے یہ باتیں سنیں، لیکن منافقین کی افواہ میرے کو ذہن میں کچھ ایسی بیٹھ گئی تھی کہ مجھے یقین نہ آیا۔ چنانچہ میں نے اپنے والد کو علیحدگی میں لے جا کر دریافت کیا کہ واقعی آپ کی بیان کردہ خبر صحیح ہے۔ سیدنا زید بن حارثہؓ نے قسم کھا کر فرمایا: بیٹا! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بالکل صحیح اور درست ہے سیدنا اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنے ابا سے اس خبر کی تصدیق کرلی تو میں نے اس منافق سے کہا کہ تم نے یہ غلط افواہ کیوں پھیلائی۔ میں رسول اللہ ﷺ سے اس بارہ میں تمہاری شکایت کروں گا۔ اس نے مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ صرف اتنا کہا کہ میں نے ایسا ہی سنا ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۳۰۴)

سیدنا زید بن حارثہؓ کی خبر سے مسلمانوں کو یقین ہوگیا کہ مسلمان فتح یاب ہوگئے ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ ہر طرف مسرت و شادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی اور مدینہ طیبہ کے در و بام تہلیل و تکبیر سے گونج اٹھے اور مدینہ کے سربرآوردہ مسلمان سرکارِ دوعالم ﷺ کو اس فتح مبین کی مبارکباد دینے کے لیے بدر کے راستہ پر نکل پڑے۔

سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ اور سیدنا زید بن حارثہؓ کو مدینہ طیبہ میں فتح کی خوشخبری دینے کے لیے

Marfat.com

جب روانہ کیا گیا تو اس کے بعد آپ بھی اسیران بدر کے قافلہ کے ساتھ مدینہ کی طرف چل پڑے اور مال غنیمت آپ نے عبداللہ بن کعب انصاری کے سپرد فرمایا۔ جب آپ مقام روحاء میں پہنچے تو مدینہ کے وہ لوگ جو آپ کو اس فتح کی مبارک باد دینے کے لیے مدینہ سے نکلے تھے، ملے۔ انہوں نے نہایت مسرت و شادمانی کے ساتھ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو فتح کی مبارک باد دی۔ اس پر سیدنا مسلم بن سلامہ نے کہا تم لوگ کس چیز کی مبارکباد دیتے ہو۔ خدا کی قسم! ہمیں تو بوڑھیوں سے پالا پڑا۔ رسی میں بندھے ہوئے اونٹوں کی طرح ان کو ذبح کر کے ڈال دیا۔ سرکارِ دوعالم یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا: "یہی تو مکہ کے اشراف اور سادات تھے۔" (ابن ہشام جلد ا ص ۶۴۳)

مکہ میں شکست کی خبر

شکست سے دوچار ہونے کے بعد قریش مکہ اس طرح قافلہ کی شکل میں واپس نہیں آئے جس طرح وہ جنگ کرنے کے ارادہ سے مکہ سے نکلے تھے۔ میدان جنگ سے وہ تتر بتر ہوئے اور پھر غیر منظم شکل میں وہ مکہ آئے۔ ندامت کی وجہ سے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے مکہ میں داخل ہوں اور مکہ والوں کو کیا کہیں اور کیا منہ دکھائیں۔

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے قریش کی شکست کی اندوہناک خبر جو شخص لے کر آیا وہ حیسمان بن عبداللہ الخزاعی تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ کیا خبر لائے؟ اس نے کہا: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالحکم (ابوجہل) بن ہشام، امیہ بن خلف، زمعہ بن الاسود، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج اور ابوالبختری بن ہشام اور مزید کچھ سرداروں کا نام لیا اور کہا کہ یہ سب قتل کر دیئے گئے ہیں۔ جب اس نے اشراف قریش کو مقتولین کی فہرست میں گنانا شروع کیا، تو صفوان بن امیہ نے جو اس وقت حطیم میں بیٹھا ہوا تھا، کہا: "خدا کی قسم اگر یہ شخص ہوش و خرد میں ہے تو اس کو میرے بارے میں پوچھو۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: اور صفوان بن امیہ کا کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا: وہ تو حطیم میں بیٹھا ہوا ہے۔ بخدا! اس کے باپ اور بھائی کو میں نے اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے دیکھا ہے؟" (ابن ہشام جلد ا ص ۶۴۶)

محمد ابن اسحاق ہی نے نقل کیا ہے کہ ابو رافع مولیٰ رسول اللہ ﷺ کا بیان ہے کہ میں ان دنوں سیدنا عباس کا غلام تھا۔ اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ میں، سیدہ ام الفضل، زوجہ سیدنا عباس اور خود حضرت عباس بھی مسلمان ہو چکے تھے، لیکن سیدنا عباس نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا کیونکہ ان کی قوم اور مکہ میں حالات کچھ ایسے ہی تھے۔ ہمارے ان جذبات سے قریش بخوبی آشنا تھے، اس لیے وقتاً فوقتاً ہمیں پریشان بھی کرتے رہتے تھے۔ ابولہب جنگ بدر میں خود تو نہ گیا لیکن اپنی جگہ پر عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا۔ ایسے ہی ہر اس شخص نے جو جنگ بدر میں نہ گیا اپنی جگہ پر کسی آدمی کو بھیجا ہوا تھا۔ جب

Marfat.com

اسے لشکر قریش کی شکست کی خبر ملی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ذلت و روسیاہی طاری کردی اور ہمیں قدرتی طور پر اپنے اندر ایک قوت اور عزت محسوس ہوئی۔

سیدنا ابو رافعؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک کمزور آدمی تھا۔ میں بھی لشکر قریش میں شریک نہ ہوا۔ میں تیر بنایا کرتا تھا۔ زمزم کے قریب ایک حجرہ تھا' میں اس میں بیٹھ کر اپنا کام کیا کرتا تھا۔ جس روز یہ خبر پہنچی اس روز میں حجرہ میں بیٹھ کر تیر چھیل رہا تھا۔ میرے پاس سیدہ ام الفضل تشریف فرما تھیں اور جو خبر آئی اس سے ہم نہایت خوش تھے' اتنے میں ابو لہب بھی اپنے پاؤں گھسیٹتا ہوا وہاں آ گیا اور حجرہ کے ستون کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ وہ ابھی آکر بیٹھا ہی تھا کہ دفعتاً شور اٹھا کہ مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب (جس کو ابو سفیان بن حارث بھی کہتے تھے) مقام بدر سے واپس آ گیا۔ لوگ اس کے پاس اکٹھے ہو گئے' لیکن مغیرہ بن حارث ابھی کچھ کہنے نہیں پایا تھا کہ ابو لہب نے اس کو دیکھ لیا اور فوراً اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔ وہ ابو لہب کے پاس آکر بیٹھ گیا اور لوگ کھڑے تھے۔ پھر اس نے پوچھا: بھتیجے بتاؤ لوگوں کا کیا حال رہا؟ مغیرہ بن حارث نے کہا:

> ''چچا! عجیب ماجرہ دیکھنے میں آیا۔ ہماری فوج ایک بے جان بھیڑ تھی۔ تھوڑے سے مسلمان ہم پر پوری طرح حاوی تھے۔ ہم نے گویا اپنے شانے اور اپنی گردنیں ان کے حوالے کردی تھیں کہ جس طرح چاہیں قتل کردیں اور جس طرح چاہیں ہمیں گرفتار کرلیں اور ہماری مشکیں کس لیں۔ میں اپنے آدمیوں کو ملامت بھی نہیں کرسکتا۔ بخدا! عجیب بات یہ تھی ہماری مڈبھیڑ کچھ ایسے گورے چٹے لوگوں سے ہوئی جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار آسمان تک چھائے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے نہ کوئی شے ٹھہر سکتی تھی اور نہ ہی کوئی ان کا مقابلہ کرسکتا تھا۔''

سیدنا ابو رافعؓ فرماتے ہیں کہ مغیرہ کی زبان سے جیسے ہی یہ الفاظ نکلے' میں نے اپنے ہاتھ سے خیمہ کا کنارہ اٹھا کر کہا: (تلک واللہ الملائکہ) خدا کی قسم وہ تو فرشتے تھے۔ میرے ان الفاظ سے ابو لہب جھنجھلا گیا اور اس نے میرے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا۔ میں اگرچہ کمزور تھا لیکن پھر بھی ابو لہب سے الجھ گیا۔ اس نے مجھے اٹھا کر پٹک دیا اور میرے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور میری کوکھوں میں زوردار مکے مارنے لگا۔ سیدہ ام الفضلؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو مجھے بچانے کے لیے وہ اٹھیں اور ایک کھونٹا اٹھا کر اس زور سے انہوں نے ابو لہب کے سر پر مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اسی جلالی حالت میں بولیں۔ اس کا مالک (سیدنا عباسؓ) یہاں موجود نہیں اس لیے تو نے اسے کمزور سمجھ لیا ہے اور اس کو جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ ابو لہب ذلیل و رسوا ہو کر چلا گیا' مگر خدا کی قسم پھر وہ صرف سات دن ہی زندہ رہا۔ اس کا ایک قسم کے طاعون (عدسہ) نے خاتمہ کردیا۔

Marfat.com

عدسہ کی گلٹی کو عرب بہت منحوس اور بری خیال کرتے تھے۔ اس لیے اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں نے اسے یونہی چھوڑ دیا۔ کوئی اس کے قریب بھی نہیں جاتا تھا۔ دو تین روز اس کی لاش بے گور وکفن پڑی رہی اور کسی نے اس کی تجہیز و تکفین نہ کی۔ پھر جب اس کے بیٹوں نے یہ محسوس کیا کہ اس کی لاش کو اس طرح چھوڑنے پر لوگ انہیں ملامت کریں گے تو اس کی لاش کے قریب ایک گڑھا کھود کر ایک لکڑی سے اس کی لاش اس میں دھکیل دی اور دور ہی سے پتھر پھینک پھینک کر اس کو چھپا دیا۔ اس طرح برے طریقے سے اس کی موت واقع ہوئی۔ (ابن ہشام ص ۶۴۶)

یہ ابتدائی خبر تھی جس پر یہ ہنگامہ ہوا۔ تفصیل کا اس وقت لوگوں کو کوئی خاص علم نہ ہوا لیکن جب رفتہ رفتہ حالات کی تحقیق ہوئی اور اپنے مرنے والوں کا تفصیلی علم ہوا تو گھر گھر ماتم کدہ بن گیا اور عاتکہ بن عبدالمطلب کا خواب جو انہوں نے قریش کا لشکر جانے سے پہلے دیکھا تھا اس کی تعبیر لوگوں کی نظروں کے سامنے آ گئی۔ قریش کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں جنگ کا چھینٹا نہ پڑا ہو۔ کئی کئی گھروں کے دو دو تین تین آدمی مارے گئے تھے۔ اگرچہ عرب میں نوحہ اور ماتم کا عام دستور تھا مگر اس موقع پر قریش نے غیرت اور شماتت کی وجہ سے اعلان کر دیا کہ کوئی شخص اپنے مرنے والوں کو نہ روئے۔

اس جنگ میں ایک شخص اسود بن مطلب کے تین لڑکے زمعہ، عقیل اور حارث مارے گئے تھے۔ اس کا دل رونے کے لیے امنڈ تا رہتا تھا لیکن قومی غیرت اور شماتت کی وجہ سے وہ رو نہیں سکتا تھا۔ وہ خود اندھا تھا، اتفاق سے ایک روز کسی طرف سے رونے کی آواز آئی۔ جھٹ اس نے اپنے غلام کو بھیجا کہ جاؤ دیکھو، رونے کی اجازت مل گئی ہے تاکہ میں بھی اپنے بیٹوں پر جی بھر کر رو لوں۔ غلام نے واپس آ کر بتایا کہ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے وہ اس پر نوحہ و گریہ کر رہی ہے۔ اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے جن کا ترجمہ یہ ہے:

۱۔ کیا وہ اس لیے روتی ہے کہ اس کا اونٹ گم ہو گیا ہے اور اس غم پر بے خوابی نے اس کی رات کی نیند حرام کر رکھی ہے۔

۲۔ تو اونٹ پر نہ رو بلکہ بدر پر رو جہاں ہمتیں پست ہو گئیں اور قسمتیں پھوٹ گئیں۔

۳۔ ہاں بدر پر رو۔ بنی ھصیص کے سرداروں پر رو اور بنی المخزوم اور ابو الولید کے لوگوں پر گریہ و ماتم کر۔

۴۔ اگر تم نے رونا ہی ہے تو عقیل پر رو اور حارث پر نوحہ کر جو شیروں کا شیر تھا۔

۵۔ تو ان لوگوں پر رو اور سب کا نام نہ لے اور ابو حکیم پر ماتم و نوحہ کر جس کی ٹکر کا کوئی نہیں تھا۔

۶۔ ہاں دیکھو، بدر کے معرکہ کے بعد وہ لوگ سردار بن گئے کہ اگر بدر کا معرکہ نہ ہو تا تو ان کو پوری زندگی کبھی سرداری نہ ملتی۔ (ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۴۸)

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں داخلہ

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ روحاء کے مقام پر آپ ؐ کی مدینہ کے سربر آوردہ لوگوں سے ملاقات ہوئی جو مدینہ سے چل کر آپ ؐ کے استقبال کے لیے اور فتح مبین کی مبارک باد دینے کے لیے آئے تھے۔ سیدنا اسید بن حضیر ؓ نے خدمت اقدس مین عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! سب حمد و ثناء اس اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے آپ ؐ کو اس جنگ میں کامیابی سے ہمکنار کیا اور آپ ؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی۔ اللہ کی قسم، یہ سمجھتے ہوئے بدر سے پیچھے نہ رہا تھا کہ آپ ؐ کا دشمن سے تصادم ہو گا۔ میں تو صرف یہ سمجھ رہا تھا کہ بس قافلے کا معاملہ ہے، اگر میں یہ سمجھتا کہ آپ ؐ کا دشمن سے ٹکراؤ ہو گا تو میں ہرگز پیچھے نہ رہتا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: "تم نے بالکل سچ کہا۔"

اس کے بعد آپ ؐ مدینہ طیبہ میں مظفر و منصور داخل ہوئے۔ آپ ؐ کی فتح سے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے کیونکہ اب پورے علاقہ میں آپ ؐ کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔

عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں نے بھی اب دکھاوے کے لیے اسلام قبول کر لیا۔

اب سب سے پہلے مال غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ درپیش ہوا۔ اس سے قبل مال غنیمت کی تقسیم کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس وجہ سے مال غنیمت کی تقسیم میں کچھ اختلاف واقع ہو گیا۔ نوجوانوں کا کہنا تھا کہ مال غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم نے اپنے زور بازو سے کافروں کو قتل کیا ہے۔ عمر رسیدہ حضرات نے چونکہ قتل و قتال میں زیادہ حصہ نہیں لیا لیکن ان کا مطالبہ یہ تھا کہ مال غنیمت میں ہمیں بھی حصہ دیا جائے کیونکہ اس فتح میں ہماری پلاننگ (Planning) کو بھی دخل ہے اور جو جماعت سرکارِ دو عالم ﷺ کی حفاظت پر مامور تھی وہ بھی مال غنیمت کی طالب تھی۔

اسلام سے قبل کسی امت میں جہاد کی فرضیت کے بعد مال غنیمت جائز نہیں تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

لم تحل الغنائم لسود الروس غیرنا۔

"ہمارے سوا کسی کالے سردار کے لیے غنیمت حلال نہیں کی گئی۔"

مال غنیمت سب سے پہلے آپ ؐ کی امت کے لیے جائز قرار دیا گیا۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم کی روایات میں ہے کہ میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا، مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا۔

چنانچہ یہ ارشاد ہوا:

یسئلونک عن الانفال، قل الانفال للہ والرسول۔

"آپ سے یہ لوگ مال غنیمت کے حکم کے بارہ میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ مال

Marfat.com

غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔"

مطلب یہ تھا کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور اللہ کا رسول اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے اس کو جس طرح مناسب سمجھے تقسیم کر دے۔ چنانچہ آپؐ نے یہ مال تمام مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۴۴۹۔ البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۳۰۱)

اس آیت کے نزول نے مال غنیمت کا مطالبہ کرنے والے صحابہ کرامؓ کی نہ صرف گردنوں کو اس حکم کے سامنے جھکا دیا بلکہ ان کے دل بھی جھک گئے اور جس مال کی تقسیم پر وہ اختلاف کا شکار تھے اس کی ایک ایک شے انہوں نے بارگاہ نبوت میں لا کر پیش کر دی۔ نہ کوئی تلخی تھی اور نہ کوئی ناگواری بلکہ خوشی اور مسرت کے ساتھ وہ احکام الٰہی کی تعمیل کر رہے تھے۔

اس مال غنیمت میں سے آپؐ نے ان آٹھ آدمیوں کو بھی حصہ دیا جو آپؐ کے حکم کے تحت بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔ ان میں ایک تو سیدنا عثمان بن عفانؓ تھے جن کو آپؐ ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کی تیمارداری کے لیے مدینہ چھوڑ گئے تھے۔ دوسرے طلحہ بن عبید اللہؓ اور تیسرے سیدنا سعید بن زیدؓ تھے۔ ان دونوں کو آپؐ نے قافلہ کی خبر لینے کے لیے بھیجا تھا۔ چوتھے ابو لبابہؓ تھے ان کو آپؐ نے مدینہ کے انتظام کے لیے بھیجا تھا۔ پانچویں عاصم بن عدیؓ تھے۔ ان کو مدینہ کی بالائی آبادی کے انتظام کے لیے آپؐ چھوڑ گئے تھے۔ چھٹے سیدنا حارثؓ بن حاطبؓ تھے ان کو آپ نے کسی وجہ سے بنی عمرو بن عوف کی طرف واپس لوٹا دیا تھا۔ اور ساتویں حارث بن الصمۃ اور آٹھویں خوات بن جبیرؓ تھے۔ ان سب کو جنگ میں شریک نہ ہونے کے باوجود آپؐ نے اصحاب بدر میں شامل فرمایا اور بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔

امام بخاری وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ بدر کے مال غنیمت میں سے خمس بھی نکالا گیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۳۰۱۔ ۳۰۳ وغیرہ۔

اسلام کے مشہور جرنیل اور فاتح ایران و عراق سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں میں نے سعید بن العاصؓ کو قتل کیا اور اس کی نہایت عمدہ تلوار جس کا نام اس نے "ذوا لکتیعہ" رکھا ہوا تھا، میں نے لے لی۔ میں سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ تلوار مجھے مرحمت فرما دیجئے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ تلوار نہ میری ہے اور نہ تمہاری۔ اس کو مال غنیمت کے مال میں رکھ دو۔

سیدنا سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ مجھے افسوس ہوا اور میں نے خیال کیا کہ نہ معلوم یہ تلوار کس کو مل جائے گی کیونکہ جو کام میں اس تلوار سے لے سکتا ہوں شاید اور کوئی نہ لے سکے، چنانچہ میں نے اس تلوار کو مال غنیمت کے انبار میں رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پھر بارگاہ رسالت میں عرض کی

Marfat.com

کہ یہ تلوار مجھے عنایت فرمادی جائے۔ آپؐ نے پھر وہی جواب دیا اور سختی سے فرمایا کہ تلوار وہیں رکھ دو۔ اب مجھے اور زیادہ صدمہ اور افسوس ہوا۔ میرے بھائی عمیر اسی جنگ میں شہید ہوئے تھے ان کی شہادت کا بھی مجھے صدمہ تھا اور اس تلوار کے نہ ملنے کا افسوس بھی۔ میں کبیدہ خاطر واپس آرہا تھا کہ مجھے بلایا گیا۔ میں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے مجھے یہ آیات سنا کر فرمایا کہ پہلے یہ تلوار میری نہیں تھی اور مجھے دینے کا حق بھی نہیں تھا۔ اسی لیے میں نے تمہیں کہا کہ اس کو اپنی جگہ رکھ دو، لیکن اب اللہ تعالیٰ کی وحی نے مجھے اختیار دے دیا ہے لہٰذا اب میں یہ تلوار تمہیں دیتا ہوں۔ (درمنثور جلد ۳ ص ۱۵۸)

بعض روایات میں ہے غنائم کی تقسیم آپؐ نے صفراء کے مقام پر کی اور بعض میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں کی۔

ذوالفقار

بدر کے مال غنیمت میں ایک اور تلوار بھی حاصل ہوئی جس کا نام "ذوالفقار" (فا کے فتحہ اور کسر دونوں کے ساتھ) یہ تلوار عاص بن منبہ یا نبیہ بن حجاج کافر کی تلوار تھی۔ اس کافر کو محمد ابنِ اسحاق کی روایت کے مطابق سیدنا حمزہؓ اور سیدنا سعد ابی وقاصؓ نے قتل کیا تھا۔ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ نے اس تلوار کو ابو جہل کی تلوار بتایا ہے۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۷)

ابنِ سعد کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے یہ تلوار بدر کے مال غنیمت میں سے اپنے لیے منتخب فرمائی۔ (طبقات ابنِ سعد جلد ا ص ۳۶۰، ص ۳۲۸، جلد ۲ ص ۲۷۲)

اس تلوار کا نام پہلے ہی "ذوالفقار" تھا۔ آپؐ نے اس کا نام برقرار رکھا۔ عربی زبان میں "فقار" ریڑھ کی ہڈی میں جڑے ہوئے مہروں کے اتار چڑھاؤ کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس تلوار کی آرائش و زیبائش کے لیے اوپر کی جانب کنگورے بنائے گئے تھے۔ اس لیے اس کو "ذوالفقار" یعنی کنگورے دار تلوار کہا جاتا تھا۔

یہ تلوار غزوہ بدر کے بعد مستقل طور پر آپؐ کی ملکیت میں رہی۔ اور آپؐ کے انتقال کے بعد آپؐ کے متروکات میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی زندگی میں یہ تلوار سیدنا علیؓ کو دے دی تھی۔ یہ قول بخاری کی روایت کے خلاف ہے، لہٰذا قابلِ قبول نہیں۔

ایک خاص گروہ نے اس تلوار کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ آسمان سے نازل ہوئی تھی اور یہ معجزاتی اوصاف کی حامل تھی۔ چنانچہ محمد بن یعقوب کلینی نے روایت نقل کی ہے۔

"راوی کہتا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ ذوالفقار شمشیر کہاں سے آئی تھی؟

Marfat.com

فرمایا: جبرائیل علیہ السلام آسمان سے لائے تھے اور اس کا قبضہ چاندی کا تھا۔"

(الشافی ترجمہ اصول کافی جلد ا ص ۲۶۷)

اسیرانِ بدر کا معاملہ

اس جنگ میں ستر قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ ان میں سے ایک قیدی نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم آپؐ نے صفراء میں دیا اور جب آپؐ عرق الطیبہ پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کی گردن ماری گئی۔

(زرقانی جلد ا ص ۴۴۹)

یہ دونوں رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔ عقبہ ابن ابی معیط نے ایک مرتبہ آپؐ پر اونٹ کی اوجھڑی رکھی تھی، اور آپ کا گلا گھونٹا تھا اور آپؐ کے چہرہ انور پر تھوکا تھا۔

باقی قیدیوں کو لے کر آپؐ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔

مدینہ پہنچ کر آپؐ نے قیدیوں کو صحابہ کرامؓ میں تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ ان قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ (زرقانی جلد ا ص ۴۳۱) آپؐ کے اس ارشاد پر صحابہ کرامؓ نے اس طرح عمل کیا کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ صحابہ کرامؓ پہلے ان قیدیوں کو کھانا کھلاتے اور بعد میں اگر کچھ بچ جاتا تو خود کھاتے ورنہ کھجوروں پر گزارا کرتے۔

سیدنا مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابو عزیز بن عمیر بھی قیدیوں میں تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں انصار کے جس گھر میں تھا، صبح و شام جو ان کے گھر میں پکتا وہ تو مجھے کھلا دیتے اور خود کھجوروں پر اکتفا کرتے۔ میں ان کی یہ حالت دیکھ کر ندامت محسوس کرتا اور اصرار کرتا کہ آپ لوگ روٹی کھائیں لیکن وہ جواب دیتے کہ نہیں کیونکہ رسول اللہؐ نے ہمیں قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے۔

(مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۸۶)

چند روز کے بعد آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کے بارہ میں کیا کرنا چاہیے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے مشورہ دیا کہ یا رسول اللہ! یہ لوگ اپنے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہیں، ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور پھر یہی لوگ کافروں کے مقابلہ میں ہمارے مددگار ہوں۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح ان کے ساتھ حسن سلوک بھی ہوگا اور ہمیں اپنی اقتصادی حالت کی بہتری کے لیے رقم بھی مل جائے گی۔

(مسند احمد جلد ۳ ص ۲۴۳، مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۸۷)

سیدنا صدیق اکبرؓ کی اس رائے کے بعد آپؐ نے عمر ابن الخطابؓ کی طرف دیکھا کہ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ سیدنا فاروق اعظمؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ! واللہ میری وہ رائے نہیں ہے

Marfat.com

جو ابو بکرؓ کی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ ائمہ کفر ہیں۔ ان کی تمام کوششیں اسلام کے خلاف رہی ہیں، ان کو ختم کر دینا چاہیے تاکہ کفر کا زور ٹوٹے۔ حدیث میں سیدنا عمرؓ کے جو الفاظ منقول ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ عرض کی:

یا رسول اللہ اکذبوک واخرجوک، قاتلوک فاضرب اعناقھم۔

"اے اللہ کے رسول! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کو آپ کے وطن سے نکالا اور آپ سے جنگ کی، پس ان کی گردنیں مارنے کا حکم فرمائیے۔"

(ترمذی جلد ۲ ص ۱۳۴ جلد ا ص ۲۰۴)

یہ بھی عرض کیا کہ ان کو قتل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عزیز کو خود قتل کرے۔ علیؓ کو فرمائیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل کو قتل کریں اور مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے عزیزوں کو قتل کروں کیونکہ یہ لوگ صنادید کفر ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ہمارے دلوں میں جس طرح شرک کے لیے بیزاری کے جذبات ہیں اسی طرح مشرکین کے لیے بھی کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔

سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کی کہ کسی وادی میں آگ بھڑکا کر ان سب کو نذر آتش کر دیا جائے۔ سیدنا سعد بن معاذؓ کے بارہ میں محمد ابن اسحاق کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عریش پر تشریف فرما تھے تو سیدنا سعدؓ نے دیکھا کہ صحابہ کرامؓ قریش کو گرفتار کرنے میں مشغول ہیں اور سعد بن معاذؓ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار تھے۔ آپ ؐ نے وہ آثار محسوس فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا! "سعد! غالباً تجھے قریش کا گرفتار کرنا گوار ہے؟" سیدنا سعدؓ نے عرض کیا: "ہاں یا رسول اللہ! یہ پہلا حادثہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر نازل فرمایا۔ میرے نزدیک خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں کو قتل کرنا ان کے زندہ چھوڑنے سے زیادہ اچھا اور پسندیدہ ہے۔"

آپ ؐ نے صحابہ کرامؓ کی یہ ساری رائیں سنیں اور پھر حجرہ شریفہ میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر تشریف لائے اور مختصر سے خطاب میں فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کسی دل کو اتنا نرم کر دیتا ہے کہ دودھ سے بھی زیادہ رقیق اور نرم ہو جاتا ہے اور کسی کے دل کو پتھر سے بھی زیادہ سخت کر دیتا ہے۔"

آپ ؐ نے صحابہ کرامؓ کے ان جذبات کی مذمت نہیں فرمائی بلکہ سب کی تحسین فرمائی۔ پھر آپ ؐ نے ابو بکرؓ کو میکائیل، سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی اور سیدنا عمر فاروقؓ کو جبرئیل علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام سے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی۔ گویا کہ سب کے جذبات کی تحسین فرمائی۔

سیدنا عمرؓ کا بیان ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کو سیدنا ابو بکرؓ کی تجویز پسند آئی اور میری بات پسند نہ آئی، چنانچہ آپ ؐ نے فدیہ لینا پسند فرمایا۔

Marfat.com

حدیث میں ہے کہ آپ ؐ صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرماہی رہے تھے کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور عرض کی کہ آپ ؐ صحابہؓ کو قتل اور فدیہ کا اختیار دے دیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل امین نے آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ؐ! بدر کے قیدیوں کے بارہ میں آپ ؐ اپنے صحابہ کو اختیار دیں۔ چاہیں انہیں قتل کریں اور چاہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیں، لیکن شرط یہ ہے کہ آئندہ سال تم میں سے اتنے ہی آدمی قتل کیے جائیں گے۔ صحابہ کرامؓ نے قریش سے فدیہ لیا اور آئندہ سال اپنے قتل ہونے کو اختیار کیا۔

(فتح الباری جلد ۷، ص ۲۴۹، زرقانی جلد ۱ ص ۴۴۲، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۴)

مختصر یہ کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کی رائے اور ان کے ہم نوا دوسرے صحابہ کرامؓ کی رائے کو پسند فرماتے ہوئے آپ ؐ نے فدیہ لینے کا فیصلہ تو کر لیا اور حکم بھی صادر فرمادیا۔ فدیہ لینے سے بعض لوگوں کا مقصد، ممکن ہے کہ مال و منال کا حصول ہو، لیکن اس پر بارگاہ رب العزت سے عتاب نازل ہوا۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگلے روز میں صبح ہی صبح سرکارِ دو عالم ﷺ اور ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ وہ دونوں رو رہے ہیں، میں نے رسول اللہ ؐ سے رونے کی وجہ دریافت کی اور عرض کیا کہ اگر مجھے رونے کی وجہ معلوم ہو گئی تو میں بھی روؤں گا اور اگر وجہ نہ مل سکی تو آپ حضرات کے رونے کی وجہ سے روؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے تمہارے اصحاب پر جو شے پیش کی گئی ہے اس کی وجہ سے رو رہا ہوں اور آپ ؐ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مجھ پر ان کا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب پیش کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

> ما كان لنبي ان يكون له اسرى حتى يثخن في الارض، تريدون عرض الدنيا والله يريد الاخره، والله عزيز حكيم۔ لو لا كتاب من الله سبق لمسكم فيما اخذتم عذاب عظيم۔ (۸ : ۶۷-۶۸)

"کسی نبی کے لیے یہ درست نہیں کہ اس کے پاس قیدی آئیں یہاں تک کہ ان کو قتل کرے اور زمین میں اچھی طرح ان کا خون بہائے۔ تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو اس چیز کے بارہ میں جو تم نے لی ہے، ضرور تم کو بڑا عذاب پہنچتا"۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نوشتہ مقدر ہو چکا تھا وہ یہ تھا:

> فاما منا بعد واما فداء۔

"یعنی مشرکین کو جنگ میں گرفتار کرنے کے بعد یا تو احسان کر دو یا فدیہ لے لو۔"

Marfat.com

چونکہ اس نوشتہ میں قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس لیے صحابہ کرامؓ کو قبول فدیہ پر عذاب نہیں دیا گیا۔ بلکہ صرف عتاب کیا گیا اور عتاب بھی اس لیے کیا گیا کہ انہوں نے کفار کو اچھی طرح کچلنے اور پامال کرنے سے پہلے قیدی بنالیا تھا اور اس لیے بھی کہ انہوں نے ایسے مجرمین جنگ سے فدیہ لینا قبول کرلیا تھا جو صرف جنگی قیدی نہ تھے بلکہ جنگ کے ایسے بڑے مجرم تھے جنہیں جدید قانون بھی مقدمہ چلائے بغیر نہیں چھوڑتا۔ چونکہ ان لوگوں کا جرم تمام جنگی قیدیوں سے بڑا ہوتا ہے، لہٰذا مقدمہ چلانے کی صورت میں بھی فیصلہ عموماً سزائے موت یا عمر قید کی صورت میں ہوتا ہے۔

(احکام القرآن، جلد ۳ ص ۷۲)

مسلم کی حدیث کے مطابق عذاب صرف دکھلایا گیا اتارا نہیں گیا کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کا مقصود صرف تنبیہ تھا۔

حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر اس وقت عذاب آتا تو سوائے عمرؓ کے اور کوئی نہ بچتا اور ایک روایت میں سیدنا سعد بن معاذؓ کا نام بھی ہے۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۴۴۱) کیونکہ سعد بن معاذؓ کی بھی یہی رائے تھی کہ ان کو قتل کردیا جائے۔ منشاء خداوندی بھی یہی تھا کہ کافی خونریزی کی جائے تاکہ اسلام کی شوکت اور ہیبت دلوں میں بیٹھ جائے اور کفر کی بیخ کنی ہوجائے اور پھر وہ مقابلہ کے لیے اسلام کے سامنے سر نہ اٹھا سکے۔ اسی لیے اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر مسلمانوں کو مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا:

فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منهم كل بنان۔

"کافروں کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پور کو کاٹ ڈالو۔"

اسی وجہ سے علامہ طیبی نے مشکوٰۃ کی شرح میں فرمایا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کرامؓ کو قتل اور فدیہ کا اختیار دے دیا گیا تھا تو پھر فدیہ لینے پر عتاب الٰہی اس لیے نازل ہوا کہ یہ اختیار فقط ظاہری اور صوری تھا لیکن معنوی اور حقیقی لحاظ سے وہ ایک امتحان تھا کہ دیکھیں اللہ کے دشمنوں کے قتل کو اختیار کرتے ہیں یا "عرض حیات دنیا" یعنی سامان دنیا کو۔؟ جیسا کہ سورہ احزاب میں ظاہراً ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ خواہ دنیا اور اس کی زینت کو اختیار کرلیں یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور آخرت کو اختیار کرلیں۔ لیکن حقیقت میں اختیار نہیں تھا بلکہ امتحان تھا۔

مقدار فدیہ

فدیہ کی مقدار حیثیت کے مطابق مقرر کی گئی جو کہ چار ہزار درہم سے لے کر ایک ہزار درہم تک تھی۔ اور جو لوگ قلاش اور نادار تھے اور فدیہ ادا نہیں کرسکتے تھے ان کو کسی فدیہ کے بغیر رہا کردیا گیا اور جو

Marfat.com

لوگ ان میں سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور فدیہ ادا کرنے کے قابل نہ تھے' ان سے یہ شرط ٹھہری کہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں تو انہیں آزاد کردیا جائے گا چنانچہ مشہور صحابی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی طرح لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۴۴۲' طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۴)

قریش مکہ کو پہلے فدیہ ادا کرنے میں سخت ندامت محسوس ہوئی کہ وہ فدیہ ادا کر کے اپنے عزیزوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں رہا کرائیں۔ چنانچہ زرقانی وغیرہ میں ہے کہ قریش کو جب اپنے عزیزوں کے قتل کا حال معلوم ہوا تو گریہ وزاری شروع کردی۔ ایک ماہ تک وہ گریہ وزاری کرتے رہے' لیکن بعدازاں یہ اعلان کروادیا کہ کوئی شخص نوحہ وزاری نہ کرے کیونکہ ہمارے رونے پیٹنے کی جب محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو خبر پہنچے گی تو وہ بہت خوش ہوں گے اور یہ بھی اعلان کیا کہ کوئی شخص اپنے قیدیوں کا فدیہ بھی نہ دے' کہیں محمد ﷺ فدیہ کی مقدار نہ بڑھادیں' علاوہ ازیں ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ (زرقانی جلد ۱' ص ۴۵۳' ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۴۸) لیکن قریش کے اس اعلان کے باوجود بنو سلیم کے ایک رئیس اور تاجر مطلب بن ابی وداعہ سہمی جس کا باپ ابو وداعہ بن ضبیرہ سہمی بھی قید تھا' اس نے قریش کی اس مصلحت بینی کی پروانہ کی اور رات کی تاریکی میں مکہ سے نکلا اور سیدھا مدینہ طیبہ پہنچ گیا اور اپنے باپ کو چار ہزار درہم کا فدیہ دے کر مکہ لے آیا۔ بس پھر اس کے بعد سلسلہ آگے چل نکلا اور لوگوں نے فدیہ دے کر اپنے اپنے اعزا واقارب کو چھڑانا شروع کردیا۔ (ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۴۹)

ان قیدیوں میں آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کو کعب بن عمرو ابوالیسر نے گرفتار کیا تھا۔ (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے) کچھ لوگوں کو خیال ہوا کہ انہیں قتل کردیا جائے۔ اس بارہ میں جب سرکار ﷺ کو پتہ چلا تو آپ کو بڑی تشویش ہوئی کیونکہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نہ صرف آپ کے لیے محترم تھے بلکہ دل سے مسلمان تھے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کے بہت بڑے معاون ومددگار تھے' لیکن بعض مصلحتوں کی وجہ سے انہوں نے اپنے اسلام کو چھپایا ہوا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا کہ اس بات کی روک تھام کریں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ان کو منشائے نبوت سے مطلع کیا۔ سب نے سر تسلیم خم کردیا۔ (مسند احمد وابن ابی شیبہ "بحوالہ تفسیر مظہری" جلد ۴ ص ۱۱۱)

سرکارِ دوعالم ﷺ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی نہ صرف چچا ہونے کے ناطے بلکہ اپنا معاون ہونے کے ناطے سے بھی بڑی قدر فرماتے تھے۔ ایک روز سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی بندش ذرا سخت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی جب کراہ سنی تو نیند اڑ گئی۔ انصار کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ کی گرہ ڈھیلی کردی اور جب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نبوت کے یہ احساسات دیکھے تو نہ صرف عرض کی بلکہ اصرار کیا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کوئی فدیہ نہ لیا جائے کیونکہ یہ ہمارے بھانجے ہیں۔ ان لوگوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھانجا اس لیے کہا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دادی اور خواجہ عبدالمطلب کی والدہ انصار میں سے تھیں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۴۸) لیکن

Marfat.com

حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا! "خدا کی قسم! اس سے ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔" (بخاری جلد ۲)

سیدنا عباسؓ سے جب فدیہ کے لیے کہا گیا تو انہوں نے اپنی ناداری کا عذر کیا۔ آپؐ نے فرمایا "وہ مال کہاں ہے جو تم نے اور تمہاری بیوی ام الفضل نے دفن کیا تھا۔" سیدنا عباسؓ لسان نبوت سے یہ الفاظ سن کر حیران رہ گئے اور عرض کیا کہ بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں کیونکہ اس مال کے بارہ میں میرے اور میری بیوی ام الفضل کے سوا اور کسی کو بھی علم نہ تھا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۲۴) چنانچہ سیدنا عباسؓ سے چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا جو بقول ابن عباسؓ تمام قیدیوں میں سے سب سے زیادہ فدیہ تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۹۹)

سیدنا علیؓ کے حقیقی بھائی سیدنا عقیل بن ابی طالب بھی گرفتاران جنگ میں سے تھے۔ یہ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا فدیہ بھی چار ہزار درہم سیدنا عباسؓ ہی سے وصول کیا گیا۔

ابو سفیان کا ایک لڑکا عمرو بن ابی سفیان بھی اس جنگ میں گرفتار ہوا تھا۔ سیدنا علیؓ نے اس کو گرفتار کیا تھا۔ اس کو بھی فدیہ کے لیے کہا گیا لیکن ابو سفیان نے اس کا فدیہ نہ بھیجا اور جواب دیا کہ دو نقصان ایک ساتھ میرے لیے قابلِ برداشت نہیں ہیں۔ ایک تو میرا بیٹا حنظلہ بن ابی سفیان جنگ میں مارا گیا دوسرا میں عمرو کا فدیہ ادا کروں، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مسلمان جو چاہیں کریں۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ابو سفیان کی طبیعت میں بخل تھا۔ چنانچہ اس کی بیوی ہند نے بھی مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے ابو سفیان کے اس عیب کی شکایت کی کہ ابو سفیان ایک بخیل آدمی ہے۔ اپنی اولاد پر خرچ نہیں کرتا۔ (بخاری وغیرہ)

اتفاق سے بنو عمرو بن عوف کا ایک شخص سعد بن نعمان عمرہ کی غرض سے مکہ گیا۔ یہ شخص مشرک تھا۔ لیکن چونکہ بنو عمرو بن عوف مسلمانوں کا حلیف قبیلہ تھا، اس لیے اس کی حفاظت و اعانت کی ذمہ داری مسلمانوں پر تھی۔ چنانچہ ابو سفیان نے سعد بن نعمان کو پکڑ لیا اور سرکارِ دو عالم ﷺ کو کہلا بھیجا کہ میں سعد بن نعمان کو اس صورت میں رہا کروں گا اگر مسلمان میرے بیٹے عمرو بن ابی سفیان کو رہا کر دیں۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ابو سفیان کے بیٹے کو مکہ بھجوا دیا اور اس کے بدلے میں سعد بن نعمان کو رہائی دلوا دی۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۱۴، ابن ہشام جلد ۱ ص ۶۵۰)

اسیران جنگ میں آپؐ کے بڑے داماد ابو العاص بن الربیع بھی تھے۔ یہ سیدہ خدیجہؓ کے بھانجے یعنی ان کی بہن ہالہ کے بیٹے تھے۔ ایک صاحب حیثیت تاجر اور قریش کے اونچے خاندان سے ان کا تعلق تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ ان کی شرافت و نجابت کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ سیدہ خدیجہؓ کی درخواست پر ہی یہ رشتہ رسول اللہ ﷺ نے منظور فرمایا تھا۔ ان کا یہ نکاح بعثت نبوی سے پہلے ہوا تھا۔ بعثت کے بعد سیدہ خدیجہؓ اور ان کی تمام بیٹیاں ایمان لائیں لیکن ابو العاص شرک پر قائم رہے۔ مگر میاں بیوی کے درمیان

Marfat.com

بہت محبت تھی۔ چنانچہ ابوالعاص کہا کرتے تھے کہ میں زینبؓ جیسی شریف عورت کے مقابلہ میں دنیا کی کسی عورت کو پسند نہیں کرتا۔

ابوالعاص اگرچہ مالدار تھے لیکن اس موقع پر ان کے پاس فدیہ کی رقم نہیں تھی۔ انہوں نے اپنی اہلیہ سیدہ زینبؓ کو فدیہ بھیجنے کے لیے پیغام بھجوایا۔ انہوں نے مکہ سے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے جو فدیہ بھیجا اس میں وہ ہار بھی تھا جو ان کی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہؓ نے ابوالعاص سے شادی کے وقت انہیں دیا تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی نظر جونہی اس ہار پر پڑی تو اپنی جانثار بیوی کی یاد تازہ ہو گئی جس نے اپنا سب کچھ اسلام کے لیے قربان کر دیا تھا۔ واقعات کی رفتار نے ایک عجیب رقت انگیز صورت پیدا کر دی تھی۔ وہ حق پرست خاتون جس نے اپنی ساری دولت، محبت اور توانائیاں دعوت دین کی تائید میں صرف کر دی تھیں، آج جب نخل اسلام پروان چڑھا اور اس کی سب سے پہلی فتح پر اس باوفا جانثار اور آپؐ کے رنج و غم میں دلداری کرنے والی خاتون کا ہار جو اس نے نہایت محبت و شفقت سے اپنی بیٹی کو دیا تھا ایک قیدی کے فدیہ میں پیش ہو رہا ہے۔ آپؐ کی آنکھیں اس ہار کو دیکھ کر آب دیدہ ہو گئیں اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: اگر مناسب سمجھو تو اس ہار کو واپس کر دو اور اس قیدی کو چھوڑ دو۔ اسی وقت سر تسلیم خم ہو گئے۔ قیدی بھی رہا کر دیا گیا اور ہار بھی واپس ہو گیا۔

پیغمبر اسلام اور رحمت عالم ﷺ اس موقع پر سیدہ خدیجہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی وفاداری، خلوص اور اسلام کے لیے جانثاری کی بنا پر خود اپنی رائے سے بھی یہ ہار واپس کر سکتے تھے اور ابوالعاص کو کسی فدیہ کے بغیر رہائی دلوا سکتے تھے لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ اس معاملہ کا تعلق آپؐ کی ذات سے تھا۔ آپؐ کی بیٹی اور داماد کا معاملہ تھا لہٰذا ضابطہ اور قاعدہ کی پابندی اور آج کل کی اصطلاح میں جمہوری تقاضے کو پیش نظر رکھا۔

آپؐ نے معاملہ مسلمانوں کے سامنے رکھا۔ چنانچہ جیسے ہی انہیں اس رقت انگیز صورت حال کا احساس ہوا تو سب نے خود کہا کہ ماں کی یادگار بیٹی کو واپس کر دی جائے اور ابوالعاص کو بلا فدیہ رہا کر دیا جائے۔ حالانکہ آپؐ کو بخوبی علم تھا کہ آپؐ کے ایک اشارہ ابرو پر مسلمان اپنی جانیں چھڑکنے کو سعادت ابدی سمجھتے ہیں۔

اب تک اگرچہ مسلم و مشرک کا باہمی نکاح حرام نہیں ہوا تھا اس وجہ سے سیدہ زینبؓ مکہ میں مسلمان ہوتے ہوئے ابوالعاص کے یہاں رہتی تھیں۔ لیکن اب آپؐ نے مناسب یہی سمجھا کہ سیدہ زینبؓ مدینہ آ جائیں۔ چنانچہ آپؐ نے ابوالعاص سے وعدہ لے لیا کہ وہ مکہ پہنچ کر سیدہ زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے۔ سرور کائناتؐ نے غزوہ بدر سے قریباً ایک ماہ بعد سیدنا زید بن حارثؓ کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ وہ سیدہ زینبؓ کو مدینہ لے آئیں۔ ان کے ساتھ ایک انصاری کو بھیجا۔ یہ حضرات مکہ میں داخل نہیں ہو

Marfat.com

سکتے تھے کیونکہ قریش اور مسلمانوں کے مابین نئی نئی جنگ ہوئی تھی۔ مکہ کے قریب ایک جگہ بطن یا جج آپ ؐ نے بتادی تھی کہ وہاں پوشیدہ طور پر ٹھہر جائیں اور جب سیدہ زینب ؓ وہاں پہنچیں تو انہیں لے کر مدینہ طیبہ چلے آئیں۔

ابوالعاص وفائے عہد کا پتلا تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ اس نے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا۔ چنانچہ حسب وعدہ اس نے اپنے بھائی کنانہ بن ربیع سے کہا کہ وہ سیدہ زینب ؓ کو اس جگہ پہنچا آئیں جہاں سیدنا زید بن حارثہ ؓ اور ان کا انصاری ساتھی ان کے منتظر تھے۔

اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ عرب کی معزز خواتین ہودج میں سفر کیا کرتی تھیں۔ معزز خواتین کا یہ ایک امتیازی نشان ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ کنانہ بن ربیع نے سیدہ زینب ؓ کو ہودج میں نہایت احترام اور اعزاز کے ساتھ سوار کرایا۔ تیر اور ترکش ساتھ لیا۔ دوسرے اونٹ پر خود سوار ہوا اور دوپہر کے وقت مکہ سے روانہ ہوا کیونکہ دوپہر کے وقت زیادہ گرمی ہونے کی وجہ سے عرب لوگ کم سفر کرتے ہیں۔ اس وقت سفر کرنے سے شاید ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ لوگوں کو سیدہ زینب ؓ کے مدینہ جانے کا علم نہ ہو۔

کنانہ سیدہ زینب ؓ کو لے کر ابھی ذی طویٰ ہی پہنچے تھے کہ قریش کے کچھ لوگ پیچھے پہنچ گئے اور انہوں نے سیدہ کے ہودج کو گھیر لیا۔ قریش کے ایک شخص ہبار بن اسود نے سیدہ زینب ؓ کے اونٹ کو نیزہ مارا جس سے اونٹ تڑپا اور سیدہ زینب ؓ زمین پر گر گئیں۔ سیدہ چونکہ حاملہ تھیں اس لیے گرنے سے حمل ساقط ہو گیا۔

کنانہ بن ربیع کی توقع کے خلاف یہ سب کچھ ہوا۔ انہوں نے جب ہنگامہ دیکھا تو فوراً ترکش سنبھال کر تیراندازی شروع کر دی۔ لیکن ہبار بن اسود بچ کر نکل گیا۔ ابوسفیان بھی کچھ آدمیوں کو لے کر موقع پر پہنچ گیا۔ اس نے جب دیکھا کہ کنانہ تیراندازی کر رہا ہے تو اس نے اشارہ سے کنانہ کو تیراندازی سے روکا۔ پھر پاس آکر کنانہ سے کہا: "برخوردار! ہم نہیں چاہتے کہ زینب کو اس کے باپ سے الگ کر دیں، مگر تمہاری یہ حرکت ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ اگر تم سیدہ زینب ؓ کو رات کے اندھیرے میں نکال کر لے جاتے تو اور بات تھی لیکن تم نے دن دہاڑے جو یہ کام کیا یہ اچھا نہیں۔ اس سے لوگ یہی کہیں گے کہ قریش اتنے بزدل اور مرعوب ہو چکے ہیں کہ ان کے سامنے کھلم کھلا عورتیں نکال لی جاتی ہیں اور وہ دم نہیں مار سکتے۔ اس میں ہماری بھی بدنامی ہے اور تمہاری بھی۔ لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ اس وقت تم زینب ؓ کو واپس لے چلو۔ پھر کسی روز ہم سے بے خبر رات کی تاریکی میں اس کو نکال کر لے آنا۔

کنانہ ذہین آدمی تھے۔ موقع کی نزاکت کو سمجھ گئے چنانچہ وہ سیدہ زینب ؓ کو واپس لے آئے۔ پھر چند روز بعد موقع پا کر سیدہ زینب ؓ کو کسی اور جگہ پہنچا دیا جہاں سیدنا زید بن حارثہ ؓ اور ان کا انصاری ساتھی انتظار کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ پروگرام کے مطابق سیدہ ؓ کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔ اس طرح

Marfat.com

سیدہ زینبؓ مدینہ پہنچیں۔

ابو العاصؓ کا قبول اسلام

سیدہ زینبؓ اب مدینہ میں رہنے لگیں اور ابو العاص مکہ میں مقیم رہے۔ ابو العاص چونکہ ایک تاجر آدمی تھے۔ فتح مکہ سے قبل بڑے ساز و سامان کے ساتھ تجارت کے لیے شام روانہ ہوئے۔ چونکہ اہلِ مکہ کو آپ کی دیانت اور امانت پر اعتماد تھا۔ اس لیے دوسرے لوگوں کا سرمایہ بھی شریک تجارت تھا۔ شام سے واپسی پر مسلمانوں کے ایک دستہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ سارا سامان مسلمانوں نے ضبط کر لیا اور ابو العاص مشکل سے جان بچا کر مدینہ میں سیدہ زینبؓ کے پاس بھاگ آئے۔ ابو العاص سخت پریشان تھے کہ مکہ میں جا کر لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ ان کی سمجھ میں یہی آیا کہ مدینہ میں سیدہ زینبؓ کے پاس جایا جائے اور اس بارہ میں ان کی مدد حاصل کی جائے۔ اسی وجہ سے وہ رات کے اندھیرے میں بھاگ کر مدینہ سیدہؓ کے پاس آ گئے تھے اور ان کے ذریعہ "امان" کی درخواست کی۔ سیدہؓ نے خود ہی انہیں امان دے دی اور صبح کی نماز کے وقت جیسے ہی جماعت شروع ہوئی، سیدہ زینب نے "صفتہ النساء" سے آواز دی: "لوگو! میں نے ابو العاص بن ربیع کو پناہ دی ہے۔"

رحمت عالم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا:

"لوگو! میرے کانوں نے جو آواز سنی ہے کیا تم نے بھی وہ آواز سنی ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مجھے اس کا کوئی علم نہیں، جو اور جس وقت تم نے سنا وہی میں نے سنا، لہٰذا یہ سمجھ لو کہ مسلمانوں کا ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی پناہ دے سکتا ہے۔ اب جبکہ ایک مسلمان خاتون (زینبؓ) امان دے چکی ہیں تو اس کو تسلیم کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ سیدہ زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ہدایت فرمائی کہ بیٹی! ابو العاص کی خاطر مدارت تو پوری طرح کرو لیکن خلوت سے اجتناب کرو کیونکہ تو اب اس کے لیے حلال نہیں۔

ابو العاص کو اگرچہ جان کی امان تو مل گئی تھی لیکن مال کی پریشانی اب بھی باقی تھی کیونکہ اس مال میں مکہ کے دوسرے لوگ بھی شریک تھے۔ چنانچہ ایک روز آپ ﷺ نے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا کہ تم کو ابو العاص کا تعلق تو ہم سے معلوم ہی ہے لہٰذا اگر مناسب سمجھو تو اس کا مال بھی اسے واپس کر دو۔ آپ ﷺ کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی تسلیم و انقیاد کی گردنیں جھک گئیں اور ابو العاص کے مال کا ایک ایک دھاگا تک واپس کر دیا گیا۔

Marfat.com

ابو العاص وہ سارا مال لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے اور اس مال میں جس جس شخص کا حصہ تھا وہ اس کو واپس کیا۔ جب سب شرکاء کو ان کا مال دے چکے تو فرمایا: "اے گروہ قریش! کیا کسی شخص کا کچھ مال میرے ذمہ واپس رہ گیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا نہیں۔ اللہ تجھے جزائے خیر دے۔ ہم نے تجھے وفادار اور شریف پایا۔ ابو العاص ایک بہادر شریف زادے تھے۔ میدان بدر میں تلواروں کی جھنکار نے ان پر جو اثر نہیں کیا تھا وہ آپؐ کے حسن سلوک اور اخلاق حسنہ نے کر دیا۔ آپ نے اب تمام گروہ قریش کو مخاطب کر کے فرمایا!

"سن لو، میں نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اب تک میں صرف اس وجہ سے مسلمان نہیں ہوا تھا کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ میں نے لوگوں کا مال کھانے کے لیے ایسا کیا ہے۔ اب جب کہ میں نے ہر ایک کی چکتائی کر دی ہے اور اس بار دوش سے سبکدوش ہو گیا ہوں اس لیے اب مسلمان ہوتا ہوں۔"

بعد ازاں آپ مکہ سے مدینہ طیبہ چلے آئے اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدہ زینبؓ کو پھر ان کی زوجیت میں دے دیا۔

سہیل بن عمرو سے معاملہ

قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو بھی تھا۔ یہ قریش میں بڑا زبان آور اور شعلہ بیان خطیب تھا۔ سیدنا عمرؓ نے اسے دیکھ کر عرض کیا: "یا رسول اللہ! سہیل بن عمرو کے اگلے دو دانت تڑوا دیجئے اس سے اس کی زبان پلٹ جایا کرے گی اور پھر وہ کسی جگہ خطیب بن کر آپؐ کے خلاف کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا عمرؓ کی یہ درخواست مسترد کر دی اور فرمایا کہ میں مثلہ کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں نبی ہوں لیکن مثلہ ایسا فعل ہے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں خود میرا مثلہ نہ کر دیں۔

مکرز بن حفص نے اس کی رہائی کی کوشش کی مگر زر فدیہ پاس نہیں تھا۔ چنانچہ مکرز نے خود اپنی ضمانت پیش کر دی کہ میرے پاؤں میں تسمہ ڈال دیا جائے اور سہیل کو رہا کر کے مہلت دی جائے کہ وہ زر فدیہ فراہم کر کے لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکرز کی یہ ضمانت منظور فرمائی اور سہیل بن عمرو کو رہا کر دیا گیا کہ وہ زر فدیہ فراہم کرے۔ (ابن ہشام جلد ا)

محمد ابن اسحاق نے ایک روایت یہ بھی کی ہے کہ سہیل سیدہ سودہ بنت زمعہ ام المومنینؓ کے عزیز تھے۔ جب اسیران بدر مدینہ لائے گئے اور سیدہ سودہؓ کی نگاہ ان پر پڑی تو بے ساختہ زبان سے نکل گیا۔

Marfat.com

"تم نے عورتوں کی طرح مشکیں کسوالیں لیکن یہ نہ ہو سکا کہ لڑ کر مر ہی جاتے۔"
رسول اللہ ﷺ قریب ہی تشریف فرما تھے۔ آپ ؐ نے سودہ ؓ کے یہ جملے سنے تو فرمایا! "سودہ! میرے مقابلے پر اشتعال پھیلا رہی ہو؟"
یہ سن کر سیدہ سودہ ؓ دم بخود ہو گئیں۔ فوراً معذرت کی کہ یا رسول اللہ ؐ! یہ جملے بے اختیار زبان سے نکل گئے۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱)
اسیران بدر میں ایک نوفل بن حارث بھی تھے۔ جب ان سے فدیہ لانے کے لیے کہا گیا تو جواب یہ دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ آپ ؐ نے فرمایا! نوفل! وہ نیزے کہاں ہیں جو تم جدہ میں چھوڑ آئے ہو۔ نوفل نے جواب دیا! "خدا کی قسم! اس بات کا علم میرے سوا کسی اور کو نہیں تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ؐ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ نوفل وہ نیزے لے آئے اور ان کو اپنے فدیہ میں دیا۔ ان نیزوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ سرکارِ مدینہ ﷺ نے سیدنا عباس ؓ اور نوفل ؓ کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم فرمادیا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی وہ دونوں آپس میں دوست تھے اور تجارت میں شریک تھے۔ اب اسلام کے بعد بھی دونوں کا رشتہ بدستور قائم رہا۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۴۴۳، مستدرک حاکم جلد ص ۲۴۶)

قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک

اسلام سے قبل قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا وہ ناگفتنی ہے۔ اسلام کے پیغمبر نے جہاں اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی، وہاں قیدیوں کے بارہ میں بھی تاکید فرمائی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ عربوں کے ہاں جیل خانہ نہیں ہوتا تھا۔ ان کے ہاں جب بھی کوئی قیدی آتا وہ اس کو تسمہ سے باندھ دیا کرتے تھے۔ تسمہ کو عربی میں "اسر" کہا جاتا ہے اس وجہ سے قیدی "اسیر" کہلاتے تھے۔ چنانچہ جو شخص قید ہو کر آتا اس کو تسمہ سے باندھ دیا جاتا۔ اس کی حفاظت بھی وہی شخص کرتا اور اس کے خورونوش کا انتظام بھی اسی کے ذمہ ہوتا۔
غزوہ بدر سے جو قیدی آئے ان کی تعداد ستر تھی۔ نبی اکرم ؐ نے ان کو صحابہ کرام ؓ میں تقسیم کر دیا اور ساتھ ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ (استوصوا بالاساری خیرا) (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱) صحابہ کرام ؓ نے اپنے پیغمبر کے اس فرمان پر اس طرح عمل کیا کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ خود بھوکے رہتے لیکن ان قیدیوں کو کھلاتے۔ چنانچہ سیدنا مصعب بن عمیر ؓ کے بھائی قید ہو کر آئے۔ جن انصار کے یہاں وہ قید تھے، وہ بیچارے نہایت تنگدست تھے۔ قیدی کا بیان ہے کہ جب وہ کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے تھے، مجھے یہ دیکھ کر ندامت ہوتی چنانچہ روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ روٹی مجھ ہی کو واپس کر دیتے۔ (ابن ہشام جلد ۱)

Marfat.com

ابوعزہ عمرو الجمحی مشہور شاعر تھا۔ وہ اکثر سرکارِ دو عالم ﷺ کی ہجو میں شعر کہا کرتا تھا۔ وہ بھی غزوہ بدر میں قیدی ہو کر آیا۔ جب اس سے فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تو کہنے لگا میں تو تہی دست ہوں۔ پانچ لڑکیوں کا خرچہ میرے ذمہ ہے۔ لہٰذا آپؐ مجھے بغیر فدیہ کے ہی رہا کردیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کا عذر قبول فرماتے ہوئے بلا فدیہ رہا کردیا۔ وہ آپؐ کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہوا۔ مکہ جا کر آپؐ کی تعریف میں اشعار اور قصیدے لکھے، لیکن پھر بدبختی اور شقاوت دامن گیر ہوئی اور جنگ احد کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز اشعار لکھے۔ جنگ احد میں پھر گرفتار ہوا اور قتل ہوا۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۲۲)

سیدنا عباسؓ کو قید کی حالت میں مسجد میں رکھا گیا۔ وہ تسمہ جس سے بندھے ہوئے تھے، وہ سخت کسا ہوا تھا۔ اس تکلیف کی وجہ سے رات کو کراہ رہے تھے کہ آپؐ کے گوش مبارک میں ان کے کراہنے کی آواز پہنچ گئی۔ بس پھر کیا تھا پیغمبر ﷺ کی آنکھوں سے نیند جاتی رہی۔ سخت پریشان اور بے چین تھے۔ اس بے چینی کا صحابہ کرامؓ کو احساس ہوا تو پتہ چلا کہ بے چینی کی وجہ سیدنا عباسؓ کا کراہنا تھا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے عم محترم کا تسمہ ڈھیلا کردیا لیکن اس کے ساتھ تمام دوسرے اسیروں کے تسمے بھی ڈھیلے کر دیئے گئے۔

جنگی قیدیوں کے پاس کپڑے نہیں تھے۔ آپؐ نے انہیں کپڑے دلوائے۔ سیدنا عباسؓ کا قد بہت لمبا تھا۔ کسی صحابی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہ آیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کا قد اتنا ہی تھا جتنا سیدنا عباسؓ کا تھا۔ اس نے سیدنا عباسؓ کو اپنا کرتہ دیا، لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ کسی کا احسان رکھنے والے نہیں تھے ان کی احسان شناسی کا تو یہ عالم تھا کہ مطعم بن عدی کے چند احسانوں کی بنا پر آپ نے اسی جنگ کے خاتمہ پر میدان بدر میں فرمادیا تھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان جنگی قیدیوں کے لیے سفارش کرتا تو میں سب کو چھوڑ دیتا۔ اس احسان شناس پیغمبر نے، صحیح بخاری جلد ا ص ۴۲۲ کی روایت کے مطابق، عبداللہ بن ابی کے کفن کے لیے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

فتح بدر پر نجاشی کا اظہار مسرت

غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو فتح مبین عطا فرمائی، اس سے اسلام کی آئندہ تاریخ پر گہرے اثرات پڑے۔ گردونواح کے قبائل کے دلوں پر مسلمانوں کی ایک ہیبت اور دھاک بیٹھ گئی۔ قریش مکہ کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ وہ پریشان تھے کہ یہ ان کے ساتھ ہو کیا گیا ہے، ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ہمارا مسلمانوں سے تین گنا بڑا لشکر شکست کیسے کھا گیا؟

نجاشی شاہ حبشہ کو جب مسلمانوں کی اس فتح کا علم ہوا تو وہ بہت خوش ہوا اور اس کے ملک میں جو مسلمان مہاجر رہتے تھے اس نے ان کو بلا کر مبارک باد دی۔ چنانچہ امام بیہقی کے حوالہ سے حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ سیدنا جعفر طیار اور ان کے ساتھی حضرات چونکہ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے حبشہ

چلے گئے تھے، وہ ابھی حبشہ میں ہی تھے کہ مدینہ میں بدر کا معرکہ پیش آگیا۔ سیدنا جعفر طیارؓ ہی کا بیان ہے کہ ایک روز نجاشی نے ہمیں اپنے محل میں بلایا۔ ہم جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ نجاشی پرانے کپڑے پہنے ہوئے مٹی پر بیٹھا ہوا ہے ہمیں نجاشی کی یہ حالت دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور تشویش بھی کہ ماجرا کیا ہے جو ایک بادشاہ وقت پرانے کپڑے پہن کر مٹی پر بیٹھا ہے؟ لیکن نجاشی کے چہرے پر افسوس اور حسرت کے بجائے خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ہم سے کہا کہ میں نے آپ حضرات کو ایک خوشخبری دینے کے لیے بلایا ہے۔ ہم سب کے کان نجاشی کے منہ سے خوشی اور مسرت کی یہ بات سننے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ نجاشی نے کہا کہ ہمارے انٹیلی جنس (Intelligence) کا جو عملہ حجاز میں رہتا ہے، انہوں نے سرکاری طور پر ہمیں اطلاع دی ہے کہ مسلمانوں کی قریش مکہ سے جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور قریش کو شکست فاش ہوئی ہے اور قریش کے فلاں فلاں سردار اس جنگ میں مارے گئے اور فلاں فلاں گرفتار ہوئے۔

نجاشی نے مزید یہ کہا کہ میدان بدر میرا دیکھا ہوا ہے۔ یہاں اراک کے بہت درخت ہیں۔ جب میں بنو ضمرہ کے ایک سردار کا غلام تھا تو اس کے اونٹ وادی بدر میں چرایا کرتا تھا۔ سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس خبر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر نجاشی سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ کیا صورت بنا رکھی ہے کہ آپ میلے کچیلے کپڑے پہن کر مٹی پر تشریف فرما ہیں؟ نجاشی نے جواب دیا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر جو وحی نازل ہوا کرتی تھی، اس میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کا یہ فرض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی انعام میسر آئے تو وہ انتہائی عاجزی اور تواضع کا اظہار کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے نبی برحق کو فتح عطا فرمائی، اس لیے میں نے اظہار تشکر کے لیے یہ صورت اختیار کی۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۳۰۷)

شہدائے بدر

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے، غزوہ بدر میں چودہ مسلمان شہید ہوئے جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔

۱۔ شہداء بدر میں سب سے پہلے اس کم سن مجاہد کا نام زبان قلم پر آتا ہے جس کا نام عمیر بن ابی وقاصؓ تھا اور جس کو سرکار دو عالم ﷺ بیر ابی عتبہ سے واپس بھیج رہے تھے، لیکن وہ کچھ ایسے مچلے کہ انہیں لشکر کے ساتھ چلنے کی اجازت مل گئی۔ یہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران و عراق کے چھوٹے بھائی تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ خود فرماتے ہیں کہ جب بدر کے لیے لوگ جمع ہوئے تو میں نے اپنے بھائی عمیرؓ کو دیکھا کہ ادھر ادھر چھپتا پھر رہا ہے۔ میں نے پوچھا بھائی! کیا ہوا؟ کہا مجھ کو اندیشہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھ

Marfat.com

کو دیکھ پائیں اور کم سن سمجھ کر واپس نہ کر دیں اور میں آپؐ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ مجھ کو شہادت نصیب فرمائے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بیئرِ ابی عتبہ پر لشکرِ اسلام کا معائنہ فرمایا تو عمیرؓ کو دیکھ کر فرمایا: ''تم ابھی بچے ہو، لہٰذا واپس گھر چلے جاؤ۔'' عمیرؓ یہ سن کر رونے لگے۔ ان کی یہ گریہ وزاری کام آگئی۔ آپؐ کو اس کی حالت گریہ پر رحم آگیا اور ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ بالآخر جنگ میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا اور ابدی سعادت حاصل کی۔

۲۔ دوسرے شہید بھی انہی کے نام کے تھے یعنی عمیر بن حمام انصاریؓ ان کے بارہ میں صحیح مسلم میں ہے کہ بدر کے دن سرکارِ مدینہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: ''لوگو! اٹھو اس جنت میں داخل ہونے کے لیے جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔'' سیدنا عمیر بن حمامؓ نے عرض کی۔ ''یارسول اللہ! کیا جنت کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے؟'' آپؐ نے فرمایا ''ہاں۔'' عمیرؓ نے کہا ''واہ، واہ'' آپؐ نے پوچھا! ''عمیر! تمہیں کس شے نے واہ واہ کرنے پر آمادہ کیا؟'' عمیرؓ نے عرض کی! ''یارسول اللہ! خدا کی قسم، مجھے یہ الفاظ کہنے پر صرف اس امید نے آمادہ کیا کہ شاید میں بھی اہلِ جنت میں سے ہو جاؤں''۔ آپؐ نے فرمایا! ''اس میں کوئی شک نہیں کہ تو اہلِ جنت میں سے ہے''۔ بعد ازاں سیدنا عمیرؓ نے کھجوریں نکال کر کھانا شروع کیں، لیکن پھر فوراً ہی پھینک دیں اور یہ کہا کہ ''اگر اس کے کھانے میں مصروف ہو گیا تو پھر زندگی بڑی طویل ہے'' اور اتنا صبر نہ ہو سکا کہ کھجوریں کھالیں۔ چنانچہ انہیں پھینک کر جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (زرقانی جلد ۱ ص ۴۴۴، البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۷۷ وغیرہ)

۳۔ تیسرے شہید سیدنا عبیدہ بن الحارث بن مطلبؓ تھے۔ یہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے اور شرکائے بدر میں عمر میں سب سے زیادہ تھے۔ غزوہ بدر میں شیبہ بن ربیعہ کے ہاتھوں پاؤں کٹ گیا۔ مقام صفراء میں پہنچ کر وفات پائی۔ (بعض روایات میں ہے کہ بدر ہی میں وفات پائی) رسول اللہ ﷺ نے وہیں دفن فرمایا۔ وفات کے وقت سر مبارک حضور ﷺ کے زانو پر تھا۔

حافظ ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے اپنے رفقاء کے ساتھ مقام صفراء میں نزول فرمایا۔ صحابہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ! ہم یہاں جنت کی خوشبو محسوس کر رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا! تعجب ہے تمہیں پتہ نہیں یہاں ابو معاویہ (عبیدہ بن حارثؓ) کی قبر ہے۔

(الاستیعاب ترجمہ عبیدہ بن الحارث)

۴۔ حارث بن سراقہ: یہ دونوں باپ بیٹا صحابی بھی ہیں۔ اور دونوں شہید بھی ہیں لیکن بیٹا باپ سے پہلے اس سعادت سے سرفراز ہوا۔ بیٹا جنگ بدر میں شہید ہوا اور باپ سراقہ جنگ حنین میں۔ حارث غزوہ بدر میں بالکل جوان تھے۔ حوض پر پانی پی رہے تھے کہ اچانک مشرکین کا تیر آکر لگا اور شہید ہو گئے۔

ان کی والدہ ربیع بن نضرؓ کو تشویش تھی کہ حارث جب معرکہ میں نہیں مارے گئے تو درجہ شہادت معلوم نہیں میسر آیا یا نہیں؟ لہٰذا وہ آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! آپ کو بخوبی علم ہے کہ مجھے حارث سے کس قدر محبت تھی۔ پس اگر اس کو جنت نصیب ہوئی ہے تو میں صبر کروں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب و اجر کی امید رکھوں اور اگر خدانخواستہ ایسا نہیں ہے تو پھر آپؐ دیکھ لیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں"۔ (مطلب یہ تھا کہ میں دل کھول کر نوحہ و ماتم کروں گی) سرکارِ دوعالم ﷺ نے مشفقانہ بے تکلفی سے فرمایا "کیا بیوقوف ہو گئی ہو"۔ کیا جنت صرف ایک ہے؟ جنتیں بہت سی ہیں اور وہ جنت الفردوس میں ہے!" (بخاری غزوہ بدر جلد ا)

۵۔ عاقل بن البکیرؓ: یہ سابقین اولین میں سے تھے اور دارارقم میں حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسلام لانے سے قبل ان کا نام غافل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نام تبدیل کر کے عاقل رکھا۔ (الاصابہ جلد ۲ ص ۲۴۷) غزوہ بدر میں شہید ہوئے اس وقت عمر ۳۴ سال تھی۔

۶۔ ذوالشمالین بن عبد عمروؓ: صحابہ کرامؓ میں ایک صحابی کا نام ذوالیدینؓ تھا اور دوسرے کا نام ذوالشمالینؓ۔ بعض حضرات دونوں نام ایک ہی شخص کے بتاتے ہیں لیکن جمہور محدثین کے نزدیک یہ دو شخص ہیں۔ ذوالشمالین تو جنگ بدر میں شہید ہوئے جبکہ ذوالیدین کافی عرصہ تک زندہ رہے۔

۷۔ مہجع بن صالحؓ: یہ سیدنا عمر ابن الخطابؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اور جنگ بدر کے سب سے پہلے شہید تھے۔

۸۔ صفوان بن بیضاءؓ: شرکاء بدر میں سے ہیں اور اکثر کے نزدیک شہید بھی غزوہ بدر میں ہوئے۔

۹۔ سعد بن خیثمہؓ: یہ بھی باپ بیٹا صحابی بھی ہیں اور دونوں شہید بھی ہیں۔ سعد غزوہ بدر میں شہید ہوئے جبکہ خیثمہؓ نے جنگ احد میں جام شہادت نوش کیا۔ روایات میں ہے کہ جب سرکارِ دوعالم ﷺ ابوسفیان کے قافلہ کے لیے مدینہ سے نکلے تو خیثمہؓ نے سعدؓ سے کہا کہ بیٹا! گھر کے حالات کچھ ایسے ہیں کہ ہم میں ایک کا گھر میں بچوں اور عورتوں کی حفاظت کے لیے ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا تم نوجوان ہو۔ تم ایثار کرو اور مجھے حضور ﷺ کے ساتھ جانے دو اور تم گھر میں ٹھہرو۔ سعدؓ نے کہا:

"جنت کے سوا اگر کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں ضرور ایثار کرتا۔ لیکن میں اس سفر میں اپنے شہید ہونے کی پوری پوری امید رکھتا ہوں۔"

باپ بیٹا دونوں بضد تھے۔ آخر دونوں میں قرعہ اندازی ہوئی۔ خوش قسمتی سے قرعہ سعدؓ کے نام کا نکلا اور وہ نہایت مسرت کے ساتھ حضور ﷺ کے ساتھ میدان بدر کی طرف روانہ ہوئے اور جنگ بدر میں عمرو بن عبدود کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۴۷)

سیدنا سعد بیعت عقبہ ثانیہ میں بھی موجود تھے اور آپؐ نے انہیں بنی عمرو کا نقیب بنایا تھا۔

Marfat.com

۱۰- رافع بن معلیؓ- یہ غزوہ بدر میں عکرمہ بن ابی جہل کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۱۱- مبشر بن عبد المنذر انصاریؓ

۱۲- یزید بن حارث انصاریؓ

۱۳- عوف بن حارث انصاریؓ

۱۴- معوذ بن حارث انصاریؓ

موخر الذکر دونوں عفراءؓ کے بیٹے تھے۔ یہ دونوں میدان بدر میں ابو جہل کی تلوار سے شہید ہوئے۔

یہ چودہ حضرات شہدائے بدر ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل حضرات مہاجر تھے۔ باقی حضرات انصار میں سے ہیں۔ رضی اللہ عنھم اجمعین۔

۱- سیدنا عبیدہ بن الحارثؓ ۲- سیدنا عمیر بن ابی وقاصؓ

۳- سیدنا ذوالشمالین بن عبد عمرو الخزاعیؓ ۴- سیدنا صفوان بن بیضاءؓ

۵- سیدنا عاقل بن بکیرؓ ۶- سیدنا مہجع بن صالحؓ

اللہ تعالیٰ نے بدر میں شریک ہونے والے حضرات کا مرتبہ اس قدر بلند فرمایا ہے کہ:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی طرف نگاہ فرمائی اور انہیں یہ کہہ دیا کہ تم جو چاہو کرو، جنت تمہارے لیے واجب ہو چکی ہے۔" (بخاری باب فضل من شهد ابدر)

اس بارہ میں ایک اور روایت سیدنا جابر سے مسند احمد میں منقول ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لن يدخل النار احد شهد بدرا۔

"جو شخص بدر میں حاضر ہوا وہ کبھی بھی جہنم میں نہ جائے گا۔"

(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۳۰)

اس بارہ میں ایک اور روایت بخاری ہی میں ہے کہ سیدنا رافعؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جبرائیل امین علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا کہ "اہلِ بدر کو آپ کیا سمجھتے ہیں؟" حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "سب سے افضل اور بہتر سمجھتے ہیں"۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا" اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے سب فرشتوں سے افضل ہیں۔"

(بخاری، باب شهود الملائکه بدر)

جب بدر میں حاضر ہونے والوں کی فضیلت اور منقبت یہ ہے تو ان لوگوں کی فضیلت کیا ہوگی جنھوں نے جنگ بدر میں اپنی جانیں جان آفرین کے سپرد کیں؟ اس سے ان شہداء کے مناقب کا اندازہ

Marfat.com

فرمالیں۔ اس بارے میں ایک بات اور ذہن نشین فرمالیں کہ علمائے حدیث کا عقیدہ ہے کہ اصحاب بدر کے اسمائے گرامی باعث برکت ہیں۔ جب ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور جو دعا مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ امام دوانی فرماتے ہیں کہ اس کا تجربہ بارہا ہو چکا ہے۔

ذکر الامام الدوانی انہ سمع من مشائخ الحدیث ان الدعاء عند ذکرھم مستجاب وقد جرب ذالک۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۱۶۳، زرقانی ج ۱ ص ۴۰۹)

عمیر بن وہب جمحی کا قبول اسلام

عمیر بن وہب جمحی اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا۔ مکہ کے زمانہ میں وہ سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو بہت پریشان کیا کرتا تھا۔ غزوہ بدر کے قیدیوں میں ایک اس کا بیٹا وہب بن عمیر بھی تھا۔

ایک روز یہ عمیر اور صفوان ابنِ امیہ حطیم میں بیٹھ کر معرکہ بدر کی باتیں کر رہے تھے۔ ان دو کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ لہٰذا بڑی راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں۔ صفوان بن امیہ نے کہا: "خدا کی قسم! اب جینے کا کوئی مزہ نہیں کیونکہ زندگی بے لطف ہو گئی ہے۔" عمیر نے کہا: "صفوان، تم ٹھیک کہتے ہو۔ اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کی فکر نہ ہوتی تو میں مدینہ جا کر محمد (ﷺ) کو قتل کر آتا۔ میرا بیٹا بھی وہاں قید ہے"۔ صفوان عمیر کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور بولا: "تم قرض اور بچوں کی فکر نہ کرو۔ اس کا میں ذمہ دار ہوں"۔ یہ سن کر عمیر نے کہا کہ "اچھا میں جاتا ہوں، لیکن ان باتوں کا ذکر آپ کسی سے نہ کریں"۔ صفوان نے کہا "یہ راز میرے اور تمہارے درمیان ہی رہے گا"۔

عمیر اسی وقت گھر آیا۔ تلوار صیقل کرائی اس کو زہر میں بجھایا اور مدینہ کی راہ لی۔ عمیر مدینہ طیبہ پہنچا تو جیسے ہی اس نے مسجد نبوی کے دروازہ کے سامنے اونٹنی بٹھائی، سیدنا عمرؓ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ کسی ناپاک ارادے سے آیا ہے۔ یہ تلوار لگائے ہوئے تھا۔ انہوں نے تلوار پر قبضہ کیا اور تلوار کے پرتلہ کو جو اس کی گردن میں تھا کھینچتے ہوئے سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے دیکھا عمیر بن وہب کو سیدنا عمرؓ گریبان سے پکڑے ہوئے اس طرف کھینچتے ہوئے لا رہے ہیں۔ اتنے میں سیدنا عمرؓ نے عمیر کو حضور ﷺ کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا: "عمر! اسے چھوڑ دو۔" پھر عمیر سے فرمایا! میرے قریب آؤ۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے عمیر کو پاس بٹھا کر پوچھا: "کیسے آئے ہو؟" عمیر نے کہا: "میرا لڑکا آپؐ کے پاس قید ہے اسے چھڑانے کے لیے آیا ہوں"۔ فرمایا: "یہ تلوار کیوں حمائل ہے؟" عرض کی: "تلوار لے تو آیا ہوں لیکن یہ تلوار کس کام کی ہے۔ بدر میں اس نے کیا کام کیا؟" حضور ﷺ نے فرمایا: "باتیں نہ بناؤ۔ سچ سچ بتاؤ۔ کیا تم نے اور صفوان بن امیہ نے حطیم میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی؟ کیا تم

Marfat.com

صفوان سے یہ عہد کر کے نہیں آئے؟ کیا تم اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نہیں آئے؟ کیا تم نے میرے قتل کا ذمہ اس شرط پر نہیں لیا تھا کہ صفوان تیرے قرض کی ادائیگی کا ذمہ لے اور تیرے بال بچوں کی خبر گیری کرے۔"

عمیر لسان نبوت سے یہ بات سن کر سناٹے میں آ گیا۔ اور بے اختیار ہو کر بولا: "محمد (ﷺ) بے شک آپ ٹھیک کہتے ہیں اور میں اس بات پر گواہی دیتا ہوں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کی قسم صفوان اور میرے درمیان اس بارہ میں جو بات ہوئی تھی اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی خبر دی، لہٰذا میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری آنکھیں کھول دیں"۔ (الحمد اللہ الذی ھدانی للاسلام وساقنی ھذاالمساق ثم تشھد)

عمیر جب حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا! "اپنے بھائی عمیر کو اپنے پاس رکھو، اسے دین کی باتیں بتاؤ اور قرآن حکیم کی تعلیم دو اور اس کا قیدی چھوڑ دو"۔ چنانچہ صحابہ نے اسی وقت اس کے بیٹے وہب کو رہا کر دیا۔

عمیر نے کہا: "یا رسول اللہ! میں نے اللہ کے نور کو بجھانے کی بہت کوشش کی اور ان لوگوں کو طرح طرح سے اذیتیں دیں جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ اب مجھے اجازت فرمائیں کہ میں مکہ میں واپس جا کر اللہ اور اس کے رسول اور اسلام کی دعوت دوں۔ شاید اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب فرمائے"۔ آپ نے اجازت مرحمت فرما دی۔

• عمیر جب مکہ سے مدینہ روانہ ہوا تھا تو صفوان بن امیہ لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ عنقریب میں تم لوگوں کو ایک ایسی خوشخبری سناؤں گا جو تمہیں بدر کا صدمہ بھلا دے گی اور ہر آنے جانے والے سے وہ عمیر کے بارہ میں پوچھتا رہتا تھا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد اسے خبر ملی کہ عمیر تو حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہے۔ یہ خبر صفوان پر بجلی بن کر گری۔ وہ غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا اور قسم کھائی کہ عمیر سے نہ تو کبھی بات کروں گا اور نہ اسے کوئی فائدہ پہنچاؤں گا۔

عمیر حلقہ بگوش اسلام ہو کر بہادرانہ انداز میں مکہ میں داخل ہوئے۔ یہاں کا ہر فرد مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا کیونکہ غزوہ بدر کی شکست فاش کے زخم ابھی تازہ تھے، لیکن عمیر کے دل کی دنیا تبدیل ہو چکی تھی۔ ان کو پہلے اسلام کے دوستوں سے جس شدت کے ساتھ دشمنی تھی اب اسی شدت کے ساتھ اسلام کے دشمنوں سے عداوت ہو گئی۔ مکہ پہنچ کر انہوں نے اسلام کی دعوت کا آغاز کر دیا اور کافی لوگوں کو اسلام کی روشنی سے منور کیا اور جو لوگ اسلام کے دشمن تھے اب ان کو اسی طرح ستایا جیسے پہلے وہ اسلام کے ماننے والوں کو ستایا کرتے تھے۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱، البدایہ والنہایہ، جلد ۳، ص ۳۱۳)

یہ تھی غزوہ بدر کی مختصر روئیداد جس نے اسلام کی دعوت کے رخ کو بدل کر رکھ دیا۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے اس کو "یوم الفرقان" یعنی حق اور باطل میں فرق اور امتیاز کا دن قرار دیا۔ بلکہ یہ مہینہ ہی فرقان کا تھا یعنی رمضان المبارک کا مہینہ جس میں حق تعالیٰ شانہ نے قرآن حکیم کو نازل فرما کر حق اور باطل، ہدایت اور ضلالت اور محب اور کاذب کا فرق واضح فرما دیا۔ اس وجہ سے غزوہ بدر اسلام کی ترقی کا اولین قدم تھا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار جو اسلام کی ترقی کی راہ میں ایک آہنی دیوار تھے، قتل ہو گئے۔ لہٰذا غزوہ بدر کے بعد اسلام کی ترقی کی راہیں کھل گئیں اور مسلمانوں میں ہمت و جرأت کے جذبات پیدا ہو گئے۔

ایک یہودی عورت کا قتل

ایک یہودی عورت سرکارِ دو عالم ﷺ کی شان اقدس میں ہجویہ اشعار کہا کرتی تھی اور طرح طرح کی اذیتیں بھی دیتی تھی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ ابھی بدر سے واپس تشریف نہیں لائے تھے کہ اس نے پھر آپ ﷺ کی شان میں کچھ گستاخانہ اشعار کہے۔ سیدنا عمیر بن عدیؓ نے جب یہ اشعار سنے تو انہیں سخت غصہ آگیا۔ آپؓ نے یہ منت مان لی کہ اگر حضور ﷺ بدر سے صحیح و سالم واپس تشریف لائے تو میں اس عورت کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

رسول اللہ ﷺ جب غزوہ بدر سے فتح مبین کے ساتھ صحیح و سالم واپس لوٹے تو سیدنا عمیرؓ اپنی منت پوری کرنے کے لیے رات کے وقت اس یہودی عورت کے گھر میں داخل ہوئے۔ وہ گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ سو رہی تھی۔ سیدنا عمیرؓ نابینا تھے۔ اس لیے انہوں نے اس یہودی عورت کو جس کا نام عصماء تھا۔ ہاتھ سے ٹٹولا، بچوں کو ادھر ادھر ہٹایا اور پھر تلوار کی نوک سینہ پر رکھ کر اس زور سے دبایا کہ وہ پار ہو گئی۔ وہ تڑپی لیکن چند ہی لمحوں کے بعد ٹھنڈی ہو گئی۔ یہاں سے فارغ ہو کر صبح کی نماز مسجد نبوی میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ ادا فرمائی اور حضور ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور عرض کی کہ اس بارہ میں مجھ سے کوئی مواخذہ تو نہ ہو گا؟ آپ نے فرمایا! "اس بارہ میں دو بھیڑیں بھی سر نہ ٹکرائیں گی۔" مطلب اس جملہ سے آپ ﷺ کا یہ تھا کہ یہ کوئی اختلافی یا نزاعی بات نہیں ہے۔ انسان تو درکنار بھیڑ بکریاں بھی اس بارے میں کوئی اختلاف نہ کریں گی۔

رسول اللہ ﷺ عمیرؓ کے اس فعل سے نہایت خوش ہوئے اور صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھنا چاہتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کی ہو تو عمیر بن عدیؓ کو دیکھ لو۔"

سیدنا عمرؓ نے فرمایا اس اعمیٰ (نابینا) کو دیکھو کہ کس طرح مخفی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے

Marfat.com

روانہ ہوا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے جب یہ الفاظ سنے تو فرمایا اس کو اعمیٰ (نابینا) نہ کہو۔ یہ تو بصیر (بینا) ہے۔ یہ واقعہ ۲۵ رمضان المبارک سنہ ۲ھ کو ہوا اور جس عورت کو انہوں نے قتل کیا اس کا نام عصماء بنت مروان تھا اور اس کو قتل کرنے والے صحابی عمیر بن عدی اپنی قوم کے امام اور قاری تھے اور اسی روز سے حضور ﷺ نے ان کا نام "بصیر" رکھ دیا۔ (ملاحظہ ہو عیون الاثر جلد ا ص ۴۴۱، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۷-۲۸، زرقانی جلد ا ص ۴۵۳)

غزوہ بنی سلیم

اس غزوہ کو غزوہ بنی سلیم اور غزوہ قرقرۃ الکدر بھی کہتے ہیں۔ غزوہ بدر سے واپسی کے بعد مدینہ کے شعبہ اطلاعات نے جو خبر دی وہ یہ تھی کہ قبیلہ غطفان کی شاخ بنو سلیم کے لوگ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے فوج اکٹھی کر رہے ہیں۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ان کے حملہ سے پہلے خود دو سو مجاہدین کے ساتھ ان کے علاقہ پر حملہ کر دیا اور مقام کدر میں ان کی منازل تک چلے گئے۔ بنو سلیم پہلے ہی سے آپؐ کے حملہ کی اطلاع پر منتشر ہو چکے تھے، لہٰذا کوئی شخص آپؐ کے ہاتھ نہ لگا۔ آپ کدر میں تین روز قیام فرما کر بغیر جنگ و قتال کے واپس آ گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ یہاں سے آپؐ نے کچھ لوگوں کو بنو سلیم کے تعاقب میں بھیجا۔ بنو سلیم پر ان لوگوں نے اچانک دھاوا بول دیا اور وہ افراتفری کے عالم میں پانچ سو اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان پر قبضہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خمس نکال کر بقیہ اونٹ مجاہدین میں تقسیم کر دیئے۔ ہر مجاہد کے حصہ میں دو دو اونٹ آئے۔

یہ غزوہ شوال کے اوائل میں بدر سے واپسی کے صرف سات روز بعد پیش آیا۔ مدینہ سے اپنی غیر موجودگی کے دوران سباع بن عرفطہؓ کو اور ایک روایت کے مطابق سیدنا عبداللہ بن ام مکتومؓ کو مدینہ طیبہ کا منتظم مقرر فرمایا۔ (عیون الاثر جلد ا ص ۲۴۷، ابن ہشام جلد ۲ ص ۴۳-۴۴، زرقانی جلد ا ص ۴۵۴)

Marfat.com

یہود کی عہد شکنی

غزوہ بدر میں باہر کا ایک محاذ تو فتح ہو گیا لیکن مدینہ کے اندر ایک بہت بڑا محاذ یہود کا تھا جو کئی لحاظ سے بیرونی محاذ سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ ان کے پاس مادی اقتدار، دولت و ثروت، وسائل و ذرائع کی فراوانی سب کچھ موجود تھا۔ اگرچہ ان لوگوں میں ہزاروں انبیاء پیدا ہوئے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی ان نوازشوں کی قدر کرنے سے یہاں تک اکتا گئے کہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں کو، جو انہی میں سے ہوتے تھے، قتل کرنے لگے۔ پھر ایک موقع ایسا آیا کہ بڑے فخر سے یہ دعویٰ کرنے لگے:

انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ۔

"بے شک ہم نے قتل کیا ہے مسیح کو، وہی مسیح جو عیسیٰ ابن مریم تھے اور جو اللہ کے رسول تھے۔"

اگرچہ یہود کا یہ دعویٰ سراسر غلط تھا اور قرآن حکیم نے ان کے اس دعویٰ کی بڑے شد و مد سے تردید بھی کی تھی کہ ان کو اس بارہ میں دھوکہ لگا ہے۔ یہ سیدنا مسیح علیہ السلام کو قتل نہیں کر سکے، لیکن ان لوگوں نے اپنے جرم کا اظہار بڑی جرأت و جسارت سے کیا۔ پھر اظہار جرم میں صرف ایک نام نہیں لیا بلکہ "مسیح و عیسیٰ ابن مریم" دونوں نام لیے تاکہ سننے والا ان کی سینہ زوری سے مرعوب اور متاثر ہو جائے۔ (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب عقیدۃ اہل الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام) کور باطنی کی یہ بحرانی کیفیت اسی وجہ سے پیدا ہوئی کہ انہوں نے اللہ کی کتاب تورات کو نہیں بلکہ اپنی اختراعات کو اپنا دین و مذہب سمجھ لیا تھا اور ان کی گردنیں خالق کائنات کی عظمت کے حضور نہیں بلکہ اپنے باطل تصورات کے سامنے جھکتی تھیں۔ ان کے عقائد و نظریات کی خرابیوں کو ایک ایک کر کے قرآن حکیم نے بیان کیا ہے۔

ان عقائد و نظریات کے ساتھ اخلاق و اعمال کی حالت بھی ان کی کچھ ایسی ہی تھی کیونکہ اگر عقائد و نظریات درست نہ ہوں تو ان پر اخلاق و اعمال کی جو عمارت استوار ہوگی وہ بھی کسی صورت درست اور صحیح نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حرص، خود غرضی، طمع، نفع اندوزی بخل اور سود جیسی بری خصلتیں ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھیں۔ آج بھی یہ خصال بد دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ اس قوم کے اندر پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے "یہودی" ان بری اور خبیث خصلتوں کی تصویر اور مثال بن چکا ہے۔ وہ اتنے بد قسمت تھے کہ آفتاب ہدایت کے بالکل سامنے بیٹھ کر بھی نور آفتاب کو نہ دیکھ سکے۔

طمع و حرص کی انتہا یہ تھی کہ وہ چار روپے کے زیور کے لیے معصوم بچوں کا سر کچلنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ (بخاری جلد ا ص ۳۲۵، ترمذی، باب فیما جاء فیمن ونخ)

دولت کے یہ شائیلاک (Shylock) بڑی بے رحمی سے سود کی بڑی شرحیں مقرر کرتے تھے اور قرضہ کی کفالت میں بال بچے یہاں تک کہ مستورات کو بھی رہن رکھواتے تھے اور باطل اور ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے۔

مدینہ کے یہودی آنے والے پیغمبر اور رسول کی پیشگوئی کیا کرتے تھے۔ اس کے اوصاف اور علامات لوگوں کو بتایا کرتے تھے لیکن یہ کس قدر عجیب شے ہے کہ اوس و خزرج منزل پر جا پہنچے اور جن لوگوں کے اشاروں سے ان جاہل و مشرک لوگوں نے راستہ کے نشانات معلوم کیے تھے، وہ خود راہ یابی سے محروم رہ گئے۔ ان دونوں قبائل نے ایک داعی حق کی آواز سنی، اس پر کان لگائے اور ان باتوں میں سچائی پائی، قریب پہنچے تو یہودیوں کی بتائی ہوئی باتوں سے مطابقت پائی۔ طلب صادق کا جذبہ ابھرا، توفیق خداوندی نے دستگیری کی تو ایمان و اذعان کی روشنی پا کر "السابقون الاولون" میں داخل ہو گئے۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہودیوں کے تین مشہور قبیلے مدینہ کے قریب دو دو تین تین میل کے فاصلہ پر آباد تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ ہر ایک آبادی کا ایک قلعہ تھا۔ اس میں ان کے محل اور تجارتی کوٹھیاں اور بنگلے تھے۔ باہر ان کے باغات تھے۔ گویا ایک عیش و عشرت کی زندگی وہ تینوں قبائل بسر کر رہے تھے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد مدینہ کے تمام قبائل سے ایک معاہدہ کیا جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے:

"ہر قبیلہ کا جو نظام آپ کی تشریف آوری سے پہلے تھا وہ بدستور قائم رکھا گیا تھا۔ باہمی معاملات و مقدمات طے کرنے کے لیے ان کی پنچایتیں وغیرہ جو قائم تھیں، ان کو بھی بدستور قائم رکھا گیا تھا۔ تعلیم گاہیں اور عبادت گاہیں بھی بدستور قائم رکھی گئیں اور خود ان کی رضامندی سے یہ حق تسلیم کیا گیا کہ اپنے معاملات کی آخری اپیل سرکارِ دو عالم ﷺ کے

Marfat.com

سامنے پیش کر سکیں گے۔"

ان عمومی رعایتوں کے علاوہ چند اور رعایتیں صرف اس خاص گروہ کے ساتھ مخصوص تھیں، لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ اس گروہ نے ان مراعات کی کوئی قدر نہ کی اور نبی اکرم ﷺ کی بھی کوئی قدر نہ کی اور آپؐ پر ایمان لانے کے بارے میں بالکل تہی دست رہے۔ حالانکہ اگر وہ حضور ﷺ پر ایمان لے آتے اور اسلام سے مشرف ہوتے تو ان کو دوگنا اجر و ثواب ملتا۔ (بخاری جلد ا ص ۲۰)

مسلمانوں کو یہ بھی تاکید تھی کہ مشرک اور اہلِ کتاب جو کچھ بھی کہیں ان کے جملوں اور فقروں سے تمہیں خواہ کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچے، تمہارا فرض ہے کہ تم ضبط و تحمل سے کام لو اور ان کی ہر بات پر صبر کرو۔ اس فیاضانہ اور رحیمانہ سلوک، غیر معمولی شفقت اور ملاطفت کی مثال نہ تو اس زمانہ میں ملتی تھی اور نہ آج ملتی ہے۔ یہ ان لوگوں کی اسلام کی طرف سے ناز برداری تھی اور ان ناز برداریوں کے جواب میں مطالبہ صرف یہ تھا کہ:

"مکہ کے وہ مشرک جنہوں نے مسلمانوں کو ظلم و ستم سے اپنے وطن عزیز سے نکلنے پر مجبور کیا ہے اور جو مسلمانوں کی بیخ کنی کے درپے ہیں۔ (جن سے یہود کا کوئی مذہبی رشتہ ہے اور نہ وطنی و نسلی) وہ اگر حملہ آور ہوں تو معاہدے کے دوسرے شرکاء کی طرح یہود کا بھی فرض ہوگا کہ مسلمانوں کی مدد کریں اور حملہ آوروں کی کسی قسم کی کوئی مدد نہ دیں۔"

لیکن یہود نے اس فیاضانہ، مشفقانہ سلوک اور غیر معمولی رواداری اور ناز برداری کا جواب نہایت غلط دیا۔ وہ حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھ کر گستاخانہ حرکتیں کرتے، فقرے بازی کرتے اور تمسخر اڑاتے، مسلمانوں میں تشتت و انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ ایک موقع پر اوس اور خزرج کے حضرات کا اجتماع تھا۔ یہودیوں کا ایک سردار شماس بن قیس وہاں سے گزرا اور وہ ان دونوں قبیلوں کے لوگوں کو اکٹھا بیٹھا دیکھ کر جل اٹھا۔ اس نے وہاں کچھ آدمیوں کو بھیج دیا کہ وہ جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیں۔ یہ ایک چال تھی جو ان دونوں قبائل میں تفرقہ ڈالنے کے لیے کی گئی تھی۔ چنانچہ شماس کے آدمیوں نے اس مجلس میں پہنچ کر اس لڑائی کا ذکر اس طریقے سے چھیڑا کہ دونوں قبائل کے آدمی مشتعل ہو گئے اور دونوں فریق جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ حضور ﷺ کو خبر ملی تو آپؐ نے فوراً موقع پر پہنچ کر دونوں فریقوں کو ٹھنڈا کیا۔ اور فرمایا: "میں زندہ موجود ہوں اور تم میری موجودگی میں لڑنے لگے۔" آپؐ کے اس ایک فقرے نے انصار کے مبارک قلوب میں رقت اور دل گیری پیدا کر دی۔ اب دونوں فریقوں کی زبان پر توبہ و استغفار کے جملے تھے۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور گلے مل کر اس تلخی کو مٹا رہے تھے۔
(تفسیر مظہری جلد ا ص ۱۲۶)

یہود کے اخلاق و اعمال میں ایک خرابی کتمان حق کی پیدا ہو گئی تھی۔ دولت کی کثرت اپنے ساتھ

Marfat.com

تمام خرابیاں لاتی ہے۔ دولت کا ایک خاصہ زنا بھی ہے۔ زنا کی سزا تورات میں سنگ ساری تھی، لیکن یہود کے علماء نے اپنی طماعی کے عوض شریعت کو فروخت کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کے ہاں اگر کوئی غریب زنا کرتا تو اس پر سنگ ساری کی سزا لاگو ہوتی، لیکن امراء میں سے اگر کوئی اس گھناؤنے جرم کا مرتکب ہوتا تو اس کے لیے کوئی نہ کوئی حیلہ اختیار کر کے اس کو اس سزا سے بچالیا جاتا تھا۔ خود سرکارِ دو عالم ﷺ کے زمانے میں ایک مقدمہ چلا۔ ایک بڑے دولت مند شخص پر زنا کا الزام تھا۔ اس نے اپنی دولت خرچ کر کے سنگساری سے خلاصی حاصل کر لی۔ مدعی کا اصرار تھا کہ تورات کے مطابق سزا دی جائے۔ چنانچہ اس نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہاں اپیل کر دی۔ یہود کی طرف سے اس کے بہت بڑے عالم ابن صوریا کو بلایا گیا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کہ تورات کا زنا کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ ابن صوریا نے کتمان حق کرتے ہوئے بتایا کہ تورات کا حکم یہ ہے کہ مجرم کا منہ کالا کر کے اس کو شہر بھر میں پھرایا جائے اور اس کو درے لگائے جائیں۔ سیدنا عبداللہ بن سلامؓ جو یہود کے بہت بڑے عالم تھے اور اب مسلمان ہو چکے تھے وہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے فوراً جواب دیا: "یا رسول اللہ! ابن صوریا غلط کہتا ہے۔ تورات میں زانی کا حکم صراحت کے ساتھ سنگسار کرنا ہے"۔ ابن صوریا حجت کرنے لگا تو تورات منگوائی گئی۔ لیکن جب تورات کھولی گئی تو ابن صوریا نے زنا کے حکم کی آیت پر ہاتھ رکھ لیا اور آگے پیچھے کی آیات پڑھنا شروع کر دیں۔ سیدنا عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا: ہاتھ ہٹاؤ اور یہ آیت پڑھو جس میں سنگساری کا حکم ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے سنگساری کے فیصلہ ہی کو نافذ فرمایا۔ اس پر یہود کے علماء اور بدنیت طبقہ برافروختہ ہو گیا۔

(بخاری جلد ۱ ص ۵۱۳، جلد ۲ ص ۶۵۴، ۱۰۱۱ و ابوداؤد وغیرہ)

اسی قسم کی اور کئی قباحتیں یہود میں پیدا ہو چکی تھیں۔ لیکن ان لوگوں میں ایک نہایت مختصر سی جماعت وہ بھی تھی جس نے دین حق کو دنیا پر ترجیح دی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی سرکارِ دو عالم ﷺ مدینہ تشریف لائے یہ جماعت فوری طور پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔

یہود کی یہ تمام سرکشیاں، گستاخیاں اور غیر معمولی مراعات کے جواب میں غیر معمولی دیدہ دلیری، سینہ زوری اور ایذاء رسانی دعوت اسلام کی راہ میں بہت سی مشکلات پیدا کر رہی تھیں۔ مگر نہ ان کو عہد شکنی قرار دیا گیا اور نہ ان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کی گئی۔ لیکن غزوہ بدر کے بعد اس سرکشی اور تمرد میں بغاوت اور عہد شکنی کا رنگ پیدا ہو گیا۔ عہد شکنی کے جواب میں خاموشی اور چشم پوشی نہ صرف سیاسی جرم ہے بلکہ اخلاقی نقطہ نگاہ سے بھی ایک جرم عظیم ہے۔ کیونکہ مجرم کو جرم کی سزا نہ دینا خود جرم ہے۔ عہد شکنی ایک فساد ہے اور فساد جہاں بھی پیدا ہو اس کو روکنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ البتہ عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ سزا صرف مفسد کو دی جائے غیر مفسد کو سزا نہ دی جائے کیونکہ غیر مفسد کو سزا دینا وحشت و بربریت کہلاتا ہے۔

Marfat.com

پہلی مرتبہ یہود کے ایک قبیلہ بنو قینقاع نے عہد شکنی کی۔ آپؐ نے اس کی سزا بھی اسی قبیلہ تک محدود رکھی۔ یہود کے دوسرے قبائل اس سزا سے محفوظ و مصئون رہے۔ بنو قینقاع کا قبیلہ تمام دوسرے یہودی قبائل کے مقابلہ میں زیادہ بد معاش قبیلہ تھا۔ یہ مدینہ کے اندر رہتے تھے۔ پیشہ کے لحاظ سے سنار، لوہار اور برتن ساز تھے۔ اسلحہ وافر مقدار میں تھا اور سات سو جنگجو جوان ان کے پاس تھے۔

غزوہ بنی قینقاع

جب سے سرکارِ دوعالم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تھے اس وقت سے قریش کی یہ پالیسی تھی کہ کوئی ایسی صورت پیدا کی جائے کہ خود مدینہ طیبہ کے لوگ محمد ﷺ کو شہید کر دیں یا مدینہ سے باہر نکال دیں۔ چنانچہ انہوں نے شروع میں ایک خط عبداللہ بن ابی کو لکھا جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ لیکن عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے لیے یہ دونوں کام بہت مشکل تھے کیونکہ مدینہ کی اکثر آبادی آپ کی ہم نوا بن چکی تھی۔ غزوہ بدر کے بعد قریش نے اپنی پہلی پلاننگ کو پھر زندہ کیا۔ پہلے انہوں نے خط عبداللہ ابن ابی کو لکھا تھا لیکن اس دفعہ انہوں نے یہودی سرداروں کو تہدید آمیز خط لکھا کہ:

> ”آپ لوگ اسلحہ اور قلعوں کے مالک ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ آپ لوگ ہمارے حریف (رسول اللہ ﷺ) سے برسرپیکار ہوں ورنہ ہم تمہارے ساتھ جو کچھ کر سکیں گے کریں گے۔ اور کوئی شے ایسی نہ ہو گی جو ہمارے اور تمہاری عورتوں کے پاؤں کے زیور میں حائل ہو سکے۔ یعنی ان کی ٹانگیں کھینچیں گے اور آبروریزی کریں گے۔“
>
> (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۶۴، ابوداؤد باب فی خبر النفیر)

یہ توہین آمیز خط جب یہود کو ملا تو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ معاہدہ کے مطابق سرکارِ دوعالم ﷺ کے ساتھ اپنا رابطہ مضبوط کرتے یا پھر قریش کو اسی طرح توہین آمیز جواب دیتے اور انہیں غزوہ بدر میں ان کا حشر یاد کرواتے۔ مگر وہ لوگ تو صرف دولت کے پجاری تھے۔ نہ ان میں غیرت تھی اور نہ سیاست کی سمجھ بوجھ۔ وہ اس خط کو پڑھ کر ہوائی قلعے بنانے لگے کہ قریش مکہ نے انہیں مخاطب کر کے خط لکھا ہے۔ گویا یثرب کی سیاست کا نقشہ ان کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ اور یہ کہ وہ قریش کی مدد سے مسلمانوں کو ختم کریں اور حجاز کے تنہا حکمران بن جائیں، لیکن یہ ان کی خام خیالی تھی۔ پھر بدقسمتی یہ تھی کہ وہ سرمایہ دار ہوتے ہوئے اپنے آپ کو بہادر بھی خیال کرنے لگے تھے۔ حالانکہ سرمایہ دار کبھی بہادر نہیں ہوتا۔ یہ دونوں باتیں آپس میں متضاد ہیں۔

قریش کا یہ خط ان کی نظر میں تائید غیبی تھا۔ چنانچہ انہوں نے خط کے تلخ لہجے کو بھی عسل مصفی

Marfat.com

سمجھا اور ان کی آواز پر لبیک کہنے پر آمادہ ہو گئے۔ لکھا ہے کہ "انہوں نے قریش کے ساتھ سازباز شروع کر دی اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف انہیں جنگ پر آمادہ کیا اور پوشیدہ رازان کو بتائے۔"

(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۶۵)

اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ غزوہ بدر کے بعد کعب بن الاشرف یہودی مکہ گیا اور قریش سے مقتولین بدر کی تعزیت کی۔ ان سے اظہار ہمدردی کیا۔ ان کے غم میں مرثئے لکھے اور لوگوں کو جمع کر کے مرثئے پڑھتا۔ خود بھی روتا اور ان کو بھی رلاتا۔ بلکہ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اپنے ساتھ یہود کے ۷۰ نمائندے بھی لے گیا اور وہاں قریش اور یہود میں یکجہتی پیدا کرنے کے لیے اپنے آدمیوں کو سمجھاتا۔

"مسلمانوں کی بہ نسبت ان مشرکین مکہ کا راستہ زیادہ سیدھا ہے اور یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ اور راہ راست پر ہیں۔" (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۱۷۷)

کعبہ کا احترام اس کے عقیدہ کے بالکل خلاف تھا لیکن قریش کے ساتھ اپنی ہمدردی جتانے کے لیے ان کے ساتھ کھڑے ہو کر اس نے بیت اللہ کا غلاف تھاما اور عہد کیا کہ مسلمانوں سے بدر کا انتقام لیں گے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۷۰)

مدینہ کے منافقین کو بھی اس نے اکسایا ہوا تھا اور در پردہ وہ بھی اس کی امداد کے لیے پر تولے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہود اور منافقین کی سازباز سے مدینہ کی سیاسی فضا بڑی مکدر ہو چکی تھی اور اب ایسے حالات ہو گئے تھے کہ خود سرکارِ دو عالم ﷺ کو بھی اپنی جان کا خطرہ رہنے لگا۔ چنانچہ آپؐ کی سیکورٹی کے بارہ میں صحابہ کرامؓ آپ کا خاص خیال رکھنے لگے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپؐ کے ایک جانثار سیدنا طلحہ بن براءؓ کی وفات کا وقت آیا تو وصیت فرمائی کہ اگر رات کو میری روح قبض ہو تو خود ہی نماز پڑھ کر دفن کر دینا۔ سرکارِ دو عالمؐ کو خبر نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ آپؐ تشریف لائیں اور یہود کی طرف سے کوئی حادثہ آپؐ پر رونما ہو جائے۔ چنانچہ وہ رات ہی کو انتقال فرما گئے اور صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کو اطلاع دیئے بغیر انہیں دفن کر دیا۔ لیکن جب صبح آپؐ کو پتہ چلا تو آپؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ایک صف میں کھڑے ہو کر یہ دعا کی "اللھم الق طلحہ وانت تضحک وھو یضحک الیک۔" اے اللہ! طلحہ کو اس طرح اپنے دیدار سے نواز کہ تو بھی ہنستا ہو (راضی ہو) اور وہ بھی ہنستا ہو (راضی ہو) رضی اللہ عنہ و رضی عنہ۔

قریش مکہ کے اس خط کے بعد ان کی سرکشی اور تمرد میں شدت آگئی اور ان کی خباثتوں اور قبیح حرکتوں نے وسعت اختیار کر لی۔ چنانچہ جو مسلمان انہیں بازار میں ملتا اس کا وہ استہزاء اڑاتے اور اسے اذیت پہنچاتے یہاں تک کہ مسلمان عورتوں سے بھی انہوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

جب صورت حال زیادہ سنگین ہو گئی اور ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو آپؐ ایک روز بنو قینقاع کے بازار میں تشریف لے گئے اور ان کو جمع کر کے فرمایا:

"اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو۔ جیسے بدر میں قریش پر خدا کا عذاب نازل ہوا، کہیں تم پر بھی اسی طرح عذاب نازل نہ ہو۔ اسلام قبول کرلو۔ اور اس کے حدی خواں بن جاؤ کیونکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اللہ کا نبی اور اس کا رسول ہوں جس کو تم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہو اور اللہ نے تم سے اس کا عہد لیا ہے۔"

آپؐ کے منہ سے یہ کلمات سن کر وہ مشتعل ہو گئے اور جواب میں کہنے لگے:

"اے محمد! تمہیں خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ تمہارا مقابلہ قریش کے اناڑی اور ناتجربہ کار اور جنگ کے طور طریقوں سے ناواقف لوگوں سے ہوا اور تم نے انہیں مار لیا۔ اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو ہم بتا دیں گے کہ جنگ کسے کہتے ہیں اور جنگ جو کیسے ہوتے ہیں۔"

("ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۳ ص ۱۱۵ باب کیف کان اجلاء الیہود من المدینہ، ابن ہشام جلد ۱ ص ۵۵۲، عیون الاثر جلد ۱ ص ۴۴۴، زرقانی جلد ۱ ص ۴۵۶)

یہود کا یہ گستاخانہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے، لیکن اس جواب کا صاف مطلب جنگ تھا مگر آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے ان کا یہ باغیانہ جواب سن کر صبر کیا اور آنے والے حالات کا انتظار کرنے لگے۔

اب یہود کی سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ یہ مقابلہ جلد از جلد ہو اور مسلمانوں کو اتنی مہلت نہ دی جائے کہ وہ زیادہ مضبوط ہو سکیں۔ چنانچہ غزوہ بدر کو ابھی ایک ماہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ بقول ابن سعد کے قریباً ۱۵۔۱۶ شوال کو انہوں نے بغاوت کا علم بلند کیا اور معاہدہ کی دھجیاں اڑا دیں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۹)

واقعہ کی ابتداء ایک انصاری خاتون کی سرِبازار بے حرمتی سے ہوئی۔ ایک عرب خاتون بنو قینقاع کے بازار میں دودھ فروخت کرنے کے لیے آئی۔ دودھ فروخت کر کے وہ ایک سنار کی دکان پر بیٹھی ہوئی تھی کہ چند یہودی غنڈوں نے اس سے منہ کھولنے کی فرمائش کی۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس پر سنار نے چپکے سے اس کے کپڑے پیچھے سے کچھ اس طرح الجھا دیئے کہ جب وہ اٹھی تو برہنہ ہو گئی اور یہودیوں نے قہقہہ لگایا۔ عورت اس شرمناک حرکت پر چیخ اٹھی۔ قریب ہی کوئی مسلمان تھا۔ وہ اس عورت کی چیخ و پکار سن کر موقع پر پہنچ گیا۔ اس نے غیرت میں آکر یہودی سنار کو زدوکوب کیا۔ اتفاق سے وہ مر گیا۔ جواب میں یہودی جو پہلے سے بھرے بیٹھے تھے، جمع ہوئے اور اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اور بنو قینقاع کے یہودیوں میں سخت کشیدگی کی فضا پیدا ہو گئی۔

Marfat.com

(ابن ہشام جلد ۲ ص ۴۷-۴۸، عیون الاثر جلد ۱ ص ۴۴۴، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳-۴، زرقانی جلد ۱ ص ۴۵۶)

مسلمان عورت کے بارہ میں مسلمان کا فعل تو اضطراری تھا کیونکہ یہود نے یہ ایک شرم ناک فعل کیا تھا اور غیرت میں آکر مسلمان نے اس سنار کو قتل کردیا، لیکن یہود نے اس مسلمان کو قتل کرکے معاملہ آگے بڑھا دیا۔ چنانچہ سرکارِ دوعالم ﷺ خود جائے واردات پر تشریف لے گئے اور یہود سے اس بارہ میں گفتگو فرمائی، لیکن یہود کا جواب نہایت تلخ تھا۔ آپؐ نے انہیں بہت سمجھایا مگر وہ معاملہ کو خود طول دینا چاہتے تھے کیونکہ قریش کے خط نے ان کے دماغ کو خراب کیا ہوا تھا۔ آپؐ نے انہیں فرمایا کہ تمہاری کتابوں میں میری نبوت و رسالت کے بارہ میں پیشگوئیاں موجود ہیں، مگر تم ضد کی وجہ سے میری نبوت کا اقرار نہیں کررہے۔ یہود نے آپؐ کی اس بات کا توہین کے ساتھ وہی جواب دیا جو اس سے قبل وہ آپؐ کو دے چکے تھے کہ:

"اے محمد! تم اپنی قوم سے فریب میں مبتلا نہ ہوجانا۔ تم نے ایسی قوم کو شکست دی ہے جو جنگی اصولوں سے ناآشنا تھی۔ یاد رکھو، ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہم سے تمہارا پالا پڑا تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ دراصل آدمی ہم ہی ہیں۔ (انا نحن الناس)

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۶)

بنی قینقاع نے صرف اس جواب ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ بقول ابن سعد:

حاربوا وتحصنوا في حصنهم۔

"جنگ شروع کردی اور اپنی حفاظت کے لیے قلعہ بند ہوگئے۔"

جب یہود نے آغازِ جنگ کردیا اور خود قلعہ بند ہوگئے تو اب آپؐ کے لیے بھی اقدام ضروری ہوگیا۔ چنانچہ آپؐ نے سیدنا ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ کو مدینہ طیبہ کا منتظم بنا کر اور سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ کو جنگ کا علم دے کر مجاہدین کے لشکر کے ساتھ بنو قینقاع کا رخ کیا۔ انہوں نے جب آپؐ کے لشکر کو دیکھا تو قلعہ بند ہوگئے۔ آپؐ نے ان کا محاصرہ کرلیا۔ یہ جمعہ کا روز تھا اور شوال کی ۱۵-۱۶ تاریخ تھی۔ محاصرہ یکم ذی قعدہ تک جاری رہا۔ وہ لوگ اگرچہ بہت بہادر سمجھے جاتے تھے کیونکہ مورخین نے لکھا ہے کہ یہود میں وہ سب سے بہادر تھے۔ (کانوا اشجع یھود) لیکن قریش کو ناتجربہ کار اور جنگی علوم سے ناواقف کہنے والے کسی ایک مسلمان کی نکسیر بھی نہ پھوڑ سکے۔ اپنے گھروں میں ڈرے سہمے بیٹھے رہے اور آخرکار یکم ذی قعدہ سنہ ۲ھ کو اپنا معاملہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے حوالہ کردیا۔ یہ آپؐ کی ذات قدسی صفات کا رعب تھا جو ان کے دلوں پر بیٹھ گیا کیونکہ آپؐ نے اپنی ایک خصوصیت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ نصرت عطا فرمائی ہے کہ دشمن مرعوب اور ہیبت زدہ ہوجاتا ہے۔ (نصرت بالرعب)

Marfat.com

انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ ان کی جان ومال اور آل واولاد کے بارہ میں جو فیصلہ فرمائیں گے وہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے۔ اس کے بعد آپ ؐ کے حکم سے ان کو گرفتار کر لیا گیا۔

وہ غدار تھے، انہوں نے عہد شکنی کی تھی۔ ایک معاہدہ کے پرخچے اڑائے تھے۔ ان کی سزا قتل یا قید وبند ہونی چاہیے تھی، لیکن سرکارِ دوعالم ﷺ نے انہیں صرف یہ فرمایا کہ وہ مدینہ چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں۔ چنانچہ وہ ملک شام کے علاقہ اذرعات چلے گئے۔ یہ سات سو آدمی تھے جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔"

بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر عبداللہ بن ابی نے اپنا منافقانہ رول ادا کیا۔ اس نے سرکارِ دوعالم ﷺ سے نہایت الحاح وزاری سے کہا کہ آپ ؐ ان لوگوں کے بارہ میں معافی کا حکم صادر فرمائیں۔ بنو قینقاع قبیلہ خزرج کے حلیف تھے اس وجہ سے اس نے حلیف ہونے کے ناطے آپ ؐ سے اصرار بھی کیا کہ میرے معاہدین کے بارہ میں احسان فرمائیے۔ اس کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے اپنی درخواست پھر دہرائی۔ آپ ؐ نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ اس بے حیا نے گریبان نبوت میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ میرا گریبان چھوڑ دو اور آپ ؐ ایسے غضب ناک ہوئے کہ غصہ کے آثار آپ ؐ کے چہرہ انور پر نمایاں ہو گئے۔ آپ ؐ نے پھر اسے فرمایا کہ مجھے چھوڑ لیکن وہ اپنے اصرار پر قائم رہا اور اس کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا کہ میرے معاہدین پر احسان فرمائیے۔ چار سو کھلے جسم کے جوان اور تین سو زرہ پوش جنہوں نے مجھے سرخ وسیاہ سے بچایا تھا، آپ انہیں ایک ہی صبح میں کاٹ کر رکھ دیں گے۔ خدا کی قسم میں زمانے کی گردشوں کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کے ایک جنبش ابرو سے اس منافق کا سرتن سے جدا ہو سکتا تھا کیونکہ اس نے ایک بہت بڑی گستاخی کی تھی، لیکن آپ ؐ نے اس کی خاطر ان سب یہودیوں کی جان بخشی فرمادی اور انہیں حکم دیا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں اور آپ ؐ کے پڑوس میں نہ رہیں۔ چنانچہ وہ سب اذرعات شام کی طرف چلے گئے اور چند دنوں کے بعد وہاں اکثر مر گئے۔

وہ لوگ زیورات کا کام کرتے تھے۔ ان کے باغات اور کھیت وغیرہ نہ تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان کی کوئی غیر منقولہ جائیداد ہاتھ نہ آئی۔ ان کے پاس اسلحہ بہت تھا۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ کچھ اوزار تھے جو زیورات بنانے کے کام آتے تھے۔ وہ سارا مال ضبط کر کے اور اس میں سے خمس نکال کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان کے اسلحہ سے رسول اللہ ﷺ نے بھی تین کمانیں (جن میں سے ایک کا نام کتوم، دوسری کا نام روحاء اور تیسری کا نام بیضاء تھا) دو زرہیں (ایک کا نام صغدیہ اور دوسری کا نام فضہ تھا) تین تلواریں (ایک کا نام قلعی، دوسری کا نام بتار اور تیسری کا نام معلوم نہیں) اور تین نیزے اپنے لیے منتخب

Marfat.com

فرمائے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۹، سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۴۷ تا ۴۹ زاد المعاد جلد ۲ ص ۷۱، ۹۱، زرقانی جلد ۱ ص ۴۵۶، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳-۴۔

غزوہ سویق

غزوہ بدر میں شکست کھا کر جب قریش مکہ واپس پہنچے، یہ وہی وقت تھا جب ابوسفیان کا کاروان تجارت بھی مکہ پہنچا تھا۔ تجارت کا یہ سامان ایک ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا اور اس کا مشترک سرمایہ پچاس ہزار دینار تھا۔ یہ پورا مال سو فیصدی نفع کے ساتھ تھوک اٹھا دیا گیا تھا۔ (ابن سعد جلد ص ۲۵) حصہ داروں کی اصل رقم واپس کردی گئی اور نفع کے پچاس ہزار دینار جنگ کے لیے محفوظ رکھے گئے۔

بنو قینقاع کی جلاوطنی کے بعد اگرچہ مدینہ کے غیر مسلم طبقوں نے ایک طویل سنبھالا لیا، لیکن دوسری طرف ابوسفیان نے، جو قریش کے سرداروں میں تنہا رہ گیا تھا، سر اٹھایا، اگرچہ رؤسا قریش اور بھی تھے جیسے عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ وغیرہ۔ لیکن ابوسفیان کو سربراہ اور قائد عوام تسلیم کیا گیا۔

ابوسفیان کو جب زمام قیادت سپرد کی گئی تو اس کا سب سے بڑا اور پہلا کام غزوہ بدر کا انتقام تھا کہ جب تک وہ غزوہ بدر کا محمد ﷺ سے انتقام نہ لے گا نہ تو غسل جنابت کرے گا اور نہ ہی سر میں تیل ڈالے گا۔ اس سے اس کا مقصد قریش کے دامن سے بدر کی شکست کا داغ دور کرنا مقصود تھا تاکہ ملک میں ان کی دھاک بیٹھ جائے اور ان کی شوکت واپس آجائے۔ چنانچہ سب سے پہلا کام پروپیگنڈہ تھا۔ اس نے اس مقصد کے لیے دو آدمی مقرر کیے کہ قبائل میں دورہ کرکے اور اشعار اور تقاریر سے لوگوں کے جذبات جنگ کے لیے ابھاریں۔ ان میں ایک ابوعزہ شاعر تھا، جو غزوہ بدر میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اس نے جب اپنے افلاس، تہی دستی اور پانچ لڑکیوں کے خرچ کے نام پر رہائی کی بھیک مانگی تو رحمت عالم ﷺ نے اسے بلا فدیہ صرف اس شرط پر رہا کردیا کہ وہ آئندہ اسلام کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ اس وقت جب صفوان بن امیہ نے اس کے سپرد یہ کام کیا تو اس نے یہ عذر کردیا کہ میں محمد ﷺ سے اسلام کے خلاف مدد نہ کرنے کا وعدہ کرچکا ہوں۔ صفوان نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ ہم آپ سے کوئی حملہ نہیں کرانا چاہتے بلکہ صرف آپ کی زبان کی مدد چاہتے ہیں۔ صفوان نے اس کے تمام اخراجات کی ذمہ داری لی اور یہ وعدہ بھی کیا کہ اس کے مارے جانے کی صورت میں اس کی لڑکیوں کا کفیل ہوگا۔ چنانچہ اس لالچ میں وہ شخص اپنے وعدہ سے منحرف ہوگیا حالانکہ جب اس کو رہا کیا گیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی منقبت میں پانچ اشعار کا قصیدہ بھی کہا تھا جن کو ابن ہشام نے اپنی سیرۃ میں نقل کیا ہے، مگر جب مکہ مکرمہ پہنچا تو کہا میں

Marfat.com

نے محمد ﷺ پر جادو کر دیا (سحرت محمدا) (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۲۲)۔ دوسرا شخص مسافع بن عبد مناف تھا اس کو بھی یہی خدمت سپرد کی گئی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۰)

چنانچہ ایک روز ابو سفیان دو سو ستر سواروں کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا اور مسلمانوں کی گرفت کے خوف سے قدم قدم پر کاوے کاٹتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچا اور وادی قناۃ کے سرے پر واقع نیب نامی ایک پہاڑی کے دامن میں مدینہ طیبہ سے بارہ میل ادھر خیمہ زن ہوا۔

یہود کے بارہ میں ابو سفیان کا یہ خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اس کی مدد کریں گے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں وہ بنو نضیر کے علاقہ میں پہنچا۔ پہلے حیی بن اخطب کے دروازے پر دستک دی لیکن اس نے دروازہ ہی نہ کھولا۔ اس سے مایوس ہو کر سلام بن مشکم کے ہاں آیا جو بنو نضیر کا سردار تھا اور تجارتی خزانہ اسی کے پاس رہتا تھا۔ اس نے ابو سفیان کا پر جوش استقبال کیا۔ اس کی پر تکلف دعوت کی، شراب بھی پلائی، مدینہ طیبہ کے مخفی راز بھی بتائے۔ آخر شب وہاں سے نکل کر ابو سفیان اپنے ساتھیوں میں پہنچا اور ان کے ایک دستہ کے ساتھ "عریض" جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے، حملہ آور ہوا۔ اس دستہ نے وہاں کھجور کے کچھ درخت کاٹے اور جلائے اور ایک انصاری سعد بن عمرؓ کو شہید کیا۔ چند مکانات اور گھاس کے انبار جلا دیئے۔ ان باتوں سے اس کی قسم پوری ہو گئی پھر وہ تیزی سے مکہ واپس بھاگ نکلا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کو اس واردات کی خبر ہوئی تو آپؐ نے دو سو مہاجرین و انصار کے ساتھ اس کا تعاقب کیا۔ لیکن ابو سفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنی تیز رفتاری سے بھاگا کہ ہاتھ نہ آیا۔ اس کے پاس رسد کے لیے ستو کے بورے تھے۔ چنانچہ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اور گھبراہٹ میں ستو کے وہ بورے اور دوسرا بہت سا ساز و سامان پھینکتا گیا۔ جو مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے کرۃ الکدر تک اس کا تعاقب کیا لیکن وہ نہ ملا چنانچہ آپؐ واپس تشریف لے آئے۔ مسلمان ستو کے بورے اور دوسرا ساز و سامان لاد کر واپس ہوئے۔ عربی زبان میں ستو کو "سویق" کہتے ہیں، اس لیے یہ غزوہ "غزوہ سویق" کے نام سے مشہور ہوا۔

ابن سعد کی تحقیق کے مطابق یہ حملہ ۵ ذی الحجہ سنہ ۲ھ کو ہوا۔ اس غزوہ کے دوران آپؐ نے مدینہ طیبہ کا انتظام ابو لبابہ بن عبد المنذرؓ کے سپرد کیا تھا اور اس تعاقب میں آپؐ کے پانچ دن صرف ہوئے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو زرقانی جلد ۱ ص ۴۵۸، ابن سعد جلد ۳ ص ۲، سیرۃ ابن ہشامؒ جلد ۲ ص ۴۴-۴۵، زاد المعاد لابن القیم جلد ۲ ص ۹۱-۹۱ وغیرہ)

ان تمام واقعات کی خبریں تمام جزیرہ نما عرب میں پھیل گئیں کہ بدر سے پہلے جو لوگ اپنی قوم کے

Marfat.com

خوف سے بھاگ کر ترک وطن پر مجبور ہوئے اور مدینہ میں آ کر پناہ لی، ان لوگوں نے بدر میں قریش مکہ کو پیس کر رکھ دیا ہے۔ مدینہ کا یہودی قبیلہ بنو قینقاع جو اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتا تھا، وہ بھی ان کے دبدبہ کے باعث ہمیشہ کے لیے مدینہ کو چھوڑ گیا ہے اور قریش کا مشہور اور نامی گرامی سردار ابو سفیان جو بدر کے انتقام کے لیے غراتا ہوا مکہ سے نکلا تھا، چھپتا چھپاتا مدینہ گیا اور وہاں سے مسلمانوں کی ہیبت کے باعث سرپٹ بھاگتا ہوا مکہ پہنچا ہے اور اب مکہ میں دبک کر بیٹھ گیا ہے۔ قریب و جوار میں بسنے والے غیر مسلم قبائل ان واقعات سے بہت متاثر تھے۔

اس زمانہ میں مکہ اور شام کے تجارتی قافلوں کی گزرگاہ بحیرہ احمر کے کنارے والی شاہراہ تھی جس پر بسنے والے قبائل آنے جانے والے قافلوں سے مالی منفعت حاصل کرتے تھے۔ اب سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان قبائل سے معاہدات کر کے قریش مکہ کی تجارتی ناکہ بندی کر دی۔ جس سے قریش مکہ نہایت پریشان تھے۔ قریش کی تجارتی ناکہ بندی سے ان قبائل کو بھی معاشی بدحالی سے دوچار ہونا پڑا کیونکہ ان کا خیال یہ تھا اور یہ خیال کسی حد تک درست بھی تھا کہ اگر ان شاہراہوں پر قریش کی آمد و رفت نہ رہی تو وہ ایسے بے برگ و بار علاقہ میں زندگی کے دن کیسے بسر کر سکیں گے۔ وہ ہمہ وقت اور ہمہ تن اپنے مستقبل کے بارے میں فکرمند رہتے۔ یہ دشواریاں مسلمانوں کے مدینہ میں آنے سے قبل ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھیں۔ اسی وجہ سے کچھ قبائل نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کیں لیکن ان کے حملہ سے قبل ہی مسلمانوں نے ان کی سرکوبی کر دی۔

واقعات متفرقہ

اس سال میں کچھ اور واقعات بھی پیش آئے جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سیدہ رقیہ سلام اللہ علیہا کی وفات

رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی سیدہ رقیہؓ جو سیدنا عثمانؓ کے حبالہ عقد میں تھیں، کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات رمضان المبارک سنہ ۲ ھ میں ہوئی۔ یہ ۱۹ رمضان المبارک اتوار کا دن تھا جب کہ غزوہ بدر ۱۷ رمضان المبارک جمعہ کے روز ہوا۔ وفات کے وقت سیدہ رقیہؓ کی عمر ۲۰ یا ۲۱ سال تھی۔

۲۔ عاشورہ کے روزے کا حکم

اسی سال سرکارِ دو عالم ﷺ نے عاشورے کا روزہ رکھا۔ نیز اس کا حکم فرمایا یعنی بطور وجوب۔ لیکن جب اسی سال میں رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ سنت مستحبہ رہ گیا۔

Marfat.com

۳۔ رمضان المبارک کی فرضیت

اسی سال تحویل قبلہ کے ایک ماہ بعد نصف شعبان کو رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے۔ یہ آپ کی مدینہ تشریف آوری کے ٹھیک اٹھارہ ماہ بعد فرض ہوئے۔

۴۔ سب سے پہلی نماز عید الفطر

اسی سال نماز عید کا حکم ہوا اور یکم شوال کو رسول اللہ ﷺ نماز عید کے لیے نکلے۔ عصا مبارک آپؐ کے آگے گاڑ دیا گیا اور آپؐ نے اس کو سترہ بنا کر لوگوں کو نماز عید پڑھائی۔ یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی عید تھی۔ یہ عصائے مبارک (عنزہ) دراصل نجاشی شاہ حبشہ کا تھا۔ انہوں نے سیدنا زبیر بن عوامؓ کو دیا تھا اور سیدنا زبیرؓ نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ کر دیا تھا۔ یہ عصا عیدین وغیرہ میں آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا تھا۔

۵۔ عید الاضحیٰ اور قربانی

اسی سال ذی الحجہ میں رسول اللہ ﷺ نے پہلی عید الاضحیٰ پڑھائی اور اسی سال قربانی کی۔ آپؐ نے نماز عید سے فارغ ہو کر چاشت کے وقت دو مینڈھوں کی قربانی کی۔ یہ دونوں سیاہ رنگ، سینگوں والے اور خصی تھے۔ دونوں کو آپؐ نے اپنے دست مبارک سے ذبح کیا۔ ایک اپنی جانب سے اور دوسرا پوری امت کی طرف سے۔ اس کے بعد آپؐ ہر سال قربانی فرمایا کرتے تھے۔

۶۔ نماز میں سلام و کلام کی ممانعت

اسی سال میں نماز میں سلام اور کلام کرنے کی ممانعت وارد ہوئی، اس سے قبل نماز میں یہ دونوں باتیں جائز تھیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ حبشہ سے اسی سال واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نماز میں مشغول تھے۔ انہوں نے حضورؐ کو سلام عرض کیا لیکن آپؐ نے سلام کا جواب نہ دیا اور نماز سے فارغ ہو کر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ اب نماز میں سلام و کلام کی ممانعت ہو چکی ہے۔

۷۔ سیدہ فاطمہؓ کا نکاح

ایک روایت کے مطابق اسی سال کے اواخر صفر میں سیدنا علیؓ نے سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے نکاح کیا۔ یہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی رخصتی سے ساڑھے چار ماہ بعد کا واقعہ ہے۔ سیدہ فاطمہؓ کی عمر نکاح کے وقت ایک روایت کے مطابق انیس سال ڈیڑھ ماہ تھی۔ پھر اسی سال غزوہ بدر کے بعد ذی الحجہ

Marfat.com

میں یعنی آپ ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری کے ۲۲ ماہ بعد، سیدہ فاطمہؓ کی رخصتی ہوئی۔

ایک روایت کے مطابق یہ سنہ ۳ھ کا واقعہ ہے۔(نکاح کی تفصیلات ہم نے اپنی کتاب "صحابہ کرام ؓ اور اہلِ بیت نبوت کے تعلقات اور رشتہ داریاں" میں بیان کی ہیں۔) اسی سال سیدنا مسور بن مخرمہؓ جو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بھانجے تھے، اور سیدنا مروان بن الحکمؒ کی ولادت ہوئی۔ نبی کریم ﷺ کے انتقال کے وقت ان دونوں کی عمر آٹھ سال تھی۔

Marfat.com

سنہ ۳ھ

کعب بن اشرف کا قتل

کعب بن اشرف مذہباً یہودی تھا لیکن رشتہ داری اور قرابت کے لحاظ سے اس کا تعلق عرب سے تھا۔ اس کی ماں کا نام "عقیلہ" تھا جو عرب کے مشہور مالدار شخص ابوالحقیق کی بیٹی تھی۔ کعب کے باپ اشرف کا خاندانی تعلق "بنو نبہان" جو قبیلہ "طے" کی ایک شاخ تھی، سے تھا۔ جس طرح قبیلہ "طے" کے کچھ لوگ نصرانی ہو گئے جیسے سید نا عدی بن حاتمؓ کا خاندان، اسی طرح سے اشرف نے یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ اتفاق سے اس کے ہاتھوں ایک قتل ہو گیا جس کی وجہ سے وہ وہاں سے بھاگ کر یثرب آ گیا۔ یہاں وہ بنی نضیر اور بنو قریظہ یہودی قبائل کا حلیف بن گیا اور سودی کاروبار کرنے لگا۔ ساہوکارے میں اس نے نام پیدا کیا۔ ڈھیروں دولت کمائی اور مالداروں میں اپنا ایک نام پیدا کیا۔ اس کی دولت کی شہرت کی وجہ سے خیبر کے سردار ابوالحقیق نے اپنی لڑکی اس کے رشتہ زوجیت میں دے دی۔ کعب اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۷۹) اشرف نے اپنی اولاد کی شادیاں عرب قبائل میں بھی کیں۔ چنانچہ اس نے اپنی ایک لڑکی کی شادی قبیلہ اوس میں کی۔ اس طرح اس کے تعلقات عرب اور یہود دونوں میں وسیع تھے اور دونوں اس کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

کعب بن اشرف ایک مالدار باپ کا بیٹا تھا۔ قیادت اور لیڈری کا اسے بہت شوق تھا۔ اس نے بھی باپ کی طرح سودی کاروبار میں ڈھیروں دولت کمائی اور سوسائٹی میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے یہودی علماء کے وظائف مقرر کیے۔ یہودی مدرسوں کی بھرپور امداد کی۔ شاعر بھی تھا۔ شاعری کے اس ذوق نے بھی اسے اپنی سوسائٹی میں بلکہ پورے علاقہ میں بہت شہرت دی۔

وہ روز اول سے ہی اسلام کے خلاف اپنے دل میں عداوت کا ایک الاؤ پالے ہوئے تھا۔ اسلام کی

ترقی اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ چنانچہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہودی علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد آپؐ سے متاثر ہوئی تو اس کے سینہ پر سانپ لوٹنے لگے۔ اس کے دل میں ان علماء کے خلاف نفرت پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس نے ان کے وظائف بند کر دیئے اور جب تک ان علماء کو اس نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی عداوت اور مخالفت پر آمادہ نہیں کیا ان کے وظائف جاری نہ کیے۔

(سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۱۷۷)

اس نے ہر طریقہ سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا:

لیس علینا فی الامیین سبیل۔

"یعنی ان امیوں کا مال جس طرح چاہو ہضم کر لو۔ اس میں کوئی گناہ نہیں۔"

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور قریش کی شکست فاش کی خبر جب اس کو پہنچی تو اس کے منہ سے بے اختیار نکلا "لبطن الارض خیر من ظھرھا" یعنی اب مرجانا بہتر ہے" اسے یقین نہیں آتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مٹھی بھر مسلمانوں نے قریش کے تین گنا بڑے لشکر کو شکست فاش دے دی۔ چنانچہ اسی بوکھلاہٹ میں وہ مکہ پہنچا۔ کم و بیش ستر آدمی اس کے ساتھ تھے۔ وہاں وہ مطلب بن ابی وداعہ سہمی کا مہمان ہوا۔ پھر مشرکین مکہ کی غیرت بھڑکانے، ان کی آتش انتقام تیز کرنے کے لیے مقتولین بدر کے مرثیے کہے۔ ان کے سرداروں کا نوحہ وماتم کیا۔ مرثیے پڑھتے وقت اس نے یہ ڈرامہ رچایا کہ خود بھی روتا اور انہیں بھی رلاتا۔ ایک روز ابو سفیان اور دوسرے مشرکین نے اس سے پوچھا کہ ہمارا دین تمہارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے یا محمد (ﷺ) کا دین۔ اس نے جواب دیا کہ تم لوگ اس سے زیادہ افضل اور ہدایت یافتہ ہو۔ (انتم واللہ اھدی سبیلا ممن ھو علیہ (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۱۷۸) ان کے ساتھ بیت اللہ جاتا اور اس کے غلاف کو پکڑ کر عہد کرتا کہ مسلمانوں سے بدر کا انتقام ضرور لیں گے حالانکہ بیت اللہ سے نہ اسے کوئی محبت تھی اور نہ اس کا احترام اس کے دل میں تھا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۷۰) ائمہ سیرۃ نے لکھا ہے کہ وہ مکہ سے اس وقت تک واپس نہ آیا جب تک کہ اس نے مشرکین مکہ کو اس بات پر متفق نہ کر لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور جنگ کریں گے۔ مکہ سے جب واپس مدینہ آیا تو اب اس کی حالت یہ تھی کہ وہ کھلم کھلا مسلمانوں سے اپنی عداوت کا اظہار کرتا اور لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرتا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۶) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مدینہ واپس آکر اس نے صحابہ کرامؓ کی عورتوں کے بارہ میں غلیظ قسم کے اشعار کہنے شروع کر دیئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہے۔ اشعار اس زمانہ میں بہت اہمیت رکھتے تھے کیونکہ جب کوئی شاعر کسی کی مدح یا ہجو میں شعر کہتا تو وہ بچہ بچہ کی زبان پر جاری ہو جاتے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۹)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے ہاں ایک دعوت میں سرکارِ دو عالم ﷺ کو مدعو کیا اور

Marfat.com

ایک خفیہ سازش کے تحت یہ انتظام کیا کہ آپؐ جب میرے ہاں تشریف لائیں تو انہیں شہید کر دیا جائے۔
(سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۱۷۸، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۵۹)

یہ وہ حالات تھے جن سے تنگ آکر ایک روز آپؐ نے فرمایا:

من لی لکعب بن اشرف فانه قد اذی الله ورسوله۔

"یعنی کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔"

سرکارِ دو عالم ﷺ کے منہ سے یہ کلمات سن کر محمد بن مسلمہؓ اٹھے اور عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا آپ کعب بن اشرف کا قتل چاہتے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا ہاں۔ عرض کی پھر آپؐ مجھے اس سے ذو معنی بات کہنے کی اجازت فرمائیں۔ فرمایا اجازت ہے۔

اس کے بعد محمد بن مسلمہؓ نے اپنے قبیلہ اوس کے چندان ساتھیوں کو ساتھ لیا جو کعب بن اشرف سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مندرجہ ذیل حضرات تھے۔

(۱) عباد بن بشرؓ (۲) سلکان بن سلامؓ اس کی کنیت ابو نائلہ تھی اور یہ کعب کے رضاعی بھائی تھے، ۳۔ حارث بن اوسؓ اور ۴۔ ابو عبس بن اوسؓ۔

کعب بن اشرف ایک گڑھی میں رہتا تھا۔ اس کا محل ایک قلعہ تھا جس کے باقاعدہ دربان اور چوکیدار دروازے پر موجود رہتے تھے۔ اس لیے اس تک پہنچنا بہت مشکل تھا اور ہتھیار اور اسلحہ لے جانا تو اور بھی زیادہ مشکل تھا۔ اب ان حضرات کے لیے پہلا کام یہ تھا کہ اسلحہ اندر لے جانے کی صورت پیدا کی جائے۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ کعب بن اشرف کے پاس پہنچ کر قرض کی بات کی جائے۔ پہلے محمد بن مسلمہؓ کعب کے پاس گئے اور رسول اللہ ﷺ کی شکایت اس انداز سے کی کہ کعب نے اس کو حقیقت پر محمول کیا۔ جب کہ یہ کہانی تجاہل عارفانہ سے کہی جا رہی تھی۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ اس شخص (یعنی محمد ﷺ) کے مدینہ آجانے سے ہم لوگ عجیب پریشانی اور کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ایک تو تمام عرب سے دشمنی مول لینا پڑی۔ ہر طرف سے ہمارے راستے بند ہو گئے۔ اہل و عیال ضائع ہونے لگے حتیٰ کہ جانیں قلب میں تھرا اٹھیں۔ دوسرے یہ کہ ہم سے صدقہ اور زکوٰۃ مانگتا ہے تاکہ فقراء و مساکین میں تقسیم کیا جائے۔ کعب نے جواب دیا۔ ابھی تو ابتدائے عشق ہے۔ خدا کی قسم، ابھی تم لوگ اور بھی اکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا! اب جب کہ ہم اس کے پیچھے لگ گئے ہیں تو مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا ساتھ چھوڑ دیں جب تک یہ نہ دیکھ لیں کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ ابھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں ایک دو وسق غلہ دے دیں۔ (ایک وسق پانچ من اڑھائی سیر کا ہوتا ہے)

کعب نے کہا: غلہ دینے سے تو مجھے انکار نہیں لیکن میرے پاس آپ کی کوئی سکیورٹی ہونی چاہیے،

لہٰذا کوئی شے رہن رکھ دو۔ محمد ابن مسلمہؓ نے کہا: کون سی چیز رہن رکھ دیں؟ اس نے کہا: اپنی عورتوں کو رہن رکھ دو۔ محمد ابن مسلمہؓ نے چونک کر کہا: عورتیں! ان کو ہم کیسے رہن رکھ دیں؟ آپ عرب کے سب سے زیادہ حسین و جمیل انسان ہیں۔ ہماری عورتیں آپ کو دیکھیں گی تو آپ پر فریفتہ ہو جائیں گی۔ پھر وہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گی۔ اس نے کہا: تو پھر اپنے بیٹوں کو رہن رکھ دو۔ محمد ابن مسلمہؓ پھر چونکے اور بولے: سیٹھ صاحب! یہ بھی کیسے ممکن ہے؟ اپنے لڑکوں کو رہن رکھ کر تو ہماری ناک ہمیشہ کے لیے کٹ جائے گی اور ان لڑکوں کی ناک بھی کٹ جائے گی کیونکہ جہاں کہیں بھی بات ہوا کرے گی تو لوگ ہمارے ان لڑکوں کو طعنہ دیا کریں گے کہ تم وہی ہو جو ایک وسق غلہ کے عوض گروی پڑے رہے تھے۔ یہ بات ہمارے لیے اور ہمارے بچوں کے لیے نہایت شرم کی ہے۔ البتہ ہم آپ کے پاس اپنے ہتھیار گروی رکھ سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ کعب بن اشرف ہتھیار گروی رکھنے پر آمادہ ہو گیا۔ اب اس نے پوچھا کہ کب ہتھیار لاؤ گے؟ محمد بن مسلمہؓ نے جواب دیا کہ آج ہی رات کو لے آئیں گے۔

دوسری طرف ابو نائلہ بھی کعب بن اشرف کے پاس آئے اور بالکل وہی گفتگو کی جو محمد ابن مسلمہؓ نے کی تھی دوران گفتگو ابو نائلہ نے یہ بھی کہا کہ میرے کچھ اور ساتھی ہیں جن کے خیالات بھی میرے ہی جیسے ہیں۔ میں انہیں بھی آپ کے پاس لانا چاہتا ہوں۔ آپ انہیں بھی کچھ قرض دے کر ان پر احسان کریں۔

مختصر یہ کہ محمد بن مسلمہؓ اور ابو نائلہ اپنی اپنی گفتگو کے ذریعہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے کیونکہ اس گفتگو کے بعد ہتھیار اور رفقاء سمیت ان دونوں کی آمد پر کعب چونک نہیں سکتا تھا۔

۱۴ ربیع الاول سنہ ۳ھ کی چاندنی رات کو ان چند حضرات پر مشتمل دستہ سرکار دو عالم ﷺ کے پاس طے شدہ پروگرام کے مطابق جمع ہوا۔ آپؐ نے بقیع غرقد تک ان کی مشایعت فرمائی دعا کی کہ اے اللہ! ان کی مدد فرما اور گھر واپس آ کر پھر دعا و مناجات میں مشغول ہو گئے۔

جب یہ لوگ کعب بن اشرف کے قلعہ کے دامن میں پہنچے تو ابو نائلہ نے زور سے آواز دی۔ کعب! آواز سن کر کعب ان کے پاس آنے کے لیے اٹھا تو اس کی بیوی نے جو ابھی نئی نویلی دلہن تھی اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بہت نازک اندام اور نفاست پسند تھی، ہر وقت عطر میں بسی رہتی تھی، کہا کہ اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ میں یہ ایسی آواز سن رہی ہوں۔ جس سے خون ٹپک رہا ہے۔ کعب نے جواب دیا نہیں ایسی کوئی بات نہیں، یہ محمد بن مسلمہؓ اور ابو نائلہؓ میرے رشتہ دار ہیں۔ ایک میرا بھانجا ہے اور دوسرا دودھ شریک بھائی ہے، لہٰذا کوئی خطرہ کی بات نہیں اور اگر خطرہ بھی ہو تو بہادر لوگ خطرہ سے نہیں ڈرا کرتے۔ بہادر کو رات کے وقت بھی جنگ کے لیے بلایا جائے تو وہ فوراً لبیک کہتا ہے۔ اچھا

Marfat.com

میں ہتھیار لگائے لیتا ہوں۔ چنانچہ کعب بن اشرف مسلح ہو کر باہر آیا۔

ابو نائلہ نے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب وہ آ جائے گا تو میں اس کے بال پکڑ کر سونگھوں گا جب تم دیکھو میں نے اس کا سر پکڑ کر قابو کر لیا ہے تو اس پر پل پڑنا اور اسے قتل کر دینا۔ کعب بن اشرف باہر آیا تو وہ عطر سے مہک رہا تھا۔ وہ عام طور پر مشک استعمال کیا کرتا تھا۔ ابو نائلہ نے کہا: ابن اشرف! آپ نے تیل کیسا لگا رکھا ہے یہ تو بہت ہی عمدہ خوشبو ہے۔ ایسی خوشبو تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں۔ کہنے لگا: میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ خوشبو لگانے والی عورت ہے۔ ابو نائلہ نے کہا: اجازت ہو تو آپ کا سر سونگھ لوں۔ وہ بہت خوش ہوا اور سونگھنے کی اجازت دے دی۔ ابو نائلہ نے اس کے سر میں اپنا ہاتھ ڈالا۔ خود بھی سونگھا اور ساتھیوں کو بھی سونگھایا۔ پھر کہا کہ جی نہیں بھرا۔ خوشبو بہت عمدہ ہے ایک دفعہ اور سونگھنے کی اجازت دیجئے۔ اب کی بار ابو نائلہ نے اس کے سر میں ہاتھ ڈال کر اس کو قابو کر لیا۔ اور کہا کہ لے لو اللہ کے اس دشمن کو۔ ساتھیوں نے فوری طور پر اس پر حملہ کر دیا۔ ایک ساتھ کئی تلواریں آئیں لیکن کچھ کام نہ آ سکیں۔ یہ دیکھ کر محمد بن مسلمہؓ نے جھٹ اپنی کدال لی اور اس کے پیڑو پر لگا کر چڑھ بیٹھے کدال آر پار ہو گی۔ اور وہ دشمن خدا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حملہ کے دوران وہ اس زور سے چیخا کہ گرد و پیش میں ہلچل مچ گئی۔ حملہ کے دوران حارث بن اوسؓ کو بعض ساتھیوں کی تلواروں کی نوک لگ گئی۔ جس سے وہ بھی زخمی ہو گئے لیکن اس کا کام تمام ہو گیا۔

واپسی پر اس دستہ نے اپنی کامیابی پر بقیع غرقد پہنچ کر اس زور کا نعرہ لگایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی سن لیا۔ آپؐ سمجھ گئے کہ یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ جب یہ لوگ آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا یہ چہرے کامیاب رہیں۔ ان لوگوں نے جواب میں کہا: یا رسول اللہ! آپ رخ انور پر بھی۔ اس کے ساتھ اس ملعون کا سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا۔ آپ نے اس قتل پر اللہ کی حمد و ستائش کی اور حارثؓ کے زخم پر لعاب دہن لگایا جس سے وہ شفایاب ہو گیا۔

یہود کو جب کعب بن اشرف کے قتل کا علم ہوا تو ان کے دلوں میں مسلمانوں کے رعب اور ہیبت کی لہر دوڑ گئی اور انہیں پتہ چل گیا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب یہ محسوس کریں گے کہ امن و امان سے کھیلنے والے اور ہنگامہ برپا کرنے والے، اور عہد و پیمان اور معاہدات کا احترام نہ کرنے والے لوگوں پر زبانی نصیحت کارگر نہیں ہوتی تو آپؐ طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہ کریں گے۔ لہٰذا وہ دم سادھے پڑے رہے اور کچھ نہ بولے لیکن ہمت ہار بیٹھے۔ چنانچہ سیدنا کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں:

"کعب بن اشرف کو جب محمد ابنِ مسلمہؓ اور ان کے ساتھیوں نے قتل کر دیا تو یہود اور مشرک (منافق) گھبرا گئے۔ یہ لوگ سرکارِ مدینہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے انہیں کعب بن اشرف کی حرکتوں سے آگاہ کیا۔ پھر فرمایا: آپ لوگ کچھ شرائط

طے کرلیں اور ان کی پابندی کرتے رہیں۔ چنانچہ ایک عہد نامہ تحریر کیا گیا جس کے فریق تین تھے سرکارِ دوعالم ﷺ بنی نضیر اور مسلمان"۔

(ابوداؤد، باب "کیف کان اخرج الیہود من المدینہ")

لیکن یہ معاہدہ بھی زیادہ دیر نہ چل سکا۔ بنو نضیر نے خود سرکارِ دوعالم ﷺ کو (معاذاللہ) قتل کرنے کی کوششیں کیں جس پر یہ معاہدہ ختم ہو گیا۔

(ملاحظہ ہو بخاری جلد ۲، ص ۵۷۶، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۶۰، باب قتل کعب بن الاشرف، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۳، ابن ہشام، جلد ۲ ص ۵۱-۵۷، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۵-۸، عیون الاثر جلد ا ص ۴۴۸)

کعب بن اشرف کے قتل سے ایک تو تمام یہودیوں اور منافقین پر آپ کی ہیبت طاری ہو گئی۔ دوسرے مسلمان اندرونی مشکلات کے باردوش سے سبکدوش ہو گئے اور تیسرے بیرون مدینہ سے پیش آنے والے متوقع خطرات کے لیے فارغ ہو گئے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو جامع الاصول جلد ۹ ص ۱۶۹، ۱۷۱ طبقات جلد ۲ ص ۱۹، وغیرہم)

سریہ زید بن حارثہؓ

کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کے بعد مسلمانوں کو ایک اور مہم پیش آئی۔ یہ مہم بھی کامیاب رہی۔ اس مہم کے پیش آنے کی وجہ یہ تھی کہ قریش جنگ بدر کی شکست کے بعد مسلمانوں سے حد درجہ مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے۔ انہیں یہ فکر دامن گیر تھی کہ اب شام کے تجارتی قافلہ کے لیے بھی بہت سے خطرات پیدا ہوں گے کیونکہ مسلمان اب اس پوزیشن میں ہیں کہ جب چاہیں ہماری تجارتی لائن کاٹ دیں۔ اگر ہماری تجارتی زبوں حالی اسی طرح رہی تو تھوڑے ہی عرصہ میں ہم قحط اور بھوک کے کنارے جا لگیں گے کیونکہ تجارتی شاہراہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور ساحل سمندر پر بسنے والے تمام قبائل سے ان کے حلیفانہ تعلقات قائم ہو چکے تھے۔

ادھر گرمی کا موسم آ گیا جو ملک شام کے تجارتی سفر کا وقت تھا۔ قریش نے صفوان بن امیہ کو اس سال ملک شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلے کا امیر کاروان منتخب کیا۔ صفوان امیر تو منتخب ہو گیا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے کیوں کہ شام کی تجارتی شاہراہ مسلمانوں نے پر صعوبت بنا رکھی تھی۔ چنانچہ ایک روز صفوان نے قریش کے اجتماع میں ایک تقریر کی: "ہمارے حریف محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں نے ہماری تجارتی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی جس سے ہم شام کی شاہراہ کو عبور کر کے ان کے ہاتھ سے سلامت نکل سکیں۔ اس شاہراہ پر بسنے والے قبائل نے

Marfat.com

بھی مسلمانوں کے ساتھ حلیفانہ معاہدات کر رکھے ہیں۔ اب ہمارا کیا بنے گا؟ اگر ہم گھروں میں بیٹھے رہے تو قحط و غربت کا شکار ہو جائیں گے۔ کئی سالوں سے ہمارا یہ دستور تھا کہ موسم گرما میں شام کی طرف اور سردی کے موسم میں حبشہ کی طرف تجارتی قافلے لے جا کر ہم اپنی روزی کما لاتے تھے۔ اب اس مشکل کا کوئی حل مجھے نظر نہیں آتا۔"

صفوان بن امیہ نے جب اپنی یہ تقریر ختم کی تو اسود بن عبدالمطلب نے کھڑے ہو کر کہا: شام جانے کے لیے ساحل سمندر کی شاہراہ سے ہٹ کر عراق کے راستہ سے بھی ہم جا سکتے ہیں۔ یہ راستہ بہت طویل تھا۔ نجد سے ہو کر شام جاتا تھا اور مدینہ کے مشرق میں کافی فاصلہ سے گزرتا تھا۔ قریش اس راستہ سے بالکل ناآشنا تھے۔ اس لیے اسود بن عبدالمطلب نے کہا ہمارے ہاں فرات بن حیان جو بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتا ہے، راستہ کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف ہے۔ وہ اس سفر میں ہماری راہنمائی کرے گا۔ جب فرات بن حیان سے رابطہ کیا گیا تو اس نے کہا! جہاں تک میرا علم ہے۔ محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے کسی نے ابھی تک عراق کا یہ راستہ نہیں دیکھا۔ اس راہ میں پہاڑیوں اور صحراؤں کا بے پایاں سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔

اس انتظام کے ساتھ قریش کے کارواں کی تیاریاں صفوان بن امیہ کی قیادت میں شروع کر دی گئیں۔ جس میں چاندی اور دوسرا سامان تجارت قریباً ایک لاکھ درہم کا تھا۔ اس قافلہ میں صفوان بن امیہ کے علاوہ ابو سفیان بن حرب، حویطب بن عبدالعزیٰ اور عبداللہ بن ابی ربیعہ بھی تھے۔ (فتح مکہ میں یہ چاروں حضرات حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے)

جس وقت یہ فیصلہ ہوا اس وقت مدینہ کے ایک اشجعی جن کا نام نعیم بن مسعود تھا، مکہ میں موجود تھے۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر یہ خبر ایک مسلمان کو سنادی جو رفتہ رفتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔

یہ خبر سنتے ہی سرکارِ دو عالم ﷺ نے فوراً حملہ کی تیاری کی اور سو سواروں کا ایک دستہ سیدنا زید بن حارثہؓ کی زیر قیادت روانہ فرمایا۔ سیدنا زیدؓ نہایت تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے۔ قریش کا کاروان تجارت قردہ نامی ایک چشمہ پر پڑاؤ ڈالنے کے لیے اتر رہا تھا کہ سیدنا زید بن حارثہؓ نے اپنے دستہ کے ساتھ ان پر دھاوا بول دیا۔ یلغار اچانک تھی۔ قریش پریشان ہو گئے۔ ان میں بھگدڑ مچ گئی اور مسلمانوں نے پورے اموال تجارت پر قبضہ کر لیا۔ صفوان بن امیہ، قائد کاروان، اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ البتہ قافلہ کے راہنما فرات بن حیان اور مزید دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ایک لاکھ درہم کا مال مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر ہاتھ لگا۔ مسلمانوں کو پہلی مرتبہ اتنی بڑی رقم کا سامان غنیمت میں حاصل ہوا۔ سارا مال خدمت نبوی ﷺ میں پیش کر دیا گیا۔ آپؐ نے خمس نکال کر باقی سارا مال مجاہدین

Marfat.com

میں تقسیم کر دیا۔ فرات بن حیان کو بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ فرات رسول اللہ ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا لیکن جب گرفتار ہو کر آیا تو اسی زبان نے حضور ﷺ کی منقبت میں قصیدہ خوانی سے اپنے جسم کے روئیں روئیں کو کفر و شرک کی غلاظتوں سے پاک کر لیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرات کا اسلام لانا قبول فرما لیا۔

بدر کے بعد قریش کی یہ دوسری بڑی نکبت و ذلت تھی۔ جس سے ان کے غصہ اور انتقام میں اور اضافہ ہوا کیونکہ ان کی مکہ کی سرداری تمام عرب میں مسلم تھی۔ خود کو اتنا باوقار سمجھنے والی قوم کے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ وہ آئے روز رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں ذلیل ہوتی رہے، اب ان کے سامنے صرف دو ہی راستے تھے کہ یا تو اپنی نخوت و غرور کی چادر اتار کر مسلمانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں یا پھر ایک فیصلہ کن جنگ کر کے اپنی عزت رفتہ اور عظمت گزشتہ کو واپس لائیں اور مسلمانوں کی قوت اور طاقت کو اس طرح توڑ دیں کہ انہیں پھر قریش مکہ کے قافلوں پر دست درازی اور مقابلہ کا حوصلہ نہ رہے۔ انہوں نے دوسرے راستہ کو اختیار کیا اور مسلمانوں کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے ایک بہت بڑی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

Marfat.com

غزوۂ احد

غزوہ بدر میں قریش کو مسلمانوں کے ہاتھوں جو صدمہ اٹھانا پڑا غزوہ احد اس کی ایک صدائے بازگشت تھی۔ بدر کے چرکے کا زخم کسی طور ان کے دلوں سے مندمل نہیں ہو رہا تھا۔ اگرچہ قریش نے مقتولین بدر پر آہ وفغان اور نوحہ وماتم سے بھی منع کر دیا تھا اور قیدیوں کے فدیئے کی ادائیگی میں بھی جلدبازی کا مظاہرہ کرنے سے روک دیا تھا تاہم ان کے سینے غیظ وغضب کی آگ سے کھول رہے تھے۔ اوران کی شدت رنج وغم میں کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اضافہ ہی ہوا تھا۔ بدر کا یہ غم وہ فراموش بھی کیسے کرسکتے تھے کیونکہ ان کے نادرۂ روزگار اور سرکردہ اشخاص مسلمانوں کی تلواروں کے ذریعہ لقمہ اجل بنے تھے جن کی یاد میں قریش کی عورتیں نوحہ وماتم کی ممانعت کے باوجود ہر لحہ مصروف گریہ وبکا تھیں۔ کوئی اپنے لخت جگر کو روتی، کسی کے دل میں اپنے بھائی کے قتل کا ناسور رس رہا تھا۔ کوئی باپ کا سایہ اٹھ جانے سے شکستہ خاطر تھی۔ کسی کا شوہر مارا گیا تھا اور کسی کا کوئی دوسرا قرابت دار نابود ہو گیا تھا غرضیکہ مکہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی فرد بدر میں مسلمانوں کی تلواریں چاٹ نہ گئی ہوں۔ گویا اپنے مقتولوں پر رونا اور نوحہ وماتم کرنا قریش کی عورتوں کا مقدر بن گیا تھا۔ ان کا نوحہ ایسی رقت اور سوز سے معمور تھا جسے قریش سنتے تو ان کی آتش انتقام اور تیز ہوتی۔

غزوہ بدر کے بعد زمام قیادت ابوسفیان کے سپرد کی گئی تو اس کا بھی سب سے بڑا مقصد غزوہ بدر کا انتقام تھا۔ غزوہ سویق بھی دراصل ابوسفیان نے غزوہ بدر کا انتقام لینے کے لیے کیا تھا۔ لیکن اس میں بھی وہ صرف چند مکانات اور گھاس پھوس کے ڈھیر جلا سکا اور اپنی دانست میں اس نے سمجھ لیا کہ اس نے غزوہ بدر کا انتقام لے لیا ہے۔ لیکن قریش اصل حقیقت سے واقف تھے وہ اس کو غزوہ بدر کا انتقام نہیں سمجھتے تھے۔

آخر میں سریہ زید بن حارثہؓ کے واقعہ نے توجلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس میں قریش کا ایک لاکھ درہم کا

مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جس نے ان کی اقتصادی طور پر کمر توڑ کر رکھ دی۔ اب ہر طرف سے انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور ان آوازوں نے مکہ کی قیادت کو جنگ کے لیے مجبور کر دیا۔ چنانچہ ایک روز ابو سفیان بن حرب، عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، حو۔طب بن عبدالعزیٰ اور صفوان ابن امیہ اور دوسرے سرداران قریش اور سربر آوردہ لوگ دارالندوہ کی ایک مجلس میں جمع ہوئے اور یہ طے کیا کہ کاروان تجارت جو بطور امانت محفوظ ہے، اس کا اصل سرمایہ تو شرکاء میں تقسیم کر دیا جائے، لیکن اس کا منافع جو کہ پچاس ہزار دینار ہے، اس کو محمد ﷺ کے خلاف جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے اور محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں پر فتح حاصل کر کے قریش کی عزت رفتہ کو بحال کیا جائے اور اپنے اشراف و صنادید کا جو بدر میں مسلمانوں کی تلواروں سے مارے گئے ہیں، انتقام لیا جائے۔ اس مجلس میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے، ان کے اپنے اعزاء و اقرباء بھی بدر میں مارے گئے تھے۔ چنانچہ ابو سفیان کا بیٹا حنظلہ، عکرمہ کا باپ ابو جہل، حارث بن ہشام کا بھائی ابو جہل بن ہشام اور صفوان کا باپ امیہ اس غزوہ میں کام آئے تھے۔

(الحمدللہ غزوہ احد کے یہ سب محرکین بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ زرقانی جلد ۲ ص ۲۰)

دارالندوہ کی اس مجلس میں جو کچھ طے پایا، تمام قریش نے اس کی تائید کی۔ چنانچہ بڑے زور و شور سے اس انتقامی جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دوسرے قبیلوں کو بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس مقصد کے لیے ترغیب و تحریص کی تمام صورتیں اختیار کی گئیں۔ شاعروں کو کہا گیا کہ وہ لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کریں کیونکہ اس معاشرہ میں شعراء کا ایک بہت بڑا مقام تھا۔ وہ آج کل کے پریس کا کام کرتے تھے۔ ابو عزہ شاعر کو اس کام پر صفوان بن امیہ نے دولت کا لالچ دے کر لگایا اور اسے پراپیگنڈہ سیل کا انچارج بنایا۔ اگرچہ اس شخص نے جنگ بدر میں بلا فدیہ رہا ہونے کے بعد حضور ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ میں آئندہ اسلام کی مخالفت نہیں کروں گا جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے، لیکن اس نے اپنے وعدہ کو بالکل فراموش کر کے اور عہد و پیمان کو پس پشت ڈال کر غیرت و حمیت کو مشتعل کرنے والے اشعار کے ذریعہ لوگوں کو بھڑکانا شروع کیا۔ ایک اور شاعر مسافع بن عبد مناف نے بھی ابو عزہ کا ساتھ دیتے ہوئے لوگوں کو اس مہم کے لیے ابھارا۔ دوسری طرف ابو سفیان نے بھی غزوہ سویق سے نامراد واپس لوٹنے کے بعد مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے میں کچھ زیادہ ہی سرگرمی دکھائی۔ پھر آخر میں سریہ زید بن حارثہؓ نے قریش مکہ کا ایک لاکھ درہم کا ساز و سامان ضبط کر کے ان کی آتش انتقام کو اور تیز کر دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے قریش کی تیاری کی رفتار میں بڑی تیزی آ گئی۔

Marfat.com

خواتین قریش کی شرکت

مردوں کے اس جوش و خروش کو دیکھ کر جوش انتقام میں مدہوش قریشی عورتیں بھی ساتھ جانے کے لیے مصر ہوئیں، جس پر ایک شخص نے مجلس مشاورت میں یہ رائے پیش کی:

"ہم لوگ سر پر کفن باندھ کر جا رہے ہیں۔ اگر اپنے مقتولین کا بدلہ نہ لے سکے تو زندہ واپس نہ لوٹیں گے۔ عورتوں کی معیت ہمارے لیے مفید ثابت ہوگی۔ یہ ہمارے جذبات غضب کو بھڑکائیں گی اور ہمیں بدر کے واقعات یاد دلا دلا کر آگے بڑھائیں گی۔"

ایک دوسرے شخص نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا:

"عورتیں ہماری آبرو ہیں۔ اگر ہمیں شکست ہوئی تو ان کی بے حرمتی سے ہماری رہی سہی آبرو بھی خاک میں مل جائے گی۔ لہٰذا انہیں ہمراہ نہ لے جایا جائے۔"

اس موقع پر ہند زوجہ ابوسفیان نے، جس کے دو بیٹے (ولید اور حنظلہ) باپ (عتبہ بن ربیعہ) اور ایک دیور (شیبہ بن ربیعہ) اس جنگ میں مارے گئے تھے اور اس کا سینہ آتش انتقام سے بھرا ہوا تھا اٹھ کر کہا:

"آپ حضرات اس بات سے بالکل نہ گھبرائیں کہ آپ زندہ بچ کر نہ آسکیں گے۔ آخر آپ لوگ بدر سے بھی بچ کر آ ہی گئے تھے اور اپنی عورتوں کو بھی آ کر دیکھ لیا۔ پھر آپ حضرات ہمیں شرکت سے منع کرنے والے کون ہیں؟ جبکہ یہی غلطی آپ سے بدر میں ہوئی جب آپ لوگوں نے نوجوان لڑکیوں کو مقام جحفہ سے لوٹا دیا، جو اگر جنگ کے وقت ہوتیں تو آپ لوگوں کو غیرت و حمیت دلا کر آگے بڑھاتیں۔ آہ، وہ بدر جس میں ہمارے عزیز ترین مرد دشمن کے ہاتھوں خاک و خون میں تڑپے۔"

ہند کی اس دلیل کے بعد تمام لوگ عورتوں کو ساتھ لے جانے پر متفق ہو گئے۔ تاکہ وہ رجزیہ اشعار پڑھ کر لڑنے والوں کی ہمت بڑھائیں اور بھاگنے والوں کو غیرت دلائیں۔ چنانچہ ایک بڑے لشکر کو تیار کیا گیا جس کی کل تعداد تین ہزار تھی۔ قائدین قریش کی عورتوں کو بھی اس لشکر میں شامل کیا گیا جن کی تعداد پندرہ تھی۔ تین ہزار اونٹ، سات سو زرہ پوش، دو سو گھوڑے اور ہر قسم کا اسلحہ ان کے ہمراہ تھا۔ قریش کے علاوہ حلیف قبائل کے جنگجو اور بہادر بھی اس میں شریک تھے۔ مجموعی تعداد بعض روایات کے مطابق تین ہزار سے زیادہ تھی۔ اس لشکر میں ایک سو تیر انداز بھی تھے۔ ابوسفیان کو پورے لشکر کی کمان سونپی گئی۔ رسالہ کی کمان خالد بن ولید کو دی گئی اور عکرمہ بن ابی جہل کو اس کا معاون بنایا گیا۔ پرچم دستور کے مطابق قبیلہ بنی عبدالدار کے ہاتھ میں دیا گیا۔

Marfat.com

عورتوں میں ابو سفیان قائد لشکر کی بیوی ہند، عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی ام حکیم، خالد بن ولید کی بہن فاطمہ، رئیس طائف مسعود ثقفی کی بیٹی برزہ، عمرو بن العاص کی بیوی ریطہ، سیدنا مصعب بن عمیرؓ کی والدہ خناس کے نام بھی ابن ہشام نے بتائے ہیں۔ (جلد ۲ ص ۶۵-۶۶)

اس بھرپور تیاری کے بعد یہ لشکر اس حالت میں مکہ سے نکلا کہ مسلمانوں کے خلاف غم و غصہ اور انتقام کی آگ ان کے دلوں میں بھڑک رہی تھی۔

مدینہ میں اطلاع

یہ تیاری اور روانگی پوری رازداری کے ساتھ ہوئی۔ چنانچہ مدینہ کی انٹیلی جنس بھی اس بارہ میں بالکل بے خبر رہی۔ لیکن مکہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے چچا سیدنا عباس بن عبد المطلبؓ قریش کی اس ساری نقل و حرکت پر نہایت چابکدستی اور گہرائی سے نظر رکھے ہوئے تھے۔ جوں ہی یہ لشکر مکہ سے نکلا۔ سیدنا عباسؓ نے تمام حالات لکھ کر ایک خط کے ذریعہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں روانہ فرما دیئے۔ قاصد کو تاکید کی کہ جلد از جلد یہ خط حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیا جائے۔ قاصد نہایت مستعد تھا اس نے پانچ سو کلومیٹر کی مسافت صرف تین دن میں طے کر کے یہ خط سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے۔ یہ قاصد وہیں باریاب ہو گیا۔ آپؐ نے لفافہ کھول کر سیدنا ابی بن کعبؓ کو دیا سیدنا ابیؓ نے خط پڑھ کر آپ کو تمام حالات سنائے۔ آپؐ نے سیدنا ابی بن کعبؓ کو تاکید فرمادی کہ اس خط کے مضمون کی ابھی کسی کو خبر نہ دی جائے۔ البتہ سیدنا سعد بن ربیعؓ کو آپؐ نے اس بارہ میں خود آگاہ فرمادیا۔

(سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۴۱، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۵، زرقانی جلد ۲ ص ۲۰)

خط ملنے کے بعد آپؐ فوری طور پر مدینہ تشریف لائے۔ اب آپؐ خود قریش کے لشکر کے حالات معلوم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ ۵ شوال سنہ ۳ھ کو آپؐ نے دو خبر رساں سیدنا انسؓ اور سیدنا مونسؓ لشکر قریش کے بارہ میں خبر لانے کے لیے بھیجے۔ انہوں نے آکر یہ اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے۔ اور مدینہ کی چراگاہ "عریض" کو اس کے گھوڑوں نے صاف کر دیا ہے۔

اب سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا حباب بن المنذرؓ کو فوج کی تعداد معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ سیدنا حباب نے بتایا کہ لشکر کی تعداد تین ہزار ہے۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں صحابہ کرامؓ نے فوراً حفاظتی انتظامات کرنے شروع کر دیئے۔ سیدنا سعد بن معاذؓ، سیدنا سعد بن عبادہؓ اور سیدنا اسید بن حضیرؓ اور چند اور صحابہ کرامؓ مسجد نبوی میں حاضر ہو گئے اور تمام رات باب رسالت پر پہرہ دیتے رہے۔ شہر کے اطراف

Marfat.com

وجوانب میں بھی پہرے بٹھلا دیئے گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۵-۲۶) کچھ دستے دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لیے ان راستوں پر گشت کرنے لگے۔ جن سے مدینہ میں داخل ہوا جاسکتا تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ قریش کا لشکر معروف کاروانی شاہراہ پر چلتا آرہا تھا لیکن جب ابواء کے مقام پر پہنچا تو بعض شرکاء لشکر نے یہ تجویز پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر کو اکھیڑ دیا جائے۔ لیکن لشکر نے یہ تجویز منظور نہ کی۔ پھر یہ لشکر مدینہ کے قریب پہنچ کر وادی عقیق سے گزرا۔ پھر دائیں جانب کترا کر کوہ احد کے قریب عینین کے مقام پر مدینہ کے شمال میں وادی قناۃ کے کنارے ایک وادی میں پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ ۶ شوال سنہ ۳ھ کا واقعہ ہے۔

مدینہ کے ذرائع اطلاعات ایک ایک منٹ کی خبر مدینہ طیبہ پہنچا رہے تھے۔ یہاں تک کہ مکی لشکر کے پڑاؤ کی بابت آخری خبر بھی رسول اللہ ﷺ کو پہنچا دی گئی۔ ۶ شوال سنہ ۳ھ بروز جمعہ کو آپؐ نے فوج کی ہائی کمان کی مجلس شوریٰ منعقد فرمائی جس میں مکی لشکر کے مقابلہ کی حکمت عملی کا جائزہ لیا گیا۔ سب سے پہلے یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ قریش کی فوج کا مقابلہ مدینہ میں رہ کر کیا جائے یا باہر نکل کر۔ تاریخ کی ورق گردانی سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو حضور ﷺ نے خود بلایا یا وہ خود پہنچ گیا۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وہ اس مجلس میں موجود تھا اور اپنی جماعت کی نمائندگی کر رہا تھا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنا ایک خواب بتایا کہ واللہ! میں نے ایک نہایت بھلی اور اچھی چیز دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح کی جارہی ہیں اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ میری تلوار کے سرے پر کچھ شکستگی ہے۔ اور یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں داخل کیا ہے۔ پھر آپؐ نے اس خواب کی تعبیر بتلائی۔ گائے کی تعبیر یہ بتلائی کہ کچھ صحابہ قتل کیے جائیں گے۔ تلوار کی شکستگی کی تعبیر یہ بتلائی کہ آپؐ کے گھر کا کوئی شخص شہید ہوگا اور محفوظ زرہ کی یہ تعبیر بتلائی کہ اس سے مراد شہر مدینہ ہے۔

اب دفاعی حکمت عملی کے بارہ میں صحابہ کرامؓ کی طرف سے مختلف تجاویز پیش کی گئیں۔ آپؐ کی اس بارہ میں اپنی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی دشمن کا مقابلہ کیا جائے اور مدینہ سے باہر نہ نکلیں کیونکہ مدینہ کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے پہاڑی سلسلے ہیں۔ مدینہ کے ناکوں پر دیواریں چن کر پورے مدینہ کو ایک محفوظ قلعہ کی صورت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ عورتیں اور بچے قریب کی پہاڑیوں پر پہنچا دیئے جاتے۔ اگر موقع ہوتا تو وہاں سے دشمن پر سنگباری بھی کر سکتے تھے۔ مدینہ میں قلعہ بند ہونے سے یہ ہوگا کہ اگر دشمن اپنے کیمپ میں مقیم رہتے ہیں تو ان کا قیام بے مقصد ہوگا اور وہ چند روز قیام کر کے واپس چلے جائیں گے اور اگر وہ چند روز حملہ کرے گا تو خود پریشان ہو کر واپس چلا جائے گا۔ اور اگر وہ مدینہ میں داخل ہوتا ہے تو مسلمان گلی کوچوں کے ناکوں پر ان سے جنگ کریں گے اور عورتیں مکانوں کی چھتوں کے اوپر سے ان پر خشت باری کریں گی۔ یہ رائے چونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی طرف سے پیش

Marfat.com

کی گئی تھی اس لیے صحیح اور درست رائے تھی کیونکہ پیغمبر کی بصیرت ایک بڑے سے بڑے آدمی سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ اگرچہ اس کی تائید اس بنیاد پر نہ تھی کہ جنگی نقطہ نظر سے یہ صحیح اور درست تھی بلکہ اس وجہ سے تھی کہ وہ جنگ سے دور بھی رہے اور کسی کو اس کا احساس بھی نہ ہو کیونکہ دل منافقت سے بھرا ہوا تھا۔ عبداللہ بن ابی نے اس رائے کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ مدینہ کے ماضی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اہلِ مدینہ نے شہر میں رہ کر کسی دشمن کا جب بھی مقابلہ کیا وہ کامیاب رہے اور دشمن کو جرات نہ ہوئی کہ شہر میں داخل ہو سکے اور جب کبھی وہ باہر نکلے انہوں نے نقصان اٹھایا۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۶)

صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد وہ تھی جن کو حسرت تھی کہ وہ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے اور اس فضیلت سے محروم رہے جو اہلِ بدر کی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہم مدینہ میں رہے تو ہمیں دشمن سے مقابلہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ سیدنا حمزہؓ اگرچہ بدر میں شریک ہوئے تھے، لیکن وہ بھی اس رائے کے حامی تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۲) سیدنا سعد بن عبادہؓ اور سیدنا نعمان بن مالکؓ کی بھی یہی رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ (تفسیر مظہری، جلد ۲، ص ۱۲۸) چنانچہ ان حضرات نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہم تو اس دن کی تمنا کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ نے یہ موقع فراہم کر دیا ہے اور میدان میں نکلنے کا وقت آ گیا ہے تو پھر آپؐ دشمن کے مدمقابل ہی تشریف لے چلیں کیونکہ اگر ہم شہر بند ہو گئے تو اس کا اثر نہ تو دشمن پر اچھا پڑے گا اور نہ عرب کے قبائل پر۔ کیونکہ سمجھا یہ جائے گا کہ مسلمانوں میں مقابلہ کی ہمت نہیں ہے اور اگرچہ انہوں نے بدر میں فتح حاصل کی ہے تو وہ ایک اتفاقی بات تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ غزوہ بدر کی فتح سے جو ہیبت اور رعب مسلمانوں کا قائم ہوا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔"

دونوں طرف سے بڑی آزادی کے ساتھ دلائل پیش کیے گئے لیکن اتفاق سے غالب یہی رائے رہی کہ مدینہ سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۶)

بعض روایات میں ہے کہ ان حضرات میں، جو مدینہ سے باہر جا کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے، سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ سب سے پیش پیش تھے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی: "یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپؐ پر یہ کتاب نازل کی، میں کوئی غذا نہ چکھوں گا جب تک کہ مدینہ سے باہر اپنی تلوار کے ذریعہ ان سے دو دو ہاتھ نہ کر لوں۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۱۴) نبی اکرم ﷺ نے یہ سب باتیں سنیں اور اکثریت کے اصرار کے سامنے اپنی رائے ترک کر دی اور آخری فیصلہ یہی ہوا کہ مدینہ

Marfat.com

سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

یہ ساری گفتگو نماز جمعہ سے قبل ہوئی۔ نماز جمعہ کے بعد سرکارِ مدینہ ﷺ نے تقریر فرمائی اور مسلمانوں کے جہاد کے جذبات کو ولولہ تازہ دیا۔ ان کو تیاری کا حکم دیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر ڈیرے ڈالے بیٹھا تھا اور یہ بشارت بھی دے دی کہ اگر صبر و استقلال سے کام لیا گیا تو یقیناً کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ حضور ﷺ کی اس بشارت سے اب مسلمانوں میں شوق جہاد کے ساتھ کامیابی اور کامرانی کی امنگ بھی تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۶)

نماز جمعہ اور جذبہ جہاد کی تقریر کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے راحت کدہ پر تشریف لے گئے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ دونوں آپؐ کے ساتھ تھے۔ ان دونوں نے وہاں آپ کو عمامہ بندھوایا اور پوشاک زیب تن کروائی۔ پھر دو زرہیں پہنائیں۔ پشت مبارک کو چمڑا کے پٹکے سے کسا اور لوگوں کے سامنے اس حالت میں تشریف لائے کہ گردن کے ایک طرف تلوار کا پرتلہ تھا، دوسری طرف کمان، پشت پر ترکش اور دست مبارک میں نیزہ۔ (سیرت حلبیہ جلد ۲ ص ۱۴، طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۶-۲۷) سر پر اس وقت عمامہ تھا لیکن میدان جنگ میں جب آپؐ صفیں درست فرما رہے تھے تو خود بھی سر مبارک پر تھا اور اس کے ساتھ مغفر بھی تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۷) تفسیر مظہری جلد ۳ ص ۱۲۹ میں ہے کہ اس دوران میں اہلِ عوالی (یعنی قباوغیرہ کے باشندے) بھی آگئے اور حجرہ مبارکہ اور منبر نبوی کے درمیان دو رویہ صفیں لگا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ جب اسلحہ سے آراستہ ہو کر باہر تشریف لائے تو سیدنا سعد بن معاذؓ اور سیدنا اسید بن حضیرؓ وغیرہ بزرگ صحابہ کو یہ احساس ہوا کہ حضور ﷺ کی مرضی کے خلاف مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے لیے اصرار کیا گیا ہے۔ ان حضرات نے لوگوں کو توجہ دلائی کہ جس رسول پر آسمان سے وحی نازل ہوتی رہتی ہے، آپ لوگوں نے اس کی مرضی کے خلاف ایک بات پر اصرار کیا ہے جو مناسب نہیں تھا۔ اب مناسب یہ ہے کہ آپ حضرات اپنا فیصلہ واپس لے لیں اور معاملے کا سارا اختیار آپؐ کو دے دیں۔ لوگوں نے یہ سن کر ندامت محسوس کی۔ چنانچہ جب آپؐ باہر تشریف لائے تو لوگوں نے ندامت محسوس کرتے ہوئے کہا: "اے اللہ کے رسول! ہمارا اصرار غلط تھا۔ اب آپؐ منشاء عالی کے مطابق جو مناسب ہو وہی کیجئے۔"

آپؐ نے لوگوں کی یہ معذرت سنی تو فرمایا: "نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ جب وہ زرہ پہن چکا ہو تو اس کو اتارے تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ فرما دے۔"

پھر آپؐ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور تین جھنڈے منگوائے اور تین حضرات کو مرحمت فرمائے۔

Marfat.com

۱- مہاجرین کا پرچم سیدنا مصعب بن عمیر عبدریؓ کو عطا فرمایا۔

۲- قبیلہ اوس کا پرچم سیدنا اسید بن حضیرؓ کو عطا فرمایا۔

۳- قبیلہ خزرج کا پرچم سیدنا حباب بن المنذرؓ کو عطا فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ خزرج کا پرچم سیدنا سعد بن عبادہؓ کو عطا فرمایا۔

پورا لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ جن میں ایک سو زرہ پوش، پچاس شہ سوار تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ شہسوار کوئی نہیں تھا لیکن یہ درست نہیں۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۹۲) اپنی غیر حاضری میں سیدنا عبداللہ بن ام مکتومؓ کو مسجد نبوی کا امام مقرر فرمایا کہ وہ مدینہ میں رہ جانے والے لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

اسلامی لشکر کی مدینہ سے روانگی

ابن سعد کے بیان کے مطابق آپؐ نے نماز عصر کے بعد مدینہ طیبہ سے کوچ فرمایا۔ اور لشکر نے شمال کا رخ کیا۔ سیدنا سعد بن عبادہؓ اور سیدنا سعد بن معاذؓ زرہ پہنے امام الانبیاء ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے۔ تھوڑی دور چل کر ایک میدان میں قیام فرمایا۔

بعض روایات میں ہے کہ آپؐ جب ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے تو ایک دستہ نظر آیا۔ جو نہایت نفیس اور عمدہ ہتھیار لگائے ہوئے تھا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ بتلایا گیا کہ یہ خزرج کے حلیف یہود ہیں جو مشرکین مکہ کے خلاف جنگ میں شرکت کے متمنی ہیں۔ آپؐ نے پوچھا!؟ کیا یہ مسلمان ہو چکے ہیں؟" بتلایا گیا کہ نہیں۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: ہم اہلِ شرک کے خلاف اہلِ کفر کی مدد نہیں لینا چاہتے۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔ (ابن سعد جلد ۳ ص ۲۷)

آگے بڑھ کر آپؐ نے مقام شیخین پر قیام فرمایا۔ مغرب کا وقت ہوا تو سیدنا بلالؓ نے اذان دی اور امام الانبیاء نے نماز پڑھائی۔ رات کو یہیں قیام فرمایا اور عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد آرام کیا گیا۔

لشکر کی حفاظت کے لیے پچاس مجاہدین کا ایک دستہ رات بھر گشت کرتا رہا۔ محمد ابن مسلمہ انصاریؓ اس کے کمانڈر تھے۔ سیدنا ذکوانؓ ابن عبداللہ بن قیس خاص سرکارِ دو عالم ﷺ کا پہرہ دے رہے تھے۔

یہاں پر آپؐ نے اسلامی لشکر کا معائنہ بھی فرمایا۔ جو پندرہ سال سے کم عمر کے تھے ان کو واپس کر دیا گیا ان حضرات کے نام یہ ہیں۔

سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا براء بن عازبؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا اسید بن ظہیرؓ، سیدنا زید بن ارقمؓ، سیدنا عرابہ بن اوسؓ، سیدنا عمرو بن حزمؓ، سیدنا ابو سعید الخدریؓ، سیدنا زید بن حارثہ انصاریؓ، سیدنا سعد بن حبہ رضی اللہ عنہم۔

Marfat.com

سیدنا براء بن عازبؓ کی جو روایت بخاری میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزوہ احد میں شریک تھے۔

ان نوجوان صحابہ کو واپس تو کر دیا گیا لیکن تاریخ کے رپورٹ بتاتے ہیں کہ نوجوانوں میں سے سیدنا رافع بن خدیجؓ سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو لہٰذا واپس جاؤ تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تاکہ قد اونچا نظر آئے۔ حضور ﷺ نے ان کی اس جانثاری کے جذبہ کو دیکھ کر لشکر میں لے لیا۔ جب انہیں لے لیا گیا تو ایک اور نوجوان سیدنا سمرہ بن جندبؓ نے جو ان کے ہم عمر تھے، بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ میں رافعؓ سے زیادہ طاقتور ہوں۔ آپؐ ہم دونوں کی کشتی کروالیں میں انہیں پچھاڑ دوں گا۔ آپؐ نے اپنے سامنے ان دونوں کی کشتی کروائی۔ سمرہؓ نے واقعتاً رافعؓ کو پچھاڑ دیا، لہٰذا انہیں بھی لشکر میں شرکت کی اجازت مل گئی۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۳۴)

صبح کی نماز پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا: ہمیں قریب کے راستہ سے پہنچنا ہے، مگر راستہ ایسا ہو کہ دشمن کے لشکر سے بچتا ہوا نکلے کیونکہ دشمن کا پڑاؤ آپ کے درمیان اور احد کے درمیان کئی سمت سے حائل تھا۔ سیدنا ابو خیثمہؓ نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میں اس بارہ میں راہنمائی کرتا ہوں۔ پھر انہوں نے ایک مختصر راستہ اختیار کیا جو مشرکین کے لشکر کو مغرب میں چھوڑتا ہوا بنی حارثہ کے حرہ اور کھیتوں سے گزرتا تھا اس راستہ سے جاتے ہوئے لشکر کا گزر مربع بن قیظی کے باغ سے ہوا۔ یہ شخص منافق بھی تھا اور نابینا بھی۔ اس نے لشکر کی آمد محسوس کی تو صحابہ کرامؓ کے چہروں پر دھول پھینکنے لگا اور اس نے آپؐ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے۔ صحابہ کرامؓ جوش میں آگئے اور اس کو قتل کرنے کی ٹھانی۔ آپؐ نے فرمایا: چھوڑ دو، یہ دل اور آنکھوں دونوں کا اندھا ہے۔ پھر بھی ایک صحابی سعد بن زید اشہلیؓ کی کمان اس کے سر پر پڑ گئی جس سے سر زخمی ہو گیا۔ (ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۷-۶۸)

منافقین کی لشکر اسلام سے علیحدگی

نماز فجر کے بعد چل کر جب آپؐ احد کے قریب مقام "شوط" پہنچے تو آپؐ دشمن کے بالکل قریب تھے اور دونوں ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ رہے تھے۔ یہاں پر عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے اسلامی لشکر کو زک پہنچانے کے لیے تمرد اختیار کیا۔ اس منافق نے بہانہ یہ بنایا کہ آپؐ نے میری بات کیوں نہیں مانی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ یہاں سے وہ تین سو آدمیوں کو لے کر واپس چلا گیا اور یہ کہہ کر گیا کہ جب آپؐ نے ہماری بات نہیں مانی اور ہماری بجائے نوجوانوں کی باتیں مانیں تو ہم خواہ مخواہ اپنی جانیں کیوں دیں۔ اس کا یہاں سے اپنے آدمیوں سمیت جانے کا وہ سبب نہیں تھا جو اس نے بیان کیا۔ یہ سبب ہوتا تو وہ مدینہ سے یہاں تک نہ آتا بلکہ اس کا مقصد یہاں سے واپس جانے کا یہ تھا کہ وہ

Marfat.com

لشکر اسلام میں کھلبلی مچانا چاہتا تھا اور اس طریقہ سے قریش کی مدد کرنا چاہتا تھا کیونکہ جب دشمن ایک ایک نقل و حرکت دیکھ رہا ہو، اس صورت میں جب عام فوجی اپنے کمانڈر کو چھوڑ جائیں اور جو باقی رہ جائیں ان کے حوصلے ہار جائیں اور کمر ہمت ٹوٹ جائے اور دوسری طرف اس منظر کو دیکھ کر دشمن کے حوصلے بلند ہوں اور اس کی ہمت بندھے۔ اس لیے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کی یہ کارروائی پیغمبر اسلام اور ان کے مخلص اور باوفا ساتھیوں کے خاتمے کی ایک موثر تدبیر تھی اور ان کی کمر میں چھرا گھونپنے کے مترادف تھی۔

سیدنا جابرؓ کے والد سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حزام جو عبداللہ بن ابی کے ہم قبیلہ تھے، اور اسی غزوہ میں شہید ہوئے، عبداللہ بن ابی کے پیچھے گئے اور اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر اس نے یہ کہہ کر انہیں مایوس کر دیا کہ:

"ہمیں معلوم ہے کہ جنگ وغیرہ کچھ نہ ہوگی۔ یہ خواہ مخواہ کی باتیں ہیں۔ اگر واقعی جنگ ہوتی تو ہم کبھی ساتھ نہ چھوڑتے۔"

چنانچہ قرآن نے بھی ان کے اس مقولہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

لو نعلم قتالا لا تبعناکم۔

"اگر ہم جانتے کہ فی الواقع جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔"

پھر قرآن نے یہ بھی کہا کہ:

"جس وقت انہوں نے یہ بات کہی اس وقت وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر سے زیادہ قریب تھے۔ یہ لوگ زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، اللہ اس کو خوب جانتا ہے" (آل عمران)

آپ اندازہ فرمائیں کہ یہ وقت کتنا نازک تھا جب کہ عین معرکہ کے وقت ایک تہائی لوگوں کا الگ ہو جانا اور میدان چھوڑ کر چلے جانا یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس سے پورے لشکر کے پاؤں اکھڑ سکتے تھے، ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن ابی کی یہ حرکت دشمن کے اشارہ پر ہو، لیکن صحابہ کرامؓ کے پائے ثبات میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ ان کے جذبات برانگیختہ اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہوئے۔ صرف دو ٹکڑیوں میں کچھ لغزش پیدا ہوئی۔ ایک ٹکڑی بنو سلمہ کی تھی جس کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا اور دوسری بنو حارثہ کی جس کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں کی دستگیری کی اور وہ پھر جم گئیں۔ چنانچہ قرآن حکیم اگر ان کا پردہ فاش نہ کرتا تو اس کا پتہ چلنا بھی مشکل تھا۔ فرمایا:

"جب تم میں سے دو جماعتوں نے ارادہ کیا کہ بزدلی اختیار کریں، اور اللہ ان کا ولی ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔" (۳ : ۱۲۲)

Marfat.com

چنانچہ سیدنا جابر بن عبداللہ جن کا تعلق بنو سلمہ سے تھا فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت ہمارے بارہ میں نازل ہوئی جس میں ہماری کمزوری ظاہر کی گئی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت اور مدد کا اظہار فرما کر ایک ایسی قابلِ فخر سند ہمیں عطا فرمادی کہ اب میرے لیے یہ خوشی کی بات نہیں ہے کہ یہ آیت ہمارے بارہ میں نہ نازل ہوتی۔ (کیونکہ یہ کمزوری اتنی باعث ندامت نہیں جتنی یہ سند قابلِ مسرت ہے)

(بخاری جلد ۲ ص ۶۵۴)

محمد ابن اسحاق کی روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی جب اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا تو انصار نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ کچھ یہودی ہمارے حلیف ہیں، ہمیں اجازت فرمائیں کہ ہم ان سے امداد کی اپیل کریں۔ امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۷)

اب باقی ماندہ لشکر کو لے کر جس کی تعداد اب صرف سات سو رہ گئی تھی آپ ؑ آگے بڑھے اور وادی کے آخری سرے پر واقع احد پہاڑ کی گھاٹی میں نزول فرمایا اور وہیں اپنے لشکر کا کیمپ لگوایا وہ اس طرح کہ سامنے مدینہ تھا اور عقب میں احد کا بلند و بالا پہاڑ اس طرح دشمن کا لشکر مسلمانوں اور مدینہ کے درمیان حد فاصل بن گیا۔

اسلامی لشکر کی صف بندی

یہاں سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے لشکر کی صف بندی فرمائی۔ جنگی نقطہ نگاہ سے لشکر کو کئی صفوں میں تقسیم فرمایا۔ ماہر تیر اندازوں کا ایک دستہ بھی منتخب فرمایا جو پچاس تیر اندازوں پر مشتمل تھا۔ اس دستہ کی کمان سیدنا عبداللہ بن جبیر بن نعمان انصاری دوسی بدری ؓ کے سپرد فرمائی اور انہیں وادی قناۃ کے جنوبی کنارے پر واقع ایک چھوٹی سے پہاڑی پر جو اسلامی لشکر کے کیمپ سے کوئی ڈیڑھ سو میٹر جنوب مشرق میں واقع تھی، تعینات فرمایا۔ اس دستہ کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم نے یہاں بیٹھ کر ہمارے عقب سے قریش کے حملہ کو روکنا ہے اور اگر ہم کو مشرکین پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر مشرکین کو ہم پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی اس جگہ سے سرک کر ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۴۲۶)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ؑ نے فرمایا: اگر پرندوں کو بھی ہمیں اچکتے ہوئے دیکھو تب بھی اس جگہ سے نہ ہٹنا یہاں تک کہ میں بلا بھیجوں۔

اور مسند احمد وغیرہ میں سیدنا ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ آپ ؑ نے فرمایا: تم لوگ اس جگہ کھڑے رہو اور پشت کی جانب سے ہماری حفاظت کرو۔ اگر ہم کو قتل ہوتے بھی دیکھو تو ہماری مدد کے لیے نہ آنا اور اگر غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھو تو اس میں شریک نہ ہونا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۷۰)

Marfat.com

فوج کا میمنہ اور میسرہ بھی مقرر فرمایا۔ کوہ احد سے حصار کا کام لیا۔ میمنہ پر سیدنا منذر بن عمروؓ کو مقرر فرمایا اور میسرہ پر سیدنا زبیر بن عوامؓ کو اور ان کا معاون سیدنا مقداد بن اسودؓ کو مقرر فرمایا۔ سیدنا زبیرؓ کو یہ مہم بھی سونپی گئی تھی کہ خالد بن ولید کے سواروں کی راہ روکے رکھنا۔ صف کے اگلے حصہ میں ان بہادر اور جانباز مسلمانوں کو رکھا گیا جن کی دلیری اور جانبازی کا شہرہ تھا۔

نوٹ غزوہ بدر میں تین سو تیرہ کا مقابلہ ۹۵۰ سے تھا یعنی وہاں ایک اور تین کی نسبت تھی۔ لیکن غزوہ احد میں سات سو کا مقابلہ ۳۲ سو سے تھا یعنی ایک اور پانچ کا مقابلہ تھا۔ دشمن کی فوج میں تین ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے تھے۔ لیکن مسلمانوں کا یہ سفر پاپیادہ ہوا تھا لہٰذا اونٹ تو ایک بھی نہیں تھا۔ گھوڑے ابن سعد کی روایت کے مطابق صرف دو تھے۔ (ابن سعد جلد ۳ ص ۳۲) اور ابن قیم کے مطابق پچاس تھے۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۹۲، فتح الباری جلد ۷ ص ۳۷۰) دشمن کی فوج میں سات سو زرہ پوش تھے اور ایک سو تیرانداز جب کہ اسلامی لشکر میں صرف ایک سو زرہ پوش تھے اور پچاس تیرانداز۔ اس وجہ سے یہ دفاعی منصوبہ بندی بڑی باریک بینی سے کی گئی۔ جس سے آپ کی عسکری عبقریت کا پتہ چلتا ہے۔ آپؐ نے لشکر کے لیے وہ مقام منتخب فرمایا جو فوجی نقطہ نگاہ سے میدان جنگ کا بہترین مقام تھا یعنی آپؐ نے کوہ احد کی بلندیوں کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور دایاں بازو مضبوط فرما لیا تھا اور بائیں بازو پر جنگ کے دوران جس درہ سے حملہ کا خطرہ تھا اسے تیراندازوں کے ذریعہ بند کر دیا۔ دشمن اگرچہ تین روز پہلے وہاں پہنچ چکا تھا لیکن آپؐ نے اپنی جنگی حکمت عملی اور بہترین صف بندی سے اپنے پڑاؤ کے لیے وہ جگہ متعین فرمائی جو فتح و شکست دونوں صورتوں میں مفید تھی۔ آپؐ نے دشمن کو ایک نشیبی مقام قبول کرنے پر مجبور کر دیا تاکہ اگر خدانخواستہ وہ غالب آ جائے تو فتح کا کوئی خاص فائدہ نہ اٹھا سکے اور اگر شکست کھا جائے تو تعاقب کرنے والی مسلمان فوج کی گرفت سے نہ بچ سکے۔ اور اپنے لیے ایک اونچی جگہ منتخب فرمائی کہ اگر خدانخواستہ شکست سے دوچار ہونا پڑے تو تعاقب کرنے والوں کی قید میں جانے کی بجائے کیمپ میں پناہ لی جا سکے اور دشمن کے کیمپ پر پیش قدمی کی صورت میں اسے شدید جانی نقصان پہنچ سکے اور مسلمانوں کی فتح کی صورت میں دشمن کا تعاقب کر کے اسے بھاری نقصان پہنچایا جا سکے۔

پھر لشکر میں جہاں جہاں کسی مجاہد کو کھڑا کیا گیا وہ اسی جگہ کے لیے موزوں ترین تھا۔ علم برداری لشکر میں ایک خاص اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ قریش میں یہ اعزاز بنی عبد الدار کے لیے مخصوص تھا۔ چنانچہ قریش کا لشکر جب مکہ سے چلا تو علم بنی عبد الدار کے آدمی کو دیا گیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی اس بات کا لحاظ رکھا۔ آپؐ نے پہلے مہاجرین کا پرچم سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو عنایت فرمایا تھا لیکن جب آپؐ کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان نے روایات قریش کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بنی عبد الدار کے فرد کو پرچم دیا ہے تو آپ نے بھی اسی خاندان کے ایک ممتاز مہاجر سیدنا مصعب بن عمیرؓ کو علم عطا فرمایا اور فرمایا: "ان کے مقابلہ میں ہم

پر زیادہ حق ہے کہ ہم وفا کریں۔" (نحن احق بالوفاء منھم)(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۰) اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ خاندانی احترامات کو باقی رکھنا بھی اسلام میں ضروری ہے ورنہ بعض دفعہ اس کے نتائج اچھے نہیں ہوتے اور لوگوں میں تشتت وافتراق کی آبیاری ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے آپؐ نے فتح مکہ کے روز سقایہ، رفادہ اور خانہ کعبہ کی کلید برداری کے مناصب جن جن خاندانوں کے سپرد تھے، ان سے یہ مناصب نہ چھینے بلکہ انہی کے سپرد رہنے دیئے، حالانکہ خانہ کعبہ کی کلید برداری کے منصب کے لیے آپؐ کے شفیق چچا سیدنا عباسؓ نے خواہش بھی کی، لیکن آپؐ نے اسی خاندان کو کلید عطا فرمادی جس کے پاس پہلے سے تھی۔

سیدنا مصعب بن عمیرؓ نے اس پرچم کا حق ادا کر دیا اور اس قوت وشدت سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ جب آپؓ شہید ہو گئے پھر سرکارِ دو عالم ﷺ نے وہ علم سیدنا علی ابن ابی طالبؓ کو عطا فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا زبیر بن عوامؓ کو زرہ پوش رسالے کا افسر مقرر کیا گیا اور سیدنا حمزہؓ کو ان مجاہدین کا کماندار مقرر فرمایا جو زرہ پوش نہ تھے۔

ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پاپیادہ گھوم کر صفیں قائم فرمائیں اور انہیں درست فرمایا حالانکہ آپؐ کے پاس آپؐ کا گھوڑا "سکب" موجود تھا۔ جسد اطہر پر دو زرہیں تھیں۔ سر مبارک پر مغفر اور اس کے اوپر خود تھا۔ شانہ اقدس پر ایک طرف تلوار کا پرتلہ تھا اور دوسری جانب کمان، پشت پر ترکش اور دست بیضاء میں نیزہ۔ لشکر کی یہ تربیت وتنظیم اور میدان جنگ میں صف بندی ۷ شوال سنہ ۳ھ ہفتہ کے دن عمل میں آئی اور اللہ کے پیغمبر نے میدان احد میں اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں لشکر کو یوں ترتیب دیا۔

جب صفیں مرتب ہو گئیں تو آپؐ نے اعلان فرمایا کہ جب تک میں حکم نہ دوں جنگ شروع نہ کی جائے۔ اب آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو پامردی اور ثابت قدمی کی تلقین فرمائی ان میں دلیری اور بہادری کی روح پھونکتے ہوئے ایک برہنہ تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا:

من یاخذ ھذا السیف بحقہ؟

"کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟"

پیغمبر اسلام کے منہ سے یہ کلمات سن کر کئی حضرات سعادت حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ جن میں سیدنا عمر ابن الخطابؓ، سیدنا علی بن ابی طالبؓ اور سیدنا زبیر بن عوامؓ بھی تھے۔ لیکن ایک صحابی سیدنا ابودجانہ سماک بن خرشہؓ نے آگے بڑھ کر عرض کی، اے اللہ کے رسول! اس تلوار کا حق کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "اس کا حق یہ ہے کہ اس سے خدا کے دشمنوں کو مارے یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے"۔

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: "اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان کو کبھی قتل نہ کرنا اور اس کو لے کر کبھی کسی کافر کے مقابلہ سے فرار نہ ہونا"۔

سیدنا ابو دجانہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ ؐ نے اسی وقت وہ تلوار سیدنا ابو دجانہؓ کو عطا فرمادی۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۸)

سیدنا ابو دجانہؓ بڑے جانباز آدمی تھے۔ لڑائی کے وقت اکثر ناز و انداز اور وجد و سکر کی خاص کیفیت ہوتی تھی۔ ان کے پاس ایک سرخ پٹی ہوتی تھی جب اس کو باندھ لیتے تو لوگ سمجھ لیتے کہ اب وہ موت تک لڑتے رہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے دست مبارک سے تلوار لی اور سر پر سرخ پٹی بھی باندھ لی۔

سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ اس تلوار کے ایک طرف شعر کندہ تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"بزدلی میں عار ہے اور آگے بڑھنے میں عزت ہے۔ انسان بزدلی کر کے تقدیر سے نجات حاصل نہیں کر سکتا"۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۴۶)

(بعض روایات میں ہے کہ سرخ عمامہ باندھا) اور فریقین کی صفوں کے درمیان اکڑ کر اور ناز و انداز سے چلنے لگے۔ اس موقع پر امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ چال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں لیکن اس جیسے موقع پر پسند ہے۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۲۸، انساب الاشراف جلد ۱ ص ۷ ۳۱۴ زاد المعاد جلد ۲ ص ۲۳۱)

قریش کے لشکر کی ترتیب و تنظیم

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قریش مکہ، مکہ سے ہی تین ہزار سے زائد کا لشکر لے کر چلے تھے، لیکن اس لشکر کو مدینہ سے بھی امداد مل گئی۔ مدینہ کا ایک مقبول عام شخص عمرو بن صیفی جو ابو عامر کے نام سے مشہور تھا اس کا زہد اور پارسائی اہلِ مدینہ کے ہاں مشہور تھی اور اس وجہ سے مدینہ کے بہت سے لوگ اس کو عزت و احترام سے دیکھتے تھے، لیکن جیسے ہی مدینہ کے لوگ اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے، اس شخص کے زہد کا بھانڈا چوراہے پر پھوٹ گیا اور لوگوں کو اس کے نمائشی زہد کی حقیقت کا پتہ چل گیا۔ چنانچہ وہ مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آباد ہو گیا۔ یہ ابو عامر بھی اپنی پارٹی کے ساتھ قریش کے لشکر میں شامل تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس کی وجہ سے قبیلہ اوس کے بھی پچاس آدمی قریش کے لشکر میں شریک تھے۔

قریش کے لشکر کا سپہ سالار اعظم ابو سفیان بن حرب تھا۔ اس نے معمول کے مطابق اپنے لشکر کی صف بندی کی۔ لشکر کے قلب پر اپنا مرکز بنایا۔ میمنہ کا افسر خالد بن ولید کو بنایا اور میسرہ پر ابو جہل کے بیٹے

Marfat.com

عکرمہ کو مقرر کیا- پیدل فوج کی کمان صفوان بن امیہ کے پاس تھی جو قریش کا مشہور رئیس اور امیہ بن خلف کا بیٹا تھا- تیراندازوں کے دستوں پر عبداللہ بن ربیعہ کو مقرر کیا-

لشکر کی علم برداری ایک خاص اعزاز تھا- یہ منصب نہایت خطرناک اور ایثار طلب تھا کیونکہ علم فتح و شکست کا نشان سمجھا جاتا تھا- جیسے ہی جھنڈا سرنگوں ہوتا تھا فوج کے پاؤں اکھڑ جاتے تھے اور وہ فرار ہو کر اپنی جان بچاتی تھی- قریش میں جب عبد مناف نے قصی سے وراثت میں پائے ہوئے منصبوں کو تقسیم کیا تھا تو علم برداری کا منصب بنو عبدالدار کے سپرد کیا تھا- بدر میں بھی اسی خاندان کے سپرد قریش کا پرچم تھا- بدر میں جس شخص کے پاس پرچم تھا اس کا نام نضر بن حارث تھا- وہ گرفتار ہو گیا تو قریش کو بہت سخت حالات سے دوچار ہونا پڑا- چنانچہ اس جنگ میں ابو سفیان نے ان کو علم سپرد کرتے وقت ان سے عہد لینے کے لیے کہا:

"بدر میں جو کچھ ہونا تھا ہو چکا- اس وقت اگر آپ کے بہادر تیار ہیں کہ اس علم کی عظمت و رفعت برقرار رکھنے کے لیے اپنی جانوں کی پروانہ کریں تو بے شک اس لشکر کی علم برداری آپ کا حق ہے، اس حق کو حاصل کیجئے اور اگر یہ ہمت اور جرأت نہ ہو تو ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنی جانوں کی قیمت پر اس کی عظمت و عزت برقرار رکھیں- وجہ اس کی یہ ہے کہ بدر کے روز آپ لوگوں نے ہمارا جھنڈا لے رکھا تھا تو ہمیں جن حالات سے دوچار ہونا پڑا اس سے آپ لوگ بخوبی آشنا ہیں- دراصل فوج پر علم ہی کی طرف سے زد پڑتی ہے- جب پرچم گرتا ہے تو فوج کے قدم اکھڑ جاتے ہیں-"

بنی عبدالدار نے جب قائد لشکر ابو سفیان کے یہ طنز آمیز ریمارکس سنے تو بھڑک اٹھے- انہوں نے دھمکیاں دیں- معلوم ہوتا تھا کہ اس پر پل پڑیں گے- چنانچہ انہوں نے اسی غصہ اور جوش میں ابو سفیان کو جواب دیا:

"یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ہم اپنے خاندانی اعزاز کو آپ کے حوالہ کر دیں- ہم موت سے جان چرانے والے نہیں بلکہ موت سے کھیل جانے والے ہیں- پرچم ہمارے حوالے کیجئے اور کل جب دشمن سے ٹکر ہو گی تو دیکھ لینا کہ ہم کیا کرتے ہیں-"

ابو سفیان کا مقصد بھی اپنے ان ریمارکس سے یہی تھا اور وہ ان کے منہ سے یہی کہلوانا چاہتا تھا- چنانچہ اس نے علم بنی عبدالدار کے نمائندہ طلحہ بن ابی طلحہ کے سپرد کر دیا- ان لوگوں نے میدان احد میں قربانی کی ایک مثال پیش کر دی- اس خاندان کے سات آدمی یکے بعد دیگرے اس پرچم کے لیے قربان ہوئے- (ابن ہشام جلد ۲ ص ۷۷، طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۸، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۶)

Marfat.com

آغازِ جنگ

اب دونوں طرف سے صف بندی ہو چکی تھی اور ایک اشارہ کی ضرورت تھی کہ جنگ شروع ہو جائے۔ اتنے میں دیکھا گیا کہ قریش کی عورتیں جنگ میں اپنا پارٹ ادا کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ وہ دف پر اشعار پڑھ رہی تھیں جو کشتگان بدر کے انتقام اور مقتولین کے رجز پر مشتمل تھے۔ یہ کل چودہ عورتیں تھیں اور ان کی قیادت قائد لشکر ابو سفیان کی اہلیہ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ کر رہی تھی۔ یہ عورتیں صفوں میں گھوم گھوم کر اور دف پیٹ پیٹ کر لشکریوں کو جوش دلا رہی تھیں اور شمشیر زنی، تیر افگنی اور مار دھاڑ کے لیے فوجیوں کے جذبات کو برانگیختہ کر رہی تھیں۔ کبھی وہ لشکر کے علم برداروں کو مخاطب کر کے کہتیں:

"شاباش بنو عبد الدار، شاباش جو پیٹھ کے پاسدار ہیں، جو تیز تلواروں سے بھرپور ضرب لگاتے ہیں"۔

اور کبھی فوجیوں کو ان اشعار سے جوش دلاتیں۔

نحن بنات طارق   نمشی علی النمارق
ان تقبلوا نعانق   ان تدبروا نفارق
فراق غیر وامق

ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں، ہم قالینوں پر چلتی ہیں۔
اگر تم آگے بڑھو گے تو تمہیں گلے لگائیں گی، اگر پیٹھ دکھاؤ گے تو تمہیں چھوڑ دیں گی۔
تم سے ایسی الگ ہوں گی جس میں محبت کا نام و نشان نہ ہو گا۔

یہ خواتین پیچھے ہٹیں تو سب سے پہلے ابو عامر فاسق اپنے نمائشی زہد و پارسائی کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے نمودار ہوا۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ اس کا نام عبد عمرو بن صیفی تھا اور اس کے نمائشی زہد و پارسائی کی وجہ سے اسے "راہب" کہا جاتا تھا لیکن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام "فاسق" رکھ دیا تھا۔ اس نے قریش کو یقین دلایا تھا کہ میری قوم اوس کے لوگ جب مجھے دیکھیں گے تو محمد ﷺ کو چھوڑ کر میرے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنے ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ آیا تھا۔ چنانچہ یہ سب سے پہلا شخص تھا جو میدان جنگ میں آیا اس نے میدان میں آ کر اپنی قوم کو پکارا: مجھے پہچانتے ہو؟ میں ابو عامر ہوں۔ انصار نے جواب دیا: او فاسق! او نمائشی زاہد و راہب! ہم تمہیں بخوبی جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تیری آنکھ کو ٹھنڈا نہ کرے۔ ابو عامر نے یہ خلاف توقع جواب سنا تو کہنے لگا: "میرے بعد میری قوم کا مزاج بگڑ گیا ہے۔ پھر اس نے اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں پر پتھراؤ شروع کر دیا لیکن مسلمانوں نے

Marfat.com

اینٹ کا جواب پتھر سے دیا اور تھوڑی ہی دیر میں اس کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۸، زرقانی جلد ۲ ص ۳۰، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۶، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۶، ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۷)

اب باقاعدہ جنگ کا آغاز ہو گیا۔ اب قریش کا علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور مسلمانوں کو للکارا۔ یہ شخص قریش کا بڑا بہادر شہ سوار تھا اور مسلمان اس کو کبش الکتیبہ (لشکر کا مینڈھا) کہتے تھے۔ یہ اونٹ پر سوار ہو کر نکلا اور مسلمانوں کو دعوت مبازرت دی اور کہا کہ اے محمد (ﷺ) کے ساتھیو! تمہارا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری تلواروں سے جلدی جہنم میں پہنچاتا ہے اور ہماری تلواروں سے تم کو جنت میں جلد پہنچاتا ہے۔ لہٰذا کیا تم میں کوئی ہے۔ جس کو میری تلوار جنت یا اس کی تلوار مجھے جہنم میں پہنچائے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۴۷)

یہ سنتے ہی سیدنا علیؓ آگے بڑھے اور تلوار کا ایک ہی وار ایسا کیا کہ اس کا پیر کٹ گیا اور وہ منہ کے بل گرا اور اس کا ستر کھل گیا۔ سیدنا علیؓ شرما کر پیچھے ہٹ گئے۔ حضور ﷺ نے پیچھے ہٹنے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ مجھ کو اس کے ستر کھل جانے سے شرم آ گئی۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ عمامہ کو چیرتی ہوئی گردن تک پہنچ گئی اور وہ جہنم رسید ہو گیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اور مسلمانوں نے کلمہ تکبیر کہا اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں جو کبش الکتیبہ دیکھا تھا وہ یہی تھا جو پہلے ہی ذبح کر دیا گیا ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۸)

سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ اس کو سیدنا زبیرؓ نے قتل کیا تھا۔ جونہی اس نے دعوت مبارزت دی، سیدنا زبیرؓ آگے بڑھے اور چشم زدن میں شیر کی طرح جست لگا کر اونٹ پر جا چڑھے اور اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کود گئے اور اسے ذبح کر دیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرط مسرت سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پھر آپؐ نے سیدنا زبیرؓ کی تحسین فرمائی اور فرمایا: ''ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیرؓ ہے''۔

(سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۴۷، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۰)

قریش کے اس علم بردار کا قتل ان کے لیے کوئی اچھا شگون نہ تھا۔ اب طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے علم سنبھالا اور یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں نکلا۔

''علم بردار کا یہ فرض ہے کہ اپنے نیزے کو دشمن کے خون سے رنگین کر دے، یا پھر وہ نیزہ ٹوٹ جائے''۔

اس کا یہ رجز سن کر سیدنا حمزہ بن عبد المطلبؓ فوراً آگے بڑھے اور کاندھے پر ایسی تلوار ماری کہ کاندھے کو کاٹتی اور جسم کو چیرتی ہوئی ناف تک جا پہنچی۔ پیٹ چاک ہو گیا۔ تمام انتڑیاں باہر نکل آئیں۔

Marfat.com

ساتھ ہی سیدنا حمزہؓ کی زبان سے یہ نکلا۔ انا ابن ساقی الحجیج۔ میں ساقی حجاج کا بیٹا ہوں۔

(طبقات جلد ۳ ص ۲۸)

طلحہ اور عثمان کے بعد ان کے تیسرے بھائی ابو سعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور دعوت مبارزت دی تو سیدنا سعد بن ابی وقاص نے اس کو تاک کر ایسا تیر مارا جو اس کے چہرہ اور گردن میں پیوست ہو گیا اور ابو سعد کی زبان باہر نکل آئی۔ پھر آگے بڑھ کر تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

ابو سعد کے قتل کے بعد بنو عبد الدار نے پھر بھی علم نیچے نہ گرنے دیا اور طلحہ کے بیٹے مسافع بن طلحہ نے بڑھ کر علم کو سنبھالا، لیکن ابھی سنبھالنے بھی نہ پایا تھا کہ سیدنا عاصم بن ثابت بن ابی افلحؓ نے تیر مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔

مسافع کے بعد اس کے بھائی کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ نے علم اٹھایا لیکن اس کو سیدنا زبیر بن عوامؓ نے قتل کر دیا۔ پھر طلحہ کے تیسرے بیٹے جلاس بن طلحہ نے علم ہاتھ میں لیا مگر اس کو بھی فوراً سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

خاص طلحہ کے گھر کے چھ افراد یکے بعد دیگرے اس علم پر اپنی جان نثار کر چکے تو اب بنی عبد الدار کے ایک اور شخص ارطاۃ بن شرحبیل نے آگے بڑھ کر علم تھاما لیکن سیدنا علیؓ اور ایک روایت کے مطابق سیدنا حمزہؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ ارطاۃ کے قتل کے بعد اب شریح بن قارظ نے علم لیا لیکن اسے قزمان نے قتل کر دیا۔ قزمان منافق تھا اور اسلام کے بجائے قبائلی حمیت کے جوش میں مسلمانوں کے ہمراہ لڑنے آیا تھا۔ شریح کے بعد ابو زید عمرو بن عبد مناف عبدری نے علم سنبھالا، لیکن اسے قزمان نے قتل کر دیا۔ پھر شرحبیل بن ہاشم عبدری کے ایک لڑکے نے علم اٹھایا مگر وہ بھی قزمان کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

بنو عبد الدار کے دس افراد اس علم کی خاطر قتل ہوئے۔ اب اس قبیلے کا کوئی آدمی علم اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن اب ابو طلحہ کے ایک غلام نے جس کا نام صواب تھا علم اٹھا لیا اور ایسی بہادری اور جوانمردی سے لڑا کہ اپنے آقاؤں سے بھی بازی لے گیا۔ یہ شخص یہاں تک لڑا کہ اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے لیکن اس کے بعد بھی اس نے علم نہ گرنے دیا، بلکہ گھٹنے کے بل بیٹھ کر سینے اور گردن کی مدد سے علم کو کھڑے کیے رکھا لیکن پھر وہ بھی تہ تیغ کر دیا گیا۔ روایت میں آتا ہے کہ مرنے کے وقت وہ کہہ رہا تھا: "اے اللہ! اب تو میں نے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔"

اب غلام "صواب" کے قتل کے بعد وہ علم متاع بے مایہ بن کر زمین پر گر گیا اور اس کو کوئی اٹھانے والا نہ رہا لہٰذا وہ اب گرا ہی رہا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۸، ۲۹، زرقانی جلد ۲ ص ۳۱، سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۷۸)

Marfat.com

عام جنگ

ایک طرف قریش کے علم بردار، ایک ایک کر کے کٹ رہے تھے دوسری طرف شدید جنگ جاری تھی۔ مسلمانوں کی صفوں پر ایمان کی روح چھائی ہوئی تھی۔ شہادت کا ایک وجد طاری تھا۔ ہر شخص دشمن پر اس طرح حملہ آور تھا جیسے باز چڑیوں پر حملہ کرتا ہے۔ قریش کی تعداد اگرچہ مسلمانوں سے پانچ گنا زیادہ تھی لیکن اس بات سے بے خبر وہ بھوکے بازوں کی طرح دشمن پر جھپٹ جھپٹ کر حملہ آور ہو رہے تھے۔ ہر شخص کے دل میں "غازی یا شہید" کا جذبہ موجزن تھا۔ ایک عجیب کیفیت کے ساتھ وہ دشمنوں سے نبرد آزما تھے۔ سیدنا ابو دجانہؓ کو امام الانبیاء ﷺ نے ایک تلوار مرحمت فرمائی تھی جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے وہ سر پر سرخ رومال باندھے دشمن کی صفوں کو الٹ پلٹ کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ جو مشرک بھی اس تلوار کی زد میں آجاتا بس وہیں کھیت ہو جاتا۔ اس تلوار کے حق کی ادائیگی کا عزم صمیم کیے ہوئے دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے دور تک چلے گئے۔

سیدنا زبیر بن عوامؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے جب یہ تلوار دینا چاہی تو میں نے بھی ہاتھ بڑھایا، لیکن حضور ﷺ نے وہ تلوار سیدنا ابو دجانہؓ کو مرحمت فرما دی۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ میں قریش کا مشہور شمشیر زن ہوں۔ حضور ﷺ سے رشتہ بھی نہایت قریب کا ہے۔ میری والدہ آپ کی پھوپھی بھی ہیں۔ قریشی ہوں، مہاجر ہوں، میں نے ابو دجانہؓ سے پہلے تلوار مانگی تھی۔ پھر بھی آپؐ نے مجھے تلوار عطا نہیں فرمائی اور میرے مقابلہ میں سرکارِ مدینہ ﷺ نے ابو دجانہؓ کی درخواست کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ یقیناً کوئی بات ہے۔ جس کی وجہ سے حضور ﷺ نے ابو دجانہ کو مجھ پر ترجیح دی۔ اب مجھے ابو دجانہؓ کا پیچھا کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ میں ان کے پیچھے ہو لیا دیکھا کہ ابو دجانہؓ نے ایک سرخ پٹی نکالی اور اس کو سر پر باندھ لیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ "عصابۃ الموت" (موت کی پٹی) ہے جب ابو دجانہؓ مرنے مارنے کی ٹھان لیتے ہیں تب یہ پٹی باندھا کرتے ہیں۔ بہادرانہ ولولہ کا اثر رفتار میں بھی تھا اور گفتار میں بھی۔ رجز پڑھ کر دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رجز کا ترجمہ یہ تھا:

> "میں نے اس نخلستان کے دامن میں اپنے حبیب (ﷺ) سے عہد کیا ہے کہ میں کبھی صفوں کے پیچھے نہ رہوں گا اور اللہ اور اس کی تلوار سے اس کے دشمنوں کو مارتا رہوں گا۔"

وہ فوجیوں کو چیرتے اور لاشوں پر لاشے گراتے چلے جا رہے تھے جو بھی ملتا ان کی تلوار کا لقمہ اجل بن جاتا۔ ادھر مشرکین میں ایک شخص ہمارے جس زخمی کو پاتا اس کو ڈھیر کر دیتا تھا۔ یہ دونوں رفتہ رفتہ قریب ہو رہے تھے۔ میں نے دل میں دعا کی کہ دونوں میں ٹکر ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر ایک وار کیا۔ لیکن دوسرے ہی وار میں ابو دجانہؓ نے دشمن کو قتل کر دیا۔

Marfat.com

ابو دجانہؓ پر ایک وجد کی حالت طاری تھی۔ مشرکین کے لشکر میں ایک کھلبلی مچا رکھی تھی۔ وہ ان کی تلوار سے بچنے میں اپنی عافیت سمجھ رہے تھے۔ وہ صفیں درہم برہم کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے کہ اچانک ابوسفیان کی بیوی "ہند" سامنے آ گئی۔ انہیں معلوم نہ ہوا کہ یہ عورت ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے ایک فرد کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو زور و شور دلا رہا ہے' اس لیے میں نے اس کو نشانے پر لے لیا' مگر جیسے ہی احساس ہوا کہ یہ ایک عورت ہے' تلوار روک لی کہ "رسول اللہ ﷺ کی تلوار کی یہ شان نہیں کہ کسی عورت پر آزمائی جائے"۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۷۰)

سیدنا زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو دجانہؓ کو دیکھا کہ ہند بنت عتبہ کے سر کے درمیان تلوار بلند کی اور پھر ہٹالی۔ میں نے کہا: "اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں"۔

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۷' سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۹' سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۴۹' زرقانی جلد ۲ ص ۲۹' البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۶)

سیدنا حمزہؓ کی شہادت

سیدنا حمزہؓ اللہ اور اس کے رسول کے شیر' دو دستی تلوار چلاتے جاتے تھے۔ جدھر کا رخ کرتے دشمنوں کی صفوں میں بھگدڑ مچا دیتے۔ قریش کا علم بردار عثمان بن ابی طلحہ ان کی تلوار کا لقمہ اجل بن چکا تھا۔ اسی حالت میں سباع بن عبد العزیٰ غبشانی ان کی تلوار کے سامنے آ گیا۔ زور سے پکارے او مقطعہ البظور۔ (عرب کی لڑکیوں کی ختنہ کرائی جاتی تھی اور اس کی ماں بھی یہی پیشہ کیا کرتی تھی اس لیے اس لفظ سے خطاب کیا) کے بچے کہاں جاتا ہے۔ یہ کہہ کر ایسی تلوار ماری کہ اسے افسانہ ماضی بنا دیا۔

سیدنا حمزہؓ جیسے ہی سباع بن عبد العزیٰ کو پچھاڑ کر پلٹے تو وحشی بن حرب نے ایک چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا ایک خاص ہتھیار ہوتا ہے' سیدنا حمزہؓ کو تاک کر اس زور سے مارا کہ ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ سیدنا حمزہؓ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرما گئے۔

اس حبشی نے آپؓ کو کیوں شہید کیا؟ اس کی ان سے کیا دشمنی تھی؟ اس کے بارہ میں خود وحشی کا بیان ہے کہ میں جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ اس کا چچا طعیمہ بن عدی جنگ بدر میں سیدنا حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ جب قریش جنگ احد پر روانہ ہونے لگے تو جبیر بن مطعم نے مجھ سے کہا کہ "اگر تم محمد ﷺ کے چچا حمزہؓ کو میرے چچا کے بدلے میں قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔"

وحشی بن حرب کا بیان ہے کہ میں بھی اس پیش کش کے نتیجے میں قریش کے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ میں دوسرے حبشیوں کی طرح حربہ پھینکنے میں نہایت ماہر تھا۔ میرا نشانہ کم ہی چوکتا تھا۔ جب عام

Marfat.com

جنگ چھڑ گئی تو میری نگاہیں حمزہؓ کو تلاش کرنے لگیں۔ آخر کار میں نے انہیں لوگوں کے ہجوم میں دیکھ لیا۔ وہ لوگوں کو درہم برہم کرتے جا رہے تھے۔ ان کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر رہی تھی۔ میں ان پر وار کرنے کے لیے تیار ہو رہا تھا، ایک درخت یا پتھر کی اوٹ میں چھپ کر انہیں قریب آنے کا موقع دے رہا تھا کہ اتنے میں سباع بن عبدالعزیٰ مجھ سے آگے بڑھ کر ان کے پاس جا پہنچا اور ان کی تیغ آبدار کا لقمہ بن گیا۔ آپؓ نے اسے اس زور سے تلوار ماری کہ گویا اس کا سر تھا ہی نہیں۔

وحشی کا بیان ہے کہ میں نے اس کے ساتھ ہی اپنا نیزہ اس زور سے انہیں مارا کہ ان کی ناف کے نیچے لگا اور دونوں پاؤں کے درمیان سے پار ہو گیا۔ انہوں نے مجھے پکڑنا چاہا لیکن وہ نڈھال ہو کر گر پڑے۔ میں نے انہیں اسی حال میں چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس کے بعد میں نے ان کے پاس جا کر اپنا نیزہ نکال لیا۔ اب میں لشکر میں واپس جا کر بیٹھ گیا کیونکہ میرا کام ختم ہو گیا تھا۔ مجھے اس کے سوا اور کسی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ میں نے انہیں صرف اپنی آزادی کے لیے قتل کیا تھا چنانچہ جب میں مکہ آیا تو مجھے آزادی مل گئی۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۷۲، بخاری جلد ۲ ص ۵۸۳، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۸۲)

فتح مکہ کے بعد وفد طائف کے ساتھ وحشیؓ بن حرب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ لوگوں نے اسے دیکھ کر عرض کی "یارسول اللہ! یہ وحشی ہے جو آپؐ کے عم محترم سیدنا حمزہؓ کا قاتل ہے"۔ رحمت عالم ﷺ نے جواب دیا:

"اس کو چھوڑ دو۔ ایک شخص کا مسلمان ہونا میرے نزدیک ہزار قاتلوں کے قتل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔"

وحشی نے اسلام قبول کر لیا۔ آپؐ نے اسے فرمایا کہ جب میری مجلس میں آیا کرو تو اگر ہو سکے تو میرے سامنے نہ بیٹھا کرو کیونکہ تمہیں دیکھ کر مجھے میرا چچا حمزہؓ یاد آ جاتا ہے اور اس کے صدمہ کا زخم ہرا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وحشی جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بجائے سامنے بیٹھنے کے آپؐ کی پشت کے پیچھے بیٹھتے تھے۔ اور ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ اس جرم کا کوئی کفارہ ادا کروں۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں انہوں نے اسی نیزہ سے مسیلمہ کذاب کو مار کر جہنم رسید کیا۔ اس طرح ایک خیر الناس کے قتل کی شر الناس کے قتل سے مکافات کی۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۸۴، ابن ہشام جلد ۲ ص ۷۲-۷۳)

غسیل الملائکہ

ان جان فروش مجاہدین میں جنہوں نے صفحہ دہر پر بہادری اور پامردی کے نقش ثبت کیے، ایک سیدنا حنظلہ بھی تھے جنہیں "غسیل الملائکہ" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ابو عامر راہب جو اسی میدان احد میں

Marfat.com

سب سے پہلے میدان میں آیا تھا اور جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے، کے بیٹے تھے۔ قدرت خداوندی کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ باپ فاسق اور بیٹا غسیل الملائکہ، باپ کافر اور بیٹا مجاہد۔

سیدنا حنظلہ نوجوان مجاہد تھے۔ ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی، بیوی سے ہم آغوش تھے کہ جنگ کی منادی ہوئی۔ آواز سنتے ہی آغوش سے نکل کر میدان جہاد میں چلے آئے۔ میدان جنگ میں باپ جب سب سے پہلے آیا تو سرکارِ دو عالم ﷺ سے باپ پر حملہ کے لیے اجازت چاہی لیکن رحمت عالم ﷺ نے اجازت نہ دی کیونکہ آپؐ نے گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۶۶) جب لڑائی کی آگ ہر طرف بھڑک اٹھی تو آپ صفوں کو چیرتے ہوئے مشرکین کے قائد اور سپہ سالار ابو سفیان تک جا پہنچے اور قریب تھا کہ ان کی تلوار ابو سفیان کو افسانہ ماضی بنا دیتی۔ دفعتاً شداد ابن اسود نے جھپٹ کر سیدنا حنظلہ پر حملہ کر کے ان کو شہید کر دیا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ حنظلہ کو ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں"۔ بیوی سے پوچھا گیا تو پتہ چلا کہ حالت جنابت ہی میں جہاد کے لیے میدان جنگ میں آ گئے تھے، غسل کا موقع نہیں ملا تھا۔ (خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۲۱۶)

ایک روایت میں ہے کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد جب ان کی لاش تلاش کی گئی تو سر سے پانی ٹپکتا ہوا پایا گیا۔ (روض الانف سہیلی جلد ۱ ص ۱۴۳، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۱)

عمرو بن الجموحؓ کا شوق شہادت

سیدنا عمرو بن الجموحؓ لنگڑے تھے۔ اس وجہ سے ان کا چلنا پھرنا مشکل تھا۔ ان کے چار صاحبزادے تھے جو شیر کی طرح بہادر تھے۔ غزوہ احد کے موقع پر بچوں نے انہیں منع کیا کہ آپ معذور ہیں لہٰذا جنگ میں تشریف نہ لے جائیں بلکہ گھر پر ہی رہیں۔ لیکن ان کے قلب میں شہادت کا جذبہ جوش مار رہا تھا۔ فوراً حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اگرچہ لنگڑا ہوں لیکن آپؐ پر قربان ہونے کے لیے تو میدان جہاد میں جا سکتا ہوں۔ کیا پتہ کہ اپنے اسی لنگڑے پاؤں سے جنت میں پہنچ جاؤں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں تو یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جہاد فرض ہی نہیں کیا کیونکہ آپ معذور ہیں، لیکن ان کے صاحبزادوں سے فرمایا کہ بڑے میاں اگر شوق پورا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کیوں روکتے ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے اس فرمانے کے بعد بھی ان سے نہ رہا گیا اور شوق شہادت کی تکمیل کی۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۹۰)

بنی عبد الاشہل کا ایک نوجوان عمرو بن ثابت جس کو "اصیرم" کہا کرتے تھے۔ اس کے سامنے اسلام کا تذکرہ ہوا تو اس نے دعوت اسلام کو قبول نہ کیا۔ اس کے قبیلہ کے لوگ مشرکین کے لشکر کے

Marfat.com

ساتھ میدان احد میں آئے اور یہ اکیلا ہی اپنے قبیلہ میں رہ گیا۔ جس روز یہ جنگ ہوئی، خدا جانے کیا ہوا اس کے دل میں ایک جذبہ ابھرا۔ اس نے اسلام کی دعوت پر لبیک کہہ کر میدان احد کا رخ کر لیا۔ یہاں آ کر دیکھا کہ زور کا رن پڑا ہوا ہے۔ وہ بھی تلوار لے کر دشمنان اسلام کے مقابلہ میں نکلا۔ کئی کافروں کا مارا۔ بالآخر خود زخمی ہو کر گر پڑا۔ قبیلہ کے لوگوں نے دیکھا کہ زخموں سے چور دم توڑ رہا ہے۔ قبیلہ کے لوگوں نے پوچھا: میدان میں کیوں آئے؟ کب آئے؟ ہماری حمایت میں آئے یا مسلمانوں کی حمایت میں؟ جواب دیا کہ میں مسلمان ہو کر اور سرکارِ دو عالم ﷺ کا فدائی اور جان نثار بن کر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر رہا ہوں۔ چنانچہ وہ شہید ہو گئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: "یہ جنتی ہے۔" (انہ لمن اھل الجنہ)

سیدنا ابو ہریرہؓ لوگوں سے ایک دلچسپ سوال کیا کرتے تھے کہ ایسے شخص کا نام بتاؤ جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور جنت میں پہنچ گیا۔ لوگ پوچھتے کہ وہ کون ہے؟ فرماتے "اصیرم" عمرو بن ثابتؓ۔

(ابن ہشام جلد ۲ ص ۹۰۔ البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۷)

بہترین یہودی

بنو ثعلبہ بن غیطون کا ایک یہودی مخریقؓ اپنے قبیلے کا ایک اچھا اور مشہور آدمی تھا۔ مشرکین مکہ کی مسلمانوں سے یہ جنگ ہوئی تو اس میں بھی جوش پیدا ہو گیا۔ اس نے اپنے قبیلہ کے یہودیوں کو کہا: تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد ﷺ کی امداد و اعانت ہم سب پر لازم ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ آج ہفتہ کا دن ہے۔ اس دن جنگ درست نہیں۔ مخریق نے کہا کہ جب حق کی مدد ضروری ہے تو پھر دن کی کوئی پابندی نہیں۔ یہودیوں کی طرف سے انکار سن کر وہ اکیلا ہی تلوار لے کر گیا اور ساتھیوں سے کہہ گیا کہ اگر میں جنگ میں مارا جاؤں تو میرا تمام ترکہ محمد ﷺ کو دے دینا۔ میدان جنگ میں جا کر مارا گیا۔ پھر اس کی تمام جائیداد سرکارِ دو عالم کے حوالے کر دی گئی۔ یہ سات باغ تھے۔ امام الانبیاء ﷺ نے ان سب کو وقف فرما دیا اور فرمایا: "مخریق یہودیوں میں سب سے بہتر تھا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۶، ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۸۔۸۹)

تیراندازوں کی بہادری

پہاڑ کے جس درہ پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے عبداللہ بن جبیرؓ کی زیر کمان جن پچاس تیراندازوں کو متعین فرمایا تھا انہوں نے اپنی بہادری کے پورے پورے جوہر دکھائے۔ انہوں نے بھی مشرکین کی ہزیمت میں اپنا اہم پارٹ ادا کیا۔ مکہ کے شہ سواروں نے خالد بن ولید کی زیر قیادت اور ابو عامر فاسق کی

Marfat.com

مدد سے اسلامی فوج کا میسرہ توڑ کر مسلمانوں کی پشت تک پہنچنے کے لیے تین دفعہ پر زور حملے کیے لیکن درہ پر متعین تیراندازوں نے انہیں اس طرح تیروں کی بارش سے چھلنی کر دیا اور ان کے تینوں حملے اس بری طرح ناکام کر دیے کہ انہیں پھر ادھر سے حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

مجاہدین اسلام سیدنا ابو بکر صدیقؓ، سیدنا عمرؓ سیدنا زبیرؓ سیدنا طلحہؓ سیدنا مصعب بن عمیرؓ سیدنا عبداللہ بن جحشؓ سیدنا سعد بن معاذؓ سیدنا سعد بن عبادہؓ سیدنا سعد بن ربیعؓ، سیدنا حمزہؓ، سیدنا نضر بن انسؓ سیدنا حنظلہؓ اور سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہم نے میدان جنگ میں ایسی جوانمری اور پامردی اور جانبازی سے یہ لڑائی لڑی کہ مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ان کی ہمت جواب دے گئی۔ مسلمانوں کی تعداد اگرچہ سات سو تھی اور مشرکین کی تین ہزار۔ مشرکین کے پاس سواری اور اسلحہ بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھا لیکن ایمان و یقین کی دولت سے مشرکین یکسر محروم تھے جس کی وجہ سے اگرچہ انہوں نے بدلہ وانتقام اور غرور و وقار کی بحالی کے لیے نہایت پامردی اور بہادری کے ساتھ جنگ لڑی لیکن مسلمانوں کی روحانی اور معنوی طاقت کا وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ علماء نے لکھا ہے کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کی فتح ان کی حربی قابلیت کا وہ ناقابلِ انکار معجزہ ہے جس میں امام الانبیاء ﷺ کی جنگی مہارت کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ آپ ؐ نے مسلمانوں کے ایسے دستہ کو درہ کے ناکہ پر متعین فرمادیا جس کا ایک ایک فرد تیراندازی میں بے مثل تھا۔ علاوہ ازیں مشرکین کی کثرت کے مقابلہ میں مسلمانوں میں قلت کے باوجود جو سب سے بڑی طاقت تھی وہ تھی فکر صحیح، خدائے برتر پر ایمان و یقین کا عقیدہ۔ فکر صحیح اور اللہ تعالیٰ پر پختہ عقیدہ رکھنے والے لوگ اگر قلیل سے قلیل تعداد میں بھی ہوں تب بھی ان پر غالب آنا مشکل اور ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے سات سو مسلمانوں نے تین ہزار سے زائد مشرکین کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔

مسلمانوں کی جوانمردی اور مشرکین کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی وجہ سے دشمن کے علم بردار قتل ہو چکے، علم گر چکا، جتھے ٹوٹ گئے، میدان خالی ہو گیا۔ چنانچہ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مدد نازل فرمائی اور ان سے اپنا وعدہ پورا کیا اور مسلمانوں کی تلواروں نے مشرکین کے سروں کی ایسی فصل کاٹی کہ وہ کیمپ سے بھی پرے بھاگ گئے۔ مسلمان ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے خیموں تک پہنچ گئے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس صرف چند حضرات رہ گئے جو حفاظت کی غرض سے آپ ؐ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ ان کے والد سیدنا زبیر بن عوامؓ نے فرمایا: خدا کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھی عورتوں کی پنڈلیاں نظر آرہی تھیں۔ وہ کپڑے اٹھائے بھاگی جارہی تھیں۔ ان کی گرفتاری میں کوئی شے بھی حائل نہ تھی۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۷۷)

سیدنا براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ جب مشرکین مکہ سے ہماری مڈبھیڑ ہوئی تو مشرکین میں بھگدڑ

مچ گئی یہاں تک کہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے ہوئے تیزی سے بھاگ رہی تھیں اور ان کی پازیبیں دکھائی دے رہی تھیں۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۷۹)

کچھ مسلمان بھاگتے دشمن کے تعاقب میں تھے اور کچھ اس کا مال اکٹھا کر رہے تھے۔ دشمن کو کافی دور تک چھوڑ کر تعاقب کرنے والے بھی واپس آ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ایک خوفناک غلطی

عین اس وقت جب کہ اسلامی لشکر فتح و نصرت سے ہمکنار ہو کر دنیا کی تاریخ کے اوراق پر اپنی تابناک فتح کے نقش ثبت کر رہا تھا' درہ پر متعین تیر انداز دستہ کی اکثریت نے ایک ایسی خوفناک غلطی کی جس نے ان کی فتح کو شکست میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور اسلامی لشکر کو اتنا نقصان اور قائد اسلام کو اس قدر تکلیف پہنچی جو ناقابلِ بیان ہے اور مسلمانوں کی وہ ہیبت اور رو دبدبہ جو جنگ بدر کی فتح کے نتیجہ میں حاصل ہوا تھا کافی حد تک جاتا رہا۔

ہوا یہ کہ وہ پچاس تیر انداز جن کو جبل رماۃ پر متعین کیا گیا تھا' انہوں نے جب دشمن کے بھاگ جانے کے بعد میدان جنگ پر نظر ڈالی تو انہیں وہاں ایک عجیب نقشہ نظر آیا۔ دشمن کا علم فرش خاک پر گرا ہوا تھا اور اس کے ارد گرد علم برداروں کی لاشوں کا ڈھیر تھا۔ قریش کے بہادر اور سورما سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے اور مسلمان ان کے تعاقب میں تھے۔ میدان بالکل خالی تھا۔ جوش دلانے والی عورتیں بھی پہاڑوں اور ٹیلوں پر اپنی جانیں بچانے کے لیے چڑھی ہوئی تھیں۔ مسلمان دشمن کے اصطبل تک پہنچ چکے تھے اور فتح و کامیابی نے ان کے پاؤں چھو لیے تھے۔ تیر اندازوں کا دستہ اس نقشہ کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔

اس دستہ کی اکثریت نے جب دیکھا کہ مسلمان غنیم کا مال اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے ہیں اور اب فتح کے بارہ میں بالکل مطمئن ہیں تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہمیں بھی آگے بڑھ کر اس کام میں حصہ لینا چاہیے۔ کیونکہ اب ہم اس درہ کی ڈیوٹی سے فارغ ہیں وہ پیغمبر اسلام ﷺ کے اس تاکیدی فرمان کو بھول گئے جو سرکارِ مدینہ ﷺ نے انہیں یہاں مقرر کرتے وقت فرمایا تھا کہ جیتیں یا ہاریں تم اپنی جگہ پر رہنا۔ (ابنِ ہشام جلد ۲ ص ۶۵-۶۶) ہماری پشت کی جانب سے حفاظت کرنا۔ اگر دیکھو کہ ہم مارے جا رہے ہیں تو ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر دیکھو کہ ہم مال غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۰) امیر دستہ سیدنا عبداللہ بن جبیرؓ نے سمجھایا کہ ہمیں حضور ﷺ کی ہدایت پر عمل کرنا چاہیے اور اس درہ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک کہ حضور ﷺ کا واضح فرمان ہمیں نہ مل جائے، لیکن اکثریت کی رائے یہ تھی کہ اب یہاں ڈٹے رہنا بے معنی ہے۔ چنانچہ

Marfat.com

اکثریت نے اس درہ کو چھوڑ دیا اور نیچے آ کر مال غنیمت کو سمیٹنا شروع کر دیا۔ صرف چند حضرات جن کی تعداد نو بتائی جاتی ہے۔ عبداللہ بن جبیرؓ کے ساتھ یہاں رہے۔ قرآن حکیم نے ان کو بڑا خراج تحسین پیش کیا ہے:

منکم من یرید الاخرہ۔

"تم میں وہ بھی تھے جو آخرت کے خواہاں تھے۔"

صحابہ کرام کے درہ چھوڑنے والی یہ خوفناک غلطی کوئی پیغمبر اسلام کی نافرمانی کرنے کے لیے نہیں کی تھی۔ وہ اپنی سمجھ کے مطابق اپنی ڈیوٹی انجام دے چکے تھے اور مورچہ سے ہٹنے کے بعد بھی وہ جہاد میں مصروف تھے کیونکہ دشمن کو نقصان پہنچانے اور اس کو ذلیل کرنے کی ایک شکل یہ بھی تھی۔ اس وجہ سے مال غنیمت کی فراہمی اور اس کا سمیٹنا خود غرضی یا نفع اندوزی نہیں بلکہ یہ بھی جہاد فنڈ کے لیے ایک خدمت ہے۔ لیکن قرآن حکیم نے ان لوگوں کے بارہ میں جو ریمارکس دیئے وہ یہ تھے:

منکم من یرید الدنیا۔

"تم میں کچھ وہ بھی ہیں جو دنیا چاہتے ہیں۔"

کیونکہ اس کام کی ظاہری صورت ایسی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ دنیوی خواہش اس خوفناک غلطی کا سبب بنی ہے اور صحابہ کرامؓ کے دامن تقدس کے لیے یہ بھی زیب نہیں دیتا کہ دنیا طلبی کا ظاہری دھبہ بھی اس کی کسی شکن پر پڑے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے دلوں کی پاکیزگی نے سند معافی بھی حاصل کر لی کہ:

ولقد عفا عنکم، واللہ ذو فضل علی المومنین۔

"بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔"

درہ کا مورچہ چھوڑنے والے مجاہدین کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی بڑی خوفناک غلطی کر رہے ہیں۔ اور انہیں اس بات کا بھی اس وقت احساس نہیں تھا کہ دشمن کی فوج کو جو پانچ سو کلومیٹر سے لڑنے کے لیے آئی ہے، ایسے جرنیل بھی میسر ہیں جو اپنی عقابی نگاہوں سے تحت الثریٰ اور پاتال کی چیزیں بھی دیکھ لیتے ہیں۔ اور اپنی ماہرانہ جنگی تدبیروں سے اپنے حریف کی فتح کو شکست میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل دشمنوں کی فوج کے عقابی نظر رکھنے والے ماہر کمانڈر تھے۔ دوران جنگ بھی انہوں نے تین بار اس مورچہ پر حملہ کیا لیکن نقصان اٹھانا پڑا۔ قریشی لشکر کے بھاگتے ہوئے بھی خالد بن ولید نے اس مورچہ پر نظر ڈالی تو دیکھا یہ کمزور ہو چکا ہے۔ انہوں نے مورچہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور سواروں کے دستہ کے ساتھ پہاڑ کے پیچھے سے اس مورچہ پر حملہ کر دیا۔ صرف دس مجاہدین (ایک روایت کے مطابق سات) وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن کب تک۔ دشمن ان

Marfat.com

کی لاشوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھا اور روندتا ہوا منتشر مسلمانوں کے سروں پر پہنچ گیا جو دشمن کی آمد سے بے خبر اس کے مال کو اکٹھا کر رہے تھے۔

یہ دستہ شیرازہ بند تھا اور مسلمان منتشر اور پراگندہ حال، صفیں ٹوٹی ہوئی، پاپیادہ لیکن دشمن گھوڑوں پر سوار۔ دشمن کے اس دستہ نے ایسا یکبارگی حملہ کیا کہ مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ قریش کی ایک بہادر خاتون عمرہ بنت علقمہ نے زمین پر گرا ہوا جھنڈا اٹھا کر بلند کیا۔ میدان میں موجود تمام قریش اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور فوج کی بڑی تعداد جو بھاگی جا رہی تھی اس کو آواز دینے لگے۔ وہ بھی پلٹ کر اس جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی۔ پہلے مسلمان جتھہ بند تھے۔ صفیں اس طرح قائم کی گئی تھیں کہ ایک ناقابلِ تسخیر اور مضبوط حصار کی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ مگر اب مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ قلیل بھی تھے اور منتشر بھی۔ اور دشمن کی فوج میں بری طرح پھنسے ہوئے بھی۔ سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ جب یہ واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں پھنسا کر سمجھایا کرتے کہ مسلمان اس طرح مشرکین کی فوج کے جال میں پھنس گئے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۴)

دشمن جب واپس پلٹا تو اس کے اونٹوں اور گھوڑوں کے پاؤں سے ایسا گرد و غبار اٹھا کہ فضا مکدر ہو گئی۔ گرد و غبار کی اس کثرت نے نہ صرف چہروں کو مشتبہ کر دیا بلکہ فضا کو بھی اس قدر تاریک کر دیا کہ ایک دوسرے کی پہچان نہایت مشکل ہو گئی۔ چنانچہ اسی کشمکش میں سیدنا حذیفہؓ کے والد "یمان" خود مسلمانوں کے نرغہ میں آ گئے۔ ان پر تلواریں برس پڑیں۔ کوئی جانتا نہیں تھا کہ یہ کون ہیں؟ سیدنا حذیفہؓ چلائے کہ میرے والد ہیں، لیکن ان کی کسی نے نہ سنی اور یمان شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کو جب پتہ چلا کہ یہ مرنے والا سیدنا حذیفہؓ کے باپ تھے تو بہت نادم ہوئے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ سیدنا حذیفہؓ کو بھی شکایت کا موقع نہ تھا کیونکہ یہ کام افراتفری میں ہوا تھا۔ لہٰذا انہیں یہی کہنا پڑا:

یغفر اللہ لکم، وھو ارحم الراحمین۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے۔ وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔"

سرکارِ دو عالم ﷺ نے دیت دینے کا ارادہ فرمایا لیکن سیدنا حذیفہؓ نے دیت بھی معاف کر دی۔ سیدنا حذیفہؓ کے اس ایثار کو رسول اللہ ﷺ نے بہت پسند فرمایا۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۹۱، زرقانی جلد ۲ ص ۳۲، سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۷)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لیے مغالطہ کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ سیدنا یمانؓ کی میدان احد میں آمد خلاف توقع تھی۔ یہ بہت بوڑھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کو اور ثابت بن وقشؓ کو مدینہ طیبہ ہی میں عورتوں اور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ آئے تھے، مگر پھر بھی ان دونوں حضرات کو جہاد میں شرکت کا شوق پیدا ہوا۔ یہ دونوں مدینہ طیبہ سے میدان احد کی جانب روانہ ہوئے لیکن راستہ

وہ اختیار کیا جو مشرکین کے لشکر کی جانب سے آتا تھا۔ مسلمانوں کو اول تو ان کے آنے کی توقع نہیں تھی دوسرے ان کا آنا بھی مشرکین کے لشکر کی جانب سے ہوا تھا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۳، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۹۱، سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۷)

صحابہ کرامؓ جب غنیم کا مال سمیٹ رہے تھے، اس وقت سرکارِ دوعالم ﷺ صرف نو صحابہ (سات انصار اور دو مہاجر، مسلم جلد ۲ ص ۱۰۷) کے ساتھ پیچھے تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کی مال غنیمت کے سمیٹنے کی کارروائی دیکھ رہے تھے کہ آپ کو اچانک خالد بن ولید اور ان کے شہسوار آتے دکھائی دیئے۔ ایسے نازک وقت میں آپ کے سامنے صرف دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ آپؐ اپنے ان نو صحابہ کرامؓ کے ساتھ تیزی سے بھاگ کر کسی محفوظ جگہ پر چلے جائیں اور اپنے لشکر کو جو اب دشمن کے نرغہ میں آیا ہی چاہتا تھا، اس کے حال پر چھوڑ دیں اور دوسرا راستہ نہایت خطرناک تھا وہ یہ کہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اپنے صحابہ کرامؓ کو بلائیں اور ان کی ایک معتدبہ تعداد اپنے گرد جمع کر کے ایک مضبوط محاذ تشکیل دیں اور اس کے ذریعہ مشرکین کا حصار توڑ کر اپنے لشکر کو پہاڑ کی بلندی کی طرف لے جائیں اور اس طرح اپنی اور لشکر کی حفاظت کریں۔ اس نازک موقع پر آپؐ نے دوسرے راستے کو اپنایا اور اپنی عسکری عبقریت اور بے نظیر شجاعت کو بروئے کار لا کر اپنی جان بچا کر بھاگنے کے بجائے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر صحابہ کرامؓ کی جانوں کو بچانے کا فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ آپؐ نے جونہی خالد بن ولید اور ان کے شہ سواروں کو دیکھا تو اسی وقت صحابہ کرامؓ کو بلند آواز سے پکارا: "اللہ کے بندو! ادھر آؤ" حالانکہ آپؐ بخوبی جانتے تھے کہ یہ آواز مسلمانوں سے پہلے کافروں تک پہنچ جائے گی اور ہوا بھی یہی۔ چنانچہ جونہی رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اپنی طرف آنے کے لیے پکارا۔ مشرکین کو معلوم ہو گیا کہ محمد ﷺ کہاں ہیں۔ مسلمانوں کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے کافروں کا ایک دستہ حضور ﷺ تک پہنچ گیا اور دوسرے قریشی سواروں نے نہایت تیزی کے ساتھ مسلمانوں کے گرد محاصرہ کرنا شروع کر دیا تاکہ وہ اپنے سپہ سالار اعظم ﷺ کے گرد جمع ہو کر پھر کہیں مضبوط محاذ تشکیل نہ دے لیں۔

پیغمبرؐ دشمنوں کے نرغہ میں

پیغمبر اسلام ﷺ نے جب مسلمانوں کو پکارا تو وہ آواز کافروں نے بھی سنی اور چند مسلمانوں نے بھی اس کو سنا۔ مسلمانوں سے پہلے کفار اس نور الٰہی کو بجھانے کے لیے آگے بڑھے اور پیغمبر اسلام ﷺ پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن قمیئہ جو قریش کا مشہور پہلوان تھا، آپؐ کے اس قدر قریب پہنچ گیا کہ اس نے تلوار سے آپؐ پر حملہ کر دیا۔ اسلام کی بہادر ام عمارہ مازینہؓ سامنے آگئیں۔ تلوار ان کے شانے پر پڑی۔ زخم نہایت گہرا ہو گیا اور مندمل ہونے کے بعد بھی وہاں ایک گڑھا بن گیا۔ سیدہ ام عمارہؓ نے بھی تلوار کا

Marfat.com

جواب تلوار سے دیا، لیکن وہ زرہ پہنے ہوئے تھا لہٰذا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

محمد ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سیدہ ام عمارہؓ مشکیزہ لے کر پانی پلانے آئی تھیں۔ تلوار بھی ہاتھ میں تھی۔ جب میدان جنگ میں مسلمانوں کا یہ انتشار دیکھا تو یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پیغمبر اسلام ﷺ کی حفاظت کرنے لگیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ کی حفاظت کرتے ہوئے بارہ زخم آئے تھے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے تحسین و تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جب بھی دائیں بائیں نظر ڈالتا رہا، ام عمارہؓ کو دیکھتا رہا کہ وہ مقابلہ کر رہی ہیں۔ ان کے شوہر نامدار سیدنا زید بن عاصمؓ اور دو لختِ جگر خبیبؓ اور عبداللہ بھی اس معرکہ میں شریک تھے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ام عمارہؓ کی بہادری اور جانثاری دیکھ کر دعا دی رحمکم اللہ اھل البیت۔ یا فرمایا بارک اللہ فیکم اھل البیت۔ سیدہ ام عمارہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ یہ دعا فرمایئے کہ جنت میں آپؐ کی رفاقت میسر آئے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اللھم اجعلھم رفقائی فی الجنہ۔ سیدہ ام عمارہؓ نے یہ دعا سنی تو جھومنے لگیں اور فرمایا "اب دنیا کی کوئی مصیبت آئے مجھے پروا نہیں۔" (رضی اللہ عنہا)

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۱-۸۲، سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۵۵)

عبداللہ بن قمیئہ نے آپؐ کی دائیں جانب پسلیوں پر اس زور سے تلوار ماری کہ اگر دو آہنی زرہیں آپؐ کے جسم اطہر پر نہ ہوتیں تو بہت گہرا زخم ہو جاتا لیکن اب زرہوں کی وجہ سے زخم تو نہ ہوا لیکن دکھن قریباً ایک ماہ تک باقی رہی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۹، سیرۃ حلبیہ ۲ ص ۲۵۸) اس کے بعد اس نے پہلے کی طرح پھر ایک زوردار تلوار ماری جو آنکھ سے نیچے ابھری ہوئی ہڈی پر لگی اور اس کی وجہ سے خود کی دو کڑیاں چہرہ مبارک کے اندر دھنس گئیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کہا: "خذھا وانا ابن قمیئہ" اسے لے، میں قمیئہ (توڑنے والے) کا بیٹا ہوں۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے رخِ انور سے خون پونچھتے ہوئے فرمایا: "اللہ تجھے توڑ ڈالے۔" (اقماک اللہ)

اللہ تعالیٰ نے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا سن لی۔ چنانچہ ابن قمیئہ جنگ سے گھر واپس جانے کے بعد اپنی بکریاں دیکھنے کے لیے نکلا تو اسے یہ بکریاں پہاڑ کی چوٹی پر ملیں۔ یہ بے ایمان انہیں لینے کے لیے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا تو ایک پہاڑی بکرے نے حملہ کر دیا اور سینگ مار مار کر اس کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے پھینک دیا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۷۳)

طبرانی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کر دیا جس نے سینگ مار مار کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۶۶، زرقانی جلد ۲ ص ۴۸)

امام مسلم نے اپنی صحیح میں سیدنا انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ احد کے روز سرورِ کائنات ﷺ کے نو صحابہ کرامؓ جن میں سات انصار اور دو مہاجر تھے، الگ رہ گئے تھے۔ جب مشرکین

Marfat.com

کے لشکر نے پلٹ کر اسلامی فوج پر حملہ کیا تو وہ آپ ؐ کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ آپ ؐ نے آواز دی کہ کون ہے جوان کو ہم سے دفع کرے اور اس کے لیے جنت ہے؟ یا آپ ؐ نے یہ فرمایا وہ جنت میں میرا رفیق اور ساتھی ہوگا۔ یہ سننا تھا کہ ایک انصاری صحابی آگے بڑھے اور آپ کی حفاظت کرتے کرتے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس کے بعد مشرکین پھر آپ ؐ کے قریب آگئے۔ اور پھر یہی ہوا۔ اسی طرح باری باری ساتوں انصاری شہید ہو گئے۔ (مسلم جلد ۲ ص ۱۰۷ باب غزوۂ احد' البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۶)

ان ساتوں صحابہ کرامؓ میں سے آخری صحابی سیدنا زیاد بن السکنؓ تھے۔ وہ کافی دیر تک لڑتے رہے یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس صحابہ کی ایک جماعت آگئی۔ انہوں نے مشرکین کو پیچھے دھکیلا اور زیاد بن السکنؓ کو رسول اللہ ﷺ کے قریب لے آئے۔ کیونکہ آپ ؐ نے فرمایا تھا کہ اس کو میرے قریب لاؤ۔ آپ ؐ نے انہیں اپنے پاؤں پر ٹیک لیا اور انہوں نے اسی حالت میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی کہ ان کا رخسار امام الانبیاء ﷺ کے قدموں پر تھا۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۱)

زیاد بن السکن کی شہادت کے بعد اب صرف دو مہاجر طلحہ بن عبید اللہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ آپ ؐ کے پاس رہ گئے۔ (بخاری ا ص ۵۲۷' جلد ۲ ص ۵۸۱) یہ موقع آپ ؐ کی زندگی کے لیے نہایت نازک موقع تھا جبکہ مشرکین کے لیے انتہائی سنہری تھا اور حقیقت یہ ہے کہ مشرکین نے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ انہوں نے پے در پے تابڑ توڑ حملے آپ ؐ کی ذات اقدس پر شروع کیے۔ اب پوری جنگ کا مرکز ثقل آپ ؐ کی ذات تھی۔ مشرکین کی خواہش یہ تھی کہ آپ ؐ کا کام تمام کر دیں۔ (معاذ اللہ) لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کی تکمیل نہ ہونے دی۔

بعض روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جو لوگوں کو آواز دی الی عباد اللہ۔ (اللہ کے بندو! ادھر میری طرف آؤ) اس وقت تیس صحابہ کرامؓ آپ ؐ کے ساتھ تھے۔ (ابن جریر بحوالہ البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۳) لیکن جب دشمن کا دباؤ بڑھا تو اس ریلے میں یہ حضرات بھی جدا ہو گئے اور ایک درجن یا اس سے بھی کم آپ ؐ کے ساتھ رہ گئے۔ دشمن کا سارا زور اب آپ ؐ کی طرف تھا۔ اس لیے صحابہ آپ ؐ سے بچھڑتے تھے اور پھر اس مرکز رحمت و رافت سے قریب ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ اس وجہ سے یہ تعداد گھٹتی بڑھتی رہی۔ سیدنا جابرؓ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ؐ کے ساتھ گیارہ انصار اور ایک مہاجر (سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ) باقی رہ گئے۔ ابن سعد نے چودہ صحابہ کرامؓ کے نام دیئے ہیں جن میں سات مہاجر اور سات انصار تھے۔ مہاجرین میں ابو بکر صدیقؓ، عمر بن الخطابؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ، زبیر بن عوامؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور انصار میں ابو دجانہؓ، حباب بن منذرؓ، عاصم بن ثابتؓ، حارث بن ابن ضمہؓ، سہیل بن حنیفؓ، سعد بن معاذؓ، اسید بن حضیر (رضی اللہ عنہم

Marfat.com

ورضواعنہ تھے۔) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس گھسان میں مختلف صورتیں پیدا ہوتی رہیں اس لیے تعداد کا فرق روایات میں موجود ہے۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۷ ص ۲۷۸، زرقانی ج ۲ ص ۳۵ سیرۃ ابن ہشام ج ۴ ص ۷۷)

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاصؓ نے آپؐ پر ایک پتھر پھینکا جس سے آپؐ پہلو کے بل گر گئے اور نیچے کے دو رباعی دانت ٹوٹ گئے اور نچلا ہونٹ بھی بری طرح زخمی ہو گیا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے میں اپنے بھائی عتبہ کے قتل کا خواہش مند رہا اتنا کہ کسی اور شخص کے قتل کا خواہش مند نہیں ہوا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۸۱، زرقانی جلد ۲ ص ۳۷) عبداللہ بن شہاب زہری کا پتھر پیشانی مبارک پر لگا جس نے اسے زخمی کر دیا۔

بخاری میں ہے کہ جب آپؐ کے رباعی دانت توڑ دیئے گئے اور سر مبارک زخمی کر دیا گیا تو اس وقت آپؐ اپنے رخ انور پر سے ایک کپڑے سے خون پونچھتے جا رہے تھے اور یہ فرماتے جا رہے تھے "وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کر دیا۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لیس لک من الامر شئی، او یتوب علیھم، او یعذبھم فانھم ظالمون۔

(۳ : ۱۲۸)

"آپ کو کوئی اختیار نہیں، اللہ چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے اور چاہے تو عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔" (بخاری جلد ۲ ص ۵۸۲، مسلم جلد ۲ ص ۱۰۸)

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے اس روز فرمایا: اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہو گا جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کیا۔ پھر فرمایا:

اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون۔

"اے اللہ! میری قوم کو معاف کرنا کیونکہ وہ مجھ سے ناواقف ہے۔"

(مسلم جلد ۲ ص ۱۰۸، فتح الباری جلد ۷ ص ۳۷۳)

عبداللہ بن قمیئہ آپؐ پر بار بار حملہ کر رہا تھا کیونکہ مشرکین کے ارادے نہایت برے تھے، وہ اس شمع رسالت کو بجھا دینا چاہتے تھے۔ مہاجرین کے علم بردار سیدنا مصعب بن عمیرؓ نے آگے بڑھ کر ابن قمیئہ کا بڑی ہمت و جرأت سے مقابلہ کیا اور اس کو حضور ﷺ سے پیچھے ہٹانے کی پوری کوشش کی، لیکن اس کوشش میں انہیں جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔

علم بردار شہید ہوئے۔ جھنڈا گرا تو ابن قمیئہ نے شور مچا دیا کہ میں نے محمد (ﷺ) کو شہید کر دیا۔ (ابن سعد جلد ۳ ص ۲۹) ناگہاں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی آواز سننے میں آئی تو مسلمانوں کے دل بیٹھ

Marfat.com

گئے۔ وہ پہلے ہی سے سراسیمہ تھے اس آواز نے ان کو اور بھی حواس باختہ بنا دیا۔ مصائب نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اگرچہ بعض حضرات دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے، لیکن امیر لشکر کی سربراہی کے بغیر۔ اس لیے کئی لوگوں نے ہمت ہار دی لیکن جو ہمت والے تھے ان کا بھی زور نہیں چل رہا تھا، جو جہاں تھا وہیں کھڑا ہوا تھا۔ کچھ حضرات وہ تھے جو اس گھمسان کی جنگ سے باہر تھے لیکن بہت ہمت انہیں بھی نہیں ہو رہی تھی کہ اس بھیڑ میں گھسیں۔ بعض نے پہاڑوں کا راستہ لیا۔ ایک دو مدینہ کی طرف چل دیئے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ جیسے باحوصلہ بہادروں کے دل ٹوٹ چکے تھے۔ یہ حضرات کچھ اور مہاجرین و انصار کے ساتھ میدان کے کنارہ پر پریشان اور شکستہ خاطر کھڑے تھے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ سیدنا انس بن مالک کے چچا سیدنا انس بن نضرؓ اس طرف پہنچے۔ دریافت کیا کہ کیسے کھڑے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اب جنگ کا کیا فائدہ کیونکہ پیغمبر اسلام ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔ سیدنا انس بن نضرؓ نے فوراً جواب دیا: جس مقصد کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جان دی ہے تم لوگ بھی اسی مقصد کے لیے اپنی جان دے دو کیونکہ اب جینے کا کیا فائدہ؟ (ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۷) یہ کہہ کر تلوار سونتی اور دشمن کی طرف لپکے۔ راستہ میں سیدنا سعد بن معاذؓ ملے۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیا: رب نضر کی قسم، احد کے اس طرف جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ پھر فوراً دشمن کی فوج میں گھس گئے اور دشمن سے لڑ کر اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا کہ ان کی لاش پر اسی سے زیادہ تلوار، تیر اور نیزہ کے زخم تھے۔ لاش کا حلیہ زخموں کی وجہ سے اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ پہچاننا مشکل تھا۔ صرف ان کی ہمشیرہ نے انگلی یا تل دیکھ کر پہچانا تھا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۳۹۲، جلد ۲ ص ۵۷۹)

سیدنا انس بن نضرؓ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ انہیں اس اہم غزوہ میں اپنی غیر حاضری کا بہت صدمہ بھی تھا اور افسوس بھی۔ اس لیے بڑے جذبے اور شوق سے سرشار ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ جہاد کا کوئی موقع آ جائے تو میں بھی اللہ تعالیٰ کو دکھادوں گا کہ کس طرح اس کے حضور اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہوں۔ جب احد میں مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی تو سیدنا انس بن نضرؓ نے مسلمانوں کے لیے تو دعا کی کہ اے اللہ! ان کی کوتاہی کو معاف فرما دے اور خود اپنی جان قربان کر دی۔ سیدنا انس بن مالکؓ فرمایا کرتے تھے کہ میرے چچا سورہ احزاب کی اس آیت کے مصداق تھے: ''کچھ ایسے مرد ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا۔ پھر ان میں کچھ ایسے ہیں جو اپنی منت پوری کر چکے اور کچھ انتظار کر رہے ہیں''۔ (بخاری جلد ۱ ص ۳۹۳، جلد ۲ ص ۵۷۹-۷۰۵)

سیدنا ثابت بن الدحداحؓ نے اپنے انصاری ساتھیوں سے کہا: ''جماعت انصار! اگر محمد رسول اللہ ﷺ شہید کر دیئے گئے تو رب محمد ﷺ تو حی لایموت ہے۔ غم نہ کرو، آگے بڑھو اور رب حی و قیوم کے دین کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دو۔ یہ کہہ کر انصاری دوستوں کے ساتھ آگے بڑھے اور قریش کے ایک

Marfat.com

دستہ پر جس میں خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل، عمرو بن العاص اور ضرار بن الخطاب وغیرہ تھے، حملہ کر دیا اور سخت مقابلہ کے بعد ایک ایک کر کے تمام حضرات نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

(سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۵۱)

سیدنا جابرؓ کے والد عبداللہؓ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو لیلائے شہادت کو گلے لگانے کے لیے بے قرار تھے۔ رات ہی کو اپنے لختِ جگر جابرؓ کو کہہ چکے تھے کہ میں سمجھتا ہوں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ پر جان نچھاور کرنے والے جو لوگ سب سے پہلے ہوں گے، میں ان میں سب سے پہلا شخص ہوں گا۔ چنانچہ وہی ہوا جو کہا تھا۔ سینہ پر بہت سے زخم کھا کر حجلہ شہادت میں جا بیٹھے۔ دشمنوں نے ان کے ناک کان بھی کاٹ ڈالے تھے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ دشمن کی اس یلغار کا مقصد صرف شمع رسالت کو بجھانا تھا لہٰذا وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے اور جان نثاران نبوت ذات اقدس کو ہالہ بنائے ہوئے تھے اور ایک ایک کر کے کٹ رہے تھے۔ بخاری کی روایت کے مطابق ایک لمحہ ایسا بھی آیا جب صرف دو صحابی (مہاجر) آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے رہ گئے۔ ان میں ایک سیدنا طلحہ بن عبیداللہؓ تھے اور دوسرے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ۔ انہوں نے تاریخ عالم میں اپنی نادر الوجود جانبازی کی مثال قائم کر دی کہ صرف دو ہوتے ہوئے مشرکین کی کامیابی ناممکن بنا دی۔ یہ دونوں عرب کے ماہر تیرانداز اور شمشیر زن تھے۔ انہوں نے اپنے تیروں اور تلواروں سے دشمن کے ناپاک وجود کو آپ ﷺ کے طاہر اور مطہر وجود سے پرے رکھا۔ سیدنا طلحہؓ کی جانبازی اور بہادری کا اندازہ نسائی کی اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جس میں سیدنا جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ جب مشرکین نے سرکارِ مدینہ ﷺ کو جا لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کون ہے جو ان لوگوں سے نمٹے؟" سیدنا طلحہؓ نے عرض کیا: "میں ہوں، اے اللہ کے رسول ﷺ!" یہ کہہ کر سیدنا طلحہؓ آگے بڑھے اور گیارہ آدمیوں کے برابر تنہا مقابلہ کیا یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر تلوار کی ایک ایسی ضرب لگی جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اس سے ان کے منہ سے سی کی آواز نکلی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ آواز سنی تو فرمایا "طلحہ! اگر تم اس کی بجائے بسم اللہ کہتے تو تمہیں فرشتے اٹھا لیتے اور تم دیکھتے"۔ سیدنا جابرؓ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو پلٹا دیا۔

(نسائی جلد ۲ ص ۵۲، فتح الباری جلد ۷ ص ۳۶۱)

امام بخاری نے سیدنا قیس بن حازم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ دیکھا کہ وہ شل تھا۔ اس سے انہوں نے احد کے روز سرکارِ دو عالم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی۔(بخاری جلد ا ص ۵۲۷ جلد ۲ ص ۵۸۱)

ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے احد کے روز سیدنا طلحہؓ کے بارہ میں فرمایا تھا:

"جو شخص کسی شہید کو کرۂ ارض پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ طلحہؓ کو دیکھ لے۔"

(ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۶)

اور سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے ابا ابو بکر صدیقؓ جب جنگ احد کا تذکرہ فرماتے تو کہتے: "یہ جنگ کل کی کل طلحہؓ کے لیے تھی۔" (کان ذالک الیوم کلہ طلحہ) (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۷۸)

سیدنا طلحہؓ اپنا پہلو اور شانہ تیروں کی طرف کیے ہوئے تھے اور دشمن کے تیروں کو اپنے پہلو اور بازوؤں پر روکتے۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبرؓ کا بیان ہے کہ ہم نے احد کے دن طلحہؓ کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم دیکھے۔ ایک اور روایت کے مطابق انتالیس یا پینتیس زخم آئے اور ان کی بچلی اور شہادت کی انگلیاں شل ہو گئیں۔(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۶۱)

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ بھی بہت بڑے تیر انداز تھے۔ انہوں نے بھی سرکار مدینہ ﷺ کا دشمنوں کے مقابلہ میں پورا پورا دفاع کیا۔ یہ اپنی نشست صحیح کر کے دشمنوں پر تیر برسانے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش کے تمام تیر ان کے سامنے ڈال دیئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپؐ تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ دشمن کو تاک تاک کر مار رہے تھے۔ بخاری میں ہے کہ آپؐ جب سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو تیر دیتے تو فرماتے:

ارم فداک ابی وامی۔(بخاری، جلد ۲ ص ۵۸۰)

"میرے ماں باپ تجھ پر قربان یہ تیر چلا۔"

سیدنا علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضور ﷺ کو سوائے سعد بن ابی وقاصؓ کے کسی اور کے بارہ میں "فداک ابی وامی" کہتے نہیں سنا۔(بخاری جلد ۲ ص ۵۸۱)

عجیب اتفاق ہے کہ چشم فلک نے یہ نظارہ کم ہی دیکھا ہو گا کہ ایک بھائی (عتبہ بن ابی وقاص) نے پتھر مار کر چہرہ انور کو لہولہان کیا اور دوسرا بھائی (سعد بن ابی وقاصؓ) اسی رخ انور کی حفاظت کے لیے تیر اندازی کر رہا ہے اور لسان نبوت سے کلمات تحسین سن رہا ہے۔

سیدنا ابو طلحہ انصاریؓ بھی ایک مشہور تیر انداز تھے۔ کمان پر ان کا ہاتھ بڑا ماہرانہ پڑتا تھا۔ کمان کی تانت بڑے زور سے کھینچتے تھے۔ ایک مضبوط کمان ہی اس کا سہار کر سکتی تھی۔ تانت چونکہ بڑے زور سے کھینچتے تھے اس وجہ سے ان کا تیر نشانہ کو پار کرتے ہوئے بہت دور پہنچتا تھا۔ چنانچہ اس روز کئی کئی کمانیں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ گئی تھیں۔ ایک طرف سعد بن ابی وقاصؓ اور دوسری طرف سیدنا ابو طلحہؓ نے اپنی ڈھال سے سرکارِ دو عالم ﷺ کے رخ انور کے سامنے آڑ بنالی تھی تاکہ آپؐ کو کوئی تیر آکر نہ لگے۔ سیدنا

Marfat.com

ابو طلحہؓ کے تیر کو خود حضور ﷺ بھی دیکھتے کہ کہاں پہنچا لیکن جیسے ہی حضور ﷺ گردن اٹھاتے، ابو طلحہؓ عرض کرتے: یارسول اللہ! آپؐ پر جان قربان، آپ گردن نہ اٹھائیں، نصیب دشمناں کہیں کوئی تیر نہ لگ جائے۔ یہ میرا سینہ آپؐ کے سامنے حاضر ہے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۸۱) تیر ختم ہونے لگے تو جس جس کے پاس ترکش تھے حضور ﷺ اس سے ترکش لیتے اور سیدنا ابو طلحہؓ کے سامنے ڈال دیتے۔

(بخاری جلد ۲ ص ۵۸۱)

اس جانثاری میں سیدنا ابو دجانہؓ بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ سپر بن کر حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور پشت دشمنوں کی جانب کرلی۔ تیر پر تیر چلے آ رہے ہیں اور ابو دجانہؓ کی پشت ان کا نشانہ بنی ہوئی ہے مگر اس خوف سے کہ کہیں آپؐ کو کوئی تیر نہ لگ جائے کوئی حرکت نہیں کرتے۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۴۳)

قتادہ بن النعمانؓ فرماتے ہیں کہ احد کے دن میں آپؐ کے چہرہ انور کے سامنے کھڑے ہو گیا اور اپنا چہرہ دشمنوں کے سامنے کر دیا۔ تاکہ دشمنوں کے تیر میرے چہرے پر لگیں اور آپؐ کا مبارک چہرہ ان تیروں سے محفوظ رہے۔ دشمنوں کا آخری تیر میری آنکھ میں ایسا لگا کہ آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا جس کو میں نے اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا۔ حضور ﷺ کو دکھایا۔ آپؐ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! جس طرح قتادہؓ نے تیرے نبی کے چہرہ کی حفاظت فرمائی اسی طرح تو اس کے چہرہ کی حفاظت فرما اور اس آنکھ کو دوسری آنکھ سے بھی زیادہ تیز اور خوبصورت بنادے اور پھر آنکھ کو اس کے مقام پر رکھ دیا۔ اسی وقت آنکھ بالکل صحیح و سالم ہو گئی اور نظر پہلے سے بھی تیز ہو گئی۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۴۳، اصابہ جلد ۳ ص ۲۲۵، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۴، خصائص کبریٰ جلد ۱ ص ۲۱۵، ابن ہشام جلد ۲)

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے عتبہ بن ابی وقاص کا پیچھا کیا جس نے پیغمبر اسلام ﷺ کا دانت شہید کیا تھا اور اسے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کا سر چھٹک گیا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اپنے اس بھائی کے قتل کے بہت خواہاں تھے لیکن سعادت حاطبؓ کی قسمت میں تھی۔

مالک بن سنانؓ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک سے خون چوس کر صاف کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: اسے تھوک دو۔ عرض کی! خدا کی قسم میں ہرگز نہ تھوکوں گا۔ اس کے بعد پلٹ کر لڑنے لگے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ انہیں دیکھے"۔ اس کے بعد وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ نے بھی اس روز اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ لڑتے ہوئے منہ پر چوٹ کھائی۔ دانت ٹوٹ گیا۔ بیس سے زیادہ زخم آئے جن میں بعض پاؤں میں تھے اور وہ لنگڑے ہو گئے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کا بیان ہے کہ ایک اور شخص پر میری نگاہ پڑی۔ اس کے سب طرف دشمن تھے

Marfat.com

اور پچھلی طرف میں تھا۔ یہ شخص دشمنوں پر اپنی تلوار کے جوہر دکھلا رہا تھا اور سرکارِ مدینہ ﷺ کی طرف کھسک رہا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ یہ صاحب میرے بعد پہنچے۔ میں نے پہچانا تو وہ ابو عبیدہ بن الجراح ؓ تھے جو دشمنوں کو آپ ؐ کی ذات اقدس سے ہٹا رہے تھے۔ رضی اللہ عنہ

سیدنا صدیق اکبر ؓ فرماتے ہیں کہ دشمنوں کو آپ ؐ سے پرے ہٹاتے ہم دونوں سرکارِ دو عالم ﷺ تک پہنچ گئے۔ دیکھا کہ روئے انور شدید زخمی تھا۔ وندان مبارک شہید تھے۔ مغفر کی کڑیاں رخسار مبارک میں کھبی ہوئی تھیں۔ سیدنا ابوبکر ؓ نے کڑیاں نکالنے کا ارادہ فرمایا تو سیدنا ابو عبیدہ ؓ نے قسم دے کر کہا کہ یہ سعادت مجھے حاصل کرنے دیجئے۔ ہاتھ سے کڑیاں نکالنے میں تکلیف زیادہ محسوس ہوئی تو دانتوں میں دبا کر ایک کڑی کو اس زور سے کھینچا کہ کڑی تو نکل آئی لیکن ساتھ ہی سیدنا ابو عبیدہ ؓ کا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ اب دوسری کڑی ابوبکر صدیق ؓ نکالنا چاہتے تھے۔ سیدنا ابو عبیدہ ؓ نے پھر قسم دے کر یہ سعادت حاصل کرنے کی درخواست کی۔ سیدنا ابو عبیدہ ؓ نے اب دوسرے دانت سے کڑی دبا کر نکالی لیکن اب کی دفعہ دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔

سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے دو دانت تو ٹوٹ گئے لیکن چہرہ کی رونق ایسی بڑھی کہ کوئی ٹوٹا ہوا دانت اتنا حسین و جمیل نہیں معلوم ہوتا تھا۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۷۷، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۹۔۳۰)

اللہ رب العزت کی نگاہ بخوبی اس منظر کو دیکھ رہی تھی کہ کس طرح نبوت کے پروانے کٹ کٹ کر اس شمع کی حفاظت کر رہے ہیں اور تاریخ کے اوراق پر اپنی نادر الوقوع جان نثاری کی مثالیں ثبت کر رہے ہیں۔ اب رحمت الٰہی جوش میں آئی اور اس نازک ترین لمحے اور مشکل ترین وقت میں اللہ تعالیٰ نے غیب سے اسی طرح مدد نازل فرمائی جس طرح جنگ بدر میں فرمائی تھی۔ چنانچہ سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ جو رسول اللہ ﷺ کی مدافعت میں آپ ؐ کے پاس کھڑے ہو کر تیر برسا رہے تھے۔ بڑے وثوق سے فرماتے ہیں کہ دو شخص سفید لباس پہنے ہوئے بڑی سختی کے ساتھ آپ ؐ کی مدافعت کر رہے تھے۔ میں نے ان کو نہ تو اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دونوں اللہ کے فرشتے جبرائیل و میکائیل تھے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۸۰)

اس مدافعت اور جانثاری کے باوجود دشمنوں کا ہجوم اس ذات اقدس پر اتنا تھا کہ قریباً ستر مرتبہ آپ ؐ پر تلواروں کے حملے ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر مرتبہ آپ کو ان کے شر سے محفوظ فرمایا۔

(بخاری جلد ۲ ص ۵۸۰ تعلیقہ)

سیرۃ کی کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سارا حادثہ چند لمحات کے اندر اندر اور نہایت تیز رفتاری سے پیش آیا۔ ورنہ صحابہ کرام ؓ تو پیغمبر ﷺ کے گرد ہر وقت ہالہ بنائے رکھتے تھے۔ وہ تو ایک

Marfat.com

لمحہ بھی پیغمبرؑ سے دور نہیں ہوتے تھے۔ جنگ بدر میں بھی جب حضور ﷺ لشکر سے پیچھے عریش پر دعا اور مناجات الٰہی میں مصروف تھے۔ سیدنا سعد بن معاذؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نیچے پہرہ دے رہے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ حالات یکدم ایسی کروٹ لیں گے کہ فتح شکست میں تبدیل ہو جائے گی، لہٰذا پیغمبر کی آواز سنتے ہی کہ لوگو میری طرف آؤ، وہ دیوانہ وار اس جانب دوڑے جدھر سے آواز آئی تھی کہ کہیں آپؑ کو کوئی حادثہ پیش نہ آجائے، لیکن جب یہ لوگ پہنچے تو رسول اللہؑ زخمی ہو چکے تھے۔ ان لوگوں نے پہنچتے ہی اپنے جسموں اور ہتھیاروں سے پیغمبر اسلام ﷺ کے گرد ایک باڑھ تیار کر دی۔

لڑائی کی صفوں سے آپؑ کے پاس پلٹ کر آنے والے سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبرؓ تھے۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ان کے والد سیدنا صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ احد کے روز محافظین کے سوا تمام صحابہ کرامؓ آپ کو آپؑ کی قیام گاہ پر چھوڑ کر لڑائی کی اگلی صفوں میں چلے گئے تھے۔ پھر گھیراؤ کے حادثے کے بعد سب سے پہلا شخص میں تھا جو آپؑ کے پاس پلٹ کر آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپؑ کے سامنے صرف ایک آدمی تھا جو آپؑ کی مدافعت میں اپنی جان سے کھیل رہا تھا۔ میں نے کہا: "تم طلحہؓ ہو، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ اتنے میں ابو عبیدہ بن الجراحؓ بھی میرے پاس پہنچ گئے۔ وہ اس طرح دوڑ رہے تھے گویا چڑیا اڑ رہی ہے۔ اب ہم دونوں حضور ﷺ کی طرف دوڑے، دیکھا کہ طلحہؓ آپؑ کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ آپؑ نے ہمیں دیکھ کر فرمایا: اپنے بھائی کو سنبھالو۔ اس نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے۔ سیدنا ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ ہم پہنچے تو آپؑ کا چہرہ مبارک زخمی ہو چکا تھا اور خود کی دو کڑیاں آنکھ کے نیچے رخسار میں دھنس چکی تھیں۔ جو سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے اپنے دانتوں سے نکالیں جن سے ان کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ آپؑ نے فرمایا اپنے بھائی طلحہؓ کو سنبھالو اس نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے۔ چنانچہ اب ہم طلحہؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور انہیں سنبھالا۔ ان کو اس وقت تک دس سے زیادہ زخم آچکے تھے۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۹۵)

اس کے بعد کئی اور صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کے گرد جمع ہو چکے تھے جن میں ابو دجانہؓ، مصعب بن عمیرؓ، عمر ابن الخطابؓ، علی ابن ابی طالبؓ، سہیل بن حنیفؓ، مالک بن سنانؓ (ابو سعید الخدریؓ کے والد) قتادہ بن نعمانؓ اور حاطب بن ابی بلتعہؓ وغیرہ رضی اللہ عنھم اجمعین ورضوا عنہ۔

ایک مہاجر صحابی کا بیان ہے کہ میں نے جنگ احد میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی ہے اور آپؑ ان تیروں کے بیچ میں ہیں، لیکن سارے تیر آپ ﷺ سے پھر جاتے ہیں یعنی آگے گھیرا ڈالے ہوئے صحابہ کرامؓ ان کو روک لیتے ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن شہاب زہری کہہ رہا تھا! مجھے بتاؤ محمد ﷺ کہاں ہیں؟ اب یا تو میں رہوں

گایا پھر وہ رہے گا۔ حالانکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بازو میں کھڑے تھے۔(یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔) آپ ﷺ کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔ پھر وہ آپؐ سے آگے نکل گیا۔ اس پر صفوان بن امیہ نے اس کو ملامت کی۔ اس نے صفوان کے جواب میں کہا: "میں نے اسے دیکھا ہی نہیں۔ خدا کی قسم وہ ہم سے محفوظ کر لیا گیا ہے"۔ اس کے بعد ہم چار آدمی اس عزم اور عہد کے ساتھ نکلے کہ انہیں قتل کر دیں گے لیکن ان تک ہم پہنچ نہ سکے۔(زادالمعاد جلد ۲ ص ۹۷)

جستجو

سرکارِ دو عالم ﷺ جہاں کھڑے تھے' ان کے قریب ایک گڑھا تھا۔ ابو عامر فاسق نے میدان احد کے مختلف حصوں میں کچھ گڑھے کھدوا دیئے تھے۔ اس سے اس کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا۔ سید دو عالم ﷺ اس قسم کے ایک گڑھے میں پاؤں پھسلنے سے گر گئے۔(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۹) اس تھوڑے سے وقفہ میں آپؐ اپنے پروانوں اور جان نثاروں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ شمع نبوت کے پروانوں پر ان لمحات میں کیا کچھ گزرا' قلم کو تاب نگارش نہیں۔ اس وقفہ میں پچاس سے زیادہ سرفروش شہید ہو گئے۔ غزوہ احد میں کل ستر صحابہ کرامؓ نے جام شہادت نوش فرمایا جن میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو ورہ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ سیدنا حمزہؓ اور کچھ اور صحابہ کرامؓ اس سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔ اس گھمسان میں شہید ہونے والوں کی تعداد کم و بیش پچاس تھی۔

اگرچہ نبوت کے جانثار مضطرب اور پریشان دلوں کے ساتھ دشمنوں سے دفاع میں مصروف تھے لیکن ان کی نگاہیں اپنے آقا کی متلاشی تھیں۔ ان کی نظریں اس امام الانبیاء ﷺ کو ڈھونڈ رہی تھیں جس نے انہیں تحت الثریٰ سے اٹھا کر ثریا تک بلکہ اس سے بھی اوپر پہنچا دیا تھا۔ سب سے پہلے جس کی نگاہ نے اپنے اس آقائے رحمت کو پایا وہ سیدنا کعب بن مالکؓ تھے۔ اچانک ان کی نظریں آپ پر پڑیں کہ خود میں ڈھکے ہوئے جھالر (مغفر) سے چہرہ انور چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ ان دو آنکھوں سے سیدنا کعب بن مالکؓ نے اپنے کعبہ مقصود کو پہچانا۔ پہچانتے ہی زور سے آواز دی' مسلمانو! رسول اللہ ﷺ تو یہ ہیں۔(یامعشر المسلمین اھذا رسول اللہ) حضورؐ نے فوراً اشارہ کیا' شور نہ کرو' لیکن رسول اللہ ﷺ کے فرمانے پر کعبؓ ضبط نہ کر سکے۔ اس آواز کا سننا تھا کہ مسلمانوں کے تن مردہ میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جس کے کان میں بھی اس مژدہ جان بخش کی آواز پڑی وہ اس آواز کی طرف دوڑا۔ سیدنا مصعب بن عمیرؓ کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو دیا تھا۔ اب رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کی جانب راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھے۔ لشکر اسلامی کا جھنڈا دیکھ کر اور رسول اللہؐ کے زندہ ہونے کی آواز سن کر صحابہ کرامؓ آپ کی پناہ میں آنا شروع ہو گئے۔ اس طرح

Marfat.com

رفتہ رفتہ قریباً تیس صحابہ کرامؓ جمع ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جس جگہ سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف فرما تھے وہ دامن کوہ کا حصہ تھا۔ امکان تھا کہ دشمن اوپر سے حملہ کر دے۔ اس لیے آپؐ وہاں سے ہٹے اور اوپر ٹیلے پر تشریف لے گئے۔ یہاں ایک چٹان کے پیچھے کچھ مسلمان ہمت ہار کر اور مایوسی کے عالم میں بیٹھے ہوئے تھے اور مستقبل کے بارہ میں سوچ رہے تھے کسی کا خیال یہ تھا کہ عبداللہ بن ابی سے کچھ بات چیت کی جائے۔ کہ دفعتاً ایک زرہ پوش اور مسلح آدمی سر پر خود لگائے ان کے سامنے آ گیا۔ اس کے ساتھ اور بھی کچھ آدمی تھے۔ یہ حضرات پہلے ہی سہمے ہوئے تھے سمجھے کہ دشمن یہاں بھی آ گیا ہے۔ فوراً کمانیں سنبھالیں، تیر سیدھے کیے۔ کئی حضرات نے تلوار کے دستوں پر ہاتھ رکھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا "میں محمد رسول اللہ ﷺ ہوں۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۳)

بس پھر کیا تھا مردہ جسموں میں جان پڑ گئی اور خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ رحمۃ اللعالمین کا دامن سب پر سایہ فگن ہو گیا، بے چین دلوں کو چین مل گیا۔ سارے غم غلط ہو گئے۔ نیند آنے لگی اور غنودگی طاری ہو گئی۔

اب رسول اللہ ﷺ نے پہاڑ کی گھاٹی یعنی کیمپ کی طرف ہٹنا شروع کیا۔ مشرکین نے اس واپسی کو ناکام بنانے کی بہت کوشش کی، مگر آپؐ کے شیر دل ساتھیوں نے ان حملہ آوروں کا ہجوم چیر کر راستہ بنا ہی لیا۔ قریش سرکار ﷺ کی زندگی کو اپنی موت کا پیش خیمہ سمجھتے تھے، لہٰذا انہوں نے ایک مرتبہ پھر دھاوا بول دیا۔

اسی اثناء میں مشرکین کا ایک اڑیل شہسوار عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ آپؐ کی جانب گھوڑے پر سوار ہو کر آیا، اور کہا کہ آج یا تو میں رہوں گا یا وہ رہے گا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ بھی اس کی اس بات کا جواب دینے کے لیے ٹھہر گئے، لیکن مقابلہ کی نوبت نہ آئی کیونکہ اس کا گھوڑا ایک گڑھے میں گر گیا۔ اتنے میں حارث بن صمہ نے اس کے پاس پہنچ کر اسے اس زور سے تلوار ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ اپنے جانثار اور پامرد ساتھیوں کے اس دستہ کے ساتھ اور باقی ماندہ لشکر کے لیے راستہ بناتے ہوئے پہاڑ کی گھاٹی میں واقع اپنے کیمپ میں آ گئے اور مسلمانوں کا لشکر ایک دفعہ پھر منظم ہونا شروع ہو گیا۔ گویا خالد بن ولید کی عسکری عبقریت رسول اللہ ﷺ کی عسکری عبقریت کے سامنے ناکام ہو گئی۔ (فشلت عبقریہ خالد امام عبقریہ رسول اللہ ﷺ)

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں تشریف لا چکے تو مکہ کا ایک رئیس ابی بن خلف آپ ﷺ کے مقابلہ کے لیے آیا۔ اس کا بھائی امیہ بن خلف غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ ابی بن خلف مکہ میں یہ کہا کرتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میں قتل کروں گا۔ سرور کائنات

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی یہ بات سنتے رہتے تھے۔ آپؐ نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمادیا تھا کہ "وہ نہیں بلکہ انشاءاللہ میں اسے قتل کروں گا۔"

اس نازک لمحے میں جب آپؐ زخموں سے چور اس گھاٹی میں فوج کو منظم کرنے کے لیے تشریف لائے تو وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ صحابہؓ اس کی جانب بڑھنے لگے۔ آپؐ نے اشارہ سے منع فرمادیا اور فرمایا اسے آنے دو، جب وہ قریب آگیا تو آپؐ نے حارث بن صمہؓ سے جو برابر میں کھڑے تھے، حربہ لے لیا (حربہ ایک چھوٹا سانیزہ ہوتا ہے) اور لینے کے بعد جھٹکا دیا تو اس طرح لوگ ادھر ادھر اڑ گئے۔ جیسے اونٹ اپنے بدن کو جھٹکا دیتا ہے تو مکھیاں اڑ جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپؐ اس کے سامنے آئے اور اس کی زرہ اور خود کے درمیان حلق کے پاس تھوڑی سی کھلی جگہ آپؐ کو نظر آئی۔ آپؐ نے تاک کر اس جگہ ایسا حربہ مارا کہ وہ گھوڑے سے کئی بار لڑھکا۔ وہ گرتا پڑتا اور چنگھاڑتا ہوا واپس بھاگا۔ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کوئی بات نہیں۔ اتنے چیخنے کی کوئی وجہ نہیں۔ معمولی سی خراش ہے۔ تم بلاوجہ اتنے بے تاب ہو رہے ہو۔ ابی نے ان کی بات سن کر غصے سے کہا "یہ معمولی ضرب نہیں، یہ محمد ﷺ کے ہاتھ کی ضرب ہے۔ اگر وہ تھوک بھی دیتا تو مجھے مار ڈالتا۔" (فواللہ لو بصق علی لقتلنی)

ابی بن خلف درد سے اسی طرح تڑپتا رہا یہاں تک کہ واپسی میں "سرف" کے مقام پر مرگیا اور وہیں اس کو دبا دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کی لاش کو مکہ اٹھا کر لے گئے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۴۴، سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۴، عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۴، زاد المعاد جلد ۲ ص ۹۷)

ایک روایت یہ ہے کہ یہ بیل کی طرح آواز نکالتا تھا اور کہتا تھا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو تکلیف مجھے ہے وہ اگر ذی المجاز کے سارے باسیوں کو ہوتی تو وہ سب کے سب مر جاتے۔ (والذی نفسی بیدہ لو کان الذی بی باھل ذی المجاز لماتوا اجمعا)

(مختصر سیرۃ الرسول الشیخ عبداللہ، ص ۲۵۰)

تمام دنیا میں یہی ایک بدبخت اور بدنصیب انسان تھا جس کو حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ وگرنہ آپؐ پر تیر برستے رہے، تلواریں پڑتی رہیں لیکن آپؐ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا۔ کیونکہ آپؐ کا فرمان ہے:

اشتد غضب اللہ علی رجل یقتلہ رسول اللہ فی سبیل اللہ۔

"اس شخص پر اللہ کا غضب سب سے شدید ہوتا ہے جس کو اللہ کا رسول اپنے ہاتھ سے اللہ کے رستہ میں قتل کرے"۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۸۳)

آپؐ کسی کو بدبخت اور بدنصیب نہیں بنانا چاہتے تھے۔ اس لیے آپؐ نے پوری زندگی میں سوائے اس بدبخت کے اور کسی کو قتل نہیں کیا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ جب آپؐ واپس پہاڑ (گھاٹی) کی طرف جا رہے تھے۔ تو ایک چٹان آ گئی۔ آپؐ نے اس پر چڑھنے کی کوشش کی مگر بوجہ ضعف چڑھ نہ سکے کیونکہ ایک تو آپؐ کا بدن بھاری ہو چکا تھا' دوسرے آپؐ نے دوہری زرہ پہن رکھی تھی اور تیسرے بدن سے کافی خون بہہ جانے کی وجہ سے ضعف بھی ہو گیا تھا اور آپؐ کو شدید چوٹیں بھی آئی تھیں۔ اس لیے سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ نیچے بیٹھ گئے اور آپؐ کو کندھوں پر اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ اس طرح چل کر چٹان پر پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا "طلحہ نے جنت واجب کر لی"۔ (ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۶)

سرکارِ دو عالم ﷺ کا ملنا تھا کہ صحابہ کرامؓ کے تمام غم غلط ہو گئے۔ جمال جان پرور کی زیارت ہو گئی۔ مردہ روحوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ اب مضطرب روحوں کو سکون اور چین نصیب ہوا کہ میدان جنگ میں ہی غنودگی طاری ہو گئی جس کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے کہ:

"پھر نازل کیا تم پر غم (یعنی ابتری اور پریشانی) کے بعد امن (سکون اور بے خوفی) ایک غنودگی جو تمہارے ایک گروہ پر چھا رہی تھی۔ (آل عمران)

اسی وجہ سے سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ "میدان جنگ میں نیند ایمان کی علامت ہے اور نماز میں نیند شیطان کے اثر سے ہوتی ہے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۸)

چنانچہ بعض صحابہ پر اب بے خوفی اور سکون خاطر کی وجہ سے غنودگی طاری ہو گئی۔ وہی سیدنا ابو طلحہ انصاریؓ جن کے ہاتھ سے تیر پھینکتے ہوئے کئی کمانیں ٹوٹیں' فرمایا کرتے تھے اس وقت جو سکون میسر ہوا وہ کچھ عجیب تھا۔ خود میری حالت یہ تھی کہ ایسی غنودگی طاری ہوئی کہ تلوار میرے ہاتھ سے بار بار گر جاتی تھی۔ میں اٹھاتا تھا تو وہ پھر گر جاتی تھی! (بخاری جلد ۲ ص ۵۸۲)

سیدنا زبیر بن عوامؓ فرمایا کرتے تھے کہ شدت خوف و ہراس کے بعد جب سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں ہم حاضر ہوئے تو ہم پر نیند کا غلبہ ہوا اور حالت یہ ہو گئی کہ ہر ایک کی ٹھوڑی سینہ سے لگی ہوئی تھی۔ اس غنودگی کی حالت میں معتب بن قشیر کی آواز میرے کانوں میں پڑی' وہ کہہ رہا تھا:

لو کان لنا من الامر شی ما قتلنا ھھنا۔

"اگر اس مہم میں ہمارا کوئی دخل ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔"

(تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۱۵۸)

آخری حملہ

سرور کائنات ﷺ گھاٹی میں تشریف فرما تھے اور جانثار ارد گرد ہالہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے' تو دیکھا کہ ابو سفیان اور خالد بن ولید پہاڑ پر چڑھے ہوئے ہیں۔ سواروں کا ایک دستہ بھی ساتھ ہے۔ خالد آگے

Marfat.com

ہیں اور مسلمانوں پر پھر ایک حملہ کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ اس وقت سرکارِ دو عالم ﷺ کی زبان سے وہی جملے نکلے جو میدان بدر میں نکلے تھے:

اللھم انک ان تشاء لا تعبد فی الارض۔

"اے اللہ! تیری مشیت اور مرضی یہی ہے تو کرۂ ارض سے تیری عبادت ختم ہو جائے گی۔"

پھر سیدنا عمرؓ چند مہاجرین کو ساتھ لے کر اس پہاڑ کی طرف بڑھے۔ دونوں طرف سے تیر اور پتھر برسائے گئے۔ لیکن دشمن ٹھہر نہ سکا اور اس پہاڑ سے نیچے اتر گیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۸، ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۶)

حافظ ابن قیمؒ نے نقل کیا ہے کہ جب مشرکین پہاڑ پر چڑھ آئے تو آپؐ نے سیدنا سعد بن معاذؓ سے فرمایا کہ ان کے حوصلے پست کرو یعنی انہیں یہاں سے نیچے اتارو۔ عرض کی میں اکیلا ان کے حوصلے کیسے پست کر سکتا ہوں۔ آپؐ نے تین دفعہ یہ فرمایا۔ اس پر سیدنا سعدؓ نے ایک تیر نکالا اور ایک شخص کو مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ آپ نے پھر وہی تیر لے کر ایک دوسرے آدمی کو مارا وہ بھی وہیں مر گیا۔ پھر وہی تیر تیسرے کو مارا اور وہ بھی مر گیا۔ اس کے بعد مشرکین خوف کی وجہ سے پہاڑ سے نیچے اتر گئے۔ سیدنا معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا یہ تو بہت مبارک تیر ہے۔ چنانچہ میں نے اس تیر کو اپنے ترکش میں رکھ لیا۔ یہ تیر زندگی بھر ان کے پاس رہا پھر ان کی اولاد کے پاس رہا۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۹۵)

عورتوں کی میدان جنگ میں آمد

مشرکین بالکل ہمت ہار چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے اب مزید کوئی حملہ کرنے سے گریز کیا۔ کوئی مورخ اس کی وجہ بیان نہیں کر سکا کہ قریش کا یہ لشکر جرار کامیابی کے بعد ناکام کیوں ہو گیا؟ بہر حال جنگ بند ہو گئی۔ مدینہ طیبہ میں بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ جس طرح اس اندوہناک خبر نے میدان جنگ میں مسلمان مردوں کو پریشان اور حواس باختہ کیا اسی طرح مدینہ طیبہ میں مسلمان عورتیں بھی اس خبر سے سخت پریشان ہوئیں۔ جنگ کا ہنگامہ ظہر تک ختم ہو چکا تھا۔ خاتمہ جنگ کے بعد کچھ مسلمان عورتیں میدان جنگ میں پہنچیں۔ سیدنا انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے عائشہ بنت ابی بکرؓ اور ام سلیم (یہ سیدنا ابو طلحہ انصاریؓ کی بیوی تھیں جن کے ہاتھوں سے کئی کمانیں ٹوٹیں) کو دیکھا کہ پنڈلی کی پازیب تک کپڑے چڑھائے پیٹھ پر پانی کے مشکیزے لا رہی تھیں اور زخمیوں کو پلا رہی تھیں۔ (بخاری جلد ۱ ص ۴۰۳، جلد ۲ ص ۵۸۱) انہی عورتوں میں سیدہ ام ایمنؓ بھی تھیں۔ انہوں نے جب شکست خوردہ مسلمانوں کو دیکھا کہ مدینہ میں گھسنا چاہتے ہیں، تو آپ نے دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر کر ان کے منہ پر ماری

Marfat.com

اور فرمایا: "سوت کی انٹی تم لو اور مجھے تلوار دو۔" (ایک روایت میں ہے کہ یہ مٹی ان کو ماری تھی جو حضور ﷺ کے قتل کی وحشت انگیز خبر لے کر مدینہ گئے تھے) پھر آپؓ میدان جنگ میں تیزی سے پہنچیں اور پیاسے زخمیوں کو پانی پلانے لگیں۔ ان پر ایک شخص حبان (ح کی زیر کے ساتھ) بن عرقہ نے تیر چلایا جس سے وہ گر پڑیں اور بدن کھل گیا۔ اس پر حبان نے زوردار قہقہہ لگایا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی یہ بات گراں گزری۔ آپؐ نے بے پھل کا ایک تیر سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو دیا اور فرمایا اسے چلاؤ۔ سیدنا سعدؓ نے وہ تیر چلایا تو اس کے حلق پر جا کر لگا اور وہ چت گرا اور اس کا پردہ کھل گیا۔ اس انتقام پر سرکارِ دو عالمؐ اتنا ہنسے کہ جڑ کے دانت دکھائی دینے لگے۔ اور فرمایا سعدؓ نے ام ایمن کا بدلہ چکا دیا۔

(سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۲)

سیدنا ابو سعید خدریؓ کی والدہ ام سلیطؓ بھی مشک میں پانی بھر بھر کر زخمیوں کے لیے لاتی تھیں۔ سیدہ فاطمہؓ بنت رسولؐ بھی تشریف لائیں۔ ابا کو دیکھا کہ چہرہ مبارک کے زخموں سے خون بہہ رہا ہے اور سرکارِ دو عالم ﷺ اس کا کوئی قطرہ زمین پر نہیں گرنے دے رہے اور خون کو کپڑوں پر لے رہے ہیں۔ سیدنا علیؓ ڈھال میں پانی لائے اور سیدنا فاطمہؓ نے زخم دھوئے لیکن خون تھمتا نہیں تھا۔ چنانچہ چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ زخم میں بھری تب خون بند ہوا۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۴۹ رواہ البخاری والطبرانی)

سیدنا سہیلؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آقائے دو جہان ﷺ کا زخم کس نے دھویا؟ پانی کس نے بہایا اور علاج کس چیز سے کیا گیا؟ سیدہ فاطمہؓ آپؐ کا زخم دھو رہی تھیں۔ سیدنا علیؓ ڈھال سے پانی بہا رہے تھے۔ جب سیدہؓ نے دیکھا کہ پانی کی وجہ سے خون بڑھتا ہی جاتا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو جلایا اور زخموں پر چپکا دیا جس سے خون رک گیا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۸۴)

گھاٹی میں استراحت

غزوہ احد کی جنگ ظہر کے وقت تک ختم ہو چکی تھی۔ ظہر کی نماز آپؐ نے بیٹھ کر پڑھی۔ بہت سے صحابہ کرامؓ نے بھی یہ نماز بیٹھ کر پڑھی۔ (ابن ہشام جلد ۴ ص ۸۷)

نماز سے قبل سیدنا علیؓ مہراس (ایک چشمہ کا نام) سے اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لائے اور آپؐ کو پیش کیا۔ آپؐ نے اس میں کچھ ناگوار بو محسوس کی اس لیے پیا تو نہیں البتہ اس سے چہرے کا خون دھو لیا۔ اور سر پر بھی ڈالا۔ اور اس حالت میں فرمایا:

اشتد غضب اللہ علی من رمی وجہ نبیہ۔

"اس شخص پر اللہ کا سخت عذاب ہو جس نے اس کے نبی کے چہرے کو خون آلود کیا۔"

اتنے میں محمد ابن مسلمہؓ کہیں سے شیریں اور خوش ذائقہ پانی لائے۔ آپؐ نے اسے نوش فرمایا اور دعائے خیر فرمائی۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۳۰)

ابو سفیان کی آواز .

قریش کے لشکر نے جب واپسی کی تیاری کی تو ابو سفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی "کیا تم لوگوں میں محمد ﷺ زندہ ہیں؟" آپؐ نے فرمایا: "کوئی اس آواز کا جواب نہ دے۔" جب کوئی جواب نہ آیا تو پھر یہ آواز دی۔ "کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابو بکرؓ) موجود ہیں؟" آپؐ نے فرمایا "کوئی جواب نہ دے۔" جب کوئی جواب نہ آیا تو پھر یہ آواز دی! "کیا تم میں عمر بن الخطاب موجود ہیں؟" آپؐ نے اس کا جواب دینے سے بھی منع فرما دیا۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے خوش ہو کر کہا: "بہر حال یہ سب قتل ہو گئے کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔"

یہاں یہ بات خاص طور پر ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ ابو سفیان نے ان تین کے سوا کسی اور کے بارہ میں نہیں پوچھا۔ کیونکہ کفر بھی سمجھتا تھا کہ محمد ﷺ کے بعد ابو بکرؓ اور ابو بکرؓ کے بعد عمرؓ ہی اس قوم کی قیادت کر سکتے ہیں اور اب اگر یہ تینوں زندہ نہیں رہے تو اب ہمیں فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب دین اسلام اور مسلمان ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ابو سفیان کی یہ بات سن کر سیدنا عمرؓ بے قابو ہو گئے اور اونچی آواز سے فرمایا: "اے اللہ کے دشمن! تو نے بالکل غلط کہا تیرے رنج و غم کا سامان اللہ تعالیٰ نے ابھی باقی رکھ چھوڑا ہے۔ یہ سب زندہ ہیں۔" پھر اس نے نعرہ لگایا: اعل ھبل۔ ہبل کی جے ہووے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کے جواب میں کہو: اللہ اعلیٰ واجل۔ اللہ سب سے اعلیٰ اور برتر ہے۔

پھر ابو سفیان نے دوسرا نعرہ لگایا: لنا عزی ولا عزی لکم۔ ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارے پاس عزیٰ نہیں۔

حضور ﷺ نے سیدنا عمرؓ سے فرمایا: اس کا یہ جواب دو: اللہ مولانا ولا مولی لکم۔ اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں۔

اس کے بعد ابو سفیان نے کہا: "یہ دن یوم بدر کا بدلہ ہے لہٰذا ہم اور تم برابر ہو گئے اور لڑائی تو ڈول کی مانند ہے۔ کبھی اوپر اور کبھی نیچے۔"

سیدنا عمرؓ نے جواب دیا: "ہم اور تم برابر نہیں۔ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں۔"

Marfat.com

بعد ازاں ابو سفیان نے سیدنا عمر کو آواز دی کہ میرے پاس آؤ- سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا جاؤ اور دیکھو کیا کہتا ہے؟ سیدنا عمرؓ اس کے پاس گئے تو ابو سفیان نے کہا: "عمر! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں سچ بتاؤ کہ ہم نے محمد ﷺ کو قتل کیا؟"

سیدنا عمرؓ نے فرمایا: "خدا کی قسم! ہرگز نہیں، وہ اس وقت تیری بات کو سن رہے ہیں-"

ابو سفیان نے کہا: "تم میرے نزدیک ابن قمیئہ سے زیادہ سچے اور نیک ہو-"

اس کے بعد ابو سفیان نے کہا: "ہمارے آدمیوں کے ہاتھ سے تمہارے مقتولین کا مثلہ ہوا ہے- خدا کی قسم، میں اس فعل سے نہ راضی ہوں اور نہ ناراض- نہ میں نے منع کیا اور نہ حکم دیا-"

(بخاری جلد ۲ ص ۵۷۹، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۷۲، زرقانی جلد ۲ ص ۴۷، زاد المعاد جلد ۲ ص ۹۴، سیرہ ابن ہشام جلد ۲ ص ۹۳- ۹۴، عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۹)

چلتے وقت ابو سفیان نے آواز دی کہ "آئندہ سال بدر میں تم سے جنگ کا وعدہ ہے-"

رسول اللہ ﷺ نے کسی صحابی سے یہ کہا کہ کہہ دو: "ہاں ہمارا اور تمہارا یہ وعدہ ہے- انشاء اللہ-" (زرقانی جلد ۲ ص ۴۸، ابن ہشام جلد ۲ ص ۹۴)

لشکر قریش کی واپسی

قریباً ظہر کے بعد قریش کا لشکر احد کے میدان سے روانہ ہوا- سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا علی ابن ابی طالبؓ کو فرمایا کہ ان کے پیچھے جا کر پتہ لگاؤ کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور ان کا کیا ارادہ ہے؟ اگر وہ مدینہ کا رخ کر رہے ہیں تو ہم فوراً مدینہ پہنچ کر ان کا مقابلہ کریں- آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر انہوں نے گھوڑے پہلو میں رکھے ہوں اور اونٹوں پر سوار ہوں تو ان کا مکہ کا ارادہ ہے- اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹوں کو ہانک کر لے جائیں تو مدینہ کا ارادہ ہے- سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے پیچھے گیا تو کیا دیکھا کہ انہوں نے گھوڑے اپنے پہلو میں رکھے ہیں اور اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کا رخ کیا ہوا ہے-

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۹۴)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپؐ نے مشرکین کے عزائم کا پتہ لگانے کے لیے اور یہ جاننے کے لیے کہ وہ کدھر جا رہے ہیں، سیدنا علیؓ کی بجائے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو بھیجا تھا-

(ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۷ ص ۳۴۷)

زخمیوں کی خبر گیری

قریش کی مکہ واپسی کے بعد زخمیوں اور شہیدوں کا پتہ چلایا گیا- سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے

Marfat.com

مجاہدین اور جان نثاروں پر نگاہ ڈالی تو ان سے حالات دریافت فرمانے لگے۔ پوچھا: "سعد بن ربیعؓ نظر نہیں آ رہے۔ وہ کہاں ہیں؟ تلاش کرو زندہ ہیں یا شہید ہو گئے ہیں؟"

سعد ابن ربیع السابقون الاولون میں سے تھے۔ وہ اپنی قوم کے نقیب تھے۔ سرکارِ مدینہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جب آپؐ نے مہاجر و انصار میں مواخات قائم کی تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ان کا بھائی بنایا۔ سیدنا سعد بن ربیعؓ نے اپنی کل جائیداد کا نصف سیدنا عبدالرحمٰنؓ کو دینے کی پیش کش کی۔ یہ بھی کہا کہ ان کی دو بیویاں ہیں۔ ان دونوں میں سے جو بھی پسند ہو، میں اس کو طلاق دے دوں گا۔ عدت کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں، لیکن عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کی اس پیش کش کو قبول نہ کیا بلکہ کہا کہ آپ مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دیں۔ لیکن سیدنا سعد بن ربیعؓ کا یہ ایثار ناقابلِ فراموش ہے۔ سیرت ابنِ ہشام میں ہے کہ ایک شخص نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو دیکھا کہ ایک بچی کو چھاتی پر بٹھا کر اسے چمکار رہے ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ یہ بچی کس کی ہے؟ فرمایا اس شخص کی بچی ہے جو بیعت عقبہ کے وقت نقیب بنائے گئے تھے۔ جنگ بدر میں شریک ہوئے اور غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ (جلد ۲ ص ۹۵)

سیدنا زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں۔ کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے بھیجا کہ میں سعد بن ربیعؓ کو تلاش کروں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مل جائیں تو میرا اسلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ تم اس وقت اپنے کو کیسا پاتے ہو؟ زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں مقتولین میں ڈھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔ دیکھا تو انہیں نیزے اور تلوار کے قریباً ستر زخم آئے ہوئے تھے۔ ابھی کچھ زندگی کی رمق باقی تھی۔ میں نے کہا سعد! اللہ کے رسول ﷺ آپ کو سلام کہتے ہیں اور پھر آپ کا پیغام پہنچایا۔ سعد بن ربیعؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سلام اور تم پر بھی سلام ہو۔ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کرنا کہ میں اس وقت جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اور میری قوم انصار سے یہ کہنا کہ جب تک ایک جھپکنے والی آنکھ تم میں زندہ ہے یعنی جب تک تم میں ایک شخص بھی زندہ ہے، اگر دشمن نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکا کر دیا تو تمہارے پاس خدا کے حضور پیش کرنے کے لیے کوئی عذر نہ ہو گا۔ یہ کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ رضی اللہ عنہ۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا وہ پیغام پہنچا دیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۴۹، ابن ہشام جلد ۲ ص ۸۶)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کرنا کہ اس وقت میں مر رہا ہوں اور سلام کے بعد کہنا: اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو ہماری اور سب امت کی طرف سے جزائے خیر دے کہ ہم کو حق کا راستہ بتایا۔" (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۰۱)

Marfat.com

زخمیوں میں اصیرم کو بھی دیکھا گیا جنہوں نے ایمان لانے کے بعد ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھی تھی کہ جنت میں چلے گئے۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۹۶) ان کا واقعہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

تجہیز و تکفین

زخمیوں کے ساتھ ساتھ شہداء کی بھی تلاش کی گئی کیونکہ ان کی تجہیز و تکفین کرنا تھی۔ کچھ حضرات نے اپنے شہداء کو مدینہ منتقل کر لیا تھا۔ آپ ؐ نے انہیں واپس لانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ ان کو ان کی شہادت گاہوں ہی میں دفن کیا جائے۔

سیدنا حمزہ ؓ کی لاش کو حضور ﷺ نے دیکھا تو اس کا مثلہ ہو چکا تھا۔ آپ کو لاش دیکھ کر نہایت صدمہ ہوا۔ فرمایا: ”میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ حمزہ کی لاش اسی حالت میں پڑی رہے اور قیامت کے دن اس کے اجزاء درندوں کے پیٹ اور پرندوں کی پوٹوں سے اکٹھے ہوں، مگر اس بات پر اس لیے عمل نہیں کرتا کہ پھر یہ ایک سنت مان لی جائے گی۔ اس کے علاوہ سیدنا حمزہ ؓ کی بہن صفیہ ؓ اس کو برداشت نہیں کریں گی۔“

پھر آپ ؐ نے فرمایا کہ مجھے جبریل امین نے خبر دی ہے کہ سیدنا حمزہ ؓ کا یہ لقب ساتوں آسمانوں میں لکھ دیا گیا ہے:

اسد اللہ واسد رسولہ۔

”اللہ اور اس کے رسول کا شیر۔“ (ابن ہشام جلد ۲ صل ۹۵-۹۶)

سیدہ صفیہ ؓ سیدنا حمزہ ؓ کی حقیقی بہن اور آپ کی پھوپھی تھیں۔ دونوں بہن بھائیوں میں بڑی محبت تھی۔ سیدہ صفیہ ؓ سیدنا زبیر بن عوام ؓ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ شکست کی خبر سن کر مدینہ طیبہ سے احد پہنچیں۔ وہ اپنے بھائی سیدنا حمزہ ؓ کی لاش کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کے صاحبزادے سیدنا زبیر ؓ سے فرما دیا کہ انہیں واپس لے جائیں۔ لاش کے پاس نہ جانے دیں کیونکہ اپنے بھائی کی لاش کی یہ حالت وہ دیکھ نہ پائیں گی۔ سیدنا زبیر ؓ نے اپنی والدہ کو بتا دیا کہ حضور ﷺ نے لاش کو دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ فرمایا: میں اپنے بھائی کی لاش کا حشر سن چکی ہوں کہ اس کا مثلہ کیا گیا ہے۔ راہ خدا میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا ہم اس پر پوری طرح راضی ہیں۔ تم حضور ﷺ کو اس بات کا اطمینان دلا دو۔ میں انشاء اللہ صبر سے کام لوں گی۔ آپ ؐ نے ان کے یہ جذبات دیکھ کر لاش کے پاس جانے کی اجازت فرما دی۔ وہ لاش پر تشریف لے گئیں۔ خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ لیکن آپ ؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت مانگی اور خاموش ہو گئیں۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سیدنا حمزہ ؓ کی لاش کو دیکھا تو رو

Marfat.com

پڑے یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی۔ پھر فرمایا:

سید الشھداء عند اللہ یوم القیامہ حمزہ۔

"قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں حمزہؓ تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے۔"

(مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۹۹)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے:

سید الشھداء حمزہ بن عبدالمطلب۔

"حمزہ بن عبدالمطلب تمام شہیدوں کے سردار ہیں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۲۸۲)

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ پر جس طرح روئے اس طرح میں نے ان کو کبھی روتے نہیں دیکھا۔ آپؐ نے انہیں قبلہ کی طرف رکھا پھر ان کے جنازے پر کھڑے ہوئے اور اس طرح روئے کہ آواز بلند ہو گئی۔ (مختصر السیرۃ ص ۲۵۵)

سیدنا حمزہؓ کے بھانجے (امیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے) سیدنا عبداللہ بن جحش دعا مانگا کرتے تھے کہ اللہ کے رستہ میں اپنی جان نثار کروں اور اللہ کے راستہ میں ان کے ناک، کان کاٹے جائیں اور اسی وجہ سے انہیں "المجدع فی سبیل اللہ" کہا گیا۔ ان کی لاش بھی وہیں پڑی ہوئی تھی۔ ان کا پیٹ تو چاک نہیں کیا گیا تھا البتہ ناک کاٹ لی گئی تھی۔

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ احد کے روز جنگ شروع ہونے سے پہلے سیدنا عبداللہ بن جحشؓ نے الگ بلا کر کہا کہ آؤ ہم دونوں کہیں الگ بیٹھ کر دعا مانگیں اور پھر ایک دوسرے کی دعا پر آمین کہیں۔ سیدنا سعدؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ پہلے میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ! آج میرا مقابلہ ایک ایسے دشمن سے ہو جو نہایت بہادر، دلیر اور غضبناک ہو۔ کچھ میرا اور اس کا مقابلہ ہو۔ پھر اے اللہ! مجھے اس پر فتح نصیب فرما کہ میں اس کو قتل کروں اور اس کا سامان چھینوں۔ سیدنا عبداللہؓ نے میری اس دعا پر آمین کہی۔

اب سیدنا عبداللہ بن جحشؓ نے دعا مانگی کہ "اے اللہ! آج میرا ایک ایسے دشمن سے مقابلہ ہو جو بہت سخت اور غضبناک ہو۔ میں صرف تیرے لیے اس سے قتال کروں اور وہ مجھ سے لڑے۔ آخر کار وہ مجھ کو قتل کر دے اور میرے ناک اور کان کاٹے۔ اے اللہ! پھر جب میں تجھ سے ملوں اور تو مجھ سے پوچھے کہ عبداللہ! تیرے یہ ناک اور کان کہاں گئے تو میں عرض کروں کہ اے اللہ تیرے پیغمبر کی راہ میں۔ اور تو فرمائے: سچ کہا"۔ سیدنا سعدؓ نے ان کی اس دعا پر آمین کہی۔ پھر فرمایا کہ عبداللہؓ کی دعا میری دعا سے کہیں بہتر تھی۔ فرماتے ہیں کہ شام کو دیکھا کہ ان کے ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں۔

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ اللہ نے میری دعا بھی قبول فرمائی۔ میں نے ایک بہت بڑے

Marfat.com

کافر کو قتل کیا اور اس کا سامان چھینا۔(روض الانف جلد ۲ ص ۱۴۳)

ان کی لاش کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ انہیں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے۔ یہ سیدنا حمزہؓ کے بھانجے بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔ سیدنا مصعب بن عمیرؓ علم بردار لشکر بھی اس غزوہ میں شہید ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی لاشوں کو دیکھ کر فرمایا یہ وہ ہیں کہ خدا سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا۔(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۴۵)

اسی طرح سیدنا حنظلہؓ کی شہادت واقع ہوئی۔ ان کی لاش غائب تھی۔ تلاش کرتے پر ایک جگہ زمین پر پڑی ہوئی ملی اور اس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے تھے۔ اسی وجہ سے ان کا نام "غسیل الملائکہ" پڑ گیا۔(زاد المعاد جلد ۲ ص ۹۴)

سیدنا جابرؓ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ بھی ایک غزوہ میں شہید ہوئے۔ سیدنا جابرؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد عبداللہ نے رات ہی کو بٹھا کر مجھے وصیت کی تھی کہ صبح کو رسول اللہ ﷺ کے جانثاروں میں سے جو سب سے پہلے قربان ہو گا مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوں گا۔ پھر فرمایا: تم یقین رکھو کہ میں جن کو چھوڑ کر رخصت ہوں گا ان میں رسول اللہ ﷺ کے بعد تم ہو۔ میں اپنے ذمہ قرض چھوڑ رہا ہوں۔ تم اسے ادا کرو گے۔ اپنی بہنوں کا پورا پورا خیال رکھنا (ان کی سات بہنیں تھیں) سیدنا جابرؓ فرماتے ہیں کہ ابا کی بات بالکل صحیح ہوئی وہ انہی میں سے تھے جو سب سے پہلے شہید ہوئے۔(بخاری جلد ۱ ص ۱۸۰)

خود فرمایا کہ احد کے غزوہ سے پہلے میں نے سیدنا مبشر بن عبدالمنذرؓ کو خواب میں دیکھا۔ وہ کہہ رہے ہیں، عبداللہ! تم بھی آج کل میں ہمارے پاس پہنچنے والے ہو۔ میں نے کہا تم کہاں ہو، کہا جنت میں۔ جہاں چاہتے ہیں سیر و تفریح کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا تو بدر میں قتل نہیں ہوا تھا۔ مبشر نے کہا ہاں، لیکن پھر زندہ کر دیا گیا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب حضور ﷺ کو سنایا۔ آپؐ نے فرمایا: "ابو جابر! اس خواب کی تعبیر شہادت ہے"۔(زاد المعاد جلد ۲ ص ۹۶، فتح الباری جلد ۳ ص ۱۷۲)

شہادت کے بعد ان پر کپڑا ڈال دیا گیا تھا۔ میں پاس بیٹھے رو رہا تھا اور بار بار کپڑا اٹھا کر ان کی زیارت کر رہا تھا۔ مجھے صحابہ کرامؓ نے منع بھی کیا مگر مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے دو تین دفعہ ایسا کیا۔ پھر سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ اٹھانے کا حکم دیا تو میری پھوپھی سیدہ فاطمہ بنت عمروؓ کی چیخ نکل گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیوں روتی ہو۔ جب تک جنازہ اٹھا میں برابر دیکھتا رہا کہ اللہ کے فرشتے اس پر سایہ کیے ہوئے ہیں"۔(بخاری ص ۱۶۶، ص ۱۷۲، ص ۳۹۵، جلد ۲ ص ۵۸۴)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ کے بہنوئی سیدنا عمرو بن الجموحؓ بھی اس معرکہ میں شہید ہوئے۔ ان کو اس معرکہ میں آنے کا بہت شوق تھا کیونکہ یہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ یہ لنگڑے تھے۔ ان کے شوق شہادت کا واقعہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اسی شوق شہادت میں مدینہ سے چلتے وقت قبلہ

کی طرف منہ کر کے دعا کی:

اللھم ارزقنی الشھادہ ولا تردنی الی اھلی۔

"اے اللہ! مجھے شہادت سے بہرہ مند فرما اور گھر والوں کی طرف واپس نہ لوٹا"۔

دعا قبول ہو گئی۔ اسی غزوہ میں ان کے بیٹے خلاد بن عمرو بن الجموحؓ بھی شہید ہوئے۔ عمرو ابن الجموح کی بیوی ہندہ بنت عمرو بن حرام (جو کہ سیدنا جابر بن عبداللہؓ کی پھوپھی تھیں) نے یہ چاہا کہ تینوں لاشوں (عمرو بن الجموحؓ، خلاد بن عمرو بن الجموحؓ اور عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ (یعنی بیٹے شوہر اور بھائی) کو ایک اونٹ پر لاد کر مدینہ لے جائے اور وہیں دفن کیا جائے۔ مگر جب مدینہ کا رخ کرتیں تو اونٹ بیٹھ جاتا اور جب احد کا رخ کرتیں تو اونٹ چلنے لگتا۔ ہندہ کی سمجھ میں اس کی وجہ نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ عمرو بن الجموحؓ نے گھر سے چلتے وقت کچھ کہا تھا۔ انہوں نے دعا کا تذکرہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں جاتا اور یہ بھی فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں اگر وہ کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کرتا ہے، اور عمرو ابن الجموحؓ بھی ان میں سے ایک ہیں اور بے شک میں نے ان کو اسی لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں چلتا ہوا دیکھا ہے۔"

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۸، زرقانی جلد ۲ ص ۵۰، استیعاب ترجمہ عمرو بن الجموح جلد ۲ ص ۵۰۳، روض الانف جلد ۲ ص ۱۳۹)

سیدنا خیثمہؓ بھی اس غزوہ میں شہید ہوئے۔ ان کے صاحبزادے سیدنا سعد بن خیثمہؓ غزوہ بدر میں شہید ہو چکے تھے۔ اب غزوہ احد میں یہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں بدر میں جانا چاہتا تھا اور میرا بیٹا بھی یہ سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آخر میں نے بیٹے سے قرعہ اندازی کی مگر قرعہ میں نام اس کا نکل آیا اور وہ غزوہ بدر میں گیا اور شہادت حاصل کی اور میں رہ گیا۔ آج رات میں نے بیٹے کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ جنت کے باغات میں سیر و تفریح کرتا پھرتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ ابا یہیں آ جاؤ۔ دونوں مل کر جنت میں ایک ساتھ رہیں گے۔ یا رسول اللہ! میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بیٹے کی مرافقت کا نہایت مشتاق ہوں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے اور جنت میں اپنے بیٹے سعد کی رفاقت۔ آپؐ نے خیثمہؓ کے لیے دعا فرمائی۔ دعا قبول ہوئی اور خیثمہؓ کو شہادت کی دولت نصیب ہوئی اور امید ہے کہ خیثمہؓ جنت میں اپنے بیٹے کے ساتھ ہوں گے۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۹۶) ان کے علاوہ اور بھی کئی شہداء میدان جنگ میں پڑے تھے جنہوں نے اپنی جانیں پیغمبر اسلام اور دین اسلام کے لیے نہایت خوشی کے ساتھ قربان کی تھیں۔

Marfat.com

شہداء کو غسل نہیں دیا جاتا کیونکہ شہادت کے خون کے چھینٹے اللہ کے ہاں مشک وغیرہ سے بھی زیادہ معطر ہوتے ہیں۔ ان کو دھویا نہیں جاتا۔ ان کے کپڑے نہیں اتارے جاتے، کفن نہیں پہنایا جاتا بلکہ انہیں خون آلود کپڑوں سے دفن کر دیا جاتا ہے۔ البتہ زرہ وغیرہ جو بدن پر ہو یا اگر کچھ زائد کپڑے ہوں تو وہ اتار لیے جاتے ہیں۔ اور اگر کپڑے مسنون کفن (یعنی تین کپڑے نہ ہوں) تو ان کو پورا کر دیا جاتا ہے۔ شہداء احد کی تجہیز و تکفین میں بھی یہی عمل ہوا۔ لیکن سیدنا حمزہؓ اور سیدنا مصعب بن عمیرؓ کی لاشوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا، اس میں ان کے کپڑے بھی پورے نہیں رہے تھے۔ اس لیے اضافہ کیا گیا۔ سیدنا حمزہؓ کے لیے ایک سیاہ دھاریوں والی چادر کے سوا کوئی کفن نہ مل سکا۔ یہ چادر سر پر ڈالی جاتی تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں پر ڈالی جاتی تو سر کھل جاتا۔ بالآخر چادر سے سر ڈھک دیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی ہیں۔ ان کے صاحبزادے ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ ابا کا روزہ تھا۔ افطار کا وقت ہوا تو کھانا لایا گیا۔ فرمانے لگے: مصعب بن عمیرؓ مجھ سے بہتر اور افضل تھے۔ غزوہ احد میں جام شہادت نوش فرمایا لیکن تنگ دستی کی یہ حالت تھی کہ پورا کفن میسر نہ ہو سکا، صرف ایک چادر ملی وہ بھی پوری نہیں تھی۔ سر چھپاتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔

فرمایا حمزہؓ مجھ سے بہتر اور افضل تھے۔ وہ بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے اور پورا کفن انہیں بھی میسر نہ آیا۔ صرف ایک چادر تھی وہ بھی چھوٹی سی۔ سر ڈھانکتے تو پیر کھل جاتے اور پیر ڈھانکتے تو سر کھل جاتا۔ بالآخر سر چھپا دیا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی۔

(ترمذی باب قتلی احد و ذکر حمزہ، بخاری جلد ۲ ص ۵۷۹، ۵۸۴)

یہ بھی کچھ ان دونوں حضرات کی خصوصیت تھی کہ ان دونوں کو الگ الگ ایک ایک کپڑا دے دیا گیا، ورنہ ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی کپڑے سے دو شہیدوں کا کفن پورا ہو گیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک کپڑے کے دو ٹکڑے کر دیتے تھے اور اس ایک ٹکڑے سے شہید کو کفن دیتے تھے۔ (فیض الباری جلد ۲ ص ۴۷۷)

تدفین

شہداء کی تعداد زیادہ تھی یعنی ستر اور مدینہ کی زمین بھی کھدائی کے لیے بہت سخت تھی۔ زمین کھودنے والے خود زخموں سے چور اور تھکے ہارے اور پھر دشمن کا خطرہ بھی موجود تھا کیونکہ وہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا۔ اس وجہ سے فیصلہ یہ ہوا کہ ایک ایک قبر میں دو دو دفن کیے جائیں۔ چنانچہ سیدنا حمزہؓ اور

Marfat.com

ان کے بھانجے سید عبداللہ بن جحشؓ کو ایک قبر میں دفن کیا گیا اور سیدنا جابرؓ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ اور سیدنا عمرو بن الجموحؓ کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ ابن سعد نے طبقات جلد ۳ ص ۵۶۲ میں لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمروؓ کے منہ پر ایک زخم لگا تھا۔ شہادت کے وقت ان کا ہاتھ اس زخم پر تھا۔ ان کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا تو زخم سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ پھر جب ہاتھ واپس لے جایا گیا تو خون بند ہو گیا چنانچہ ان کا ہاتھ اسی طرح زخم پر رکھ کر ان کو دفن کر دیا گیا۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۴)

جن صحابہ کرامؓ کو قرآن زیادہ یاد تھا۔ ان کو مقدم کیا جاتا تھا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۱۷۹) ان شہداء کے بارہ میں زبان رسالت سے یہ الفاظ بھی نکلے:

انا شھید علی ھولاء یوم القیامہ۔

"قیامت کے روز میں ان کی گواہی دوں گا۔" (بخاری جلد ۱ ص ۱۷۹)

بعض حضرات اپنے شہداء کو مدینہ طیبہ لے گئے تھے لیکن آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ سب کو یہیں دفن کیا جائے۔ چنانچہ ان کو واپس لایا گیا۔

دفن کی طرح نماز میں بھی اختصار کیا گیا۔ دس دس شہداء کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھائی گئی لیکن سیدنا حمزہؓ کا جنازہ برابر رکھا رہا۔ ان پر نماز جنازہ سات مرتبہ پڑھائی گئی۔

(ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۵۱۳ باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی الشھداء و دفنھم)

امام بخاریؒ نے سیدنا جابرؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے شہدائے احد کے بارہ میں فرمایا کہ ان کو اسی طرح خون آلود دفن کر دیا جائے اور نہ انہیں غسل دیا گیا اور نہ ہی ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (ولم یصل علیھم) (بخاری جلد ۱ ص ۱۷۹) لیکن سیدنا انسؓ کی جو روایت ابو داؤد نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ "سیدنا حمزہؓ کے علاوہ اور کسی کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی گئی"۔ (ابو داؤد جلد ۲)

مطلب یہ ہے کہ سیدنا حمزہؓ کے علاوہ اور کسی کی نماز مستقل طور پر علیحدہ نہیں پڑھی گئی۔ یہ چونکہ سید الشہداء تھے لہٰذا اصل یہی رکھے گئے اور سب ان کے تابع کیے گئے۔ ابن سعد نے طبقات میں اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ سیدنا حمزہؓ پر ستر نمازیں پڑھی گئیں۔ (طبقات جلد ۳ ص ۳۰) محمد ابن اسحاق نے ان کی تعداد ۷۲ بتائی ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۹۷، عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۱) حافظ مغلطائی نے شہداء احد کی نماز جنازہ پر اجماع نقل کیا ہے۔ (سیرۃ مغلطائی ص ۵۰)

دعا

جب قریش کا لشکر واپس چلا گیا تو سرکارِ دوعالم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ تمام حضرات صفیں باندھ لو تاکہ سب مل کر دعا کریں۔ اسلام کی یہی ایک خصوصیت ہے کہ ہر خوشی اور غمی کے موقع

Marfat.com

پر، ہر مصیبت اور مسرت پر اسی کے آگے جھکا جاتا ہے، اسی سے مانگا جاتا ہے اور اسی کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔
چنانچہ ایسے موقع پر جب ستر (۷۰) صحابہ کرامؓ کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں خود حضور ﷺ اور قریباً تمام صحابہ زخموں اور تھکاوٹ سے چور ہیں، پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کو میدان جنگ میں برابر ہو کر دعا مانگنے کے لیے کہا۔ اس حکم پر تمام صحابہ کرامؓ نے صفیں باندھ لیں اور آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی۔ دعا کے ایک ایک لفظ سے عبدیت اور شکر کے جذبات ٹپکتے ہیں۔ عرض کی:

اللھم لک الحمد کلہ، اللھم لا قابض لما بسطت، ولا باسط لما قبضت، ولا ھادی لمن اضللت، ولا مضل لمن ھدیت، ولا معطی لما منعت، ولا مانع لما اعطیت، ولا مقرب لما باعدت، اللھم ابسط علینا من برکاتک و رحمتک و فضلک و رزقک، اللھم اسئلک النعیم المقیم الذی لا یحول ولا یزول، اللھم اسئلک النعیم یوم العیلہ ولا من یوم الخوف، اللھم انی عائذبک من شر ما اعطیتنا و شر ما منعتنا، اللھم حبب الینا الایمان وزینہ فی قلوبنا و کرہ الینا الکفر والفسوق والعصیان، واجعلنا من الراشدین۔ اللھم توفنا مسلمین واحینا مسلمین والحقنا بالصالحین، غیر خزایا ولا مفتونین، اللھم قاتل الکفرہ الذین یکذبون رسلک، ویصدون عن سبیلک، واجعل علیھم رجزک و عذابک، اللھم اھلک الکفرہ الذین اوتو الکتاب الہ الحق۔

”اے اللہ! ساری حمد تیرے ہی لیے ہے، اے اللہ جس کو تو کشادہ کردے اسے کوئی تنگ نہیں کر سکتا اور جس شے کو تو تنگ کر دے اسے کوئی کشادہ نہیں کر سکتا۔ جس کو تو ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو تو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور جو چیز تو دے دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس شے کو تو دور کر دے اسے کوئی قریب نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! ہمارے اوپر اپنی برکتیں، رحمتیں، فضل اور رزق پھیلا دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے برقرار رہنے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو نہ ٹلے اور نہ ختم ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے فقر کے دن مدد کا اور خوف کے دن امن کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! جو کچھ تو نے ہمیں دیا ہے اس کے شر سے اور جو کچھ نہیں دیا ہے اس کے بھی شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! ہمارے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دے اور اسے ہمارے دلوں میں اس کو مزین کر دے، اور کفر، فسق اور نافرمانی کو ناپسند بنا دے اور ہمیں ہدایت یافتہ

لوگوں میں سے کر دے۔ اے اللہ! ہمیں موت دے تو اسلام پر، زندہ رکھے تو اسلام پر اور ہمیں صالحین میں شامل کر دے۔ ہمیں رسوا نہ کر اور ایسا بھی نہ ہو کہ ہم فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔ اے اللہ! تو ان کافروں کو ہلاک کر جو تیرے پیغمبروں کو جھٹلاتے اور تیرے راستہ سے روکتے رہتے ہیں اور ان پر اپنا عتاب اور عذاب نازل فرما۔ اے اللہ! ان کافروں کو بھی ہلاک فرما جنہیں کتاب دی گئی۔ اے سچے معبود۔" (مسند احمد جلد ۳ ص ۳۲۴)

اس واقعہ کے کئی سال بعد انتقال سے کچھ پہلے سرکارِ دو عالم ﷺ نے شہداء احد کے لیے اسی طرح نماز پڑھی جیسے جنازہ کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ بعد ازاں آپ منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"میں تمہارا ہراول ہوں۔ میں تمہارا گواہ ہوں گا۔ خدا کی قسم! میں اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ یا فرمایا مجھے زمین کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ مجھے، بخدا! اس کا کوئی خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے، البتہ مجھے یہ خوف ضرور ہے کہ تم دنیا کی دلدل میں پھنس جاؤ گے اور ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو گے۔" (بخاری جلد ۱ ص ۱۷۹)

مدینہ طیبہ کو واپسی

شہداء کی تکفین و تدفین کے بعد اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور دعا و مناجات سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے زخمی اور تھکے ہارے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ طیبہ کی واپسی کا ارادہ فرمایا۔ خواتین جو میدان کارزار میں پہنچ گئی تھیں اور جن کی تعداد چودہ کے قریب تھی، وہ بھی ساتھ تھیں۔ ان کی صف سب سے پیچھے تھی۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۲۸۰) قبیلہ اوس کے رئیس سیدنا سعد بن معاذؓ نے گھوڑے کی باگ سنبھالی ہوئی تھی۔ کچھ راستہ طے کیا تھا کہ حمنہ بنت جحشؓ جو سیدہ زینب بنت جحشؓ ام المومنین کی بہن اور آپ کی پھوپھی زاد بہن بھی تھی، سامنے آئی۔ انہیں بتایا گیا کہ تمہارا بھائی عبداللہ بن جحشؓ معرکہ میں شہید ہو گیا ہے۔ انہوں نے انا للہ پڑھی اور ان کے لیے دعا مغفرت کی۔ پھر بتایا گیا کہ تمہارے ماموں سیدنا حمزہؓ شہید ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ان کے لیے بھی دعائے مغفرت کی اور خاموش ہو گئیں۔ اس کے بعد ان کے شوہر سیدنا مصعب بن عمیرؓ علم بردار لشکر کی شہادت کی خبر دی گئی۔ یہ خبر سنتے ہی دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ تڑپ کر چیخ اٹھیں اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ آپ نے فرمایا: ایک عورت کی نظر میں جو شوہر کا مقام اور درجہ ہے وہ کسی اور کا نہیں۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۹۸) پوچھا کہ بھائی اور ماموں کی شہادت کی خبر پر تو تم اتنی بے تاب نہیں ہوئیں، شوہر کی شہادت پر کیوں

Marfat.com

رونے لگیں۔ کہنے لگیں بچوں کی یتیمی کے خیال نے تڑپا دیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ آپ ؑ کی دعا کی برکت سے عدت کے بعد ان کا نکاح سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ سے ہو گیا۔ انہوں نے ان کے یتیم بچوں کو اپنے بچوں کی طرح پالا۔ پھر سیدنا طلحہؓ سے ایک لڑکا محمد بن طلحہؒ پیدا ہوئے جو کہ تاریخ اسلام میں خاص شہرت کے حامل ہوئے۔

راستہ میں بنو دینار کی ایک خاتون سے ملاقات ہوئی جس کے والد، شوہر اور بھائی اس جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ انہیں ان کی شہادت کی خبر دی گئی۔ یہ خبر سن کر ایک ہی بات ان کی زبان پر تھی کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ بتایا گیا کہ حضور ﷺ بخیر ہیں۔ کہنے لگیں مجھے آپ ؑ کا مبارک وجود دکھلا دو۔ جونہی اس کی آپ ؑ کی ذات اقدس پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھیں: (کل مصیبۃ بعدک جلل یعنی آپ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۹۸)

آگے بڑھے تو ایک بوڑھی خاتون روتی ہوئی آئیں۔ سیدنا سعد بن معاذؓ نے جو آپ ؑ کے گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے تھے، عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ میری والدہ ہیں۔ آپ ؑ نے فرمایا: مرحبا، اور گھوڑا روک لیا۔ جب وہ قریب آئیں تو آپ ؑ نے انہیں ان کے بیٹے عمرو بن معاذؓ کی شہادت کی خبر دی اور انہیں تسکین بخش کلمات ارشاد فرمائے اور صبر کی تلقین فرمائی۔ کہنے لگیں: یا رسول اللہ! جب آپ ؑ سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا: سعد کی اماں! خوش ہو جاؤ اور شہداء کے گھر والوں کو بھی خوشخبری دے دو کہ ان کے ساتھی سب اکٹھے جنت میں ہیں اور اپنے گھر والوں کے بارہ میں ان سب کی شفاعت قبول کر لی گئی ہے۔ کہنے لگیں: "یا رسول اللہ! ان شہداء کے پس ماندگان کے لیے دعا فرما دیجیے۔" آپ ؑ نے ان کے لیے دعا فرمائی: "اے اللہ! ان کے دلوں کو غم سے دور کر، ان کے مصائب کا بدل عطا فرما اور پسماندگان کی بہترین دیکھ بھال فرما"۔

(سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں

اسی طرح راستہ میں مختلف عورتوں اور مردوں کو ملتے ہوئے آپ کی سواری کاشانہ نبوت پر پہنچی تو سیدنا سعد بن معاذؓ رئیس اوس اور سیدنا سعد بن عبادہ رئیس خزرج نے دونوں طرف سہارا دے کر آپ کو گھوڑے سے نیچے اتارا۔ آپ ؑ مکان میں تشریف لے گئے۔ اندر جا کر اپنی تلوار سیدہ فاطمہؓ کو دی اور فرمایا: بیٹی اس کا خون دھو دو، واللہ! یہ آج میرے لیے بہت صحیح ثابت ہوئی۔ پھر سیدنا علیؓ نے بھی اپنی تلوار دی اور فرمایا اس کا خون بھی دھو دو۔ واللہ! یہ بھی آج بہت اچھی ثابت ہوئی۔ اس پر سرکارِ دو عالم

Marfat.com

ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر تم نے بے لاگ جنگ کی ہے تو تمہارے ساتھ ابو دجانہؓ اور سہیل بن حنیفؓ نے بھی بے لاگ جنگ کی ہے۔" (ابن ہشام ج ۲ ص ۱۰۰)

یہ تلوار جو اس روز آپؐ کے ہاتھ میں تھی اس کا نام "ذوالفقار" تھا۔ (ایضاً)

تھوڑی دیر بعد مغرب کی اذان ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سردارانِ انصار کے سہارے مسجد میں تشریف لائے اور نماز مغرب ادا فرمائی۔ نماز عشاء کے بعد آرام فرمانے کا وقت ہوا تو اوس اور خزرج کے جان باز اور جانثار مسجد میں آ گئے اور شب بھر مسجد میں پہرہ دیتے رہے کہ کہیں کوئی اچانک حملہ نہ ہو جائے۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۲۸۱)

۸ شوال سنہ ۸ھ ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات ہنگامی حالت میں گزری۔ اگرچہ مجاہدین اسلام کو جنگ نے زخموں سے رنجور اور تھکاوٹ سے چور کر دیا تھا پھر بھی وہ ساری رات مدینہ کے راستوں اور گزرگاہوں پر نگرانی کرتے رہے کیونکہ کچھ خدشات لاحق تھے۔ اس وجہ سے یہ کارروائی ضروری تھی۔ خود مدینہ کے اندر منافقین اور یہود کی کافی تعداد موجود تھی۔ جنہیں قریش کی ناکامی کا بہت صدمہ تھا۔ لہٰذا یہ سارا بندوبست کیا گیا۔

منافقین نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور مدینہ میں طرح طرح کی افواہیں پھیلانی شروع کر دیں کہ دیکھو کتنا نقصان ہوا۔ ستر آدمی قتل ہو گئے۔ مجروحین کی تعداد بھی متعدبہ ہے۔ سیدنا علیؓ نے بھی منافقین کی یہ باتیں سنیں تو کچھ دل تنگ ہوئے۔ سرکارِ مدینہ ﷺ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

لن ینالوا منا مثل ھذا الیوم حتی نستلم الرکن۔

"قریش نے جتنا نقصان آج ہمیں پہنچایا ہے، اس کے بعد اتنا نقصان پھر کبھی نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ ہم حجر اسود کو بوسہ دیں گے یعنی مکہ فتح کریں گے۔"

(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۱)

سبحان اللہ! باوجود اتنا نقصان اٹھانے اور خود بری طرح زخمی ہونے کے مستقبل کے پردوں میں جھانک کر پیشگوئی کی جا رہی ہے کہ ایک دن وہ بھی آئے گا کہ ہم مکہ کی زمین میں جہاں سے رات کی تاریکی میں چوری چھپے نکلے تھے، دن کی روشنی میں فاتحانہ طور پر داخل ہوں گے۔

معافی

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کو فتح کے بعد شکست ہو گئی اور ایک فاتح فوج معمولی سی غلطی سے شکست خوردہ فوج کے زمرہ میں داخل ہو گئی۔ عام مورخین نے اس جنگ سے یہی نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ بات غلط ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک اعلیٰ

Marfat.com

نمبروں میں کامیاب ہونے والا درجہ دوم کی کامیابی کو اپنی ناکامی سمجھنے لگے۔ اس جنگ کا نتیجہ نکالنے سے قبل یہ بات ذہن میں رکھنا نہایت ضروری ہے کہ مکہ سے قریش کا سوا تین ہزار بہادروں پر مشتمل لشکر جرار غصہ سے دانت پیستا ہوا مدینہ کی طرف بڑھا کہ وہ نہ صرف مسلمانوں سے جنگ بدر کا انتقام لے گا بلکہ اہلِ مدینہ کو بھی حکم عدولی کا مزہ چکھائے گا جو انہوں نے ہمارے اس دھمکی آمیز خط کے جواب میں کی اور محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو برابر پناہ دیئے رکھی۔ ان کے اس خط کی دھمکی کوئی معمولی نہ تھی کہ "محمد ﷺ کو نکال دو یا اس سے جنگ کرو ورنہ ہم مدینہ پہنچ کر تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے۔"

لیکن ہوا کیا؟ سات سو مسلمانوں کا پاپیادہ لشکر مدینہ سے نکل کر ان کے پاس احد میں پہنچا۔ صرف چند گھنٹے مقابلہ کیا اور اس جرار لشکر کو جو سوار بھی تھا اور ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھا حواس باختہ بھاگنے پر مجبور کر دیا------ پھر اس کا تعاقب بھی کیا اور وہ خوف زدہ ہو کر ایسا بھاگا کہ پلٹنے کا نام بھی نہ لے سکا۔

کوئی مورخ اس کی وجہ بیان نہیں کر سکا کہ جنگ کے اختتام پر فاتح مرعوب اور ہیبت زدہ اور شکست خوردہ مطمئن اور بے خوف کیوں تھا؟ کوئی وجہ نہیں بتائی جا سکتی کہ قریش کا یہ لشکر کامیابی کے بعد ناکام کیوں ہو گیا؟ سوال یہ ہے کہ جب مسلمان نیم جان ہو چکے تھے تو پھر کیا ہوا کہ قریش نے اپنی تلوار روک لی۔ سب کو اپنی خون آشام تلواروں کا لقمہ کیوں نہیں بنایا؟ مدینہ میدان جنگ سے صرف تین میل دور تھا اور بالکل خالی تھا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے وہ یا یہود تھے یا منافقین۔ وہ پہلے ہی ان کے تھے۔ قریش نے اپنے لشکر کے پانچ چھ سو جوان بھیج کر مدینہ پر کیوں نہ حملہ کر دیا؟ اگر وہ مدینہ پر حملہ کر دیتے تو ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیتے کہ "ہم مدینہ کے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو باندیاں بنالیں گے۔"

قریش کے جرنیل بھی کوئی معمولی جرنیل نہ تھے۔ ابو سفیان بن حرب قائد لشکر تھا۔ خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ جیسے باہمت اور زیرک جرنیل اس کے معاون و مددگار تھے۔ پھر ایک موقع ایسا بھی آیا کہ ابو سفیان اور خالد بن ولید نے پہاڑ کی بلندی سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور یہ حملہ مسلمانوں کے لیے بہت خطرناک ہو سکتا تھا کیونکہ دشمن بلندی پر تھا اور مسلمان نشیب میں تھے اور اس سے قبل ظاہری طور پر شکست فتح میں تبدیل ہو چکی تھی اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد شہید اور قتل ہو چکی تھی۔ لیکن سیدنا عمرؓ نے چند ساتھیوں کے ساتھ ایک معمولی سا حملہ کیا تو اس طاقتور اور فاتح دشمن نے تیزی سے اس بلندی سے اتر کر مکہ کا راستہ لیا۔ یہ اور اس قسم کے اور کئی سوالات ہیں جو اس جنگ کے مقابلہ میں پیدا ہوتے ہیں اور مورخ دلائل سے ان کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ ان سوالات کا جواب صرف اور صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا کیا جو اس جنگ کے آغاز

Marfat.com

میں کیا تھا اور اس کے پورا ہونے میں کچھ دیر صرف اس لیے کی گئی تھی کہ مسلمانوں نے حکم عدولی کر کے کم ہمتی اور نزاع باہمی کا راستہ اختیار کر لیا تھا جو ان کے لیے زیبا ہی نہیں تھا۔ چنانچہ وہ وعدہ ان الفاظ میں کیا:

"مسلمانو! ہم عنقریب ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی۔"

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حق و باطل کے اس معرکہ میں قریش نے اس ذات کو چھوڑ دیا تھا جو امداد و نصرت کا حقیقی مرکز اور اصلی منبع ہے اور ان کو لے لیا اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک گردان لیا جو خود تہی دامن ہیں، جو خود اپنے لیے مدد کے محتاج ہیں، جن کے پاس صحیح دلیل، کوئی حجت اور برہان نہیں ہے۔ پس قدرتی بات ہے کہ ان کے قلوب عزم و ہمت سے خالی ہوں اور صاحب عزم وہ ہیں جو حق کے حامی اور رب حقیقی کے پرستار ہیں۔

یہ لوگ جو اپنے کو فاتح سمجھنے لگے تھے یہ فتح کی حقیقت سے محروم تھے۔ حقیقی طاقت سے منہ موڑے ہوئے تھے۔ ان کو جو فتح حاصل ہوئی وہ صرف مسلمانوں کی ایک غلطی کے نتیجہ میں تھی اور یہ فتح بھی عارضی اور نمائشی تھی اسی وجہ سے وہ خوف زدہ بھی تھے اور غیر مطمئن بھی اور اسی وجہ سے مزید فتح حاصل کرنے کے بجائے ابو سفیان اور اس کے باطل پرست ساتھیوں نے جن کا نعرہ بھی میدان جنگ میں "یا للھبل" اور "یا للعزیٰ" تھا (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۹) اسی کو غنیمت سمجھا جو "نمائشی فتح" انہیں میسر آ گئی۔ اس کے مقابلہ میں وہ خدا پرست تھے جو سب کو چھوڑ کر اپنے رب سے رشتہ جوڑ چکے تھے۔ انہیں دنیا مطلوب نہیں تھی، وہ قریش کے خیموں سے جو کچھ لے رہے تھے، وہ خدا کے لیے لے رہے تھے۔ مگر صورت ایسی ہی ہو گئی جو طالبان دنیا کی ہوتی ہے۔ لیکن جیسے ہی انہوں نے "الی عباد اللہ" کی آواز سنی۔ فوراً چونک اٹھے۔ دنیا طلبی کا یہ غبار فوراً چھٹ گیا اور محبت کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں۔ یہی عشق و محبت کا جذبہ تھا جس نے فاتح کو مرعوب اور خوف زدہ بنا دیا اور شکست خوردہ کو امن و اطمینان کے جام جان آفرین سے سرشار کر دیا۔

یہی وجہ تھی کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان کی اس غلطی اور کوتاہی کو، اگرچہ اس کا نتیجہ بڑا خوفناک نکلا تھا کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اسی وجہ سے شہید اور زخمی ہو گئی اور خود پیغمبر اسلام ﷺ بھی شدید زخمی ہوئے، دانت ٹوٹے، چہرہ زخمی ہو گیا لیکن اللہ رب العزت نے ان کی ان کوتاہیوں اور لغزشوں کو درگزر فرمایا اور نہ صرف خود ہی درگزر فرمایا بلکہ سفارش بھی فرما دی کہ اے پیغمبر! ان خطاکاروں پر جو اعتماد پہلے تھا اس میں ذرہ برابر کمی نہ آئے بلکہ ان پر پہلے ہی کی طرح اعتماد کرو اور جس طرح ان کو ہر معاملہ میں مشورہ کر کے اعتماد میں لیتے تھے آئندہ بھی ان سے اسی اعتماد کے ساتھ مشورہ لیا کرو۔ چنانچہ بڑے

Marfat.com

صاف لفظوں میں فرمایا:

فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الامر۔

پس ان کو معاف کرو اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرو اور جو کام درپیش ہو اس میں ان سے مشورہ کرو۔ (۳ : ۱۵۹)

پس جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور اپنے رسول ﷺ سے بھی معاف کرنے کی سفارش فرمائی۔ کون بدبخت ہے جو ان حضرات کی شان میں لب کشائی کرے۔ جب عرش معلیٰ سے ان کی معافی کا اعلان صادر ہو گیا تو کیا کسی کو ہمت ہے کہ ان حضرات کو مطعون کر کے رب العرش کا مقابلہ کرے؟ یہ حضرات تو مخلصین میں سے تھے، صرف چند آدمیوں کی ایک معمولی سی غلطی پر پوری جماعت کو نتیجہ بھگتنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان لوگوں سے بھی درگزر فرمایا جو عین جنگ کے وقت اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان سے پلٹ آئے تھے حالانکہ ان کا جرم اتنا سنگین تھا جس کی سزا گردن زدنی کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ پھر نہ صرف وہ میدان سے پلٹ آئے بلکہ مدینہ میں بھی افواہوں کا بازار گرم کر دیا اور جب مسلمان شکستہ حال اور نزار حالت میں مدینہ واپس آئے تو ان منافقوں نے آوازے کسے کہ اگر ہماری بات مانی جاتی تو لوگ میدان جنگ میں بے بسی کی موت نہ مرتے۔ ان کی اس بات کو قرآن حکیم نے بھی ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

لو اطاعونا ما قتلوا۔ (۳ : ۱۶۸)

"اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے۔"

چنانچہ صحابہ کرامؓ میں ایک جماعت ان کی گردنیں اڑانے اور دوسری جماعت ان کی معذرت قبول کرنے کی رائے رکھتی تھی۔ لیکن رحمت کا وہ سرچشمہ جو رحمت عالم ﷺ کے منبع فیض سے ابل رہا تھا اور ارحم الراحمین کی رحمت کاملہ اس کی موجوں میں ہر لحہ اضافہ کر رہی تھی، اس نے ان غداروں کو بھی نظر انداز کر دیا اور ان کا معاملہ دنیا کے بجائے آخرت کے حوالے کر دیا۔ کیونکہ سرور عالم ﷺ کی چشم فراست اور نگاہ بصیرت اس کو دیکھ رہی تھی کہ ان تین سو میں سے اکثر و بیشتر مومن کامل بن جائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ مسلمانوں نے اس کو شکست صرف اس لیے کہا تھا کہ ان کا محبوب آقا اس جنگ میں زخمی ہو گیا تھا اور یہ المیہ ان کی ایک غلطی کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ دوسرے مسلمانوں کا نقصان اس میں قریش سے زیادہ ہوا تھا۔

ذاتِ اقدس پر حملہ آوروں کا انجام

میدان جنگ میں جن لوگوں نے سرکارِ دوعالم ﷺ پر نیزوں اور تلواروں سے حملے کیے، ہو سکتا

Marfat.com

ہے کہ ان کی تعداد کثیر ہو۔ کیونکہ زہری کا اندازہ ہے کہ ستر مرتبہ آپؐ پر تلوار کے حملے ہوئے۔ مگر حق تعالیٰ نے سب سے آپؐ کو محفوظ رکھا۔ ان سب کے نام تو سیرت اور تاریخ کے رپورٹروں نے نہیں بتائے البتہ چار آدمیوں کے نام کتابوں میں منقول ہیں!

۱۔ عبداللہ بن قمیئہ : اس کی تلوار رسول اللہ ﷺ کی گردن کے قریب شانے پر لگی لیکن زرہ کی وجہ سے کوئی زخم تو نہ آیا لیکن ضرب کی تکلیف ایک ماہ سے زائد تک رہی۔ یہ شخص جنگ سے واپس جب گھر پہنچا۔ کچھ دنوں کے بعد بکریوں کی تلاش میں پہاڑ پر چڑھا۔ تو ایک پہاڑی بکرے نے اس کو ٹکریں مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ ابی بن خلف : یہ امیہ بن خلف کا بھائی اور صفوان بن امیہ کا چچا تھا۔ یہ سرکارِ دوعالم ﷺ پر حملہ کرنے کے لیے آیا تھا لیکن خود حملہ تو نہ کر سکا بلکہ الٹا سرکارِ دوعالم ﷺ نے اس پر ایک نیزہ پھینک مارا جس کی ظاہری خراش تو معمولی تھی لیکن وہ چیختا چلاتا مر گیا۔

۳۔ عتبہ بن ابی وقاص : یہ سیدنا سعد ابن ابی وقاصؓ کا بھائی تھا۔ اس نے سرکارِ مدینہ ﷺ کو پتھر مارا تھا، جس سے آپؐ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ یہ خود تو ایک روایت کے مطابق غزوہ احد میں ہی مارا گیا اور سیدنا حاطب بن ابی بلتعہؓ نے اسے قتل کیا۔ لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسلام سے مشرف ہوا اور پھر اس کا انتقال ہوا۔ لیکن اس کے پتھر سے حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے، اس واقعہ کے بعد اس کے جتنے بیٹے اور پوتے پیدا ہوئے۔ قدرتی طور پر ان کے یہ دانت نہیں تھے۔

(سیرۃ حلبیہ ج۲ ص۲۵۸)

۴۔ عبداللہ بن شہاب زہری : یہ اسلام سے مشرف ہوئے اور حدیث کے مشہور امام زہری انہی کے خاندان سے تھے۔ (سیرۃ حلبیہ ج۲ ص۲۵۸)

(غزوہ احد کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج۲ ص۶۴، طبقات ابن سعد ج۲ ص۲۵، ابن جریر طبری ج۳ ص۹، انساب الاشراف جلد۱ ص۱۴۷، عیون الاثر ج۲ ص۲، البدایہ والنہایہ ج۴ ص۹، زاد المعاد ج۲ ص۲۳۱، تاریخ الخمیس ج۱ ص۴۱۹)

غزوہ حمراء الاسد

سرکارِ دوعالم ﷺ ابھی میدان احد میں تھے کہ سیدنا علیؓ نے آپ کو یہ اطلاع دی کہ دشمن مکہ کی طرف روانہ ہوا ہے اگرچہ آپؐ کو اطمینان ہو گیا تھا کہ مدینہ دشمن کی دسترس سے محفوظ ہے، لیکن اس بات کا اندیشہ ضرور تھا کہ ہماری اس حالت کے پیش نظر کہیں دشمن راستہ سے واپس پلٹ کر ہم پر دوبارہ حملہ نہ کر دے۔ دشمن کا پیچھا کرنا بھی ضروری تھا تاکہ اگر وہ پلٹنا چاہے تو وہیں اس کا مقابلہ کیا جائے، لیکن

Marfat.com

فراست نبوی نے یہ طے کیا کہ پہلے پورا لشکر مدینہ جائے اور مدینہ کی مکمل حفاظت کا بندوبست کر کے پھر ایک دستہ دشمن کے تعاقب میں بھیجا جائے۔ چنانچہ آپ تمام لشکر کے ساتھ مدینہ پہنچے۔ مدینہ کی ہر گزر گاہ اور راستہ پر مجاہدین کو متعین فرمایا۔ کاشانہ نبوت کے آستانہ پر انصار کا ایک دستہ متعین فرمایا۔ زخمیوں کی رات کو مرہم پٹی کی۔ مدینہ میں رات خیریت سے گزری۔ کوئی یورش نہ ہوئی۔ لیکن خطرہ پھر بھی متوقع تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ اسی روز ایک شخص مکہ سے مدینہ پہنچا تھا۔ راستہ میں اس کی ابوسفیان اور لشکر قریش کے کچھ آدمیوں سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بھی بتایا کہ قریش کے لشکر میں یہ بات چل رہی تھی کہ ہمیں دوبارہ حملہ کرنا چاہیے۔ ہم غلطی کر رہے ہیں کہ نیم جان مسلمانوں کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ہم مسلمانوں کا قلع قمع کے لیے آئے تھے اب اس کام کو نامکمل چھوڑ کر جانا دانش مندی نہیں۔ ابوسفیان کا رجحان یہی تھا لیکن صفوان بن امیہ اس رائے کا مخالف تھا کہ اگر ہم نے واپس مدینہ پر حملہ کیا تو وہاں جو تازہ دم مسلمان ہیں وہ ہمیں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ ہماری یہ نمائشی فتح بھی مسلمانوں کی اپنی غلطی کی وجہ سے ہوئی ہے ورنہ ہم تو مکمل طور پر شکست کھا کر میدان سے بھاگ گئے تھے' یہ صفوان بن امیہ کی رائے تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۴۸)

بہرحال رات گزرنے کے بعد اتوار کی صبح کو نماز فجر سے فارغ ہو کر آپؐ نے سیدنا بلالؓ سے فرمایا کہ اعلان کر دیں کہ "رسول اللہ کا حکم ہے کہ دشمنؐ کے تعاقب میں چلو اور یہ بھی حکم ہے کہ صرف وہی لوگ چلیں جو کل ہمارے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔" آپؐ کا اعلان بہت بڑی حکمت پر مبنی تھا۔ دراصل آپؐ منافقین (عبداللہ بن ابی اور اس کی پارٹی) کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے' لہٰذا اس طرح اعلان فرمایا کہ منافقین ساتھ جا ہی نہ سکیں۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے ساتھ چلنے کی پیشکش بھی کی لیکن حضور ﷺ نے اجازت نہیں دی۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۲۸۴)

سیدنا جابر بن عبداللہؓ جن کے والد عبداللہ بن عمروؓ کل جنگ میں شہید ہوئے تھے' وہ یہ اعلان سن کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! کل میں اس لیے حاضر خدمت نہیں ہو سکا تھا کہ والد صاحب! آپؐ کے ساتھ جنگ میں تشریف لے گئے تھے اور مجھے گھر کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ اب والد صاحب کی وصیت ختم ہو چکی ہے۔ مجھے یہ گوارا نہیں کہ آپؐ اس حالت میں تشریف لے جائیں اور میں گھر میں پڑا رہوں۔ آپؐ نے اس کے اس بلند جذبے اور نوجوانی کے پیش نظر اجازت مرحمت فرما دی۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۹۹)

اس جنگ کے لیے پرچم سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو عطا فرمایا (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۴) اور حمراء الاسد جو مدینہ سے آٹھ دس میل کے فاصلہ پر تھا' کا قصد فرمایا۔ سیدنا ثابت بن ضحاکؓ راستہ بتانے کے لیے آگے آگے چلے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۲۸۵)

Marfat.com

حکم یہ تھا کہ جو کل جنگ احد میں شریک ہوئے تھے وہ لوگ ہی اس دستہ میں شامل ہوں، لیکن ان لوگوں میں زیادہ تر مضروب اور زخمی لوگ تھے جو تمام رات زخموں کی مرہم پٹی کرتے رہے۔ ان میں سب سے مقدم خود سرکارِ دوعالم ﷺ تھے، آپ ؐ کے علاوہ سیدنا اسید بن حضیرؓ کے بدن پر نو زخم، سیدنا عقبہ ابنِ عامرؓ کے جسم پر بھی نو زخم، سیدنا خرش بن صمہؓ کے بدن پر دس زخم، کعب بن مالک کے جسم پر بھی کئی زخم تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف کے بدن پر بیس زخم اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہؓ کا تو پوچھنا ہی کیا۔ وہ تو دشمن کے تیروں کے سامنے ڈھال بنے ہوئے تھے ان کے بدن پر ستر سے زیادہ زخم اور ایک انگلی کٹی ہوئی۔ ہاتھ شل ہو گیا ہوا تھا۔ کچھ یہی حال سیدنا ابودجانہؓ کا تھا۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرامؓ بھی مضروب اور مجروح تھے جو اپنے قائد ﷺ کے ایک حکم پر اپنی ان تمام چوٹوں اور ضربوں کو بھول کر ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ دنیا میں ایسی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ اندیشہ کہ دشمن پلٹ کر پھر حملہ آور نہ ہو جائے کسی حد تک درست تھا، دشمن نے مدینہ سے ۳۶ میل دور مقام روحاء پر پہنچ کر جب پڑاؤ ڈالا تو اسے محسوس ہوا کہ اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اس نے آپس میں کہا کہ ہم لوگوں نے کچھ نہیں کیا کہ مسلمانوں کو نیم جان کر کے انہیں یونہی چھوڑ دیا، یہ لوگ ہمارے لیے پھر دردِ سر بن سکتے ہیں، لہٰذا ہمیں واپس لوٹ کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہیے اور مسلمانوں کی رہی سہی طاقت کا قلع قمع کر کے اس دردِ سر کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہیے۔ لیکن صفوان بن امیہ نے ان کی اس تجویز کو احمقانہ قرار دیا اور اس کی سخت مخالفت کی۔ اس نے کہا کہ مسلمانوں کی ایک معمولی سی غلطی کی وجہ سے تمہاری شکست فتح میں تبدیل ہو گئی ہے۔ تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ اگر اب تم لوگوں نے واپس جا کر مدینہ پر حملہ کیا تو تمہاری یہ عزت بھی جاتی رہے گی اور تمہیں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑے گا۔ صفوان بن امیہ کی یہ رائے بنیادی طور پر درست تھی لیکن اکثریت نے اس کو قبول نہ کیا اور واپس مدینہ چلنے کے لیے پلاننگ شروع کر دی۔

مدینہ سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے مجاہدین کے ساتھ روانہ ہو کر حمراء الاسد پہنچ گئے اور قیام فرمایا۔ قریش کا لشکر اس سے آگے روحاء میں قیام پذیر تھا اور وہاں سے واپس آکر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر، منگل اور بدھ یعنی ۹، ۱۰ اور ۱۱ شوال سنہ ۳ھ تین دن وہاں قیام فرمایا۔

اثناء قیام میں معبد بن ابی معبد الخزاعی جو قبیلہ "خزاعہ" کا رئیس تھا، وہاں پہنچ گیا۔ اس پورے قبیلے کو اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی تھی۔ اس قبیلہ کے کچھ لوگ مسلمان بھی ہو چکے تھے، لیکن معبد ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ یہاں آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ وہ اپنے شرک ہی پر قائم رہا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ

سرکارِ دو عالم ﷺ کا دل سے خیر خواہ تھا۔ اس خیر خواہی کی ایک وجہ یہ تھی کہ بنو ہاشم اور بنو خزاعہ آپس میں حلیف تھے۔ اس نے آپؐ سے مل کر شہداء احد کی تعزیت بھی کی اور آپؐ سے اظہار ہمدردی بھی کیا۔ آپؐ نے اس سے فرمایا کہ وہ ابو سفیانؓ کے پاس روحاء میں جائے اور اس کی حوصلہ شکنی کرے۔

قریش روحاء میں واپس مدینہ کی طرف پلٹنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ معبد خزاعی وہاں پہنچ گیا۔ ابو سفیان کو معلوم نہیں تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ ابو سفیان نے اس سے پوچھا: "معبد! پیچھے کی کیا خبر ہے؟" معبد نے کہا کہ مدینہ کے مسلمانوں کو جب احد کی شکست کا علم ہوا تو ان میں سے ہر ایک شعلہ جوالہ بن گیا اور قریش پر دانت پیسنے لگا۔ یہ سب لوگ انتقام لینے کے لیے مدینہ سے اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ نکل پڑے ہیں کہ میں نے ویسی جمعیت کبھی دیکھی ہی نہیں۔ احد میں جو مسلمان پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی اب کے ساتھ ہیں۔ ممکن ہے کہ تم کوچ کرنے سے پہلے پہلے ان کے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھو یا لشکر کا ہراول دستہ اس ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہو جائے۔

معبد کی یہ بات قریش کے لشکر پر ایک بہت بڑا اعصابی حملہ تھا۔ اس بات سے قریشی لشکر کی ہمت ٹوٹ گئی، اعصاب جواب دے گئے اور رعب اور گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ ابو سفیان کا رجحان اگرچہ یہ ہو گیا تھا کہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ کرے۔ اب معبد خزاعی کے اس بیان سے اس نے یہ طے کیا کہ واپس جانے کی بجائے مکہ کی طرف تیزی سے بڑھنا چاہیے۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۹۰)

حمراء الاسد کے تین روز قیام میں حضور ﷺ نے ایک اور جنگی تدبیر کی جس کے دشمن پر بڑے اثرات پڑے، چونکہ آپؐ کے لشکر کے بہت سے آدمی زخمی تھے ان کو زخموں کو سینکنے کے لیے آگ کی ضرورت بھی پڑتی تھی۔ آپؐ نے حکم فرمایا کہ رات کو دور دور تک آگ جلائی جائے۔ جس کی روشنی دور دور تک جاتی تھی اور ایک دیکھنے والے کو پتہ چلتا تھا کہ یہاں بہت بڑی فوج پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ جنگی مصلحت کے لحاظ سے یہ ایک بڑی اچھی تدبیر تھی۔ اس تدبیر نے آس پاس کے قبائل پر بھی اچھے اثرات ڈالے۔ اس سے بھی مسلمان کافی حد تک قریش کے حملہ سے محفوظ رہے۔

(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۵)

اس مقام پر آپؐ کے قیام کے دوران دو واقعات اور پیش آئے۔ ایک یہ کہ عبداللہ بن سہیلؓ اور رافع بن سہیلؓ دو بھائی تھے۔ یہ دونوں جنگ احد میں شریک تھے اور دونوں جنگ کے دوران شدید زخمی ہو گئے تھے۔ سیدنا رافعؓ کی ٹانگ پر ایسی چوٹ لگی تھی کہ چلنا مشکل تھا، لیکن جونہی دشمن کا تعاقب کرنے کی منادی سنی تو دونوں بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آج تک تو ہم کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہے، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ اس غزوہ کی سعادت سے ہم محروم رہ جائیں۔ دونوں کے پاس کوئی سواری نہ تھی، لہٰذا دونوں پاپیادہ روانہ ہو گئے لیکن حضور ﷺ لشکر کو لے کر پہلے مدینہ سے نکل آئے تھے۔ سیدنا

Marfat.com

عبداللہ کے زخم کم تھے وہ اچھی طرح چل سکتے تھے لیکن سیدنا رافعؓ کو زخم بھی زیادہ آئے تھے اور ران کی ٹانگ پر ایک شدید چوٹ آئی تھی اس سے وہ چلنے سے معذور تھے۔ ان کے بھائی عبداللہؓ ان کو اٹھا کر چلتے تھے اس وجہ سے وہ دیر سے یعنی عشاء کے وقت حمراء الاسد پہنچے۔ محافظین نے ان دونوں کو دشمن کا آدمی سمجھتے ہوئے گرفتار کر لیا، لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ فلاں فلاں انصاری ہیں تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے تاخیر کی وجہ پوچھی۔ ان دونوں بھائیوں نے پورا واقعہ بیان کیا اور اپنا شوق جہاد بتایا تو حضور ﷺ بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۲۸۶، سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۰۱)

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ مدینہ واپسی پر ابو عزہ جمحی آپ کی گرفت میں آ گیا۔ اس کو جنگ بدر میں گرفتار کیا گیا تھا اور جب اسے فدیہ کے لیے کہا گیا تو اس نے اپنی غریبی کا رونا رویا اور کہا کہ میری پانچ لڑکیاں ہیں، ان کی بمشکل کفالت کرتا ہوں اس لیے میرے پاس فدیہ کے لیے کوئی رقم نہیں ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے اسے بغیر فدیہ کے اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ آئندہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی سے تعاون نہیں کرے گا۔ کچھ ماہ تو وہ اپنے اس وعدہ پر قائم رہا لیکن اس کے بعد اس نے صفوان بن امیہ کے کہنے پر پھر مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ جنگ احد سے ذرا پہلے اس نے اپنے اشعار سے لوگوں میں اشتعال پیدا کر کے انہیں قریش کے لشکر میں شرکت کے لیے اکسایا تھا۔ خود بھی مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے میدان احد میں آیا۔ یہاں پر صحابہ کرامؓ نے انہیں گرفتار کر کے بارگاہ نبوت میں پیش کیا۔ اس نے عرض کیا کہ مجھ سے جو وعدہ خلافی اور عہد شکنی ہو گئی ہے، اس کے لیے درگزر فرمائیں اور مجھ پر احسان فرمائیں۔ میں آپؐ سے پھر وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "اب میں ایسا نہیں کر سکتا کہ تم مکے جا کر اپنے رخسار پر ہاتھ پھیرو اور کہو کہ محمد ﷺ کو دو مرتبہ دھوکہ دیا ہے۔ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔" اس کے بعد آپؐ نے سیدنا زبیر بن عوامؓ کو یا سیدنا عاصم بن ثابتؓ کو حکم فرمایا کہ اس کی گردن مار دو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔

اسی طرح ایک قریشی جاسوس بھی مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص تھا۔ یہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کا چچا زاد بھائی تھا۔ یہ جنگ کے بعد مدینہ میں سیدنا عثمانؓ کو لینے آیا۔ سیدنا عثمانؓ نے اس کے لیے بارگاہِ رسالت سے امان طلب کی۔ آپؐ نے اس شرط پر اسے امان دی کہ اگر تین روز سے زیادہ یہاں پایا گیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن جب آپؐ حمراء الاسد کے لیے روانہ ہوئے اور مدینہ خالی ہو گیا تو یہ شخص جاسوسی کے لیے تین روز سے زیادہ یہاں ٹھہر گیا اور جب لشکر حمراء الاسد سے واپس آیا تو بھاگنے کی کوشش کی لیکن پکڑا گیا اور حضور ﷺ کے حکم سے سیدنا زید بن حارثہؓ اور سیدنا عمار بن یاسرؓ کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۱۰۳-۱۰۴)

Marfat.com

یہ غزوہ کوئی مستقل غزوہ نہیں بلکہ غزوہ احد ہی کا تتمہ ہے۔اس کے دوران مدینہ میں آپؐ نے سیدنا عبداللہ بن ام مکتومؓ کو اپنا قائم مقام فرمایا۔(ابن ہشام جلد۲ص۱۰۱)

واقعات متفرقہ

۱۔ اس سال سرکارِ دوعالم ﷺ نے سیدنا عمر بن الخطابؓ کی صاحبزادی سیدہ حفصہ سلام اللہ علیہا سے نکاح فرمایا۔یہ نکاح شعبان سنہ ۳ھ میں ہوا ان کے پہلے خاوند سیدنا خنیس بن حذافہؓ جنگ بدر میں زخمی ہوئے۔وہ غزوۂ احد سے قبل انتقال فرما گئے اور ان کی موت کا سبب وہ زخم تھے جو انہیں غزوہ بدر میں آئے۔لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ سیدنا خنیس بن حذافہؓ غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے اور غزوہ احد شوال سنہ ۳ھ میں ہوا اس لحاظ سے یہ نکاح سنہ ۴ھ میں ہوا۔

۲۔ اسی سال سرور کائنات ﷺ نے ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ الہلالیہ سے عقد فرمایا۔یہ زوجہ محترمہ کثرت صدقہ کی وجہ سے "ام المساکین" کہلاتی تھیں۔ان کے پہلے شوہر سیدنا عبداللہ بن جحشؓ غزوہ احد میں جو شوال سنہ ۳ھ میں ہوا، شہید ہو گئے تھے۔عدت پوری ہونے کے بعد ذی الحجہ سنہ ۳ھ میں ان سے آپؐ کا عقد ہوا۔سرکارِ مدینہ ﷺ کی خدمت میں دو یا تین مہینے رہ کر ربیع الاول یا ربیع الآخر سنہ ۴ھ میں انتقال فرما گئیں۔

رسول اللہؐ کی ازواج مطہرات میں سے سیدہ خدیجہ الکبریٰ اور سیدہ زینب ام المساکین سلام اللہ علیہا کا وصال آپؐ کی زندگی میں ہوا۔

۳۔ اسی سال ربیع الاول میں سیدنا عثمان بن عفانؓ کا نکاح سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ سے ہوا اور اسی سال جمادی الآخرۃ میں رخصتی ہوئی۔

۴۔ ایک روایت کے مطابق اسی سال نصف رمضان میں سیدنا حسن بن علیؓ کی ولادت ہوئی۔

۵۔ وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا۔اب تک وراثت میں ذوالارحام کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا۔

۶۔ مشرکہ عورت کا نکاح ایک مسلمان مرد سے اسی سال حرام ہوا۔اس سے قبل یہ نکاح جائز تھا۔

۷۔ ایک روایت کے مطابق شراب کی حرمت بھی اسی سال ہوئی اور دوسری روایت کے مطابق یہ حرمت سنہ ۴ھ میں نازل ہوئی۔

سنہ ۴ھ

بدر کی فتح سے مسلمانوں کی جو ہیبت قریش اور دوسرے قبائل کے دلوں پر بیٹھی تھی' احد کی عارضی شکست نے اس ہیبت اور دبدبہ میں خاصی کمی کر دی- جس سے داخلی اور خارجی مشکلات میں اضافہ ہو گیا- مختلف قبائل نے کھل کر مخالفت شروع کر دی اور اب ہر قبیلہ نے عداوت کا مظاہرہ شروع کر دیا- مدینہ کے یہودی قبائل نے بھی یہ توقع باندھ لی کہ وہ مسلمانوں کو ختم کر سکتے ہیں- لیکن یہ بات بھی ہر قبیلہ کے ذہن میں بیٹھ گئی کہ مسلمانوں کو ختم کرنا صرف قریش کے بس کی بات نہیں ہے' اگر بس کی بات ہوتی تو وہ جنگ احد میں ضرور ان کو ختم کر کے واپس مکہ جاتے- اس لیے اگر اپنے دھرم اور دیوتاؤں اور دھرم استھانوں کو اسلام سے بچانا ہے تو ہر قبیلہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قریش کی مدد کرے اور جس طریقہ سے بھی اسلام کو زک پہنچا سکتا ہے' زک پہنچائے- چنانچہ اب مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی اسٹریٹجی (Strategy) تبدیل کر دی گئی- اب اس کے لیے تین صورتیں اختیار کی گئیں:

۱- مسلمانوں کی جماعت کو دھوکہ سے قتل کرنا-

۲- مختلف قبائل کی طرف سے حملہ کی تیاری-

۳- سرور کائنات ﷺ کے قتل کی کوششیں-

لیکن فراست نبویؐ نے مشرکین اور کفار کی ان تمام کوششوں اور تدابیر کو خاک میں ملا دیا- آپؐ کو جونہی پتہ چلتا کہ کوئی قبیلہ حملہ کی تیاری کر رہا ہے' آپؐ اس کے حملہ سے پہلے ہی مجاہدین کا دستہ بھیج کر اس کی سرکوبی کر دیتے اور شورش کی چنگاریوں کو شعلہ کی شکل اختیار کرنے سے پہلے ہی ٹھنڈا کر دیتے- چنانچہ اس مقصد کے لیے آپؐ نے مختلف قبائل میں مختلف مجاہدین کو بھیجا اور وہ سارے کے سارے اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واپس لوٹے-

Marfat.com

سریہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ

خویلد کے دو بیٹے طلیحہ اور اسد قبیلہ بنو اسد کے سردار تھے۔ قبیلہ بنو اسد "فید" کے پہاڑی علاقہ میں "کوہ قطن" پر آباد تھا۔ وہاں ایک چشمہ بھی تھا جس کی وجہ سے یہ علاقہ سرسبز تھا اور اس قبیلہ کی خوش حالی کی علامت تھا۔ طلیحہ اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ اکیلا ایک ہزار بہادروں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ یہ وہی طلیحہ ہے جس نے بعد میں نبوت کا دعویٰ بھی کیا لیکن پھر تائب ہو کر سیدنا فاروق اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۳ ص ۱۸۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ طلیحہ اور اسد مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں اور اس مقصد کے لیے اور کئی قبائل کو بھی اس جنگ میں شامل کرنے کے لیے تیار کر لیا ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۵) ان کے حملہ سے پہلے ہی آپ ﷺ نے ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ مخزومی کی قیادت میں ڈیڑھ سو مجاہدین پر مشتمل ایک دستہ روانہ کیا۔ یہ دستہ بہت تیزی سے "قطن" پہنچا۔ دشمن کی چراگاہ پر حملہ کیا۔ اس اچانک حملہ سے وہ بھاگ گئے۔ مسلمان مجاہدین نے ان کے اونٹ اور بکریوں پر قبضہ کر لیا اور تین چرواہوں کو بھی گرفتار کر لیا۔

سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور رضاعی بھائی بھی تھے، چند روز وہاں قیام پذیر رہے۔ پچاس مجاہدین کو انہوں نے اپنے ساتھ رکھا اور بقیہ سو مجاہدین کو، ان قبائل کی طرف روانہ کیا جنہوں نے اس قبیلہ بنو اسد کے ساتھ تعاون کا وعدہ کیا تھا۔ ان مجاہدین نے ان قبائل کی چراگاہوں پر حملے کر کے ان کے مویشی ضبط کر لیے۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۳ ص ۱۸۳) اس طریقہ سے حملہ کرنے کا کیڑا ان کے دماغوں سے نکل گیا۔ اس سریہ میں کسی قبیلہ کے ساتھ بھی دوبدو جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

یہ سریہ محرم سنہ ۴ھ کا چاند نظر آنے پر روانہ کیا گیا تھا۔ واپسی پر سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا ایک زخم جو انہیں جنگ احد میں لگا تھا، پھوٹ پڑا اور اس کی وجہ سے یہاں سے واپسی پر ان کا جلد انتقال ہو گیا۔

(زرقانی ج ۲ ص ۶۳، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۶۱ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۵، زاد المعاد ج ۲ ص ۱۰۸)

سریہ عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ

اسی سال سنہ ۴ھ ۵ محرم الحرام کو آپ کو خبر ملی کہ خالد بن سفیان ہذلی مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ آپ نے عبد اللہ بن انیس انصاری رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کے لیے روانہ فرمایا۔ سیدنا عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے اس کا حلیہ بھی بتا دیا تھا اور یہ بھی فرمایا کہ اس کی شکل بہت مہیب اور ڈراونی ہے جب تم دیکھو گے تو ڈر جاؤ گے اور تمہیں شیطان یاد آ جائے گا۔ سیدنا عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت تو میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کر دیا تھا کہ میں تو کسی سے نہیں ڈرا کرتا لیکن جب

Marfat.com

میں نے خالد کو دیکھا تو اس کی صورت واقعی کچھ ایسی تھی کہ میرا دل دہل گیا اور مجھ پر اس کا رعب طاری ہونے لگا۔ لیکن میں فوراً سنبھلا اور لطائف الحیل سے موقع پا کر اس کو قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر ایک غار میں جا چھپا۔ جب اس کے ساتھیوں کو پتہ چلا تو وہ میری تلاش میں ادھر ادھر دوڑے۔ وہ اس غار کے قریب بھی آئے مگر وہاں مکڑی نے جالا تن دیا تھا لہٰذا ان کے ذہن میں یہ نہ آیا کہ میں اس غار میں چھپ سکتا ہوں۔ یہاں سے میں رات کو نکلا اور رات کو چلتے اور دن کو چھپتے چھپاتے میں محرم سنہ ۴ھ کو مدینہ منورہ پہنچا اور اس کا سر آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا' آپ میری اس کارروائی سے بہت خوش ہوئے اور مجھے دعا دی اور چھڑی انعام میں مرحمت فرمائی اور فرمایا:

"اس عصا کو پکڑ کر جنت میں چلنا۔ جنت میں عصا لے کر چلنے والا کوئی شاذو نادر ہی ہو گا۔" اور یہ بھی فرمایا کہ "یہ میرے اور تیرے درمیان قیامت کے دن ایک نشانی ہے"۔ سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اس عصا کی پوری زندگی حفاظت فرمائی۔ مرتے وقت یہ وصیت فرمائی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۴۰' ابن ہشام ج ۲ ص ۶۱۹۔ ۶۲۰' زاد المعاد ج ۲ ص ۱۰۹' زرقانی جلد ۲ ص ۶۳' طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۶)

حادثہ رجیع

اسی سال صفر سنہ ۴ھ میں سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں عضل اور قارہ کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے قبیلوں میں اسلام کے بارے میں دلچسپی پیدا ہو رہی ہے' اس لیے آپ چند اچھے پڑھے لکھے لوگوں کو بھیج دیں جو ان میں دین کی تبلیغ کریں۔ انہیں قرآن پڑھائیں اور اسلامی احکام کے بارے میں تعلیم دیں۔ آپ ﷺ نے محمد ابن اسحاق کے بقول چھ اور بخاری کی روایت کے مطابق دس حضرات کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ جن میں سے چھ کے نام یہ ہیں۔

۱۔ سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
۲۔ سیدنا مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ
۳۔ سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ
۴۔ سیدنا خالد بن بکیر رضی اللہ عنہ
۵۔ سیدنا خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ
۶۔ سیدنا عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ

سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور یہ بھی ہدایت فرمائی کہ حالات معلوم کرتے رہیں۔ ان میں چھ مہاجر اور چار انصار تھے۔

(بخاری ج ۲ ص ۵۶۸' ۵۸۵' فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۱' طبقات ج ۲ ص ۳۹)

جب یہ لوگ رالغ (بخاری میں نام "ھداۃ" ہے اور ھداۃ عسفان اور مکہ کے درمیان ایک جگہ ہے

Marfat.com

ابو حاتم کا بیان ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام "ھدہ" ہے بغیر الف کے) اور جدہ کے درمیان قبیلہ ہذیل کے چشمہ "رجیع" پر پہنچے تو ان لوگوں نے بدعہدی کی اور سفیان بن خالد نے قبیلہ بنو لحیان کو اشارہ کیا کہ ان کا کام تمام کر دیں۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۳ ص ۱۸۴) بنو لحیان کے دو سو آدمی جن میں ایک سو تیر انداز تھے، فوراً ان کے تعاقب میں چل دیئے۔ جب ان صحابہ کرامؓ نے ان لوگوں کو آتے دیکھا تو جان گئے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ چنانچہ یہ ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ بنو لحیان نے ٹیلہ کو گھیر لیا۔ بنو لحیان نے قسمیں کھا کھا کر انہیں اطمینان دلایا کہ ہم کسی آدمی کو قتل نہیں کریں گے، البتہ آپ لوگوں کے ذریعہ اہلِ مکہ سے کچھ باتیں منوائیں گے۔ (ابنِ ہشام ج ۲ ص ۱۷۰)

سیدنا عاصم بن ثابتؓ ان کی باتوں سے مطمئن نہ ہوئے اور فرمایا کہ میں کافر کی پناہ میں کبھی نہ اتروں گا اور یہ دعا مانگی:

اللھم اخبر عنا رسولک۔

"اے اللہ! اپنے رسول کو ہمارے حال کی خبر کر دے۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو اطلاع دے دی۔ (ابو داؤد طیالسی) بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عاصم بن ثابتؓ نے اس وقت یہ دعا بھی مانگی!

"اے اللہ! آج میں تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں تو میرے گوشت یعنی جسم کی کافروں سے حفاظت فرما۔"

اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان سے جنگ شروع کر دی۔ لیکن کہاں سو تیر انداز اور کہاں دس۔ یعنی ایک اور دس کا مقابلہ تھا۔ بلکہ ایک لحاظ سے ایک اور بیس کا مقابلہ تھا۔ کیونکہ لحیانیوں کی تعداد دو سو تھی۔ دشمن کے تیروں کی بوچھاڑ سے سات صحابہ شہید ہو گئے اور صرف تین رہ گئے۔ حملہ آوروں نے ان تینوں کو پھر اطمینان دلایا کہ تم لوگ نیچے آ جاؤ، ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ اس پر تینوں صحابی نیچے آنے لگے۔ عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ ابھی اوپر ہی تھے کہ ان بدعہدوں اور غداروں نے اپنی کمانوں کے تانت اتارے اور ان کے ساتھ ان دونوں کے ہاتھ پاؤں کس دیئے۔ سیدنا عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے اوپر سے آواز دی: یہ تمہاری پہلی بدعہدی ہے۔ میں اس طرح اپنے آپ کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ لیکن دوسری طرف دو سو آدمی تھے، چنانچہ حملہ آوروں نے انہیں بھی شہید کر دیا۔ مشرکین ان دونوں کو گرفتار کر کے مکہ لے آئے اور قریش مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

ان دونوں صحابہ نے غزوۂ بدر میں اہلِ مکہ کے سرداروں کو قتل کیا تھا۔ اس لیے ان کو ان لوگوں نے خریدا جن کے عزیز غزوہ بدر میں مارے گئے تھے۔ چنانچہ سیدنا زید بن وثنہؓ کو امیہ بن خلف (مقتول

بدر) کے بیٹے صفوان بن امیہ نے خریدا جو مکہ کا رئیس اور ابوسفیان کا دست راست تھا۔ سیدنا خبیب بن عدیؓ کے ہاتھ سے حارث بن عامر مارا گیا تھا۔ اس لیے حارث کے بیٹوں نے انہیں اپنے باپ کے انتقام کے لیے خریدا۔

قریش مکہ اشہر حرم (رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم) اور حرم مکہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ حرمت والے مہینے تو گزر چکے تھے لیکن حرم مکہ کا احترام تو باقی تھا اس وجہ سے مکہ سے باہر "تنعیم" میں ان کے قتل کا انتظام کیا گیا۔ قتل کا تماشا دیکھنے کے لیے دوسرے سرداران قریش کے ساتھ ابوسفیان بھی گیا۔ جب قاتل نے انہیں قتل کرنے کے لیے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان نے سیدنا زیدؓ سے پوچھا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ مجھے سچ سچ بتانا: "کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوں اور ہم ان کی گردن اڑائیں اور تم اپنے بال بچوں میں آرام کرو؟"

سیدنا زیدؓ نے عشق و مستی کی زبان میں فوراً یہ جواب دیا:

"محمد ﷺ اس وقت میری جگہ ہوں اور میں اپنے گھر میں ہوں اس کو تو کیا چاہتا اور پسند کرتا۔ میں تو اس بات کو بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ سرور کائنات ﷺ اپنے گھر میں تشریف فرما ہوں اور وہاں ان کے پاؤں مبارک میں کوئی کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے گھر میں اپنے بال بچوں میں آرام کر رہا ہوں۔"

اس عاشق صادق کے منہ سے یہ جواب سن کر ابوسفیان حواس باختہ ہو گیا، ہوش اڑ گئے کہ کیسی محبت ہے اور کہنے لگا:

ما رایت من الناس احدا یحب احدا کحب اصحاب محمد محمدا۔

"میں نے دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو کسی سے اتنی محبت کرتا ہو جتنی اصحابِ محمد، محمد ﷺ سے کرتے ہیں۔"

صفوان بن امیہ کا غلام نسطاس قتل کے لیے مامور تھا۔ سیدنا زیدؓ کا جواب ختم ہوا تو اس نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس جان نثار نبوت کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ رضی اللہ عنہ۔

(سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷۲)

بعد میں یہ نسطاس بھی دولت اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ (اصابہ ج ۳ ص ۵۵۳)

دوسرے صحابی سیدنا خبیب بن عدیؓ تھے۔ ان کو حارث بن عامر کے لڑکوں نے خریدا۔ ان کو بھی سیدنا زیدؓ کی طرح تنعیم میں قتل کرنے کا انتظام کیا گیا، لیکن تلوار سے گردن اڑانے کے بجائے ان کو سولی پر چڑھا کر مارنے کا پروگرام بنایا گیا۔ سیدنا خبیبؓ نے اپنے خریدار قاتلوں سے کہہ رکھا تھا کہ میں صرف تین باتوں کا خواہش مند ہوں، کہ دورانِ قید مجھے:

Marfat.com

۱۔ ٹھنڈا اور میٹھا پانی دیا جائے۔
۲۔ میرے کھانے میں ایسے جانور کا گوشت نہ ہو جس کو کسی بُت کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔
۳۔ جب قتل کرنا ہو تو مجھے اطلاع دے دی جائے' اچانک قتل نہ کیا جائے۔

(طبقات ج ۳ ص ۴۰)

ان قاتلوں نے آپ کو حسب وعدہ بتا دیا کہ فلاں روز آپ کو سولی پر چڑھایا جائے گا۔ آپ نے بال وغیرہ صاف کر کے غسل کیا۔ پھر جب آپ کو حدود حرم سے باہر تنعیم میں سولی پر چڑھانے کے لیے لے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو تا کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ انہوں نے دو رکعت نماز کے لیے وقت دے دیا۔ چنانچہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شہادت سے قبل دو رکعت نماز پڑھنے کی سنت جاری کی۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۶۹) جب سلام پھیر چکے تو مشرکین سے فرمایا: میں نے اس خیال سے نماز کو طویل نہیں کیا کہ کہیں تم کو یہ گمان نہ ہو کہ میں موت سے گھبراہٹ کی وجہ سے ایسا کر رہا ہوں۔ پھر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:

اللھم احصھم عددا واقتلھم بددا ولا تبق منھم احدا۔
''اے اللہ! ان لوگوں کو ایک ایک کر کے ختم کر اور ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ رہنے دے۔''

پھر کچھ شعر پڑھے جن میں سے دو کا ترجمہ یہ ہے:
۱۔ جب میں دینِ اسلام پر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ قتل کے بعد کس رخ پر گرتا ہوں اور کس طرح مارا جاتا ہوں۔
۲۔ میری یہ جان ساری حق تعالیٰ شانہ کی ذات کے بارہ میں ہے۔ وہ اگر چاہے گا تو بدن کے ان جوڑوں میں برکت ڈال دے گا جو پارہ پارہ ہو چکے ہوں گے۔

سیدنا خبیبؓ ایک وجد و مستی کی کیفیت میں گم تھے۔ حارث مقتول کے لڑکے نے آگے بڑھ کر آپ کو سولی پر باندھنا شروع کیا۔ جب آپ کو سولی پر باندھا جا رہا تھا تو آپ نے فرمایا:

اللھم انا قد بلغنا رسالہ رسولک، فبلغہ الغداہ ما یصنع بنا۔
''اے اللہ! ہم نے تیرے رسول کا پیغام پہنچا دیا ہے' اب جو ہمارے ساتھ کیا جا رہا ہے اس کی خبر اپنے رسول کو پہنچا دے۔'' (سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷۳)
پھر عتبہ بن حارث نے ان کو قتل کر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ قاتل عتبہ بن حارث کا بیان ہے کہ میں اتنا چھوٹا تھا کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے مجھ سے قتل کرایا گیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ بنو عبدالدار کے

Marfat.com

ایک شخص ابو میسرہ نے میرے ہاتھ میں خنجر دیا لیکن خود چلا کر سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکہ کے جو لوگ بدر میں مارے گئے تھے، ان کے تمام وارثوں کو اکٹھا کیا گیا اور ہر ایک کے ہاتھ میں خنجر دے کر کہا گیا کہ اس نے تمہارے باپ کو قتل کیا تھا، لہٰذا اس کا انتقام اس سے لے لو، چنانچہ ان سب نے اپنے نیزوں سے باری باری ان کے جسم کو چھلنی کیا۔

(سیرۃ حلبیہ ج ۳ ص ۱۳۶، ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷۳)

محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ فرمایا کرتے تھے کہ سیدنا خبیبؓ کو جب سولی دیا گیا، میں اس زمانہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا اور اپنے والد ابو سفیان کے ساتھ ان کے قتل کا تماشا دیکھنے کے لیے قتل گاہ میں گیا ہوا تھا۔ جب سیدنا خبیبؓ کی زبان سے مشرکین کے بارے میں بددعا کے لفظ نکلے تو ابو سفیان کی حالت یہ تھی کہ گھبرا کر جلدی جلدی مجھے زمین پر لٹا رہے تھے کہ خبیبؓ کی دعائے بد مجھے نہ لگ جائے کیونکہ مشہور یہ تھا کہ اگر فوراً ہی کوئی زمین پر لیٹ جائے تو دعائے بد اثر نہیں کرتی۔

(سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷۳)

ابن ہشام ہی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ سعید بن عامر بن حذیم کو سیدنا عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک علاقہ کا عامل مقرر کیا ہوا تھا۔ وہ کبھی بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں مرگی کی بیماری ہے۔ چنانچہ امیر المومنین سیدنا عمرؓ سے ان کی اس بارہ میں شکایت کی گئی۔ سیدنا عمرؓ نے ان سے اس بارہ میں دریافت کیا: تو کہا: امیر المومنین! اصل بات یہ ہے کہ سیدنا خبیبؓ کو جب سولی دی جا رہی تھی تو اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا۔ اس وقت انہوں نے جو دعا فرمائی اس کے کلمات، جو ایسے دردانگیز تھے کہ جب بھی مجھے ان کا خیال آتا ہے تو میں اپنے قابو میں نہیں رہتا اور بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ مجھے کوئی مرگی نہیں ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷۳)

مکہ میں قید کے دوران سیدنا خبیبؓ نے اپنی بلند کرداری اور اعلیٰ اخلاق کا جو مظاہرہ کیا اس نے قید کرنے والوں کو متاثر کیا۔ چنانچہ حارث کی بیٹی زینب (جو بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں) کہا کرتی تھیں:

"میں نے کوئی قیدی خبیبؓ سے بہتر نہیں دیکھا۔ وہ لوہے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اور اس زمانہ میں مکہ میں انگور ڈھونڈے سے نہیں ملتے تھے لیکن میں نے ایک روز دیکھا کہ انگور کا ایک پورا خوشہ ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ مزے سے کھا رہے ہیں۔ یہ انہیں کسی انسان نے لا کر نہیں دیئے تھے بلکہ یہ اللہ کا دیا ہوا رزق تھا جسے وہ تناول فرما رہے تھے۔"

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۶۹-۱۷۹، بخاری ج ۲ ص ۵۶۸۔ ۵۶۹، ۵۸۵، زاد المعاد ج ۲ ص ۱۰۹، زرقانی ج ۲ ص ۶۸، فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۳ وغیرہ)

حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ سیدنا خبیبؓ کو سولی دینے کے بعد مشرکین نے ان کی لاش کو سولی

Marfat.com

پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا تھا۔ آپ کو جب اس کے قتل کی اطلاع ملی تو آپ نے سیدنا زبیر بن عوامؓ اور سیدنا مقداد بن الاسودؓ کو ان کی لاش لانے کے لیے مکہ بھیجا۔ جب یہ دونوں رات کے وقت تنعیم پہنچے تو دیکھا کہ ۴۰ آدمی ان کی نعش کا پہرہ دینے کے لیے سولی کے اردگرد لیٹے پڑے ہیں۔ ان دونوں صحابہ کرامؓ نے ان لوگوں کو غافل پاکر سیدنا خبیبؓ کی نعش کو سولی سے اتار کر گھوڑے پر رکھا۔ دیکھا کہ لاش اسی طرح ترو تازہ تھی، اس میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔ حالانکہ سولی دیئے ہوئے چالیس دن گزر گئے تھے۔

مشرکین کی جب آنکھ کھلی تو لاش کو سولی سے غائب پاکر ہر طرف تلاش کے لیے دوڑے اور آخر کار سیدنا زبیرؓ اور سیدنا مقدادؓ کو جا پکڑا۔ سیدنا زبیرؓ نے نعش کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھا۔ زمین فوراً شق ہوئی اور نعش کو نگل گئی۔ اس وجہ سے سیدنا خبیب "بلیع الارض" کے لقب سے مشہور ہیں۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۶۷، زرقانی ج ۲ ص ۷۳)

حافظ ابن کثیر نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ سیدنا عمرو بن امیہ ضمریؓ اور مسلم بن اسلمؓ سیدنا خبیبؓ کی لاش کو لینے کے لیے مکہ گئے تھے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۶۹-۷۱)

ان دس صحابہ کی جماعت کے امیر سیدنا عاصم بن ثابتؓ نے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے، شہادت سے قبل ایک دعا مانگی تھی کہ "اے اللہ! آج میں تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں تو میرے جسم کی کافروں سے حفاظت فرما۔" آپ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ قریش کی ایک رئیس زادی سلافہ بنت سعد کا لڑکا جنگ بدر میں سیدنا عاصمؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ اگر کبھی میرا عاصمؓ پر قابو چل گیا تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔ سیدنا عاصمؓ جب شہید ہوئے تو قبیلہ ہذیل کے لوگوں نے سوچا کہ ان کے سر کو کاٹ کر سلافہ کے ہاتھ فروخت کر کے رقم حاصل کریں۔ چنانچہ جب ان کا سر کاٹنے کے لیے اس جگہ پہنچے جہاں ان کی لاش پڑی ہوئی تھی تو سیدنا عاصمؓ کی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس شہید وفا کی لاش کو دشمنوں کی بے حرمتی سے اس طرح محفوظ رکھا کہ شہد کی بڑی مکھیوں کا ایک دل وہاں نمودار ہو گیا اور اس دل نے سیدنا عاصمؓ کی لاش کو گھیر لیا اور جو بھی ان کی لاش کے قریب آتا یہ مکھیاں اس پر حملہ کر دیتیں۔ چنانچہ یہ لوگ ان کا سر نہ کاٹ سکے اور یہ طے ہوا کہ رات کو مکھیاں چلی جائیں گی۔ تب آ کر یہ ان کا سر کاٹ لیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک اور عجیب طریقہ سے ان کی لاش کی حفاظت فرمائی۔ رات کو سیلاب آیا جو ان کی لاش کو بہا کر لے گیا۔ اس طرح سے بنو ہذیل کا یہ منصوبہ بھی خاک میں مل گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عاصمؓ نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ نہ میں کبھی کسی مشرک کو ہاتھ لگاؤں گا اور نہ کوئی مشرک مجھ کو ہاتھ لگائے۔ سیدنا عمرؓ کے سامنے جب کبھی سیدنا عاصمؓ کی بات ہوتی تو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ اپنے خاص بندوں کے مرنے کے بعد بھی اسی طرح حفاظت فرماتے ہیں

Marfat.com

جیسے اس کی زندگی میں حفاظت فرماتے ہیں۔ چنانچہ عاصمؓ اس کا زندہ ثبوت ہیں۔
(ملاحظہ ہو بخاری ج ۲ ص ۵۶۹، فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۵، زرقانی ج ۲ ص ۷۳، ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷۱)

بیر معونہ کی لرزہ خیز داستان

بنو سلیم ایک قبیلہ تھا جو نجد میں آباد تھا۔ رعل، ذکوان، بنولحیان، عصتیہ اور بنو عامران کے مختلف قبائل کے نام تھے۔ ان کا رئیس ابو براء عامر بن مالک تھا جو "ملاعب الاسنہ" (نیزوں سے کھیلنے والا) کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ خطاب اس کو وراء بن عمر نے دیا تھا۔ (اصابہ)

صفر سنہ ۴ھ میں عامر بن مالک بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور خود اپنی طرف سے بھی اور رعل اور ذکوان وغیرہ قبائل کی طرف سے بھی اپنے حریفوں کے مقابلہ میں آپ سے امداد کی درخواست کی۔ یہ قبائل سرور کائنات ﷺ سے معاہدہ کیے ہوئے تھے، لہٰذا آپ نے درخواست منظور فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر عامر بن مالک کو اسلام کی دعوت بھی دی۔ اس نے جواب دیا کہ آپ اپنے منتخب اصحاب کو بھیجیں گے تو وہ فریضہ دعوت بھی سرانجام دیں گے اور مجھے امید ہے کہ ان کی دعوت سے وہ لوگ اسلام قبول کرلیں گے۔ اس وجہ سے آپ نے صحابہ کرامؓ کے انتخاب کے وقت ان کو منتخب فرمایا جو علم و فضل میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے اور ان کو قراء کہا جاتا تھا۔ سیدنا انس بن مالکؓ نے ان صحابہ کرام کی شان ان الفاظ میں بیان کی:

کانوا یحتطبون بالنهار ویصلون باللیل (بخاری ج ۲ ص ۵۸۶)

"وہ حضرات دن کو لکڑیاں چن کر معاش فراہم کیا کرتے تھے اور رات کو نوافل میں مشغول رہتے۔"

اس بات کی بھی تصریح ہے کہ یہ پاکباز جماعت لکڑیاں چن کر جو معاش فراہم کرتی وہ اپنے لیے نہیں بلکہ اصحاب صفہ کے لیے کھانا لاتے اور رات کا کچھ حصہ درس قرآن میں اور کچھ حصہ نوافل پڑھنے میں گزارتے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۶-۲۹۷)

ان میں سے چند حضرات کے نام یہ ہیں۔

(۱) منذر بن عمروؓ (۲) سیدنا حارث بن صمہؓ (۳) سیدنا حرام بن ملحانؓ (۴) عروہ بن اسماء بن الصلتؓ (۵) سیدنا نافع بن بدیلؓ (۶) سیدنا عامر بن فہیرہؓ۔

سیدنا منذر بن عمروؓ اس جماعت کے قائد اور امیر مقرر ہوئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ بخاری کی روایت کے مطابق ستر صحابہ کو قبائل کی درخواست پر ان کے ہمراہ بھیجا تھا لیکن آپ کا قلب مبارک مطمئن نہیں تھا۔ چنانچہ آپ نے ابو براء عامر

Marfat.com

بن مالک سے یہ فرمایا تھا کہ مجھے اہلِ نجد کی طرف سے خطرہ ہے، لیکن ابو براء نے بڑے وثوق سے یقین دلایا کہ میں ذمہ دار ہوں۔ آپ بالکل کوئی فکر نہ کریں۔ آپ نے جب ان صحابہ کو رخصت فرمایا تو ان قبائل کے سردار عامر بن طفیل کے نام ایک خط لکھا اور تین صحابہ کرام سیدنا حرام بن ملحانؓ، سیدنا کعب بن زیدؓ اور سیدنا منذر بن محمد بن عقبہ خزرجی کو کہا کہ آپ تینوں یہ خط عامر بن طفیل کو پیش کر دیں۔

(بخاری جلد ۲ ص ۵۸۶)

یہ صحابہ کرامؓ دن رات سفر کرتے ہوئے بیرِ معونہ (معونہ کے کنویں) پر جا پہنچے۔ یہ کنواں بنو عامر اور بنی سلیم کے درمیان ایک زمین میں واقع ہے۔ وہاں پڑاؤ ڈالنے کے بعد ان صحابہؓ نے سیدنا حرام بن ملحانؓ کو جو ان تینوں کے امیر تھے، وہ خط عامر بن طفیل کو پہنچانے کے لیے کہا۔ حرام بن ملحانؓ نہایت زیرک انسان تھے اور حالات کے نشیب و فراز کو بخوبی سمجھتے تھے۔ پھر ان کے ذہن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بات بھی تھی کہ "مجھے اہلِ نجد کی طرف سے خطرہ ہے۔" چنانچہ حرام بن ملحانؓ نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کہا کہ آپ یہیں ٹھہریں۔ میں تنہا عامر بن طفیل کے پاس جاتا ہوں۔ اگر کوئی خطرہ کی بات ہوئی تو صرف ایک شخص اس کا نشانہ بنے گا۔ آپ دونوں حضرات فوری طور پر دوسرے ساتھیوں کو مطلع کر دینا۔ سیدنا حرام بن ملحانؓ (برادر سیدہ ام سلیمؓ) قربان اور فدا ہونے کی تمنا دل میں لیے ہوئے روانہ ہوئے اور عامر بن طفیل کے پاس جا کر اس کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب دیا۔ لیکن عامر بڑا بد مزاج انسان تھا، اس کے دماغ میں خشونت اور نخوت کی ہوا بھری ہوئی تھی اس نے آپ کا وہ خط دیکھا تک نہیں اور ایک شخص کو اشارہ کر دیا۔ اس شقی اور بد بخت نے اشارہ پاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نامہ بر کو پیچھے سے اس زور کا نیزہ مارا کہ آرپار ہو گیا۔ جسم سے خون کا فوارا چھوٹا، لیکن زبان پر جو الفاظ تھے وہ تاریخ نے یوں قلم بند کیے ہیں:

فزت ورب الکعبہ۔

"رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا"۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۸۶)

ابھی یہ (سیدنا حرام بن ملحانؓ) فرشِ خاک پر تڑپ رہے تھے کہ اس نے فوری طور پر باقی صحابہ کرامؓ پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلہ بنو عامر کو آواز دی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ اسی وقت گھوڑا دوڑا کر قبائل میں پہنچا اور ان صحابہ کرامؓ پر حملہ کرنے کے لیے کہا۔ بنو عامر قبیلہ نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ابو براء کی پناہ میں تھے۔ باقی قبائل رعل، ذکوان اور عصیہ نے اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جھٹ صحابہ کرامؓ کو گھیر لیا۔ یہ سب حضرات اس اچانک اور فوری حملہ سے بالکل غافل تھے، لیکن پھر بھی مقابلہ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ حملہ آور بہت زیادہ تھے اور حملہ اچانک کیا گیا تھا لہٰذا کچھ دیر مقابلہ کرنے کے بعد سارے صحابہ کرامؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان ستر صحابہ کرامؓ میں سے صرف ایک

Marfat.com

صحابی سیدنا کعب بن زیدؓ (اعرج) جن کو مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا' زندہ بچ گئے۔ انہیں شہداء کے درمیان سے زخمی حالت میں اٹھالیا گیا۔ یہ کسی نہ کسی طریقے سے مدینہ پہنچے پھر آئندہ سال غزوۂ خندق میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ان کے علاوہ دو اور صحابہ سیدنا عمرو بن امیہ ضمری اور سیدنا منذر بن محمد انصاریؓ اونٹ چرا رہے تھے۔ انہوں نے دور سے دیکھا کہ گدھ اڑ رہے ہیں اور ان کے پنجوں میں گوشت کے لوتھڑے ہیں جن سے خون نچڑ رہا ہے۔ انہیں یہ گمان ہوا کہ کوئی جنگ ہوئی ہے اور لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور یہ گدھ ان کا گوشت نوچ رہے ہیں۔ وہ دونوں اس میدان کی طرف بڑھے۔ چنانچہ وہ دونوں وہاں پہنچے تو دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور قاتل اپنی کامیابی پر اٹھکیلیاں بھر رہا ہے۔ سیدنا منذر بن محمدؓ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ہمیں فوری طور پر مدینہ منورہ پہنچ کر حضور ﷺ کو اطلاع کرنی چاہیے' لیکن سیدنا عمرو بن امیہ ضمریؓ نے کہا "میں اس میدان سے نہیں جا سکتا جہاں منذر بن عمرو ساعدیؓ شہید ہوا۔ (یہ صحابی امیر جماعت تھے) میں تو یہاں دشمنوں کا مقابلہ کروں گا۔ خواہ شہید ہی کیوں نہ ہو جاؤں۔ آپ مدینہ جا کر خبر کر سکتے ہیں۔" لیکن سیدنا منذر بن محمدؓ کو بھی اپنے ساتھی کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ ہوا۔ چنانچہ ان دونوں نے دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ سیدنا منذر بن محمد خزرجیؓ تو شہید ہو گئے اور عمرو بن امیہ ضمریؓ کو گرفتار کر لیا گیا اور عامر بن طفیل کے سامنے پیش کیا گیا۔

سیدنا عمرو بن امیہؓ کی زندگی کے کچھ دن ابھی باقی تھے۔ عامر بن طفیل نے صرف اس وجہ سے کہ سیدنا عمرو بن امیہ کا تعلق بنو ضمرہ سے ہے (جو قبیلہ کی شاخ تھا اور جو اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا) ان کے قتل کا حکم نہ دیا۔ پھر ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر اس وجہ سے آزاد کر دیا کہ اس کی ماں نے ایک گردن آزاد کرنے کی نذر کی تھی۔ (زرقانی ج ۲ ص ۷۷' ابن ہشام ج ۲ ص ۱۸۵)

سیدنا عمرو بن امیہ ضمریؓ واپسی میں وادی قناۃ کے سرے پر واقع مقام قرقرہ پہنچے تو ایک درخت کے سایہ میں اترے۔ وہاں بنو کلاب کے دو آدمی بھی آ کر اترے تھے۔ جب وہ دونوں بے خبر سو گئے تو سیدنا عمرو بن امیہؓ نے اپنے ساتھیوں کے بدلہ میں ان دونوں کو قتل کر دیا حالانکہ ان دونوں کے پاس سرکارِ دو عالم ﷺ کی طرف سے عہد تھا' لیکن سیدنا عمرو بن امیہؓ اس سے بالکل بے خبر تھے۔ چنانچہ جب مدینہ پہنچ کر انہوں نے اس بارہ میں حضور ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "عمرو! تم نے ایسے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے جن کو میں نے عہد دیا تھا۔ لہٰذا اب ان دونوں کی دیت مجھ پر لازم ہے۔" اس کے بعد آپ مسلمانوں اور ان کے حلفاء سے دیت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۱۸۶)

سیدنا عمرو بن امیہ ضمریؓ اور سیدنا منذر بن محمد خزرجی کو تو گدھوں کی اڑان سے ان مظلوم صحابہ کرامؓ کی شہادت کا علم ہوا تھا لیکن سرور کائنات ﷺ کو طائرِ قدس یعنی جبرئیل امین علیہ السلام نے فوری طور پر اس سانحہ کی اطلاع دی جو تاریخ اسلام میں ایک لرزہ خیز اور خوں چکاں المیہ تھا۔ واقدی کا بیان ہے

Marfat.com

کہ رجیع اور معونہ کے دونوں المیوں کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ایک ہی رات میں ملی تھی۔
(مختصر سیرۃ الرسول ص ۶۲۰)

اس طائر قدس نے ان شہداء کا پیغام پہنچا دیا کہ:

بلغوا عنا قومنا انا لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا۔

"ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے جا ملے اس حالت میں کہ وہ ہم سے خوش ہو گیا اور ہمیں خوش کر دیا۔"

سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ان شہداء کا یہ پیغام قرآن پاک کی آیت کی طرح ایک عرصہ تک پڑھا جاتا رہا۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۸۶)

آپؐ نے ان صحابہ کرامؓ کے انتقام کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ آپؐ نے نماز فجر میں رعل، ذکوان، لحیان اور عصیہ قبائل پر ایک ماہ تک متواتر بد دعا کی۔ آپ رکوع اور سجدہ کے درمیان یعنی قومہ میں یہ دعا پڑھتے:

اللھم اشدد وطاتک علی مضر اللھم اجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف۔

"خداوند! مضر کے کافروں کو سختی سے پامال کر دے اور یوسف علیہ السلام کے قحط کی طرح انہیں قحط میں مبتلا کر دے۔" (بخاری ج ۲ ص ۵۸۷)

سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس قدر بیئر معونہ کے شہداء پر مغموم ہوئے میں نے کسی اور پر اس سے زیادہ آپ کو مغموم ہوتے نہیں دیکھا۔
(مختصر سیرۃ الرسول، شیخ عبداللہ ص ۲۶۰)

رجیع اور بیئر معونہ کے واقعات چند ہی دن آگے پیچھے پیش آئے تھے اس وجہ سے بھی آپ بہت زیادہ غمگین تھے۔

ہجرت کے واقعات میں گزر چکا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک غلام عامر بن فہیرہؓ تھے جو ہجرت کے وقت بہت رازدار تھے اور ہجرت میں انہوں نے بہت کام بھی کیا ہے۔ جب غار ثور سے آپ ﷺ کی روانگی ہوئی تو مدینہ طیبہ تک مرکب ہمایوں کی نگرانی بھی فرماتے رہے کہ کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے۔ بیئر معونہ کے ان ستر قراء میں یہ بھی شامل تھے۔ سیدنا عمرو بن امیہ ضمریؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے گرفتار کر لیا گیا تو مشرک عامر بن طفیل نے ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے دریافت کیا: یہ لاش کس کی ہے؟ میں نے کہا: عامر بن فہیرہؓ کی، جو ہجرت مدینہ میں آپؐ کے رفیق سفر تھے۔ عامر نے کہا کہ میں نے عجیب ماجرا دیکھا ہے کہ یہ لاش اٹھائی گئی اور آسمان کے قریب تک اس کو لے جایا گیا پھر یہاں

Marfat.com

لا کر رکھ دیا گیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۸۷)

جبار بن سلمی کلابی جو عامر بن فہیرہؓ کے قاتل ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نے عامر بن فہیرہؓ کے نیزہ مارا تو ان کی زبان سے نکلا:

فزت واللہ۔

"خدا کی قسم میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔"

مجھے ان کی زبان سے یہ فقرہ سن کر بہت تعجب ہوا اور دل میں کہا کہ کیا مراد کو پہنچے۔ ضحاک بن ثابت کے پاس آ کر میں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ ضحاک نے کہا۔ "حصول جنت" میں۔ یہ بات سن کر میں مسلمان ہو گیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۲)

آخر میں رجیع اور بیرِ معونہ کے دونوں واقعات کے بارہ میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ابن سعد وغیرہ مورخین نے ان دونوں واقعات کا ہونا صفر میں لکھا ہے اور اس بات پر تو تمام مورخین اور اصحاب سیرۃ متفق ہیں کہ یہ دونوں واقعات چند دنوں کے فرق سے پیش آئے۔ ابن سعدؒ وغیرہ کے لکھنے پر ہم نے بھی ان واقعات کا ہونا صفر میں لکھ دیا ہے لیکن واقعات کا تسلسل بتا رہا ہے کہ یہ دونوں محرم الحرام میں پیش آئے۔ کیونکہ جن حضرات نے ان واقعات کا صفر میں ہونا لکھا ہے انہوں نے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ جیسے ہی اشہر حرام ختم ہوئے یعنی محرم کا مہینہ کیونکہ محرم اشہر حرم کا آخری مہینہ ہوتا ہے، گزرا تو سیدنا خبیب بن عدیؓ اور سیدنا زید بن وثنہؓ کو شہید کر دیا گیا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ ماہ صفر میں رجیع اور بیرِ معونہ کے واقعات نہیں ہوئے بلکہ محرم میں ہوئے ہیں۔ کیونکہ اگر یہ واقعات صفر میں ہوتے تو ان دونوں صحابہؓ کو محرم کے ختم ہونے کے انتظار میں قید کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی بلکہ اسی روز یا دو تین روز بعد قتل کر دیا جاتا۔ لیکن چونکہ ان دونوں صحابہ کرامؓ کو صفر میں شہید کیا گیا اس وجہ سے ابن سعد اور دوسرے کئی ایک مورخین نے ان واقعات کو صفر کے حادثات قرار دیا۔

بنو نضیر کی جلاوطنی

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ سیدنا عمرو بن امیہ ضمریؓ جب عامر بن طفیل کی قید سے رہا ہو کر واپس آ رہے تھے تو قرقرہ کے مقام پر انہوں نے دو آدمیوں کو، جن کا تعلق بنو عامر سے تھا، غدار سمجھ کر قتل کر دیا تھا اور جب مدینہ طیبہ میں انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے اس قتل کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں معاہد تھے لہٰذا ان کی دیت ادا کرنا ہوگی۔ سرکارِ مدینہ ﷺ نے مختلف قبائل سے معاہدہ کر رکھا تھا اس کی رو سے دیت کی ادائیگی میں ہر ایک حلیف قبیلہ کو حصہ لینا ہوتا تھا۔ اس لیے بنو عامر کے ان دو مقتولوں کی دیت میں بنو نضیر کو بھی مدد کرنی چاہیے تھی۔ اس مقصد کے لیے سرکارِ دو عالم ﷺ

Marfat.com

نے خود بنو نضیر جانے کا ارادہ فرمایا تاکہ اس بارہ میں یہودی سرداروں سے بات کی جاسکے۔

یہود کو جب اس بات کا پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ خود ہمارے ہاں تشریف لا رہے ہیں تو انہیں تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ ان کا اعزاز و احترام کرتے ہوئے حضور ﷺ خود ان کے ہاں تشریف لا رہے ہیں، لیکن یہود نے اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے نہایت ناپاک اور مکروہ منصوبہ تیار کیا جو آپؐ کی شہادت پر منتج ہوتا تھا۔

یہ بات پہلے بھی ذکر کی جاچکی ہے کہ یہود کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کینہ اور عداوت کے جذبات موجزن تھے، لیکن وہ مالدار اور سود خور ہونے کی وجہ سے مرد میدان اور بہادر نہ تھے بلکہ سازشی اور دسیسہ کار تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں سے عہد و پیمان کے باوجود انہیں اذیت اور نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ بنو قینقاع کی جلاوطنی اور کعب بن اشرف یہودی کے قتل اور جنگ بدر میں قریش مکہ کی شکست نے ان کے حوصلے پست کر دیئے تھے لیکن غزوۂ احد میں مسلمانوں کے جانی نقصان نے ان میں پھر جرأت و ہمت پیدا کر دی اور انہوں نے کھلم کھلا مسلمانوں کی عداوت، مخالفت اور بدعہدی شروع کر دی۔ یہ سب کچھ حضور ﷺ کے علم میں تھا لیکن آپ نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی صبر سے کام لیا کیونکہ ایک تو آپ نے ویسے ہی یہود کو بہت مراعات دی ہوئی تھیں، دوسرے وقت کا تقاضا بھی یہ تھا کہ ان کی ان تمام بدعہدیوں سے وقتی طور پر چشم پوشی کی جائے۔

رجیع اور بیئر معونہ کے المناک اور خونریز واقعات میں مسلمانوں کے قریباً اسی بہترین جانباز شہید ہو گئے تھے جس سے مسلمانوں کی ظاہری اور معنوی قوت کو کافی نقصان پہنچا۔ اس وجہ سے بھی یہود کی جرأت اور جسارت اسلام کی مخالفت میں اس حد تک بڑھ گئی کہ انہوں نے سرکارِ دوعالم ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنالیا۔

جب انہیں پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ خود ان کی آبادی میں تشریف لا رہے ہیں تو انہوں نے ان کی نشست کا ایسی جگہ انتظام کیا کہ وہاں اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا کر نیچے بیٹھنے والے کو ختم کیا جاسکے۔ ایک یہودی عمرو بن حجاش بن کعب نے وہ بھاری پتھر اوپر چڑھایا۔ اس طرح حضور ﷺ کو ختم کرنے کی سازش تیار کی گئی۔

رسول اللہ ﷺ حسب وعدہ دیت کے لیے اعانت و امداد لینے کی غرض سے بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ، سیدنا سعد بن معاذؓ، سیدنا اسید بن حضیرؓ اور سیدنا سعد بن عبادہؓ وغیرہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ آپ کے ہمراہ تھے۔ یہود بنی نضیر نے اپنی پلاننگ کے تحت انہیں ایک دیوار کے سایہ میں بٹھا دیا۔ بنو نضیر نے بظاہر نہایت

Marfat.com

خندہ پیشانی سے آپ کا استقبال کیا اور دیت میں اعانت کا وعدہ بھی کیا' تاکہ ان کے دل میں جو سازش آپ کو ختم کرنے کی تھی' اس کا آپ کو پتہ نہ چل سکے۔ یہود کے ایک عالم سلام بن مشکم نے انہیں اس سازش سے منع بھی کیا اور کہا کہ "ایسا نہ کرو' خدا کی قسم' اس کا رب اسے اس بارہ میں مطلع کر دے گا' نیز یہ بد عہدی بھی ہے۔" لیکن انہوں نے اس کی اس بات کی کوئی پروانہ کی۔

جونہی سرکارِ دو عالم ﷺ دیوار کے سایہ میں جا کر بیٹھے' جبرئیل امین نے آپ کو یہود کے اس منصوبہ سے باخبر کر دیا۔ آپ تیزی سے اٹھے اور خاموشی سے مدینہ تشریف لے آئے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ فرمادیا کہ وہ وہاں ٹھہریں' پھر جب معلوم ہو گیا کہ آپ مدینہ پہنچ گئے ہیں تو باقی صحابہ کرام ؓ بھی واپس چلے آئے۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کی اطلاع پہلے ان یہودیوں ہی کو ہوئی جو اس سازش کے بانی مبانی تھے۔ ایک یہودی نے انہیں آکر بتایا' آپ لوگ کس انتظار میں ہیں؟ میں مدینہ سے آرہا ہوں۔ میں جب مدینہ سے نکل رہا تھا تو آپ ؑ مدینہ میں داخل ہو رہے تھے۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۶۲' سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۹۰)

یہ واقعہ ربیع الاول سنہ ۴ھ کو ہوا۔ ابن سعد نے طبقات میں سبت (ہفتہ) کے دن کی بھی تصریح کر دی ہے۔ یہود کا یہ منصوبہ اس درجہ مکمل (Well-Planned) تھا کہ وحی الٰہی نے اس کی ناکامی کو دست قدرت کا کارنامہ اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ کا مخصوص انعام قرار دیا۔

بنو نضیر کی یہ کوئی پہلی عہد شکنی نہ تھی بلکہ اس سے قبل بھی کئی دفعہ اپنے اس عہد و پیمان کو توڑا جو خود انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیے تھے۔ قریش کا خط بنو نضیر کے نام' کعب بن اشرف کی عہد شکن حرکتیں' بنو نضیر کا قریش کے ساتھ گٹھ جوڑ یہ ساری باتیں معاہدہ رسول کے سراسر خلاف تھیں' لیکن کعب بن اشرف کے قتل کے بعد جب بنو نضیر نے معاہدہ کی تجدید کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی پہلی تمام اشتعال انگیز اور پیمان شکن حرکات سے چشم پوشی فرمائی۔ مگر

نیش عقرب نہ از پے کین است
مقتضائے طبیعت اش این است

اس نئے معاہدہ سے بھی یہودیوں کی ذہنیت تبدیل نہ ہوئی بلکہ ان کی زہریلی ذہنیت میں اور بھی تیزی پیدا ہو گئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے نقل کیا ہے کہ تجدید عہد کے بعد یہودیوں نے برابر یہ سازش شروع کی کہ کسی نہ کسی طریقہ سے سرکارِ دو عالم ﷺ کو ختم کیا جائے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے حضور ﷺ کو ایک پیغام بھیجا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تیس تیس آدمی اکٹھے ہو کر مناظرہ کریں۔ علماء یہود اگر

Marfat.com

مسلمانوں کے دلائل سے متاثر ہو گئے تو ہم سب دعوت اسلام پر لبیک کہہ دیں گے، پھر معلوم نہیں کیا خیال آیا کہ تیس کی تعداد کو تین میں تبدیل کر دیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے پہلی اور دوسری ترمیم شدہ تجویز، دونوں کو منظور فرمالیا اور یہود کے علماء سے گفتگو کے لیے مدینہ سے روانہ ہو گئے، لیکن راستہ میں ایک انصاری مسلمان نے آپ کو بتایا کہ اس کی بہن بنو نضیر کے علاقہ میں رہتی ہے اس نے مجھے بڑے باوثوق ذرائع سے معلوم کر کے یہ اطلاع دی ہے کہ گفتگو صرف بہانہ ہے۔ اصل مقصد ان کا آپ کو (معاذ اللہ) ختم کرنا ہے اور اس کارروائی کے لیے یہ طریقہ طے کیا گیا ہے کہ تین آدمی کپڑوں میں خنجر چھپا کر جائیں گے اور موقع پا کر سرکارِ مدینہ ﷺ پر حملہ کر کے ختم کر دیں گے۔۔۔ اس اطلاع کے ملتے ہی آپؐ نے اپنا ارادہ ملتوی فرمادیا اور واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۶۱، تفسیر مظہری جلد ۹ ص ۲۳۰)

آپ کو بروقت اطلاع ملنے کی وجہ سے یہود کا یہ منصوبہ ناکام رہا۔ اب دیت کے موقع پر آپؐ نے جو بنو نضیر میں جانے کا ارادہ فرمایا، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اب یہ دوسرا منصوبہ مرتب کیا۔ اس طرح تجدید عہد کے بعد یہ دوسری مرتبہ نقض عہد تھا۔ اب ان کے جرائم سے مزید چشم پوشی کرنا اسلام اور مسلمانوں کے لیے سخت نقصان دہ تھا۔ اس لیے اب رسول اللہ نے یہود کے سرداروں کو طلب فرمایا، اور ان کے سامنے ان کے تمام جرائم کی فہرست رکھی، لیکن وہ اپنے جرائم کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ دس روز کے اندر بنو نضیر مدینہ طیبہ کی سرزمین سے نکل جائیں، بصورت دیگر انہیں پھر کوئی پناہ نہیں دی جائے گی۔

تفسیر مظہری میں یہود کی ایک اور سازش کا تذکرہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے آپؐ کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا اور اس دعوت کے بہانے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ تیار کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ کو اس سازش کا علم ہو گیا اور آپؐ اس دعوت میں تشریف نہ لے گئے، لیکن آپ نے ان کی اس سازش سے بھی چشم پوشی فرماتے ہوئے کوئی مواخذہ نہ کیا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب بنو نضیر سے اٹھ کر مدینہ تشریف لائے، کسی صحابی کو پتہ نہیں کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد صحابہ کرامؓ بھی مدینہ چلے آئے۔ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح اٹھ جانے کی وجہ پوچھی تو آپ نے یہود کی سازش کا ان کے سامنے انکشاف فرمایا۔

مدینہ واپس آ کر آپ نے اب فوری طور پر سیدنا محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو بنو نضیر کے پاس روانہ کیا اور انہیں یہ نوٹس دیا کہ تم لوگ اب یہاں نہیں رہ سکتے کیونکہ تمہارے جرائم کی فہرست اب بہت طویل ہو چکی ہے، لہٰذا تم لوگ دس دن کے اندر اندر مدینہ سے نکل جاؤ۔ اس کے بعد جو شخص پایا جائے گا اس

کی گردن ماردی جائے گی۔

بنو نضیر کو اپنی طاقت پر بہت گھمنڈ تھا۔ ان کا علاقہ ایک اسٹیٹ تھا جس کی حفاظت کے لیے ان کے پاس مسلح جوان تھے۔ مضبوط قلعہ تھا جس کے سامنے باغات کے حصار تھے۔ ان کے مکانات بڑے مضبوط تھے۔ ان کے ہم مذہب بنو قریظہ ان کی پشت پر تھے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سے ان کا سیاسی گٹھ جوڑ تھا۔ اس لیے وہ یہ نوٹس پڑھ کر حیران اور ششدر رہ گئے کہ احد کے شکست خوردہ اور رجیع اور بیئر معونہ کے زخم خوردہ مسلمانوں کو یہ جرأت کیسے ہوگئی کہ انہیں اس اسٹیٹ سے نکل جانے کا نوٹس دیں، لہٰذا انہوں نے اس نوٹس کو درخور اعتناء نہ سمجھا اور اس کی تعمیل کرنے کے بجائے مخالفانہ اور باغیانہ رویہ اختیار کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا۔ وہ اپنی دولت کے زعم میں یہ سمجھنے لگے کہ محمد ﷺ کو صرف اوس اور خزرج کے قبائل کی حمایت حاصل ہے اور یہ دونوں قبائل کل تک ہمارے باج گزار تھے، ان لوگوں کے نوٹس پر ہم اپنے محلات، باغات اور اپنے مضبوط قلعہ کو چھوڑ دیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم بالکل مدینہ سے نہیں جائیں گے اور نہ کسی میں یہ طاقت ہے کہ ہمیں نکال سکے۔

رؤسا میں اپنی ریاست کا گھمنڈ ہوتا ہے۔ دولت کی بہتات کی وجہ سے ان کے سوچنے اور غور و فکر کی قوتیں ماؤف ہو جاتی ہیں، لیکن قوم میں کچھ سنجیدہ اور معاملات کے انجام اور ان کے نشیب و فراز کو سمجھنے والے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہود کے ایک دور اندیش اور سنجیدہ عالم اور دانشور کنانہ بن صوریا نے انہیں بہت سمجھایا:

> "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، اس لیے مجھے امید ہے کہ تم یہ باغیانہ اور مخالفانہ رویہ اختیار کر کے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو گے اور آخرکار تمہیں یہاں سے نکلنا ہی پڑے گا۔ اس لیے تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم صداقت کے سامنے گردن جھکا دو۔"

سلام بن مشکم نے بھی کنانہ بن صوریا کی پوری پوری تائید کی، لیکن بنو نضیر کا لیڈر حیی بن اخطب تھا۔ اس نوٹس کے ملنے سے وہ بہت جذباتی تھا۔ اس نے عوام کو مشتعل کرنے کے لیے یہ نعرہ لگایا کہ ہم موسیٰ نبی (علیہ السلام) کا دامن نہیں چھوڑ سکتے۔ دوسری طرف رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو جب اس نوٹس کا پتہ چلا تو اس نے حیی بن اخطب کو کہلوا بھیجا۔ مسلمانوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ڈٹ جاؤ، مقابلہ کرو اور ہمت نہ ہارو۔ میرے پاس عرب کے دو ہزار جوان ہیں جو تمہارے ساتھ قلعہ میں داخل ہو کر تمہاری حفاظت کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔ عرب کا مشہور طاقتور اور کثیر التعداد قبیلہ "بنو غطفان" بھی تمہارے ساتھ ہے۔ وہ بھی اپنے جوانوں کو تمہاری مدد کے لیے بھیجے گا۔ اگر کسی صورت میں تمہیں نکالا ہی گیا تو پھر ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے

Marfat.com

بارہ میں کسی سے ہرگز نہیں دبیں گے۔ پھر بنو قریظہ بھی تو تمہارے ساتھ ہے۔ للذا ہمت کرو اور اس نوٹس کا جواب نفی میں دو۔ قرآن حکیم نے منافقین کی اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لئن اخرجتم لنخرجنا معكم ولا نطيع فيكم احدا ابدا، وان قوتلتم لننصرنكم۔

"اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ ہوں گے اور یقیناً ہم بھی نکل جائیں گے۔ ہم تمہارے معاملہ میں کسی کا کہنا نہیں مانیں گے اور اگر (بالفرض) جنگ ہوئی تو تم یقین رکھو کہ ہم ضرور تمہاری پوری پوری مدد کریں گے۔"

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی اس بات نے یہودیوں میں خود اعتمادی پیدا کر دی اور انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ مدینہ چھوڑنے کے بجائے مسلمانوں کا ہر طرح سے مقابلہ کریں گے۔ اس لیے انہوں نے اس نوٹس کا یہ جواب دیا:

انا لا نخرج من ديارنا فاصنع ما بدالك۔

"ہم اپنے گھروں سے ہرگز نہیں نکلیں گے آپ کو جو کرنا ہو کر لیں۔"

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۴۱)

حیی ابن اخطب کا بھائی جدی بن اخطب یہ پیغام لے کر مدینہ منورہ آیا۔ اس کا یہ پیغام سن کر رسول اللہ ﷺ کے منہ سے بے ساختہ اللہ اکبر نکلا۔ آپ کے اللہ اکبر کہنے پر مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا جس سے مدینہ کی پوری فضا گونج اٹھی۔

مسلمانوں کے سامنے اس وقت بڑی نازک صورت حال تھی۔ کیونکہ حالات کی کروٹیں کچھ اس طرح تھیں کہ دشمنوں سے ٹکراؤ مفید اور مناسب نہ تھا۔ انجام خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ سارا عرب مسلمانوں کے خلاف تھا۔ خود بنو نضیر کے یہود اتنے طاقتور تھے کہ ان کا ہتھیار ڈالنا آسان نہ تھا۔ منافقین، بنو غطفان اور بنو قریظہ کی پوری پوری حمایت انہیں حاصل تھی۔ لیکن رجیع اور بیئر معونہ کے واقعات نے مسلمانوں کو محتاط بھی کر دیا تھا اور حساس بھی، اور جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف مسلمانوں کا جذبہ انتقام زیادہ ہو گیا تھا۔ بنو نضیر نے بھی رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا تھا، للذا طے یہ ہوا کہ ان سے بہر صورت لڑنا ہے خواہ اس کا انجام جو بھی ہو۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کو جونہی حیی بن اخطب کا پیغام ملا تو آپ نے اور صحابہ کرامؓ نے اللہ اکبر کہا اور پھر لڑائی کے لیے اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے مدینہ منورہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن ام مکتومؓ کے سپرد فرمایا اور سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو علم بردار بنا کر صحابہ کرامؓ کو فرمایا کہ "نماز عصر بنو نضیر کے میدان میں جا کر پڑھیں۔" چنانچہ حضور ﷺ کے حکم کی صحابہ کرامؓ نے فوری طور پر تعمیل کی۔

Marfat.com

حیی بن اخطب کے بھائی جدی بن اخطب نے پیغام پر جب مسلمانوں کا نعرہ تکبیر سنا اور زبان رسالت سے فوری تیاری کا حکم بھی اس کے کان میں پڑا تو وہ کچھ پریشان ہوا۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر اپنے پشت پناہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچا۔ وہ اپنے مکان میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ جدی نے جب عبداللہ بن ابی سے اس بارہ میں بات کی تو جدی بن اخطب کو تعجب ہوا کہ اس کا وہ سارا جوش ٹھنڈا پڑا ہوا تھا۔ اس نے خود کوئی تیاری نہ کی اور نہ ہی حوصلہ افزا جواب دیا، صرف یہ کہا کہ میں حلیف قبائل (بنو غطفان وغیرہ) کے پاس آدمی بھیج رہا ہوں۔ ان کا جواب آنے پر کچھ جواب دوں گا۔ جدی بن اخطب اس کے اس جواب سے نہایت شکستہ خاطر ہوا اور یہی حوصلہ شکن جواب اس نے اپنے بھائی حیی بن اخطب کو جا کر سنا دیا اور یہ بھی کہا کہ میں "خیر" سے نہیں بلکہ "شر" سے آیا ہوں۔ ابھی یہ مدینہ کی مکمل روئیداد بھی نہیں سنا چکا تھا کہ مجاہدین اسلام نے بنو نضیر کے میدان میں پہنچ کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اس وقت نماز عصر کا وقت تھا۔ صحابہ کرامؓ نے اسی میدان میں صف بستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور نماز عصر کے لیے سرنیاز خم کیا۔

اتنی ڈینگیں مارنے والے یہودیوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب اس طرح ڈال دیا کہ وہ مقابلہ کرنے کے بجائے قلعہ بند ہو گئے۔ اتنے بلند بانگ دعوے لیکن لشکر اسلام کو دیکھ کر ہمتوں کا یوں پست ہو جانا، قرآن حکیم نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے:

فاتاھم اللہ من حیث لم یحتسبوا وقذف فی قلوبھم الرعب۔ (حشر)

"پہنچ گیا ان پر اللہ ایسی جگہ سے کہ ان کو اس جگہ کا خیال بھی نہیں تھا اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں کا) رعب ڈال دیا۔"

قلعہ بند ہونے کے بعد بھی انہیں یہ ہمت نہ ہوئی کہ قلعہ کی کمین گاہوں سے مسلمانوں پر حملہ کریں۔ صرف کچھ نوجوان لڑکوں نے قلعہ کی دیواروں سے تیر اور پتھر برسائے لیکن بہت جلد ان کو خاموش کر دیا گیا۔

اب نہ تو عبداللہ بن ابی اور نہ قبائل عرب کے وہ لوگ جن کے تعاون کا عبداللہ بن ابی نے یقین دلایا تھا، ان کی مدد کو پہنچے بلکہ وہ سب اپنی جگہ پر سمٹ کر بیٹھ گئے۔ حیی بن اخطب نے اپنے کو بے دست و پا پایا اور اب اسے سلام بن مشکم کی تجویز یاد آئی کہ مسلمانوں سے کچھ شرطیں طے کر لی جائیں اور مدینہ کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔

اب بارگاہ رسالت سے ان کے بارہ میں یہ فیصلہ ہوا کہ جائیداد منقولہ میں سے جو کچھ وہ لے جا سکتے ہیں، لے جائیں، باقی ان کی تمام جائیدادیں منقولہ و غیر منقولہ ضبط ہو جائیں گی۔ حیی بن اخطب نے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کیا۔ اس موقع پر سلام بن مشکم نے اسے پھر مشورہ دیا کہ اس موقع کو

Marfat.com

ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اس کو فوری طور پر تسلیم کرلو کیونکہ اس سے بدتر فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ حیی بن اخطب نے کہا: اس سے بدتر فیصلہ کیا ہو سکتا ہے؟ سلام بن مشکم نے جواب دیا: تم اپنے جرم کی طرف دیکھو۔ بدتر فیصلہ یہ ہے کہ تمہارے نوجوانوں کو قتل کیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے۔

چند روز اسی سوچ بچار اور ریت و لعل میں گزرے۔ اس عرصہ میں محاصرہ بدستور رہا' لیکن یہود کو مسلمانوں پر حملہ کی کوئی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی بنو قریظہ یا دوسرے کسی قبیلہ سے انہیں کوئی امداد پہنچی۔ عبداللہ بن ابی نے بھی خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا۔ بنو غطفان بھی چاپ سادھ گئے۔ جوں جوں محاصرہ طویل ہوتا گیا' اس میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے ان درختوں کو کاٹنے کا حکم صادر فرمادیا جو قلعہ کے لیے حصار کا کام دے سکتے تھے۔

اس پر طنز کیا گیا کہ مسلمان تعمیر کا دعویٰ کرنے کے باوجود تخریبی کارروائیاں کر رہے ہیں اور پھل دار درختوں کو کاٹ رہے ہیں۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۹۴) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طنز کا قرآن حکیم میں جواب دیا اور اس تخریب کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔ فرمایا:

ما قطعتم من لينه او تركتموها قائمه على اصولها فباذن الله، وليجزى الفاسقين۔ (حشر)

"جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو اپنے تنوں پر کھڑا رہنے دیا' وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے اذن سے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ ان فاسقوں کو ذلیل کرے"۔

سیرت کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ محاصرہ نے کچھ زیادہ طول نہیں پکڑا۔ صرف چھ رات یا ایک روایت کے مطابق پندرہ رات جاری رہا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس قدر رعب ڈالا کہ ان کے حوصلے ٹوٹ گئے' ہمتیں جواب دے گئیں اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے سرور کائنات ﷺ کو پیغام بھجوایا کہ ہمیں آپ کی تمام شرطیں منظور ہیں اور ہم مدینہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کے لیے تیار ہیں' ہماری جان بخشی کی جائے۔ آپ نے پھر وہی فرمایا کہ اسلحہ کے علاوہ اپنی منقولہ جائیداد سے جتنا ساز و سامان وہ اونٹوں پر لاد سکتے ہیں' وہ سب لے کر بال بچوں سمیت چلے جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بارہ میں اتنا ذلیل اور خائب و خاسر کیا کہ پہلے تو وہ خود مسلمانوں پر تخریب کی طنز کرتے تھے' لیکن اب انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی تخریب کی' اپنی جائیدادوں کو خود تباہ کیا۔ اپنے مکانات' دوسری کئی چیزوں کو خود اپنے ہاتھوں سے تباہ و برباد کر رہے تھے تاکہ مسلمانوں کا قبضہ ان پر اس حالت میں ہو کہ پوری آبادی کھنڈر بن چکی ہو۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۹۴' زرقانی جلد ۲ ص ۸۲)

قرآن حکیم نے ان کی اس پالیسی کو ان الفاظ میں بیان کیا فرمایا:

يخربون بيوتهم بايديهم وايدى المومنين فاعتبروا يا اولى الالباب۔ (حشر)

Marfat.com

"وہ اپنے مکانات کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی،
پس اے ارباب دانش و بینش اس سے عبرت حاصل کرو۔"

یعنی بیرون قلعہ مسلمان ان کی جائیدادوں کو برباد کر رہے تھے اور اندرون قلعہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بربادی کر رہے تھے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ ان کے مکانات اندر سے نہایت آراستہ و پیراستہ (Well decorated) تھے وہ اندر سے ان کی تمام ڈیکوریشن خود برباد کر رہے تھے تاکہ مسلمان ایسے پر تکلف آراستہ مکانوں میں نہ رہ سکیں اور باہر سے مسلمان توڑ پھوڑ کر رہے تھے۔ اسی طرح کا ایک قول سیدنا عروہؓ کا امام سیوطی نے تفسیر درمنثور میں بھی نقل کیا ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ گلیوں اور کوچوں میں گھس جائیں۔ چنانچہ حال یہ تھا کہ آبادی کے باہر باغات جلائے جا رہے تھے، درخت کاٹے جا رہے تھے اور اندر سے خود یہودی اپنے ہاتھوں توڑ پھوڑ کر رہے تھے۔ ان کی تمام ڈیکوریشن ختم کر رہے تھے، چوکھٹ، کڑیاں، تختے اور دروازے نکال رہے تھے۔ اس عبرت انگیز صورت سے اہلِ دانش کو عبرت حاصل کرنے کی تاکید کی جا رہی ہے۔

دولت جب کسی غیر دیندار کے پاس آتی ہے تو وہ اکیلی نہیں آتی بلکہ اپنے ساتھ دوسری تمام بری باتیں، بے حیائی، بے غیرتی، اللہ تعالیٰ کے احکام سے غفلت اور کوتاہی سب کچھ ساتھ لاتی ہے، چنانچہ دولت کے ان پجاریوں نے دولت کی ہوس میں گھروں کے چوکھٹ، کڑیاں، تختے، کیل، دیواروں کی کھونٹیاں تک مکانوں سے اتارے اور ان کو اپنے اونٹوں پر لادا پھر اپنے بچوں اور عورتوں کو سوار کیا۔ عورتیں اعلیٰ قسم کے ملبوسات اور زیوروں سے آراستہ تھیں، ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا۔ مطربہ عورتیں دف بجاتی اور گانا گاتی تھیں۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۹۴) مختصر یہ کہ چھ سو اونٹ لدلدا کر روانہ ہوئے۔ اہلِ مدینہ کا بیان ہے کہ اس سروسامان کا قافلہ اس سے پہلے کبھی ان کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔

یہود اور ان کے لیڈر حیی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع وغیرہ نے تو خیبر کا رخ کیا۔ اپنا سونا بھی جو چمڑوں کے تھیلوں میں بھرا ہوا تھا اپنے ساتھ لے گئے۔ باقی یہودی اذرعات وغیرہ کے مقامات پر چلے گئے۔

ایک حسرت ناک بد قسمتی یہ دیکھنے میں آئی کہ یہودی عالم کنانہ بن صوریا اور سلام بن مشکم، جنہوں نے یہود کو بتایا کہ تم ایک اللہ کے سچے پیغمبر سے مقابلہ کر رہے ہو، تم اس سے عہد شکنی نہ کرو، ان دونوں کو اسلام لانے کی توفیق حاصل نہ ہوئی بلکہ وہ بھی اپنا ساز و سامان اونٹوں پر لاد کر ان لوگوں کے ساتھ ہی مدینہ سے چلے گئے۔ صرف دو آدمیوں نے اسلام قبول کیا جن کے نام یامین بن عمیر اور ابو سعد بن وہب رضی اللہ عنہما ہیں (الاستیعاب) لہٰذا ان کے سامان سے بالکل کوئی تعرض نہ کیا گیا۔

یامین بن عمیرؓ کے بارہ میں حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے:

Marfat.com

حسن اسلامہ، وھو من کبار الصحابہ۔

"وہ بڑے پکے مسلمان ہوئے اور وہ کبار صحابہ میں سے ہوئے ہیں۔"

ان کے پکے مسلمان ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جونہی مسلمان ہوئے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کی محبت رگ و پے میں سرایت کر گئی اور کفر کی نفرت اس قدر پیدا ہوئی کہ عمرو بن حجاش کو ایک شخص کے ذریعہ کچھ رقم دے کر قتل کروا دیا۔ عمرو بن حجاش وہ شخص تھا جو بنو نضیر کے بالاخانہ میں اس غرض سے چڑھا ہوا تھا کہ جونہی رسول خدا ﷺ تشریف فرما ہوں تو یہ اوپر پتھر گرا کر آپ کا کام تمام کر دے۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۲، سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۹۵)

اس غزوہ میں جہاں یہودیوں کی مال و دولت کے بارہ میں حرص و طمع کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں مسلمانوں کے اخلاص و للہیت کی بھی نشان دہی ہوتی ہے۔ انقلابات عالم کی تاریخ ایسے مجاہدوں کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ چشم فلک نے ایسے لوگ کبھی نہیں دیکھے ہوں گے جن کے عزائم اس درجہ انقلاب انگیز اور چٹانوں کی طرح پختہ ہوں کہ بڑے بڑے فرعونوں اور ہامانوں کے دلوں کو لرزا دیں اور توکل کی یہ شان ہو کہ زنبیل سفر میں مٹھی بھر جو بھی نہ ہوں۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ان توکل کے پتلوں نے پیغمبر ﷺ کے بنو نضیر کی طرف روانہ ہونے کے حکم کی تعمیل اس عجلت سے کی کہ نماز عصر بنو نضیر کے میدان میں جا کر ادا کی، مگر توشہ دان سب کا خالی۔ نہ کسی کے پاس ناشتہ نہ توشہ اور نہ توشہ کی فکر۔ قبیلہ خزرج کے رئیس سیدنا سعد بن عبادہؓ، جب تک محاصرہ رہا ان مجاہدین کو کھجوروں کا رسد اپنی جیب خاص سے پیش کرتے رہے اور عام روایت کے مطابق محاصرہ پندرہ روز رہا۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۹۳)

بنو نضیر کی تمام غیر منقولہ جائیدادیں، اسلحہ اور کچھ سامان جن پر مسلمانوں نے قبضہ کیا وہ قرآن حکیم کی رو سے مال فئے میں شمار ہوتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی ملکیت تھا کیونکہ یہ مال بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا، اس کے لیے مسلمانوں نے گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر، اسے بزور شمشیر حاصل نہیں کیا تھا۔ آپ نے اپنے مالکانہ اختیارات کو کس طرح عملی جامہ پہنایا؟ سیرت کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ آپ نے اکثر حصہ مہاجرین پر تقسیم فرمایا۔ بعض انصاری حضرات جو مفلوک الحال تھے ان کو بھی مرحمت فرمایا۔ اہل و عیال کا سال بھر کا خرچہ بھی اسی سے مقرر فرمایا اور ان میں سے جو فاضل بچتا وہ آپ جہاد کی تیاری کے لیے صرف فرماتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرات انصار کو بھی کچھ عطا فرمانا چاہا لیکن ان پیکران اخلاص نے صاف معذرت کر دی اور سفارش کر دی کہ جو کچھ آپ ہمیں عنایت فرمانا چاہتے ہیں، وہ بھی آپ ہمارے مہاجرین بھائیوں کو عنایت فرما دیں۔ تاہم ایسے انصاری حضرات جو بہت مخلص اور مفلوک الحال تھے، آپ ﷺ نے کچھ جائیداد ان کو عطا فرما دی جس سے ان کی مفلوک الحالی میں کافی فرق پڑا۔ وہ حضرات

Marfat.com

سیدنا سہیل بن حنیفؓ اور سیدنا ابو دجانہ انصاریؓ تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۴۲)

حضرات انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اس ایثار کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے کہ اب تک تو ان حضرات نے مہاجرین کو ہر طرح کی امداد دی تھی یہاں تک کہ انہیں اپنی جائیدادوں میں بھی شریک کر لیا تھا اور اب جب جائیدادیں ملنے کا وقت آیا تو اس بات کو قطعاً گوارا نہ کیا کہ اس ایثار کا کوئی معاوضہ لیں۔ یہی وہ ایثار ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان الفاظ میں تحسین فرمائی ہے:

ویوثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصه۔

"اور وہ اپنے پر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان کو خود سخت ضرورت ہوتی ہے۔"

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے انصار سے پوچھا کہ میں اموال بنی نضیر کو تم میں اور مہاجرین میں برابر برابر تقسیم کر دوں۔ اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے دونوں سرداروں (سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ) نے یک زبان ہو کر عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہم خوش دلی سے اس بات پر راضی ہیں کہ یہ مال آپ صرف مہاجرین میں تقسیم فرما دیں اور حسب سابق مہاجرین ہمارے ہی گھروں میں رہیں اور کھانے پینے میں بھی ہمارے شریک رہیں۔ آپؐ نے انصار کے منہ سے یہ بات سن کر فرمایا:

اللهم ارحم الانصار و ابناء الانصار۔

"اے اللہ! انصار اور ان کی اولاد پر رحم فرما۔" (عیون الاثر جلد ۲ ص ۷۷)

آپ نے مہاجرین کو اتنا دیا کہ "وسع فی الناس منها" (لوگوں میں وسعت پیدا کر دی۔)

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۷۶، طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۴۲)

غزوہ بنو نضیر کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے سورہ حشر نازل فرمائی اور سیدنا ابن عباسؓ اس سورت کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ اسے سورہ بنی النضیر کہو۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے مال فئے کے احکام بیان فرمائے اور مہاجرین و انصار کی ستائش فرمائی۔ منافقین کے طرز عمل کا پردہ فاش کیا۔ یہود کی جلاوطنی کو بیان کیا اور یہ بھی بتلایا کہ جنگی مصالح کے پیش نظر دشمن کے درخت بھی کاٹے جا سکتے ہیں اور ان کے باغات کو آگ بھی لگائی جا سکتی ہے اور ان کی جائیداوں کو برباد بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ فساد فی الارض اور تخریب نہیں ہے بلکہ سراسر تعمیر ہے کیونکہ بعض دفعہ کسی تعمیر کے لیے تخریب ضروری ہو جاتی ہے اور وہ تخریب تعمیر کا مقدمہ اور پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اس لیے اسے تخریب کہنا درست نہیں۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ شراب کی حرمت بھی اسی غزوہ میں نازل ہوئی۔ (عیون الاثر جلد ۲)

اسلحہ میں سے جن اشیاء پر مسلمانوں نے قبضہ کیا۔ تین سو چالیس تلواریں، پچاس زرہیں اور پچاس خود تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۴۰)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری جلد ۲ ص ۵۷۴-۵۷۵، زاد المعاد جلد ۲ ص ۷۱، ۱۱۰، ابن ہشام

جلد ۲ ص ۱۹۰ تا ۱۹۲، عیون الاثر جلد ۲ ص ۷ ۳ تا ۳۸، زرقانی جلد ۲ ص ۸۰ تا ۸۶، فتح الباری جلد ۷ ص ۲۵۴، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۴۷ تا ۸۰ وغیرہ)

غزوہ بدر دوم

غزوہ بنی نضیر کے بعد، ربیع الاول سنہ ۴ھ میں پیش آیا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ شعبان سنہ ۴ھ تک مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ اکثر اصحاب سیر نے جمادی الاولیٰ سنہ ۴ھ میں غزوہ ذات الرقاع کا ذکر کیا ہے لیکن ہماری رائے کے مطابق یہ غزوہ سنہ ۷ھ میں پیش آیا نہ کہ سنہ ۴ھ میں۔ لہٰذا ہم اس کو سنہ ۷ھ کے واقعات میں درج کریں گے۔

ابو سفیان احد سے واپسی کے وقت یہ کہہ گیا تھا کہ اگلے سال بدر میں پھر میدان کارزار گرم ہوگا۔ لیکن اندر سے اس کا دل خوفزدہ تھا، وہ چاہتا تھا کہ مسلمان بدر کے مقابلہ کے لیے نہ آئیں تاکہ مجھے ندامت اور شرمندگی نہ ہو اور الزام مسلمانوں پر رہے۔ چنانچہ اس نے نعیم بن مسعود نامی ایک شخص کو کچھ مال دینے کا وعدہ کیا اور کہا کہ تم مدینہ پہنچ کر یہ مشہور کردو کہ قریش مکہ نے مسلمانوں کے استیصال کے لیے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے، لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ قریش کے مقابلہ کے لیے نہ نکلیں۔ اس خبر کے مشہور کرنے سے ابو سفیان کا مقصد مسلمانوں کو خوفزدہ کرنا تھا، لیکن اس خبر نے الٹا کام کیا۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے ایمانوں میں اور زیادہ جوش پیدا ہوا اور وہ "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" پڑھتے ہوئے میدان بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔

مسلمان ابو سفیانؓ کے اس اعلان کے بعد کہ اگلے سال میدان بدر میں پھر معرکہ ہوگا، ایک ایک روز گن کر گزار رہے تھے، اگرچہ اس دوران بڑے ہولناک، خوفناک اور دردناک واقعات پیش آئے لیکن ان واقعات نے ان کے جوش ایمانی میں اضافہ ہی کیا۔ چنانچہ شعبان سنہ ۴ھ میں امام الانبیاء ﷺ مدینہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ کے سپرد کر کے اس طے شدہ جنگ کے لیے پندرہ سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ جن کے پاس دس گھوڑے بھی تھے، بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فوج کا علم سیدنا علیؓ کو عنایت فرمایا اور بدر میں جا کر خیمہ زن ہو گئے۔

دوسری طرف ابو سفیان بھی مشرکین کا دو ہزار کا لشکر جس میں پچاس گھوڑ سوار بھی تھے، لے کر مکہ سے بدر کی طرف روانہ ہوا۔ وہ مرالظہران کے قریب مجنہ کے چشمے پر خیمہ زن ہوا لیکن مکہ سے نکلتے وقت اس کا دل نہایت بوجھل تھا۔ یہاں پہنچ کر بددلی اور مسلمانوں کی ہیبت کے گہرے بادل اس کے دل و دماغ پر چھا گئے اور بدر و احد کی جنگوں کے نتائج کی پوری فلم اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی۔ وہ نہایت زیرک اور دانشور آدمی تھا، اسے پتہ تھا کہ اب اگر میدان بدر میں ہمارا مسلمانوں سے سامنا ہوا تو

Marfat.com

ہماری رہی سہی ساکھ بھی جزیرہ عرب میں ختم ہو جائے گی۔ اس کو اپنے سسر عتبہ بن ربیعہ اور دوسرے صنادید قریش کے انجام کا بخوبی علم تھا۔ اس لیے مرالظہران پہنچ کر اس کی ہمت بالکل جواب دے گئی اور اب وہ کسی نہ کسی بہانے سے واپس جانے کی سوچ رہا تھا۔ جب کوئی معقول بہانہ نظر نہ آیا تو آخر کار اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "بھائیو! جنگ اس وقت مناسب اور موزوں ہوتی ہے جب شادابی کا زمانہ ہو تاکہ ہریالی اور گھاس کے چارہ کی بہتات کی وجہ سے جانور بھی اچھے طریقے سے چرا سکیں اور لوگ بھی ان کا سیر ہو کر دودھ پی سکیں۔ اس وقت خشک سالی ہے، لہٰذا میں واپس جا رہا ہوں اور تمہیں بھی یہ ہدایت کرتا ہوں کہ واپس چلے چلو"۔

ابو سفیانؓ کی اس تجویز پر تمام لشکر نے لبیک کہا اور کسی نے بھی سفر جاری رکھنے اور مسلمانوں سے لڑنے کی رائے نہ دی اور نہ ہی کسی گوشہ سے ابو سفیان کی واپسی کی تجویز کی مخالفت کی گئی اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر تھا کیونکہ جب قائد لشکر خوفزدہ اور مرعوب ہو تو لشکری تو اور زیادہ ہیبت زدہ ہوں گے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ بدر میں آٹھ روز قیام کر کے دشمن کا انتظار کیا لیکن اس نے نہ آنا تھا نہ آیا۔ وہاں بدر میں ایک بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ اس کے قیام کے دوران انہوں نے اپنا سامان تجارت بیچ کر خوب نفع کمایا اور بڑی شان کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔ مسلمانوں کی اس پیش قدمی نے نہ صرف قریش کے دلوں پر مزید ہیبت ڈالی بلکہ دوسرے قبائل کے دلوں پر بھی ایک دھاک بیٹھ گئی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عیون الاثر جلد ۲ ص ۸۲، زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۱۲، ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۰۹-۲۱۰، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۸۷- وغیرہ)

واقعات متفرقہ

۱- اس سال ماہ ربیع الاول یا ربیع الآخر میں ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہؓ کی وفات ہوئی۔

۲- اسی سال جمادی الاولیٰ میں سیدنا ابو سلمہ بن عبد الاسد المخزومیؓ کی وفات ہوئی۔ یہ سیدہ ام سلمہؓ کے شوہر تھے۔ ان کو جنگ احد میں ایک زخم آیا تھا۔ اس کے دوبارہ کھلنے پر جمادی الاولیٰ یا جمادی الآخرۃ کے اوائل میں ان کا انتقال ہوا اور ایک روایت کے مطابق سنہ ۳ھ میں انتقال ہوا۔

ان کی وفات کے بعد سیدہ ام سلمہ نے اپنی عدت پوری کی۔ بعد ازاں سرکارِ دوعالم ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا اور اواخر شوال میں وہ دولت کدہ نبوت میں آباد ہوئیں۔ سیدہ ام سلمہؓ کی وفات تمام امہات المومنینؓ کے بعد ہوئی۔

۳- اسی سال سیدنا علی بن ابی طالبؓ کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہا۔

Marfat.com

سنہ ۵ھ

غزوہ دومتہ الجندل

غزوہ بدر دوم سے شعبان میں آپ واپس مدینہ منورہ تشریف لائے۔ بدر میں جانے کی وجہ سے ادھر ادھر کے قبائل کے دلوں پر آپ ﷺ کی ایک دھاک بیٹھ گئی تھی جس کی وجہ سے چاروں طرف اسلامی سلطنت میں امن و امان اور اطمینان و سکون کی باد نسیم چل رہی تھی اور آپ سلطنت کی آخری حدود تک توجہ فرمانے کے لیے فارغ ہو چکے تھے۔ قریباً چھ ماہ آپ نے مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ بعد ازاں آپ کو اطلاع ملی کہ دومتہ الجندل (دال کے پیش اور زبر دونوں کے ساتھ صحیح ہے) کے اردگرد بسنے والے قبائل آنے جانے والے قافلوں پر ڈاکے ڈال رہے ہیں اور وہاں سے جو ساز و سامان بھی گزرتا ہے اس کو لوٹ لیتے ہیں۔ دومتہ الجندل بہت دور مقام تھا۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ یہ مدینہ منورہ سے پندرہ دن کے راستہ پر ہے اور دمشق وہاں سے صرف پانچ دن کے راستہ پر۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۹۵)

جونہی آپ کو یہ اطلاعات موصول ہوئیں، آپ نے سیدنا سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو مدینہ میں منتظم مقرر فرما کر ایک ہزار مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ دومتہ الجندل کی طرف خروج فرمایا۔ یہ ۲۵ ربیع الاول سنہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس غزوہ میں آپ رات کو سفر فرماتے اور صبح کے وقت پڑاؤ ڈالتے تاکہ دشمن پر اچانک حملہ کیا جائے اور وہ بھاگ نہ سکے لیکن قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ لوگ باہر نکل گئے ہیں۔ آپ نے وہاں کچھ روز قیام فرمایا لیکن کوئی دشمن ہاتھ نہ لگا۔ بالآخر بغیر کسی جنگ کے آپ ۲۰ ربیع الثانی کو واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اس غزوہ میں عیینہ بن حصن سے بھی مصالحت ہوئی۔

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۸۳، زرقانی جلد ۲ ص ۹۵، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۵، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۹۲ وغیرہ)

Marfat.com

غزوہ بنی المصطلق

غزوہ بنی المصطلق کا دوسرا نام غزوہ مریسیع ہے۔ بنو مصطلق ایک قبیلہ کا نام ہے جو بنو خزاعہ کی ایک شاخ ہے اور چونکہ اس غزوہ میں ایک روایت کے مطابق مریسیع (م پر پیش اور ر پر زبر) کے چشمہ پر دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ اس وجہ سے اس کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں۔

یہ غزوہ کب پیش آیا اس بارہ میں بہت اختلاف ہے۔ محمد ابن اسحاق کے نزدیک یہ شعبان سنہ ۶ھ میں پیش آیا۔ موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک سنہ ۵ھ میں اور ابن سعد کے نزدیک بھی شعبان سنہ ۵ھ میں۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۳۴) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے نزدیک یہی قول صحیح ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ سیدنا سعد بن معاذؓ اس غزوہ میں شریک تھے اور صحیح روایات کی رو سے سیدنا معاذؓ نے غزوہ بنی قریظہ میں وفات پائی۔ جو سنہ ۵ھ میں پیش آیا۔ اس وجہ سے یہ غزوہ سنہ ۵ھ ہی میں ہوا۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۷ ص ۳۳۲، زرقانی جلد ۲ ص ۹۶، زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۱۵) امام بخاری سے موسیٰ بن عقبہ کے حوالہ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ غزوہ سنہ ۴ھ میں واقع ہوا لیکن موسیٰ بن عقبہ کی کتاب میں متعدد طریق سے سنہ ۵ھ ہی مذکور ہے۔ اس لیے امام بخاری کے ماننے والوں کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ امام بخاری سنہ ۵ھ ہی لکھنا چاہتے تھے لیکن سبقت قلم سے سنہ ۴ھ لکھا گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ بخاری جلد ۲ ص ۵۹۳)

یہ غزوہ کوئی بھاری بھر کم نہیں ہے کہ اس میں اتنے ہزار انسانوں پر مشتمل فوج مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتی تھی اور آپؐ نے اس کے دفاع کے لیے کوئی اہم طریقہ اختیار کیا جیسا کہ غزوہ احزاب میں کیا تھا لیکن یہ غزوہ اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اس میں کچھ اہم واقعات رونما ہوئے جس نے نہ صرف اسلامی معاشرہ میں بلکہ اسلامی تاریخ میں اضطراب پیدا کر دیا۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں بیان کیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلے اور کچھ دوسرے عربوں کی فوج جمع کی ہے اور وہ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے سیدنا بریدہ بن برید بن حصیب اسلمیؓ کو تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ انہوں نے واپس آکر خبر کے صحیح ہونے کی تصدیق کی۔ آپ ﷺ نے خبر کے صحیح ثابت ہونے کے بعد مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔

مدینہ کا انتظام آپؐ نے سیدنا زید بن حارثہؓ کو اور ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابوذر غفاریؓ کو اور ایک اور روایت کے مطابق سیدنا نمیلہ بن عبداللہ لیثیؓ کو سونپا اور خود صحابہ کرامؓ کو ساتھ لے کر بنو مصطلق کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس لشکر میں تیس گھوڑے آپ کے ہمراہ تھے۔ جن میں دس مہاجرین

Marfat.com

کے اور بیس انصار کے تھے۔اس جنگ میں عادت کے خلاف منافقین کی بھی ایک بڑی تعداد شریک تھی۔ اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ وہ مال غنیمت کے لالچ میں اس لشکر میں شریک ہوئے تھے حالانکہ وہ اس سے قبل کبھی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ازواج مطہراتؓ میں سے سیدہ ام سلمہؓ اور سیدہ عائشہؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھیں اور ۲ شعبان سنہ ۵ھ بروز پیر آپ مریسیع کی جانب روانہ ہوئے۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۹۶، ابن سعد جلد ۲ ص ۴۵، ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۸۹، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۳۴-۱۳۵)

حارث بن ابی ضرار کو بھنک پڑ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حملہ کرنے کی نیت سے بنو مصطلق کی طرف جا رہے ہیں تو اس نے تحقیق حال کے لیے ایک جاسوس بھیجا لیکن مسلمانوں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیز رفتاری کے ساتھ چل کر بنو مصطلق پر اس وقت اچانک حملہ کر دیا جب وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔(جلد۱، ص ۳۴۵)۔ لیکن دوسری روایت میں ہے کہ جب حارث بن ابی ضرار رئیس بنو مصطلق اور اس کی فوج کے آدمیوں کو رسول اللہ ﷺ کی روانگی اور اپنے جاسوس کے قتل ہونے کا علم ہوا تو وہ سخت خوفزدہ ہو گئے اور جو عرب ان کے ساتھ تھے وہ سب منتشر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پیش قدمی فرماتے ہوئے بنو مصطلق کے چشمہ مریسیع تک پہنچ گئے۔

مہاجرین کے علم بردار سیدنا ابو بکر صدیقؓ تھے جب کہ انصار کا پرچم سیدنا سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا۔سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرؓ کے ذریعہ اس بات کا اعلان کرادیا کہ اگر تم لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ تو تم سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا اور تمہاری جانیں اور اموال محفوظ رہیں گے، لیکن انہوں نے اس سے صاف انکار کر دیا۔اس کے بعد آپؐ نے صف بندی کر کے مسلمانوں کو یکبارگی حملہ کا حکم دیا۔بنو مصطلق حملہ کی تاب نہ لا سکے اور جلد ہی ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔اس جنگ میں غنیم کے دس آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کا ایک آدمی شہید ہوا وہ بھی غلطی سے مسلمانوں کے ہاتھ سے۔آپ ﷺ نے اس شہید ہونے والے کے بھائی کو اس کا خون بہا دے دیا۔ اس میں قریباً چھ سو قیدی ہاتھ آئے جن میں سو کے قریب عورتیں تھیں۔دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو ملیں۔قیدیوں میں بنو مصطلق کے رئیس حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔مال غنیمت کی تقسیم میں یہ سیدنا ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں۔سیدنا ثابتؓ نے انہیں مکاتب بنالیا یعنی انہیں کہا کہ تم اتنی رقم دے دو تو تم آزاد ہو۔جویریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ کو پتہ ہے کہ میں بنو مصطلق کے

رئیس کی بیٹی ہوں۔ میں ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی ہوں۔ انہوں نے مجھے مکاتب بنادیا ہے۔ میں بدل مکاتب میں آپ سے امداد کی طالب ہوں۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کو اس سے بہتر شے بتلاتا ہوں، وہ یہ کہ تمہاری طرف سے کتابت کی رقم میں ادا کردیتا ہوں اور تمہیں آزاد کرکے اپنے حبالہ عقد میں لے لیتا ہوں۔ کیا تم اس پر راضی ہو؟ جویریہ نے کہا کہ مجھے یہ منظور ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب سے کتابت کی رقم ادا کرکے ان سے شادی فرمائی۔ صحابہ کرامؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپؐ نے سیدہ جویریہؓ سے شادی کرلی ہے تو انہوں نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کردیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے جویریہؓ سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا کہ جس کی وجہ سے ایک دن میں سو گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔ (ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۹۲)

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ابن ہشام ج ۲ ص ۲۸۹، ۲۹۵، عیون الاثر ج ۲ ص، زاد المعاد ج ۲ ص ۱۱۲-۱۱۳)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ سیدہ جویریہؓ کے والد حارث بن ابی ضرار بہت سے اونٹ لے کر مدینہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تاکہ فدیہ دے کر اپنی بیٹی کو چھڑالائیں۔ ان میں سے دو نہایت عمدہ نسل کے اونٹ ایک گھاٹی میں چھپا آئے کہ واپسی پر ان کو لے لوں گا۔ جب مدینہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور وہ اونٹ آپؐ کی خدمت میں پیش کیے اور کہا کہ اے محمد! آپ نے میری بیٹی کو گرفتار کر کے قیدی بنایا ہے۔ یہ اس کا زر فدیہ ہے۔ آپؐ یہ لے کر اسے آزاد کردیں۔ آپؐ نے فرمایا: وہ اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو۔ حارث نے یہ سنتے ہی کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوگیا اور کہا کہ اللہ کے سوا کسی کو ان اونٹوں کا پتہ نہ تھا لہٰذا آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ہی نے ان کے بارہ میں آپ کو خبر دی ہے۔ (الاصابہ جلد ا ص ۲۸۱، خصائل کبریٰ بیہقی جلد ا ص ۲۳۶)

یہ داستان ہے اس غزوہ کی۔ لیکن اس غزوہ میں چونکہ منافقین کی ایک بڑی تعداد پہلی بار شامل ہوئی تھی اس لیے انہوں نے اپنی کارروائیوں سے کچھ گل کھلائے۔ ان کی وجہ سے یہ غزوہ ایک خاص اہمیت اختیار کرگیا۔

منافقین کی فتنہ پردازی

ابھی آپ مریسیع میں قیام پذیر ہی تھے کہ جانوروں کو پانی پلانے پر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہوگیا (بلکہ منافقین نے جھگڑا کروادیا) ان میں ایک جہجاہ بن مسور غفاری تھا جو سیدنا عمر بن الخطابؓ کا اجیر تھا اور ان کے گھوڑے کو پانی پلانا چاہتا تھا اور دوسرا سنان بن دبر جہنی تھا جو مدینہ کے بنی عوف (قبیلہ خزرج) کا حلیف تھا۔ ان دونوں کا ایک دوسرے سے پانی پلانے پر جھگڑا ہوگیا۔ جہجاہ نے سنان کو پیٹا۔ سنان نے بھی ترکی بہ

Marfat.com

ترکی جواب دیا اور ساتھ ہی "یا معشر الانصار" کا نعرہ لگایا۔ اس کے جواب میں جہجاہ نے بھی "یا معشر المہاجرین" پکارا۔ اتفاق سے حبال نامی مہاجر جو پاس ہی کھڑا تھا اس مار پیٹ میں جہجاہ کا ساتھی بن گیا۔ ادھر سے کچھ انصار کے آدمی سنان کی مدد کو پہنچے۔ اس پر کافی ہنگامہ برپا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ان نعروں کا پتہ چلا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جاہلیت کی آوازیں کیا ہیں؟ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ایک مہاجر نے ایک انصاری کو لات ماری ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

دعوها فانها منتنه۔

"ان کو چھوڑو یہ گندی اور بدبودار باتیں ہیں یعنی کوئی ظالم ہے یا مظلوم تمہارا دینی بھائی ہے۔ ظالم ہے تو اسے ظلم کرنے سے روکو، مظلوم ہے تو اس کی حمایت کرو۔"

اس پر مہاجرین نے سیدنا سعد بن عبادہؓ سے بات کر کے معاملہ رفع دفع کرا دیا۔

عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے مخصوص گروہ منافقین میں بیٹھا ہوا تھا جس کے سرکردہ لوگ یہ تھے۔ مالک، سوید، قاعیس، عبید اللہ بتل، مغیث بن قشر، زید بن الاسید وغیرہ۔ اتفاق سے سیدنا زید بن الارقمؓ بھی یہیں موجود تھے۔ عبداللہ بن ابی نے جونہی یہ واقعہ سنا تو فوراً بھڑک اٹھا اور اس پر جو ہذیانی کیفیت طاری ہوئی وہ زید بن ارقم کی زبانی سنئے۔ زید بن ارقمؓ اس وقت نوجوان تھے جو ابھی سن رشد کو نہیں پہنچے تھے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے نہایت جوش و خروش اور جذباتیت سے یہ تقریر کی اور اس میں اس نے یہ کہا کہ:

"میں نے آج سے زیادہ ذلیل دن اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ میں تو پہلے ہی بہت زیادہ ذلت محسوس کر رہا تھا لیکن آج تو انتہا ہو گئی اور یہ سب کچھ میری قوم کی وجہ سے ہوا۔ ہماری اور ان کنگلے مہاجروں کی مثال یہ ہے: "سمن کلبک یاکلک" (اپنے کتے کو موٹا کر تاکہ وہ تجھے کھا جائے) کاش کہ میں آج کے دن سے پہلے مر جاتا اور مجھے یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ تم لوگوں نے ان مہاجروں کو ٹھکانہ دیا۔ اپنے مال ان پر نچھاور کیے۔ ان کی ہر طرح سے خاطر مدارت کی۔ اگر تم لوگ ان پر مہربانی نہ کرتے تو انہیں کہیں بھی ٹھکانہ نہ ملتا۔ اب بھی تم لوگ ہوش سے کام لو اور ان پر اپنا مال خرچ کرنا بند کر دو تو یہ خود بخود بکھر جائیں گے (لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا) ان کو بچانے کے لیے تم نے اپنے آپ کو موت کے منہ میں دھکیل دیا لیکن پھر بھی یہ لوگ تم سے خوش نہیں۔ تم نے ان کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں، اپنے مال خرچ کیے۔ اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی عورتوں کو بیوہ بنایا۔ چنانچہ تم روز بروز کم ہو رہے ہو اور یہ دن بدن زیادہ ہو رہے ہیں۔ انہیں مار مار کر سیدھا کر دو تاکہ انہیں عقل آ جائے۔ اب انہیں واپس جا کر معلوم ہو جائے گا کہ ہم عزت والے ان ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔" (فان رجعنا الی المدینه لیخرجن الاعز منها الاذل)

Marfat.com

اسی طرح جو اس کے منہ میں آیا اس نے وہ اگلا۔ اس کی تقریر بہت زہریلی اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھی۔ سیدنا زید بن ارقمؓ نے سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بیان کر دی۔ آپ ؐ بے حد کبیدہ خاطر ہوئے اور چہرہ انور سرخ ہو گیا۔ آپ نے سیدنا زید بن ارقمؓ سے فرمایا: "کہیں غصہ کی وجہ سے تم خلاف حقیقت تو بیان نہیں کر رہے؟" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! اس نے ایسا ہی کہا ہے اور میں نے اپنے کانوں سے خود سنا ہے اور جو کچھ میرے کانوں نے سنا ہے وہ میں نے من و عن آپ کی خدمت میں عرض کر دیا ہے۔"

یہ بات پورے لشکر میں پھیل گئی کہ عبداللہ بن ابی نے یہ کہا ہے اور سیدنا زید بن ارقمؓ نے وہ سب کچھ سرکارِ دوعالم ﷺ سے بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ لشکر کے کئی سادہ دل مسلمان یہ کہنے لگے کہ اس نوخیز نوجوان کو یہ بات آپ کی خدمت میں نہیں پہنچانی چاہیے تھی۔ کئی لوگ یہ کہنے لگے کہ اس بچے نے ایسی بات رسول اللہ ﷺ سے کہی جو عبداللہ بن ابی نے نہیں کہی۔ غرضیکہ لشکر میں طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ سیدنا زید بن ارقمؓ سے بھی بعض لوگوں نے پوچھا کہ کیا واقعی عبداللہ بن ابی نے یہ باتیں کی ہیں۔ سیدنا زید بن ارقمؓ نے ان کو یہی جواب دیا کہ میں نے جو کچھ عبداللہ کے منہ سے سنا وہی آپ ؐ سے عرض کر دیا حالانکہ عبداللہ بن ابی مجھے خزرج میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔

سیدنا عمر بن الخطابؓ کے کان میں بھی یہ بات پہنچ گئی کہ عبداللہ بن ابی نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ رگ فاروقی فوراً حرکت میں آئی اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یا رسول اللہ! اجازت دیجئے اس دشمن خدا کی گردن اس کے جسم سے جدا کر دوں، یا عباد بن بشر کو حکم فرمائیے کہ اس کا سر قلم کر دے۔" آپ ؐ نے فرمایا: "عمر! صبر سے کام لو، میں ایسا حکم نہیں دے سکتا کیونکہ لوگ کہنے لگیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔" (ان محمدا یقتل اصحابہ)

عبداللہ بن ابی کو جب پتہ چلا کہ سیدنا زید بن ارقمؓ نے اس کی یہ ساری باتیں بارگاہ نبوت میں بیان کر دی ہیں اور اس کا بھانڈا چوراہے پر پھوڑ دیا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ زید بن ارقمؓ نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے میں نے وہ نہیں کہا اور نہ مجھ میں یہ ہمت ہے کہ ایسی بات زبان پر لا سکوں۔ اس وقت انصار کے جو لوگ موجود تھے، انہوں نے بھی کہا: ہاں اے اللہ کے رسول! وہ ابھی لڑکا ہے، ہو سکتا ہے کہ اسے کچھ وہم ہو گیا ہو اور عبداللہ بن ابی نے جو کچھ کہا ہے اسے وہ ٹھیک طور پر اپنے کوزہ ذہن میں محفوظ نہ رکھ سکا ہو۔ چنانچہ آپ نے عبداللہ کی قسموں پر اعتبار کرتے ہوئے اُس کی بات کو سچ مان لیا۔ سیدنا زید بن ارقمؓ کو بہت ندامت بھی ہوئی اور غم بھی لاحق ہوا بلکہ ان کا بیان ہے کہ ایسا غم مجھے پوری زندگی نہیں ہوا۔ چنانچہ میں اس صدمہ کی وجہ سے گھر بیٹھ گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ منافقون نازل فرمائی جس نے میری بات کی تائید کر دی۔ سیدنا زیدؓ فرماتے

Marfat.com

ہیں کہ جب سورہ منافقون نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور اس سورت کی آیات مجھے پڑھ کر سنائیں اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری باتوں کی تصدیق فرما دی ہے۔

(بخاری جلد ا ص ۴۹۹، ص ۲۲۷-۲۲۹، ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۹۰-۲۹۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسموں کا کیوں اعتبار کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دراصل بہت چالاک اور مکرو فریب میں ماہر آدمی تھا۔ چنانچہ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے تشریف لاتے تو وہ آپؐ کے خطبہ سے پہلے خود کھڑا ہو جاتا اور لوگوں سے کہتا: "لوگو! یہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کے رسولؐ ہیں۔ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت و احترام عطا کیا ہے، لہٰذا ان کے ساتھ تعاون کرو، ان کے مشن کو تقویت پہنچاؤ۔ ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو"۔ یہ بات کر کے وہ بیٹھ جاتا۔ اس کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ اٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے۔ جنگ احد میں اس نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے بدترین دغابازی اور دھوکہ دہی کی تھی کہ میدانِ جنگ سے اپنے آدمیوں کو واپس لے آیا، لیکن اس کے باوجود جنگ احد کے بعد پہلے جمعہ میں اس نے پھر یہی الفاظ دہرانا چاہے اور وہی بات کرنا چاہی جو اس سے قبل ہر جمعہ کو خطبہ سننے سے پہلے کہا کرتا تھا۔ یہ اس کی بے حیائی کی انتہا تھی، لیکن اب کی بار جب وہ آپ ﷺ کے خطبہ ارشاد فرمانے سے قبل اٹھا تو مسلمانوں نے ہر طرف سے اس پر آوازے کسے اور اس کے کپڑوں کو پکڑ کر کہا: دشمن خدا بیٹھ جا، تو نے ہم سے اور رسول اللہ ﷺ سے جو حرکتیں کی ہیں، اس کے بعد اب تو اس لائق نہیں کہ مسجد نبوی میں کھڑا ہو کر اس طرح کے الفاظ کہے۔ تو نہایت دغاباز اور منافق آدمی ہے۔ تیرے کئی چہرے ہیں۔ مسلمانوں کے منہ سے اپنے بارہ میں یہ ریمارکس سن کر وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا اور بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا کہ میں نے آپ کی تائید میں اٹھ کر کچھ کہنا چاہا لیکن ان لوگوں نے مجھے روک دیا، اتفاق سے دروازے پر اسے ایک انصاری مل گئے۔ انہوں نے اس سے کہا: تیرا ستیاناس ہو، واپس چل اور حضور ﷺ سے معافی مانگ، وہ تیرے لیے دعائے مغفرت کریں گے اس نے نہایت ڈھٹائی سے جواب دیا کہ "خدا کی قسم، میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔" (ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۰۵)

مختصر یہ کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کی شرانگیز اور زہر آلود جذباتی تقریر کی وجہ سے فضا کافی مکدر ہو چکی تھی۔، اس لیے آپ نے مسلمانوں کو بے وقت کوچ کا حکم دے دیا۔ تمام دن اور تمام رات سفر جاری رہا۔ اگلے روز دوپہر کے وقت ماء حجاز پر جو نقیع سے ذرا اوپر ہے، قیام فرمایا جس کا نام بقعاء ہے۔ (یہ جگہ موجودہ رابغ کے قرب و جوار میں ہے) یہاں تک پہنچتے ہوئے لوگوں کا جوش ٹھنڈا ہو گیا، فضا کا تکدر ختم ہو گیا، لوگ سفر سے اس قدر چور ہو چکے تھے کہ سواریوں سے اترتے ہی نیند نے ان پر غلبہ پا لیا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس بے وقت کوچ پر مسلمان حیران تھے، لیکن کسی کو جرأت نہیں تھی کہ

Marfat.com

آپ سے کوئی سوال کرتا۔ راستہ میں سیدنا اسید بن حضیرؓ نے کچھ جرأت کی اور اپنی سواری بڑھا کر آپ سے دریافت کیا کہ "اے اللہ کے رسول! آج اس بے وقت سفر کا حکم کیسے فرمایا؟" آپؐ نے جواب دیا کہ "تم نے سنا نہیں کہ تمہارے ساتھی (عبداللہ بن ابی) نے کیا کہا؟" سیدنا اسیدؓ نے پوچھا! کون ساتھی؟ فرمایا: "عبداللہ بن ابی بن سلول۔" سیدنا اسیدؓ نے عرض کی: اس شخص سے تو درگزر ہی بہتر ہے، یہ شخص مجبور ہے، کیونکہ جب آپ تشریف لائے تو ہم نے اس کے لیے تاج تیار کر رکھا تھا تاکہ اس کو اپنا بادشاہ بنالیں، لیکن آپؐ کے آنے سے اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ یہ اپنے حسد کی آگ میں خود ہی جلتا رہے گا۔ خزرج کے سردار سیدنا سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ آؤ نبی اکرم ﷺ سے تمہارے لیے مغفرت کی دعا کی درخواست کریں۔ لیکن وہ گردن کو جھٹکے سے چھڑا کر نکل گیا۔ (تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لووا روسھم)

منافقین کی اس غزوہ میں شرکت کی وجہ

ہمارے اصحاب سیر نے یہ لکھا ہے کہ اس غزوہ میں منافقین کی کثرت سے شرکت کی وجہ یہ ہے کہ وہ مال غنیمت کے لالچ میں شریک ہوئے تھے، لیکن شرکت کی یہ وجہ محل نظر ہے، بلکہ وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت شریک ہوئے تھے اور وہ ایک جنگی سازش تھی جس کے تحت انہوں نے اس غزوہ میں شرکت کی تھی اور وہ بھی اپنے لحاظ سے ایک بہت بڑی تعداد میں۔ انہیں معلوم تھا کہ چند روز بعد یہود خیبر اور قریش مکہ دوسرے قبیلوں کے ساتھ ایک متحدہ محاذ بنا کر مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے والے ہیں، کیونکہ یہود خیبر کے قاصد اور مشرکین مکہ کے خبر رساں اور پیغام بران کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ انہیں ان کے متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر جنگ احزاب کی صورت میں حملہ کرنے کا بخوبی علم تھا، بلکہ وہ خود ان تیاریوں اور اسکیموں میں شریک تھے۔ وہ دراصل اس آنے والے حملے کے لیے پہلے سے زمین تیار کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے وہ غزوہ میں شریک ہوئے اور کثیر تعداد میں ہوئے تاکہ مہاجرین وانصار میں جھگڑا کرا کر ان کی مجموعی قوت کو کم کیا جاسکے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں سے قریبی میل جول کر کے اور جنگ میں اپنی ہمدردیاں انہیں جتا کر ان سے فوجی اور جنگی راز معلوم کر کے اپنے حلیفوں (یہود خیبر اور قریش مکہ) کو بتا سکیں۔

جہجاہ بن مسعود اور سنان بن دبر کا جھگڑا کوئی اتفاقیہ جھگڑا نہ تھا بلکہ یہ جھگڑا بھی منافقین نے دانستہ کروایا تھا۔ کیونکہ پہلے پانی پلانے کی ایک معمولی بات پر "یا معشر الانصار" اور "یا معشر المھاجرین" کے انتہائی جوشیلے نعرے یقیناً ایک سوچی سمجھی سازش کی نشاندہی کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد عبداللہ بن ابی کی جوشیلی تقریر ایک اہم سازش کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ پھر اسی جذباتی اور جوشیلی تقریر میں عبداللہ بن

Marfat.com

ابی کی زبان سے یہ نکلنا کہ:

لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا ---- اور

لن رجعنا الی المدینہ لیخرجن الاعز منہا الاذل۔

ان دونوں جملوں کا وزن صاف بتا رہا ہے کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی آنے والے حملہ احزاب کی تیاری سے پوری طرح آشنا تھے اور قریش اور ان کے حلیف قبائل کی جنگی اور فوجی تدابیر ان کے علم میں تھیں اور ان جملوں میں ان کا اسی طرف اشارہ تھا کیونکہ ان منافقین کا خیال ہی نہیں بلکہ انہیں پورا یقین تھا کہ اس مرتبہ مسلمان قریش، یہوداور ان کے حلیف قبائل کے متحدہ محاذ کے حملہ کی تاب نہ لا سکیں گے اور انہیں مدینہ میں کوئی پناہ نہ ملے گی۔ لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر کا علم نہ تھا جو وہ اپنے نبیؐ اور اس کی ساتھیوں کو بچانے کے لیے کرے گا جس سے دشمنان اسلام کی کمر ہمت ہمیشہ کے لیے ٹوٹ کر رہ جائے گی۔

اس غزوہ بنی المصطلق میں منافقین کی شرکت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس غزوہ میں عین موقع پر کوئی ایسی تدبیر کریں گے جس سے ایک تو مسلمان اس غزوہ میں شکست کھا جائیں اور دوسرا غزوہ احزاب کے لیے ان میں تشتت وافتراق کی ایسی خلیج پیدا ہو جائے کہ احزاب کے حملہ میں ان میں دفاع کی طاقت ختم ہو جائے۔ چنانچہ انصار و مہاجرین کے مابین پانی لانے پر جھگڑا اسی سازش کی ایک فرع تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت نے ان کی اس تدبیر کو انہی پر الٹ دیا اور مسلمانوں میں اختلاف کی وہ خلیج پیدا نہ ہو سکی جس کے لیے پلاننگ کی گئی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنان اسلام کو نہ صرف اس غزوہ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ وہ شکست قریش مکہ کے لیے آخری ضرب ثابت ہوئی اور پھر وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے قابل نہ رہے۔

عبداللہ بن ابی نے یہ دھمکی اپنی تقریر میں دی تھی کہ عزت والے، ذلیل لوگوں کو سرزمین مدینہ سے نکال باہر کریں گے، لیکن یہ تعجب کی بات ہے کہ اسی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا صاحبزادہ جس کا نام بھی عبداللہ تھا وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے خیار صحابہ کرامؓ میں سے تھا اسلام کا نہایت شیدائی اور سرکارِ مدینہ ﷺ کا جاں نثار۔ اس نے جب اپنے باپ کے منہ سے یہ کلمات سنے تو وہ باپ سے پہلے مدینہ پہنچ کر مدینہ کے دروازے پر تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور جب اس کا باپ مدینہ میں داخل ہونے کے لیے پہنچا تو وہ بولا: خدا کی قسم، میں تجھ کو اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا جب تک تو اس بات کا اقرار نہیں کرتا کہ تو ذلیل ہے اور حضور ﷺ عزت والے ہیں۔ چنانچہ اس نے اس بات کا اقرار کیا تب کہیں اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی بیٹے نے اجازت دی۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۱۹، فتح الباری جلد ۸ ص ۵۰۰)

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ بیٹے نے یہ بھی کہا کہ جب تک سرکارِ مدینہ ﷺ تمہیں مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے اس وقت تک تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ جب آپؐ وہاں تشریف لائے تو آپؐ نے اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت فرمائی تب صاحبزادے نے اپنے باپ عبداللہ بن ابی کا راستہ چھوڑا۔

مدینہ پہنچ کر سیدنا عبداللہؓ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے پتا چلا ہے کہ آپ میرے باپ کے قتل کے احکام صادر فرمانے والے ہیں کیونکہ اس نے بڑی غلط قسم کی تقریر کی ہے۔ اگر آپ اجازت فرمائیں تو میں خود اپنے باپ کا سر قلم کر کے آپ کی خدمت اقدس میں لا حاضر کروں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کسی دوسرے مسلمان کو اس کے قتل کا حکم دیں اور میں جذبات میں آکر اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر دوں اور اس طرح سے ایک مسلمان کے قتل کا ارتکاب کروں، لیکن رحمت مجسم ﷺ نے اسے باپ کو قتل کرنے سے سختی سے منع فرمایا بلکہ اس کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنے کا حکم دیا۔ (فتح الباری، جلد ۸ ص ۴۹۸، ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۹۰-۲۹۲)

غرض یہ کہ اس غزوہ میں منافقین کی شرکت غنیمت حاصل کرنے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ایک سازش اور سوچی سمجھی اسکیم کے تحت تھی۔ جیسا کہ ہم نے اس کی نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ ہمارے اصحاب سیر کا یہ لکھنا کہ وہ مال غنیمت کے لالچ میں اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے، ان کی سادگی اور بھولا پن ہے، کیونکہ اس غزوہ سے پہلے اب تک مسلمانوں کو کسی جنگ میں اتنی بڑی غنیمت ملی ہی نہیں تھی کہ ان منافقین کے دل للچا اٹھتے اور ان کے منہ میں لالچ کا پانی بھر آتا۔ دوسرے منافقین کوئی غیب دان تو نہیں تھے کہ انہیں پہلے سے ہی پتہ چل گیا کہ اس غزوہ میں فتح مسلمانوں کو ہوگی اور ان کو اس میں اس قدر مال غنیمت ملے گا۔ بلکہ جس جنگ میں غیر مخلص اور منافق دل والے لوگ موجود ہوں اور وہ بھی کثیر تعداد میں، وہاں تو فتح کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی جگہ شکست یقینی ہوتی ہے اور منافقین تو کسی صورت بھی مسلمانوں کی فتح کے حامی نہیں تھے۔ جنگ احد میں بھی ان کے تمام حربے مسلمانوں کو شکست سے ہمکنار کرنے کے لیے تھے نہ کہ فتح کے لیے۔

واقعہ افک کی تخلیق

اس غزوہ میں منافقین کی شرکت کی وجہ سے دوسری سازش ''افک'' کی تخلیق تھی۔ یہ ایک اہم ترین سازش، بہتان تراشی اور پھر اس کی اشاعت و تشہیر تھی۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی ساکھ خراب ہو اور لوگوں کی نگاہوں میں ان کے اخلاقی تفوق کو پست کر کے آنے والے غزوہ احزاب میں اس سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا جائے، لیکن ان لوگوں کی یہ سازش بھی ناکام رہی۔ اس واقعہ افک سے بھی ہمارے

Marfat.com

اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ منافقین اس غزوہ میں مال غنیمت کے لالچ کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ ایک حربی سازش کے تحت شریک ہوئے تھے اگرچہ اس غزوہ میں ان کے حصہ میں کافی مال غنیمت بھی آیا جس سے ہمارے مورخین اور ارباب سیر نے یہ سمجھ لیا کہ وہ مال غنیمت کے لالچ میں شریک غزوہ ہوئے تھے کیونکہ جہاد تو ان کے پیش نظر تھا نہیں لہٰذا دوسرا سبب ان کی شرکت کا بیان کر دیا۔

اس غزوہ کا دوسرا اہم واقعہ افک کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سیدہ ام سلمہؓ اور سیدہ عائشہؓ تھیں۔ سیدہ عائشہؓ جاتے وقت اپنی ہمشیرہ کا ہار مانگ کر اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ واپسی پر ایک جگہ لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور سیدہ عائشہ قضائے حاجت کے لیے گئیں اور وہ اپنی بہن کا ہار کہیں گم کر بیٹھیں۔ جب واپس آئیں تو دیکھا کہ گلے میں ہار نہیں ہے۔ فوراً اس جگہ واپس گئیں جہاں ہار گم ہوا تھا۔ اسی دوران وہ لوگ آئے جو ہودج کو اونٹوں پر لادا کرتے تھے انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ آپ ہودج میں تشریف فرما ہیں، اس کو اونٹ پر لاد دیا۔ سیدہ عائشہؓ چونکہ نوخیز تھیں اور نوعمر تھیں، بوجھل بھی نہ تھیں۔ اس وجہ سے ہودج لادنے والوں کو کوئی احساس نہ ہوا کہ آپ ہودج میں تشریف نہیں ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس جگہ ہار ڈھونڈنے گئی تھیں، وہاں انہیں ہار تو مل گیا لیکن جب واپس تشریف لائیں تو دیکھا کہ پورا لشکر جا چکا تھا اور میدان بالکل خالی پڑا تھا۔ سیدہؓ یہ خیال کر کے کہ لوگ انہیں ڈھونڈنے واپس آئیں گے، ایک جگہ چادر لپیٹ کر لیٹ گئیں اور لیٹتے ہی ان کی آنکھ لگ گئی، اور وہ سو گئیں۔

سیدنا صفوان بن معطلؓ جو قافلہ کی گری پڑی اشیاء اٹھانے کے لیے پیچھے رہا کرتے تھے، وہ آگئے اور انہوں نے سیدہ عائشہؓ کو پہچان لیا اور دیکھتے ہی کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رسول اللہ ﷺ کی بیوی...... یہ الفاظ سن کر سیدہؓ کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے فوراً چادر سے منہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے سیدہؓ کو اپنی سواری پر بٹھالیا۔ سیدنا صفوانؓ نے انا للہ کے سوا زبان سے اور کوئی لفظ نہ نکالا، چپ چاپ سواری کی نکیل پکڑی اور پیدل چلتے ہوئے عین دوپہر کے وقت لشکر میں پہنچے۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھیوں کو تہمت تراشی کا موقع مل گیا اور انہوں نے سیدہؓ پر تہمت تراش کر واقعات کے تانے بانے بننے شروع کر دیئے۔

جب یہ لشکر مدینہ پہنچا تو ان تہمت تراشوں نے خوب پراپیگنڈہ کیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ سخت پریشان تھے۔ جب ایک عرصے تک وحی نہ آئی تو آپؐ نے سیدہ سے علیحدگی کے لیے اپنے خاص صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ سیدنا علیؓ نے اشاروں کنایوں میں سیدہؓ سے علیحدگی کا مشورہ دیا، لیکن سیدنا اسامہ

بن زیدؓ کا مشورہ یہ تھا کہ سیدہؓ کو آپ اپنی زوجیت میں ہی رکھیں اور دشمنوں کی بات کی طرف دھیان نہ دیں۔ پھر ایک روز آپؐ نے بر سر منبر عبداللہ بن ابی کی ان ایذا رسانیوں سے نجات کی طرف توجہ دلائی۔ سیدنا سعد بن معاذؓ اور سیدنا اسید بن حضیرؓ نے اسے قتل کرنے کی آپ سے اجازت طلب کی، لیکن سیدنا سعد بن عبادہؓ نے جو عبداللہ بن ابی کے قبیلہ خزرج کے رئیس تھے، اس بات کی مخالفت کی۔

سیدہ عائشہؓ سفر سے واپس آکر بیمار پڑ گئیں اور ایک ماہ تک مسلسل بیمار رہیں۔ انہیں اس بارہ میں کچھ علم نہ تھا، البتہ انہیں یہ بات ضرور کھٹکتی تھی کہ بیماری کے دوران رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انہیں وہ محبت اور لطف و عنایت نظر نہ آ رہی تھی جو اس سے قبل انہیں آپؐ سے ملا کرتی تھی۔ بیماری کے ختم ہونے کے بعد وہ ایک رات ام مسطحؓ کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے باہر گئیں، ام مسطحؓ نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ وہ اس چادر میں پھنس کر پھسل گئیں۔ انہوں نے پھسلتے ہوئے اپنے بیٹے کو بددعا دی اور برا بھلا کہا۔ سیدہؓ نے انہیں ٹوکا کہ کیوں اپنے بیٹے کو برا بھلا کہہ رہی ہو۔ اس پر انہوں نے تہمت کا یہ سارا واقعہ کہہ سنایا اور سیدہؓ کو بتایا کہ میرا بیٹا بھی اس پراپیگنڈے کے جرم میں شریک ہے۔ (یہ ذہن میں رہے کہ ام مسطحؓ سیدنا صدیق اکبرؓ کی خالہ زاد بہن تھیں۔ اس رشتہ سے یہ سیدہؓ کی پھوپھی تھیں) سیدہ عائشہؓ کو یہ سن کر سخت رنج ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس بات کو سن کر سیدہؓ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ "بلا اختیار دل نے چاہا کہ اپنے آپ کو کسی کنویں میں جا کر گرا دوں۔"

واپس آکر اس خبر کی تحقیق کے لیے سیدہؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے اپنے والدین کے ہاں جانے کی اجازت چاہی جو دے دی گئی۔ والدین کے ہاں جا کر انہیں پتہ چل گیا کہ واقعی ان پر یہ تہمت لگائی گئی ہے۔ اب انہوں نے رونا شروع کیا یہاں تک کہ دو راتیں اور ایک دن روتے روتے گزر گیا۔ انہیں ایسا معلوم ہونے لگا کہ روتے روتے ان کا کلیجہ شق ہو جائے گا۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: "عائشہ! مجھے تمہارے متعلق ایک ایسی بات کا پتہ چلا ہے، اگر تم اس قصور سے مبرا ہو تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری بریت فرما دے گا اور اگر خدانخواستہ تم سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ سے مغفرت مانگو اور اللہ کے حضور توبہ کرو کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔"

سرکارِ دو عالم ﷺ کی زبان سے یہ کلمات سن کر سیدہؓ کے آنسو ایک دم تھم گئے اور آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی آنکھ میں باقی نہ رہا۔ انہوں نے خود جواب دینے کے بجائے اب اپنے والدین سے کہا کہ آپ کو جواب دیں، لیکن ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں۔ اب سیدہؓ نے خود ہی جواب دیا کہ "واللہ! میں جانتی ہوں کہ یہ بات لوگوں سے سنتے سنتے آپ کے دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی ہے اور آپ

لوگوں نے اسے سچ سمجھ لیا ہے۔ اب اگر میں اپنی بریت بھی کروں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں، تو آپ لوگ میری بات کو درست اور سچا نہ سمجھیں گے اور اگر میں اس بات کا اقرار اور اعتراف کرلوں حالانکہ اللہ بخوبی جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں، تو آپ لوگ میری بات درست سمجھیں گے۔ بس میں وہی کچھ کہتی ہوں جو سیدنا یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا:

فصبر جمیل، واللہ المستعان علی ما تصفون۔

"صبر ہی بہتر ہے اور تم لوگ جو کچھ کہتے ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی مدد مطلوب ہے۔"

یہ بات کہہ کر سیدہؓ بستر پر جا کر لیٹ گئیں۔

اسی وقت سرکارِ دو عالم ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ پھر جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ مسکرا رہے تھے اور آپ نے پہلی بات یہ فرمائی: "عائشہ! اللہ نے تمہیں بری کر دیا۔" یہ سن کر سیدہؓ کی والدہ ام رومانؓ نے کہا: عائشہ! اٹھ، اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کر، انہوں نے ازراہِ ناز کہا: "خدا کی قسم، میں سوائے اللہ تعالیٰ کے جس نے میری برأت نازل فرمائی، کسی اور کا شکریہ ادا نہ کروں گی"۔

اس واقعہ کے بارہ میں جو آیات نازل ہوئیں وہ سورۂ نور کی دس آیات ہیں۔ آیت نمبر ۱۱ سے آگے۔ اس کے بعد تہمت تراشی کے جرم میں مسطح بن اثاثہؓ، حسان بن ثابتؓ اور حمنہ بنت جحشؓ پر حد قذف جاری کی گئی یعنی انہیں اسی اسی کوڑے مارے گئے، لیکن اس تہمت کے اصل بانی عبداللہ ابی کی پیٹھ ان کوڑوں سے بچ گئی۔

(بخاری جلد ۱ ص ۳۶۴، جلد ۲ ص ۶۹۶۔ ۹۶۸، فتح الباری جلد ۸ ص ۳۶۶، زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۱۳۔ ۱۱۵، ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۹۷، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۳۹۔ ۱۴۳)

یہ روایت زہری سے مروی ہے اور مضطرب اور ناقابلِ استشہاد ہے۔ یہ روایت نہیں بلکہ ایک کہانی ہے۔ زہری کا یہ کہنا کہ "اخبرنی عروہ" ایک کھلی تدلیس ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زہری نے عروہ سے کچھ نہیں سنا۔ معلوم نہیں کس نے سنا اور عروہ کی جانب منسوب کر دیا۔ یہ ساری تفصیل جو حدیث افک میں منقول ہے، زہری کی روایت کے سوا کسی اور میں نہیں ملتی اور زہری کا ارسال اور تدلیس مشہور ہے اور زہری کا ادراج بھی محدثین میں بہت مشہور ہے۔ زہری سے اوپر اس روایت کا بالکل وجود نہیں ہے بلکہ زہری کے وقت میں بھی یہ روایت عام نہیں ہوئی۔ صرف اس کے مخصوص تلامذہ کو ہی اس کا علم تھا۔ بعد میں زہری کی اس روایت کو منقح اور مرتب شکل میں عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں معمر کے واسطے سے بیان کیا۔ وہیں سے یہ روایت آگے چلی۔ امام احمد نے اس روایت کو عبدالرزاق سے لیا اور بعد میں ان کے ہم عصر محدثین نے اسے قبول کیا اور حسب عادت علیحدہ علیحدہ اسناد سے اپنی کتابوں میں اسے روایت کیا۔ یہ اصل روایت زہری کی ہے۔ محمد ابن اسحاق نے

بھی زہری سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ ابن ہشام نے اپنی کتاب ''السیرۃ النبویہ'' میں ''قال ابن اسحاق'' کہہ کر یہ روایت درج کی ہے۔ اس روایت کو مہذب صورت میں عبدالرزاق بن ہمام نے اپنی کتاب ''المصنف'' میں روایت کیا۔ یہ شخص سیدہ عائشہؓ سے بہت ہی ناراض ہے۔ ان کی اہانت سے اسے بڑی خوشی ہوتی ہے۔

اگر زہری کی یہ روایت مصنف عبدالرزاق کے دور میں بھی عام ہوتی تو اسے اس دور کی کتابوں میں آنا چاہیے تھی، لیکن یہ اس دور کی کتابوں موطا امام مالک، موطا امام محمد اور امام ابویوسف کی کتابوں میں بھی کہیں نہیں ملتی۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں بھی نہیں، اختلاف الحدیث میں بھی نہیں، حتیٰ کہ واقدی نے بھی اسے قابلِ اعتنا نہیں سمجھا اور ابن سعد نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

اگر یہ روایت سیدہ عائشہؓ سے متعلق تھی تو یہ سیدہ عائشہؓ کے بھائی اور بھتیجوں سے منقول ہونی چاہیے تھی لیکن ان میں سے کسی سے بھی یہ روایت منقول نہیں۔ پھر عروہ کے ساتھ ساتھ دوسرے بھانجے اسے بیان کرتے مگر وہ بھی اس سے خاموش ہیں۔ واقدی نے لکھا ہے کہ سیدہ ام سلمہؓ بھی اس سفر میں ساتھ تھیں لیکن ان سے بھی کوئی روایت اس بارہ میں موجود نہیں۔ ان کی اس بارہ میں خاموشی اس بات کی طرف ایک اشارہ ہے کہ اس واقعہ کی دور نبوت میں کوئی اصلیت نہیں تھی۔

چونکہ یہ بہتان غزوہ مریسیع کے فوراً بعد گھڑا گیا تھا اس لیے زہری نے بھی اسے مریسیع کے سفر کے ساتھ نتھی کر دیا۔ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اتنے بڑے قافلہ میں سیدہ عائشہؓ کسی کو بھی نظر نہ آئیں۔ زہری نے اس بارہ میں یہ بتایا کہ یہ تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب سفر ہودج میں ہو۔ چنانچہ روایت میں یہ بیان کر دیا کہ ''اٹھانے والوں نے بغیر دیکھے ہودج اٹھا کر رکھ دیا''۔

پھر سوچا کہ آخر آدمی کا وزن تو ہوتا ہی ہے۔ ہودج اٹھانے والوں کو معلوم ہو جاتا کہ سیدہؓ ہودج میں ہیں یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ گھڑا گیا کہ ''اس زمانہ میں عورتیں کم کھاتی تھیں اس لیے دبلی ہوتی تھیں۔''

اب ایک سوال یہ تھا کہ صفوان بن معطلؓ نے آپ کو کیسے پہچانا؟ تو اس کے لیے یہ کہا گیا کہ ''آپ میدان میں لیٹ گئیں اور منہ کھولے سو گئیں۔ سیدنا صفوانؓ آئے اور منہ کھلا ہونے کی وجہ سے پہچان گئے اور انا للہ پڑھا۔ آواز سن کر سیدہؓ جاگ گئیں اور منہ چھپا لیا''۔

حمنہ کے بارہ میں یہ کہا گیا کہ انہوں نے اس تہمت کی تشہیر اس لیے کی کہ وہ اپنی بہن کی حمایت کرنا چاہتی تھیں حالانکہ اس وقت سیدہ زینبؓ کا نکاح بھی نہیں ہوا تھا۔

روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہؓ ہودج میں نہیں تھیں، بلکہ اونٹ کی پشت پر بغیر ہودج کے سوار تھیں کیونکہ اس زمانہ میں ہودج کا رواج نہیں تھا۔ پھر سات سو آدمیوں کا قافلہ وہ تھا جو

Marfat.com

سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے گیا تھا۔ چھ سو قیدی وہاں سے ساتھ آئے تھے جن میں سو عورتیں تھیں۔ دو ہزار اونٹ مال غنیمت کے ساتھ تھے۔ پانچ ہزار بکریاں تھیں اور جنوری سنہ ۶۲۷ء کی ابتدائی تاریخیں تھیں جن میں سخت سردی ہوتی ہے۔ پھر سیدہ عائشہؓ ایک چادر میں منہ کھولے میدان میں کیسے سو گئیں؟

اس کے علاوہ اور بھی کئی ایسی وجوہات ہیں جن کی بناء پر ہم بلاخوف و خطر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ سیدہ عائشہؓ کے بارے میں گھڑا گیا اور اس واقعہ کو گھڑنے والا زہری کا اپنا ہی ذہن ہے۔ اگر زہری کی اس تعبیر واقعہ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا سب سے بڑا الزام (خاکم بدہن) سرکارِ دو عالم ﷺ پر آتا ہے کہ آپ معاذ اللہ اس قدر غافل تھے کہ بیوی کو پیچھے چھوڑ آئے اور انہیں بالکل خبر نہ ہوئی کہ سیدہ عائشہؓ کہاں ہیں؟ آخر ہر روز آپؐ کے خیمہ سے سوار ہوتی ہوں گی اور ان کو اونٹ پر سوار کرانے والے اسی خیمہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوں گے، جہاں سرکارِ دو عالم ﷺ اور سیدہ عائشہؓ رات کو آرام فرماتے ہوں گے اور وہیں سے آپ سوار ہوتی ہوں گی۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہرگز سیدہ عائشہؓ کو پیچھے نہیں چھوڑا تھا اور نہ ہی سیدہ عائشہؓ سفر میں پیچھے رہیں اور نہ اس سفر میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ سید دو عالم ﷺ خود پیچھے رہ جائیں اور قافلہ چل دے۔

تاریخی لحاظ سے بھی اگر دیکھا جائے تو صفوان بن معطلؓ کی شرکت ہی غزوہ مریسیع میں مشکوک ہے، واقدی کے بیان کے مطابق وہ پہلی دفعہ غزوہ خندق میں شریک ہوئے اور غزوہ خندق غزوہ مریسیع کے بعد ہوا ہے اور کلبی کے بیان کے مطابق یہ پہلی مرتبہ غزوہ مریسیع میں شریک ہوئے اور کلبی واقدی سے زیادہ معتبر نہیں ہے۔ اگر واقدی کا بیان صحیح ہے اور کلبی کے مقابلہ میں یقیناً وہ صحیح ہے تو پھر یہ بات کہ صفوان بن معطلؓ قافلہ کے پیچھے تھے اور سیدہ عائشہؓ کو اونٹ پر بٹھا کر لائے، سارا غلط ہو جاتا ہے اور اگر کلبی کا بیان صحیح تسلیم کیا جائے تو سیدنا صفوانؓ کی اس غزوہ میں یہ پہلی شرکت تھی اور جو آدمی کسی مہم میں نو وارد ہو اس کو اتنی اہم ذمہ داری نہیں سونپی جا سکتی۔

اصل بات یہ ہے کہ زہری کی یہ روایت کوئی ایک روایت نہیں ہے بلکہ زہری نے اور بھی کئی روایتوں میں اپنے مسلک کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ جیسے یہ روایت کہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے سیدہ فاطمہؓ کو رات کے وقت دفن کیا اور سیدنا علیؓ کو اس کی اطلاع نہ دی اور خود سیدہ فاطمہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس میں بھی ابنِ شہاب زہری نے تفرد کیا ہوا ہے۔ حالانکہ سیدہ فاطمہؓ کی نماز جنازہ سیدنا ابو بکرؓ نے ہی پڑھائی اور سیدنا علیؓ نے انہیں خود پکڑ کر نماز پڑھانے کے لیے آگے کیا۔ (کنز العمال روایت نمبر ۵۲۹۹، کنز العمال جلد ۷ ص ۱۱۴، طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۹، حلیۃ الاولیاء جلد ۴ ص ۹۶، ریاض النضرہ جلد ۱ ص ۱۵۶)

Marfat.com

وہ روایت جس میں لکھا ہے کہ "سیدہ فاطمہؓ" ابوبکرؓ سے وراثت نہ ملنے کی وجہ سے ناراض ہو گئیں اور انہوں نے اپنے انتقال تک ابوبکرؓ سے کوئی کلام نہ کیا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۹۹۶، المصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۴۷۲، سنن الکبریٰ بیہقی جلد ۶ ص ۳۰۰) اس میں بھی ابن شہاب زہری موجود ہے اور حدیث و تاریخ کی جن روایات میں یہ منقول ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی بیعت چھ ماہ بعد کی، ان روایات میں بھی ابن شہاب زہری گھسا ہوا ہے اور ان روایات میں یہ الفاظ اس کا ادراج ہے۔ حالانکہ زہری کے علاوہ دوسری روایات میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے بھی سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی بیعت اسی روز کی تھی جس روز دوسرے صحابہ کرامؓ نے ان کی بیعت کی تھی۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۹، جلد ۲ ص ۳۰۲، انساب الاشراف جلد ا ص ۵۸۵، ابن ابی الحدید جلد ا ص ۱۵۴، السنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۱۴۳، ص ۱۵۲، ص ۱۵۳)

اسی طرح یہ روایت کہ سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عثمان بن عفان چھ سال کی عمر میں مرغ کی ٹھونگ لگنے سے انتقال فرما گئے تھے۔ اس کے راوی بھی ابن شہاب زہری ہیں۔ (ملاحظہ ہو تاریخ صغیر بخاری ص ۳۲)

اور اسی طرح یہ روایت کہ ایام فترت وحی میں سرکارِ دو عالم ﷺ بعض اوقات پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو نیچے گرانے کا قصد فرماتے لیکن غیب سے فرشتہ پکارتا کہ بے شک آپ خدا کے برحق رسول ہیں۔ اس سے آپ کو تسکین ہو جاتی اور آپ اپنے آپ کو گرانے کا ارادہ ترک کر دیتے گویا آپ خودکشی کرنے کی کوشش کرتے۔

یہ بھی زہری ہی کی روایت ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۸ ص ۵۷۴، قسطلانی جلد ۱۰ ص ۱۱۷، سیرۃ النبی جلد ا ص ۱۴۹ طبع اول)

اس قسم کی روایت اہلِ السنت کی کتابوں میں گھسیڑنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ زہری کو رباطن ہے۔ زہری سیدہ عائشہؓ اور ان کے والد کے سخت خلاف تھے، چنانچہ اسی وجہ سے محققین نے اسے رجال شیعہ میں سے لکھا ہے۔ (تتمہ روضات الجنات، ذکر الزہری) زہری کہ انہی حرکات کی وجہ سے مولانا پیر قمر الدین سیالوی مرحوم نے بھی ابن شہاب زہری کی بابت اپنی کتاب میں لکھا ہے:

"اب فدک والی روایت میں ایک شخص محمد بن مسلم ہے جس کو ابن شہاب زہری بھی کہتے ہیں۔ صرف یہی راوی یہ روایت کرتا ہے اس کے ساتھ کوئی شاہد نہیں اور یہ ابن شہاب زہری اہلِ تشیع کی "اصول کافی" میں بیسیوں جگہ پر روایتیں کرتا نظر آتا ہے اور اہلِ تشیع کی "فروع کافی" نے تو اس کی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کی ہے۔ تو بھائیو! اہلِ تشیع کے اس قدر مشہور و معروف کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہلِ

Marfat.com

السنت پر الزام قائم کرنا اور ائمہ صادقین کو جھٹلانا عجیب نظر و فکر ہے۔ اگر اہلِ تشیع کے راویوں کی روایات اہل السنت کے لیے قابلِ توجہ ہوتیں تو پھر بخاری ہو یا کافی کلینی، اس میں کیا فرق تھا۔" (مذہب شیعہ: مولانا پیر قمرالدین سیالوی ص ۹۴، لاہور)

زہری بہت بڑا تقیہ باز تھا جو مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری طور سے اپنے آپ کو اہلِ سنت کہتا تھا' لیکن سنی علمائے رجال نے بھی اسے مرسل، مدلس اور مدرج قرار دیا ہے اور مرسلات زہری کو "شرالمرسلات" کہا ہے۔ یہ چند سوالات ہیں جو اس روایت کے بارہ میں کیے جاتے ہیں۔ جو لوگ واقعہ افک کو درست مانتے ہیں ان کو ان پر ذرا غور کرنا چاہیے۔

ہمارے خیال میں افک ازواج نبی ﷺ میں سے کسی سے بھی متعلق نہیں تھا۔ قرآن حکیم نے اسے مبہم رکھا مگر زہری نے افواہی مضمون کی بنا پر یہ خیال کر کے کہ قرآن کا کچھ تو بیان ہونا چاہیے مبہم افک کو جس کو اللہ تعالیٰ نے خود مبہم رکھا تھا' سیدہ عائشہؓ سے متعلق کر دیا اور ایک طویل داستان مرتب کر کے ان کی اپنی زبان سے ادا کرا دی۔ ہمارے لیے یہ ضرورت دین میں سے نہیں ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ آیات افک کس کے متعلق نازل ہوئی تھیں اور نہ ان آیات کے مقتضی پر عمل کرنا یہ معلوم کرنے پر موقوف ہے جو لوگ ان واقعات سے واقف تھے انہوں نے بتلایا نہیں اور جو واقف نہیں تھے وہ سو سال بعد اپنی تاریخی معلومات کی بنا پر قیاساً و ظناً ہمیں یقین دلانے لگے کہ یہ آیات سیدہ عائشہؓ سے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ ان کے اس دعوے پر صرف ان کے قول کے سوا ان کے پاس اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

غزوۂ احزاب

یہ غزوہ شوال سنہ ۵ھ میں پیش آیا۔ اصحاب سیر کی اکثریت اسی پر متفق ہے۔
(زرقانی جلد ۲ ص ۱۰۳، فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۲)

مدینہ کی اسلامی اسٹیٹ میں امن وسکون کی فضا دشمنان اسلام کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، غزوہ بدر، غزوہ احد، بنو قینقاع اور بنو نضیر کی جلاوطنی صرف انہی دسیسہ کاریوں، مکروسازش اور غدر وخیانت کے نتائج تھے جو دشمنان اسلام نے مسلمانوں کے خلاف کیں، لیکن ہر طرح کی ناکامی کے باوجود بھی نہ یہود کو چین آیا اور نہ ہی قریش امن وچین سے بیٹھے۔ یہ دونوں گروہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے کہ کسی نہ کسی طریقہ سے مدینہ کی اسلامی اسٹیٹ کو تباہ وبرباد کر دیا جائے۔ الگ الگ اس اسٹیٹ کو تباہ کرنے کی ہر ایک نے کوشش کی لیکن ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب ایک متحدہ محاذ بنانے کی کوشش کی گئی۔ قریش مکہ اور یہود جب دیکھتے کہ پورے جزیرہ عرب میں مسلمانوں کے حالات نہایت سازگار ہو گئے ہیں اور گردش لیل ونہار نے ان کے نفوذ کو مزید وسعت دی ہے اور دور دور تک ان کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا ہے تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے، راتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں، وہ صبح وشام اسلامی مملکت کی پامالی کی فکر میں مگن رہتے لیکن کچھ بات بنتی نظر نہ آتی۔

یہودی ذہن شروع ہی سے بہت تیز اور شاطر رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بنو نضیر کے یہود کو مدینہ سے جلاوطن کیا، اس میں ان کے بڑے بڑے روٴسا اور سردار خیبر میں چلے گئے جن میں حیی بن اخطب، کنانہ بن ربیع اور ابن ابی الحقیق خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہاں بیٹھ کر انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک نہایت خوفناک پلان تیار کیا۔

بنو نضیر کے بیس سردار اور دانشور قریش کے پاس مکہ گئے اور ان کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے کی پلاننگ کی۔ انہوں نے قریش کو اپنے ہر قسم کے تعاون کا پورا پورا یقین

Marfat.com

ولایا۔ قریش کے دلوں میں پہلے ہی جنگ بدر کے انتقام کی آگ سلگ رہی تھی، ان کے تعاون کے وعدہ نے قریش کو ایک ڈھارس دی اور دونوں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگی اقدام کا منصوبہ بنایا۔

قریش مکہ کی بات چیت سے مطمئن ہو کر یہود کے یہ سردار اور دانشور بنو غطفان کے پاس گئے اور انہیں بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے تیار کیا اور ان کو یہ لالچ دیا کہ خیبر کے نخلستانوں میں جس قدر کھجوریں پیدا ہوں گی، اس کا نصف حصہ ہر سال آپ لوگوں کو دیا جائے گا۔ یہ پیش کش سن کر عیینہ بن حصن فزاری بھی مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کے لیے تیار ہو گیا۔ بنو غطفان سے مطمئن ہو کر یہی لوگ باقی قبائل عرب میں بھی گئے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اس متحدہ محاذ میں شامل ہونے کی دعوت دی اور ان میں سے بہت سے قبائل نے ان کو اپنے تعاون کا وعدہ کیا۔ اس طرح یہودی سیاست دانوں نے پوری کامیابی کے ساتھ کفر کے بڑے بڑے گروہوں کو اسلام اور اس کی دعوت کے خلاف بھڑکایا اور انہیں جنگ کے لیے تیار کر کے متحدہ محاذ میں شمولیت پر راضی کر لیا۔

اب ایک طے شدہ پروگرام کے تحت جنوب سے قریش، کنانہ اور تہامہ میں آباد حلیف قبائل ابو سفیان کے پاس آئے اور یہ چار ہزار کا لشکر مرالظہران پہنچا۔ یہاں پر بنو سلیم اس لشکر میں شامل ہوئے۔ مشرق کی طرف سے بنو غطفان کے قبائل فزارہ، مرہ اور اشجع عیینہ بن حصن، حارث بن عوف اور مسعر بن رخیلہ کی زیر قیادت یہاں پہنچ گئے۔ ان کے علاوہ بنو اسد اور دیگر قبائل کے بھی بہت سے آدمی اس لشکر میں آکر شامل ہو گئے۔ اس لشکر کی مجموعی تعداد دس ہزار ہو گئی اور ایک طے شدہ پروگرام کے تحت اس نے مدینہ کی اسلامی سلطنت کو تاخت و تاراج کرنے کے لیے مدینہ کا رخ کیا۔ یہ اتنا بڑا لشکر تھا کہ مسلمانوں نے اس سے قبل اتنا بڑا لشکر کبھی دیکھا نہیں تھا اور نہ ہی ان کے وہم و گمان میں تھا کہ عرب کے قبائل اس طرح متحدہ محاذ بنا کر ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔

مشرکین اور یہود کی اس مشترکہ پلاننگ سے مدینہ کی بیدار مغز اور چوکس قیادت غافل نہیں تھی، ان کی انگلیاں ہمیشہ حالات کی نبض پر رہتی تھیں اور حالات کے ہر قسم کے نشیب و فراز سے نمٹنے کے لیے مناسب ترین قدم اٹھاتی تھی۔ چنانچہ جب اس لشکر کی حرکات کے بارہ میں آپ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے مدینہ کی ہائی کمان کی مجلس مشاورت طلب کی اور مدینہ کے دفاعی منصوبہ کے لیے غور و خوض کیا۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ عرب کے کئی قبائل مجتمع ہو کر قریباً دس ہزار کی تعداد میں مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ یہ اتنا بڑا لشکر ہے کہ مدینہ کی کل آبادی بھی اس کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اس وجہ سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا دفاعی نقطہ نظر سے مفید نہیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مدینہ کے گرد خندق کھود کر اور شہر کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو بالاتفاق منظور کر لیا گیا۔

Marfat.com

ایران کے لوگ جب دیکھتے کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ شہر پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو وہ اپنے دفاع کے لیے خندق کھودنے کا یہ دفاعی منصوبہ بنایا کرتے تھے۔ عرب اس منصوبے سے بالکل ناآشنا تھے، لیکن یہ منصوبہ سب کو پسند آیا۔ مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کا کام شروع کردیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خندق کی حدود خود قائم فرمائیں اور خط کھینچ کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرمادی۔ خندق اس قدر گہری کھودی گئی کہ نیچے سے تری نکل آئی اور جلدی اتنی کھودی گئی کہ صحابہ کرامؓ چھ روز میں خندق کھود کر فارغ ہوگئے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۵، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۴۸) بعض حضرات نے یہ مدت بیس روز لکھی ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۰)

خندق کی کھدائی کا افتتاح خود پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کیا، چنانچہ آپؐ نے کدال دست مبارک میں لے کر زمین پر ماری اور یہ کلمات آپ کی زبان مبارک پر تھے:

بسم الله و به بدينا

ولو عبدنا غيره شقينا

حبذا ربا و حبذا دينا

"یعنی بنام خدا اور ہمارا آغاز کار اسی کے نام سے ہوتا ہے اور اگر ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت کریں تو نہایت بدبخت اور بدنصیب ہیں۔ وہ کیسا اچھا رب ہے اور کیسا اچھا دین ہے۔" (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۴، روض الانف جلد ۲ ص ۱۸۹)

سخت سردی کا موسم تھا۔ ہر طرف سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ کپڑے پھٹے ہوئے، پیٹ میں بھوک بلکہ کئی کئی دن کا فاقہ، لیکن یہ درویش صفت صحابہ کرامؓ نہایت لگن اور ذوق کے ساتھ خندق کی کھدائی میں مصروف تھے۔ کچھ صحابہ کرامؓ کدالوں سے مٹی کھودتے اور کچھ اٹھا اٹھا کر باہر لاتے، لیکن ہر ایک کی زبان پر یہ کلمات تھے۔

نحن الذين بايعوا محمدا   على الجهاد ما بقينا ابدا

"ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے۔ جب تک جسم میں جان ہے ہم کافروں سے جہاد کرتے رہیں گے۔"

سرکارِ دوعالم ﷺ جب ان کے منہ سے یہ کلمات سنتے تو جواب میں یہ ارشاد فرماتے۔

اللهم لا عيش الا عيش الاخره   فاغفر الانصار و المهاجره

"اے اللہ! بے شک زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔ پس تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔"

سیدنا براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکارِ دوعالم ﷺ کو دیکھا کہ خندق سے مٹی ڈھوڈھو

کرلا رہے ہیں۔ گرد و غبار سے آپ کا جسم اٹ گیا۔ میں نے اسی حالت میں آپ ﷺ کو عبداللہ بن رواحہؓ کے یہ رجزیہ کلمات کہتے ہوئے سنا۔ آپ مٹی ڈھوتے جاتے اور یہ کلمات کہتے جاتے:

اللھم لو لا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینہ علینا و ثبت الاقدام ان لاقینا
ان الالی قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنہ ابینا

"۱۔ اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔"

"۲۔ پس تو ہم پر سکون و اطمینان نازل فرما۔ اور اگر دشمن سے ٹکراؤ ہو جائے تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔"

"۳۔ ان لوگوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اگر وہ ہمیں فتنہ میں ڈالنا چاہیں گے تو ہم ہرگز سرنگوں نہ ہوں گے۔" (بخاری جلد۱ص ۳۹۷، جلد ۲ص ۵۸۸-۵۸۹)

ادھر دشمن کے لشکر کے پہنچنے کی خبریں برابر آرہی تھیں اور ادھر مسلمان نہایت گرم جوشی اور وجدانی کیفیت کے ساتھ دن رات خندق کھود رہے تھے تاکہ دشمن کے پہنچنے تک خندق کی تکمیل ہو جائے، لیکن دوسری طرف بھوک کی شدت نے بھی نڈھال کر رکھا تھا اور سردی کی شدت بھی اپنی انتہا کو تھی۔ سیدنا ابو طلحہؓ فرماتے ہیں کہ خندق کی کھدائی کے دوران ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بھوک کا شکوہ کیا اور اپنے پیٹ کھول کر ایک ایک پتھر دکھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیٹ کھول کر دو پتھر دکھلائے۔ (مشکوۃ جلد ۲ص ۴۴۸ رواہ الترمذی)

اسی سلسلہ میں امام بخاری نے سیدنا جابر بن عبداللہؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ سیدنا جابرؓ نے خندق کی کھدائی کے دوران دیکھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے چہرہ مبارک پر بھوک کے واضح آثار ہیں، تو انہوں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع (قریباً ایک کلو) جو پیسا۔ کھانا چونکہ کم تھا لہٰذا نہایت رازداری کے ساتھ آپؐ سے عرض کی کہ "اے جان عالم! چند مخصوص ساتھیوں کے ساتھ تشریف لاکر میرے غریب خانہ پر کچھ تناول فرمالیں"۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے تمام اہلِ خندق کو جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی ساتھ لیا اور سیدنا جابرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ گھر والے اتنے حضرات دیکھ کر پریشان تو ہوئے، لیکن جب حضور علیہ السلام ساتھ تھے تو غم کس بات کا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک ہزار آدمی نے اس تھوڑے سے کھانے سے پیٹ بھر کر کھایا۔ پھر بھی سالن کی ہنڈیا بھری رہی اور گوندھا ہوا آٹا بھی اسی طرح رہا یعنی ان دونوں میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ (بخاری جلد ۲ص ۵۸۸)

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ابنِ ہشام نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے کہ سیدنا نعمان بن بشیرؓ کی ہمشیرہ خندق کے پاس دو مٹھی کھجوریں لے کر آئیں تاکہ اس کے ابا اور ماموں عبداللہ بن رواحہؓ کو جو کچھ

Marfat.com

دنوں سے بھوکے تھے، دوں، لیکن جب وہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے پاس سے گزریں تو آپ ؐ نے اس سے وہ کھجوریں لے لیں اور ایک کپڑا بچھا کر اس پر بکھیر دیں۔ پھر اہلِ خندق کو دعوت دی۔ اہلِ خندق انہیں کھاتے گئے۔ یہاں تک کہ سارے اہلِ خندق کھا کھا کر چلے گئے اور کھجوریں تھیں کہ کپڑے کے کناروں سے باہر گر رہی تھیں۔ (وانہ لیسقط من اطراف الثوب) (ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۱۸)

مجاہدینِ اسلام جب خندق کھود رہے تھے تو ایک چٹان نما سخت ٹکڑا ظاہر ہوا۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یہ سخت پتھر نما ٹکڑا خندق کی کھدائی میں آڑے آگیا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: ٹھہرو، میں اتر رہا ہوں۔ جب آپ اٹھے تو آپ کے شکم پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ ہم نے بھی تین دن سے کچھ نہ چکھا تھا۔ پھر سرورِ کائنات ﷺ نے کدال پکڑ کر اس چٹان پر ماری تو وہ دفعتاً ایک تودہ ریت بن گئی۔
(بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸)

یہ تو بخاری کی روایت ہے، سنن نسائی اور مسند احمد میں سیدنا براءؓ سے روایت ہے کہ خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آگئی ہم اس پر کدال مارتے تھے تو وہ اچٹ جاتی تھی۔ ہم نے بارگاہ رسالت میں عرض کی، آپ تشریف لائے، کدال لی اور بسم اللہ پڑھ کر پہلی کدال ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ ؐ نے فرمایا! اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ بخدا! میں شام کے سرخ محلوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

اس کے بعد دوسری ضرب لگائی تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا۔ آپ ؐ نے فرمایا: اللہ اکبر! ملک فارس کی کنجیاں مجھ کو عطا کی گئیں، بخدا! مدائن کے قصر ابیض کو میں اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری بار آپ نے بسم اللہ پڑھ کر ضرب لگائی تو باقی ماندہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ پھر فرمایا! اللہ اکبر! ملک یمن کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں، بخدا! میں صنعاء کے دروازوں کو اپنی آنکھوں سے اس جگہ کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۴-۳۰۵، نسائی جلد ۲ ص ۵۶)

مدینہ طیبہ کی دفاعی پوزیشن کچھ ایسی تھی کہ جانب شمال کے علاوہ باقی اطراف سے چٹانوں، پہاڑوں اور کھجوروں کے باغات سے گھرا ہوا تھا۔ اور اس پر یورش صرف شمال کی جانب ہی سے ہو سکتی تھی۔ اس وجہ سے سرکارِ دوعالم ﷺ نے خندق صرف شمال کی جانب ہی کھدوائی۔

ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ کھدائی کا کام صرف دن کو ہوتا تھا۔ صحابہ کرامؓ دن بھر کھدائی کرتے اور شام کو گھر لوٹ جاتے، یہاں تک کہ قریش کے لشکر کے مدینہ کی دیواروں تک پہنچنے سے پہلے پوری خندق کی کھدائی کا کام مکمل ہو گیا۔

مسلمان خندق کی کھدائی سے فارغ ہوئے تو قریش اور دیگر قبائل کا متحدہ ۱۰ ہزار کا لشکر جرار مدینہ کی حدود میں پہنچ گیا۔ قریش کا اپنا لشکر تو چار ہزار افراد پر مشتمل تھا اور غطفان اور دوسرے نجدی قبائل

Marfat.com

چھ ہزار کی تعداد میں تھے۔ یہ دس ہزار کا لشکر احد کے مشرقی کنارے ذنب نقمی میں خیمہ زن ہوا۔ قرآن حکیم نے کہا ہے کہ اہلِ ایمان نے جب اس لشکر کو دیکھا تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوا۔ اللہ کے وعدوں پر ایمان زیادہ ہوا اور منافقین اور کمزور دل لوگوں نے اس لشکر جرار کو دیکھا تو کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ صرف ایک فریب تھا۔ (۳۳:۲۲، ۱۲)

سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس دس ہزار کے مقابلہ میں تین ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا اور کوہ سلع کی طرف پشت کر کے قلعہ بندی کی شکل اختیار کرلی۔ اب حالت یہ تھی کہ فریقین کے مابین خندق حائل تھی۔ یعنی ایک طرف مسلمان تھے اور دوسری طرف کافر اور درمیان میں خندق تھی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو ایک قلعہ میں محفوظ ہو جانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ مدینہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن ام مکتومؓ کے حوالہ کیا اور خود دشمن کے سامنے اپنی فوج کے ساتھ کوہ سلع کے دامن میں تشریف لے گئے۔ یہ وقت مسلمانوں کے لیے نہایت سخت اور آزمائش کا وقت تھا۔ خود قرآن حکیم نے اس کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے:

"مسلمانو! یاد کرو، اس وقت کو جب دشمن تمہارے سر پر آ پہنچا تھا اوپر کی جانب سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور نگاہیں خیرہ ہو گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کیے جانے لگے۔ اس جگہ اہلِ ایمان آزمائے گئے اور خوب آزمائے گئے۔"

قریش اور دوسرے قبائل کا یہ اتحادی لشکر راستہ میں معلوم نہیں کیا کیا منصوبے بنا کر آیا تھا کہ جاتے ہی یکبارگی حملہ کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں گے، لیکن جب یہاں پہنچے تو انہوں نے اپنے اور اہلِ مدینہ کے درمیان ایک وسیع اور گہری خندق حائل دیکھی۔ سخت پریشان تھے، ان کے وہم و گمان میں بھی مسلمانوں کی یہ دفاعی پلاننگ نہ تھی، کیونکہ جزیرہ نما عرب میں خندق کا یہ دفاعی منصوبہ نہ تھا، لہٰذا اس خندق کو دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ اب دشمن کے فوجی خندق کے پاس آ کر اس کے چکر لگانے لگے، وہ غصہ سے اپنے دانت پیس رہے تھے کیونکہ ان کے حملہ کرنے کے سارے منصوبے مسلمانوں کی اس شاندار دفاعی منصوبہ بندی سے خاک میں مل گئے تھے۔ دوسری طرف مسلمان بھی دشمن کے سپاہیوں کی ہر نقل و حرکت پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے اور جب کبھی کوئی دشمن کا سپاہی خندق کے قریب آنے کی کوشش کرتا تو اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جاتی تاکہ نہ تو کود کے اس کو عبور کر سکیں اور نہ مٹی ڈال کر اس میں سے آنے کا راستہ بنا سکیں۔ اب دشمن کے لیے سوائے مدینہ کا محاصرہ کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا۔

نبی کریم ﷺ نے جب بنو نضیر کو مدینہ سے جلاوطن کیا تھا تو بنو قریظہ سے آپ نے تجدید معاہدہ کیا تھا

Marfat.com

کیونکہ ان کی کارروائیاں بھی بہت حد تک مشکوک تھیں۔ اس وجہ سے بنو قریظہ کے یہودی مشرکین کے اس لشکر سے الگ تھلگ تھے، لیکن قریش کو اس حملہ پر جن لوگوں نے اکسایا اور جنہوں نے ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا وہ بھی بنو نضیر کے یہودی تھے جو ایک سال قبل مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر میں ڈیرے لگائے ہوئے تھے اور اب اس لشکر کے ساتھ اپنے آدمی لے کر آئے ہوئے تھے اور اب یہ سانپ اپنی دسیسہ کاریوں سے مسلمانوں کے جسم میں اپنا زہر اتارنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ چنانچہ خندق کی وجہ سے باہر سے تو بڑا حملہ ہونا ناممکن تھا لہٰذا منصوبہ یہ بنایا کہ مدینہ کے اندر سے بغاوت کی آگ بھڑکائی جائے۔ اس لیے بنو قریظہ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی گئی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے بنو نضیر کا سردار حیی بن اخطب خود بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔ کعب نے حیی کو آتے دیکھ کر دروازہ بند کر لیا کیونکہ وہ مسلمانوں سے یہ معاہدہ کیے ہوئے تھا کہ وہ بیرونی حملہ کی صورت میں آپ کی مدد کرے گا۔ حیی نے دستک کے ساتھ آواز بھی دی کہ دروازہ کھولو۔ کعب نے جواب دیا "حیی! افسوس ہے تم پر، تم بلاشبہ ایک منحوس آدمی ہو۔ میں محمد ﷺ سے معاہدہ کر چکا ہوں۔ میں اب اس عہد کو ہرگز نہیں توڑوں گا کیونکہ میں نے آپ میں سچائی اور ایفائے عہد کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔"

حیی نے جواب دیا:

"کعب تم دروازہ کھولو، میں تمہارے لیے دائمی عزت کا سامان لایا ہوں۔ قریش اور بنو غطفان کی فوجوں کا بحرِ بے کراں لے کر آیا ہوں۔ میں نے قریش کو اس کے سرداروں اور قائدین کے ساتھ مجمع الاسیال میں اتار دیا ہے۔ ان لوگوں نے مجھ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ جب تک وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا مکمل استیصال اور قلع قمع نہ کر دیں گے اس وقت تک یہاں سے ہرگز نہ جائیں گے۔"

کعب نے کہا:

"خدا کی قسم! تم ہمیشہ میرے پاس ذلت و رسوائی اور فوجوں کا برستا ہوا بادل لے کر آئے ہو جو صرف گرج اور چمک رہا ہے، لیکن اس میں کچھ رہ نہیں گیا ہے۔ لہٰذا تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میں کبھی عہد و پیمان کو نہیں توڑوں گا کیونکہ محمد ﷺ سے سچائی اور ایفائے عہد کے سوا اور کچھ نہیں پاتا۔"

لیکن بالآخر حیی بن اخطب نے اپنے پیہم اصرار سے کعب بن اسد قرظی کو رام کر لیا۔ البتہ اسے اس مقصد کے حصول کے لیے کعب سے یہ عہد و پیمان کرنا پڑا کہ "اگر قریش اور اتحادی فوجوں نے محمد ﷺ کو ختم کیے بغیر واپسی کی راہ اختیار کی تو میں بھی تمہارے ساتھ تمہارے قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا،"

Marfat.com

پھر جو انجام تمہارا ہوگا وہی میرا ہوگا۔"

حیی کے اس بیان کے ساتھ کعب بن اسد نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑ دیا اور مشرکین کی طرف سے جنگ میں شریک ہوگیا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب اس ساری کارروائی کی اطلاع ملی تو آپ نے سیدنا سعد بن معاذؓ، سیدنا سعد بن عبادہؓ، سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ اور سیدنا خوات بن جبیرؓ کو تحقیق حال کے لیے بنو قریظہ کے پاس بھیجا اور ان حضرات کو یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ خبر صحیح نکلے تو وہاں سے واپس آکر اس خبر کو ایسے مبہم الفاظ میں بیان کرنا کہ لوگ سمجھ نہ سکیں اور اگر غلط ہو تو پھر علی الاعلان بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس سے حضور کا مقصد یہ تھا کہ لوگ کہیں حوصلہ نہ ہار بیٹھیں۔ اس نازک وقت میں اس خبر کی تحقیق نہایت ضروری تھی تاکہ اس کی روشنی میں پھر دفاعی اقدام میں تبدیلی کی جاسکے۔

یہ سب حضرات جب بنو قریظہ گئے اور کعب بن اسد کو مل کر اس کو معاہدہ یاد دلایا تو وہ انتہائی خباثت پر اتر آیا۔ اس نے گالیاں بکیں، رسول اللہ ﷺ کی توہین کی اور کہنے لگا، اللہ کا رسول کون..... اور کونسا معاہدہ، ہمارا ان سے کوئی معاہدہ نہیں۔ یہ سن کر یہ حضرات واپس آگئے اور رسول اللہ ﷺ سے صرف اتنا کہا عضل اور قارہ۔ یعنی جس طرح ان دو قبیلوں نے اصحاب رجیع کے ساتھ بدعہدی کی تھی، اسی طرح انہوں نے بھی بدعہدی اور پیمان شکنی کی ہے۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۱، ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۲۱-۲۲۲، عیون الاثر جلد ۲ ص ۹۱-۹۲)

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ اکبر! مسلمانو! خوشخبری ہو۔" مسلمان اس وقت انتہائی نازک صورت حال سے دوچار تھے۔ عقب میں بنو قریظہ تھے جن کے حملہ کو روکنے کے لیے مسلمانوں کے درمیان کوئی آڑ نہ تھے، پھر مسلمان عورتیں اور بچے جو کسی حفاظتی انتظام کے بغیر بنو قریظہ کے یہودیوں کے بالکل قریب تھے، سامنے دس ہزار کا لشکر جرار خشمگین نگاہوں سے مسلمانوں کو دیکھ رہا تھا۔ سخت سردی کی راتیں اور کئی کئی دن کا فاقہ، لیکن اللہ کا پیغمبر پھر بھی انہیں خوشخبری سنا رہا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ خبر سن کر اور مسلمانوں کی کیفیت دیکھ کر آپ نے اپنا سر اور منہ کپڑے سے ڈھانک لیا اور دیر تک چت لیٹے رہے، اب اس کیفیت کو دیکھ کر مسلمانوں کے اضطراب میں کچھ اضافہ ہوا، لیکن اس کے بعد آپ اٹھے، اللہ اکبر کہا اور فرمایا: مسلمانو! اللہ کی مدد اور فتح کی خوشخبری سن لو۔ پھر آپ نے آئندہ کے لیے اپنا دفاعی پروگرام بنایا تاکہ ان پیش آمدہ حالات سے اچھی طرح نمٹا جاسکے۔ چنانچہ آپؐ نے سب سے پہلے مدینہ کی نگرانی کے لیے محافظ بھیجے۔ تاکہ یہود عورتوں اور بچوں کی طرف سے ہمیں غافل دیکھ کر حملہ نہ کردیں۔

اس بارہ میں دوسرا اقدام آپ نے یہ سوچا کہ اتحادی فوجوں کے اتحاد میں دراڑ پیدا کرکے ان کی

Marfat.com

قوت کو کم کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے یہ سوچا کہ غطفان کے دونوں سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف سے مدینہ کے نخلستان کی ایک تہائی پیداوار دے کر مصالحت کرلی جائے تاکہ یہ دونوں سردار اپنے اپنے قبائل کو لے کر واپس چلے جائیں اور مسلمانوں کو اس محاصرہ سے نجات مل جائے۔ چنانچہ آپ نے سیدنا سعد بن عبادہؓ اور سیدنا سعد بن معاذؓ کے سامنے یہ تجویز رکھی۔ دونوں نے بیک زبان ہو کر عرض کیا: "یارسول اللہ! اگر تو یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے تو پھر بلا چون وچرا سر تسلیم خم ہے۔ اور اگر صرف ہماری خاطر ایسا کیا جارہا ہے تو ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں"۔ آپ نے فرمایا کہ "صرف تمہاری خاطر یہ سب کچھ کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ عرب نے متفق و متحد ہو کر ایک کمان سے تم پر تیراندازی شروع کی ہے، اس طریق سے میں ان کی اجتماعی قوت کو توڑنا چاہتا ہوں"۔

قبیلہ اوس کے رئیس سیدنا سعد بن معاذؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! جب ہم اور یہ کافر اور مشرک تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کو نہ جانتے تھے اور نہ مانتے تھے، اس وقت بھی ان کی یہ مجال نہ تھی کہ ہم سے کھجور کا ایک دانہ بھی لے سکیں مگر یہ کہ مہمانی کے طور پر یا خرید کر۔ اور اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایمان کی لازوال اور بے مثال نعمت سے سرفراز فرمایا ہے اور ہدایت اور اسلام سے ہم کو عزت بخشی ہے تو اب ہم ان کو اپنا مال کیوں دیں؟ یہ ناممکن ہے۔ اللہ کی قسم! انہیں اپنا مال دینے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ بخدا! ہم ان کو سوائے تلوار کے اور کچھ نہ دیں گے۔ ان سے جو ہو سکتا ہے وہ کر گزریں"۔ سیدنا سعد بن عبادہؓ نے بھی اس کی تائید کی۔ اس بارہ میں صلح کی جو تحریر لکھی گئی تھی، سیدنا سعد بن عبادہؓ نے وہ نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک سے لے کر اس کی تمام عبارت مٹادی۔

(ابن ہشام جلد ۲ص ۲۲۳، عیون الاثر جلد ۲ص ۹۱)

قریباً مدینہ کے محاصرہ میں دو ہفتے گزر گئے۔ ادھر خندق کے پار بیٹھے ہوئے قریشی شہسواروں کو یہ صورت گوارا نہ تھی کہ خندق کے پاس جنگ کے نتائج کے انتظار میں بے فائدہ بیٹھے رہیں۔ ان کے ذہنوں میں مسلمانوں کو ختم کرنے کی ہوا بھری ہوئی تھی۔ یہ جو کچھ ہو رہا تھا ان کی شان اور عادت کے خلاف تھا۔ وہ تو اپنے بدر کے مقتولوں کا بدلہ جلد از جلد لینا چاہتے تھے لیکن یہاں انہیں انتظار کرنا پڑ رہا تھا۔ جب سے آئے تھے کوئی مقابلہ یا دست بدست لڑائی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ صرف کبھی کبھی طرفین میں تیراندازی ہوتی رہی۔ بالآخر قریش کے چند سوار عمرو بن عبدود، عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، ضرار بن خطاب اور نوفل بن عبداللہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جب خندق کے پاس پہنچے تو کہا: "خدا کی قسم، یہ مکرو فریب اس سے پہلے عرب میں نہ تھا۔" ایک مقام سے خندق تنگ تھی وہاں سے اس کو پار کرلیا اور ان کے گھوڑے خندق اور سلع کے درمیان چکر کاٹنے لگے۔ ادھر سے سیدنا علیؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ خندق کے اس مقام پر پہنچے جہاں سے انہوں نے گھوڑے کدائے تھے، اس مقام کو

Marfat.com

اپنے قبضہ میں لے کر ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ اس پر عمرو بن عبدود نے جو جنگ بدر میں زخم کھا کر گر گیا تھا' سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا' مقابلہ کے لیے آواز دی۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مقابلہ کے لیے آگے بڑھے اور ایک ایسا فقرہ چست کیا کہ وہ طیش میں آکر گھوڑے سے کود پڑا' اس کی کوچیں کاٹیں اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوبدو مقابلہ میں آگیا۔ یہ بڑا بہادر اور شہ زور تھا' عرب اس کی بہادری کی مثالیں دیا کرتے تھے۔

سیدنا علیؓ نے کہا: "عمرو! میں تجھ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں"۔ عمرو نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا: اچھا تو پھر میں تم کو لڑائی کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو بن عبدود نے کہا: "برخوردار! تم ابھی کمسن ہو اپنے سے بڑے کو میرے مقابلہ کے لیے بھیجو، میں تمہارے قتل کو پسند نہیں کرتا۔" (کیونکہ عمرو کی عمر اس وقت نوے سال سے متجاوز تھی۔ لیکن دم خم وہی جوانوں والا تھا) (زرقانی) سیدنا علیؓ نے فرمایا: "لیکن میں تمہارے قتل کو پسند کرتا ہوں۔" سیدنا علیؓ کے منہ سے یہ جملہ سن کر عمرو بن عبدود کو طیش آگیا اور اس نے آگے بڑھ کر سیدنا علیؓ پر وار کیا۔ دونوں میں زوردار ٹکر ہوئی۔ سیدنا علیؓ کی پیشانی پر معمولی سا زخم بھی آگیا۔ بالآخر سیدنا علیؓ نے اس پر ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کا کام تمام ہو گیا۔ سیدنا علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ نصرت خداوندی آگئی ہے۔ (روض الانف جلد ۲ ص ۱۹۱)

نوفل بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کے ارادہ سے آگے بڑھا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ خندق کو پھلانگتے ہوئے خندق میں گر پڑا اور مر گیا۔ دشمن نے اس کی لاش لینے کے لیے دس ہزار درہم کی پیش کش کی۔ آپ نے فرمایا وہ بھی ناپاک تھا اس کی دیت بھی خبیث اور ناپاک ہے' ہمیں نہ دس ہزار کی ضرورت ہے اور نہ اس کی لاش کی۔ لہٰذا بلا معاوضہ اس کی لاش ان کو دے دی۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۴)

اس کے بعد مشرکین نے کئی بار اس خندق کو پار کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے ہر دفعہ انہیں اس کام سے دور رکھا اور اپنے تیروں سے ان کا اس طرح مقابلہ کیا کہ ان کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ ان مقابلوں کے دوران سرکارِ دوعالم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی بعض نمازیں قضا ہو گئیں۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۹۰) ان نمازوں کے قضا ہونے کا آپ کو اس قدر افسوس ہوا کہ آپؐ نے مشرکین کے لیے بددعا کی۔ فرمایا "اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انہوں نے ہم کو نماز وسطیٰ کی ادائیگی سے مشغول رکھا' یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔" (بخاری جلد ۲ ص ۵۹۰) امام نووی کے مطابق محاصرہ کے دوران مختلف دنوں میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں قضا ہوئیں۔
(نووی شرح مسلم ا ص ۲۲۷)

خندق نے مسلمانوں کا بہت بڑا دفاع کیا کیونکہ مشرکین کے لیے خندق کو پار کرنا مشکل تھا اس وجہ

Marfat.com

سے دونوں طرف سے کبھی کبھی تیراندازی ہوتی تھی- اس تیراندازی سے فریقین کے چند آدمی مارے گئے- ایک روز اسی تیراندازی میں ایک تیر سیدنا سعد بن معاذؓ کے حلق میں آ کر لگا جس سے سیدنا سعدؓ شدید زخمی ہو گئے- یہ تیر حبان بن عرقہ قریشی مشرک نے مارا تھا- سیدنا سعدؓ نے زخمی ہونے کے بعد بارگاہ الوہیت میں یہ دعا کی:

"اے اللہ تو بخوبی جانتا ہے کہ جس قوم نے تیرے رسول کی تکذیب کی اور انہیں ان کے شہر سے نکال باہر کیا' ان سے تیری راہ میں جہاد کرنا مجھے اس قدر محبوب ہے' اتنا کسی اور قوم سے محبوب نہیں- اگر قریش کی لڑائی کچھ باقی رہ گئی ہے تو مجھے ان کے لیے باقی رکھ کہ میں تیری راہ میں جہاد کروں اور اگر تو نے اس جنگ کو ختم کر دیا ہے تو اس زخم کو میری موت کا ذریعہ بنا دے اور اس وقت تک مجھے موت نہ دے جب تک کہ بنو قریظہ کی ذلت و رسوائی سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں- (ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۲۷' بخاری جلد ۲ ص ۵۹۱)

اب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نصرت کے لیے مختلف اسباب فراہم کیے- نبی اکرم ﷺ اتحادی فوجوں میں اختلاف پیدا کر کے ان کی جمعیت کو توڑنا چاہتے تھے' جب سیدنا سعد بن معاذؓ اور سیدنا سعد بن عبادہؓ نے مدینہ کے نخلستان کا تہائی نہ دینے کا اظہار کیا تو اب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ایک نئی صورت یہ پیدا کر دی کہ بنو غطفان کے رئیس نعیم بن مسعود اشجعی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "یا رسول اللہ! میں آپ پر ایمان لایا ہوں' لیکن میری قوم کو میرے ایمان لانے کا کوئی علم نہیں لہٰذا مجھے کوئی حکم فرمائیں جو اس وقت مسلمانوں کے لیے فائدہ مند ہو- آپ نے فرمایا تم کوئی ایسی تدبیر کرو جس سے یہ حصار ختم ہو- فرمایا: تم ایک تجربہ کار آدمی ہو' لہٰذا کوئی ایسی کوشش کرو کہ یہ متحدہ محاذ ختم ہو اور بنو قریظہ نے جو ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے' اس میں دراڑ پیدا ہو اور وہ قریش کے متحدہ لشکر کی امداد سے دست کش ہو جائے- نعیم اسی وقت اٹھ کر بنو قریظہ کے پاس گئے- ان سے ان کے بڑے گہرے روابط تھے- انہوں نے بنو قریظہ سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تم لوگوں کا ہمیشہ خیر خواہ رہا ہوں اور مجھے آپ لوگوں سے ایک خصوصی تعلق ہے- انہوں نے ان گہرے روابط کا اعتراف کیا- نعیم نے کہا' پھر غور سے سنئے کہ قریش کا معاملہ آپ لوگوں سے مختلف ہے' یہ علاقہ آپ کا اپنا ہے- آپ کا گھر بار' مال و دولت اور بال بچے ہیں' آپ ان سب کو چھوڑ کر کہیں اور نہیں جا سکتے' مگر قریش' غطفان اور ان کے حلیف اور اتحادی قبائل محمد ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے آئے تو آپ نے محمد ﷺ کے خلاف ان کا ساتھ دیا- ان کا یہاں کچھ نہیں اور نہ وہ یہاں کے رہنے والے ہیں' لہٰذا اگر مناسب ہوا تو وہ کوئی اہم قدم اٹھائیں گے ورنہ بوریا بستر باندھ کر چلے جائیں گے- پھر آپ لوگ ہوں گے اور محمد ﷺ' لہٰذا پھر مسلمان جیسا چاہیں گے آپ لوگوں سے انتقام لیں گے- نعیم کی یہ بات سن کر بنو قریظہ چونکے اور کہا

Marfat.com

کہ اب کیا کیا جائے؟ ہم سے تو واقعی بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔ ہم نے بغیر سوچے سمجھے یہ فیصلہ کر دیا۔ اب اس کا کیا علاج ہے؟ نعیم نے کہا: دیکھئے، آپ اتحادی فوجوں سے کہیں کہ جب تک تم اپنے کچھ آدمی یرغمال اور ضمانت کے طور پر ہمیں نہیں دو گے ہم اس وقت تک تمہارے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ بنو قریظہ نے نعیم کی اس رائے کو بہت پسند کیا۔

بنو قریظہ سے یہ بات کرنے کے بعد نعیم سیدھے قریش کے پاس پہنچے اور ان سے کہا جو خیر خواہی اور محبت مجھے آپ لوگوں سے ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ یہ بات بالکل درست ہے۔ نعیم نے ان کو اپنے اعتماد میں لیتے ہوئے کہا کہ یہود نے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے پیمان شکنی کی ہے اس پر وہ سخت نادم ہیں۔ اب ان میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ وہ آپ کے کچھ آدمی بطور یرغمال لے کر محمد ﷺ کے حوالہ کر دیں۔ اس طرح سے وہ محمد ﷺ کے ساتھ اپنا معاملہ استوار کر لیں گے، لہٰذا اگر بنو قریظہ آپ سے کچھ آدمیوں کو یرغمال کے طور پر مانگیں تو آپ ان کی بات ہرگز ہرگز نہ مانیں۔ اس کے بعد انہوں نے بنو غطفان اور ان کے اتحادی قبائل کو اکٹھے کر کے یہی بات کہی۔ اس بات سے ان سب کے بھی کان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ٹھان لی کہ وہ بنو قریظہ کی یہ شرط نہیں مانیں گے۔

اب قریش اور اس کے اتحادی قبائل نے جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات کو بنو قریظہ کو یہ پیغام بھیجا کہ محاصرہ کو کافی دن ہو گئے ہیں اور ہمارے فوجی تنگ آ گئے ہیں۔ دوسرے ہمارا قیام بھی کسی موزوں جگہ پر نہیں ہے۔ گھوڑے اور اونٹ سردی اور بھوک سے مر رہے ہیں، لہٰذا باہر سے ہم لوگ اور اندر سے آپ لوگ محمد ﷺ کے لشکر پر حملہ کر دیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا یہ متحدہ حملہ نتیجہ خیز ہو گا۔

ان کی اس تجویز کے جواب میں بنو قریظہ نے انہیں کہلا بھیجا کہ آج سبت (ہفتہ) کا دن ہے، اس روز ہمارے لیے حملہ کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہ شریعت موسوی کی خلاف ورزی ہے۔ علاوہ ازیں آپ لوگ جب تک ہمیں اپنے کچھ آدمی یرغمال کے طور پر نہیں دیں گے اس وقت تک ہم لڑائی میں شریک نہیں ہوں گے۔ بنو قریظہ کا جب یہ جواب قریش اور غطفان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا: بخدا! نعیم نے سچ ہی کہا تھا۔ بنو قریظہ کی اندر سے نیت درست نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے بنو قریظہ کو کہلا بھیجا کہ ہم کسی صورت بھی اپنے آدمی آپ لوگوں کے پاس یرغمال کے طور پر رکھنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ سن کر بنو قریظہ نے نعیم کی بات کی تصدیق کی کہ وہ واقعی بالکل صحیح کہتا تھا۔ اس طرح دونوں فریقوں کا اعتماد ایک دوسرے سے اٹھ گیا اور ان میں تشتت و افتراق پیدا ہو گیا اور بنو قریظہ قریش کی امداد سے دست کش ہو گئے۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۶، ۱۱۷، فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۹، ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۲۹-۲۳۰)

ادھر نعیم نے بنو قریظہ اور قریش اور اس کی اتحادی فوجوں کے درمیان بد اعتمادی پیدا کر دی اور بنو قریظہ نے قریش کی امداد سے انکار کر دیا۔ اسی دوران مسلمانوں نے محاصرہ کی شدت اور سختی کا ذکر کر کے

رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے انہیں یہ دعا مانگنے کے لیے ارشاد فرمایا:

اللھم استر عوراتنا وامن روعاتنا۔

"اے اللہ ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے محفوظ و مامون فرما۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۰۹، زرقانی جلد ۲ ص ۱۲۱)

خود سرکارِ دوعالم ﷺ نے مسجد احزاب میں زوال کے بعد کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی:

اللھم منزل الکتاب، سریع الحساب، وھازم الاحزاب، اھزمھم وانصرنا علیھم۔

"اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، ان لشکروں کو شکست دینے والے، انہیں شکست دے اور ہمیں ان پر فتح عطا فرما۔

(بخاری جلد ۲، زرقانی جلد ۲ ص ۱۲۰)

آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کی دعائیں سن لیں اور قریش اور غطفان پر تند و تیز ہوا کا طوفان بھیج دیا۔ ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے۔ رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔ گویا سب کچھ الٹ گیا۔ صحرا کا گرد و غبار اڑ اڑ کر ان کی آنکھیں بھرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی فرشتوں کا لشکر بھیج دیا جنہوں نے ان کی ہمتیں پست کر دیں۔ حوصلے توڑ دیئے اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف کی ایک خاص کیفیت پیدا کر دی، جس کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اے ایمان والو! اللہ کے اس انعام کو یاد کرو جو تم پر اس وقت ہوا جب کافروں کے بہت سارے لشکر تمہارے سروں پر آ پہنچے تھے۔ پس اس وقت ہم نے تمہارے دشمنوں پر ایک آندھی بھیجی اور تمہاری مدد کے لیے آسمان سے ایسے لشکر اتارے جو تم کو دکھائی نہیں دیتے تھے یعنی فرشتے۔ اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے۔" (الاحزاب)

رات بھی نہایت سرد تھی اور ہوا بھی تند و تیز تھی، سیدنا حذیفہ بن الیمان ؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ قریش کی خبر لے کر آؤ۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں کہیں پکڑا نہ جاؤں۔ آپ نے فرمایا تو بالکل نہیں پکڑا جائے گا۔ پھر میرے لیے دعا فرمائی: "اے اللہ! اس کی آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے بائیں سے، اور اوپر سے اور نیچے سے حفاظت فرما۔" سیدنا حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ آپ کی اس دعا کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میرا سارا خوف دور ہو گیا۔ اور میں نہایت شاداں و فرحاں اپنی مہم پر روانہ ہوا۔ جب میں جانے لگا تو آپ ؐ نے فرمایا! "حذیفہ: کوئی نئی بات نہ کرنا۔"

سیدنا حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں اس لشکر میں پہنچا تو دیکھا کہ ہوا اس قدر تیز تھی کہ کوئی شے نہیں ٹھہرتی تھی اور تاریکی ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کوئی شے دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اتنے میں سیدنا حذیفہ ؓ نے

Marfat.com

ابو سفیان کو یہ کہتے سنا کہ "اے گروہ قریش! یہ ٹھہرنے کا مقام نہیں، ہمارے جانور ہلاک ہو گئے، بنو قریظہ ہماری امداد سے دست کش ہو گئے اور تیز و تند ہوا نے ہمیں ایسا سراسیمہ اور خوفزدہ کر دیا ہے کہ چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا نہایت مشکل ہو گیا، میری مانو تو فوراً واپس لوٹ چلو۔" اور یہ کہہ کر وہ خود اونٹ واپس لے جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں میں نے چاہا کہ ابو سفیان کو تیر سے مار ڈالوں کیونکہ وہ میرے نشانے پر تھا، لیکن مجھے حضور علیہ السلام کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ "ابو حذیفہ! کوئی نئی بات نہ کرنا۔" اس لیے میں واپس آ گیا۔ اور آپ کو سب کچھ بتا دیا جو میں نے دیکھا تھا۔" (زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۸)

رسول اللہ ﷺ جب صبح اٹھے تو دیکھا کہ میدان بالکل صاف ہے اور اللہ تعالیٰ نے دشمن کو اس کے غیظ و غضب سمیت بے نیل مرام واپس لوٹا دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا:

اعز جنده، ونصر عبده، وهزم الاحزاب وحده۔

"اپنے لشکر کو عزت بخشی، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے ہی سارے لشکروں کو شکست دے دی۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۹۰)

غزوہ خندق شوال سنہ ۵ھ میں پیش آیا۔ ابن سعد اور بلاذری کے قول کے مطابق یہ محاصرہ پندرہ دن رہا۔ سعید بن المسیب کا قول ہے کہ چوبیس دن رہا۔ لیکن تمام ماخذوں پر مجموعی نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محاصرے کا آغاز شوال میں ہوا اور خاتمہ ذی قعدہ میں۔ جس روز آپ خندق سے واپس ہوئے اس روز بدھ کا دن تھا اور ذی قعدہ کے مہینے کے ختم ہونے میں صرف سات روز باقی تھے۔

اس جنگ کے دو نام ہیں ایک جنگ احزاب اور دوسرا جنگ خندق۔ جنگ احزاب اس کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں تمام قبائل ایک متحدہ محاذ بنا کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آئے تھے۔ اس لیے قرآن حکیم میں اس بارہ میں جو سورت نازل ہوئی اس کا نام بھی "سورۃ الاحزاب" ہے اور جنگ خندق اس لیے کہتے ہیں کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے خندق کھود کر اپنا دفاع کیا تھا۔

جنگ خندق جان اور مال کے نقصان کی جنگ نہ تھی بلکہ اعصاب کی جنگ تھی۔ اس میں اگرچہ زیادہ خونریزی نہیں ہوئی تھی لیکن مسلمان اور کافر دونوں ایک بہت بڑی اعصابی جنگ میں مبتلا رہے۔ یہ جنگ ایک فیصلہ کن جنگ تھی کیونکہ اس سے پہلے مشرکین نے اتنا بڑا لشکر کبھی اکٹھا نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی وہ مسلمانوں کو تباہ اور نیست و نابود نہ کر سکے، لہٰذا اب ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، ہمتیں پست ہو گئیں اور مسلمانوں کے بارہ میں یاس اور ناامیدی کے بادل ان کے قلب و نظر پر چھا گئے۔ چنانچہ ان کے واپس جانے کے بعد ہادی برحق اور اسلامی لشکر کے قائد ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا:

الان يغزوهم ولا يغزوننا نحن نسير اليهم۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۹۰)

"اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے اور یہ ہم پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے۔"

Marfat.com

یعنی کفر اب اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ اس میں اتنی ہمت اور طاقت نہیں رہی کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی دوسرا اقدام کر سکے اور اسلام صرف دفاعی پوزیشن میں ہو۔ بلکہ اب اسلام کی حالت یہ ہو گئی ہے اور وہ اتنا قوی ہو گیا ہے کہ وہ کفرو شرک کے مقابلہ میں جارحانہ اقدام کرے گا۔ چنانچہ آپ کا یہ فرمان حرف بحرف درست ثابت ہوا اور اس جنگ کے بعد قریش کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ مسلمانوں ہی نے ان پر حملہ کیا۔ یہود پر بھی جنگ خیبر کی صورت میں مسلمانوں نے حملہ کیا اور انہیں وہاں سے نکالا۔ پھر ۸ھ میں قریش پر حملہ کر کے مکہ مکرمہ کو فتح کیا۔ مکہ کا فتح ہونا تھا کہ مسلمانوں کی دھاک پورے جزیرہ عرب میں بیٹھ گئی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ (یدخلون فی دین اللہ افواجا)

اس جنگ میں کافروں کے تین آدمی قتل ہوئے، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) نوفل بن عبداللہ (۲) عمرو بن عبدود، (۳) منیہ بن عبید

اور مسلمانوں کے چھ حضرات نے جامِ شہادت نوش فرمایا:

(۱) سیدنا سعد بن معاذؓ (۲) سیدنا انس بن عوفؓ (۳) سیدنا عبداللہ بن سہیلؓ (۴) سیدنا طفیل بن نعمانؓ (۵) سیدنا ثعلبہ بن عتمہؓ (۶) سیدنا کعب بن زیدؓ

بعض اصحاب السیر نے دو نام اور دیئے ہیں۔

(۷) سیدنا قیس بن زیدؓ (۸) سیدنا عبداللہ بن خالدؓ۔ (عیون الاثر ج ۲ ص ۱۰۱، زرقانی ج ۲ ص ۱۲۶)

غزوہ بنو قریظہ

سرکارِ مدینہ ﷺ غزوہ خندق سے نماز صبح کے بعد واپس ہوئے۔ آپ ؐ اور تمام مسلمانوں نے جنگ سے فراغت کی وجہ سے اپنے ہتھیار کھول دیئے۔ اسی روز ظہر کے وقت جب آپ سیدہ ام سلمہؓ کے مکان پر غسل فرما رہے تھے، سیدنا جبریل امین علیہ السلام ایک خچر پر سوار عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اس جگہ آ کر کھڑے ہو گئے جہاں مسجد سے علیحدہ جنازہ پڑھنے کے لیے آپ ؐ نے جگہ بنائی ہوئی تھی۔ (طبقات جلد ۲ ص ۵۳) جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا: "کیا آپ ؐ نے ہتھیار اتار دیئے جبکہ فرشتوں نے ابھی تک اپنے ہتھیار نہیں اتارے اور نہ ابھی تک واپس ہوئے ہیں، لہٰذا آپ ؐ اپنے ساتھیوں کو لے کر بنو قریظہ جائیے میں خود بھی آپ کے آگے آگے وہیں جا رہا ہوں۔ میں ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈال دوں گا"۔ یہ کہہ کر جبریل فرشتوں کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۳۳، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۰۳، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۱۶)

Marfat.com

حافظ ابن حجر سیدنا انسؓ کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ بنو قریظہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان پہلے سے معاہدہ تھا۔ جب قریش دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو بنو قریظہ عہد شکنی کر کے قریش سے جا ملے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قریش کو شکست دے دی تو بنو قریظہ قلعوں میں جا گھسے۔ جبریل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ بنو قریظہ کی طرف جائیں۔ آپ نے فرمایا: میرے ساتھی تھکے ماندے ہیں۔ (یعنی محاصرہ کی اعصابی جنگ نے انہیں تھکا دیا ہے) جبریل نے کہا: آپ اس کا خیال نہ کریں میں ابھی جا کر ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کر دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر جبریل فرشتوں کی جماعت کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۱۳)

سیدنا انسؓ فرماتے ہیں کہ کوچہ بنی غنم تمام گرد و غبار سے بھر گیا اور وہ غبار جو جبریل کی سواری سے کوچہ بنی غنم میں اٹھا تھا، اب تک میری نگاہوں میں ہے۔

جبریل تو چلے گئے۔ آپؐ نے مدینہ طیبہ میں اسی وقت منادی کرا دی کہ جو شخص سمع و طاعت پر قائم ہے، وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھے۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن ام مکتومؓ کے سپرد فرمایا اور سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو جنگ کا پرچم دے کر آگے روانہ فرما دیا۔ جب سیدنا علیؓ وہاں پہنچے تو بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھلم کھلا گالیاں دینا شروع کر دیں۔

اتنے میں رسول اللہ ﷺ مہاجرین و انصار پر مشتمل تین ہزار کا لشکر لے کر جس میں تیس گھوڑے تھے، بنو قریظہ پہنچ گئے اور ان کے علاقہ میں "انا" نامی کنویں پر نزول فرمایا اور بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ ۲۵ روز تک محاصرہ رہا۔ جب محاصرہ سخت ہو گیا تو ان کے سردار کعب بن اسد (جس نے معاہدہ توڑ کر قریش کا ساتھ دیا تھا) نے بنو قریظہ سے کہا: "میں تمہارے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے جس ایک کو چاہو اختیار کر لو تاکہ تمہیں محاصرہ کی اس مصیبت سے نجات مل جائے۔

۱۔ یا تو ہم اس شخص (محمد ﷺ) پر ایمان لے آئیں اور اس کے پیروکار بن جائیں کیونکہ خدا کی قسم تم پر یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسولؐ ہیں اور یہ وہی نبی ہیں جن کو تم تورات میں لکھا ہوا پاتے ہو۔ اگر ان پر تم ایمان لے آؤ گے تو تمہاری جان و مال اور بال بچے محفوظ ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا "یہ منظور نہیں"۔

۲۔ یا پھر خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں اور پھر تلوار سونت کر پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ اس کے بعد یا تو فتح پائیں گے یا سب کے سب مارے جائیں گے، اگر فتح پا گئے تو عورتیں بہت ہیں۔ ان سے بچے بھی ہو جائیں گے اور اگر شکست کھا گئے تو بچوں اور عورتوں کا غم نہ ہو گا۔ اس تجویز پر بنو قریظہ نے کہا کہ بیوی بچوں کو قتل کر کے زندگی کا کیا لطف رہ جاتا ہے۔ لہٰذا یہ تجویز بھی

Marfat.com

منظور نہیں۔

۳۔ کعب نے کہا اگر یہ شرط بھی منظور نہیں تو آج ہفتہ کی رات ہے۔ عجب نہیں کہ محمد ﷺ اور آپ کے ساتھی غافل اور بے خبر ہوں اور انہیں یہ خیال ہو کہ سبت کے روز یہود حملہ نہیں کر سکتے۔ ان کی اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان پر شب خون مار دو۔

بنو قریظہ نے ان تینوں تجاویز کو رد کر دیا۔ اب ان کے سامنے صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ ان پر چھوڑ دیں، لیکن انہوں نے چاہا کہ ہتھیار ڈالنے سے پہلے اپنے بعض مسلمان حلیفوں سے رابطہ قائم کریں۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں ہتھیار ڈالنے کے نتائج سے کچھ آگاہی ہو جائے۔

سیدنا ابو لبابہ بن عبد المنذرؓ کے ساتھ بنو قریظہ کے حلیفانہ تعلقات تھے۔ اس لیے انہوں نے بارگاہ رسالت میں یہ درخواست کی کہ ابو لبابہؓ کو ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم ان سے کچھ مشورہ کر لیں۔ آپ ؐ نے ابو لبابہؓ کو ان کے ہاں جانے کی اجازت دے دی۔ جب یہ وہاں پہنچے تو مرد تو انہیں دیکھ کر ان کی طرف دوڑ پڑے اور عورتیں اور بچے ان کے سامنے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر سیدنا ابو لبابہؓ کا دل بھر آیا۔ یہود نے پوچھا: "ابو لبابہ! کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ محمد ﷺ کے فیصلے پر ہتھیار ڈال دیں؟" انہوں نے جواب دیا ہاں، لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف اشارہ بھی کر دیا کہ ذبح کر دیئے جاؤ گے۔ یعنی حضور ﷺ کا ارادہ تمہارے قتل کا ہے۔ یہ اشارہ کر کے انہیں احساس ہوا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ؐ کے ساتھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس واپس آنے کے بجائے سیدھے مسجد نبوی پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ فرمائیں گے اور رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے دست مبارک سے نہیں کھولیں گے، اس وقت تک اس جگہ سے نہیں ٹلوں گا اور وہ آئندہ بنو قریظہ کی سرزمین میں کبھی داخل نہیں ہوں گے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ ان کی واپسی کا انتظار فرما رہے تھے۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ کو سیدنا ابو لبابہؓ کے معاملہ کی تفصیلات کا علم ہوا تو فرمایا: "اگر وہ میرے پاس آ جاتا تو میں اس کے لیے استغفار کرتا، لیکن جب وہ خود ایسا کام کر بیٹھا ہے تو اب میں بھی اسے نہیں کھول سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے"۔

(ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۳۶، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۰۶، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۱۹)

سیدنا ابو لبابہؓ کے اس اشارہ کے باوجود بنو قریظہ نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے سوا اب ان کے پاس اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا کیونکہ اپنے رئیس کی وہ تینوں تجاویز نامنظور کر چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور سرکارِ دو عالم ﷺ سے کہا کہ جو فیصلہ آپ مناسب سمجھیں کریں، ہمیں

Marfat.com

منظور ہے حالانکہ وہ ایک طویل عرصے تک محاصرہ برداشت کرسکتے تھے۔ کیونکہ ان کے پاس خوردونوش کا سامان وافر مقدار میں موجود تھا۔ پانی کے چشمے اور کنویں تھے۔ مضبوط قلعے تھے اور دوسری طرف مسلمان کھلے میدان میں شدت کی سردی میں بھوک کی سختیاں جھیل رہے تھے اور جنگ خندق کی تھکن اور تکان سے چور تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب اور ہیبت ڈال دی تھی۔ محاصرہ کے دوران ان کے حوصلے دن بدن ٹوٹتے جارہے تھے۔ ان کے حوصلوں کی شکستگی اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب سیدنا علی بن ابی طالب، علم بردار لشکر اسلام اور سیدنا زبیر بن عوامؓ نے پیش قدمی فرمائی اور سیدنا علیؓ نے گرجدار آواز میں یہ اعلان کیا کہ "ایمان کے فوجیو! خدا کی قسم، اب میں بھی یا تو وہی چکھوں گا جو حمزہؓ نے چکھا یا ان کا قلعہ فتح کرکے رہوں گا"۔ سیدنا علیؓ کے عزم دار جملے سن کر بنو قریظہ اور بھی سہم گئے اور انہوں نے جلد ہی اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کردیا۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۰۹)

رسول اللہ ﷺ کے حکم سے محمد ابن مسلمہؓ کی زیر نگرانی ان سب کے ہاتھ باندھ دیئے گئے اور عورتوں اور بچوں کو مردوں سے الگ کردیا گیا۔ قبیلہ اوس کے بعض حضرات نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ آپ نے بنو قینقاع کے ساتھ جو سلوک فرمایا تھا ان پر احسان فرما کر ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں۔ بنو قینقاع ہمارے بھائی خزرج کے حلیف تھے اور یہ لوگ ہمارے حلیف ہیں۔ آپ نے فرمایا: "کیا آپ لوگ اس پر راضی نہیں کہ ان کے متعلق آپ ہی کا ایک آدمی فیصلہ کرے؟" انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا "یہ معاملہ سعد بن معاذؓ کے حوالے کیا جاتا ہے"۔ اوس کے لوگوں نے کہا! ہم اس پر راضی ہیں کہ جو وہ فیصلہ کردیں وہ ہمیں منظور ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۳)

اس کے بعد آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن معاذؓ کو بلا بھیجا۔ وہ زخمی ہونے کے باعث اس لشکر میں تشریف نہیں لائے تھے۔ چنانچہ انہیں مدینہ طیبہ سے ایک گدھے پر سوار کرکے سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت اقدس میں لایا گیا۔ جب وہ قریب پہنچے تو ان کے قبیلے کے لوگوں نے انہیں دونوں طرف سے گھیر لیا اور کہنے لگے! "سعد! اپنے حلیفوں کے بارہ میں احسان سے کام لیجئے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے آپ کو اسی لیے حکم بنایا ہے کہ آپ ان سے حسن سلوک کریں، لیکن سیدنا سعدؓ ان کی باتیں سن کر بالکل خاموش تھے، انہیں کوئی جواب نہیں دے رہے تھے۔ جب لوگوں نے مطالبہ کی بھرمار کردی تو بولے: "اب وقت آگیا ہے کہ سعد کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی پروانہ ہو"۔ سیدنا سعدؓ کے منہ سے یہ بات سن کر بعض لوگ اسی وقت مدینہ طیبہ آگئے اور انہوں نے بنو قریظہ کی موت کی خبر پھیلادی۔

(ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۳۹، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۰۸)

سیدنا سعد بن معاذؓ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا اپنے سردار کی تعظیم کے لیے اٹھو۔ چنانچہ لوگوں نے اٹھ کر انہیں سواری سے اتارا۔ آپ نے سیدنا سعدؓ سے فرمایا کہ "یہ لوگ

Marfat.com

تمہارے فیصلہ پر رضامند ہوئے ہیں"۔ سیدنا سعدؓ نے کہا: "کیا میرا فیصلہ ان پر نافذ ہو گا؟" لوگوں نے کہا: "جی ہاں"۔ انہوں نے کہا مسلمانوں پر بھی؟ لوگوں نے کہا ان پر بھی نافذ ہو گا۔ پھر فرمایا: اور جو یہاں بیٹھے ہیں، ان پر بھی؟ ان کا اشارہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی طرف تھا۔ لیکن تعظیم اور ادب کے سبب چہرہ دوسری طرف کر رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں مجھ پر بھی"۔ اس کے بعد سیدنا سعدؓ نے فرمایا: میرا فیصلہ ان کے بارہ میں یہ ہے کہ "ان کے لڑنے والے مرد قتل کر دیئے جائیں، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے اور ان کا تمام مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے"۔ آپ ﷺ نے یہ فیصلہ سن کر ارشاد فرمایا: "تم نے ان کے بارہ میں وہی فیصلہ کیا جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ سیدنا سعد بن معاذؓ کا فیصلہ بالکل صحیح فیصلہ تھا اور تورات کے فیصلہ کے مطابق تھا۔ (استثناباب ۲۰) کیونکہ بنو قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ اس وقت عہد شکنی کی جب وہ نازک ترین لمحات میں سے گزر رہے تھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے ڈیڑھ ہزار تلواریں، دو ہزار نیزے، تین سو زرہیں اور پانچ سو ڈھالیں مہیا کر رکھی تھیں۔ جن پر مسلمانوں نے فتح کے بعد قبضہ کیا۔ پھر جب سیدنا علیؓ اسلامی علم لے کر بنو قریظہ گئے تو بجائے اس کے کہ بنو قریظہ کو اپنے پیمان شکنی کے جرم کا احساس ہوتا، انہوں نے سرکارِ دوعالم ﷺ کو کھلم کھلا دشنام طرازی شروع کر دی جو بذات خود ایک ناقابلِ عفو جرم تھا۔

سیدنا سعد بن معاذؓ نے فیصلہ سنا دیا۔ اس فیصلہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم پر بنو قریظہ کو مدینہ لا کر بنو نجار کی ایک عورت، جو حارث کی بیٹی تھیں، کے مکان میں قید کر دیا گیا اور مدینہ کے بازار میں خندقیں کھودی گئیں۔ بعد ازاں دو دو چار چار کو مکان سے نکالا جاتا اور خندقوں میں لا کر ان کی گردنیں مار دی جاتیں۔

کارروائی شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد باقی ماندہ قیدیوں نے اپنے سردار کعب بن اسد سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا اندازہ ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے جواب دیا: "تم لوگ اتنے ہی بیوقوف ہو۔ تمہیں کوئی سمجھ بوجھ نہیں؟ دیکھتے نہیں کہ پکارنے والا رک نہیں رہا اور جانے والا واپس نہیں آ رہا۔ واللہ! یہ ہمیں قتل کیا جا رہا ہے"۔ بہرحال ان سب کی گردنیں مار دی گئیں۔ ان کی تعداد چھ سات سو کے درمیان تھی۔ سیدنا جابرؓ سے ایک روایت میں ان کی تعداد چار سو بتائی گئی ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۷، عیون الاثر جلد ۲) اس کارروائی کے بعد ان آستین کے سانپوں کا مکمل خاتمہ ہو گیا جو ہر آڑے وقت میں مسلمانوں اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔

بنو قریظہ کی اس تباہی میں سب سے زیادہ ہاتھ بنو نضیر کے رئیس حیی ابن اخطب کا تھا۔ اسی نے کعب بن اسد کو معاہدہ توڑنے کے لیے زور دیا تھا۔ کعب بن اسد بھی مارا گیا اور حیی بن اخطب بھی اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا۔ یہ شخص سیدہ صفیہؓ ام المومنین کا والد تھا۔ قریش اور غطفان کی واپسی کے بعد جب

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو یہ بھی بنو قریظہ کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ کیونکہ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر جب یہ شخص کعب بن اسد کو عہد شکنی پر آمادہ کرنے کے لیے آیا تھا تو اس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر قریش اور بنو غطفان، مسلمانوں کا مکمل استیصال کیے بغیر واپس چلے گئے تو میں اپنے آپ کو آپ لوگوں کے سپرد کر دوں گا۔ اب وہ اپنے اسی وعدہ و پیمان کو نباہ رہا تھا۔ اسے جس وقت قتل کرنے کے لیے خدمت نبوی میں پیش کیا گیا تو وہ ایک جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھا جسے اس نے خود ہی ہر جانب سے ایک ایک انگل پھاڑ رکھا تھا تاکہ اسے مال غنیمت میں نہ رکھوا لیا جائے۔ اس کے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا: ”واللہ! میں اپنے نفس کو آپ کی دشمنی کی بارہ میں ملامت نہیں کرتا، لیکن حق یہ ہے کہ خدا جس کی مدد نہ کرے اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا“۔ پھر اس نے لوگوں کی طرف دیکھا اور کہا: ”لوگو! اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے جو سزا مقرر کی تھی اور جو مصیبت ان کے لیے لکھ دی تھی، وہ پوری ہوئی“۔ اس کے بعد وہ بیٹھ گیا اور اس کی گردن بھی مار دی گئی“۔

عورتوں میں سوائے ایک عورت کے اور کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔ اس نے سیدنا خلاد بن سویدؓ پر چھت سے چکی کا پاٹ گرا کر انہیں شہید کیا تھا۔ اس کے قصاص میں اسے قتل کیا گیا۔ مورخین نے اس عورت کا نام ”بنانہ“ رکھا ہے اور جو صحابی سیدنا خلاد بن سویدؓ شہید ہوئے ان کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ ”ان کو دو شہیدوں کا ثواب ملا“۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۱۰، ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۴۰-۲۴۲)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا کہ جس کے زیر ناف بال آ چکے ہوں، اسے قتل کر دیا جائے۔ ان میں ایک نوجوان عطیہ بھی تھے۔ ان کو ابھی بال نہ آئے تھے، لہٰذا انہیں زندہ چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۱۱)

چند اور حضرات نے بھی اسی رات ہتھیار ڈالنے کی کارروائی سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا لہٰذا وہ بھی اپنے مال و اسباب کے ساتھ محفوظ رہے۔

سیدنا ثابت بن قیسؓ نے بارگاہ رسالت میں گزارش کی کہ زبیر بن باطا اور اس کے اہل و عیال کو میرے لیے ہبہ کر دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ زبیر نے سیدنا ثابتؓ پر کچھ احسانات کیے ہوئے تھے اور وہ اس طرح ان کے احسانات کا بدلہ چکانا چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی گزارش منظور فرمائی اور زبیر اور اس کے اہل و عیال انہیں دے دیئے گئے۔ سیدنا ثابتؓ نے زبیر سے کہا کہ اب میں تمہیں اور تمہارے اہل و عیال کو آزاد کرتا ہوں۔ لیکن جب زبیر کو معلوم ہوا کہ اس کی قوم قتل کر دی گئی ہے تو اس نے کہا: ”ثابت! میں تمہیں اپنے احسانات کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی میرے دوستوں کے پاس پہنچا دو“۔ چنانچہ اس کی گردن بھی مار کر اس کی قوم کے پاس پہنچا دیا گیا۔ البتہ سیدنا ثابتؓ نے زبیر بن باطا

Marfat.com

کے ایک لڑکے عبدالرحمٰن کو زندہ رکھا جو اسلام لاکر صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے۔

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۱۱)

بنو قریظہ کے اموال کو رسول اللہ ﷺ نے خمس نکال کر لشکر اسلامی میں تقسیم فرمادیا۔ شہسوار کو تین حصے دیئے۔ ایک حصہ اس کا اور دو گھوڑے کے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا۔ قیدیوں اور بچوں کو سیدنا سعد بن زید انصاریؓ کی زیر نگرانی نجد بھیج کر ان کے عوض گھوڑے اور ہتھیار خریدے۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۷، عیون الاثر ص ۱۱۲)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا ابولبابہؓ ستون سے بندھے ہوئے تھے۔ صرف نماز اور قضائے حاجت کے لیے کھول دیئے جاتے تھے، نہ کھاتے تھے، نہ پیتے تھے۔ صرف یہی بات ورد زبان تھی کہ میں اسی طرح رہوں گا یہاں تک کہ مرجاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائیں۔ چھ رات دن سے مسلسل ستون سے بندھے ہوئے تھے۔ چھ روز کے بعد سحر کے وقت ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اس وقت آپ سیدہ ام سلمہؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ خود سیدنا ابولبابہؓ کا بیان ہے کہ سیدہ ام سلمہؓ نے اپنے حجرے کے دروازہ پر کھڑے ہو کر مجھ سے کہا: "ابولبابہ! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی"۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ انہیں کھولنے کے لیے دوڑے لیکن ابولبابہؓ نے کہا: "میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک ختمی مرتبت ﷺ خود اپنے دست مبارک سے مجھے نہیں کھولیں گے، اس وقت تک نہ کھلوں گا"۔ چنانچہ جب آپ نماز صبح کے لیے تشریف لائے تو خود اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۶)

سیدنا سعد بن معاذؓ کی شہادت

جب بنو قریظہ کا کام تمام ہو چکا تو سیدنا سعد بن معاذؓ رئیس اوس کی اس دعا کی قبولیت کے ظہور کا وقت آ گیا جس کا ذکر ہم نے غزوہ خندق میں کیا ہے۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ:

"اے اللہ! اس وقت تک مجھے موت نہ دینا جب تک کہ بنو قریظہ کی ذلت و رسوائی سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں"۔

حبان بن عبد مناف نے انہیں ایک تیر مارا تھا جس سے ان کی ہفت اندام کٹ گئی اور اس نے نہایت جوش میں کہا "میں عرقہ کا بیٹا ہوں"۔ رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا۔ "خدا اس کا چہرہ دوزخ میں غرق کرے"۔

اس کے بعد مسجد نبوی میں ایک خیمہ لگایا گیا اور رفیدہ اسلمیہ کو ان کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ سیدنا سعدؓ اس خیمہ میں رہتے تھے اور سرکار دوعالم ﷺ روزانہ ان کی عیادت کو تشریف لاتے۔

Marfat.com

بنو قریظہ کے بارہ میں جو فیصلہ سنایا گیا اس کے بعد کچھ دنوں تک زندہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود زخم کو داغا۔ عارضی طور پر خون بند ہو گیا لیکن ایک روز اچانک ان کا زخم پھٹا اور اس زور سے خون جاری ہوا کہ مسجد نبوی سے گزر کر بنی غفار کے خیموں تک پہنچا۔ لوگوں کو یہ خون دیکھ کر بڑی تشویش ہوئی۔ انہوں نے پوچھا یہ کیا بہ کر آ رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ سعدؓ کا زخم پھٹا ہے۔ حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو سخت گھبرائے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ دیکھا تو سیدنا سعدؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ نعش کو آغوش مبارک میں لے کر بیٹھے۔ خون برابر بہ رہا تھا۔ لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ بھی آ گئے، نعش کو دیکھ کر چیخ ماری۔ سیدنا عمرؓ نے رو کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

جنازہ روانہ ہوا تو سرکارِ مدینہ ﷺ ساتھ تھے۔ فرمایا: ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہیں جو اس سے قبل کبھی آسمان سے نازل نہ ہوئے تھے۔ (روض الانف جلد ۲ ص ۱۹۳، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۱۲) سیدنا جابرؓ کا بیان ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذؓ کی موت سے اللہ کا عرش ہل گیا ہے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۶، مسلم جلد ۲ ص ۲۹۴، ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۵) ایک اور روایت میں ہے کہ آسمان کے تمام دروازے ان کے لیے کھول دیئے گئے اور آسمانوں کے فرشتے ان کی روح کے چڑھنے سے مسرور ہوئے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۹۴)

ایک انصاری کا یہ فخریہ شعر ہے:

وما اهتز عرش الله من موت هالك

سمعنا به الا لسعد ابى عمرو

"یعنی کسی مرنے والے کی موت پر اللہ کا عرش نہیں ہلا مگر سعد بن ابی عمرو کی موت پر۔

(عیون الاثر جلد ۲)

امام سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔

(روض الانف جلد ۲ ص ۱۹۳)

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ جب سیدنا سعد بن معاذؓ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین نے کہا کہ ان کا جنازہ کس قدر ہلکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے"۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۵، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۱۲، ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۱)

یہ غزوہ ذی قعدہ میں پیش آیا۔ بنو قریظہ کا قریباً ۲۵ روز تک محاصرہ قائم رہا۔ جنگ خندق اور اس غزوہ کا چونکہ چولی دامن کا ساتھ ہے یعنی غزوہ بنو قریظہ، غزوہ خندق کا تتمہ ہے۔ اس لیے سورہ احزاب میں بہت سی آیات اس بارہ میں بھی نازل ہوئیں، جن میں ان دونوں غزوات کی اہم جزئیات اور کیفیات پر تبصرہ فرمایا گیا۔

Marfat.com

مدینہ سے کفار کی ناکام واپسی اور بنو قریظہ کے اس انجام سے مسلمانوں کو ایک گونہ تسکین ہو گئی۔ منافقین مرعوب ہو گئے اور عرب کے گھر گھر میں مسلمانوں کی شوکت و عظمت کے چرچے ہونے لگے۔ اب قریش یہ سوچنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ اور ہم آخر ایک دوسرے کے قرابت دار ہیں، اگر ان سے تنازع ختم کر دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جبکہ ان کے رفقاء جو مہاجرین ہیں، وہ بھی انہی کے اکابر اور تعلق دار ہیں، گویا اب انہوں نے نئی لائنوں پر غور و فکر شروع کیا۔

واقعات متفرقہ

۱۔ اسی سال سیدنا بلال بن حارث مزنیؓ اپنی قوم بنو مزنیہ کے چار سو افراد کا وفد لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، ان میں نعمان بن مقرن بن عائذ مزنی اور خزاعی بن عبد نہم بن عفیف مزنی کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ سب حضرات سرکارِ دو عالم ﷺ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے علاقہ میں واپس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور فرمایا: "تم کہیں بھی رہو تمہیں مہاجرین ہی میں داخل سمجھا جائے گا" چنانچہ یہ حضرات آپ ﷺ کی اجازت سے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔

سیدنا بلال بن حارثؓ قبیلہ مزنیہ کے سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ فتح مکہ کے روز بنو مزنیہ کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا اور انہی کو سرکارِ دو عالم ﷺ نے وادی عقیق کی جاگیر عطا فرمائی تھی۔ سیدنا بلال بن حارثؓ کی دوبارہ حاضری سیدنا ضمام بن ثعلبہؓ کی حاضری کے ساتھ ہوئی۔

۲۔ سیدہ زینب بنت جحشؓ کا نکاح بھی اسی سال سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ ہوا۔ اس سے قبل سیدہ زینبؓ کا نکاح آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہؓ کے ساتھ ہوا تھا۔ سیدنا زیدؓ آپ ﷺ کے متبنیٰ تھے اور سیدہ زینبؓ آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ان کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبد المطلب تھا۔ سیدنا زیدؓ چونکہ غلام رہ چکے تھے اور سیدہ زینبؓ قریش کے اعلیٰ گھرانے کی بیٹی تھی، اس وجہ سے سیدہ زینبؓ کو یہ نسبت ناپسند تھی، لیکن تعمیل ارشاد کے لیے راضی ہو گئیں۔ یہ قریباً ایک سال تک سیدنا زیدؓ کے نکاح میں رہیں لیکن دونوں میاں بیوی میں شروع ہی سے تعلقات میں کھچاؤ تھا۔ سیدنا زیدؓ نے بارگاہ رسالت میں اس شکر رنجی کی شکایت کی اور عرض کیا کہ میں زینبؓ کو طلاق دینا چاہتا ہوں، لیکن آپ ﷺ زیدؓ کو بار بار طلاق دینے سے منع فرماتے۔ قرآن حکیم نے بھی سورہ احزاب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ آخر کار سیدنا زیدؓ نے انہیں طلاق دے دی۔

جب وہ مطلقہ ہو گئیں تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کی دل جوئی کے لیے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا، لیکن اس زمانہ میں عرب میں دستور یہ تھا کہ متبنیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اس لیے اس کی مطلقہ

Marfat.com

سے نکاح جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے آپ اس بارہ میں تامل فرماتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ رسم جاہلیت کی رسم تھی اور نگاہ شریعت میں اس کا مٹانا ضروری تھا' اس لیے قرآن نے سورۂ احزاب میں کہا:

"اور تم لوگ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ صرف خدا سے ڈرنا چاہیے"۔

خلاصہ یہ کہ آپ ؑ نے سیدہ زینب بنت جحش ؓ سے نکاح کر لیا اور جاہلیت کی ایک قدیم رسم کو ختم کر دیا۔ منافقین نے آپ کے خلاف اس بارہ میں بہت پراپیگنڈہ کیا' لیکن انہیں خائب و خاسر ہونا پڑا۔ اسی نکاح کے بارہ میں سورۂ احزاب کی مشہور آیت "خاتم النبین" نازل ہوئی۔

۳۔ سیدہ زینب ؓ ہی کے ولیمہ میں آیت حجاب نازل ہوئی کہ "کوئی عورت ایسے شخص کے سامنے نہ آئے جس سے اس کا نکاح جائز ہو"۔

اب تک مسلمان عورتیں عام جاہلانہ طریقہ سے چلتی پھرتی تھیں اور اسی قسم کے لباس اور زیور پہنتی تھیں جن سے جاہلیت اولیٰ ٹپکتی تھی۔ حکم ہوا کہ شریف عورتیں گھر سے نکلیں تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ آنچل سینہ پر ڈال کر چلیں۔ پردہ کی اوٹ سے کلام کیا کریں۔ کلام میں تکلف اور تصنع نہ ہو۔ ازواج مطہرات کے لیے غیر مردوں کے سامنے آنا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ مردوں کو بھی کہا گیا:

واذا سالتموهن فاسئلوهن من وراء الحجاب

"جب تم ان سے کوئی سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے کرو"۔

اس آیت کو آیت حجاب کہتے ہیں۔

Marfat.com

سنہ ۶ ھ

سریہ محمد بن مسلمہ انصاریؓ

غزوہ احزاب اور غزوہ بنو قریظہ کے بعد یہ پہلا سریہ ہے جس کو سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھیجا۔ ۱۰ محرم الحرام سنہ ۶ ھ کو سرور کائنات ﷺ نے تیس سواروں کے ایک مختصر دستہ کو محمد بن مسلمہ انصاریؓ کی قیادت میں نجد کے اندر بکرات کے علاقہ میں ضریہ کے آس پاس قرطاء نامی بستی میں بھیجا۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ ضریہ اور مدینہ کے مابین سات دن کا راستہ ہے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۴۴) اور اس دستہ کا ہدف بنو بکر بن کلاب کی ایک شاخ تھی۔ مسلمانوں نے جا کر ان پر چھاپہ مارا تو دشمن کے تمام لوگ بھاگ گئے، لیکن پھر بھی دس آدمی قتل ہوئے۔ ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بکریاں مال غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ ان سب کو ہانک کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ۱۹ روز کے بعد یعنی ۲۹ محرم سنہ ۶ ھ کو یہ لوگ مدینہ طیبہ پہنچے۔ خمس نکال کر باقی تمام مال آپؐ نے مجاہدین میں تقسیم فرمادیا۔ غنیمت کی تقسیم میں ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا۔ (طبقات جلد ۲ ص ۵۶)

یہ لوگ بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو بھی گرفتار کر کے لے آئے۔ وہ مسیلمہ کذاب کے حکم سے بھیس بدل کر نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کی نیت سے نکلا تھا۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۹۷) لیکن مسلمانوں نے اسے راستہ میں گرفتار کر لیا اور مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ مسجد کے ستون کے ساتھ اس لیے باندھا تھا تاکہ پانچ وقت بارگاہ خداوندی میں مسلمانوں کے عجز و نیاز کا نظارہ کریں اور مسلمانوں کے اس عمل کو دیکھ کر آخرت کی طرف راغب ہوں۔

سرکارِ دو عالم ﷺ جب ثمامہ کے پاس سے گزرے تو فرمایا: "ثمامہ میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے؟ ثمامہ نے کہا: "میرا گمان آپؐ کی نسبت اچھا ہی ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں تو آپ ایک خونی کو

Marfat.com

قتل کریں گے، اگر آپ احسان فرمائیں تو ایک شکر گزار اور قدردان پر احسان فرمائیں گے۔ اگر مال کی خواہش ہے تو جتنا چاہیں حاضر ہے"۔

سرکارِ دو عالم ﷺ یہ سن کر خاموش گزر گئے۔ دوسرے روز پھر گزرے تو ثمامہ نے پہلا اور تیسرا جملہ حذف کر دیا اور صرف اتنا جواب دیا: "اگر احسان فرمائیں تو ایک قدردان اور شکر گزار پر احسان ہو گا"۔ حضور ﷺ پھر خاموش گزر گئے۔ تیسرے روز پھر گزرے تو وہی سوال فرمایا۔ ثمامہ نے اب کی بار دوسرے جملہ کو بھی حذف کر دیا اور اپنا معاملہ آپ کے خلقِ عظیم اور عفو جمیل پر چھوڑ دیا۔ رحمت عالم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ "ثمامہ کو آزاد کر دو"۔ محمد ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ خود آپؐ نے ثمامہ سے فرمایا:

"ثمامہ میں نے تجھ کو معاف کیا اور آزاد کیا"۔

ثمامہ جونہی رہا ہوا، مسجد نبوی کے قریب ایک نخلستان میں گیا، غسل کیا اور پھر مسجد میں آیا اور مشرف باسلام ہو گیا۔ پھر اس نے آپؐ سے کہا: "محمدؐ! اس سے قبل روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا، لیکن اب روئے زمین کے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے اور خدا کی قسم! روئے زمین پر کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا لیکن اب آپ کا دین دوسرے تمام ادیان سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے اور آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مجھے مبغوض نہ تھا اور آج آپ کا شہر تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے اس حالت میں گرفتار کیا کہ میں عمرہ کا ارادہ کر رہا تھا، اب جو ارشاد ہو"۔ آپ نے فرمایا کہ عمرہ کریں۔

جب ثمامہؓ مکہ آئے تو کسی کافر نے کہا: "ثمامہ تو بے دین ہو گیا"۔ ثمامہؓ نے کہا، "بالکل غلط، میں تو محمد ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں۔ اس لیے کہ کفر و شرک کوئی دین نہیں بلکہ ایک لغو اور بے ہودہ خیال ہے اور خدا کی قسم، میں کبھی بھی تمہارے مذہب کی طرف رجوع نہیں کروں گا"۔ پھر فرمایا: "سنو! خدا کی قسم، یمامہ سے جو غلہ تمہارے پاس آتا ہے، اب ایک دانہ بھی تمہارے پاس نہ آئے گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اجازت نہ فرمائیں"۔ چنانچہ ثمامہؓ نے وطن پہنچ کر غلہ کا آنا بالکل بند کر دیا۔ یمامہ مکہ کے لیے کھیت کی حیثیت رکھتا تھا۔ غلہ کے بند ہونے سے قریش سخت پریشان ہوئے، مجبور ہو کر انہوں نے آپ کی خدمتِ اقدس میں ایک عریضہ لکھا کہ آپ تو صلہ رحمی کا سبق دیتے ہیں اور ہم آپ کے رشتہ دار ہیں، ہم پر رحم فرمائیں اور ثمامہؓ کو لکھ بھیجیں کہ غلہ کی روانگی بند نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ثمامہؓ کو خط لکھا کہ غلہ نہ روکیں۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۶۸، زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۱۹، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۱۸، دلائل النبوۃ بیہقی جلد ۴ ص ۷۸، مسلم حدیث نمبر ۱۷۶۴)

سیدنا ثمامہؓ نہایت جلیل القدر صحابہ میں سے ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے تین ہزار آدمی مسیلمہ

Marfat.com

کذاب کا ساتھ چھوڑ کر اسلام کے حلقہ میں آ گئے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۴۴) مسیلمہ کذاب نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو آپ نے ان لوگوں کو بہت سمجھایا جو اسلام چھوڑ کر مسیلمہ کے ساتھ مل گئے تھے، لیکن جب انہوں نے ان کی بات نہ مانی تو سیدنا ثمامہؓ نے اس شہر ہی کو چھوڑ دیا۔

غزوہ بنو لحیان

بنو لحیان وہی قبیلہ ہے جس نے رجیع کے مقام پر دس صحابہ کرامؓ جن میں سیدنا خبیب بن عدیؓ بھی تھے، گھیر کر شہید کر دیا تھا اور دو کو قریش مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا جہاں انہیں بے دردی اور سفاکی سے قتل کر دیا گیا۔ بنو لحیان کا علاقہ حدود مکہ سے قریب اور مدینہ سے بہت دور تھا۔ اس لیے اتنی دور جا کر دشمن پر حملہ کرنا جنگی نقطہ نگاہ سے مناسب نہیں تھا۔ پھر اس قبیلہ کے قریش کے ساتھ بھی گہرے روابط تھے، لیکن جب جنگ احزاب میں قریش کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور مختلف قبائل میں پھوٹ پڑ گئی اور مسلمانوں کا رعب قبائل کے دلوں میں بیٹھ گیا تو اب آپ خود ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ سنہ ۶ھ میں دو سو صحابہ کرام کی جمعیت کے ہمراہ اپنے مقتول صحابہ کرامؓ کا بدلہ لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے مدینہ کا انتظام سیدنا عبداللہ بن ام مکتومؓ کے سپرد فرمایا اور خود صحابہ کرامؓ کی جمعیت کے ساتھ امج اور عسفان کے درمیان بطن غران نامی ایک وادی میں، جہاں آپ کے ان آٹھ صحابہ کرامؓ کو شہید کیا گیا تھا پہنچے، ان کے لیے رحمت کی دعائیں فرمائیں۔

بنو لحیان کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے اور کوئی آدمی بھی مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگا۔ آپ نے دو روز یہاں قیام فرمایا اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں اپنے آدمیوں کو بھیجا جن میں سیدنا صدیق اکبرؓ بھی تھے، ان کو بھی دس سواروں کے ساتھ دشمن کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا، لیکن دشمن ہاتھ نہ آیا۔ آخر کار آپ چودہ روز بعد واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۴۷، عیون الاثر جلد ۲ ص ۴۴، سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۷۹-۲۸۰، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷۸-۷۹)

غزوہ ذی قرد

ذی قرد ایک چشمہ کا نام ہے۔ جو بلاد غطفان کے قریب ہے۔ یہ مقام سرکارِ دو عالم ﷺ کے اونٹوں کی چراگاہ تھا۔ ایک روز عیینہ بن حصن فزاری نے چالیس سواروں کے ساتھ اس چراگاہ پر حملہ کر دیا اور آپ کے اونٹوں کو پکڑ کر لے گیا۔ سیدنا ابو ذر غفاریؓ کے بیٹے کو جو اونٹوں کی حفاظت پر متعین تھا، قتل کر دیا اور سیدنا ابو ذرؓ کی اہلیہ کو پکڑ کر لے گیا۔

یہ ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ سلمہ بن اکوعؓ ایک نہایت جانباز اور تیر انداز صحابی تھے۔ انہیں جونہی اس بات کی خبر ملی فوراً ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے اور ایک ٹیلے کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اتنے زور سے آواز لگائی کہ تمام مدینہ گونج اٹھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ آواز سنی۔ آپؐ نے فوری طور پر صحابہ کرامؓ کو جمع ہونے کا حکم فرمایا۔

سیدنا سلمہ بن اکوعؓ بڑے تیر انداز تھے۔ انہوں نے صحابہ کرامؓ کا انتظار کیے بغیر خود ہی ان کا تعاقب کیا اور حملہ آوروں کو پانی کے ایک چشمہ پر جا پکڑا۔ یہ ان پر تیر برساتے جاتے اور شعر پڑھتے جاتے:

انا ابن الاکوع والیوم یوم الرضع

میں ابن اکوع ہوں اور آج کے دن معلوم ہو جائے گا کہ کون کمینہ ہے اور کون شریف۔

انہوں نے اپنی بہادری سے ان سے اپنے اونٹ چھڑا لیے اور تیس یمنی چادریں بھی ان سے چھین لیں۔

یہ جب دشمن کے پیچھے بھاگ رہے تھے تو بعد میں سرکارِ دو عالم ﷺ بھی پانچ یا سات سو مجاہدین کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور نہایت تیزی سے مسافت طے کر کے وہاں پہنچے۔ آپ اپنے روانہ ہونے سے پہلے بھی مقداد بن اسودؓ عباد بن بشرؓ، سعد بن زیدؓ، اسید بن ظہیرؓ، عکاشہ بن محصنؓ، محرز بن نضلہؓ، ابو قتادہؓ اور کئی ایک اور صحابہ کو روانہ فرما چکے تھے۔ اس دستہ پر آپ نے سعد بن زیدؓ کو امیر مقرر فرمایا۔

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۳۶)

ان حضرات نے پہلے پہنچ کر ان کا مقابلہ کیا۔ مشرکین کے دو افراد مارے گئے اور مسلمانوں میں سے سیدنا محرز بن نضلہؓ شہید ہوئے۔ (احسابہ جلد ۳ ص ۳۶۸، طبقات جلد ۲ ص ۶۰)

جب آپ مجاہدین کے ساتھ پہنچے تو سلمہ بن اکوعؓ نے آپ کی خدمت میں عرض کی: "میں ان کو فلاں جگہ پیاسا چھوڑ کر آیا ہوں، اگر مجھے سو آدمی مل جائیں تو سب کو پابجولاں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ آپ نے فرمایا! "ابن اکوع! جب تو ان پر قابو پائے تو نرمی کرنا"۔

مشرکین شکست کھا کر بھاگ گئے، سرکارِ دو عالم ﷺ ایک دن رات وہاں قیام فرما کر پانچ روز کے بعد مدینہ منورہ واپس چلے آئے۔ اس غزوہ کو "غزوۃ الغابہ" بھی کہتے ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۸۱-۲۸۴، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۲۵-۱۳۰، زرقانی جلد ۲، ص ۱۴۸-۱۵۲، فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۳-۳۵۵ وغیرہ)

اس غزوہ کے دوران سیدنا عبداللہ بن ام مکتومؓ مدینہ کے عامل تھے۔

Marfat.com

معاہدۂ حدیبیہ

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ سے گئے ہوئے چھ سال گزر گئے۔ ان چھ سالوں میں وہ دشمن سے مدافعت کی وجہ سے مسلسل جنگوں میں مصروف رہے۔ کبھی قریش کے حملوں سے خود کو محفوظ رکھنے میں منہمک اور کبھی یہود کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں سے نجات حاصل کرنے کی فکر۔ یہ سارا زمانہ ان کا مختلف پریشانیوں میں گزرا لیکن ان پریشانیوں کے باوجود اسلام کی دعوت ہر طرف پھیلتی گئی اور اس کے حامیوں میں قوت و استقلال بڑھتا گیا اور اس کی دعوت کے سیلاب کے سامنے مشرکین اور کافروں کا ہر بند مسمار ہو گیا۔

ہجرت کے پہلے سال نمازوں میں بیت المقدس کے بجائے مسجد الحرام کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، یعنی مسلمانوں کے لیے اس کو قبلہ نماز بنایا گیا۔ پھر یہ کعبہ جو مکہ میں تھا اس کی تعمیر میں آپ نے لڑکپن اور جوانی میں حصہ لیا۔ اس کے حجر اسود کو اپنے ہاتھ سے رکھا۔ مکہ آپؐ کا اور آپؐ کے مہاجر ساتھیوں کا آبائی وطن بھی تھا۔ یہیں یہ حضرات پیدا ہوئے تھے، یہیں ان کا بچپن اور جوانی گزری اور بعض حضرات نے تو اپنے بڑھاپے کی بھی کچھ منازل یہیں طے کیں۔ یہ شہر ان کے ساتھ ایک روحانی تعلق بھی رکھتا تھا۔ یہ ان کا مرکز ایمان تھا، اطمینان گاہ روح و جان تھا۔ یہ خدا کی وہ تجلی گاہ تھا جس کی زیارت کے لیے کئی ہزار سال قبل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تمام انسانی سعید روحوں کو دعوت عام دی تھی۔ یہ وہ شہر تھا جہاں خدا کی سعید روحیں ہر سال حاضر ہو کر بیت عتیق کا طواف اور اس کی زیارت کر کے سعادت ابدی کی دستاویز حاصل کرتی تھیں۔ اس قرار گاہ رُوح میں سرکارِ دو عالم ﷺ پر تیرہ سال تک وحی آتی رہی اس لحاظ سے یہ مہبط ایمان بھی تھا اور اس کی زیارت کا شوق فطرۃ ایمانی کا جزو لاینفک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا بلال حبشیؓ باوجود اس بات کے کہ یہ ان کا آبائی وطن نہیں تھا بلکہ وہ ایک غلام کی حیثیت سے مکہ مکرمہ آئے تھے، ایمان لائے تو مکہ کا ایک ایک گھرانہ ان کا جانی دشمن ہو گیا۔ انہیں اتنی تکلیفیں دی گئیں

Marfat.com

کہ ان کو لکھتے ہوئے قلم کا سینہ شق ہو جاتا ہے، لیکن مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد ایک عرصہ تک ان کی یہ حالت رہی کہ جب کبھی مکہ کا خیال آتا تو موسلا دھار بارش کی طرح آنسو گرنے شروع ہو جاتے۔ یہ ایمانی تعلق کی وجہ سے تھا جو ہر مومن کو اللہ کے اس گھر اور پیغمبر اسلام کے اس پیدائشی شہر سے ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو لوگوں نے سنا کہ یہ شعر گنگنا رہے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے:

"کاش میں جان لیتا کہ پھر کبھی ایسا ہو گا کہ میں اس وادی میں رات گزاروں اور میرے اردگرد اذخر اور جلیل ہو۔ (یہ گھاسوں کے نام ہیں جو مکہ مکرمہ میں ہوتی ہیں) اور کیا پھر کبھی ایسا ہو گا کہ میں مجنہ کے چشمہ پر فروکش ہوں اور کوہ شامہ مجھے دکھائی دے اور کوہ طفیل کو میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھ سکوں"۔ (بخاری جلد ا ص ۲۵۳)

جب ایک ایسے شخص کے مکہ کے بارہ میں یہ جذبات و احساسات ہیں تو محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مہاجر رفقاء کے جذبات کا کیا حال ہو گا کیونکہ وہ تو وہیں پیدا ہوئے بلکہ کچھ تو ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اسی شہر میں انہوں نے اپنی جوانی تک کے لمحات گزار دیئے اور ان کے آباء و اجداد کی ہڈیاں بھی اسی شہر میں دفن تھیں (اگرچہ وہ کافر ہی تھے) اب چھ سال ہو گئے تھے کہ اس شہر کی ہوا بھی انہیں نہیں لگی تھی حالانکہ ایک لمحہ کی جدائی بھی اس شہر کی انہیں گوارا نہ تھی، پھر ان کی یہ بندش بھی جبری تھی کیونکہ جب سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے ہجرت کی تھی، اہل مکہ نے ان کے بیت اللہ میں داخل نہ ہونے پر قسم کھالی تھی۔ قریش اس بات پر تل گئے تھے کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی جو ہبل، لات، عزیٰ اور نائلہ اور دوسرے بتان کعبہ کی خداوندی کے منکر ہیں، ان کے اور اپنے اسلاف کے خداؤں کو نہ مانیں، ان کے ساتھ جنگ کرنا فرض اور انہیں کعبہ میں آنے سے روکنا واجب ہے۔

مسلمان ان چھ سالوں میں کعبہ کی زیارت اور حج وغیرہ کے دینی فریضہ کی ادائیگی سے قاصر تھے، خصوصاً مہاجرین بیت اللہ کے فراق کا صدمہ زیادہ محسوس کرتے تھے، انہیں اور غموں کے علاوہ مکہ کی جدائی کا الم بھی گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ انہیں وطن اور اپنے اہل و عیال کی جدائی کا غم بھی چین نہ لینے دیتا تھا، لیکن اس کے ساتھ انہیں یہ بھی امید تھی کہ ایک نہ ایک دن اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے تابع داروں کو ضرور کامیاب کرے گا اور اسلام کو ہر ایک دین پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ انہیں اس گھڑی کے بہت جلد آنے کا یقین تھا، جس میں خداوند دو جہاں ان پر مکہ کے دروازے کھول دے گا اور وہ بھی بیت اللہ کا طواف کریں گے، جسے اللہ نے تمام عالم کے لیے ضروری اور فرض قرار دیا ہے۔

Marfat.com

کئی سال گزر گئے جن میں مسلمانوں کو مختلف لڑائیوں نے گھیرے رکھا۔ بدر کا معرکہ ختم ہوا تو احد کی ہولناک جنگ مسلط ہو گئی، اس کے بعد خندق کی جنگ مسلط کر دی گئی۔ اسی طرح یہود اور دوسرے مختلف قبائل کی جنگوں نے انہیں چین نہ لینے دیا، لیکن طواف کعبہ کا جو یقین تھا اس اشتیاق میں وہ ہمہ وقت چشم براہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ کو ایک روز یہ خواب دکھلایا گیا کہ آپ اور آپ کے ساتھی مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوئے۔ آپ نے خانہ کعبہ کی چابی لی اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا۔ پھر بعض لوگوں نے سر کے بال منڈوائے بعض نے کتروائے۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کو اس خواب سے مطلع فرمایا تو انہوں نے اس پر بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ انہیں چونکہ زیارت کعبہ کے شوق نے دیوانہ بنایا ہوا تھا، اس لیے وہ سمجھے کہ اس سال ہی مکہ میں داخلہ نصیب ہوگا۔ محبت و شوق کی جو چنگاری صحابہؓ کے دلوں میں دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی لہٰذا انہوں نے سفر مکہ کی تیاری شروع کر دی۔

یکم ذی قعدہ سنہ ۶ھ کو اتوار کے دن رسول اللہؐ نے عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا۔ قریباً پندرہ سو صحابہ کرامؓ آپ کے ہمراہ تھے۔ مدینہ پر سیدنا عبداللہ بن ام مکتومؓ یا سیدنا نمیلہ لیثی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ جانے سے قبل آپ نے مدینہ اور گرد و پیش کی آبادیوں میں اعلان فرمادیا کہ جو لوگ ان کے ہمراہ جانا چاہیں، وہ آ جائیں لیکن بہت سے اعراب نے تاخیر کی۔ چنانچہ آپ یکم ذی قعدہ کو مدینہ سے اپنی قصواء نامی اونٹنی پر روانہ ہوئے، آپ کے ہمراہ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہؓ بھی تھیں۔ بند تلواروں (میان کے اندر تلوار) کے سوا اور کسی قسم کا کوئی ہتھیار آپ کے پاس نہ تھا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۱۸۰، فتح الباری جلد ۵ ص ۲۴۲، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۶۹، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۶۰-۱۶۱)

ذوالحلیفہ پہنچ کر ہدی (وہ جانور جسے حج و عمرہ میں منیٰ میں ذبح کرتے ہیں) کو قلادہ پہنایا اور عمرہ کا احرام باندھا تاکہ لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ آپ صرف عمرہ کے لیے جا رہے ہیں، جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ جب آپ غدیر اشطاط پہنچے تو بنو خزاعہ کا ایک جاسوس آگے بھیج دیا تاکہ وہ قریش کے عزائم کی خبر لائے۔ جاسوس کا نام بسر بن سفیان تھا، لیکن جب آپ عسفان کے قریب پہنچے تو اس جاسوس نے آ کر خبر دی کہ میں کعب بن لوی (قبیلہ) کو اس حالت میں چھوڑ کر آ رہا ہوں کہ انہوں نے آپ سے مقابلہ کرنے کے لیے حلیف قبائل کو جمع کر رکھا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اکٹھے کر رکھے ہیں اور وہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ خالد بن ولید بطور مقدمۃ الجیش (ہراول دستہ) کے دو سو سواروں کو لے کر غمیم کے مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ (یہ مقام رسول اللہ ﷺ کے پڑاؤ سے آٹھ میل کی مسافت پر تھا۔) یہ اطلاع ملنے پر سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

"قریش پر افسوس، وہ جنگوں میں تباہ ہو گئے مگر پھر بھی عقل ٹھکانے نہیں آئی، اگر آج وہ

Marfat.com

مسلمانوں اور تمام عرب زائرین کو طواف اور زیارت کعبہ سے نہ روکتے تو ان کا کیا بگڑتا! اس صورت حال کے پیش نظر اگر وہ مجھ پر غالب آ گئے تو انہیں انتہائی مسرت ہو گی اور اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے ان پر غالب کر دیا تو وہ جوق در جوق اسلام قبول کر لیں گے، اگر انہوں نے جنگ شروع کر دی جس کی ان میں قوت ہے ہی کہ وہ گھروں سے اسی نیت سے نکلے ہیں اور مسلمان صرف طواف و زیارت کے لیے، مگر میرے متعلق وہ کس مغالطہ میں ہیں۔ خدا کی قسم، میں اسلام کو قائم رکھنے کے لیے ہمیشہ ہمیشہ جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کر دے یا دست اجل مجھ پر اپنا قبضہ کر لے"۔

آپ اس بارہ میں کچھ فکر مند تھے کیونکہ آپ جنگ کے لیے نہیں بلکہ عمرہ کے لیے آئے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا اور فرمایا: "کیا آپ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ جو لوگ قریش کی اعانت پر کمربستہ ہیں ہم ان کے اہل و عیال پر دھاوا بول دیں۔ اس کے بعد اگر وہ خاموش بیٹھتے ہیں تو اس حالت میں خاموش بیٹھتے ہیں کہ جنگ کی مار اور غم والم سے دوچار ہو چکے ہیں اور آتے ہیں تو وہ بھی اس حالت میں کہ اللہ تعالیٰ ان کی گردن توڑ چکا ہو گا۔ یا پھر آپ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ہم بیت اللہ کا رخ کریں اور جو جو بھی ہماری راہ میں حائل ہو، اس سے جنگ کریں؟"

سیدنا صدیق اکبرؓ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ "اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، لیکن ہم تو صرف عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں، کسی سے جنگ کرنے اور لڑنے نہیں آئے، البتہ جو ہمیں بیت اللہ جانے سے روکے گا اس سے ضرور جنگ کریں گے"۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا: تب چلو اور آپ نے سفر جاری رکھا، لیکن اپنا راستہ بدل دیا اور کراع الغمیم کی شاہراہ چھوڑ کر ایک پر پیچ راستہ اختیار کیا جو پہاڑی راستوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس راستہ کو اختیار کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ وادی غمیم کا وہ مرکزی راستہ جو تنعیم سے گزر کر حرم تک جاتا تھا اور جس پر خالد بن ولید اپنا دستہ لیے بیٹھے تھے، بائیں جانب رہ گیا۔ خالد کو جب مسلمانوں کے اس راستہ کی تبدیلی کا علم ہوا تو انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور فوری طور پر مکہ جا کر قریش کو اس نئی صورت حال سے آگاہ کیا اور ان سے نئی ہدایات لینی چاہیں۔

ادھر سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ جب آپ ثنیۃ المرار پہنچے تو آپ کی اونٹنی قصواء بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اس کو اٹھانے کی غرض سے "حل حل" کہا لیکن وہ نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا: "یا رسول اللہ! قصواء اڑ گئی"۔ آپ نے فرمایا: "قصوا کی اڑنے کی عادت نہیں بلکہ اس کو اس ہستی نے روک دیا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا"۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، قریش مجھ سے کسی بھی ایسی بات کا مطالبہ نہیں کریں گے جس میں شعائر اللہ کی تعظیم کر رہے ہوں لیکن میں ضرور اس کو تسلیم کروں گا"۔ اس کے بعد آپؐ نے اونٹنی کو اٹھنے کے لیے کہا تو وہ

Marfat.com

اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ پھر وہاں سے تھوڑا سا ہٹ کر اقصائے حدیبیہ میں ایک چشمہ پر قیام فرمایا۔

گرمی کا موسم تھا۔ پیاس کی شدت اور پانی کی قلت تھی۔ اس وجہ سے تھوڑا سا پانی کھینچنے سے پانی ختم ہوگیا۔ صحابہ کرامؓ نے بارگاہ رسالت میں پانی نہ ہونے کی شکایت کی۔ آپ نے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا کہ چشمہ میں گاڑ دیں۔ لوگوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ اسی وقت اس چشمے کے پانی نے اس قدر جوش مارا کہ سارا لشکر سیراب ہوگیا۔ (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۴۳)

حدیبیہ میں قیام کے بعد آپؐ نے خراش بن امیہ خزاعیؓ کو ایک اونٹ پر سوار کر کے قریش کے پاس مکہ بھیجا کہ انہیں بتا دیں کہ ہم جنگ کیلئے نہیں آئے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کیلئے آئے ہیں۔ اہلِ مکہ نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور ارادہ کیا کہ انہیں بھی قتل کر ڈالیں لیکن کچھ لوگوں نے منع کر دیا، چنانچہ سیدنا خراشؓ بمشکل جان بچا کر واپس آئے اور بارگاہ رسالت میں سارا واقعہ بیان کر دیا۔

قریش ایک عجیب تشویش میں مبتلا تھے وہ اس مخمصہ میں پڑ گئے کہ اگر مسلمانوں نے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں جان پر کھیل جانے کے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں رہے گا، لیکن پھر ان کے ذہنوں میں بدر و احد اور جنگ خندق کے تصورات بھی موجزن ہوتے کہ ہم ان جنگوں میں اتنی بھاری اکثریت کے باوجود مسلمانوں کو نیست و نابود نہیں کر سکے بلکہ حالت یہ ہوگئی ہے کہ اب یہ ہمارے شہر کے دروازے تک پہنچ گئے ہیں۔ اگر مسلمان اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے تو وہ پورے جزیرہ نما عرب میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ چنانچہ کافی سوچ اور فکر کے بعد انہوں نے یہی بات مناسب سمجھی کہ محمد ﷺ کے پاس ایسے دانشور اور غور و فکر رکھنے والے آدمیوں کو بھیجا جائے جو ایک طرف تو ان کی قوت کا جائزہ لیں اور دوسری طرف انہیں عمرہ کیے بغیر واپس جانے پر آمادہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے بدیل بن ورقہ خزاعی کو چند آدمیوں کے ساتھ آپؐ کی خدمتِ اقدس میں بات چیت کرنے کے لیے بھیجا۔

قبیلہ خزاعہ اگرچہ ابھی تک مشرف باسلام نہ ہوا تھا لیکن شروع ہی سے آپؐ کا حلیف اور خیر خواہ چلا آ رہا تھا۔ مشرکین مکہ آپؐ کے خلاف جو سازشیں کرتے، اس سے آپؐ کو مطلع کیا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ قبیلہ آپ کا رازدار بھی تھا۔ اس قبیلہ کا رئیس بدیل بن ورقاء اپنے قبیلہ بنو خزاعہ کے چند افراد کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بدیل نے کہا میں کعب بن لوی (قبیلہ قریش) کو دیکھ کر آ رہا ہوں کہ وہ حدیبیہ کے نواح میں پانی کے بڑے چشموں پر آپ کے مقابلہ کے لیے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر رہے ہیں تاکہ آپ کو کسی صورت مکہ میں داخل نہ ہونے دیں اور دودھ والی اونٹنیاں اور بچے ان کے ساتھ ہیں یعنی طویل قیام کا ارادہ ہے، کھاتے پیتے رہیں اور آپ کے مقابلہ میں ڈٹے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا مقصد بیان فرمایا کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے بلکہ ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے۔ قریش کو جنگوں نے نہایت کمزور کر دیا ہے اور انہیں تھکا کر رکھ دیا ہے، لہٰذا اگر وہ چاہیں تو ان کے لیے ایک

مدت صلح کی مقرر کردوں کہ اس مدت میں کوئی ایک دوسرے سے تعرض نہ کرے اور مجھ کو اور عرب کو چھوڑ دیں، اگر اللہ کے فضل سے میں غالب ہو گیا تو وہ چاہیں تو اس دین میں داخل ہو جائیں اور فی الحال وہ آرام کر لیں اور اگر بالفرض عرب غالب آ گئے تو تمہاری تمنا پوری ہو جائے گی، لیکن میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے اس دین کو غالب کر کے رہے گا اور اس دین کے غلبہ اور نصرت کا جو وعدہ اس نے کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اور اگر انہیں لڑائی کے سوا کچھ منظور نہیں تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں ضرور ان سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ میری گردن الگ ہو جائے یا جب تک اللہ تعالیٰ اپنا امر نافذ نہ کر دے۔

بدیل آپ کی یہ تمام باتیں سن کر قریش کے پاس گئے اور کہا: میں ان صاحب کے پاس سے آرہا ہوں۔ میں نے ان سے ایک بات سنی ہے اگر چاہو تو پیش کر دوں۔ اس پر ان کے احمقوں نے کہا کہ ہم ان کی کوئی بات سننا نہیں چاہتے، لیکن جو لوگ نشیب و فراز سے آشنا اور جہاں دیدہ تھے انہوں نے کہا! سنائیے، آپ نے کیا سنا ہے؟ بدیل نے حضور ﷺ کی پوری بات انہیں سنا دی۔ قریش نے بدیل کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔

اب قریش نے مکرز بن حفص کو بھیجا، اسے دیکھ کر سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: "یہ بد عہد آدمی ہے"۔ جب اس نے آپؐ سے گفتگو کی تو آپ نے اس کو بھی وہی بات کہی جو اس سے قبل بدیل بن ورقاء سے فرما چکے تھے۔ اس نے بھی واپس جا کر قریش کو پوری بات سے باخبر کر دیا۔

اب بنو کنانہ کے ایک شخص حلیس بن علقمہ نے کہا کہ مجھے ان کے پاس جانے دیں۔ میں ان سے بات کرتا ہوں۔ جب وہ آپ کے پاس آرہا تھا تو آپؐ نے اسے پہچان کر صحابہ کرام سے فرمایا یہ شخص فلاں ہے اور یہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے جو ہدی کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے، اس لیے تم لوگ ہدی کے جانوروں کو اس کے سامنے کھڑا کر دو۔ صحابہ کرامؓ نے جانوروں کو کھڑا کر دیا اور خود بھی لبیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اس شخص نے یہ کیفیت دیکھی تو آپ سے ملاقات کیے بغیر واپس چلا گیا اور کہنے لگا: "میں نے ہدی کے جانور دیکھے ہیں جن کے گلوں میں قلاوے ہیں اور جن کے کوہان چیرے ہوئے ہیں، لہٰذا انہیں روکنا مناسب نہیں۔ پہلے دو وفود کی طرح اس کی باتوں نے بھی قریش کو چراغ پا کر دیا اور انہوں نے غصہ میں کہا: "آخر تم بدو ہی نکلے۔ تم ان باتوں کو کیا سمجھو"۔ یہ سن کر حلیس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اس نے قریش سے کہا: "میں ان لوگوں کو کعبہ کی زیارت سے روکنے کے لیے تمہارا حلیف نہیں ہو سکتا"۔ اس نے یہ بھی کہا کہ "میرے قبیلے میں سے کوئی شخص محمد ﷺ کو طواف سے روکنے کے لیے حائل نہیں ہو گا"۔ حلیس کی اس دھمکی سے قریش کے بدن پر رعشہ طاری ہو گیا۔ اب انہوں نے منتیں کرنی شروع کر دیں کہ ہمیں آپ کی اس بات پر غور و فکر کر لینے دیجئے۔

اب قریش نے ایسا آدمی تجویز کرنے کا منصوبہ بنایا جو نہایت دانشور اور ذہین ہو۔ اس کے لیے ان کی نگاہ عروہ بن مسعود ثقفی پر پڑی۔ پہلے وفد کی ذلت عروہ کے سامنے ہی ہوئی تھی، اس لیے اس نے جانے سے انکار کر دیا، لیکن قریش کے اطمینان دلانے پر وہ آپؐ کی خدمت میں حدیبیہ چلا گیا اور آپ سے گفتگو شروع کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی وہی بات کہی جو اس سے قبل بدیل اور دوسرے دو حضرات سے کر چکے تھے۔ اس پر عروہ نے کہا:

"اے محمد ﷺ! فرمایئے، اگر آپ نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا تو آپ نے اس سے پہلے کسی عرب کے متعلق سنا کہ اس نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا ہو اور اگر دوسری صورت حال پیش آئی (یعنی قریش کو غلبہ ہوا) تو میں دیکھتا ہوں کہ یہ جو مختلف قوموں میں ملے جلے لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ اس وقت آپ کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے"۔

سیدنا صدیق اکبرؓ سرکارِ دوعالم ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے غصہ میں آ کر کہا: "جا، لات کی شرمگاہ چوس، ہم حضور ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟" عروہ نے کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: ابوبکرؓ ہیں۔ اس نے کہا: "خدا کی قسم، اگر ان کا مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا تو ان کی اس بات کا ضرور جواب دیتا"۔

اس کے بعد عروہ نے حضور ﷺ سے پھر گفتگو شروع کی۔ دوران گفتگو وہ آپ کی ریش مبارک کو ہاتھ لگا لگا کر بات کر رہا تھا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ ہاتھ میں تلوار لیے اور سر پر خود پہنے آپ کے پاس ہی کھڑے تھے۔ مغیرہ بن شعبہؓ عروہ بن مسعود ثقفی کے بھتیجے تھے۔ انہیں بارگاہ نبوی میں اپنے چچا کی یہ جرأت گوارا نہ ہوئی۔ وہ ہر مرتبہ تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے کہ اپنا ہاتھ حضور ﷺ کی داڑھی سے پرے رکھ۔ آخر عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور بولا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: مغیرہ بن شعبہ ہیں۔ (انہوں نے خود پہنا ہوا تھا اس لیے عروہ نہ پہچان سکا) اس پر عروہ نے کہا: او بد عہد! کیا میں تیری بد عہدی اور پیمان شکنی کے سلسلہ میں دوڑ دھوپ نہیں کر رہا ہوں۔ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ جاہلیت میں سیدنا مغیرہؓ کچھ لوگوں کے ساتھ مقوقش شاہ مصر کے پاس تھے۔ مقوقش نے مغیرہ کی بہ نسبت ان کے دوسرے ساتھیوں کو زیادہ انعامات دیئے، جس کا مغیرہ کو بہت رنج تھا۔ راستہ میں جب ایک مقام پر ٹھہرے تو انہوں نے ان کو سوتے میں قتل کر دیا اور ان کا مال لے کر بھاگ آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ عروہ نے ان تیرہ مقتولوں کی دیت ادا کر کے قصہ کو رفع دفع کیا۔

عروہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی عقیدت اور صدق و اخلاص کا ایسا منظر دیکھا جو اس سے قبل اس نے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ جب وہ واپس گیا تو اس نے اشارہ کر دیا کہ اگر جنگ ہوئی تو نتیجہ قریش کے حق میں نہ ہوگا۔ اس نے قریش سے کہا:

Marfat.com

"اے قوم! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، لیکن وہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی جو محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کو محمد (ﷺ) کے ساتھ ہے۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ وضو کرنے میں جو پانی گرتا ہے اس پر ان کے ساتھی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ بلغم یا لعاب دہن گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں میں لیتے ہیں اور چہروں اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں۔ جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو اس کی بجا آوری کے لیے سب دوڑ پڑتے ہیں اور انہوں نے تمہیں ایک اچھی تجویز پیش کی ہے لہٰذا اسے قبول کر لو"۔

ایک روایت میں ہے کہ عروہ نے یہ کہا: "اے میری قوم! میں نے بہت سے بادشاہوں کو دیکھا مگر محمد (ﷺ) جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ مجھے بادشاہ معلوم نہیں ہوتے"۔ گویا یہ اشارہ تھا کہ آپ نبی ہیں۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۱۹۲)

جب قریش کے جنگ باز نوجوانوں نے دیکھا کہ ان کے سربرآوردہ حضرات صلح کے حامی ہیں تو انہوں نے صلح میں رخنہ اندازی کا ایک پروگرام بنایا۔ وہ یہ کہ رات کو چپکے سے مسلمانوں کے کیمپ میں گھس کر ایک ایسا ہنگامہ برپا کر دیں کہ جنگ کی آگ بھڑک اٹھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس منصوبے پر عمل کرنے کی کوشش بھی کی اور رات کی تاریکی میں ستر یا اسی نوجوانوں نے جبل تنعیم سے اتر کر مسلمانوں کے کیمپ میں چپکے سے گھسنے کی کوشش کی لیکن مسلمان پہرہ داروں کے کمانڈار سیدنا محمد بن مسلمہؓ نے ان سب کو گرفتار کر لیا، حضور ﷺ نے ان سب کو معاف کرتے ہوئے رہا کر دیا۔ انہی کے بارہ میں قرآن نے یہ فرمایا:

"وہی ہے جس نے بطن مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دے چکا تھا"۔ (۴۸:۲۴)

قریش کی اس بد خلقی، جہالت اور اقدام جنگ کے باوجود رحمت عالم ﷺ کا جذبہ مصالحت غالب رہا اور جوابی کارروائی کے بجائے آپ نے ایک مرتبہ پھر صلح کی پیشکش فرمائی اور اس مقدس سفارت کے لیے پہلے سیدنا عمر بن الخطاب کو کہا گیا لیکن انہوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت کر دی کہ یا رسول اللہ! آپ کو پتہ ہے کہ اہلِ مکہ مجھ سے کس قدر برہم اور کس درجہ میرے دشمن ہیں۔ اگر مجھے اذیت دی گئی تو مکہ میں بنی کعب کا ایک شخص بھی ایسا نہیں جو میری حمایت میں بگڑ سکتا ہو۔ اس لیے اگر آپ میری بجائے عثمان بن عفانؓ کو بھیجیں تو بہتر ہو گا کیونکہ ان کا قبیلہ اور کنبہ مکہ میں ہے۔ وہ آپ کی سفارت صحیح طریقہ سے ادا کر سکیں گے۔ آپ کو سیدنا عمرؓ کی یہ رائے پسند آئی چنانچہ آپ نے سیدنا عثمانؓ کو بلا کر انہیں مکہ اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں، صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ انہیں اسلام کی دعوت

Marfat.com

بھی دیں۔ آپ ؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس جاکر انہیں فتح و نصرت کی خوشخبری بھی سنادیں اور انہیں بتلادیں کہ اللہ تعالیٰ اب اپنے اس دین برحق کو مکہ میں ظاہر و غالب کرنے والا ہے اور پھر کسی اہلِ ایمان کو یہاں روپوش ہونے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔

سیدنا عثمان ؓ کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ ان کے قبیلہ کے بڑے بڑے لوگ وہاں موجود تھے۔ خود ابو سفیان کا تعلق بھی بنو امیہ سے تھا۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کے سفیر کی حیثیت سے قریش مکہ کے پاس تشریف لے گئے۔ جب مقام بلدح میں قریش کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا میں رسول اللہ ﷺ کا یہ پیغام لے کر مکہ جارہا ہوں۔ قریش کے ان لوگوں نے کہا۔ آپ جائیے۔ ادھر سعید بن العاص نے اٹھ کر سیدنا عثمان ؓ کو خوش آمدید کہا اور اپنے گھوڑے پر زین کس کر آپ کو اپنے ساتھ بٹھا کر اور اپنی پناہ میں لے کر سربراہان قریش کے پاس مکہ لے گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے مکہ کے سرداروں کو حضور ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ جب آپ بات چیت سے فارغ ہو چکے تو قریش نے بیت اللہ کے طواف کی آپ کو پیشکش کی۔ مدینہ سے مکہ کا اتنا طویل سفر صرف طواف بیت اللہ کے لیے ہی کیا گیا تھا۔ سیدنا عثمان ؓ کو مقصود سفر حاصل ہو رہا تھا۔ لیکن آپ نے قریش کی وہ پیشکش فوراً ٹھکرادی اور یہ بات ہرگز گوارا نہ کی کہ رسول اللہ ﷺ کے بغیر طواف کعبہ کرلیں، چنانچہ قریش خاموش ہوگئے اور انہیں روک لیا گیا۔ روکنے سے ان کا مقصد شاید کچھ غور و فکر اور صلاح و مشورہ کر کے اس پیش آمدہ صورت حال اور آپ کی صلح کی پیشکش کا کوئی مثبت جواب دے کر واپس کرنا تھا لیکن ادھر حدیبیہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ سیدنا عثمان ؓ کو شہید کردیا گیا ہے۔

بیعت رضوان

سیدنا عثمان ؓ کے دیر تک مکہ میں رکے رہنے کی وجہ سے جب یہ افواہ پھیل گئی کہ قریش نے انہیں شہید کردیا ہے تو آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ جب تک میں قریش سے اس قتل کا بدلہ نہیں لے لوں گا یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ پھر آپ نے وہاں ایک کیکر کے درخت کے نیچے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک اس قتل کا بدلہ نہ لے لیں، میدان چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے۔ سب سے پہلے سیدنا ابو سنان اسدی ؓ نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ سیدنا سلمہ بن اکوع ؓ نے جو مشہور بہادر اور ماہر تیرانداز تھے، تین مرتبہ بیعت کی۔ یعنی ابتداء میں بھی، درمیان میں بھی اور آخر میں بھی۔ جب سب صحابہ کرام ؓ بیعت کر چکے تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے خود اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں پر رکھا اور فرمایا یہ بیعت عثمان ؓ کی جانب سے ہے۔ یعنی بایاں ہاتھ عثمان ؓ کی طرف سے تھا اور دایاں ہاتھ رسول اللہ ﷺ کا۔ اس واقعہ کے

Marfat.com

بعد سیدنا عثمانؓ اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ ﷺ کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔(زرقانی جلد ۲ ص ۲۰۶، ۲۰۸)

اس بیعت کو قرآن حکیم نے بیعت رضوان کا نام دیا ہے کیونکہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام صحابہ کرامؓ کو اپنی رضا کی سند عطا فرمائی۔ جنہوں نے اس موقع پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر سورۃ الفتح میں فرمایا گیا ہے:

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرہ۔(۴۸ : ۱۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ایمان والوں سے جبکہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے"۔

قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو وہ خوفزدہ ہو گئے اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے فوری طور پر صلح کے لیے خود تگ و دو شروع کر دی۔(فتح الباری جلد ۷ ص ۳۴۵)، چنانچہ اب کی بار انہوں نے سہیل بن عمرو کو صلح کرنے کے لیے بھیجا۔ سہیل بن عمرو ذاتی طور پر ایک اچھے اور شریف آدمی تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں آتے دیکھ کر صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

قد سھل لکم من امرکم

"یعنی اب تمہارا کام تھوڑا سا سہل اور آسان ہو گیا ہے"۔

چونکہ قریش کے سفیر کا نام سہیل تھا جو سہل کا اسم تصغیر ہے اور "من" بھی تبعیض کے لیے آتا ہے، لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا آسان تو نہیں البتہ تھوڑا سا آسان ہو گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو زرقانی جلد ۲ ص ۱۹۴)

آپ سہیل کی شخصیت سے آشنا تھے اور اس کی ذاتی شرافت اور دانشمندی سے بھی واقف تھے، اس سے بھی آپ نے اندازہ لگا لیا کہ قریش اب صلح چاہتے ہیں تبھی انہوں نے اس شخص کو بھیجا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ سہیل کو بھیجتے وقت قریش نے انہیں تاکید کی تھی کہ صلح میں یہ بات ضرور طے کی جائے کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عرب یہ کہیں کہ آپؐ ہمارے شہر میں جبراً داخل ہو گئے ہیں۔ اس سے ہماری پورے عرب میں رہی سہی عزت و آبرو بھی چلی جائے گی۔ سہیل بن عمرو نے قریش کی دی گئی ہدایات کے مطابق دیر تک آپ سے گفتگو کی۔ بالآخر فریقین میں صلح کی مندرجہ ذیل شرائط طے ہوئیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ اس سال عمرہ نہ کریں بلکہ واپس چلے جائیں۔ اگلے سال یہ مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ ان کے پاس میانوں میں بند تلواریں ہوں گی اور قریش ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کریں گے۔

۲- فریقین دس سال تک جنگ نہیں کریں گے۔اس عرصہ میں لوگ بالکل مامون رہیں گے۔

۳- جو محمد ﷺ کے معاہدہ میں داخل ہونا چاہے داخل ہونے کی پوری پوری اجازت ہوگی اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے، داخل ہو سکے گا۔ جو قبیلہ جس فریق کا حلیف ہونا چاہے گا وہ اس فریق کا ایک جزو سمجھا جائے گا لہٰذا ایسے کسی قبیلہ پر زیادتی خود اس فریق پر زیادتی ہوگی۔

۴- قریش کا جو شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس جائے گا، محمد ﷺ اسے واپس کر دیں گے، لیکن مسلمانوں میں سے جو شخص بھاگ کر پناہ کی خاطر قریش کے پاس آئے گا اسے واپس کرنے کے وہ پابند نہیں ہوں گے۔

یہ معاہدہ جو طے ہوا وہ اس بیعت رضوان کی وجہ سے ہوا ورنہ اس سے قبل تو قریش کسی بھی صورت میں محمد ﷺ سے مصالحت کرنے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ قریش کے جس سفیر نے بھی صلح کی بات کی انہوں نے اس کا مذاق بھی اڑایا اور اس کی توہین بھی کی۔ بیعت رضوان نے قریش کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے اور انہوں نے بدر و احد اور جنگ خندق میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان وہ لوگ ہیں جو قتل فی سبیل اللہ کو ابدی حیات، جان حزین کی قربانی کو معراج ایمان اور سید الانبیاء ﷺ کے قدموں میں مرگ ناگہاں کو سعادت عظمیٰ یقین کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر زخمی ہو کر گرتے ہیں تو آہ و فغان کے بجائے ان کی زبان بے ساختہ پکار اٹھتی ہے "فزت ورب الکعبہ" (رب کعبہ کی قسم، میں کامیاب ہو گیا۔)

پھر یہ بیعت بھی آپ نے اپنی مرضی سے نہیں لی بلکہ اللہ کے حکم سے لی۔ چنانچہ سیدنا سلمہ ابن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ دوپہر کا وقت تھا۔ ہم آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے تھے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے منادی نے اعلان کیا: "ایھا الناس البیعہ، نزل روح القدس" (لوگو! آؤ بیعت کرو۔ روح القدس نازل ہوئے ہیں) چنانچہ ہم جلدی سے اٹھے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ اس وقت ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔

معاہدہ کی شرائط جب طے ہو گئیں تو آپ نے سیدنا علیؓ کو بلایا اور معاہدہ املا کرایا۔ آپ نے سب سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھنے کا حکم فرمایا۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق سرنامہ پر "باسمک اللھم" لکھا کرتے تھے۔ سہیل نے کہا: ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے؟ آپ پرانے دستور کے مطابق "باسمک اللھم" لکھیں۔ آپ نے سیدنا علیؓ کو فرمایا کہ یہی لکھو۔ اس کے بعد آپ نے یہ لکھوایا: "یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی۔ سہیل نے اس پر بھی نقطہ اعتراض اٹھایا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول جانتے تو پھر ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ جنگ کرتے، لہٰذا آپ "محمد ابن عبداللہ" املا کرائیے۔ آپ نے فرمایا: "خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ میری

Marfat.com

تکذیب کرو"۔ چنانچہ آپ نے سیدنا علیؓ سے فرمایا کہ "رسول اللہ" کا لفظ کاٹ کر "ابن عبداللہ" لکھ دیں لیکن سیدنا علیؓ نے اس کا مٹانا گوارا نہ کیا۔ آپ نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس کے بعد پوری دستاویز کی تکمیل ہو چکی تو بنو خزاعہ آپؐ کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے یہ لوگ دراصل خواجہ عبدالمطلب کے زمانہ سے بنو ہاشم کے حلیف تھے۔ دوسری طرف بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے۔

دستاویز ابھی لکھی جا رہی تھی کہ سہیل کے بیٹے ابو جندلؓ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے مکہ کی قید سے نکل کر یہاں آ پہنچے۔ یہ پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اور کفارِ مکہ ان کو پابجولاں کر کے اور قید و بند کی صعوبتیں دے کر طرح طرح کی ایذائیں پہنچا رہے تھے، انہوں نے یہاں پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ سہیل نے کہا یہ پہلا شخص ہے جو عہد نامہ کے مطابق واپس ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تو نوشتہ صلح پورا لکھا بھی نہیں گیا یعنی لکھے جانے اور پھر فریقین کے اس پر دستخط ہو جانے کے بعد اس پر عمل شروع ہونا چاہیے، لیکن سہیل کا ایک ہی جواب تھا کہ پھر میں کسی بات پر صلح کا کوئی معاملہ ہی نہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے سہیل سے کہا کہ اچھا تو تم اس کو میری خاطر یہاں چھوڑ دو، لیکن وہ نہ مانا۔ پھر سہیل نے ابو جندلؓ کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ مارا اور اس کے کرتے کا گلا پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔ ابو جندلؓ زور زور سے چلا کر کہنے لگا، کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ میرے دین کے متعلق مجھے فتنے میں ڈالیں؟ آپؐ نے اسے صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔ ہم نے قریش کے ساتھ ایک عہد نامہ کر لیا ہے اس لیے بدعہدی نہیں کر سکتے اس کے بعد سیدنا عمرؓ اچھل کر ابو جندلؓ کے پاس پہنچے۔ وہ ان کے ساتھ چلتے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: ابو جندلؓ! صبر کرو یہ لوگ مشرک ہیں۔ ان کا خون تو بس کتے کا خون ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی تلوار کا دستہ ان کے قریب کرتے جا رہے تھے۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں یہ اس لیے کر رہا تھا کہ مجھے امید تھی کہ ابو جندلؓ تلوار لے کر اپنے باپ سہیل کا سر اڑا دیں گے لیکن انہوں نے اپنے باپ کے بارہ میں بخل سے کام لیا۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ نے ابو جندلؓ کو سہیل کے حوالے کر دیا۔

الغرض یہ معاہدہ مکمل ہو گیا اور گواہان اور فریقین کے دستخط ہو گئے۔ مسلمانوں کی طرف سے سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا علیؓ کاتب عہد نامہ، سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ، سیدنا سعد ابی وقاصؓ، سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور سیدنا محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے بطور گواہان دستخط کیے جبکہ مشرکین کی طرف سے بھی کئی لوگوں نے دستخط کیے جن میں حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص کے نام کتابوں میں درج ہیں۔ صلح نامہ کی ایک کاپی آپ کے پاس رہی اور دوسری کاپی سہیل بن عمرو کے پاس رہی۔

(طبقات جلد ۲ ص ۷۱)

Marfat.com

صحابہ کرامؓ کو ابو جندلؓ کی واپسی بہت شاق گزری۔ انہیں معاہدہ کی شرائط کے تحت واپس کیا گیا تھا' لہٰذا اس معاہدہ کی شرائط بھی وہ اپنے لیے ذلت سمجھتے تھے۔ سیدنا عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کہا: "یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟" آپ نے فرمایا: "کیوں نہیں؟" پھر عرض کیا: "کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟" آپؐ نے فرمایا: "بے شک"۔ سیدنا عمرؓ نے عرض کیا: "پھر ہم یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟" آپ نے فرمایا: "میں اللہ کا برحق نبی ہوں۔ اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اور وہ میرا معین و مددگار ہے"۔ سیدنا عمرؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہ! کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے؟" آپؐ نے جواب دیا "میں نے کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے"۔

سیدنا عمرؓ کی پریشانی دور نہ ہوئی۔ وہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے پاس گئے ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ سیدنا ابو بکرؓ نے بھی وہی جوابات دیئے جو حضور ﷺ نے دیئے تھے۔ سیدنا عمرؓ کا بیان ہے کہ میں بعد میں اپنی اس گستاخی پر سخت نادم ہوا اور اس کے کفارہ میں بہت نمازیں پڑھیں' روزے رکھے' بہت سے غلام آزاد کیے اور بہت سا صدقہ و خیرات کیا۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کے لیے فرمایا' لیکن صحابہ کرامؓ ان شرائط صلح سے اس قدر شکستہ خاطر تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے تین بار فرمانے کے بعد بھی کوئی مسلمان نہ اٹھا۔ آپ نے صحابہؓ کی اس کیفیت کو دیکھا تو ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور صحابہ کے اس پیش آمدہ طرزِ عمل کا ذکر کیا۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ نے کہا: "یا رسول اللہ! یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری ہے جس کی وجہ سے وہ افسردہ اور شکستہ خاطر ہیں' اس لیے تعمیل ارشاد نہیں کر سکے۔ آپ باہر ان کے پاس تشریف لے جائیں اور کسی کو کچھ کہے بغیر چپ چاپ اپنا جانور ذبح فرما دیجئے اور اپنے حجام کو بلا کر سر منڈا لیجئے۔ یہ خود بخود آپ کی اتباع کریں گے"۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنی قربانی کا جانور ذبح کر دیا اور حجام کو بلا کر سر منڈا لیا۔ جب لوگوں نے حضور ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا تو فوراً اٹھ کر اپنے اپنے جانور ذبح کر دیئے اور اس کے بعد باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ روایت میں ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرطِ غم کے باعث ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔ اس موقع پر اونٹ اور گائے سات سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے گئے۔ آپ نے وہ اونٹ ذبح کیا جو کسی زمانے میں ابو جہل کے پاس تھا۔ اس کی ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا۔ شاید اس سے مشرکین کو جلانا مقصود تھا۔ پھر آپؐ نے سر منڈانے والوں کے لیے تین بار مغفرت کی دعا کی اور قصر کرانے والوں کے لیے ایک بار۔ اس روز آپ کا حجام خراش بن امیہ بن فضل خزاعیؓ تھا۔

Marfat.com

امام شافعی فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حل میں ہے اور کچھ حرم میں۔ امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ آپ کا قیام تو حل میں تھا لیکن نمازیں آپ حدود حرم میں آکر پڑھتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک لاکھ نمازوں کا ثواب مسجد حرام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ حدود حرم میں جہاں بھی نماز ادا کی جائے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا۔ (زادالمعاد جلد ۲ ص ۱۲۸)

حدیبیہ میں دو ہفتے قیام کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ جب مدینہ اور مکہ کے درمیان پہنچے تو سورہ فتح نازل ہوئی۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کو اکٹھا کر کے سورہ فتح "انا فتحنا لک فتحا مبینا" سنائی۔ صحابہ اس صلح کو اپنی شکست سمجھے ہوئے تھے اس لیے افسردہ دل اور شکستہ خاطر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح مبین فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے ازراہ تعجب آپ سے دریافت کیا، کیا یہ فتح مبین ہے؟ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔

(فتح الباری جلد ۵ ص ۲۴۵-۲۵۶، زرقانی جلد ۲ ص ۲۱۰، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۷۰، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۶۰-۱۷۳، بخاری جلد ۱ ص ۳۷۸-۳۸۱، جلد ۲ ص ۵۹۸-۶۰۰، مسلم جلد ۲ ص ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، زادالمعاد جلد ۲ ص ۱۲۲-۱۲۷، ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۰۸-۳۲۲)

معاہدہ حدیبیہ کے اثرات

اس معاہدے کے اثرات اور نتائج بڑے خوشگوار ثابت ہوئے۔ بظاہر یہ معاہدہ دشمن کے سامنے جھک جانا تھا جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے سمجھا اور اسی وجہ سے وہ شکستہ خاطر اور مغموم تھے، لیکن فراست نبوی جو کچھ سمجھ رہی تھی اور رسالت کی دور رس نگاہیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں وہ سوائے ابوبکر صدیقؓ مزاج شناس نبوت کے اور کوئی نہیں سمجھ رہا تھا۔ اسی وجہ سے سیدنا عمرؓ کو انہوں نے وہی جواب دیا تھا جو خود نبوت نے دیا تھا۔ اس سے مقام صدیقیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ معاہدہ دراصل اپنے آپ کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے وقفہ حاصل کرنا تھا۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے قریش کے تمام مطالبات تسلیم کر کے ان سے صرف ایک یقین دہانی لے لی وہ یہ کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔ اب تک یہ تھا کہ مسلسل حالت جنگ کی وجہ سے دعوت و تبلیغ کا کام مکمل طور پر رکا ہوا تھا، جونہی آپ حدیبیہ سے لوٹے فوراً دعوت و تبلیغ کا کام عرب اور اطراف عرب میں تیزی سے شروع کر دیا۔ ابتدائی زمین پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ اب صرف تخم ریزی کی ضرورت تھی۔ پرامن حالات نے جو موقع دیا اس میں دعوت کا کام تیزی سے پھیلنے لگا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسلام کے حلقہ میں آنے شروع ہو گئے۔ عرب قبائل ایک کے بعد ایک اسلام میں داخل ہونے لگے۔ عرب کے باہر

Marfat.com

دوسرے ملکوں میں اسلام کی دعوت پھیلائی جانے لگی۔ کفارِ مکہ کی طرف سے مامون ہو کر آپ نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کو خطوط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی۔ خیبر کے یہودیوں کے خلاف کارروائی کی اور ان کا خاتمہ کر دیا۔ قرآن حکیم نے بھی یہ واضح کیا ہے کہ "عصمت من الناس" کا راز دعوت میں چھپا ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک، وان لم تفعل فما بلغت رسالتک، واللہ یعصمک من الناس۔

"اے رسول! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنا حق رسالت ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ و مامون رکھے گا۔"

اسلام کی تاریخ بھی بتاتی ہے کہ جب بھی اہلِ ایمان کے لیے دوسروں سے عدم تحفظ کا خطرہ ہو یا مغلوبیت کا سوال پیدا ہو تو ان کو دعوت الی اللہ کے کام کی طرف دوڑنا چاہیے۔ اس کام میں لگنے سے خدا کا قانون ان کے حق میں متحرک ہو گا اور وہ غیر معمولی اسباب پیدا ہوں گے جو بالآخر ان کے لیے نجات اور کامیابی کا زینہ بن جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ہر ممکن قیمت دے کر جنگ و جدال کا ماحول ختم کیا اور پر امن حالات میں دعوتی عمل جاری کیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو سال کی قلیل مدت میں مسلمانوں کی تعداد چار گنا سے بھی زیادہ ہو گئی۔ دعوتی سرگرمیوں کے ساتھ داخلی استحکام اور تیاری کا کام بہت بڑے پیمانے پر ہونے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح کے صرف دو سال بعد اسلام اتنا طاقتور ہو گیا کہ قریش نے لڑے بھڑے بغیر ہتھیار ڈال دیئے۔ جس مکہ سے توہین آمیز پالیسی پر اپنے کو راضی کر لیا گیا تھا اسی مکہ میں اس واپسی سے فاتحانہ داخلہ کا راستہ نکل آیا۔

اس معاہدہ کی وجہ سے فریقین کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات اور ربط کی وجہ سے مشرکین مدینہ میں آتے اور کئی کئی روز تک قیام کرتے، مسلمانوں سے ملتے جلتے اور مسلمانوں کے اخلاق، اخلاص اور نیکوکاری سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے اور اس وجہ سے ان کے دل اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے۔ چنانچہ اس عرصہ میں کئی صنادید قریش اسلام میں داخل ہوئے جو اس سے قبل لڑائیوں سے داخل نہ ہو سکے تھے۔

مختصر یہ کہ اس صلح نے مشرکین مکہ اور دوسرے قبائل پر گہرے اثرات چھوڑے اور وہ نہایت تیزی کے ساتھ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ اس وجہ سے معاہدہ صلح کا واقعہ ایک فتح مبین تھی۔

اس صلح کی ایک دفعہ جو مسلمانوں پر بہت شاق گزری تھی کہ قریش کا جو آدمی بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آئے گا مسلمان اسے واپس کر دیں گے، لیکن مسلمانوں میں سے جو شخص پناہ کی غرض سے بھاگ

Marfat.com

کر قریش کے پاس آئے گا، قریش اسے واپس نہ کریں گے۔ یہ شق بھی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ نہ ہوئی بلکہ بہت مفید ثابت ہوئی۔ کیونکہ کوئی مسلمان مدینہ منورہ سے مسلمان رہتے ہوئے بھاگ نہیں سکتا کیونکہ مدینہ تو اس کا مرکز ایمان ہے اور مومن ہوتے ہوئے کوئی شخص بھی مرکز ایمان سے بھاگنے کی کبھی سوچے گا بھی نہیں، وہ صرف مرتد ہو کر بھاگے گا اور اگر وہ مرتد ہو جائے تو مسلمان معاشرہ کو اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

انہ من ذھب منا الیھم فابعدہ اللہ۔

"بے شک جو ہمیں چھوڑ کر مشرکین کی طرف بھاگا اللہ نے اسے دور کر دیا یعنی تباہ و برباد کر دیا"۔ (مسلم جلد ۲ ص ۱۰۵)

اور جو لوگ مسلمان ہوتے وقت مکہ میں کفار کی ایذائیں سہہ رہے تھے جیسے ابو جندلؓ وغیرہ تو اگرچہ ان کے لیے اس معاہدہ کی رو سے مدینہ میں پناہ گزین ہونے کی کوئی گنجائش نہ تھی، لیکن اللہ کی زمین تو ان کے لیے کشادہ تھی۔ وہ اور کہیں جا کر پناہ حاصل کر سکتے تھے، اور مسلمان جہاں بھی جائے گا اپنے ایمان کے نور کو ضرور پھیلائے گا۔ چنانچہ اس بات کو حضور ﷺ نے ان الفاظ میں واضح فرمایا:

"ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ضرور کوئی نہ کوئی کشادگی اور مخرج نکال دے گا"۔ (مسلم جلد ۲ ص ۱۰۵)

چنانچہ ہوا بھی یہی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب واپس مدینہ تشریف لے گئے تو ایک شخص ابو بصیرؓ مشرکین مکہ کی قید سے بھاگ کر مدینہ پناہ حاصل کرنے کے لیے پہنچے۔ قریش کے دو آدمی ان کے پیچھے فوراً مدینہ پہنچے اور حضور ﷺ سے ان کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ معاہدہ کی رو سے آپؐ نے ابو بصیر کو ان دونوں آدمیوں کے حوالہ کر دیا اور ابو بصیر سے فرمایا کہ میں معاہدہ کے خلاف نہیں کر سکتا، لہٰذا بہتر ہے کہ تم ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ ابو بصیرؓ نے ابو جندلؓ کی طرح آپ کے حضور میں واپس جانے پر آہ و زاری کی کہ آپ مجھے ان مشرکین کی طرف واپس کر رہے ہیں جو مجھ کو میرے دین اسلام سے پھیرنا چاہتے ہیں اور طرح طرح سے مجھ کو ایذائیں دیتے ہیں۔ آپ نے ابو بصیرؓ کو تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی اور یہ بھی فرمایا:

"امید رکھو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری کشادگی اور نجات کی صورت پیدا فرما دے گا"۔ ابو بصیرؓ بادل نخواستہ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ واپس ہو لیے۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے اور جو کھجوریں ان کے پاس تھیں وہ کھانے لگے تو ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا کہ اے فلاں! میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری یہ تلوار کیسی عمدہ ہے؟ اس نے تلوار کو نیام سے نکال کر کہا: ہاں ہاں، واللہ واقعی بہت عمدہ ہے میں نے بارہا اس کو آزمایا ہے۔ ابو بصیرؓ نے کہا: ذرا مجھے دکھلاؤ تو، میں بھی تو دیکھوں کیسی ہے؟ اس احمق نے ابو بصیرؓ کو تلوار دے دی۔ جونہی ابو بصیرؓ نے تلوار پکڑی فوراً ایک ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا شخص

Marfat.com

بھاگ کر فوراً مدینہ آیا اور دوڑتا ہوا مسجد نبوی میں گھس گیا اور ہانپتا کانپتا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: خدا کی قسم! میرا ساتھی قتل کر دیا گیا اور میں بھی قتل کر دیا جانے والا ہوں۔

اتنے میں ابو بصیرؓ بھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے آپ کا عہد پورا کر دیا۔ آپ نے بھی مجھے ان کی طرف لوٹا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی۔ آپؐ نے فرمایا: اس کی ماں کی بربادی ہو، اسے اگر کوئی ساتھی مل جائے تو یہ تو جنگ کی آگ بھڑکا دے گا۔ آپ کے اس ارشاد سے ابو بصیرؓ سمجھ گئے کہ اگر میں یہاں رہا تو آپ پھر مجھے مشرکین کے حوالہ کر دیں گے، اس لیے وہ مدینہ طیبہ سے نکل کر ساحل سمندر پر آ کر قیام پذیر ہو گئے اور اس شاہراہ پر مقیم ہوئے جہاں سے قریش کے کاروانِ تجارت شام کو آتے جاتے تھے۔ مکہ کے بے بس مسلمانوں کو جب ابو بصیرؓ کے یہاں قیام کا پتہ چلا تو وہ بھی راتوں کی تاریکی میں چھپ چھپ کر ابو بصیرؓ کے پاس پہنچ گئے۔ ابو جندلؓ بن سہیل بن عمرو بھی کسی طریقہ سے مکہ سے چھوٹ کر یہاں آ گئے۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق ستر آدمیوں کی ایک جماعت (اور امام سہیلی کے مطابق تین سو آدمی۔ ملاحظہ ہو زرقانی جلد ۲ ص ۲۰۳) یہاں جمع ہو گئے۔ اب ان لوگوں نے قریش کے شام آنے جانے والے ہر قافلہ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنی شروع کر دی۔ قافلہ والوں کو مار کر ان کا مال ضبط کر لیتے۔ یہاں تک کہ قریش کے تجارتی قافلوں کا وہاں سے گزرنا مشکل ہو گیا۔ قریش نے تنگ آ کر کچھ آدمی آپ کی خدمت اقدس میں بھیجے کہ ہم آپ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے التماس کرتے ہیں کہ آپ ان لوگوں کو اپنے پاس مدینہ بلا لیں۔ اب جو بھی آپ کے پاس جائے گا ہم اس کو ہرگز واپس نہیں لیں گے۔ گویا معاہدہ کی اس شق کو خود انہوں نے منسوخ کر دیا۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک والا نامہ ابو بصیرؓ کے نام ارسال فرمایا اور اسے اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ چلے آنے کو کہا۔ یہ والا نامہ ابو بصیرؓ کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ اس دنیا سے آخرت کو انتقال فرما رہے تھے۔ امام سہیلیؒ نے لکھا کہ جب آپؐ کا والا نامہ ابو بصیرؓ کے پاس پہنچا تو وہ پڑھتے جاتے تھے اور خوش ہوتے جاتے تھے یہاں تک کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور والا نامہ ان کے سینہ پر تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہاتھ میں تھا۔

(روض الانف ج ۲ ص ۲۳۳، عیون الاثر ج ۲ ص ۱۷۸-۱۸۰، سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۳۲۳-۳۲۴)

سیدنا ابو جندل رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین کی اور انہیں اس جگہ دفن کر دیا اور اس کے قریب ایک مسجد تعمیر کر دی۔ پھر وہ سب آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے کشادگی پیدا فرما دی جو مکہ سے قریش کی سزاؤں کی وجہ سے بھاگ کر مدینہ آنا چاہتے تھے۔ لیکن معاہدہ کی رو سے مدینہ میں انہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی۔

Marfat.com

معاہدہ کے بعد کچھ مسلمان عورتیں بھی بھاگ کر مدینہ پناہ لینے کے لیے آئیں۔ قریش نے معاہدہ کی رو سے انہیں بھی واپس مانگا، لیکن آپؐ نے ان کے اس مطالبہ کو اس دلیل کے ساتھ مسترد کر دیا کہ اس دفعہ میں لفظ "رجل" لکھا ہوا ہے جس کے معنی "مرد" ہے۔ یہ لفظ عورتوں کو شامل نہیں کرتا ہے لہٰذا یہ واپس نہیں جاسکتیں۔ اس دلیل پر قریش کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس بارہ میں آیات نازل فرمادیں جن میں ان کو واپس کرنے پر منع کر دیا گیا۔ (۶۰:۱۰،۱۲)

معاہدۂ حدیبیہ کے بعد

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کے بعد دعوت و تبلیغ کا دور شروع ہوا۔ آج تک جتنی بڑی بڑی لڑائیاں مسلمانوں نے لڑیں وہ قریش کے ساتھ تھیں۔ جیسے بدر، احد اور خندق کی جنگیں۔ قریش کے ساتھ اب دس سال کے لیے امن کا سمجھوتہ ہو گیا۔ جس سے یہود اور بنو غطفان دونوں کو سخت نقصان ہوا کہ انہیں اپنی شرانگیزیوں اور دسیسہ کاریوں اور فتنہ کی آگ بھڑکانے میں مشکل پیش آنے لگی اور ان کا ایک مضبوط بازو ان سے الگ ہو گیا۔ اس وجہ سے آپؐ نے اپنی زیادہ تر توجہ اسلام کی دعوت پھیلانے میں صرف کی، چنانچہ معاہدہ حدیبیہ کے بعد آپؐ نے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھے جن میں انہیں اللہ کی توحید اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس دعوت کے بھی بڑے اچھے اثرات مرتب ہوئے اور اسلام کا پیغام مختلف ملکوں میں پھیل گیا۔ کچھ لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا لیکن جنہوں نے قبول نہ کیا وہ بھی اس دعوت کے پیغام سے آشنا اور باخبر ہو گئے کہ اسلام کہتا کیا ہے۔

Marfat.com

بادشاہانِ عالم اور امراء کے نام خط

اسلام کی دعوت اس سے پہلے ہی جزیرہ نماعرب میں پھیل چکی تھی اور لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس سے آشنا ہو چکی تھی اور اس پر لبیک کہہ چکی تھی۔ اب سنہ ٦ھ کے اخیر میں آپ نے حدیبیہ سے واپسی پر مختلف بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط لکھ کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ جب آپ نے انہیں خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کو کہا گیا کہ سربراہانِ مملکت بغیر مہر کے کسی خط کو قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے آپؐ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر "محمد رسول اللہ" اس طرح لکھا ہوا تھا کہ محمد ایک سطر میں، رسول دوسری سطر میں اور اللہ تیسری سطر میں۔ جس کی شکل یہ تھی:

(بخاری جلد ۲ ص ۸۷۲)

عرب کی ایک چھوٹی سی ریاست مدینہ کی طرف سے دنیا کی سپر طاقتوں اور بادشاہوں کو دعوتِ اسلامی کے خطوط لکھنا جہاں ایک جرأت مندانہ اقدام ہے وہاں ایک حیرت افزا معاملہ بھی ہے۔ کیونکہ ان خطوط سے اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ مبادا ایسی دعوت کی پاداش میں آپ کے ساتھ تمام عرب کو ان بادشاہوں اور سپر طاقتوں میں سے کسی کی رعایا ہو کر رہنا پڑے۔ مطلب یہ کہ ان بادشاہوں کی شوکت اور دبدبہ کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے انہیں دین حق کی دعوت دینے میں کوئی تامل نہ فرمایا۔ ایک روز آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

Marfat.com

"اے صحابہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لیے باعثِ رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ بھی عیسیٰ ابن مریم کے حواریوں کی طرح میری نافرمانی پر اتر آؤ۔"

صحابہ کرامؓ نے عرض کی: اے رسالت پناہ! سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کن معنوں میں ان کے خلاف ہو گئے؟ آپ نے فرمایا:

"ابن مریم نے اپنے حواریوں کے ذریعہ یہی پیغام بادشاہوں کو پہنچانا چاہا۔ ان میں سے جس کو کسی نزدیک کے بادشاہ کے پاس بھیجا اس نے تو خوشی سے تعمیل کر لی لیکن دور بھیجے جانے والوں میں سے بعض کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے اس طرح یہ لوگ اپنے فرائض کی بجا آوری میں پورا نہ اتر سکے۔"

پھر فرمایا: "میں تم لوگوں کو اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے بادشاہوں اور امراء کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ صحابہ کرامؓ نے نہایت خندہ پیشانی سے اس مقصد کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔

جن صحابہ کرامؓ کو آپ نے مختلف سربراہان مملکت کی طرف بھیجا ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) سیدنا دحیہ بن خلیفہ کلبی	ہرقل شاہ روم
(۲) سیدنا عبداللہ بن حذافہؓ	کسریٰ ایران (خسرو پرویز)
(۳) سیدنا عمرو بن امیہ ضمریؓ	نجاشی شاہ حبشہ (اصحمہ)
(۴) سیدنا حاطب بن ابی بلتعہؓ	مقوقش شاہ مصر واسکندریہ
(۵) سیدنا عمرو بن العاصؓ	شاہان عمان
(۶) سیدنا سلیط بن عمروؓ	رئیس یمامہ (ہوذہ)
(۷) سیدنا علاء بن حضرمیؓ	رئیس بحرین (منذر بن ساوی)
(۸) سیدنا شجاع بن وہب اسدیؓ	رئیس غسان (حارث بن ابی شمر)
(۹) سیدنا مہاجر بن اُمیہ مخزومیؓ	رئیس یمن (حارث حمیری)

ان سفیرانِ رسالت مآب ﷺ کے بارہ میں روانگی کے متعلق دو روایات ہیں۔ ایک یہ کہ سب بیک وقت مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے اور دوسری روایت یہ ہے کہ مختلف اوقات میں خط لے کر روانہ ہوئے۔

ان تمام خطوط کا مضمون قریباً ایک جیسا ہی تھا۔ الفاظ کا معمولی فرق تھا۔ توحید خداوندی اور رسالتِ محمدی کی دعوت ان تمام خطوط کا مشترکہ مضمون تھا۔ ان میں سے ایک خط نمونہ کے طور پر یہ ہے جو آپ نے ہرقل قیصر روم کی جانب روانہ فرمایا۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی جانب سے ہرقل عظیم روم کی طرف

اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ تم اسلام لاؤ، سلامتی پاجاؤ گے۔ اسلام لاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر تمہاری رعایا کا بھی گناہ ہوگا۔ اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ کے سوا ہمارا بعض، بعض کو اپنا رب نہ بنائے۔ پس اگر لوگ اعراض برتیں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔

(بخاری مع فتح الباری جلد ا ص ۳۱، ص ۳۵ وغیرہ)

کیا رسول اللہ ﷺ کا اپنے ہم عصر سربراہان مملکت اور رئیسان سلطنت کی طرف اسلام کی دعوت تعجب انگیز اور حیرت زا امر نہیں اور اس سے بھی زیادہ یہ امر حیرت افزا نہیں ہے کہ اس دعوت کے بعد صرف تیس سال کی مدت کے اندر یہ تمام ممالک بھی اسلام کے زیرنگیں ہو گئے اور ان مملکتوں کے اکثر و بیشتر لوگ شروع ہی میں مسلمان ہو گئے۔

اسلام کا جس وقت ظہور ہوا اس وقت ایران میں مجوسیت اور روم میں مسیحیت مذاہب کے طور پر لوگوں کے ذہنوں پر مستوی تھے۔ لیکن یہ دونوں مذاہب اپنی اصلیت کھو چکے تھے۔ مادی طور پر ایران اور روم کی دونوں سلطنتیں عظمت و اقتدار میں اپنا حریف نہ رکھتی تھیں لیکن تجدید اور فکرِ نو کی سخت دشمن اور قدامت و رسوم پرستی کی دلدادہ تھیں۔ دونوں نے روحانی ترقی کے لیے اپنے ذہن کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ چنانچہ روحانی لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی پس ماندہ اقوام میں یہی ایران اور روم دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتیں تھیں جن کی نشاۃ ثانیہ کے لیے حضور ﷺ نے انہیں خط لکھے کیونکہ اب آپ کی دعوت اس کمال تک آپہنچی تھی کہ اپنے ساتھ ان قوموں کو بھی ترقی کی شاہراہ پر آگے بڑھا سکیں جو دین کے غلط تصورات اور رسوم پرستی کی وجہ سے سر منزل تھک کر بیٹھ چکی تھیں۔ جن بادشاہوں کو آپ نے دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے انہوں نے ان پر کافی ردعمل کا اظہار کیا۔

ا۔ فارس کے بادشاہ خسرو پرویز جس کا لقب کسریٰ تھا اس کے پاس آپ کا خط سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کو سفیر کے طور پر لے جانے کے لیے منتخب کیا گیا۔ جب یہ خط کسریٰ ایران نے پڑھا تو اس نے غصہ میں آکر اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپؐ کو جب اس کی اس حرکت کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا:

Marfat.com

''اس نے میرا خط نہیں پھاڑا بلکہ اپنی سلطنت کو پارہ پارہ کیا ہے''۔ پھر وہی ہوا جو پیغمبرِ اسلام کی زبان سے نکلا تھا۔ خط اس نے تکبر کی وجہ سے پھاڑا کیونکہ حکومت اور تکبر دونوں لازم وملزم ہیں۔ اس نے متکبرانہ انداز میں کہا کہ میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے اور مجھے ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ (یکتب الی بھذا وھو عبدی)

آپ کو اپنا غلام کہنے کی وجہ یہ تھی کہ جس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی، اس زمانہ میں جزیرہ نما عرب سامراجی طاقتوں کی شکار گاہ بنا ہوا تھا۔ جزیرہ عرب کے شمال میں شام کا علاقہ مکمل طور پر رومی سلطنت کے زیرِ اقتدار تھا۔ اس کے اوپر روم کے ماتحت امرائے عرب کی حکومت قائم تھی۔ اسی طرح جنوب میں یمن کا علاقہ ایران کے زیرِ اقتدار تھا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کے زمانہ میں یہاں جو ایرانی گورنر مقیم تھا، اس کا نام باذان تھا۔ عربوں کے ہاتھ میں صرف حجاز، تہامہ اور نجد کے علاقے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ چٹیل اور بے آب وگیاہ بیابان تھے۔ جن میں کہیں کہیں کچھ زرخیز ٹکڑے نظر آتے تھے۔ کسریٰ نے جب آپ کا مکتوب پھاڑا تو اس کا یہی سیاسی پس منظر تھا۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کا خط پھاڑنے کے بعد کسریٰ نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ یہ شخص جو حجاز میں نبوت کا مدعی ہے، اس کے یہاں دو مضبوط اور توانا آدمی بھیجو تاکہ وہ اسے گرفتار کر کے میرے پاس حاضر کریں۔ باذان نے کسریٰ کے حکم کی تعمیل میں دو آدمیوں کو خط دے کر آپؐ کے پاس روانہ کیا جس میں آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ آپؐ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس حاضر ہو جائیں، لیکن جب وہ مدینہ پہنچے اور آپ کے سامنے حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنے آنے کی غرض وغایت بیان کی اور آپ کو کسریٰ کے حضور حاضر ہونے کے لیے کہا۔ آپ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ کل ملاقات کریں۔

ادھر یہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف خسرو پرویز کے خاندان کے اندر ایک زبردست بغاوت کا شعلہ بھڑک رہا تھا جس کے نتیجے میں قیصر کی فوج کے ہاتھوں ایرانی افواج کی پے در پے شکستوں کے بعد اب خسرو کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ یہ منگل کی رات ۱۰ جمادی الاولیٰ کا واقعہ ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کو اس بات کا علم بذریعہ وحی ہوا۔ چنانچہ صبح کے وقت جب باذان کے وہ دونوں آدمی حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں اس واقعہ کے بارہ میں اطلاع دی۔ ان دونوں نے اس بات کو غلط کہا اور کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا: ''کیا آپ کی یہ بات ہم بادشاہ کو لکھ دیں؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں لکھ دو اور اسے یہ بھی لکھ دو کہ میرا دین اور میری حکومت وہاں تک پہنچ کر رہے گی۔ جہاں تک کسریٰ پہنچ چکا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے اس جگہ جا کر رکے گی۔ جس سے آگے اونٹ اور گھوڑے کے قدم جا ہی نہیں سکتے''۔ آپ نے مزید فرمایا کہ ''اپنے بادشاہ کو یہ بھی کہہ دینا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جو کچھ تمہارے زیرِ اقتدار اور زیرِ حکومت ہے وہ سب میں تمہیں دے دوں گا''۔ اس کے بعد باذان کے

یہ دونوں آدمی باذان کے پاس چلے گئے اور اسے تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ تھوڑے عرصہ بعد باذان کے پاس ایک خط پہنچا کہ شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ شیرویہ نے اپنے خط میں یہ بھی ہدایت کی کہ جس شخص کے بارے میں میرے والد خسرو پرویز نے تمہیں لکھا تھا کہ اس کو میرے پاس حاضر کرو، اسے تاحکم ثانی برانگیختہ نہ کرنا۔

اس واقعہ نے باذان اور اس کے ساتھیوں پر بہت اثر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب مشرف باسلام ہو گئے اور اپنے اسلام کے بارہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کو اطلاع بھی دی۔ (ملاحظہ ہو زرقانی جلد ۳ ص ۳۴۲، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۶۸۔ ۲۷۰، محاضرات خضری جلد ۱ ص ۱۴۷، فتح الباری جلد ۸ ص ۱۲۷، طبری جلد ۳ ص ۹۰)

۲۔ اس زمانہ کی دوسری سپر پاور اور سب سے مضبوط حکومت قیصر روم کی تھی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا دحیہ کلبیؓ کو سفیر بنا کر اس کی طرف اپنا خط دے کر بھیجا۔ قیصر روم اس زمانہ میں فارس پر اپنی فتح یابی کا شکر بجالانے کے لیے حمص سے ایلیا (بیت المقدس) پیدل آیا ہوا تھا کیونکہ فارسیوں نے خسرو پرویز کو قتل کرنے کے بعد رومیوں سے ان کے مقبوضہ علاقوں کی واپسی کی شرط پر صلح کر لی اور وہ صلیب بھی انہیں واپس کر دی جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ اس پر سیدنا مسیح علیہ السلام کو پھانسی دی گئی تھی۔ قیصر روم نے اس صلیب کو اس کی اصل جگہ پر نصب کرنے اور اللہ تعالیٰ کا اس فتح پر شکر بجالانے کی غرض سے سنہ ۷ھ مطابق ۶۲۹ء میں بیت المقدس کا سفر کیا۔ سیدنا دحیہ کلبی محرم سنہ ۷ھ کو بیت المقدس پہنچے اور بصریٰ کے رئیس کے توسط سے قیصر روم کے دربار میں پہنچ کر سرکارِ دو عالم ﷺ کا والا نامہ اس کو پیش کیا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۴)

حضور ﷺ کا والا نامہ قیصر روم کو پیش کرنے سے قبل آپ نے ایک مختصری تقریر فرمائی۔

"اے قیصر! جس ہستی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ سب سے بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع ہے، لہٰذا میں جو کچھ آپ کے سامنے عرض کروں اس کو نہایت متواضع ہو کر سنیں اور نہایت غور و فکر اور اخلاص سے اس کا جواب دیں۔ اگر آپ اس کو متواضع ہو کر نہ سنیں گے تو اس کو بخوبی سمجھ نہ سکیں گے اور اگر جواب میں اخلاص نہ ہو گا تو وہ جواب درست اور عادلانہ نہ ہو گا۔"

"یہ تو آپ بخوبی جانتے ہیں کہ سیدنا مسیح علیہ السلام نماز پڑھا کرتے تھے۔ جس کے لیے سیدنا مسیح علیہ السلام نماز پڑھا کرتے تھے اور جس کے سامنے وہ اپنی جبین نیاز جھکاتے تھے اور جس نے انہیں بطن مادر میں بنایا اور جس ذات نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا، میں اس ذات ستودہ صفات کی طرف آپ کو بلاتا ہوں۔ پھر اس نبی امی ﷺ کی نبوت کی

Marfat.com

دعوت دیتا ہوں جس کی سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام نے بشارت دی ہے اور آپ کو اس کی بخوبی خبر ہے۔ اگر آپ اس دعوت کو قبول کریں گے تو یہ آپ کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کے لیے بہتر ہوگی اور اگر قبول نہ کریں گے تو آپ کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں خسارہ ہوگا ورنہ آخرت تو تمہارے ہاتھ سے جاتی ہی رہے گی اور دنیا میں دوسرے لوگ آپ کے شریک ہوں گے اور اس بات کو بھی بخوبی جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ جو منکرین کو پامال کر دیتا ہے، اپنی نعمتوں کو بدلتا رہتا ہے۔"

قیصر روم سیدنا دحیہ کلبیؓ کی اس تقریر سے بہت متاثر ہوا اور اس نے ان کے ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کا والا نامہ لے کر سر اور آنکھوں پر رکھا اور اسے چوما۔ پھر اسے کھول کر پڑھا اور کہا: میں سوچ کر اس کا جواب دوں گا۔" (روض الانف جلد ۲ ص ۳۵۵)

اس نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ عرب کے جو لوگ میرے ملک میں آئے ہوئے ہیں ان کو میرے دربار میں حاضر کرو۔ میں اس نبی کے حالات ان سے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اتفاق سے ابو سفیان بن حرب قریش کی ایک جماعت کے ساتھ معاہدہ حدیبیہ کے تحت عرصہ امن میں تجارت کے لیے ملک شام گئے ہوئے تھے۔ یہ لوگ بیت المقدس (ایلیا) میں قیصر روم کے پاس حاضر ہوئے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۴) ہرقل نے انہیں اپنے دربار میں بلایا۔ یہ حضرات اس وقت غزہ میں مقیم تھے ان کو ہرقل کے آدمی غزہ سے لے کر آئے۔ دربار میں اساطین سلطنت، بڑے بڑے پادری اور راہبان موجود تھے۔ ان سب کی موجودگی میں اس نے ان لوگوں سے اپنے ترجمان کے ذریعے پوچھا کہ تم میں سے اس مدعی نبوت کا حسب و نسب کے لحاظ سے سب سے زیادہ قریبی شخص کون ہے؟ ابو سفیان نے کہا: میں ہوں۔ ہرقل نے کہا: تم میرے قریب آجاؤ۔ دوسرے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ان پیچھے بیٹھنے والوں سے کہا کہ میں اس شخص سے اس مدعی نبوت کے بارہ میں کچھ سوالات کروں گا۔ اگر یہ جھوٹ بولے تو تم لوگ اس کی تکذیب کر دینا۔ ابو سفیان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھ کو جھوٹ بولنے کی بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو میں آپؐ کے بارہ میں یقیناً جھوٹ بولتا۔ بعد ازاں اس نے ان سے مختلف سوالات کیے جن کو بخاری نے متعدد ابواب میں نقل کیا ہے۔ وہ سوالات پوچھنے کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ تم اس شخص (ابو سفیان) سے کہو کہ میں نے تم سے اس شخص کا نسب پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ اونچے نسب کا ہے اور دستور یہی ہے کہ نبی اپنی قوم میں اونچے حسب و نسب والا ہوتا ہے۔

پھر میں نے یہ پوچھا کہ کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟ تم نے بتلایا کہ نہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر یہ بات اس سے قبل کسی اور نے کہی ہوتی تو میں یہ کہتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نقالی کر رہا ہے جو اس سے قبل کہی جا چکی ہے۔

Marfat.com

پھر میں نے دریافت کیا کہ اس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ تو نہیں گزرا؟ تم نے کہا کہ نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ شخص اپنے باپ دادا کی گئی ہوئی سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

پھر میں نے تم سے پوچھا کہ جو بات اس نے کہی ہے اسے کہنے سے پہلے تم نے اسے کسی معاملہ میں جھوٹا تو نہیں پایا۔ تم نے جواب دیا کہ نہیں اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ باندھے اور اللہ پر جھوٹ باندھے۔

پھر میں نے یہ دریافت کیا کہ اس کی پیروی اور اتباع بڑے بڑے لوگ کر رہے ہیں یا کمزور اور ضعیف لوگ؟ تو تم نے بتایا کہ اس کی پیروی کرنے والے اکثر کمزور اور ضعفاء ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کی اتباع کرنے والے ضعفاء اور غرباء ہی ہوتے ہیں۔

پھر میں نے پوچھا کہ اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ناراض اور برگشتہ ہو کر مرتد بھی ہو جاتا ہے تو تم نے بتایا کہ نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی بشاشت اور حلاوت جب دلوں میں سرایت کر جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ نکلتی نہیں۔

پھر میں نے پوچھا کہ کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟ تو تمہارا جواب یہ تھا کہ نہیں اور بے شک نبی اور رسول ایسے ہی ہوتے ہیں وہ کسی سے بدعہدی اور پیمان شکنی نہیں کرتے۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ کبھی تم نے اس سے جنگ بھی کی ہے اور جنگ کا نتیجہ کیا نکلا۔ تو تمہارا جواب یہ تھا کہ کبھی وہ غالب ہوا اور کبھی ہم۔ بے شک انبیاء کے ساتھ ابتداً اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ ہوتا ہے لیکن انجام کار غلبہ اور فتح الٰہی کو حاصل ہوتی ہے۔

پھر میں نے یہ دریافت کیا کہ وہ کن کن باتوں کا حکم دیتا ہے تو تم نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور کسی کو اس کی ذات وصفات میں شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیتا ہے۔ بت پرستی سے روکتا ہے، نماز اور زکوٰۃ، سچائی اور پرہیزگاری اور عفت اور پاک دامنی وغیرہ کا حکم دیتا ہے۔

جو کچھ تم نے بتایا اگر وہ سب صحیح ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کا مالک ہو گا۔ میں جانتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے ہو گا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ اس کے حضور پہنچ سکوں گا تو اس سے ضرور ملاقات کرتا اور اگر اس کے پاس ہوتا تو اس کے دونوں پاؤں دھوتا۔

پھر ہرقل نے سرکارِ دو عالم ﷺ کا والا نامہ منگا کر پڑھا۔ جب خط پڑھ چکا۔ تو ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ابو سفیان کہتے ہیں کہ اس وقت ہم سب کو باہر نکال دیا گیا۔ باہر آنے کے بعد میں نے کہا کہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ ابو کبشہ (یعنی محمد ﷺ) کے بیٹے کا معاملہ بڑا زور پکڑ گیا۔ اب تو اس سے

بنو اصفر (رومیوں) کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ اس کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین تمام ادیان پر غالب آکر رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی توفیق عطا فرما دی۔
(بخاری جلد ا ص ۳۰-۳۸)

سرکارِ مدینہ ﷺ کے والا نامہ کا ہرقل پر یہ اثر ہوا جس کا مشاہدہ ابو سفیان نے کیا۔ چنانچہ اسی اثر کے تحت اس نے سفیر نبوت سیدنا دحیہ کلبیؓ کی مال اور پارچہ جات سے تواضع کی، لیکن سیدنا دحیہ کلبیؓ جب وہ تمام تحائف لے کر واپس ہوئے تو قبیلہ جذام کے کچھ لوگوں نے ان پر ڈاکہ ڈال کر سب کچھ لوٹ لیا۔ سیدنا دحیہؓ مدینہ پہنچنے کے بعد سیدھے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہؓ کی قیادت میں پانچ سو صحابہ کرامؓ پر مشتمل ایک دستہ حسمی روانہ فرمایا۔ انہوں نے قبیلہ جذام پر شب خون مار کر ان کی خاصی تعداد کو قتل کر دیا اور ان کے چوپایوں اور عورتوں کو ہانک لائے۔ چوپایوں میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں تھیں اور قیدیوں میں ایک سو عورتیں اور بچے تھے۔ بعد میں آپ نے اس قبیلہ کے سردار زید بن رفاعہ کے احتجاج اور فریاد پر ان کا احتجاج قبول فرماتے ہوئے تمام مال غنیمت اور قیدی واپس کر دیئے۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۲۲)

قیصر روم ہرقل اپنے پادریوں اور رؤسا سے ڈر کر مسلمان نہ ہوا کیونکہ اسے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر میں مسلمان ہو گیا تو کہیں میری حکومت نہ چھین لی جائے، لیکن اس نے حضور ﷺ کے والا نامہ اور آپ کے ایلچی سیدنا دحیہ کلبیؓ کا بڑا اعزاز و احترام کیا۔

حافظ ابن حجر نے معجم طبرانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہرقل نے سیدنا دحیہ کلبیؓ سے کہا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ نبی ہیں، لیکن میں اگر ایسا کروں تو میری سلطنت جاتی رہے گی اور رومی مجھے قتل کر دیں گے۔ (فتح الباری جلد ا ص ۳۴)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ، جلد ۴ ص ۲۶۲-۲۶۸، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح جلد ا ص ۹۴، فتح الباری جلد ا ص ۳۴-۴۰۔

حضور ﷺ کا یہ خط قیصر روم نے سونے کے ایک قلمدان میں نہایت عزت و احترام سے رکھا اور پھر اس کی نسل میں یہ خط نسلاً بعد نسل چلتا آیا۔ وہ اس خط کی بہت حفاظت کرتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جب تک یہ خط ہمارے پاس محفوظ رہے گا ہماری سلطنت باقی رہے گی۔

۳۔ نجاشی شاہ حبشہ کے نام بھی آپ نے ایک خط سیدنا عمرو بن امیہ ضمریؓ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ سیدنا عمرو بن امیہؓ نے نجاشی کو یہ خط دے کر فرمایا: "اصحمہؓ! (نجاشی شاہ حبشہ کا نام) مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ امید ہے کہ آپ میری اس بات کو غور و خوض سے سنیں گے۔ ہمیں آپ پر حسن ظن بھی ہے اور اعتماد بھی۔ ہم نے جب کبھی آپ سے کسی خیر کی امید کی ہمیں وہ خیر آپ سے حاصل ہوئی۔ آپ کے

Marfat.com

امن و عاطفت میں ہمیں کبھی کوئی خوف نہیں ہوا۔ انجیل ہمارے اور آپ کے مابین شاہد عادل ہے۔ جس کی شہادت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو آپ اس نبی کے حق میں ایسے ہی ثابت ہوں گے جیسا یہود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے سفیر دوسروں کے پاس بھی بھیجے ہیں لیکن دوسروں کی نسبت آپ سے زیادہ امید ہے"۔

سیدنا عمرو بن امیہ ضمریؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کا نامہ مبارک جب نجاشی کے حوالے کیا تو نجاشی نے اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے، کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ پھر آپؑ کے اس والا نامہ کا جواب لکھوایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی خدمت میں نجاشی اصحمہ کی طرف سے

اللہ کے نبی! آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام اور اس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، اس ایک اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت اور توفیق مرحمت فرمائی۔

اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کا والا نامہ موصول ہوا۔ جس میں آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں ذکر فرمایا۔ سیدنا عیسیٰ اس سے ایک ذرہ برابر بڑھ کر نہ تھے۔ مجھے قسم ہے آسمانوں اور زمین کے پروردگار کی، وہ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے ان کا ذکر فرمایا۔ پھر آپ نے جو کچھ ہماری طرف بھیجا ہے ہم نے اسے جانا اور آپ کے چچا زاد بھائی (سیدنا جعفر طیارؓ) آپ کے صحابہؓ کی مہمان نوازی کی اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور میں نے آپ سے بیعت کی اور آپ کے چچا زاد بھائی سے بیعت کی اور ان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لیے اسلام قبول کیا۔

میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارھا بن اصحمہ ابجر کو بھیج رہا ہوں۔ میں صرف اپنی ذات کا مالک ہوں۔ اگر ارشاد ہو تو خود حاضر خدمت ہونے کو تیار ہوں یا رسول اللہ! میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ بالکل درست اور حق ہے۔ سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسول!

نجاشی نے اپنے بیٹے ارھا کو ساٹھ آدمیوں کے ساتھ ایک کشتی میں سوار کر کے آپ کی خدمت

Marfat.com

اقدس میں روانہ کیا لیکن وہ کشتی راستہ میں غرق ہو گئی۔

یہ وہی نجاشی ہے جس کے پاس سنہ ۵ نبوی میں مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے اور اس نے ان کا بڑا اعزاز و احترام کیا تھا۔ اس کا نام اصحمہ تھا۔ یہ سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا اور رجب سنہ ۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ جس روز اس کی وفات ہوئی۔ جبریل امین علیہ السلام نے آپ کو اس کی اطلاع دی اور آپؐ نے جنازہ گاہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔

نبی ﷺ نے نجاشی کو یہ بھی لکھا تھا کہ وہ سیدنا جعفر طیارؓ اور دوسرے مہاجرین حبشہ کو مدینہ روانہ کر دے۔ چنانچہ اس نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں سیدنا عمرو ابن امیہ ضمریؓ کے ساتھ دو کشتیوں میں ان کی روانگی کا بندوبست کیا۔ ایک کشتی کے سوار جس میں سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ، سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ اور کچھ دوسرے صحابہ کرامؓ تھے، خیبر پہنچ کر براہِ راست خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور دوسرے کشتی کے سوار جن میں زیادہ تر عورتیں اور بچے تھے، سیدھے مدینہ پہنچے۔

(ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۵۹)

اس کی وفات کے بعد دوسرا شخص اس کا جانشین ہو کر تخت پر بیٹھا۔ آپؐ نے اسے بھی ایک خط ارسال فرمایا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۴۶)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری جلد ۳ ص ۸۹، زرقانی جلد ۳ ص ۳۴۳-۳۴۵، زادالمعاد جلد ۳ ص ۶۰ ہدایہ الحیاری لابن قیم ص ۳۲۔

۴۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک خط مقوقش شاہ مصر و اسکندریہ کے نام بھی روانہ فرمایا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ خط کو سربمہر کر کے سیدنا حاطب بن ابی بلتعہؓ کو دیا کہ اسے شاہ مصر کے پاس پہنچائیں۔ وہ پہلے مصر پہنچے تو معلوم ہوا کہ بادشاہ اسکندریہ میں ہے۔ جب اسکندریہ پہنچے تو دیکھا کہ وہ ایک جھروکے میں بیٹھا ہوا ہے جو دریا کے کنارے پر ہے۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی۔ اس نے سیدنا حاطبؓ کو جھروکے کے اندر بلایا۔ انہوں نے اندر پہنچ کر آپؐ کا والانامہ دیا۔ بادشاہ نے نہایت عظمت و توقیر کے ساتھ اس والانامہ کو پڑھا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۴۷)

بادشاہ کو خط دینے کے بعد سیدنا حاطب بن ابی بلتعہؓ نے مقوقش کے بھرے دربار میں فرمایا:

"اس سرزمین میں (یعنی مصر میں) تم سے پہلے ایک شخص گزرا ہے جو اپنے کو "رب اعلیٰ" سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اول و آخر کے لیے عبرت بنا دیا۔ پہلے تو اس کے ذریعہ لوگوں سے انتقام لیا۔ پھر خود اس کو انتقام کا نشانہ بنایا، لہٰذا اس سے عبرت پکڑو۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔"

سیدنا حاطبؓ کا اپنا بیان ہے کہ اس کے بعد شاہ اسکندریہ مقوقش نے مجھے شاہی مہمان کے طور پر

شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا۔ ایک روز اس نے تمام عمائدین سلطنت اور زعماء حکومت کو اکٹھا کر کے مجھے بلایا اور کہا کہ میں تم سے کچھ اہم سوالات پوچھنا چاہتا ہوں ذرا غور و فکر سے جواب دینا۔ پھر مقوقش نے پوچھا کہ جن صاحب کا تم خط لے کر آئے ہو کیا وہ نبی ہیں؟ حاطبؓ نے جواب دیا بے شک۔ مقوقش نے کہا! اگر وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو جس وقت ان کی قوم نے انہیں مکہ سے نکالا تو انہوں نے ان کے حق میں بددعا کیوں نہ کی کہ وہ تباہ و برباد ہو جاتے۔ سیدنا حاطبؓ نے فرمایا: کیا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول نہ تھے؟ اس نے جواب دیا: بے شک وہ اللہ کے رسول تھے۔ حاطبؓ نے کہا: جب وہ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، تو جب ان کے دشمنوں نے انہیں صلیب دینے کا ارادہ کیا تو سیدنا مسیح علیہ السلام نے اس وقت ان کی ہلاکت کے لیے بددعا کیوں نہ کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا؟ مقوقش ان کے اس جواب سے لاجواب ہو گیا اور بولا: "بے شک تو حکیم ہے اور ایک حکیم کے پاس سے آیا ہے۔" (زرقانی جلد ۳ ص ۳۴۸، خصائص کبریٰ بیہقی جلد ۲ ص ۱۲)

پھر مقوقش نے انہیں کچھ اور سوالات کیے جن کے انہوں نے نہایت تسلی بخش جوابات دیئے۔ ان کے جوابات سے مطمئن ہو کر مقوقش نے کہا: میں نے اس نبی کے بارہ میں بہت غور و فکر کیا تو پایا کہ وہ پسندیدہ باتوں کا حکم دیتے ہیں اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتے ہیں۔ قابلِ نفرت چیزوں کا حکم نہیں دیتے اور قابلِ رغبت باتوں سے روکتے نہیں۔ وہ نہ گمراہ اور جادوگر ہیں اور نہ ہی جھوٹے کاہن بلکہ ان میں نبوت کی علامات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً غیب کی خبریں دینا۔ اس بارہ میں مزید غور کروں گا۔ پھر اس نے آپ کے والا نامہ کو ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کر کے اور اسے سربمہر کر کے اپنے خازن کو حکم دیا کہ اسے حفاظت سے رکھیں اور ایک کاتب کو بلا کر آپ کے والا نامہ کا جواب ان الفاظ میں دیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد بن عبد اللہ کے نام مقوقش عظیم قبط کی طرف سے

آپ پر سلام ہو۔ میں نے آپ کا والا نامہ پڑھا اور اس میں ذکر کی گئی تمام باتوں کو سمجھا، مجھے معلوم ہے کہ ابھی تک ایک نبی کی آمد باقی ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ شام سے مبعوث ہو گا۔ میں نے آپ کے قاصد کا اعزاز و اکرام کیا۔ آپ کی خدمتِ اقدس میں دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں اور سواری کے لیے ایک خچر بھی ارسالِ خدمت کر رہا ہوں۔ والسلام

مقوقش نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا اور اسلام نہیں لایا۔ دونوں لونڈیاں ماریہ قبطیہ اور سیرین قبطیہ تھیں۔ ماریہ آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ سیدنا ابراہیمؓ بن محمد رسول اللہ ﷺ اسی ماریہ قبطیہ

Marfat.com

کے بطن سے تھے۔ دوسری ہمشیرہ سیدنا حسان بن ثابتؓ کو عطا ہوئیں۔ اس خچر کا نام دلدل تھا جو آپ کو بھیجا گیا۔ سیدنا حاطبؓ جب واپس مدینہ طیبہ میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو تمام واقعہ بیان کیا۔ ارشاد فرمایا کہ وہ اپنی سلطنت کے چھن جانے کے خوف سے مسلمان نہیں ہوا، لیکن اس کا ملک اور سلطنت باقی نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں سیدنا عمرو بن العاصؓ نے مصر اور اسکندریہ کو فتح کرلیا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۴۸، روض الانف جلد ۲ ص ۳۵۵، الجواب الصحیح جلد ا ص ۹۹، ہدایۃ الحیاریٰ جلد ۳۳، زاد المعاد لابن قیم جلد ۳ ص ۶۰)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح جلد ا ص ۱۰۱-۱۰۳ پر لکھا ہے کہ اس والا نامہ سے قبل بھی مقوقس سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ سے آپ کے حالات معلوم کرچکا تھا۔ وہ مسلمان ہونے سے قبل چند ساتھیوں کے ساتھ اس کے ملک میں گئے تھے۔ چنانچہ سیدنا مغیرہؓ مقوقس کی باتوں ہی سے متاثر ہو کر واپس مدینہ آکر مسلمان ہو گئے لیکن خود مقوقس کے مقدر میں اسلام نہیں تھا، لہٰذا اسلام کو قبول نہ کیا۔

۵۔ شاہ بحرین منذر بن ساویٰ کے نام بھی آپ نے ایک خط لکھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس خط کو سیدنا علاء بن حضرمیؓ کے ہاتھ شاہ بحرین کے پاس بھیجا۔ منذر بن ساویٰ نے اس خط کے جواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ کو لکھا: "اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کا خط بحرین کے باشندوں کو پڑھ کر سنایا۔ ان میں سے بعض نے اسلام کو محبت اور پاکیزگی کی نگاہ سے دیکھا اور اس کو قبول کرلیا اور بعض نے پسند نہیں کیا۔ اور میری اس سرزمین میں یہود اور مجوس بھی ہیں، لہٰذا آپ اس بارہ میں اپنا حکم صادر فرمایئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو اس کا جواب دیا اس کو علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد جلد ۲ ص ۶۱-۶۲ پر نقل کیا ہے اور زرقانی نے بھی اپنی کتاب کی جلد ۳ ص ۳۵۱ پر وہی خط نقل فرمایا۔ یہ خط ماضی قریب میں دستیاب ہوا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مرحوم (فرانس) نے اس کا فوٹو بھی شائع کیا ہے۔

امام سہیلیؒ نے منذر کا جو جواب نقل کیا ہے وہ یہ ہے: "کہ میں جس دین پر ہوں میں نے اس میں بہت غور و خوض کیا تو اس کو صرف دنیا کے لیے پایا نہ کہ آخرت کے لیے اور جب آپ کے پیش کردہ دین پر غور و خوض کیا تو اسے دین و دنیا دونوں کے لیے مفید پایا، لہٰذا اس دین کو قبول کرنے میں مجھے کیا چیز مانع ہے کہ جس کے قبول کرنے میں زندگی کی تمنائیں اور امنگیں اور موت کی راحت اور سکون ہو؟ اب تک میں اس شخص کی حالت پر نہایت تعجب کرتا تھا جو اس دین اسلام کو قبول کرے لیکن اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو اس دین برحق کو رد کرتا ہے۔

(روض الانف جلد ۲ ص ۳۵۶، الجواب الصحیح جلد ا ص ۱۱۳)

۶۔ یمامہ کے رئیس ہوذہ بن علی کے نام بھی آپ نے ایک خط سیدنا سلیط بن عمرو عامریؓ کے ہاتھ روانہ کیا۔ آپ جب یہ خط ہوذہ کے پاس لے کر گئے تو اس نے ان کا بہت احترام کیا۔ ان کو شاہی مہمان

Marfat.com

بنایا۔ سیدنا سلیطؓ نے ہوذہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"ہوذہ! تجھ کو بوسیدہ ہڈیوں نے حکمران بنا دیا ہے اور حقیقت میں سردار اور حکمران وہ ہے جو ایمان سے متمتع ہوا اور تقویٰ و پرہیزگاری کو زادِ راہ لیا۔ میں تجھے ایک بہترین شے کا حکم کرتا ہوں اور ایک بدترین شے سے تجھے منع کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم کرتا ہوں اور شیطان کی عبادت سے منع کرتا ہوں۔ اگر تو اس کو قبول کرے گا تو تیری امیدیں اور تمنائیں بر آئیں گی اور اگر تو انکار کرے گا تو یاد رکھ قیامت کا ہولناک منظر ہمارے اور تمہارے درمیان سے اس حائل پردہ کو اٹھا دے گا۔"

ہوذہ نے سیدنا سلیطؓ سے کہا کہ مجھے کچھ روز مہلت دیں میں اس دعوت پر غور و فکر کر لوں۔ چنانچہ چند روز کے بعد اس نے آپؐ کے خط کا یہ جواب دیا:

"جس شے کی طرف آپ بلاتے ہیں وہ بہت اچھی اور خوب ہے۔ عرب میرے دبدبہ اور مرتبہ سے خوفزدہ ہیں۔ آپ مجھے کچھ اختیار عنایت فرمائیں میں آپ کا اتباع کروں گا۔"

ہوذہ نے چلتے وقت سفیر رسول سیدنا سلیطؓ کو کچھ ہدیئے اور تحفے دیئے اور کچھ ہجر کے بنے ہوئے کپڑے بھی دیئے۔ سیدنا سلیطؓ نے واپس جا کر وہ تمام تحائف آپؐ کی خدمت میں پیش کیے اور تمام تفصیلات بھی گوش گزار کیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کا خط پڑھ کر فرمایا۔ "خدا کی قسم، اگر وہ زمین کا ایک ٹکڑا بھی مجھ سے طلب کرے تو میں اسے نہ دوں گا۔ وہ خود بھی تباہ ہو گا اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی تباہ ہو گا۔"

جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو جبریل امین علیہ السلام نے آپ کو ہوذہ کے مرنے کی خبر دی۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: "سنو یمامہ میں ایک کذاب ظاہر ہونے والا ہے جو نبوت کا دعویٰ کرے گا اور میرے بعد قتل ہو گا۔"

(زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۳، زرقانی جلد ۳ ص ۳۵۵)

اسی طرح کا ایک خط آپ ﷺ نے حارث غسانی حاکم دمشق کے پاس بھیجا۔ لیکن وہ اپنی بدقسمتی سے اسلام نہ لایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۵۶، طبقات جلد ۱ ص ۱۷)

اور ایک اور خط آپؐ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کے ہاتھ شاہ عمان جیفر اور اس کے بھائی عبد کے نام روانہ کیا۔ انہوں نے اس خط کو پڑھا اور سیدنا عمرو بن العاصؓ سے بہت سے سوال و جواب کے بعد اسلام کی دعوت کو قبول کر لیا۔

(زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۲، زرقانی جلد ۳ ص ۳۵۳، طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۸، ہدایہ الحیاری ص ۳۴، روض الانف جلد ۲ ص ۳۵۶، اصابہ جلد ۱ ص ۲۶۲)

Marfat.com

آپ نے ان سربراہان مملکت کے نام جو خطوط ارسال فرمائے اور انہیں اسلام کی دعوت دی، اس سے پتہ چلا کہ اسلام صرف ایک خاص قوم یا خاص خطہ زمین کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے ہے اور ہر رنگ و نسل اور ہر دین و ملت کا آدمی آپ پر ایمان لانے کا مکلف ہے۔

آپ کے خطوط کے جواب میں کچھ بادشاہ ایمان لائے اور کچھ نے اسلام کی دعوت کو رد کر دیا۔ جنہوں نے رد کیا وہ تباہ و برباد ہو گئے اور جنہوں نے قبول کیا وہ تاریخ عالم میں زندہ جاوید ہو گئے، دوسرے یہ کہ خواہ کسی نے آپ کی دعوت کو قبول کیا یا رد، لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان خطوط کے بعد اسلام تمام دنیا میں ایک جانی پہچانی دعوت و قوت بن گیا اور ہر شخص اسلام کے بارہ میں سوچنے لگا اور اسلام کی دعوت جزیرہ عرب سے نکل کر تمام دنیا میں پھیلنی شروع ہو گئی۔

Marfat.com

غزوۂ خیبر

اگرچہ یہود کے تمام قبائل کو آپ نے مدینہ سے جلاوطن کردیا اور ان کی اکثریت خیبر میں جاکر آباد ہوگئی لیکن یہ لوگ وہاں جاکر بھی بدعہدی اور پیمان شکنی کے لیے ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ چنانچہ جنگ خندق میں خیبر کے یہودی ہی تھے جو مشرکین اور دوسرے قبائل عرب کا ایک متحدہ محاذ قائم کرکے انہیں مدینہ پر چڑھالائے تھے۔ پھر بنو قریظہ کی عہد شکنی میں بھی خیبر کے انہی یہودیوں کا ہاتھ تھا۔

اس بات میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ حدیبیہ کے معاہدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف قریش بلکہ پوری جنوبی سمت سے مطمئن کردیا تھا لیکن مدینہ کے شمال میں بسنے والے خیبر کے یہود سے ہر وقت آپ کو خطرہ لاحق رہتا تھا کہ ہرقل شاہ روم یا کسریٰ شاہ فارس، خیبر کے ان یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف نہ بھڑکادیں اور یہود کا وہ پرانا ناسور پھر رسنے لگے جو ان کے دینی بھائیوں، بنو قینقاع اور بنو نضیر کے مدینہ سے جلاوطنی اور بنو قریظہ کے قتل عام کی صورت میں رونما ہوا تھا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کی سرشت اور طینت کا بخوبی علم تھا کہ وہ کینہ توزی میں نہ صرف قریش بلکہ دنیا کی ہر قوم سے بڑھے ہوئے ہیں اور دینی حیثیت میں بھی قریش اور دوسری تمام اقوام عالم سے زیادہ متعصب اور جامد ہیں۔ خطرہ تھا کہ اگر انہیں ہرقل یا کسریٰ کی طرف سے مدد مل جائے تو مسلمانوں سے انتقام لینے میں انہیں کوئی تامل نہیں ہوگا۔

چنانچہ معاہدہ حدیبیہ کے بعد جب قریش مکہ کے ساتھ محاذ آرائی کا خاتمہ ہوا اور ان مجرم یہودیوں کے محاسبہ کے لیے فضا صاف ہوگئی تو آپ نے فیصلہ کرلیا کہ یہود کے فتنہ کو جڑ سے اکھیڑ کر عرب سے باہر دھکیل دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے خلاف یہ خلش کا کانٹا ہمیشہ کے لیے نکل جائے۔ چنانچہ آپ نے ان کے متعلق مناسب کارروائی عمل میں لانے کا تہیہ کرلیا اور اس مہم میں اور بھی عجلت سے کام لیا تاکہ بنو غطفان یا مسلمانوں کا کوئی اور دشمن ان کی مدد کے لیے نہ پہنچ سکے۔

Marfat.com

خیبر کو روانگی

خیبر مدینہ کے شمال میں قریباً ایک سو میل کے فاصلہ پر ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں قلعے بھی تھے اور کھیتیاں بھی۔ یہ یہود کا ایک بہت بڑا مرکز تھا۔ چنانچہ آپؐ نے محمد ابن اسحاق کے بیان کے مطابق حدیبیہ سے واپسی پر ذی الحجہ کا پورا مہینہ اور محرم کے چند دن مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ پھر محرم کے باقی ماندہ دنوں میں آپ خیبر کی اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ ("عیون الاثر"، جلد ۲، ص ۱۸۱)

لشکر کو روانگی کا حکم دیتے ہوئے صرف انہی مسلمانوں کو لشکر میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جو حدیبیہ کی مہم میں شریک تھے اور ان کے سوا دوسرے مسلمانوں کی شمولیت سے انکار تو نہ فرمایا لیکن انہیں غنیمت سے مستثنیٰ فرمادیا۔ حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد صرف چودہ سو تھی مزید دو سو حضرات نے شرکت فرمائی۔ چنانچہ آپ اخیر محرم الحرام ۷ ھ میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات میں سے صرف ام سلمہؓ آپ کے ساتھ تھیں۔ صلح حدیبیہ میں بھی یہی آپ کے ہم رکاب تھیں۔

("زرقانی" جلد ۲، ص ۲۱۷، "فتح الباری" جلد ۷، ص ۳۵۶، "زاد المعاد" جلد ۲، ص ۱۳۳)

ہر ایک مسلمان کے دل میں نصرت خداوندی کا یقین موجزن تھا اور حدیبیہ سے واپسی پر سورۂ فتح کی بشارت کی وجہ سے پرُامید۔

چونکہ منافقین کے حدیبیہ کے سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے کے بجائے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے، اس لیے اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو ان کے بارہ میں بتادیا کہ فتح خیبر کی بشارت سن کر منافقین بھی آپ سے استدعا کریں گے کہ ہم بھی اس سفر میں آپ کے رفیق ہوں گے۔ اللہ کا حکم یہ ہے کہ یہ لوگ ہرگز آپ کے ساتھ اس سفر میں نہ جائیں۔ (ملاحظہ ہو "سورۂ فتح" آیت نمبر ۱۵)

اس غزوہ کے دوران مدینہ طیبہ کا انتظام سیدنا سباع بن عرفطہ انصاریؓ کے سپرد کیا گیا اور محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق سیدنا نمیلہ بن عبداللہ لیثیؓ کے سپرد کیا گیا۔ ("عیون الاثر" جلد ۲، ص ۱۸۱، "ابن ہشام" جلد ۲، ص ۳۲۸) اور لشکر کا علم بردار سیدنا علی ابن ابی طالبؓ کو مقرر فرمایا۔

اسی موقع پر سیدنا ابو ھریرہ دوسیؓ مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے۔ جب مسجد نبوی میں پہنچے تو سیدنا سباع بن عرفطہ انصاریؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد سیدنا ابو ھریرہؓ ان سے ملے اور کھانا وغیرہ تناول کرنے کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے خیبر کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب خدمت نبوی میں پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو ھریرہؓ اور ان کے ساتھیوں کو بھی مال غنیمت میں شریک فرمالیا۔

Marfat.com

سیدنا سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں خیبر کے لیے روانہ ہوئے۔ دوران سفر ایک شخص نے عامر بن اکوعؓ جو ایک مشہور شاعر تھے' سے کہا کہ ہمیں اپنے کچھ رجزیہ اشعار سناؤ۔ چنانچہ وہ سواری سے اتر کر حدی خوانی کرنے لگے۔ آپ لشکر کے آگے آگے تھے اور یہ رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اللھم لولا انت ما اھتدینا و لا تصدقنا و لا صلینا
فاغفر فداء لک ما اتقینا و القین سکینہ علینا
و ثبت الاقدام ان لاقینا انا اذا صیح بنا اتینا
و بالصیاح عولوا علینا

"اے اللہ! اگر تو ہدایت نہ فرماتا تو ہم ہدایت نہ پاتے' نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔
ہم تجھ پر قربان تو ہمیں بخش دے جب تک ہم تقویٰ اختیار کریں اور ہم پر سکینت نازل فرما۔
اگر ہم ٹکرائیں تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ ہم کو جب جہاد کے لیے پکارا جاتا ہے تو دوڑ کر پہنچتے ہیں اور للکار میں لوگوں نے ہم پر اعتماد کیا ہے"۔

مسند احمد میں یہ کلمات بھی ہیں:

ان الذین قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنہ ابینا
ونحن عن فضلک ما استغنینا

"جن لوگوں نے ہم پر تعدی کی' جب وہ کسی فتنہ میں ہمیں مبتلا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں اور اے اللہ! ہم تیرے فضل سے مستغنی نہیں ہو سکتے"۔

یہ اشعار سن کر آپ ؐ نے پوچھا یہ حدی خوان کون ہے؟ لوگوں نے کہا عامر بن اکوعؓ۔ آپ ؐ نے فرمایا اللہ اس پر رحم فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اللہ تیری مغفرت فرمائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے تو جنت واجب ہو گئی۔ کاش آپ عامرؓ کے وجود سے ہمیں چند روز اور بہرہ ور ہونے دیتے۔

("بخاری" جلد ۲' ص ۶۰۳' "فتح الباری" جلد ۷' ص ۳۵۷' "مسلم" جلد ۲' ص ۱۱۵)

کیونکہ صحابہ کرامؓ کو پتہ تھا کہ جب آپ جنگ کے موقع پر کسی شخص کے لیے خصوصیت سے دعا مغفرت فرماتے تو وہ ضرور شہید ہو جاتا۔ چنانچہ سیدنا عامر بن اکوعؓ اس جنگ میں شہید ہو گئے۔

ادھر حضور ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے' ادھر منافقین نے یہود کی حمایت میں اپنی تگ و دو شروع کر دی۔ چنانچہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے خیبر کے یہود کو پیغام بھجوایا کہ اب محمد ﷺ نے تمہاری طرف رخ کیا ہے۔ اس لیے خوب تیاری کر کے ان کا مقابلہ کرو۔ ڈٹ جاؤ کیونکہ تم تعداد اور

Marfat.com

اسلحہ میں ان سے برتر ہو۔ تمہارے مقابلہ میں مسلمان بالکل تہی دست ہیں۔ جب اہلِ خیبر کو معلوم ہوا کہ مسلمان اب ہماری طرف آرہے ہیں تو انہوں نے کنانہ بن ابی الحقیق اور ہوذہ بن قیس کو مدد کے لیے بنو غطفان کے پاس روانہ کیا کیونکہ وہ یہود کے حلیف تھے۔ یہود نے انہیں یہ پیش کش بھی کی کہ اگر وہ مسلمانوں کے خلاف فتح یاب ہوئے تو خیبر کی پیداوار کا نصف انہیں دیا جائے گا۔ بنو غطفان یہود کی مدد کے لیے تیار بھی ہو گئے۔ لیکن جب اپنی آبادی سے باہر نکلے تو انہیں اپنے پیچھے کچھ شور وغل سنائی دیا۔ وہ سمجھے کہ مسلمانوں نے ان کے بال بچوں پر حملہ کر دیا ہے' اس لیے وہ واپس پلٹ گئے اور خیبر کے یہودیوں کی کوئی مدد نہ کی۔

راستہ میں آپ جبل عصر (عین کے زیر اور ص ساکن کے ساتھ اور بعض کے نزدیک دونوں پر زبر ہے) کو عبور کر کے وادی صہبا سے گزرے۔ پھر وادی رجیع میں پہنچے۔ پھر آپ نے ان دونوں ماہرین کو بلایا جو لشکر کو راستہ بتانے پر مامور تھے اور ان دونوں سے ایسا مناسب ترین راستہ معلوم کرنا چاہا' جسے اختیار کر کے خیبر میں شمال کی جانب سے یعنی مدینہ کے بجائے شام کی جانب سے داخل ہو سکیں۔ تاکہ اس طریقہ سے ایک طرف تو یہود کے شام بھاگنے کا راستہ بند کر دیں اور دوسری طرف بنو غطفان اور یہود کے درمیان حائل ہو کر ان کی طرف سے مدد و نصرت کے ہر امکان کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ ؐ نے ان کے بتائے ہوئے راستہ مرحب کو اختیار کیا۔

راستہ میں ایک بلند مقام پر پہنچے تو صحابہ کرام ؓ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آپ ؐ نے فرمایا اپنے اوپر رحم کرو۔ تم کسی بہرے اور غائب خدا کو نہیں پکار رہے ہو۔ تم تو اس خدا کو پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری ؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ کی سواری کے بالکل قریب تھا۔ آپ نے مجھے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھتے ہوئے سنا تو "عبداللہ بن قیس" کہہ کر مجھے آواز دی (یہ سیدنا ابو موسیٰ کا نام تھا) میں نے کہا: میں حاضر ہوں' میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ فرمایا: میں تجھ کو جنت کا خزانہ بتاؤں؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں ضرور بتلائیں۔ آپ نے فرمایا لا حول ولا قوۃ الا باللہ یعنی یہ جنت کا خزانہ ہے۔

مسلمان مدینہ سے چل کر تیسرے روز نماز مغرب کے بعد رات کو خیبر پہنچے اور رات بھر قلعہ خیبر کے نیچے پڑے رہے اور یہود کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ آپ کا دستور یہ تھا کہ جب رات کے وقت کسی قوم کے پاس پہنچتے تو رات میں کسی پر حملہ نہ فرماتے' بلکہ صبح کا انتظار فرماتے۔ اگر اذان کی آواز سنتے تو حملہ نہ فرماتے اور اگر اذان کی آواز نہ سنتے تو حملہ فرما دیتے۔ اسی سنت کے مطابق خیبر میں بھی صبح کی اذان کا انتظار فرمایا۔ جب صبح کی اذان نہ سنی تو حملہ کی تیاری فرمانی شروع کی۔ ادھر اہلِ خیبر' جنہیں بالکل علم نہیں تھا کہ مسلمانوں کا لشکر باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے' صبح کے وقت جب وہ پھاوڑے اور کھانچی وغیرہ

Marfat.com

لے کر کھیتی باڑی کے لیے نکلے تو باہر لشکر کو پڑاؤ ڈالے دیکھا۔ لشکر کو دیکھ کر وہ چیختے ہوئے واپس بھاگے کہ محمد والخمیس (یعنی محمدؐ اپنے لشکر کے ساتھ آ گئے ہیں۔ (لشکر کو خمیس اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے پانچ حصے ہوتے ہیں۔ مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ) سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ آوازہ سنا تو فرمایا اللہ اکبر خربت خیبر، انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین "اللہ اکبر خیبر کی تباہی کا وقت آ پہنچا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں تو ان ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔ ("جامع الاصول" لابن اثیر، جلد ۳، ص ۲۱۳)

خیبر کے یہودی بھی پہلے سے یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے ان کے دشمنوں کو پناہ دینے کی وجہ سے جنگ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ وہ ایسے وقت سے غافل نہ تھے۔ ان میں سے بعض لوگ جو قبائل میں سے کسی سے مدد نہ چاہتے تھے، حفظ ماتقدم کی بنا پر وادی القریٰ اور تیماء کے یہودیوں سے سازباز بھی کر چکے تھے تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں جو کینہ حیی ابن اخطب کی طرف سے مدینہ پر بلوہ کی صورت میں رونما ہو چکا ہے، اس کی تلافی ہو جائے۔ چنانچہ جب انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی تیاری کی سن گن پائی تو فوراً بنو غطفان کو اطلاع دی تاکہ وہ وقت پر ان کی مدد کر سکیں لیکن جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، وہ وقت پر ان کی مدد کے لیے نہ پہنچ سکے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے لشکر کے پڑاؤ کے لیے ایک جگہ کا انتخاب فرمایا۔ اس پر سیدنا حباب بن المنذرؓ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! یہاں آپ اللہ کے حکم کے تحت پڑاؤ ڈال رہے ہیں یا اپنی مرضی سے اور جنگی تدبیر کی وجہ سے؟ آپؐ نے فرمایا میں اپنی رائے سے اس جگہ پڑاؤ ڈال رہا ہوں۔ عرض کی "یا رسول اللہ! یہ جگہ قلعہ نطاۃ سے بہت ہی قریب ہے اور خیبر کے سارے جنگجو افراد اسی قلعہ میں ہیں۔ انہیں ہمارے حالات کا پورا علم رہے گا، جبکہ ہمیں ان کے حالات کی کوئی خبر نہ ہوگی۔ ان کے تیر ہم تک پہنچ جائیں گے جبکہ ہمارے تیر ان تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ جب چاہیں ہم پر شبخون بھی مار سکتے ہیں۔ پھر یہ مقام پستی میں واقع ہے اور کھجوروں کے باغات کے درمیان واقع ہے۔ اس لیے کسی اور جگہ پڑاؤ ڈالنا میری رائے میں بہتر ہوگا۔ آپؐ نے سیدنا حباب بن المنذرؓ کی رائے کی تحسین فرمائی اور دوسری مناسب جگہ پڑاؤ ڈالنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

خیبر پر مسلمانوں کے حملہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح تمام جزیرہ نما عرب میں پھیل گئی۔ عرب کا ہر شخص نتیجے کے لیے گوش بر آواز تھا۔ خصوصاً قریش مکہ نہایت بے تابی کے ساتھ نتیجہ کے منتظر تھے۔ انہیں پوری پوری امید تھی کہ خیبر کے یہودی اپنی بہادری، اپنے قلعوں کی سربلندی، اسلحہ کی بہتات اور پہاڑوں کی بلند ترین چوٹیوں کی وجہ سے مسلمانوں کا نہ صرف حملہ ناکام کر دیں گے بلکہ ان کی وہ درگت بنائیں گے کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ چنانچہ ان میں سے اکثر نے تو شرط بھی لگا رکھی تھی۔

Marfat.com

خیبر کی آبادی دو منطقوں میں منقسم تھی۔ ایک منطقے میں حسب ذیل پانچ قلعے تھے:

(۱) حصن ناعم (۲) حصن صعب بن معاذ (۳) حصن زبیر (۴) حصن ابی (۵) حصن نزار

ان میں سے مشہور تین قلعوں پر مشتمل علاقہ نطاۃ کہلاتا تھا اور بقیہ دو قلعوں پر مشتمل علاقہ شق کے نام سے مشہور تھا۔

دوسرا منطقہ کتیبہ کہلاتا تھا۔ اس میں صرف تین قلعے تھے۔

۱۔ حصن قموص: (یہ قلعہ بنو نضیر کے خاندان ابوالحقیق کا قلعہ تھا)

۲۔ حصن وطیح (۳) حصن سلالم

ان آٹھ قلعوں کے علاوہ خیبر میں مزید قلعے اور گڑھیاں تھیں مگر وہ چھوٹی تھیں اور مضبوطی اور حفاظت کے نقطہ نظر سے ان قلعوں کے ہم پلہ نہ تھیں۔

جنگ صرف پہلے منطقے میں ہوئی۔ دوسرے منطقے کے تینوں قلعے لڑنے والوں کی کثرت کے باوجود جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں کے حوالے کر دیئے گئے۔

مسلمانوں نے خیبر میں داخل ہو کر صف بندی کی اور خیبر کے قلعوں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ یہود نے اپنے سرغنہ سلام بن مشکم کے مشورہ سے یہ انتظام کیا کہ مال و اسباب، مستورات اور بچوں کو قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم میں پہنچا دیا۔ اجناس اور رسد قلعہ ناعم میں منتقل کر دی گئیں اور سپاہی اپنے جنگ آزمودہ اور تجربہ کار سپہ سالاروں کی قیادت میں غنیم کے حملہ سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سب کے سب قلعہ نطاۃ میں جمع ہو گئے۔

(۱) قلعہ ناعم کی فتح

مسلمان فوج نے سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا کیونکہ یہ قلعہ جنگی محل وقوع کے لحاظ سے یہود کی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا سب سے پہلے فتح کرنا ضروری تھا۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے سیدنا محمود بن مسلمہؓ کی زیر قیادت ایک دستہ اس کو فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے نہایت بہادری اور جوانمردی سے اس قلعہ کو فتح کرنے کے لیے حملہ کیا اور کافی دیر تک یہودیوں سے مقابلہ کیا۔ گرمی بہت سخت تھی، اس لیے تھک کر دم لینے کے لیے وہ قلعہ کی دیوار کے سایہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ کنانہ بن ربیع نے قلعہ کی فصیل کے اوپر سے چکی کا ایک بہت بھاری پاٹ گرایا جس سے وہ شہید ہو گئے لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہو گیا۔ ("فتح الباری" جلد ۷، ص ۳۵۸، "عیون الاثر" جلد ۲، ص ۱۸۴)

ناعم کی فتح کے بعد چند چھوٹی چھوٹی گڑھیاں اور قلعے تھے۔ وہ آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے۔ اس کے بعد قلعہ قموص کا محاصرہ کیا گیا۔ یہ اس شہ زور اور بہادر یہودی کا قلعہ تھا، جس کو مرحب کہتے تھے اور

Marfat.com

جس کے بارہ میں یہ مشہور تھا کہ وہ ایک ہزار مردوں کے برابر ہے۔

محاصرہ کو کئی روز گزر گئے اور قلعہ فتح نہ ہوا۔ روایات میں ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ دردِ شقیقہ کی وجہ سے میدان میں تشریف نہ لاسکے۔ اس لیے علم دے کر سیدنا صدیق اکبرؓ کو بھیجا۔ انہوں نے جی توڑ کر مقابلہ کیا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ دوسرے روز سیدنا فاروق اعظمؓ کو علم دے کر بھیجا' سیدنا عمرؓ نے بھی پوری جوانمردی سے مقابلہ و مقاتلہ کیا لیکن بغیر فتح کے رات کو واپس ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں کل علم اس شخص کو دوں گا' جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ۔ یہ اس قلعہ کو فتح فرمادے گا۔

صحابہ کرامؓ نے یہ رات نہایت اضطراب سے گزاری۔ سیدنا عمرؓ جو قناعت پسندی میں اپنی مثال آپ تھے اور آپؐ نے کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہیں کی تھی' وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ اس موقع کی تمنامیں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی۔ ("مسلم" جلد ۲' ص ۲۷۸)

صبح کے وقت صحابہ کرامؓ نے سنا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے پوچھا "علیؓ کہاں ہیں؟" سیدنا علیؓ اس وقت آشوب چشم میں مبتلا تھے اور جنگ کرنے کے قابل نہ تھے' لیکن حضور ﷺ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ روایات میں ہے کہ آپ نے سیدنا علیؓ سے فرمایا خذ ھذہ الرایہ' فامض بھا حتی یفتح اللہ علیک اے علیؓ یہ جھنڈا لو اور غنیم پر حملہ کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ سے اسے فتح فرمائے۔ سیدنا علیؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ! کیا لڑ کر یہود کو مسلمان بنالیں؟" فرمایا نرمی کے ساتھ ان پر اسلام پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے حلقہ بگوش اسلام ہوگیا تو یہ بات تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

("بخاری" جلد ۲' ص ۶۰۵' جلد ۱' ص ۵۲۵' "مسلم" جلد ۲' ص ۲۷۹)

سیدنا علی بن ابی طالبؓ فوج لے کر اس قلعہ کے سامنے پہنچے اور یہود کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اس دعوت کو مسترد کر دیا۔ اس وقت قلعہ میں بیس ہزار سپاہی تھے۔ وہ اپنے رئیس قلعہ مرحب کی کمان میں اسلامی فوج کے مدمقابل آکھڑے ہوئے۔ مرحب نے میدان جنگ میں اتر کر دعوت مبارزت دی۔ جس کی کیفیت سیدنا سلمہ بن اکوعؓ نے یہ بیان کی ہے کہ مرحب اپنی تلوار لے کر ناز و تکبر کے ساتھ اٹھلاتا ہوا اور یہ کہتا ہوا نمودار ہوا

قد علمت خیبر انی مرحب ۔۔۔ شاکی السلاح بطل مجرب
اذا الحروب اقبلت تلھب

"یعنی خیبر کے تمام لوگ اس سے آشنا ہیں کہ میں مرحب ہوں' ہتھیار پوش اور بہادر تجربہ کار جب جنگ کا شعلہ بھڑکتا ہے"۔

سیدنا سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ رجز سن کر میرے چچا عامر بن اکوعؓ اس کے مقابلہ کے لیے میدان جنگ میں آئے۔ چونکہ یہ بھی شاعر تھے، انہوں نے یہ رجز پڑھا:

قد علمت خیبر انی عامر شاکی السلاح بطل مغامر

"یعنی خیبر جانتا ہے کہ میں عامر بن اکوع ہوں۔ ہتھیار پوش، جنگ جو اور شہ زور"

پھر دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ مرحب کی تلوار عامر کی ڈھال پر لگی اور عامر نے اسے نیچے سے مارنا چاہا لیکن ان کی تلوار چھوٹی تھی۔ انہوں نے مرحب کی پنڈلی پر وار کیا لیکن تلوار کا سرا پلٹ کر ان کے گھٹنے پر آ لگا جس سے گہرا زخم ہو گیا۔ آخر کار اسی زخم کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی دو انگلیاں اکٹھی کر کے ان کے بارہ میں ارشاد فرمایا کہ ان کے لیے دوہرا اجر ہے۔ وہ بڑے جانباز اور جان نثار مجاہد تھے۔ ان جیسا عرب کم ہی پیدا ہوا ہوگا۔

("بخاری" جلد ۲، ص ۶۰۳، "مسلم" "باب غزوہ خیبر، جلد ۳، ص ۱۲۲، ص ۱۱۵)

سیدنا عامرؓ کے زخمی ہونے کے بعد سیدنا علیؓ مرحب کے مقابلہ میں تشریف لائے۔ سلمہ بن اکوعؓ کا بیان ہے کہ اس وقت سیدنا علیؓ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

انا الذی سمتنی امی حیدرہ کلیث غابات کریہ المنظرہ

اوفیھم بالصاع کیل السندرہ

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ جنگل کے شیر کی طرح خوفناک ہوں۔ میں انہیں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا"۔

بعد ازاں مرحب کے سر پر اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے سر کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

("فتح الباری" جلد ۷، ص ۳۶۷)

یہ روایت تو عام روایت ہے جس کو ہمارے اردو کے اکثر مورخین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک صحیح روایت یہ ہے کہ جب مرحب نے دعوت مبارزت دی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کون اس کے مقابلہ میں جائے گا؟ سیدنا محمد بن مسلمہؓ نے عرض کی انا لہ یا رسول اللہ اے اللہ کے رسول! میں اس کے مقابلہ میں جاؤں گا۔ کل میرا بھائی مارا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اٹھو اور جاؤ۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا "اے اللہ! اس کی مدد فرمانا۔ (اللھم اعنہ علیہ)

محمد بن مسلمہؓ نے اسے ایسی تلوار ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

("ابن ہشام" جلد ۲، ص ۳۳۳، "عیون الاثر" جلد ۲، ص ۱۸۶)

طبری نے بھی یہ لکھا ہے محمد بن مسلمہؓ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔

حافظ ابن کثیر نے بھی واقدی، زہری اور محمد بن اسحاق سے مختلف سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے کہ

Marfat.com

محمد بن مسلمہؓ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے مرحب کی تلوار، اس کا نیزہ اور اس کا خود محمد بن مسلمہؓ کو عطا فرمایا۔ ("البدایہ والنہایہ" جلد ۴، ص ۱۸۹، "ابن اثیر" جلد ۳، ص ۲۱۹)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے لکھا ہے کہ:

"ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے مارا تھا۔ "مسند احمد بن حنبل" اور "نووی شرح صحیح مسلم" میں بھی ایک روایت ہے۔ لیکن "صحیح مسلم" اور "حاکم" جلد ۲، ص ۳۹ میں سیدنا علیؓ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح الروایات ہے۔ ("سیرۃ النبی" جلد ۱، ص ۴۸۹)

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل مرحب ہونے کی روایت مشہور بھی ہے اور صحیح بھی۔ ("ابن اثیر" جلد ۲، ص ۲۱۹)

اس بارہ میں ہم نے تفصیل اپنی کتاب سیدنا علیؓ "شخصیت اور کردار" میں بیان کر دی ہے۔ بہر حال مرحب کو قتل سیدنا علیؓ نے کیا یا محمد بن مسلمہؓ نے۔ جونہی مرحب قتل ہوا، اس کا بھائی یاسر میدان میں کود پڑا۔ سیدنا زبیرؓ نے آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔

یہ قلعہ بیس روز کے محاصرہ کے بعد سیدنا علیؓ کے زیر پرچم فتح ہوا اور بہت سے مال غنیمت کے علاوہ بہت سے قیدی بھی ہاتھ آئے جن میں صفیہ جو حیی بن اخطب رئیس بنی نضیر کی بیٹی اور کنانہ بن ربیع کی بیوی تھیں۔ ("فتح الباری" جلد ۷، ص ۳۶۷)

اس قلعہ کی فتح میں بہت سے سربر آوردہ یہودی کام آئے۔ اس قلعہ کا محاصرہ کئی روز تک رہا۔ جب یہود نے دیکھا کہ ہم مسلمانوں کو زیر نہیں کر سکے تو وہ پوشیدہ طور پر اس قلعہ سے قلعہ صعب بن معاذ میں منتقل ہو گئے۔

قلعہ صعب بن معاذ کی فتح

قلعہ قموص کی فتح کے بعد مسلمانوں نے قلعہ صعب بن معاذ کا محاصرہ کر لیا۔ کیونکہ یہ قوت و حفاظت کے لحاظ سے دوسرا سب سے بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ مسلمانوں نے سیدنا حباب بن منذر انصاریؓ کی زیر قیادت اس قلعہ پر حملہ کیا۔ تین روز کے محاصرہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کی فتح کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔ دعا فرمانے کے بعد سرکارِ دوعالم ﷺ نے مسلمانوں کو اس قلعے پر حملہ کی دعوت دی۔ یہاں بھی قلعہ کے سامنے مبارزت اور مار کاٹ ہوئی۔ پھر اسی دن سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے یہ قلعہ فتح ہو گیا۔ خیبر میں کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جہاں اس قلعہ سے زیادہ خوراک اور چربی اور خورد و نوش کا دیگر سامان مسلمانوں کو ملا ہو۔

Marfat.com

قلعہ قموص کا محاصرہ چونکہ بیس روز تک رہا۔دوران محاصرہ مسلمان فوج کی رسد ختم ہو گئی۔آپ کی خدمت میں رسد کے ختم ہونے کی بابت عرض کیا گیا لیکن کوئی مداوا نہ بن آیا۔ناچار فوج کی سواری کے گھوڑے ذبح کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔اسی اثناء میں یہود کے ایک قلعے بکریوں کا ریوڑ اتر رہا تھا جس میں سے دو بکریاں پکڑ گئیں اور مسلمانوں نے اس کے گوشت پر اکتفا کیا۔اب قلعہ صعب بن معاذ فتح ہوا تو یہاں سے اس قدر رسد حاصل ہوئی کہ مسلمانوں نے خورد و نوش سے بے فکر ہو کر محصورین کو فتح کرنا شروع کر دیا۔لیکن یہودی اپنی سرزمین کا ایک چپہ آسانی سے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔وہ اپنے ہر قلعہ کی حفاظت میں جان کی بازی لگا دیتے اور جب تک پوری طرح بے بس نہ ہو جاتے، قبضہ نہ چھوڑتے۔

روایت ہے کہ ایک روز آپ نے دیکھا کہ ہر طرف آگ جل رہی ہے۔آپ نے پوچھا کیا پک رہا ہے؟عرض کی گوشت پکا رہے ہیں۔پوچھا کس چیز کا گوشت ہے۔عرض کیا اہلی گدھوں کا۔آپ نے فرمایا وہ نجس ہے۔سب پھینک دو اور برتنوں کو توڑ دو۔کسی صحابی نے عرض کی یا رسول اللہؐ اگر گوشت پھینک کر برتنوں کو دھولیں تو کیا اس کی اجازت ہے۔فرمایا ہاں برتنوں کو دھولو۔

قلعہ زبیر کی فتح

اس قلعہ کے فتح ہونے کے بعد یہود نے حصن قلہ (اس کو قلعہ زبیر بھی کہتے ہیں) میں جا کر پناہ لی۔یہ بھی بہت محفوظ اور مستحکم قلعہ تھا اور پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، اسی لیے اس کو حصن قلہ کہتے تھے کیونکہ قلہ کے معنی پہاڑ کی چوٹی کے ہیں۔راستہ اتنا پر پیچ تھا کہ سواروں کی رسائی مشکل تھی اور پیادوں کا بھی وہاں پہنچنا دشوار تھا۔آپ نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔محاصرہ کو ابھی تین روز ہوئے تھے کہ حسن اتفاق سے ایک یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "ابو القاسم! اگر آپ مہینہ بھر بھی اس کا محاصرہ جاری رکھیں تو بھی ان لوگوں کو کوئی پروا نہیں۔ان کے پاس زمین کے نیچے پانی کے چشمے ہیں۔یہ رات کو نکلتے ہیں اور پانی پی کر اور کچھ ساتھ لے کر واپس قلعہ میں چلے جاتے ہیں۔اگر آپ ان کا پانی بند کر دیں تو یہ گھٹنے ٹیک دیں گے"۔آپ نے ان کا پانی بند کر دیا۔مجبور ہو کر یہ باہر نکلے اور مسلمانوں سے زبردست جنگ کی، جس میں کئی مسلمان شہید ہوئے اور قریباً دس یہودی بھی مارے گئے، لیکن قلعہ فتح ہو گیا۔

(زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۳۶)

اس قلعہ کی فتح کے بعد نطاۃ کے علاقہ کے تمام قلعے فتح ہو گئے۔اب آپ دوسرے منطقے کی طرف بڑھے اور ان کے قلعوں کو فتح کرنا شروع کیا۔(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۹۸)

قلعہ ابی کی فتح

قلعہ زبیر کی فتح کے بعد اب یہودی حصن ابی میں قلعہ بند ہو گئے۔ یہودی حوصلہ ہار چکے تھے۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس قلعہ کا بھی محاصرہ کر لیا۔ اب دو یہودی شہ زور یکے بعد دیگرے دعوت مبارزت دیتے ہوئے میدان میں نکلے۔ لیکن دونوں ہی مسلمان جانبازوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

دوسرے یہودی کے قاتل میدان احد کے جانباز مجاہد سیدنا ابودجانہ سماک بن خرشہ انصاری ؓ تھے۔ وہ دوسرے یہودی شہ زور جانباز کو قتل کر کے نہایت تیزی کے ساتھ قلعہ میں جا گھسے اور ان کے ساتھ ہی اسلامی لشکر بھی جا گھسا۔ قلعہ کے اندر کچھ دیر تک زوردار رن پڑا لیکن یہودیوں کے پاؤں کھسک گئے اور وہ سب کے سب بھاگ کر قلعہ نزار میں چلے گئے۔

قلعہ نزار کی فتح

یہ قلعہ اس علاقے کا نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا اور یہود کو پورا پورا یقین تھا کہ مسلمان اپنی انتہائی کوشش کے باوجود اس قلعہ کو سر نہیں کر سکتے۔ اس لیے اس قلعہ میں وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے گئے۔ جبکہ پہلے چار قلعوں میں عورتیں اور بچے ان کے ساتھ نہ تھے۔

جتنا یہودی اس قلعہ کو مضبوط سمجھتے تھے، مسلمانوں نے اتنا ہی سختی کے ساتھ اس قلعہ کا محاصرہ کیا اور یہود پر سخت دباؤ ڈالا۔ لیکن قلعہ کے بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے اس میں داخل ہونا مشکل تھا۔ اور یہودی باہر آ کر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر رہے تھے۔ البتہ تیروں اور پتھروں کو پھینک کر مسلمانوں کا مقابلہ کر رہے تھے لیکن یہ مقابلہ نہایت کمزور تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس قلعہ کی فتح میں دشواری محسوس کی تو حکم فرمایا کہ منجنیق لگا کر گولہ باری کی جائے۔ تاریخ کے اوراق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند گولے پھینکے گئے اور قلعہ کی دیواروں میں ان گولوں سے شگاف بھی پڑ گئے اور مسلمان قلعہ کے اندر گھس گئے اور وہاں زور کا رن پڑا۔ یہودی پہلے ہی حوصلہ ہارے ہوئے تھے۔ لہٰذا مقابلہ کی تاب نہ لا کر فاش اور بدترین شکست کھائی اور اس طرح بے محابا بھاگے کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ نہ لے جا سکے اور انہیں اہلِ اسلام کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

اس قلعہ کی فتح سے خیبر کا نصف اول پورے کا پورا مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اب وہ شہر کے دوسرے حصے یعنی منطقہ کتیبہ کی طرف بھاگ گئے۔

Marfat.com

وطیح اور سلالم کی فتح

جب تمام قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو آخر میں آپ وطیح اور سلالم کی طرف بڑھے۔ بعض روایات میں الکتیبہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ سلالم بنو نضیر کے ایک مشہور یہودی ابوالحقیق کا قلعہ تھا۔ یہ شخص مدینہ سے جلاوطن ہو کر یہاں آیا تھا۔ یہود اب ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر انہی قلعوں میں جمع تھے۔

آپ نے ان قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ چودہ دن کے محاصرہ کے بعد مجبور ہو کر یہود نے صلح کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔ چنانچہ انہوں نے ابن ابی الحقیق کو صلح کی گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے اس شرط پر صلح کر لی کہ قلعہ میں موجود تمام فوج کی جان بخشی کر دی جائے گی اور ان کے بال بچوں کو لونڈی اور غلام نہیں بنایا جائے گا بلکہ یہ انہی کے پاس رہیں گے۔ اور وہ اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر وطیح کی سرزمین یک لخت خالی کر دیں گے۔ اپنے اموال، زمینیں، باغات اور سونا چاندی، گھوڑے اور تمام اسلحہ رسول اللہ ﷺ کے حوالہ کر دیں گے۔ اپنے ساتھ صرف اتنا کپڑا لے جائیں گے، جتنا ایک انسان کی پشت اٹھا سکتی ہے۔ ("ابوداؤد" جلد ۲، ص ۷۶) سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ کوئی چیز چھپا کر لے گئے تو پھر اللہ اور اس کا رسول بری الذمہ ہیں۔ یہود نے ان تمام شرائط کو منظور کر لیا اور صلح ہو گئی اور خیبر کی فتح مکمل ہو گئی، لیکن یہود کی سرشت میں ہے کہ وہ کسی معاہدہ کا احترام نہیں کرتے۔ اس سے قبل بھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیے گئے ہر عہد و پیمان کو توڑا تھا۔ اب بھی وہ اپنی پیمان شکنی سے باز نہ آئے اور ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں نے بہت سامال غائب کر دیا۔ کیونکہ یہودی ذہن مال کے معاملہ میں بہت حریص واقع ہوا ہے۔ حیی ابن اخطب کا ایک چمڑے کا بہت بڑا تھیلا تھا جس میں بہت سامال اور زیورات تھے، اس کو غائب کر دیا گیا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کنانہ بن ابی الحقیق کو لایا گیا۔ اس کے پاس بنو نضیر کا خزانہ تھا جو ایک چرمی تھیلے میں بند تھا۔ اس سے پوچھا کہ وہ تھیلا کہاں ہے؟ کنانہ نے کہا کہ وہ سارا مال جنگوں میں خرچ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ مال تو بہت زیادہ تھا، اس مختصر عرصہ میں کیسے خرچ ہو گیا۔ یہ روایت ابن سعد کی ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ سعیہ سے دریافت فرمایا اور بیہقی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ کنانہ اور اس کے بھائی وغیرہ سے بھی دریافت کیا گیا لیکن ان سب نے یہی کہا کہ وہ سب مال خرچ ہو گیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خزانے کا تھیلا ہم نے تمہارے پاس سے برآمد کر لیا تو ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ اس نے کہا مجھے منظور ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک انصاری صحابی کو حکم دیا کہ جاؤ فلاں جگہ ایک درخت کی جڑ میں وہ مال دبایا ہوا ہے۔ اسے کھود کر لے آؤ۔ وہ صحابی گئے اور زمین کھود کر وہ تھیلا برآمد کر

کے لے آئے۔ جو مال اس تھیلے سے برآمد ہوا اس کی قیمت دس ہزار دینار تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ اس سے صرف آدھا مال برآمد ہوا۔ دوسرے آدھے مال کی برآمدگی کے لیے آپ نے اسے سیدنا زبیر بن عوامؓ کے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ اسے سزا دو یہاں تک کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب بھی یہ شخص اگل دے۔ سیدنا زبیرؓ نے اس پر بہت سختی کی۔ پھر اسے محمد بن مسلمہؓ کے حوالے کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اسے محمد بن مسلمہؓ کے حوالے اس لیے بھی کیا کہ اس کنانہ نے ان کے بھائی محمود بن مسلمہؓ کو قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ گرا کر شہید کیا تھا۔ یہ بھی اس کا بہت بڑا جرم تھا۔ چنانچہ سیدنا محمد بن مسلمہؓ نے اسے اپنے بھائی کے قتل کی پاداش میں قتل کر دیا۔ ("سیرۃ ابن ہشام" جلد ۲، ص ۳۳۶)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی ج ۲ ص ۱۲۹، سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج ۳ ص ۱۲۰، سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۱۶۴۔۱۶۶، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ، زاد المعاد ج ۲ ص ۱۳۶)

حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں کو قتل کرا دیا تھا اور ان دونوں کے خلاف یہ مال چھپانے کی گواہی ان کے چچیرے بھائی نے دی تھی۔

یہ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، صفیہ کا شوہر تھا۔ اس کے بعد سیدہ صفیہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نکاح فرمایا اور وہ قیامت تک کے لیے پوری امت مسلمہ کے لیے محترم ہو گئیں۔ حیی بن اخطب کی یہ بیٹی اور کنانہ بن ربیع کی بیوی جس کا چند روز قبل نکاح ہوا اور ابھی دلہن ہی تھی، قیدی بن کر بارگاہ رسالت میں آئیں اور آپ نے انہیں اپنے لیے مختص کیا اور ان کو اپنے حبالہ عقد میں لائے۔

خیبر یہود کے نزدیک ایک ناقابلِ تسخیر محاذ تھا۔ کیونکہ اسلحہ، فوج اور دوسرے جنگی ذرائع ان کے پاس فراوانی سے تھے۔ اس کے علاوہ یہ پوری سرزمین قلعوں اور گڑھیوں کی تھی۔ یہود نے اپنی مدافعت کے لیے یہاں بہت سے قلعے بنائے ہوئے تھے بلکہ بڑے بڑے سرداروں کے مکانات بھی قلعہ نما تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کی فوج کو یہاں بہت تگ و دو کرنا پڑی، جس کی وجہ سے آخر کار میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا۔ اس وجہ سے یہاں مسلمان شہداء کی تعداد ایک روایت کے مطابق سولہ ہے اور دوسری روایت اٹھارہ کی ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں یہود کے مقتولین کی تعداد ۹۳ بتائی گئی ہے۔

غنائم کی تقسیم

خیبر کی غنیمت میں سونا اور چاندی تو بہت کم تھا۔ گائے، بیل اور اونٹ اور کچھ دیگر سامان تھا اور سب سے بڑی چیز وہاں کی زمینیں اور باغات تھے۔ زمینوں اور باغات کے علاوہ جو سامان تھا وہ تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے قرآنی حکم کے مطابق غانمین پر تقسیم فرما دیا اور زمینوں کو صرف اہلِ حدیبیہ پر تقسیم کیا۔

("روض الانف" جلد ۲، ص ۲۴۶)

Marfat.com

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ اس غزوہ میں آپ نے ان مجاہدین کو شرکت کے لیے کہا جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے۔ کیونکہ اس سفر میں جب ان حضرات کا اخلاص واضح ہو گیا تو بارگاہِ رب العزت سے ان شکستہ دلوں اور شکستہ حالوں کی شکستگی دور کرنے کے لیے فتح خیبر کی بشارت نازل ہوئی تو یہ حکم دیا کہ خیبر کی غنائم حاضرین حدیبیہ کے لیے مخصوص ہوں گی۔ کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہو گا۔ اس وجہ سے آپ نے غنائم خیبر کو ان حضرات ہی میں تقسیم کیا۔ خیبر کے اموال کی کثرت کی وجہ سے ان سب حضرات کی مالی درماندگی دور ہو گئی۔ چنانچہ بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ "ہم لوگ اس وقت تک آسودہ حال نہ ہوئے جب تک کہ خیبر کو فتح نہ کیا"۔ اور سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا کہ اب ہمیں پیٹ بھر کر کھجور ملے گی"۔ ("بخاری" جلد ۲، ص ۶۰۹) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیبر میں کھجوروں کے بڑے بڑے باغات تھے جو فتح کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ مسلمانوں کی فتح خیبر سے آسودہ حالی کا پتہ اس روایت سے بھی چلتا ہے کہ جب سرکارِ دوعالم ﷺ خیبر سے مدینہ واپس تشریف لائے تو مہاجرین نے انصارِ مدینہ کے کھجوروں کے وہ سب درخت واپس کر دیئے جو انصار نے ان کی نصرت اور امداد کے طور پر انہیں دے رکھے تھے۔ کیونکہ اب خیبر سے انہیں مال اور کھجور کے درخت مل گئے تھے۔ ("زاد المعاد" جلد ۲، ص ۱۴۸، "مسلم" جلد ۲، ص ۹۶)

خیبر کی زمینوں اور باغات کو آپ نے کس طرح تقسیم فرمایا، اس کے بارہ میں سنن ابی داؤد میں مرقوم ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے خمس نکالنے کے بعد خیبر کی زمینوں کو ۳۶ حصوں میں بانٹ دیا۔ ان میں سے اٹھارہ حصے مسلمانوں کی ضروریات کے لیے مخصوص فرما لیے یعنی ان سے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات و حوادث کی تکمیل مقصود تھی۔ باقی اٹھارہ حصے مجاہدین پر تقسیم فرما دیئے اور ہر حصہ میں سو سو کا حصہ مقرر فرمایا۔ یہ اہلِ حدیبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عطیہ تھا۔ خیبر کی اس فوج میں دو سو گھوڑے بھی تھے۔ چونکہ سوار کے علاوہ خود گھوڑے کو بھی حصہ ملتا ہے، اور گھوڑے کا حصہ ڈبل ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے دو سو گھوڑ سواروں کو چھ سو سپاہیوں کے برابر حصہ ملا۔ خیبر کی اراضی کا وہ حصہ جس کو آپ نے تقسیم نہیں فرمایا، اس میں الکتیبہ اور وطیح و سلالم اور اس کی ملحقہ اراضی تھی۔

("سنن ابی داؤد" جلد ۲، ص ۴۲۵)

اس لشکر کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ایک روایت میں چودہ سو ہے کیونکہ حدیبیہ میں چودہ سو حضرات تشریف لے گئے تھے۔ ایک روایت پندرہ اور سولہ سو کی بھی ہے۔

("سنن ابی داؤد" جلد ۲، ص ۴۲۶، بذل المجہود" جلد ۴، ص ۱۴۶)

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی تمام زمینوں کو تقسیم نہیں فرمایا بلکہ صرف نطاۃ اور شق اور ان کی ملحقہ زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم فرمایا اور باقی تمام اراضی کو مسلمانوں کی اجتماعی

ضروریات و حوادث اور ان کے مصالح کے لیے محفوظ فرمادیا۔ ("شرح معانی الآثار" جلد ۲، ص ۱۴۴)

اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ خیبر کی اراضی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جنگ کے نتیجہ میں حاصل شدہ اراضی۔ اس اراضی کو آپ نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

(۲) بغیر جنگ کے حاصل شدہ اراضی۔ یہ اراضی ریاست کی ملکیت تھی۔

اس کو سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہود کو بٹائی پر دے دیا اور اس کی آمدن مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو خیبر سے جلاوطن کرنے کا ارادہ فرمایا اور ان سے جو معاہدہ ہوا تھا اس میں طے بھی یہی ہوا تھا کہ وہ خیبر کو چھوڑ کر باہر چلے جائیں گے۔ لیکن یہود نے کہا "اے محمدؐ! ہمیں اسی سرزمین میں رہنے دیجئے۔ ہم اس علاقہ کی اراضی کی دیکھ بھال کریں گے کیونکہ ہمیں آپ لوگوں سے زیادہ اس کی معلومات ہیں"۔ ادھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے پاس اس قدر غلام اور نوکر نہ تھے جو ان زمینوں کی دیکھ بھال اور اس میں کاشتکاری کرتے۔ دوسرے اس وقت مدینہ کے ارد گرد دشمنوں کے خطرات ہر وقت منڈلا رہے تھے اور مسلمانوں کے پاس اتنی فرصت نہیں تھی کہ اس اراضی کی دیکھ بھال کر سکیں۔ اس وجہ سے آپؐ نے خیبر کی اراضی اس شرط پر یہود کے حوالہ کر دی کہ ساری کھیتی اور تمام پھلوں کی پیداوار کا آدھا یہود کو دیا جائے گا اور جب تک سرکارِ دو عالم ﷺ کی مرضی ہوگی، بٹائی کے اس معاہدہ کو برقرار رکھیں گے اور جب چاہیں گے اراضی چھین کر انہیں جلاوطن کر دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہر سال سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ پیداوار کی بٹائی کے لیے خیبر تشریف لاتے۔ اجناس کی تمام اقسام دو حصوں میں تقسیم فرما کر مزارعین سے فرماتے کہ "دونوں میں سے جو ڈھیر پسند ہو، اٹھالو"۔ اس پر ایک مرتبہ اہلِ خیبر نے کہا "اسی عدل پر زمین و آسمان قائم ہیں"۔

("فتوح البلدان"، "ابوداؤد" جلد ۲، ص ۱۲۸، باب الخرص)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ انہیں یہ فرماتے:

"اے گروہ یہود! تمام مخلوق خدا میں تم میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہو۔ تمہی نے اللہ کے انبیاء کو قتل کیا، تمہی نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، لیکن تمہارا یہ بغض اور تمہاری یہ عداوت مجھ کو کبھی اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتے کہ تم پر کسی قسم کا ظلم کروں"۔

("شرح معانی الآثار" جلد ۱، ص ۳۱۶، باب الخرص)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہود خیبر کے لیے تو ان کی اراضی پر کاشتکاری کا حق قائم رہنے دیا جبکہ اس سے قبل مدینہ کے یہود بنو قینقاع اور بنو نضیر کو ان کی اراضی سے بالکل بے دخل کر دیا حتیٰ کہ دونوں قبائل کو جلاوطن کر دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خیبر کے یہود کا معاملہ یہود مدینہ سے

Marfat.com

مختلف ہے۔

۱۔ فتح خیبر کے بعد یہاں کے یہودیوں کے سراٹھانے کا خطرہ ختم ہو گیا۔

۲۔ خیبر میں باغات و نخلستان اور اراضی اس قدر زیادہ تھی کہ اس کی پیداوار صحیح طور پر حاصل کرنے کے لیے بہت کدو کاوش کی ضرورت تھی۔

۳۔ مدینہ کے مسلمان اگرچہ خود زراعت پیشہ تھے، لیکن ان کی ذاتی اراضی بھی ان کی توجہ اور کاوش کے بغیر آباد نہیں رہ سکتی تھی۔ اس وجہ سے وہ خیبر جا کر ان زمینوں کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے تھے۔

۴۔ جنگوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے خود ان کی ذاتی اراضی بھی اتنی پیداوار نہیں دے رہی تھی، جتنی اسے دینی چاہیے تھی۔ اس وجہ سے خیبر کی زمینیں یہود ہی کی نگرانی اور کاشتکاری میں رہنے دیں۔

۵۔ خیبر میں یہود کی بساط سیاست الٹنے سے اب ان کے لیے کاشتکاری پر اکتفا بھی بہت غنیمت تھا اور اب ان کی طرف سے کسی بغاوت کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لیکن تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ یہود اپنی بدطینتی کی وجہ سے ان زمینوں کو وہ توجہ نہ دیتے جس کی وہ مستحق تھیں۔ چنانچہ رفتہ رفتہ وہاں کی اراضی بنجر ہوتی چلی گئی۔

اسی غزوہ کی فتح کے بعد سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ اور سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ اور ان کے ساتھی جن کی تعداد سو سے زیادہ تھی، حبشہ سے واپس تشریف لائے۔ ان لوگوں کو بلوانے کے لیے سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا عمرو بن امیہ ضمریؓ کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ ان لوگوں کو آپ کے پاس روانہ کر دے۔ چنانچہ نجاشی نے آپؐ کے حکم کی تعمیل میں انہیں دو کشتیوں پر سوار کر کے مدینہ بھیج دیا۔ یہ لوگ سیدھے خیبر آئے لیکن ان کے خیبر پہنچنے سے قبل خیبر فتح ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپؐ نے ان حضرات کو اصل غنیمت میں سے حصہ دیا یا خمس میں سے دیا یا اموال منقولہ میں سے قبل از تقسیم غنیمت بطور امانت کچھ عطا فرمایا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ آپؐ نے ان لوگوں کو حصہ محض اپنی رائے اور اختیار سے دیا یا مسلمانوں کی اجازت سے دیا۔

("عمدۃ القاری"، جلد ۷، ص ۴۷۱، "قسطلانی" جلد ۵، ص ۲۰۰)

غزوہ خیبر میں کچھ غلام اور کچھ عورتیں بھی مجاہدین کی خدمت کے لیے شریک ہوئی تھیں۔ آپ نے بطور اعانت ان کو بھی خیبر سے حاصل شدہ مال سے کچھ دیا۔ اراضی سے انہیں کوئی حصہ نہیں ملا۔

("البدایہ والنہایہ" جلد ۴، ص ۲۰۴)

سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ جب خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور ان کا سر منہ چوم کر فرمایا "میں نہیں جانتا کہ مجھے خیبر کی فتح کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر کی آمد کی۔"

("بخاری" جلد ۱، ص ۴۴۳، "فتح الباری" جلد ۷، ص ۴۸۴-۴۸۷)

Marfat.com

سیدہ صفیہؓ سے شادی

خیبر کی قیدی عورتوں میں سے ایک حضرت صفیہؓ بھی تھیں۔ یہ یہود کے رئیس حیی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوی تھیں۔ ان کا شوہر بدعہدی اور پیمان شکنی کے باعث قتل کردیا گیا۔

سیدہ صفیہ قیدی ہو کر خدمت نبوی میں پیش ہوئیں۔ سیدنا دحیہ کلبیؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ "یارسول اللہ! مجھے قیدی عورتوں میں سے ایک لونڈی عنایت فرمادیجئے۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ جاؤ ایک لونڈی لے لو۔ سیدنا دحیہ کلبیؓ نے انہیں منتخب کیا۔ اس پر ایک شخص نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! آپ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی رئیس زادی صفیہ کو دحیہؓ کے حوالہ کردیا حالانکہ وہ آپ کی شایانِ شان ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ دحیہ اور صفیہ دونوں کو بلاؤ۔ چنانچہ یہ دونوں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ قیدی عورتوں میں سے کوئی دوسری لونڈی لے لو۔ پھر آپؐ نے سیدہ صفیہؓ پر اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہوگئیں۔ آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کرلی۔ ان کی آزادی ہی ان کا حق مہر تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "امہات المومنین" ص ۲۷۷-۲۸۶)

آپؐ کو زہر دینے کا واقعہ

فتح خیبر کے بعد آپ نے چند روز خیبر ہی میں قیام فرمایا۔ ایک دن سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے ایک بھنی ہوئی بکری ہدیہ کے طور پر آپ کی خدمت اقدس میں بھیجی۔ آپ نے گوشت چکھتے ہی ہاتھ روک لیا اور بشر بن براء معرورؓ جو کھانے میں آپ کے ساتھ شریک تھے، انہوں نے کچھ گوشت کھالیا۔ آپ نے فرمایا ہاتھ روک لو۔ کوئی اس کا گوشت نہ کھائے۔ کیونکہ اس بکری کے گوشت میں زہر ملا ہوا ہے۔

آپ نے زینب کو بلا کر کہا کہ اس گوشت میں زہر ملا ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ آپ نے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اس گوشت میں زہر ہے اور اگر نبی کاذب ہیں تو لوگ آپ سے نجات پاجائیں گے۔ چونکہ آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، لہٰذا آپ نے کوئی تعرض نہ فرمایا لیکن جب بعد میں سیدنا بشر بن براءؓ اس زہر کھانے کی وجہ سے انتقال فرماگئے تو آپ نے زینب کو ان کے وارثان کے حوالہ کردیا، جنہوں نے اسے قصاص میں قتل کردیا۔

ایک روایت میں ہے کہ ابتداء میں اسے اس لیے قتل نہ کیا گیا کہ وہ اسلام لے آئی تھی۔

("فتح الباری" جلد ۷، ص ۳۸۰)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "ابن ہشام"، جلد ۲، ص ۳۳۷، "بخاری" جلد ۱، ص ۴۴۹، جلد ۲، ص ۶۱۰، ۸۶۰، "فتح الباری" جلد ۷، ص ۳۸۰، "زاد المعاد" جلد ۲، ص ۱۳۹۔

یہود کے باقی تین مراکز

۱۔ **فدک** رسول اللہ ﷺ نے قلعہ وطیح اور سلالم کے محاصرہ کے دوران میں پیغام بھجوادیا تھا کہ "تم لوگ مسلمان ہو جاؤ تو ٹھیک ورنہ تمہیں اپنے اموال ہمارے سپرد کرنا پڑیں گے۔ آپ کا یہ پیغام سیدنا محیصہ بن مسعودؓ لے کر گئے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ خیبر پہنچتے ہی آپ نے اہلِ فدک کو یہ پیغام بھجوایا تھا لیکن پہلے تو انہوں نے اس پیغام کی طرف کوئی توجہ نہ کی، لیکن جب خیبر فتح ہو گیا تو ان کے دلوں پر مسلمانوں کی سطوت و عظمت کا رعب بیٹھ گیا۔ اب ان لوگوں نے خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ہماری جانوں کو امان دی جائے۔ ہم بھی اہلِ خیبر کی شرائط کے مطابق نصف پیداوار دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ نے ان کی اس پیشکش کو قبول فرمالیا اور اس طرح سے فدک کی سرزمین خالص رسول اللہ ﷺ کے لیے ہو گئی کیونکہ یہ علاقہ بغیر کسی حملہ اور فوج کشی کے فتح ہوا اور اس پر نہ اونٹ اور گھوڑے دوڑائے گئے اور نہ پیادہ فوجیوں نے اس کو فتح کیا۔ لہٰذا خیبر کی طرح مجاہدین میں تقسیم نہ ہوا۔

۲۔ **فتح وادی القریٰ** یہ بستیاں خیبر اور مدینہ کی گزرگاہ پر واقع تھیں۔ یہاں بھی یہود کی ایک جماعت قیام پذیر تھی۔ اس کے ساتھ عرب کی ایک جماعت بھی شامل ہو گئی تھی۔ خیبر سے واپسی پر مسلمان وادی القریٰ سے ذرا دور ہی تھے کہ یہود نے تیر برسانا شروع کر دیے۔ وہ پہلے سے صف بندی کیے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک غلام مدعم آپ کا کجاوہ اتار رہا تھا تو ایک ناگہانی تیر اس کو آکر لگا جس سے وہ شہید ہو گیا۔ لوگوں نے کہا اس کے لیے جنت مبارک ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس نے جنگ خیبر میں مال غنیمت کی تقسیم سے قبل جو چادر چرائی تھی، وہ آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔ ایک شخص نے جب آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ سنا تو وہ جوتی کا تسمہ لے کر آیا۔ آپ نے فرمایا یہ ایک تسمہ بھی خیانت کیا ہوا جہنم سے ہے۔

("بخاری" جلد ۲، ص ۶۰۸)

اب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو صف بندی کا حکم فرمایا۔ پورے لشکر کا علم بردار سیدنا سعد بن عبادہ انصاریؓ کو بنایا۔ ایک پرچم سیدنا حباب بن منذرؓ کو دیا اور تیسرا پرچم سیدنا عبادہ بن بشرؓ کو عطا فرمایا۔ نبرد آزمائی سے پہلے آپؐ نے یہود کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے دعوت اسلامی کو قبول کرنے سے انکار کیا۔

دعوت اسلام کے انکار کے بعد ان کا ایک ایک جانباز میدان میں نکلنا شروع ہوا۔ مگر ان کی قسمت

Marfat.com

میں واپس لوٹنا نہ تھا۔ جب پہلا آدمی نکلا تو سیدنا زبیر بن عوامؓ اس کے مقابلہ کے لیے میدان میں نکلے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر ان کا دوسرا آدمی نکلا۔ سیدنا زبیرؓ نے اسے بھی جہنم رسید کر دیا۔ اس کے بعد ایک اور آدمی آیا۔ اس کے مقابلہ کے لیے سیدنا علی بن ابی طالبؓ میدان میں نکلے اور اسے ڈھیر کر دیا۔ اس طرح ان کے گیارہ آدمی مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں فرش خاک پر گرے۔ جب ایک آدمی مارا جاتا تو آپ باقی یہودیوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔

اسی طرح لڑتے لڑتے رات ہو گئی اور جنگ بند کر دی گئی۔ دوسرے روز صبح کے وقت سورج ابھی ایک نیزہ برابر بھی بلند نہ ہوا ہو گا کہ انہوں نے از خود اطاعت کا پیغام بھجوا دیا۔ چنانچہ ان کے اموال مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے اور انہیں بٹائی پر اراضی اور نخلستان سونپ دیئے گئے۔ ("زاد المعاد" جلد ۲، ص ۱۴۶) وادی القریٰ میں آپ ؑ نے چار روز قیام فرمایا۔

۳۔ تیماء اس راہ پر وادی تیماء بھی واقع ہے۔ یہ بھی ایک یہودی بستی تھی۔ انہیں جب خیبر، فدک اور وادی القریٰ کے باشندوں کی شکست فاش اور سپر انداز ہونے کی اطلاع ملی تو انہوں نے محاذ آرائی کے بجائے صلح میں اپنی خیریت سمجھی۔ چنانچہ انہوں نے از خود آدمی بھیج کر صلح کی پیشکش کر دی جس کو آپ نے قبول فرما لیا۔ انہوں نے آپ سے جزیہ پر صلح کر لی اور یہ یہود اپنے مال و متاع کے ساتھ وہاں مقیم رہے۔ ("زاد المعاد" جلد ۲، ص ۱۴۷، "زرقانی" جلد ۲، ص ۲۴۷، "فتح الباری" جلد ۵، ص ۱۷) اس صلح کے بارہ میں آپ نے انہیں ایک تحریر بھی دی جو حسب ذیل ہے:

"یہ تحریر محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنو عادیا کے لیے ہے۔ ان کے لیے ذمہ ہے اور ان پر جزیہ ہے۔ نہ انہیں جلاوطن کیا جائے گا اور نہ ان پر کوئی زیادتی ہو گی۔ یہ معاہدہ دائمی ہو گا"۔

یہ تحریر سیدنا خالد بن سعیدؓ نے لکھی۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۱، ص ۲۷۹)

یہود کا انجام

یہودیوں کی ان بستیوں (خیبر، فدک اور وادی القریٰ وغیرہ) کے فتح ہو جانے سے صدیوں کی آباد قوم یہود کا تمام رعب اور دبدبہ جزیرہ نما عرب سے ختم ہو گیا اور وہ مسلمانوں کی ماتحتی پر مجبور ہو گئے اور جس طرح قریش مکہ کی جانب سے صلح حدیبیہ کے بعد تمام خطرات کا انسداد ہو گیا اسی طرح ان یہودی بستیوں کی فتح سے شمال کی طرف سے بھی تمام دسیسہ کاریوں اور فتنوں کا دروازہ بند ہو گیا۔ یہود کے سرنگوں ہو جانے سے ان کے متعلق مسلمانوں خصوصی طور پر انصار مدینہ، کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ کیونکہ یہ لوگ ان کے بڑے ستم رسیدہ تھے۔ ان میں سے بعض کی مدینہ میں آباد کاری پر بھی مسلمانوں نے چشم

Marfat.com

پوشی سے کام لیا۔ اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ نے بحرین کے یہود بنو عریض اور بنو غازیہ کے ساتھ بھی اطاعت، جزیہ اور اپنے دین پر قائم رہنے کی صورت میں معاہدہ کر لیا۔ اب پورے عرب میں ان کے مراکز ٹوٹ گئے۔ چنانچہ احساس ذلت کی وجہ سے انہیں اس سرزمین کو خیرباد کہنا پڑا جہاں صدیوں سے ان کی سطوت و عظمت کا ڈنکا بج رہا تھا لیکن یہ لوگ دفعتاً سرزمین عرب کو خیرباد کہہ کر نہیں گئے بلکہ کچھ مدت تک یہاں آباد رہے، مگر جب تک یہاں عرب میں رہے، مسلمانوں پر غصے سے دانت پیستے رہے اور جو کچھ ان کے خلاف بن آیا، کرتے رہے۔ کیونکہ ان کی فطرت اور طینت ہی میں شرانگیزی اور فتنہ پروری تھی۔

مدینہ کو واپسی

یہود کی ان تمام بستیوں سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر آپ نے اخیر شب میں آرام کی خاطر ایک وادی میں پڑاؤ ڈالا اور سیدنا بلالؓ کو یہ تاکید کر کے تمام لشکر سو رہا کہ ہمیں صبح ہوتے ہی نماز کے لیے بیدار کر دینا۔ اتفاق سے سیدنا بلالؓ کی آنکھ بھی لگ گئی۔ وہ مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگا کر سو گئے۔ اتفاق سے کسی کی آنکھ نہ کھلی۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ گھبرا کر اٹھے۔ پھر آپ نے لوگوں کو بیدار کیا اور اس وادی سے کوچ کرنے کا حکم دیا کہ یہاں شیطان ہے۔ اس وادی سے نکل کر آپ نے آگے نزول فرمایا اور سیدنا بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ وضو کر کے پہلے صبح کی دو رکعت سنتیں پڑھیں، پھر بلالؓ کو اقامت کے لیے فرمایا اور جماعت کے ساتھ صبح کی نماز قضا کی گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسرے سفر میں پیش آیا تھا۔ ("زاد المعاد" جلد ۲، ص ۱۴۷ "ابن ہشام" جلد ۲، ص ۳۴۰) نبی اکرم ﷺ کی واپسی یا تو صفر ۷ھ میں ہوئی یا پھر ربیع الاول میں۔

غزوہ ذات الرقاع

جنگ خندق میں تین فریقوں نے متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ اس وجہ سے اس جنگ کو "جنگ احزاب" بھی کہتے ہیں۔ احزاب کے دو بازوؤں کو جو سب سے زیادہ مضبوط تھے، نبی اکرم ﷺ نے اپنی فراست سے شل کر دیا۔ اب ان کی طرف سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ قریش مکہ سے تو دس سالہ امن معاہدہ ہو گیا۔ یہود کو جنگ کے ذریعہ نیست و نابود کر دیا۔ اب تیسرا بازو وہ بدو تھے، جو نجد کے صحرا میں خیمہ زن ہو کر لوٹ مار کرتے رہتے تھی۔ ان کا تعلق بنو غطفان وغیرہ سے تھا۔
اس غزوہ کے بارہ میں بہت اختلاف ہے کہ یہ کب وقوع پذیر ہوا۔ عام مورخین نے اس کا تذکرہ

۴ھ کے واقعات میں کیا ہے۔ ایک روایت پانچ ہجری کی بھی ہے۔ لیکن امام بخاری نے اس کے وقوع کا زمانہ ۷ھ بتایا ہے۔ چونکہ اس غزوہ میں سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ اور سیدنا ابو ھریرہؓ نے بھی شرکت کی تھی اور یہ دونوں حضرات ۷ھ میں مدینہ آئے۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک امام بخاری کا موقف زیادہ صحیح ہے۔ یہ دونوں حضرات فتح خیبر کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا۔

اس غزوہ کا نام "ذات الرقاع" اس لیے پڑ گیا کہ اس سفر میں صحابہ کرامؓ کے پاؤں چل چل کر زخمی ہو گئے تھے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ میرے پاؤں بھی زخمی ہو گئے اور ناخن جھڑ گئے۔ اس لیے ہم نے اپنے پاؤں پر چیتھڑے اور پٹیاں لپیٹ رکھی تھیں۔ اس وجہ سے اس غزوہ کو "ذات الرقاع" یعنی چیتھڑوں والا غزوہ کہا جانے لگا۔ ("بخاری" جلد ۲' ص ۵۹۲)

اہلِ سیر نے اس غزوہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ آپؐ کو پتہ چلا قبیلہ انمار یا بنو غطفان کی دو شاخوں بنو ثعلبہ اور بنو محارب مسلمانوں کے مقابلہ میں لشکر جمع کر رہے ہیں۔ (بنو ثعلبہ اور بنو محارب بنو غطفان کی دو شاخیں ہیں۔ "زرقانی" جلد ۲' ص ۹۱) یہ خبر سنتے ہی آپ نے مدینہ منورہ کا انتظام سیدنا عثمان بن عفانؓ کے سپرد کیا اور خود چار سو یا سات سو صحابہ کرامؓ کی معیت میں ان کی سرکوبی کے لیے بلاد نجد کا رخ کیا۔ آپ مدینہ سے دو دن کے فاصلہ پر جب پہنچے تو بنو غطفان کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ لیکن جنگ نہ ہوئی۔ اس موقع پر آپ نے صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ یہ پہلی صلوٰۃ الخوف تھی۔

("طبقات ابن سعد" جلد ۲' ص ۶۱' "عیون الاثر" جلد ۲' ص ۷۹)

صحابہ کرامؓ کا دستور یہ تھا کہ جب کبھی حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں جاتے تو پڑاؤ کے وقت سایہ دار درخت آپؐ کے لیے چھوڑ دیتے تاکہ آپ اس کے سایہ میں آرام فرمائیں۔ چنانچہ اس غزوہ میں صحابہ کرامؓ نے آپ کو ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام کرنے کے لیے عرض کیا اور خود درخت کا سایہ حاصل کرنے کے لیے اِدھر اُدھر کانٹے دار درختوں کے درمیان بکھر گئے۔ جس درخت کے نیچے حضور ﷺ آرام فرما رہے تھے' آپ اسی درخت کے ساتھ اپنی تلوار لٹکا کر سو گئے۔ سیدنا جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ ہمیں بس ذرا سی نیند آئی تھی کہ ایک مشرک جس کا نام غورث بن حارث (بخاری) یا بقول واقدی دعثور تھا' نے آکر سرکارِ دو عالم ﷺ کی تلوار سونت لی اور بولا "تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" آپ نے بلا جھجک جواب دیا "اللہ"۔ ابو عوانہ کی روایت میں ہے کہ جب آپ نے اللہ کہا تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر وہ تلوار حضور ﷺ نے اٹھالی اور فرمایا "اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" (من یمنعک منی) اس نے عرض کیا آپ اچھے پکڑنے والے ہوئیے یعنی مجھ پر احسان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کیا تم شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔

Marfat.com

اس نے کہا کہ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ سے لڑائی نہیں کروں گا اور نہ ہی آپ سے لڑائی کرنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ آپؐ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا کہ میں سب سے اچھے انسان کے پاس سے ہو کر آرہا ہوں۔

(مسند ابی عوانہ ج ۲ ص ۳۶۵، فتح الباری ج ۷ ص ۴۲۶، عیون الاثر ج ۲ ص ۱۸۰)

محمد ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جبریل امین نے اس کے سینہ پر ایک گھونسا مارا جس سے فوراً تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ نے اٹھالی اور فرمایا کہ بتلاؤ تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ اس نے جواب دیا کوئی نہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔

("عیون الاثر" جلد ۲، ص ۸۰)

اس غزوہ سے واپسی پر صحابہ کرامؓ نے ایک مشرک عورت کو گرفتار کر لیا۔ اس پر اس کے شوہر نے یہ نذر مانی کہ وہ آپؐ کے ایک صحابی کو ضرور قتل کرے گا۔ چنانچہ وہ رات کے وقت آیا۔ مسلمان ایک گھاٹی پر ٹھہرے ہوئے تھے اور عباد بن بشرؓ اور عمار بن یاسرؓ درہ کی حفاظت کے لیے مامور کیے گئے تھے۔ ان دونوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ اول نصف شب میں عباد بن بشر جاگیں گے اور آخر نصف شب میں عمار بن یاسر نگہبانی کریں گے۔ چنانچہ عمار بن یاسرؓ سو گئے اور عباد نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس مشرک نے تاک کر سیدنا عبادؓ بن بشر کو ایک تیر مارا۔ انہوں نے نماز توڑے بغیر تیر نکال کر جھٹک دیا۔ پھر اس نے دوسرا اور تیسرا تیر مارا لیکن یہ اللہ کے بندے نماز میں برابر مشغول رہے۔ نماز ختم ہوئی تو سیدنا عمار کو جگایا۔ کیونکہ اب یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں دشمن حملہ نہ کر دے اور وہ غرض ہی فوت نہ ہو جائے جس کے لیے حضور ﷺ نے ہمیں یہاں متعین فرمایا ہے۔ دشمن انہیں جگاتے دیکھ کر فرار ہو گیا۔ سیدنا عمارؓ اٹھے تو دیکھا کہ عباد کا پورا بدن خون سے لت پت ہے۔ انہوں نے کہا تم نے مجھے پہلے ہی تیر پر کیوں نہ جگا دیا؟ کہا میں ایک سورت پڑھ رہا تھا اس کو قطع کرنا اچھا نہ لگا۔ ("ابن ہشام" جلد ۲، ص ۲۰۸)

اس غزوہ کا بڑا اثر ہوا اور غطفان کے ان قبائل نے اس کے بعد پھر کبھی سر اٹھانے کی جرأت نہ کی بلکہ بعد میں وہ مسلمان ہو گئے اور ان کے کئی قبائل فتح مکہ اور غزوہ حنین میں مسلمانوں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ اس طریقہ سے وہ تینوں بازو مسلمانوں کی قوت بازو سے ٹوٹ گئے جو متحدہ محاذ بنا کر جنگ خندق میں حملہ آور ہوئے تھے۔ اس طریقہ سے پورے علاقہ میں شورش ختم اور امن و سلامتی کا دور دورہ ہو گیا۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی جلد ۲، ص ۹۱، "فتح الباری" جلد ۷، ص ۴۳۰، "ابن ہشام" جلد ۲، ص ۲۰۳)

Marfat.com

عمرۃ القضاء

عمرۃ القضاء کا نام اس لیے عمرۂ قضار کھا گیا ہے کہ یہ عمرہ حدیبیہ کی قضا کے طور پر تھا۔ یا پھر اس لیے کہ یہ حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق کیا گیا تھا کیونکہ اس طرح کی مصالحت کو عربی زبان میں قضا اور مقاضاۃ کہتے ہیں۔ اس دوسری وجہ کو علماء محققین نے زیادہ راجح قرار دیا ہے۔

("فتح الباری" جلد ۷، ص ۵۰۰، "زاد المعاد" جلد ۱، ص ۱۷۲)

حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق ایک سال گزر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کا مکہ جانے کا وقت آ گیا۔ جونہی ذی قعدہ کا چاند نظر آیا، آپ نے مسلمانوں کو عمرۃ القضاۃ کی تیاری کا حکم دیا۔ جس سے گزشتہ سال مسلمانوں کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا گیا تھا۔ اس بات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اس اعلان نے مسلمانوں کے دل خوشی سے کس قدر اچھل رہے تھے۔ ان میں مکہ کے وہ مہاجرین بھی تھے، جو کئی سال سے وطن کی صورت دیکھنے کے لیے ترس رہے تھے۔ آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ کوئی بھی شخص جو گزشتہ سال حدیبیہ میں موجود تھا، پیچھے نہ رہے۔ چنانچہ ان میں سے اس مدت میں جو لوگ جام شہادت نوش کر چکے تھے، ان کو چھوڑ کر باقی سب لوگ روانہ ہوئے۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی عمرہ کے لیے رفیق سفر ہو گئے۔ گزشتہ سال حدیبیہ میں چودہ سو افراد تھے، لیکن اس سال ان مسلمانوں کی تعداد دو ہزار تھی جو آپؐ کے ساتھ پابہ رکاب تھے۔ عورتیں اور بچے اس کے علاوہ تھے۔ ("فتح الباری" جلد ۷، ص ۵۰۰)

آپ نے اپنی غیر حاضری میں مدینہ کا منتظم سیدنا ابو رھم انصاریؓ کو مقرر فرمایا۔ ساٹھ اونٹ ساتھ لیے اور ناجیہ بن جندب اسلمیؓ کو ان کی دیکھ بھال کا کام سپرد کیا۔ ذوالحلیفہ کے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا اور لبیک کی صدا لگائی۔

پابندی شرائط کے احترام کی وجہ سے کسی مسلمان نے تلوار کے ساتھ اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لیا۔ اگرچہ اللہ کے پیغمبر قریش کی بے وفائی سے خائف بھی تھے اس لیے احتیاط کی بنا پر ایک سو مسلمانوں کا دستہ سیدنا محمد بن مسلمہؓ کی زیر کمان پہلے سے روانہ کر دیا لیکن انہیں تاکید فرما دی کہ حرم مکہ میں داخل نہ ہوں بلکہ مرالظہران میں پڑاؤ کریں۔

مدینہ سے روانگی کے وقت مسلمانوں کے ہمراہ ساٹھ قربانی کے جانور تھے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار آگے آگے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے قلب میں مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کے طواف کرنے کی خوشی اور مسرت اٹھکیلیاں لے رہی تھی۔ مہاجرین اور بھی بے تاب تھے کہ جس بستی میں انہوں نے آنکھیں کھولیں، اسے دیکھنا نصیب ہوگا۔ جس شہر کی دیواروں کے سایہ میں پل کر جوان ہوئے، ان دیواروں کو مس کرتے ہوئے اس شہر کے گلی کوچوں میں گشت کریں گے۔ جن دوستوں کے ساتھ زندگی

Marfat.com

کا طویل عرصہ گزارا' انہیں دیکھ کر آنکھوں کو طراوت نصیب ہوگی۔ وطن کی خوشگوار ہوا سے مشام جان معطر ہوگا۔ اس مبارک بستی کی خاک سرمہ چشم بنے گی جہاں فخر موجودات ﷺ پیدا ہوئے' ان کا بچپن گزرا' ان کا لڑکپن گزرا اور انہوں نے اپنی جوانی کو بڑھاپے میں تبدیل کیا اور جس سرزمین میں سید الملائکہ جبریل امین خدا کی پہلی وحی لے کر سرکارِ دوعالم ﷺ کے پاس آئے۔

اس طرح دو ہزار آدمیوں کی جمعیت اس جوش و خروش کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف گامزن تھی۔ ان کے دل فرط مسرت سے بلیوں اچھل رہے تھے۔ تصورات میں تھا کہ جونہی اپنی اپنی سواریوں سے اتر کر شہر میں داخل ہوں گے' دوستوں اور اعزاء و اقارب سے مل کر زندگی کے اس دور کی یاد تازہ کریں گے جس کی آخری گھڑیوں میں قضا و قدر نے انہیں گھر سے بے گھر کر کے نکال دیا تھا۔ ان احباب کا تذکرہ ہوگا جنہیں مکہ میں جلاوطن ہوتے وقت زندہ چھوڑ گئے تھے اور اس کے بعد وہ آسودۂ لحد ہوگئے۔ اعزاء و اقارب کے ساتھ بیٹھ کر اپنے ان مال و اسباب کی لوٹ کی داستان بھی دریافت کی جائے گی' جس سے خدا کی راہ میں ہجرت کے موقع پر ہاتھ دھو کر روانہ ہوگئے۔ اور یہ تصور بھی ان کے دماغ میں کروٹیں لے رہا تھا کہ جس ایمان نے ان کی زندگی میں یہ انقلاب پیدا کر دیا ہے' وہ انہیں کس انداز سے خدا کے گھر کی طرف لے آیا ہے۔ ابھی تک وہ منظر بھی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوا تھا جب انہیں گزشتہ سال اس مقدس فریضہ سے زبردستی روکا گیا تھا۔ آج وہ کس قدر خوش تھے کہ چند دنوں بعد اس مقدس سرزمین میں وہ امن و سلامتی کے ساتھ داخل ہوں گے۔

چونکہ صلح حدیبیہ میں یہ شرط تھی کہ ہتھیار ساتھ نہ لائیں' اس لیے جب یاجج پہنچے تو سارے ہتھیار اور سیدنا اوس بن خولی انصاری کی زیر قیادت دو سو آدمیوں کا ایک دستہ وہیں چھوڑ دیا جو ان کے ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے تھا۔ صرف میان میں رکھی ہوئی تلواریں لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ ("فتح الباری" جلد ۷' ص ۵۰۰' "زاد المعاد" جلد ۲' ص ۱۵۱)

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں اس گھاٹی کے راستہ سے داخل ہوئے جو حجون پر نکلتی ہے۔ روایات میں ہے کہ مشرکین نے آپ کے چہرۂ انور کو ایک نظر دیکھنے کے لیے لائن لگا رکھی تھی۔ آپ داخلہ کے وقت مسلسل لبیک کہہ رہے تھے۔ یہاں تک کہ حرم میں جا کر اپنی چھڑی سے حجر اسود کو چھوا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ تلوار حمائل کیے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور رجز کے یہ اشعار آپ کی زبان پر تھے:

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ قد انزل الرحمن فی تنزیلہ
بان خیر القتل فی سبیلہ نحن قتلناکم علی تاویلہ
کما قتلناکم علی تنزیلہ

Marfat.com

"اے کافر کے بچو! آپ کا راستہ چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ بہترین قتل وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے راستہ میں ہو۔ ہم نے تمہارے ساتھ جہاد و قتال کیا اس کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے جیسے قرآن کے منزل من اللہ ہونے کو نہ ماننے کی وجہ سے تم سے قتال کیا"۔

ایک اور روایت میں یہ دو اشعار بھی مرقوم ہیں:

الیوم نضربکم علی تنزیلہ　　ضربا یزیل الھام عن مقیلہ
و یذھل الخلیل عن خلیلہ　　یا رب انی مومن بقیلہ

آج ہم اللہ کے حکم سے تمہیں ایسا ماریں گے کہ تمہاری کھوپڑی سر سے الگ ہو جائے گی اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دے گی۔ اے اللہ! میں اس کے قول پر ایمان رکھتا ہوں"۔

یہ اشعار سن کر سیدنا عمر بن الخطابؓ نے کہا: "ابن رواحہ! تم حضور ﷺ کے سامنے اور اللہ کے حرم میں اشعار پڑھ رہے ہو؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اے عمر! انہیں رہنے دو۔ ان کے یہ شعر کافروں کے حق میں تیر کی مار سے زیادہ سخت ہیں۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۰۷، فتح الباری ج ۷ ص ۵۰۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: "اے عمر! میں سن رہا ہوں اور ابن رواحہؓ سے فرمایا اے ابن رواحہ! ان اشعار کے بجائے یہ پڑھو:

لا الہ الا اللہ وحدہ، نصر عبدہ، واعز جندہ، وھزم الاحزاب وحدہ

"یعنی ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی نے اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور اس کے لشکر کو عزت بخشی اور تمام گروہوں کو اکیلے نے شکست دی"۔

سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ نے ان کلمات کو پڑھنا شروع کر دیا۔ عبداللہ بن رواحہؓ کے ساتھ صحابہ کرامؓ بھی یہ کلمات دہراتے۔ ان کی آواز سے دشت و جبل گونج اٹھے اور پہاڑ میں دبکے ہوئے مشرکین کے دل ہیبت سے کانپ اٹھے۔ ("طبقات ابن سعد" جلد ۲، ص ۸۸)

مشرکین مسلمانوں کا مکہ مکرمہ میں داخلہ دیکھنے کے لیے گھروں سے نکل کر کعبہ کے شمال میں واقع جبل قعیقعان پر جا بیٹھے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ تمہارے پاس ایک ایسی جماعت آ رہی ہے جسے یثرب کے بخار نے توڑ ڈالا ہے۔ اس لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو حکم فرمایا کہ وہ پہلے تین چکر دوڑ کر لگائیں۔ البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان صرف چلتے ہوئے گزریں۔ اس حکم کا منشاء یہ تھا کہ مشرکین ان کی قوت کا مشاہدہ کر لیں۔ ("بخاری"، جلد ۱، ص ۲۱۸، جلد ۲، ص ۶۱۰-۶۱۱، "مسلم" جلد ۱، ص ۴۱۲) اس کے علاوہ آپ نے صحابہ کرامؓ کو اضطباع کا حکم بھی دیا۔ اضطباع کا مطلب ہے

Marfat.com

کہ طواف کے وقت دایاں کندھا کھلا رکھیں اور احرام کی چادر داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اس کا دوسرا کنارہ بائیں کندھے پر ڈال لیں۔ طواف کے پہلے تین چکروں میں مونڈھے مار مار کر اور دوڑ کر چکر لگانا رمل کہلاتا ہے۔

مطاف میں پہنچ کر آپ نے حجر اسود کو اپنی چھڑی سے چھوا، پھر طواف کیا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی طواف کیا۔ پھر سعی بین الصفاء والمروہ کر کے ہدی کو قربان کیا اور حلال ہو گئے۔ اس کے بعد کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بطن یاجج جو کہ مکہ سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا، چلے جائیں اور ان لوگوں کو طواف اور سعی کے لیے یہاں بھیج دیں جن کو ہم اسلحہ کی حفاظت کے لیے وہاں چھوڑ آئے ہیں۔ یہ فرما کر بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ ظہر تک اندر ہی رہے۔ آپؐ کے حکم پر سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت اللہ کی چھت پر ظہر کی اذان دی۔ ("طبقات" ص ۸۸۲)

قریش نے آپ کو عمرہ کی اجازت تو دے دی تھی، لیکن وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو وہ سب کچھ کرتا دیکھ رہے تھے جن کے نہ کرنے کے لیے انہوں نے مسلمانوں سے اتنی لڑائیاں لڑیں اور اپنے بڑے بڑے رؤساء اور بہادروں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کروایا۔ وہ شدت غیظ و غضب اور حسد و کینہ کی وجہ سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو دیکھ نہ سکے۔ کیونکہ انہی لوگوں نے بدر و احد اور احزاب میں ان کے بڑوں کو خاک و خون میں لٹایا تھا۔ اس لیے سرداران قریش اور ان کے اشراف مکہ مکرمہ کو خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے۔ ("زرقانی" جلد ۲، ص ۲۵۵)

قرارداد حدیبیہ کے مطابق تین روز تک آپ نے مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں قریش پہاڑوں میں روپوش ہو کر دبکے ہوئے تھے۔ مسلمان شہر کے ہر گلی کوچے میں چلتے پھرتے اور کوئی شخص ان پر اعتراض نہ کرتا۔ مہاجرین اپنے چھوڑے ہوئے گھروں کو دیکھنے کے لیے انصار کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے جو ان کے ساتھ مکہ میں ایسے ہی گھومتے جیسے وہ بھی یہیں کے رہنے والے ہوں۔ مسلمانوں میں سے ہر ایک کا چلن اسلامی سیرت کا نمونہ تھا۔ بیت اللہ میں نمازیں ادا کر رہے ہیں۔ تنومند اپنے کمزور اور ضعیف بھائی کو سہارا دے کر اٹھا رہا ہے، مال دار محتاج کی مدد کر رہا ہے اور اللہ کے رسول ایک شفیق اور مہربان باپ کی طرح ان کے درمیان آ جا رہے ہیں۔ کسی سے تبسم فرما رہے ہیں، کسی کے ساتھ مسکرا کر بات ہو رہی ہے۔ کسی کے ساتھ مزاح فرمایا جا رہا ہے۔ قریش یہ سب باتیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں نے شاید زندگی میں پہلی بار یہ حیرت ناک منظر دیکھا تھا کہ مسلمان نہ شراب پی رہے ہیں، نہ کسی برائی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ نہ خدا کے کسی حکم کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ جن مناظر میں مخالفین کی جذب و کشش کا یہ سامان ہو، ایسے مناظر تکمیل انسانیت کا حسین مرقع ہونے کی وجہ سے دیکھنے والوں کے قلوب پر اثر ضرور کرتے ہیں۔

Marfat.com

مکہ کے اس تین روزہ قیام میں آپ نے سیدہ میمونہؓ سے نکاح فرمایا۔ سیدہ میمونہ بنت حارث عامریہؓ نے مسلمانوں کے حسن کردار سے متاثر ہو کر سرکارِ دو عالم ﷺ سے عقد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ سیدنا عباسؓ عم رسول ﷺ کی اہلیہ سیدہ ام الفضلؓ کی ہمشیرہ اور سیدنا خالد بن ولیدؓ کی خالہ تھیں۔ سیدنا عباسؓ ان کے وکیل مقرر ہوئے اور انہوں نے ہی سرکارِ دو عالم ﷺ سے ان کی شادی کی۔ حق مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔ جب مکہ میں قیام کے تین دن گزر گئے تو قریش نے چند آدمی آپ کی خدمت میں بھیجے کہ مدت گزر گئی ہے، لہٰذا آپ تشریف لے جائیں۔ آپ ؐ نے فرمایا کہ اگر مہلت دو تو میں مکہ میں میمونہ بنت الحارثؓ کی عروسی اور دعوت ولیمہ کرلوں، لیکن قریش نے نہایت ترش روئی سے یہ جواب دیا کہ ہم آپ کی عروسی اور دعوت ولیمہ کو نہیں جانتے۔ آپ اب تشریف لے جائیں۔ یہ جواب سن کر آپ ؐ نے فوراً صحابہ کرامؓ کو کوچ کا حکم دیا اور اپنے غلام ابو رافعؓ کو سیدہ میمونہؓ کے پاس چھوڑ گئے۔ سیدنا ابو رافعؓ انہیں مقام سرف آپ کے پاس لائے اور یہاں آپ نے عروسی فرمائی۔

آپ مکہ مکرمہ میں جس انداز سے داخل ہوئے تھے، اسی شان سے رخصت ہوئے۔ آگے آگے آپ ؐ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور آپ کے ساتھ ایسے دو ہزار نفوس قدسی کا جم غفیر تھا جن کے تقدس کی فرشتے بھی قسم کھاتے ہیں۔ پہلی رات آپ نے مقام سرف پر گزاری جو مکہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ ازواج مطہرات میں سیدہ میمونہؓ آخری زوجہ محترمہ ہیں جو سرکارِ دو عالم ﷺ کے انتقال کے پچاس سال بعد تک زندہ رہیں اور وفات سے قبل اسی مقام سرف میں اپنی تدفین کی وصیت فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ مکہ سے واپسی پر ام المومنین سیدہ میمونہؓ کی دو بہنوں کو بھی اپنے ساتھ مدینہ منورہ لائے۔ ان میں ایک سید الشہداء سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ کی بیوہ سیدہ سلمٰیؓ تھیں اور دوسری عمارہؓ جو ابھی ناکتخدا تھیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "فتح الباری" جلد ۷، ص ۵۰۰، "مسلم" جلد ۱، ص ۴۱۲، "زاد المعاد" جلد ۲، ص ۱۵۲، "ترمذی" جلد ۲، ص ۱۰۷، "طبقات ابن سعد" جلد ۲، ص ۸۷، "زرقانی" جلد ۲، ص ۲۵۴-۲۵۵، "بخاری" جلد ۱، ص ۲۱۸، جلد ۲، ص ۶۱۰-۶۱۱ وغیرہ)

سیدنا خالد بن ولیدؓ کا قبولِ اسلام

سرکارِ دو عالم ﷺ عمرۃ القضاء کی ادائیگی کے بعد مدینہ طیبہ واپس لوٹ آئے لیکن مکہ کے تین روزہ قیام میں جو اثرات آپ ؐ اور آپ ؐ کے صحابہ کرامؓ نے اہلِ مکہ کے دلوں پر چھوڑے، ان کے نتائج جلد برآمد ہونے لگے۔ چنانچہ قریش کے جانباز خالد بن ولید نے، جنہوں نے غزوہ احد میں لڑائی کا نقشہ بدل دیا تھا، قریش کے عام اجتماع میں یہ اعلان کردیا:

Marfat.com

ان محمدا لیس لساحر ولا شاعر وان کلامه کلام رب العالمین،
فحق علی کل ذی لب ان یتبعه۔

"سنو! ہر ذی عقل شخص پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ محمد ﷺ نہ تو جادوگر ہیں اور نہ ہی شاعر۔ ان کا کلام رب العالمین کا کلام ہے۔ لہٰذا ہر ذی شعور شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ آپ کی اتباع کرے"۔

جس اجتماع میں خالد بن ولید نے یہ بات کہی تھی اس میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی موجود تھا۔ وہ خالد کا جانی دوست تھا لیکن معاملہ عقیدہ کا تھا لہٰذا اس نے فوراً اٹھ کر خالد کی مخالفت کی اور کہا کہ ہم کبھی یہ تصور نہیں کر سکتے کہ تم اسلام کے گرویدہ ہو جاؤ گے۔ محمد ﷺ نے تمہارے والد، تمہارے چچا اور دوسرے کئی اعزاء و اقرباء کو قتل کروا دیا، اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایسے خیالات کا کبھی بھی اظہار نہ کرتا، لیکن خالد کا ایک ہی جواب تھا کہ عکرمہ تمہاری بات صرف جاہلیت کی پرستاری ہے۔ مجھ پر حقیقت منکشف ہو چکی ہے لہٰذا میں مسلمان ہو گیا ہوں اور اسلام کو دل سے قبول کر لیا ہے۔

خالد کے اس بیان نے تمام مکہ میں ہلچل مچا دی۔ خالد کوئی معمولی شخص نہیں تھے، ایک رئیس کے بیٹے اور خود ایک بہترین سپہ سالار تھے۔ ان کی یہ ساری خوبیاں قریش کے ذہن میں تھیں۔ چنانچہ جب ابوسفیان کو خالد کے خیالات کا پتہ چلا تو انہوں نے خالد کو اپنے ہاں بلا کر پوچھا کہ کیا تم واقعی مسلمان ہو گئے ہو؟ خالد نے کہا کہ میں واقعی اسلام کا گرویدہ ہو گیا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ ابوسفیان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ان پر پل پڑا، لیکن اتفاق سے عکرمہ بن ابی جہل بھی وہاں موجود تھا اس نے ابوسفیان کا دامن کھینچتے ہوئے کہا:

"ابوسفیان! خدا کی قسم جس خطرہ کا تمہیں ڈر ہے اس سے میں بھی خائف ہوں، ورنہ خالد کی طرح میں بھی وہی کہتا اور اس کے دین کو دل و جان سے قبول کر لیتا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایک سال کے اندر اندر مکہ کے سب لوگ دین محمد ﷺ کو قبول نہ کر لیں"۔

ابوسفیان یہ بات سن کر خاموش ہو گیا اور اس نے خالد سے کوئی تعرض نہ کیا۔

خالد بن ولید خود بیان کرتے ہیں کہ میں اسلام کا گرویدہ کیسے ہوا حالانکہ میرے دل میں اسلام کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات موجزن تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میری بھلائی کا ارادہ فرمایا تو اس نے میرے دل میں اسلام کی محبت اور شیفتگی ڈال دی۔ ایک روز اچانک میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جس جنگ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش مکہ کے ساتھ جاتا ہوں اور پھر واپس آتا ہوں، تو واپسی پر میرے دل کی ایک عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ میرا دل مجھے ملامت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خالد! تیری یہ تمام کوششیں اور یہ تمام تگ و دو بالکل بے سود اور لاحاصل ہے۔ بلاشک و شبہ محمد ﷺ

Marfat.com

ضرور غالب ہوں گے۔ چنانچہ حدیبیہ کے موقع پر میں قریش کے سواروں میں سے تھا۔ میں نے مقام غسفان میں آپ کو دیکھا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلاۃ الخوف پڑھا رہے ہیں۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ نماز کی حالت میں آپ پر حملہ کروں، لیکن آپ میرے اس ارادہ سے آشنا ہو گئے اور میں آپ پر حملہ نہ کر سکا۔ اس وقت میرے قلب و ذہن نے مجھے بتایا کہ یہ شخص من جانب اللہ ہے۔ چنانچہ میں نامراد واپس لوٹا۔

جب آپ حدیبیہ میں قریش سے صلح کا معاہدہ کر کے واپس ہوئے تو میں نے کہا کہ قریش کی تمام سطوت و شوکت خاک میں مل گئی اور شاہ حبشہ تک آپ کا مطیع اور منقاد ہو چکا ہے اور آپ کے ساتھی نجاشی کے پاس نہایت امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میں بہت پریشان تھا کہ کیا کیا جائے۔ ایک خیال آیا کہ ہرقل شاہ روم کے پاس جا کر نصرانی ہو جاؤں اور شاہانِ عجم کے تابع ہو کر اپنی زندگی کے دن گزاروں، پھر یہ خیال آیا کہ چند روز اپنے وطن ہی میں رہ کر دیکھوں کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اسی خیال میں تھا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ عمرۃ القضاء کے لیے مکہ تشریف لائے۔ اس وقت میں مکہ سے باہر نکل گیا اور ادھر ادھر چھپ گیا۔ آپؐ جب عمرۃ القضاء سے فارغ ہوئے تو میرا بھائی ولید بن ولید جو آپؐ کے ہمراہ تھا مجھے تلاش کرنے لگا، مگر میں تلاش کے باوجود اسے نہ ملا کیونکہ میں روپوش تھا۔ بعد ازاں میرے بھائی نے مجھے اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ:

"میں نے اس سے زیادہ حیرت زا اور تعجب خیز بات نہیں دیکھی کہ تیری رائے اسلام جیسے پاکیزہ اور عمدہ دین کے قبول کرنے سے ابھی تک ابا کر رہی ہے حالانکہ تیری عقل تیری عقل ہے، (یعنی تو نہایت عقل مند آدمی سمجھا جاتا ہے) اور رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تیرا حال دریافت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ خالد کہاں ہے؟ میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا: "یا رسول اللہ! عنقریب اللہ تعالیٰ اسے آپ کے پاس لے کر آئے گا"۔ آپ نے بھی مجھے فرمایا کہ تعجب ہے کہ اس جیسا عقل مند اور دانش مند انسان ابھی اسلام سے ناآشنا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر خالد اہلِ اسلام کے ساتھ مل کر دین حق کی مدد کرتا اہلِ شرک و باطل کا خاتمہ کرتا تو یہ اس کے لیے کہیں بہتر ہوتا اور ہم اس کو دوسروں پر مقدم رکھتے۔ پس اے میرے بھائی! تجھ سے یہ بہترین مواقع ضائع ہو گئے تو ان کی تلافی کر ابھی تلافی اور تدراک کا وقت ہے"۔

خالد بن ولید کا بیان ہے کہ جب میرے بھائی کا یہ خط میرے پاس پہنچا تو میں نے اسلام کے بارہ میں اب اور انداز سے سوچنا شروع کیا اور اسلام سے میری رغبت و محبت میں اضافہ ہوا اور سفر ہجرت کا ایک خاص سرور اور نشاط دل میں پیدا ہو گیا اور خط میں رسول اللہ ﷺ کے میرے بارے میں جو ریمارکس

Marfat.com

تھے، انہوں نے مجھے ایک خاص خوشی اور مسرت عطا کی، چنانچہ میں نے اسباب سفر مہیا کر کے مدینہ جانے کا ارادہ کیا۔ میں نے یہ چاہا کہ کوئی اور بھی میرا رفیق سفر ہو جائے، میں نے صفوان بن امیہ سے ملاقات کی اور اسے کہا تم دیکھتے ہو کہ محمد ﷺ نے عرب و عجم پر غلبہ حاصل کر لیا ہے، اگر ہم محمد ﷺ کے پاس جا کر ان کا اتباع کر لیں تو یہ ہمارے لیے بہت بہتر ہو گا اور محمد ﷺ کا شرف ہمارا شرف ہو گا۔ صفوان نے میری بات سن کر نہایت سختی سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ اگر تمام روئے زمین پر میرے سوا کوئی بھی محمد ﷺ کے اتباع سے باقی نہ رہے تو میں پھر بھی اس کے دین کو قبول نہیں کروں گا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کے یہ جذبات صرف اس وجہ سے ہیں کہ اس کا باپ اور بھائی جنگ میں مارے گئے ہیں۔ بعد ازاں میں عکرمہ بن ابی جہل سے ملا اور اس سے بھی وہی کہا جو میں نے صفوان بن امیہ سے کہا تھا لیکن اس نے بھی اتنی ہی درشتی سے وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ میں ان دونوں سے ناامید ہو کر سیدھا اپنے گھر گیا۔ اونٹنی کو تیار کیا اور زاد راہ ساتھ لیا اور خیال کیا کہ چلو عثمان بن طلحہ سے ملاقات کر لوں۔ وہ میرا بڑا اچھا دوست ہیں لیکن مجھے یاد آیا کہ اس کا باپ دادا بھی قتل ہوئے ہیں، لہٰذا متردد ہو گیا کہ عثمان سے اپنے خیالات کا ذکر کروں یا نہ کروں۔ پھر خیال آیا کہ ذکر کرنے میں کیا حرج ہے۔ میں تو اب جانے کا عزم کر چکا ہوں۔ چنانچہ میں عثمان بن طلحہ کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی کچھ کہا جو میں صفوان اور عکرمہ سے کہہ چکا تھا۔ عثمان بن طلحہ نے میری بات کو قبول کر لیا اور کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ مدینہ چلتا ہوں۔ تم چلو اور مقام یاجج میں تم سے آملوں گا، اگر وہاں پہلے پہنچ جاؤ تو وہاں میرا انتظار کرنا۔

خالد بن ولید کہتے ہیں کہ مقام یاجج پر عثمان بن طلحہ مجھے مل گئے۔ صبح سویرے ہم وہاں سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جب مقام ھدہ پر پہنچے تو عمرو بن العاص سے ملاقات ہوئی وہ بھی اسلام کے ارادہ سے مدینہ جا رہے تھے۔ عمرو بن العاص نے ہمیں دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور ہم نے انہیں پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ بولے اسلام میں داخل ہونے کے لیے مدینہ جا رہا ہوں۔ ہم نے کہا کہ ہم بھی اسی لیے مدینہ جا رہے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۳۸۔۲۳۹)

اب عمرو بن العاص کی بات سنئے۔ فرماتے ہیں کہ میں اسلام میں داخل ہونے کے لیے جب ھدہ کے مقام پر پہنچا تو وہاں دو آدمیوں سے میری ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک خالد بن ولید تھے۔ میں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ خالد نے جواب دیا:

دخل الناس فی الاسلام فلم یبق احد بہ طعم۔ (بیہقی من طریق الواقدی)

لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور کوئی صاحب ذوق شخص باقی نہیں رہا جو اسلام میں داخل نہ ہوا ہو۔

چنانچہ یہ تینوں جو قریش میں نہایت اہم شخصیتیں سمجھی جاتی تھیں، سفر کی منزلیں طے کرتے کرتے

Marfat.com

مدینہ میں داخل ہوئے اور اپنی سواری کے اونٹ مقام حرہ پر بٹھلائے۔ خالد کہتے ہیں کہ کسی شخص نے ہماری خبر حضور ﷺ کو پہنچائی۔ آپ ہماری آمد سے بہت خوش ہوئے۔ میں نے عمدہ کپڑے پہنے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلا۔ مجھے میرا بھائی ولید مل گیا اور کہا جلدی چلو، رسول اللہ ﷺ کو تمہارے آنے کی خبر مل گئی ہے اور وہ تمہارے منتظر ہیں۔ ہم تیزی کے ساتھ چلے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے جو نہی مجھے دیکھا تو تبسم فرمایا، میں نے کہا: اسلام علیک یا رسول اللہ! آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے میرے اس سلام کا جواب دیا، میں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ آپ نے فرمایا قریب ہو جاؤ۔ پھر فرمایا:

"حمد ہے اس ذات کی کہ جس نے تجھے اسلام کی توفیق بخشی۔ میں دیکھتا تھا کہ تو صاحب فہم و دانش ہے اور مجھے پوری امید تھی کہ وہ عقل تجھ کو بھلائی کی طرف ضرور لائے گی"۔

خالد بن ولید کہتے ہیں کہ میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ آپ دیکھتے تھے کہ میں جنگوں میں آپ کے اور حق کے مقابلہ میں آپ کے سامنے آتا تھا جس سے میں بہت شرمندہ اور نادم ہوں۔ اس لیے آپ سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ میری تمام خطاؤں کو معاف فرمادے۔ آپ نے مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"اسلام ان تمام خطاؤں اور گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں"۔

پھر آپ نے میرے لیے یہ دعا فرمائی:

اللھم اغفر لخالد بن ولید ما اوضع فیہ من صد عن سبیل اللہ۔

"خداوند! خالد بن ولید کی ان تمام خطاؤں کو معاف فرمادے جو اس نے اللہ کے راستہ سے روکنے کے لیے کی ہیں۔

پھر میرے بعد عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) اور ان کے بعد عمرو بن العاص نے حضور ﷺ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۴۰)

سیدنا عمرو بن العاص؄ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے بعد سب سے پہلے خالد بن ولید نے بیعت کی پھر عثمان بن طلحہ نے اور پھر میں بیعت کے لیے آگے بڑھا تو اس وقت میری یہ حالت تھی کہ:

"خدا کی قسم، میں آپؐ کے سامنے بیٹھ تو گیا لیکن شرم و ندامت سے پانی پانی تھا۔ پیشانی پر ندامت کا پسینہ تھا، آنکھیں ندامت کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں۔ بالآخر میں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور عرض کیا کہ بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ میری تمام گزشتہ خطائیں اور قصور معاف کر دیئے جائیں۔ آپ کی شان کریمی نے میرے عرق انفعال کو موتی

Marfat.com

سمجھ کر چن لیا اور فرمایا: "عمرو! اسلام ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اسلام سے پہلے کفر کی حالت میں کیے گئے ہوں۔ اسی طرح ہجرۃ بھی گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔ (اور تم تینوں نے تو دونوں کام ہی کیے ہیں یعنی اسلام بھی لائے اور ہجرت بھی کی"۔

سیدنا عمرو بن العاص ؓ فرماتے ہیں کہ اللہ لایزال کی قسم، جس روز سے ہم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اس روز سے ہر مہم میں میرے اور خالدؓ کے برابر اپنے اصحاب میں سے کسی کو نہیں سمجھا: مافو اللہ، ماعدل بی رسول اللہ ﷺ وبخالد بن الولید احدا من اصحابه فی امر حزبه منذ اسلمنا) (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۳۸)

عمرو بن العاص کا بیان ہے کہ میں اور خالدؓ اور عثمانؓ صفر سنہ ۸ ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔ جب یہ تینوں حضرات اسلام میں داخل ہو گئے تو آپ نے اپنے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے"۔

معرکہ موتہ

موتہ (میم پر پیش اور واؤ ساکن) شام میں بلقاء کے قریب ایک آبادی کا نام ہے۔ اس جگہ سے بیت المقدس دو مرحلے پر واقع ہے۔

یہ معرکہ سب سے زیادہ خونریز ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں مسلمانوں کو پیش آیا اور یہی معرکہ بازنطینی سلطنت کی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ (روض الانف وغیرہ) یہ معرکہ جمادی الاولیٰ سنہ ۸ ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ سنہ ۶ ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے عرب کے اطراف میں واقع سلطنتوں کو دعوتی خطوط بھیجنے شروع کیے، اس سلسلہ میں ایک مراسلہ حارث بن ابی شمر غسانی کے نام تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے سفیر شجاع بن وہب آپ کا مراسلہ لے کر اس کے پاس گئے۔ اس مراسلہ میں یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ تمہاری حکومت باقی رہے گی۔ اس نے جب نبی اکرم ﷺ کے مکتوب میں یہ جملہ پڑھا تو غصے سے رنگ سرخ ہو گیا۔ اس نے خط کو زمین پر پٹک دیا اور کہا: میری حکومت مجھ سے کون چھین سکتا ہے؟ (من ینزع ملکی منی)

حاکم بصریٰ شرحبیل بن عمرو غسانی نے اس سے بھی بیہودہ سلوک کیا۔ اس رومی گورنر کے پاس نبی اکرم ﷺ کے سفیر سیدنا حارث بن عمیر ازدیؓ آپ کا خط لے کر گئے۔ وہ سرحد شام پر موتہ کے مقام پر پہنچے تھے کہ حاکم بصریٰ کے اشارہ پر ایک اعرابی نے آپ کے سفیر کو قتل کر دیا۔ بین الاقوامی روایات کے مطابق یہ واقعہ ایک ملک پر دوسرے ملک کی جارحیت کے مترادف تھا۔ اس وجہ سے آپ ﷺ کو جب

Marfat.com

اس واقع کی اطلاع دی گئی تو آپ پر یہ بات سخت گراں گزری۔

علاوہ ازیں مختلف قرائن یہ بھی ظاہر کر رہے تھے کہ شام کی فوجیں پیش قدمی کر کے مدینہ میں داخل ہو جانا چاہتی ہیں۔ رومی شہنشاہیت اس کو برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ عرب میں کوئی آزاد حکومت قائم ہو اور وہ ترقی کرے۔

حارث بن عمیر ازدیؓ کے قتل کی خبر مدینہ پہنچی تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کا فوجی جواب دینا ضروری سمجھا۔ آپ نے حکم فرمایا کہ مسلمان اپنے اپنے ہتھیار لے کر موضع حرق میں اکٹھے ہو جائیں۔ چنانچہ تین ہزار کی تعداد میں اسلامی لشکر اکٹھا ہو گیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۲۶۸، زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۵۵)

یہ سب سے بڑا اسلامی لشکر تھا جو اس سے قبل جنگ خندق کے علاوہ کسی اور جنگ میں فراہم نہ ہو سکا تھا۔ حضور ﷺ نے اس لشکر پر سیدنا زید بن حارثہؓ کو امیر مقرر فرمایا اور فرمایا کہ اگر زیدؓ قتل ہو جائیں تو سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ امیر لشکر ہوں اگر جعفرؓ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ لشکر کے سپہ سالار ہوں اور اگر عبداللہ بن رواحہؓ بھی قتل ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر مقرر کر لیں۔ اسی وجہ سے اس معرکہ کو معرکہ جیش الامراء بھی کہتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۱۱، زرقانی ج ۲ ص ۲۶۸، طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۹۲، بخاری ج ۲ ص ۶۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا زید بن حارثہؓ کو ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ پہلے اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیرؓ شہید ہوئے تھے وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو بہتر ورنہ اللہ رب العزت سے اعانت اور امداد طلب کر کے ان سے جنگ کرنا۔ پھر آپ امراء جیش اور لشکر دونوں کو ہدایات فرماتے ہوئے شہر سے باہر ثنیۃ الوداع تک تشریف لے آئے۔ یہاں ٹھہر کر لشکر کو کچھ ہدایات دیں کہ ہر حال میں تقویٰ اور پرہیزگاری کو ملحوظ رکھنا۔ اپنے ساتھیوں کی خیر خواہی کرنا، پھر فرمایا کہ اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے جہاد و قتال کرنا اور دیکھو، بدعہدی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا، کسی بچے اور عورت اور عمر رسیدہ بڈھے (شیخ فانی) کو اور گرجا میں رہنے والے تارک الدنیا کو قتل نہ کرنا، کھجور اور کوئی اور درخت نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو منہدم نہ کرنا: اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ، لا تغزوا ولا تخلوا ولا تقتلوا ولیدا ولا امراہ ولا کبیرا فانیا ولا منعزلا بصومعہ ولا تقربوا نخلا ولا شجرہ ولا تھدموا بناء) روانگی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے مل کر دعا کی۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو ان الفاظ سے وداع کیا:

صحبکم اللہ ودفع عنکم وردکم الینا المسلمین۔

"اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے اور تم سے ہر قسم کے ضرر کو دور فرمائے اور صحیح سالم

Marfat.com

واپس لائے"۔

جب لوگ ان امرائے لشکر کو رخصت کرنے لگے تو سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا: "خدا کی قسم مجھے نہ تو دنیا سے محبت ہے اور نہ تم سے کوئی تعلق خاطر، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھتے سنا ہے کہ تم میں سے ہر شخص جہنم پر وارد ہونے والا ہے اور یہ تمہارے رب کی فیصلہ کی ہوئی بات ہے۔ (۱۹:۷۱) میں نہیں جانتا کہ جہنم پر ورود کے بعد واپسی کیسے ہوگی"۔ اس لیے روتا ہوں۔ مسلمانوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم سب کا حامی و ناصر ہو۔ اس کے بعد آپ نے چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"میں واپسی نہیں چاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی راہ میں ایسے گہرے زخموں کا متمنی ہوں جو استخوان شکن اور مغز پاش ہوں۔ یا کسی نیزہ باز کے ہاتھوں آنتوں اور جگر کے پار اتر جانے والے نیزے کی ضرب کا خواہش مند ہوں تاکہ جب لوگ میری قبر پر سے گزریں تو کہیں کہ یہ وہ غازی ہے جسے اللہ نے ہدایت دی اور وہ ہدایت یافتہ رہا۔

(ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۷۲)

یہ لشکر شمال کی طرف معان پہنچا۔ یہ مقام شمالی حجاز سے متصل شامی علاقے میں واقع ہے۔ یہاں پڑاؤ ڈالا تو جاسوسوں نے خبر دی کہ ہرقل بلقاء کے علاقہ میں مآب کے مقام پر ایک لاکھ رومیوں کے لشکر جرار کے ساتھ خیمہ زن ہے اور اس کے جھنڈے تلے لخم، جذام، بلقین، بہرا اور بلی قبائل کے مزید ایک لاکھ افراد بھی جمع ہو گئے ہیں۔ مسلمان اس بات کا تصور ہی نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں اتنے بڑے لشکر سے سابقہ پیش آئے گا۔ معان میں اسلامی لشکر دو رات ٹھہرا اور ان دو راتوں میں یہی مشورہ ہوتا رہا کہ کیا کرنا چاہیے؟ کون سی حکمت عملی اختیار کی جائے؟ کچھ حضرات نے یہ رائے دی کہ رسول اللہ ﷺ کو صورت حال سے مطلع کیا جائے اور آپ کے حکم کا انتظار کیا جائے۔ کیونکہ دو لاکھ فوج سے تین ہزار مجاہدین کا ٹکرانا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ نے، جو بہادری میں یکتا اور فصاحت میں فرد روزگار تھے، لوگوں سے کہا:

"صاحبو! جس شے سے تم کترا رہے ہو یہ تو وہی شہادت ہے جس کی تمنا دل میں لے کر ہم گھروں سے نکلے ہیں۔ ہم کافروں سے قوت اور کثرت کے بل پر نہیں بلکہ ہم صرف ان سے دین کے بل پر لڑتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرف و معزز کیا۔ اس لیے اٹھو اور آگے بڑھو۔ ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور حاصل ہو کر رہے گی، یا تو ہم دشمن پر غالب آئیں گے یا پھر اس کے ہاتھوں شہادت سے سرفراز ہوں گے"۔

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۰۹، ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۷۳)

Marfat.com

لوگ سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ کی بات سے متفق ہو گئے اور جانبازوں کی یہ تین ہزار کی جماعت دشمن کے دو لاکھ کے لشکر جرار کے ساتھ ٹکرانے کے لیے موتہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ چنانچہ بلقاء کی ایک بستی مشارف میں ہرقل کی فوجوں سے ان کا سامنا ہو گیا کیونکہ وہ وہاں ڈیرے ڈالے پڑی تھیں۔ اس کے بعد دشمن مزید قریب آ گیا اور مسلمان ''موتہ'' کی جانب سمٹ کر خیمہ زن ہو گئے۔ سیدنا زید بن حارثہؓ نے لشکر کی صف بندی کی۔ میمنہ پر قطبہ بن قتادہ عذریؓ اور میسرہ پر عبادہ بن مالک انصاریؓ کو مقرر فرمایا اور پھر دنیا کی نگاہوں نے دیکھا کہ ایمان اور قوت کا مقابلہ ہوا اور تین ہزار کے معمولی لشکر نے دو لاکھ ٹڈی دل کا کس دلیری اور بہادری سے مقابلہ کیا کہ لوگوں کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔

سب سے پہلے سیدنا زید بن حارثہؓ امیر لشکر نبی اکرم ﷺ کا عطا کردہ سفید جھنڈا لیے ہوئے دشمن کی صفوں میں پیرنے لگے۔ انہیں پورا یقین تھا کہ موت سے مفر نہیں اور مومن کی نگاہ میں موت کا درجہ فتح و کامرانی سے کم نہیں: ؎

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

وہ ایسی بے جگری سے لڑے کہ موت سے کھیلتے ہوئے دشمن کے تیروں کی آماجگاہ بن گئے اور جام شہادت نوش فرما کر زمین پر آ رہے۔ ان کے شہید ہوتے ہی علم اسلام سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ کے ہاتھ میں آیا۔ ان کی عمر ۳۳ سال تھی، قوی ہیکل، شباب اور ہیبت دونوں ایک سے بڑھ کر ایک۔ دشمن کی فوج میں دراتے ہوئے گھس گئے۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لیے کچھ دیر کے بعد اس نے نرغے میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر سیدنا جعفرؓ اپنے سرخ و سفید گھوڑے کی پیٹھ سے کود پڑے اور اس کی کوچیں کاٹ دیں۔ اب انہوں نے دشمن سے چومکھی لڑائی شروع کر دی۔ وار پر وار کرتے اور روکتے رہے۔ دشمن کے سر گاجر مولی کی طرح اڑانے لگے۔ علم دائیں ہاتھ میں تھا۔ ایک دشمن نے ایسی ضرب لگائی کہ دایاں ہاتھ کٹ گیا۔ اور جھنڈا نیچے گرنے لگا۔ سیدنا جعفرؓ نے فوری طور پر علم اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا، یہاں تک کہ بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا پھر انہوں نے جھنڈے کو اپنی گود میں لے لیا۔ آخر انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ ایک دشمن نے ایسی تلوار ماری کہ جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں بھی اس غزوہ میں شریک تھا۔ ہم نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی لاش کو تلاش کیا تو دیکھا کہ ان کے جسم پر تلوار اور نیزے کے نوے زخم تھے اور وہ سب سامنے تھے، پشت کی طرف کوئی زخم نہ تھا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱)

سیدنا جعفرؓ کے شہید ہونے کے بعد سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ نے پرچم ہاتھ میں لے لیا، وہ گھوڑے پر سوار تھے اور دشمن کی صفوں کی طرف بڑھے اور اپنے آپ کو مقابلہ کے لیے آمادہ کرنے لگے یعنی

Marfat.com

طبیعت میں کچھ تردد اور ہچکچاہٹ پیدا ہوئی۔ پھر فوری طور پر اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے نفس! قسم ہے تو ضرور گھوڑے سے اتر کر اللہ کے دشمنوں سے جنگ کر، خواہ ناگواری کے ساتھ خواہ خوشی خوشی۔ اگر لوگوں نے جنگ برپا کر رکھی ہے اور نیزے تان رکھے ہیں تو میں تجھے جنت سے کیوں گریزاں دیکھ رہا ہوں"۔

یہ کہہ کر گھوڑے سے اتر پڑے۔ اتنے میں ان کے چچازاد بھائی نے آگے بڑھ کر انہیں ایک گوشت لگی ہوئی ہڈی دی اور بولا کہ اس کو چوس لو تا کہ اس کی قوت سے کچھ لڑسکو کیونکہ کئی روز سے تم فاقہ سے ہو۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے ہڈی کو لے کر ایک بار چوسا لیکن فوراً ہی پھینک دیا اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "اے نفس! تو عجیب ہے، لوگ جہاد کر رہے ہیں اور تو دنیا میں مشغول ہے۔ اب تلوار لے کر آگے بڑھے اور دشمن سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے"۔

تینوں سپہ سالار سیدنا زید بن حارثہؓ، سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ، سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ اس واقعہ کی اطلاع سرکارِ دوعالم ﷺ تک پہنچی تو آپ نے سیدنا زیدؓ اور سیدنا جعفرؓ کی وفات پر اظہار غم کرتے ہوئے فرمایا: "مجھے تینوں کے بارہ میں خواب میں دکھایا گیا کہ وہ سونے کے تختوں پر استراحت فرما رہے ہیں۔ البتہ عبداللہ بن رواحہؓ کا تخت ذرا سا جھکا ہوا دیکھا گیا۔ پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ کیوں؟ فرمایا زیدؓ اور جعفرؓ بغیر ہچکچاہٹ کے میدان جنگ میں کودے اور ابن رواحہؓ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد آگے قدم بڑھایا۔ جونہی سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ شہید ہوئے بنو عجلان کے ایک شخص ثابت بن ارقمؓ نے لپک کر جھنڈا اٹھالیا اور بولے! "مسلمانو! اپنے میں سے کسی کو امیر بنانے پر متفق ہو جاؤ۔ لوگوں نے کہا: آپ ہی ہمارے امیر ہیں۔ ثابتؓ نے فرمایا: میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر جھنڈا سیدنا خالد بن ولیدؓ کو پکڑا دیا اور کہا: آپ جنگ کے نشیب و فراز سے خوب واقف ہیں، انہیں اپنا امیر مقرر کر لو۔ مسلمانوں نے ان کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ خالدؓ سے مسلمانوں کی قلت تعداد اور ضعف قوت پوشیدہ نہ تھی، لیکن وہ فوج کو لڑانے کے ماہر اور رزم گاہ کے نشیب و فراز سمجھنے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ اگرچہ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، لیکن انہوں نے جھنڈا لیتے ہی، از سرنو فوج کو مرتب کیا اور غروب آفتاب تک اسے دشمن سے پرزور طریقے سے لڑاتے رہے۔

رات کے وقت سیدنا خالدؓ نے ایک جنگی چال چلی کہ فوج کی بھاری تعداد کو رزم گاہ سے دور چھپا دیا اور صبح جب جنگ جاری تھی تو یہ دستہ نعرے لگاتا ہوا میدان جنگ میں آکر مسلمانوں سے مل گیا۔ دشمن یہ سمجھا کہ یہ مسلمانوں کی نئی کمک آئی ہے، لہٰذا ان کے دل دہل گئے۔ دل جب دہل جائیں تو پھر پاؤں ہلنے میں دیر نہیں لگتی۔ وہ سوچنے لگے کہ کل اس تھوڑی سی فوج نے ہمارے ٹڈی دل کا کس ثابت قدمی سے مقابلہ کیا ہے اور کتنے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اب تو انہیں اور کمک پہنچ گئی ہے

Marfat.com

کہیں انہیں شکست سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ بہر حال خالدؓ نے نہایت جوانمردی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ بخاری میں خود ان کا اپنا بیان نقل کیا گیا ہے کہ جنگ موتہ کے دن میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ صرف ایک یمنی تلوار ہاتھ میں چپک کر رہ گئی۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱)

موتہ میں جنگ زوروں پر تھی' ادھر مدینہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ زیدؓ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا اور کافروں سے خوب قتال کیا' یہاں تک کے شہید ہوا اور جنت میں داخل ہوا۔ زیدؓ کے بعد جعفرؓ نے اسلامی علم سنبھالا اور اللہ کے دشمنوں سے خوب جنگ لڑی یہاں تک کہ وہ بھی شہید کر دیئے گئے اور جنت میں داخل ہوا اور فرشتوں کے ساتھ جنت میں دو بازوؤں کے ساتھ اڑتا پھرتا ہے۔ پھر عبداللہ بن زواحہؓ نے علم سنبھالا ہے اور کافروں سے خوب قتال کیا اور شہید کر دیئے گئے۔ اس دوران آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ پھر فرمایا کہ ان کے بعد ''سیف من سیوف اللہ'' اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے یعنی خالد بن ولیدؓ نے اسلام کا علم سنبھالا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔
(بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱ وغیرہ)

رومی فوجیں خالدؓ کے جنگی داؤ پیچ سے گھبرا گئیں۔ انہیں حملہ کرنے کی جرأت نہ رہی۔ وہ جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہے۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ دشمن آگے نہیں بڑھتا تو خالدؓ نے اپنے لشکر کا نظام محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹانا شروع کیا' لیکن رومیوں نے اس خوف سے ان کا تعاقب نہ کیا کہ مسلمان دھوکہ دے رہے ہیں۔ کوئی چال چل کر انہیں صحرا کی پہنائیوں میں پھینک دینا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن اپنے علاقے میں واپس چلا گیا اور مسلمان کامیابی اور سلامتی کے ساتھ پیچھے ہٹے اور پھر واپس مدینہ آ گئے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس جنگ میں کسی فریق کو فتح نہیں ہوئی' ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں۔ فتح مسلمانوں کو ہوئی۔ اگر فتح نہ ہوتی تو رومی مسلمانوں کو زندہ واپس آنے نہ دیتے' بلکہ سب کو ختم کر دیتے' لیکن مسلمانوں کے صرف بارہ آدمی جنگ میں کام آئے۔ دوسرے بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو فتح اور رومیوں کو شکست ہوئی۔ چنانچہ ابن سعد ابو عامر سے روایت کرتے ہیں کہ جب خالد بن ولیدؓ نے رومیوں پر حملہ کیا تو انہیں ایسی شکست فاش دی کہ میں نے ایسی شکست کبھی نہیں دیکھی۔ مسلمان جہاں چاہتے تھے وہیں اپنی تلوار رکھتے تھے اور بخاری میں بھی ہے کہ:

حتی فتح اللہ علیھم۔

''حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی''۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۱۱)

حاکم کی روایت میں ہے کہ غنیمت میں کچھ سامان بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ رومیوں کی شکست کے بعد سیدنا خالد بن ولیدؓ نے ان کا تعاقب جنگی مصلحت کے پیش نظر مناسب نہ سمجھا اور وہ مسلمانوں

کے لشکر کو لے کر واپس مدینہ آ گئے۔

اس جنگ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے ان میں تین تو سپہ سالار لشکر تھے۔ ان بارہ کے نام یہ ہیں۔

۱ - سیدنا زید بن حارثہؓ	۲ - سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ
۳ - سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ	۴ - سیدنا مسعود بن اوسؓ
۵ - سیدنا وہب بن سعدؓ	۶ - سیدنا عباد بن قیسؓ
۷ - سیدنا حارث بن نعمانؓ	۸ - سیدنا سراقہ بن عمرؓ
۹ - سیدنا ابو کلیب بن عمرو بن زیدؓ	۱۰ - سیدنا جابر بن عمرو بن زیدؓ
۱۱ - سیدنا عمرو بن سعد بن حارثؓ	۱۲ - سیدنا عامر بن سعد بن حارثؓ

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۱۱، ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۸۸-۳۸۹، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۴۵، زرقانی جلد ۲ ص ۲۶۸، فتح الباری جلد ۷ ص ۵۱۳-۵۱۴، زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۵۶)

اس معرکہ کے نہایت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ اس سے مسلمانوں کی شہرت میں بہت اضافہ ہوا کیونکہ ہرقل کی حکومت اس زمانہ میں سپر پاور تھی۔ اتنی بڑی حکومت سے ٹکر لینا صرف اتنی ہی بڑی حکومت کا کام تھا نہ کہ عرب کی چھوٹی سی نوزائیدہ اسلامی مملکت کا۔ ہرقل سے تو اس وقت کسریٰ ایران بھی شکست کھا چکا تھا، لہٰذا ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ اتنی بڑی حکومت سے ٹکر لینا خودکشی کے مترادف ہے۔ پھر اس حکومت کی بھی اتنی بڑی فوج جس کی تعداد دو لاکھ تھی اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی فوج صرف تین ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ اتنے بڑے ٹڈی دل سے مقابلہ کر کے اور صرف ۱۲ نفوس قدسیہ شہید کروا کر واپس آ جانا ایک عجوبہ روزگار سے کم نہ تھا۔ چنانچہ اس کے اہم اثرات یہ مرتب ہوئے کہ اس معرکہ کے فوراً بعد کئی ایسے قبائل جیسے غطفان، ذبیان، بنو سلیم، فزارہ اور اشجع وغیرہ، جو مسلمانوں سے مسلسل برسرپیکار رہتے تھے، حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

علاوہ ازیں یہ معرکہ آئندہ چل کر بازنطینی سلطنت کی فتوحات اور مسلمانوں کے اقتدار کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور آخر وہ وقت بھی مسلمانوں کی آنکھوں نے دیکھا کہ یہ اتنی بڑی حکومت سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے رحم و کرم پر ہو گئی۔

مجاہدین جب اس معرکہ سے واپس ہوئے تو سرکارِ دو عالم ﷺ اور مسلمانوں نے مدینہ سے باہر جا کر ان کا استقبال کیا۔ یہ ان مجاہدین کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔

اسی جنگ میں سیدنا خالد بن ولیدؓ کو "سیف اللہ" کا خطاب ملا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب معرکہ کے شباب میں سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کے بعد سیدنا خالد بن ولیدؓ نے لشکر اسلام کی کمان سنبھالی تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں بیٹھے ہوئے یہ دعا فرمائی:

اللهم انه سیف من سیوفک فانت تنصره فمن یومئذ سمی سیف الله۔

"خداوند! خالد تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ پس تو اس کی مدد فرما۔ پس اسی روز سے خالد بن ولیدؓ کا لقب سیف اللہ ہو گیا"۔

سریہ ذات السلاسل

جمادی الاخر سنہ ۸ھ میں رسول اللہ کو اطلاع ملی کہ مشارف شام کے اندر رہنے والے عرب قبائل مسلمانوں سے لڑنے کے لیے رومیوں کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ یہ مسلمانوں کے لیے کوئی اچھی بات نہ تھی۔ آپ کی فراست نے ان کے درمیان تشتت وافتراق پیدا کرنے کے لیے اور مسلمانوں سے ان قبائل کی دوستی پیدا کرنے کے لیے ایک مہم کا انتظام فرمایا تاکہ پھر اس علاقہ میں رومیوں اور ان کے گٹھ جوڑ سے اتنی بڑی جمعیت فراہم نہ ہوسکے اور ان قبائل پر مسلمانوں کی از سر نو دھاک بیٹھ جائے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کو منتخب فرمایا کیونکہ ان کی والدہ کے میکے قبیلہ بلی میں تھے جو ان قبائل میں سے ایک اہم قبیلہ تھا۔ آپ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کو حکم فرمایا کہ راستہ میں اہلِ عرب کو اپنی امداد کے لیے ساتھ لے لیں۔ اس توقع پر کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کی والدہ کے میکے انہی نواح میں تھے، اس رشتہ کی وجہ سے اس خطہ کے لوگ مسلمانوں کی اعانت پر آمادہ ہو سکتے تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک اطلاع یہ بھی ملی تھی کہ بنو قضاعہ نے اطراف مدینہ پر ہلہ بولنے کے ارادہ سے ایک جماعت فراہم کر رکھی ہے، اس وجہ سے آپ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کی زیرِ کمان ایک دستہ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ ممکن ہے کہ اس جنگ کے دونوں سبب ہوں۔

بہر حال سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کو ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا اور اس کے ساتھ کچھ کالی جھنڈیاں بھی دیں اور ان کی زیر کمان بڑے بڑے مہاجرین وانصار پر مشتمل تین سو افراد کی ایک جماعت، جس کے پاس تیس گھوڑے بھی تھے، دے کر فرمایا کہ بلی، عذرہ اور بلقین کے جن لوگوں کے پاس سے گزریں ان سے مدد کے خواہاں ہوں۔ اس دستہ کو آپ نے "ذات السلاسل" کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ حضرات رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے۔ جب یہ دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لیے توقف کیا اور رافع بن مکیث جہنی کو سرکارِ مدینہ ﷺ کی خدمت اقدس میں یہاں کے حالات سے باخبر کرنے کے لیے بھیجا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کی زیرِ کمان دو سو افراد پر مشتمل ایک دستہ ان کی کمک کے لیے روانہ فرمایا، ان میں سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ بھی تھے اور اسی طرح انصار کے بھی کئی سردار تھے۔ سیدنا ابو عبیدہؓ کو حکم فرمایا کہ جلد از جلد عمرو

Marfat.com

بن العاص ؓ سے جاملیں۔ دونوں مل کر کام کرنا، آپس میں متفق رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔ جب ابوعبیدہ ؓ وہاں پہنچے تو نماز کے وقت سیدنا ابوعبیدہ نے امامت کرانا چاہی۔ سیدنا عمرو بن العاص ؓ نے کہا کہ امیر لشکر تو میں ہوں اور تم میری مدد کے لیے آئے ہو۔ سیدنا ابوعبیدہ ؓ نے کہا کہ تم اپنی جماعت کے امیر ہو اور میں اپنی جماعت کا امیر ہوں۔ اس کے بعد سیدنا ابوعبیدہ ؓ نے کہا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے چلتے وقت مجھے آخری حکم یہ فرمایا کہ باہم متفق رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا، لہٰذا میں تمہاری اطاعت کروں گا۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاص ؓ ہی نماز پڑھاتے رہے اور ابوعبیدہ ؓ ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے۔

(طبقات جلد ۲ ص ۱۳۱)

اب یہ دونوں لشکر سیدنا عمرو بن العاص ؓ کی زیرِ قیادت بنو قضاعہ کے علاقہ میں داخل ہوئے اور ان پر زوردار حملہ کیا۔ بنو قضاعہ مرعوب ہو کر بھاگ اٹھے۔ چنانچہ سیدنا عوف بن مالک اشجعی ؓ کو اس فتح کی خبر دے کر سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ سیدنا عمرو بن العاص ؓ نے غلبہ حاصل کرنے کے بعد چند روز یہاں قیام فرمایا اور مختلف اطراف میں اپنے سواروں کو بھیجتے رہے۔ وہ اونٹ اور بکریاں پکڑ کر لاتے اور مسلمان پکا کر کھاتے۔ چنانچہ چند روز قیام کے بعد مجاہدین کا یہ لشکر واپس مدینہ پہنچا اور اس معرکہ کی تفصیل خدمت نبوی میں پیش کی۔

ذات السلاسل (پہلی سین کی پیش اور زبر دونوں سے درست ہیں۔ امام سہیلیؒ نے روض الانف جلد ۴ ص ۲۵۲ میں لکھا ہے کہ پہلی سین پر پیش اور دوسری سین کے نیچے زیر کے ساتھ اس کا تلفظ ہے) وادی القریٰ سے آگے ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں سے مدینہ کا فاصلہ دس روز ہے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مسلمان قبیلہ جذام کی سرزمین میں واقعہ "سلسل" نامی ایک چشمہ پر اترے تھے، اس وجہ سے اس معرکہ کا نام "ذات السلاسل" ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیدنا خالد بن ولید ؓ اور سیدنا عمرو بن العاص ؓ دونوں ایک ساتھ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان دونوں کو اسلام میں داخل ہوئے ابھی ایک دو مہینہ ہی ہوا تھا کہ غزوہ موتہ پیش آیا۔ جس میں سیدنا خالد بن ولید ؓ امیر بن گئے اور "سیف اللہ" کا خطاب بارگاہ رسالت سے حاصل کیا۔ غزوہ موتہ کے چند ہفتے بعد "غزوہ ذات السلاسل" پیش آیا تو اس میں سیدنا عمرو ؓ امیر ہوئے اور سیدنا ابوعبیدہ ؓ، سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اور سیدنا عمر ؓ اور بڑے بڑے سرداران انصار ان کے زیرِ کمان تھے۔ پیغمبر اسلام نے سچ فرمایا:

الناس معادن کمعادن الذھب والفضہ، خیارھم فی الجاھلیہ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا۔

"یعنی لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح ہیں جو لوگ جاہلیت میں بہتر تھے، اسلام لانے کے بعد بھی وہ بہتر رہیں گے اگر انہیں دین سلام کی صحیح سمجھ آجائے"۔

Marfat.com

غزوۃ الفتح الاعظم

غزوہ موتہ سے مسلمانوں کا لشکر کامیابی سے واپس لوٹ آیا اور مسلمانوں نے اس واپسی کو اپنے حق میں بھلائی سے تعبیر کیا لیکن سیدنا زید بن حارثہؓ، سیدنا جعفر ابی طالبؓ اور سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادتوں نے مختلف طبقات پر مختلف اثرات مرتب کیے۔

ا۔ رومیوں پر اس کے اثرات یہ مرتب ہوئے کہ انہوں نے باوجود اپنی کثرت تعداد کے مٹھی بھر مسلمانوں کی جنگ سے دست برداری کو اپنے حق میں غنیمت سمجھا کیونکہ ان کے دل مسلمانوں کی شجاعت سے دہل گئے تھے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مسلمانوں کے آخری سپہ سالار سیدنا خالد بن ولیدؓ اس ثابت قدمی اور جوانمردی سے لڑے کہ ان کے ہاتھ سے اس روز نو تلواریں ٹوٹیں۔ وہ مسلمانوں کی اسٹریجی (Strategy) سے بھی بڑے متاثر تھے کہ سیدنا خالدؓ نے دو لاکھ کے ٹڈی دل کے ساتھ اپنے تین ہزار سپاہیوں کو اس مہارت سے لڑایا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور شام کے نواحی قبائل مسلمانوں کی اس شجاعت اور بہادری کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے کہ تین ہزار کے لشکر نے دو لاکھ کے لشکر جرار کا جس ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اس کی مثال انہوں نے اس سے قبل دیکھنا تو کجا، سنی بھی نہیں تھی۔ مسلمانوں کی اسی بہادری سے متاثر ہو کر قیصر روم ہرقل کے ماتحت لڑنے والی عرب فوجوں کے سپہ سالار فزدہ بن عمرو الجذامی نے اسلام قبول کر لیا۔ قیصر ان کے مسلمان ہونے سے بہت پریشان ہوا۔ چنانچہ انہیں خیانت کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ ہرقل نے انہیں یہ پیش کش کی کہ اگر وہ دوبارہ عیسائی مذہب قبول کر لے تو اسے دوبارہ اس منصب پر فائز کر دیا جائے گا۔ لیکن جناب فزدہؓ نے ہرقل کی اس پیش کش کو یک قلم ٹھکرا دیا۔ چنانچہ ہرقل نے انہیں قتل کروا دیا۔ لیکن نجد میں جو عراق و شام کی سرحد پر واقع تھا، اسلام کا اثر و نفوذ شروع ہو گیا۔

علاوہ ازیں وہ عرب جو ہرقل کے، ماتحت مشرقی روم میں آباد تھے، ان کے اسلام کی طرف مائل

ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ رومی فوج میں جو عرب رضاکارانہ طور پر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے، ایک موقع پر رسد تقسیم کرنے والے اہلکار نے اعلان کیا کہ "یہ رضاکار فوج سے نکل جائیں۔ بادشاہ کی طرف سے صرف سرکاری فوج کے لیے راشن اور رسد ہے۔ سرکار کے ان پالتو کتوں کے لیے کچھ بھی مہیا نہیں کیا جا سکتا"۔ اس اعلان نے ان رضاکاروں کے جذبات کو سخت مجروح کیا اور انہوں نے رومیوں سے بدگمان ہو کر رومی لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی۔ چنانچہ اس علیحدگی نے انہیں اسلام کی روشنی کی طرف راہنمائی کی اور حقیقت نے ان کی دستگیری کر کے انہیں صراطِ مستقیم کا راستہ دکھایا۔ ان میں سے کئی قبائل اپنے رئیسوں اور سرداروں کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔

۱۔ قبیلہ بنو سلیم اپنے سردار عباس بن مرداس کی ہدایت پر حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

۲۔ قبیلہ اشجع نے اسلام کو قبول کر لیا۔

۳۔ یہود کے حلیف بنو غطفان نے اسلام کو قبول کر لیا۔ یہ قبیلہ یہود خیبر کا بڑا قوی اور مضبوط بازو تھا، اس لیے ان کے مسلمان ہونے سے یہودیوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور ان کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔

۴۔ قبیلہ بنو عبس بھی مسلمان ہو گیا۔

۵۔ قبیلہ ذبیان اور قبیلہ بنو فزارہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو غزوہ موتہ عرب کے شمال میں شام تک مسلمانوں کے اثر و نفوذ کا سبب ثابت ہوا جس سے اسلام کی شوکت اور سطوت میں بہت اضافہ ہوا۔

۶۔ اہلِ مدینہ پر اس کے اثرات یہ مرتب ہوئے کہ چونکہ کوئی علاقہ فتح نہیں ہوا تھا، نہ کوئی کثیر تعداد میں مال غنیمت حاصل ہوا، لہٰذا انہوں نے جنگ سے واپس لوٹنے والوں کو مفرور کہنا شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ برملا ان لشکریوں کو کہتے۔ "یا فرار! فررتم فی سبیل اللہ" (اے مفرورین! تم جہاد فی سبیل اللہ سے بھاگ کر آئے ہو) نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ بہادر نوجوان بھی ندامت کی وجہ سے گھروں میں چھپ گئے تاکہ یہ طعنہ نہ سنیں۔ چنانچہ سیدنا سلمہ بن ہشامؓ نے اسی طعن سے ڈر کر مسجد میں آنا ترک کر دیا۔

۷۔ قریش مکہ پر اس غزوہ موتہ کے نتائج کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے اس کو مسلمانوں کی شکست اور ذلت سے تعبیر کیا۔ اب ان کو اس معاہدہ کا کوئی پاس نہ رہا تھا جو چند ماہ قبل انہوں نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں سے کیا تھا، چنانچہ ان کا تقریباً ہر شخص عمرۃ القضاء سے پہلے والی فضا قائم کرنے پر آمادہ ہو گیا اور معاہدہ حدیبیہ کو پس پشت ڈال کر قصاص کی آواز لگانے لگا۔ معاہدہ حدیبیہ کی یہ شکست فتح مکہ کا سبب بنی۔

حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ یہ وہ فتح اعظم ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو، اپنے رسول کو، اپنے لشکر کو اور اپنے امانت دار گروہ کو ایک خاص عزت بخشی اور اپنے شہر مکہ کو اور اپنے گھر

Marfat.com

(کعبتہ اللہ) کو جسے دنیا والوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا اور کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے چھٹکارا دیا۔ اس فتح سے آسمان والوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس کی عزت کی طنابیں جوزاء کے شانوں پر تن گئیں اور لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے شروع ہو گئے' اور روئے زمین کا چہرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔ (زادالمعاد جلد ۲ ص ۱۶۰)

قرارداد حدیبیہ کی خلاف ورزی

حدیبیہ میں قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ قبائل جس کے عہد و پیمان میں چاہیں داخل ہو جائیں اور جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ شامل ہو گا وہ اس فریق کا ایک حصہ سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسا کوئی قبیلہ اگر کسی سے زیادتی یا حملے کا شکار ہو گا تو یہ خود اس فریق پر حملہ اور زیادتی سمجھی جائے گی جس فریق کے عہد و پیمان میں وہ داخل ہو گا۔ چنانچہ بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے اور بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں۔ ان دونوں قبائل میں عہد جاہلیت سے ہی عداوت اور کشاکش چلی آ رہی تھی' کیونکہ مالک بن عباد حضرمی ایک دفعہ مال تجارت لے کر بنو خزاعہ کے علاقہ کے اندر داخل ہوا۔ خزاعہ کے لوگوں نے اس کا تمام مال لوٹ کر اس کو قتل کر دیا۔ بنو بکر نے موقع پا کر حضرمی کے بدلہ میں بنو خزاعہ کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ اس کے جواب میں بنو خزاعہ نے اپنے ایک آدمی کے بدلہ میں بنو بکر کے تین سرداروں ذویب' سلمی اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدود حرم کے قریب موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حدیبیہ میں جب قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال کے لیے صلح کا معاہدہ ہو گیا اور فریقین ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے تو بنو بکر نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر پرانا بدلہ چکانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ بنو بکر میں نوفل بن معاویہ دیلی نے ایک جماعت کے ساتھ شعبان سنہ ۸ھ میں بنو خزاعہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ اس وقت بنو خزاعہ کے لوگ وتیر نامی ایک چشمہ پر سو رہے تھے۔ اس حملہ میں بنو خزاعہ کے متعدد آدمی مارے گئے۔ قریش میں سے صفوان بن امیہ' شیبہ بن عثمان' سہیل بن عمرو' حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص نے پوشیدہ طور پر ہتھیاروں سے بنو بکر کی مدد کی بلکہ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر قریش کے کچھ آدمی بھی اس حملہ میں شریک ہو گئے۔ بنو خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی مگر ان کو وہاں بھی قتل سے پناہ نہ ملی۔

بنو خزاعہ کے آدمی مکہ میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے مکان میں گھس گئے لیکن بنو بکر اور قریش کے رؤسا نے گھروں میں گھس کر انہیں مارا اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ وہ لوگ یہ سمجھتے رہے کہ یہ مکہ کا اور حرم کا معاملہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہاں سے کافی دور ہیں' ان کو اس واقعہ کی اطلاع نہ ہو گی' لیکن

Marfat.com

جب صبح ہوئی تو قریش کو اس جرم پر ندامت ہوئی وہ سمجھ گئے کہ ہم نے عہد شکنی کی ہے جو معاہدہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا اس کو ہم نے توڑ ڈالا ہے۔

ادھر قبیلہ بنو خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم چالیس آدمیوں کے ایک وفد کے ساتھ فوراً مدینہ منورہ پہنچا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اس وقت صحابہ کرامؓ کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر اشعار میں بنو بکر کی پیمان شکنی، اور وتیر پر ان کے حملہ کو بیان کیا۔ ان اشعار میں سے ایک شعر یہ تھا:

هم بيتونا بالوتير هجدا   وقتلونا ركعا و سجدا

یعنی ان لوگوں نے چشمہ وتیر پر سوتے ہوئے ہم پر رات کو حملہ کیا اور ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا۔ (ان میں سے بعض مسلمان بھی تھے ورنہ وہ خود مسلمان نہ تھے)

اس فریاد کے بعد وہ آپ ﷺ سے امداد کا طلبگار ہوا۔ آپؐ نے فرمایا! "اے عمرو بن سالم! تیری مدد کی گئی۔ اس کے بعد آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا دکھائی دیا۔ آپ نے فرمایا یہ بادل بنو کعب کی مدد کی بشارت سے دمک رہا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے عمرو بن سالم سے فرمایا کہ "نہ مدد کیا جاؤں میں اگر تیری مدد نہ کروں"۔ پھر آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا سارے بنو بکر اس حملہ میں شریک تھے۔ عمرو نے کہا: سب نے بلکہ بنو نفاثہ اور ان کا سردار نوفل بھی اس میں شریک تھا۔ آپ نے عمرو بن سالم سے ان کی امداد کا وعدہ فرمایا۔ اس کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی کی زیرِ قیادت بنو خزاعہ کی ایک جماعت مدینہ طیبہ حاضر ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ حملہ میں کون سے لوگ مارے گئے اور کس طرح سے قریش مکہ نے بنو بکر کی پشت پناہی کی۔ اس کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے۔

آپ نے ایک قاصد قریش مکہ کے پاس روانہ فرمایا کہ ان کو میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ تین باتوں میں سے ایک اختیار کر لیں۔

۱۔ مقتولین خزاعہ کی دیت دے دی جائے۔
۲۔ یا بنو نفاثہ کے عہد و پیمان سے علیحدہ ہو جائیں۔
۳۔ یا پھر معاہدہ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کر دیں۔

قاصد نے جب آپ کا یہ پیغام پہنچایا تو قریش کی طرف سے قرطہ بن عمرو نے یہ جواب دیا کہ ہم نہ مقتولین خزاعہ کی دیت دیں گے اور نہ بنو نفاثہ کے عہد و پیمان سے علیحدگی اختیار کریں گے۔ ہاں معاہدہ حدیبیہ کے فسخ پر راضی ہیں۔ لیکن قاصد کے روانہ ہونے کے بعد انہیں ندامت ہوئی کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے یہ درست نہیں۔ چنانچہ انہوں نے انجام کی سنگینی کو مدنظر رکھتے ہوئے باہمی مشورے سے یہ طے کیا

Marfat.com

کہ ابو سفیان کو اپنا نمائندہ بنا کر تجدید صلح اور مدت صلح کو بڑھانے کے لیے مدینہ روانہ کیا جائے۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۲۹۲، فتح الباری جلد ۸ ص ۴)

دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو بتایا کہ قریش اپنی اس پیمان شکنی کے بعد کیا کرنے والے ہیں۔ آپ نے یہاں تک فرمایا: "گویا میں ابو سفیان کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس معاہدہ کو پھر سے پختہ کرنے اور مدت صلح کو بڑھانے کے لیے آگیا ہے"۔

ابو سفیان باہمی مشورہ سے طے شدہ قرارداد کے مطابق مکہ کے لیے روانہ ہوا۔ جب وہ عسفان پہنچا تو اس کی ملاقات بدیل بن ورقاء خزاعی سے ہوئی۔ بدیل مدینہ سے مکہ واپس جا رہا تھا۔ ابو سفیان ایک ذہین آدمی تھا۔ سمجھ گیا کہ بدیل محمد (ﷺ) سے مل کر آ رہا ہے۔ پوچھا: بدیل! کہاں سے آ رہے ہو؟ بدیل نے جواب دیا! "میں خزاعہ کے ان آدمیوں کے ہمراہ اس ساحل اور وادی سے آ رہا ہوں"۔ پوچھا: کیا تم محمد ﷺ کے پاس نہیں گئے تھے؟" بدیل نے کہا: "نہیں"۔ مگر بدیل جب مکہ کی جانب روانہ ہوا تو ابو سفیان نے کہا کہ اگر وہ مدینہ گیا تھا جو وہاں اپنے اونٹ کو چارہ ضرور کھلایا ہو گا، لہٰذا ابو سفیان اس جگہ گیا جہاں بدیل نے اپنے اونٹ کو بٹھایا تھا۔ اس نے وہاں اونٹ کی ایک مینگنی لے کر توڑی تو اس میں سے کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی۔ ابو سفیان نے کہا: "میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بدیل ضرور مدینہ سے آ رہا ہے اور یہ گٹھلی مدینہ ہی کی کھجور کی ہے"۔ ابو سفیان نے کہا یہ تو غضب ہو گیا۔ بدیل نے مکہ کا تمام ماجرا آپ کو سنا دیا ہو گا۔

بہرحال ابو سفیان منزلیں طے کرتا ہوا مدینہ پہنچا اور سیدھا رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنے کے بجائے ادھر ادھر کی گن سن لینے کا منصوبہ بنا کر اپنی صاحبزادی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کے گھر گیا۔ قریش کے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کے رجحانات کا اندازہ ام المومنین کو بھی تھا، لیکن آپ ؐ کے ارادہ کے بارہ میں کوئی اطلاع نہ تھی۔ ابو سفیان نے جب آپ ؐ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو سیدہ ؓ نے فوری طور پر بستر لپیٹ لیا۔ ابو سفیان یہ دیکھ کر کچھ پریشان ہو گیا اور کہنے لگا "بیٹی! تو نے بستر کو لپیٹ دیا، کیا اس بستر کو میرے قابل نہ سمجھا یا مجھے بستر کے قابل نہ سمجھا؟" سیدہ ؓ نے جواب دیا: "یہ حضور ﷺ کا بستر ہے، اس پر ایک ایسا شخص جو شرک و کفر کی نجاست سے ملوث ہو، ہرگز نہیں بیٹھ سکتا"۔ ابو سفیان نے جھلا کر کہا: "بیٹی! خدا کی قسم، تو میرے بعد شر میں مبتلا ہو گئی ہے"۔ سیدہ ؓ نے جواب دیا: "شر میں نہیں بلکہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کے نور میں داخل ہو گئی ہوں اور مجھے آپ پر تعجب ہے کہ آپ قریش کے سردار ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں"۔

ابو سفیان بیٹی کی اس بات سے غضبناک ہو کر مسجد نبوی میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور تجدید معاہدہ اور صلح بڑھانے کے لیے عرض کیا، لیکن آپ ؐ نے ابو سفیان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ

Marfat.com

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پاس آیا اور ان سے اس بارہ میں بارگاہ نبوت میں سفارش کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا میں اس بارہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ سیدنا عمر بن الخطابؓ کے پاس آیا اور ان سے اس بارہ میں سفارش کی درخواست کی۔ انہوں نے جواب دیا: "بھلا میں تم لوگوں کے لیے سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں سفارش کروں گا؟ خدا کی قسم، اگر مجھے لکڑی کے ٹکڑے کے سوا کچھ بھی دستیاب نہ ہو تو میں اسی کے ساتھ تم لوگوں سے جہاد کروں گا"۔

اس کے بعد ابوسفیان سیدنا علیؓ کے پاس آیا۔ اس وقت سیدہ فاطمہؓ اور سیدنا حسن بن علیؓ بھی موجود تھے۔ ابوسفیان نے کہا: "علی! میرے ساتھ تمہارا سب سے گہرا نسبی تعلق ہے۔ میں ایک شدید ضرورت سے آیا ہوں، ایسا نہ ہو کہ جس طرح نامراد آیا ہوں اسی طرح نامراد واپس جاؤں۔ تم میرے لیے محمد ﷺ سے اس بارہ میں سفارش کر دو"۔ سیدنا علیؓ نے کہا: "ابوسفیان! تجھ پر افسوس، رسول اللہ ﷺ نے ایک بات کا عزم کر لیا ہے لہٰذا ہم اس بارہ میں آپ سے کوئی بات نہیں کر سکتے"۔ اس کے بعد ابوسفیان سیدہ فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: کیا آپ اپنے اس بیٹے کو حکم دے سکتی ہیں کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ دینے کا اعلان کر کے ہمیشہ کے لیے عرب کا سردار ہو جائے۔ سیدہ فاطمہؓ نے کہا! واللہ! میرا یہ بیٹا ابھی اس درجہ کو نہیں پہنچا کہ لوگوں کو پناہ دینے کا اعلان کر سکے اور پھر رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے کون پناہ دے سکتا ہے؟ اب ابوسفیان نے سیدنا علیؓ سے کہا کہ معاملہ نہایت سنگین ہو گیا ہے لہٰذا کوئی طریقہ بتلائیے۔ سیدنا علیؓ نے کہا: میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ البتہ تم بنو کنانہ کے سردار ہو، لہٰذا کھڑے ہو کر لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دو۔ اس کے بعد تم اپنے شہر واپس چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے کہا: "علی! کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ بات میرے لیے کچھ کار آمد ہو گی"۔ سیدنا علیؓ نے کہا: نہیں، خدا کی قسم، میں اسے کار آمد تو نہیں سمجھتا لیکن اس کے علاوہ کوئی اور صورت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ چنانچہ ابوسفیان یہاں سے اٹھ کر سیدھا مسجد گیا اور کھڑے ہو کر باآواز بلند یہ اعلان کیا کہ لوگو! میں معاہدہ کی تجدید اور صلح کی مدت بڑھانے کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ اعلان کرنے کے بعد وہ اونٹ پر سوار ہو کر مکہ واپس چلا گیا۔ جب وہ مکہ پہنچا تو قریش نے پوچھا: پیچھے کا کیا حال ہے؟ اس نے وہ مدینہ کی ساری سرگزشت سنا دی، لیکن جب مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اپنی طرف سے تجدید عہد اور توسیع صلح کے اعلان کا ذکر کیا تو قریش نے کہا: "کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے نافذ کر دیا؟" ابوسفیان نے کہا: "نہیں"۔ قریش نے کہا: تیری تباہی ہو، علیؓ نے تیرے ساتھ مذاق کیا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضامندی اور اجازت کے بغیر تم کیسے مطمئن ہو گئے۔ تم لغو اور بیکار چیز لے کر آئے جس کا توڑنا ان پر کچھ مشکل نہیں۔ تم نہ صلح کی خبر لے کر آئے جس سے اطمینان ہوتا اور نہ جنگ کی خبر لائے کہ ہم تیاری کرتے۔ ابوسفیان نے کہا: "خدا کی قسم، اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہ بن سکی"۔ اس کے بعد قریش کے مدبرین مستقبل کے لیے

Marfat.com

لائحہ عمل سوچنے کے لیے بیٹھ گئے۔(زرقانی جلد ۲ص ۲۹۳)

جنگ کے بارہ میں رازداری

احترامِ معاہدہ اور مظلوموں اور حلیفوں کی فریادرسی کے علاوہ ایک اہم مسئلہ یہ بھی تھا کہ اگر اب اس معاملہ میں چشم پوشی سے کام لیا جائے گا تو قریش اور اس کے حلیفوں کی دست درازی سے دوسرے قبائل بھی محفوظ و مامون نہیں رہ سکتے جو اہلِ اسلام کے حلیف ہیں۔ چنانچہ معاہدہ کی پابندی، مظلوم فریق کی فریادرسی اور اپنے حلیف قبائل کی آئندہ حفاظت کی غرض سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا عزم فرمالیا لیکن اس کی تشہیر کو مناسب نہ سمجھا بلکہ پوری رازداری کے ساتھ تیاری کی گئی اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ اہلِ مکہ کو اس بارہ میں کوئی خبر پہنچنے نہ پائے۔ آس پاس کے قبائل کو بھی تیاری کے لیے کہلا بھیجا۔

طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے پیمان شکنی کی خبر آنے سے تین دن پہلے ہی سیدہ عائشہؓ کو حکم دے دیا تھا کہ آپ کا سازوسامان تیار کردیں لیکن کسی کو پتہ نہ چلے۔ اس کے بعد سیدہؓ کے پاس ان کے والد ابوبکرؓ آئے، پوچھا، بیٹی! یہ کیسی تیاری ہے؟ سیدہ نے کہا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ سیدنا ابوبکرؓ نے کہا: یہ بنواصفر یعنی رومیوں سے جنگ کا وقت نہیں، پھر آپ کا ارادہ کس طرف کا ہے؟ سیدہؓ نے کہا: واللہ مجھے علم نہیں۔ تیسرے روز علی الصبح عمرو بن سالم خزاعی ایک جماعت کے ساتھ آیا، آپ سے اس بارہ میں مدد کی درخواست کی: (یارب انی ناشد محمدا۔) تب لوگوں کو پتہ چلا کہ قریش نے عہد شکنی کی ہے۔ پھر بدیل آیا۔ پھر ابوسفیان آیا۔ تو لوگوں کو حالات کے تیور کا پتہ چلا۔ اس کے بعد سرکارِ دوعالم ﷺ نے تیاری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ مکہ چلنا ہے اور ساتھ ہی یہ دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ! جاسوسوں اور اس بارہ میں خبروں کو قریش تک پہنچنے سے روک اور پکڑ لے تاکہ ہم ان کے علاقے میں ان کے سر پر یک دم جا پہنچیں۔

ایک طرف اس معاملہ کو نہایت رازداری میں رکھا گیا، دوسری طرف اصحابِ بدر میں سے ایک شخص سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک رقعہ لکھ کر ایک عورت کو دیا اور اسے کچھ معاوضہ دے کر یہ کہا کہ اس واقعہ کو قریش تک پہنچادو۔ چنانچہ وہ سر کی چوٹی میں رقعہ چھپا کر مدینہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئی۔

لسانِ نبوت سے حکم صادر ہوا کہ علیؓ، زبیرؓ، مقدادؓ خاخ کے باغ میں فوری پہنچیں۔ (ایک روایت میں ابومرثد غنویؓ کا نام بھی ہے) وہاں ایک شترسوار عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہوگا۔ وہ خط چھین لائیں۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہو اور صحابہ تعمیل نہ کریں، یہ تو سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ چنانچہ ارشادِ

Marfat.com

گرامی کی فوری تعمیل ہوئی۔ خاخ کا باغ مدینہ طیبہ سے قریباً بارہ میل تھا۔ یہ تینوں حضرات خدمتِ گرامی میں پیش ہوئے۔ پیغمبر ﷺ کا حکم سنتے ہی تینوں گھوڑے دوڑاتے ہوئے خاخ کے باغ میں پہنچے۔ وہاں آپ کی نشاندہی کے مطابق ایک عورت ملی۔ اونٹ بٹھلا کر اس کی تلاشی لی گئی لیکن کہیں خط نہ ملا۔ یہ تینوں صحابی پریشان ہو گئے لیکن پھر کہا: خدا کی قسم اللہ کا رسول کبھی غلط نہیں کہہ سکتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ بولا اور نہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ خط تمہارے پاس موجود ہے۔ یا تو تم خود وہ خط نکال کر ہمیں دے دو ورنہ اگر تمہیں ننگا کر کے بھی تمہاری تلاشی لینی پڑی تو ہم اس سے نہیں چوکیں گے۔ جب اس عورت نے ان کی پختگی دیکھی تو کہا کہ اچھا تم لوگ منہ پھیرو۔ انہوں نے منہ پھیرا تو اس نے اپنی چوٹی میں سے یہ خط نکالا اور ان کے حوالے کر دیا۔

یہ حضرات خط لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، خط پڑھا گیا۔ حاطب بن ابی بلتعہؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ غزوہ بدر میں شرکت کا شرف بھی حاصل کر چکے تھے اور بھی کئی مہموں میں گئے تھے۔ یہ خط انہی سیدنا حاطبؓ کی طرف سے مکہ مکرمہ کے چند رؤسا کے نام تھا۔ اس میں یہاں کے حالات کے بارہ میں لکھا ہوا تھا کہ "اے گروہ قریش! رسول اللہ ﷺ تم پر ایک لشکر لے کر پہنچ رہے ہیں بلکہ یوں سمجھئے کہ پہنچ چکے ہیں۔ لشکر جیسے ہلاکت و بربادی کی شب تاریک، سیلاب کی طرح رواں دواں، خدا کی قسم، اگر رسول اللہ ﷺ تم پر تنہا ٹوٹ پڑیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے اور فتح و کامرانی کے وعدہ کو پورا فرمائے۔ اب تم خود اپنا انجام سوچ لو۔ والسلام!"

واقدی کی ایک روایت میں ہے کہ سیدنا حاطب بن ابی بلتعہؓ نے سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کو یہ خط لکھا تھا کہ "رسول اللہ ﷺ نے غزوہ کا اعلان کر دیا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ حضور ﷺ کا ارادہ آپ لوگوں کے سوا کسی اور طرف کا ہو اور میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں پر میرا ایک احسان رہے۔ (فتح الباری جلد ۷، ص ۵۲۱، زرقانی جلد ۲ ص ۲۹۸)

خط میں صرف ایک اطلاع کہ اے اہلِ مکہ تم پر عنقریب حملہ ہونے والا ہے اور کوئی خاص اطلاع نہ تھی لیکن جب میرِ کارواں ﷺ اس حملہ کو مخفی رکھنا چاہتے تھے تو حاطبؓ کا انہیں خبر دینا عسکری اصولوں کے بالکل خلاف تھا۔ حالانکہ اس خط میں انہیں ڈرایا دھمکایا ہی گیا تھا۔ خط سامنے آیا تو سب حضرات کو حیرانگی ہوئی۔ سیدنا فاروق اعظمؓ تو بے تاب ہو گئے۔ عرض کیا: "یا رسول اللہ! اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ یہ سب کچھ تھا لیکن جبین رحمت پر کوئی شکن نہیں تھی۔ نہایت تحمل اور بردباری کے ساتھ ارشاد فرمایا:

حاطب اما ھذا؟ یہ کیا ہے؟

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ نے نہایت عاجزانہ طور پر عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے صفائی پیش کرنے کا موقع عطا فرمائیے۔ خدا کی قسم' اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان ہے۔ میں نہ تو مرتد ہوا ہوں اور نہ مجھ میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔ آپ نے نہایت شفقت سے فرمایا: بولو! کیا کہنا چاہتے ہو؟ عرض کیا:

"یہ درست ہے' بہت سے مہاجر بھائیوں کے اعزا و اقربا مکہ میں مقیم ہیں۔ یہ قریشی ہیں' قریش سے ان کی رشتہ داری اور قریبی تعلقات ہیں اور ان کے اعزا و اقارب کی بھی رشتہ داری ہے جو مکہ میں مقیم ہیں۔ کوئی نازک وقت ہو تو یہ خطرہ نہیں کہ قریش ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ لیکن میرا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ میں قریشی نہیں ہوں۔ میں ایک حلیف کی حیثیت سے قریش کے ساتھ رہتا تھا۔ میرے اعزاء و اقارب جو مکہ میں مقیم ہیں وہ بے یار و مددگار ہیں۔ ان کا کوئی رشتہ دار مکہ میں نہیں ہے۔ قریش سے ان کی کوئی رشتہ داری نہیں۔ مجھے خیال آیا کہ میں قریش پر کوئی احسان کروں تاکہ مشکل وقت میں وہ میرے رشتہ داروں اور اہل و عیال کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ خدا جانتا ہے کہ مجھ میں نہ کفر ہے' نہ نفاق' نہ عظمت اسلام کے اعتراف میں انحراف ہے۔ صرف اتنی سی بات تھی جس کے لیے یہ حرکت کر بیٹھا"۔

یہ بات سن کر لسان نبوت سے نکلا: انہ قد صدقکم (بے شک حاطب نے تم لوگوں سے سچی بات کہہ دی)

سیدنا عمرؓ برہنہ تلوار لیے کھڑے تھے اور حاطبؓ کا سر قلم کرنے کی اجازت کے طلب گار تھے' آپ نے انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: دیکھو' یہ بدری ہیں' اور عمر' تمہیں کیا معلوم' ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو خطاب کر کے فرمادیا ہو: "اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم" (جو چاہو کرو' میں نے تمہیں بخش دیا۔) سرورِ عالم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر سیدنا فاروق اعظمؓ کو اہلِ بدر کے مرتبہ کا پتہ چلا تو ان پر رقت طاری ہو گئی' آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور زبان سے نکلا: اللہ و رسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں) (بخاری جلد ا ص ۴۲۲' جلد ۲ ص ۶۱۲)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زرقانی جلد ۲ ص ۲۹۸' البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۸۴' فتح الباری جلد ۷ ص ۵۲۱ وغیرہ)

غرض رسول اللہ ﷺ کی ان جنگی تیاریوں کی کوئی خبر قریش تک نہ پہنچ سکی۔

مکہ کی راہ میں

۱۰ رمضان المبارک سنہ ۸ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۶۲۹ء کو دس ہزار خدا پرست اور خدا شناس مجاہدین کا

Marfat.com

باوقار لشکر سید المرسلین ﷺ کی زیر قیادت اور زیر کمان مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا۔ اسلامی لشکر کی یہ روانگی بعد نماز عصر ہوئی۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۴) ازواج مطہرات میں سے سیدہ ام سلمہؓ اور سیدہ میمونہؓ آپ کے ہمراہ تھیں۔ جب آپ مقام ذوالحلیفہ یا جحفہ پہنچے تو آپؐ کے عم محترم سیدنا عباس بن عبدالمطلبؓ اپنے اہل و عیال کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جاتے ہوئے ملے۔ آپؐ کے ارشاد کے مطابق سامان اور اہل و عیال تو مدینہ بھیج دیئے اور آپؐ کے ساتھ لشکر اسلام میں شریک ہو کر جہاد کے لیے مکہ مکرمہ چل پڑے۔ سیدنا عباسؓ ایمان تو پہلے ہی لا چکے تھے، لیکن قریش سے اپنا ایمان مخفی رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے سیدنا عباسؓ کو فرمایا: "عباس! آپ کی یہ ہجرت آخری ہجرت ہے جیسے میری نبوت آخری نبوت ہے"۔ سیدنا عباسؓ اگرچہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن مکہ میں قیام صرف حضور ﷺ کے حکم سے تھا تاکہ ان کی وساطت سے قریش کی کارگزاریوں کا پتہ چلتا رہے۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۳۰۰)

مقام ابواء پر (جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بستی کا نام ہے اور آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر بھی یہیں ہے) پہنچے تو آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (جو آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے، اعلانِ نبوت سے قبل آپؐ کے نہایت گہرے دوست بھی تھے۔ کسی وقت آپ سے جدا نہ ہوتے تھے، اور جب آپ نے اعلانِ نبوت فرمایا تو آپؐ کی ہجو میں شعر کہنے شروع کر دیئے) اور آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن امیہ آپ سے ملے۔ (عبداللہ بن امیہ آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ یہ بھی آپؐ کے مکہ میں شدید مخالفین میں سے تھے) ان دونوں حضرات نے آپؐ سے ملنا چاہا، لیکن آپؐ نے شرف باریابی نہ بخشا، کیونکہ آپؐ نے ان دونوں سے بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ سیدہ ام سلمہ سلام اللہ علیہا نے ان دونوں کی سفارش کی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایک آپ کا چچازاد بھائی اور دوسرا پھوپھی زاد بھائی، لہٰذا آپ انہیں مل لیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے ان سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چچیرے بھائی نے میری آبروریزی کی اور پھپھیرے بھائی نے مکہ میں مجھے یہ کہا تھا کہ خدا کی قسم! میں تجھ پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا اگرچہ تو سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائے اور میں اپنی آنکھوں سے تمہیں دیکھ رہا ہوں اور ایک دستاویز لے کر آسمان سے اترے اور چار فرشتے تیرے ساتھ ہوں جو اس بات کی تصدیق کریں کہ اللہ نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ پھر بھی میں تجھ پر ایمان نہ لاؤں گا۔

سیدہ ام سلمہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب ان سے بھی بڑے دشمن آپ کے مکارم اخلاق سے بہرہ یاب ہوئے تو آپ کے چچازاد اور پھوپھی زاد بھائی اس سے کیوں محروم رہیں؟ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کو جب پتہ چلا کہ آپؐ ملنے سے اعراض فرما رہے ہیں تو اس نے کہلا بھیجا کہ اگر آپ اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہ دیں گے تو میں اپنے بیٹے جعفر (اس کا بیٹا جعفر بھی اس کے ساتھ

Marfat.com

تھا) کو ساتھ لے کر صحرا میں نکل جاؤں گا اور وہاں بھوکا پیاسا اپنی جان دے دوں گا۔ رحمت عالم ﷺ نے ان کی ندامت اور سیدہ ام سلمہؓ کی سفارش کے پیشِ نظر ان دونوں کو اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مرحمت فرمادی۔ حاضر ہوتے ہی یہ دونوں مشرف باسلام ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے سفیان بن حارث کو یہ کہا کہ آپ کے چہرہ انور کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کہیں جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کہا تھا:

تاللہ لقد آثرک اللہ علینا وان کنا لخاطئین۔ (۱۲ : ۹۱)

"اللہ کی قسم، بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم خطا کار تھے"۔

ابو سفیان بن حارث نے یہی کہا اور رحمت عالم ﷺ نے جواب میں یہی فرمایا:

لاتثریب علیکم الیوم، یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ (۱۲ : ۹۲)

"آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف فرمائے، اور وہ سب سے بڑا مہربان ہے"۔

یہ دونوں بھی جانبازی اور سرفروشی کے لیے آپ کے ہمرکاب ہو گئے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۰۲)

ابو سفیان بن حارثؓ نے پھر چند اشعار بھی کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"تیری عمر کی قسم، جس وقت میں نے اس مقصد کے لیے جھنڈا اٹھایا تھا کہ لات کے شہسوار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شہسواروں پر غالب آجائیں، اس وقت میری یہ کیفیت تھی کہ جیسے ایک مسافر تیرہ و تار رات میں حیران و سرگرداں ہو، لیکن الحمد للہ! اب یہ وہ وقت ہے کہ مجھے ہدایت دی جا رہی ہے اور میں ہدایت پا رہا ہوں۔ مجھے میرے نفس کے بجائے ایک ہادی نے ہدایت دی، اور اللہ کا راستہ اس شخص نے مجھے بتایا جسے میں نے ہر موقع پر دھتکار دیا تھا"۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ایک ضرب لگائی اور فرمایا تم نے مجھے ہر موقع پر دھتکارا تھا۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۲۸، ابن ہشام جلد ۲ ص ۴۰۱)

حافظ ابن سید الناس نے لکھا ہے کہ بعد میں سیدنا ابو سفیان بن حارثؓ اسلام میں اس قدر پختہ ہو گئے کہ قبولِ اسلام کے بعد احیاء کے سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی طرف کبھی سر اٹھا کر نہ دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ آپ نے ان کے لیے جنت کی بشارت دی اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ یہ سیدنا حمزہ بن عبد المطلبؓ کا بدل ثابت ہوں گے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو فرمانے لگے: مجھ پر ہرگز نہ رونا کیونکہ اسلام لانے کے بعد میں نے کبھی کوئی گناہ کی بات نہیں کی"۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۲۸، زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۶۳)

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ ان قدسی صفات مردان کار کا دس ہزار کا لشکر اور ان کے قائد ﷺ روزے سے تھے۔ عسفان اور قدید کے درمیان کدید نامی چشمے پر پہنچ کر پہلے آپ نے روزہ افطار فرمایا۔ پھر آپ کی اتباع میں صحابہ کرامؓ نے روزہ توڑا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۱۳) اس کے بعد آپ نے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ آپ عشاء کے وقت مرالظہران (وادی فاطمہ) پہنچ گئے اور وہاں نزول فرمایا۔ سیدنا عمرؓ کو پہرے پر مقرر کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۵)

مرالظہران میں پڑاؤ

رات کا پہلا پہر تھا۔ جب آپ نے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ کے قریب نزول فرمایا۔ یہ مقام مکہ سے قریباً ایک منزل پر ہے۔ دس ہزار مجاہدین اسلام کے خیمے پوری وادی میں پھیل گئے اور پھر آپ کے حکم سے رات کے وقت خیموں کے سامنے الاؤ جلائے گئے تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا ایک شہر آباد ہو گیا ہے۔

جس رازداری کے ساتھ یہ سفر کیا گیا اس کی کامیابی یہ تھی کہ قریش کو اب تک مسلمانوں کے لشکر کی روانگی کا پتہ نہ چلا۔ قریش کو اپنی پیمان شکنی کی وجہ سے دغدغہ لگا ہوا تھا کہ خدا معلوم سرور عالم ﷺ کب ہم پر حملہ آور ہو جائیں، اور یہ بھی ہے کہ قریش کے کچھ سرداروں کے کانوں میں یہ بھنک پڑی ہوئی تھی کہ ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے۔ اسی بھنک کی تفتیش کی غرض سے مخفی طور پر قریش کے چند رؤسا اور سردار ابو سفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء مکہ سے اسی چھان بین کے لیے نکلے ہوئے یہاں پہنچ گئے، اس وسیع و عریض میدان کو جو میلوں کی وسعت کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا، جگمگا تا دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ انہیں اس بات کا وہم و گمان بھی نہ ہوا کہ یہ شان و شوکت اور آگ کے الاؤ کا یہ بحر ناپیدا کنار محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا ہے۔ جن کو چند سال پہلے سب کچھ چھین کر نہایت کسمپرسی کی حالت میں مکہ سے نکالا گیا تھا۔ خزاعہ وغیرہ قبائل کی طرف ان کا توسن خیال دوڑنے لگا۔ سیدنا عباس بن عبد المطلبؓ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم، میں رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار جا رہا تھا کہ مجھے ابو سفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنائی دی۔ وہ باہم تکرار اور رد و قدح کر رہے تھے۔ ابو سفیان کہہ رہا تھا کہ اللہ کی قسم، میں نے جیسی آگ اور جیسا لشکر آج رات دیکھا ہے اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر کبھی نہیں دیکھا۔ بدیل بن ورقاء اس کے جواب میں کہہ رہا تھا "خدا کی قسم، یہ بنو خزاعہ کا لشکر ہے۔ جنگ نے انہیں چھیل کر رکھ دیا ہے۔ اس پر ابو سفیان کہہ رہا تھا! خزاعہ اس سے کہیں کمتر اور ذلیل ہیں کہ یہ ان کی آگ اور ان کا لشکر ہو۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۲۸)

سیدنا عباسؓ نے ان دونوں کی یہ گفتگو اس وجہ سے سن لی کہ جونہی اس لشکر نے مرالظہران میں

پڑاؤ ڈالا' سیدنا عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر نکلے تاکہ اگر کوئی لکڑہارا یا کوئی آدمی مل جائے تو اس کے ذریعہ قریش کو یہ خبر بھجوائی جائے تاکہ وہ آپ ؐ کے مکہ میں داخلہ سے پہلے آپ کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کر لیں۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۲۸) اب لکڑہارے یا ایک آدمی کے بجائے انہیں مکہ کا سردار ابو سفیان مل گیا۔ سیدنا عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو سفیان کی آواز پہچان لی اور میں نے کہا: "ابو حنظلہ!" اس نے بھی اندھیرے میں میری آواز پہچان لی اور بولا: "ابوالفضل!" میں نے کہا: "ہاں۔" اس نے کہا: "کیا بات ہے؟" میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ میں نے کہا: "یہ رسول اللہ ﷺ ہیں' اپنے ساتھیوں کے ساتھ۔ واللہ! ہائے قریش کی تباہی۔

ابو سفیان نے کہا! اب کیا کیا جائے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ میں نے کہا: خدا کی قسم' اگر انہوں نے تمہیں پا لیا تو تمہاری گردن مار دیں گے' لہٰذا اس خچر پر تم میرے پیچھے بیٹھ جاؤ' میں تمہارے لیے امان طلب کرتا ہوں۔ چنانچہ ابو سفیان میرے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ساتھی (بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام) واپس چلے گئے۔

اب اس کو وہ بارگاہ نبوت میں پیش کرنے کے لیے لے جانے لگے تو سیدنا عباسؓ نے مناسب سمجھا کہ ابو سفیان کو پورے لشکر کا ایک چکر لگوا دیں تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے لشکر اسلامی کی عظمت اور شوکت کو دیکھ لے اور یہ بھی ملاحظہ کر لے کہ اسلام کس طرح قبائل عرب کو فتح کر چکا ہے اور اب ان کے لیے بہتر کیا ہے؟ یہ خود غور و فکر کر لیں۔ سیدنا عباسؓ نے ابو سفیان کو اپنے پیچھے خچر پر بٹھا لیا اور قبائل کے خیموں کا گشت کرانے لگے۔ خود فرماتے ہیں کہ جب میں کسی الاؤ کے پاس سے گزرتا تو لوگ پوچھتے کون ہے؟ لیکن جب دیکھتے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا خچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کوئی تعرض نہ کرتے۔ یہاں تک کہ میں سیدنا عمر بن الخطابؓ کے الاؤ کے پاس سے گزرا۔ انہوں نے پوچھا: کون ہے؟ اور اٹھ کر میری طرف آئے۔ جب انہوں نے میرے پیچھے ابو سفیان کو بیٹھے دیکھا تو کہنا لگے: "ابو سفیان اللہ اور اس کے رسول کا دشمن' الحمد للہ بغیر کسی عہد و پیمان کے ہاتھ آ گیا" اور تلوار لے کر لپکے کہ دشمن اسلام ابو سفیان کو اس سے پہلے ختم کر دیں کہ وہ بارگاہ رحمتہ اللعالمین ﷺ میں جا کر پروانہ امن حاصل کر سکے۔ لیکن سیدنا عباسؓ جہاں دیدہ آدمی تھے' وہ اس بات سے غافل نہیں تھے کہ عمرؓ کا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے فوراً خچر کو ایڑ لگائی اور تیز کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ عمر بن خطابؓ سے پہلے آپ کے خیمہ میں پہنچ گیا۔ اتنے میں عمر بن خطابؓ بھی خیمہ میں گھس آئے۔ اب سیدنا عمرؓ کا اصرار تھا کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ! اجازت دیجئے کہ اس فتنہ مجسم کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دوں"۔ سیدنا عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ابو سفیان کو پناہ دی ہے۔ جب ابو سفیان کے بارہ میں سیدنا عمرؓ نے بار بار قتل کے لیے کہا تو میں نے کہا: "عمر! ٹھہرو' خدا کی قسم' اگر بنو عدی بن کعب (سیدنا عمرؓ کا قبیلہ) کا آدمی

Marfat.com

ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے۔ سیدنا عمرؓ نے کہا: ”عباسؓ! خدا کی قسم، تمہارا اسلام لانا میرے نزدیک خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے اور اس کی وجہ میرے نزدیک صرف اور صرف یہ ہے کہ سرور دو عالم ﷺ کے نزدیک تمہارا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔“ بہرحال دونوں حضرات میں تیز تیز باتیں بھی ہوئیں لیکن جان بخشی اور امان کی جو دیوار پختہ ہو چکی تھی وہ منہدم نہ ہوئی۔

یہ بحث ختم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عباسؓ کو فرمایا کہ اس وقت ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے جائیں اور صبح کو اپنے ساتھ لائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان کے دونوں ساتھی مکہ واپس جانے کے بجائے پہلے ہی رحمت عالم ﷺ کے حضور پہنچ کر اسلام سے مشرف ہو چکے تھے اور آپ نے ان دونوں (بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام) سے حالات دریافت فرمائے۔ پھر یہ دونوں آپ سے اجازت لے کر رات ہی کو واپس مکہ چلے گئے تاکہ اہلِ مکہ کو صورت حال سے آگاہ اور انہیں پرامن رہنے کی ہدایت کر دیں اور بتا دیں کہ اب لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں، اب تم لوگوں میں آپ کی فوج کا مقابلہ کرنے کی طاقت ختم ہو گئی ہے۔

حضرت عباسؓ ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے گئے اور صبح کے وقت اس کو لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ ابوسفیان کو اپنے تمام کارنامے یاد ہوں گے۔ اسلام کو نیست و نابود کرنے کی مسلسل کوشش، مدینہ طیبہ پر احد و احزاب کی شکل میں بار بار حملے، قبائل عرب کو آپؐ کے خلاف مشتعل کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک جرم ابوسفیان کے خون کا مطالبہ کر رہا تھا، لیکن ابوسفیان اپنی جگہ پر مطمئن تھا کہ وہ اس صادق و امین کے حضور میں حاضر ہے جس کے کسی بھی ساتھی کی زبان کا لفظ ”امان“ وہ پختہ حصار ہے جس کو توڑا نہیں جا سکتا۔ لیکن لسان نبوت نے اس کے ان سنگین جرائم میں سے کسی جرم کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ آپ نے ابوسفیان کو دیکھ کر فرمایا: ”ابوسفیان! تم پر افسوس، کیا تمہیں اب تک پتہ نہیں چلا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“ ابوسفیان نے کہا: ”میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کتنے بردبار، کتنے کریم، کتنے حلیم اور کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ حسن سلوک اور آپ کی صداقت و عفت کا قائل ہوں۔ آپ کے مکارم اخلاق کو تسلیم کرتا ہوں، میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اللہ کے سوا اگر کوئی اور الٰہ ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

آپ نے پھر فرمایا: ابوسفیان تم پر افسوس، کیا تمہارے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ابوسفیان نے پھر کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کس قدر حلیم و کریم اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں، لیکن آپ کی نبوت کے بارہ میں اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک رہا ہے۔ سیدنا عباسؓ نے اشارہ کیا کہ اس وقت اس بحث کا موقع نہیں ہے۔ کلمہ شہادت پڑھ لو، ابوسفیان

Marfat.com

کو بھی احساس ہوا، چنانچہ انہوں نے کہا:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله۔

ابو سفیان کی طرح اور بھی کئی لوگ تھے کہ اس ہنگامی حالت میں ان کا ذہن صاف نہیں تھا، لیکن رعب یا ڈرانے دھمکانے سے کسی کا ذہن صاف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ تالیف قلب کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو تین ہفتہ کی مدت میں جب رسول اللہ ﷺ مکہ اور اطراف مکہ میں تشریف فرما رہے، ذہنوں کی تمام الجھنیں اور دلوں کی تمام کھٹک جاتی رہی اور یہ مولفۃ القلوب کامل الایمان ہو گئے۔ چنانچہ ابو سفیان کا اپنا اقرار ہے کہ اللہ نے میرے دل میں اسلام کو داخل کر دیا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۴۱۳) پھر یہی ابو سفیانؓ تھے کہ اپنی دونوں آنکھیں کفر کے خلاف جہاد میں قربان کر دیں۔ (ملاحظہ ہو احقر کی کتاب سیدنا معاویہؓ --- شخصیت اور کردار جلد اوّل)

ابو سفیانؓ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد سیدنا عباسؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: ابو سفیان سرداران مکہ میں سے ہے، لہٰذا آپ اس کے لیے کوئی مناسب معاملہ کر دیں جو اس کے لیے باعث عزت و شرف اور موجب امتیاز ہو۔ ارشاد فرمایا: اعلان کر دو کہ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو اس کے لیے امن ہے۔" ابو سفیان نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا گھر کوئی اتنا بڑا نہیں۔ اس میں سب آدمی کہاں سما سکتے ہیں؟ فرمایا: "جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کے لیے امان ہے۔" ابو سفیان نے کہا: یا رسول اللہ! مسجد حرام میں اتنے آدمی کہاں آ سکتے ہیں؟ فرمایا: "اچھا جو شخص اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے وہ بھی مامون ہے۔" (مسلم جلد ۲ ص ۱۰۴، المصنف عبد الرزاق جلد ۵ ص ۳۷۶، المصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۴ ص ۴۹۶، زاد المعاد جلد ۲ ص ؟، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۹۰، عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۲۹، نسب قریش ص ۱۲۲، طبقات جلد ۲ ص ۹۸)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ دور جاہلیت میں بھی سیدنا ابو سفیانؓ اور سیدنا عباسؓ میں دوستی اور ہم نشینی تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے اکابر اور بزرگ آپس میں دوستی رکھتے تھے، چنانچہ انہی قدیم مراسم کے تحت ان دونوں کی بھی آپس میں دوستی اور ہم نشینی تھی۔ اسی دوستی کے تحت سیدنا عباسؓ ابو سفیانؓ کے ساتھ اس نرمی اور بردباری سے پیش آ رہے تھے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الاستیعاب جلد ۴ ص ۸۶، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶، کتاب المحبر لابی جعفر محمد بن حبیب ص ۱۷۵۔

ابو سفیان جو کچھ بھی تھا ذاتی طور پر ایک شریف انسان تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ" میں لکھا ہے کہ:

"مکہ میں نیک دل اشراف کی بھی کمی نہ تھی۔ جب کچھ آوارہ لڑکے (بڑوں کے ایما پر) مکہ کی گلیوں میں رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کرتے اور ان پر پتھر وغیرہ پھینکتے، اس وقت اگر

رسول اللہ ﷺ ابو سفیان کے گھر کے قریب ہوتے تو حضور ﷺ اس گھر میں پناہ حاصل کر سکتے تھے۔ ابو سفیان خود آوارہ چھوکروں کو ڈانٹ کر بھگا دیتے۔ جب یہ آوارہ منش لڑکے بھاگ جاتے تو سرکارِ دو عالم ﷺ اپنی راہ لیتے۔ ایک روز بزدل اور کمینے ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے منہ پر تھپڑ مارا اور وہ رونے لگیں۔ ابو سفیان ادھر سے گزر رہے تھے، انہوں نے سیدہؓ سے رونے کا سبب پوچھا۔ جب سیدہ فاطمہؓ نے انہیں تمام ماجرا سنایا تو ابو سفیان نے سیدہؓ کو بازو سے پکڑ لیا اور سیدھے ابو جہل کے پاس گئے اور اس کے دونوں ہاتھ قابو کر لیے۔ پھر انہوں نے سیدہ فاطمہؓ سے کہا کہ وہ ابو جہل کے منہ پر تھپڑ ماریں اور اپنا بدلہ چکائیں۔ سیدہؓ نے ابو جہل کو تھپڑ مارا اور مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔ فطری بات ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ ابو سفیان کے لیے اظہار تشکر کے بغیر نہ رہ سکے۔"

اس واقعہ سے ابو سفیان کی ذاتی شرافت ضوافشاں ہے۔ آپ کی زندگی جو کفر میں گزری، اس کے کسی واقعہ سے یہ اجاگر نہیں ہوتا کہ انہوں نے کسی مسلمان پر یا خود حضور ﷺ پر کوئی سختی کی ہو۔

مرالظہران سے روانگی

۱۷ رمضان المبارک سنہ ۸ھ کو صبح سرکارِ دو عالم ﷺ نے لشکر کو روانگی کا حکم فرمایا تو سیدنا عباسؓ سے فرمایا کہ ابو سفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو تاکہ وہ لشکر اسلام کی شان و شوکت کو بخوبی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ اسلامی لشکر میں الگ الگ قبیلوں کے دستے تھے، ان کے اپنے علم تھے، اپنے علم بردار تھے۔ ہر بٹالین یکے بعد دیگرے ابو سفیان کے سامنے سے گزرنے لگی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزامؓ بھی اہلِ مکہ کو اسلامی لشکر کے بارہ میں آگاہ کرنے کے بعد واپس یہاں پہنچ گئے تھے۔ ابو سفیان نے سرزمین عرب میں ایسا نظام اس سے قبل کب دیکھا تھا۔ وہ خدا پرست اور خدا شناس مجاہدین کا یہ لشکر جرار دیکھ کر نہایت متاثر ہوا کہ کس شان و شوکت کے ساتھ وہ گزر رہے ہیں۔ آٹھ سال قبل تو حضور ﷺ کو ہم نے اس شہر سے نکالا تھا۔ ان کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا لیکن آج وہی شخص بایں شکوہ ایک بھاری جمعیت کے ساتھ اسی شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ چنانچہ ابو سفیان نے سیدنا عباس سے کہا:

یا ابا الفضل لقد اصبح ملک ابن اخیک الیوم عظیما۔

"ابو الفضل! تمہارے بھائی کے بیٹے کی سلطنت بہت عظیم ہو گئی ہے۔"

سیدنا عباسؓ نے فوراً ٹوکا۔ یہ سلطنت نہیں، نبوت ہے، یعنی سیاست اقتدار اور جبر و قہر نے یہ نظام

Marfat.com

قائم نہیں کیا جو سلطنت کی خصوصیت ہے بلکہ پیغمبرانہ صداقت' دیانت وامانت اور اعلیٰ اخلاق نے دلوں کو رام کیا ہے۔ پھر دعوت الی اللہ کے نصب العین پر سب کو متحد کر کے ایثار وفدائیت کا یہ نظام بنایا ہے' جس کا مقصد ذاتی اور قومی اقتدار نہیں بلکہ خدا شناسی' خدا پرستی' خدمت خلق' اعلاء کلمتہ الحق اور اس پر اپنی جان قربان اور فداء کرنا۔

ابوسفیان پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے اسلامی لشکر کے دستوں کو دیکھ رہا تھا اور یہ خدائی فوج ایک نرالی شان کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ قبائل اپنے اپنے پرچم لیے گزر رہے تھے۔ جب کوئی قبیلہ اپنا جھنڈا لیے گزرتا تو ابوسفیان پوچھتا یہ کون لوگ ہیں؟ سیدنا عباسؓ جواب میں فرماتے کہ یہ فلاں قبیلہ ہے۔ ابوسفیان کہتا مجھے اس قبیلہ سے کیا واسطہ؟ سب سے پہلے خالد بن ولیدؓ ایک ہزار یا نو سو سپاہیوں پر مشتمل دستہ کو لے کر گزرے۔ پھر بعد میں مختلف قبائل کے دستے گزرتے رہے اور ابوسفیان ان کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ پھر آخر میں کوکبہ نبوی ظاہری اور باطنی شکوہ و جلال کے ساتھ' مہاجرین وانصار کے مسلح اور زرہ پوش گروہ کے درمیان جلوہ افروز ہوا۔ مہاجرین کا علم سیدنا زبیر بن عوامؓ کے ہاتھ میں تھا اور انصار کا علم سیدنا سعد بن عبادہ انصاریؓ کے ہاتھ میں تھا۔ یہاں انسانوں کے بجائے صرف لوہے کی باڑھ دکھائی دے رہی تھی۔ ابوسفیان نے پوچھا: ابوالفضل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ انصار ومہاجرین کے جلو میں سرکارِ دوعالم ﷺ جلوہ فرما ہیں۔

سیدنا سعد بن عبادہؓ قبیلہ خزرج کے سردار ہاتھ میں انصار کا پرچم لیے ہوئے جب گزر رہے تھے تو ان کی نظر ابوسفیان پر پڑی۔ ابوسفیان کو دیکھ کر جوش آیا کیونکہ اسے ہر لڑائی کے میدان میں قریش کے لشکر کی کمان کرتے دیکھا تھا۔ اس لیے فرط جوش میں یہ کہہ اٹھے:

الیوم یوم الملحمہ، الیوم تستحل الکعبہ

"آج گھمسان کا دن ہے۔ آج کعبہ میں قتل وقتال حلال ہوگا۔"

ابوسفیان نے گھبرا کر پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ سیدنا عباسؓ نے فرمایا: یہ مہاجرین وانصار کا دستہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ جلوہ فرما ہیں۔ ابوسفیان کی نظر جو چہرہ انور پر پڑی تو پکار اٹھے:

"حضور! آپ نے سنا سعد بن عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے۔" پھر سعد بن عبادہؓ کی بات آپ کو سنائی۔ ارشاد فرمایا: "سعدؓ نے غلط کہا ہے۔ آج تو خانہ کعبہ کی بے حرمتی نہیں ہوگی بلکہ آج کا دن وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت میں اور اضافہ کرے گا۔" سیدنا عثمان بن عفانؓ اور سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں سعد بن عبادہؓ قریش کے اندر مار دھاڑ نہ مچا دیں' کیونکہ ان کے جذبات مچلے ہوئے ہیں۔ آپ نے اسی وقت ان کے پاس آدمی بھیجے اور سیدنا سعد بن عبادہؓ سے جھنڈا لے کر ان کے صاحبزادے قیس بن سعدؓ کو دے دیا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۸)

Marfat.com

اسلامی لشکر مکہ میں

جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیانؓ کے پاس سے گزر گئے تو سیدنا عباسؓ نے ابوسفیان سے کہا: "اب دوڑ کر اپنی قوم کے پاس جاؤ۔" ابوسفیان نہایت تیزی سے مکہ پہنچا اور نہایت بلند آواز سے اعلان کیا: "قریش کے لوگو! محمد ﷺ تمہارے پاس اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ کسی کی طاقت نہیں کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ اسلام لے آؤ، سلامت رہو گے، لہٰذا جو ابوسفیان کے گھر میں گھس جائے، اسے امان ہے" ابوسفیان کی بیوی ہند جو ابھی اسی ترنگ میں تھی، یہ سن کر بھڑک اٹھی اور ابوسفیان کی مونچھیں نوچ لیں اور چلا کر بولی: "اے بنی کنانہ! یہ پیر فرتوت پاگل ہو گیا ہے۔ کوئی اس کی بات نہ مانے، معلوم نہیں کیا کیا بک رہا ہے اور بہت برا بھلا کہا۔" لوگ جمع ہو گئے کہ ان دونوں کو کیا ہو گیا۔ ابوسفیان نے کہا: "بی بی! خیریت اسی میں ہے جو میں کہہ رہا ہوں، ورنہ تباہ ہو جائے گی۔ گھر میں جا کر دروازہ بند کر کے بیٹھ جا"۔ پھر لوگوں سے کہا: تمہاری بربادی ہو، دیکھو، تمہاری جانوں کے بارے میں یہ عورت دھوکہ میں نہ ڈال دے، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ جس سے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں۔ اس لیے جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے"۔ لوگوں نے کہا: اللہ تجھے غارت کرے، تیرا گھر ہمارے کتنے آدمیوں کے کام آسکتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے اسے بھی امان ہے۔ میں تم سے سچی بات کہہ رہا ہوں۔ یہ سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔ البتہ اپنے کچھ اوباشوں کو لگا دیا اور کہا کہ انہیں ہم آگے کیے دیتے ہیں، اگر قریش کو کچھ کامیابی ہوئی تو ہم ان کے ساتھ رہیں گے اور اگر ان پر ضرب لگی تو ہم سے جو کچھ مطالبہ کیا جائے گا، منظور کر لیں گے۔

رسول اللہ ﷺ مرالظہران سے روانہ ہو کر ذی طویٰ پہنچے۔ اس اعزاز فتح پر فرط تواضع سے آپ نے اپنا سر جھکا رکھا تھا، یہاں تک کہ داڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی سے لگ رہے تھے۔ ذی طویٰ میں آپ نے لشکر کی ترتیب و تقسیم یوں فرمائی، خالد بن ولیدؓ کو دائیں پہلو پر رکھا اور ان کے دستہ میں اسلم، سلیم، غفار، مزینہ، جہینہ اور کچھ دیگر عرب قبائل تھے۔ اور خالد کو حکم فرمایا کہ وہ مکہ میں زیریں حصہ سے داخل ہوں اور اگر قریش میں سے کوئی آڑے آئے تو اسے کاٹ کر رکھ دیں اور صفا پر آپ سے آملیں۔

سیدنا زبیر بن عوامؓ بائیں پہلو پر تھے۔ ان کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کا پرچم تھا۔ انہیں حکم ہوا کہ مکہ میں بالائی حصہ یعنی کداء سے داخل ہوں اور مقام حجون پر جھنڈا نصب کر کے آپ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۸)

سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ پیادے پر مقرر تھے۔ انہیں حکم فرمایا کہ وہ بطن وادی سے مکہ میں داخل

ہونے کا راستہ پکڑیں یہاں تک کہ مکہ میں حضور ﷺ کے آگے اتریں۔

ذی طویٰ سے پیغمبر اسلام ﷺ کی ہدایات کے مطابق اسلامی لشکر کے تمام دستے اپنے اپنے مقررہ راستوں سے چل پڑے۔ خود پیغمبر اسلام ﷺ نہایت تواضع کے ساتھ بادشاہوں کی شاہانہ شان سے نہیں، بلکہ سر جھکائے ہوئے، مکہ میں داخل ہوئے۔ بخاری کی روایت کے مطابق آپ ناقہ پر سوار نہایت خوش الحانی سے سورہ فتح پڑھ رہے تھے۔ ایک وقت تھا کہ آپ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے معیت میں نہایت بے بسی اور بے کسی کی حالت میں یہاں سے نکلے تھے اور آج وہ وقت ہے کہ آپ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے فاتحانہ طور پر اس شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے داخلہ کی شان یہ تھی کہ آپ اپنی ناقہ پر سوار اسامہ بن زیدؓ آپ کے ردیف، سر پر سیاہ عمامہ اور زبان مبارک پر سورہ فتح جو رقت انگیز انداز سے تلاوت فرما رہے تھے، خشوع و خضوع کا یہ عالم کہ سر مبارک جھکتے جھکتے ہودج کے کنارے سے لگ گیا تھا۔ جبین نبوت اسی ہودج کے کنارے پر سجدہ ریز تھی۔

سرکارِ دو عالم ﷺ مکہ کی بالائی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ جبکہ سیدنا خالد بن ولیدؓ کو اسفل مکہ سے داخل ہونے کا حکم تھا اور یہ تاکید کی تھی کہ خود قتال کی ابتداء نہ کرنا۔ لیکن خالد بن ولیدؓ جب اسفل سے مکہ میں داخل ہوئے تو بنو بکر اور بنو حارث بن عبد مناۃ اور کچھ قبیلہ ہذیل اور کچھ اوباش قریش مقابلہ کے لیے جمع تھے۔ سیدنا خالدؓ جب خندمہ پہنچے تو ان لوگوں نے ہلہ بول دیا، لیکن خالدؓ تو خالدؓ تھے، اللہ کی تلوار کا مقابلہ کون کر سکتا تھا؟ جب انہوں نے ان کے اس ہلہ کا جواب دیا تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ بنو بکر کے قریباً بیس آدمی اور بنو ہذیل کے تین یا چار آدمی قتل ہوئے۔ باقی ماندہ مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی۔ کوئی مکان میں جا کر چھپ گیا اور کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا۔ حماس بن قیس جو مسلمانوں سے جنگ کے لیے ہتھیار ٹھیک کرتا رہتا تھا، بھاگ کر اپنے گھر میں جا گھسا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا: دروازہ بند کر لو۔ اس نے کہا: وہ کہاں گیا جو تم کہا کرتے تھے۔ کہنے لگا:

> ”اگر تم نے خندمہ کے معرکہ کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا جب صفوان اور عکرمہ بھاگ کھڑے ہوئے اور سونتی ہوئی تلواروں نے ہمارا استقبال کیا جو کلائیوں اور کھوپڑیوں کو اس طرح کاٹتی جا رہی تھیں کہ سوائے شور و غوغا اور ہمہمہ کے اور کچھ سنائی نہ دیتا ہے تو تو ملامت کا ایک ادنیٰ کلمہ بھی زبان سے نہ نکالتی۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۳۴)

ان حملہ آوروں میں صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل بھی تھے۔ جونہی سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستہ قریب پہنچا، انہوں نے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی، لیکن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوابی حملہ سے لمحہ بھر میں اپنے مقتول چھوڑ کر بھاگ گئے۔ صفوان، سہیل اور عکرمہ

Marfat.com

خالدؓ کی تلوار کی کاٹ اور اس کی جنگی مہارت سے بخوبی واقف تھے، للذا خود کو خالدؓ کے نرغے میں دیکھا تو جان بچانے کے لیے ادھر ادھر بھاگ گئے۔

اس کے بعد سیدنا خالدؓ مکہ کے گلی کوچوں میں سے گزرتے ہوئے آپ کی حسب ہدایت کوہ صفا پر آپ سے جا ملے۔ اس مڈبھیڑ میں ان کے دو ساتھی سیدنا کرز بن جابر فہریؓ اور سیدنا خنیس بن خالد بن ربیعہؓ شہید ہو گئے۔ وجہ یہ ہوئی کہ دونوں حضرات خالدؓ کے دستہ سے بچھڑ کر ایک دوسرے راستہ پر چل پڑے اور ان اوباشوں نے انہیں اکیلا سمجھ کر شہید کر دیا۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۱۰، فتح الباری جلد ۸ ص ۹)

سیدنا زبیر بن عوامؓ مکہ کی بالائی جانب سے داخل ہوئے اور آگے بڑھ کر حجون میں مسجد فتح کے پاس رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا نصب کیا اور وہیں ٹھہر کر آپ کا انتظار کرنے لگے، یہاں تک کہ آپ وہاں تشریف لے آئے۔

جونہی اسلامی فوج مکہ میں داخل ہوئی، اعلان کر دیا گیا:

"جو شخص ہتھیار ڈال دے اس کو امان، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو امان، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امان، جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے لے اس کو امان اور جو حرم میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے۔"

رمضان المبارک کی بیس تاریخ، پیر کا دن، امن، پناہ اور حفاظت جان و مال کے اعلان کے ساتھ تقدس مآب مجاہدین کا مکہ میں فاتحانہ داخلہ ہوا، یہ نبوت کا داخلہ تھا کسی بادشاہ کا داخلہ نہ تھا کہ خون کی ندیاں بہائی جاتیں۔ یہاں تو ہر طرف امن و امان کے پھول بکھیرے جا رہے تھے۔ ارشاد ہوا کہ شعب بنی ہاشم میں قیام کا انتظام کیا جائے۔ یہ وہی شعب بنی ہاشم تھی جہاں تین سال تک تمام بنو ہاشم کا سوشل بائیکاٹ کر کے انہیں محصور رکھا گیا۔ آپؐ کے لیے سرخ چمڑے کا خیمہ لگایا گیا۔ جس میں آپ رونق افروز ہوئے۔ پہلے غسل فرمایا: پھر آٹھ رکعت پڑھیں۔ (بخاری جلد ا ص ۳۷۴، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۰۰) یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس سے نماز چاشت کا استحباب بھی ثابت ہوتا ہے اور نماز فتح کا بھی۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران نے بھی کسریٰ کے دارالسلطنت مدائن کو فتح کرنے کے بعد اس کے قصر ابیض (White House) میں آٹھ رکعت نماز پڑھی تھی۔

بعض روایات میں ہے کہ شہر میں داخل ہونے سے قبل عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! اپنے آبائی دولت کدہ پر استراحت فرمانے کا ارادہ ہو تو اس کا انتظام کیا جائے؟ ارشاد فرمایا: "نہ میں آبائی گھر میں اترنا چاہتا ہوں اور نہ میرے قدر دانوں نے اسے میرے لیے باقی رہنے دیا ہے"۔ یہ فرمانے کے بعد اپنے مختصر خیمے میں تشریف لے گئے۔ لیکن قلب مبارک بے حد مسرور اور ہر بن مو شکر خداوندی میں رطب اللسان تھا کہ آج اس شہر میں ان مظلومین کی معیت میں فاتحانہ غلبہ حاصل ہوا ہے، جن پر یہاں تیرہ سال

Marfat.com

ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔

مسجد حرام میں داخلہ

خیمہ میں زیادہ دیر تک قیام نہ فرمایا بلکہ جلدی باہر تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے اور گرد و پیش موجود انصار و مہاجرین کے جلو میں مسجد حرام میں تشریف لائے اور اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور حالت احرام میں نہ ہونے کی وجہ سے صرف طواف ہی پر اکتفا کیا۔ طواف کے وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کمان (بعض روایات میں چھڑی ہے) تھی اور بیت اللہ کے گرد اور اس کی چھت پر تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ اسی کمان سے ان بتوں کو ٹھوکر مارتے جاتے اور کہتے جاتے تھے:

جاء الحق و زھق الباطل، ان الباطل کان زھوقا۔ (۸۱:۱۷)

”حق آگیا اور باطل چلا گیا، بے شک باطل جانے والی چیز ہے۔“

طواف سے فارغ ہونے کے بعد سیدنا عثمان بن طلحہؓ کو بلا کر ان سے کعبہ کی کنجی لی۔ پھر آپ کے حکم سے دروازہ کھولا گیا۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ہر طرف تصویریں ہیں جن میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی تصویریں بھی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں فال گیری کے تیر تھے۔ یہ دیکھ کر فرمایا: اللہ ان مشرکین کو ہلاک کرے، خدا کی قسم، ان پیغمبروں نے کبھی بھی فال کے تیر استعمال نہیں کیے تھے۔ آپ نے بیت اللہ کے اندر لکڑی کی ایک کبوتری بھی دیکھی، جسے اپنے دست مبارک سے توڑ دیا اور تمام تصویروں کو آپ کے حکم سے مٹا دیا گیا اور آب زمزم سے دھویا گیا۔ اس وقت آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۳۲ فتح الباری جلد ۸ ص ۱۴)

بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اس وقت سیدنا بلالؓ اور سیدنا اسامہ بن زیدؓ آپ کے ساتھ تھے۔ بیت اللہ کے تمام گوشوں میں پھر خلیل اللہ کے اس وارث نے توحید و تکبیر کی آواز کو بلند کیا۔ فارغ ہو کر دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ صحن مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ سب منتظر ہیں کہ زبان رسالت سے ان دشمنوں اور مجرموں کے متعلق سزا کے کیا احکام صادر ہوتے ہیں۔

نبی رحمت نے کعبہ کی دروازے کے دونوں بازو پکڑ لیے اور باب کعبہ پر کھڑے ہو کر قریش کے اجتماع کے سامنے چند بنیادی اصولوں کا اعلان فرمایا۔ یہ خطبہ فاتح پیغمبر کا خطبہ تھا جو انسان کو آداب انسانیت سکھانے کے لیے آیا تھا اور جس نے ماضی کی داستان کو گلدستہ طاق نسیان بنا کر ان لوگوں کو مستقبل کی شاہراہوں کی طرف ان الفاظ میں راہنمائی فرمائی، فرمایا:

۱۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی۔

۲- ہر ایک رسم و ریت، کسی بھی خون یا مال کا مطالبہ جو روایتی طور پر چلا آ رہا ہے، آج وہ سب میرے ان قدموں کے نیچے ہے یعنی سب ختم ہے، مگر بیت اللہ کی دربانی اور کلید برداری اور حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام یعنی پرانی رسم و رواج کے یہ دو منصب باقی رہیں گے۔

۳- یہ بھی سن لو، کوئی شخص غلطی سے مارا جائے یا کوڑے یا لاٹھی کی ضرب سے کوئی مر جائے جس کو شبہ عمد کہا جاتا ہے، اس میں دیت مغلظہ ہوگی یعنی سو اونٹ جن میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔

۴- اے قریش کے لوگو! جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کا غرور جو تمہارے اندر تھا کہ ہم سب سے اونچے ہیں، اور جاہلیت کی یہ نخوت کہ باپ دادا کی عظمت کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کا خاتمہ فرما دیا ہے۔ اب ایک ہی حقیقت تسلیم کی جائے گی کہ تمام انسان آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے۔

۵- حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں باعزت اور ذی وقار شخص وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو یعنی جو سب سے زیادہ خدا شناس اور خدا ترس ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۰۱)

خطبہ کے ختم ہونے کے بعد آپ نے مجمع پر نظر ڈالی۔ یہ مجمع انہیں مجرمین کا تھا جو قریباً گزشتہ بیس سال سے اسلام کو نیست و نابود کرنے اور پیغمبر اسلام کے قتل کے منصوبے بنا رہے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے ذات اقدس رحمت دو عالم ﷺ کو ہر قسم کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا۔ اپنی زبانوں سے آپ پر گالیوں کے کانٹے پھینکے۔ آپ کی شان اقدس میں گستاخیاں کیں، آپ کے ساتھیوں کو مختلف اذیتیں دے کر اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کیں، پھر ہجرت کے بعد بھی ان خدا شناس لوگوں کو آرام سے بیٹھنے نہ دیا۔ بدر و احد اور احزاب کی جنگیں انہی کو ختم کرنے کے لیے لڑی گئیں۔ اب یہ سارے مجرمین پابجولاں تھے، محصور تھے، ایک لشکر جرار کے شکنجہ میں کسے ہوئے تھے۔ اب یہ سارے نظریں جھکائے قیدیوں کی طرح آپ کے فیصلہ کے منتظر تھے، لیکن لب کشائی کی جرأت کسی میں نہ تھی حالانکہ اس سے قبل ان کی یہی زبانیں پیغمبر اسلام اور اس کے ساتھیوں پر آگ برسایا کرتی تھیں۔ آپ نے خود ہی جوش رحمت میں ارشاد فرمایا:

یا معشر قریش ا ما ترون انی فاعل بکم۔

"اے گروہ قریش! تم کیا سمجھتے ہو کہ میرا فیصلہ تمہارے متعلق کیا ہوگا؟"

آج رسول اللہ ﷺ کے ان ازلی دشمنوں کی جان آپ کی مٹھی میں تھی۔ جلو میں دس ہزار مسلح جانثاروں کا لشکر، آپ کے ایک اشارہ سے سب کے سر تن سے جدا ہو سکتے تھے، لیکن یہ مقدس وجود

Marfat.com

انسان کا دشمن نہیں، یہ قابلِ صد مدحت محمد ﷺ تھے۔ اللہ کے نبی، پروردگار عالم کے رسول، آپ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جن کے دل میں ایک لمحہ کے لیے بھی بنی نوع انسان کے ساتھ دشمنی یا انتقام کا جذبہ ابھر سکے۔ نہ سخت گیر تھے اور نہ متکبر۔ اور جن لوگوں سے پوچھا کہ میں آج تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ وہ اگرچہ سب ظالم تھے، جفاکار تھے، مشرک و کافر تھے، لیکن مزاج شناس بھی تھے اور سخن شناس بھی۔ انہوں نے وہی جواب دیا جو آپ کی شان کے مطابق تھا:

خیرا اخ کریم وابن اخ کریم"

"ہم آپ سے بھلائی اور خیر کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ آپ خود شریف ہیں اور شریف بھائی کے چشم و چراغ ہیں۔"

حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ یہ جواب دینے والے سہیل بن عمرو تھے جنہوں نے حدیبیہ میں آپ سے شرائط طے کی تھیں، ابو جندلؓ کے والد۔ ان کا جواب سنتے ہی رحمت کے بحرِ بے کراں میں جوش آیا تو جواب میں فرمایا: میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنی بھائیوں سے کہی تھی:

اذھبوا انتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم۔

"یعنی جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

ایک ہی کلمہ سے ان کے بیس سال کے جرموں کو معاف کر دیا اور وہ سب آزاد ہو گئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۰۱)

خطبہ سے فراغت کے بعد آپ مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ بیت اللہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ چابی قیام مکہ کے زمانہ میں آپ نے ایک روز عثمان بن طلحہ سے مانگی تھی اور اس نے یہ چابی آپ کو دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آپؐ نے عثمان سے فرمایا تھا کہ ایک روز یہ چابی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جس کو چاہوں گا دوں گا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا۔ چابی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ عثمان بن طلحہؓ بھی دولت ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ اب اس چابی کو حاصل کرنے کی کئی دلوں میں خواہش پیدا ہوئی کیونکہ کعبہ کی کلید برداری ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ سیدنا عباسؓ نے بھی اس چابی کو حاصل کرنے کی خواہش کی۔ (زاد المعاد جلد ۲ ص) سیدنا علیؓ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حجاج کو پانی پلانے کا اعزاز تو ہمارے پاس ہے ہی اگر حجابت اور کلید برداری کا یہ شرف بھی ہمیں حاصل ہو جائے تو ہماری خوش قسمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

"اے پیغمبر! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ۔"

ارشاد فرمایا: "عثمان بن طلحہؓ کہاں ہیں؟"

عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ ارشاد ہوا: "یہ اپنی چابی لیجئے، یہ حسن سلوک اور عہد وفا کا دن ہے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۰۱)

ابن سعد کی روایت ہے کہ آپ نے عثمان سے فرمایا: یہ چابی ہمیشہ کے لیے لے لو یعنی یہ قیامت تک تمہارے ہی خاندان میں رہے گی۔ میں نے یہ چابی خود نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دلوائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے اور کوئی تم سے یہ چابی نہ چھینے گا۔ اے عثمان! اللہ نے تم لوگوں کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے لہٰذا اس بیت اللہ سے تمہیں جو کچھ ملے اس سے دستور اور معروف کے مطابق کھانا۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۳۴۰، فتح الباری جلد ۸ ص ۱۵، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص)

اب نماز ظہر کا وقت ہوا تو سیدنا بلالؓ کو حکم فرمایا کہ بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ قریش مکہ کے لیے یہ ایک بالکل نئی چیز تھی جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت محمدیہ کا پکار پکار کر اعلان ہو رہا تھا اور وہ بھی کعبہ کی چھت سے جو مکہ میں سب سے اونچی چھت تھی۔ یہ اس توحید و رسالت کا اعلان تھا جس کی اہلِ مکہ گزشتہ بیس سال سے مخالفت کر رہے تھے۔ آج اس کا اعلان انہی کے شہر میں ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے ایک غلام کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ چنانچہ کچھ لوگوں کی رگ حمیت پھڑکی۔ اس وقت ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید، خالد بن اسید اور حارث بن ہشام اور دیگر سرداران قریش صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب اور خالد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ اسید کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے چلا گیا، اگر وہ اس دنیا سے نہ اٹھالیا گیا ہوتا تو اسے یہ ناگوار آواز سننی پڑتی۔ اس پر حارث بن ہشام بولا: سنو! خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ آپ حق پر ہیں تو میں ضرور آپ کی اتباع کرتا۔ ابوسفیان نے کہا: دیکھو، خدا کی قسم، میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ اگر میں نے کوئی لفظ اپنی زبان سے نکالا تو یہ کنکریاں بھی میرے متعلق خبر دے دیں گی۔ تھوڑی دیر بعد سرکارِ دوعالم ﷺ ادھر سے گزرے اور ان تینوں کو اکٹھا بیٹھے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ ابھی تم لوگوں نے جو باتیں کی ہیں وہ مجھے معلوم ہو چکی ہیں۔ پھر آپ نے ان کی تمام گفتگو دہرادی۔ یہ سن کر حارث بن ہشام اور عتاب بن اسید بول اٹھے کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کی قسم، کوئی اور شخص ہمارے ساتھ نہ تھا جو اس گفتگو سے باخبر ہوتا اور ہم سمجھتے کہ اس نے آپ کو یہ خبر دی ہوگی۔

(زرقانی جلد ۲ ص ۳۴۶، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۰۳)

مسلمان ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا گورنر مقرر فرمادیا۔ عتاب کی عمر اس وقت ۲۱ سال تھی اور ایک درہم روزانہ ان کا وظیفہ مقرر فرمایا۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ جب بام کعبہ پر اذان دے رہے تھے تو قریش کے کچھ نوجوان جن میں سولہ سالہ ابومحذورہ بھی تھے، اذان کی نقلیں اتارنے لگے۔ ابومحذورہ بلند آواز اور خوش الحان تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نقل اتارتے دیکھ کر فرمایا کہ پکڑو ان کو۔ چنانچہ کچھ تو بھاگ گئے اور کچھ پکڑے گئے۔ ان میں ابو محذورہ بھی تھے۔ آپ نے ابو محذورہ کی خوش الحانی کے پیش نظر ان کو روک لیا اور باقی بچوں کو چھوڑ دیا۔

ابو محذورہ سمجھنے لگے کہ شاید میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ آپ نے ابو محذورہ سے فرمایا: اذان دو' انہوں نے بادل نخواستہ اذان دی۔ اذان کے بعد انہیں ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں کچھ درہم تھے اور سر اور پیشانی پر دست مبارک پھیرا اور پھر سینہ اور شکم پر ہاتھ پھیرا اور یہ دعا دی: بارک اللہ فیک و بارک اللہ علیک۔

آپ کا ان کے سر منہ اور سینہ پر ہاتھ پھیرنا تھا کہ اسلام کے بارہ میں ساری نفرت کافور ہو گئی اور قلب آپ کی محبت سے لبریز ہو گیا۔ پھر خود ہی عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! مجھ کو مکہ کا موذن مقرر فرما دیجئے۔ آپ نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے انہیں مکہ کا موذن مقرر فرما دیا۔ (بعض روایات میں ہے کہ حنین کی واپسی پر انہیں موذن مقرر کیا گیا) اب گورنر ۲۱ سالہ اور موذن مکہ ۱۶ سالہ۔ سیدنا عتاب بن اسید رض اپنی وفات تک مکہ کے گورنر رہے اور جس روز سیدنا صدیق اکبر رض کا انتقال ہوا اسی روز ان کا بھی انتقال ہوا۔ (استیعاب جلد ۳ ص ۱۵۳) اور سیدنا ابو محذورہ رض بھی مدت العمر مکہ کے موذن رہے اور سنہ ۵۹ھ میں مکہ ہی میں وفات پائی۔ (الاستیعاب ترجمہ ابو محذورہ) سیدنا بلال رض کی طرح یہ بھی اسلام کے ایک نامور موذن تھے۔

قریش کو تشویش

بیت اللہ سے فراغت کے بعد آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور دیر تک قبلہ رو ہو کر دعا مانگتے رہے۔ انصار مدینہ ہر موقع پر شریک اور ہر منظر کو دیکھ رہے تھے۔ حضرات انصار میں سے بعض کو یہ خیال آیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی سرزمین' جو آپ کی جائے پیدائش اور آپ کا اصلی وطن تھا' فتح کرا دیا ہے تو آپ مدینہ کیوں جانے لگے۔ آپ اب یہیں قیام فرمائیں گے اور ہم شرف قربت سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ نبوت سے کمال محبت کی دلیل تھی۔ چند ایک حضرات نے آپس میں ایسی گفتگو بھی کی۔ سرکار دو عالم ﷺ جب دعا سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم لوگوں نے آپس میں کیا کھسر پھسر کی ہے؟ انہوں نے کہا: کچھ نہیں۔ مگر جب آپ نے اصرار کیا تو انہوں نے اپنا اندیشہ بتلایا۔ آپ نے فرمایا:

"ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ میں نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی ہے۔ اطمینان رکھو میرا تمہارا ساتھ چھوٹنے والا نہیں ہے۔ جینا مرنا اب تمہارے ساتھ ہے۔"

Marfat.com

آپ کا یہ جواب سن کر انصار کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ (زرقانی جلد ۲ ص ۳۲۳، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۰۷، عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۳۶، مسلم باب فتح مکہ، ابوداؤد، باب ماجاء فی خبر مکہ، مسند احمد جلد ۲ ص ۵۳۸)

ناقابلِ معافی جرم

فتح مکہ کے روز اگرچہ آپؐ نے عفو عام کا اعلان کر دیا لیکن پندرہ آدمیوں کے بارہ میں اعلان کیا کہ وہ جہاں ملیں انہیں قتل کر دیا جائے اگرچہ ان میں سے کوئی شخص غلاف کعبہ کے نیچے چھپا ہوا ملے تب بھی اسے قتل کر دیا جائے۔ جن لوگوں کے بارہ میں یہ فرمان جاری ہوا تھا ان میں سے بعض لوگ ادھر ادھر روپوش ہو گئے۔ بعض بھاگ کر مکہ سے دور چلے گئے۔ لیکن ان اشتہاری مجرموں کے بارہ میں یہ سختی کسی کینہ یا برہمی کی وجہ سے نہ تھی۔ اللہ کا رسول ان باتوں سے مبرا تھا بلکہ ان لوگوں نے خود ہی اپنے اعمال شنیعہ کی وجہ سے یہ روز بد دیکھا۔ یہ مندرجہ ذیل مجرم تھے۔

۱۔ عبداللہ بن خطل: فتح مکہ کے دن یہ شخص خانہ کعبہ کے پردوں سے جا کر لپٹ گیا۔ چنانچہ سیدنا ابو برزہ اسلمیؓ اور سیدنا سعد بن حریثؓ نے وہیں جا کر حجر اسود اور مقام ابراہیم کے پاس اس کو قتل کر دیا۔

۲۔ ۳۔ فرتنی اور قریبہ: یہ دونوں ابن خطل کی لونڈیاں تھیں اور روز و شب آپ کی ہجو کیا کرتی تھیں ان میں سے ایک ماری گئی اور دوسری نے امان طلب کی۔ چنانچہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئی۔

۴۔ سارہ: یہ بنو المطلب میں کسی کی لونڈی تھی۔ بعض کے نزدیک قتل کی گئی لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا اور سیدنا عمرؓ کے عہد خلافت تک زندہ رہی۔ یہی وہ عورت تھی جو حاطب بن ابی بلتعہؓ کا خط لے کر مدینہ آ رہی تھی اور رخاخ کے باغ کے قریب یہ خط پکڑا گیا تھا۔

۵۔ حویرث بن نقید: یہ اشعار میں حضور ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ سیدنا علیؓ نے اس کو قتل کیا۔

۶۔ مقیس بن صبابہ: اس کو غیلہ بن عبداللہ لیثی نے قتل کیا۔

۷۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح: یہ مرتد ہو کر کفار سے جا ملے تھے۔ یہ سیدنا عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ فتح مکہ کے روز روپوش ہو گئے۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ کی درخواست پر آپ نے اس سے بیعت لے لی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اب ایسے مسلمان ہوئے کہ اسلام رگ و پے میں بس گیا۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی خلافتوں کے زمانہ میں مصر وغیرہ کے گورنر رہے اور اسلام کی نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ صبح کی نماز میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ وارضاہ۔

۸۔ عکرمہ بن ابی جہل: یہ اسلام کے مشہور دشمن ابو جہل کے بیٹے تھے۔ اسلام کی دشمنی باپ سے

Marfat.com

وراثت میں ملی تھی۔ فتح مکہ کے روز بھاگ کر یمن کی طرف چلے گئے۔ ان کی اہلیہ ام حکیم بنت حارث فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئیں اور اپنے خاوند عکرمہ کے لیے امان طلب کی جو منظور کرلی گئی اور وہ مسلمان ہوگئے اور سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت آپ کے جسم پر تیر اور تلوار کے ستر سے زیادہ زخم تھے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

۹۔ ہبار بن الاسود: یہ وہ شخص ہے جس نے آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے ہوئے راستہ میں نیزہ مارا تھا۔ جس سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں اور اسی زخم سے انتقال فرمایا۔ یہ بھی مسلمان ہوگئے اور آپ نے انہیں معاف فرمادیا۔

۱۰۔ وحشی بن حرب: یہ سیدنا حمزہؓ کے قاتل تھے۔ یہ بھاگ کر طائف چلے گئے۔ پھر وہاں سے مدینہ طیبہ حاضر خدمت ہو کر مسلمان ہوگئے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں مشہور روایت کے مطابق مسیلمہ کذاب کو انہوں نے قتل کیا تھا اور اسی حربہ سے قتل کیا جس سے سیدنا حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔

۱۱۔ کعب بن زہیر: یہ بھی فتح مکہ کے روز بھاگ گئے۔ بعد میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ اور آپ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا جو "بانت سعاد" کے نام سے مشہور ہے۔ آپ اس قصیدہ کو سن کر بہت خوش ہوئے اور انہیں اپنی چادر عنایت فرمائی۔

۱۲۔ حارث بن طلاطل: یہ شخص آپ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ سیدنا علیؓ نے اس کو قتل کیا۔

۱۳۔ عبداللہ بن زبعریٰ: یہ بھی آپ کی ہجو کیا کرتے تھے، فتح مکہ کے روز ڈر سے بھاگ کر نجران چلے گئے۔ پھر مدینہ منورہ حاضر خدمت ہو کر مشرف باسلام ہوگئے۔

۱۴۔ ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی: یہ سیدنا علیؓ کا بہنوئی تھا اور آپ کی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کا شوہر۔ اسلام کا بہت بڑا دشمن۔ فتح مکہ کے روز بھاگ کر نجران چلا گیا اور وہیں حالت کفر میں مرا۔

۱۵۔ ہند بنت عتبہ زوجہ ابی سفیان: اس نے بھی حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کرلیا اور گھر جا کر بتوں کو یہ کہہ کر توڑ ڈالا کہ خدا کی قسم، ہم تمہاری ہی وجہ سے دھوکہ میں رہے۔

اسلامِ ابی قحافہ

ابی قحافہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے والد ماجد تھے۔ یہ مکہ میں رہتے تھے اور ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ اپنے بوڑھے باپ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان کی عمر کو دیکھ کر فرمایا: "ابوبکر! تم نے بڑے میاں کو گھر ہی کیوں نہ رہنے دیا۔ میں خود ان کے پاس آجاتا۔" لیکن جانثار نبوت ابوبکرؓ نے جواب دیا:

"یارسول اللہ ﷺ آپ میرے باپ کے پاس خود چل کر جائیں اس سے بہتر ہے کہ

Marfat.com

میرا باپ خود اپنے پاؤں پر چل کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو۔"
آپ نے سیدنا ابو قحافہ کے سینہ پر دست مبارک پھیرا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔
رسول اللہ ﷺ نے ابو قحافہ کے مسلمان ہونے پر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو مبارک باد دی، لیکن سیدنا صدیق اکبرؓ نے عرض کیا: "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ابو طالب اگر اسلام لے آتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔" (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۱۲)

اسلامِ سہیل بن عمرو

سہیل بن عمرو مکہ کے رؤسا اور اشراف میں سے تھے۔ یہ ابو جندلؓ کے والد تھے۔ جن کا ذکر صلح حدیبیہ میں گزر چکا ہے۔ نہایت زیرک اور عقل مند انسان تھے اور خطیب قریش کے نام سے مکہ میں مشہور تھے۔ حدیبیہ میں حضور ﷺ سے شرائط صلح انہوں نے ہی طے کر کے معاہدہ لکھوایا تھا۔ فتح مکہ کے روز اپنے بیٹے عبداللہ کی معرفت بارگاہ رسالت میں امان طلب کی جو کہ دے دی گئی۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"جو شخص سہیل سے ملے وہ اس کی طرف تیز نظروں سے نہ دیکھے۔ قسم ہے مجھے اپنی زندگانی کی بے شک سہیل بڑا عاقل اور شریف ہے۔ سہیل جیسا شخص اسلام سے ناآشنا نہیں رہ سکتا۔"

سہیل نے غزوہ حنین سے واپسی پر جعرانہ میں اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں آپ کے ساتھ رہے۔ جنگ یرموک میں جام شہادت نوش فرمایا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔
(سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۲۶، الاستیعاب ترجمہ سہیل بن عمرو)

اسلامِ صفوان بن امیہ

صفوان بن امیہ سرداران قریش میں سے تھا۔ اس کا باپ امیہ بن خلف جنگ بدر میں مارا گیا تھا، جس کی وجہ سے یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھا اور آخر تک خلاف رہا۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ جب مدینہ قبول اسلام کے لیے جا رہے تھے تو انہیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ اگر سارا مکہ بھی مسلمان ہو جائے۔ میں پھر بھی مسلمان نہیں ہوں گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے روز یہ بھی اپنی جان کے خطرہ کی وجہ سے مکہ سے بھاگ گیا۔ اس کا چچازاد بھائی عمیر بن وہب جمحی نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اس کے لیے امان طلب کی۔ آپ نے امان دے دی اور علامت کے طور پر عمیر بن وہب کو اپنی وہ پگڑی بھی عنایت فرما دی جو آپ نے مکہ میں داخلہ کے وقت سر پر باندھ رکھی تھی۔ عمیر صفوان کے پاس

Marfat.com

پہنچے۔ جو اس وقت یمن جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ عمیر اسے لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے صفوان نے آپؐ سے دو ماہ کی مہلت مانگی تا کہ میں اس معاملہ پر بخوبی غور و فکر کر لوں۔ آپ نے فرمایا: تمہیں چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس کے بعد آپ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی اس لیے آپ نے دونوں کا پہلا نکاح ہی برقرار رکھا۔

مستورات سے بیعت

یہ تو صرف چند لوگوں کے قبول اسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پورا مکہ ہی بیعت کے لیے امنڈ آیا تھا۔ ہبیرہ بن وہب داماد ابو طالب جیسا کوئی بد بخت نہ ہو گا جس نے اسلام کی دعوت کو قبول نہ کیا ہو۔ عکرمہ بن ابی جہل اور ابو سفیان، ان کی اہلیہ ہند، اس کا بیٹا یزید بن ابی سفیان (سیدنا معاویہ بن سفیان عمرۃ القضا میں مسلمان ہو گئے لیکن اپنے باپ سے اسلام کو چھپائے رکھا۔ اس کے لیے ملاحظہ فرمائیں احقر کی کتاب سیدنا معاویہؓ ---- شخصیت اور کردار حصہ اول) اور دوسرے اشراف اور رؤساء قریش مسلمان ہو گئے۔ کیونکہ اب انہیں بخوبی پتہ چل گیا تھا کہ اسلام کے سوا کامیابی کی اور کوئی راہ نہیں۔ بلکہ اب تو وہ بھی گزشتہ زندگی پر کف افسوس ملنے لگے تھے جو اسلام کی مخالفت میں گزری۔ چنانچہ آپ کوہ صفا پر بیٹھ گئے اور لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں آ کر خدا اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت کرنے لگے سیدنا عمرؓ آپ سے نیچے تھے اور لوگوں سے عہد و پیمان لے رہے تھے۔

جب مردوں کی بیعت سے فراغت ہوئی تو وہیں عورتوں سے بیعت لینی شروع کر دی۔ جو عورتیں اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان میں مشہور عورتیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ام ہانی بنت ابی طالب، سیدنا جعفر طیارؓ اور سیدنا علیؓ کی بہن۔

۲۔ ام حبیبہ بنت عاص بن امیہ، زوجہ عمرو بن عبد ود۔

۳۔ عاتکہ بنت ابی العیص، عتاب بن اسیدؓ کی پھوپھی۔

۴۔ اروی بنت ابی العیص، عتاب بن اسیدؓ کی پھوپھی۔

۵۔ ہند بنت عتبہ زوجہ ابو سفیان بن حرب۔

ان عورتوں میں سے ہند بنت عتبہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ وہ قریش کی سردار عورتوں میں سے تھیں اور نہایت زیرک، ہوش مند، خود دار اور بڑی عقل مند تھیں اور اپنی قوم اپنی صنف کے لیے رئیس سمجھی جاتی تھیں۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۵۱، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۶۲)

چنانچہ یہ نقاب پہن کر حاضر خدمت ہوئیں۔ وہ اپنی جگہ پر نہایت خائف تھیں کیونکہ سابقہ احوال اس کی نظر کے سامنے تھے۔ لیکن طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے کہ جب وہ بیعت کے لیے

Marfat.com

حاضر ہوئیں تو پہلے کچھ گفتگو کی اور اپنا نام لے کر عرض کیا کہ میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ سرکارِ مدینہ ﷺ نے پہچان لیا اور فرمایا "مرحبا لک" خوش آمدید۔ بارگاہ رسالت سے یہ الفاظ ہند کی کتاب زندگی کا ایک اہم باب ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۷۱)

علامہ ابن حیان نے اپنی تفسیر البحر المحیط جلد ۸ ص ۲۵۸ پر لکھا ہے کہ ہند نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ ہمیں گزشتہ واقعات کی معافی فرمائی جائے۔

ہند زوجہ ابو سفیان نے اپنی بیعت کے دوران سرکارِ دوعالم ﷺ سے کئی سوالات بھی کیے۔ اسلام لانے کے بعد ہند نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اسلام لانے سے قبل آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے مبغوض نہ تھا اور آپ سے زیادہ میں کسی کو اپنا دشمن نہ سمجھتی تھی۔ اور اب اسلام لانے کے بعد آپ کے چہرہ انور سے محبوب اور کوئی چہرہ نہیں اور آپ سے زیادہ کوئی اور مجھے محبوب نہیں۔" آپ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا! "ابھی میری محبت میں اور زیادتی ہوگی۔"

اس کے بعد وہ گھر گئیں اور گھر میں رکھے ہوئے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑتی جارہی تھیں اور یہ کہتی جارہی تھیں کہ تمہی نے ہمیں اب تک دھوکے میں ڈالے رکھا۔

دوسرے دن کا خطبہ

فتح مکہ کے دوسرے روز محمد ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ایک خزاعی نے ایک ہذیلی مشرک کو قتل کر دیا۔ آپ ﷺ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، اسی دن سے مکہ کو حرمت والا شہر ٹھہرایا، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے قیامت تک کے لیے محترم ہے۔ کوئی آدمی جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ اس شہر میں خون بہائے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص اس وجہ سے رخصت اختیار کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں قتال کیا تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی، لیکن تمہیں اجازت نہیں دی ہے اور میرے لیے بھی اسے صرف دن کی ایک ساعت کے لیے حلال کیا گیا۔ اہلِ مکہ کی نافرمانی پر اور ناراضی کی وجہ سے، اور آگاہ ہو جاؤ کہ اس کی حرمت پھر ویسی ہی ہوگئی جس طرح کل اس کی حرمت تھی۔ پس تم سے جو حاضر ہے وہ میرا یہ پیام ان لوگوں کو پہنچا دے کہ جو غائب ہیں۔ اے گروہ خزاعہ! قتل سے اپنے ہاتھ کو اٹھاؤ۔ تم نے ایک شخص کو مار ڈالا۔ جس کی دیت (خون بہا) میں دوں گا جو شخص آج کے بعد کسی کو قتل کرے گا تو مقتول کے گھر والوں کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار

Marfat.com

ہو گا۔ یا تو خون کے بدلے قاتل کا خون لے لیں یا مقتول کی دیت لے لیں۔"

بعد ازاں سرکارِ دوعالم ﷺ نے اپنے پاس سے اس شخص کی دیت سو اونٹ ادا فرمائی جس کو خزاعہ نے قتل کیا تھا۔ (ابن ہشام جلد ۲ ص ۴۱۵-۴۱۶)

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد یمن کے ایک آدمی نے جس کا نام ابو شاہ تھا، اٹھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لیے یہ لکھوا دیجئے۔ ارشاد فرمایا:

اکتبوا لابی شاہ

"یعنی ابو شاہ کے لیے یہ لکھ دو۔" (سنن ابی داؤد جلد ا ص ۲۷۶)

جب آپ خطبہ سے فارغ ہوئے تو ابو احمد بن جحش اٹھے اور اپنے اس مکان کی واپسی کے بارہ میں عرض کرنا چاہا جس کو ابو سفیان نے ان کی ہجرت کے بعد چار سو دینار میں فروخت کر دیا تھا۔ آپ نے ابو احمد بن جحشؓ کو بلا کر فرمایا کہ اگر تو صبر کرے تو تیرے لیے بہتر ہو گا۔ اس کے بدلہ میں تمہیں جنت میں ایک مکان مل جائے گا۔ ابو احمدؓ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں ضرور صبر کروں گا۔"

اور بھی کئی مہاجرین نے اپنے آبائی مکانات کو قابضین سے واپس لینا چاہا لیکن آپ نے فرمایا کہ تمہارا جو مال اللہ کی راہ میں جا چکا ہے میں اس کی واپسی پسند نہیں کرتا۔ آپ کی یہ بات سنتے ہی تمام مہاجرین خاموش ہو گئے۔ آپ نے خود اپنے پیدائشی مکان اور وہ مکان جس میں سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا سے شادی ہوئی اور پھر باقی زندگی کے دن گزارے، اس کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں فرمایا۔

آپ نے بنو خزاعہ سے فرمایا کہ حرم کے سنگ میل (حدود حرم کے ستون) میں سے جو بھی کچھ مرمت کے قابل ہو، اس کی تعمیر کرا دیں۔ جس سے اہلِ مکہ کے دلوں پر نقش ہو گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے نزدیک حرم بیت اللہ کی تقدیس و محبت کس حد تک واضح ہے۔

اس وقت اہلِ مکہ سے فرمایا: "آپ لوگ تمام دنیا کی بہتر جماعت میں سے ہیں، مجھے تم سے بے حد محبت ہے، میں تمہیں چھوڑ کر مدینہ نہ جاتا اور کسی کو تمہارے ہم پلہ نہ ٹھہراتا مگر کیا کروں تم ہی نے تو مجھے جلا وطن کیا تھا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کی زبان سے اپنے متعلق یہ کلمات سن کر اہلِ مکہ آپ پر اور بھی فریفتہ ہو گئے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ نے پندرہ روز اور دوسری روایت کے مطابق انیس روز مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں مکہ کے اسلامی ریاست میں داخل ہونے کی وجہ سے وہاں کے نظم و نسق کی ترتیب، گورنر کا تقرر، اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعلیم و تربیت میں ان کی راہ نمائی فرماتے رہے۔ آپ نے یہ منادی کرا دی:

من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یدع فی بیتہ صنما۔

Marfat.com

"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں ہر بت کو منہدم کر دے۔"

جب شہر مکہ تمام بتوں سے پاک ہو گیا تو آس پاس کے بتوں کو توڑنے کے لیے متعدد سرایا اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں روانہ فرمائیں اور اس طرح آس پاس کے بھی وہ سارے بت منہدم کر دیئے گئے جو لوگوں کے مرجع تھے اور دور دور سے جا کر لوگ ان کی پوجا کرتے تھے۔

وفود و سرایا

فتح مکہ سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے قریب و جوار میں مختلف وفود بصورت دعوت اسلام کے لیے روانہ فرمائے اور انہیں یہ بھی حکم دیا کہ جہاں کہیں کوئی بت دیکھیں، اسے منہدم کر دیں۔ چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک سنہ ۸ھ کو سیدنا خالد بن ولیدؓ کو تیس سواروں کی جمعیت کے ساتھ عربوں کے مشہور بت عزیٰ کو گرانے کے لیے بھیجا۔ عزیٰ نخلہ میں تھا اور قریش اور بنو کنانہ اس کی پوجا کرتے تھے۔ بنو شیبان اس بت کے مجاور تھے۔ سیدنا خالدؓ نے نخلہ جا کر اس بت کو منہدم کر دیا۔ واپسی پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ خالد! اس بت کو منہدم کرتے ہوئے تم نے کچھ دیکھا بھی تھا۔ عرض کیا: نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ پھر تم نے صحیح معنوں میں اسے منہدم نہیں کیا، پھر جاؤ اور اسے ڈھا دو۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پھر واپس گئے اور اسے نیچے تک منہدم کر دیا۔ اب کی بار ایک سیاہ رو، ننگی، پراگندہ بال عورت نکلی۔ مجاور اسے چیخ چیخ کر پکارنے لگے۔ سیدنا خالد نے اسے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد بارگاہِ رسالت میں آ کر اس کی تفصیل بیان کی۔ آپ نے بیان فرمایا: ہاں وہی عزیٰ تھی۔ اب وہ مکمل طور پر مایوس ہو چکی ہے کہ تمہارے اس ملک میں کبھی بھی اس کی پوجا کی جائے گی۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۴۹، طبقات جلد ۲ ص ۱۴۵)

اسی طرح سیدنا عمرو بن العاصؓ کو سواع بت کو منہدم کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ یہ بت مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلہ پر رباط میں بنو ہذیل کا ایک بت تھا۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ جب وہاں پہنچے تو مجاور نے ان کے آنے کا مقصد پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں سرور کائنات ﷺ کے حکم کے تحت اس بت کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ مجاور نے کہا کہ تم اس بت کو ڈھا نہیں سکو گے۔ سیدنا عمروؓ نے پوچھا: کیوں؟ مجاور نے کہا: یہ بت تمہیں ڈھانے سے روک دے گا۔ سیدنا عمروؓ نے فرمایا: افسوس ہے تم پر کہ تم ابھی تک اس باطل عقیدے پر قائم ہو۔ کیا یہ بت سنتا اور دیکھتا ہے؟ جو مجھے روک دے گا؟ پھر اس بت پر ایک ایسی کاری ضرب لگائی جس سے وہ پاش پاش ہو گیا اور مجاور سے کہا کہ تو نے دیکھ لیا کہ تمہارا یہ خدا پاش پاش ہو گیا لیکن وہ مجھے روک نہیں سکا۔ سیدنا عمروؓ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کے خزانہ والا مکان

منہدم کردیں۔ مکان ڈھادیا گیا لیکن اس میں سے کچھ نہ ملا۔ مجاور یہ دیکھتے ہی فوراً مسلمان ہو گیا اور کہا:
اسلمت للہ (میں اللہ کے لیے اسلام لایا) (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۴۹، طبقات جلد ۲ ص ۱۴۵)

ایک اور بت عربوں میں بہت مشہور تھا اس کو مناۃ کہتے تھے۔ ۲۶ رمضان المبارک کو سید سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ہمراہ اسے منہدم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ بت قدید کے قریب مشلل میں نصب تھا اور اوس، خزرج اور غسان وغیرہ کا یہ بت کہلاتا تھا۔ جب سیدنا سعد بن زید رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو مجاور نے آنے کی غرض پوچھی۔ انہوں نے فرمایا کہ اس بت کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ اس نے کوئی مداخلت نہ کی اور کہا کہ تم جانو اور تمہارا کام۔ جب سیدنا سعد بن زید رضی اللہ عنہ اس کو ڈھانے کے لیے آگے بڑھے تو ایک سیاہ رو، کالی کلوٹی، ننگی، پراگندہ بال عورت نکلی جو اپنا سینہ پیٹ رہی تھی۔ اس سے مجاور نے کہا کہ اپنے ان نافرمانوں کو جو تمہیں ڈھانے کے لیے آئے ہیں، پکڑ لے، لیکن مجاور ابھی یہ جملہ ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ سیدنا سعد بن زید ؓ نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر لپک کر اس بت کو مکمل طور پر منہدم کر دیا۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۵۰)

غرض یہ کہ رمضان کا پورا مہینہ بت شکنی میں گزرا اور اللہ تعالیٰ کی اس سرزمین سے بتوں اور کفر و شرک کی نجاست کے دھلوانے میں صرف ہوا۔

سیدنا خالد بن ولید ؓ جب عزیٰ کو ڈھانے کے بعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو شوال کے شروع میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں بنو خزیمہ کے پاس ساڑھے تین سو مجاہدین کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ یہ لوگ یلملم کے قریب غمیصا نامی ایک تالاب کے کنارہ پر رہتے تھے۔ آپ نے انہیں جا کر اسلام کی دعوت دی اور وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ لیکن گھبراہٹ میں یا کسی اور وجہ سے انہوں نے "اسلمنا" کے بجائے "صبانا صبانا" یعنی ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا، ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا کہا۔ اس پر سیدنا خالد ؓ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر ؓ اور ان کے ساتھیوں نے خالد کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ۹۵ آدمی قتل ہو گئے۔ واپس آکر جب رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دو مرتبہ یہ فرمایا: اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بالکل بری ہوں۔ (ایک روایت یہ ہے کہ صرف بنو سلیم نے ان لوگوں کو قتل کیا تھا۔ مہاجرین اور انصار نے قتل نہیں کیا تھا۔)

پھر سرور کائنات ﷺ نے سیدنا علی ؓ کو بہت سا مال دے کر ان مقتولین کی دیت ادا کرنے کے لیے بھیجا اور سیدنا علی ؓ کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ ضیاع نفوس اور اموال کے معاملہ میں جاہلیت کے ناپ تول کو اپنے قدموں تلے روند دیجئے۔ سیدنا علی ؓ نے نہایت فراخ دلی سے دیت اور ان کے نقصانات کا تاوان ادا کیا اور اس کے بعد جو رقم بچ گئی اس کو بھی احتیاطاً ان پر تقسیم کر دیا تاکہ اگر کوئی اور بھی ان کا نقصان ہوا،

Marfat.com

جس کا ابھی پتہ نہیں چلا تو اس کی بھی تلافی ہو جائے۔

اس معاملہ میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ میں کچھ سخت کلامی بھی ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے سیدنا خالدؓ سے فرمایا۔ خالدؓ! میرے رفقاء کو کچھ کہنے سے باز رہو۔ اللہ کی قسم، اگر احد پہاڑ سونا ہو جائے اور وہ سارے کا سارا تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تب بھی تم میرے ان ساتھیوں میں سے کسی ایک آدمی کی ایک صبح کی عبادت یا ایک شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔

سیدنا علیؓ نے جب واپس آکر آپ کو اپنی کارکردگی سے آگاہ کیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا اصبت واحسنت۔

(زرقانی ج ۳ ص ۴۳، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۱۴، عیون الاثر ج ۲ ص ۲۵۰، طبقات ج ۲ ص ۱۴۷)

یہ تھی مختصر روئیداد غزوہ فتح مکہ کی۔ یہ ایک بہت بڑی فتح تھی۔ اس غزوہ نے لوگوں کو اسلام سے بہت قریب کر دیا اور اس فتح کے بعد پورے جزیرۃ العرب کے دینی اور سیاسی افق پر مسلمانوں کا آفتابِ عالم تاب چمکنے لگا اور اب ہر قسم کی دنیوی قیادت بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی اور حالت یہ ہو گئی کہ عرب اقوام اب وفود کی شکل میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے اور اگلے دو سالوں میں اسلام اس تیزی سے پھیلا جو گزشتہ بیس سال میں نہ پھیل سکا۔ چنانچہ غزوہ فتح مکہ میں آپ کے لشکر کی تعداد ۱۰ ہزار تھی۔ اب اس کے بعد ہر غزوہ میں یہ تعداد تیزی سے بڑھنے لگی یہاں تک کہ حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔

فتح مکہ کے بعد مکہ اور اس کا حرم از سرنو امن و سلامتی کا گہوارہ بن گئے جہاں سے توحید کے نور کی درخشندہ و تابندہ رو اٹھ کر آسمان سے ٹکرائی، وہ رو جس کی ضیاء نے چودہ سو سال سے تمام کرۂ اغبر کو منور کر رکھا ہے۔

غزوۂ حنین

فتح مکہ کے بعد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ یہیں مقیم رہے۔ وہ اس بات پر نہایت شاداں و فرحاں تھے کہ اتنی بڑی فتح میں قتل عام سے ان کا دامن پاک رہا۔ بلالؓ اذان کہتے تو ٹھٹھ کے ٹھٹھ مسرت و شادمانی کے ساتھ بیت اللہ میں نماز کے لیے جمع ہو جاتے' اس بیت اللہ میں جس کو دیکھنے کے لیے گزشتہ آٹھ سال سے ان کی آنکھیں ترس گئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر اور نواح میں جہاں تشریف لے جاتے مہاجرین وانصار آپ کے آگے پیچھے پروانوں کی طرح ہوتے۔ اس خوشی میں فاتح اور مفتوح دونوں شریک تھے کہ البلد الامین (مکہ مکرمہ) میں اسلام کو نفوذ اور استقرار حاصل ہوا۔ اتنے میں آپ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ ہوازن مکہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کی اس فتح سے ہمسایہ قبائل میں یہ طاقت اور سکت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں لیکن کچھ اڑیل اور متکبر قبائل ایسے بھی تھے جنہوں نے سپر نہ ڈالی' ان میں ہوازن اور ثقیف سرفہرست تھے۔ مضر' جشم' سعد بن بکر اور بنو ہلال بھی اس معاملہ میں ہوازن اور ثقیف کے ساتھ مل گئے' ان سب قبیلوں کا تعلق عیلان سے تھا۔

ہوازن اور ثقیف نہایت جنگجو اور ماہر تیرانداز قبائل میں سے تھے۔ فتح مکہ سے انہیں یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں پیغمبر اسلام ﷺ ان پر حملہ نہ کر دیں۔ لہٰذا سرداران قبائل نے سر جوڑ کر یہ مشورہ کیا کہ قبل اس کے کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہوں، ہمیں مسلمانوں پر حملہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ بیس ہزار کا لشکر مالک بن عوف نصری کی زیر قیادت جمع ہو گیا۔

طائف مکہ سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ نہایت صحت افزا اور سرسبز و شاداب، قبیلہ ثقیف یہاں آباد تھا۔ طائف اور مکہ کے درمیان ایک درمیانی علاقہ کا نام حنین ہے، قبیلہ ہوازن یہاں آباد تھا۔ قریش مکہ کی طرح ان دونوں قبائل کو بھی اپنی عظمت اور شجاعت پر بڑا ناز تھا۔ تیر اندازی میں پورے عرب میں ان کا ایک منفرد مقام تھا۔ مکہ فتح ہونے کے بعد ان کے جذبات میں ایک تموج سا پیدا ہوا کہ مکہ فتح ہو گیا۔ ہمارے تیرتھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہمارے سب سے بڑے صنم خانہ

Marfat.com

کو پھر اللہ کا گھر بنا دیا گیا۔ ۳۶۰ بتوں کو وہاں سے ہٹا کر توحید کی آواز سے اس کو پاک و مطہر کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ اس محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں نے کیا جن کو ہم نے طائف میں گھسنے نہ دیا تھا اور جب وہ زبردستی آ گئے تو پھر اینٹوں اور پتھروں سے ان کی ہم نے وہ تواضع کی کہ پورا جسم لہولہان ہو گیا اور یہاں کے کسی شخص نے ان کا نہ تو ساتھ دیا اور نہ ہی سنبھالا۔ ان کی یہ ہمت کہ ہمارے ہوتے ہوئے وہ ہمارے سب سے بڑے تیرتھ مکہ کا فاتح بنے۔" ان جذبات نے ان قبائل کو اس قدر مشتعل کیا کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کو جب ان حالات و واقعات کی اطلاع ملی تو آپ نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ کو تحقیق احوال کے لیے روانہ فرمایا۔ سیدنا عبداللہؓ نے ایک دو روز ان میں رہ کر تمام حالات معلوم کیے اور واپس آ کر سرکارِ دو عالم ﷺ کو ان کی جنگی تیاریوں کے بارہ میں تفصیل سے بتایا۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے بھی جنگ کی تیاری شروع کی۔ سامان جنگ کا جائزہ لیا تو زرہیں کچھ کم تھیں، نقد رقم کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن ربیعہ نہایت دولت مند تھے، ان سے تیس ہزار درہم قرض لیے۔ (مسند احمد جلد ۴ ص ۳۶) صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس تھا اور مہمان نوازی میں مشہور تھا لیکن ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا اس سے آپؐ نے سو زرہیں طلب فرمائیں۔ انہوں نے کہا کہ جبراً یا طوعاً یعنی جبراً مانگتے ہو تو میں نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا جبراً نہیں طوعاً۔ (ابوداؤد باب الصحافۃ) ایک روایت میں ہے کہ غصب یا عاریتہ۔ آپ نے فرمایا: غصب نہیں بلکہ عاریتہ، یعنی جتنی لی جائیں گی اتنی ہی واپس کی جائیں گی اور اگر کچھ ضائع ہو گئیں تو اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ اتفاق سے جنگ کے دوران کچھ زرہیں ضائع ہو گئیں۔ جب واپس کرنے کا وقت آیا تو آپ نے اس کا معاوضہ پیش فرمایا۔ لیکن سیدنا صفوانؓ نے عرض کیا: وہ وقت اور تھا جب میں نے یہ کہا۔ اب تو اسلام رگ و پے میں بس گیا ہے۔ اب زرہیں کیا جان کی پونجی بھی حاضر ہے۔

تیاری مکمل ہونے کے بعد ۶ شوال سنہ ۸ھ کو مسلمانوں کی فوج حنین کی طرف بڑھی۔ دس ہزار تو وہ مجاہدین تھے جو مدینہ سے آئے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ دو ہزار سے زائد مکہ کے نوجوان تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے جوشیلے اور جذباتی بھی تھے، جنہوں نے پورے ہتھیار بھی نہیں لیے تھے۔ اس لشکر میں ابوسفیان بن حرب بھی تھے۔ مسلمان سپاہیوں کی زرہوں کی چمک دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ مقدمہ فوج میں گھوڑ سواروں کا دستہ تھا، جس کی نگرانی میں رسد کے بار بردار اونٹ بھی تھے۔ عرب نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہ دیکھا تھا۔ ہر ایک قبیلہ کا دستہ اپنا اپنا علم سنبھالے ہوئے اور ہر ایک سپاہی اپنی فوج کی کثرت پر اس قدر نازاں کہ ان میں سے چند ایک نے ایک دوسرے سے گفتگو میں یہاں تک کہہ دیا کہ "اتنی بڑی فوج کو کون شکست دے سکتا ہے!"

Marfat.com

یہ فوج شام کے وقت میدان کارزار کے قریب پہنچی۔ جیسے ہی پیشانی مشرق پر صبح صادق کا جھومر نمودار ہوا، سب نے فریضہ نماز ادا کیا اور ابھی پوری طرح اجالا بھی نہیں ہوا تھا کہ میدان حنین کی طرف پیش قدمی ہونے لگی۔ یہ میدان نشیب میں تھا۔ سب طرف پہاڑ تھے اور پہاڑی راستے ایسے ڈھلوان تھے کہ پیر جمنے مشکل تھے۔ میدان جنگ کے بیشتر مقامات پر دشمن کی فوجیں قابض اور راستہ کے پہاڑوں پر غنیم کے تیرانداز دستے مسلمانوں کے انتظار میں تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ جونہی مسلمان میدان جنگ میں داخل ہو جائیں تو سامنے سے فوجیں تیغ و سنان سے ان کا قلع قمع کر دیں اور اوپر سے تیراندازوں کے تیران کے پرخچے اڑا دیں، اور ان میں سے ایک شخص کو بھی زندہ واپس نہ جانے دیا جائے۔

مسلمانوں کے لشکر کے سب سے آگے سرکارِ دو عالم ﷺ اپنی سفید رنگ ناقہ قصواء پر سوار تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ کے عقب میں سیدنا خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں بنو سلیم کا دستہ مقدمتہ الجیش میں تھا، ان کے ہاتھ میں علم تھا۔

ادھر مسلمان مکہ سے نکلے دوسری طرف سے غنیم بھی جنگ کے لیے روانہ ہوا۔ فوج کا سپریم کمانڈر مالک بن عوف تھا جو اپنے قبیلہ کے ہمراہ، بنو ثقیف، بنو نصر و بنو جشم بھی اس کے ساتھ تھے۔ (صرف ہوازن کی دو شاخوں قبیلہ کعب اور قبیلہ کلاب نے شرکت سے انکار کیا) مالک بن عوف نے بیس ہزار آدمیوں کے ساتھ میدان جنگ کی طرف پیش قدمی کی۔ وہ لوگوں کے ساتھ مال مویشی اور بال بچے بھی کھینچ لایا اور آگے بڑھ کر وادی اوطاس میں خیمہ زن ہوا۔ اوطاس حنین کے قریب بنو ہوازن کے علاقہ میں ایک وادی ہے، لیکن یہ وادی حنین سے علیحدہ ہے۔ حنین ایک دوسری وادی ہے جو ذوالمجاز کے بازو میں واقع ہے۔ وہاں سے عرفات ہوتے ہوئے مکہ کا فاصلہ دس میل سے زیادہ ہے۔ (فتح الباری جلد ۸، ص ۲۷) اوطاس کی وادی جنگ کے لیے نہایت موزوں تھی۔ اس کی زمین نہ سخت تھی نہ ایسی نرم اور ریتلی کہ پاؤں دھنسیں۔ اس کو ان لوگوں نے پڑاؤ کے لیے منتخب کیا۔ عورتوں اور بچوں کو اس خیال سے لائے کہ یہ ساتھ ہوں گے تو ان کی حفاظت کی حمیت و غیرت بھی فوج کو جمے رہنے پر مجبور کرے گی اور لڑنے والوں کے پیر نہیں اکھڑنے دے گی۔ وہ اپنے ساتھ سردار بنی جشم درید بن صمہ جس کی عمر اس وقت سو سال سے متجاوز تھی، لے آئے کیونکہ وہ جنگی فنون کا ماہر اور تجربہ کار مانا جاتا تھا۔ وہ پیرانہ سالی کی وجہ سے حس و حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا، لیکن اس کو ایک ہودہ میں بٹھا کر صرف اس لیے ساتھ لے آئے تاکہ اس کے جنگی تجربات سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

جب یہ فوج وادی اوطاس میں پہنچی تو درید بن صمہ نے دریافت کیا: یہ کون سا مقام ہے؟ لوگوں نے کہا یہ وادی اوطاس ہے۔ اس نے کہا: یہ مقام جنگ کے لیے نہایت موزوں ہے۔ بولا: "اونٹوں کا بلبلانا اور گدھوں کا ہنہنانا اور بھیڑ بکریوں کا ممیانا اور بچوں کا رونا اور بلبلانا، یہ میں کیا سن رہا ہوں؟" لوگوں نے

Marfat.com

کہا: یہ مالک بن عوف لوگوں کو اہل و عیال اور مال مویشی سمیت لے کر آیا ہے تاکہ لوگ ان کے خیال سے میدان سے بھاگ نہ سکیں۔" درید نے کہا: تم نے بڑی سخت غلطی کی کیونکہ جب پیر اکھڑ جاتے ہیں تو نہ عورتیں اور بچے انہیں جما سکتے ہیں اور نہ مال مویشی، ایسے موقع پر صرف فوج، تلوار اور تیر کام آتے ہیں۔ اے مالک! واللہ! تم نرے بھیڑوں کے چرواہے ہو۔ دیکھو، اگر جنگ میں تم غالب رہتے ہو تو بھی شمشیر و سنان ہی تمہارے لیے مفید ہے اور اگر شکست کھا گئے تو پھر تمہیں اپنے اہل و عیال اور مال و مویشی کے بارہ میں ذلیل و رسوا ہونا پڑے گا۔ اس نے کہا: مالک! بنو ہوازن کی عورتوں اور بچوں کو سواروں کے مد مقابل لا کر کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ انہیں ان کے علاقہ میں محفوظ مقامات پر بھیج دو اور اس کے بعد گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر غنیم سے ٹکر لو، اگر تمہیں فتح ہوئی تو وہ تم سے آملیں گے اور اگر شکست ہوئی تو تمہارے اہل و عیال اور مال مویشی محفوظ رہیں گے۔

درید کی رائے بالکل درست تھی، چنانچہ مسلمانوں کا لشکر جب ادھر آ رہا تھا تو ایک سوار نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو آکر بتایا کہ میں نے فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا ہے کہ بنو ہوازن سب کے سب ہی آگئے ہیں۔ ان کی عورتیں، چوپائے، اونٹ، بکریاں سب ساتھ ہیں۔ سرکارِ مدینہ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہ سب انشاء اللہ کل مسلمانوں کا مالِ غنیمت ہو گا۔" (سنن ابی داؤد مع عون المعبود جلد ۲ ص ۳۱۷)

درید بن صمہ کا یہ مشورہ سپریم کمانڈر مالک بن عوف نے مسترد کر دیا اور لشکر سے یہ کہا کہ خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ تم ایک پیر فرتوت ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو چکی ہے۔ بخدا! یا تو بنو ہوازن میری اطاعت کریں یا پھر میں اس تلوار پر ٹیک لگا دوں گا جو میری پیٹھ کے آر پار نکل جائے گی یا میں خود کشی کر لوں گا۔ دراصل مالک بن عوف کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اس جنگ میں درید کا نام یا مشورہ شامل ہو کیونکہ اسے یقین تھا کہ ہمیں فتح ہو گی اور فتح کا سارا کریڈٹ وہ خود لینا چاہتا تھا۔ ہوازن نے کہا: ہم تمہاری اطاعت کریں گے۔ اس پر درید نے کہا کہ یہ ایسی جنگ ہے جس میں میں نہ شریک ہوں اور نہ الگ ہوں۔

مالک نے جاسوس مسلمانوں کی فوج کا پتہ لگانے کے لیے بھیجے ہوئے تھے۔ وہ جاسوس جب واپس آئے تو ان کی حالت غیر تھی۔ ان کا جوڑ جوڑ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ مالک نے حیرانگی سے پوچھا: "تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "ہم نے کچھ چتکبرے گھوڑوں پر سفید انسان دیکھے ہیں اور انہیں دیکھ کر واللہ ہماری یہ حالت ہو گئی ہے۔ جسے تم دیکھ رہے ہو۔"

مالک بن عوف اس وادی میں اسلامی لشکر سے پہلے پہنچ چکا تھا اور رات کی تاریکی میں اس وادی کے اندر اتر کر وہ اپنی فوج کو راستوں، گزرگاہوں، گھاٹیوں، دروں وغیرہ میں پھیلا اور چھپا چکا تھا اور انہیں یہ سب کچھ بتلا چکا تھا کہ جونہی اسلامی لشکر تمہاری زد میں آئے اسے تیروں سے چھلنی کر دیا جائے اور پھر شمشیر زن یکبارگی حملہ کر کے ان کی تکابوٹی کر دیں۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اسلامی لشکر کے سپریم کمانڈر اپنی سفید رنگ کی ناقہ قصواء پر سوار سب کے آگے تشریف لے جا رہے تھے اور ان کی عقب میں سیدنا خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں بنو سلیم کا دستہ مقدمۃ الجیش میں تھا اور ان کے ہاتھ میں علم بھی تھا' جونہی یہ دستہ تہامہ کا میدان طے کر کے حنین کی تنگ گھاٹی سے گزرا' غنیم کی فوجوں نے جو درہ کی چوٹی پر گھات لگائے بیٹھی تھیں' اپنے کمانڈر مالک بن عوف کی ہدایت کے مطابق پے در پے تیروں کی باڑھ چھوڑ دی۔ مسلمان صبح کے جھٹپٹے میں وادی حنین کی طرف آ رہے تھے۔ وہ دشمن کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ انہیں بالکل علم نہیں تھا کہ وادی کے تنگ دروں کے اندر ہوازن اور ثقیف کے جیالے ان کی گھات میں بیٹھے ہیں۔ اس لیے وہ پورے اطمینان کے ساتھ بے خبری کے عالم میں اتر رہے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی بارش ہو گئی۔ اس اچانک حملہ سے قدرتی بات ہے کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وہ زیادہ بدحواس ہو گئے اور ان میں ایسی بھگدڑ مچی کہ کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔ جو اپنی بہادری کے زعم میں مکہ سے آئے تھے وہ ''لڑتے ہیں اور نہ ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔'' وہ مکہ سے اپنی تلوار بھی لائے تھے لہٰذا اس نازک موقع پر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کچھ وہ لوگ جو ابھی مسلمان تو نہیں ہوئے تھے لیکن مکہ سے اسلامی فوج میں شریک ہو کر آئے تھے۔ ان میں کچھ خوش بھی تھے کہ ہمارا بدلہ بنو ہوازن نے چکا دیا' کئی لوگوں نے یہ بھی کہا کہ اب ان کی بھگدڑ سمندر سے پہلے نہ رکے گی۔ یہ بیان تو محمد بن اسحاق کا ہے جو ایسے موقع پر اکثر صحیح بات کو چھپا جاتا ہے۔ براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ بنو ہوازن تیرانداز تھے۔ ہم نے حملہ کیا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد ہم جو دشمن کے مال پر ٹوٹ پڑے تو تیروں سے ہمارا استقبال کیا گیا۔

(بخاری جلد ۲ ص   )

سیدنا انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے مکہ فتح کیا' پھر حنین پر چڑھائی کی۔ مشرکین نے اتنی اچھی صف بندی کی جو میں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی۔ سواروں کی صف' پھر پیادوں کی صف' پھر ان کے پیچھے عورتیں' پھر ان سب کے پیچھے مال و مویشی' ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ ہمارے میمنہ پر خالد بن ولیدؓ تھے مگر ہمارے سوار دشمن کی تیراندازی کی وجہ سے ہماری پیٹھ کے پیچھے پناہ لینے لگے اور ذرا سی دیر میں ہمارے سوار بھاگ کھڑے ہوئے' اعراب بھی بھاگے اور وہ لوگ بھی جنہیں تم جانتے ہو۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۲۹) اس بھگدڑ سے مسلمانوں کی حالت وہ ہو گئی جس کا نقشہ قرآن نے ان الفاظ میں کھینچا ہے'' ''ضاقت علیکم الارض بما رحبت'' ''تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے' لیکن فضل خداوندی مسلمانوں پر سایہ فگن تھا۔ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انتباہ تھا۔ اللہ کے فضل و کرم کا محور محمد رسول اللہ ﷺ کا پیکر مقدس تھا جو اپنی جگہ استقلال و استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا رہا جس میں اگر جنبش ہوئی تو اتنی کہ وہ اپنے سفید خچر سے نیچے اترا' لیکن اکثر روایات میں ہے کہ

Marfat.com

آپ خچر پر سوار ہی رہے۔ بھگدڑ کے باوجود آپ ؐ کا رخ کفار کی طرف تھا اور آپ بجائے پیچھے آنے کے پیش قدمی کے لیے اپنے خچر کو ایڑ لگا رہے تھے۔ تلوار ہاتھ میں تھی اور اونچی آواز کے ساتھ یہ رجزیہ کلمات کہہ رہے تھے۔

انا النبی لا کذب   انا ابن عبدالمطلب

"میں نبی ہوں اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔"

پاؤں اکھڑنا اور انتشار واضطرار اتھا۔[1]

---

[1] علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ نے سیرۃ النبیؐ جلد اص ۵۳۴ کے حاشیہ میں اس بات کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ کن لوگوں کے پاؤں اکھڑے تھے اور انتشار کن لوگوں میں پیدا ہوا تھا۔ فرماتے ہیں کہ "اول وہلہ مسلمانوں کی شکست کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ محمد ابن اسحاق کی روایت ہے، لیکن بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ وہی ہوا جو جنگ احد میں ہوا تھا۔ چنانچہ سیدنا براءؓ کا بیان ہے کہ "ہم نے ان پر جب حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ ہم لوگ مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انہوں نے ہمیں تیروں پر دھر لیا۔ (بخاری غزوہ حنین) دوسرے شکست کے ظاہری اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس جنگ میں کچھ لوگ صرف اس غرض سے شریک ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکا دیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ام سلیم نے جو اس جنگ میں شریک تھیں، حضور انور ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان طلقاء کو قتل کر دیجئے۔ انہی کی وجہ سے شکست ہوئی ہے۔ (مسلم باب غزوۃ النساء مع الرجال) چنانچہ اس حدیث کے شرح میں امام نووی نے بتایا ہے کہ "یہ سب لوگ نہیں بھاگے تھے بلکہ مکہ کے مولفتہ القلوب میں جو منافق تھے اور مکہ کے مشرکین (جو اس جنگ میں شریک ہو گئے تھے اور جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) انہوں نے بھاگنا شروع کیا تھا اور یہ ناگہانی ہزیمت اس وجہ سے ہوئی کہ دشمنوں نے ایک ساتھ تیروں کی بارش شروع کر دی تھی اور فوج میں ایسے اہل مکہ بھی تھے جن کے دلوں میں ایمان واضح نہیں ہوا تھا اور مسلمانوں پر مصائب کے منتظر تھے۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی تھے جو صرف غنیمت کے لیے آئے تھے۔" (نووی غزوۂ حنین) امام ابو حیان اندلسی نے بھی تفسیر بحرالمحیط جلد ۵ ص ۲۴ پر یہی لکھا ہے کہ "کہا جاتا ہے کہ مکہ کے طلقاء بھاگے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے۔" صاحب روح المعانی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ (روح المعانی جلد ۱۰ ص ۶۶)

اور یہ جو بخاری کی روایت میں سیدنا انسؓ سے مروی ہے کہ "لوگ پیچھے ہٹ گئے یہاں تک کہ آپ تنہا رہ گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ آپ تھے وہاں اور کوئی نہ تھا اور جب انصار کو آواز دی گئی تو ان کا جواب یہ تھا۔ یارسول اللہ! ہم حاضر ہیں۔ آپ خوش ہوں کہ ہم آپ کے پاس ہیں (یعنی بھاگے نہیں ہیں) اور سیدنا انس کی روایت جو بخاری نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ انصار نے جواب دیا: "یارسول اللہ! ہم حاضر ہیں، ہم آپ کے سامنے ہیں۔" (بخاری غزوۂ طائف)

حافظ ابن حجر نے ان سب روایات میں ان الفاظ میں تطبیق کی ہے کہ "اور اس قول میں کہ حضورؐ تنہا رہ گئے اور ان واقعات میں جو اس پر دال ہیں کہ حضورؐ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت تھی، تطبیق یہ ہے کہ حضور دشمن کے سامنے سب سے آگے مقام پر تھے اور جو آپ کے ساتھ ثابت قدم تھے وہ آپ کے پیچھے تھے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۲۴) بہر حال سید صاحب کی یہ بحث پڑھنے کے قابل ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کے پاؤں نہیں اکھڑے تھے بلکہ صحابہ کی ایک اچھی خاصی تعداد آپ کے پیچھے موجود تھی۔ بھاگنے والوں میں زیادہ تر طلقاء اور مولفتہ القلوب تھے۔

Marfat.com

ایک نئے جانثار سیدنا ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب جو خواجہ عبد المطلب کے بڑے بیٹے حارث کے بیٹے تھے اور ایک ماہ قبل مشرف باسلام ہوئے تھے، پہلے سخت مخالف تھے، لیکن اسلام لانے کے بعد پھر اتنے ہی جانثار ہو گئے تھے، اس نازک موقع پر انہوں نے آگے بڑھ کر خچر کی لگام پکڑ لی۔ سیدنا عباسؓ بن عبد المطلب عم محترم نے رکاب تھام لی کہ خچر کہیں تیزی سے آگے نہ بڑھ جائے۔ دس بارہ صحابہ کرامؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب تھے، فوری طور پر آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عباسؓ، سیدنا فضل بن عباسؓ اور سیدنا اسامہ بن زیدؓ انہیں قریبی جانثاروں میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سیدنا عباسؓ کو جن کی آواز خاصی بلند تھی، حکم فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کو آواز دیں! "یا معشر الانصار! یا معشر اصحاب السمرہ!" اے گروہ انصار! اے بیعت رضوان والو! یہ بیعت رضوان والے وہ تھے جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر ایک کیکر کے درخت کے نیچے آپ ؐ کے ہاتھ پر اس بات کا عہد کیا تھا کہ جان دے دیں گے، لیکن میدان سے نہیں ہٹیں گے۔ مہاجرین کو بھی پکارا گیا۔ سیدنا عباسؓ کا بیان ہے کہ جونہی میں نے یہ آواز دی، صحابہؓ فوراً سنبھلے، خدا کی قسم، وہ میری آواز سن کر اس طرح پلٹے جیسے گائے اپنے بچوں پر پلٹتی ہے اور جواب دیا: لبیک، لبیک۔

اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج ایک دم پلٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے یا اونٹ گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے وہ اپنی سواریوں سے کود پڑے اور زرہیں ان کی گردنوں میں ڈال دیں اور اونٹ اور گھوڑے کو چھوڑ کر شمشیر بکف میدان کی طرف دوڑے اور ایثار و فدائیت کے جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں نے اس اچانک تیر اندازی سے جس رفتار سے میدان چھوڑا تھا اس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ایک کے پیچھے ایک آتے چلے گئے اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ فریقین میں دھواں دھار جنگ شروع ہو گئی۔ دفعتاً لڑائی کا رنگ بدل دیا۔ ثقیف و ہوازن کے سوار مسلمانوں کے اس زبردست حملہ کی تاب نہ لا کر میدان سے بھاگ نکلے۔ جو رہ گئے ان کی گردنوں میں غلامی کا طوق تھا یعنی وہ گرفتار کر لیے گئے۔

جبیر بن مطعمؓ کا بیان ہے کہ ہوازن کی پسپائی سے کچھ ہی پہلے میں نے ایک سیاہ چادر آسمان سے اترتی دیکھی وہ چادر ہمارے اور غنیم کے درمیان آ کر گری۔ دفعتاً اس میں سے سیاہ چیونٹیاں نکلیں اور تمام وادی میں پھیل گئیں۔ مجھے ان کے فرشتے ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔ ان کا اترنا تھا کہ دشمن کو شکست ہو گئی۔ (لم اشک انھا الملائکہ ولم یکن الا ھزیمہ القوم)

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۵۸، ابن ہشام جلد ۲ ص ۴۴۴-۴۴۵، مسلم جلد ۲ ص ۱۰۰)

جب جنگ اپنے پورے زور پر تھی تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے نظر اٹھا کر میدان جنگ کی طرف

Marfat.com

دیکھا تو فرمایا: اب چولہا گرم ہو گیا ہے۔ آپ نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر "شاھت الوجوہ" (چہرے بگڑ جائیں) کہتے ہوئے دشمن کے لشکر کی طرف پھینکی۔ یہ مٹھی بھر مٹی کچھ اس طرح سے پھیلی کہ دشمن کے ہر شخص کی آنکھوں میں پڑی جس نے اسے راہ فرار پر مجبور کر دیا، کیونکہ اس سے ان کی ہمت ٹوٹتی چلی گئی۔ چنانچہ پورا لشکر چند لمحوں میں کائی کی طرح چھٹ گیا اور دشمن کو شکست فاش ہوئی۔ (مسلم باب غزوہ حنین) ثقیف کی ایک شاخ (بنو مالک) کے جوان جم کر لڑے لیکن اپنے ستر آدمی بھینٹ چڑھا بیٹھے۔ جب ان کا علم بردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔

بھاگے ایک طرف نہیں بلکہ جس طرف راہ ملی انہوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ بھاگنے والوں کی کچھ بٹالین نخلہ کی طرف بھاگیں اور ایک گروہ نے طائف کا رخ کیا۔ درید بن صمہ کئی ہزار کی جمعیت کے ساتھ وادی اوطاس میں ٹھہرا۔ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابو عامر اشعریؓ کی قیادت میں ایک جماعت کو ان کے تعاقب میں اوطاس کی طرف روانہ فرمایا۔ سیدنا ابو عامرؓ تو شہید ہو گئے لیکن ان کے چچازاد بھائی سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے آگے بڑھ کر حملہ کیا اور دشمن کو قتل کر کے جھنڈا اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ جھنڈے کا زمین پر گرنا تھا کہ غنیم کی پوری جمعیت فرار ہو گئی۔ مالک بن عوف جو پوری فوج کا سپریم کمانڈر تھا، کئی ہزار سپاہیوں کے ساتھ طائف پہنچا اور وہاں قلعہ بند ہو گیا۔ مسلم شہ سواروں کی ایک اور جماعت نخلہ کی طرف فرار ہونے والے مشرکین کے تعاقب میں گئی اور وہاں انہیں مزید شکست دی۔ درید بن صمہ پکڑا گیا اور ربیعہ بن رفیع کے ہاتھوں قتل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ابو عامر اشعریؓ کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا: "اللھم اغفر لابی عامر واجعلہ من اعلی امتی فی الجنہ۔" آپؐ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کے لیے بھی دعا فرمائی۔

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۵۹، ابن ہشام جلد ۲ ص ۴۴۹، فتح الباری جلد ۸ ص ۳۴)

دشمن تو شکست کھا کر بھاگ گیا لیکن وہ مال مویشی جو اپنے ساتھ لائے، وہ آپ کی پیشین گوئی کے مطابق مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

قیدی چھ ہزار، اونٹ چوبیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار سے بھی زیادہ، چاندی چار ہزار اوقیہ (یعنی چھ کوئنٹل سے چند کلو کم۔) یہ سب مال اکٹھا کر کے سیدنا مسعود بن عمرہ غفاریؓ کی نگرانی میں جعرانہ بھیج دیا اور تاکید کی کہ جب تک میں طائف سے فارغ ہو کر نہ آجاؤں اس کو تقسیم نہ کیا جائے۔

قیدیوں میں آپ کی رضاعی بہن اور حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیماء بنت حارث سعدیہ بھی تھیں۔ جب انہیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔ آپ نے اسے ایک علامت سے پہچان لیا۔ آپ نے ان کی بڑی عزت افزائی کی، اپنی چادر مبارک بچھا کر اسے بٹھایا اور احسان فرماتے ہوئے انہیں ان کی قوم میں واپس کر دیا، وہ مسلمان ہو گئیں، آپ نے چلتے وقت انہیں کچھ اونٹ اور

Marfat.com

بکریاں اور تین غلام اور ایک لونڈی عطا فرمائی۔(اصابہ جلد ۴ ص ۳۴۴)

غزوہ طائف

یہ غزوہ دراصل غزوہ حنین کی ایک فرع ہے، کیونکہ ثقیف اور ہوازن کے کئی ہزار شکست خوردہ افراد اپنے سپریم کمانڈر مالک بن عوف نصری کے ساتھ بھاگ کر طائف آئے تھے اور یہیں قلعہ بند ہو گئے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حنین سے فارغ ہو کر طائف کا ارادہ فرمایا، طائف روانہ ہونے سے پہلے آپؐ نے ایک تو سیدنا طفیل بن عمرو دوسیؓ کو چند مہاجرین کے ساتھ ایک چوبی بت ذوا لکفین کو جلانے کے لیے روانہ فرمایا جو اس کو جلا کر آپ کے طائف پہنچنے کے چار روز بعد آپ کی خدمت میں پہنچ گئے اور ایک دبابہ اور منجنیق ساتھ لائے۔(زرقانی جلد ۳ ص ۲۸) اور دوسرے سیدنا خالد بن ولیدؓ کی کمان میں ایک ہزار افراد پر مشتمل ہراول دستہ طائف کی طرف روانہ فرمایا۔ پھر آپؐ نے خود طائف کا رخ فرمایا۔ راستہ میں نخلہ یمانیہ، قرن منازل اور لیہ سے گزرتے ہوئے آپ طائف پہنچے۔ لیہ میں مالک بن عوف کے ایک قلعہ کو منہدم کروایا۔ طائف پہنچ کر آپ قلعہ کے قریب خیمہ زن ہو گئے اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔(عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۰۷، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۸)

رسول اللہ ﷺ کے طائف پہنچنے سے پہلے بنو ہوازن کا سپریم کمانڈر مالک بن عوف نصری اپنی شکست خوردہ فوج کے ساتھ طائف کے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا۔ اس نے قلعہ بند ہونے سے پہلے کئی سال کا سامان خورد و نوش فراہم کر لیا تھا۔ یہ وہی طائف تھا جہاں ہجرت سے قبل سرکارِ دو عالم ﷺ جب تشریف لے گئے تھے تو یہاں کے مغرور اور متکبر رئیسوں نے آپ کی بات تک نہ سنی تھی۔ قبیلہ ثقیف یہاں آباد تھا جو نہ صرف مرفہ حال تھا بلکہ بہادری میں بھی اپنی مثال آپ تھا۔ یہ اپنے آپ کو قریش کا ہم پلہ اور پورے عرب کی ناک سمجھتا تھا۔ طائف کا مضبوط قلعہ پہاڑ پر ہونے کی وجہ سے ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا، اور ایک مضبوط فصیل بھی شہر کو اپنے گھیرے میں لے کر اس کی حفاظت و نگہبانی کے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ مالک بن عوف نصری حنین میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست فاش کھا کر اس قلعہ اور شہر پناہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں آ کر قلعہ بند ہو گیا تھا۔ طائف کا یہ علاقہ زرخیز ہونے کی وجہ سے بے پناہ سامان خورد و نوش اور غلہ وغیرہ اپنے دامن میں رکھتا تھا۔ چنانچہ کئی سال کا سامان خورد و نوش قلعہ بند فوجیوں نے قلعہ میں فراہم کر لیا ہوا تھا تاکہ اگر محاصرہ طول پکڑے تو اندرون قلعہ غلہ کی قلت محسوس نہ ہو اور محاصرین محاصرہ کی طوالت سے تنگ آ کر چلے جائیں۔

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا۔ بعض روایات میں بیس دن، پندرہ دن، اٹھارہ دن، اور دس دن کی مدت بھی مذکور ہے۔(فتح الباری جلد ۸ ص ۴۵)

Marfat.com

مسلمانوں نے جب قلعہ کا محاصرہ کیا تو ان پر اندر سے نہایت شدت کے ساتھ تیر اندازی کی گئی جس سے متعدد مسلمان زخمی اور بارہ کے قریب شہید ہوئے اور انہیں اپنا کیمپ اس جگہ سے دور لے جانا پڑا۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ نے انہیں دست بدست مقابلہ کے لیے بلایا لیکن انہوں نے کہا کہ ہمیں قلعہ سے نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب ہمارا سارا سامان رسد ختم ہو جائے گا تب ہم اترنے کے لیے سوچیں گے۔ اب صرف ایک ہی صورت تھی کہ منجنیق کے ذریعہ ان پر گولے پھینکے جائیں اور قلعہ کی دیواروں کو اس طریقہ سے توڑا جائے تاکہ وہ باہر نکلنے پر مجبور ہوں۔ چنانچہ منجنیق نصب کی گئی۔[1]

اس نے گولے پھینک کر قلعہ کی دیواروں میں شگاف بھی ڈالے اور مسلمانوں کی ایک جماعت دبابہ میں بیٹھ کر آگ لگانے کے لیے دیوار قلعہ تک پہنچ گئی، لیکن دشمن نے ان پر لوہے کی گرم سلاخیں پھینکیں جس سے ان کو واپس آنا پڑا، کچھ مجاہدین اس مہم میں شہید بھی ہوئے۔

(سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۱۳۳، عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۰۷، طبقات جلد ۲ ص ۱۵۹)

اب ایک صورت ان کو شکست دینے یا گفتگو پر آمادہ کرنے کی یہ تھی کہ ان کو مالی نقصان پہنچایا جائے تاکہ وہ اپنے مال کی حفاظت کے لیے قلعہ سے نکلیں۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے حکم فرمایا کہ ان کے باغات کاٹ دیئے جائیں لیکن اہلِ طائف جیسے ہوشیار تھے ویسے ہی رسول اللہ ﷺ کے مزاج شناس بھی تھے۔ انہوں نے اللہ کا اور قریش سے اپنی قرابت اور رشتہ داری کا واسطہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس واسطہ کا احترام کرتے ہوئے یہ حکم واپس لے لیا۔

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۰۷، طبقات جلد ۲ ص ۱۵۹)

اب ایک اور تدبیر اختیار کی گئی کہ دیوار قلعہ کے قریب یہ آوازہ لگوایا گیا کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آ جائے گا وہ آزاد ہے۔ اس اعلان پر تیس آدمی قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کے لشکر میں آ شامل ہوئے۔ (بخاری ص ۶۲۰) انہیں میں سے ایک حارث بن کلاہ بھی تھے جو ایک چرخی کے ذریعے لٹک کر نیچے اتر آئے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ (چرخی کو عربی زبان میں بکرہ کہتے ہیں۔ اس لیے سرکارِ

---

[1] سرکارِ دو عالم ﷺ کے منجنیق استعمال کرنے سے پتہ چلا کہ جنگ میں جدید آلات کا استعمال کرنا سنت نبوی ہے۔ اس سے قبل مسلمانوں نے کبھی جنگ میں منجنیق کا استعمال نہیں کیا تھا۔ کتانی نے لکھا ہے کہ:

"سب سے پہلے منجنیق کو رسول اللہ ﷺ نے استعمال فرمایا طائف والوں پر۔ اس کی صورت یوں ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہ دبابے میں داخل ہو کر طائف کی فصیل تک پہنچے تاکہ اس کے دروازے کو آگ لگا دیں۔" (الکتانی ص ۳۷۵)

طبقات ابن سعد وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جوش نامی شہر دبابات اور منجنیق و عرادات کی صنعت میں بہت مشہور تھا۔ سیدنا عروہ بن مسعود ثقفیؓ اور محمود بن غیلانؓ نے جوش جا کر ان آلات کو بنانے کا طریقہ سیکھا تھا۔ (طبقات جلد ۲ ص ۲۲۱) اور جوش کا شہر بعض کے نزدیک یمن میں تھا اور بعض کے نزدیک شرق اردن میں۔

Marfat.com

مدینہ ﷺ نے ان کی کنیت ابو بکرہ رکھ دی۔ اصل نام حارث تھا) رسول اللہ ﷺ نے ان سب غلاموں کو آزاد قرار دے دیا اور ہر ایک کو ایک ایک مسلمان کے حوالے کر دیا کہ اسے سامان بہم پہنچائے۔ یہ حادثہ اہلِ قلعہ کے لیے بڑا جانکاہ تھا اور وہ پریشان ہو گئے۔

اسی اثناء میں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ دودھ کا پیالہ آپ کے سامنے ہے اور مرغ نے اس میں چونچ ماردی جس سے وہ دودھ گر گیا۔ آپ نے یہ خواب سیدنا صدیق اکبرؓ سے بیان فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ غالباً یہ قلعہ ابھی فتح نہیں ہوگا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۵۰)

جب محاصرہ طویل ہو گیا اور قلعہ قابو میں آتا نظر نہ آیا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے نوفل بن معاویہ دیلمیؓ کو بلا کر دریافت کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ (نوفل بن معاویہ دیلمی ایک تجربہ کار صاحب الرائے شخص تھے۔ ساٹھ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے اور بعد میں بھی ساٹھ سال کی عمر پائی اور یزید بن معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہ) سیدنا نوفلؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لومڑی اپنے بھٹ میں ہے۔ اگر آپ ڈٹے رہے تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ کر چلے گئے تب بھی کوئی اندیشہ نہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۳۵۰) لومڑی کو پکڑنے کی کوشش میں مدت صرف کرنا اور محاصرہ کو طول دینا کسی کشور کشا فاتح کا کام تو ہو سکتا ہے لیکن خاتم الانبیاء جو دلوں کو فتح کرنے کے لیے آئے تھے وہ اتنا وقت نہیں دے سکتے تھے۔ دوسرے ان پر حملہ کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ اہلِ طائف کے حوصلے پست اور ہمتیں ٹوٹ چکیں تھیں، لہٰذا آپ نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم فرما دیا۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۳۳، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۷۲)

روایت میں ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ پر آپ کا یہ حکم گراں گزرا کہ انشاء اللہ ہم کل واپس ہوں گے۔ ان کا خیال تھا کہ بغیر طائف فتح کیے ہم واپس نہ ہوں۔ آپ کو جب ان جذبات کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ اچھا کل صبح جنگ پر چلنا۔ چنانچہ دوسرے روز جب صحابہ جنگ پر گئے تو سوائے زخموں کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس کے بعد آپؐ نے پھر فرمایا کہ انشاء اللہ ہم کل واپس ہوں گے، اب لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اور محاصرہ ختم کر کے وہ واپس چل دیئے ان کے واپس چل دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۷۲)

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ اس وقت بعض صحابہ کرامؓ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ان کے لیے بددعا کر دیجئے، لیکن رحمت عالم ﷺ کے ہاں بددعا تو تھی ہی نہیں۔ انہوں نے تو اہلِ طائف کے لیے اس وقت بددعا نہ کی تھی جب انہوں نے آپ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا تھا۔ آپ نے اس وقت یہی فرمایا تھا۔

"الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر۔"

Marfat.com

اب بھی آپ نے بد دعا کے بجائے دعا فرمائی:

اللھم اھد ثقیفا وایت بھم۔(طبقات، جلد ۲ ص ۲۰۲)

"اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں لے آ۔"

آپ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ چنانچہ طائف کے رئیس اعظم عروہ بن مسعود ثقفی لشکر اسلام کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ ابھی مدینہ طیبہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ اس کے بعد ثقیف کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چند روز قیام کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ مالک بن عوف نصری سپریم کمانڈر بنو ہوازن بھی ایک جماعت لے کر مدینہ حاضر ہوا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

طائف کے محاصرہ سے فارغ ہو کر آپ ۵ ذی قعدہ سنہ ۸ھ میں جعرانہ تشریف لائے۔ یہاں تمام مال غنیمت محفوظ تھا۔ آپ یہاں دس بارہ روز ٹھہرے۔ اس تاخیر کا مقصد یہ تھا کہ شاید ہوازن کا وفد تائب ہو کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جائے اور اس نے جو کھویا ہے سب لے جائے، لیکن جب وہ نہ آئے تو آپ نے مال کی تقسیم شروع کر دی۔ اس مال غنیمت میں سے خمس نکال کر قاعدہ کے مطابق بقیہ چار حصے مجاہدین اسلام میں تقسیم فرمائے۔ ہر ایک مجاہد کے حصہ میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں آئیں۔ جن مجاہدین کے پاس گھوڑے تھے ان کو دو دو حصے مزید دیئے گئے۔ اس طرح ان کے حصہ میں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں آئیں۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۱۳۵) ایک خمس جو آپ کے پاس رہ گیا اور جس کی تقسیم آپ کی صوابدید پر تھی، اس میں سے آپ نے رؤسا قریش اور سرداران قبائل کو بڑی فراخ حوصلگی سے بڑے بڑے انعامات عطا فرمائے کیونکہ وہ بڑی حرص سے جھانک رہے تھے۔ رئیس اعظم قریش ابو سفیان بن حرب کو کچھ کم چھ کلو چاندی اور ایک سو اونٹ عطا فرمائے۔ اتنا ہی اس کے بیٹے یزید بن ابی سفیان کو اور معاویہ بن ابی سفیان کو دیا۔ گویا اس خاندان کو قریباً ۱۸ کلو چاندی اور تین سو اونٹ مرحمت فرمائے۔ حکیم بن حزام کو ایک سو اونٹ دیئے۔ اس نے مزید سوال کیا تو سو اونٹ اور دے دیئے۔ صفوان بن امیہ کو تین سو اونٹ دیئے۔ (الشفا قاضی عیاض جلد ۱ ص ۸۶)

قیس بن عدی، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبد العزیٰ، اقرع بن حابس، عینیہ بن حصین، حارث بن کلاہ کو سو سو اونٹ دیئے۔ علاوہ ازیں کچھ اور قریشی اور غیر قریشی رؤسا کو سو سو اونٹ دیئے۔ کچھ لوگوں کو پچاس پچاس اور کچھ کو چالیس چالیس اونٹ مرحمت فرمائے۔ یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ محمد ﷺ اس قدر بے دریغ بخشتے ہیں کہ انہیں فقر کا اندیشہ ہی نہیں۔ جو اعرابی (بدو) موجود تھے، ان کو بھی

عطیات دیئے' لیکن وہ مزید کا مطالبہ کرنے لگے۔ انہوں نے آپ کو سب طرف سے گھیر لیا یہاں تک آپ پیچھے ہٹتے ہٹتے ایک درخت کے تنہ سے جا لگے۔ ان بدوؤں نے آپ کی چادر بھی چھین لی۔ آپ نے فرمایا: لوگو! میری چادر دے دو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کے برابر بھی اونٹ ہوں تو میں وہ بھی آپ لوگوں کو تقسیم کر دوں۔ آپ مجھے نہ کبھی بخیل پائیں گے اور نہ سخت مزاج۔ مگر اس وقت جو کچھ موجود تھا' وہ تقسیم ہو چکا' اب میرے پاس کچھ باقی نہیں۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۱۳۵' بخاری جلد ۲ ص ۶۲۰' عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۶۰' طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۲۔۱۵۳' فتح الباری جلد ۸ ص ۳۸' زرقانی جلد ۳ ص ۳۶)

جب آپ یہ مال تقسیم کر چکے اور ان میں سے زیادہ مال آپ نے اہلِ مکہ کو دیا جو جدید الاسلام تھے اور چند روز پہلے تک مسلمانوں کے بدترین مخالفوں میں سے تھے تو کچھ انصاری نوجوانوں میں چہ مگوئیاں ہوئیں۔ کسی نے کہا رسول اللہ ﷺ نے قریش کو انعامات دیئے اور ہمیں محروم رکھا' حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک خون قریش کے قطرات ٹپک رہے ہیں۔ کسی نے کہا کہ مشکلات میں ہم اور انعام دوسروں کو۔ ایک کہنے والے نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قوم سے جا ملے ہیں۔ سیدنا سعد بن عبادہؓ رئیس انصار حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے اس مال میں سے ہمیں جو کچھ دیا ہے اس پر انصار کے کچھ لوگ آپ پر پیچ و تاب کھا رہے ہیں کہ آپ نے اسے اپنی قوم میں تقسیم فرمایا۔ قبائل عرب کو بڑے بڑے عطیے دیئے' لیکن انصار کو کچھ نہ دیا۔ آپ نے فرمایا: سعد! اس بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ! میں بھی تو اپنی قوم ہی کا ایک آدمی ہوں۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں صرف حضرات انصار ہی جمع تھے۔ کچھ مہاجرین بھی آ گئے تو انہیں بھی اس خیمہ میں داخل ہونے دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا:

"اے گروہ انصار! آپ حضرات نے یہ کیا چہ میگوئی کی؟ دلوں میں کوئی گرہ تو نہیں پڑ گئی۔ کیا آپ لوگ بھول گئے کہ آپ راہ ہدایت سے ناآشنا تھے اور میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیدھی راہ پر چلایا۔ میرے ہی صدقے میں تمہاری ناداری تونگری میں متبدل ہوئی۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے تھے اور اللہ تعالیٰ نے میری برکت سے آپ لوگوں کو ایک دوسرے کا ہمدرد بنا دیا۔"

انصار نے اس کے جواب میں عرض کیا: بے شک اللہ اور اس کے رسول کے ہم پر بڑے احسانات ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

"انصار کے لوگو! مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ انصار نے عرض کیا! یا رسول اللہ! ہمارا کیا منہ جو آپ پر اپنا کوئی احسان جتائیں جب کہ اللہ اور اس کے رسول کے احسانات کے بار دوش سے ہم

Marfat.com

سبکدوش نہیں ہو سکتے۔"

آپ نے فرمایا: تم بھی تو یہ کہہ سکتے ہو اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ:

"لوگ آپ کی تکذیب کرتے تھے اور آپ ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ اوروں نے آپ کو ستایا ہم نے آپ کی حمایت کی۔ آپ کے ہم وطنوں نے آپ کو جلاوطن کیا اور ہم نے آپ کے لیے اپنے دروازے کھول دیئے۔ آپ ہمارے ہاں بے یارو مددگار تشریف لائے اور ہم نے اپنی آنکھیں آپ کے قدموں تلے بچھادیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو لیکن:

"اے گروہ انصار! کیا یہ تمہیں پسند نہیں کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم محمد رسول اللہ ﷺ کو لے کر گھر لوٹو۔ اے انصار! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ لوگ کسی وادی میں جائیں میں انصار کی وادی ہی میں رہوں گا۔ انصار میرا پیرہن ہیں۔ (میرا پوست) دوسرے لوگ عبا ہیں (جو کرتے کے اوپر بدن سے الگ رہتا ہے) اے اللہ! انصار اور ان کی اولاد اور احفاد پر رحم فرمائیو۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ واردات جس رقت اور دل سوزی کے ساتھ بیان فرمائے اس کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ حضرات انصار بے اختیار چیخ اٹھے اور یک زبان بول اٹھے: ہم کو صرف محمد رسول اللہ ﷺ درکار ہیں۔ (رضینا برسول اللہ قسما وحظا) بہت سوں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں۔ پھر آپ نے حضرات انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں میں نے انہیں جو کچھ دیا وہ حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیف قلب اور مانوس کرنے کی خاطر دیا۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۲۰، عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۱۶، ابن ہشام جلد ۲ ص ۴۹۹-۵۰۰)

بنو ہوازن کے وفد کی آمد

تقسیم غنائم کے بعد ہوازن کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں نو آدمی تھے۔ یہ اسلام سے مشرف ہوا۔ ان میں آپ کا رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا۔ وفد نے مال و سامان اور قیدیوں کی واپسی کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہوں نے اس انداز سے بات کی جو قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جائے اور رقت پیدا کرے۔ اسی قبیلہ کے خطیب زہیر بن صرد کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے جنہیں قید فرمایا ہے، ان میں آپ کی مائیں اور بہنیں ہیں اور پھوپھیاں اور خالائیں ہیں، جنہوں نے آپ کو گود میں کھلایا تھا اور یہ ان کی کتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ انہوں نے آپ کو گود میں کھلایا۔ ایسے خوش نصیب آج کیسے محروم ہو سکتے

Marfat.com

ہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"سچی بات بہت پیاری ہوتی ہے اور مجھے سچی بات بہت محبوب ہے۔ میں آپ صاحبان کا انتظار کرتا رہا۔ آپ کی طرف سے مایوس ہو کر میں نے مال غنیمت تقسیم کر دیا اور قیدی بھی تقسیم کر دیئے۔ اب یہ نہ میرے پاس رہے ہیں اور نہ میرے اختیار میں کہ میں حکم کر کے سب کو واپس کرادوں۔ اب آپ دو میں سے ایک بات منظور کر لیجئے۔ تم مال واپس لینا چاہتے ہو یا قیدی جو غلام بن چکے ہیں ان کو واپس لینا چاہتے ہو؟"

وفد کے ارکان نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں۔ ہم اپنے قیدیوں کو واپس لینا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم لوگ اٹھ کر کہنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو مومنین کی جانب سفارشی بناتے ہیں اور مومنین کو رسول اللہ ﷺ کی جانب سفارشی بناتے ہیں کہ آپ ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔ چنانچہ جب آپ نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں نے یہی کہا۔ جواب میں آپ نے مسلمانوں سے یوں فرمایا:

"تمہارے یہ بھائی اہلِ ہوازن تائب ہو کر آئے ہیں۔ میں نے ان سے طے کر لیا ہے کہ ان کو صرف ان کے قیدی واپس مل سکیں گے لہٰذا ان کو ان کے اہل و عیال واپس کرنے ہیں۔ (جو قیدی تھے اور تقسیم کے بعد آپ صاحبان کی ملکیت ہو چکے ہیں) اب جو صاحب خوشی سے واپس کر دیں تو بہت بہتر ہے، لیکن جو اس کا عوض لینا چاہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ جیسے ہی آئندہ ایسا موقع ہوگا کہ ہمارے قبضہ میں غلام آئیں تو ان کا عوض چکا دیا جائے گا۔ چنانچہ میں اپنا اور بنو عبدالمطلب کا حصہ تمہیں دیتا ہوں۔"

آپ کی اس اپیل پر مجمع سے آواز بلند ہوئی۔ "قد طیبنا ذالک یا رسول اللہ" ہم اس کے لیے بڑی خوشی سے تیار ہیں یعنی بلا شرط ان قیدیوں کو جو اب ہمارے غلام ہیں آزاد کر دیں تاکہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ چلے جائیں۔ (اس سے اسلام میں انفرادی ملکیت کا احترام بھی ثابت ہوتا ہے اسی وجہ سے کسی امیر یا خلیفہ کو اسلام میں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسا آرڈیننس جاری کرے جس سے انفرادی ملکیت ختم ہوتی ہو۔ نیشنلائزیشن کا بھی اسلام میں کوئی جواز نہیں ہے۔)

بعض روایات میں ہے کہ جب مہاجرین و انصار نے آپ کی اس اپیل پر اٹھ کر کہا کہ جو کچھ ہمارا ہے وہ سب رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ اس کے بعد اقرع بن حابس نے کہا: لیکن جو کچھ میرا اور بنو تمیم کا ہے وہ آپ کے لیے نہیں۔ عیینہ بن حصن نے کہا جو کچھ میرا اور بنو فزارہ کا ہے وہ بھی آپ کے لیے نہیں۔ عباس بن مرداس نے کہا: جو کچھ میرا اور بنو سلیم کا ہے وہ بھی آپ کے لیے نہیں۔ اس پر بنو سلیم نے کہا: نہیں! جو کچھ ہمارا ہے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔ عباس بن مرداس نے کہا: "تم لوگوں

Marfat.com

نے میری توہین کردی۔" (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۶۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپ لوگوں کے اس اجتماعی جواب سے ہر ایک کے دل کی بات معلوم نہیں ہوئی، کیا واقعی ہر ایک شخص بلا تکلف خوش دلی سے اور بلا شرط و معاوضہ غلاموں کو آزاد کر رہا ہے یا دل سے راضی نہیں ہے اور محض دوسرے لوگوں کے لحاظ سے یہ جواب دے رہا ہے، لہٰذا آپ لوگ جائیں۔ اب ہر ایک جماعت اور قبیلہ کے عریف (چوہدری، مکھیا) کا یہ کام ہے کہ وہ فرداً فرداً ہر شخص کی آزادانہ رائے معلوم کرے۔ پھر وہ میرے پاس آکر رپورٹ پیش کرے کہ ہر شخص بخوشی تیار ہے اور بلا شرط اپنے غلام کو آزاد کر رہا ہے۔ اس تحقیق و تفتیش کے بعد آپ نے ان چھ ہزار قیدیوں کو آزاد کر کے واپس فرمادیا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۳۰۹، ۳۴۵)

ان سب لوگوں میں صرف عینیہ بن حصن رہ گیا جس کے حصہ میں ایک بڑھیا آئی تھی، اس نے اسے واپس کرنے سے انکار کردیا، لیکن آخر میں اس نے بھی واپس کردیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سارے قیدیوں کو ایک ایک قبطی چادر مرحمت فرما کر واپس کردیا۔

رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر ۱۸ ذی قعدہ کو رات کے وقت جعرانہ سے مکہ مکرمہ عمرہ کے ارادہ سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے۔ وہاں عمرہ کی ادائیگی کے بعد سیدنا عتاب بن اسید ؓ کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ سیدنا معاذ بن جبل ؓ کو تعلیم دین کے لیے ان کے پاس چھوڑا اور دو ماہ سولہ روز کے بعد ۲۷ ذی قعدہ سنہ ۸ھ کو آپ اپنے قدوسی نفس صحابہ کرام ؓ کے ساتھ واپس مدینہ طیبہ پہنچے۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۴۱)

فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ کیونکہ قبائل عرب فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اگر محمد ﷺ مکہ اور اہلِ مکہ پر غالب آگئے تو آپ سچے پیغمبر ہیں۔ چنانچہ سنہ ۸ھ میں جونہی مکہ فتح ہوا، آپ کی نبوت کی صداقت لوگوں کے قلوب میں بیٹھ گئی اور وہ جوق در جوق اور فوج در فوج حلقہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی تمام جزیرۃ العرب اسلامی قلمرو میں داخل ہوگیا۔ اب ضرورت تھی کہ وہاں کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی جائے۔ چنانچہ آپ نے اس مقصد کے لیے مختلف علاقوں میں حاکم اور والی مقرر فرمائے۔

باذان جو کہ پہلے کسریٰ کی طرف سے یمن کا والی تھا، کسریٰ کے ہلاک ہونے کے بعد وہ مسلمان ہوگیا۔ چنانچہ آپ نے اس کو بدستور وہاں حاکم قائم رکھا۔ علاوہ ازیں حضرموت کے علاقہ میں سیدنا زیاد بن لبید انصاری ؓ کو اور زبید اور عدن کے علاقہ میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری ؓ، نجران کے علاقہ میں سیدنا ابو سفیان بن حرب ؓ کو، تیماء کے علاقہ میں یزید بن ابی سفیان ؓ کو والی مقرر فرمایا۔ سیدنا عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ میں والی بنایا اور سیدنا علی ؓ کو یمن کے علاقہ میں قاضی بنا کر بھیجا۔

Marfat.com

واقعات متفرقہ

۱- ذی الحجہ سنہ ۸ھ میں رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیمؓ سیدہ ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے اس صاحبزادے کا نام اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا۔ ساتویں روز عقیقہ کے دو مینڈھے ذبح کیے اور صاحبزادے کے سر کے بال اتارنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ابو ہند البیاضیؓ نے جو بنو بیاض کے موالی میں سے تھے، ان کا حلق کیا اور آپؐ نے بالوں کے وزن کے برابر چاندی مساکین میں صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اور بال دفن کرا دیئے۔ دایہ کے فرائض حضرۃ سلمیٰؓ نے انجام دیئے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی لونڈی اور آپ کے آزاد کردہ غلام ابو رافعؓ کی اہلیہ تھیں۔ سیدنا ابراہیمؓ کو دودھ پلانے کے لیے امِ بردہ بنت المنذر بن زید انصاریؓ کے حوالہ کیا گیا کہ وہ انہیں دودھ پلائیں۔ یہ ایک لوہار کی بیوی تھیں۔ ان کے چھوٹے سے گھر میں اکثر بھٹی کا دھواں رہتا۔ آپ اپنے اس صاحبزادے کو دیکھنے کے لیے اس لوہار کے گھر میں جاتے، وہاں دھواں آپ کی آنکھ اور ناک میں گھستا رہتا اور آپ انتہائی نازک مزاج ہونے کے باوجود اس کو برداشت کرتے۔

۲- اسی سال کے آغاز میں آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدنا زینب سلام اللہ علیہا کا انتقال ہوا۔ ان کا سن ولادت سنہ ۳۰ میلاد النبی ﷺ ہے، یعنی نبوت سے دس سال قبل۔

Marfat.com

سنہ ۹ھ

عمال کی روانگی

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ آپؐ غزوہ طائف سے فراغت کے بعد ذی قعدہ سنہ ۸ھ میں مدینہ واپس تشریف لائے۔ ایک مہینہ آپ نے مدینہ میں آرام سے گزارا۔ اس دوران آپ نے مختلف علاقوں میں لوگوں کو دین کی دعوت کے لیے بھیجا۔ کچھ وفود کا استقبال فرمایا۔ جونہی سنہ ۹ھ کا ہلال مطلع مغرب پر طلوع ہوا آپ نے مختلف قبائل کی طرف اپنے عمال کو صدقات وزکوۃ کی وصولی کے لیے روانہ فرمایا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

نمبر شمار	عامل کا نام	قبیلہ جس کی طرف بھیجا گیا
۱۔	عینیہ بن حصن فزاریؓ	بنو تمیم
۲۔	بریدہ بن الحصیبؓ	اسلم وغفار
۳۔	عباد بن بشر اشہلیؓ	سلیم ومزینہ
۴۔	رافع بن مکیثؓ	جہنیہ
۵۔	عمرو بن العاصؓ	بنو فزارہ
۶۔	ضحاک بن سفیان کلابیؓ	بنو کلاب
۷۔	بشر بن سفیان کعبیؓ	بنو کعب
۸۔	ابن اللتبیہ ازدیؓ	بنو ذبیان
۹۔	مہاجر بن ابی امیہؓ	صنعاء
۱۰۔	زیاد بن لبیدؓ	حضر موت

۱۲۔	عدی بن حاتمؓ	طی اور بنو اسد
۱۳۔	مالک بن نویرہ	بنو حنظلہ
۱۴۔	علاء بن حضرمیؓ	بحرین
۱۵۔	علی بن ابی طالبؓ	نجران

(طبقات جلد ۲ ص ۱۱۵، زاد المعاد جلد ۲ ص ۲۰۱)

یہ سارے عمال محرم سنہ ۹ھ میں روانہ نہیں کردیئے گئے بلکہ بعض کو خاصی تاخیر کے بعد روانہ کیا گیا۔ اس عرصہ میں (محرم، صفر اور ربیع الاول میں) آپ نے چھوٹے چھوٹے سرایا روانہ فرمائے۔ جن کے قائدین اپنے اپنے مقصد میں کامیاب واپس لوٹے۔

سریہ علی بن ابی طالبؓ

ربیع الاول سنہ ۹ھ میں آپؐ نے سیدنا علی ابن ابی طالبؓ کو ڈیڑھ سو یا دو سو آدمیوں کی معیت میں قبیلہ طے کے ایک بت کو ڈھانے کے لیے روانہ فرمایا جس کا نام "فلس" (ف کی پیش اور رلام ساکن) تھا۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ اس سریہ میں ایک سو اونٹ اور پچاس گھوڑے بھی تھے۔ سریہ کا علم سفید رنگ کا تھا۔ اسلامی لشکر نے آخر شب میں حاتم طائی کے محلہ پر دھاوا بول کر بت فلس کو منہدم کر دیا اور قیدیوں اور بھیڑ بکریوں وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ دو تلواریں بھی مسلمانوں کو فلس کے خزانہ سے ہاتھ لگیں جو حارث بن شمر نے چڑھائی تھیں۔ حاتم طائی کے لڑکے عدی بن حاتم تو ملک شام بھاگ گئے البتہ اس کی لڑکی سفانہ قیدی بنا کر مدینہ لائی گئی۔ مال غنیمت تو راستہ میں ہی تقسیم کر لیا گیا البتہ منتخب مال رسول اللہ ﷺ کے لیے علیحدہ کر دیا۔ قیدیوں کو مسجد نبوی کے قریب حظیرہ میں اتار دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ جب ادھر سے گزرے تو حاتم کی بیٹی سفانہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! باپ (حاتم طائی) تو فوت ہو گیا۔ جو ہمارا خبر گیر (عدی بن حاتم) تھا، وہ فرار ہو گیا۔ میں سن رسیدہ ہوں۔ خدمت کرنے کی طاقت نہیں، لہٰذا احسان فرمائیے، اللہ آپ پر احسان کرے گا"۔ یہ ایک رحم کی اپیل تھی جو اس نے کی۔ آپ نے دریافت فرمایا: تیرا خبر گیر کون تھا؟ عرض کی: میرا بھائی عدی بن حاتم۔ ارشاد فرمایا: وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگا ہے؟ پھر آگے بڑھ گئے۔ دوسرے روز جب آپ پھر وہاں سے گزرے تو سفانہ نے پھر وہی بات دہرائی۔ آپ نے اس کی بات کے جواب میں فرمایا: میں تجھ پر احسان کرتا ہوں، لیکن تم جانے میں جلدی مت کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری قوم کا کوئی قابلِ اطمینان اور قابلِ اعتبار شخص مل جائے تو اس کے ساتھ تمہیں واپس بھیج دوں۔ چنانچہ دو تین روز کے بعد بنو طے کے کچھ آدمی شام جانے والے مل گئے، آپؐ نے اسے آزاد کر کے ان کے حوالہ کر دیا۔ اس وقت آپ کے پاس ایک صحابی کھڑے

Marfat.com

تھے۔ انہوں نے کہا: آپ سے سواری کا بھی سوال کرو۔ اس نے سواری کا سوال کیا۔ آپ نے سواری اور کچھ جوڑے دے کر رخصت فرمایا۔ سفانہ آپ کے اس احسان سے بہت خوش ہوئیں، اسی وقت مشرف باسلام ہو گئیں اور ان الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کیا:

"خدا کرے وہ ہاتھ آپ کا ہمیشہ ممنون و شکر گزار رہے جو خوشحالی کے بعد فقیر ہوا ہو اور وہ ہاتھ آپ پر کبھی قابو نہ پائے جو فقیر کے بعد امیر ہوا ہو۔ خدا کرے کہ آپ کا احسان ہمیشہ برموقع ہو اور خدا کرے آپؐ کو کبھی کسی کمینہ سے کوئی ضرورت پیش نہ آئے اور خدا تعالیٰ کسی کریم اور عزت دار آدمی کی نعمت سلب نہ کرے مگر آپ کو اس کی واپسی کا ذریعہ بنائے۔"

سفانہ لوٹ کر اپنے بھائی عدی بن حاتم کے پاس ملک شام گئیں۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہیں سرکارِ دو عالم ﷺ کے بارہ میں تفصیل سے بتایا اور بتایا کہ آپؐ نے وہ کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ تمہارے باپ حاتم بھی اتنا سخی ہونے کے باوجود نہیں کر سکتے تھے۔ عدی جب یہ سب کچھ اپنی بہن کے منہ سے سن چکے تو کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ بہن نے جواب دیا:

"میری رائے تو یہ ہے کہ تم فوری جا کر ان سے ملو۔ اگر وہ نبی ہیں تو ان کی طرف سبقت کرنا باعثِ فضیلت ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو ہمیشہ کے لیے باعثِ عزت ہے اور تو تو، تو ہی ہے۔ (وانت انت)"

عدی نے بہن کی یہ رائے سن کر کہا: خدا کی قسم، رائے تو یہ ہے۔

عدی بن حاتم کسی امان یا تحریر کے بغیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا تعارف کرایا۔ آپ نے ان کی بڑی عزت افزائی کی۔ اپنے گھر لے گئے اور جب وہ سامنے بیٹھے تو آپ نے فرمایا: "عدی! تم کس چیز سے بھاگ رہے ہو؟ کیا لا الہ الا اللہ کہنے سے بھاگ رہے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ، اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ پھر آپ نے کچھ دیر گفتگو فرمائی، اس کے بعد فرمایا: کیا تم اللہ اکبر کہنے سے گھبراتے ہو؟ کیا اللہ سے بڑی کوئی شے ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: سنو! یہود پر اللہ کے غضب کی مار ہے اور عیسائی گمراہ ہیں۔ انہوں نے کہا: میں یک رخا مسلمان ہوں۔ یہ سن کر سرکارِ دو عالم ﷺ کا چہرہ فرط انبساط سے کھل اٹھا۔ اس کے بعد وہ صبح و شام آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہے۔

(زرقانی ج ۳ ص ۵۳، زاد المعاد ج ۲ ص ۲۰۵، ابن ہشام ج ۲ ص ۵۷۸-۵۸۱، الاصابہ ترجمہ عدی)

کعب بن زہیر کا قبولِ اسلام

کعب بن زہیر ایک شاعر تھا اور آپ کی ہجو میں دوسرے شعراء کی طرح مکہ میں آپ کی ہجو کیا کرتا

تھا۔ اس زمانہ میں شعر پریس کا کام دیتے تھے۔ اگر یہ کسی کی ہجو یا مدح میں شعر کہتے تھے تو وہ اشعار اس پورے معاشرہ میں پھیل جاتے تھے اور زبان زد خاص وعام ہو جاتے۔ جب مکہ فتح ہوا تو کعب بن زہیر بھی ان اشتہاری مجرموں میں سے تھا جن کے قتل کا سرکارِ دوعالم ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ کعب بن زہیر اور ان کا بھائی بجیر بن زہیر جان بچا کر مکہ سے بھاگ گئے اور ابرق العزاف (ایک مقام کا نام ہے) میں جا کر ٹھہرے۔ بجیر نے کعب سے کہا: "تم یہاں ٹھہرو، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا کلام سنتا ہوں اور آپ کے دین کے بارہ میں معلومات حاصل کرتا ہوں۔ اگر سچائی دیکھوں گا تو آپ کا اتباع کروں گا ورنہ واپس آجاؤں گا"۔ چنانچہ کعب وہیں رہے اور بجیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ کا کلام سنا تو فوراً مشرف باسلام ہو گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے طائف تشریف لے گئے تو بجیر بن زہیرؓ بھی ساتھ تھے۔ بجیر نے مکہ میں اور طائف وجعرانہ میں بھی دیکھا کہ قریش کے سرغنہ بھی آپؐ کے سامنے سرنگوں ہو گئے تو خالی الفاظ وحروف سے مقابلہ کرنے والوں کی پرسش کیا تھی؟ یہ سماں بجیر نے مکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ چنانچہ جب بجیر رسول اللہ ﷺ کی مشایعت میں طائف سے مکہ واپس تشریف لائے تو انہوں نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کی طرف خط لکھا کہ جو لوگ آپ کی ہجو میں اشعار کہتے تھے ان کی گردنیں ماری جا رہی ہیں اور جو لوگ گرفت سے بچ گئے ہیں وہ ادھر ادھر سر چھپاتے پھر رہے ہیں جیسے ابن الزبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب۔ اگر تجھ کو اپنی جان عزیز ہے تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی نامہ پیش کر دے۔ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو معاف کرنے میں ذرا تامل نہیں کرتے اور اگر تو یہ نہیں کر سکتا تو پھر کسی دور دراز ملک میں نکل جا، جہاں تیری جان بچ جائے۔

بجیر نے کوئی غلط نہیں لکھا تھا بلکہ بالکل صحیح لکھا تھا کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے چار ایسے اشخاص کو قتل کرایا جن میں ایک شاعر بھی تھا جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرنے میں پیش پیش رہتا تھا اور وہ شخص بھی تھا جس نے سیدہ زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ کی تذلیل کی جب وہ اپنے خاوند سیدنا ابو العاصؓ کی اجازت سے مکہ سے ہجرت کے لیے جادہ پیما تھیں۔

بجیر کے اس خط کا کعب بن زہیر پر بھی ایک خاص اثر ہوا کیونکہ "بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔" اور اسی وقت ایک مدحیہ قصیدہ لکھا اور مدینہ روانہ ہو گیا۔ رات کو اپنے ایک دوست کے ہاں پناہ لی اور فجر کی نماز کے بعد آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اجنبی بن کر یہ سوال کیا: یا رسول اللہ ﷺ اگر کعب بن زہیر تائب ہو کر مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہو تو کیا وہ امان کا حقدار ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "ہاں" کعب فوراً بول اٹھا کہ "اے اللہ کے رسول! وہ نابکار میں ہی ہوں، میں آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہوں"۔ جب کعب یہ بات کہہ رہے تھے، اس وقت ایک انصاری بول اٹھے:

Marfat.com

"یارسول اللہ ﷺ اجازت فرمایئے کہ اس کی گردن اس کے تن سے کاٹ کر رکھ دوں"۔ لیکن یہ گردن تو اب اسلام کے دروازے پر جھک گئی تھی اس کو کیسے کاٹا جاسکتا تھا لہٰذا بارگاہ نبوت سے حکم ہوا: چھوڑو یہ تو تائب ہو کر آیا ہے۔ کعب فوری طور پر اٹھے اور آپ کی اعلیٰ وارفع شان میں وہ قصیدہ پڑھا جس کا مطلع ہے ۔

بانت سعاد و قلبی الیوم مبتول
متیم اثرھا لم یفد مکبول

کعب جب اس شعر پر پہنچے:۔

ان الرسول سیف یستضاء بہ مھند من سیوف اللہ مسلول

تو آپ نے اس وقت اپنی ایک یمنی چادر جو اوڑھے ہوئے تھے، اتار کر کعب کو مرحمت فرمادی۔ یہ چادر سیدنا معاویہؓ نے کعب بن زہیرؓ کے وارثان سے بیس ہزار درہم میں خریدی۔ پھر ایک عرصہ تک مختلف خلفاء اسلام کے پاس رہی۔ وہ عیدین میں تبرک کے طور پر اس کو اوڑھا کرتے تھے۔ پھر تاتاریوں کے فتنہ میں یہ ایسی گم ہوئی کہ پتہ نہیں چلا۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۵۴، ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۰۱، ۵۱۵، عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۸۰)

Marfat.com

غزوۂ تبوک

فتح مکہ تک ہر سال قریش مکہ کوئی نہ کوئی ہنگامہ اہلِ اسلام کے خلاف کھڑا کر دیتے تھے، جس سے ان کی ساری توجہ انہی کی طرف منعطف رہتی، لیکن فتح مکہ کے بعد ان کی قوت بالکل ٹوٹ گئی بلکہ تمام صنادید قریش مسلمان ہو کر اسلام کے پشت پناہ بن گئے۔ ان کے مسلمان ہوتے ہی دور دور تک کے قبائل جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے اور جزیرہ نما عرب میں دور دور تک اسلام کا طنطنہ اور دبدبہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا اور اگر کوئی قبیلہ سر اٹھاتا تو سرکارِ دو عالم ﷺ تھوڑی سی فوج اس کی سرکوبی کے لیے بھجوا دیتے۔ جو ان میں سے اپنے کسی سابق دین پر رہنا چاہتا اسے جزیہ اور خراج کا پابند کر کے چھوڑ دیا جاتا اور جو اسلام قبول کر لیتا اسے ادائے زکوٰۃ کا مکلف ہونا پڑتا۔

مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے جب عیسائی دنیا خائف ہونے لگی، ان کے ساتھ اس سے قبل جنگ موتہ میں مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہو چکی تھی، اور اس میں قیصر روم کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ مسلمانوں میں کتنا دم خم ہے، مسلمانوں کی تین ہزار فوج دو لاکھ رومیوں کے مقابلے میں اپنا لوہا منوا چکی تھی۔ مسلمانوں کی اس بہادری اور جوانمردی نے عرب قبائل کو جو قیصر روم کے زیر اثر تھے، بہت متاثر کیا۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کی ہم نوائی اور قیصر روم سے آزادی کے ترانے گانے لگے۔ قیصر روم ان کے ان جذبات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، اس لیے اس مسلمان ریاست کی روز بروز وسعت اور عرب قبائل کی بیداری ایک بہت بڑا خطرہ تھی۔ قیصر روم نے سوچا کہ مسلمانوں کی قوت کو عظیم اور ناقابلِ شکست خطرے کی صورت اختیار کرنے سے پہلے ہی کچھ اس طرح کچل دیا جائے کہ پھر اس کو کبھی سر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ اس نے عیسائیوں اور رومی باشندوں پر مشتمل فوج کی فراہمی شروع کر دی اور ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گیا، لیکن عیسائی خاندان جو رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا، قیصر نے اسی کو اس مہم پر متعین کیا۔

Marfat.com

مدینہ میں غسانیوں کی ان تیاریوں کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔اس وجہ سے مسلمانوں کو حملہ کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ سنہ ۹ھ میں جب سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی ازواج سے ناراض ہو کر ایک مہینہ کے لیے علیحدگی (ایلاء) اختیار کی تھی اور مدینہ میں یہ مشہور ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔اس واقعہ کے بارہ میں جب سیدنا عثمان بن مالک ؓ نے سیدنا عمرؓ کو دفعتاً آکر یہ اطلاع دی کہ "غضب ہو گیا" تو سیدنا عمرؓ نے پوچھا: کیوں کیا خبر ہے؟ کیا غسانی آگئے؟ (بخاری جلد ۲ ص ۷۳۰) سیدنا عمرؓ کے اس جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ میں غسانیوں کے حملہ کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔

بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل شاہ روم کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ محمد (ﷺ) کا انتقال ہو گیا ہے اور عرب میں لوگ قحط اور فاقے سے بھوکے مر رہے ہیں، لہٰذا عرب پر حملہ کرنے کا یہ ایک نہایت مناسب موقع ہے۔چنانچہ ہرقل نے عیسائیوں کی اس استدعا کے جواب میں جنگ کی تیاری شروع کر دی اور اس کے لیے چالیس ہزار رومیوں پر مشتمل لشکر تیار کیا۔

(فتح الباری جلد ۸ ص ۸۵)

اسی زمانے میں اچانک شام کے نبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون فروخت کرنے آئے۔انہوں نے بھی آکر بتایا کہ رومیوں نے شام میں ایک لشکر جرار جمع کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں۔اس فوج میں لخم، جذام، اور غسان کے تمام عرب قبائل بھی شامل ہیں اور اس کا ہراول دستہ بلقاء تک آگیا ہے۔(زرقانی جلد ۳ ص ۶۷، طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۹)

ان اعلانات نے مسلمانوں میں ایک ہلچل پیدا کر دی کیونکہ اس قسم کی خبریں تمام عرب میں پھیل گئی تھیں اور تواتر سے ان خبروں کا آنا اور قرائن کا اس قدر قوی ہونا اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ واقعی غسانی اسلامی مملکت پر جلد از جلد حملہ آور ہونے والے ہیں۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی فوج کو تیاری کا حکم دیا اور اس بات کا تہیہ کر لیا کہ مسیحیت پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے جس سے ان کے منہ پھر جائیں اور پھر کبھی انہیں مسلمانوں کے سامنے آنے کی ہمت اور جرأت نہ ہو۔

لیکن موسم کی وجہ سے صورت حال کی نزاکت میں مزید اضافہ ہو گیا کہ موسم کا یہ حال تھا کہ گویا دوزخ نے منہ کھول رکھا ہے۔دشت و جبل کرۂ نار بنے ہوئے تھے۔بلا کی حبس، قدم قدم پر جان کنی کا خطرہ، دوسرے لوگ تنگی اور قحط سالی کی ابتلاء سے دوچار تھے۔فصلیں اور پھل پکے ہوئے تھے، گھروں میں غلہ نہیں تھا۔ایک عجیب معاشی تنگی کا عالم تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ سے لے کر تبوک تک طویل مسافت جس کے لیے ہمت کے ساتھ زادِ راہ اور پانی کی اشد ضرورت تھی۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے پیشِ نظر یہ سب نزاکتیں تھیں کیونکہ ایک بہترین قائد وہی ہوتا ہے جو

Marfat.com

حالات کے نشیب و فراز کا پورا مطالعہ کر کے کوئی حکم صادر کرے، لہٰذا آپ نہایت ژرف نگاہی سے حالات کی کروٹوں اور زیر و بم کا مطالعہ فرما رہے تھے، لیکن آپ کی ماہرانہ دوراندیشی اور پیش بینی بتا رہی تھی کہ اگر ان فیصلہ کن حالات میں رومیوں سے جنگ کرنے میں سستی سے کام لیا اور رومیوں کو اسلامی مملکت کے علاقوں پر حملہ کرنے کا موقع دیا گیا تو اسلامی دعوت پر اس کے نہایت برے اثرات مرتب ہوں گے اور آٹھ سال کی شبانہ روز جدوجہد اور پیہم تگ و دو سے اسلامی مملکت کی جو ساکھ بنی ہے وہ بالکل ختم ہو جائے گی اور جاہلیت کے بند سوتے پھر پھوٹ پڑیں گے اور غیر اسلامی قوتیں پھر بیدار ہو کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں گی۔ مدینہ کے منافقین جو آج تک ہمارے رعب سے دبے ہوئے ہیں، ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ کیونکہ ان کا موجودہ رئیس ابو عامر فاسق قیصر روم سے رابطہ قائم کیے ہوئے ہے اور وہ اس بات کے انتظار میں ہے کہ باہر سے یہ عیسائی قوت حملہ کرے تو اندر سے ہم بغاوت کر کے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔ یہ ساری باتیں سرکارِ دوعالم ﷺ کے پیش نظر تھیں، اسی وجہ سے دشمن کو بغیر کوئی مہلت دیئے اس کے خلاف پیش قدمی کی پلاننگ کر لی اور حالات کی ظاہری اور باطنی دشواریوں کے باوجود دشمن کی حدود میں گھس کر فیصلہ کن جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔

دشمن کے بارہ میں یہ فیصلہ کرنے کے بعد آپ نے صحابہ کرامؓ کو تیاری کا حکم دیا۔ اس دفعہ آپ نے ہمیشہ سے مختلف انداز میں اعلان فرمایا کہ یہ سفر کس مقام کا ہے ورنہ رسول اللہ ﷺ ایسے موقع پر منزل مقصود کا اخفاء فرماتے تھے تاکہ دشمن کو مسلمانوں کے آنے کی خبر نہ ہونے پائے، لیکن اس مرتبہ جو منزل مقصود کا اظہار فرما دیا اس سے مقصود یہ تھا کہ مسلمان منزل کی طوالت کو ذہن میں رکھ کر تیاری کریں۔ اس کے علاوہ ملک میں چاروں طرف قاصد دوڑا دیئے تاکہ زیادہ سے زیادہ جمعیت اکٹھی ہو جائے اور عیسائیوں پر ایک بھرپور حملہ کیا جا سکے۔

اگرچہ موسم شدید گرمی کا تھا، معاشی حالات نہایت تنگ دستی کے تھے، بے آب و گیاہ صحرا کی طویل مسافتیں طے کرنا تھیں، مسافت دشوار گزار تھی، دشمن ہر لحاظ سے نہایت قوی تھا، اس کی عددی قوت دوسرے تمام دشمنوں سے زیادہ تھی، لیکن مسلمانوں کا اللہ پر ایمان اور اس کے رسول کے ساتھ والہانہ محبت اور دین اسلام سے قلبی لگاؤ نے ان کے جذبہ شوق و محبت میں ایسا تلاطم پیدا کر دیا کہ صحرا اپنی وسعت کے باوجود ان کی کثرت کے سامنے تنگ ہو گیا اور دنیا کی کسی شے کی کشش ان کے دامن دل کو نہ کھینچ سکی اور مسلمان مسلح ہو کر چمکتی ہوئی زرہیں پہنے اس انداز سے نکلے کہ چشم آفتاب نے اتنے اللہ والے اس طرح اللہ کی راہ میں اس سے قبل نکلتے نہیں دیکھے تھے اور ان کے طمطراق کی خبر سن کر غنیم میں مقابلہ کی ہمت نہ رہی، اور دنیا نے دیکھا کہ ایسے بہادروں اور جانبازوں کے سامنے منزل کی صعوبت، گرمی کی شدت، بھوک اور پیاس کی دقت، حالات کی عسرت گرد راہ ہو کر رہ گئی۔ مسلمان پیغمبر اسلام

Marfat.com

ﷺ سے جنگ کی تیاری کا اعلان سن کر اس کی تعمیل کے لیے پروانہ وار مصروف ہو گئے اور پوری تیز رفتاری اور دوڑ دھوپ سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ چاروں طرف سے قبیلے اور برادریاں مدینہ میں اترنا شروع ہو گئیں، لوگوں کا ایک تانتا لگ گیا۔ مدینہ کا شہر، اس کے میدان مجاہدین کی وجہ سے تنگ ہو گئے اور حالت یہ تھی کہ فاقہ مست لوگ آتے اور رسول اللہ ﷺ سے سواری فراہم کرنے کی درخواست کرتے، لیکن جب آپ ان سے سواری کے بارہ میں معذرت کرتے تو وہ اس حالت میں واپس ہو جاتے کہ ان کی آنکھوں سے اس شرکت کی محرومی کی وجہ سے آنسو رواں ہو جاتے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے ان کی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"میں تمہیں سوار کرنے کے لیے کوئی سواری نہیں پاتا تو وہ اس حالت میں واپس ہوتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے کہ وہ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں پا رہے ہیں۔" (توبہ : ۹۲)

مدینہ میں اس وقت ایک منافقین کا گروہ بھی تھا جو ففتھ کالمسٹ کا کردار ادا کر رہا تھا۔ اندرونی طور پر ان کا دشمن سے رابطہ تھا، لیکن مسلمانوں کو بھی وہ ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے نہ جانے کے جواز میں حیلے بہانے شروع کر دیئے۔ یہ گروہ طامع اور حریص تھا۔ جہاد کے نام سے ان کے بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا تھا۔ وہ حیلہ سازی پر اتر آیا۔ باہم سرگوشیاں کرنے لگے کہ اس گرمی میں اتنی طویل مسافت پر جہاد کے لیے جانا! یہ کیا مذاق ہے؟ وہ نہ صرف خود نہ جانے کے لیے بہانے تلاش کرنے لگے بلکہ مخلص مسلمانوں کو بھی بہکانے لگے تاکہ وہ بھی نہ جائیں۔ چنانچہ کہتے "لا تنفروا فی الحر" (توبہ: ۸۱) ایسی گرمی میں گھر سے نہ نکلنا۔

ان منافقوں ہی میں سے بنو سلمہ کا ایک شخص جد بن قیس تھا۔ اس سے جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! "تم بنو اصفر (رومیوں) کے ساتھ جہاد کرنے نہیں چلو گے؟ تو اس نے ایک نہایت بودا جواب دیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اپنے ہمراہ نہ لے جایئے۔ میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کے بارہ میں کس قدر حواس باختہ ہوں، رومیوں کی عورتیں حسن و جمال میں شہرۂ آفاق ہیں، اس لیے انہیں دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکوں گا۔ یہ جواب سن کر پیغمبر اسلام نے اس سے منہ موڑ لیا۔

سویلم ایک یہودی تھا یہ منافقین اس کے گھر میں جمع ہو کر مسلمانوں کو جنگ میں جانے سے روکنے کے لیے تدابیر سوچتے اور مختلف قسم کی مجلسیں (Meetings) کرتے۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ ایک روز آپ کو اطلاع ملی کی سویلم یہودی کے گھر میں کچھ لوگ جمع ہو کر مسلمانوں کو جنگ سے روکنے کی میٹنگ کر رہے ہیں۔ آپ نے اسی وقت سیدنا طلحہ بن عبید اللہؓ کی کمان میں چند مسلمانوں کو بھجوا کر سویلم کے گھر کو آگ لگوا دی۔ آگ کے شعلوں سے گھبرا کر ایک فتنہ جو نے چھت سے چھلانگ لگا دی اور اس کی

Marfat.com

دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں، باقی لوگ بھاگ گئے۔ اس واقعہ کے بعد پھر کسی منافق کو زبان سے ایسی بات نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپؐ کی ایک ہی گرفت نے تمام منافقوں کے حواس باختہ کر دیئے۔

چندہ کی اپیل

لوگ تو جنگ میں جانے کے لیے اکٹھے ہو گئے کیونکہ ہر شخص کو آپ نے موقع کی اہمیت کا احساس دلایا لیکن اس جیش کے لیے مال و اسباب کی فراہمی بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی تحریک پر سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبرؓ نے کل مال جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی، آپ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا: "اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ کر آئے؟" عرض کیا "صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کو"۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنا نصف مال پیش کیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دو سو اوقیہ (ساڑھے ۲۹ کلو) چاندی لا کر حاضر کی۔ سیدنا عاصم بن عدیؓ نے نوے وسق (ساڑھے تیرہ ہزار کلو) کھجور لا کر پیش کی۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۶۴)

اب نگاہ نبوت سیدنا عثمان بن عفانؓ کی طرف اٹھی۔ سیدنا عثمانؓ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا ہوا تھا جس میں پالان اور کجاوے سمیت دو سو اونٹ تھے اور ساڑھے انیس کلو چاندی تھی۔ آپ نے یہ سب پیش کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت پیش کیے۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار یعنی ساڑھے پانچ کلو سونا لے آئے اور انہیں آغوش نبوت میں ڈال دیا۔ آپؐ خوشی سے ان دیناروں کو اچھالتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے: آج کے بعد عثمانؓ کو کوئی ضرر نہیں ہو گا اس کے بعد سیدنا عثمانؓ نے پھر دیا اور پھر اور پیش کیا یہاں تک کہ ان کے چندہ کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۴۴)

سیدنا عباس بن عبدالمطلبؓ بہت سارا مال لائے۔ سیدنا طلحہؓ، سیدنا سعد بن عبادہؓ، سیدنا محمد بن مسلمہ انصاریؓ بھی اپنی اپنی طاقت کے مطابق بہت سارا مال لائے۔ بقیہ صحابہ کرامؓ بھی جو کچھ ان سے بن پڑا، سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ عورتوں نے بھی اپنے زیورات آپؐ کی خدمت اقدس میں بھیجے۔ غرض کہ کسی صحابی مرد اور عورت نے اس بارہ میں بخل سے کام نہ لیا اور اپنی استطاعت سے بڑھ چڑھ کر چندہ پیش کیا، لیکن پھر بھی اتنے بڑے لشکر کی سواری اور زادِ راہ کا پورا سامان نہ ہو سکا۔ چنانچہ نادار صحابہ سواری نہ ہونے کی وجہ سے روتے ہوئے واپس جاتے۔ سیدنا عبداللہ بن مغفلؓ اور سیدنا ابو لیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعبؓ جب روتے ہوئے واپس گئے تو راستہ میں یامین بن عمرو نضریؓ مل گئے۔ انہوں نے ان دونوں سے رونے کا سبب پوچھا، انہوں نے کہا کہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری کا بندوبست ہے اور نہ ہم میں سفر کا سامان مہیا کرنے کی استطاعت ہے۔ اب رونا اس حسرت اور

افسوس کا ہے کہ اس وجہ سے ہم اس غزوہ میں شرکت سے محروم رہے جاتے ہیں۔ ان کی یہ دردناک اور رقت آمیز کہانی سن کر یامین بن عمرو نضری کا دل بھر آیا۔ فوراً جا کر ایک اونٹ خرید کر ان دونوں کو دیا اور زاد راہ کا بھی انتظام کیا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۶۶، عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۹۳، ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۱۸) جو لوگ جنگ میں سواری نہ ہونے کی وجہ سے نہ جا سکے اور حسرت میں رونے لگے ان کا لقب ہی "البکاؤون" پڑ گیا۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۹۳)

اسلامی لشکر مدینہ طیبہ سے باہر جمع ہوا۔ جب تک سرکار دو عالم ﷺ مدینہ کے انتظام و انصرام کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے، نماز کی امامت کے فرائض سیدنا صدیق اکبرؓ ادا فرماتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا انتظام سیدنا محمد بن مسلمہ انصاریؓ اور ایک روایت کے مطابق سیدنا سباع بن عرفطہؓ (لیکن زیادہ صحیح روایت محمد بن مسلمہؓ کی ہے) کے سپرد کر کے اور اپنے اہل و عیال سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو تفویض فرما کر اور مناسب ہدایات دے کر لشکر گاہ میں تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کو لشکر سے نکال دیا۔
(عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۹۳)

جب سیدنا علیؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تو منافقین نے ان پر طعنہ زنی کی۔ آپ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

کوچ کا نقارہ بجنے کے ساتھ ہی لشکر میں حرکت پیدا ہوئی۔ ذرا دیر میں ہر طرف غبار اڑ رہا تھا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ شہر کی عورتیں اپنے گھروں کی چھتوں سے اس لشکر جرار کا نظارہ دیکھنے لگیں جو صحرا کو پامال کرتا ہوا شمال کی جانب بڑھا۔ یہ جمعرات کا دن تھا۔ اس کی منزل تبوک تھی اور اس میں تیس ہزار مردان جنگی تھے۔ اس سے بڑا لشکر اس سے پہلے کبھی دشمن کے مقابلہ میں نہ گیا تھا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اتنا چندہ جمع ہونے کے باوجود بھی لشکر کے لیے سواری اور زاد راہ کی سخت کمی تھی۔ چنانچہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کے لیے ایک ایک اونٹ تھا۔ جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ اسی طرح کھانے کی بھی سخت کمی تھی۔ بسا اوقات درختوں کی پتیاں استعمال کرنا پڑتیں جس سے ہونٹ متورم ہو گئے تھے۔ مجبوراً اونٹوں کو ذبح کرنا پڑا حالانکہ وہ پہلے ہی بہت کم تھے۔ تاکہ ان کے معدے اور آنتوں کے اندر جمع شدہ پانی اور تری کو پیا جا سکے۔ البتہ یہ وہ پہلا لشکر ہے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۹۱)

مال و اسباب اور زاد راہ کی اس تنگی کی وجہ سے اس کا نام "جیش العسرۃ" یعنی تنگی کا لشکر پڑ گیا۔

Marfat.com

لیکن اتنی تنگی کے باوجود بھی جہاد و شہادت کے جذبہ نے گرمی کا خوف اور بھوک اور پیاس کا خطرہ ان کے دلوں سے محو کر دیا اور وہ نہایت خوشی و مسرت کے ساتھ اس ہادی برحق کی معیت میں راستہ کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنے لگے۔

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے سائے اور عیش و تنعم کو ایمان اور رضائے الٰہی پر ترجیح دی۔ وہ آپ کے ساتھ اس اہم اور عظیم سفر پر نہ گئے بلکہ وہ گھروں میں بیٹھے رہے۔ قرآن حکیم نے ان کے لیے "مخلفین" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ دس ہزار سواروں کا دستہ لشکر کے آگے آگے چل رہا تھا۔ مدینہ کی چھتوں پر عورتوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع ہو کر اس لشکر کی قوت و جلال سے نہ صرف متاثر ہو رہی تھیں بلکہ ان کی کامیابی کے لیے بارگاہِ الوہیت میں دست بدعا بھی تھیں، لیکن دوسری طرف ان عورتوں کے نظارہ نے بھی بعض ایسے مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کر لیا جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے متاثر ہونے کے بجائے گھروں میں بیٹھے رہے۔ انہی میں ایک ابو خیثمہ بھی ہیں جو اس منظر کو دیکھنے کے بعد اپنے گھر واپس لوٹے تو ان کی دونوں بیویوں نے اپنے اپنے دالان اور آنگن سجائے، زمین پر چھڑکاؤ کیا اور شوہر کے لیے کھانا تیار کیے بیٹھی تھیں۔ ابو خیثمہ نے یہ اہتمام دیکھ کر فرمایا: "رسول اللہ ﷺ تو دھوپ کی شدت و تمازت اور گرم لو کے تھپیڑوں سے دوچار ہوں اور ابو خیثمہ پر بہار سایہ، خوش ذائقہ خوان اور حسین و جمیل بیویوں کے جھرمٹ میں دادِ عیش دے۔ بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! اسی وقت گھر والوں کو حکم دیا کہ میرے لیے زادِ راہ تیار کرو اور اسی وقت رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے اور تبوک میں لشکر میں جا ملے۔

حضور ﷺ نے دور سے اونٹ پر سوار آتا دیکھ کر فرمایا: ابو خیثمہ آ رہا ہے، فرماتے ہیں: میں نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ بیان کیا کہ میرے دل میں یہ ہوک اٹھی جس نے مجھے اس طرح آنے پر مجبور کیا۔ آپ نے میرے لیے دعا خیر کی۔

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۹۴، زرقانی جلد ۳ ص ۷۱، فتح الباری جلد ۸ ص ۸۸)

اسی طرح سیدنا ابوذر غفاریؓ "السابقون الاولون" میں سے تھے۔ ان کا اونٹ لاغر اور کمزور تھا۔ اس لیے یہ خیال ہوا کہ دو چار روز میں یہ اونٹ کھا پی کر چلنے کے قابل ہو جائے گا اس وقت میں آپ سے جا ملوں گا، لیکن ہوا یہ کہ وہ اونٹ دو چار روز میں چلنے کے قابل نہ ہوا جب اس سے ناامید ہو گئے تو اپنا سامان اپنی پشت پر لادا اور پیادہ پا آپ کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ اسی طرح تن تنہا تبوک پہنچے۔ آپ نے دور سے اکیلا آتے دیکھ کر فرمایا: "اللہ ابوذر پر رحم فرمائے، اکیلا چلا آ رہا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، سیدنا عثمان بن عفانؓ کے عہد خلافت میں ربذہ میں تنہا وفات پائی۔ کوئی تجہیز و تکفین کرنے والا نہ تھا۔ اتفاق سے سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ سے واپس آ رہے تھے، انہیں پتہ چلا کہ

Marfat.com

اس ویرانہ میں سیدنا ابوذر غفاریؓ کا انتقال ہوا ہے' انہوں نے تجہیز و تکفین کی۔(زرقانی جلد ۳ ص ۷۱)

ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھے۔ان میں تین تو خالص مومن تھے اور باقی وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں ایمان ابھی واضح نہیں ہوا تھا یا پھر نفاق کے دبیز پردے ان کے قلب کو گھیرے ہوئے تھے۔ان خالص مومنین میں یہ تین حضرات تھے۔سیدنا کعب بن مالکؓ سیدنا مرارہ بن ربیعؓ اور سیدنا ہلال بن امیہؓ۔ان کے بارہ میں ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔

تبوک روانگی

راستہ میں کئی وادیوں سے آپ کا گزر ہوا۔چنانچہ وادی حجر سے بھی اسلامی لشکر کو گزرنا پڑا۔یہ وہ وادی ہے جہاں قوم ثمود پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ثمود وہ قوم تھی جس نے وادی القریٰ کے اندر چٹانیں تراش تراش کر مکان بنائے تھے۔جب آپ وہاں سے گزرے تو اس درجہ متاثر ہوئے کہ چہرہ مبارک پر کپڑا لٹکا لیا اور ناقہ کو تیز کر دیا۔آپ نے صحابہ کرامؓ کو تاکید فرمائی کہ کوئی شخص نہ تو اس وادی کا پانی پئے اور نہ ہی وضو کرے۔اگر کسی نے پکانے کے لیے آٹا گوندھ لیا ہے تو اونٹوں کو کھلا دیا جائے۔کوئی شخص ایسے آٹے کی روٹی پکا کر نہ کھائے' نہ کوئی لشکر گاہ سے اکیلا باہر نکلے۔آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ لوگ اس کنوئیں سے پانی لیں جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۷۳' فتح الباری جلد ۶ ص ۲۶۸)

بد قسمتی سے دو مسلمان رات کے وقت لشکر گاہ سے باہر چلے گئے۔ایک کو ہوا جھپٹ کر لے گئی اور دوسرا ریت کے نیچے دب گیا۔صبح ہوئی تو جس کنوئیں کے پانی سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا' منہ تک ریت سے اٹا ہوا تھا۔بعض روایتوں میں ہے کہ ایک شخص کا دم گھٹ گیا جو آپ کے دم کرنے سے اچھا ہوا اور دوسرے کو ہوا نے دور پھینک دیا۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا بخاری نے بیان نقل کیا ہے کہ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دیار ثمود یعنی حجر سے گزرے تو فرمایا کہ ان ظالموں کے مکانوں میں داخل نہ ہونا' کہیں تم پر بھی وہی مصیبت نہ آن پڑے جو ان لوگوں پر آئی تھی' ہاں مگر روتے ہوئے۔پھر آپؐ نے اپنا سر ڈھکا اور تیزی سے چل کر وادی پار کر گئے۔(بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ جگہیں جہاں اللہ کا عذاب اور صفت قہر کا ظہور ہوا یا ہوتا ہے' وہاں جانے سے نزول عذاب کا اندیشہ ہے' کیونکہ عذاب کی باد سموم کے اثرات اور وہاں کے زہریلے اثرات روح اور قلب کے لیے مضر اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔

پانی نہ ملنے کی وجہ سے راستہ میں سخت دشواری ہو رہی تھی۔مسلمان خوفزدہ تھے کہ اتنا طویل سفر

پانی کے بغیر کیسے طے ہو گا- چنانچہ آپ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی شکایت کی گئی- آپ نے دعا فرمائی- دیکھتے ہی دیکھتے بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آسمان کی بلندیوں پر ظاہر ہوا اور چشم زدن میں جل تھل کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا- لشکر نے پیٹ بھر کر پانی پیا اور راستہ کے لیے چھاگلیں اور دوسرے برتن بھی بھر لیے- جس سے صحابہ کرامؓ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی-

راستہ میں آپ کی ناقہ گم ہو گئی- ایک منافق نے کہا آپ آسمان کی خبریں دیتے ہیں مگر اپنے ناقہ کی خبر نہیں تو آپ نے فرمایا: مجھے کسی چیز کا علم نہیں مگر وہ جو اللہ نے مجھ کو بتلا دیا- پھر آپ کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا کہ آپ کی وہ ناقہ فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے- جس سے وہ رکی ہوئی ہے- چنانچہ صحابہ کرامؓ اس اونٹنی کو جا کر لے آئے-

تبوک پہنچنے سے ایک روز قبل آپ نے صحابہ کرامؓ کو فرمایا: کل چاشت کے وقت تم تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے' لہٰذا تم میں سے کوئی شخص میرے پہنچنے سے پہلے اس چشمہ سے پانی نہ لے- سیدنا معاذ بن جبلؓ کا بیان ہے کہ ہمارے پہنچنے سے قبل دو آدمی وہاں پہنچ چکے تھے- آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے اس چشمہ کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے' انہوں نے جواب دیا: "جی ہاں"- آپ نے ان دونوں سے کچھ فرمایا- چشمہ میں سے تھوڑا تھوڑا پانی آ رہا تھا- پھر چشمہ سے کچھ پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا- آپ نے اس میں اپنا منہ ہاتھ دھویا پھر وہ پانی اسی چشمہ میں ڈال دیا- پانی ڈالنا تھا کہ اس چشمہ سے نہایت تیزی سے پانی آنے لگا جس سے تمام لشکر سیراب ہو گیا- پھر آپ نے سیدنا معاذ بن جبلؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: "اے معاذ! اگر تو زندہ رہا تو اس مقام کو باغات سے سرسبز و شاداب دیکھے گا- (مسلم جلد ۲ ص ۲۴۶)

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ آج تک وہ چشمہ فوارہ کی طرح جاری ہے اور دور سے اس کی آواز سنائی دیتی ہے- (خصائص کبریٰ جلد ا ص ۲۷۳)

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا- آپ نے ان بیس دنوں میں دشمن کا انتظار کیا کیونکہ آپ اس سے فیصلہ کن مقابلہ کرنا چاہتے تھے' لیکن آپ کے آنے سے دشمن کچھ اس طرح مرعوب ہو گیا کہ اس کو مقابلہ میں آنے کی سکت نہ رہی- آپ کی اس پیش قدمی کے اثرات بہت اچھے پڑے- اس سے ایک تو مسلمانوں کی فوجی ساکھ قائم ہو گئی- دوسرے اس سے بڑے اہم سیاسی فوائد حاصل ہوئے- جو شاید جنگ کی صورت میں حاصل نہ ہو سکتے- آپ کو اطلاع موصول ہوئی تھی کہ عیسائیوں کا جو لشکر سرحد پر پڑا ہوا تھا' اسے شام میں واپس لے جایا گیا ہے- دشمن کی اس گریز پائی سے آپ نے اس کے خوف و ہراس کا اندازہ لگا لیا' لیکن اس کا تعاقب غیر ضروری سمجھنے کے باوجود عرب اور شام کی سرحد پر پڑاؤ ڈال دیا- یہ گویا ایک قسم کی مبارزت تھی کہ دشمن کو اگر مقابلہ کرنا ہو تو ہم حاضر ہیں' لیکن بیس روز کے قیام میں دشمن کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی-

Marfat.com

اس سرحد پر ایلہ کے حاکم یوحنا بن رؤیہ کی حکومت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اپنا سفیر بھیجا کہ "اگر ہماری اطاعت منظور ہے تو درست وگرنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یوحنا نے خود بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر جزیہ دینا منظور کر لیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس کے سینے پر سونے کی صلیب لٹک رہی تھی اور نذر گزارنے کے لیے قسم قسم کے تحائف اس کے ساتھ تھے۔ اسی طرح جرباء اور اذرح کے حکمرانوں نے بھی آپ کی اطاعت میں سر جھکا دیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں کے لیے ایک تحریر لکھوا کر ہر ایک کے حوالے کر دی۔ یوحنا کی تحریر کچھ یوں تھی!

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ پروانہ امن ہے۔ اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ اس کے نبی اور رسول کی طرف سے یوحنا بن رؤیہ اور باشندگان ایلہ کے لیے جو مراعات ذیل پر مشتمل ہے:

(الف) یوحنا کے کسی دشمن کی طرف سے اس کے بحری و بری (کشتیوں اور قافلوں) کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر عائد ہوگی بشمول ان لوگوں کے جو یوحنا کے حلیف ہوں جو شام و یمن ساحل سمندر کے رہنے والے ہوں۔

(ب) اور اگر ان کا کوئی آدمی ہمارے ساتھ بد عہدی کرے گا تو اس کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا جائے گا اور ایسا مال محمد ﷺ کے لیے مباح ہوگا۔ البتہ مالی نقصانات کے عوض کسی کی جان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔

(ج) یوحنا اور ان کے حلیفوں کو ان دریاؤں کا پانی بند کرنے کا اختیار نہ ہوگا جو اب تک ان کے علاقوں سے گزر کر مسلمانوں کی اراضی سیراب کر رہے ہیں۔

(د) یوحنا اور اس کے حلیفوں کو ہمارے ان راستوں کی ناکہ بندی کا اختیار نہ ہوگا جو خشکی اور سمندر میں ہماری گزرگاہیں ہیں"۔

رسول خدا ﷺ نے اس معاہدہ کی مزید توثیق کے لیے یوحنا بن رؤیہ حاکم ایلہ کو اپنی یمنی چادر مبارک عطاء فرمائی اس کی ہر طرح مدارات کیں اور جزیہ تین سو دینار سالانہ قرار پایا۔

تبوک کے اسی قیام کے دوران آپ نے سیدنا خالد بن ولیدؓ کو پانچ سو سواروں کا دستہ دے کر دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کے پاس بھیجا کیونکہ اس عیسائی حاکم سے اندیشہ تھا کہ اگر ہرقل شاہ روم پھر کسی وقت سر اٹھائے تو اکیدر بن عبدالملک بھی اس کی مدد کے لیے نہ نکل آئے۔ اس لیے اکیدر کی سرکوبی ضروری سمجھی گئی۔ آپؐ نے خالد بن ولیدؓ سے روانگی کے وقت فرمایا کہ تم اسے نیل گائے کا شکار کھیلتا ہوا پاؤ گے۔ اس کو قتل نہ کرنا بلکہ گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا۔ خالدؓ اپنے دستہ کے ساتھ کچھ اس انداز سے گئے کہ اکیدر کو ان کے آنے کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ گرمی کا موسم تھا۔ اکیدر نے اس رات کی چاندنی کو غنیمت سمجھ کر اپنے بھائی حسان کو ساتھ لیا اور دونوں نیل گائے کے شکار کے لیے قلعہ سے باہر نکل

کھڑے ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ اکیدر اور اس کی بیوی قلعہ کی فصیل پر بیٹھے گانا سن رہے تھے۔ اچانک ایک نیل گائے نے نکل کر قلعہ کے پھاٹک کو ٹکر ماری۔ اکیدر اپنے بھائی کے ساتھ شکار کے لیے اترا اور وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ خالد بن ولیدؓ اور ان کے دستہ نے ان کو جالیا۔ اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا اور وہ مارا گیا اور اکیدر کی جان بخشی اس شرط پر کی گئی کہ وہ ہمارے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو اور وہ مسلمانوں کے لیے شہر کے دروازے کھول دے۔ سیدنا خالدؓ نے مندرجہ ذیل مال غنیمت حاصل کیا۔

اونٹ ۲ ہزار، بکری ۸۴۰۰، گھوڑے ۸ سو، زرہیں ۴ سو، گندم ۴ سو وسق۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ اکیدر کو اپنے ساتھ لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اکیدر حاضر خدمت ہوتے ہی مسلمان ہو گیا اور بدستور اپنے علاقہ کا حکمران رہا اور بعد میں وہ مرتد ہو گیا۔ (عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۹۸)

ان واقعات نے ان قبائل پر بہت اچھے اثرات مرتب کیے جو اب تک رومیوں کے آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ ہرقل کو چھوڑ کر مسلمانوں کے حمایتی بن گئے۔ اس سے اسلامی حکومت کی یہاں تک وسعت ہوئی کہ اس کی سرحدیں رومی سرحدوں سے جاملیں۔

واپسی

تبوک میں بیس روز قیام کے بعد آپ مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ دشمن سے کوئی تصادم نہ ہوا۔ جب آپ مقام ذی آوان پہنچے جو مدینہ سے ملحقہ ایک بستی تھی۔ یہاں سے مدینہ طیبہ ایک گھنٹہ کی مسافت پر رہ جاتا ہے۔ تو آپ نے مالک بن دخشمؓ اور معن بن عدیؓ کو مسجد ضرار کو جلانے اور منہدم کرنے کے لیے آگے بھیجا۔ یہ مسجد منافقین نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف مشورے کرنے اور تفریق بین المومنین کے لیے بنائی تھی۔ جب آپ سفر تبوک پر تشریف لے جارہے تھے تو منافقین نے آکر آپ سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لیے ایک مسجد بنائی ہے، آپ اس میں پہلی نماز تبرک کے طور پر پڑھا کر اس کا افتتاح فرما دیجیے۔ آپ نے اس معاملہ کو واپسی پر ملتوی کر دیا۔ واپسی پر آپ نے ان دو حضرات کو اس کے جلانے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے اس کو نذر آتش کر دیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس کے بارہ میں آیات نازل ہوئیں جن میں اس کو "مسجد ضرار" کہا گیا اور اس کا مقصد تفریق بین المومنین اور مشرکین کا اڈہ بتایا گیا۔

جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے اور مدینہ کے درو دیوار پر آپ کی نگاہ پڑی تو فرمایا۔ یہ طابہ ہے اور یہ پہاڑ احد ہمیں محبت کرتا ہے اور ہم اسے محبت کرتے ہیں۔ مدینہ میں آپ کی آمد پر آپ کا اور آپ کے اس مظفر و منصور لشکر کا زبردست استقبال کیا گیا اور مدینہ کی عورتیں اور بچے نغمہ گنگناتے ہوئے آپ کے

استقبال کے لیے گھروں سے باہر نکل آئے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

"ہم پر ثنیتہ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔ جب تک پکارنے والا اللہ تعالیٰ کو پکارے ہم پر اس کا شکر واجب ہے"۔

رسول اللہ ﷺ رجب کے مہینہ میں تبوک کے لیے روانہ ہوئے۔ تیس روز آمد و رفت میں لگے اور بیس روز تبوک میں قیام فرمایا۔ چنانچہ جب مدینہ طیبہ میں واپس تشریف لائے تو رمضان المبارک سنہ ۹ھ کا مہینہ تھا۔ مدینہ میں داخل ہوتے ہی آپ سیدھے مسجد نبوی تشریف لے گئے۔ وہاں دو رکعت ادا فرمائیں اور رذات واجب کا شکر ادا کیا۔ نماز سے فراغت کے بعد لوگوں سے ملاقات کے لیے کچھ دیر مسجد میں تشریف فرما رہے۔ پھر آرام کے لیے گھر تشریف لے گئے۔ یہ آپ کا آخری غزوہ ہے جس میں آپ نے شرکت فرمائی۔ اس کے بعد آپ انتقال تک مدینہ طیبہ ہی میں رہے۔

متخلفین

اس غزوہ کا ذکر مکمل نہیں ہوتا جب تک ان لوگوں کا تھوڑا سا تذکرہ نہ کردیا جائے جنہوں نے اس غزوہ میں شمولیت نہ کی۔ اس غزوہ میں مومنین اور منافقین کے لیے ایک سخت آزمائش تھی۔ اس سے اہل ایمان اور دوسرے لوگوں میں تمیز ہو گئی۔ کیونکہ اس غزوہ میں تمام مومنین مخلصین نے شرکت کی اور اس سے غیر حاضری نفاق کی علامت قرار پائی۔ اس غزوہ میں تین قسم کے لوگ پیچھے رہ گئے۔

۱۔ ایک وہ لوگ جن کے دل نفاق کے زہر سے بھرے ہوئے تھے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہوا تھا۔

۲۔ وہ لوگ جو معذور تھے اور اس غزوہ میں اپنی مالی یا جسمانی کمزوریوں کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔

۳۔ تین مخلص مومن وہ بھی تھے جن کے پاس شرکت نہ کرنے کا کوئی عذر بھی نہ تھا لیکن پھر بھی شرکت نہ کی، اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں ڈالا اور پھر ان کی توبہ قبول فرمائی۔

جب آپ مدینہ میں وارد ہوئے اور مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں لوگوں کی خاطر تشریف فرما رہے اس دوران منافقین جنہوں نے اس غزوہ میں شرکت نہ کی تھی، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جھوٹے عذر پیش کرنے شروع کر دیئے اور قسمیں کھا کھا کر آپ کو بتانا شروع کردیا کہ ہم ان عذروں کی وجہ سے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ آپ نے ان کے عذروں کو قبول فرماتے ہوئے

Marfat.com

معاف کردیا۔ لیکن تین مومنین مخلص ایسے تھے جنہوں نے سچائی اختیار کرتے ہوئے صاف بتادیا کہ ہم نے کسی مجبوری یا عذر کے بغیر اس غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ یہ تین حضرات تھے۔(۱) کعب بن مالکؓ (۲) مرارہ بن ربیعؓ (۳) ہلال بن امیہؓ

یہ تینوں حضرات بڑے جلیل القدر لوگوں میں سے تھے۔ سیدنا کعب بن مالکؓ تو ان بہتر(۷۲) سابقین انصار میں سے تھے جنہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں شرکت کی تھی اور آپ کو مدینہ طیبہ تشریف لانے کی دعوت دی تھی اور آپ کی ذات شریف کے لیے ہر جانی اور مالی قربانی کا وعدہ کیا تھا' سیدنا ہلال بن امیہؓ اور سیدنا مرارہ بن ربیعؓ اس بیعت میں تو شریک نہیں تھے البتہ غزوہ بدر میں دونوں حضرات نے شرکت کر کے اپنی جاں نثاری اور اخلاص نیت کا ثبوت فراہم کردیا ہوا تھا۔ سوائے سستی اور کاہلی کے ان کے پاس اس عظیم الشان غزوہ میں شرکت نہ کرنے کے لیے کوئی عذر نہ تھا' حالانکہ اس میں شرکت وقت اور اسلام کا اہم تقاضا تھا۔

بخاری میں سیدنا کعب بن مالکؓ کا بیان ہے کہ قریباً ہر غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کی ہم رکابی کا شرف مجھے حاصل رہا۔ اس دفعہ بھی یہ خیال تھا کہ موکب ہمایوں کے ساتھ چلوں گا' لیکن ایک کے بعد ایک دن گزرتا گیا اور میں اسی خیال میں رہا کہ یہ کام نپٹالوں تو روانہ ہو جاؤں گا۔ اسی طرح آج کل ہوتے ہوتے کئی روز گزر گئے اور قافلہ دور نکل گیا' گویا ۔

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

اور مدینہ طیبہ میں سوائے معذورین اور منافقین کے اور کوئی باقی نہ رہا۔ جب یہ منظر دیکھتا تو سخت رنج ہوتا۔ اتنے میں یہ خبر اڑی کہ سرور کائناتؐ واپس تشریف لا رہے ہیں۔ تب میری آنکھیں کھلیں۔ بہرحال آپ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ حسب معمول پہلے مسجد میں تشریف لائے۔ اب متخلفین (پیچھے رہ جانے والے) آ آ کر اپنی معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے بیان کی سچائی بتانے لگے۔ یہ کچھ اوپر اسی آدمی تھے۔ آپ ان کے ظاہر بیانات کو تسلیم کرتے گئے اور ان کے باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے رہے۔

مجھے بھی پہلے یہ خیال آیا کہ کوئی عذر بیان کردوں گا۔ اس بارہ میں کچھ عذرات میں نے سوچ بھی لیے تھے' لیکن پھر یہ سمجھا کہ بارگاہ نبوت میں حیلے بہانے غلط ہیں جو صحیح بات ہے وہی کہنی چاہیے۔ مغازی ابن عائذ میں ہے کہ سیدنا کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ عزم کرلیا کہ ایسا ہرگز نہ کروں گا کہ غزوہ سے پیچھے بھی رہوں اور پھر اللہ کے رسول کے سامنے کذب بیانی بھی کروں۔ چنانچہ جب میری باری آئی۔ میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوں' سلام عرض کیا۔ سرکارِ مدینہ ﷺ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ یہ

Marfat.com

مسکراہٹ خوشی کی نہیں تھی بلکہ انداز خفگی کا تھا۔ آپ نے فرمایا: "تم کیوں رہ گئے؟ تم تو سفر کے لیے اونٹنی بھی خرید چکے تھے؟" میں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! باتیں بنانی تو مجھے بھی بہت آتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوت خطابت عطا فرمائی ہے، اگر معاملہ کسی دنیادار سے ہوتا تو میں کچھ باتیں بنا سکتا تھا، لیکن یہاں معاملہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات کہہ کر آپ کو راضی کر لوں تب بھی خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقت حال سے مطلع فرما دے گا اور اگر صحیح بات کہوں تو یقیناً اس وقت آپ ناراض ہوں گے لیکن پھر معافی کی توقع بھی رہے گی۔ صحیح بات یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں تھا۔ میں اچھا خاصا تندرست تھا۔ مالی سہولت بھی مجھے میسر تھی۔ یہ میری سستی اور کوتاہی تھی کہ نہیں گیا۔ سراپا قصوروار ہوں۔

آپ نے فرمایا: کعب! بے شک تم نے سچی بات کہی۔ اب جاؤ، انتظار کرو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

میں جیسے ہی آپ کی مجلس مبارک سے باہر نکلا کچھ لوگ میرے پیچھے لگ گئے کہ تم نے غلطی کی۔ تم بھی دوسروں کی طرح کوئی بات بنا لیتے۔ کچھ لوگوں نے اس طرح ملامت شروع کی کہ مجھے خیال آیا کہ واپس جا کر کوئی بات بنا دوں تاکہ آپ کی ناراضگی ختم ہو، لیکن میرے ضمیر نے اجازت نہیں دی کہ رسول خدا ﷺ کے سامنے کوئی بات بناؤں۔" میں نے لوگوں سے پوچھا کہ میرے سوا کسی اور کو بھی ایسا حکم بارگاہِ نبوت سے ہوا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ہاں دو اور آدمیوں مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ کو۔

اس کے بعد بارگاہِ رسالت سے جب یہ حکم صادر ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی شخص بات چیت نہ کرے تو سب نے منہ پھیر لیا۔ گویا یہ ہمارا سوشل بائیکاٹ تھا۔ ہم نے دیکھا کہ اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی۔ اس آزمائش میں جو دونوں میرے شریک تھے، وہ تو اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھ گئے۔ لیکن میں سخت جان تھا۔ اس حالت میں بھی روزانہ گھر سے نکلتا، مسجد میں حاضر ہوتا، جماعت میں شریک ہوتا، پھر ایک گوشہ مسجد میں سب سے الگ تھلگ بیٹھ جاتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کے بعد سرکارِ دوعالم ﷺ کے قریب جا کر سلام عرض کرتا۔ پھر اپنے جی میں کہتا کہ دیکھوں سلام کے جواب میں آپ کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں؟ آپ گوشہ چشم سے کبھی کبھی مجھے دیکھ لیتے، لیکن جب میری نگاہ حسرت سے اٹھتی تو رخ مبارک پھر جاتا۔

ایک دن میں شہر سے نکلا، نہایت پریشان حال کہ میرے ساتھ کیا ہو گیا۔ چلتے چلتے ابو قتادہ کے باغ تک پہنچ گیا۔ یہ میرے چچیرے بھائی تھے اور مجھے اپنے تمام عزیزوں میں سب سے زیادہ محبت انہی سے تھی۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے کہا: "ابو قتادہ! تم نہیں جانتے میں مسلمان ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میرے دل میں موجزن ہے؟" اس پر بھی انہوں نے

Marfat.com

میری طرف کوئی توجہ نہ کی، لیکن جب یہی بات میں نے بار بار دہرائی تو اس نے اتنا کہا: اللہ ورسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے) تب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بے اختیار میری آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو ٹپکنے لگے۔

وہاں سے واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں ایک قبطی مل گیا۔ وہ لوگوں سے میرا پتہ پوچھ رہا تھا۔ اتفاقاً میں وہاں آ گیا تو لوگوں نے میری طرف اشارہ کر کے بتایا۔ اس نے شاہ غسان کا خط نکال کر مجھے دیا۔ خط میں لکھا تھا۔

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے آقا نے آپ پر بہت سختی کی ہے۔ تم ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم تمہاری شایانِ شان قدر و منزلت کریں گے۔"

خط پڑھ کر میرا خون کھول اٹھا کہ یہ ایک نئی مصیبت آن پڑی، اہلِ کفر کو میرے بارے میں اتنی جرأت ہو گئی کہ دشمنانِ دین مجھ سے یہ توقع رکھ رہے ہیں۔

جب چالیس روز ہو گئے تو رسول اکرم ﷺ کی جانب سے ایک شخص آیا اور آپ کا حکم سنایا کہ تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔ میں نے کہا طلاق دے دوں، کہا نہیں صرف علیحدگی کا حکم ہے۔ ہلال بن امیہؓ اور مرارہ بن ربیعؓ کو بھی ایسا ہی حکم ہوا ہے۔ یہ حکم سنتے ہی میں نے اپنی بیوی کو میکے بھیج دیا۔

جب دس روز اور گزر گئے اور کل پچاس روز ہو گئے تو صبح کے وقت میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا اور ٹھیک وہی حالت تھی جس کی تصویر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں کھینچی ہے کہ زندگی سے تنگ آ گیا تھا اور خدا کی زمین اپنی ساری وسعتوں کے ساتھ مجھ پر تنگ کر دی گئی تھی۔ اچانک سنتا ہوں کہ کوئی شخص کوہ سلع سے پکار رہا ہے۔

"کعب بن مالک مبارک ہو (ایک اور روایت میں بشارت کا لفظ ہے) تمہاری توبہ قبول ہو گئی۔"

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے
آن شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند

اب لوگ جوق در جوق مجھے مبارکباد دینے کے لیے دوڑے۔ ایک آدمی گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا لیکن بشارت کی آواز اس سے بھی تیز ثابت ہوئی۔

میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا، دیکھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ صحابہ کرام کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتما رہا تھا۔ آپؐ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: "کعب بشارت ہو۔ آج کا دن تمہاری زندگی کا سب سے بہترین دن ہے"۔

مجھے بھی بڑی خوشی ہوئی تھی، لہٰذا میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں چاہتا ہوں کہ اپنا کل

Marfat.com

مال اللہ کی راہ میں دے دوں۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا: نصف مال' فرمایا نہیں: میں نے پھر عرض کیا: اچھا میرا حصہ جو خیبر میں ہے' وہ میں اللہ کے رستہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپؐ نے منظور فرمالیا۔ میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے مجھے سچائی کی وجہ سے قبولیت توبہ بخشی ہے اب میں عہد کرتا ہوں کہ مرتے دم تک کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہیں کروں گا خواہ کتنے ہی مصائب سے کیوں نہ دوچار ہونا پڑے"۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۳۳' فتح الباری جلد ۸ ص ۸۶' عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۰۱-۳۰۵)

وہ لوگ جو مریض یا معذور ہونے کی وجہ سے اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکے' ان کے بارے میں بھی سرکارِ دو عالم ﷺ نے مدینہ کے قریب پہنچ کر فرمایا تھا۔

"مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم نے جس جگہ بھی سفر کیا اور جس وادی کو بھی تم نے طے کیا وہ تمہارے ساتھ رہے کیونکہ انہیں عذر نے روک رکھا تھا۔"

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ مدینہ میں رہتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ تھے؟ فرمایا: "ہاں' مدینہ میں رہتے ہوئے بھی تمہارے ساتھ تھے۔"

(بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷' حدیث نمبر ۴۴۲۳' غزوہ تبوک' عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۹۹' زاد المعاد جلد ۳' ص ۲-۱۳' ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۱۵' ۵۳۷)

غزوہ تبوک کے بعد تمام عرب میں اسلام کا نفوذ بڑھ گیا۔ جو قبائل ابھی تک حلقہ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے' اب اپنے قائدین اور روسا کی معرفت وفود کی شکل میں بارگاہ نبوت میں آکر اسلام قبول کرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ سکون و طمانیت کے ساتھ مدینہ میں قیام پذیر رہے۔

ابوبکرؓ امیر الحج کی حیثیت سے

ذی قعدہ سنہ ۹ھ میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج مقرر فرما کر مکہ مکرمہ روانہ فرمایا۔ مدینہ منورہ سے تین سو (۳۰۰) آدمی آپ کے ساتھ حج کے لیے اور بیس اونٹ قربانی کے لیے تھے۔ صدیق اکبرؓ کی روانگی کے بعد سورۃ توبہ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا جس میں مشرکین سے کیے گئے عہد و پیمان کو برابری کی بنیاد پر ختم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حکم کے آنے کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو سیدنا ابوبکرؓ کے پیچھے روانہ فرمایا تاکہ وہ آپؐ کی جانب سے اس کا اعلان کردیں۔ آپ کے نزدیک زیادہ مناسب یہ تھا کہ اس کا اعلان اس شخص کی زبانی ہونا چاہیے جو عہد کرنے والے کے خاندان سے ہو۔ کیونکہ عرب میں یہ دستور تھا کہ خون اور مال کے عہد و پیمان کے سلسلہ میں آدمی یا تو خود اعلان کرے یا اپنے خاندان کے کسی فرد سے اعلان کرائے۔ خاندان سے باہر کے کسی شخص کا کیا ہوا اعلان تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ نے سیدنا علیؓ کو بلایا اور اپنی ناقہ عضباء پر سوار کر کے سیدنا ابوبکرؓ کے پیچھے

Marfat.com

روانہ کردیا۔ صدیق اکبرؓ نے عرج یا وادی ضجنان میں ناقہ کی آواز سنی تو گمان ہوا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ خود تشریف لے آئے ہیں۔ مڑ کر دیکھا تو ناقہ پر سوار سیدنا علیؓ تھے۔ سیدنا ابوبکرؓ نے پوچھا کہ: امیر او مامور یعنی آپ امیر ہو کر آئے ہیں یا مامور ہو کر۔ سیدنا علیؓ نے کہا مامور ہو کر آیا ہوں۔ میں تو صرف سورہ برات کی آیات سنانے کے لیے آیا ہوں۔ پھر یہ دونوں حضرات آگے بڑھے۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو حج کرایا جب ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی کا دن آیا تو سیدنا علیؓ نے جمرہ عقبہ کے قریب کھڑے ہو کر لوگوں میں وہ اعلان کیا جس کے لیے سرکارِ دوعالم ﷺ نے آپ کو بھیجا تھا۔ چنانچہ یوم النحر میں یہ اعلان کردیا گیا کہ:

۱۔ جنت میں کوئی کافر داخل نہیں ہو سکے گا۔

۲۔ آئندہ سال کوئی مشرک حج کرنے نہ آئے گا۔

۳۔ اور نہ کوئی برہنہ شخص بیت اللہ کا طواف کر سکے گا۔

۴۔ اور جس کا جو عہد سرکارِ مدینہ ﷺ کے ساتھ ہے وہ اس کی مدت تک پورا کردیا جائے گا اور جس سے کوئی عہد نہیں یا عہد بلا میعاد کے ہے تو اس کے لیے چار ماہ کا امن ہے۔ اگر وہ اس مدت میں مسلمان نہ ہوا تو چار ماہ کے بعد جہاں پایا جائے گا، قتل کردیا جائے گا۔

سیدنا صدیق اکبرؓ نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو بھیج کر ان باتوں کا اعلانِ عام کرایا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی جانب سے یہ اعلان گویا جزیرہ نما عرب میں بت پرستی کے خاتمے کا اعلان تھا۔

(ملاحظہ ہو بخاری جلد ۱ ص ۲۲۰-۴۵۱، جلد ۲ ص ۶۲۶، ۶۷۱، زرقانی جلد ۳ ص ۸۹، فتح الباری جلد ۸ ص ۶۵، زاد المعاد جلد ۲ ص ۲۵، ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۴۳-۵۴۶)

قرآن حکیم نے اسے حج اکبر کہا ہے۔ پہلا موقع تھا کہ فریضہ حج اصلی سنت ابراہیمی کے مطابق ادا کیا گیا۔ اس میں سیدنا صدیق اکبرؓ نے یوم النحر میں امیر حج کی حیثیت سے خطبہ دیا جس میں حج کے مسائل بیان فرمائے۔

واقعات متفرقہ

۱۔ اس سال وفود کی لگاتار آمد ہوئی۔ اس لیے اس کا نام "وفود کا سال" رکھا گیا۔ وفود کی ابتداء اس وقت ہوئی جب رسول اللہ ﷺ غزوہ طائف سے لوٹ کر جعرانہ تشریف لائے اور طائف سے واپسی شوال سنہ ۸ھ کے اواخر میں ہوئی اور ۵ ذی قعدہ کو آپ جعرانہ تشریف لائے تھے۔ حافظ مغلطائی نے اپنی سیرت میں ان تمام وفود کو شمار کیا ہے جو آپ کی جعرانہ واپسی سے لے کر یوم وصال تک بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور جن کی تعداد ساٹھ سے زائد ہے۔

Marfat.com

۲- اسی سال سرکارِ دو عالم ﷺ گھوڑے سے گر پڑے جس کی وجہ سے دائیں پہلو اور پنڈلی پر خراش اور چوٹ آئی۔ اس چوٹ کی وجہ سے مسجد میں تشریف نہیں لا سکتے تھے اس لیے بالاخانے میں قیام فرمایا۔ نماز بھی اس بالاخانے میں بیٹھ کر ادا ہوتی۔ یہ دونوں واقعات یعنی واقعہ ایلاء اور آپ کو چوٹ لگنے کا واقعہ ایک ہی وقت میں پیش آئے تھے۔ ان کے سن کی تعیین میں اختلاف ہے۔ بعض نے سنہ ۹ھ بتایا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں واقعات سنہ ۵ھ کے ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف نہیں کہ یہ دونوں واقعات ایک ہی وقت میں پیش آئے۔

۳- اسی سال شعبان میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا زوجہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کا انتقال ہوا۔

۴- اسی سال جب آپ ؐ تبوک میں تشریف فرما تھے، مدینہ طیبہ میں معاویہ بن معاویہ اللیثی المزنیؓ کا انتقال ہوا۔ ان کی وفات کے روز جبریل امین نے رسول اللہ ﷺ کو ان کی وفات کی خبر دی۔ حالانکہ مدینہ اور تبوک کے درمیان چودہ منزلوں کا فاصلہ تھا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے معاویہؓ کی نماز جنازہ کے لیے ستر ہزار فرشتے نازل کیے ہیں۔ آپ نے پوچھا وہ کیوں؟ عرض کیا: کیونکہ وہ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، سورۃ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ بعد ازاں جبریل نے زمین کو سمٹا دیا اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور فرشتوں نے بھی دو صفیں بنائیں جو پہاڑ اور ٹیلے درمیان میں حائل تھے انہیں ہاتھ کے اشارے سے ہٹا دیا۔ یہاں تک کہ نماز کے دوران جنازہ رسول اللہ ؐ کو نظر آ رہا تھا۔

۵- اسی سال ذی قعدہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہوا۔

۶- اسی سال نجاشی شاہ حبشہ کا انتقال ہوا جس نے نہایت آڑے وقت میں مسلمانوں کو اپنے ملک میں پناہ دی تھی۔ اس کا نام اصحمہ تھا۔

۷- اسی سال سود کی حرمت نازل ہوئی اور پھر حجۃ الوداع میں یعنی ایک سال بعد اس کی حرمت کا اعلان عام فرمایا۔

۸- اسی سال جزیہ کا حکم نازل ہوا۔

Marfat.com

عام الوفود

غزوہ فتح مکہ کفر اور اسلام کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ تھا۔ قریش مکہ کے سیدنا اسماعیل کی اولاد میں سے ہونے کی وجہ سے جزیرہ نما عرب کے تمام لوگ انہیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ دوسرے، بیت اللہ کے مجاور بھی تھے، اس وجہ سے بھی لوگوں کی نگاہ میں ان کا ایک خاص مقام تھا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ اپنے ہی شہر کے پیغمبر کی مخالفت اور عداوت پر کمربستہ تھے۔ تمام قبائل کی نظریں قریش مکہ پر لگی ہوئی تھیں کہ یہ خود اپنے اس پیغمبر کے بارہ میں کیا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ ان قبائل کا یہ خیال تھا کہ اگر قریش نے اسلام قبول کرلیا اور اس کی دعوت کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو پھر اس کے قبول کرنے میں ہمیں بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا، فتح مکہ کے بعد تمام عرب کو معلوم ہوگیا کہ دین اسلام واقعی اللہ کا دین ہے، ورنہ قریش مکہ جیسا بڑا قبیلہ اپنی اس قدر مخالفت کے باوجود اس کے آگے ہتھیار نہ ڈالتا، چنانچہ فتح مکہ کے بعد ہر طرف سے وفود بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہونا شروع ہوگئے۔ ہر جانب سے سفارتیں آنے لگیں۔ وہ لوگ سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں آکر بالمشافہ اسلام کی حقیقت معلوم کرتے اور خود بھی مشرف باسلام ہوتے اور اپنی قوم اور قبیلہ کو بھی مسلمان کرنے کا وعدہ کرکے واپس جاتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النصر میں کہا ہے "آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتا دیکھ لیں گے۔" چنانچہ مورخین اور اصحاب السیر نے بھی لکھا اور واقعات وحالات بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد اسلام نہایت تیز رفتاری کے ساتھ پھیلا۔ بخاری میں سیدنا عمرو بن سلمہؓ کا بیان بھی ہماری اس بات کی تائید کرتا ہے کہ قبولِ اسلام کے لیے لوگوں کی نگاہیں قریش مکہ پر لگی ہوئی تھیں، اس لیے جب قریش نے اسلام کو قبول کرلیا تو چار دانگ عالم سے لوگ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوگئے۔ سیدنا عمرو بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک چشمہ پر آباد تھے جو لوگوں کی گزرگاہ پر واقع تھا۔ ہمارے اس راستہ سے ہر روز قافلے گزرتے رہتے تھے اور ہم ان سے پوچھتے رہتے کہ اس آدمی یعنی

Marfat.com

سرکارِ دو عالم ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگ کہتے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اللہ کی وحی اس کے پاس آتی ہے اور عرب لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے فتح مکہ کا انتظار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے اور اس کی قوم (قریش) کو پنجہ آزمائی کے لیے چھوڑ دو۔ اگر وہ اپنی قوم پر غالب آ گیا تو پھر سچا نبی ہے۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو ہر قوم نے اپنے اسلام کے ساتھ مدینہ کی جانب پیش رفت کی اور میرے والد بھی اپنی قوم کے اسلام کے ساتھ تشریف لے گئے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۱۵ ملخصاً)

اس حدیث سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ اسلام کی دعوت کے پھیلاؤ میں فتح مکہ کے کتنے دور رس اثرات ہیں۔ غزوہ تبوک کے بعد یہ کیفیت اور زیادہ پختہ ہو گئی کیونکہ عرب کے منتشر قبائل کے علاوہ ملک کی جنوبی سمت یمن و حضر موت اور عمان تک کے لوگ رومیوں کی پسپائی سے حیران رہ گئے۔ اور کہتے کہ کل کی بات تھی کہ یہی رومی ایران جیسی عظیم الشان مملکت کو تہ و بالا کر کے اپنی مقدس صلیب ان سے واپس لے آئے تھے، لیکن یہ اتنی بڑی سپر پاور مسلمانوں کے اس لشکر جرار سے جو تبوک میں بیس دن تک بیٹھا رہا، نبرد آزما نہیں ہو سکی۔ یہی اس کی بہت بڑی پسپائی ہے، چنانچہ سنہ ۹ھ اور سنہ ۱۰ھ میں مدینہ منورہ میں وفود کا تانتا لگ گیا۔ فتح مکہ میں اگر مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تھی تو جنگ تبوک میں تیس ہزار اور حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ یعنی اتنی تیز رفتاری سے لوگ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ حافظ مغلطائی نے ان وفود کی تعداد ستر بتائی ہے۔ جب کہ بعض نے تو اس سے بھی زیادہ ذکر کی ہے۔ علامہ قسطلانی نے ۳۵ وفود کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ (زرقانی جلد ۴ ص ۲) ہم یہاں ان میں سے چند مشہور وفود کا ذکر کریں گے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اگرچہ عام وفود فتح مکہ کے بعد آنے شروع ہوئے لیکن بعض قبائل فتح مکہ سے پہلے بھی آپ کی خدمت میں وفد لے کر آئے اور بعض نے تو اسلام بھی قبول کر لیا۔

۱- وفد ہوازن

ہوازن وہ قبیلہ ہے جن کے ساتھ آپ نے حنین کی جنگ لڑی تھی اور یہ لوگ شکست کھا کر ادھر ادھر بھاگ گئے تھے اور آپ ان کے قیدی اور مال و اسباب لے آئے تھے۔ آپ جب غزوہ طائف سے واپسی پر جعرانہ تشریف لائے تو ان کے چودہ آدمیوں کا ایک وفد آپ کی خدمتِ اقدس میں اپنے قیدی اور مال چھڑانے کے لیے حاضر ہوا۔ اس میں آپ کے رضاعی چچا بھی تھے۔ کیونکہ آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ اس وفد کے رئیس زہیر بن صرد نے کھڑے ہو کر نہایت رقت آمیز الفاظ میں آپ سے امداد طلب کی جس کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کیا ہے۔ آپ نے ان کے چھ ہزار قیدی انہیں واپس کر دیئے۔ چنانچہ یہ لوگ مسلمان ہو کر واپس گئے۔

Marfat.com

وفد بنو ثقیف

حنین کے بعد آپ نے طائف کا محاصرہ کیا، لیکن بعض حالات کے پیش نظر آپ کو وہ محاصرہ ترک کرنا پڑا۔ مگر غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد سب سے پہلے اہلِ طائف نے اپنی اطاعت کا اعلان کیا۔ ہوا یہ کہ اہلِ طائف کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی جو طائف کے محاصرہ کے زمانہ میں یمن گئے ہوئے تھے۔ جب وہ یمن سے واپس آئے تو غزوہ تبوک سے متاثر ہو کر وہ آپ کی خدمت اقدس میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور خود اسلام قبول کر کے اپنی قوم کو مسلمان کرنے کے لیے جلد واپس جانے پر مصر ہوئے۔

آپ کو بنو ثقیف کے بت لات کے بارہ میں ان کی عصبیت سے بہت خطرہ تھا، اسی وجہ سے آپ نے عروہ بن مسعودؓ کو ان میں تبلیغ سے منع کرتے ہوئے فرمایا: "اگر تم نے بنو ثقیف میں تبلیغ کی تو کہیں وہ تمہیں قتل نہ کر دیں؟" لیکن عروہؓ کو اپنے بارہ میں یہ خطرہ نہ تھا کیونکہ بنو ثقیف ان کا بہت احترام کرتے تھے، لہٰذا عرض کیا: "یا رسول اللہ! مجھے تو بنو ثقیف اپنی آنکھ کا تارا سمجھتے ہیں، وہ میری بات کو ضرور مانیں گے۔" چنانچہ وہ طائف پہنچے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ رات کو یاران شہر نے چھپ کر مشورہ کیا کہ عروہؓ کو قتل کر دیا جائے۔ سیدنا عروہؓ کو ان کے اس مشورہ کے بارہ میں کچھ پتہ نہ چلا۔ جب صبح کے وقت سیدنا عروہؓ نے ایک بلند مقام کھڑے ہو کر ثقیف کو نماز کے لیے جمع ہونے کے لیے کہا تو انہوں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق ان کا محاصرہ کر کے ان پر چاروں طرف سے تیر برسانا شروع کر دیئے، چنانچہ ایک تیر انہیں ایسا لگا کہ جس سے وہ شہید ہو گئے۔ سیدنا عروہؓ کے آخری الفاظ یہ تھے:

> "یہ اسلام خدا کی دین ہے جو مجھے عطا ہوئی اور یہ موت شہادت ہے جو میرے مقدر میں تھی۔ میں بھی انہی شہداء کی طرح ہوں جو قبل ازیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی معیت میں کفار سے برسرپیکار ہوئے اور جام شہادت نوش کیا۔"

اپنی جان جان آفرین کے سپرد کرتے ہوئے وصیت فرمائی کہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ دفن کیا جائے جو طائف کے محاصرہ میں شہید ہوئے تھے۔

بنو ثقیف نے انہیں شہید تو کر دیا لیکن اب وہ سخت پشیمان تھے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں ان کا کیا حشر ہوگا کیونکہ انہوں نے اسلام کے ایک اہم سپوت کو قتل کیا ہے۔ اب مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔ چنانچہ انہوں نے باہمی مشورہ سے اپنی طرف سے عبد یالیل کو صلح کے لیے نامزد کیا، لیکن عبد یالیل نے پہلے تو انکار کر دیا، کیونکہ یہ وہی شخص ہے جس نے سفر طائف میں آپؐ پر طائف کے اوباشوں سے پتھروں کی بارش کروا کر آپ کو لہولہان کیا تھا۔ اسے اپنا انجام معلوم تھا، لیکن بعد میں بنو ثقیف نے پانچ اور آدمیوں کو اس کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہونے کے لیے شامل کر دیا۔

اسی وفد میں عثمان بن العاص ثقفی بھی تھے جو سب سے زیادہ کم عمر تھے۔

یہ دراصل اس دعا کا اثر تھا جو آپ ﷺ نے طائف کا محاصرہ ختم کرنے کے بعد ان کے لیے کی تھی:

"اے اللہ! بنو ثقیف کو ہدایت فرما اور مسلمان کر کے ان کو میرے پاس بھیج"۔

چنانچہ سیدنا عروہ بن مسعود ثقفیؓ کی شہادت کے آٹھ ماہ بعد چھ آدمیوں کا وفد عبد یالیل کی زیر قیادت مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ سب سے پہلے ان لوگوں کو سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے دیکھا اور جلدی سے حضور ﷺ کو خوشخبری دینے کی غرض سے روانہ ہوئے، راستہ میں ان کی سیدنا صدیق اکبرؓ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا: "اتنی جلدی کہاں جا رہے ہیں؟" سیدنا مغیرہؓ نے بتایا کہ میں بنو ثقیف کے وفد کی آپ کو خوشخبری دینے کے لیے جا رہا ہوں۔ سیدنا ابو بکرؓ نے قسم دی اور کہا کہ مجھ کو اجازت دو کہ میں جا کر حضور ﷺ کو یہ بشارت دوں۔ سیدنا مغیرہؓ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ سیدنا ابو بکرؓ نے جا کر عبد یالیل کے وفد کی خوشخبری رسول اللہ ﷺ کو سنائی۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے قیام کے لیے مسجد نبوی میں خیمہ نصب کرایا تاکہ قرآن حکیم کو سنیں اور نماز اور نمازیوں کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں۔ ان کی میزبانی کے فرائض سیدنا خالد بن سعید بن العاصؓ کے سپرد تھے۔ لیکن طائفی بہر صورت طائفی تھے۔ وہ اپنے متعلق مسلمانوں سے بہت خائف تھے، کیونکہ انہوں نے اسلام کے ایک بطل جلیل سیدنا عروہ بن مسعودؓ کو شہید کیا تھا چنانچہ سیدنا خالد بن سعیدؓ ان کے لیے جو کھانا لاتے، بنو ثقیف اس وقت تک کھانے میں ہاتھ نہ ڈالتے جب تک سیدنا خالدؓ اس میں سے کچھ چکھ نہ لیتے۔ سیدنا خالد بن سعیدؓ حضور ﷺ اور بنو ثقیف کے وفد کے مابین وکیل کا کام بھی سرانجام دیتے تھے، چنانچہ وفد نے خالد بن سعیدؓ کے توسط سے تین شرطیں پیش کیں۔

۱۔ نماز معاف کر دی جائے۔

۲۔ ہمارے بت لات کو تین سال تک نہ توڑا جائے۔

۳۔ ہمارے بت ہمارے ہاتھوں سے نہ تڑوائے جائیں۔

نبی اکرم ﷺ نے پہلی دو شرطوں کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ آپ کا انکار ایسی قطعیت کے ساتھ تھا جس میں ترمیم و اضافہ یا استثناء کی گنجائش نہ تھی۔ انہوں نے لات کے لیے بجائے تین سال کے ایک ماہ کی مہلت مانگی لیکن وہ بھی انہیں نہ دی گئی۔ جس طرح ایمان اور کفر جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ایمان باللہ اور شرک ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ بنو ثقیف کی طرف سے لات کو منہدم نہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لات کو مساوی مقام دینا چاہتے تھے اور اسلام میں یہی شرک ہے۔ بنو ثقیف نے جب نماز کی معافی کی شرط پیش کی تو آپ نے اس کا مختصر جواب دیا کہ:

لا خیر فی دین لا صلوٰۃ فیہا

Marfat.com

"اس دین میں کوئی بہتری نہیں جس میں نماز نہیں۔"

قائد وفد عبدیالیل بن عمرو نے کہا کہ آپ اپنے اور بنو ثقیف کے درمیان ایک معاہدہ لکھوا دیں جس میں زناکاری، سود خوری اور شراب نوشی کی اجازت ہو، لیکن آپ نے ان کی یہ بات بھی منظور نہ فرمائی۔ آخر انہوں نے تنہائی میں مشورہ کیا اب رسول اللہ ﷺ کے سامنے سپر انداز ہونے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں، لہٰذا انہوں نے اسلام قبول کر لیا البتہ شرط یہ لگائی کہ ہمارے ہاتھ سے ہمارے بتوں کو نہ تڑوایا جائے۔ آپؐ نے ان کی یہ شرط منظور فرمالی کیونکہ مقصود بتوں کا توڑنا تھا خواہ اہلِ طائف خود توڑیں یا کوئی اور۔ آپ نے عثمان بن ابی العاص ثقفی کو ان کا امیر بنا کر ایک نوشتہ لکھ دیا۔ عثمان بن ابی العاص کو امیر اس لیے مقرر فرمایا کیونکہ عثمان مسائل دین سیکھنے اور قرآن پڑھنے کے بہت دلدادہ اور حریص تھے، جیسا کہ سیدنا صدیق اکبرؓ اور مہاجرین اولین نے ان کے بارہ میں شہادت دی۔ وفد ثقیف آخر رمضان تک مدینہ میں مقیم رہا۔ حضور ﷺ کے ساتھ روزے بھی رکھے۔ ان کی افطاری اور سحری دونوں وقت کا کھانا حضور ﷺ کے ہاں سے جاتا۔ یہ بھی ان کا ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ جب یہ وفد واپس طائف جانے لگا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے عثمان بن ابی العاصؓ سے فرمایا:

"باجماعت نمازوں میں قیام و سجود اور رکوع میں طول مت دو کیونکہ مقتدیوں میں کمزور اور ضعیف بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے، بچے، ناتواں اور کاروباری لوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔"

وفد کے لوگ اپنی قوم کے مزاج سے بھی واقف تھے اور سیدنا عروہ بن مسعودؓ کے انجام سے بھی آشنا تھے، لہٰذا انہوں نے واپس آکر پہلے پہلے تو اصل حقیقت اپنی قوم سے چھپائے رکھی اور اس کے سامنے لڑائی کا ہوا کھڑا کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا ہے کہ اسلام قبول کر لیں اور زناء شراب اور سود سے بالکل کنارہ کش ہو جائیں ورنہ پھر سخت لڑائی کی جائے گی۔ مسلمانوں سے لڑائی سے تو وہ واقف ہی تھے کہ جو بھی ان کے سامنے آیا، شکست ہی کھائی۔ چنانچہ دو تین روز تک وہ لڑائی ہی کی بابت سوچتے رہے، لیکن لڑائی میں انہیں اپنا انجام نظر آتا تھا، چنانچہ انہوں نے ارکان وفد سے عرض کیا کہ وہ پھر واپس حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر آپ کے مطالبات تسلیم کرے۔ اب وفد نے اصل حقیقت ان کو بتائی اور وہ سب اسی وقت ایمان لے آئے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو سفیان بن حربؓ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو چند صحابہ کرامؓ کے ساتھ انہدام لات کے لیے بھیجا۔ دونوں حضرات ثقیف کی قرابت اور مودت میں دوسروں سے زیادہ قریب تھے۔ ابو سفیانؓ اور مغیرہؓ دونوں ہاتھوں میں کدالیں لیے لات کے صنم کدہ کی طرف جا رہے تھے، تو ثقیف کی عورتیں برہنہ سر چھتوں پر بصد حسرت و یاس ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ جونہی انہوں نے

Marfat.com

لات پر ضرب لگائی تو عورتوں نے نالہ و شیون سے زمین و آسمان ایک کر دیئے، لیکن وفد کے معاہدہ کی وجہ سے کسی نے ان کا ہاتھ پکڑنے کی جرأت نہ کی۔ لات کے چڑھاوے میں جو مال و زر اور زیورات جمع تھے وہ سب لے لیے۔ اول اس میں سے عروہ بن مسعودؓ کے بیٹے ابو قلیح اور عروہؓ کے بھتیجے قارب بن الاسود کا قرض ادا کیا اور جو بچا وہ آپؐ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا گیا۔ آپؐ نے اسی وقت اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے دین کی مدد فرمائی۔ لات کے انہدام اور اہلِ طائف کے قبولِ اسلام کی ہیبت سے حجاز کے باقی قبائل اور قریے بھی مسلمان ہو گئے اور آپؐ کی سطوت کا شہرہ شام میں روم کی دیواروں تک جا پہنچا تو جنوب میں یہ غلغلہ یمن اور حضر موت تک چلا گیا۔

حافظ ابن قیمؒ نے سیدنا ابو سفیانؓ کے بجائے سیدنا خالد بن ولیدؓ کا نام انہدام لات میں لکھا ہے۔
(زرقانی جلد ۴ ص ۶-۹، زاد المعاد جلد ۳ ص ۲۶-۲۸، ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۳۷-۵۴۲)

۳۔ وفد عبد القیس

عبد القیس ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کا وفد دو مرتبہ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ ایک دفعہ سنہ ۵ھ میں اور دوسری دفعہ سنہ ۹ھ میں۔ جب یہ وفد پہلی مرتبہ آیا تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس قبیلہ کا ایک شخص منقذ بن حبان سامان تجارت لے کر مدینہ طیبہ آیا جایا کرتا تھا۔ حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد جب وہ مدینہ آیا تو مسلمان ہو گیا اور آپ کا ایک نوشتہ لے کر اپنی قوم کے پاس گیا۔ قوم نے بھی اس کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا اور اس کے تیرہ یا چودہ آدمی ایک وفد کی صورت میں حرمت والے مہینے میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: ''مرحبا اس قوم کو جو نہ رسوا ہوئے اور نہ شرمندہ۔'' یعنی خوشی سے مسلمان ہوئے، لڑ کر مسلمان نہیں ہوئے جس سے ان کو ندامت ہوتی۔ اس دفعہ اس وفد نے ایمان اور مشروبات کے متعلق آپ سے سوال کیے۔

دوسری مرتبہ اس قبیلہ کا وفد سنہ ۹ھ میں آیا۔ اس وقت یہ چالیس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس وقت ان میں علاء بن جارود عبدی تھے جو پہلے نصرانی تھے، پھر مسلمان ہو گئے۔ (نووی جلد ۱ ص ۳۳)

صحیح ابن حبان میں ہے کہ آپ نے انہیں فرمایا: ''کیا ہوا کہ میں تمہاری رنگت کو بدلا ہوا دیکھتا ہوں۔ (اری الوانکم تغیرت) (زرقانی ج ۴ ص ۱۳، فتح الباری ج ۸ ص ۸۵)

وفد بنو حنیفہ

بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب کا قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کا وفد بھی سنہ ۹ھ میں مدینہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ اس میں مسیلمہ کذاب بھی تھا اور یہ سترہ آدمیوں پر مشتمل تھا، یہ وفد ایک انصاری کے مکان پر اترا۔ پھر

بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گیا۔ لیکن مسیلمہ کذاب اپنے تکبر اور اکڑپن کی وجہ سے بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر نہ ہوا۔ آپ خود ثابت بن قیس بن شماسؓ کے ہمراہ اس کے پاس گئے، آپ نے ہر طریقہ سے اس کی دل جوئی کرنا چاہی لیکن اس پر پیغمبرانہ اخلاق کا کوئی اثر نہ ہوا، چنانچہ آپ نے فراست نبوی سے یہ تاڑ لیا کہ اس میں شر موجود ہے۔

مسیلمہ کذاب نے کہا! اگر آپ مجھ کو اپنے بعد اپنا خلیفہ اور جانشین بنا لیں تو میں آپ کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کی ایک شاخ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے یہ بھی مانگو گے تو میں یہ بھی نہ دوں گا اور تم اپنے بارے میں اللہ کے مقرر کیے ہوئے فیصلہ سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ اور اگر تم نے پیٹھ پھیری تو اللہ تعالیٰ تمہیں توڑ کر رکھ دے گا۔ غالباً تُو وہی ہے جو مجھے خواب میں دکھلایا گیا ہے اور یہ ثابت بن قیسؓ ہیں جو تمہیں میری طرف سے جواب دیں گے۔ یہ کہہ کر آپ واپس تشریف لے آئے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میرے پاس روئے زمین کے خزانے لا کر رکھ دیئے گئے اور اس میں سے سونے کے دو کنگن میرے ہاتھ پر آ پڑے۔ مجھے یہ بہت گراں گزرے۔ مجھے کہا گیا کہ انہیں پھونک مارو، میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں اُڑ گئے۔"

اس کی تعبیر آپ نے یہ فرمائی کہ آپ کے بعد دو کذاب ظاہر ہوں گے، چنانچہ ان میں سے ایک مسیلمہ کذاب ہوا اور دوسرا اسود عنسی، اسود عنسی تو آپ کی زندگی ہی میں مارا گیا اور مسیلمہ کذاب آپؐ کے جانشین اور خلیفہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں وحشی بن حربؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس نے سنہ ۱۰ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا اور ربیع الاول سنہ ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں قتل ہو گیا۔

(زرقانی جلد ۴ ص ۱۹، فتح الباری جلد ۸ ص ۹۳، مسند احمد جلد ۲ ص ۳۴۷)

وفد اشعریین

اشعریین یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جو اپنے جد امجد اشعر کی طرف منسوب تھا۔ اشعر شعر سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں "کثیر الشعر" بہت زیادہ بالوں والا۔ اشعر جب پیدا ہوا تو اس کے جسم پر بہت زیادہ بال تھے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔ یہ وفد سنہ ۷ھ میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ جب یہ اپنے قبیلہ سے روانہ ہوا تو یہ شعر پڑھتے ہوئے آئے۔

غدا نلقی الاحبہ   محمدا و حزبہ

"کل ہم دوستوں سے جا ملیں گے۔ یعنی محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں سے۔"

Marfat.com

ادھر یہ حضرات اپنے قبیلہ سے روانہ ہوئے' ادھر مدینہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو بتایا کہ یمن سے ایک جماعت آ رہی ہے جو نہایت رقیق القلب ہے اور قساوت سے یک قلم پاک لوگ ہیں' چنانچہ اشعرمین کا وفد آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کو بتایا کہ اہلِ یمن آ گئے ہیں جو نرم دل ہیں' ایمان یمنی ہے اور حکمت بھی یمنی ہے' چونکہ یہ لوگ اکثر بکریاں رکھتے تھے' لہٰذا فرمایا:

"سکون واطمینان اور وقار و تواضع بکریوں والوں میں ہے' اور فخر اور اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو نظر حقارت سے دیکھنا اونٹ والوں میں ہے۔ اور آپ نے مشرق کی جانب اشارہ فرمایا۔"

وفد کے ارکان نے اپنے آنے کا مقصد یہ بیان کیا کہ ہم تفقہ فی الدین حاصل کریں گے اور تکوین عالم کی ابتدا کو دریافت کریں گے' گویا دین کے بارہ میں تحقیق کے لیے یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: سب سے پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا اور ہر شے کو "لوح محفوظ" میں لکھ دیا۔

(زرقانی جلد ۴ ص ۲۸' فتح الباری جلد ۸ ص ۷۵)

وفد ہمدان

ہمدان کا وفد سنہ ۹ھ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی تبوک سے واپسی پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہمدان یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے سیدنا خالد بن ولیدؓ کو دعوت اسلام کے لیے ان کے پاس بھیجا۔ سیدنا خالدؓ ان میں چھ ماہ ٹھہرے رہے' لیکن کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔ بعد ازاں آپؐ نے سیدنا علیؓ کو بھیجا۔ سیدنا علیؓ نے ان کو دعوت اسلام دی تو ایک ہی دن میں تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ آپ کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور جوش مسرت میں کئی بار یہ فرمایا "السلام علی ھمدان" (ہمدان پر سلامتی ہو) یہ واقعہ سنہ ۸ھ کا ہے۔

پھر جب آپؐ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تو اس زمانہ میں ہمدان کا ایک وفد آپ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ اراکین وفد یمن کی منقش چادریں اوڑھے اور عدن کے عمامے باندھے اور مہری اونٹوں پر سوار اس شان سے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اتنی فصاحت و بلاغت اور سلیقہ سے آپ سے گفتگو کی کہ اہلِ وفد نے آپ سے جو مانگا' آپ نے انہیں مرحمت فرما دیا اور انہیں ایک نوشتہ لکھ دیا اور مالک بن نمط کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ اس وفد میں ایک سو بیس ارکان تھے۔

(زرقانی جلد ۴ ص ۳۴' عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۲۸)

Marfat.com

وفد تجیب

قبیلہ تجیب کا تیرہ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد اپنی قوم کے صدقات کا مال لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ اس مال کو واپس لے جاؤ اور وہیں کے فقراء پر تقسیم کر دو۔ انہوں نے عرض کیا: یہ وہی مال ہے جو ہمارے فقراء سے بچ گیا ہے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی: یا رسول اللہ! تجیب جیسا وفد اب تک کوئی نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا' بے شک' اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ ہمدردی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کا سینہ ایمان کے لیے کھول دیتے ہیں۔ اس وفد نے بعد میں سرکارِ دوعالم ﷺ سے مختلف سوالات پوچھے۔ آپ نے ان کے جوابات لکھوا دیئے اور ان کی خاطر و مدارت کے لیے سیدنا بلالؓ کو خصوصی تاکید فرمائی۔ وہ کچھ روز آپ کی خدمت میں ٹھہرے اور اس عرصہ میں قرآن و سنت کے بارہ میں اکثر پوچھتے رہے۔ ایک روز انہوں نے واپس جانے کے لیے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا جلدی ہے؟ کچھ روز اور ٹھہریں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! واپس جانے کے لیے جلدی تو کوئی نہیں' لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جلد واپس جا کر اپنی قوم کو آپ کے ارشادات اور آپ کے فیوض و برکات اور آپ کے دیدار پر انوار کے تاثرات سے مطلع کریں۔ آپ نے انہیں انعام و اکرام سے بھی نوازا۔ جب وہ واپس جانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم میں سے کوئی باقی تو نہیں رہ گیا۔ انہوں نے عرض کی: ایک نوجوان لڑکا ہے جو ہماری قیام گاہ پر ہمارے مال و اسباب کی حفاظت کرتا ہے' وہ رہ گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: اس کو بلاؤ' چنانچہ وہ اپنے ڈیروں پر آئے اور اس نوجوان لڑکے کو کہا: تمہیں رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں۔ ہم نے تو اپنی حاجتیں پوری کر لی ہیں' تم بھی اپنی حاجت آپ سے پوری کر لینا' چنانچہ وہ نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا' یا رسول اللہ! آپ نے میرے قبیلہ والوں کی حاجتیں تو پوری فرما دیں' ایک میری بھی حاجت ہے' لیکن میری حاجت میرے قبیلہ والوں کی حاجت سے مختلف ہے۔ فرمایا: "تمہاری حاجت کیا ہے؟" اس نوجوان نے عرض کیا: میں گھر سے صرف اس لیے آیا ہوں کہ آپ میرے لیے یہ دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت و بخشش سے نوازے اور میرے دل کو غنی بنا دے۔ سرکارِ مدینہ ﷺ نے اس کے لیے یہ دعا فرمائی:

اللھم اغفر لہ وارحمہ واجعل غناہ فی قلبہ۔

"اے اللہ! اس کی بخشش فرما اور اس کو اپنی رحمت سے نواز اور اس کے دل کو غنی بنا دے"۔

پھر آپ نے اس کے لیے انعام و اکرام کا حکم فرمایا۔

Marfat.com

پھر سنہ ۱۰ھ میں جب اس قبیلہ کے لوگ حج کے لیے آئے تو وہ منیٰ میں حضور ﷺ سے ملے۔ آپ نے اس نوجوان کے بارہ میں پوچھا۔ ان لوگوں نے بتایا: یا رسول اللہ! بخدا! ہم نے اس سے زیادہ قانع اور زاہد نہیں دیکھا۔ لوگ خواہ اس کے سامنے کتنا ہی مال کیوں نہ تقسیم کریں وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کے انتقال کے بعد جب ارتداد کی لہر چلی تو صرف یہی نہیں کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہا بلکہ اس کے وعظ و نصیحت سے پوری قوم اسلام پر جمی رہی۔

سیدنا صدیق اکبرؓ آنے جانے والوں سے اس کے بارہ میں پوچھتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب انہیں اس بات کا پتہ چلا کہ پوری قوم اس کے وعظ و تبلیغ کی وجہ سے اسلام پر قائم رہی ہے تو زیاد بن ولید کو لکھا کہ اس نوجوان کا خاص طور پر خیال رکھیں۔

(عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۲۹۔ ۳۳۰، زرقانی جلد ۴ ص ۵۰، زاد المعاد جلد ۳ ص ۴۶)

وفدِ نجران

نجران یمن کا ایک بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں سے ایک وفد ساٹھ افراد پر مشتمل سنہ ۹ھ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ عیسائی تھے۔ ان ساٹھ افراد میں سے ۲۴ آدمی اشراف میں سے تھے۔ رئیس الوفد عبدالمسیح عاقب تھا۔ دوسرا شخص ایہم یا شرحبیل تھا جو ثقافتی اور سیاسی امور کا نگران تھا اور تیسرا ان کا لاٹ پادری اور روحانی پیشوا ابو حارثہؓ بن علقمہ تھا۔ ابو حارثہ کی شاہان روم بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے اور اس کو بڑی بڑی جاگیریں دے رکھی تھیں، یہ تینوں آدمی اہلِ نجران کے سرکردہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں اتارا۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مختلف امور پر بات چیت کی۔ انہوں نے الوہیت اور ابنیت مسیح پر بھی آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے ان کے مسکت جوابات دیئے، لیکن وہ حق واضح ہونے کے باوجود اسلام نہ لائے۔ آپ نے انہیں دن بھر غور و فکر کے لیے چھوڑ دیا۔ جب اگلی صبح ہوئی تو آپ نے پھر ان پر اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں۔ آپ نے فرمایا: تمہارا یہ اسلام کیا ہے جب کہ تم خدا کے لیے بیٹے تجویز کرتے ہو، صلیب کی پرستش کرتے ہو، خنزیر کھاتے ہو؟ اس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ پھر آپ نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی جس کو انہوں نے قبول نہ کیا۔ آخر انہوں نے باہمی مشورہ سے یہ فیصلہ کیا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کو اپنے بارہ میں حکم بنایا جائے، چنانچہ آپؐ نے ان سے جزیہ لینا منظور فرمالیا اور ایک معاہدہ تحریر ہوا جس میں تھا کہ:

۱۔ اہلِ نجران سالانہ دو ہزار جوڑے ادا کریں گے، ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں۔ ہر جوڑے کی قیمت ایک اوقیہ چاندی (۱۵۲ گرام چاندی) ہوگی۔

۲۔ اہلِ نجران پر آپ کے قاصد کی ایک ماہ تک مہمانی ضروری ہوگی۔

۳۔ یمن میں اگر کوئی شورش اٹھ کھڑی ہو تو اہلِ نجران پر تیس زرہیں اور تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریتاً دینے لازم ہوں گے جو بعد میں واپس کر دیئے جائیں گے۔

۴۔ اللہ اور اس کا رسول یعنی اسلامی اسٹیٹ ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔

۵۔ جو شخص سود کھائے گا تو میں اس سے بری الذمہ ہوں۔

۶۔ اگر کوئی شخص تعدی اور ظلم کرے گا تو اس کے بدلہ میں دوسرا شخص ماخوذ نہ ہوگا۔

سیدنا ابو سفیان بن حربؓ، سیدنا غیلان بن عمروؓ، سیدنا مالک بن عوفؓ، سیدنا اقرع بن حابسؓ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے اس عہد نامہ پر اپنے شہادتی دستخط کیے۔ (زاد المعاد جلد ۳ ص ۴۰)

نجران کے ان نصاریٰ نے واپس جاتے وقت گزارش کی کہ ان کے ہاں ایک امین شخص کو بھیج دیں تاکہ وہ ہم سے عہد نامہ کے مطابق مال وصول کرے، چنانچہ آپ نے سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ اس امت کا امین ہے۔

(زرقانی جلد ۴ ص ۴۳، زاد المعاد جلد ۳ ص ۴۱، فتح الباری جلد ۸ ص ۹۴-۹۵)

اس کے بعد ان میں اسلام پھیلنا شروع ہوا اور سید ایہم اور عبد المسیح عاقب واپس جاکر مسلمان ہوگئے اور پھر مدینہ طیبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان دونوں کو سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر ٹھہرایا۔ لاٹ پادری ابو حارث کا چچازاد بھائی کرز بن علقمہ بھی چند روز کے بعد مسلمان ہوگیا، پھر نبی اکرم ﷺ نے صدقات اور جزیہ لانے کے لیے سیدنا علیؓ کو ان کے ہاں روانہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ صدقہ مسلمانوں ہی سے لیا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ سنہ ۸ھ، سنہ ۹ھ اور سنہ ۱۰ھ میں جزیرہ نما عرب کے مختلف علاقوں میں سے آپ کی خدمت میں وفود کا ایک لگاتار سلسلہ شروع ہوگیا، چنانچہ اصحاب سیر نے اس سلسلہ میں وفد طی، وفد کندہ، وفد ازد، وفد بنی الحارث، وفد مزینہ، وفد اوس، وفد طارق بن عبد اللہ مہاربی، وفد ہذیم، وفد بنی فزارہ، وفد بنی اسد، وفد بہراء، وفد عذرہ، وفد بنی مرہ، وفد خولان، وفد صداء، وفد غسان، وفد غامد، وفد رازد، وفد نخع وغیرہ کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۱۲-۲۴۲، زاد المعاد وغیرہ)

ان وفود کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ ان دو تین سالوں میں دعوت اسلامی کو کس قدر فروغ اور قبولِ عام حاصل ہوا۔ دراصل اب مدینہ تمام جزیرہ نما عرب کا دار الحکومت بن گیا تھا اور لوگ جوق در جوق اپنی جسمانی اور روحانی حاجات کی تکمیل کے لیے یہاں چلے آرہے تھے اور دنیا نے دیکھا کہ اکھڑ اور اجڈ بدو اسلامی تعلیمات سے روشناس ہونے کے بعد دنیا کے مہذب ترین لوگ بن گئے، جن کو دیکھ کر لوگ اپنی زندگی اور تہذیب کے راستے متعین کرنے لگے۔ ہاں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو صرف اپنے

Marfat.com

قبائل کے رؤسا کی وجہ سے مسلمان ہوئے تھے، مدینہ میں حاضری کا انہیں کوئی موقع نہ ملا اور نہ ان کے اپنے قبیلہ میں ان کی کسی نے کوئی تربیت کی اس وجہ سے اسلام ان کے دلوں میں پوری طرح داخل نہ ہوا۔ (ملاحظہ ہو سورۃ نمبر۹، آیت نمبر ۹۷-۹۸ وغیرہ)

Marfat.com

حجۃ الوداع

۲۳ سال کی شبانہ روز دعوت و تبلیغ سے اور متعدد غزوات اور سرایا سے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو چکے۔ دور دراز کے قبائل اور وفود بارگاہ نبوت میں آ کر توحید خداوندی اور رسالت کا اقرار کر کے اور کفر و شرک سے تائب ہو کر اسلام کی دعوت کو دل و جان سے قبول کر چکے۔ سنہ ۹ھ میں کعبہ کو مراسم جاہلیت سے بالکل پاک کر دیا گیا۔ اب ہاتف غیبی آپ کے قلب و شعور کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ اب دنیا میں قیام کا زمانہ اختتام پذیر ہے، چنانچہ آپ نے اس بارہ میں مختلف صحابہ کرامؓ کو اشارتاً بھی دیا تھا کہ اب میں اس دنیا سے جانے والا ہوں، سنہ ۱۰ھ میں آپ نے سیدنا معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں رخصت فرماتے ہوئے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا: اے معاذؓ غالباً اس سال کے بعد تم مجھ سے نہیں مل سکو گے، بلکہ میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔ آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ سن کر سیدنا معاذ بن جبلؓ رونے لگے۔

آپ نے امت کو دین کی ہر بات کا عملی نمونہ بھی دکھا دیا تھا لیکن سنت ابراہیمی کے مطابق حج کیسے کیا جاتا ہے؟ ابھی آپ نے یہ امت کو نہیں بتایا تھا۔ سنہ ۹ھ میں اگرچہ آپ نے حج کی فرضیت کے بعد سیدنا صدیق اکبرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا اور انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کو اس فریضہ سے روشناس کرایا لیکن لوگوں کی معیت میں اعلانِ نبوت کے بعد ایک دفعہ بھی آپ نے امت کو حج کر کے نہیں بتایا تھا۔ ہجرت سے قبل اگرچہ سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کے بیان کے مطابق آپ نے دو حج کیے تھے لیکن وہ حج کس طریقہ سے کیے، امت کو اس بارہ میں کوئی علم نہیں تھا۔ اس لیے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ امت کو بتایا جائے کہ حج کس شان سے ہونا چاہیے اور حج کے بارہ میں سنت ابراہیمی کیا ہے؟

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اس دین کے لیے اور دین کی اس دعوت کے لیے آپ نے ۲۳ سال

Marfat.com

شبانہ روز گوناگوں مشکلات اور تکالیف برداشت کیں۔ طائف میں پتھر کھائے تو مکہ میں اونٹ کی اوجھڑی سجدہ کی حالت میں اپنے اوپر ڈلوائی، احد میں دندان مبارک شہید کروائے تو مکہ سے مدینہ کی ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ کے ساتھ آپ کے اولین ساتھیوں نے بھی یہ مشقتیں برداشت کیں۔ اب آپ جاننا چاہتے تھے کہ میری محنت کا نتیجہ کیا کچھ ہے؟ کیونکہ ایک وقت وہ تھا کہ جب مٹھی بھر صحابہ کرامؓ جن کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی، کفر کے سامنے لاکر میدان بدر میں کھڑے کردیئے اور سربسجود ہوکر یہی دعا کی کہ "خداوند! میری پندرہ برس کی یہی کمائی ہے جس کو کفر مٹانے پر تلا ہوا ہے، اس کو تیری نصرت اور مدد چاہیے، کیونکہ اگر یہ مٹھی بھر لوگ کفر نے نیست و نابود کردیئے تو پھر قیامت تک تیری عبادت کوئی نہیں کرے گا"۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وہ تین سو تیرہ مجاہد کامیاب و کامران ہوئے۔ اس کے بعد کے آٹھ سالوں کی محنت کا ثمرہ بھی ایک جگہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے اور ان سب سے آپ یہ شہادت لینا چاہتے تھے کہ آپ نے حق امانت ادا کردیا ہے۔ اللہ کے احکام بغیر کسی ردوبدل کے لوگوں کے سامنے پہنچادیئے ہیں اور امت کی خیر خواہی کا حق ادا کردیا ہے۔ ان سب باتوں کی شہادت آپ اپنے کانوں سے سننا چاہتے تھے، چنانچہ آپ نے اس تاریخی حج کا جس کو بعد میں حجۃ الوداع کا نام دیا گیا، اعلان فرمایا۔ یہ اعلان سنہ ۱۰ھ میں کیا جب کہ اس سال کے اکثر مہینے نکل چکے تھے۔ ذی قعدہ کا بھی دوسرا پندرھواڑہ شروع ہوچکا تھا۔

آپ کے اس عزم کا افشا ہوتے ہی یہ خبر تمام ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ صحرا کے بادیہ نشین، پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں بسنے والے، دیہات اور شہروں کے باسی دور و نزدیک ہر طرف سے لوگ امنڈ کر مدینہ میں سمٹ آئے۔ مدینہ سے باہر خیموں کا ایک نیا شہر آباد ہوگیا۔ آپ نے خود بھی مختلف جگہوں پر لوگوں کو پیغام بھجوایا کہ اس سال میں خود حج پر جارہا ہوں، لہٰذا اس میں شمولیت کرکے مجھ سے احکام حج سیکھ لو، چنانچہ ایک لاکھ چوبیس ہزار بلکہ اس سے بھی زائد تعداد میں لوگ مدینہ اور اس کے باہر جمع ہوگئے جنہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو چند سال قبل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، کوئی شخص کسی کی قیادت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن آج مودت واخوت کے صدقے میں باہم بھائیوں کا سا برتاؤ کررہے تھے۔ ہزاروں نووارد مسلمان جوق درجوق مدینہ پہنچ کر اس کی گلیوں میں مٹرگشت کررہے تھے اور ہر بشر خندہ رو، چہرے سے مسرت و شادمانی آشکار اور اتحاد و اتفاق میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح تھا اور ہر ایک کی یہ آرزو اور یہ خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نقش پا کو اپنے لیے نشان راہ بنائے اور آپ کی اقتداء کرکے منزل مقصود کو حاصل کرے۔

۲۶ ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ بروز ہفتہ سرکار دوعالم ﷺ ظہر اور عصر کے درمیان مدینہ منورہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مہاجرین وانصار اور اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ کے

Marfat.com

ساتھ جانے والوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کچھ زائد کتابوں میں آئی ہے۔ روانگی سے قبل آپ نے غسل فرمایا، بالوں میں کنگھی کی، تیل لگایا، تہبند اور چادر وغیرہ اوڑھی، قربانی کے جانوروں کو قلادہ پہنایا اور نماز عصر سے قبل آپ ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ وہاں نماز عصر دو رکعت ادا فرمائی اور رات بھر قیام فرمایا۔ صبح ہوئی تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا: رات میرے پروردگار کی جانب سے ایک آنے والے نے آکر کہا: اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو: "حج میں عمرہ ہے۔"

(بخاری جلد ا ص ۲۰۷)

نماز ظہر آپ نے مدینہ طیبہ میں پڑھی اور عصر ذوالحلیفہ میں۔ یہاں آپ نے حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا اور لبیک کی آواز بلند کی اس کے بعد اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر کھلے میدان میں تشریف لے گئے اور وہاں بھی صدائے لبیک بلند فرمائی۔

تمام ازواج مطہرات جن کی تعداد نو تھی اور سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھیں۔ زائرین کعبہ رسول اللہ ﷺ اور امہات المومنینؓ کے پیچھے پیچھے صدائے لبیک بلند کرتے ہوئے مکہ مکرمہ کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ خانہ خدا کی زیارت اور حج بیت اللہ کی خوشی سے دل بلیوں اچھل رہے تھے اور تمام قافلہ دو چادروں میں ملبوس (ایک تہ بند اور ایک اوپر) یک رنگ اور یک لباس مساوات کا ایک نادر روزگار نمونہ پیش کرتے ہوئے زبان پر تلبیہ کا ورد لیے، خلوص نیت سے اپنے پروردگار کے گھر کی زیارت کے لیے اپنا سفر جاری کیے ہوئے تھا۔ سیدنا علیؓ جن کو آپ نے رمضان المبارک میں صدقات کی وصولی کے لیے یمن بھیجا تھا ان کو مکہ مکرمہ پہنچنے کے لیے کہہ دیا گیا، چنانچہ وہ یمن سے مکہ کے لیے چل پڑے تھے۔ اللہ والوں کا یہ گروہ جب راستہ میں یک زبان ہو کر تلبیہ کہتا یعنی:

لبیک اللھم لبیک، لاشریک لک لبیک، ان الحمد والنعمہ لک والملک، لاشریک لک۔

تو اس آواز سے دشت و صحرا گونج اٹھتے۔ موجودات کے ذرہ ذرہ نے مسلمانوں کے ساتھ ہم آہنگی سے خدائے واحد کی ربوبیت کا اعتراف کیا۔ زائرین کوسوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ راستہ میں جہاں نماز کا وقت آگیا، سب مل کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں سربہ سجود ہو گئے۔ تکبیر کی دل کش آواز سے اللہ کی اطاعت اور تشکر کا اظہار کیا۔ ان اللہ والوں کے خلوص کو دیکھ کر فرشتوں کو بھی رشک آتا ہوگا۔ ان میں ہر شخص بے تابی کے ساتھ حج کا منتظر کہ دیکھیں خانہ خدا کی زیارت کب نصیب ہوتی ہے۔ عرب کے دشت و جبل، وادیاں اور نخلستان بھی اتنے بڑے مجمع پر حیران کہ آج تک اس نبی امی ﷺ کی سی بابرکت و پربہار شخصیت دیکھنے میں نہیں آئی۔

یہ سفر قریباً ہفتہ بھر جاری رہا۔ ایک روز رات کے وقت مکہ کے قریب پہنچے تو ذی طویٰ میں ٹھہر

Marfat.com

گئے۔ رات وہیں گزاری اور نماز فجر کے بعد غسل فرمایا، پھر مکہ مکرمہ میں اتوار ۴ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو صبح کے وقت داخل ہوئے، راستہ میں آپ کی آٹھ راتیں گزری تھیں۔

(ایک روایت میں ہے کہ جب زائرین مقام سرف پر پہنچے تو سرکارِ مدینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس زائر کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو اسے صرف عمرہ کی نیت کرنا چاہیے اور جن حضرات کے ساتھ قربانی (ھدی) موجود ہے ان کے لیے حج کی نیت ضروری ہے۔)

۴ ذی الحجہ کو آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے زیارت کعبہ کے لیے سبقت فرمائی۔ پھر حجر اسود کو بوسہ دیا۔ بعد ازاں کعبہ کے سات طواف میں پہلے تین میں رمل کیا اور باقی چار چکر معمولی رفتار سے کیے۔ یہاں سے فراغت کے بعد کوہ صفا پر تشریف لائے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تکمیل کی۔ پھر اعلان فرمایا کہ جس زائر کے ساتھ ھدی (قربانی) نہ ہو وہ احرام کھول دے، لیکن بعض حضرات نے اس پر تامل کیا جس پر آپ نے خشم گین ہو کر فرمایا:

"جو حکم میں دیتا ہوں تم پر اس کی تعمیل واجب ہے۔"

اور اسی برہمی کی حالت میں آپ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک صحابی حاضر خدمت ہوئے اور آپ کے مزاج میں کچھ برہمی کے آثار دیکھ کر عرض کی: "یا رسول اللہ! آپ کو ناراض کرنے والے کے لیے جہنم کا عذاب ہے"۔ ارشاد فرمایا: تم نے دیکھا نہیں کہ جو انہیں حکم دیا گیا تھا یہ لوگ اس کی تعمیل میں متامل ہیں۔ اگر مجھے حج قران کی مشکلات کا اندازہ ہوتا تو میں ھدی (قربانی) کے جانور ساتھ نہ لاتا اور احرام کھول دیتا۔ مسلم میں ہے کہ جب مسلمانوں کو آپ کی برہمی کا پتہ چلا تو ایسے زائرین نے ندامت کے ساتھ احرام کھول دیئے جو ھدی ساتھ لے کر نہیں آئے تھے۔ ازواج مطہراتؓ اور سیدہ فاطمہؓ نے بھی احرام کھول دیا، ماسوائے ان حضرات کے جن کے ساتھ قربانی کے جانور تھے۔

اس دوران میں سیدنا علیؓ بھی یمن سے تشریف لے آئے، جب انہوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے احرام نہیں اتارا ہے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں احرام نہ اتارا۔ لیکن جب آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں باریاب ہوئے تو آپؐ نے سیدنا علیؓ کو بھی کعبہ کا طواف کرنے اور دوسرے مسلمانوں کی طرح احرام اتار دینے کے لیے ارشاد فرمایا۔ سیدنا علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں احرام باندھتے وقت ان الفاظ میں نیت کر چکا ہوں:

"اے اللہ! میرا تلبیہ انہی لفظوں میں ہے جن سے تیرے نبی، عبد اور رسول، محمد ﷺ نے فرمایا ہے۔"

آپ نے دیکھا کہ سیدنا علیؓ کے ساتھ بھی قربانی کے جانور نہیں اور نیت حج ان کی وہی ہے جو میری ہے تو آپ نے انہیں اپنی قربانیوں میں شریک فرمالیا اور سیدنا علیؓ مناسک حج کی تکمیل تک محرم ہی رہے۔

Marfat.com

۸ذی الحجہ، ترویہ کے روز، آپ منیٰ تشریف لے گئے۔وہاں ۹ذی الحجہ کی صبح تک قیام فرمایا۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور ۹ذی الحجہ کی نماز فجر آپ نے منیٰ میں ادا کیں، پھر سورج نکلنے تک توقف فرمایا۔ آفتاب نکل آنے کے بعد آپ اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہو کر عرفات کی جانب روانہ ہو گئے۔ سب صحابہ کرامؓ آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے چل رہے تھے اور پیغمبر اسلام کی ایک ایک حرکت کو ملاحظہ کر رہے تھے۔ عرفات پہنچ کر آپ نے وادی نمرہ میں ایک قبہ میں قیام فرمایا۔ زوال کے بعد آپ کے حکم سے آپ کی ناقہ قصواء پر کجاوہ کسا گیا اور آپ بطن وادی میں تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے گرد و پیش ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دوسری روایت کے مطابق ایک لاکھ چوالیس ہزار انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جن میں بعض تلبیہ پکار رہے تھے اور بعض تکبیرات۔ آپ عرفات کے وسط میں تشریف لائے اور اپنی ناقہ پر بیٹھے ہوئے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو دنیا میں انسانی حقوق کا سب سے پہلا چارٹر ہے اور دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود اس سے بہتر انسانی حقوق کا چارٹر نہیں دے سکی۔ آپ اس خطبہ کے ہر جملہ کے بعد توقف فرماتے اور اسی لمحے سیدنا ربیعہ بن امیہ بن خلف انہی الفاظ کا اعادہ باآواز بلند فرماتے۔ آپ نے فرمایا:

"لوگو! میری بات غور سے سنو، کیونکہ میں نہیں جانتا شاید اس سال کے بعد اس مقام پر تم سے کبھی نہ مل سکوں"۔

"اے لوگو! تمہارا خون اور تمہارا مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارے آج کے دن کی، اور اس مہینہ ذی الحجہ اور شہر کی حرمت ہے"۔

"جس کسی کے پاس دوسرے کی امانت ہو، وہ اس کے مالک کو لوٹادی جائے"۔

"جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں، اور جاہلیت کے تمام خون معاف اور ختم ہیں، اور سب سے پہلے میں ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے کا خون جو ہذیل کے ذمہ ہے، معاف کرتا ہوں"۔ (یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ بنو ہذیل نے اسے قتل کر دیا)

"جاہلیت کے تمام سود ختم کر دیئے گئے۔ تمہارے لیے اب صرف رأس المال ہے، نہ تم ایک دوسرے پر ظلم کرو، نہ قیامت کے دن تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے سود کو ممنوع اور ناجائز قرار دے دیا ہے۔ سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلبؓ کا سارا سود ساقط اور باطل کرتا ہوں"۔

"اے لوگو! اب عرب میں شیطان کی پوجا کبھی نہیں کی جائے گی، لیکن اس کی پرستش

کے بجائے اگر شیطان کی صرف اطاعت کی گئی تب بھی وہ خوش ہوگا‘ اس لیے دینی امور میں شیطانی وساوس کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دو“۔

”اے لوگو! ادب والے مہینوں کا غیر ادب والے مہینوں سے ادل بدل لینا کفر ہے۔(ان النسی زیادۃ فی الکفر) جس میں مومن آلودہ نہیں ہو سکتا لیکن کافر کا اس سے بچنا محال ہے‘ جو اس سال ان چار مہینوں میں ایک مہینہ آئندہ سال کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں اور آنے والے سال میں اسے بدستور اپنے محل پر رکھتے ہیں‘ یہ بھی خدا کی طرف سے حرام کردہ امور کو حلال کر لینا اور حلال شدہ امور کو حرام کر لینا ہی ہے“۔(یہ دراصل سورہ توبہ کی آیت ۲۹ کی طرف اشارہ ہے)

”اور دیکھو‘ جب اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا زمانہ پھر پھرا کر آج پھر اسی نقطہ پر آگیا۔ چار ادب والے مہینے ہیں یعنی تین متواتر ہیں۔(ذی قعدہ‘ ذی الحجہ اور محرم) اور ایک مفرد رجب کہ جمادی الاخرۃ اور شعبان دونوں کا درمیانی مہینہ ہے“۔

”ہاں‘ عورتوں کے بارہ میں اللہ سے ڈرو‘ کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ساتھ حلال کیا ہے‘ یہ بھی جان لو کہ تمہارا بھی تمہاری بیویوں پر حق ہے اور ان کا بھی تمہارے اوپر حق ہے‘ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر مرد یا کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو‘ اور اگر وہ کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو تم کو اللہ نے اجازت دی ہے کہ ان کی اصلاح کے لیے ان کو اپنی خواب گاہوں سے الگ کر سکتے ہو‘ اور ایسی بری سزا دے سکتے ہو جو نشان ڈالنے والی نہ ہو‘ پھر اگر وہ باز آجائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو قاعدے اور دستور کے مطابق ان کا نان ونفقہ تمہارے ذمہ ہے۔ یقیناً خواتین تمہارے زیر نگین ہیں جو اپنے لیے خود کچھ نہیں کر سکتیں“۔

”اے لوگو! سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کا مال لینا اس کی رضامندی اور خوش دلی کے بغیر جائز نہیں“۔

”میرے بعد کہیں اس اخوت کو ترک کر کے پھر کافرانہ رنگ ڈھنگ اختیار کر کے ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنے لگنا“۔

”میں تمہارے درمیان ایک ایسی شے چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک تم اس پر کاربند رہو گے‘ کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ ہے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت“۔

”اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا ابوالاباء بھی ایک ہے۔ تم سب آدم (علیہ

Marfat.com

السلام) کی اولاد ہو۔ اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ یاد رکھو، کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر کوئی برتری ہے مگر تقویٰ کی وجہ سے"۔

"اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں اور نہ تمہارے بعد کوئی اور امت برپا کی جانے والی ہے، لہٰذا اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو پانچ وقت نماز پڑھتے رہو، ماہ رمضان کے روزے رکھتے رہو، خوش دلی اور رغبت سے اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اور اپنے رب کے گھر کا حج کرتے رہو اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرتے رہو تاکہ اپنے رب کی جنت میں داخل ہو سکو"۔

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے میراث میں سے ہر وارث کے لیے ایک حصہ مقرر کر دیا ہے اور ایک تہائی مال سے زائد کی وصیت کرنا جائز نہیں"۔

"بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر تولد ہو اور بدکار کے لیے پتھر ہے"۔

"جس نے اپنے باپ کے بجائے کسی دوسرے کو باپ قرار دیا، یا جس غلام نے اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کو آقا ظاہر کیا تو ایسے شخص پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی طرف سے لعنت ہے۔ اس سے قیامت کے دن کوئی بدلہ یا عوض قبول نہ ہو گا"۔

"تم لوگوں سے میرے بارہ میں پوچھا جائے گا، تو بتاؤ تم لوگ کیا کہو گے؟"

تمام لوگوں نے با آواز بلند کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا، امت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ حقیقت کے سارے پردے اٹھا دیئے اور اللہ کی امانت کو ہم تک کما حقہ پہنچا دیا۔

لوگوں کے منہ سے یہ گواہی کے الفاظ سن کر آپ نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا:

"اے اللہ! گواہ رہیو! اے اللہ گواہ رہیو! اے اللہ گواہ رہیو!

پھر حاضرین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"سنو لوگو! جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں غیر حاضر لوگوں تک پہنچا دیں۔"

اس خطبہ کو بغور پڑھیں تو معلوم ہو گا کہ اس میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے جو بین الانسانی اور بین الاقوامی منشور پیش فرمایا ہے، انسانی کاوشیں اس سے آگے آج تک کچھ نہیں سوچ سکیں۔ اس منشور سے ہٹ کر زندگی کا جو نقشہ بھی بنایا جائے گا وہ سراسر غیر اسلامی بلکہ غیر انسانی ہو گا۔ اس منشور کی روشنی میں ہم آج غیر اسلامی تمدنوں کی حقیقت کا

Marfat.com

عکس دیکھ سکتے ہیں۔

جب آپ اس خطبہ سے فارغ ہوئے تو آپ اپنی ناقہ قصواء سے اتر کر زمین پر فروکش ہوئے۔ سیدنا بلال ؓ نے ظہر کی اذان دی۔ ظہر اور عصر دونوں نمازیں آپ ﷺ نے ایک ہی وقت میں ادا فرمائیں۔ بعد ازاں حمد و ثناء اور دعا و استغفار میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثناء میں اللہ جل شانہ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا۔"

سیدنا صدیق اکبر ؓ نے جب یہ آیت سنی تو رونے لگے، رونے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ اب پیغمبر اسلام ﷺ کے انتقال کا وقت قریب ہے کیونکہ کمال کے بعد زوال ہی ہوتا ہے۔ جس مقصد کی تکمیل کے لیے آپ تشریف لائے تھے جب وہ مکمل ہو گیا تو اب اس دنیا میں ان کا ٹھہرنا چند روز ہی ہے۔

اس کے بعد آپ اپنی ناقہ پر جائے وقوف پر تشریف لے گئے اور اپنی اونٹنی قصواء کا شکم چٹانوں کی طرف کیا اور قبلہ رخ مسلسل اسی حالت میں وقوف فرمایا یہاں تک کہ آفتاب مجلہ مغرب میں چھپ گیا۔ غروب آفتاب کے بعد آپ نے سیدنا اسامہ بن زید ؓ کو قصواء پر اپنے پیچھے بٹھایا اور مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور اقامت سے اکٹھی پڑھیں۔ اس کے بعد نماز فجر ادا کی۔ اس کے بعد قصواء پر سوار ہو کر مشعر حرام تشریف لائے اور قبلہ رخ ہو کر تکبیر و تہلیل کے کلمات کہے اور اللہ تعالیٰ سے اتنی دیر تک دعا کی کہ خوب اجالا ہو گیا۔ بعد ازاں طلوع آفتاب سے پہلے پہلے منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مزدلفہ سے سیدنا فضل بن عباس ؓ کو اپنے پیچھے سوار کیا اور جمرہ کبریٰ یا جمرہ اولیٰ تشریف لائے اور اسے سات کنکریاں ماریں۔ اس کے بعد قربان گاہ تشریف لے گئے اور اپنی عمر کے بقدر تریسٹھ اونٹ خود اپنے دست مبارک سے قربان کیے اور ۳۷ اونٹ آپ کی طرف سے سیدنا علی ؓ نے قربان کیے اس طرح ایک سو اونٹ کی تعداد پوری ہو گئی۔ اس کے بعد ہر اونٹ کے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر ایک ہنڈیا میں پکایا گیا اور آپ نے اس کا گوشت تناول فرمایا اور اس کا شوربا پیا، پھر حلق کروایا اور اپنے موئے مبارک کو صحابہ کرام ؓ میں تقسیم فرما دیا تاکہ صحابہ انہیں تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھیں۔

بعد ازاں آپ ناقہ پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور بیت اللہ کا طواف فرمایا جسے طواف اضافہ کہتے ہیں۔ طواف کے بعد نماز ظہر مکہ ہی میں ادا فرمائی۔ پھر چاہ زمزم پر بنو عبد المطلب کے پاس

Marfat.com

تشریف لے گئے وہ حاجیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ بنو عبدالمطلب نے آپ کو ایک ڈول پانی دیا آپ نے اس کو سیر ہو کر پیا۔ پھر آپ واپس منیٰ تشریف لے گئے۔

منیٰ میں بھی آپ نے عرفات کے خطبہ پر مشتمل مضامین کا ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ خطبہ کے وقت آپ خچر پر سوار تھے صحابہ کرام بیٹھے اور کچھ کھڑے تھے۔

(ملاحظہ ہو بخاری جلد ا ص ۲۳۴ باب الخطبہ ایام منیٰ)

اس کے بعد ایام تشریق ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ میں منیٰ میں ہی قیام فرمایا۔ جمرات کو کنکریاں بھی ماریں اور لوگوں کو شریعت کے احکام بھی سکھائے۔ اللہ کا ذکر بھی فرمایا اور لوگوں کے سوالات کے جوابات بھی فرمائے، پھر ۱۳ ذی الحجہ کو منیٰ سے کوچ فرمایا۔

چونکہ اس حج کے بعد آپ کو حج کرنے کی نوبت نہیں آئی، اور منیٰ اور عرفات کے خطبات میں اشارہ بھی فرمادیا تھا کہ غالباً آئندہ سال تم سے ملنا نہ ہوگا۔ اس وجہ سے اس حج کو "حجۃ الوداع" کہتے ہیں کہ آپ اپنی امت سے رخصت ہوئے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بخاری جلد ا کتاب المناسک جلد ۲ ص ۶۳۱، مسلم باب حجۃ النبی، فتح الباری جلد ۸، ص ۱۰۳، ۱۱۰، ابن ہشام جلد ۲، ص ۶۰۱-۶۰۵، زاد المعاد، جلد ا ص ۲۱۸، ۲۴۰، عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۵۹)

خطبہ غدیر خم

۱۳ ذی الحجہ کو سرکارِ دو عالم ﷺ منیٰ سے روانہ ہوئے اور وادی ابطح کے خیف بنی کنانہ میں فرو کش ہوئے۔ دن کا باقی ماندہ حصہ اور رات آپ نے وہیں گزاری اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں وہیں ادا کیں۔ البتہ عشاء کے بعد تھوڑا سا سو کر اٹھے۔ پھر سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لائے اور طواف وداع فرمایا۔ غرضیکہ تمام مناسک حج سے فراغت کے بعد آپ نے سواری کی مہار مدینہ طیبہ کی طرف کی تاکہ وہاں پہنچ کر اللہ کی راہ میں ایک نئی جدوجہد کا آغاز کریں۔ آپ کے اصحاب کا قریباً ڈیڑھ لاکھ کا ہجوم واپسی پر بھی آپ کے ساتھ تھا جو فضا میں تکبیر و تہلیل کے موتی بکھیر رہا تھا اور آپ انہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

واپسی پر راستہ میں غدیر خم کے مقام پر سیدنا بریدہ اسلمیؓ نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب کی شکایت بارگاہ نبوت میں کی (بخاری جلد ۲ ص ۶۲۳) اور یہ شکایت صرف بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ ہی نے نہیں کی تھی بلکہ اور بہت سے صحابہ کرامؓ بھی یہ شکایت کرنے میں ان کے ہم نوا تھے جیسا کہ ترمذی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۲)

شکایت کیا تھی جو لوگوں نے بارگاہ نبوت میں کی، اس کے بارہ میں امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں

Marfat.com

روایت کیا ہے۔ سیدنا براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو لشکر روانہ فرمائے۔ ایک لشکر پر سیدنا علیؓ کو امیر مقرر فرمایا اور دوسرے لشکر پر سیدنا خالد بن ولیدؓ کو اور فرمایا کہ جنگ کے وقت علیؓ امیر ہوں گے۔ سیدنا علیؓ نے ایک قلعہ فتح فرمایا اور اس قلعہ سے ایک باندی لے لی یعنی اس سے ہم بستری کی۔

یہ واقعہ سیدنا خالد بن ولیدؓ نے لکھ کر میرے ہاتھ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک خط کی صورت میں بھیجا۔ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سیدنا خالدؓ کا وہ خط پیش کیا۔ آپؐ نے جب وہ خط پڑھا تو آپ کے چہرے کی رنگت بدل گئی اور ارشاد فرمایا:

"تو اس شخص کے بارہ میں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہو اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت کرتا ہو، مجھ سے کیا چاہتا ہے؟"

سیدنا براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ "میں اللہ کے غضب اور اس کے رسول کے غضب سے پناہ چاہتا ہوں۔ میں تو صرف قاصد ہوں" یعنی یہ خط لے کر آیا ہوں، اس پر آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس کی ایک سند کے علاوہ کسی اور سند سے آشنا نہیں۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۳)

اسی طرح ایک اور حدیث امام ترمذی نے عمران بن حصینؓ سے نقل کی ہے جس میں منقول ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے سیدنا علیؓ کے بارہ میں کچھ اعتراضات کیے۔ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا: "تم علیؓ سے کیا چاہتے ہو؟ تم علیؓ سے کیا چاہتے ہو؟ علیؓ مجھ سے ہے اور میں علیؓ سے ہوں اور میرے بعد علیؓ ہر مومن کے دل میں ہے۔"

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور اسے جعفر بن سلیمان کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۲)

یہ جعفر بن سلیمان کون ہیں؟ اس کے لیے ملاحظہ ہو (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۴۰۸)

اس سلسلہ میں جو سب سے مشہور حدیث بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے خطبہ میں سیدنا علیؓ کا بازو پکڑ کر فرمایا تھا:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

"جس کا میں مولیٰ ہوں علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہے۔" (ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۳)

یہ حدیث محدثین کے نزدیک مضطرب ہے اور مضطرب حدیث شدید قسم کی ضعیف اور ناقابلِ قبول ہوتی ہے خواہ اس کی سند کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو۔

Marfat.com

دوسرے اس حدیث کا ایک راوی میمون ابو عبداللہ ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس کی روایات منکر ہوتی ہیں۔ امام یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ یہ شخص لاشی ہے۔ بعض حضرات کا دعویٰ ہے کہ یہ شخص ایک رذیل انسان تھا۔

اس مضمون کی ایک روایت سیدنا براء بن عازبؓ سے ان الفاظ میں دی ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے حج فرمایا اس میں ہم شریک تھے۔ آپ نے راستہ میں قیام فرمایا اور لوگوں کو جمع ہونے کا حکم فرمایا۔ جب تمام لوگ اکٹھے ہوگئے تو آپ نے سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا میں تمام مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ حق دار نہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: پھر یہ علیؓ بھی حق دار ہیں۔ جس کا میں مولا ہوں علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہے۔ اے اللہ! جو علیؓ کو دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو علیؓ سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔" (ابن ماجہ ص ۱۲)

اس حدیث کے راوی بھی ایسے ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

پھر اس حدیث سے سیدنا علیؓ کی خلافت ثابت نہیں ہوتی جس کو بعض حضرات ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مولیٰ کے اگرچہ کئی معنی ہیں لیکن اس کے معنی خلیفہ کے کبھی نہیں آئے۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ نبی اکرم ﷺ سیدنا علیؓ کو غدیر خم کے خطبہ میں خلیفہ بنا رہے تھے بلکہ اس سے مقصود صرف سیدنا علیؓ کی محبت کا وجوب بیان کرنا تھا، امامت و خلافت بیان کرنا نہیں تھا۔ ہر صاحب عقل و فہم بخوبی سمجھتا ہے کہ محبت و خلافت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ محبت و خلافت میں تلازم نہیں کہ جس سے محبت ہو وہ خلیفہ بلا فصل بھی ہو۔ اس حدیث پر مفصل بحث ہم نے اپنی کتاب 'سیدنا علیؓ --- شخصیت اور کردار' میں کی ہے۔ اہلِ علم وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

تکمیل مناسک حج کے بعد یہ لاکھوں زائرین واپس اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹنا شروع ہوئے۔ اہلِ حضر موت اور یمن نے اپنے وطن کی راہ لی۔ نجد کے باسی اپنے علاقہ کی طرف گامزن ہوئے اور سرکارِ مدینہ ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔ چنانچہ آپ ذی الحجہ کے اخیر میں مدینہ منورہ پہنچے۔ یہاں پہنچ کر محسوس ہوا کہ اب جزیرہ نمائے عرب کے مسلمانوں کے لیے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں۔ تاہم عرب کے نواحی ممالک روم و ایران اور شام و مصر کی طرف سے ریشہ دوانیوں کے خطرہ کو فراست نبوی محسوس کر رہی تھی۔

جیش اسامہ

— رومن امپائر (Roman Empire) اپنے آپ کو دنیا کی سپر پاور سمجھتی تھی اور کسی لحاظ سے وہ

سپر پاور تھی بھی، وہ اسلامی سلطنت کو اپنے لیے برابر خطرہ سمجھ رہی تھی۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو بھی اس حکومت کی ان کارروائیوں سے ہر وقت دغدغہ لگا رہتا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت اسلامی ریاست کے خلاف سر اٹھالیں، چنانچہ آپ اس خطرہ کی پیش بندی فرمانا چاہتے تھے۔ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ رسول خدا ﷺ نے شام پر چڑھائی کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج جمع کرنے کا حکم جاری فرمایا، جس میں مہاجرین اولین بھی تھے۔ ان میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا عمرؓ جیسے سربر آوردہ بطور سپاہی شامل تھے۔ چنانچہ ۲۶ صفر سنہ ۱۱ھ کو آپؐ نے رومیوں کے مقابلہ کے لیے مقام ابنی کی جانب لشکر کشی کا حکم فرمایا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں جنگ موتہ واقع ہوئی اور جس میں سیدنا زید بن حارثہؓ، سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ اور سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ جیسے بہادر جرنیل شہید ہوئے تھے۔ آپ نے اس لشکر کا امیر سیدنا اسامہ بن زیدؓ کو مقرر فرمایا حالانکہ وہ بالکل نوجوان تھے اور ان کی عمر ابھی پچیس سال سے متجاوز نہ ہوئی تھی اور ان کی ماتحتی میں بڑے بڑے سربر آوردہ مہاجرین تھے، جنھوں نے زمانہ کے نشیب و فراز کو نہایت گہری نگاہ سے دیکھا تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر مسلمانوں کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ایمان نہ ہوتا اور "السابقون الاولون" اور ممتاز صحابہ کرامؓ کو اسامہ جیسے نوخیز اور نو عمر کی سیادت کیونکر گوارہ ہو سکتی تھی؟ سیدنا اسامہؓ کے تقرر میں جناب رسالت مآب ﷺ کے نزدیک دو امور محرک تھے۔

۱۔ اسامہؓ کو ان کے والد سیدنا زید بن حارثہؓ کا نائب بنانا تھا جو اسی مقام پر انہی عیسائیوں کے ہاتھوں جنگ موتہ میں شہید ہوئے تھے تاکہ ایک تو وہ اپنے باپ کی شہادت کا بدلہ لے سکیں اور دوسرے ان کو اپنے والد کی شہادت کے صلہ میں نصرت و فتح کا شرف حاصل ہو۔

۲۔ اسلامی ریاست کی مہمات پر نوجوانوں کو متعین کر کے انہیں مصائب و آلام کے برداشت کرنے اور خطرات کا مقابلہ کرنے کا خوگر بنایا جائے۔

روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں نے سپہ سالار کی نو عمری کے بارہ میں کچھ تاثرات بیان کیے جن سے تنقید کا پہلو نکلتا تھا، اس پر سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اسامہؓ کی سپہ سالاری پر طعنہ زنی اور تنقید کر رہے ہو تو اس سے قبل ان کے والد زید بن حارثہؓ پر بھی یہی ریمارکس دے چکے ہو حالانکہ وہ سپہ سالاری کے اہل تھے اور میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھے اور اسامہؓ بھی ان کے بعد میرے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۱۲)

خلاصہ یہ کہ سیدنا اسامہ بن زیدؓ کو اس لشکر کا سپہ سالار بنا کر روانہ فرمایا۔ بدھ سے آپ کی علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جمعرات کے روز باوجود علالت کے آپ نے خود اپنے دست مبارک سے علم بنا کر اسامہؓ کو دیا اور فرمایا کہ فوج کو پیا پے ارض فلسطین کے اس نقطہ پر لے جائیں جہاں بلقاء اور روم کی

Marfat.com

حدیں ملتی ہیں۔ وہاں جاکر مورچہ بندی کیجیے اور اس مقام کے قریب جہاں دشمنوں نے ان کے والد کو قتل کیا تھا اور یہ کہ خدا کے ان دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو صبح کی تاریکی میں گھیر لیا جائے اور اس انداز سے حملہ کریں جس سے دشمن کو کانوں کان خبر نہ ہو اور یہ یہ فتح یاب ہونے کے بعد نصرت اور غنیمت کی خوشخبری کے ساتھ جلد مدینہ واپس لوٹا جائے۔

سیدنا اسامہؓ علم لے کر باہر تشریف لائے اور اسے سیدنا بریدہ اسلمیؓ کے سپرد کیا اور فوج کو مقام جرف پر جمع کیا اور تمام جلیل القدر صحابہ کرامؓ جلد وہاں آکر لشکر میں شامل ہو گئے۔ سیدنا عباسؓ اور سیدنا علیؓ تو آپ کی تیمارداری کی وجہ سے مدینہ واپس آگئے اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمرؓ اسامہؓ سے اجازت لے کر رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے آتے تھے۔ جس لشکر کی روانگی کا حکم رسول اللہ ﷺ نے اتنی شدومد اور تاکید کے ساتھ دیا ہو، اس میں آپ ﷺ کی علالت کی وجہ سے تعویق اور تاخیر کیوں گوارا کر لی گئی، یہ سوال بعض ذہنوں میں کھٹکتا ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ شام کا سفر طویل تھا جس میں دشوار گزار صحراؤں کو عبور کرنا ناگزیر تھا اور قدم قدم پر مختلف خطرات کا پیش آنا ظاہر تھا۔ دوسری طرف سرکارِ دوعالم ﷺ کی شدید علالت کے باعث مسلمانوں کے لیے آسان نہ تھا کہ وہ ایسی حالت میں مدینہ کو چھوڑ دیں، کیونکہ آپ کی ذات ایک ایسی گرانمایہ ہستی تھی جو ہر مسلمان کے نزدیک اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔

اس سے قبل بھی دو تین دفعہ آپ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ تیرہ سال تک آپ نے اہلِ مکہ کے مظالم برداشت کیے۔ ہجرت کے بعد کافروں نے ایک ایک سال میں کئی کئی مرتبہ جنگ کے شعلے بھڑکائے۔ غزوہ احد میں ایسے روح فرسا صدمات آپ کو برداشت کرنے پڑے کہ قلم کو تاب نگارش نہیں۔ پھر غزوہ حنین کی ہولناکی بھی ہر ایک کے علم میں تھی کہ تیروں کی بوچھاڑ نے مسلمانوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر ابو سفیانؓ جیسے آزمودہ کار، مدبر اور جنگ کے ماہر کو بھی یہ کہنا پڑا کہ "ان کے طور طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمندر سے ادھر نہیں رک سکتے۔" اس نازک اور ہولناک موقع پر سب نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پائے ثبات و استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی اور آپ میدان سے پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھتے رہے۔

یہ سارے حوادث ہر مسلمان کی نگاہ میں تھے، لیکن کسی نے رسول اللہ ﷺ کی ہمت و ثبات میں کوئی لغزش نہ دیکھی۔ نہ ان میں سے کسی حادثہ کی وجہ سے آپ پر کسی مرض کا اچانک حملہ ہوا۔ لیکن جب تمام شدائد و مصائب گزر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ اچانک شدید علیل ہو گئے تو مسلمانوں کا ماتھا ٹھنکا اور اس بیماری پر آپ کے صحابہ کا اس حد تک متاثر ہونا ایک قدرتی امر تھا، چنانچہ لشکر کا مدینہ سے تین میل کی مسافت پر رک جانا اور روانگی میں تاخیر و تعویق ہو جانا ایک قدرتی بات تھی اور ان کی نگاہیں

Marfat.com

اس بات کی متلاشی تھیں کہ اب ذات کبریا کی طرف سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

جمعرات کے روز جب مرض میں شدت پیدا ہوگئی اور آپ عشاء کی نماز کے لیے مسجد میں تشریف نہ لا سکے تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو نماز پڑھانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ پیر کی صبح کو آپ ﷺ کو قدرے سکون ہوا اور صحابہؓ یہ سمجھے کہ اب آپ کی طبیعت رو بصحت ہے تو سیدنا اسامہؓ نے روانگی کا ارادہ فرمایا وہ اسی تیاری میں تھے کہ سیدہ ام ایمن والدہ سیدنا اسامہؓ نے پیغام بھجوایا کہ آپ حالت نزع میں ہیں۔ اس تشویشناک خبر نے پھر روک دیا اور کچھ دیر نہ گزری تھی کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا انتقال ہو گیا۔

یہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا آخری سریہ تھا، لیکن ان کے بارہ میں اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ سیدنا صدیقؓ کے عہد خلافت کی پہلی مہم اور پہلا لشکر ہو، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کا سن کر تمام اہلِ لشکر افتاں وخیزاں مدینہ واپس آئے۔ سیدنا بریدہ اسلمیؓ نے نشان لا کر حجرہ مبارکہ کے دروازے پر نصب کر دیا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ جب خلیفہ ہوئے تو سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ جیش اسامہؓ کو روانہ کیا اور مقام جرف تک خود مشایعت کے لیے تشریف لے گئے۔ ۴۰ روز کے بعد یہ لشکر مظفر و منصور واپس لوٹا۔ معرکہ میں ہر مد مقابل کو لقمہ تیغ بنایا۔ سیدنا اسامہؓ نے اپنے باپ کے قاتل کو قتل کیا اور چلتے وقت مکانات و باغات کو نذر آتش کیا تا کہ دشمن مرعوب ہو۔ اس لشکر کا واپسی پر استقبال خود سیدنا صدیق اکبرؓ نے مدینہ سے باہر جا کر کیا۔ جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو مسجد نبوی میں شکرانے کی دو رکعت ادا فرمائیں۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۱۰۷، ابن سعد جلد ۲ ص ۱۸۹-۱۹۲، عیون الاثر جلد ۲ ص ۳۶۹-۳۷۰)

ہرقل شاہ روم پر اس حملہ کا بہت اثر ہوا اور وہ مسلمانوں کی عسکری قوت سے خاصا مرعوب ہو گیا۔ اس کے بعد اسے مسلمانوں سے ریشہ دوانی کی جرأت نہ ہوئی بلکہ بعد میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمرؓ کی خلافتوں میں مسلمان سپہ سالاروں نے بازنطینی حکومت پر پے در پے حملے کر کے اسے نہ صرف کمزور کر دیا بلکہ ہرقل کو شام سے قسطنطنیہ بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "ابوبکر الصدیقؓ"۔

Marfat.com

رفیق اعلیٰ کی طرف

حجتہ الوداع میں تکمیل دین کی جو بشارت دی گئی تھی، اس کے بعد آپؐ کے جذبات و احساسات اور احوال و ظروف بلکہ گفتار و کردار سے بھی یہی ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا کہ اب آپ اس دنیا کے باسیوں کو الوداع کہنے والے ہیں، چنانچہ حجتہ الوداع سے واپسی کے بعد آپ نے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی اور رفیق اعلیٰ سے جلد از جلد ملنے کا جذبہ آپ میں شدت اختیار کرنے لگا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی آپ نے سیدنا معاذ بن جبلؓ کو فرمادیا تھا کہ "اے معاذ! غالباً تم مجھ سے اس سال کے بعد نہ مل سکو گے بلکہ غالباً اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔" پھر حجتہ الوداع میں بھی اعلان فرمادیا کہ شاید اب اس کے بعد تم سے ملنا نہ ہو اور شاید پھر تمہارے ساتھ حج نہ کر سکوں۔ غدیر خم کے خطبہ میں بھی یہی فرمایا کہ شاید عنقریب میرے رب کا قاصد مجھے بلانے اور لینے کے لیے آجائے۔ رمضان المبارک سنہ ۱۰ھ میں آپؐ نے بیس روز اعتکاف فرمایا، حالانکہ اس سے قبل آپ ہر رمضان میں دس روز اعتکاف فرماتے تھے، پھر جبرئیل امین نے اس سال آپ کو دو مرتبہ قرآن حکیم کا دور کرایا جب کہ اس سے پیشتر آپ ہر سال ایک ہی مرتبہ دور کرتے تھے۔ آپ نے سیدہ فاطمہؓ سے فرمایا کہ اس بار دو دفعہ دور کرنے سے میں سمجھتا ہوں کہ میری اس دنیا سے روانگی کا وقت قریب آگیا ہے۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اب سرکارِ دو عالم ﷺ اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمانے والے ہیں، چنانچہ حجتہ الوداع سے واپسی کے بعد آپ تسبیح و تحمید اور توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے۔

اوائل صفر سنہ ۱۱ھ میں ایک روز آپ دامن احد میں تشریف لے گئے۔ آٹھ سال کے بعد شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر جنت البقیع تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور دعا اس طرح فرمائی گویا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں، پھر واپس آکر مسجد نبوی میں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا:

Marfat.com

"میں تمہارا میر کارواں ہوں اور تم سے پہلے جا رہا ہوں۔ میرا تم سے حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے اور میں اس وقت حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں' اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں اور بخدا! مجھے اپنے بعد اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم مجموعی طور پر سب کے سب شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے' البتہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ تم دنیا طلبی میں باہم مقابلہ کرو گے اور باہمی تنافس میں مبتلا ہو جاؤ گے اور آپس میں لڑو گے اور ہلاک ہو گے۔"

(بخاری جلد ۲ ص ۵۸۵' زرقانی جلد ۸ ص ۲۵۱)

ماہ صفر کے آخری عشرہ میں ایک روز آپؐ نصف شب کو اٹھے' گرمی کا موسم تھا' آپ اپنے ایک غلام ابو مویہبہؓ کو ساتھ لے کر دولت کدہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ گورستان بقیع تشریف لے گئے۔ قبرستان کے وسط میں کھڑے ہو کر اہلِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی اور فرمایا:

"اے قبروالو! تم پر سلامتی ہو' لوگ جس حال میں ہیں اس کے مقابل تمہیں وہ حال مبارک ہو جس میں تم ہو یعنی جو بھی تمہاری حالت ہے اس پر خوش رہنے سے جی نہ چراؤ' یہ سب کے ساتھ یکساں ہے۔ دیکھو! فتنے اس طرح ایک کے بعد ایک چلے آ رہے ہیں جیسے اندھیری رات میں تاریکی کے پردے۔ یعنی ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا جن میں سے ہر دوسرا پردہ اپنے پہلے سے زیادہ خوفناک ہوتا ہے۔"

اس کے بعد یہ کہہ کر اہلِ قبور کو خوشخبری دی کہ "ہم بھی تم سے آ ملنے والے ہیں"۔

ابو مویہبہؓ فرماتے ہیں کہ گورستان بقیع کے باسیوں کے لیے دعائے مغفرت فرمانے کے بعد حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کے خزانے اور زندگانی جاوید یا پھر اس کے مقابلہ میں جنت' کسی ایک بات کے پسند کرنے کا اختیار فرمایا۔ مگر میں نے اس دنیا کے خزانوں اور دائمی زندگی کے مقابلہ میں اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو اختیار کیا ہے۔"

(ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۴۲' البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۲۴)

گورستان بقیع میں وہاں کے باسیوں کے لیے دعا کرنے کے بعد آپ واپس گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سر پکڑے درد سے کراہ رہی ہیں۔ بار بار سیدہ کی زبان سے "ہائے میرا سر' ہائے میرا سر" نکل رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہؓ کو دیکھ کر فرمایا:

"عائشہ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہائے میرا سر۔"

پھر فرمایا:

"اگر تو مجھ سے پہلے انتقال کر جائے تو تجھے کیا نقصان ہے؟ میں خود تمہاری تجہیز و تکفین

Marfat.com

کروں گا اور تم پر نماز جنازہ پڑھ کر تمہیں دفن کروں گا۔"

سیدہ عائشہؓ بولیں: "آپ کی خواہش تو یہی ہے کہ جس طرح ہو سکے مجھے سپرد خاک کر دیں اور دولت کدہ پر تشریف لا کر میری باری میری کسی سوکن کو ہبہ فرما دیں۔"

سیدہؓ کا جواب سن کر آپؐ نے تبسم فرمایا اور خاموش ہو گئے۔ بس اسی روز سے آپؐ کے سر میں درد نے شدت اختیار کر لی۔ کچھ دیر بعد قدرے افاقہ ہوا تو سیدہ میمونہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ یہ غالباً ۲۹ صفر سنہ ۱۱ھ کا واقعہ ہے۔ یہ آپ کے مرض کا آغاز تھا اور ۱۳ یا ۱۴ روز آپ بیمار رہے۔

(زرقانی جلد ۸ ص ۲۵۶، ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۴۳، البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۲۴)

شدت مرض ہی میں آپ باری باری ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے رہے۔ جب مرض نے زیادہ شدت اختیار کر لی تو تمام ازواج مطہرات سے اجازت لے کر سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے یہاں تشریف لے آئے۔ پیر کے روز آپ سیدہ عائشہؓ کے حجرہ میں منتقل ہوئے اور آٹھ روز کے بعد اگلے پیر کو سیدہ عائشہؓ کے حجرہ مبارکہ ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ تیرہ یا چودہ دن کی علالت میں آٹھ روز کی تیمارداری کا شرف سیدہ عائشہؓ کے حصہ میں آیا۔ (زرقانی جلد ۸ ص ۲۵۵)

روایات میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں منتقل ہوتے ہوئے آپؐ کی حالت یہ تھی کہ سیدنا فضل بن عباسؓ اور سیدنا علی بن ابی طالبؓ کا سہارا لے کر آپ چل رہے تھے، سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور پاؤں مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اس حالت میں آپ سیدہ عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لائے اور پھر آخر تک یہیں رہے، بلکہ اپنی آخری آرام گاہ بھی اسی حجرہ مبارکہ کو بنایا۔

علالت کے دوران ہی آپ کو اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور طلحہ اسدی، مدعیان نبوت اور لوگوں کے مرتد ہونے کی خبر ملی۔ اسود عنسی کی سرزنش اور سرکوبی کے لیے انصار کی ایک جماعت روانہ فرمائی اور آپ کی رحلت مبارکہ سے ایک روز قبل اس مردود کو قتل کیا گیا۔ مرتدین سے جہاد کے لیے آپ نے تاکید فرمائی جس پر سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے عہد خلافت میں عمل کر کے ان کو قرار واقعی سزا دی۔

علالت نے ابتدا ہی میں بلا کی شدت اختیار کر لی، جیسے جسم کا رواں رواں حرارت کا سو تا بن گیا ہو۔ لیکن جونہی حرارت میں کمی واقع ہوئی، آپ مسجد میں تشریف لائے۔ نماز پڑھائی اور اسی طرح ایک سے زیادہ دنوں تک نمازیں پڑھاتے رہے، لیکن مسجد میں ہونے والی گفتگو میں شرکت نہ فرمائی اور نہ ہی صحابہ کرامؓ سے کسی قسم کا کوئی خطاب کیا۔

ایک روز اپنے خطاب میں فرمایا:

ان عبدا من عبادا اللہ خیرہ اللہ بین الدنیا والاخرہ و بین ما عندہ فاختار ما عندہ۔

"لوگو! اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور آخرۃ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لے، لیکن اللہ کے اس بندے نے اللہ کے ہاں کی نعمتوں کو اختیار کیا۔"

یہ بات کہہ کر آپ تو خاموش ہو گئے لیکن ابو بکر صدیقؓ بات کی تہہ تک پہنچ گئے کہ رسول اللہ ﷺ تو یہ سب کچھ اپنے ہی بارہ میں فرما رہے ہیں۔ آپ تو اب دنیا کو چھوڑنے والے ہیں، چنانچہ ابو بکر صدیقؓ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہماری جانیں اور ہماری اولادیں آپ پر قربان ہوں، آپ ہمیں یہ کیا ساؤنی سنا رہے ہیں؟ سیدنا ابو سعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ ابو بکرؓ کے رونے سے ہمیں بہت تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا اس بڑے میاں کو دیکھو، رسول اللہ ﷺ تو ایک بندے کے لیے فرما رہے ہیں کہ اللہ نے اسے اختیار دیا کہ دنیا کی زیب و زینت یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے، ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کر لے، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ لیکن چند روز کے بعد واضح ہو گیا کہ جس بندہ کو اختیار دیا گیا وہ کوئی اور نہ تھا بلکہ خود رسول خدا ﷺ تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابو بکرؓ ہم میں سب سے زیادہ صاحبِ علم تھے۔ (بخاری جلد ا ص ۵۱۶) اسی حالت میں آپؐ نے فرمایا! "مسجد میں جن لوگوں کے دروازے ہیں، وہ سب بند کر دیئے جائیں۔ سوائے ابو بکرؓ کے گھر کے دروازے کے۔ اس کے بعد منبر سے اترتے ہوئے فرمایا:

"میرے دوستوں میں سے مجھ پر کسی کا احسان ابو بکرؓ کے برابر نہیں۔ اگر میں خدا کی طرف سے کسی کو اپنا خلیل بنانے کا مجاز ہوتا تو میں ابو بکرؓ کو اپنا خلیل بناتا، لیکن از روئے اسلام باہمی رفاقت و اخوت ایمانی کی حد تک کا اختیار ہے اور اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری ہے"۔

زمانہ علالت میں انصار آپ کی مہربانیوں کو یاد کر کے روتے تھے۔ ایک دفعہ اسی حالت میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا عباسؓ کا گزر ہوا۔ انہوں نے انصار کو روتے ہوئے دیکھا تو ان سے رونے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا: کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی صحبتیں اور مجلسیں یاد آتی ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب نے جا کر سرکارِ دو عالم ﷺ سے انصار کا رونا بیان کیا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے لوگوں کو انصار کے بارہ میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

"اے گروہ مہاجرین! انصار کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ ان کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جائے گی، لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ انصار میرے محرم ہیں۔ ان کے دامن میں مجھے پناہ ملی۔ ان کی خوبیوں کی قدر اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرتے رہنا۔ وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے ہیں،

Marfat.com

اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں معدہ کی طرح ہیں، جو تمہارے نفع و نقصان کا ذمہ دار اور کسٹوڈین ہو۔ (یعنی جو خلیفہ ہو) اس کو چاہیے کہ ان میں جو نیکوکار ہیں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا اور لغزش ہوئی ہو ان کو معاف کرے۔"

(بخاری جلد ۱ ص ۵۳۶)

آپ کی اولاد میں اب صرف ایک ہی بیٹی زندہ تھی اور وہ سیدہ فاطمہ الزہرا تھیں۔ سب سے چھوٹی بھی تھیں، اس وجہ سے آپ کو ان سے بے پناہ محبت تھی۔ علالت کے دوران انہیں بلا بھیجا۔ جب وہ تشریف لائیں تو ان کے کان میں کچھ ارشاد فرمایا۔ وہ رونے لگیں۔ اس کے بعد کچھ اور ان کے کان میں کہا تو وہ ہنس پڑیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے انتقال کے بعد سیدہ فاطمہ سے رونے اور ہنسنے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ پہلی دفعہ آپ نے میرے کان میں یہ فرمایا کہ جبریل مجھ سے ہر سال رمضان میں قرآن حکیم کا ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے، اس سال انہوں نے دو مرتبہ دور کیا ہے، میرا خیال ہے کہ میں اسی بیماری میں اپنے اللہ سے جا ملوں گا۔ آپ کی وفات کا سن کر میں رو پڑی۔ دوسری مرتبہ آپ نے میرے کان میں فرمایا کہ میرے گھر والوں میں تو سب سے پہلے مجھ سے آ ملے گی۔ اس خوشخبری کو سن کر میں ہنس پڑی، چنانچہ سرکارِ مدینہ ﷺ کے انتقال کے چھ ماہ بعد ہی سیدہ فاطمہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ (زرقانی جلد ۸ ص ۲۶۲، بخاری ذکر وفات، فتح الباری جلد ۸ ص ۱۰۳)

بعض روایات میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ معوذات اور رسول اللہ ﷺ سے یاد کی ہوئی دعائیں پڑھ کر آپ کے ہاتھ پر پھونک مارتیں اور برکت کی امید میں اپنا ہاتھ نہیں بلکہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا ہاتھ ان کے جسم مبارک پر پھیرتیں۔

وفات سے پانچ روز پہلے یعنی بدھ کے روز بخار میں مزید شدت آ گئی۔ جس کی وجہ سے جسم میں ایک اضطراری کیفیت پیدا ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ پر مختلف کنوؤں سے سات مشکیں پانی ڈال تاکہ میں لوگوں کو وصیت کر سکوں کیونکہ آپ پر ایک نیم غشی کی حالت تھی۔ چنانچہ دارمی کی روایت کے مطابق مدینہ طیبہ کے سات مختلف کنوؤں سے سات مشکیں بھر کر لائی گئیں اور آپ پر ڈال دی گئیں۔ آپ پر اتنا پانی ڈالا گیا کہ آپ "بس، بس" کہنے لگے، چنانچہ آپ کو کچھ سکون ہوا۔ حرارت میں کافی تخفیف ہوئی اور آپ سیدنا عباس اور سیدنا علی کے سہارے سے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ یہ ظہر کی نماز تھی اور بعد ازاں آپ نے ایک خطبہ دیا۔ یہ آپ کا آخری خطبہ تھا۔ اس خطبہ میں بعض روایات کے مطابق آپ نے سیدنا ابوبکر کے وہ فضائل و مناقب اور محاسن و کمالات بیان فرمائے جو ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیے ہیں، پھر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

Marfat.com

لوگو! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔"

(بخاری جلد ۱ ص ۶۲ موطا مالک ص ۶۵ ص ۳۶۰)

پھر آپ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش فرمایا اور لوگوں سے فرمایا کہ "میں نے کسی کی پیٹھ پر اگر کبھی کوئی کوڑا مارا ہو تو میری پیٹھ حاضر ہے۔ وہ شخص مجھ سے قصاص اور بدلہ لے لے اور اگر آبروریزی کی ہو تو اس کے سامنے میری آبرو حاضر ہے وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔"

پھر آپ نے عداوت وغیرہ سے متعلق گزشتہ کچھ باتیں دہرائیں۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کے ذمہ میرے تین درہم باقی ہیں۔ آپ نے سیدنا فضل بن عباسؓ سے فرمایا: اسے تین درہم ادا کر دو۔ اس کے بعد فرمایا:

"مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے خوفزدہ ہو۔ ذرا سوچو تو کیا کوئی نبی مجھ سے پہلے اپنی امت میں ہمیشہ رہا ہے جو میں تم میں ہمیشہ رہوں۔ سن لو! میں خدا سے ملنے والا ہوں اور تم بھی خدا سے ملنے والے ہو۔ میں تمام مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا معاملہ کرو۔"

"اور اے مسلمانو! میں تمہیں انصار کے بارہ میں بھی وصیت کرتا ہوں۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا۔ انصار نے اسلام اور ایمان کو ٹھکانہ دیا اور زمینوں اور مکانوں، باغوں اور پھلوں میں تمہیں اپنے ساتھ شریک اور حصہ دار بنایا اور باوجود فقر و فاقہ اور تنگ دستی کے تمہیں اپنے آپ پر ترجیح دی۔"

"سنو! میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور تم بھی مجھ سے آکر ملو گے۔ حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۳۱، زرقانی جلد ۸ ص ۲۶۸)

واقعہ قرطاس

وفات سے چار روز قبل جمعرات کو جب آپ سخت تکلیف سے دوچار تھے تو جو لوگ حجرۂ نبوی ﷺ میں موجود تھے، انہیں فرمایا: کاغذ اور قلم دوات لے آؤ تا کہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ سن کر وہاں موجود لوگ اختلاف کرنے لگے۔ سیدنا عمرؓ نے کہا کہ چونکہ آپ بیمار ہیں اور درد اس وقت نہایت شدید ہے۔ آپ کی طبیعت بھی بہت گھبرا رہی ہے، لہٰذا ایسی حالت میں آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں۔ اللہ کی کتاب گمراہی سے بچانے کے لیے ہمارے لیے کافی ہے۔ (حسبنا کتاب اللہ) بعض حضرات نے سیدنا عمرؓ کی تائید کی اور بعض نے کہا کہ قلم دوات منگوا کر لکھوا لینا چاہیے۔ اور یہ کہا (اھجر استفھموہ) کیا آپ نے بیماری کی شدت، غلبہ اور بیہوشی کی

حالت میں (معاذ اللہ) کوئی لغو اور ہذیان کی بات کی ہے؟ خود آپ سے اس بارہ میں دریافت کرلو یعنی آپ اللہ کے نبی ہیں۔ آپ کی زبان اور دل خطاء اور غلطی سے معصوم اور مامون ہیں۔ معاذ اللہ اوروں کی طرح نہیں جو بیماری کی حالت میں ادھر ادھر کی باتیں بولنے لگتے ہیں۔ (اھجر کا ترجمہ ہم نے بعض لوگوں کے اعتراض کے پیش نظر ہذیان کیا ہے، حالانکہ ہمارے نزدیک اس کا ترجمہ اور ہے) جب آپس میں اس اختلاف کی وجہ سے زیادہ شور و شغب ہوا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔"

(بخاری ج ۱ص ۲۲، ۴۲۹، ۴۴۹، ج ۲ص ۸۴۳، ۶۳۸، ۸۴۶، مسلم ج ۲ص ۴۲، مسند احمد ج ۱ص ۲۲۲)

اس حدیث کی وجہ سے بعض حضرات سیدنا عمرؓ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے آخری لمحات میں سیدنا علیؓ کی خلافت اور ولایت کے بارہ میں ایک تحریر لکھوانا چاہتے تھے جو سیدنا عمرؓ نے نہ لکھوانے دی۔ حضرت عمرؓ کی یہ بات ایک طرف تو نبوت کی صریح مخالفت تھی اور دوسری طرف سیدنا علیؓ کی خلافت کے راستہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ۔ رسول اللہ ﷺ نے چند روز قبل ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ کے سامنے سیدنا علیؓ کی خلافت بلافصل کا اعلان فرمایا تھا، آپ اس تحریر کے ذریعہ اس اعلان کو تکمیلی شکل دینا چاہتے تھے، لیکن سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی اس کارروائی کو ناکام بنا دیا۔

ان حضرات کا یہ اعتراض بالکل غلط ہے کیونکہ عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت نہایت تکلیف میں (غلب علیہ الوجع) ہیں۔ اس شدید تکلیف میں آپ نے جو کاغذ اور قلم دوات منگوانے کے لیے ارشاد فرمایا ہے، وہ امت پر محض شفقت کی وجہ سے ہے، لہٰذا جب آپ کی جملہ تعلیمات ہمارے سامنے ہیں اور ان کی تفصیل و تشریح میں آپ نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تو ایسے تکلیف دہ وقت میں آپ کو مزید تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ سیدنا عمرؓ کا کہنا نبی اکرم ﷺ کی شدت تکلیف کے پیش نظر تھا کیونکہ انہیں حضور ﷺ کا تکلیف میں یہ کام کرنا گوارا نہیں تھا اور یہ ان کے کمال محبت کا تقاضا تھا۔

اس کے برعکس بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کو عملی جامہ پہنانا چاہیے کیونکہ "ایتونی بقرطاس" (کاغذ لاؤ) کے الفاظ آپ کی زبان مبارک سے بطور ہذیان نہیں نکلے۔ جب آپ کا تکلم عام حالت کی طرح قابلِ اعتبار و حجت ہے تو اس پر ضرور عمل کرنا چاہیے اور اس کا اہتمام پیش نظر رہنا چاہیے۔ اس گروہ نے رسول اللہ ﷺ کے دوسرے پہلو کو مد نظر رکھا وہ یہ کہ آپ کا ارشاد بہرحال تسلیم ہے، لہٰذا اس کو چھوڑنا درست اور صحیح نہیں۔ مقصود دونوں کا رسول اللہ ﷺ سے کمال محبت تھا۔ گویا:

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا
آخر کو ہم دونوں در جاناں پہ مل گئے

Marfat.com

یہ جملہ (اھجراستفھموہ) سیدنا عمرؓ کا مقولہ نہیں بلکہ ان لوگوں کا مقولہ ہے جن کی رائے سیدنا عمرؓ کے خلاف تھی۔ سیدنا عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ حضور ﷺ کو لکھنے کی تکلیف نہ دی جائے اور دوسرے لوگوں کی رائے یہ تھی کہ کاغذ اور قلم دوات منگوا کر لکھوالیا جائے۔ ان لوگوں نے سیدنا عمرؓ کے جواب میں یہ کہا: (اھجراستفھموہ) اور مطلب یہ تھا کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں تو کیوں نہ لکھوالیا جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کسی ہذیان یا فضول اور لغو بات کا نکلنا ناممکن اور محال ہے۔ (ملاحظہ ہو نووی شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۳)

اسی وجہ سے لوگوں نے "اھجر" بطور استفہام انکاری الزاماً کہا، خود وہ لوگ اس کے قائل نہ تھے اور جس روایت میں یہ جملہ حرف استفہام کے بغیر آیا ہے۔ وہ بھی استفہام پر محمول ہے اور حرف استفہام وہاں مقدر ہے۔

دوسری بات ذہن میں یہ رکھنی چاہیے کہ "ھجر" کے معنی صرف ہذیان ہی نہیں ہوتے بلکہ "ھجر" کے معنی جدائی اور فراق کے بھی ہوتے ہیں اور ہمارے نزدیک یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ چنانچہ اس عبارت کے صحیح اور درست معنی یہ ہوتے ہیں کہ "کیا آپ جدائی اور فراق اختیار کر رہے ہیں۔ اس بارہ میں آپ سے پوچھ لو۔" (بخاری جلد ا ص ۴۲۹، تعلیقہ)

اگر ان لوگوں کی نگاہ میں "ایتونی بقرطاس" یعنی امر کے صیغہ سے وجوب ثابت ہوتا ہے اور سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے اس واجب حکم کی تعمیل نہ کی جو گناہ ہے، تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ حکم صرف سیدنا عمرؓ ہی کے لیے نہ تھا بلکہ تمام حاضرین مجلس کے لیے تھا جن میں سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ بھی شامل تھے۔ ان کے گھر بھی قریب تھے۔ ان حضرات کو اس حکم کی تعمیل کرنا چاہیے تھی۔ جب کہ بقول ان حضرات کے آپ نے لکھوانا بھی خلافت علیؓ ہی کو تھا۔

پھر سیدنا عمرؓ تو رسول اللہ ﷺ کے گھر سے دور رہتے تھے اور سیدنا علیؓ تو وہیں قریب رہتے تھے۔ اس وجہ سے وہ کاغذ اور قلم دوات جلدی لا سکتے تھے۔ وہ سیدنا عمرؓ کی بات کی طرف بالکل دھیان نہ دیتے اور فوراً اٹھ کر کاغذ اور قلم دوات لے آتے اور خطبہ غدیر خم کے مشن کی تحریری تکمیل کروالیتے اور "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" کی عملی تشریح بھی آپؐ سے کروالیتے، لیکن کیا تو انہوں نے بھی کچھ نہ، بلکہ اپنے عمل سے سیدنا عمرؓ کی بات کی تائید کی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ "اھجر" سیدنا عمرؓ کا مقولہ نہیں بلکہ دوسرے گروہ کا مقولہ ہے جو لکھوانے کے حامی اور موید تھے، اور دوسرے گروہ میں سیدنا عباسؓ اور سیدنا علیؓ دونوں شامل ہیں، اگر اس عبارت کا مفہوم اور مطلب وہی ہے جو بعض دوسرے حضرات بیان کرتے ہیں تو یہ مطلب اور مفہوم بجائے سیدنا عمرؓ کے سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ کی طرف منسوب کرنا چاہیے، لیکن چونکہ اس

عبارت کا یہ مفہوم ہی غلط ہے لہٰذا ہم سیدنا عباسؓ اور سیدنا علیؓ کی طرف بھی اس مفہوم کو منسوب نہیں کرتے۔

سیدنا عمرؓ کا "قد غلب علیه الوجع" کہنا ان کے کمال عشق و محبت کی دلیل ہے اور آپ کے درد کا احساس ہے اور "عندکم القرآن" کہنا دراصل "الیوم اکملت لکم دینکم" کی طرف اشارہ تھا جو اس واقعہ سے قریباً ۹۰ روز پہلے نازل ہو چکی تھی۔ گویا دبے لفظوں میں سیدنا عمرؓ نے رسول اکرم ﷺ کے درد اور تکلیف کے پیش نظر ایک محبت بھرا مشورہ دیا، چنانچہ جب سرور کائنات ﷺ نے سیدنا عمرؓ کے یہ الفاظ سنے تو آپ نے کاغذ اور قلم منگوانے پر اصرار نہیں فرمایا بلکہ خاموش رہے جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ سیدنا عمرؓ کے وہ الفاظ "حسبنا کتاب الله" فرمان نبوت کی مخالفت نہ تھی بلکہ مزاج نبوت کی صحیح ترجمانی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بعض صحابہ کرامؓ نے دوبارہ کاغذ اور قلم و دوات پیش کرنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے انکار فرمادیا۔

اگر رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی تعمیل نہ کرنے کی وجہ سے سیدنا عمرؓ قابلِ طعن و ملامت ہیں تو پھر سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ بھی قابلِ طعن ہیں کہ وہ کیوں کاغذ اور قلم دوات نہ لے آئے، کیونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا یہ حکم عام تھا، سیدنا عمرؓ کے لیے خاص نہ تھا۔ اس کے مقابلہ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا علیؓ کو خاص حکم دیا گیا کہ اس معاہدہ سے "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کاٹ کر "محمد بن عبداللہ" کے الفاظ لکھ دو لیکن سیدنا علیؓ نے رسول اللہ کے الفاظ کاٹنے سے صاف انکار کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے وہ الفاظ کاٹے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم "وجوبی" تھا "استحبابی" نہیں تھا، چنانچہ ملا باقر مجلسی اور شیخ مفید نے بھی اس بات کو اپنی کتابوں میں تسلیم کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو حیات القلوب جلد ۲ ص ۷۵۳، ارشاد شیخ مفید ص ۶۳)

پس سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے جواب میں کمال محبت کی وجہ سے کہا "قد غلب علیه الوجع" آپ پر اس وقت چونکہ درد کا غلبہ ہے لہٰذا سرکار کو آرام فرمانے دیں اور "حسبنا کتاب الله" ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے اور دین بھی مکمل ہو چکا ہے، لہٰذا سرورِ کائنات ﷺ کو تکلیف نہ دو۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس تحریر کے ذریعہ سیدنا علی بن ابی طالبؓ کی خلافت لکھوانی تھی اور سیدنا عمرؓ اس میں رکاوٹ بنے، یہ بات بھی دلائل کی روشنی میں غلط ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے خطبہ غدیر خم میں سیدنا علیؓ کی خلافت کا اعلان ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ میں فرمادیا تھا تو پھر لکھوانے کا کیا فائدہ تھا؟ ایک لاکھ چوبیس ہزار انسان پیغمبر ﷺ کی اس بات کے گواہ تھے کہ انہوں نے اپنے بعد سیدنا علیؓ کو خلیفہ بلا فصل منتخب فرمایا ہے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی پیغمبر کے انتقال کے بعد

Marfat.com

اس بات کی گواہی نہ دی کہ سیدنا علیؓ واقعی پیغمبر کے مقرر کردہ خلیفہ بلا فصل ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک اور بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے خطبہ میں سیدنا علیؓ کی خلافت کا اعلان کیا ہوتا یا مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ کو سیدنا علیؓ کی خلافت کی تحریر لکھوانی مقصود ہوتی تو سیدنا عباسؓ سیدنا علیؓ کو کبھی نہ کہتے کہ آؤ رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں کہ وہ ہمارے لیے خلافت کی وصیت کر جائیں، چنانچہ اس سلسلہ میں بخاری میں ہے کہ:

"سیدنا عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سیدنا علیؓ باہر آئے۔ لوگوں نے پوچھا: اب سرور کائنات کا مزاج کیسا ہے؟ سیدنا علیؓ نے فرمایا! اب حالت اطمینان بخش ہے۔ سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: تین روز کے بعد ہم پر کوئی اور حاکم ہو گا۔ بخدا! میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں۔ آؤ چلو، رسول اللہ ﷺ سے دریافت کریں کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہو گا ورنہ آپ اس کو ہمارے بارہ میں وصیت فرما دیں گے۔ سیدنا علی نے عرض کیا: میں آپ سے اس بارہ میں عرض نہیں کروں گا۔ بخدا! اگر رسول اللہ ﷺ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔"

(بخاری ج ۲ ص ۶۳۹، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۲۷، ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۵۱)

بخاری کی اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ غدیر خم میں سیدنا علیؓ کی خلافت کے بارہ میں کوئی وصیت فرمائی تھی، بلکہ اس بارہ میں تو سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؓ سے کہا بھی کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیں، لیکن سیدنا علیؓ نے انکار کر دیا۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ قرطاس کے بعد امت کو تین چیزوں کی وصیت فرمائی:

"۱۔ مشرکین اور یہود کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔

"۲۔ وفود کو رخصت کرتے وقت جائزہ یعنی ہدیہ اور تحفہ دیا کرنا جس طرح میں انہیں ہدیہ اور تحفہ دیا کرتا تھا۔

"۳۔ تیسری بات سے آپ نے سکوت فرمایا یا راوی (سلیمان احول) بھول گیا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تیسری بات یہ تھی کہ "قرآن حکیم پر عمل کرنا" یا "جیش اسامہؓ کو روانہ کرنا" یا "میرے بعد میری قبر کو بت یا سجدہ گاہ نہ بنانا" یا یہ کہ "نماز کی پابندی کرنا اور غلاموں کا خیال رکھنا۔"

ممکن ہے کہ جن باتوں کی آپ نے زبانی وصیت فرمائی، انہی کے لکھوانے کے لیے آپؐ نے کاغذ اور قلم دوات لانے کے لیے کہا ہو۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۱۰۳، بخاری جلد ۱ ص ۴۲۹، جلد ۲ ص ۶۳۸)

Marfat.com

حدیث اور تاریخ کی کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا کاغذ اور قلم دوات منگوانے سے اگر مسئلہ خلافت لکھوانا ہی مقصود تھا تو وہ سیدنا علیؓ کی خلافت لکھوانا نہیں بلکہ سیدنا ابو بکرؓ کی خلافت لکھوانا تھا۔ جس کی تائید بخاری اور مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے مروی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس بیماری کی حالت میں فرمایا کہ "میرا ارادہ ہوا تھا کہ ابو بکرؓ اور اس کے فرزند (عبد الرحمٰنؓ) کو بلانے کے لیے کسی کو بھیج دوں اور ان کو وصیت کر دوں اور ان کو اپنا جانشین بنا دوں تا کہ کہنے والے کچھ نہ کہہ سکیں اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کر سکیں، لیکن پھر میں نے اپنا یہ ارادہ فسخ کر دیا اور یہ کہا کہ وصیت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ انکار کرے گا کہ ابو بکرؓ کے سوا کوئی اور خلیفہ ہو، اور اہلِ ایمان ابو بکرؓ کے سوا کسی اور کی خلافت کو قبول نہیں کریں گے۔"

(بخاری جلد ۲ ص ۱۰۷۲)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں:

معاذ الله ان يختلف الناس على ابى بكر۔

"اللہ کی پناہ کہ لوگ ابو بکرؓ کی خلافت میں اختلاف کریں۔"

امام بخاری کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے سیدنا ابو بکرؓ کی خلافت لکھوانا ہی مراد ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے کتاب الاحکام میں اس حدیث پر جو ترجمۃ الباب رکھا ہے وہ ہے "باب الاستخلاف" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث سے اشارہ خلافت کی طرف ہے۔

(ملاحظہ ہو قسطلانی جلد ۱۰ ص ۲۶۰، فتح الباری جلد ۱۳ ص ۱۱۷، زرقانی جلد ۸ ص ۲۵۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ آپ کے بعد سیدنا ابو بکر صدیقؓ خلیفہ ہوں، لیکن آپ نے یہ معاملہ قضا و قدر اور اجماع پر چھوڑ دیا اور اس کو لکھوایا نہیں، کیونکہ جب سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا "حسبنا كتاب الله" (ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے) تو ہو سکتا ہے کہ فراست نبوت نے سمجھ لیا ہو کہ جب یہ کتاب اللہ کو کافی سمجھ رہے ہیں تو کتاب اللہ میں تو نبی کے بعد صدیق ہی کا درجہ مذکور ہے، لہٰذا نبی کا جانشین اور خلیفہ صدیق ہی ہوگا اور کوئی دوسرا نہیں ہوگا۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا کہ جس عمرؓ نے "حسبنا كتاب الله" کہا تھا اسی عمرؓ نے کتاب اللہ کی روشنی میں سقیفہ بنی ساعدہ میں نبی کا جانشین صدیق ہی کو تجویز کیا اور تمام امت نے جس میں سیدنا علیؓ بھی شامل تھے اس بات میں عمرؓ کے ساتھ اتفاق کیا۔

یہ ساری بحث اس صورت میں ہے کہ جب "حسبنا كتاب الله" کو سیدنا عمرؓ کا مقولہ سمجھا جائے کیونکہ بخاری کی روایت میں جس صحابی نے قلم دوات لانے میں گفتگو کی، اس کا نام درج نہیں۔ لیکن حدیث کی دوسری کتابوں میں اس بارہ میں گفتگو کرنے والے کا نام "عمرؓ" بتایا گیا ہے۔

Marfat.com

شدت علالت کے موقع پر جب کہ کرب اور بے چینی بہت زیادہ تھی آپ کی ذاتی تحویل میں سات دینار تھے، اس خیال سے کہ شاید اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام آجائے اور یہ رقم میرے قبضہ میں رہ جائے آپ نے سیدہ عائشہؓ سے دریافت فرمایا کہ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ آپ نے ان اشرفیوں کو صدقہ کر دینے کا حکم فرمادیا تھا، لیکن اہلِ بیت تیمارداری میں اس قدر منہمک تھے کہ آپ کے اس حکم کی تعمیل کرنا ذہن سے اتر گیا۔ زندگی کے آخری روز "دوشنبہ (پیر)" کو غشی سے افاقہ ہوا تو آپ نے پھر ان دیناروں کے بارہ میں دریافت کیا۔ سیدہ عائشہؓ نے معذرت پیش کرتے ہوئے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے فرصت نہیں ملی اور میرے ذہن سے بھی نکل گیا۔ دینار ابھی تک میری ہی تحویل میں ہیں۔ رسول خدا ﷺ نے یہ دینار لے کر فرمایا: "اگر یہ دینار میری تحویل میں رہ جائیں تو محمد (ﷺ) اپنے رب کے متعلق اپنے ساتھ کیا گمان لے کر اس کے سامنے حاضر ہوگا۔" چنانچہ فرمایا: "جاؤ، اس کو راہ خدا میں خیرات کردو۔" (مسند احمد جلد ۶ ص ۴۹)

وفات سے ایک روز پہلے جب غشی کے بار بار دورے پڑتے تھے، اہلِ بیت نبوت کی توجہ دوا کی طرف منعطف ہوئی۔ ام المومنین سیدہ میمونہؓ کی ایک قرابت دار سیدہ اسماءؓ بنت عمیسؓ نے حبشہ کے زمانہ ہجرت میں ایسے ہی ایک شربت کے بنانے کی ترکیب معلوم کر رکھی تھی۔ حاضرین نے وہ دوا پلانا چاہی چونکہ گوارا نہ تھا اس لیے آپؐ نے انکار فرمایا۔ اسی حالت میں پھر غشی طاری ہوگئی۔ لوگوں نے منہ کھول کر دوا پلادی۔ افاقہ کے بعد آپ کو احساس ہوا تو یہ شربت پلانے کا سبب دریافت فرمایا۔ سیدنا عباسؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ذات الجنب کے شبہ کی بنا پر شربت کے چند قطرے دہن مبارک میں ٹپکائے ہیں۔ فرمایا: مجھے تو خدا تعالیٰ نے ذات الجنب میں مبتلا ہونے سے محفوظ فرمالیا ہے۔ پھر فرمایا کہ سب کو یہ دوا پلائی جائے۔ معلوم ہوا جن لوگوں نے زبردستی دوا پلائی تھی ان میں سیدنا عباسؓ شامل نہ تھے، لہٰذا انہیں دوا نہ پلائی گئی۔ حتیٰ کہ سیدہ میمونہؓ جو اس دن روزہ سے تھیں ان کو بھی دوا پلائی گئی۔

(فتح الباری جلد ۸ ص ۱۱۲)

سیدنا ابوبکرؓ کی امامت

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ آپ ۱۳ یا ۱۴ روز بیمار رہے۔ مرض کی شدت کے باوجود وفات سے چار دن پہلے تک تمام نمازیں خود ہی مسجد میں جا کر پڑھاتے تھے۔ اس روز بھی مغرب کی نماز آپؐ ہی نے پڑھائی اور اس میں سورہ "المرسلات" پڑھی۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷) لیکن عشاء کے وقت مرض میں شدت پیدا ہوگئی اور مسجد میں جانے کی سکت نہ رہی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے دریافت فرمایا: "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟" عرض کیا گیا: "نہیں، یا رسول اللہ! لوگ مسجد میں

Marfat.com

بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" فرمایا: میرے لیے لگن میں پانی رکھو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ آپ نے غسل فرمایا، اور اس کے بعد اٹھ کر مسجد میں جانا چاہا، لیکن آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ پھر جب افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی۔" کہا گیا: نہیں، یا رسول اللہ! سب لوگ آپ کے منتظر بیٹھے ہیں۔ دو تین بار آپ نے مسجد میں جانے کی کوشش فرمائی لیکن ہر بار آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ بالآخر ارشاد فرمایا! "ابوبکر کو میری طرف سے حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ابوبکر نہایت رقیق القلب آدمی ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ اپنی رقت قلبی کی وجہ سے لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے اور گریہ وزاری کے سبب قرأت نہیں کر سکیں گے، لہٰذا آپ عمرؓ کو نماز پڑھانے کے لیے فرما دیں۔ آپ نے تین چار بار یہی فرمایا کہ ابوبکرؓ کو میری طرف سے کہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، اور ہر بار سیدہ عائشہؓ نے جواب میں یہی کہا کہ آپ عمرؓ سے کہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، لیکن حضور ﷺ نے ہر بار انکار فرمایا: اور بالآخر فرمایا: "تم سب یوسف والیاں ہو۔ ابوبکرؓ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" (بخاری جلد ا ص ۹۹)

"تم سب یوسف والیاں ہو۔" اس سے ان عورتوں کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا: جو عزیز مصر کی بیوی کو ملامت کر رہی تھیں، لیکن جب خود انہوں نے یوسف علیہ السلام کا ایک جلوہ دیکھا تو آپ اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ اس سے معلوم یہ ہوا کہ درپردہ وہ خود بھی سیدنا یوسف علیہ السلام پر فریفتہ تھیں، یعنی زبان سے کچھ کہہ رہی تھیں لیکن دل کی اتھاہ گہرائیوں سے کچھ اور ہی جذبہ کروٹیں لے رہا تھا۔ یہاں بھی یہی معاملہ تھا، بظاہر تو سرکارِ دوعالم ﷺ سے یہ کہا جا رہا تھا کہ ابوبکرؓ رقیق القلب آدمی ہیں۔ آپ کے مصلیٰ پر کھڑے ہوں گے تو گریہ وبکاء کی وجہ سے قرأت نہیں کر سکیں گے اور لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، لیکن دل میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ اگر خدانخواستہ سرکارِ دوعالم ﷺ اسی مرض میں انتقال فرما گئے تو لوگوں کے دلوں میں ابوبکرؓ کے بارے میں نحوست وبدشگونی کا خیال پیدا ہو گا۔ سیدہ عائشہؓ کی یہ گزارش صرف ان کی اپنی نہیں تھی، بلکہ دوسری ازواج مطہراتؓ بھی ان کے ساتھ شریک تھیں، اس لیے آپ نے فرمایا: "تم یوسف والیاں ہو۔" مطلب آپ کا یہ تھا کہ تمہارے دل میں کچھ ہے اور زبان سے کچھ اور کہہ رہی ہو۔ یعنی تمہارے دل اور زبان میں مطابقت اور ہم آہنگی نہیں۔

چنانچہ اس دن عشاء کی نماز کے بعد سیدنا صدیق اکبرؓ مسجد نبوی میں لوگوں کو برابر نماز پڑھاتے رہے۔ مرض میں شدت اور تخفیف ہوتی رہتی تھی۔ ہفتہ یا اتوار کو آپ ﷺ نے اپنی طبیعت میں قدرے افاقہ محسوس کیا، چنانچہ آپ سیدنا عباسؓ اور سیدنا علیؓ کے سہارے تشریف لائے۔ اس وقت سیدنا ابوبکر صدیقؓ صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں اور لانے والوں سے فرمایا کہ مجھے ابوبکرؓ کی بائیں جانب بٹھا دیا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل

Marfat.com

کی گئی۔ اس کے بعد ابوبکرؓ مقتدی اور رسول اللہ ﷺ امام ہو گئے۔ یعنی باقی ماندہ نماز لوگوں کو آپ نے پڑھائی اور ابوبکرؓ صحابہ کرامؓ کو تکبیریں سنا رہے تھے۔

(بخاری جلد۱ ص ۹۸، جلد ۲ ص ۶۹۳، نووی شرح مسلم جلد۱ ص ۱۷۹، فتح الباری جلد ۲ ص ۱۲۴)

احادیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز میں سیدنا ابوبکرؓ کی بائیں جانب آ کر بیٹھ گئے اور آپ اب امام ہو گئے اور ابوبکرؓ مقتدی تو آپ ﷺ نے وہیں سے قرأت شروع کی جہاں تک ابوبکرؓ قرأت کر چکے تھے۔ (ملاحظہ ہو ابن ماجہ صفحہ ۸۸، مسند احمد جلد۱ صفحہ ۲۳۲، صفحہ ۲۰۹، طحاوی جلد۱ صفحہ ۱۹۷، سنن الکبریٰ بیہقی جلد ۳ صفحہ ۸۱)

سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ پیر کے روز بظاہر طبیعت کو کچھ سکون محسوس ہوا۔ صحابہ کرامؓ نماز فجر میں مصروف تھے۔ سیدنا ابوبکرؓ امامت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے سیدہ عائشہؓ کا حجرہ مسجد سے ملا ہوا تھا۔ آپ نے حجرہ کا پردہ ہٹا کر مسجد میں نگاہ ڈالی، دیکھا کہ صحابہ کرامؓ نماز میں مشغول ہیں۔ آپؐ نے تبسم فرمایا۔ صحابہ نے آہٹ پا کر سمجھا کہ آپ باہر مسجد میں تشریف لانا چاہتے ہیں۔ سیدنا ابوبکرؓ نے اپنی ایڑی کے بل پیچھے ہٹنا چاہا، لیکن آپ نے اشارہ سے روکا، ابوبکر رک گئے۔ لوگ فرط مسرت سے بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نماز ٹوٹ جائے، لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کر لو۔ پھر آپ نے حجرہ میں داخل ہو کر پردہ گرا دیا۔ مسلم میں روایت ہے کہ آپ کی طبیعت میں اس قدر ضعف تھا کہ پردہ بھی اچھی طرح نہ گرا سکے۔ (مسلم جلد۱ ص ۱۶۷) یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ کرامؓ نے رخ انور کی زیارت کی، چہرۂ انور کا یہ حال تھا کہ گویا مصحف کا ایک ورق ہے۔ یعنی بالکل سفید ہو گیا تھا۔
(مسلم جلد۱ ص ۱۶۷)

سیدنا صدیق اکبرؓ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر سیدھے سیدہ عائشہؓ کے حجرہ میں گئے اور آپ کو دیکھ کر سیدہؓ سے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو اب کچھ سکون اور افاقہ ہے، اور جو بے چینی طبیعت میں پہلے تھی وہ اب نہیں رہی کیونکہ اس سے قبل آپ کی طبیعت میں بہت کرب اور بے چینی تھی۔ حضور ﷺ کی بے چینی کو دیکھ کر سیدہ فاطمہؓ بے ساختہ پکار اٹھیں۔ "ہائے ابا جان کی تکلیف اور بے چینی۔" آپؐ نے یہ سن کر فرمایا: تمہارے ابا کو آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں ہو گی"۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۴۱) سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ موت کو قبول کریں یا دنیا کو ترجیح دیں۔ اس حالت میں اکثر آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے:

مع الذین انعم اللہ علیھم۔

"ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا۔"

اور کبھی آپ یہ فرماتے:

Marfat.com

اللھم فی الرفیق الاعلی

"اے اللہ بڑے رفیق ہیں۔"

سیدہ صدیقہؓ سمجھ گئیں کہ اب اس دنیا سے قطع تعلق ہے، اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے۔ تکلیف لحہ بہ لحہ بڑھ رہی تھی اور جب طبیعت کمزور ہو جائے تو کئی دیرینہ تکالیف بھی عود کر آتی ہیں، چنانچہ اب اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا جسے آپ کو خیبر میں یہودی عورت نے کھلایا تھا، چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ جو اس وقت آپ کے پاس موجود تھیں، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: "عائشہ! خیبر میں جو ایک لقمہ میں نے کھالیا تھا اس کی تکلیف بھی اب میں برابر محسوس کر رہا ہوں۔ اس وقت مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے کہ اس زہر کے اثر سے میری رگ جان کٹی جا رہی ہے"۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷)

اسی حالت میں آپ نے صحابہ کرامؓ کو وصیت فرمائی، فرمایا:

الصلواۃ الصلواۃ وما ملکت ایمانکم۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷)

"نماز، نماز اور تمہارے ماتحت یعنی غلام اور لونڈیاں۔"

یہ الفاظ آپ نے کئی بار دہرائے۔

ٹھنڈے پانی کا ایک برتن آپ کے سرہانے پڑا ہوا تھا۔ رسول خدا ﷺ اپنا دست مبارک اس میں تر کر کے اپنے چہرہ انور سے مس فرماتے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ایک خاص قسم کی بے چینی اور بے کلی ہے۔

انتقال سے کچھ وقت پہلے آپ کی طبیعت میں کافی سکون اور افاقہ محسوس ہونے لگا تھا۔ مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ روبصحت ہو رہے ہیں۔ وہ اس حالت سے بے حد محظوظ ہوئے حتیٰ کہ سیدنا اسامہ بن زیدؓ نے حاضر خدمت ہو کر اپنے لشکر کو شام لے جانے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا ابو بکرؓ نے بھی عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی صحت اللہ کے فضل و کرم سے اچھی ہو رہی ہے۔ میری ایک بیوی حبیبہ بنت خارجہ کی باری کا دن ہے، اگر اجازت ہو تو میں اس کے ہاں سے ہو آؤں اور میں اسے آپ کی صحت کی بھی خوشخبری دے آؤں۔ فرمایا: اجازت ہے، چنانچہ ابو بکرؓ مقام سخ جو حوالی مدینہ میں تھا یہ مژدہ جان فزا سنانے کے لیے تشریف لے گئے، دوسرے لوگوں کو جب یہ پتہ چلا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کو سکون اور افاقہ ہے تو وہ بھی ایک ایک کر کے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ بھی حجرہ عائشہؓ سے باہر آ گئے۔ لوگوں نے ان سے آپؐ کے مزاج کے بارے میں دریافت کیا۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا: الحمد للہ! آپ اچھے ہیں۔ لوگ آپ کے اس جواب میں مطمئن ہو گئے۔ سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا: "علیؓ! خدا کی قسم تین دن کے بعد تو عبد العصا

Marfat.com

(لاٹھی کا غلام) ہو گا یعنی حاکم کوئی اور ہو گا اور تم اس کے محکوم ہو گے۔ بخدا! میں سمجھتا ہوں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اس علالت میں انتقال فرما جائیں گے۔ بہتر ہے کہ ہم حضور ﷺ سے اس بارہ میں پوچھ لیں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو گا، اگر ہم میں سے (بنو ہاشم میں سے) کوئی ہو گا تو پتہ چل جائے گا ورنہ آپ اس کو ہمارے بارہ میں وصیت فرما دیں گے"۔ سیدنا علیؓ نے جواب دیا کہ "اگر حضور ﷺ ہمارے بارہ میں انکار فرما دیں تو ہم ہمیشہ کے لیے اس (خلافت) سے محروم ہو جائیں گے۔ بخدا! میں تو اس بارہ میں آپ سے ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔"

(بخاری جلد ۲ ص ۶۳۹، البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۲۷، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۵۱)

پھر یک دم جو طبیعت خراب ہوئی تو سیدہ عائشہ صدیقہؓ سمجھ گئیں کہ اب آخری لمحات ہیں، عالم نزع شروع ہو گیا ہے، کرب اور بے چینی کا وقت ختم ہونے والا ہے۔ سیدہؓ نے آپ کی اپنے اوپر ٹیک لگوا دی۔ اتنی دیر میں سیدنا عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ہاتھ میں مسواک لیے آ گئے۔ آپؐ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ سیدہؓ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ کے لیے مسواک لے لوں؟ آپ نے سر سے اشارہ فرمایا۔ سیدہؓ نے مسواک لے کر آپ کو دی۔ آپ کو وہ سخت محسوس ہوئی۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: آپ کے لیے اس کو نرم کر دوں؟ اشارہ سے فرمایا! ہاں۔ فرماتی ہیں: میں نے مسواک نرم کر کے آپ کو دی۔ آپؐ نے نہایت اچھی طرح مسواک کی۔ اس وجہ سے سیدہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت مجھ پر یہ ہے کہ میرے گھر میں، میری باری کے دن میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان ٹیک لگائے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد فرمائی، اور آپ کی وفات کے وقت اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب دہن اور آپ کے لعاب دہن کو اکٹھا کر دیا۔

آپ ﷺ کے سامنے لگن میں پانی تھا۔ آپ اس پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: "لا الہ الا اللہ، ان للموت سکرات" اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۴۰)

مسواک سے فارغ ہو کر آپ نے ہاتھ یا انگلی آسمان کی طرف اٹھائی۔ نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹ ہلے۔ سیدہ عائشہؓ نے کان لگایا تو آپ فرما رہے تھے:

"ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جن پر تو نے اپنا انعام فرمایا۔ اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے۔ اے اللہ رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے۔"

آخری فقرہ آپ نے تین مرتبہ دہرایا اور اسی وقت ہاتھ جھک گیا اور آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دفعتاً محسوس ہوا کہ میری آغوش بوجھ سے دبی جا رہی ہے۔ میں نے رخ انور پر

Marfat.com

نظر ڈالی تو آنکھیں پتھرائی جارہی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ رفیق اعلیٰ سے جاملے:

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللھم صل وسلم علیہ وعلی آلہ واصحابہ صلوٰۃ کثیرا کثیرا۔

آج وہ ہستی دنیا سے رخصت ہوئی جس نے انسانیت کو حیات نو سے مالا مال کیا، جس نے ظلم و استبداد میں دبی ہوئی انسانیت کو نہ صرف ظالموں سے چھٹکارا بخشا بلکہ انہیں اوج ثریا پر پہنچادیا، جس نے زندگی کے قافلے کو راہزنوں کے نرغے سے نکال کر صراط مستقیم پر ڈال دیا۔ اس کام کے لیے اس نے کشمکش کے سنگین مراحل کاٹے، خوفناک اذیتیں برداشت کیں۔ مشکلات کے پہاڑ کاٹے لیکن کسی سے کوئی صلہ وصول نہیں کیا۔

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا — کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا در یتیم — اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا

یہ روح فرسا اور جان گداز واقعہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ بروز پیر چاشت کی شدت کے وقت پیش آیا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک تریسٹھ سال چار دن تھی۔ تاریخ وفات میں بہت اختلاف ہے۔ کوئی یکم ربیع الاول کہتا ہے اور کوئی دو ربیع الاول لیکن مشہور قول ۱۲ ربیع الاول ہے۔ اس لیے ہم نے وہ نقل کر دی ہے۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۱۰، فتح الباری جلد ۸ ص ۹۸)

بیکراں اضطراب

اس قیامت خیز خبر نے تمام اہل مدینہ کو اس قدر متاثر کیا کہ ان کے ہوش اڑ گئے۔ کوہ غم ٹوٹ پڑا۔ تمام عالم ان کے لیے تاریک ہو گیا۔ سیدنا عثمانؓ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو، بات کرنی ان کے لیے مشکل ہو گئی تھی۔ سیدنا علیؓ روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ نے فرط غم سے فرمایا "ہائے ابا جان! آپ نے اپنے رب کی آواز پر لبیک کہا، آپ کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے، ہم جبریل امین کو آپ کی موت کی خبر دیتے ہیں۔"

ازواج مطہرات اور خصوصاً سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر رنج و غم کا جو کوہ گراں گرا قلم اس کو اس کے لکھنے کی تاب نہیں۔ سیدنا عباسؓ کی پریشانی اور رنج و غم بھی دیدنی تھا۔ ہر ایک صحابی غم سے نڈھال تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہو گیا ہے؟ ہر ایک کے ہوش اڑے ہوئے، روز روشن میں مدینہ طیبہ میں انہیں اب ہر طرف تاریکی نظر آنے لگی۔ سیدنا انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ جس روز سرکار دو عالم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے، اس سے زیادہ روشن اور تابناک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا اور جس روز آپ نے وفات پائی، اس سے زیادہ تاریک دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۴۱) یہ صرف

سیدنا انسؓ ہی کے تاثرات نہیں ہیں، بلکہ ہر صحابی کا یہ بیان ہے کہ ہمیں مدینہ میں سوائے تاریکی کے اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، اگرچہ غم واندوہ سے ہر صحابی کے ہوش اڑے ہوئے تھے اور اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا تھا، لیکن سیدنا عمرؓ کی حالت کچھ عجیب تھی، آپ کی وفات کی خبر سنتے ہی ان کے ہوش اڑ گئے، وہ تلوار ہاتھ میں لیے مسجد میں ادھر ادھر پھر رہے تھے اور کہہ رہے تھے، منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ انتقال فرما گئے ہیں، لیکن آپ کی وفات ہرگز نہیں ہوئی بلکہ آپ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ جس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے تھے اور اپنی قوم سے چالیس روز غائب رہ کر پھر واپس آ گئے تھے حالانکہ واپسی سے قبل کہا جا رہا تھا کہ وہ انتقال کر چکے ہیں، خدا کی قسم! آپ بھی اسی طرح واپس آئیں گے اور ان لوگوں کو نیست و نابود کر دیں گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ انتقال کر گئے ہیں۔
(ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۵۵)

سیدنا عمرؓ نہایت جوش میں تھے۔ برہنہ تلوار ہاتھ میں تھی۔ مسجد میں جوش سے ادھر ادھر دیوانہ وار پھر رہے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کے سامنے یہ کہہ سکے کہ آپ کا واقعی انتقال ہو گیا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ انتقال سے کچھ دیر پہلے سرکارِ دو عالم ﷺ کی طبیعت میں کافی افاقہ ہو گیا تھا اور صحابہ کرامؓ اب یہ سمجھنے لگے تھے کہ آپ روبصحت ہو جائیں گے، چنانچہ وہ مطمئن ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے تھے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ بھی اجازت لے کر اپنے گھر سخ تشریف لے گئے تھے، ابھی وہ اپنے مکان پر گئے ہی تھے کہ یہ جان گداز خبر ان کو ملی، وہ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر واپس مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی کے دروازے پر گھوڑے سے اترے اور نہایت غمگین حالت میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ کی طرف بڑھے۔ حجرہ میں داخل ہو کر دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا جسد مبارک بستر پر پڑا ہے اور تمام ازواج مطہرات آپ کے اردگرد نہایت حزین و غمگین بیٹھی ہیں۔ سیدنا ابو بکرؓ کی آمد کا سن کر سوائے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے تمام ازواج مطہراتؓ نے پردہ کر لیا اور اپنے منہ ڈھک لیے۔

صدیق اکبرؓ نے چہرہ انور سے چادر کو ہٹایا اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور یہ کہا:

وانبیاہ واخلیلا واصفیاہ۔

تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے، سیدنا عمرؓ نے تو یہ کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر جو حالت طاری ہوئی ہے وہ موت نہیں، لیکن صدیق اکبرؓ نے پیشانی مبارک کو بوسہ دے کر فرمایا:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ موت و حیات دونوں کیفیتوں میں کیسے پاکیزہ تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔" (بخاری جلد ا ص ۵۱۷)

Marfat.com

پھر فرمایا جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لکھی تھی وہ تو آپ پر وارد ہو چکی ہے۔

(بخاری جلد ۱ص ۱۶۶)

بخاری ہی کی ایک روایت یوں ہے کہ:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی نہ جمع کرے گا۔ جو موت آپ کے لیے لکھی گئی تھی اس کا ذائقہ آپ چکھ چکے۔"

(بخاری جلد ۲ص ۶۴۰)

سیدنا عمرؓ کی بات سے لوگوں کو سخت حیرانی ہو رہی تھی۔ مسلمان سیدنا عمرؓ کی بات سے کچھ تذبذب میں پڑ گئے۔ سیدنا ابو بکرؓ نے آتے ہی اس بات کو بھانپ لیا، چنانچہ آپ حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے، اس وقت بھی سیدنا عمرؓ لوگوں کو یہی بات کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات واقع نہیں ہوئی۔ سیدنا عمرؓ کو دیکھ کر سیدنا ابو بکرؓ نے کہا: "عمر بیٹھ جاؤ۔" سیدنا عمرؓ پر اس وقت کچھ عجیب کیفیت طاری تھی۔ اس لیے انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے جب سیدنا ابو بکرؓ کو دیکھا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ اب سیدنا ابو بکرؓ سیدنا عمرؓ کو چھوڑ کر منبر نبوی کی طرف بڑھے اور لوگوں سے فرمایا کہ خاموش ہو کر بیٹھ جائیں۔ چنانچہ سب لوگ سیدنا ابو بکرؓ کی بات سننے کے لیے مسجد میں خاموش بیٹھ گئے۔ سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا! لوگو! جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے نہایت غور سے سنا جائے۔ اس وقت ابو بکرؓ کا ہم پلہ کون ہو سکتا تھا جو سرکارِ دو عالم ﷺ کے ایسے مصدق تھے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کسی کو خلیل بناتے تو ابو بکرؓ کے سوا اس کا اور کوئی مستحق نہ ہوتا، اس لیے تمام لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سیدنا ابو بکرؓ کے ارشادات سننے کے لیے بیٹھ گئے۔ چنانچہ سیدنا ابو بکرؓ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

"لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا، اسے جان لینا چاہیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پا گئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا، وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آسکتی، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: محمد نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول، ان سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ دین اسلام سے پھر جاؤ گے اور جو شخص دین اسلام سے پھر جائے گا تو وہ اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔" (بخاری جلد ۲ص ۶۴۰)

اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی آپ نے ارشاد فرمائیں جن کو علامہ زرقانی نے نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو جلد ۸ص ۲۸۰، البدایہ والنہایہ جلد ۵ص ۲۴۳)

لوگوں کا رخ سیدنا ابو بکرؓ کی طرف دیکھ کر وہ عمرؓ جو پہلے ابو بکرؓ کے کہنے کے باوجود نہ بیٹھے اور نہ اپنی

Marfat.com

بات کہنے سے خاموش ہوئے، اب نہایت خاموشی سے ابو بکرؓ کی تقریر سنتے رہے۔ جب انہوں نے آیت مذکورہ پڑھی تو عمرؓ کے پاؤں لڑکھڑا گئے، ان کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھ گیا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کا یقین ہو گیا۔ عمرؓ کی تقریر کی وجہ سے جو لوگ سرکارِ دوعالم ﷺ کے بارہ میں متذبذب ہو گئے تھے انہیں بھی آپ کی وفات کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت انہوں نے آج ہی سنی تھی۔ سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میری حالت بھی کچھ یہی ہو گئی کہ گویا میں نے آج ان آیات کو پڑھا ہے اور اپنے خیال سے رجوع کیا۔ (قرطبی جلد ۴ ص ۲۲۳) سیدنا سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: خدا کی قسم، میں نے جونہی ابو بکرؓ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا، میں نہایت دہشت زدہ اور متحیر ہو کر رہ گیا، یہاں تک کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا رہے تھے اور ابو بکرؓ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سن کر میں زمین پر گر پڑا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی حضور ﷺ کی وفات ہو چکی ہے۔

(بخاری جلد ۲ ص ۶۴۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابو بکرؓ جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو سیدنا عمرؓ سے فرمایا: "تو ہی وہ شخص ہے جس کے بارہ میں مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ تو پیغمبر ﷺ کے دروازہ پر یہ کہتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ فوت نہیں ہوئے۔" پھر فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے متعلق فلاں فلاں دن یہ فرمایا، اور اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: "انک میت وانھم میتون" سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرا یہ حال ہوا گویا میں نے کتاب اللہ کی یہ آیت اس سے قبل سنی ہی نہ تھی۔

(روض الانف جلد ۲ ص ۳۷۶)

اس دن کی صبح کے وقت جب سیدنا اسامہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں کچھ افاقہ دیکھا تو انہیں بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ کی صحت کے عود کر آنے کا یقین ہو گیا، چنانچہ انہوںؓ نے بھی اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔ اتنے میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر آگئی۔ یہ روح فرسا خبر سن کر وہ بھی مقام جرف سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ واپس آگئے اور فوج کا علم سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے حجرہ کے دروازہ کے قریب نصب کر کے مسلمانوں کے فیصلہ کے انتظار میں اپنے سفر کو التوا میں ڈال دیا۔

تاسیس خلافت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پُرملال نے مسلمانوں کے اوسان خطا کیے ہوئے تھے، انہیں سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ حالات کیا کروٹ لیں گے۔ سیدنا عمرؓ کے اعلان نے انہیں تذبذب میں ڈال دیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں سیدنا ابو بکرؓ کی تقریر نے انہیں بحر تذبذب سے

نکال کر یقین کے ساحل پر بٹھادیا اور انہیں پتہ چل گیا کہ رسول اللہ ﷺ واقعی انتقال فرما گئے ہیں، چنانچہ وہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

لیکن انصار کا ایک اچھا خاصا گروہ سقیفہ بن ساعدہ میں جمع ہوا۔ مہاجرین میں سے چند حضرات سیدنا اسید بن حضیرؓ کی معیت میں سیدنا ابو بکرؓ کے محلہ بنی اشہل کی طرف روانہ ہوئے، اس جاں گداز حادثہ کے کچھ دیر بعد ایک شخص سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے پاس یہ خبر لایا کہ سعد بن عبادہ انصاریؓ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا مجمع لگا رکھا ہے اور آپ ﷺ کی جانشینی کا مسئلہ درپیش ہے۔ خبر دینے والے نے یہ بھی بتایا کہ اگر آپ دونوں حضرات کو امت کی مصلحت پیش نظر ہے تو قبل اس کے کہ اس بارہ میں وہ کوئی فیصلہ کریں، فوری طور پر وہاں پہنچ جائیے۔ ادھر جناب رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر تکفین و تجہیز کے بغیر چارپائی پر رکھا ہوا تھا۔

سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کو فکر لاحق ہوئی کہ مبادا انصار عجلت میں کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت نہ کر بیٹھیں اور بعد میں وہ فتنہ کا سبب اور مسلمانوں کے لیے مصیبت بن جائے، چنانچہ وہ دونوں حضرات فوری طور پر اس طرف روانہ ہو گئے، ادھر سے دو نیک فطرت انصار تشریف لا رہے تھے جنہوں نے مہاجرین کا ذکر کرنے کے بعد سقیفہ میں جمع شدہ لوگوں کی حقیقت بیان کی۔ پھر ان دونوں نے سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ سے ان کا ارادہ دریافت کیا۔ مختصر یہ کہ یہ دونوں حضرات (سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ) فوری طور پر سقیفہ بنی ساعدہ تشریف لے گئے اور نہایت حکمت عملی سے اس مسئلہ کو حل کیا۔ سیدنا ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہونے سے خلافت کا یہ مسئلہ ختم ہو گیا۔ (اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "ابو بکر الصدیقؓ" میں تفصیل سے بیان کر دی ہے، وہاں اس کو دیکھ لیا جائے۔)

"تاسیس خلافت" کے بعد آپ کے جسد مبارک کی تجہیز و تکفین کا اہتمام شروع ہوا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جس پلنگ پر انتقال فرمایا تھا وہ پلنگ بدستور اسی جگہ پر تھا اور غم زدہ اعزاء و اقارب اس کے ارد گرد پریشان حال بیٹھے ہوئے تھے، اب تدفین کے لیے سب سے پہلی بات یہ سامنے آئی کہ آپ کی قبر مبارک کہاں ہو؟ اس بارہ میں تین رائیں سامنے آئیں۔

۱۔ آپ کی تدفین مکہ مکرمہ میں ہو جسے آپ کا مولد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ آپ کے مولد ہی کو آپ کا مدفن بنایا جائے، لیکن اس رائے سے اتفاق نہ کیا گیا۔

۲۔ بیت المقدس چونکہ اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کی آخری آرام گاہ ہے، لہٰذا آپ کو بھی وہیں دفن کیا جائے، لیکن اس رائے سے اکثر حضرات صحابہؓ نے اختلاف کیا کیونکہ بیت المقدس پر بازنطینی حکومت کا قبضہ تھا جس سے مسلمانوں کی دشمنی تھی۔

۳۔ اس سلسلہ میں تیسری رائے یہ تھی کہ جس بستی کے باسیوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے

Marfat.com

ساتھیوں کے لیے اپنے دروازے چوپٹ کھول دیئے تھے اور جنہیں رسول اللہ ﷺ کی نصرت کا شرف حاصل ہوا' اسی شہر میں (مدینہ منورہ میں) آپ کو دفن کیا جائے۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔

اب مرقد کے لیے جگہ کون سی ہو؟ اس میں بھی مختلف آراء سامنے آئیں۔

۱۔ پہلی رائے یہ تھی کہ مسجد نبوی میں منبر کی جگہ پر آپ کو دفن کیا جائے۔

۲۔ دوسری رائے یہ تھی کہ مسجد نبوی میں مصلیٰ کی جگہ پر آپ کو دفن کیا جائے جہاں پر امامت کے فرائض کے لیے آپ کھڑے ہوتے تھے۔

مرقد کے بارہ میں دونوں آراء مسترد ہو گئیں اور مسترد ہونے کی وجہ سیدہ عائشہؓ کی وہ روایت تھی کہ "علالت کے آخری ایام میں جب سرکارِ دو عالم ﷺ نے سیاہ رنگ کی ردا اوڑھ رکھی تھی' اچانک آپ کی تکلیف میں اضافہ ہو گیا جس کی وجہ سے آپ کبھی چادر کا دامن چہرہ پر ڈال دیتے اور کبھی اس کو دوسری طرف پھینک دیتے' اسی اضطراب اور پریشانی میں آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے:

لعن اللہ الیہود والنصاری اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد۔

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔"

ابھی یہ مسئلہ حل نہیں ہوا تھا کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں نے خود اپنے کانوں سے سرور کائنات ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: "نبی کی روح جس جگہ پر قفس عنصری سے پرواز کرتی ہے' اس کی تدفین بھی وہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ حجرہ مبارکہ میں آپ کو دفن کر دیا جائے چنانچہ جہاں پلنگ پڑا ہوا تھا وہیں آپ کی قبر مبارک کھودنے کا فیصلہ ہو گیا۔

منگل کے روز آپ کو جب غسل دینے کا ارادہ کیا تو سوال پیدا ہوا کہ آپ کے کپڑے اتار کر غسل دیا جائے یا بغیر کپڑے اتارے غسل دیا جائے؟ ابھی اس بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ یک لخت سب پر ایک غنودگی طاری ہو گئی اور ہاتف سے آواز آئی کہ اللہ کے رسول کو برہنہ نہ کرو' کپڑوں ہی میں غسل دو' چنانچہ آپ کو کپڑوں ہی میں غسل دیا گیا۔

غسل میں قرابت دار ہی شریک تھے اور انہیں ہی شریک ہونا چاہیے تھا۔ سیدنا علی بن ابی طالبؓ جسد اطہر کو مل رہے تھے۔ سیدنا عباسؓ اور آپ کے دو صاحبزادے فضلؓ اور قثمؓ پردہ کیے ہوئے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ کروٹیں بدل رہے تھے اور سیدنا اسامہ بن زیدؓ اور رسالت مآب ﷺ کے ایک غلام شقرانؓ پانی ڈال رہے تھے۔ غسل کے دوران جسد اطہر کو ملنے کے باعث خوشبو کی لپٹوں کی وجہ سے در و دیوار مہک اٹھے جس پر سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا:

بابی انت وامی ما اطیبک حیا ومیتا۔

Marfat.com

"میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں۔ زندگی میں بھی اس جسد اطہر سے مہک آتی رہی اور اب بھی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۶۰)

بعد ازاں سحول کے بنے ہوئے تین کپڑوں میں آپ کو کفن دیا گیا جو تینوں چادریں تھیں، ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا دو چادریں یمن کی بنی ہوئی تھیں اور ایک چادر دھاری دار تھی، وہ کپڑے جن میں آپ کو غسل دیا گیا تھا کفن پہناتے وقت اتار لیے گئے۔ تکفین سے فارغ ہو کر جسد اطہر کو زیارت کے لیے رکھ دیا گیا۔ زائرین مسجد سے گزر کر آخری دیدار کے لیے آنے لگے اور درود و سلام کا ہدیہ بارگاہ نبوت میں پیش کرتے ہوئے اشکبار آنکھوں سے لوٹتے رہے۔ (بخاری جلد ا ص ۱۶۹، مسلم جلد ا ص ۳۰۶)

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ مرقد کے مقام کا تعین تو ہو گیا کہ نبی کی جائے وفات ہی اس کا مدفن ہوتی ہے۔ چنانچہ جہاں آپ کی چارپائی پڑی تھی وہیں آپ کی قبر مبارک بنانے کا فیصلہ ہوا۔ لیکن پھر آپس میں ایک اختلاف یہ ابھرا کہ قبر کس قسم کی کھودی جائے؟ عرب میں دو قسم کی قبر کھودی جاتی تھی (۱) بغلی اور (۲) لحد والی۔ مکہ میں بغلی قبر کا رواج تھا جبکہ اہل مدینہ لحد والی قبر کھودتے تھے۔ سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ بغلی قبر کے ماہر تھے اور سیدنا ابو طلحہ انصاریؓ (زید بن سہیلؓ) جو اہل مدینہ میں گویا قبر کن تھے، لحد والی قبر کھودنے میں مشہور تھے۔ سیدنا عمرؓ نے کہا اختلاف مناسب نہیں۔ دونوں حضرات کے پاس ایک ایک آدمی بھیجا جائے جو پہلے آجائے اس سے قبر کھدوائی جائے۔ (ابن ماجہ) لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا، چنانچہ سیدنا عباس بن عبد المطلبؓ نے دونوں حضرات کی طرف آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور فیصلہ یہ ہوا کہ دونوں حضرات میں سے جو شخص پہلے آجائے وہ اپنے طریقہ کے مطابق قبر تیار کرے گا۔ سیدنا ابو عبیدہؓ گھر پر موجود نہ ہونے کی وجہ سے نہ آسکے اور ابو طلحہؓ تشریف لے آئے، چنانچہ قبر اہل مدینہ کے طریقہ کے مطابق لحد والی تیار کی گئی۔ (زرقانی جلد ۸ ص ۲۸۹، ابن سعد جلد ۲ ص ۵۹)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ منگل کے روز جب آپ کی تجہیز و تکفین سے فراغت ہو گئی تو جسد اطہر کو قبر کے کنارہ پر رکھ دیا گیا۔ اب ایک ایک گروہ حجرہ مبارک میں آتا تھا اور نماز جنازہ پڑھ کر باہر آجاتا تھا۔ ان میں سے کوئی امامت نہ کراتا بلکہ ہر شخص تنہا نماز پڑھتا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جس طرح لوگوں کی نماز جنازہ ایک امام کو آگے کھڑا کر کے پڑھی جاتی ہے، آپ کی نماز جنازہ اس طرح نہیں ہوئی بلکہ اس طرح ہوئی ہے جیسا کہ سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا کہ ایک ایک گروہ حجرہ میں جاتا، تکبیر کہتا پھر درود اور دعا پڑھتا اور باہر آجاتا۔ پھر دوسرا گروہ جاتا اور وہ بھی اسی طرح کر کے واپس آجاتا۔ ایک روایت کے مطابق یہ طریقہ اپنی نماز جنازہ کا رسول اللہ ﷺ نے خود ہی بتایا تھا۔ (ملاحظہ ہو شرح شمائل للمناوی جلد ۲ ص ۲۷۴، زرقانی شرح المواہب جلد ۸ ص ۲۹۱، زرقانی شرح الموطا جلد ۲ ص ۱۶)

Marfat.com

اس طریقہ کے ساتھ قریباً تیس ہزار لوگوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔(زرقانی جلد ۸ ص ۲۹۱)
ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ ایک گروہ کے ساتھ حجرہ مبارکہ میں داخل ہوئے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کے جسد اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر یہ پڑھا:

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ، اللھم انا نشھد انہ قد بلغ ما انزل الیہ ونصح لامہ وجاھد فی سبیل اللہ حتی اعز اللہ دینہ وتمت کلمتہ فاجعلنا یا الھنا ممن یتبع القول الذی انزل معہ واجمع بیننا وبینہ حتی یعرفنا ونعرفہ فانہ کان بالمؤمنین رؤفا رحیما۔ لا نبتغی بالایمان بدلا ولا نشتری بہ ثمنا۔

"اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے وہ سب کچھ ہمیں پہنچادیا جو آپ پر نازل کیا گیا۔ آپ نے امت کی ہمیشہ خیر خواہی کی اور اللہ کے راستہ میں ہمیشہ جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کیا اور اس کا کلمہ بلند ہوا۔اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے کردے جنہوں نے آپ کی نازل کردہ وحی کی اطاعت کی اور ہمیں آپ کے ساتھ جمع فرما تاکہ آپ ہم کو اور ہم آپ کو پہچانیں۔ آپ، اے اللہ کے رسول! مسلمانوں پر بڑے مہربان تھے۔ہم نہ تو اپنے ایمان کا کوئی بدل چاہتے ہیں اور نہ اس کی کوئی قیمت۔"

جب سیدنا ابوبکرؓ یہ کلمات پڑھ رہے تھے تو آپ کے ہر جملہ پر حجرہ نبوی میں موجود حضرات صدق زبان سے اس کی تائید میں آمین کہہ رہے تھے۔(البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۶۵)

مردوں کی نماز جنازہ کے بعد عورتیں آئیں۔ان کے بعد بچے آئے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کی حسرت میں چہرۂ انور پر نظر کرتے۔ آپ کی وفات کی وجہ سے ہر زن و مرد دین کے انجام پر خائف تھا۔ مسلمانوں کا یہ خوف و ہراس بے سبب بھی نہ تھا کیونکہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر سے اطراف مدینہ کے یہود و انصاری دونوں گروہ سرکشی پر آمادہ ہوگئے اور تو اور آپ کے اپنے مولد مکہ مکرمہ کے مسلمان بھی اسلام سے برگشتہ ہونے پر تل گئے۔گورنر مکہ سیدنا عتاب بن اسیدؓ جنہیں سرکارِ دوعالم ﷺ نے گورنر مقرر فرمایا تھا، اس صورت حال کو دیکھ کر پریشان ہوگئے۔
اس نازک موقع پر سیدنا سہیل بن عمروؓ کی فراست آڑے آئی، جنہوں نے مجمع عام میں رسول اللہ ﷺ کی رحلت کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا "اس سے ہماری قوت میں ضعف نہیں آسکتا۔لوگو! سن لو، جس کسی نے بھی اسلام کے خلاف زبان کھولی، اس کی گردن اڑادی جائے گی۔ذرا سوچو تو سہی کہ تم تمام لوگوں کے بعد اسلام میں داخل ہوئے، مگر اسلام سے برگشتہ ہونے میں سب سے پہلے پیش قدمی کررہے ہو۔

سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں قریش کی برتری قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ان ہی کے ہاتھ سے ان کی نصرت اور مدد کرائے گا۔"

تدفین

منگل کا سارا دن صحابہ کرامؓ آپ کی نماز جنازہ میں مشغول و مصروف رہے۔ بدھ کا سارا دن بھی اسی طرح رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ پیر کو دوپہر کے وقت آپ کا انتقال ہوا۔ یہ وہی وقت تھا اور وہی دن تھا جب آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تھے۔ جب تمام مسلمان مرد، بچے اور عورتیں آپ کے آخری دیدار سے فارغ ہو گئے تو آپ کی تدفین پر توجہ دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے اوڑھنے کی سرخ چادر کا فرش بچھایا گیا، جو حضرات غسل میں شریک تھے، انہوں نے ہی اپنے ہاتھوں سے جسد اطہر کو قبر میں اتارا، چنانچہ بدھ کی رات کو آپ کی "تدفین" کی گئی۔ جب جسد اطہر کو لحد میں اتار اگیا تو اسے کچی اینٹوں سے ڈھانک دیا گیا۔ قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد اس کی شکل کوہان کی سی بنادی گئی اور پانی چھڑکا۔ سیدہ عائشہؓ کے بیان کے مطابق آپ کو کسی میدان میں اس لیے دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرط عقیدت و محبت سے میری قبر کو عبادت گاہ نہ بنالیں۔

(بخاری کتاب الجنائز، باب الوفات)

سیدہ عائشہ ام المومنینؓ کا بیان ہے کہ نصف شب کے قریب پھاوڑوں اور کدالوں سے مٹی کاٹنے کی آواز سن کر اندازہ کیا گیا کہ جسد اطہر دفن کیا جارہا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ آدھی رات کے وقت آپ کے دفن سے فارغ ہو کر کف افسوس ملتے ہوئے، حالات سے خائف، خون کے آنسو بہاتے ہوئے اور اس مصیبت کبریٰ پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس لوٹے۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دفن کرنے کے بعد مٹی سے ہاتھ ابھی جھاڑے نہیں تھے کہ تمام مدینہ میں ہمیں اندھیرا نظر آنے لگا۔ چنانچہ شمائل ترمذی میں سیدنا انس بن مالکؓ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "جس روز سرکارِ دوعالم ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو مدینہ کی ہر شے میں ہمیں ایک روشنی اور نور نظر آتا تھا اور جس روز آپ کا انتقال ہوا تو مدینہ کی ہر شے تاریک ہو گئی۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دفن کر کے اپنے ہاتھوں سے مٹی نہ جھاڑی تھی کہ ہمارے دلوں میں تغیر سا پیدا ہو گیا۔"

(شمائل ترمذی حدیث نمبر ۳۷۴، ترمذی باب المناقب حدیث نمبر ۳۶۲۲، ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۶۳۱، جامع الاصول لابن اثیر جلد ۹ ص ۴۰۳)

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ عائشہ میں دفن ہونے کے بعد سیدہ صدیقہؓ اسی حجرہ میں اقامت پذیر رہیں جس کے ایک حصہ میں مرقد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تھی، وہ جوار رسول میں رہنے کو

Marfat.com

اپنے لیے باعث صد افتخار سمجھتی رہیں، بعد میں اسی حجرہ میں آپ کی دائیں جانب سیدنا صدیق اکبرؓ مدفون ہوئے پھر سیدنا عمر بن الخطابؓ بھی اسی حجرہ میں دفن کیے گئے۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سیدنا عمر فاروقؓ کے دفن ہونے کے بعد نقاب اور پورا پردہ کیے بغیر میں حاضر نہ ہوتی۔ بعض روایات میں اس کی وجہ سیدہؓ نے یہ بتائی ہے کہ پہلا شخص جو اس حجرہ میں دفن ہوا وہ میرا شوہر تھا اور دوسرا میرا باپ تھا لیکن عمرؓ غیر محرم تھا لہٰذا پردہ ضروری تھا:

نفسي الفداء بقبرٍ أنت ساكنه فيه العفاف وفيه الجود والكرم

آخر میں ہم اپنی اس کتاب کو حضرۃ العلام مولانا سید مناظر احسن گیلانی نور اللہ مرقدہ کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی سیرۃ کی کتاب ''النبی الخاتم'' میں ''شاہی دربار'' کے عنوان کے تحت رقم فرمائے ہیں۔ سید صاحب لکھتے ہیں:

> ''عجب دربار! سلاطین کہتے ہیں شاہی دربار تھا کہ فوج تھی، علم تھا، پولیس تھی، جلاد تھے، محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے، منصف تھے، ضبط تھا، قانون تھا، مولوی کہتے ہیں: مدرسہ تھا، درس تھا، وعظ تھا، افتا تھا، قضاۃ تھی، تصنیف تھی، تالیف تھی، محراب تھی، منبر تھا''۔
>
> صوفی کہتے ہیں: ''خانقاہ تھی کہ دعا تھی، جھاڑ تھا، پھونک تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا، شغل تھا، تحنث (چلہ) تھا، گریہ تھا، بکا تھا، وجد تھا، حال تھا، کشف تھا، کرامت تھی، فقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا، قناعت تھی، کنکریاں دی جاتی تھیں کہ کھارے کنوؤں کا پانی میٹھا ہو جائے گا، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا تھا، جس کو جو کہہ دیا جاتا ہے، پورا ہو جاتا ہے۔''
>
> ''مگر سچ تو یہ ہے کہ وہ سب کچھ تھا، اس لیے کہ وہ سب کے لیے آیا تھا، آئندہ جس کسی کو چلنا تھا، جہاں کہیں چلنا تھا، جس زمانہ میں چلنا تھا، اسی کی روشنی میں چلنا تھا۔''

"رب اوزعني ان اشكر نعمتك التي انعمت علي وعلى والدي وان اعمل صالحا ترضاه واصلح لي في ذريتي اني تبت اليك واني من المسلمين۔

اللهم صل وسلم وبارك على حبيبك ونبيك وصفيك خاتم الانبياء و سيد الورى الذي قال: الانبياء في قبورهم احياء وعلى آله المجتبى واصحابه الكرماء وعلينا وعلى سائر امته يارب العالمين، يا ذاالجلال والاكرام۔ آمين۔

رب صل و سلم دائما ابدا
على حبيبك خير الخلق كلهم

Marfat.com